

جدید نظر دینی شدہ کیونکر ناپید ہوا

زبان و بیان کے نئے سلوب میں

منظاہر حق جلد

شرح
مشکوٰۃ شریف

1

از افادات

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی

ترجمہ و تفسیر

مولانا عبد اللہ جاوید غازی پوری (پروفیسر)

www.Islamicbookslibrary.wordpress.com

دارالانشاء

آؤمہارا کہہ سچ و سچ کوئی پاکستان 2215765

حدیث ایک مقدس فن ہے جس کی نسبت ایک زندہ جاوید شخصیت کی طرف ہے۔ کرۂ ارض پر جب تک انسان نامی مخلوق موجود ہے اس وقت تک یہ فن اسی تابندگی اور شادابی کے ساتھ باقی رہے گا۔ کتبِ حدیث اور ترتیب و تدوین حدیث کا وہ سلسلہ جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک سے شروع ہوا تھا بتدریج تنج و تابین کے دور میں اپنی تکمیل کو پہنچا۔ کتب حدیث کی تصنیف و تالیف باقاعدہ شروع ہوئی محدثین نے جانفشانی اور محنت سے عظیم الشان کتب تصنیف کیں جو آج ہمارے درمیان علم و عرفان کا بینارہ نور بنی ہوئی ہیں جن سے طالبان حدیث اکتساب فیض کرتے ہیں۔ ”مشکوٰۃ المصابیح“ جو دراصل ”مصابیح السنۃ“ کی مکمل و مدون شکل ہے انہی عظیم الشان کتب میں سے ایک ہے جس میں کتبِ سنۃ اور دیگر موثق بہا کتب احادیث سے ۵۹۴۵ احادیث کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ حدیث کی یہ بنیادی کتاب اپنے ابتداء عہد سے آج تک عربی مدارس میں داخل نصاب رہی ہے۔

”مظاہر حق جدید“ اردو زبان میں مشکوٰۃ شریف کی مستند، قابلِ اعتماد اور مقبول شرح ہے جو ابتداء تالیف سے علماء، طلباء اور عوام و خواص سب ہی کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ قدیم نسخے کی زبان و بیان کی قدامت اور انداز کے نامانوس اور ناقابلِ فہم ہونے کے باعث کتاب سے استفادہ سخت مشکل تھا اسی احساس کے پیش نظر فاضل دارالعلوم دیوبند جناب مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری مدظلہ نے اس عظیم کتاب کی ادق زبان اور قدیم اسلوب کو دورِ حاضر کی مہذب، شگفتہ اور سلیس زبان میں تبدیل کیا۔ با محاورہ و سلیس ترجمہ، تسہیل، توسیع میں تشریح، اضافہ، عنوانات، احادیث کے نمبر شمار اور پیرا گراف قائم کر کے اساتذہ و طلباء کے لئے اسے نہایت سہل و مفید بنا دیا۔ درس حدیث اور اپنے دامنِ علم کو احادیثِ نبوی ﷺ کے گراں قدر موتیوں سے مالا مال کرنے کے لئے بے مثال کتاب۔

دارالاشاعت کراچی سے جدید تقاضوں کے مطابق کمپیوٹر کتابت، طباعت، کاغذ اور جلد بندی کے اعلیٰ معیار اور اس کے نمایاں شان طریقے پر شائع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لئے ذریعہ نجات اور ذخیرہ آخرت بنائے۔

جدید نظر بنائی شدہ کیسٹریڈیشن

زبان و بیان کے نئے اسلوب میں

مظاہر حق جلد

شیخ
مَشْكُوَّة شَرِيف

جلد اول

از افادات
علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی

ترتیب و ترتیب جدید
مولانا عبد اللہ جاوید غازی پوری (محل دینہ)

دارالانشاء

اردو بازار ایم ایچ راج روڈ کراچی پاکستان 2213768

جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر (۳۷۴۷)

با اہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : مارچ ۲۰۰۹ء شکیل پریس کراچی۔
ضخامت : صفحات ۹۵۲

مصححین : مولانا محمد شفیق صاحب فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن
مولانا محمد اصغر مغل صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
مولانا دلشاد صاحب مدرس دارالعلوم حینیہ شہدادپور

﴿..... ملنے کے پتے.....﴾

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نا بھر روڈ، پرانی انارکلی لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ عید احمد شہید انکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار ادا پلنڈی
الفیصل تاجران کتب اردو بازار لاہور
ادارہ اسلامیات اردو بازار کراچی

ادارۃ المعارف کورنگی کراچی نمبر ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن 437/D گارڈن ایٹ بسیلہ کراچی
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
کشمیر بک ڈپو، چنیوٹ بازار فیصل آباد
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض ناشر

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَمَّا بَعْدُ

محدث کبیر امام ولی الدین محمد عبداللہ الخطیب التبریزی کا مرتب کردہ مجموعہ احادیث ”مشکوٰۃ المصابیح“ تمام کتب احادیث میں ایک خاص امتیاز کا حامل ہے اور یہ اپنی تالیف کے وقت سے آج تک خواص و عوام میں مقبول و مشہور اور علم حدیث کے ہر مدرسہ و یونیورسٹی میں ہمیشہ داخل درس رہا ہے۔ اور ہر زمانے کے علماء نے اس کی متعدد مختصر مبسوط شرحیں مختلف زبانوں میں تحریر کی ہیں۔ جیسے ملا علی قاریؒ کی ”مرقاۃ المفاتیح“ شیخ عبدالحق محدثؒ کی عربی شرح ”لمعات“ اور فارسی شرح ”اشعۃ اللمعات“ مولانا اور لیس کاندھلوی کی ”تعلیق الصبیح“ وغیرہ۔

اردو زبان میں بھی مشکوٰۃ کے متعدد تراجم ہوئے لیکن جو خدا داد مقبولیت و شہرت ”مظاہر حق“ کو حاصل ہوئی وہ کسی اردو شرح کو نصیب نہیں ہوئی، اور اردو زبان میں صرف یہی شرح مستند اور قابل اعتماد سمجھی گئی ہے۔

”مظاہر حق شرح مشکوٰۃ“ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نواسے اور جانشین شاہ محمد اسحاقؒ کے خاص شاگرد نواب محمد قطب الدین خان دہلویؒ کی مشہور و مقبول تالیف ہے۔ جو اپنی تالیف کے وقت سے اب تک علماء طلباء اور عوام و خواص سب ہی کی نگاہوں کا مرکز بنی رہی ہے۔ لیکن تمام تالیف آج سے ایک سو سال پہلے کی اردو زبان میں لکھی ہوئی ہیں، یہ زبان اور انداز تالیف اب سو سال بعد تقریباً نامانوس اور ناقابل فہم ہونے کی وجہ سے اس کتاب سے استفادہ سخت مشکل ہو گیا تھا۔

اور گزشتہ پچیس تیس برسوں سے شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ اٹھے اور اس شرح کی زبان اور ترتیب کو موجودہ زمانہ کے مطابق سہل اور آسان کر دے تو یہ حدیث کی بڑی خدمت اور ایک کارنامہ ہوگا۔

خدا کا شکر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک فرزند مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری نے اس ضرورت کو محسوس کر کے کمر ہمت باندھی اور کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد ”مظاہر حق“ کو زبان و بیان اور ترتیب کا نیا اسلوب اور نیا لباس عطا فرمایا اور اس کو ”مظاہر حق جدید“ کے نام سے دیوبند ”انڈیا“ سے ستر سطوں میں شائع کرایا، جس کو تمام حلقوں نے بے حد پسند کیا اور اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اللہ تعالیٰ مولف کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

لیکن افسوس ہے کہ ایسی عمدہ کتاب کی کتابت و طباعت انتہائی خراب اور کاغذ بالکل گھٹیا لگایا گیا جس کی وجہ سے اس سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھایا جاسکا۔

اب ضرورت تھی ”مظاہر حق جدید“ کو جدید تقاضوں کے مطابق کتابت، طباعت، کاغذ و جلد بندی کے اعلیٰ معیار پر اس کے شایان شان طریقے پر شائع کیا جائے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب ہم ”مظاہر حق جدید“ کا مکمل سیٹ پانچ ضخیم جلدوں میں کتابت و طباعت کے اعلیٰ معیار پر دارالاشاعت کراچی سے شائع کر رہے ہیں، اس عکسی اشاعت کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں۔

ترتیبی خصوصیات:-

- ۱ مظاہر حق قدیم میں صرف لفظی ترجمہ تھا جس کو اب سلیس و با محاورہ کر دیا گیا ہے۔
- ۲ مظاہر حق قدیم میں بہت سی احادیث کی شرح نہ تھی اب احادیث کی بھی مستند شروح کی مدد سے توضیح و تشریح کر دی گئی ہے۔

طباعتی خصوصیات:-

- ۳ ہر باب کی حدیث پر نمبر شمار اور حدیث کے مناسب عنوان قائم کیا گیا ہے۔
- ۴ اس عکسی اشاعت میں ہر حدیث پر پہلے نمبر شمار اور عنوان لکھا گیا ہے۔
- ۵ پہلے عربی حدیث نیچے ترجمہ اور پھر تشریح دی گئی ہے تاکہ طلباء کو مطالعہ میں سہولت ہو۔
- ۶ اور پھر نیچے پورے صفحے کی چوڑائی میں حدیث کی شرح کتابت کرائی گئی ہے جس کی وجہ سے ظاہری حسن میں اضافہ اور استفادہ آسان تر ہو گیا ہے۔
- ۷ ہر جلد کے شروع میں تمام احادیث و مضامین کی مفصل فہرست بقید صفحات شامل کی ہے۔
- ۸ پوری کتاب کو کمپیوٹر کتابت پر پیش کیا گیا ہے اور تصحیح کا خاص اہتمام کیا ہے۔
- ۹ عمدہ سفید کاغذ پر عکسی طباعت اور جلدیں نہایت حسین اور مضبوط بنوائی جا رہی ہیں۔

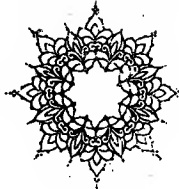
ان خصوصیات کی وجہ سے بلا خوف تردد لکھا جاتا ہے کہ یہ کتاب ”مظاہر حق“ اپنی تصنیف اول کے وقت سے آج تک ایسی شان و شوکت سے شائع نہیں ہوئی تھی جیسی یہ عکسی اشاعت آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اس خدمت حدیث کو قبول فرمائے اور لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے اور اللہ تعالیٰ صاحب مشکوٰۃ و صاحب مظاہر حق اور اس کے ناشرین اور کاتب و تصحیح و طباعت کرنے والے اصحاب کو اجر عظیم عطا فرمائے اور آخرت میں صاحب حدیث نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ امین یا رب العالمین۔

لفظ — ناشر

محمد رضی عثمانی

مدیر — دارالاشاعت کراچی ۱

۲۲ / رجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۷ / مئی ۱۹۸۲ء



حرف آغاز

یہ ۷۷۱ھ کی بات ہے جب میں ماور علمی ”دارالعلوم دیوبند“ کی مقدس آغوش میں ”مشکوٰۃ شریف“ کے خرمن ورس کا خوشہ چین تھا۔ اور غالباً سہ ماہی امتحان کے موقع پر مشکوٰۃ شریف کے بعض مواقع کے حل کرنے کے سلسلہ میں ”مظاہر حق“ دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی یہ پہلا موقع تھا جب ”مظاہر حق“ کی زبان و بیان اور قدیم طرز تحریر کو دیکھ کر اس خواہش نے جنم لیا کہ اگر اس عظیم کتاب کی اوق زبان اور قدیم اسلوب و بیان کو موجودہ دور کی مہذب اور شگفتہ و سلیس زبان میں تبدیل کرویا جائے تو نہ صرف یہ کہ حدیث کے ان طلبہ کو اس سے بڑی آسانیاں ہو جائیں گی جو حل مشکلات کے سلسلہ میں اس سے مدد لیتے ہیں بلکہ عوام کا وہ طبقہ بھی اس اردو ترجمہ و شرح کے ذریعہ اس مقدس ذخیرہ ”مشکوٰۃ شریف“ سے اکتساب فیض کر سکتا ہے جو کہ احادیث نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے علوم و معارف کو اپنی روحانی تشنگی کی سیرابی کا باعث اور اخروی فلاح و نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

اس مقدس جذبہ اور تمنا کی یہ پہلی چنگاری تھی جس نے عزم و ارادہ میں ایک ہلکی سی رقی پیدا کی دن گزرتے رہے اور یہ تمنا بھی ارادوں کے سہارے پروان چڑھتی رہی۔ تا آنکہ گزشتہ سال دارالعلوم کی تعلیمی زندگی سے فراغت کے بعد جب کچھ سکون قلب و دماغ اور وقت میسر آیا تو اس ارادہ نے عملی شکل اختیار کر لی۔

اور آخر کار اپنی قلمی کم مائیگی اور علم سے تہی و امنی کے احساس کے باوجود محض خدا کے فضل و کرم اور اس کی مدد کی امید کے سہارے اس عظیم اور اہم کام کی ابتدا کر دی گئی، جس کا پہلا نتیجہ اس وقت حاضر ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی ”خلف الرشید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی“ کے نواسہ اور ان کے جانشین حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کا ترجمہ مشکوٰۃ ”مظاہر حق“ کی اصل بنیاد ہے۔ شاہ اسحاق کے تلمیذ رشید حضرت علامہ نواب محمد قطب الدین دہلوی نے اسی ترجمہ کو مزید اضافوں اور شروع کے ساتھ ”مظاہر حق“ کی آخری شکل دی تھی اور اب اس کا انتساب ان ہی کی ذات گرامی کی طرف ہوتا ہے۔

اب جبکہ ”مظاہر حق“ کی جدید ترتیب و ترمیم کی گئی تو سب سے پہلا سوال اس کی اشاعت کا تھا اس لئے کہ یہ کتاب مشکوٰۃ شریف کے اصل متن کے ساتھ بڑے سائز کے سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی تھی پھر اس پر مزید شرح و حواشی کے اضافوں کی وجہ سے ضخامت نے اور زیادہ وسعت اختیار کر لی، چنانچہ نہ تو حالات کی مساعدت کہ اتنی ضخیم کتاب یکبارگی اشاعت پذیر ہو سکے اور نہ اس دور کے مسلمانوں کی اقتصادی حالت اور ان کے مصروف اوقات اس کے مقتضی کہ ایسی عظیم کتاب بیک وقت خریدی جاسکے۔

اس لیے بسیار غور و فکر کے بعد یہ سہل اور سوومند طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اس کتاب کو بالاقساط شائع کیا جائے۔ چنانچہ ہر دو مہینہ کے بعد اس کی ایک قسط ”ادارۃ اسلامیات دیوبند“ کی طرف سے شائع کی گئی ہے اور مستقل نمبر ان کی خدمت میں بہت کم قیمت سے ہدیہ کی جاتی رہی اور یہ طریقہ کافی سوومند ثابت ہوا۔

ترتیب و ترمیم کے سلسلہ میں اتنی بات عرض کرونی ضروری سمجھتا ہوں کہ مصنف ”مظاہر حق“ نے احادیث کا ترجمہ بالکل لفظی کیا تھا اور اس کے ساتھ احادیث کی تشریح میں بہت زیادہ اختصار کے ساتھ کام لیا تھا، اسی طرح اکثر احادیث کو بغیر تشریح کے بھی چھوڑ دیا تھا، چنانچہ احقر نے نہ صرف یہ کہ ترجمہ با محاورہ اور سلیس کیا ہے بلکہ تشریحات کو مزید صاف اور واضح کرتے ہوئے جدید ذہنوں کا خاص خیال رکھا ہے اور جہاں ضرورت سمجھی ان احادیث کی تشریح بھی کر دی ہے جن کے صرف ترجمہ ہی پر صاحب مظاہر حق نے اکتفاء کیا تھا، اس سلسلے میں مشکوٰۃ شریف کی دیگر شروع و تراجم اور حدیث کی دوسری اہم و مستند تصانیف کو سامنے رکھا گیا ہے اور ان سے مدد لی گئی لیکن پھر

لے خدا کا شکر ہے کہ اب پاکستان میں مکمل کتاب پانچ جلدوں میں بیک وقت کتابت، طباعت، کاغذ و جلد بندی کے اعلیٰ معیار پر دارالاشاعت کراچی سے شائع ہو رہی ہے۔ (ناشر)

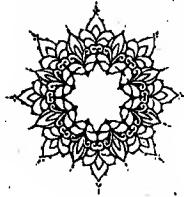
بھی اگر اس کی تشریحات و ترجمہ میں کسی قسم کی کوتاہی یا غلطی نظر آئے تو اس کا انتساب میری حقیر ذات کی طرف کیا جائے، اس بارہ میں اہل علم سے بطور خاص گزارش ہے کہ میرا قلم اگر حدیث کے تقاضوں کو پورا نہ کر سکا ہو، یا صاحب مظاہر حق کے مطالب کو پورے حقوق کے ساتھ ادا نہ کر سکا ہو تو متنبہ فرمائیں اور اپنی گرانقدر رہنمائی سے مجھے معزز و مشرف فرمائیں۔

نظر ثانی: ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۰ء) کے شروع میں ”مظاہر حق جدید“ کی ترتیب و تسوید کا آغاز ہوا تھا اور یہ پہلی قسط منصہ شہود پر آئی تھی، اب انیس سال کے بعد جب کہ یہ عظیم کتاب قسط وار ترتیب و اشاعت کی تکمیل کے آخری مراحل میں ہے اس قسط کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن پیش کیا جا رہا ہے، یہ ناکارہ ادائے مفہوم اور انداز بیان کی ان خامیوں کو تاہیوں اور غلطیوں کا اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہے جو پوری کتاب میں اور بالخصوص ابتدائی قسطوں میں کثرت سے موجود ہیں، ان شاء اللہ اب نظر ثانی کے ذریعہ اپنی فہم و لیاقت کی بساط بھر کوشش ان خامیوں اور غلطیوں کو دور کرنے میں صرف کی جائے گی۔

ذات بے نیاز نے اپنی رحمت بے حساب سے اس ناکارہ علم و عمل کو اپنی نصرت فرمائی، نوازش اور دستگیری سے جس طرح نوازا، اور ”مظاہر حق جدید“ کو شہرت و مقبولیت کی جو عظیم سرفرازی عطا فرمائی، اس کا کما حقہ، شکر ادا کرنے کی طاقت یہ بے مایہ قلم کہاں سے لائے، رب کریم اپنی رحمت بے حساب ہی سے اس ناکارہ و بے پایہ کی کوشش کو خلعت قبول سے سرفراز فرمائے اور حشر میں رسول عربیؐ کے غلاموں کے غلاموں کی صف میں اٹھائے۔

عبداللہ جاوید

۳ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ جمعۃ المبارک



فہرست — مظاہر حق جدید (جلد اول)

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۸	امام احمد بن حسین بیہقیؒ	۳	عرض ناشر
۵۹	امام رزین بن معاویہؒ	۵	حرف آغاز
۵۹	امام نوویؒ	۲۳	مقدمہ — از مولانا محمد سالم استاذ الحدیث دارالعلوم دیوبند
۵۹	امام ابن جوزیؒ	۲۶	مصنف مظاہر الحق کا دیباچہ
۶۰	امام اعظم ابوحنیفہؒ	۲۷	حدیث کی دینی و تشریفی حیثیت و اہمیت
۶۳	اصطلاحات حدیث اور ان کی تعریفات	۳۹	مشکوٰۃ شریف کی خصوصیت و اہمیت
۶۶	دیباچہ مشکوٰۃ شریف	۴۱	صاحب مظاہر حق اور ان کا سلسلہ تلمذ
۷۴	مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث	۴۱	حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ
۷۶	نیت کے مسائل	۴۳	حضرت شاہ عبدالعزیزؒ
۸۵	کتاب الایمان	۴۴	حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر کیؒ
۸۵	البواب ایمان کا بیان	۴۵	مظاہر حق کے مؤلف علامہ قطب الدین خانؒ
۸۵	ایمان کا مطلب	۴۶	صاحب مصابیح السنۃ امام حسین بن مسعود بغویؒ
۸۵	تکمیل ایمان	۴۷	صاحب مشکوٰۃ المصابیح علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہؒ
۸۵	ایمان و اسلام	۴۸	آئمہ حدیث
۸۶	ایمان کا دار جاننے پر نہیں ماننے پر ہے	۴۸	امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ
۸۶	بعض صورتوں میں اقرار باللسان ضروری نہیں	۵۱	امام مسلمؒ
۸۶	اعمال کی حیثیت	۵۲	امام مالکؒ
۹۱	اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے	۵۳	امام شافعیؒ
۹۱	ایمان کی شاخیں	۵۴	امام احمد بن حنبلؒ
۹۳	مومن اور مسلم کا مفہوم	۵۵	امام ترمذیؒ
۹۳	درجات محبت	۵۶	امام ابو داؤد سجستانیؒ
۹۷	ایمان کی لذت	۵۶	امام نسائیؒ
۹۷	ایمان کا لطف	۵۷	امام ابن ماجہؒ
۹۸	اسلام ہی مدار نجات ہے	۵۸	امام دارمیؒ
		۵۸	امام دارقطنیؒ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۲۴	جنت کی کنجی	۹۹	دوہرا اجر پانے والے
۱۲۵	ہنکی کا اجر	۱۰۰	کفار سے جنگ کا حکم
۱۲۵	ایمان کی علامت	۱۰۲	مسلمان کون ہے؟
۱۲۶	ایمان و اسلام کی باتیں	۱۰۳	جنت لے جانے والے اعمال
۱۲۷	ایمان اور اسلام پر مرنے والے جنتی ہیں	۱۰۳	ایمان کامل
۱۲۷	گناہ کبیرہ اور نفاق کی علامتوں کا بیان	۱۰۴	فرائض اسلام
۱۲۹	سب سے بڑا گناہ	۱۰۵	اسلام میں مبلغ کا مقام
۱۳۰	والدین کی نافرمانی اور جھوٹی قسم کھانا	۱۰۷	احکامات اسلام
۱۳۱	ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو	۱۰۷	عورتوں کے لئے آپ کا فرمان
۱۳۲	شرک کی تعریف اور اقسام	۱۰۹	انسان کو سرکشی زیب نہیں دیتی
۱۳۳	وہ بدترین گناہ جن کے ارتکاب کے وقت ایمان باقی نہیں رہتا	۱۱۰	زمانے کو برا متہ کہو
۱۳۳	منافق کی علامتیں	۱۱۰	اللہ تعالیٰ کا صبر و تحمل
۱۳۵	نفاق کی قسمیں	۱۱۱	توحید کی اہمیت
۱۳۶	منافق بنانے والی چار باتیں	۱۱۱	دوزخ سے رہائی
۱۳۶	منافق کی مثال	۱۱۲	خاتمہ بالا ایمان جنت کی ضمانت ہے
۱۳۸	وہ تین باتیں جو ایمان کی جڑ ہیں	۱۱۳	نجات کا دار و مدار کس بات پر ہے
۱۳۹	ارتکابِ زنا کے وقت ایمان باہر آ جاتا ہے	۱۱۴	قبولِ اسلام سے سب گناہ مٹ جاتے ہیں
۱۴۰	حضرت معاذؓ کو دس باتوں کی وصیت	۱۱۵	ارکانِ دین
۱۴۱	اب کفر ہے یا ایمان؟	۱۱۶	ایمان کامل کیا ہے؟
۱۴۲	وسوسہ کا بیان	۱۱۷	سب سے افضل عمل کیا ہے؟
۱۴۲	وسوسہ کی قسمیں	۱۱۷	سچا مومن کون ہے؟
۱۴۲	وسوسوں کی معافی	۱۱۸	امانت و ایفاء عہد کی اہمیت
۱۴۳	وسوسہ کو برا سمجھنا ایمان کی علامت ہے	۱۱۸	ابدی نجات کی ضمانت
۱۴۳	شیطان وسوسہ پیدا کرے تو اللہ کی پناہ مانگو	۱۱۹	توحید کی اہمیت
۱۴۳	ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے	۱۱۹	جنت اور دوزخ کو واجب کرنے والی باتیں
۱۴۳	شیطان انسان کی رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے	۱۱۹	عقیدہ توحید پر قائم رہنے والوں کے لئے جنت کی بشارت
۱۴۵	ولادت کے وقت بچہ کا روٹنا شیطانی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے	۱۲۲	جنت کی کنجی
۱۴۵	میاں بیوی کے درمیان شیطان کا پسندیدہ کام	۱۲۲	کلمہ توحید نجات کا ذریعہ
		۱۳۳	پوری دنیا میں کلمہ توحید پہنچنے کی پیشین گوئی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۷۷	موزوں پر مسح کرنے کا بیان	۱۳۶	جزیرۃ العرب میں توحید کی مضبوط بنیاد سے شیطان مایوسی کا شکار
۳۸۳	تیمم کا بیان	۱۳۷	شیطانی وسوسہ سے محفوظ رہنے پر اللہ کا شکر ادا کرو
۳۹۲	غسل مسنون کا بیان	۱۳۷	اپنے اندر نیکی کی تحریک پر اللہ کا شکر اور شیطانی وسوسہ کے وقت اللہ کی پناہ چاہو
۳۹۶	حیض کا بیان	۱۳۸	وسوسے پیدا ہوں تو شیطان کو دھتکار دو اور اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو
۴۰۳	مستحاضہ کا بیان	۱۳۸	شیطانی وسوسوں سے چوکنار ہو
۴۰۹	کتاب الصلوۃ	۱۳۸	نماز کے دوران شیطان کی غلط اندازی
۴۰۹	نماز کا بیان	۱۳۹	وہم اور وسوسہ کو نظر انداز کر کے اپنی نماز جاری رکھو
۴۱۹	اوقات نماز کا بیان	۱۵۰	تقدیر پر ایمان لانے کا بیان
۴۲۵	جلدی نماز پڑھنے کا بیان	۱۷۹	عذاب قبر کے ثبوت کا بیان
۴۴۴	فضائل نماز کا بیان	۱۹۰	کتاب و سنت پر اعتماد کا بیان
۴۵۱	اذان کا بیان	۲۲۵	کتاب العلم
۴۶۰	جواب اذان کی فضیلت کا بیان	۲۲۵	علم کی فضیلت کا بیان
۴۷۲	احکام اذان کا بیان	۲۶۷	کتاب الطہارۃ
۴۷۸	مساجد اور مقامات نماز کا بیان	۲۶۷	پاکیزگی کا بیان
۵۰۹	سترہ ڈھانکنے کا بیان	۲۷۹	وضو کے واجب کرنے والی چیزوں کا بیان
۵۱۶	سترہ کا بیان	۲۹۱	پاخانہ کے آداب کا بیان
۵۱۶	سترہ کے بارہ میں آپ کا معمول	۳۱۱	مسواک کرنے کا بیان
۵۱۷	سترہ کے سامنے سے گزرنے کا حکم	۳۱۹	وضو کی سنتوں کا بیان
۵۱۷	سواری کے جانور اور کجاوہ کی پچھلی لکڑی کو سترہ بنا کر نماز پڑھنا	۳۳۷	نہانے کا بیان
۵۱۸	نمازی کے آگے سے گزرنا بہت بڑا گناہ ہے	۳۴۹	جنبی کے احکام کا بیان
۵۱۸	سترہ اور نمازی کے درمیان سے گزرنے والے کو روکنے کا حکم	۳۵۸	پاکی کے احکام کا بیان
۵۱۹	سترہ نمازی کی محافظت کرتا ہے	۳۶۸	نجاستوں کے پاک کرنے کا بیان
۵۱۹	نمازی کے آگے سے گذرنا نماز کو باطل نہیں کرتا		
۵۱۹	عورت، گدھے اور کتے کی تخصیص کی وجہ		
۵۲۰	نمازی کے آگے عورت کے آجانے سے نماز باطل نہیں ہوتی		
	نمازی کے آگے سے گدھے وغیرہ کا گذرنا نماز کو باطل نہیں		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳۶	تکبیر تحریمہ سے پہلے ہاتھ اٹھانے چاہئیں	۵۲۰	کرتا
۵۳۶	سجدہ کی تکمیل زمین پر ناک اور پیشانی ہر دو رکعتوں سے ہوتی ہے	۵۲۰	عصا کو سترہ کے طور پر گاڑنے کے بجائے سامنے رکھ لینے میں
۵۳۶	سباہ کی تحقیق		علماء کا اختلاف
۵۳۶	تکبیر تحریمہ اور ہاتھ اٹھانے کا طریقہ	۵۲۱	سترہ کے لئے کوئی چیز نہ ہونے کی شکل میں سامنے صرف لکیر
۵۳۶	ہاتھ باندھنے کا طریقہ		کھینچنے میں علماء کا اختلاف ہے
۵۳۷	تعدیل ارکان کی تعلیم	۵۲۱	سترہ کو قریب کھڑا کرنا چاہئے
۵۳۷	نماز کے بعد دعا مانگی جائے	۵۲۲	سترہ پیشانی کے سامنے نہ کھڑا کرنا چاہئے
۵۳۸	امام تکبیرات باواز بلند کہے	۵۲۲	نمازی کے سامنے سے کتے اور گدھے کا گذر نماز کو باطل
۵۳۹	رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے		نہیں کرتا
۵۴۰	آنحضرت کا اپنے پیچھے کی چیزوں کو معجزہ کے طور پر دیکھنا	۵۲۲	نمازی کے سامنے سے کسی کے گزرنے سے نماز باطل نہیں
۵۴۱	تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جانے والی چیزوں کا		ہوتی
	بیان	۵۲۳	نمازی کے آگے سے گذرنا جرم عظیم ہے
۵۴۱	تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان آنحضرت کی دعا	۵۲۳	نمازی کے آگے سے کتنی دوری پر گذرنا چاہئے
۵۴۲	آنحضرت ﷺ کس کس موقع پر کون کون سی دعائیں پڑھتے تھے؟	۵۲۳	صفت نماز کا بیان
۵۴۲	تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعا	۵۲۳	نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ
۵۴۲	آنحضرت نماز میں دو جگہ خاموشی اختیار کرتے تھے	۵۲۵	رکوع، سجود وغیرہ میں طمانیت واجب ہے یا فرض؟
۵۴۶	تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعا	۵۲۵	آنحضرت کی نماز کا طریقہ
۵۴۶	نماز میں قرأت کا بیان	۵۲۶	قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ اور اس میں ائمہ کا اختلاف
۵۴۷	کتنی رکعتوں میں قرأت فرض ہے؟	۵۲۶	امام اعظم کے مسلک کی دلیل
۵۴۸	نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا بیان	۵۲۶	عقبہ شیطان کا مطلب
۵۴۸	نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے میں ائمہ کے مسلک	۵۲۷	تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے
۵۴۸	سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ناقص ادا ہوتی ہے	۵۲۸	رفع یدین
۵۴۹	بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جزو نہیں	۵۲۹	رفع یدین کے مسئلہ میں حنفیہ کی مستدل احادیث و آثار
۵۴۹	مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟	۵۳۲	جلوس استراحت کا مسئلہ
۵۵۰	امام محمد کے مسلک کی تحقیق	۵۳۲	جلوس استراحت سنت ہے یا نہیں؟
۵۵۱	بسم اللہ باواز بلند پڑھنی چاہئے یا آہستہ؟	۵۳۲	تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ کہاں اور کس طرح رکھنے چاہئیں؟
۵۵۲	آمین کہنے کا حکم	۵۳۳	افضل نماز کون سی ہے؟
		۵۳۳	نماز میں قیام افضل ہے یا سجود؟
		۵۳۳	آنحضرت کی نماز کا طریقہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۷۲	رکوع کا بیان	۵۵۲	مقتدی کی نماز کا طریقہ
۵۷۲	رکوع و سجود ٹھیک طریقہ سے کرنا چاہئے	۵۵۳	نماز میں قرأت کا طریقہ
۵۷۳	آنحضرت کا قومہ و جلسہ	۵۵۴	پہلی رکعت کو طویل کرنے کا مسئلہ
۵۷۴	رکوع و سجود میں قرأت پڑھنے کی ممانعت	۵۵۴	نماز میں آنحضرت کی قیام کی مقدار
۵۷۵	قومہ کی دعا	۵۵۵	آخری رکعتوں میں قرأت کا مسئلہ
۵۷۶	تعدیل ارکان کا حکم اور ائمہ کا مسلک	۵۵۵	ظہر کی نماز میں قرأت، مغرب کی نماز کی قرأت
۵۷۶	رکوع و سجود کی تسبیحات	۵۵۶	فقہاء کرام کی جانب سے نمازوں میں یقین قرأت کی دلیل
۵۷۹	سجدہ کی کیفیت اور فضیلت کا بیان	۵۵۷	فرض نماز پڑھنے والے کو نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟
۵۷۹	اعضاء سجدہ	۵۵۸	امام کو مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہئے
۵۸۰	سجدہ میں طہانیت کا حکم	۵۵۸	نماز عشاء کی قرأت
۵۸۰	سجدہ میں ہاتھوں اور کہنیوں کو رکھنے کا طریقہ	۵۵۸	نماز فجر کی قرأت
۵۸۱	سجدہ میں آنحضرت کی دعا	۵۵۹	جمعہ کے روز نماز فجر کی قرأت
۵۸۲	سجدہ پروردگار سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے	۵۶۱	نماز فجر کی سنت کی قرأت
۵۸۲	سجدہ تلاوت کے وقت شیطان کی آہ و بکاہ	۵۶۱	ابتداء نماز میں بسم اللہ پڑھنا
۵۸۳	اکثریت سجدہ جنت میں آنحضرت کی رفاقت کا ذریعہ ہے	۵۶۲	آمین باواز بلند کہی جائے یا آہستہ؟
۵۸۳	سجدہ کرنے کا طریقہ	۵۶۳	آمین کی برکت
۵۸۶	دونوں سجدوں کے درمیان آنحضرت کی دعا	۵۶۳	آپ مغرب میں طویل قرأت بھی کرتے تھے
۵۸۶	جلدی جلدی سجدہ کرنے کی ممانعت	۵۶۳	معوذتین کی فضیلت
۵۸۷	دونوں سجدوں کے درمیان اثناء ممنوع ہے	۵۶۳	جمعہ کے روز نماز مغرب کی قرأت
۵۸۷	اقعاء کی تحقیق	۵۶۶	امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا
۵۸۷	رکوع و سجود میں کمرسیدھی کرنا چاہئے	۵۶۷	امام کی متابعت ضروری ہے
۵۸۸	دونوں ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں	۵۶۷	سورۃ فاتحہ کی قرأت میں ائمہ کے مسلک
۵۸۸	سجدہ میں دونوں ہاتھ کہاں رکھے جائیں؟	۵۶۸	جو شخص قرأت پر قادر نہ ہو وہ کیا پڑھے؟
۵۸۸	تشہد کا بیان	۵۶۹	احکام الہی پر آپ کے عمل کی ایک مثال
۵۸۸	التحیات میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ	۵۶۹	نماز میں کن آیتوں کی قرأت کے بعد کیا کہنا چاہئے؟
۵۸۹	خفیہ کے نزدیک شہادت کی انگلی اٹھانے کا طریقہ	۵۷۰	دونوں رکعتوں میں ایک سورۃ پڑھنا
۵۹۳	اشارہ کے وقت شہادت کی انگلی کو متحرک نہ رکھنا چاہئے	۵۷۱	حضرت عثمانؓ نماز فجر میں سورۃ یوسف کثرت سے پڑھتے تھے
۵۹۴	اشارہ صرف ایک انگلی سے کرنا چاہئے		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۱۱	نماز کے بعد کن چیزوں سے پناہ مانگنی چاہئے؟	۵۹۴	قعدہ میں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر نہ بیٹھنا چاہئے
۶۱۱	تشہد و درود کے بعد کی دعا	۵۹۴	قعدوں کی مقدار میں فرق
۶۱۲	سلام پھیرنے کا بیان	۵۹۵	شہادت کی انگلی شیطان کے لئے باعث تکلیف ہے
۶۱۲	نماز کے بعد امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے	۵۹۶	التحیات آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے
۶۱۳	نماز کے بعد کی دعا	۵۹۶	آنحضرتؐ پر درود بھیجنے کی فضیلت کا بیان
۶۱۳	نماز کے بعد مقتدیوں کو امام سے پہلے اٹھ جانا غیر مستحب ہے	۵۹۶	التحیات میں درود پڑھنا سنت ہے یا فرض؟
۶۱۵	نماز کے بعد کی دعا	۵۹۶	صلوٰۃ و سلام کے الفاظ کا استعمال غیر انبیاء پر جائز ہے یا نہیں؟
۶۱۵	سلام پھیرنے کا طریقہ	۵۹۷	التحیات میں درود پڑھنے کا طریقہ
۶۱۶	آپؐ نماز کے بعد اکثر بائیں طرف پھر کر بیٹھتے تھے	۵۹۸	آل کی تعریف و تحقیق
۶۱۶	فرض کے بعد سنتیں پڑھنے کے لئے جگہ بدلی چاہئے	۵۹۹	درود بھیجنے کی فضیلت
۶۱۷	آپؐ کی تشہد کے بعد کی دعا	۵۹۹	امت کا سلام فرشتے آپؐ تک پہنچاتے ہیں
۶۱۸	آپؐ کا سلام پھیرنے کا طریقہ	۶۰۰	آپؐ سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں
۶۱۹	سلام پھیرتے وقت جواب کی نیت	۶۰۱	گھروں کو قبر نہ بنایا جائے
۶۱۹	نماز کے بعد ذکر کا بیان	۶۰۲	درود نہ بھیجنے پر وعید
۶۲۰	نماز کے اختتام پر اللہ اکبر کہنا	۶۰۳	درود و سلام کی فضیلت
۶۲۱	فرض کے بعد آپؐ کے بیٹھنے کی مقدار	۶۰۳	درود و سلام کی کوئی حد مقرر نہیں
۶۲۲	فرض نماز کے بعد کی دعا	۶۰۴	درود کے بعد مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے
۶۲۳	نماز کے بعد کن چیزوں سے پناہ مانگنی چاہئے	۶۰۵	اُتی کی تحقیق
۶۲۴	نماز کے بعد کی تسبیحات اور ان کی فضیلت	۶۰۶	درود نہ بھیجنے والا بخیل ہے
۶۲۵	شکر کرنے والا امیر صبر کرنے والے غریب سے افضل ہے	۶۰۶	درود آنحضرتؐ کے پاس پہنچتے ہیں
۶۲۶	قبولیت دعا کا وقت	۶۰۷	درود کی فضیلت
۶۲۶	ہر نماز کے بعد معذرات پڑھنے کا حکم	۶۰۸	قبولیت دعا درود پر موقوف ہوتی ہے
۶۲۶	طلوع آفتاب تک ذکر میں مشغول رہنے کی فضیلت	۶۰۸	تشہد میں دعا پڑھنے کا بیان
۶۲۷	دو نمازوں کے درمیان وقفہ کرنا چاہئے	۶۰۹	تشہد میں آنحضرتؐ کی دعا
۶۲۸	نماز کے بعد کی تسبیح	۶۰۹	رجال کو سح کیوں کہتے ہیں؟
۶۲۹	آیت الکرسی کی فضیلت	۶۰۹	حضرتؐ یعنیؑ کو سح کہنے کی وجہ
۶۳۰	نماز فجر و مغرب کے بعد ذکر کی فضیلت	۶۱۰	قرض سے پناہ مانگنے کی وجہ
۶۳۰	نماز فجر کے بعد ذکر کی فضیلت		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۴۳	نماز میں کن انگلیوں سے ادھر ادھر دیکھنا مکروہ ہے	۶۳۱	نماز میں جائز اور ناجائز چیزوں کا بیان
۶۴۳	نماز میں شیطانی اثرات	۶۳۱	نماز میں چھینک کے جواب میں یہ حکم اللہ کہنا مقصد نماز ہے
۶۴۴	رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی	۶۳۲	کاہن کی تعریف
۶۴۴	نماز میں نکلیاں نہ ہٹانے کا حکم	۶۳۲	عزاف کس کو کہتے ہیں؟
۶۴۵	سجدہ کی جگہ صاف کرنے کے لئے پھونک نہ ماری جائے	۶۳۲	عمل رمل
۶۴۵	کوکھ پر ہاتھ رکھنا دوزخیوں کے آرام لینے کی صورت ہے	۶۳۲	نماز میں سلام کا جواب دینا حرام ہے
۶۴۵	نماز میں سانپ بچھو کو مارنے کا مسئلہ	۶۳۲	سریا ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا مقصد نماز نہیں ہے
۶۴۶	آنحضرتؐ نماز کی حالت میں دروازہ کھولتے تھے	۶۳۲	نماز میں زمین کو برابر کرنے کا مسئلہ
۶۴۶	نماز میں وضو ٹوٹ جانے کا مسئلہ	۶۳۵	نماز میں خصر ممنوع ہے
۶۴۸	آنحضرتؐ کا ایک واقعہ	۶۳۵	خصر کی تعریف
۶۴۸	سجدہ کی جگہ کو گرمی سے بچانے کے لئے حضرت جابرؓ کا طریقہ	۶۳۵	نماز میں خصر کیوں ممنوع ہے؟
۶۴۹	نماز میں آنحضرتؐ کے ساتھ شیطان کا ایک عجیب معاملہ	۶۳۶	نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے؟
۶۴۹	نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینے کا مسئلہ	۶۳۶	نماز میں دعا کے وقت نگاہ آسمان کی طرف نہ اٹھانی چاہئے
۶۵۰	سجدہ سہو کا بیان	۶۳۷	آنحضرتؐ کا نماز میں اپنی نوا کی کوکندھے پر اٹھانا
۶۵۰	رکعتوں کی تعداد بھول جانے کی صورت میں سجدہ سہو کا حکم	۶۳۷	ایک اشکال اور اس کا جواب
۶۵۵	سجدہ سہو سلام پھیر کر کرنا چاہئے یا اس کے بغیر	۶۳۷	نماز میں جمائی کے وقت منہ بند کر لینا چاہئے
۶۵۵	دروید عا سجدہ سہو سے پہلے پڑھنا چاہئے یا بعد؟	۶۳۸	آنحضرتؐ کا جن کے ساتھ ایک واقعہ
۶۵۷	نماز میں کمی کا شک واقع ہو جانے کی صورت میں کیا کیا جائے	۶۳۸	نماز میں کسی خاص موقع پر اشارہ کیا جاسکتا ہے
۶۵۷	آنحضرتؐ سے نماز میں کتنی جگہوں پر سہو ہوا تھا؟	۶۳۹	نماز میں سلام کا جواب نہ دینا چاہئے
۶۵۸	سجدہ سہو کے وقت کے بارہ میں ائمہ کے مسلک	۶۳۹	نماز میں اشارے سے سلام کا جواب دینے کا مسئلہ
۶۵۸	قرآن کے سجدوں کا بیان	۶۴۰	نماز میں سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا مکروہ ہے
۶۵۹	سورہ غم کا سجدہ	۶۴۰	نماز میں چھینکنے کے بعد حمد کرنا
۶۵۹	سورہ الشقاق اور سورہ علق کے سجدے	۶۴۱	جمائی شیطانی اثر ہے
۶۶۰	سجدہ تلاوت واجب ہے	۶۴۱	نماز کے راستہ میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرنے کا حکم
۶۶۰	آنحضرتؐ کا سورہ غم میں سجدہ نہ کرنا	۶۴۱	تشبیک کیا ہے؟
۶۶۱	سورہ غم کا سجدہ	۶۴۲	نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے
۶۶۱	قرآن میں کل کتنے سجدے ہیں؟	۶۴۲	نماز میں نظر سجدہ کی جگہ رکھنی چاہئے
۶۶۲	ائمہ کے یہاں سجدوں کی تعداد	۶۴۲	نماز میں ادھر ادھر دیکھنے پر وعید

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۸۰	ترک جماعت کے عذر	۶۶۳	نماز میں سجدہ تلاوت کرنا چاہئے
۶۸۱	جماعت کی نماز کا ثواب	۶۶۵	نماز میں آخر سورۃ میں سجدہ کی آیت آجانے کا مسئلہ
۶۸۲	ترک جماعت پر وعید	۶۶۵	دو سجدوں کی وجہ سے سورۃ حج کی فضیلت
۶۸۲	ناپیا شخص کو بھی جماعت میں شریک ہونے کی تاکید	۶۶۶	سجدہ تلاوت قاری اور سامع دونوں پر واجب ہوتا ہے
۶۸۳	سخت سردی و بارش کی وجہ سے جماعت چھوڑ دینا جائز ہے	۶۶۶	صرف سجدہ کے وقت تکبیر کہنی چاہئے
۶۸۳	کھانا سامنے آجائے تو کھانے سے فارغ ہو کر نماز پڑھنی چاہئے	۶۶۷	آنحضرت کا مفضل سورتوں میں سجدہ نہ کرنا
۶۸۳	بول و برازی کی حاجت کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے	۶۶۷	ابو ہریرہؓ کی حدیث سے تعارض
۶۸۳	فرض نماز کی تکبیر ہو جانے پر دوسری نماز نہیں پڑھنی چاہئے	۶۶۸	سجدہ تلاوت کی تسبیح
۶۸۵	عورت کو مسجد میں جانے کی اجازت ہے	۶۶۹	سورۃ والنجم کا سجدہ
۶۸۵	عورتیں خوشبو لگا کر مسجد میں نہ جائیں	۶۶۹	سورۃ قلم کا سجدہ
۶۸۶	عورتوں کو گھر میں ہی نماز پڑھنا بہتر ہے	۶۷۰	جن اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع ہے انکے بیان
۶۸۶	عورت کو کس جگہ نماز پڑھنا افضل ہے؟	۶۷۰	طلوع و غروب کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے
۶۸۶	خوشبو لگا کر مسجد میں جانے والی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی	۶۷۱	شیطان کے دو سیگوں کے درمیان آفتاب نکلنے کا مطلب
۶۸۷	خوشبو لگا کر باہر نکلنے والی عورتوں کے بارے میں وعید	۶۷۱	وہ تین اوقات جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے
۶۸۷	فجر اور عشاء کی نمازوں کی فضیلت	۶۷۱	فجر و عصر کے بعد کوئی نماز نہ پڑھنی چاہئے
۶۸۸	جماعت سے نماز پڑھنے والوں پر شیطان غالب نہیں ہوتا	۶۷۱	نماز کے اوقات
۶۸۸	بغیر عذر جماعت میں شریک نہ ہونے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی	۶۷۳	آنحضرتؐ کا عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا
۶۸۹	جماعت کھڑی ہو جائے اور استیجاب کی حاجت ہو تو پہلے استیجاب سے فارغ ہونا چاہئے	۶۷۳	فجر کی سنتوں کی قضا کا مسئلہ
۶۸۹	تین چیزوں کی ممانعت	۶۷۵	خانہ کعبہ کا طواف ہر وقت کیا جاسکتا ہے
۶۸۹	کھانے کی وجہ سے نماز میں تاخیر کی ممانعت	۶۷۶	خانہ کعبہ میں ہر وقت نماز پڑھنے کا مسئلہ
۶۹۰	جماعت سے نماز پڑھنے کی تاکید	۶۷۶	جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کا مسئلہ
۶۹۱	آنحضرتؐ کے افعال کی قسمیں	۶۷۷	اوقات مکروہہ
۶۹۱	جماعت چھوڑنے والا سخت گناہ گار ہوتا ہے	۶۷۷	نماز عصر کے بعد کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں
۶۹۲	اذان ہو جانے کے بعد بغیر نماز پڑھے مسجد سے نہ نکلنے کا حکم	۶۷۷	عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کی ممانعت
	زبان و عمل سے اذان کا جواب نہ دینے والے کی نماز قبول	۶۷۸	جماعت کی فضیلت کا بیان
		۶۷۹	جماعت فرض واجب ہے یا سنت؟
		۶۷۹	جماعت کے احکام و مسائل
		۶۷۹	جماعت کی حکمتیں اور فائدے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۰۳	اگر دو آدمیوں کی جماعت ہو تو دونوں کس طرح کھڑے ہوں؟	۶۹۲	نہیں ہوتی
۷۰۳	تین آدمیوں کی جماعت	۶۹۳	ناپنیا شخص کو بھی جماعت نہ چھوڑنی چاہئے
۷۰۵	مقتدی مرد و عورت کس طرح کھڑے ہوں؟	۶۹۳	فجر کی نماز جماعت سے پڑھنا رات بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے
۷۰۶	تین آدمیوں کی جماعت ہو تو ان میں سے ایک امام بن جائے	۶۹۳	دو آدمیوں کی جماعت ہو جاتی ہے
۷۰۶	امام کے لئے تنہا بلند جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ ہے	۶۹۳	عورتوں کے مسجد جانے کا مسئلہ
۷۰۷	اگر امام نیچے اور مقتدی بلند جگہ پر ہوں تو کیا حکم ہے	۶۹۵	جماعت کے بعض مسائل
۷۰۸	تعلیم کے لئے امام تنہا اونچی جگہ کھڑا ہو سکتا ہے	۶۹۶	صفوں کے برابر کرنے کا بیان
۷۰۸	اعتکاف میں آپ کی امامت	۶۹۶	صف برابر رکھنے کا حکم
۷۰۹	صف بندی کا طریقہ	۶۹۷	جب تک ایک صف پوری نہ ہو جائے دوسری صف قائم نہ کی جائے
۷۱۰	امامت کا بیان	۶۹۷	صف برابر رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے
۷۱۱	امامت کا حق کون ہے؟	۶۹۸	صف برابر نہ رکھنے سے قلوب میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے
۷۱۳	ناپنیا کی امامت جائز ہے	۶۹۸	صف کی ترتیب
۷۱۳	ناپسندیدہ امام کی نماز قبول نہیں ہوتی	۶۹۸	مساجد میں شور و غل نہ مچانا چاہئے
۷۱۳	تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی	۶۹۹	صفیں برابر اور پوری رکھنی چاہئیں
۷۱۵	امامت سے گریز قیامت کی علامت ہے	۶۹۹	مرد اور عورت کی بہترین صف کونسی ہے؟
۷۱۵	فاسق کی امامت جائز ہے	۷۰۰	صفوں میں خلانہ رکھنا چاہئے
۷۱۶	نابالغ کی امامت کا مسئلہ	۷۰۰	صفیں پوری کرو
۷۱۶	آزاد کردہ غلام کی امامت	۷۰۰	پہلی صف کی فضیلت
۷۱۸	وہ لوگ جن کی نماز قبول نہیں ہوتی	۷۰۱	صف میں دائیں طرف کھڑا ہونا افضل ہے
۷۱۸	امام پر لازم چیزوں کا بیان	۷۰۱	آپ صفوں کو برابر کرنے کے بعد نماز شروع کرتے تھے
۷۱۸	نماز کو بھاری نہ بنانا چاہئے	۷۰۱	نماز میں نرم موڑے والے بہتر ہیں
۷۲۰	غلط نماز پڑھانے والا امام اپنی غلطی کا خمیازہ خود بھگتے گا	۷۰۲	پہلی صف کے مقابلہ میں دوسری صف کی فضیلت کم ہے
۷۲۱	بوڑھے اور بیمار مقتدیوں کی رعایت امام کے لئے ضروری ہے	۷۰۳	امام کو بیچ میں کھڑا ہونا چاہئے
۷۲۲	مقتدی کے لئے امام کی تابعداری کے لزوم اور	۷۰۳	پہلی صف میں شمولیت کی کوشش نہ کرنے پر وعید
۷۲۲	مستبوق کے حکم کا بیان	۷۰۳	صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونے والے کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟
۷۲۲	امام کی متابعت	۷۰۳	امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ کا بیان
۷۲۳	مقتدی امام سے پہلے کوئی رکن ادا نہ کریں		
۷۲۳	امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں یا		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۴۱	فرض مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا حکم	۷۲۳	کھڑے ہو کر؟
۷۴۱	جمعہ کے بعد چار رکعت سنتیں پڑھنی چاہئیں	۷۲۳	آنحضرتؐ کی علالت اور حضرت ابو بکرؓ کی امامت کا واقعہ
۷۴۱	ظہر کی سنتیں پڑھنے کی فضیلت	۷۲۵	کیا نماز کے دوران امامت میں تغیر جائز ہے
۷۴۲	ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھنے کی فضیلت	۷۲۶	امام سے پہلے سر اٹھانے پر وعید
۷۴۲	نماز فی الزوال کی فضیلت	۷۲۶	مصح صورت کی ایک غیر تناک مثال
۷۴۳	عصر کی سنتیں	۷۲۷	امام کی موافقت کرنے کا حکم
۷۴۳	عصر کی سنتیں دو رکعت ہیں یا چار رکعت؟	۷۲۸	رکوع میں شریک ہو جانے والے کی رکعت پوری ہو جاتی ہے
۷۴۳	صلوٰۃ الاوائین کی فضیلت	۷۲۸	چالیس روز تک تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنے
۷۴۳	صلوٰۃ الاوائین کی انتہائی تعداد میں رکعت ہے		والے کے لئے بشارت
۷۴۳	عشاء کی سنتیں	۷۲۹	نفاق سے نجات کا مطلب
۷۴۵	ارشاد ربانی ”ادبار النجوم“ اور ”ادبار النجوم“ سے مغرب کی	۷۲۹	جماعت کی نیت سے مسجد میں جانے والے لکھ جماعت نہ ملنے کی
	سنتیں مراد ہیں		صورت میں بھی ثواب ملتا ہے
۷۴۶	ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھنے کا ثواب	۷۲۹	جماعت کی فضیلت
۷۴۶	عصر کے بعد دو رکعت نماز	۷۳۰	آپؐ کی مرض وفات میں حضرت ابو بکرؓ کی امامت کا واقعہ
۷۴۶	غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے نفل نماز کا مسئلہ	۷۳۲	امام پر پہل کرنے کی وعید
۷۴۸	نوافل گھروں میں ادا کئے جائیں	۷۳۲	دو مرتبہ نماز پڑھنے والے کا بیان
۷۴۹	مغرب کی سنتوں میں طویل قرأت	۷۳۲	حضرت معاذؓ کے دو مرتبہ نماز پڑھنے کی حقیقت
۷۴۹	مغرب کے بعد نفل نماز پڑھنے کی فضیلت	۷۳۳	جماعت کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھنے کی حقیقت
۷۵۰	علمین کیا ہے؟	۷۳۳	دوبارہ نماز پڑھنا باعث ثواب ہے
۷۵۰	فرض و نوافل کے درمیان فرق کرنا چاہئے	۷۳۵	دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم
۷۵۲	فقہ حنفی میں سنتوں کی تفصیلی تعداد	۷۳۶	ایک نماز کو دوبارہ نہ پڑھنے کا حکم
۷۵۳	رات کی نماز کا بیان	۷۳۶	دوبارہ نماز نہ پڑھنے کی تطبیق گذشتہ احادیث سے
۷۵۳	آپؐ رات میں عشاء و فجر کے درمیان اکثر گیارہ رکعت نماز	۷۳۶	وہ اوقات جن میں دوبارہ نماز پڑھنا منوع ہے
	پڑھتے تھے	۷۳۷	سنتوں کی فضیلتوں کا بیان
۷۵۳	فجر کی فرض نماز اور سنتوں کے درمیان بات چیت کرنے کا	۷۳۷	سنتوں کی تعداد اور ان کے پڑھنے کی فضیلت
	مسئلہ	۷۳۹	جمعہ کی سنتیں
۷۵۵	آپؐ فجر کی سنتوں سے فارغ ہو کر استراحت فرماتے تھے	۷۳۹	آنحضرتؐ کے نوافل کی تعداد
۷۵۶	رات میں آپؐ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟	۷۴۰	فجر کی سنتوں کی تاکید
۷۵۶	آپؐ تہجد میں ابتدائی دو رکعت ہلکی پڑھتے تھے		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۷۲	رات میں عبادت خداوندی کے لئے نہ اٹھنے والے کی برائی	۷۵۶	آنحضرت کی نماز کا ذکر
۷۷۲	عورتوں کے لئے نماز تہجد کا ذکر	۷۵۸	وتر کی تین رکعتیں ہیں
۷۷۲	عورتوں کے لئے وعید	۷۵۸	آنحضرت کی نماز تہجد کی کیفیت
۷۷۳	رحمت خداوندی کے نزول و قبولیت دعا کا وقت	۷۵۹	آنحضرت آخر عمر میں نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے
۷۷۳	ہر رات میں قبولیت کی ایک ساعت آتی ہے	۷۵۹	نماز تہجد میں آپ کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے؟
۷۷۵	حضرت داؤد کی نماز اور ان کے روزے	۷۶۰	قرآن پڑھنے کی ترتیب
۷۷۵	رات میں عبادت کے سلسلے میں آپ کا معمول	۷۶۰	پہلی رکعت میں سورہ والناس پڑھ لینے کا مسئلہ
۷۷۶	نماز تہجد پڑھنے کی تاکید و فضیلت	۷۶۰	آپ کی نماز تہجد کی کیفیت
۷۷۷	نماز تہجد پڑھنے والوں کی خوش بختی	۷۶۱	نماز تہجد میں زیادہ قیام کی فضیلت
۷۷۷	آخری شب میں ذکر کی فضیلت	۷۶۲	نماز تہجد میں آپ کی قرأت کا طریقہ
۷۷۸	شوہر و بیوی دونوں عبادت کے سلسلہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں	۷۶۳	تہجد کی قرأت کے سلسلے میں ابو بکرؓ و عمرؓ کا طریقہ اور آپ کی راہنمائی
۷۷۹	قبولیت دعا کا وقت	۷۶۳	آپ ایک آیت پڑھتے پڑھتے تمام رات کھڑے رہے
۷۷۹	اعمال صالحہ کرنے والوں کے لئے بشارت	۷۶۳	غجر کی سنتیں پڑھ کر دائی کروٹ پر لیٹ جانا چاہئے
۷۸۰	نماز تہجد کے معمول کو ترک کرنے کی ممانعت	۷۶۳	مداومت عمل
۷۸۰	رات میں حضرت داؤد کی عبادت اور ساعت قبولیت	۷۶۵	آپ کے رات کے معمول
۷۸۱	نماز تہجد کی فضیلت	۷۶۶	آپ رات کی نماز میں جو کچھ پڑھتے تھے اس کا بیان
۷۸۲	تہجد کی نماز برائی سے روکتی ہے	۷۶۶	نماز تہجد میں آپ کی دعا
۷۸۲	اہل خانہ کے ہمراہ تہجد پڑھنے کی فضیلت	۷۶۷	نیند سے بیدار ہونے کی بعد کی تسبیح اور اس کی فضیلت
۷۸۳	امت کے بلند مرتبہ کون لوگ ہیں؟	۷۶۸	جاگنے کے وقت آپ کی دعا
۷۸۳	رات کی عبادت کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا معمول	۷۶۸	رات میں بیداری کے بعد ذکر اللہ کی فضیلت
۷۸۳	اعمال میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان	۷۶۹	نماز تہجد سے پہلے آپ کی تسبیح و دعا
۷۸۵	مداومت عمل کی فضیلت	۷۷۰	رات کے قیام پر رغبت دلانے کا بیان
۷۸۵	بساط سے باہر عبادت نہ کرنی چاہئے	۷۷۰	رات میں عبادت خداوندی سے روکنے کے لئے شیطان کی مکاریاں
۷۸۵	اس وقت تک عبادت کرنی چاہئے جب تک اس میں دل لگے	۷۷۱	آپ کی کثرت عبادات ادائے شکر کے لئے ہوتی تھی
۷۸۶	اونگھنے کی حالت میں نماز نہ پڑھنی چاہئے	۷۷۱	عبادت کے بارہ میں حضرت علیؓ کا مقولہ
۷۸۷	دین آسان چیز ہے اسے اپنے عمل سے سخت اور ہیبت ناک نہ بناؤ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۰۳	نماز وتر کے سلام کے بعد کی تسبیح	۷۸۷	رات کے بقیہ اور اذو وظائف کو دن میں پڑھ لینا چاہئے
۸۰۴	مستقل طور پر کسی خاص دعائے قنوت کو مقرر کر لینے کا مسئلہ	۷۸۸	معذوری کی حالت میں بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم
۸۰۴	حضرت معاویہؓ کا ایک رکعت وتر پڑھنا	۷۸۸	بغیر عذر بیٹھ کر نفل نماز پڑھنے والے کو آدھا ثواب ملتا ہے
۸۰۵	وتر پڑھنے کی تاکید	۷۸۹	بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں
۸۰۵	نماز وتر واجب ہے یا سنت؟	۷۸۹	نیند آنے تک با وضو ذکر اللہ میں مشغول رہنے والے کی فضیلت
۸۰۶	نماز وتر کی قرأت	۷۸۹	وہ دو خوش نصیب جن سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے
۸۰۶	حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ	۷۹۱	نماز میں راحت و سکون
۸۰۶	بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ایک اور طریقہ	۷۹۲	نماز وتر کا بیان
۸۰۷	وتر کے بعد کی دو رکعتیں	۷۹۲	نماز وتر واجب ہے یا سنت؟
۸۰۷	وتر کے بعد دو رکعتوں کی فضیلت	۷۹۲	نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین رکعتیں
۸۰۷	وتر کے بعد کی دونوں رکعتوں کی قرأت	۷۹۲	نماز وتر کا طریقہ
۸۰۸	قنوت کا بیان	۷۹۳	نماز وتر کی رکعتوں کا مسئلہ
۸۰۸	رحمت عالم کو بددعا کی ممانعت	۷۹۳	ایک تشہد کے ساتھ پانچ رکعت پڑھنے کا مسئلہ
۸۱۰	کسی آفت کے وقت قنوت فرض نمازوں میں پڑھنی چاہئے	۷۹۵	آنحضرتؐ کی نماز تہجد و نماز وتر
۸۱۰	دعاء قنوت پڑھنے کا وقت	۷۹۶	وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا مسئلہ
۸۱۰	قراء سبعون کی شہادت کا واقعہ	۷۹۷	وتر رات کی آخری نماز ہونی چاہئے
۸۱۱	دعاء قنوت کس وقت پڑھی جائے	۷۹۷	وتر کے اوقات
۸۱۲	آخری نصف رمضان میں اور رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھنے کا مسئلہ	۷۹۸	آنحضرتؐ کی طرف سے حضرت ابو ہریرہؓ کو تین باتوں کی وصیت
۸۱۳	ماہ رمضان میں قیام کا بیان	۷۹۸	آنحضرتؐ شروع رات میں بھی وتر پڑھتے تھے اور آخری رات میں بھی
۸۱۳	نماز تراویح	۷۹۹	نماز تہجد و وتر کی رکعتوں کی تعداد
۸۱۴	اجتماع نماز تراویح سنت ہے	۸۰۰	نماز وتر واجب ہے
۸۱۶	رمضان کی راتوں میں عبادت کرنے کی فضیلت	۸۰۰	وتر کی فضیلت
۸۱۶	سنت و نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت اور اس کے اثرات	۸۰۱	وتر کی قضاء کا حکم
۸۱۷	رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں آنحضرتؐ کی عبادت	۸۰۱	آنحضرتؐ وتر میں کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے
۸۱۸	ماہ شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت	۸۰۲	وتر میں پڑھی جانے والی دعا
۸۱۹	نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت	۸۰۳	دعاء قنوت کے مسئلہ میں ائمہ کے یہاں مختلف فیہ چیزیں
۸۱۹	نماز تراویح گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں؟		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۳۶	تحیۃ الوضو کی فضیلت	۸۲۰	حضرت عمرؓ کا نماز تراویح کے لئے جماعت مقرر کرنا
۸۳۷	نماز حاجت	۸۲۰	تراویح کی رکعتوں کی تعداد
۸۳۸	نماز تسبیح کا بیان	۸۲۱	نفل نماز میں سہارا لینا جائز ہے
۸۳۸	نماز تسبیح پڑھنے کا طریقہ	۸۲۲	نماز تراویح کا انتہائی وقت
۸۳۹	نماز تسبیح کی فضیلت	۸۲۲	پندرہویں شعبان کی شب میں بنی آدم کی پیدائش و موت لکھی جاتی ہے
۸۴۱	قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کی پرش ہوگی	۸۲۳	شب برأت میں کینہ توز اور مشرک پر دردگار کی رحمت سے محروم ہوتا ہے
۸۴۲	نماز سفر کا بیان	۸۲۳	پندرہویں شعبان کے روزے اور شب برات کی عبادت کا حکم
۸۴۲	مسافت قصر	۸۲۵	پندرہویں شعبان کی شب میں نماز الفیہ پڑھنے کی حقیقت
۸۴۲	مدت قصر	۸۲۶	کسی بھی عمل کے وقت چراغاں کرنا مستحب نہیں ہے
۸۴۳	قصر کے کچھ مسائل	۸۲۶	تراویح کی ختم رات میں نمائشی اجتماع بدعت ہے
۸۴۳	آپ کی نماز قصر	۸۲۶	نماز صبحی کا بیان
۸۴۳	آیت قصر میں خوف کی قید اور اس کی وضاحت	۸۲۶	صبحی کی دو نمازیں ہیں نماز اشراق اور نماز چاشت
۸۴۵	مدت اقامت	۸۲۷	نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں
۸۴۶	مسافر حالت سفر میں اگر نفل نماز پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں	۸۲۷	نماز صبحی میں آپ کی نماز کی رکعتوں کی تعداد
۸۴۶	جمع بین الصلوٰتین	۸۲۸	نماز صبحی کی فضیلت
۸۴۷	سواری پر نماز پڑھنے کا مسئلہ	۸۲۸	نماز چاشت کا بہتر وقت
۸۵۱	حضرت عثمانؓ کا منیٰ میں قصر نہ کرنا	۸۲۸	نماز چاشت کی برکت
۸۵۲	قصر رخصت سے زیادہ عزیمت ہے	۸۲۹	نماز اشراق کی فضیلت
۸۵۳	قصر خدا کا حکم ہے	۸۳۰	حضرت عائشہؓ اور نماز صبحی
۸۵۳	قصر قرآن و سنت سے ثابت ہے	۸۳۱	نماز صبحی کے بارہ میں آپ کا معمول
۸۵۳	مسافت قصر کی حد	۸۳۱	نفل نماز کا بیان
۸۵۵	سفر میں نفل نماز پڑھنے کا بیان	۸۳۲	تحیۃ الوضو کی فضیلت
۸۵۵	جمعہ کا بیان	۸۳۳	استحارہ کی نماز و دعا
۸۵۶	نماز جمعہ کی فرضیت	۸۳۳	نماز توبہ کا طریقہ
۸۵۹	جمعہ کے دن ساعت قبولیت	۸۳۵	مصیبت کے وقت نماز نفل
۸۶۰	جمعہ کے دن ساعت قبولیت کب آتی ہے	۸۳۶	
۸۶۲	جمعہ کی فضیلت اور ساعت قبولیت		
۸۶۳	فضائل جمعہ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۷۹	خطبہ کے وقت بیٹھنے کا ایک ممنوع طریقہ	۸۶۵	جمعہ کی فضیلت
۸۷۹	اونگھ آنے کی صورت میں جگہ بدل دینی چاہئے	۸۶۶	جمعہ کی وجہ تسمیہ
۸۸۰	کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھاؤ	۸۶۷	جمعہ کے دن آپ پر کثرت سے درود بھیجنا چاہئے
۸۸۰	آداب جمعہ کی رعایت کرنے والے کے لئے بشارت	۸۶۸	جمعہ کو مرنے والے مؤمن کے لئے بشارت
۸۸۱	خطبہ کے وقت بات چیت کرنے والوں کے لئے وعید	۸۶۸	جمعہ مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے
۸۸۱	خطبہ کے وقت آنحضرت کا کلام اور اس کی وضاحت	۸۶۹	جمعہ کی رات روشن رات اور جمعہ کا دن چمکتا دن ہے
۸۸۱	مسلمانوں کے لئے جمعہ عید ہے	۸۶۹	جمعہ کے واجب ہونے کا بیان
۸۸۲	جمعہ کے دن غسل کرنے اور خوشبو لگانے کی اہمیت	۸۷۰	نماز جمعہ ترک کرنے کی وعید
۸۸۲	خطبہ اور جمعہ کی نماز کا بیان	۸۷۰	جمعہ کی اذان سننے والے پر نماز جمعہ واجب ہے
۸۸۳	نماز جمعہ کا وقت	۸۷۱	وہ لوگ جن پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے
۸۸۳	آنحضرت کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان نہیں ہوتی تھی	۸۷۱	نماز جمعہ کے لئے جماعت فرض ہے
۸۸۳	آنحضرت دو خطبے پڑھتے تھے اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھتے تھے	۸۷۱	مذکورہ لوگوں پر جمعہ کیوں واجب نہیں
۸۸۳	مختصر مگر تاثیر خطبہ خطیب کی دانائی کی علامت ہے	۸۷۲	تارک جمعہ کے لئے وعید
۸۸۵	خطبہ ارشاد فرماتے وقت آنحضرت کی کیفیت	۸۷۲	نماز جمعہ چھوڑنے والا کچھ اپنا ہی کھوتا ہے
۸۸۶	خطبہ میں آنحضرت قرآن کی آیتیں پڑھا کرتے تھے	۸۷۳	پاک حاصل کرنے اور جمعہ کے لئے سویرے
۸۸۶	امامہ بانہر کر خطبہ پڑھنا		جانے کا بیان
۸۸۷	خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے کا مسئلہ	۸۷۳	جمعہ کی نماز کے آداب
۸۸۸	جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی اس نے پوری نماز پائی	۸۷۵	جمعہ میں اول وقت آنے والے کی فضیلت
۸۸۸	آپ کے خطبہ پڑھنے کا طریقہ	۸۷۵	خطبہ کے وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ممنوع ہے
۸۸۹	خطبہ کے وقت نمازی خطیب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں	۸۷۵	خطبہ کے وقت خاموشی اختیار کرنے کا مسئلہ
۸۹۰	آنحضرت کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے	۸۷۶	خطبہ کے وقت کے آداب
۸۹۰	خطبہ اور جمعہ کے اوقات	۸۷۶	مسجد میں کسی کو اس کی جگہ سے نہ ہٹانا چاہئے
۸۹۱	خطبہ کے وقت ہاتھوں کو بلند نہ کرنا چاہئے	۸۷۷	جمعہ کے روز عمدہ لباس زیب تن کرنا چاہئے
۸۹۱	آنحضرت کا خطبہ کے وقت منبر پر کھڑے ہو کر ابن مسعود کو مسجد میں بلانا	۸۷۷	جامع مسجد پیدل جانا افضل ہے
۸۹۲	جمعہ کی نماز نہ ملنے کی صورت میں ظہر کی نماز پڑھ لینے کا مسئلہ	۸۷۸	جمعہ کے لئے بطور خاص اچھے کپڑے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں
		۸۷۸	امام کے قریب بیٹھ کر خطبہ سنو
		۸۷۹	گردنوں کو پھلانگنے کی وعید

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۱۵	چاند کی شہادت زوال کے بعد آئے تو نماز عید دوسرے دن پڑھنی چاہئے	۸۹۴	نماز خوف کا بیان
۹۱۵	عیدین کی نماز میں اذان و تکبیر نہیں ہے	۸۹۲	دشمن کے مد مقابل ہونے کی صورت میں آنحضرتؐ کی نماز اور جماعت
۹۱۶	عیدین میں خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے	۸۹۳	نماز خوف کا ایک اور طریقہ
۹۱۷	عیدین کی نماز کا طریقہ	۸۹۵	آنحضرتؐ کا حکم
۹۱۸	قربانی کا بیان	۸۹۶	نماز خوف کا ایک اور طریقہ
۹۱۸	قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہئے	۸۹۸	نماز خوف کا آنحضرتؐ کے ساتھ ایک مختص طریقہ
۹۱۸	قربانی کے ذبح کی صفات	۸۹۹	عیدین کی نماز
۹۱۹	کس عمر کے جانور کی قربانی کرنی چاہئے	۹۰۰	عیدین کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے
۹۱۹	بکری کے بچے کی قربانی	۹۰۰	عیدین کی نماز کے لئے اذان و تکبیر مشروع نہیں ہے
۹۲۰	عید گاہ میں قربانی افضل ہے	۹۰۱	نماز عیدین سے پہلے یا بعد میں نفل نماز پڑھنے کا مسئلہ
۹۲۰	قربانی کے حصے	۹۰۱	عید گاہ میں عورتوں کے جانے کا مسئلہ
۹۲۰	قربانی کرنے والے کے لئے کچھ ہدایتیں	۹۰۲	دف بجانے کا مسئلہ
۹۲۰	عشرہ ذی الحجہ کے نیک اعمال کی فضیلت	۹۰۳	حدیث سے اہل سماع کا غلط استدلال
۹۲۱	قربانی کے وقت کی دعا	۹۰۳	سماع کی حرمت و کراہت
۹۲۲	میت کی طرف سے قربانی جائز ہے	۹۰۸	آنحضرتؐ عید گاہ جانے سے پہلے کھجور تناول فرماتے تھے
۹۲۲	عیب دار جانور کی قربانی نہ کرنا چاہئے	۹۰۸	آنحضرتؐ عید گاہ جاتے وقت ایک راستہ سے جاتے اور دوسرے راستہ سے واپس آتے تھے
۹۲۳	خفیہ کے نزدیک کیسے جانور کی قربانی جائز نہیں	۹۰۹	قربانی کا وقت
۹۲۳	فریبہ جانور کی قربانی بہتر ہے	۹۰۹	قربانی واجب ہے یا سنت؟
۹۲۳	جذع کی قربانی کا حکم	۹۱۰	آنحضرتؐ عید گاہ میں قربانی کیا کرتے تھے
۹۲۵	قربانی میں شرکت	۹۱۰	مسلمانوں کے لئے خوشی کے دو دن
۹۲۵	قربانی کی فضیلت	۹۱۱	عید میں نماز سے پہلے اور بقر عید میں نماز کے بعد کھانا پینا چاہئے
۹۲۵	عشرہ ذی الحجہ کی عبادتوں کی فضیلت	۹۱۲	تکبیرات عیدین
۹۲۶	بقر عید کی نماز سے پہلے قربانی درست نہیں	۹۱۳	امام خطبہ دیتے وقت عصا وغیرہ کا سہارا لے لے
۹۲۶	ایام قربانی	۹۱۳	عید گاہ جانے کا طریقہ
۹۲۶	آنحضرتؐ ہمیشہ قربانی کرتے تھے	۹۱۳	عذر کی وجہ سے عیدین کی نماز شہر کی مسجد میں پڑھی جاسکتی ہے
۹۲۷	قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے	۹۱۳	عید کی نماز تاخیر سے اور بقر عید کی نماز جلدی پڑھ لینی چاہئے
۹۲۷	عتیرہ کا بیان		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۲۳	بارش کی دعا	۹۲۷	فرع اور عتیرہ کی ممانعت کرنا
۹۲۵	دیلہ سے بارش کے لئے دعا	۹۲۷	عتیرہ کے کہتے ہیں؟
۹۲۵	استسقاء کے سلسلہ میں ایک نبی علیہ السلام کا واقعہ	۹۲۸	تنگ دست پر قربانی واجب نہیں
۹۲۶	ہواؤں کا بیان	۹۲۹	نماز خسوف کا بیان
۹۲۶	ہوا رحمت بھی ہے عذاب بھی	۹۲۹	سورج گرہن کے وقت آنحضرتؐ کی نماز
۹۲۶	ابر ہوا کو دیکھ کر آپؐ کی کیفیت	۹۳۰	نماز خسوف کی قرأت
۹۲۷	تیز ہوا کے وقت آنحضرتؐ کی دعا	۹۳۰	سورج گرہن کا حقیقی سبب
۹۲۸	غیب کے پانچ خزانے	۹۳۲	گرہن کے وقت آنحضرتؐ کی کیفیت
۹۲۸	سخت قحط کیا ہے؟	۹۳۲	نماز کسوف میں آنحضرتؐ کے رکوع و سجود کی تعداد
۹۲۸	ہوا کو برا کہنے کی ممانعت	۹۳۳	سورج گرہن کے وقت آنحضرتؐ کا طریقہ
۹۲۹	تیز ہوا کے وقت آپؐ کی دعا	۹۳۴	سورج گرہن میں غلام آزاد کرنا چاہئے
۹۵۰	ابر کے وقت کی دعا	۹۳۴	نماز کسوف کی قرأت بآواز بلند ہو یا آہستہ آواز سے؟
۹۵۰	گرج کے وقت کی دعا	۹۳۴	کرشمہ خداوندی کے ظہور کے وقت سجدہ
		۹۳۵	نماز کسوف کے رکوع و سجدہ اور قرأت
		۹۳۶	حقیقہ کی مستدل حدیث
		۹۳۶	سجدہ شکر کا بیان
		۹۳۷	خوشی کے وقت آنحضرتؐ کا سجدہ شکر
		۹۳۸	کسی مبتلا کو دیکھ کر اپنی عافیت پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے
		۹۳۸	امت کے حق میں آنحضرتؐ کی شفقت
		۹۳۹	نماز استسقاء کا بیان
		۹۳۹	آنحضرتؐ کی نماز استسقاء
		۹۴۰	نماز استسقاء کے بارے میں حقیقہ کا مسلک
		۹۴۱	دعا کے وقت ہاتھوں کی ہیئت
		۹۴۱	بارش کے وقت آنحضرتؐ کی دعا
		۹۴۱	بارش کے وقت آنحضرتؐ کا عمل
		۹۴۲	استسقاء میں چادر پھیرنے کا طریقہ
		۹۴۳	استسقاء کے وقت آنحضرتؐ خشوع و خضوع اور تضرع اختیار کرتے تھے

تمت بالخیر

مقدمہ

از

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ علم حدیث کی باضابطہ تدوین عہد نبوی ﷺ میں نہیں ہوئی حالانکہ اس کے برخلاف قرآن کریم کی باضابطہ تدوین و کتابت عہد نبوت میں خود آنحضرت ﷺ کے حکم سے ہوتی رہی ہے۔ جس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ قرآن کریم اپنے الفاظ و معانی ہر دو کے اعتبار سے حق تعالیٰ جل شانہ کا نازل فرمودہ ہے، آپ کے اس کی کتابت پر بطور خاص توجہ فرمانے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کے اعجازی الفاظ کا متبادل یا مترادف لانا طاقت بشری سے خارج ہے۔ ارشاد ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿۱﴾ (الشعراء: ۲۶، ۱۹۳: ۱۹۴)

”اس (قرآن کو) امانت دار فرشتہ ”جبرئیل“ لے کر آیا ہے آپ کے قلب پر تاکہ آپ (بھی) منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں۔“

یا ارشاد فرمایا گیا:

إِنَّا عَلَيْنَا جَمْعُهُ وَقُرْآنَهُ ﴿۲﴾ فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿۳﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (القیامہ: ۵۵، ۱۹ تا ۱۷)

”ہمارے ذمہ (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کر دینا اور آپ کی زبان سے اس کا پڑھنا (جب یہ ہمارے ذمہ ہے) تو جب ہم اسے پڑھنے لگا کریں (یعنی ہمارا فرشتہ پڑھنے لگا کرے) تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے پھر اس کا بیان کر دینا بھی ہمارا ذمہ ہے۔“

اور حدیث کلام رسول ہے اگرچہ معانی کے اعتبار سے وہ بھی ملہم من اللہ ہیں جیسا کہ خود نص صریح اس پر شاہد ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿۱﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم: ۵۳، ۳، ۴)

”اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بتاتے ہیں۔ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔“

یا حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نبوت کے لب گویا سے جو چیز بھی سنتا تھا اس کو فوراً لکھ لیا کرتا تھا اور یہ لکھنا پڑھنے ہی کے لئے ہوتا تھا۔ لیکن مجھے بعض قریشیوں نے اس سے روکا اور کہا رسول اللہ ﷺ بشر ہیں، آپ بہت سی باتیں بحالت رضا، اور بہت سی باتیں بحالت غضب بھی فرماتے ہیں لیکن کل یہ سب کچھ دین شمار ہونے لگے گا اس لئے لکھنا مناسب نہیں، ابن عمروؓ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے لکھنا بند کر دیا اور اس بات کا ذکر بارگاہ نبوت میں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے وہاب مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، کہ ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اس منہ سے کوئی بات کسی حال میں خلاف حق نہیں نکل سکتی۔“

دوسری چیز یہ بھی تھی کہ عرب قوم اپنی ذکاوت و ذہانت کے لحاظ سے جس عالمگیر امتیاز کی حامل تھی اس میں ان کی برابری کی کوئی قوم دعویدار بھی پیدا نہیں ہوئی۔ ہر چیز سن کر مجسّم محفوظ کر لینا چونکہ نسلوں سے چلا آرہا تھا اس لیے قوت حفظ، فصاحت و بلاغت اور انتقال ذہنی غیر معمولی بڑھ گیا تھا اس لئے اگر اس دور کے لحاظ سے قوت حافظہ پر اعتماد کو آج کے حفظ کی بے اعتمادی پر قیاس کیا جائے تو یہ قرین دانش نہیں کہلا سکتا۔

اسی وجہ سے قرون اولیٰ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کی تاحد نہایت تحقیق و تجسس علم مجلسی کارکن اسامی بن گیا تھا نیز

رواۃ حدیث کا حال عہد صحابہ و تابعین میں جس قدر خود رواۃ کے اہل شہر کو معلوم ہوتا تھا، دوسروں کو اس درجہ واقفیت کے وسائل فراہم نہیں تھے۔ پھر اولیوں میں حجازی بھی تھے، شامی بھی تھے، عراقی بھی تھے اور مصری بھی تھے لیکن اختلاف مسکن کے باوجود ان میں سے ہر ایک کا شمار اعیان میں ہی ہوتا تھا۔

اس باب میں محدثین کے یہاں حجازی اسناد کو جس اہمیت اور اعتماد کا حامل سمجھا گیا ہے وہ بہر لحاظ دوسری اسناد سے ممتاز ہے امام مالکؒ نے جو سب سے پہلے حجازی اسناد کو بنیادی اہمیت دیتے ہوئے احکام شرعیہ پر مشتمل احادیث کو تدوین و ترتیب کے ساتھ جمع فرمایا جو ”موطا امام مالک“ کے نام سے معروف و متداول ہے۔

پھر امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری کا دور آیا تو انہوں نے اپنی کڑی شرائط کی کسوٹی پر پرکھ کر نہ صرف حجازی عراقی اور شامی اسناد کی تمام روایات ہی کو لے کر علم حدیث کے دامن کو غیر معمولی وسعت بخشی بلکہ اخلاقیات، عقائد، عبادات، معاملات، عقوبات، تعبیر خواب، تفسیر، قرأت وغیرہ کے ہر موضوع پر فراہم شدہ روایات کو اپنی جامع کے لئے وجہ امتیاز بنایا اور تمام عنوانات کے لئے مستقل ابواب قائم فرمائے اور آج یہ ہی کتاب اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بجا طور پر کہلاتی ہے۔

امام مسلمؒ بھی امام بخاریؒ کے نقش قدم پر چلے، البتہ شرائط قبول میں امام بخاریؒ کے مقابلے پر فی الجملہ تسہیل اور تکرار احادیث کو حذف کر کے مختلف اسناد کو یکجا جمع کر دیا، یہ حسن ترتیب اس درجہ مقبول ہوئی کہ بعض حضرات نے اس حسن ترتیب ہی کی وجہ سے مسلم کو بخاری پر ترجیح دی ہے لیکن واقعہ یہی ہے کہ صحت اسناد اور متنوع عنوانات و جامعیت کے لحاظ سے بخاری مسلم پر فائق تر ہے۔

تیسرے دور میں علم حدیث کے ممتاز حاملین میں ابو داؤد سجستانیؒ، ابو عیسیٰ ترمذیؒ اور ابو عبد الرحمن نسائیؒ صفاً غل میں نظر آتے ہیں البتہ ان حضرات کے یہاں بخاری و مسلم کی نسبت تنقید و اسناد میں تشدد بہت کم ہے لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی نے کسی متروک العمل حدیث کو اپنی مصنفات میں ہرگز نہیں لیا۔

یہ چھ کتب ہیں یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، ابو داؤد، موطا امام مالک اور نسائی کہ جو علم حدیث کی بنیادی اور اصل کتب میں شمار ہوتی ہیں اور طبقات اہل علم میں ”صحاح ستہ“ کے نام سے معروف ہیں۔

صاحب مشکوٰۃ علامہ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد ابن عبد اللہ الخطیب التبریزی نے ۷۳۷ھ میں صحاح ستہ اور دیگر مشہور کتب حدیث میں جو احادیث قابل استناد اور قابل اعتماد سمجھی گئی ہیں ان کو اپنی کتاب میں جمع فرما کر امت کو ایک بہترین ہدیہ علمی سے استفادہ کا موقع دیا، ”مشکوٰۃ المصابیح“ کا ابتدائے عہد سے لے کر آج تک مقبول اور متداول رہنا مصنف علام کے حسن اخلاص پر ایک بین دلیل ہے۔ حدود ہند میں ایک طویل وقت وہ بھی گزرا ہے کہ یہاں مدار علم حدیث صرف مشکوٰۃ المصابیح اور مشارق الانوار سمجھی جاتی رہی ہیں۔ حجۃ الاسلام مولانا شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جب علم حدیث کی اشاعت پر توجہ صرف فرمائی اور ارباب علم کو دیگر عظیم کتب حدیث پر اطلاع ہوئی تب سے صحاح ستہ کے بعد مشکوٰۃ کا ثانوی مقام پیدا ہوا لیکن اس کے باوجود اس کی درسی اہمیت سے کبھی صرف نظر نہیں کیا گیا، آج بھی جب کہ صحاح ستہ اور دیگر لاتعداد علم حدیث کی کتابیں سرزمین وطن پر عام ہیں، مشکوٰۃ کی افادیت ناقابل انکار ہے اسی افادہ عامہ نے ہر دور کے ارباب علم کو اس کتاب کی خدمت پر مجبور کیا۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ نے ”مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح“ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ”شرح مشکوٰۃ فارسی“ اور ”لمعات شرح مشکوٰۃ عربی“ علامہ حسین ابن محمد بن عبد اللہ الطیبیؒ نے ”طبیبی شرح مشکوٰۃ“ اور ”مظاہر حق مشکوٰۃ“ (اردو) کے مؤلف نواب قطب الدین خان دہلوی تلمیذ شاہ محمد الحق صاحب دہلویؒ نواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ نے متن مشکوٰۃ مع ترجمہ لکھ کر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح مشکوٰۃ کا خلاصہ اردو زبان میں تحریر فرمایا جس کی اردو خواں حضرات کے لئے افادیت اس وقت سے آج تک ناقابل انکار رہی ہے، زبان دیبا کی قدامت بھی بسا اوقات افادیت کو مضحک بنا دیتی ہے اور آج جبکہ دین اور علم دین سے بر گشتگی کے دوائی اپنی قہرمانی قوتوں کے ساتھ مسلط ہیں، تو اہل نظر کی نظر میں ایسی خدمتوں کی اہمیت دو چند ہو جایا

کرتی ہے اور وہ اس کوشش میں لگ جاتے ہیں کہ حقائق دین کو وقت کے ان وسائل کے ذریعہ امت کے ذہن سے قریب تر کر دیں کہ جن کو کسی درجہ بھی عوامی ذہن نے اپنا رکھا ہے اور حقیقتاً خدام دین کے اسی جذبے نے حالات و وقت کے برخلاف ان سے ناقابل انکار اور قابل صد ہزار تعجب عظیم خدمات انجام دلادی ہیں۔

یہ اس باعث مسرت ہے کہ نوجوان عزیز مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری فاضل دیوبند نے ایک بڑی اور عوامی علمی اور دینی خدمت کے احساس کے تحت ”مظاہر حق“ ترجمہ و شرح مشکوٰۃ کو وقت کی صاف و سلیس زبان میں پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے عزم و ہمت میں برکت عطا فرمائے اور ان کی اس خدمت کو قبول و مقبول فرمائے۔ آمین!

احقر

محمد سالم

مدرس دارالعلوم و ناظم ادارۃ تاج المعارف دیوبند

مؤرخہ

۸ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۶۰ء یوم پنجشنبہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(مصنف مظاہر حق کا دیباچہ حصول برکت کے لئے ان ہی کی زبان میں پیش کیا جا رہا ہے)

الحمد لله الذي ارسل رسوله الكريم ليهدينا الى الصراط المستقيم
وصلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه اجمعين ط

بعد اس کے مسکین محمد قطب الدین شاہ جہاں آبادی عرض کرتا ہے کہ کتاب مشکوٰۃ شریف علم حدیث میں عجب نافع کتاب ہے، کہ ہر مضمون کی حدیثیں اس میں مندرج ہیں اس کا ترجمہ عدم النظیر میرے استاد بزرگوار مولانا مخدومنا مکرنا حضرت حاجی محمد اسحق نواسہ حضرت شیخ عبدالعزیزؒ کے نے بیچ زبان ہندی کے بین السطور میں لکھا تھا لیکن کاتبوں سے اس کی صحت میں فرق آنے لگا۔ مرضی جناب موصوف کی ایسی پائی کہ اگر یہ بطور شرح کے لکھا جاوے بہتر ہے اس لئے اس بیچمدان نے ترجمہ اس کا عبارت عربی سے علیحدہ کر کر لکھا اور فائدے مختصر مناسب مقام کے شروع مشکوٰۃ وغیرہ سے مثل مرقاۃ شرح ملا علی قاری اور ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق اور حاشیہ جمال الدینؒ کے اور سوائے ان کے سے زیادہ کر کے خدمت عالی میں عرض کی اور جناب ممدوح نے بھی کچھ فائدے لکھے تھے تیر کا اس میں درج کیے اور نام اس کا ”مظاہر حق“ رکھا گیا کہ اس میں تاریخ اس کی نکلتی ہے۔ یا اللہ اس کو قبول فرما اور ہم سب کو اس سے دارین میں فائدہ مند کر اور سید اس کتاب مستطاب کی یہ ہے کہ کتاب اضعاف العباد محمد قطب الدین بن محی الدین احراری دہلوی غفر اللہ لہما نے حضرت مخدومی معظمی مکرئی مولوی محمد اسحقؒ سے، اور انہوں نے پڑھی حضرت شیخ عبدالعزیزؒ سے اور ان کو اجازت ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے اور ان کو شیخ ابوطاہرہ مدنی رحمہ اللہ سے اور ان کو شیخ ابراہیم کردیؒ سے اور ان کو شیخ احمد قشاشیؒ سے اور ان کو شیخ احمد بن عبد القدوس شادیؒ سے اور ان کو سید غفر بن سید جعفر نہروانیؒ سے اور ان کو شیخ محمد سعید معروف بمیرکلاںؒ سے کہ اپنے وقت میں شیخ مکہ کے تھے اور ان کو سید نسیم الدین میرک شاہؒ سے اور ان کو اپنے والد بزرگوار سید جمال الدین عطاء اللہ بن سید غیاث الدین فضل اللہ بن سید عبد الرحمنؒ سے اور ان کو اپنے عم عالی مقدار سید اصیل الدین عبد اللہ بن عبد الرحمن بن عبد اللطیف بن جلال الدین یحییٰ شیرازی احسنیؒ سے اور ان کو مسند وقت اور محدث عصر شرف الدین عبد الرحیم الجرمی الصدیقیؒ سے اور ان کو علامہ عصر امام الدین مبارک شاہ سادجی صدیقیؒ سے اور ان کو مؤلف کتاب ولی الدین محمد عبد اللہ الخطیب التبریزیؒ سے۔

(یا اللہ مجھ کو اور ان سب کو بخش اور خطائیں ہماری معاف فرما)۔

حسبنا الله ونعم الوكيل على الله توكلنا لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم ط اللهم صل على سيدنا محمد
واله واصحابه صلوة تنجيننا بها من جميع الاهوال والافات وتقضى لنا بها من جميع الحاجات وتطهرنا بها من
جميع السيئات وترفعنا بها عندك اعلى الدرجات وتبلغنا بها اقصى الغايات من جميع الخيرات فى الحياة
وبعد الممات ط انك على كل شىء قدير ط

حدیث کی دینی و تشریعی حیثیت و اہمیت

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے آخری پیغمبر اور رسول ہیں جنہوں نے خدائے تعالیٰ کے حکم سے دنیا والوں کو توحید، خدا پرستی اور ایمان و ایقان کی راہ سے روشناس کرایا۔ آپ کی بعثت مبارک ایسے وقت میں ہوئی جب کہ دنیا سے خدا پرستی اٹھ چکی تھی اور بت پرستی کا بول بالا تھا، خدائے وحدہ لا شریک کی پرستش کے بجائے پتھروں کے تراشے ہوئے فانی بتوں کے آگے انسان کی باعظمت پیشانی جھک رہی تھی، اچھی باتوں کو چھوڑ کر لوگ فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ حسن اخلاق اور بھلائی کی جگہ ظلم و تشدد اور فتنہ و فساد کا دور دورہ تھا، سلوک و احسان بہیمیت و بربریت کے آگے گھٹنے ٹیک چکے تھے۔

ایسے نازک اور سخت وقت میں خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی کتاب ”قرآن مجید“ دے کر دنیا والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا، آپ ﷺ نے قرآن کی لافانی روشنی سے دنیا کو صحیح راستہ دکھایا۔ اس کی ابدی تعلیمات سے کفر و شرک کی اکڑی ہوئی گردنوں کو خدائے واحد کے سامنے لاجھ کا یا فسق و فجور میں گم انسانوں کو اخلاق و احسان کے شعور سے نوازا۔ ظلم و تشدد کے عادی حیوان نما انسانوں کو لازوال امن و آشتی اور محبت و موانست کے لالہ زار میں لاکھڑا کیا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے اس دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ ایسا انقلاب جو تمام عالم کے لئے باعث رحمت و راحت تھا اور ایک عالمگیر دین اس سرزمین پر پھیلا یا۔ ایسا دین جو پوری انسانی برادری کے عین فطرت اور عین مزاج تھا۔ وہ دین کیا تھا؟ قرآن کریم اور اس کی عظیم ہدایت اور وہ ”عظیم انقلاب“ تھا۔ آپ کی پاک تعلیمات اور آپ ﷺ کا مقدس اسوہ! جس کو ”حدیث“ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پوری اُمت اس پر متفق ہے کہ قرآن ایک جامع اور کامل ہدایت ہے جس میں اسلامی احکام و ہدایات اور شریعت اصولی و اساسی طور پر مذکور ہیں، نیز جس طرح ”قرآن“ اسلام کا اصولی رہنما اور دین کا دستور اساسی ہے اسی طرح وہ ظاہراً اور معنی ایک معجزہ بھی ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح ظاہراً قرآن کی فصاحت و بلاغت و زبان و بیان کا اعجاز، الفاظ کی نشست و برخاست، جملوں کی ترکیب و ساخت نے قُلْ فَاتُوا بَسُورَةً مِّنْ مِّثْلِهِ کے چیلنج کے سامنے دنیا والوں کی عقل و فہم کی جولانیوں کو ناکارہ اور فصاحت و بلاغت کو نکما کر دیا کہ قرآن کی ایک سورت یا ایک جملہ کی بھی کوئی مثال پیش نہ کر سکا اور نہ رہتی دنیا تک کوئی پیش کر سکتا ہے، اسی طرح اس کی معنوی وسعتوں اور ہمہ گیر گہرائیوں کے سامنے بھی انسانی ذہن و فکر عاجز ہے کہ قرآن جیسی جامع علوم و معارف اور حاوی احکام و اصول کتاب یا اس کے کسی جز جیسا کوئی جز بھی نہ کوئی پیش کر سکا اور نہ کوئی پیش کر سکتا ہے۔

یہ قرآن کا اعجاز ہی ہے کہ اس کی ایک ایک آیت اور ایک ایک حرف میں علوم و معارف کے بیکراں دریا کھپے ہوئے ہیں جن کی وسعتوں اور گہرائیوں کا یہ عالم ہے کہ مسلسل چودہ صدی سے علوم و معارف اور حکمت و نکات کے بے پناہ ذخیرے مسلسل نکلتے چلے آ رہے ہیں اور ہنوز ان کی تہ اور گہرائی کا کوئی پتہ نہیں۔ جس کی جامعیت کا یہ حال ہے کہ اس کے ایک لفظ لفظ سے بے شمار مسائل و احکام کا استنباط ہر دور میں کیا جاتا ہے پھر بھی اس کی ہمہ گیری شان، مزید چھان بین اور تحقیق و تدقیق کی متقاضی رہتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اتنے بے شمار اور لفظ لفظ میں سموئے ہوئے علوم و معارف کا نکال لانا، آیتوں کے اجمال کی تفصیل کرنا، عموم میں تقیید کرنا، مراد کو واضح کرنا اور ابہام کو دور کرنا، ارکان و شرائط اور اسباب و موانع کی تفصیلات بیان کرنا، ہر باب کے غیر متناہی جزئیات کا تعین کرنا، فراغ و واجبات اور مستحبات و سنن کی تمام تفصیلات اور ان کے احکام بیان کرنا یہ تمام امور جو قرآن کی تفصیل و تشریح اور اس کی توضیح کے لئے ضروری تھے، عوام الناس کے ناقص فہم سے بلند و بالا تھے جہاں تک ان کی رسائی ناممکن تھی۔

اگر تمام دنیا کے انسان قُلْ فَاتُوا بَسُورَةً مِّنْ مِّثْلِهِ کا چیلنج کا جواب اس لئے نہیں دے سکے اور قرآن جیسا کلام یا اس کے علوم جیسے

معارف اس لئے مثال کے طور پر بھی پیش نہیں کر سکے کہ ان کے محدود ذہن و ذکاء اور علم و عقل میں وہ وسعت و گہرائی اور ہمہ گیری نہیں کہ قرآن جیسے معجزانہ کلام کا ان سے صدور ہو سکے، تو ان کی تنگی فہم اور ذہن و فکر کی محدودیت اس قابل بھی نہیں ہو سکتی کہ وہ قرآن کے معجزانہ بنیادی اور اصولی جملوں سے نکلنے ہوئے حقائق و معارف کا ادراک اور وجوہ معانی میں سے مراد و غیر مراد کا تعین محض اپنے فہم کے بل بوتہ پر کر سکیں۔

معلوم ہوا کہ جب قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اس کے اصول کی تشریح عام انسان کی عقل و فہم سے بعید ہے تو لامحالہ قرآن کے معنی و مطالب اور اس کی مراد حاصل کرنے کے لئے رسول ﷺ کی توضیح و تشریح اور آپ کے ارشادات کا محتاج ہونا نیز انہیں اپنے لئے قرآنی فہم کے لئے رہبر ماننا ضروری ہو گا کیونکہ اگر قرآن کی حیثیت اس درجہ کی ہوتی کہ ہر کس و ناکس اس کے معنی و مقصود کو بغیر کسی رہنمائی اور روشنی کے حاصل کر سکتا تو رسول ﷺ کی بعثت نعوذ باللہ ایک حد تک غیر ضروری قرار پا جاتی، بلکہ یہ ہوتا کہ قرآن کریم سرچشمہ ہدایت براہ راست دنیا میں اتار دیا جاتا اور ہدایت چاہنے والے اس سے خود استفادہ کر لیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ہدایت کے لئے رسول کی بعثت ایک لازمی اور ضروری چیز ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ بغیر رسول کی رہنمائی اور واسطہ کے کتاب اللہ سمجھی جاسکے اور ہدایت کا مقصد حاصل ہو سکے، اسی لئے خداوند قدوس جب اپنی کتاب کو رسول پر نازل کرتا ہے تو پہلے اس کے مقاصد و مطالب فرشتہ کے ذریعے اس پر واضح کر دیتا ہے اور اس کے رموز و کنایات اور حکمت کو بذریعہ وحی منکشف کر دیتا ہے۔ پھر رسول اس پر مامور کیا جاتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق کو کتاب کی تعلیم دے اور اس کی تشریح و توضیح کر کے ہدایت کو عام کرے، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسان بن عطیہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:

كان الوحي ينزل على رسول الله صلى الله عليه وسلم ويحضره جبريل بالسنة التي تفسر ذلك۔

(ترجمان السنۃ / ۱۲۳)

”آنحضرت ﷺ پر وحی آیا کرتی تھی اور جبریل آپ کے پاس وہ سنت لے کر آیا کرتے تھے جو اس کی تفسیر کر دیتی تھی۔“

خود قرآن کریم سے ثابت ہے کہ آنحضور ﷺ کی بعثت کا بڑا مقصد یہ ہے کہ کلام اللہ کی پہلے خود تلاوت کریں پھر اس کی تعلیمات سے دنیا والوں کو روشناس کرائیں اور اس کے معنی و مطالب دنیا پر واضح کریں۔ ارشاد باری ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ (آل عمران آیت ۱۶۴)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان و کرم کیا جب کہ ان میں انہیں میں سے پیغمبر بھیج دیا جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و عقل کی باتیں سکھاتا ہے۔“

گویا آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں کلام اللہ کی تلاوت اور اس کی تعلیم و تعلم ہی ایک عظیم مقصد ہے۔ نہ صرف یہ مقصد ہے بلکہ حاصل نبوت ہے اس لئے کہ نبی اُمت کی ہدایت کتاب کی تعلیم کی روشنی ہی میں کر سکتا ہے۔ بارگاہ الوہیت سے جو فرمان اور جو احکام بذریعہ وحی کتاب کی شکل میں آتے ہیں اسی کو اُمت تک پہنچانا اور اس پر پہلے خود عمل کر کے دنیا والوں کو عمل کرانایا دراصل نبی کا فریضہ ہے۔ مصلح اور ہادی کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ قوم کی ہدایت کرے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے اس تعلیم خود عمل کرے جس کے ذریعہ وہ اپنا فریضہ ادا کر رہا ہے پھر دوسروں کو عمل کرنے کی دعوت دے۔ اسی کو باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی یہ شان ہے کہ ہماری جانب سے جب کوئی حکم یا فرمان پہنچتا ہے تو حضور ﷺ پہلے اس کو پڑھتے ہیں، اس کو سمجھتے ہیں، مرادات خداوندی کو حاصل کرتے ہیں اور اس پر پہلے خود عمل پیرا ہوتے ہیں، پھر اس تعلیم کو اُمت کے سامنے رکھتے ہیں۔ خدا کی جانب سے آئے ہوئے احکام کو

پہنچاتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ پہنچاتے ہیں بلکہ تشریح و توضیح، اور اس کی تفصیل اپنے عمل سے اپنے فعل سے، اپنے قول سے کرتے ہیں تاکہ قوم کو اس پر عمل کرنا آسان و سہل ہو جائے۔

اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ رسول قرآن کی تشریح کرے اور اس کے مطالب و مفہوم کو بیان کر کے مراد و مقصد کا تعین کرے بلکہ صرف عام انسانی عقل و فہم پر اسے چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً وہ لوگ جن کی ہدایت کر لئے قرآن نازل کیا گیا تھا زندگی بھر اس کی مراد کو نہ پاسکتے اور نہ اس کے مطالب و مقاصد حاصل کر سکتے اور قرآن کریم جو سرچشمہ ہدایت ہے اور صرف عمل کے لئے نازل کیا گیا تھا محدود انسانی ذہن و فکر کے لئے دماغی کد و کاوش کا مشغلہ بن کر رہ جاتا جس کے نتیجے میں نسل انسانی ان مدارج اور ترقیات سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتی جو قرآن کی ہدایت کے ذریعہ ان کے لئے مقدر ہو چکی تھیں۔

چنانچہ آیت بالا سے یہی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں ایمان والوں پر یہ احسان کیا کہ ایمان جیسی دولت اور قرآن جیسی ہدایت سے نوازا، وہیں یہ بھی انعام فرمایا کہ خود انہیں اپنی منزل کی راہ تلاش کرنے کی ذمہ داری نہیں سونپی بلکہ ان میں سے ایک رسول بھیج دیا، جس نے منزل تک ان کی رہنمائی کی اور پھر قرآن نازل کر کے اس کے مراد کے تعین اور اس کے مقاصد کی وضاحت کا بار بھی انسان کے ضعیف عقل و فہم پر نہیں ڈالا بلکہ عالم کے سب سے بڑے معلم کو ان کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ قرآن کی تعلیم دے۔ اور اس کے معنی و مطالب اور مقاصد سے دنیا والوں کو آگاہ کرے۔ حدیث کا قرآن کی شرح اور اس کا بیان ہو نا قرآن اور زیادہ وضاحت سے ثابت کر رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَنزَلْنَا لَكَ الذِّكْرَ لَتَبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَآئِذِ الْبَيِّنَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔ (النحل: ۱۶)

”ہم نے قرآن آپ پر اس لئے اتارا کہ آپ لوگوں کے لئے اس کتاب کے معنی و مطالب بیان فرمائیں کہ جو ان کی ہدایت کے لئے اتاری گئی تاکہ لوگ اس میں غور و فکر کر سکیں۔“

یعنی اے محمد ﷺ اہم نے یہ کتاب جو آپ پر اتاری ہے وہ جس طرح تمام انبیاء کرام کے صحیفوں کی اجمالی یادداشت ہے اسی طرح وہ شریعت اسلامی کا دستور اساسی ہے جس میں دین و شریعت کے احکام و مسائل اور علوم و معارف اعجازی شان سے اس کے ایک ایک لفظ اور سطر میں سموائے ہوئے ہیں چونکہ ہر شخص ان کی گہرائی اور حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا اس لئے اس کے بیان و تفصیل اور تشریح کی ذمہ داری بھی آپ ﷺ ہی کو سونپی جا رہی ہے اس لئے کہ آپ پر اس کے تمام رموز و نکات اور اسرار و حکم بذریعہ وحی منکشف کر دیئے جاتے ہیں اور ہم نے آپ ﷺ کو حقیقت شناسی اور جزورسی کی وہی طاقت و قوت دی ہے جو اس کے شارح کو ملنی چاہئے نیز چونکہ آپ کے ذہن و فکر اور عقل و فہم کی تربیت ہم نے بطور خاص اسی لئے کی ہے۔ لہذا آپ ﷺ اس کے مشکلات کی شرح اس کے علوم کی تفسیر اس کے مرادات کا تعین، اس کے مسائل و احکام کا استنباط کیجئے اور مرادات خداوندی کا اظہار فرما کر عمل کی راہ پیدا کیجئے۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن عرب میں نازل کیا گیا تھا جہاں کی مادری زبان ہی عربی تھی لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ”جب قرآن کے اصل مخاطب عرب تھے اور قرآن جن کے سامنے اپنی دعوت پہلے پیش کر رہا تھا وہ باعتبار زبان و لسان کے فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر تھے تو ان کو قرآن کی تشریح و توضیح یا اس کی تفصیل کرنے کے لئے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں تھی“ تاکہ بھی کی بات ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی نا سمجھ شخص یہ کہہ دے کہ جب آئین سازوں نے اصولی طور پر ایک دستور اساسی مرتب و منظور کر کے ملک پر لاگو کر دیا ہے تو پھر اس دستور کے ہوتے ہوئے قانون ساز اداروں کے ان ذیلی قوانین اور سربراہ مملکت کے جاری کردہ ان فرامین و ہدایات کی کوئی ضرورت نہیں ہے جن سے حکومت کی مشینری چل رہی ہے اور جو مستقل الگ کوئی قانون نہیں ہوتے۔ بلکہ اسی دستور اساسی کی تشریح و توضیح اور اس کی تفصیل ہوتے ہیں، ظاہر ہے اس طرح کی بات اس شخص کے دماغ میں آسکتی ہے جو نہ صرف یہ کہ علم و عقل سے کوسوں دور، بلکہ ماحول اور حالات سے قطعاً نا آشنا بھی ہو اور پھر یہ تو مادی اور انسانی قانون ہے جو انسانی دماغ کا اختراع ہوتے ہیں

لیکن یہ آسمانی دستور اسہای یعنی قرآن تو خدا کے تعالیٰ کا براہ راست اتارا ہوا نظام حیات اور قانون ہے جس کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ کتاب نہ صرف الفاظ کے اعتبار سے اعجازی حیثیت رکھتی ہے بلکہ معنوی حیثیت سے بھی معجزہ ہی معجزہ ہے جس کے ایک ایک لفظ کی گہرائی میں علوم و معارف اور احکام و مسائل کے وہ گراں بہا خزانے پوشیدہ ہیں جن تک انسانی ذہن و فہم کی رسائی ناممکن ہے۔ حدیث کی اسی صفت بیان و توضیح کے پیش نظر امام مکیول کا قول امام اوزاعی سے منقول ہے کہ:

الكتاب احوج الى السنة من السنة الى الكتاب۔ (ترجمان السنة ۱/۱۲۲)

”کتاب اللہ سنت کی طرف زیادہ محتاج ہے بہ نسبت سنت کے کتاب اللہ کی طرف۔“

حافظ ابو عمر اس مقولہ کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ:

يريد انها تقضى عليه وتبين المراد منه۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ سنت قرآن کی مراد بیان کرتی ہے۔“

امام شاطبی بھی اس قول کی توضیح کرتے ہوئے آخر میں یہی لکھتے ہیں کہ:

فكان السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعاني احكام الكتاب۔ (ترجمان السنة ۱/۱۲۲)

”گویا سنت کتاب اللہ کے احکام کے لئے بمنزلہ تفسیر اور شرح کے ہے۔“

اس تفصیل نے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن کی تفصیل و تشریح جو حدیث و سنت کی صورت میں ہے، وہ منجانب اللہ ایک فریضہ تھا جس پر آنحضور ﷺ کو مامور کیا گیا تھا جس سے آپ ﷺ ذمہ دارانہ طور پر عہدہ برآ ہوئے، لہذا نبی کریم ﷺ کی اسی تفصیل و تشریح کا نام خواہ بصورت قولی یا فعلی، یا بصورت تقریر، قرآن کی اصطلاح میں ”بیان“ ہے جو لتبیین للناس ما نزل اليهم سے مستنبط ہوتا ہے اور خود آنحضرت ﷺ کی اصطلاح میں ”حدیث“ اور ”سنت“ ہے جو آنحضور کے ارشاد حدثوا عنی الخ اور علیکم بسنتی الخ سے مفہوم ہوتا ہے۔

نیز قرآن اور مذکورہ بالا اقوال سے یہ ثابت ہو گیا کہ حدیث دراصل قرآن کی شارح ہے کیونکہ قرآن اگر متن ہے تو حدیث اس کی شرح قرآن اگر اصول ہے تو حدیث اس کی تفصیل، لہذا یہ کہا جائے گا کہ حدیث مبہمات قرآنی کے لئے ایضاح ہے، جملات قرآنی کے لئے تفصیل ہے مشکلات قرآنی کے لئے تفسیر ہے اور مخفیات قرآنی کے لئے اظہار ہے۔

گویا حدیث کے بغیر یہ ناممکن ہے کہ عام ذہن و فکر کی رسائی قرآن حکیم کے مضمرات، مرادات اور رموز و کنایات تک ہو جائے، اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ:

”جس طرح نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس تمام دنیا کے لئے مینارہ نور اور آپ ﷺ کا وجود پورے عالم کے لئے رحمت ہے اسی طرح

آپ ﷺ کی حدیث، آپ ﷺ کی سنت، آپ ﷺ کا مقدس اسوہ، اُمت کے لئے مشعل ہدایت ہے اور آپ ﷺ کے اقوال و ارشادات پر عمل، آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی باعث سعادت اور کلید جنت ہے۔“

حدیث کی حجیت: ”ایمان باللہ“ اور ”ایمان بالرسول“ شریعت اسلامی کی بنیاد کے یہ دو ستون ہیں یعنی مومن و مسلمان بننے کے لئے جس طرح خدا کی وحدانیت اور اس کی الوہیت پر یقین کامل اور اس کی تمام صفات پر اعتقاد راسخ ضروری ہے اسی طرح رسول پر ایمان لانا اور اس کی رسالت و نبوت کی صدق دل سے تصدیق کرنا بھی لازم ہے۔

رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اعتقاد و یقین ہو کہ رسول خدا کا برگزیدہ اور سب سے محبوب بندہ ہے جس کو خدا نے

انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنی کتاب دے کر اس دنیا میں مبعوث کیا ہے۔ نیز تکمیل ایمان کے لئے اس اعتقاد و یقین کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ رسول کی پوری پوری اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔ وہ جو حکم دے اس کو بلا چون و چرا مانا جائے۔ وہ جو فیصلہ کرے اس پر سر تسلیم خم کر دیا جائے اور اس کی بتائی ہوئی تعلیمات اور اس کے لائے ہوئے اسوہ پر بلا شک و شبہ عمل کرنا مدار نجات جانا جائے۔

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا - (الحشر ۵۹:۷)

”رسول (ﷺ) نے جو کچھ تمہیں دیا ہے، پکڑے رہو اور جس سے انہوں نے روکا ہے رک جاؤ۔“

قرآن میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، وہیں رسالت پر ایمان لانے کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالَّذِي أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ط وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ - (النساء ۴:۱۳۶)

”اے ایمان والو! ایمان لاؤ (یعنی اپنے ایمان پر مضبوطی سے قائم رہو) اللہ اور اس رسول (ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری (اور یاد رکھو کہ) جو انکار کرے گا اللہ تعالیٰ کا اور ملائکہ کا اور اس کی کتابوں کا اور اس رسولوں کا اور یوم آخرت کا تو وہ دور کی گمراہی میں پڑے گا۔“

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجُورُهُمْ ط - (النساء ۴:۱۵۲)

”اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر اور ان میں کوئی تفریق نہ کی، وہی لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اجر دے گا۔“

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ - (الحجرات ۳۹:۱۱۵)

”مؤمن بس وہی ہیں جو یقین رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر۔“

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا - (الفتح ۳۸:۱۱۳)

”اور جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے ان منکروں کے لئے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔“

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ - (النساء ۴:۱۷۰)

”اے لوگو! ابے شک تمہارے پاس حق کے ساتھ رسول آیا، پس اس پر ایمان لاؤ (کیونکہ) اسی میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔“

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جس طرح خدا تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اس کے رسول اور اس کی بھیجی ہوئی کتاب پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق کرنا بھی لازم ہے اور جو لوگ خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے یا رسول کی تصدیق نہیں کرتے وہ کافرو منکر ہیں جن کے لئے خدا کی جانب سے سخت عذاب اور دائمی خسران و نقصان کی وعید ہے۔

نیز جس طرح آنحضرت ﷺ کی رسالت کی تصدیق اور آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کی قرآن نے پر زور دعوت دی ہے اسی طرح آنحضور ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کی بھی تاکید کی ہے اور آپ ﷺ کے ہر فیصلہ و حکم کو ماننا ایمان کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تَبْطُلُوا أَعْمَالَكُمْ - (محمد ۴:۳۳)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔“

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱﴾ (الانفال: ۱۱)

”اور اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا حکم مانو، اگر تم ایمان والے ہو۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَتَلَّوْا عَنَّهُ وَتَلَّوْا عَنَّهُ وَتَلَّوْا عَنَّهُ (الانفال: ۲۰)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا اور منہ نہ پھيرو اس سے ورنہ نکلے تم سنتے ہو۔“

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ۸۰)

”جس نے رسول کا حکم مانا تو بلاشبہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ -

(النساء: ۵۹)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا اور حکم مانو اور رسول کا اور اپنے میں سے حاکموں کا پس اگر جھگڑو تم کسی بات میں تو رجوع کرو اللہ (تعالیٰ)

اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف۔“

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا

تَسْلِيمًا (النساء: ۶۵)

”پس قسم ہے آپ کے پروردگار کی کہ وہ مؤمن نہیں ہو سکتے تا وقتیکہ وہ اپنے آپس کے نزاع میں آپ کو حکم نہ بنائیں (اگر وہ آپ کو حکم بنائیں تو

اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں گے اور اس کو پورا پورا تسلیم کر لیں گے۔“

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَعَصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا (الاحزاب: ۳۶)

”کسی ایمان والے مرد اور عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کوئی حکم دے دیں تو ان کو اپنے معاملہ کا اختیار باقی

رہے اور جو نافرمانی کرے گا اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی تو وہ بلاشبہ کھلا ہوا گمراہ ہو گیا۔“

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایمان کے بارے میں تین چیزوں کو ضروری قرار دے رہے ہیں۔

① خدا کی ذات اور اس کے ملائکہ اور کتاب پر ایمان لانے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے رسول کی رسالت اور نبوت پر پورا

پورا ایمان لایا جائے۔ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لاتا یا آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق نہیں کرتا تو وہ مؤمن نہیں ہے۔

② خدائے تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری ضروری ہے اگر

کوئی شخص نبی کریم ﷺ کے احکام مان رہا ہے یا آپ ﷺ کی اطاعت کرتا ہے تو گویا وہ خدا تعالیٰ کی بھی اطاعت و فرمانبرداری کر رہا ہے اگر

کوئی آنحضرت ﷺ کی اطاعت نہیں کرتا اور آپ ﷺ کے احکام سے روگردانی کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ خدا تعالیٰ کی

اطاعت نہیں کر رہا ہے اور خدائے تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کر رہا ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص خدا کے احکام کو نہیں مانتا یا اس کی

اطاعت نہیں کرتا وہ ضلالت و گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

③ اگر آپس میں جھگڑا ہو یا یہی نزاع کی شکل ہو تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ اور خدا تعالیٰ کے رسول کی طرف رجوع کریں،

خدا کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی روشنی میں اپنے جھگڑوں کا تصفیہ کریں، رسول کی طرف رجوع کے یہ معنی ہوں گے

کہ رسول کو اپنا حکم بنائیں اور رسول جو کچھ فیصلہ کرے اس کو تسلیم کریں اور رسول کے فیصلہ کے بعد کسی کو چوں و چرا کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ایمان کی علامت یہی ہے کہ اپنے جملہ نزاعات اور اپنے اختلاف میں نبی کریم ﷺ کو ایسا حکم اور فیصلہ کن قرار دے کہ آپ ﷺ کے فیصلہ کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے اور اس فیصلہ سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کرے۔

لہذا اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ تکمیل ایمان کے لئے خدا کی ذات اور اس کے ملائکہ و کتاب پر ایمان لانے کے ساتھ رسول کی رسالت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے وہیں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جس طرح کتب الہیہ جو خدا کی جانب سے بندوں کی ہدایت کے لئے رسول پر نازل کی جاتی ہیں، اور ملائکہ اللہ کی وحی جو خدا کا پیغام پیغمبروں تک پہنچاتی ہے شریعت میں حجت ہے اسی طرح انبیائے کرام کے ارشادات بھی قطعاً حجت ہیں۔ کیونکہ جس شے پر ایمان لانا ضروری اور لازم قرار دیا جا رہا ہو وہ حجت ہوگی، اسی طرح نبی کے فیصلے اور احکام بھی حجت ہوں گے کیونکہ خدائے تعالیٰ کا بندوں کو بار بار حکم دینا کہ تم اپنے تمام نزاعات اور اختلافات میں رسول کو حکم بناؤ اور ان کے فیصلوں کو تسلیم کرو اور وہ جو حکم دیں ان پر عمل کرو خود ان کی حجت کو ثابت کر رہا ہے۔

اگر آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال اور احکام حجت نہ ہوتے تو نہ تو رسول کی رسالت پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا جاتا اور نہ ان کے احکام کی پیروی کو ایمان کی علامت بتایا جاتا اور یہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ ایمان اسی شے پر لایا جاسکتا ہے جو حجت قاطعہ ہو اور اطاعت و فرمانبرداری اسی چیز کی جاسکتی ہے جو واجب التسلیم ہو، اگر وہ شے جس پر ایمان لایا جا رہا ہے یا جس کی پیروی کی جا رہی ہے حجت قاطعہ اور واجب التسلیم نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر ایمان لانے یا اس کی پیروی کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں ہوتے۔

نیز اگر یہ مان لیا جائے کہ نبی کا افعال و اقوال جن کے مجموعہ کا نام ”حدیث“ ہے شریعت اسلام میں حجت نہیں ہیں تو وہ لوگ جو نبی کو نہیں مانتے یا نبی کے اقوال و افعال کی پیروی نہیں کرتے ان کو کافر نہیں کہنا چاہیے اس لئے کہ جو چیز حجت نہیں ہے اور جس کا واجب التسلیم ہونا یقینی نہیں ہے، ان کے انکار کو کفر کیسے مستلزم ہو سکتا ہے حالانکہ آیات قرآنی میں ان لوگوں کو صفائی کے ساتھ کافر اور گمراہ کہا جا رہا ہے جو نبی کے احکام کی پیروی نہیں کرتے یا اس کے فیصلوں کو جو اقوال کی شکل میں ہوتے ہیں واجب التسلیم نہیں مانتے۔

پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے ساتھ نبی کے بتائے ہوئے احکام، ان کی تعلیمات و ہدایات اور ان کے ارشادات جن کو ”حدیث“ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے شریعت میں مستقل حجت ہے، لہذا اس کو ماننا اور اس کو واجب التسلیم جان کر اس پر عمل کرنا جزو ایمان ہے اور اس سے اعراض کرنا یا اس کی حجت سے انکار کرنا یا اس کو قابل رد جاننا کفر و نفاق اور ضلالت کو مستلزم ہے جس کے بارے میں خداوند کریم اعلان کر رہا ہے۔

فَإِنَّا آَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۝ (القرآن الکریم)

”ہم نے ان منکروں کے لئے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔“

حدیث کی تدوین و کتابت: اگر تاریخ و سیر کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ حدیث کی کتابت اور اس کی تدوین و ترتیب نبی کریم ﷺ کی حیات مبارک ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ آپ ﷺ کے اقوال و ارشادات صحابہ قلمبند کیا کرتے تھے اور احادیث مبارکہ کو لکھ کر ان کو حفاظت سے اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ جو درس گاہ نبوت کے جلیل القدر طالب العلم اور بارگاہ رسالت میں ہمہ وقت کے حاضر باش خادم تھے آنحضرت ﷺ کی احادیث کثرت سے روایت کرتے ہیں ان کے پاس احادیث نبوی کا سرمایہ سب سے زیادہ تھا اور وہ خود بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ میں عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس مجھ سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی احادیث محفوظ نہیں ہیں۔ اور اس کی وجہ حضرت ابو ہریرہؓ یہی بیان کرتے ہیں کہ۔

فانہ کان یکتب ولا اکتب۔ (بخاری ج ۲۲)

وہ احادیث کو لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے بارہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کا ایک دوسرا بیان ہے کہ:

فانی کنت اعی بقلبی وکان یعی بقلبه ویکتب بیده۔ (طحاوی ج ۲۷ ص ۳۸۴)

عبداللہ بن عمروؓ (آنحضرت ﷺ کی احادیث) لکھا بھی کرتے تھے اور ان کو حفظ بھی کیا کرتے تھے اور میں صرف یاد ہی کر لیا کرتا تھا، لکھتا نہ تھا۔

پھر روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ کا حدیث کی کتابت کرنا از خود نہ تھا بلکہ آنحضرت ﷺ سے انہوں نے باقاعدہ کتابت حدیث کی اجازت لی تھی جب بارگاہ رسالت سے اجازت مل گئی اور آپ ﷺ کا ایماء ہوا تو آپ ﷺ کے ارشادات کو صحابہؓ لکھنے لگے چنانچہ ابو ہریرہؓ کی اسی روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

استاذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک فاذن له۔

انہوں نے (یعنی حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے) کتابت حدیث کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی تھی۔ اسی طرح خود عبداللہ بن عمروؓ سے منقول ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قید العلم قلت وما تقييده؟ قال الكتابة۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۵)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ علم کو مقید کرو۔ میں نے عرض کیا کہ علم کو مقید کس طرح کیا جاسکتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو لکھ کر (محفوظ کر لیا جائے)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کتابت حدیث کے سلسلہ میں خود اپنا واقعہ بیان فرما رہے ہیں کہ:

كنت اكتب كل شئ اسمعه من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اريد حفظه فنهنتي فريش وقالوا اتكتب كل شئ تسمعه ورسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بشر يتكلم في الغضب والرضاء فامسكت من الكتابة۔ فذكرت ذلك الى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فام ما باصبغه الي فيه فقال اكتب فوالذي نفسي بيده ما يخرج منه الا الحق۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵)

”میں جتنی باتیں آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنتا تھا یاد رکھنے کے لئے ان کو لکھ لیا کرتا تھا میرے اس طرز عمل کی جب قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے مجھے منع کیا اور کہا کہ تم ہر چیز کو جو رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہو لکھ لیا کرتے ہو۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ آدمی ہیں، آپ ﷺ غصہ کی حالت میں بھی ہوتے ہیں اور خوشی کی حالت میں بھی، لہذا میں لکھنے سے رک گیا اور اس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ لکھو اور اپنے دہان مبارک کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا ”خدا کی قسم اس سے کسی حالت میں بھی ناحق اور غلط بات نہیں نکل سکتی۔“

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے علاوہ دوسرے صحابہؓ نے بھی جب آنحضرت ﷺ سے کتابت حدیث کی اجازت لی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ ایک صحابی حضرت رافع بن خدیجؓ کا بیان ہے کہ ہم نے بارگاہ نبوت میں درخواست پیش کی کہ یا رسول اللہ! ہم آپ ﷺ کی زبان مقدس سے بہت سی چیزیں سنتے ہیں اور اس کو قلمبند کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے اس عمل کے بارہ میں آپ ﷺ کی کیا رائے ہے؟ یعنی ہم آپ ﷺ کے ارشادات کو لکھتے رہیں یا نہیں؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اكتبوا ولا حرج۔ (کنز العمال ۵۶: ۲۲۳)

”لکھتے رہو اس میں کوئی حرج نہیں۔“

نیز حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ:

ایک شخص دربار رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے آپ ﷺ کی احادیث یاد نہیں رہیں تو آنحضرت ﷺ نے اس کو حکم دیا:

استعن بيمينك۔ (مجمع الزوائد ۶: ۱۶۰)

”اپنے ہاتھ سے مدد لو یعنی لکھ لیا کرو۔“

بہر حال ان منقولات کی روشنی میں یہ بات صاف ہو گئی کہ آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں حدیث کی کتابت شروع ہو گئی تھی اور آپ ﷺ کے ارشادات مبارکہ و احادیث مقدسہ کی حفاظت کے لئے متعدد صحابہ نے ان کو قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا اور آپ ﷺ جو کچھ فرماتے یا جو احکام دیتے صحابہ ان کو لکھ کر محفوظ کر لیا کرتے تھے۔

یہ تو خیر صحابہ کا عمل اور ان کا طریقہ تھا، خود نبی کریم ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے مسائل و احکام پر مشتمل کچھ مجموعے تیار کر کر اپنے عمال کو اور دوسری جگہوں پر بھیجنے کا حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے ترمذی میں روایت ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے کے لئے ایک کتاب الصدقہ لکھوائی تھی جس میں جانوروں کی زکوٰۃ سے متعلق احادیث تھیں لیکن ابھی عاملوں کے پاس پہنچنے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ آپ ﷺ کی وفات کا سانحہ پیش آ گیا۔ جب حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے جانشین ہوئے تو انہوں نے اس پر عمل کیا۔“ (۵۹: ۱۶۰)

نیز حضرت عبداللہ بن عکیمؓ سے منقول ہے کہ:

اتانا كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لا تتفعوا من المينة باهاب ولا عصب۔ (ترمذی ۱۵: ۲۰۶)

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آپ کا ایک نوشتہ مبارک ہمارے (قبیلہ کے) پاس پہنچا جس میں یہ حدیث بھی تھی کہ مردار جانوروں کی (بجے پکائی ہوئی) کھال اور پٹھے کو کام میں مت لاؤ۔

طحاوی شریف کی ایک روایت ہے کہ:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب الى اهل اليمن بكتاب فيه الفرائض والسنن والديات وبعث به مع عمرو بن حزم۔ (۲/۲۱۷)

آنحضرت ﷺ نے ایک صحیفہ لکھوا کر عمرو بن حزمؓ کے ہاتھ اہل یمن کے پاس بھیجا تھا، اس نوشتہ میں فرائض و سنن اور خون بہا کے مسائل تھے۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب صحابہ کا دور آیا تو اس وقت حدیث کی کتاب اور تدوین کا کام باقاعدہ شروع ہو گیا چنانچہ صحابہؓ نے آپ ﷺ کے ارشادات کو جمع کرنے اور ان کی حفاظت کرنے میں پورے انہماک کا ثبوت دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے بارہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ انہوں نے آنحضور ﷺ کی زندگی میں حدیث کی کتابت نہیں کی لیکن آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے تمام ارشادات اور احادیث کی حفاظت کے لئے ان کو انہوں نے لکھ کر یادو سرے سے لکھوا کر ایک نوشتہ میں محفوظ کر لیا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ:

تحدث عند ابی هريرة بحديث فاخذ بيدي الى بيته فارانا كتبنا من حديث للنبي صلى الله عليه وسلم وقال هذا هو مكتوب عندي۔ (فتح الباری ۱۲/۱۳۸)

”ابو ہریرہؓ سے حدیث کے بارے میں گفتگو ہوئی تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور حدیث نبویؐ کی کئی کتابیں دکھا کر فرمایا کہ دیکھو یہ میرے پاس لکھی ہوئی موجود ہیں۔“

حضرت ابو ہریرہؓ کی جمع کی ہوئی احادیث کی کتابوں کے بارے میں بشیر ابن نہیک کی بھی شہادت ہے کہ:

كنت اخذ الكتب من ابی هريرة فاكتبها فاذا فرغت قرأتها عليه فاقول الذي قرأته عليك اسمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم فيقول نعم۔ (طحاوی ۲۷/۳۸۵)

”میں حضرت ابو ہریرہؓ سے احادیث کی کتاب عاریتاً لے کے نقل کرتا تھا۔ نقل سے فارغ ہو کر ابو ہریرہؓ کو سب سنا دیتا تھا اور عرض کیا کرتا تھا کہ میں نے آپؓ کو جو کچھ سنایا ہے وہ سب آپؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ہاں۔“

حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں بھی منقول ہے کہ ان کے پاس چند صحیفے تھے جن میں آنحضور ﷺ کی احادیث لکھی ہوئی تھیں چنانچہ حضرت عکرمہؓ سے ایک روایت ترمذی میں ہے کہ:

ان نفرًا قد مواعلى ابن عباس من اهل الطائف بكتاب من كتبه فجعل يقرأ عليهم فيقدم ويؤخر فقال انى بليت لهذه المصيبة فاقروا على فان قراءتى به كقراءتى عليكم۔ (طحاوی ۲۷/۳۳۸)

”طائف کے کچھ لوگ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ان کے چند صحیفے لے کر حاضر ہوئے (جن میں حدیثیں لکھی ہوئی تھیں اور کہا کہ آپ ہمیں سنا دیں) حضرت ابن عباسؓ نے پڑھنا شروع کیا لیکن (ان کی نگاہ کمزور ہو چکی تھی) اس لئے وہ پڑھ نہ سکے اور فرمایا کہ تم لوگ خود سنادو، تمہارا سنانا اور میرا پڑھنا جواز روایت کے حق میں دونوں برابر ہیں۔“

حضرت عبد اللہ بن محمد عقیل راوی ہیں کہ:

كاناتى جابر بن عبد الله فنسأله عن سنن رسول الله صلى الله عليه وسلم فنكتبها۔ (طحاوی ۲/۳۸۳)

ہم لوگ حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے اور ان سے آنحضرت ﷺ کی حدیثوں کو پوچھ پوچھ کر لکھا کرتے تھے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایتیں منقول ہیں جن سے متعدد صحابہ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات احادیث نبویؐ کی کتابت کیا کرتے تھے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست اکتساب فیض فرما کر علوم و معارف کے جو گراں بہا موتی ارشادات و احادیث کی شکل میں حاصل کئے تھے، آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد اس سرمایہ کو اپنے سینہ سے سفینہ میں منتقل کرتے رہے۔

صحابہؓ کے بعد جب حضرات تابعین کا دور آیا تو حدیث کی کتابت و تدوین اور زیادہ اہتمام و انصرام سے کی جانے لگی، حضرات تابعین رحمہم اللہ نے احادیث نبویؐ کے ذخیرہ کو جمع کرنے اور ان کی تدوین و کتابت میں بہت زیادہ دل جمعی سے کام لے کر اس سلسلہ کو اعلیٰ پیمانہ پر انجام دیا۔ تذکرۃ الحفاظ میں ابو الزناد (تابعی) سے منقول ہے کہ:

كانا طوف مع الزهري على العلماء ومعهم الألواح والصحف يكتب كلما سمع۔ (۱۳/۱۰۳)

”ہم زہریؓ کے ساتھ علماء کے پاس حدیثیں سننے کے لئے جایا کرتے تھے۔ زہریؓ اپنے ساتھ تختیاں اور کاغذ رکھتے تھے جو کچھ سنتے تھے، سب

لکھ لیا کرتے تھے۔“

امام زہریؒ کے بارہ میں صالح بن کیسان (تابعی) کا بیان ہے کہ:

اجتمعنا انا والزہری ونحن نطلب العلم فقال لی تعال حتی نكتب السنن فكتبنا ما جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (کنز العمال ج ۵ ص ۲۳۸)

”زمانہ طالب علمی میں میرا اور زہریؒ کا ساتھ تھا، زہریؒ نے مجھ سے کہا کہ آؤ احادیث لکھیں۔ چنانچہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی احادیث لکھیں۔“

ترمذی کی ایک روایت ہے کہ:

قال رجل للحسن عندی بعض حدیثک ارویہ عنک فقال نعم۔ (۲۳۹ ص ۲۴۰)

ایک شخص حسن بصریؒ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے پاس آپ کی بیان کردہ کچھ حدیثیں لکھی ہوئی ہیں، میں ان کی روایت آپ سے کر سکتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ ہاں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حدیث کی ترتیب و تدوین اور اس کی کتابت کے سلسلہ میں ایک مستقل لائحہ عمل تیار کیا اور حدود خلافت میں تمام گورنروں اور قاضیوں کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں حدیث کی ترتیب و تدوین اور ان کو جمع کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ چنانچہ فتح الباری کی روایت ہے کہ:

كتب عمر بن عبدالعزیز الی الافاق انظر واحديث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجمعوه۔ (۱۱۴ ص ۱۱۵)

”حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام اطراف سلطنت میں یہ فرمان بھیجا کہ نبی کریم ﷺ کی تمام احادیث تلاش و جستجو کے بعد جمع کر لی جائیں۔“

چنانچہ ابوبکر بن حزمؒ (جو اس وقت خلافت کی جانب سے مدینہ کے امیر وقاضی تھے) کے پاس یہ فرمان پہنچا، تو انہوں نے احادیث کو جمع کرنا شروع کیا اس طرح ترتیب و تدوین کے بعد ان احادیث کے کئی مجموعے ان کے پاس تیار ہو گئے مگر ابھی دربار خلافت میں ان کو بھیجنے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا انتقال ہو گیا۔

تابعین کے زمانہ کے بعد تبع تابعین کے دور کو دیکھ لیجئے یہ وہ دور ہے کہ حدیث کی ترتیب و تدوین اور اس کی کتابت کا سلسلہ اپنے عروج پر تھا اور محدثین کثرت سے کتابت حدیث کے مقدس فریضہ میں مشغول تھے اور آنحضور ﷺ کے ارشادات و احادیث کو جمع کرنے کا کام بڑے انہماک سے جاری تھا اور ان حضرات کے پاس احادیث کا ایک بہت بڑا سرمایہ جمع ہو گیا۔

عبدالرزاق کا بیان ہے کہ:

کتبت من معمر عشرة الاف حدیث۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۵)

”میں نے معمر سے دس ہزار حدیثیں سن کر لکھی ہیں۔“

تذکرۃ الحفاظ ہی میں حضرت ابن المبارکؒ کے متعلق منقول ہے کہ:

وكانت کتبه النی حدث بها نحو من عشرين الف حدیث۔ (۱۱۵ ص ۲۵۱)

”انہوں نے اپنی لکھی ہوئی جن حدیثوں کی روایت کی اور لوگوں کو سنایا ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔“

عبدالسلام بن حرب کے بارہ میں ابو حاتم رازی کا بیان ہے کہ:

کتاب عنه ابو نعیم الوفا من الحديث۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۶)

”ابو نعیم نے ان سے کئی ہزار حدیثیں سن کر لکھی ہیں۔“

اس دور میں کتابت حدیث کا اہتمام کس قدر تھا؟ اس کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے:

قال ابراهيم بن موسى قدم النوري الى اليمن فقال اطلبوني كتابا سريعا الخط۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۱)

ابراہیم بن موسیٰ راوی ہیں کہ امام ثوریؒ جب یمن گئے تو (حدیث کی کتابت کے لئے انہیں ایک کاتب کی ضرورت تھی) انہوں نے وہاں کہا کہ میرے لئے ایک زود نویس کاتب کو تلاش کرو۔

چنانچہ اسی وقت ہشام بن یوسف سربلح الخط اور زود نویس تھے ان کا بیان ہے کہ لوگوں نے مجھے امام ثوریؒ کی خدمت میں پیش کیا تو میں نے ان کی جمع کردہ احادیث کو قلمبند کیا۔

ایسے ہی تذکرۃ الحفاظ میں ابوداؤد کی روایت ہے کہ:

لم يكن لحماذ بن سلمة كتاب الا كتاب قيس بن سعد۔ (۱۸۳ ص ۱۸۳)

حماد بن سلمہ کے پاس قیس بن سعد کی کتاب تھی (جس میں ان کی جمع کی ہوئی احادیث تھیں)۔

بہر حال ان روایات سے معلوم ہوا کہ کتابت حدیث اور اس کی ترتیب و تدوین کا وہ سلسلہ جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک سے شروع ہوا تھا، بتدریج تابعین کے دور میں اپنی تکمیل کو پہنچ گیا تھا اور کثرت سے علماء و محدثین کام میں مصروف تھے۔ چنانچہ احادیث کی کتابوں کی تصنیف و تالیف بھی اسی دور میں باقاعدہ شروع ہوئی اور مختلف علماء نے آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ کے متفرق گوشوں پر کتابیں تصنیف کیں۔

چنانچہ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق کے بارہ میں منقول ہے کہ ان بزرگوں نے اسی دور میں غزوات اور سیرت نبوی ﷺ کے موضوع پر اپنی کتابیں تصنیف کیں، ان کے بعد ۱۵ھ اور ۱۸۸ھ کے درمیانی عرصہ میں امام اوزاعی، امام ابن المبارک، امام سفیان ثوری، حماد بن سلمہ اور جریر بن عبد الحمید نے احادیث کی عظیم الشان کتابیں تصنیف کیں۔

اور تقریباً یہی زمانہ ہے جب کہ امام مالکؒ نے اپنی شہرہ آفاق اور فن حدیث کی عظیم کتاب ”موطا“ کی تالیف کی۔ تذکرۃ الحفاظ ہی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں معانی ابن عمر ان موصلی نے اپنی مہتم بالشان تصانیف کتاب السنن، کتاب الزہد، کتاب الادب، کتاب الفتن وغیرہ لکھیں۔

اور امام یوسفؒ کی تصانیف کتاب الآثار، کتاب الحج، کتاب الخراج اور امام محمدؒ کی تصانیف کتاب الآثار، موطا، کتاب الحج وغیرہ اسی وقت معرض وجود میں آئیں۔

اس کے بعد پھر بتدریج احادیث کی کتابوں کی تصنیف جاری رہی اور محدثین نے جانفشانی اور محنت سے احادیث نبوی کو جمع کیا اور ان کی ترتیب و تدوین کر کے وہ اہم اور عظیم الشان کتب تصنیف کیں جو آج ہمارے درمیان علم و عرفان کا میارہ نور بنی ہوئی ہیں جن سے طالبان حدیث اکتساب فیض کرتے ہیں اور اپنے دامن علم کو احادیث نبوی ﷺ کے گراں قدر موتیوں سے مالا مال کرتے ہیں۔



مشکوٰۃ شریف

کی خصوصیت و اہمیت

مشکوٰۃ المصابیح کے نام سے احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا جو مجموعہ اب سے صدیوں پیشتر مرتب ہوا تھا اس کی شادابی و تازگی میں اب تک کوئی فرق نہیں آیا۔

یوں تو خود ”حدیث“ ایک ایسا مقدس فن ہے اور اس کی نسبت ایک ایسی زندہ جاوید شخصیت کی طرف ہے کہ جب تک اس کرامت پر انسان نئی ایک مخلوق موجود ہے اور اس میں زندگی کا اثر اور شعور و احسان کا نشوونما پایا جاتا ہے اس وقت یہ فن اسی تابندگی و شادابی کے ساتھ باقی رہے گا، پھر احادیث میں جیسا کہ معلوم ہے، مصنفات اور کتابوں کے درجات میں ہر محدث نے اپنے مخصوص نقطہ نظر کے لحاظ سے کتاب کو ترتیب دیا ہے۔ مثلاً امام بخاریؒ حدیث کی روایت کے پہلو بہ پہلو اپنی قوت فکری کا مجتہدانہ مظاہرہ کرتے ہیں۔ امام مسلمؒ ایک حدیث کے متعدد طرق کو جمع کر دیتے ہیں۔ امام احمدؒ اپنی مسند میں ایک باب میں جس قدر بھی احادیث مروی ہیں ان سب کو جمع فرمادیتے ہیں اسی طرح بقیہ کتب احادیث کی امتیازی خصوصیات ہیں اور ہر ایک کے کچھ انفرادی فوائد ہیں۔

لیکن ”مشکوٰۃ المصابیح“ کے نام سے احادیث کا جو گلدستہ ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ نہ صرف صحاح ستہ بلکہ دیگر موثوق بہا کتب احادیث مثلاً شعب الایمان بیہقیؒ، مسند زرینؒ وغیرہ وغیرہ کا وافر ذخیرہ اس میں موجود ہے۔

پھر دوسری خوبی جو بیک نظر سامنے آ جاتی ہے یہ ہے کہ اس کتاب میں ان احادیث کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا گیا کہ جن کے سمجھنے میں ایک عام قاری کو دشواری ہو بلکہ بعض لوگ تو اس طرف گئے ہیں کہ یہ مجموعہ ابتدائی تعارف یا ایک مشغول زندگی کے لئے احادیث نبویہ سے علمی و عملی تعلق پیدا کرنے کی غرض سے معرض وجود میں لایا گیا تھا۔ چنانچہ آج بھی عربی مدارس میں اس کو صحاح ستہ سے مقدم کر کے پڑھایا جاتا ہے اور اس کا یہی سبب ہے کہ تعارف کا ابتدائی اور اولین مرحلہ ایک ایسی کتاب کے ذریعہ طے پائے کہ جس میں نہ اتنا اطناب ہو کہ جس سے صرف منتہی ہی فائدہ اٹھا سکیں اور نہ اتنا ایجاز ہو کہ جس سے عام ذہن مکرر ہو کر رہ جائے۔

ایک دوسری حیثیت سے بھی اس پر نظر ڈالئے۔ اگر صحیح بخاریؒ کو یہ فخر حاصل ہے کہ مشکلات میں اس کا ختم کرایا جاتا ہے تو مشکوٰۃ کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ صوفیہ کے حلقہ میں زیر درس رہی ہے۔ اکابر صوفیہ نے اپنی اذکار و اشغال سے معمور زندگی میں حدیث کے اس مجموعہ کو اس وجہ سے سامنے رکھا ہے کہ اس میں فن کی دو سری کتابوں کی طرح ایجاز و اطناب نہیں ہے۔

دور جانے کی ضرورت نہیں، ہندوستان کے شمال میں آزادی کی جواو لیں کوشش کی گئی ہے اور جس کی سربراہی خانوادہ محمدی کے ایک گل سرسید حضرت سید احمد بریلوی برد اللہ مضجعہ کر رہے تھے ان کا اپنے مجاہدین کے سلسلہ میں یہ معمول تھا کہ مشکوٰۃ شریف کا التزام و درس ہوا کرتا تھا۔ درس کی حقیقی ذمہ داری تو شاہ اسماعیل شہید کے سر تھی لیکن نکات و حکمت کا اظہار خود سید مرحوم بھی فرمایا کرتے تھے۔

حجۃ اللہ البالغہ جو علوم اسرار الہیہ اور حکمت شرعیہ کے موضوع پر عدیم النظر کتاب ہے اس کے متعلق اہل نظر کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ دراصل مشکوٰۃ کی شرح ہے۔ جن لوگوں نے ترتیب کتاب سے ہٹ کر استخراج حدیث کے انداز پر گہری نظر رکھی ہے وہ جانتے ہیں کہ شاہ صاحب بالعموم مشکوٰۃ شریف ہی کی احادیث کو سامنے رکھ کر اپنے جواہر ریزے اُمت کے سامنے رکھتے ہیں۔

پھر اس کتاب پر حواشی تقریباً بخاری و مسلم کے بعد سب سے زیادہ لکھے گئے ہیں۔ بعض شارحین نے تو صرف اس لئے مشکوٰۃ کو اختیار کیا کہ اس میں وہ جامعیت ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا۔

مشکوٰۃ شریف کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ حلقے جو بظاہر اس کے مرتب اور مدون کے مسلک کے خلاف مسلک رکھتے ہیں اس کتاب کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور آج سے نہیں بلکہ جب سے یہ کتاب منصہ شہود پر آئی تھی اس کی خوبی کا یہی عالم رہا ہے۔

مشکوٰۃ کا کتاب الفتن کے نام سے جو حصہ ہے وہ تو برابر اہل نظر کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتا رہا ہے اگر لوگوں نے خالص اس موضوع پر کچھ لکھا ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ مشکوٰۃ کی کتاب الفتن کو سامنے رکھ کر لکھا ہے چنانچہ اس باب میں کثرت کے ساتھ آثار صحابہ و تابعین منقول ہیں۔

عوان یعنی عملی زندگی کے سلسلہ میں آپ دیکھیں گے کہ وہ باب نہایت تفصیلی ہیں جن کی ہمیشہ شبانہ روز ضرورت پیش آتی رہتی ہیں مثلاً دعا و استغفار، اعتصام بالکتاب و السنۃ، اسماء اللہ اور اس قسم کے دوسرے ابواب۔

مشکوٰۃ شریف دراصل ”مصابیح السنۃ“ کی مکمل و مدون شکل ہے جس میں امام محی السنۃ، قاضی البدیع ابو محمد حسن بن مسعود الفراء، البغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتب فقہ کے ابواب کی ترتیب پر اہم اور عظیم الشان احادیث کا ذخیرہ جمع کیا تھا۔

امام بغوی نے مصابیح کی ترتیب دو فضلوں پر قائم کی تھی۔ پہلی فصل میں انہوں نے شیخین یعنی بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی روایت کردہ احادیث کو نقل کیا تھا اور دوسری فصل میں دیگر ائمہ و محدثین مثلاً امام ابو داؤد و امام ترمذی سے مروی احادیث کو جمع کیا تھا۔ نیز انہوں نے صرف احادیث کے نقل پر اکتفا کیا، نہ تو کتاب کے حوالے دیئے تھے اور نہ راوی کے نام ذکر کیئے۔

لہذا آٹھویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم اور رفیع المرتبت محدث ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب الغری تبریزی نے اس کتاب کو از سر نو ترتیب و تدوین کے لئے اختیار کیا۔

آپ نے سب سے پہلے تو اس کتاب میں ایک تیسری فصل کا اضافہ کیا اور اس میں نہ صرف یہ کہ دوسرے ائمہ اور محدثین کی احادیث کو نقل کیا بلکہ خود شیخین یعنی بخاری و مسلم کی ان احادیث کا بھی اضافہ فرمایا جنہیں اصل کتاب مصابیح میں امام محی السنۃ نے چھوڑ دیا تھا۔

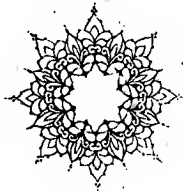
دوسرے آپ نے ہر حدیث کے بعد اس کتاب یا محدث کا حوالہ دیا جن سے وہ حدیث نقل کی گئی تھی۔

تیسرے حدیث سے پہلے راوی کا نام ذکر کیا جن سے وہ حدیث روایت کی گئی تھی۔

اس طرح کتاب کی اہمیت زمین سے آسمان پر پہنچ گئی۔

مشکوٰۃ شریف کو جو عظمت و رفعت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس وقت سے یہ معرض وجود میں آئی ہے جب سے اور آج تک عربی مدارس، اسلامی درس گاہیں اپنے نصاب درس میں اس کو شامل کرنا ضروری سمجھتی رہی ہیں چنانچہ آج بھی تمام عربی مدارس میں یہ کتاب صحاح ستہ سے مقدم کر کے پڑھائی جاتی ہے۔

اصل کتاب ”مصابیح السنۃ“ میں چار ہزار چار سو چونتیس (۴۴۳۴) حدیثیں نقل کی گئی تھیں۔ بعد میں علامہ خطیب تبریزی نے جن احادیث کا اضافہ کیا ہے ان کی تعداد ایک ہزار پانچ سو گیارہ (۱۵۱۱) ہے اس طرح مشکوٰۃ شریف کی تمام احادیث کی تعداد ۵۹۴۵ ہوئی۔



صاحب مظاہر حق اور ان کا سلسلہ تلمذ

”خاندان ولی ٹہی“ اسلامیان ہند کی علمی تاریخ کا وہ تابناک باب ہے جس کی شعاعوں نے صحیح معنوں میں سب سے پہلے ہندوستان کی سرزمین پر ”علم حدیث“ کی جوت جگائی اور جس کے افراد آسمان علم و معرفت پر آفتاب و متاب بن کر چمکے۔ حضرت شاہ ولی اللہ جن کی ذات گرامی ہندوستان کے محدثین کے لئے مدار سند ہے اور آپ کے قابل صد فخر صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے ”خاندان ولی اللہ“ کی علمی عظمت کو چار چاند لگائے۔ اور حضرت شاہ اسحق جو شاہ عبدالعزیز کی مسند درس کے صدر نشین اور ان کے جانشین قرار پائے۔ اس عظیم خاندان کی وہ ہستیاں ہیں جن کے تذکرے ہندوستان میں ”خدمت حدیث“ کے ہر سلسلہ کا اعلیٰ عنوان بنتے ہیں۔ نیز ”مظاہر حق“ کے مولف مولانا نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کا سلسلہ تلمذ بھی یہی ہے۔ اس مناسبت سے ان عظیم ہستیوں کے مختصر احوال پیش کئے جا رہے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ چہار شنبہ کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم حضرت شیخ عبدالرحیم نے بچپن کے وقت کے ایک جلیل القدر عالم اور زبردست صوفی تھے، آپ کی تربیت اپنے مخصوص انداز میں فرمائی۔ سب سے پہلے آپ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل کیے گئے جہاں آپ نے قرآن شریف کی تعلیم شروع کی۔ چونکہ آپ فطری طور پر علم سے دلچسپی رکھتے تھے اور روز ازل سے آپ کے فطری جوہر بانی قابلیتوں سے آراستہ و درخشاں ہو چکے تھے اس لئے آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کر لیا۔ ادھر والد محترم کی مخصوص تربیت نے یہ جوہر دکھایا کہ آپ نے اس چھوٹی سی عمر میں آداب اخلاق کی منزلیں طے کر لیں جہاں تک بڑی بڑی عمریں بھی نہیں پہنچتیں، رہن، سہن، نشست و برخاست اور گفتگو کے آداب و طریقے کم سن ہی کی حالت میں حاصل ہو گئے تھے۔ آپ کا عام قاعدہ تھا کہ اس عمر میں بھی جب کسی بڑے سے بات کرتے خواہ وہ کسی مرتبہ و درجہ کا آدمی کیوں نہ ہوتا احساس ادب سے نگاہیں نیچے جھکی ہوئی ہوتیں۔ سوالات کا جواب نہایت باوقار اور متین لہجہ میں دیتے۔ دوستوں اور ساتھیوں سے بھی گفتگو تہذیب و شائستگی کے حدود سے تجاوز نہ کرتی تھی۔

عمر کی ساتویں منزل میں پہنچے تو فارسی کی درسی کتابیں شروع کرائی گئیں اور چند ہی روز میں تمام کتابیں ختم کر ڈالیں، ایک سال کے قلیل عرصہ میں فارسی کے علوم میں رسوخ حاصل کر لیا۔ فارسی کی درسی کتب سے فراغت کے بعد صرف و نحو کی ابتدائی کتابوں پر عبور حاصل کیا دس سال کی عمر میں آپ شرح ملا پڑھنے لگے تھے۔

آپ کے سوا ح نگار لکھتے ہیں کہ دس سال کی عمر میں آپ صرف و نحو کے علوم پر اس طرح حاوی ہو گئے تھے کہ بڑے بڑے صرفی اور نحوی جو اپنے علم و فضل کی بناء پر عظمت و توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے آپ سے ان فنون کے مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ اس کے بعد معقولات کی کتابیں شروع کیں۔ یہاں پہلے ہی طبیعت خدا دہائی تھی۔ چنانچہ جودت ذہن اور ذکاوت طبع نے اس مرحلہ کو بھی تھوڑے ہی عرصہ میں طے کر ادیا۔

چودہ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہو گئی لیکن اس کے باوجود تحصیل علم کا سلسلہ اسی شغف سے جاری رہا۔ چنانچہ شادی ہی کے سال آپ نے تفسیر بیضاوی اپنے والد محترم سے پڑھی اور اس کے ساتھ ان علوم میں بھی کامل دستگاہ حاصل کی جو ان دنوں ہندوستان میں مقبول اور علماء دہلی کے زیر درس تھے اسی سال والد بزرگوار سے بیعت بھی ہو گئے اور مشائخ نقشبندیہ کے سلسلہ و وظائف میں مشغول

ہوئے۔ علم تصوف پر آپ نے باقاعدہ تحقیق کی اور اس میں بھی مہارت تامہ کے بعد وہ رموز و نکات اور حکمت پیدا کیں کہ بڑے بڑے مشائخ، صلحاء، اور علماء اس کسمن صوفی کے سامنے اپنی جبین عقیدت جھکانے لگے۔

جب چودہ سال کی عمر میں تمام علوم متعارفہ و متداولہ سے فراغت حاصل کر لی۔ ادھر سلوک و طریقت کی منزلوں کے بھی مراحل طے کر لئے تو والد بزرگوار حضرت شیخ عبدالرحیمؒ نے ایک دعوت عام کی جس میں اہل شہر اور بڑے بڑے علماء فضلاء اور قضاۃ بطور خاص مدعو کئے گئے اور اسی دعوت میں والد بزرگوار نے اپنے اس ہونہار اور لائق بیٹے کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور درس کی عام اجازت مرحمت فرمائی۔

والد محترمؒ کے انتقال کے بعد آپ ان کی مسند درس کے صدر نشین قرار پائے اور دینیات و معقولات کی کتب کا درس دینا شروع کیا تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے درس کا شہرہ ہو گیا اور دور دور سے طالبان علم آپ کے پاس آکر علم کی دولت سے اپنا دامن بھرنے لگے۔ ہندوستان میں علم حدیث کی بنیاد اگرچہ شیخ عبدالحق دہلویؒ نے ڈالی اور اسی لئے مؤرخین اولیت کا سہرا بھی انہیں کے سر باندھتے ہیں مگر صغیر میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کا اصل سہرا خاندان ولی اللہ کے سر ہے اگر ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے اور اس وقت کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت پورے ہندوستان پر جہالت و ضلالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے علم نبویؐ کو بالکل ترک کر دیا تھا یہاں تک کہ اسلام بھی ان میں برائے نام باقی رہ گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخ عبدالحقؒ نے اس ماحول میں حدیث و قرآن کے علوم کی ترویج کی تاجید انتہا جدوجہد کی۔ لیکن حالات اتنے بگڑ چکے تھے کہ شیخؒ اس خرابی و تاریکی کو دور نہ کر سکے جو صدیوں سے مسلمانوں کے دلوں میں جم گئی تھی اور انجام کار وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن چونکہ ہندوستان کی سرزمین کو علم حدیث کی مقدس شعاعوں سے منور ہونا تھا اس لئے ان کے انتقال کے بعد خدا نے اس عمارت کا سہارا ایک اور کھڑا کر دیا جس کی بنیاد حضرت شیخ عبدالحقؒ نے ڈالی تھی۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ کے والد محترم حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے پرانی دہلی میں اس مقام پر جو آج کل ”مہند یوں“ کے نام سے مشہور ہے ایک مدرسہ کی بنیاد ”مدرسہ رحیمہ“ کے نام سے ڈالی جس میں علم حدیث کی باضابطہ تعلیم شروع ہوئی۔ طلبہ اچھی خاصی تعداد میں حدیث پڑھنے کے لئے آئے لگے۔ اور لوگوں میں علم حدیث سے کافی دلچسپی بھی پیدا ہو گئی مگر حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے ”حدیث“ کو پھیلانے کی جتنی زیادہ سعی و کوشش کی اتنی کامیابی ان کو نصیب نہیں ہوئی۔

آخر کار شاہ ولی اللہؒ نے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مدرسہ رحیمہ میں جس کی بنیاد خود ان کے والد ماجد شیخ عبدالرحیمؒ ڈال گئے تھے، طلبہ کو درس دینا شروع کیا اور بارہ سال تک پورے انہماک اور ذوق و شوق کے ساتھ علم نبویؐ کے چشمہ فیوض سے نہ صرف یہ کہ ہندوستان بلکہ عرب و عجم کے طلبہ کو سیراب فرمایا۔

اگرچہ بارہ سال کے اس طویل عرصہ میں آپ کا علمی کمال عروج کو پہنچ چکا تھا اور دینی و عقلی علوم میں حیرتناک حد تک ملکہ پیدا ہو گیا تھا جس کے سامنے وقت کے بڑے بڑے علماء عقیدت سے سر جھکاتے تھے لیکن علم کی جو یا طبیعت نے بس نہیں کی اور علم حدیث کی مزید تحصیل کے لئے دیار مقدس کے لئے رخت سفر باندھا اور مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

۱۱۴۳ھ میں آپ حرمین شریفین کی زیارت سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد کامل ایک سال تک حرم محترم اور حرم نبویؐ کی مجاورت کر کے روحانی فیوض و برکات حاصل کرتے رہے اور پھر تحصیل علم کے لئے علماء و صلحاء کی طرف متوجہ ہوئے، سب سے پہلے آپ شیخ محمد وفد اللہ ابن شیخ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے وقت کے حلیل القدر محدث اور حرمین میں استاذ العلماء مانے جاتے تھے۔ استاذ نے بڑی عزت و احترام کے ساتھ خوش آمدید کہا اور شیخ صاحبؒ نے مؤطا یحییٰ بن یحییٰ پوری سنا کر اس کی اور شیخ محمد بن محمد ابن سلیمان کی تمام روایت کی اجازت حاصل کی۔

اس کے بعد آپ شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ، فصاحت و بلاغت

جیسی صفات کی بنا پر اہل عرب میں بڑی عظمت کے مالک مانے جاتے تھے اور علم حدیث میں اپنا امتیازی مقام رکھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان سے نہ صرف یہ کہ علم حدیث حاصل کیا اور علمی مذاکرے کر کے مزید اکتساب فیض کیا بلکہ تصوف و سلوک کے اعلیٰ منازل بھی طے کئے۔ چنانچہ وہاں سے فراغت کے بعد جب آپ رخصت ہونے لگے تو استادؒ نے احادیث کی اجازت دی اور خرقہ خلافت اپنے ہاتھ سے پہنا کر پریم آنکھوں سے گرانقدر نصائح کے ساتھ رخصت کیا۔

اسی سلسلہ میں آپ شیخ تاج الدین قلعی حنفی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بخاری شریف کے علاوہ احادیث کی دیگر موثوق بہا کتب کی بھی اجازت لی۔

حرمین کے جلیل القدر محدثین اور علماء کے فیوض روحانی سے بہرہ ور ہو کر ان کے چشمہ علم سے پوری طرح فیض یاب ہو کر آپ ۱۱۳۴ھ میں دوبارہ حج کی نعمت سے مشرف ہوئے۔ اور ۱۱۳۵ھ کے ابتدا میں وطن کی مراجعت فرما ہوئے اور ۱۳۵ھ جب ۱۱۳۵ھ یوم جمعہ کو دہلی رونق افروز ہوئے۔

حرمین سے واپسی کے بعد آپ کے درس حدیث نے ایک نئی شکل اختیار کر لی یا یوں کہا جائے کہ علم حدیث کی جس روشنی سے آپ کا قلب و دماغ پوری تابانی کے ساتھ منور ہو چکا تھا اس کی شعاعیں دہلی کے مدرسہ رحیمیہ سے پھوٹ پھوٹ کر اطراف عالم کو منور کرنے لگیں۔ اس طرح شاہ صاحبؒ نے پوری شان و شوکت اور عزت و عظمت کے ساتھ حدیث کے مسند درس پر بیٹھ کر حدیث نبوی کے علوم و معارف کو پورے ہندوستان میں پھیلایا اور باقاعدہ اس کی اشاعت کی جس کی تئیں آج تک ہندوستان کو پر نور بنا رہی ہیں۔

کل نفس ذائقة الموت کے تحت جب آپ کا بھی پیمانہ حیات لبریز ہو گیا تو بعر ۶۳ سال ۷۶ھ میں وفات پائی اور دہلی میں سپرد خاک کئے گئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے چار مشہور اور جلیل القدر مجتہد تھے شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالغنیؒ۔ اگرچہ یہ چاروں حضرات علم و فضل، فہم و فراست، قوت تقریر، نصاحت تقریر، تقویٰ و تقدس، امانت و دیانت میں یکساں اور لاثانی سمجھے جاتے ہیں لیکن ان سب میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ عظمت و منزلت اور علم و فضل کے لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں۔ اور یہی وہ ذات گرامی ہے جس نے اپنے خاندان کو تمام علمی دنیا میں روشناس کرایا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر اس عظیم خاندان میں شاہ عبدالعزیزؒ کا وجود نہ ہوتا تو یہ خاندان گمنامی کے دائرہ سے نکل کر عزت و عظمت اور شہرت و ناموری کے اس مرتبہ کو کبھی نہیں پہنچ سکتا تھا اور جو تاریخی شہرت آج اسے حاصل ہے کبھی حاصل نہ ہوتی۔

آپ کی مبارک پیدائش ۱۱۵۹ھ میں ہوئی اور شاہ ولی اللہ جیسے عظیم باپ اور مقدس ہستی کے زیر سایہ نشوونما کے ابتدائی مراحل طے ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل کئے گئے اور قرآن شریف کی تعلیم شروع ہوئی چونکہ آپ نہ صرف نسبی طور پر بلکہ فطری طور پر نہایت ذہین، سلیم الطبع، خوش فہم اور بے حد طباع تھے اس لئے بہت ہی کم سنی میں قرآن کریم کی تعلیم پوری کر لی۔ قرآن کی تعلیم کے بعد فارسی کی ابتدائی تعلیم مکمل کی اور اس کے بعد دو تین سال کے مختصر عرصہ میں صرف و نحو کی کتابیں ختم کر ڈالیں۔ اس کے بعد آپ کی باقاعدہ تعلیم شاہ ولی اللہ کے ایک قابل خلیفہ کے زیر نگرانی شروع ہوئی۔ تقریباً دو سال کے عرصہ میں آپ نے عربی کے مختلف فنون میں حیرت انگیز ترقی اور کامیابی حاصل کر لی۔

تیرہ سال کی عمر میں آپ معمولی درسی تعلیم کے علاوہ صرف و نحو، فقہ، اصول، منطق، کلام، عقائد، ہندسہ، ہیئت، ریاضی جیسے عظیم الشان فنون سے فراغت حاصل کر چکے تھے۔ ان علوم سے فراغت کے بعد آپ اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حلقہ درس میں شامل ہو

گئے اور حدیث کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ دو سال کے عرصہ میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تمام حدیث کی کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھ لیں، آپ کی عمر مشکل سے پندرہ سال کی ہوگی کہ تمام علوم و فنون کی تکمیل کر ڈالی۔

چونکہ آپ کے خاندان میں علوم فقہیہ کے علاوہ علوم عقلیہ کا بھی رواج تھا اور شاہ ولی اللہؒ کی درس گاہ میں جہاں حدیث و تفسیر کے علوم پورے شغف و انہماک سے پڑھائے جاتے تھے وہاں منطق، ریاضی کی تعلیم بھی اعلیٰ پیمانہ پر دی جاتی تھی اس لئے شاہ عبدالعزیزؒ اس چھوٹی سی عمر میں ایک لائق ریاضی دان اور قابل منطقی بھی بن گئے تھے اور تاریخ و جغرافیہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔

شاہ عبدالعزیزؒ علوم عقلیہ و فقہیہ کی تحصیل اور باطنی کمالات کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ دارالبقاء کو سدھار گئے۔ شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ان کی مسند درس کے جانشین شاہ عبدالعزیز صاحبؒ قرار پائے۔ گو شاہ ولی اللہؒ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر صرف سترہ برس تھی لیکن آپ علمی، تجر، علمی کمالات اور باطنی رسوخ کی بناء پر بڑے بڑے علماء آپ کے در و دولت کی جبین سائی کیا کرتے تھے اور کثرت سے طلبہ اطراف عالم سے آکر آپ کے چشمہ علوم سے اپنی علمی تشنگی کی سیرابی کیا کرتے تھے۔

آپ کے بارہ میں صاحب اتحاف النبلاء کی شہادت ہے کہ در حقیقت علم حدیث کا بیخ و بن ہندوستان کی بنجر اور سخت زمین میں آپ کے والد بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بویا اور آپ نے اس کی اپنے خون جگر سے آبیاری کر کے اسے نہایت خوشنما اور نونہال پودا بنا دیا جو چند دنوں میں سرسبز و شاو اب ہو کر لہلہانے لگا اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں دور دور کے لوگ اس کے پھول و پھل سے وامن لبریز کر کے جانے لگے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنے دوسرے علمی کمالات کے علاوہ فن خطابت میں خداداد ملکہ رکھتے تھے، آپ کی سحر آمیز خطابت موافق و مخالف دونوں کے قلوب کو مسخر کر لیا کرتی تھی، اس کے ساتھ ہی آپ کا حافظہ گویا لوح تقدیر کا انمٹ نسخہ تھا کہ جو کتاب پڑھ لیا جو بات سن لی، جوں کی توں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی۔

بہر حال آپ کی ذات والاصفات خاندان ولی اللہ کے معدن علم کا وہ گہرا بدار تھی جس کی تنویریں آج تک اسلامیان ہند کے قلوب کو ضیاء شکر رہی ہیں اور اس کے ساتھ ہی آپ کی بیش بہا تصانیف علم و فضل کے ان گراں بہا موتیوں سے مزین ہیں جن کی آب و تاب تمام عالم کی نظروں کو خیرہ کر رہی ہیں۔

علم و فضل، زہد و تقویٰ، شان و شوکت، عزت و عظمت سے بھرپور آپ کی زندگی نے اپنے ایام حیات بڑی شان سے پورے کئے اور سات شوال ۱۲۳۸ھ یوم یکشنبہ کو صبح کے وقت اپنی شاندار علمی تاریخ کے ساتھ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ آپ کے تین صاحبزادیاں تھیں، دوسری صاحبزادی کا عقد شیخ محمد افضل صاحبؒ سے ہوا تھا ان ہی کے بطن سے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب پیدا ہوئے۔

مولانا محمد اسحاق صاحبؒ کی تاریخ ولادت ۱۲۷۱ھ ہے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے چونکہ کوئی لڑکا نہیں تھا اس لئے آپ کی تمام تر توجہات مولانا محمد اسحاقؒ پر صرف ہوتی تھیں اور ان کی تربیت بھی آپ نے اپنے اسی انداز سے کی جس طرح خاندان ولی اللہ کے دوسرے افراد کی کی گئی۔

آپ ابتدائی تعلیم کے بعد علم حدیث کی تعلیم کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے، تعلیم سے مکمل فراغت کے بعد مسند درس کو اپنی تمکین سے اعزاز بخشا اور مسلسل بیس برس تک شاہ صاحبؒ کے سامنے ہی جدید و بنی و فکر کے حامل طلبہ کو حدیث

کادرس اپنے مخصوص انداز میں دیتے رہے۔

سنت نبوی کا اتباع اور رسول اللہ ﷺ سے کمال محبت آپ کی زندگی کا بابہ الامتياز مقام تھا۔ چنانچہ آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ آپ سے نادانستہ بھی کبھی خلاف سنت کاموں کا صدور نہیں ہوا کرتا تھا، چونکہ فیاضی قدرت نے حسن سیرت کے علاوہ حسن صورت کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا اس لئے چہرہ کی شگفتگی آپ کی نجابت اور شرافت کی غمازی کیا کرتی تھیں۔ اور آپ کا چہرہ دیکھ کر لوگوں کو یقین ہوا کرتا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی صحبت کا فیض جن مقدس ہستیوں نے پایا ہے وہ یقیناً اسی صورت و سیرت کے ہوں گے۔

جب حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے سفر آخرت قبول فرمایا تو مخلوق خدا نے خاندان ولی اللہ کی سیادت کا عمامہ آپ کے سر پر رکھا اور شاہ صاحبؒ کے جانشین قرار دیے گئے۔ تمام معتقدین اور شاگردوں نے آپ کی طرف رجوع کیا اور آپ کے چشمہ علوم سے اکتساب فیض کرنے لگے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے جانشین ہونے کی وجہ سے آپ کو وہی عزت و عظمت حاصل ہوئی جو اس عظیم خاندان کے دوسرے پیشواؤں کو حاصل تھی لیکن اس شان و شوکت، ثروت و رفعت اور جاہ و جلال کی موجودگی کے باوجود محض خدائے تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا جوئی کے لئے آپ نے دیار مقدس کی طرف سفر ہجرت کا ارادہ فرمایا اور مع اہل و عیال حجاز تشریف لے گئے وہاں آپ نے فراغ حج ادا کئے مگر کچھ دنوں کے بعد ہندوستان تشریف لے آئے۔

یہاں پہنچتے ہی مخلوق خدا نے گھیر لیا اور آپ اپنے وعظ و انصاح کے ذریعہ ان کی روحانی تربیت فرماتے رہے لیکن جب ہندوستان کی پوری فضا پر رسوم و بدعات اور ضلالت و گمراہی کی تاریکی چھا گئی اور اسلامی شعار جبے دینی و بدکرداری کی بھینٹ چڑھنے لگے تو آپ بالکل ہی دل برداشتہ ہو گئے اور یہاں سے ہجرت کا حکم ارادہ فرمایا۔ گو شہر کے تمام باشندے اور خود سلطان وقت نے یہ منت و سماجت کوشش کی کہ آپ ہندوستان سے تشریف نہ لے جائیں مگر آپ نہ مانے اور تمام اہل و عیال اور لواحقین کے پورے قافلہ کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں اقامت اختیار فرمائی اور وہیں ۱۲۶۲ھ میں انتقال فرمایا۔

مظاہر حق کے مؤلف حضرت علامہ نواب محمد قطب الدین خاں دہلوی رحمہ اللہ

آپ دہلی کے ایک صاحب حیثیت اور باوجاہت خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے اجداد ہمیشہ سے بارگاہ سلطان کے مقرب رہے اور اپنی خدمات جلیلہ کے صلہ میں بڑے بڑے مناصب اور عہدے حاصل کئے۔ مولانا بھی دربار دہلی میں بڑی عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور بادشاہ وقت کی نظروں میں آپ کی بڑی وقعت تھی۔

آپ کی پیدائش ۱۲۱۹ھ کی ہے ابتدائی تربیت کے بعد حصول علم کے لئے حضرت مولانا شاہ محمد اسحاقؒ محدث دہلوی کی خدمت میں وئے گئے اور ان سے اکتساب فیض کیا اور علم حدیث میں کمال حاصل کیا، ان کے علاوہ حرمین شریفین کے علماء کے چشمہ علوم سے بھی مستفیض ہوئے۔

شریعت کا اتباع آپ کی زندگی کا امتیازی مقام تھا وضع قطع میں اپنے استاد کے سچے پیرو تھے اور ان سے اتنے مشابہ کہ جس نے حضرت مولانا اسحاقؒ کو نہیں دیکھا تھا آپ کو دیکھ کر سکون حاصل کرتا تھا۔ علم و فضل کے اعلیٰ مرتبہ پر ہونے کے علاوہ تواضع و انکسار، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور اخلاق و علم کے اعلیٰ اوصاف کے حامل تھے۔

آپ کی علمی زندگی کا سب سے شاندار کارنامہ مشکوٰۃ شریف کا اردو ترجمہ اور شرح ”مظاہر حق“ ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے جو آپ کے علم و فضل کی شاہکار ہیں۔ آخر میں آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں ۱۲۸۹ھ میں وفات پائی۔

صاحب مصابیح السنۃ

امام محی السنۃ قاضی البدعۃ حضرت ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بغشور کے رہنے والے تھے جو خراسان میں ہرات و مرو کے درمیان ایک گاؤں ہے اسی بنا پر آپ بغوی کی نسبت سے مشہور ہیں امام محی السنۃ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے ایک جلیل القدر عالم، فقید المثال محدث اور رفیع الشان مفسر تھے، فقہ، حدیث اور تفسیر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، اسی بنا پر اس وقت کے تمام محدثین و مفسرین اور علماء آپ کو اپنا پیشوا اور امام سمجھتے تھے۔ نیز اس وقت ”مفتی اعظم“ کے عظیم منصب پر بھی آپ ہی فائز تھے۔

ان علوم کے علاوہ فن قرأت میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے اور ایک باکمال و صاحب فن مجود و قاری تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ کے علم و فضل کے اس عظیم منصب پر فائز ہونے کے باوجود اور اپنے تمام ترویجی و دنیاوی جاہ و جلال کے باوصف، مزاج میں انتہاء درجہ کی سادگی بے تکلفی اور انکسار رکھتے تھے۔

زہد و تقویٰ کے اعلیٰ مراتب کے حامل تھے۔ قلب میں خشت الہی اور خوف آخرت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ عشق نبوی سے زندگی کا ہر گوشہ منور تھا۔ دنیا کے عیش و راحت سے کوسوں دور رہتے تھے۔ حالانکہ دنیاوی طور پر بھی جاہ و حشمت کا جو مقام آپ کو حاصل تھا اس کی بنا پر اگر آپ چاہتے تو دنیا کی تمام نعمتیں اور راحتیں آپ کے قدموں میں ہوتیں لیکن زہد و استغناء کا یہ عالم تھا کہ آپ نے ہمیشہ خشک روٹی کھا کر زندگی کے ایام پورے کئے، آپ کے کمال زہد و استغناء کی اس کیفیت کو دیکھ کر جب شاگردوں نے عرض کیا کہ آپ خشک روٹی کھاتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے آپ کے قلب و دماغ اور اعصاب پر ضعف کا غلبہ ہو جائے اور دین و اسلام کی جو خدمت آپ انجام دے رہے ہیں اس میں عدم قوت اور ضعف کی وجہ سے اضمحلال پیدا ہو جائے تو اس کے بعد آپ نے صرف اتنی تبدیلی کی کہ خشک روٹی روغن زیتون سے لگا کر کھالیا کرتے تھے۔

”محی السنۃ“ کا عظیم لقب آپ کو براہ راست بارگاہ رسالت سے ملا تھا۔ مؤرخین و محدثین لکھتے ہیں کہ آپ جب اپنی مشہور کتاب ”شرح السنۃ“ کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو ایک روز خواب میں سرکارِ دو عالم نبی کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت حضور ﷺ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ دعائیہ جملہ ارشاد فرمایا ”جس طرح تم نے میری سنت کو اپنی تصنیف کے ذریعہ زندہ کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ رکھے“۔ جب ہی سے آپ ”محی السنۃ“ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

آپ کی زندگی کا سب سے مشہور کارنامہ آپ کی مشہور تصنیف ”مصباح السنۃ“ ہے جو مشکوٰۃ شریف کی بنیاد اور متن ہے۔ آپ نے صحاح ستہ اور دیگر مستند و معتبر کتابوں سے احادیث کے اس ذخیرہ کو جمع کر کے کتب فقہ کے ابواب پر مرتب فرمایا، آپ کی دوسری عظیم تصنیف تفسیر معالم التنزیل ہے جو قرآن کی تفاسیر میں ایک وسیع درجہ رکھتی ہے۔ آپ کی وفات ۵۱۶ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔



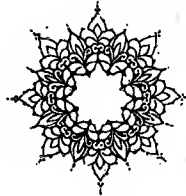
صاحب مشکوٰۃ المصابیح

علامہ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری التبریزیؒ

آپ کا نام نامی ”محمد“ ہے۔ بعض حضرات نے ”محمود“ لکھا ہے لیکن زیادہ صحیح اور مشہور ”محمد“ ہی ہے، کنیت ابو عبد اللہ اور لقب ”ولی الدین“ ہے۔ والد ماجد کا نام عبد اللہ ہے۔ نبأ ”عمری“ ہیں اور ”خطیب تبریزی“ سے مشہور ہیں۔ آپ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم، بلند پایہ محدث، فصاحت و بلاغت کے امام، زہد و تقویٰ سے متصف اور اعلیٰ اخلاق و عادات کے حامل تھے۔ اپنے زمانہ کے یگانہ روزگار شیوخ اور اساتذہ سے اکتساب علم کیا اور جن بے شمار لائق و فائق تلامذہ کو اپنے علم و عرفان سے مستفید کیا ان میں مبارک شاہ سادیؒ سر فہرست ہیں۔

آپ کے علم و فضل کا سب سے بڑا شاہکار ”مشکوٰۃ المصابیح“ ہے جو مشکوٰۃ کے نام سے مشہور ہے اور حدیث کی بنیادی کتاب مانی جاتی ہے۔ آپ کی اس عظیم کتاب کو دنیا نے اسلام میں اعتبار و قبولیت کا جو مقام نصیب ہوا اس کا ایک اندازہ مشکوٰۃ کے تراجم، شروح اور حواشی کی اس طویل فہرست سے لگایا جاسکتا ہے: مثلاً ① الکشف عن حقائق السنن ”از علامہ حسن بن محمد الطیبی“۔ ② ”شرح مشکوٰۃ“ از ابو الحسن علی بن محمد علم الدین بخاریؒ۔ ③ ”منہاج مشکوٰۃ“ از شیخ عبد العزیز ابہریؒ۔ ④ ”مرقاۃ شرح مشکوٰۃ“ از شیخ نور الدین علی بن سلطان محمد ہروی معروف بہ ملا علی قاریؒ۔ ⑤ ”شرح مشکوٰۃ“ از شیخ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن جوینیؒ۔ ⑥ ”حاشیہ مشکوٰۃ“ از سید شریف علی بن محمد جرجانیؒ۔ ⑦ ”حاشیہ مشکوٰۃ“ از شیخ محمد سعید بن الحجید الف ثانیؒ۔ ⑧ ”ہدایۃ الرواة الی تحریج المصابیح و مشکوٰۃ“ از شیخ ابو الفضل احمد بن علی معروف بہ ابن حجر عسقلانیؒ۔ ⑨ ”لمعات الفتح“ (عربی) اور ⑩ ”اشعۃ اللمعات“ (فارسی) از شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ۔ ⑪ ”التعلیق الصبیح“ از مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ ⑫ ”مرعاة المفاتیح“ از مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوریؒ۔ ⑬ ”ازلیقۃ النجاة شرح مشکوٰۃ“ از شیخ عبد النبی عماد الدین محمد شطاریؒ۔ ⑭ ”زینیۃ الزکاة فی شرح مشکوٰۃ“ از سید محمد ابوالمجد محبوب عالم احمد آبادیؒ۔ ⑮ ”مظاہر حق“ (اردو) از علامہ نواب محمد قطب الدین خاں دہلویؒ۔ ⑯ ”ترجمہ مشکوٰۃ“ (جلد اول) از مولانا کرامت علی جونپوریؒ۔

صاحب مشکوٰۃ خطیب تبریزیؒ کا سال وفات تحقیق سے معلوم نہ ہو سکا۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ آپ کی وفات ۷۳۷ھ کے بعد ہوئی ہے کیونکہ بروز جمعہ ماہ رمضان نے ۷۳۷ھ اس کتاب کی تالیف سے فراغت ہوئی۔ لہذا اس کے بعد ہی کسی سال آپ کی وفات ہوئی ہوگی۔ بعض حضرات نے اندازہ ۷۳۸ھ سال وفات ذکر کیا ہے اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ۷۴۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔



ائمہ حدیث

مشکوٰۃ شریف میں جن ائمہ حدیث کی کتابوں کی منتخب احادیث جمع کی گئی ہیں وہ خصوصیت سے تیرہ ہیں۔ یعنی: امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام دارمی، امام دارقطنی، امام بیہقی، امام رزین ابن معاویہ، ان کے علاوہ امام نووی اور امام ابن جوزی کا ذکر بھی اس فہرست میں آتا ہے۔ ان تمام ائمہ حدیث کے احوال مختصر طور پر نقل کئے جا رہے ہیں۔

مصنایح السنۃ یا مشکوٰۃ شریف کی کسی حدیث کی روایت یا نقل کا کوئی تعلق اگرچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے نہیں ہے اور اس لئے مذکورہ بالا فہرست میں ان کا نام شامل نہیں ہے لیکن ائمہ دین اور محدثین عظام کے ذکر جیل کا کوئی بھی سلسلہ ہمارے نزدیک اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا تذکرہ اس میں شامل نہ ہو اس لئے ائمہ حدیث کی اس فہرست کے آخر میں ان کا اجمالی تذکرہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام بخاریؒ کا اصل نام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزہ ہے اور باختلاف روایت ۱۲۳ یا ۱۲۴ شوال ۱۹۴ھ جمعہ کے روز بعد نماز عصر پیدا ہوئے۔ آپ جعفری قوم سے مشہور ہیں کیونکہ آپ کے پردادا مغیرہ بن بزرگ کے ہاتھ پر اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے تھے وہ جعفری قوم میں سے تھے اور ان کا نام ایمان جعفری تھا، ایمان جعفری اس زمانہ میں بخارا کے سردار تھے اس لئے جو کوئی ان کے ہاتھ پر ایمان لاتا تھا انہی کی قوم کی طرف اپنا انتساب کرتا تھا اس لئے حضرت امام بخاریؒ بھی جعفری مشہور ہوئے۔

حضرت امام بخاریؒ کی بینائی بچپن ہی میں جاتی رہی تھی جس سے ان کی والدہ بہت زیادہ غمگین اور پریشان رہا کرتی تھیں۔ ایک دن اسی حالت حزن و ملال میں ان کی والدہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں ”خوش ہو کہ خدا نے تیری آہ و زاری اور گریہ و بکا پر رحم کیا اور تیری دعا قبول ہوئی یعنی تیرے بیٹے کی بینائی واپس کر دی۔“ ان کی والدہ صبح اٹھیں تو ان کو اپنے لاڈلے کی آنکھیں روشن ملیں۔ دس برس کی عمر میں جب کہ آپ مکتب میں پڑھتے تھے اسی وقت سے یہ کیفیت تھی کہ جہاں حدیث سنتے اسے فوراً یاد کر لیتے۔ چنانچہ اسی وقت سے انہوں نے حدیثیں یاد کرنی شروع کر دی تھیں۔

جب مکتب کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا کہ بخارا میں ایک محدث اور عالم داغلیؒ بہت شہرت رکھتے ہیں، امام بخاریؒ ان کے پاس جانے لگے، ان ہی دنوں داغلیؒ اپنی کتاب جو حدیث کے فن میں تھی اور جس میں حدیثیں لکھی ہوئی تھیں لوگوں کے سامنے پڑھا کرتے تھے ایک دن داغلیؒ لوگوں کے درمیان بیٹھے احادیث رسول اللہ ﷺ سنا رہے تھے اور حدیث کا بیان کرتے وقت جب انہوں نے سند شروع کی تو کہا: سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم فوراً امام بخاریؒ نے ٹوکا اور بولے کہ ابو زبیر، ابراہیم سے روایت نہیں کرتے۔ داغلیؒ اس نو عمر بچہ کی زبان سے یہ سن کر شش و پنج میں پڑ گئے پھر گھر میں گئے اور کتاب اٹھا کر لائے اور کہا کہ واقعی مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اب تم بتاؤ کہ یہ سند کس طرح ہے؟ امام بخاریؒ نے کہا کہ اصل اس طرح ہے، سفیان عن ابی الزبیر عن عدی عن ابراہیم داغلیؒ نے کتاب دیکھی اور کہا کہ واقعی تم سچ کہتے ہو۔ یہ سند اسی طرح ہے۔ اس وقت حضرت امام بخاریؒ کی عمر صرف گیارہ برس کی تھی، داغلیؒ کی حیرت کی انتہا نہیں تھی کہ یہ چھوٹی سی عمر کا لڑکا کس قدر قوی الحافظہ اور ذہین ہے تاہم وہ خوش بھی بہت ہوئے اور امام بخاریؒ کی بہت تعریف و تحسین بھی کی۔

سولہ برس کی عمر میں ابن مبارکؒ اور کعب کی کتابیں یاد کر ڈالیں اور اپنی والدہ اور اپنے بھائی احمد کے ہمراہ حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ حج سے فراغت کے بعد والدہ اور بھائی تو واپس آ گئے لیکن آپ حصول حدیث کے سلسلہ میں جاز شہر گئے، اٹھارہ برس کی عمر میں آپ نے کتابیں تصنیف کرنی شروع کر دی تھیں۔ جب ہی آپ نے ایک کتاب صحابہؓ و تابعینؓ کے عظیم کارناموں اور واقعات اور ان کے اقوال و احوال پر مشتمل تصنیف کی جس کا نام کتاب التاریخ رکھا، آپ نے اس کتاب کا مسودہ تیار کیا پھر اس کو مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارک کے قریب چاندنی راتوں میں صاف کیا۔

حامد بن اسلمیلؒ جو اپنے زمانہ کے رفیع المرتبت محدث تھے ان کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں امام بخاریؒ حدیث حاصل کرنے کے لئے اپنے اساتذہ کے پاس جایا کرتے تھے میں بھی ان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ امام بخاریؒ کا دستور تھا کہ وہ اپنے ہمراہ قلم و دوات نہیں رکھتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ تم حدیث حاصل کرنے کے لئے اساتذہ کے پاس اس وقت ذوق و شوق سے جلتے ہو لیکن قلم و دوات اپنے پاس نہیں رکھتے ہو تو اس سے فائدہ کیا ہو گا کیونکہ جب تک حدیثیں تم لکھو گے نہیں، یاد نہیں ہوں گی۔ اگر تم حدیثوں کو یاد رکھنا چاہتے ہو تو ان کو لکھنا چاہئے۔ حامد بن اسلمیلؒ کا بیان ہے کہ سولہ روز کے بعد امام بخاریؒ نے مجھ سے کہا کہ اس عرصہ میں تم نے جتنی حدیثیں لکھ لی ہیں، سب میرے پاس لاؤ اور پھر اپنی لکھی ہوئی حدیثوں کا میرے ذہن میں محفوظ حدیثوں سے مقابلہ کرو۔ حامدؒ نے اس عرصہ پندرہ ہزار حدیثیں لکھ لی تھیں، بخاریؒ نے وہ سب حدیثیں اپنے حافظے میں پڑھی شروع کیں، حامد بن اسلمیلؒ کہتے ہیں: ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ امام بخاریؒ اپنی یاد کی ہوئی احادیث کو ہماری لکھی ہوئی حدیثوں سے درست کرتے لیکن ہوا یہ کہ ہم نے اپنی لکھی ہوئی حدیثیں ان کے حافظے اور یادداشت کی حدیثوں سے صحیح کیں۔ اور وہ پندرہ ہزار حدیثیں بغیر ایک لفظ کے فرق کے سنا گئے۔ حدیثیں سنانے کے بعد امام بخاریؒ فرمانے لگے کہ تم لوگ سمجھتے تھے کہ میں اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں اور خواہ مخواہ اتنی محنت کرتا ہوں۔ احمد بن اسلمیلؒ کہتے ہیں کہ مجھے اسی دن یقین ہو گیا تھا کہ یہ شیخ بہت ہونہار اور با فضیلت ہے اس کی برابری کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

”بخاری شریف“ جو امام بخاریؒ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے اور جو کتاب اللہ (قرآن شریف) کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب مانی گئی ہے اس کی تالیف کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن امام بخاریؒ اپنے استاد اسحق بن راہویہؒ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسحق بن راہویہؒ کے شاگردوں نے آپس میں کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو ایک ایسی کتاب تصنیف کرنے کی توفیق دیدے کہ جس میں مختصر طریقہ پر حدیثیں جمع کر دی گئی ہوں اور حدیثیں باعتبار اپنی صحت و اعتماد کے اعلیٰ درجہ کی ہوں تو کیا ہی اچھا ہو۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ تمام صحیح اور معتبر و مستند حدیثیں ایک جگہ جمع ہو جائیں گی۔ دوسرے طالب حدیث بلا کسی شبہ اور کھٹک کے ان کو حاصل کر سکتا ہے۔ اور ان پر عمل کر سکتا ہے۔ نیز اسے کسی حدیث کے بارے میں کسی عالم یا محدث سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ مجلس تو برخواست ہو گئی، سب لوگ چلے گئے لیکن بخاریؒ کے دل میں خواہش چلنے لگی اور انہوں نے اس اہم اور عظیم کام کو کرنے کا ارادہ کر لیا اور کتاب کی تصنیف شروع کر دی۔

اس وقت آپ کے پاس محفوظ احادیث کا سرمایہ تقریباً چھ لاکھ کی تعداد میں تھا چنانچہ ان میں سے ان احادیث کو جو باعتبار صحت و سند کے اعلیٰ درجہ کی تھیں، آپ نے اپنی کتاب میں جمع کیا اور جو احادیث آپ کے معیار صحت پر پوری نہ اتر سکیں ان کو ترک کر دیا۔ اس طرح ابن راہویہؒ کی مجلس میں امام بخاریؒ کے ساتھیوں کی مقدس خواہش کا نتیجہ ”جامع بخاری“ کی شکل میں معرض وجود میں آیا۔

حضرت امام بخاریؒ کا اس کتاب کی تالیف کے وقت یہ معمول تھا کہ آپ پہلے غسل کرتے پھر دو رکعت نفل پڑھتے پھر اس کے بعد ایک حدیث کو نقل کرتے۔ اس طرح بخاری شریف میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس کو نقل کرنے سے پہلے امام بخاریؒ نے غسل نہ کیا ہو اور دو رکعت نفل نماز نہ پڑھی ہو۔ سولہ سال کی مدت میں آپ اس عظیم تصنیف سے فارغ ہوئے۔ آپ کی زندگی میں تقریباً نوے ہزار لوگوں نے بلا واسطہ آپ سے حدیثیں حاصل کرنے کا شرف پایا۔

اس زمانہ میں بخارا کا حاکم خالد بن احمد زعلی تھا اس نے حضرت امام بخاریؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرے گھر تشریف لا کر میرے لڑکوں کو اپنی کتاب بخاری اور دیگر تصانیف مثلاً کتاب التاریخ وغیرہ پڑھایا کریں۔ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ یہ علم حدیث ہے۔ میں یہ چیز حدیث کی عظمت کے خلاف سمجھتا ہوں کہ تمہارے گھر حدیث پڑھانے آؤں۔ اگر تمہیں ایسا ہی شوق ہے تو اپنے لڑکوں کو میری مجلس میں بھیجا کرو تا کہ وہ دوسروں کی طرح وہاں بیٹھ کر حدیث کا درس حاصل کریں۔ حاکم بخارا کے لئے امام بخاریؒ کا یہ جواب تازیانہ سے کم نہیں تھا، تاہم اس نے کہلا بھیجا کہ میں اس پر تیار ہوں لیکن یہ خیال رہے کہ جس وقت میرے لڑکے آپ کے پاس حاضر ہوں اس وقت کوئی دوسرا آپ کے پاس نہ آ سکے۔ بلکہ دروازہ پر باقاعدہ سنتی کا پہرہ ہو کہ وہ دوسروں کو اس وقت درس میں آنے سے روکے۔ یہ بات میرے لئے بالکل ناقابل برداشت ہے کہ جس مجلس میں میرے لڑکے ہوں، اسی مجلس میں عوام اور دوسرے کم حیثیت لوگ آ کر ان کے برابر بیٹھیں۔ امام بخاریؒ نے حاکم مذکور کی یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا۔ اور یہ فرمایا کہ یہ علم پیغمبر ﷺ کی میراث ہے اس میں پوری اہمیت برابر کی شریک ہے اس کو حاصل کرنے میں کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ حاکم بخارا امام بخاریؒ کا یہ جواب پا کر سخت مشتعل ہوا اور اس نے طے کر لیا کہ جس طرح بھی ہو اس ”خود سر“ عالم کو مزہ چکھا کر چھوڑنا ہے۔

ایسے علماء کی کسی زمانہ میں کمی نہیں رہی ہے جو دولت و جاہ اور شہرت حاصل کرنے کے لئے اپنے ضمیر کو حکومت وقت کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں اور محض اپنے ذاتی فائدہ اور نفسانی اغراض کی خاطر نہ صرف یہ کہ اپنی جہیں علم کو حکومت کی ذلیل چوکھٹ پر ٹیک دیتے ہیں بلکہ اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے دوسرے علماء حق کی پگڑیاں اچھالنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہی حال امام بخاریؒ کے ساتھ بھی ہوا۔ ایسے علماء جو بظاہر امام کے رفیق کار اور ہمدرد تھے لیکن سردار بخارا کی دولت کی جھنکار پر سب کچھ کرنے کے لئے تیار تھے اور ان کو سردار نے اپنے ساتھ لے کر امام بخاریؒ کے علم و فضل پر طعن و تشنیع شروع کی اور امام بخاریؒ کے مسلک اور اجتہاد پر تنقیدیں کرنے لگا آخر کار ان ہی علماء کی مدد سے ایک فہرست الزام تیار کی گئی جس کی بناء پر امام بخاریؒ کو بخارا سے شہر بدر کر دیا گیا۔

امام بخاریؒ جس وقت شہر سے باہر ہو رہے تھے تو آپ نے صرف اتنا فرمایا کہ ”خداوند! میں یہ معاملہ تیرے سپرد کرتا ہوں“ چنانچہ ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ وہی سردار خالد بن احمد خلیفہ وقت کے حکم سے معزول کر دیا گیا، نہ صرف یہ بلکہ خلیفہ کا حکم ہوا کہ اس کو گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں اس کو تشہیر کرو۔ چنانچہ اس کا انجام یہ ہوا۔

اسی طرح ایک عالم حریش بن ورقہ جو امام بخاریؒ کے خلاف سازش میں حاکم کا ساتھی تھا وہ بہت بری طرح ذلیل و خوار ہوا۔ ایک اور دوسرا عالم بھی اس سازش میں شریک تھا اس کا انجام بھی یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کے قہر نے مشکل آفت و بلا اس کو اپنی گرفت میں لے لیا، اور اس کے تمام بچے مر گئے۔

امام بخاریؒ بخارا سے نکل کر نیشاپور پہنچے، آپ کی خودداری اور استغناء نے نیشاپور کے حاکم کو بھی ناراض کر دیا اس لئے نیشاپور بھی چھوڑنا پڑا اور آخر کار آپ نے سمرقند سے چھ کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں خرننگ میں اقامت اختیار کی، اسی جگہ آپ کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہو گیا۔ اور رمضان کی آخری تاریخ عید کی رات ۲۵۶ھ میں بمر ۶۲ سال آپ واصل حق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے اساتذہ کی تعداد کثیر ہے، بڑے اور جلیل القدر اساتذہ میں خصوصیت کے ساتھ اسحق بن راہویہ، علی بن مدینی، احمد بن حنبل، اور یحییٰ بن معین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسماء ذکر کئے جاتے ہیں۔

خطیب ابو بکر بغدادی نے اپنی مسند کے حوالے سے عبد الواحد طراوی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا۔ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! آپ یہاں کس کے انتظار میں کھڑے ہیں؟ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم محمد بن اسلمیل کا انتظار کر رہے ہیں، عبد الواحد کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد امام بخاریؒ کے وصال کی خبر مجھے ملی اور جب میں نے غور کیا تو معلوم ہوا

کہ عین اسی وقت امام بخاریؒ کا انتقال ہوا تھا جب کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں امام بخاریؒ کا منتظر پایا تھا۔
حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اپنے ترجمہ میں اس خواب کو لکھتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ جس وقت امام بخاریؒ کو دفن کیا گیا تو ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور وہی خوشبو بہت عرصہ تک قبر مبارک کی مٹی سے آتی رہی۔

بہت سے حضرات نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے بخاری شریف کو اپنی جانب منسوب فرمایا ہے چنانچہ محمد بن احمد مروزی ایک روز رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان سو رہے تھے۔ خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں ”اے ابو زید! تو کتاب شافعی کا درس کب تک دے گا، آخر میری کتاب کا درس کیوں نہیں دیتا“ یہ ڈرے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ پر قربان! آپ کی کون سی کتاب ہے کہ جس کا درس مجھے دینا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جامع محمد بن اسماعیل (یعنی بخاری شریف)“ امام الحرمین سے بھی اسی قسم کا خواب نقل کیا جاتا ہے۔

امام بخاریؒ کی تصنیفات کئی ہیں ان میں سب سے عظیم اور جلیل القدر تصنیف توحیح بخاری شریف ہے جس کو تمام دنیائے اسلام میں شہرت دوام حاصل ہے دوسری کتاب التاريخ ہے۔ تیسری کتاب الادب ہے، چوتھی کتاب رفع یدین، اسی طرح اور بھی بہت سی کتابیں امام بخاریؒ کی تصنیف کی ہوئی ہیں جو آپ کے علم و فضل کا شاہکار ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی مسلم بن حجاج ہے اور کنیت ابو الحسین ہے، قشیری قوم سے ہیں اور نیشاپور آپ کا وطن ہے آپ ۲۰۴ھ تا ۲۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ بھی جلیل القدر محدث تھے اور فن حدیث کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں، ابو حاتم رازی، ترمذی اور ابو بکر بن خزیمہ آپ کے مایہ ناز شاگردوں میں ہیں۔ ابو حاتم رازی نے امام مسلمؒ کو انتقال کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے ان کے حالات دریافت کئے امام مسلمؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نواز رکھا ہے، مجھ پر جنت کے دروازے کھول دیے گئے ہیں اور جنت کی وسعتیں میرے لئے وقف ہیں جہاں چاہتا ہوں رہتا ہوں۔

ابو علی زائغی نے امام مسلمؒ کی وفات کے بعد ایک معتبر اور متقی شخص کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہاری نجات کس چیز کی بنا پر ہوئی انہوں نے اپنے ہاتھ میں کچھ اوراق لے رکھے تھے اسے آگے کرتے ہوئے اور دکھاتے ہوئے کہا کہ اس چیز کی وجہ سے یہ صحیح مسلم شریف کے اجزاء تھے۔

کتاب تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دن امام مسلمؒ کی مجلس میں ایک حدیث کا ذکر ہوا لوگوں نے امام مسلمؒ سے اس حدیث کے بارہ میں دریافت کیا۔ امام مسلمؒ کو اس وقت وہ حدیث یاد نہیں تھی وہاں سے اٹھ کر مکان میں تشریف لائے۔ ایک نوکرا کھجوروں کا بھر کر اپنے پاس رکھ لیا اور حدیث تلاش کرنے لگے۔ اس میں سے آپ ایک ایک کھجور کھاتے رہے اور حدیث تلاش کرتے رہے آخر کار وہ حدیث مل گئی لیکن اس اثناء میں پورا نوکرا کھجوروں کا ختم کر گئے۔ تلاش حدیث میں اتنا مستغرق ہوئے کہ اس کا بھی دھیان نہ رہا کہ اتنی کھجوریں کہاں ہضم ہوں گی۔ آخر کار آپ کے انتقال کا یہی سبب ہوا۔ چنانچہ ۲۴/ربیع الثانی ۲۶۱ھ بروز اتوار اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور واصل جنت ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امام مسلمؒ کا سب سے اہم اور عظیم کارنامہ جامع صحیح مسلم شریف ہے جو حدیث کی ایک عظیم اور بخاری کی طرح سب سے صحیح کتاب ہے اس کے علاوہ بھی آپ کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں مثلاً مسند کبیر، جامع کبیر، کتاب العلل، کتاب ادہام محدثین، کتاب تہذیب، کتاب من لیس لہ الا راہ واحد، کتاب طبقات مختصرین، کتاب الاسماء والکنی، کتاب الودعان، کتاب حدیث عمرو بن شعیب، کتاب مشائخ مالک، کتاب مشائخ ثوری وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں ہیں جو آپ نے تصنیف کی ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی مالکؒ ہے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے مالک بن انس بن مالک بن ابوعامر بن عامر بن الحارث بن غیمان بن خثیل الخ آپ کے پردادا ابوعامر کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل تھا لیکن محدث ذہبی نے تجرید الصحابہ میں ان کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ میں نے یہ کہیں منقول نہیں پایا کہ ابوعامر صحابی تھے مگر اتنا ثابت ہے کہ ان کی پیدائش آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔

ابوعامر کے لڑکے مالک تابعی ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ سے ان کی منقول روایتیں آتی ہیں، شیخ محمد ابراہیم بن خلیل نے شرح مختصر خلیل میں ابوعامر کے بارے میں لکھا ہے کہ امام مالک کے پردادا ابوعامر صحابی ہیں اور بدر کے علاوہ تمام غزوات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ حضرت امام مالکؒ اصبحی قوم میں سے ہیں، آپ کی پیدائش ۹۳ھ میں ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام مالکؒ دو تین برس حالت حمل میں رہے ہیں۔

امام مالکؒ علم حدیث کے حاصل کرنے میں بہت حریص تھے اور اتباع سنت پیغمبر ﷺ ان کی زندگی کا ماہ الامتياز مقام تھا۔ شروع میں جب علم حدیث کے طلب کا شوق بہت زیادہ تھا اور گھر میں اتنی وسعت نہیں تھی کہ باقاعدہ تعلیم حاصل کر سکیں تو امام مالکؒ نے اپنے گھر کی کڑیاں بیچ دیں اور ان کے پیسوں سے کتابیں خریدیں، بعد میں حضرت امام مالکؒ کا ستارہ شہرت جب عروج پر پہنچا اور مخلوق خدا نے ان کو اپنا مرجع بنایا تو زندگی کی ہر آسائش و راحت قدموں میں نچھاور ہونے لگی۔ حضرت امام موصوفؒ کا حافظہ بہت تیز اور قوی تھا۔ خود فرماتے تھے کہ جس چیز کو میں ایک مرتبہ یاد کر لیتا ہوں پھر زندگی بھر اسے نہیں بھولتا۔

حضرت امام مالکؒ نے صرف سترہ برس کی عمر میں حدیث کا درس دینا شروع فرما دیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام موصوفؒ کے درس حدیث کے ابتدائی ایام میں ہی مدینہ کی ایک شریف و نیک اور معزز عورت کا انتقال ہوا۔ میت کو غسل دیا جانے لگا اور دوران غسل جب غسل کا ہاتھ میت کی شرمگاہ پر پہنچا تو اس کم بخت نے کہا کہ یہ عورت زانیہ تھی اور اپنی زندگی میں حرام کاری کیا کرتی تھی، جوں ہی اس نے یہ کہا اس کا وہ ہاتھ میت کی شرمگاہ پر چپک کر رہ گیا۔ غسل بہت پریشان ہوئی۔ اس نے لاکھ چاہا کہ ہاتھ ہٹائے لیکن اس کا ہاتھ وہاں سے علیحدہ نہیں ہوا۔ یہ بڑا عجیب واقعہ تھا لوگوں نے علماء وقت سے رجوع کیا اور تدبیر دریافت کی۔ لیکن کوئی بھی کچھ نہیں بتا سکا۔ آخر کار امام مالکؒ کی خدمت میں لوگ حاضر ہوئے اور صورت حال بیان کی۔ امام مالکؒ کی ذہانت نے فوراً علاج تجویز کیا۔ آپ نے فرمایا کہ چونکہ اس غسل کا ایک نیک اور پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائی ہے جس پر عذاب خداوندی اس شکل میں ظاہر ہوا۔ اب اس کا علاج یہی ہے کہ اس پر حد تہمت جاری کی جائے۔

چنانچہ جب حد تہمت کے طور پر اس کو اسی کوڑے مارے گئے تو اس کا ہاتھ وہاں سے علیحدہ ہوا۔ اس وقت سے لوگ حضرت امام کے علم و فضل کے قائل ہو گئے اور آپ کے کمال و فضل کا ڈنکا چاروں طرف بجنے لگا۔

حضرت امام مالکؒ نے اپنے ہاتھ سے ایک ہزار حدیثیں لکھی تھیں جو تمام محدثین میں صرف آپ کا طرہ امتیاز ہے۔ کمال ادب کی بناء پر حضرت امام موصوفؒ نے حرم مدینہ میں کبھی استنجاء نہیں کیا۔ قضاء حاجت کے لئے ہمیشہ باہر تشریف لے جاتے تھے، البتہ حالت بیماری میں جب بہت مجبور ہوتے تھے تو وہیں استنجاء فرمایا کرتے تھے۔

حدیث میں آپ کی مایہ ناز کتاب ”موطا“ کو تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے آپ سے سنا ہے اور حدیث میں آپ سے سند لی ہے آپ کے وصال کے بعد بھی اس کتاب کو دنیا نے اسلام میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اور اہل علم اس سے فیض یاب ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی محمد اور کنیت ابو عبد اللہ ہے، شافعی کے نام سے مشہور ہیں، آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے محمد بن اور لیس بن عباس ابن عثمان شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف القریشی المطلبی۔ شافع کو مطلبی کہتے ہیں کیونکہ ان کے جد اعلیٰ کا نام مطلب تھا جو ہاشم بن عبد مناف کے بھائی تھے۔ چنانچہ وہ ہاشم جو مطلب کے لڑکے ہیں ان کی اولاد میں حضرت امام شافعیؒ ہیں اور وہ ہاشم جو عبد مناف کے لڑکے اور مطلب کے بھائی ہیں نبی کریم ﷺ کے جد اعلیٰ ہیں۔ اس طرح نبی کریم ﷺ اور حضرت امام شافعیؒ کے سلسلہ نسب عبد مناف پر جا کر مل جاتے ہیں۔

شافعیؒ نے جو امام شافعیؒ کے جد اعلیٰ ہیں حضرت رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا تھا اور ان کے باپ سائب بھی نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے بلکہ بدر میں جب حق و باطل کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا تو قریش (کفار) کی جانب سے بنی ہاشم کے علم برداری کی سائب تھے جنگ بدر میں جب کفار کو شکست ہوئی اور بے شمار لوگ اسیر بنائے گئے تو ان قیدیوں میں سائب بھی تھے پھر بعد میں فدیہ ادا کر کے رہا ہوئے اور اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے۔

حضرت امام شافعیؒ کی پیدائش مبارک ۱۵۰ھ میں غزہ کے مقام پر ہوئی۔ بعض کے نزدیک آپ کی پیدائش عسقلان میں ہوئی ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ منی میں آپ کی پیدائش کے قائل ہیں پھر مکہ لے جائے گئے جہاں آپ کی پرورش ہوئی اور یہاں کے مقدس ماحول میں آپ کا نشوونما ہوا۔ سات برس کی عمر میں آپ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا اور دس برس کی عمر میں موطا امام مالک کو یاد کر لیا۔ فقہ کی تعلیم آپ نے مسلم بن خالد سے حاصل کی جو اس زمانہ میں مفتی تھے۔ پندرہ برس کی عمر میں آپ کو وقت کے مشاہیر علماء اور مشائخ سے فتویٰ نویسی کی اجازت حاصل ہو گئی تھی۔ بعد میں تحصیل علم کے شوق میں مدینہ منورہ کی طرف اختیار فرمایا اور وہاں امام مالکؒ کی خدمت میں علم کے حصول میں منہمک ہو گئے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابتداء عمر میں مجھے شعر و شاعری کا بہت شوق تھا اور بہت زیادہ اشعار ذہن میں محفوظ ہو گئے تھے جن کو ہر وقت پڑھا کرتا تھا اسی زمانہ میں ایک دن کعبہ مکرمہ کے سایہ میں بالکل تنہا بیٹھا تھا کہ اچانک پیچھے سے ایک ندا آئی، امام صاحبؒ فرماتے ہیں۔ میں نے بہت غور سے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے:

یا محمد علیک بالثقة ودع الشعر۔

”اے محمد! اس چیز کو اختیار کر دو جو تجھے مستحکم ہے، شعر و شاعری چھوڑ دو۔“

اسی طرح امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بالغ ہونے سے پہلے میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ مجھے آواز دے رہے ہیں۔ میں نے کہا البیک یا رسول اللہ! حضور ﷺ نے سوال فرمایا کہ تم کس قبیلہ سے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ ہی کے قبیلہ سے ہوں۔ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک آؤ اور اپنا منہ کھولو۔ میں فوراً آنحضرت ﷺ کے پاس گیا اور اپنے منہ کھول دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے ذہن مبارک کا لعاب مقدس میرے منہ میں ڈالا اور فرمایا کہ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت و سعادت سے نوازے۔ حضرت امام شافعیؒ اس مبارک خواب کا اثر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر مجھ سے علم حدیث اور عربی ادب میں کبھی کوئی غلطی واقع نہیں ہوئی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں امام مالکؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو امام مالکؒ نے میری گفتگو اور قیافے سے شناخت کرنے کے بعد سوال فرمایا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرا نام محمد ہے۔ اس کے بعد امام مالکؒ نے ارشاد فرمایا کہ اے محمد تقویٰ اختیار کرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور گناہوں سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ اُمت محمدیہؐ میں تمہیں بڑی شان و عظمت کا مالک بنائے گا،

بہر حال میں امام مالکؒ کی خدمت میں بہت عرصہ تک تحصیل علم میں مشغول رہا، حصول علم سے فراغت کے بعد جب واپس ہونے لگا اور امام مالکؒ سے واپسی کی اجازت چاہی تو امام موصوف نے رخصت کے وقت مجھ کو نصیحت فرمائی کہ:

”اے نوجوانو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں نور ڈالا ہے لہذا تم پر واجب ہے کہ اس نور کی حفاظت کرو، دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ گناہ کی تاریکی اس نور کو ڈھانک لے اور وہ جاتا رہے۔“

امام مالکؒ سے رخصت ہو کر آپ بغداد پہنچے اور وہاں کے عالموں سے حدیث و فقہ کی مزید تعلیم حاصل کی، وہاں سے مکہ آئے اور مکہ سے پھر دوبارہ بغداد تشریف لے گئے، کچھ عرصہ کے بعد مصر چلے گئے، جہاں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور وہاں آپ نے مہتمم بالشان تصانیف کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ آپ نے اصول دین پر چودہ کتابیں تصنیف فرمائیں اور فروع دین کے بحث میں تقریباً ایک سو سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: کہ میں حدیث میں ناخ و منسوخ، خاص و عام اور مفصل و مجمل کا علم نہ رکھتا تھا مگر جب امام شافعیؒ کی صحبت اختیار کی تو مجھے ان چیزوں کا پتہ چلا۔

حضرت امام اعظمؒ کے شاگرد رشید حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے مجھ سے حضرت امام اعظمؒ کی تصنیف ”کتاب اوسط“ عارضہ ثانی اور پوری کتاب کو ایک رات اور ایک دن میں یاد کر لیا۔ حضرت امام شافعیؒ کی وفات آخر رجب ۲۰۴ھ جمعہ کے دن مصر میں ہوئی اور اسی دن سپرد خاک کئے گئے، ان کی ۱۱۳ تصانیف میں سے ”کتاب الام“ خاص اہمیت رکھتی ہے۔

آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں حضرت امام مالکؒ اور سفیان بن عیینہؒ وغیرہ زیادہ مشہور ہیں ان کے علاوہ اور بھی اساتذہ ہیں جن سے امام موصوف نے حدیث کا علم حاصل کیا ہے۔ شاگردوں میں امام احمد بن حنبلؒ، ابوسفیان ثوریؒ اور مزنیؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ تلامذہ کی ایک بہت بڑی تعداد نے امام صاحب سے کتاب فیض کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور اسم مبارک ”احمد“ ہے، سلسلہ نسب یہ ہے: احمد بن حنبل بن حلال بن اسد اور یس بن عبد اللہ ابن حبان اسد بن ربیعہ بن نزار بن سعد بن عدنان الخ۔

آپ کے علم و فضل کے بارے میں اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے وقت میں حدیث و فقہ کے پیشوا اور مقتدا تسلیم کئے جاتے تھے بے حد عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے۔ آپ کی عبادت میں خشوع و خضوع بہت ہوتا تھا، بغداد میں آپ کی پرورش ہوئی اور وہیں طلب علم اور تحصیل حدیث کے مراحل طے کئے اس کے بعد حدیث کی سماعت اور ان کے حاصل کرنے کی غرض سے کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن اور شام و دیگر جزائر کا طویل سفر اختیار فرمایا اور ہر جگہ کے مشہور علماء و محدثین سے احادیث کی سند حاصل فرمائی۔

آپ کے اساتذہ میں یزید بن ہارون، یحییٰ بن سعید قطان، سفیان بن عیینہ اور امام شافعیؒ ہیں جن سے آپ نے احادیث روایت فرمائی امام احمد بن حنبلؒ کے مخصوص تلامذہ امام بخاری، مسلم بن حجاج قشیری، ابوزرعہ اور ابوداؤد سجستانی ہیں، ان حضرات نے آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔

حضرت اسحق بن راہویہؒ کی آپ کے بارے میں رائے تھی کہ امام احمد بن حنبلؒ خدا اور بندوں کے درمیان حجت یعنی دلیل ہیں۔ امام شافعیؒ کی شہادت تھی کہ میں نے بغداد میں پرہیزگاری، تقویٰ اور علم میں امام احمد بن حنبلؒ سے زیادہ کسی دوسرے کو نہیں پایا۔

احمد بن سعید داری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پیغمبر خدا ﷺ کی احادیث کو زیادہ یاد رکھنے والا امام احمد بن حنبلؒ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو نہیں دیکھا۔

حضرت ابو داؤد سجستانیؒ سے منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ کی صحبت میں بیٹھنا آخرت کی صحبت اختیار کرنے کے مترادف ہے کیونکہ ان کی مجلس میں سوائے امور دین کے ذکر اور گفتگو کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے کمال فقر اختیار کیا اور شربس تک استغناء توکل کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے باوجود اپنی جلالت شان اور عظمت کے کبھی عیش و آرام کی تمنا نہیں کی اور نہ کبھی کسی سے کچھ قبول کیا۔

محمد بن موسیٰ ناقل ہیں کہ اہل مصر نے حسن بن عبد العزیز کے واسطے ایک لاکھ اشرفیاں سونے کی بطور میراث کے کئی جانوروں پر لاد کر بغداد بھیجیں حسن بن عبد العزیز نے ان میں سے کئی تھیلیاں ایک ایک ہزار اشرفی کی امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں بھیجیں اور عرض کیا کہ یہ مال مجھ کو حلال طریقہ پر میراث میں ملا ہے اس میں کچھ حصہ آپ بھی قبول فرمائیے اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات میں صرف فرمائیے امام احمد بن حنبلؒ نے انکار فرمادیا اور ان میں سے ایک اشرفی بھی قبول نہیں کی اور فرمایا کہ مجھے اس کی قطعاً حاجت نہیں ہے۔ اسی طرح بہت سے واقعات نقل کئے گئے ہیں جن سے آپ کے صبر و توکل، استغناء و تقویٰ اور پرہیزگاری کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی پیدائش مبارک ۱۶۳ھ میں بغداد میں ہوئی۔ اور ۲۴۱ھ میں جمعہ کے روز بغداد ہی میں وصال فرمایا اور اسی روز عصر کے بعد سپرد خاک کر دیے گئے۔

آپ کی تصانیف میں مشہور کتاب ”مسند“ ہے جو محدثین کے نزدیک ایک بہت اہم تصنیف ہے جس میں آپ نے تیس ہزار سے زائد احادیث نقل کی ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو عیسیٰ اور اسم گرامی محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ ضحاک ترمذی ہے۔ شہر ترمذ کی طرف نسبت کی وجہ سے ترمذی کے نام سے مشہور ہیں۔ امام ترمذیؒ بڑے پایہ کے محدث ہیں۔ آپ کی جلالت اور رفعت شان کا اندازہ حدیث کی مشہور و مستند کتاب ترمذی شریف سے لگایا جاسکتا ہے جس کے آپ مصنف ہیں۔ ترمذی شریف محدثین کے نزدیک حدیث کی ایک اہم اور با عظمت کتاب ہے اور مندرجہ ذیل خصوصیات کی بنا پر صحاح ستہ کی دیگر کتب پر فوقیت رکھتی ہے۔

اول تو یہ کہ آپ نے احادیث کو نقل کرتے ہوئے ان راویوں کے نام ضرور لکھے ہیں جن سے وہ احادیث ان کو حاصل ہوئی ہیں، تاکہ احادیث کی حیثیت باعتبار مشہور متواتر اور احاد کے روشن ہو جاوے۔

دوسرے یہ کہ حدیث کو نقل کرنے کے ساتھ اس سے اخذ شدہ مسئلہ میں علماء کا اختلاف اور ان کے مذاہب بھی نقل کئے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہر موقع پر راوی کے احوال بھی لکھے ہیں کہ یہ راوی ضعیف ہے اور یہ قوی ہے، اسی طرح حدیث کا حال بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے، اور غریب ہے یا منکر ہے، روایت حدیث کے سلسلے میں امام موصوف اور نبی کریم ﷺ کے درمیان جو واسطے ہیں وہ کم سے کم تین ہیں اور زیادہ سے زیادہ دس ہیں، چنانچہ ایک حدیث ایسی ہے جس میں صرف تین واسطے ہیں۔ جس حدیث کو روایت کرتے وقت نبی کریم ﷺ تک درمیان میں تین واسطے ہوں اس حدیث کو ثلاثی کہتے ہیں۔

جن محدثین سے آپ نے احادیث روایت فرمائی ہیں ان میں قتیبہ بن سعید، محمود بن غیلان، محمد بن بشار، احمد بن منیع اور محمد بن ثنی بطور خاص ذکر کئے جاتے ہیں ان کے علاوہ دوسرے علماء اور محدثین بھی ہیں جن سے آپ نے احادیث نقل کی ہیں۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے جن میں سے محمد بن احمد اور حیشم بن کلیب خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ نے اپنی ”جامع ترمذی شریف“ تصنیف فرما کر حجاز، عراق اور خراسان کے علماء کی خدمت میں بھجوائی جہاں وقعت و احترام اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی۔

آپ کی ایک تصنیف شمائل نبوی ﷺ بھی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی سیرت مقدسہ اور حلیہ مبارکہ بیان کیا گیا ہے آپ کی پیدائش مبارک ۲۰۹ھ میں ہوئی اور ۲۷۹ھ میں وصال فرمایا۔

امام ابو داؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو داؤد اور ام مبارک سلیمان بن اشعث بن اسحق بن بشیر ہے۔ چونکہ آپ علاقہ سجستان کے رہنے والے تھے اس لئے اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے، آپ نے طلب علم اور حصول حدیث کے شوق میں وطن سے نکل کر بہت سے ممالک کا سفر کیا۔ عراق، خراسان، شام، مصر اور حجاز کے علماء و محدثین کے ہاں حاضر ہوئے اور احادیث سن کر ان سے روایت کی اجازت لی۔ آپ بڑے جلیل القدر علماء اور محدثین سے احادیث روایت کی ہیں جیسے مسلم بن ابراہیم، سلیمان بن حرب، یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل، آپ سے روایت کرنے والے حضرات میں ابو عبد الرحمن نسائی اور احمد بن محمد کا نام خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے۔

امام ابو داؤد کا اصل وطن بصرہ ہے، بعد میں بغداد بھی تشریف لے گئے اور وہیں اپنی عظیم کتاب ”سنن ابو داؤد“ تصنیف فرمائی، وہاں کے لوگوں نے جب سنن ابو داؤد کو امام موصوف کی سند کے ساتھ امام احمد بن حنبل کو سنایا تو انہوں نے بہت زیادہ پسندیدگی کا اظہار فرمایا، خود امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کی پانچ لاکھ احادیث میں نے علماء و محدثین سے نقل کی ہیں، ان میں سے وہ ایک ہزار چھ سو احادیث جو اپنی صحت کے اعتبار سے سب سے معتبر اور مستند تھیں اپنی کتاب میں جمع کیں اور ان میں سے بھی چار احادیث ایسی ہیں جو تمام احادیث کے برابر ہیں یعنی دین و شریعت کی تمام باتیں اور حکمتیں مجملات چار حدیثوں میں آگئی ہیں۔

۱ انما الاعمال بالنیات۔

۲ من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیه۔

۳ لا یكون المؤمن مؤمنًا حتى رضی لاخیه ما یرضی لنفسه۔

۴ ان الحلال بین و ان الحرام بین و بینہما مشتبہات۔

ابوبکر خلیلؓ کی شہادت آپ کے بارے میں یہ تھی کہ امام ابو داؤد اپنے زمانہ میں پیشوا تھے اور نہایت ہی منصف مزاج و پرہیزگار تھے۔ نیز فن حدیث میں بہت زیادہ بصیرت اور کمال و مہارت رکھتے تھے اور فن حدیث میں ان کی کتاب بہت جلیل القدر مرتبہ کی ہے یہاں تک کہ بخاری و مسلم کے بعد ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ امام ابو داؤد کی پیدائش ۲۰۲ھ کی ہے اور آپ کا وصال ۲۷۹ھ کو ہوا۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن اور ام گرامی احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سان ہے چونکہ آپ خراسان کے ایک شہر ”نسا“ کے رہنے والے تھے اس لئے نسائی کے نام سے مشہور ہیں آپ کی پیدائش ۲۱۳ھ یا ۲۱۵ھ میں ہوئی۔

آپ نے بھی حصول علم کی خاطر بہت ممالک کا سفر اختیار فرمایا اور اپنے وقت کے مشہور اور جلیل القدر علماء و محدثین کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حدیث کی دولت سے مالا مال ہوئے اس سلسلہ میں آپ خراسان، حجاز، عراق، جزیرہ شام اور مصر گئے اور وہاں کے علماء سے تحصیل علم کیا۔

جب سب سے پہلے آپ طلب علم اور حصول حدیث کے لئے قتیبہ بن سعید کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اس وقت آپ کی عمر

صرف پندرہ برس کی تھی۔ قتیبہ بن سعید کے یہاں ایک برس دو مہینے رہ کر ان سے اکتساب فیض کیا۔ امام نسائیؒ رحمہ اللہ شافعی المذہب تھے جیسا کہ ان کی تصنیف مناسک الحج سے معلوم ہوتا ہے۔

آپ ہمیشہ صوم داؤدی رکھتے تھے صوم داؤد اس کو کہتے ہیں کہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن نہ رکھے، باوجود اتنے زیادہ روزے رکھنے کے آپ بے انتہا قوت کے مالک تھے چنانچہ چار عورتیں آپ کے نکاح میں تھیں اور ہر عورت کے پاس ایک رات رہا کرتے تھے، ان کے علاوہ باندیاں بھی تھیں۔

امام نسائیؒ جب اپنی تصنیف سنن کبریٰ سے فارغ ہوئے تو ایک دن ان کے یہاں کے ایک امیر نے ان سے سوال کیا کہ آپ نے جو یہ کتاب تصنیف کی ہے اس میں تمام احادیث صحیح ہیں؟ امام موصوف نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ بعض صحیح ہیں اور بعض حسن۔ اس امیر نے آپ سے درخواست کی کہ ان تمام احادیث میں جو حدیثیں نہایت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہوں ان کو آپ میرے لئے الگ نقل کر دیجئے چنانچہ آپ نے اسی سلسلہ میں سنن مجتبیٰ تصنیف فرمائی۔

آپ کی وفات بڑے مظلومانہ اور درد انگیز طریقہ پر ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے آپ کے زمانہ میں بنی امیہ کی سلطنت تھی جو حضرت علیؑ کے خلاف تھے آپ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس میں حضرت علیؑ کے اوصاف و مناقب اور ان کے مبارک احوال بیان کیے گئے تھے کتاب کی تصنیف سے فراغت کے بعد آپ نے جمعہ کے روز جامع دمشق میں وہاں کے لوگوں کے سامنے اس کتاب کو پڑھنے کا ارادہ کیا، تاکہ اس سے عوام کے ذہن و فکر کی اصلاح ہو سکے اور حضرت علیؑ کے متعلق جو غلط اور گمراہ کن خیالات لوگوں کے ذہن میں سلطنت بنی امیہ کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے، وہ دور ہو سکیں۔

چنانچہ ایک دن مسجد میں مجمع کے سامنے آپ نے وہ کتاب پڑھنی شروع کی۔ ابھی تھوڑی سی ہی پڑھ پائے تھے کہ ایک آدمی درمیان مجمع سے اٹھا اور سوال کیا کہ آپ نے علیؑ کے اوصاف و مناقب تو اس کتاب میں لکھ دیے مگر یہ تو بتائیے کہ حضرت معاویہؓ کے مناقب بھی لکھے ہیں یا نہیں؟۔

امام نسائیؒ نے جواب دیا کہ مجھے امام معاویہؓ کی عظمت و فضیلت بھی تسلیم ہے اور ان کی نجات سے انکار نہیں لیکن ان کے مناقب حضرت علیؑ کے مقابلہ میں اتنی اہمیت نہیں رکھتے کہ میں ان کو لکھوں، بعض حضرات نے امام نسائیؒ کا جواب اس طرح بھی نقل کیا ہے کہ امام موصوف نے فرمایا: حضرت معاویہؓ کے فضائل و مناقب میرے نزدیک صحیح نہیں ہیں۔

امام نسائیؒ کا یہ کہنا تھا کہ پورا مجمع برا فروختہ اور شعلہ بد اماں ہو گیا اور آپ پر ٹوٹ پڑا۔ اور آپ کو اتنا زد و کوب کیا کہ اٹھنے کی بھی سکت باقی نہ رہی آخر کار ان کے خدام اٹھا کر مکان پر لائے۔ مکان پر پہنچتے ہی آپ نے کہا کہ مجھے اسی وقت مکہ لے چلو تاکہ میری موت اسی دیار مقدس میں یا اس کے راستہ میں ہو۔ چنانچہ آپ کو مکہ لے جایا گیا اور وہیں ۱۳ صفر ۴۰ھ بروز دوشنبہ شہادت کا مرتبہ پاک وصال فرمایا اور صفاد مروحہ کے درمیان سپرد خاک کئے گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور اسم گرامی محمد بن یزید بن ماجہ ہے آپ قزوین کے رہنے والے تھے جو عراق و فارس کے درمیان ایک شہر ہے اور زبیدی قبیلہ سے تھے جو ربیعہ بالولائی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے آپ فن حدیث کے مقتدا اور پیشوا مانے جاتے تھے اور حافظ حدیث تسلیم کئے جاتے ہیں۔ امام مالکؒ کے تلامذہ سے آپ نے حدیث کا علم حاصل کیا اور اس سلسلہ میں بہت سے ممالک کا سفر اختیار فرمایا۔

آپ کی مایہ ناز تصنیف ”ابن ماجہ“ نصاب حدیث کی ایک اہم کتاب مانی جاتی ہے۔ ابن ماجہ شریف کو بھی بعض محدثین و علماء نے

صحاح ستہ میں شمار کیا ہے اس کتاب میں آپ سے ثلاثی احادیث بھی کافی تعداد میں منقول ہیں۔ چونکہ ابن ماجہ میں ایک حدیث منکر بلکہ موضوع نقل کی گئی ہے اس لئے بعض حضرات اس کو صحاح ستہ میں شمار نہیں کرتے۔
آپ کے وطن قزوین کی فضیلت میں بعض لوگوں نے بہت زیادہ حدیثیں نقل کی ہیں لیکن محققین و محدثین کے نزدیک وہ سب موضوع ہیں آپ کی پیدائش ۲۰۹ھ میں ہوئی اور ۲۷۷ھ رمضان ۲۷۷ھ بروز دوشنبہ انتقال فرمایا۔ واللہ اعلم۔

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو محمد اور اسم گرامی عبد اللہ بن عبد الرحمن بن فضل سمرقندی الداری ہے۔ سمرقندی نسبت ہے شہر سمرقند کی طرف جہاں کے آپ رہنے والے تھے اور دارمی قبیلہ کی نسبت ہے۔
آپ بھی ایک جلیل القدر محدث اور عالم تھے۔ تقویٰ و تقدس اور زہد و قناعت کے اوصاف جلیلہ سے مزین تھے، آپ تصنیف کی بھی احادیث کی کتابوں میں ایک ممتاز مقام کی مالک ہے۔
آپ کے اساتذہ میں ابن ماجہ، حبان بن ہلال، نصر بن شہیل اور حیوہ بن شریح ہیں، آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے جن میں امام مسلم، امام ترمذی جیسے جلیل القدر محدثین بھی ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۸۱ھ کی ہے اور وفات ۲۵۵ھ نبوی میں ہوئی۔
الحق بن احمد بن خلیفہ سے منقول ہے کہ میں حضرت امام بخاریؒ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ عبد اللہ بن عبد الرحمن الداری کے انتقال کی خبر پہنچی۔ امام بخاری نے غم و اندوہ سے سر نیچے جھکا لیا اور اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ امام بخاریؒ پر اتنا اثر تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو نکل کر رخسار پر بہنے لگے۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو الحسن اور اسم گرامی علی بن عمرو دارقطنی ہے۔ آپ بھی علم حدیث میں جلیل القدر شخصیت اور صاحب فضل و کمال شمار کئے جاتے ہیں۔ خصوصیت سے حدیث کی علت اور راویوں کے احوال کی معرفت میں یکتا تھے آپ کی مشہور تصنیف ”دارقطنی“ ہے جو فن حدیث کی معتبر و مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ اپنی تصنیف میں ایک حدیث کو کئی کئی سندوں سے بیان کرتے ہیں۔

آپ نے بھی طلب علم کے سلسلہ میں دور و راز جگہوں کا سفر اختیار فرمایا چنانچہ کوفہ، بصرہ، شام، واسط، مصر اور اسلام کے دیگر شہروں میں تشریف لے گئے جہاں کے مشہور علماء سے احادیث حاصل کیں۔

دارقطنی بغداد کے ایک محلہ کا نام ہے جس کے آپ باشندہ تھے اسی لئے دارقطنی سے مشہور ہیں، عربی میں قطن روئی کو کہتے ہیں چونکہ یہ محلہ روئی کی منڈی تھا اس لئے دارقطن کہلاتا تھا۔

آپ کے تلامذہ میں ابو نعیم، ابوبکر، براقانی، جوہری، قاضی ابوالطیب طبری، حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری وغیرہ مشہور حضرات ہیں آپ کی پیدائش بغداد میں ۳۰۵ھ یا ۳۰۶ھ میں ہوئی ہے اور وفات بھی بغداد ہی میں ۲۲۲ھ ذیقعدہ ۳۵۰ھ کو ہوئی، بعض روایت میں آپ کی تاریخ وفات ذیقعدہ یوم جمعرات ہے۔ واللہ اعلم۔

امام احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوبکر ہے اور اسم شریف احمد بن حسین بیہقی ہے آپ بھی علماء و محدثین کے نزدیک ایک امام و مقتدا کی حیثیت رکھتے ہیں

آپ علمی مرتبہ اور فضل و کمال اہل علم کے یہاں مسلم ہے۔

آپ کی تصانیف کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہوئی ہے۔ چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا کہ آپ نے سات ہزار رسالے دین و شریعت کے مختلف گوشوں پر تحریر فرمائے ہیں جن سے آپ کی وسعت علمی، تجربہ اور فضل کمال کا اندازہ ہوتا ہے، آپ کی مشہور تصانیف میں خاص کتابیں یہ ہیں: کتاب مبسوط، کتاب السنن، کتاب دلائل النبوة، کتاب معرفت علوم حدیث، کتاب بحث والنشر، کتاب آداب، کتاب فضائل صحابہ، کتاب فضائل اوقات، کتاب شعب الایمان اور کتاب اخلاقیات وغیرہ۔

آپ کی پیدائش مبارک ماہ شعبان ۳۸۴ھ میں ہوئی اور وفات ۴۵۶ھ میں بمقام نیشاپور ہوئی۔

امام رزین بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو الحسن اور نام رزین بن معاویہ العبدری ہے۔ قریش کا ایک مشہور قبیلہ عبدالدار تھا۔ رزین چونکہ اسی قبیلہ سے تھے، اس لئے اس کی طرف نسبت کی وجہ سے عبدری کہے جاتے تھے۔

یہ بھی ایک جلیل القدر محدث اور صاحب فضل و کمال عالم تھے ان کی وفات ۵۳۰ھ میں ہوئی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو زکریا اور اسم گرامی یحییٰ بن اشرف حزامی ہے۔ آپ کا لقب محی الدین ہے، حزام آپ کے اجداد میں سے کسی کا نام تھا۔ اسی نسبت سے آپ کے خاندان والے حزامی کہلاتے تھے ”نو“ دمشق کے قریب شام میں ایک مقام ہے جہاں کے آپ رہنے والے تھے۔ اس نسبت سے آپ کو نووی کہا جاتا ہے۔

آپ اپنے وطن نوویں اول عشرہ محرم ۶۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲ رجب ۶۷۷ھ یوم چہار شنبہ میں وصال فرمایا۔

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو الفرج، اسم گرامی عبدالرحمن بن علی حنبلی صدیقی ہے اور ابن جوزی کے نام سے مشہور ہیں جو ایک مقام فرضۃ الجوزی طرف منسوب ہے۔

آپ ایک جلیل القدر عالم، صاحب فضل فقیہ اور باکمال محدث تھے، آپ کے فضل و کمال اور وسعت علم پر علماء کا اتفاق ہے، حدیث تفسیر فقہ، سیر، اخبار مواعظ میں بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں اور ان تمام علوم و فنون میں اپنے وقت کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں، نیز اہل علم کے نزدیک آپ کی فصاحت و بلاغت مسلم ہے۔

”موضوعات حدیث“ پر آپ نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں آپ نے موضوع احادیث جمع کی ہیں، اسی طرح آپ کی ایک تصنیف ”تلبیس ابلیس“ ہے جس میں بدعت اور خلاف سنت اعمال پر بحث کی گئی ہے اور ان کا رد کیا گیا ہے نیز اس کتاب میں ”اقوام شیطانی“ کا دلچسپ بیان بھی ہے اور صوفیاء کے منکرین، مبتدعین اور ضالین کا زبردست رد کیا گیا ہے۔

امام ابن جوزی بے حد ذہین اور ذکی تھے آپ کی ذہانت و ذکاوت کے واقعات سے سیر و تواریح کی کتابیں بھری پڑی ہیں، آپ ذہانت کا ایک واقعہ سیر کی کتابوں میں منقول ہے کہ ایک دن ایک سنی اور شیعہ میں جھگڑا ہوا، سنی کا دعویٰ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ زیادہ افضل تھے، شیعہ حضرت علیؓ کی تفضیل ثابت کر رہا تھا، معاملہ بحث و مباحثہ اور اختلاف رائے سے گزر کر خصامت کی شکل اختیار کر گیا۔ آخر کار فریقین اس

پر تیار ہو گئے کہ ابن جوزی کو حکم بنایا جائے اور وہ جو فیصلہ کریں، اس کو حق تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ ایک دن جب کہ ابن جوزی ”منبر وعظ پر پند و نصائح فرما رہے تھے درمیان سے فریقین میں کا ایک شخص کھڑا ہوا اور ان سے دریافت کیا کہ: من افضل الصحابة؟ (یعنی صحابہ میں زیادہ فضیلت والا کون ہے؟)۔

ابن جوزی کا معاملہ شاس ذہن سوال کی نزاکت سمجھ گیا، چونکہ اس وقت حکومت شیعوں کی تھی اس لئے ابن جوزی نے جواب اس انداز سے دیا کہ نہ تو سنی کے خلاف ہو کہ حق کی مخالفت لازم آئے اور نہ شیعہ سمجھے کہ جواب میرے خلاف ہے اور اس کے نتیجے میں ایذا رسانی یا فتنہ و فساد کی نوبت آجائے۔ ابن جوزی نے نہایت حکیمانہ اور مدبرانہ جواب دیا ارشاد فرمایا کہ:

افضل صحابة رسول الله الذي بنته في بيته۔

”یعنی صحابہ رسول اللہ ﷺ میں زیادہ الفضیلت والا وہ ہے کہ اس کی بیٹی اس کے گھر میں تھی۔“

امام ابن جوزی صرف یہ کہہ کہ فوراً چلے گئے تاکہ اس جملہ کی تشریح نہ کرنی پڑے، ادھر ہر فریق اپنی جگہ خوش اور مطمئن، کہ فیصلہ میرے عقیدہ کے موافق ہوا۔ یعنی سنی یہ سمجھا کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ افضل وہ ہے جس کی بیٹی نبی کریم ﷺ کے گھر میں تھی، چونکہ حضرت ابوبکرؓ کی دختر حضرت عائشہ صدیقہؓ نبی کریم ﷺ کے گھر میں تھیں۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ افضل ہیں، شیعہ نے اس جملہ سے یہ مطلب اخذ کیا کہ زیادہ افضل وہ ہے جس کے گھر میں نبی کریم ﷺ کی دختر تھیں اور چونکہ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کے نکاح میں تھیں اس لئے حضرت علیؓ زیادہ افضل ہوئے۔

بہر حال ابن جوزی کے ذکی ذہن نے اس جملہ میں ضامن سے کام لے کر اس سوال کا بلیغانہ جواب دیا جس سے فتنہ و فساد تک پہنچنے والی یہ بحث خوشگوار نتیجہ پر ختم ہو گئی اور خطرناک نتیجہ پر پہنچنے والا یہ شروہیں رفع ہو گیا، آپ کی پیدائش ۵۱۷ھ میں ہوئی، اور وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی۔“

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام ”نعمان“ ہے، ”ابو حنیفہ“ کنیت ہے اور ”امام اعظم“ لقب ہے۔ والد کا نام ”ثابت“ اور دادا کا نام ”زوطی“ ہے۔ زوطی ملک فارس (ایران) کے رہنے والے تھے اور مذہب پیادہ کی تھے۔ اسلام کی روشنی جب عرب کی حدود سے نکل کر عجم پہنچی، اور اس کی کرنوں نے سرزمین فارس کو منور کیا، تو دوسرے بہت سے اہل فارس کے ساتھ زوطی نے بھی اسلام قبول کر لیا، اسلام لانے کے بعد جب خاندان کے کچھ افراد نے پریشان و ہراساں کیا اور دین پر عمل کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے لگے تو زوطی نے ہجرت کی نیت سے ترک وطن کیا اور اپنا ملک فارس چھوڑ کر بیوی اور کچھ نقد اسانہ کے ساتھ مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور کوفہ شہر دار الخلافہ کی حیثیت سے اسلام کی عظمت و جلالت کا گوارہ بنا ہوا تھا۔ زوطی اپنے سفر ہجرت کے دوران کوفہ پہنچے، تو مکہ معظمہ کا ارادہ موقوف کر کے یہیں کی مستقل سکونت اختیار کر لی اور گزر اوقات کے لئے کپڑے کی تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

۴۰ھ کے اوائل میں زوطی کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام باپ نے ثابت رکھا۔ ثابت کے عنقاوان شباب میں زوطی انتقال کر گئے اور پھر ثابت کے یہاں ۸۰ھ میں ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام والدین نے ”نعمان“ رکھا، آگے چل کر اس بچہ نے، ابو حنیفہ کے کنیت اختیار کی۔ اور ”امام اعظم“ کے لقب سے مشہور ہوا۔ امام ابو حنیفہ جب اس دنیا میں تشریف لائے تو آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے تشریف لے گئے ہوئے ستر سال کے قریب ہو چکے تھے اور اگرچہ اکثر صحابہ کرامؓ بھی اس دنیا سے رخت سفر باندھ چکے تھے مگر مین صحابی

① حضرت انس بن مالکؓ خادم رسول اللہ ﷺ، ② حضرت سہیل بن سعد انصاریؓ، ③ حضرت ابو طفیل عامر بن وائلؓ حیات تھے۔ حضرت امام اعظمؒ نے ان میں سے دو صحابیوں حضرت انسؓ اور حضرت ابو طفیل عامرؓ سے ملاقات کی اور ان کی صحبت کا شرف حاصل کر کے مرتبہ تابعیت سے سرفراز ہوئے جو ائمہ اربعہ میں تنها آپ کا امتیاز ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کی۔ جب کچھ ہو شیار ہوئے تو والد نے تجارت کے مشغلہ میں لگا دیا، ابھی سولہ سال کی عمر تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا اور تمام تجارتی کاروبار سنبھالنے کی ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر آگئی۔ چونکہ طبیعت کے بہت ذہین اور محنتی تھے اس لئے بہت جلد کاروبار میں نمایاں ترقی کی، دکان کے ساتھ کپڑے کا ایک کارخانہ بھی قائم کر لیا اور زندگی بڑے آرام و ترہ کے ساتھ گزرنے لگی۔

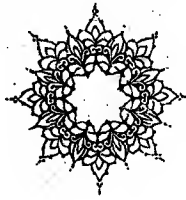
بیس سال کی عمر کے بعد باضابطہ تحصیل علم کا شوق ابھرا اور جب کہ آپ کسی کام کو جارہے تھے، راستہ میں کوفہ کے مشہور عالم اور قاضی علامہ شعبیؒ سے ملاقات ہو گئی۔ علامہ نے پوچھا: میاں صاحبزادے! تم کس سے پڑھتے ہو؟ ابو حنیفہؒ نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ میں کسی سے نہیں پڑھتا ہوں۔ علامہ شعبیؒ نے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا، مجھ کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو، اس نصیحت نے امام ابو حنیفہؒ کے دل پر گہرا اثر کیا، گھر آئے، والدہ سے تمام ماجرا بیان کیا اور تحصیل علم کے لئے کسی مدرسہ میں جانے کی اجازت مانگی، والدہ پہلے سے ہی علم اور اہل علم کی دلدادہ تھیں۔ یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور اجازت دے دی۔ امام صاحب جو ابتداء مذہبی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کر چکے تھے، حدیث و فقہ کا علم حاصل کرنے کے لئے استاد کی تلاش میں لگ گئے۔ اور بخت و وقت نے ان کو کوفہ کے سب سے مشہور عالم اور استاد وقت حضرت حمادؒ کے حلقہ شاگردی میں داخل کر دیا۔ قابل استاد نے لائق شاگرد کے فطری جوہر پہچان کر خصوصی توجہ مبذول کی اور امام ابو حنیفہؒ نے کمال دو برس تک حضرت حمادؒ کے درس میں شامل رہ کر فقہ کی مکمل تعلیم حاصل کی۔ اس مختصر زمانہ میں امام صاحبؒ نے اپنی غیر معمولی ذہانت طبع کے باعث نہ صرف یہ کہ فقہ میں کامل درجہ حاصل کر لیا بلکہ اپنی اجتہادی قابلیت کا مظاہرہ بھی شروع کر دیا تھا۔ آپ نے فقہ کی تعلیم کے ساتھ حدیث پڑھنے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا کیونکہ آپ خوب جانتے تھے کہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق حدیث کی تکمیل کے بغیر ناممکن ہے چنانچہ آپ کوفہ کے محدثین کی طرف متوجہ ہوئے اور علم نبوت کے اس عظیم مرکز کا کوئی محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے آپ نے زانوئے شاگردی نہ کیا ہو۔ محدثین کوفہ میں خصوصیت سے امام شعبیؒ، سلمہ بن کہیلؒ، محارب بن دثارؒ، ابو اسحقؒ، عون بن عبد اللہؒ، سہیل بن حربؒ، ابراہیم ابن محمدؒ، عدی بن ثابتؒ، اور موسیٰ بن ابی عائشہؒ کے نام بہت مشہور ہیں جن سے امام ابو حنیفہؒ نے علم حدیث حاصل کیا۔ کوفہ کے بعد آپ بصرہ تشریف لے گئے جہاں مشہور امام حدیث اور تابعی حضرت قتادہؒ اور امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت شعبہؒ کے درس میں شامل ہو کر ان کے فیض صحبت سے بہت بڑا فائدہ اٹھایا، بصرہ کے محدثین میں ان دونوں حضرات کے علاوہ آپ کے استادوں میں عبد اللکریم بن امیہؒ اور عامر بن سلیمانؒ کے نام بھی پائے جاتے ہیں۔ کوفہ اور بصرہ سے فارغ ہو کر امام ابو حنیفہؒ نے حرمین کے لئے رخت سفر باندھا اس وقت آپ کی عمر ۲۴ سال کے لگ بھگ تھی۔ پہلے آپ مکہ مکرمہ پہنچے اور حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کے درس میں شریک ہوئے، مکہ مکرمہ میں حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کا حلقہ درس بہت وسیع اور مشہور تھا اور ان کی خصوصی عظمت و شہرت اس اعتبار سے تھی کہ ان کو دو سو حضرات صحابہؒ کے علاوہ مکہ مکرمہ میں اور بھی حضرات محدثین سے حدیث کی سند حاصل کی۔ جن میں حضرت عکرمہؒ کا نام بہت نمایاں ہے۔ مکہ مکرمہ سے فارغ ہو کر آپ نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا اور جناب رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں شرف حاضری سے بہرہ ور ہو کر مدینہ کے علماء و شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بالخصوص حضرت امام باقرؒ اور ان کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادقؒ کے درس و مجالس سے آپ نے زیادہ اکتساب علم و فیض کیا۔ اور حضرت سالم بن عبد اللہؒ اور حضرت سلیمانؒ سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ حدیث میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اساتذہ و شیوخ کی فہرست بہت وسیع ہے اور بعض حضرات نے چار ہزار تک تعداد بیان کی ہے۔

بعض طبقوں میں یہ بات مشہور ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی فن حدیث میں کوئی تصنیف نہیں ہے اور یہ کہ وہ ”اہل الرائے“ تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث سے ان کو تعلق کم تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ شہرت بے بنیاد ہے اور دانستہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ فی الواقع امام اعظم ابو حنیفہؒ کو علم حدیث میں جو رتبہ حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کثرت سے ان کی مسندیں لکھی گئی ہیں کسی کی نہیں لکھی گئیں، اور ان ائمہ وقت اور حفاظ حدیث نے لکھیں جو خود اس قابل تھے کہ ان کی مسندیں لکھی جاتیں۔ اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابو حنیفہؒ کا ہمسرہ ہو سکتا ہے تو صرف امام مالکؒ ہیں۔ یہ سب مسندیں کتاب الآثار کے علاوہ ہیں جو علم حدیث میں امام اعظمؒ کی مشہور اور نہایت پایہ کی تصنیف ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات سب کو تسلیم ہے کہ ”مجتہد وہی شخص ہو سکتا ہے جو قرآن، حدیث، آثار، تاریخ لغت اور قیاس ان پانچ چیزوں پر کامل عبور رکھتا ہو“ ظاہر ہے کہ امام اعظمؒ کا مجتہد مطلق ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس پر اُمت کا اجماع ہے۔ ایسی صورت میں ان پر قلت حدیث کا طعن نادانی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

حافظ ذہبیؒ نے امام اعظمؒ کے رفیق درس مسعر بن کرام کا قول نقل کیا ہے کہ ”میں نے اور امام ابو حنیفہؒ نے ساتھ ساتھ علم حدیث حاصل کیا، وہ ہم پر غالب رہے اور زہد میں بھی وہ ہم پر فائق رہے“ امام جرح و تعدیل حضرت یحییٰ بن سعید قطانؒ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم! امام ابو حنیفہؒ اس اُمت میں اس علم کے سب سے بڑے عالم ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول سے وارد ہوا ہے۔ ”مکی بن ابراہیمؒ نے امام ابو حنیفہؒ کو ”علم اہل زمانہ بتایا ہے“ ابو الحسن شافعیؒ نے اپنی کتاب کے ایک باب میں امام صاحبؒ کی روایت حدیث کی کثرت اور ان کا اعیان حفاظ حدیث میں ہونا بیان کیا ہے۔ یہ چند ائمہ حدیث کے اقوال ہیں جن سے حدیث میں حضرت امام اعظمؒ کی بلند پایہ حیثیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت امام صاحبؒ ۱۳۲ھ میں بغداد تشریف لائے اور تیسرے عباسی خلیفہ منصور نے آپ کی خدمت میں عہدہ قضا پیش کیا۔ ابتدا میں آپ نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر منصور کی طرف سے زیادہ جبر کیے جانے پر آپ نے اس جلیل القدر عہدہ کو قبول کر لیا اور پھر پہلے ہی دن دارالقضاء سے اٹھ کر سیدھے منصور کے پاس آئے اور اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا۔ منصور کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور اس نے اسی وقت آپ کو قید خانہ بھجوا دیا۔ مسلسل چار سال آپ قید خانہ میں رہے۔ اور اس قید کے دور ان منصور نے جب ۱۵۰ھ میں آپ کو زہر دلوادیا۔ جب آپ نے زہر کا اثر محسوس کر لیا تو فوراً سجدہ میں گر گئے، اور اسی حالت میں انتقال فرما گئے۔

تاریخ انتقال ۱۵۰ھ/ربیع الثانی ۱۵۰ھ ہے۔ مزار مبارک آج بھی بغداد میں مرجع خلافت ہے۔



اصطلاحات حدیث اور ان کی تعریفات

حدیث کی تعریف

سب سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ حدیث کی تعریف کیا ہے یعنی علماء کے نزدیک ”حدیث“ کسے کہتے ہیں؟ علماء و محدثین کی اصطلاح میں نبی کریم ﷺ کے قول، فعل، سیرت احوال اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔
قول و فعل کے معنی ظاہر ہیں یعنی نبی کریم ﷺ کے ارشادات مبارکہ اور آپ کے افعال مقدسہ۔
سیرت یعنی نبی کریم ﷺ کے خصائل اور عادتیں یا آپ کی شکل و صورت کی تفصیل۔
احوال یعنی آنحضور ﷺ کی زندگی کے حالات و واقعات۔

تقریر اسے کہتے ہیں کہ کسی صحابی نے آنحضرت ﷺ کے سامنے گوئی کام کیا یا کوئی بات کہی تو نبی کریم ﷺ نے اس پر سکوت فرمایا یعنی آپ ﷺ نے نہ تو صحابی کے اس قول و فعل کی تردید فرمائی اور نہ اس کی توثیق فرمائی، اصطلاح محدثین میں اسی کو ”تقریر“ کہا جاتا ہے۔ ان تمام چیزوں کے مجموعہ کو ”حدیث“ کہا جاتا ہے اور حدیث کی تمام کتابوں میں انہیں چیزوں پر مشتمل روایتیں ہوتی ہیں بعض علماء و محدثین کے نزدیک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول و فعل اور تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں۔
صحابی: اس خوش نصیب انسان کو صحابی کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں نبی کریم ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو۔

تابعی: اس خوش قسمت شخص کو تابعی کہتے ہیں جس کو بحالت ایمان کسی صحابی سے شرف ملاقات حاصل ہوا ہو اور ایمان ہی پر خاتمہ ہوا ہو۔
تابع تابعی: ان حضرات کو کہتے ہیں جنہوں نے بحالت ایمان کسی تابعی سے ملاقات کی ہو اور ایمان ہی پر فوت ہوئے ہوں۔
حدیث باعتبار الفاظ کے دو چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ سند یا اسناد اور متن۔

سند یا اسناد: متن حدیث کے سلسلہ روایت یعنی نبی کریم ﷺ سے لے کر صاحب کتاب تک حدیث کو روایت کرنے والوں کے سلسلہ کو سند یا اسناد کہتے ہیں۔

متن: حدیث کے ان الفاظ کو متن کہتے ہیں جو نبی کریم ﷺ سے اب تک بحسنہ نقل ہوتے چلے آئے ہیں مثلاً:

حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعيب قال حدثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال والذي نفسي بيده لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده۔

اس حدیث میں ”حدثنا“ سے ”ابی هريرة“ تک اسناد ہے اور اس کے بعد سے آخر تک کے حصہ کو متن کہیں گے۔
لمخاطب اسناد حدیث کی تین قسمیں ہیں۔ مرفوع، موقوف، مقطوع۔

مرفوع: جس حدیث کی روایت کا سلسلہ نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے اسے حدیث مرفوع کہتے ہیں جیسے کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، نبی کریم ﷺ نے یہ کام کیا، نبی کریم ﷺ نے اس قول و فعل پر تقریر فرمائی۔ یعنی سکوت فرمایا۔ یہ کہا جائے کہ ”یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً ثابت ہے، یا حضرت ابن عباسؓ نے اس حدیث کو رفع کیا“ تو اس حدیث کو جس کی سند نبی کریم ﷺ پر جا کر

ختم ہوتی ہو۔ حدیث مرفوع کہا جائے گا۔

موقوف: جس حدیث کی روایت کا سلسلہ صحابی پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اسے حدیث موقوف کہتے ہیں مثلاً اس طرح کہیں کہ ”ابن عباسؓ نے فرمایا، ابن عباسؓ نے اس طرح کیا“۔ یا ایسے ہی کہا جائے کہ ”یہ حدیث ابن عباسؓ پر موقوف ہے“۔

مقطوع: اسی طرح جس حدیث کی سند تابعی تک پہنچ کر ختم ہو جائے اسے حدیث مقطوع کہتے ہیں، بعض حضرات کے نزدیک ”موقوف اور مقطوع“ کو اثر بھی کہتے ہیں یعنی اس طرح ”حدیث“ کا اطلاق تو صرف نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریر پر ہوگا اور صحابی و تابعی کے اقوال، افعال اور تقریر کو ”اثر“ کہا جائے گا۔

روایات کے اعتبار سے حدیث کی پانچ قسمیں ہیں: ① متصل، ② منقطع، ③ معضل، ④ معلق، ⑤ مرسل۔

حدیث متصل: اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کے راوی شروع سے آخر تک پورے ہوں اور درمیان میں سے کوئی راوی چھوٹ نہ گیا ہو۔

حدیث منقطع: اس حدیث کو کہیں گے جس کی اسناد سے ایک یا متعدد راوی متفرق مقام سے ساقط ہو گئے ہوں۔

حدیث معضل: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی اسناد سے دو یا دو سے زائد راوی ایک ہی مقام سے بتصرف یا بلا تصرف مصنف ساقط ہوں۔

حدیث معلق: وہ حدیث ہے جس کی اوائل سند سے بتصرف مصنف ایک یا متعدد راوی ساقط ہوں۔

حدیث مرسل: اس حدیث کو کہیں گے جس کی اخیر سند سے تابعی کے بعد کوئی راوی ساقط ہو جیسے کوئی تابعی حدیث روایت کرتے ہوئے کہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔

مرتبہ اور درجہ کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں:

① صحیح، جو اعلیٰ مرتبہ کی حدیث ہوتی ہے۔

② حسن، جو اوسط مرتبہ کی ہوتی ہے۔

③ ضعیف، جو ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔

حدیث صحیح: وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی مصنف کتاب سے لے کر آنحضرت ﷺ تک سب کے سب صاحب عدالت اور صاحب ضبط ہوں، نیز حدیث کی روایت کے وقت مسلمان عاقل بالغ ہوں۔

”صاحب عدالت“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ صاحب تقویٰ و تقدس ہو، جھوٹ نہ بولتا ہو، گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو اور اگر تقاضائے بشریت کبھی گناہ کبیرہ صادر ہو گیا ہو تو اس سے توبہ کر لی ہو، گناہ صغیرہ سے حتی الامکان اجتناب کرتا ہو اور ان پر دوام نہ کرتا ہو، اسباب فسق و فجور سے پرہیز کرتا ہو، صاحب مروت ہو یعنی ایسے کام نہ کرتا ہو جو اسلامی معاشرہ میں معیوب سمجھے جاتے ہوں۔ مثلاً بازار میں ننگے سر گھومنا، سر راہ سب کے سامنے بیٹھ کر پیشاب کرنا، راستہ چلتے ہوئے یا بر سر بازار کھڑے ہو کر کھانا پینا وغیرہ۔

”صاحب ضبط“ کے معنی یہ ہیں کہ وہ نہایت ہوشیار و سمجھدار ہو، قوی حافظہ رکھتا ہو تاکہ حدیث کے الفاظ جسنہ یاد رکھ سکے۔ اور روایت حدیث کے وقت کسی قسم کی بھول چوک اور شک و شبہ کی گنجائش نہ رہ سکے۔

مصنف کتاب سے لے کر آنحضرت ﷺ تک جتنے راوی ہیں اگر ان صفات و خصوصیات کے معیار پر پورے اترتے ہوں تو ان کی روایت کردہ حدیث ”صحیح“ کہلائے گی۔

اب اگر یہ تمام صفات راوی میں پوری پوری پائی جائیں گی تو اس کی روایت کردہ حدیث کو ”صحیح لذاتہ“ کہیں گے لیکن راوی میں اگر ان صفات میں سے کسی شق سے کوئی کمی یا قصور ہو اور وہ کمی اور قصور کثرت طرق سے پوری ہو جاتی ہو تو اس کی روایت کردہ حدیث کو ”صحیح

غیرہ کہیں گے۔

حدیث حسن: مصنف کتاب سے لے کر آنحضرت ﷺ تک راویوں میں سے کسی ایک راوی میں ان مذکورہ بالا صفات میں سے کوئی کمی یا قصور ہو اور وہ کثرت طرق سے پوری بھی نہ ہوتی ہو تو اس کی روایت کردہ حدیث کو ”حدیث حسن“ کہا جاتا ہے۔

حدیث ضعیف: حدیث صحیح اور حدیث حسن کے مذکورہ بالا شرائط میں سے ایک یا زیادہ شرائط اگر راوی میں مفقود ہوں مثلاً حدیث کا راوی صاحب عدالت نہیں ہے یا صاحب ضبط نہیں ہے تو اس کی روایت کردہ حدیث ”ضعیف“ کہلائے گی۔
بایں حیثیت کہ ہم تک پہنچی، حدیث کی چار قسمیں ہیں۔ متواتر، مشہور، عزیز، غریب۔

متواتر: وہ حدیث ہے جس کا ابتداء سے انتہا تک یکساں بلا تعین عدد اسانید کثیرہ سے اتنے راویوں نے روایت کیا ہو کہ جن کا جھوٹ پر متفق ہونا یا ان سے اتفاقہ بھی جھوٹ کا صادر ہونا عقلاً محال ہو۔

مشہور: وہ حدیث غیر متواتر جس کے راوی ہر طبقہ میں کم از کم تین یا تین سے زیادہ ہوں، بعض محدثین کے نزدیک ”مشہور“ کو مستفیض بھی کہتے ہیں۔

عزیز: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں کم از کم دو ضرور ہوں۔

غریب: وہ حدیث ہے جس کی اسناد میں کسی جگہ صرف ایک ہی راوی ہو جس کا کوئی شریک نہ ہو، غریب کو ”فرد“ بھی کہتے ہیں۔
باعتبار اختلاف کے حدیث کی چار قسمیں ہیں، شاذ، محفوظ، منکر، معروف۔

شاذ: وہ حدیث ہے جس کا راوی تو ثقہ ہو مگر وہ کسی ایسے ثقہ راوی کی حدیث کے خلاف ہو جو ضبط و غیرہ وجوہ ترجیح میں بڑھا ہوا ہو۔
محفوظ: وہ حدیث ہے جس کا راوی اوثق ہو مگر وہ ایسے راوی کی حدیث کے خلاف ہو جو ضبط و غیرہ وجوہ ترجیح میں اس سے کم تر ہو۔
منکر: وہ حدیث ہے جس کا راوی ضعیف ہو اور وہ ایسے راوی کی حدیث کے خلاف ہو جو قوی راوی ہے۔

معروف: وہ حدیث ہے جس کا راوی قوی ہو اور وہ ایسے راوی کی حدیث کے خلاف ہو جو ضعیف ہے۔

اصطلاحات حدیث کا یہ اجمالی تعارف ہے، یوں تو حدیث کی اصطلاحات بہت زیادہ ہیں جو حدیث کی مختلف تقسیم پر مبنی ہیں لیکن ان سب کا یہاں ذکر کرنا طوالت کا باعث ہو گا اور دوسرے یہ کہ صرف ان ہی اصطلاحات پر اکتفا کر لیا جائے تو اس کتاب کے سمجھنے اور حدیث کی حقیقت کو جاننے کے لئے کافی ہو گا نیز دوسری تمام اصطلاحات کا سمجھنا بھی عوام کے لئے بہت مشکل ہو گا اس لئے یہاں ان ہی اصطلاحات کی تعریف پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

صحاح ستہ: فن حدیث کی وہ چھ کتابیں جو باعتبار نقل حدیث کے اعلیٰ درجہ کی ہیں اور جن کی نقل کردہ احادیث محدثین کی تحقیق اور نقد و نظر کی کسوٹی پر سب سے اعلیٰ اور صحیح مرتبہ کی ثابت ہوئی ہیں ”صحاح ستہ“ کہلائی ہیں، بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف اور ابن ماجہ شریف صحاح ستہ میں شامل ہیں۔

بعض حضرات بجائے ابن ماجہ شریف کے موطا امام مالک کو صحاح ستہ میں شمار کرتے ہیں، بخاری اور مسلم کے علاوہ صحاح ستہ کی دیگر کتب میں صحیح حسن، ضعیف تینوں درجے کی احادیث ہیں جن کی تشریح و توضیح ہر ایک صاحب کتاب نے اپنی اپنی جگہ کر دی ہے۔

دیباچہ مشکوٰۃ شریف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسَبِّحُهُ وَنُسْتَغْفِرُهُ۔

”تمام تعریفیں اللہ ہی کو زبیا ہیں ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد کے طالب اور بخشش کے خواستگار ہیں۔“

تشریح: خداوند قدوس کی تعریف اور اس کی توصیف جیسی کہ اس کی شان کے مناسب اور لائق ہے کسی بندہ سے ادا نہیں ہو سکتی اسی لئے مصنف خداوند تعالیٰ سے مدد کا طالب ہے کہ اس کی زبان و بیان کو اتنی طاقت و قوت ملے جس سے وہ اپنے پروردگار کی حقیقی تعریف و توصیف کر سکے۔ نیز اگر تقاضائے بشریت اس کی تعریف و توصیف میں کچھ کوتاہی و لغزش ہو جائے جو شان الوہیت کے منافی ہو تو اس سے مصنف بخشش اور معافی کا خواستگار ہے۔

وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔

”اور ہم اپنے نفس کی برائیوں اور اپنی بد اعمالیوں سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔“

تشریح: یعنی یہ کہ ہماری یہ حمد و تعریف جو محض خالصۃً للہ اور حصول سعادت کے لئے ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں نفس کی شرارت سے ریا کا دخل ہو جائے۔ اسی طرح وہ برے اعمال جو تقاضائے بشریت صادر ہوتے رہتے ہیں، جیسے کلام باطل، بری باتیں، اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت، طاعات و عبادات میں سستی، حرام و مکروہ افعال کا صدور، تو ان تمام چیزوں سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ۔

”جس کو اللہ نے سیدھا راستہ دکھا دیا اس کو کوئی بھٹکانے والا نہیں ہے۔ اور جس کو اللہ نے بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا اس کو سیدھا راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے۔“

وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ شَهَادَةً تَكُونُ لِلنَّجَاةِ وَسَبِيلَةً وَلِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ كَفَيْلَةً وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ الَّذِي بَعَثَهُ وَطَرَفُ الْإِيمَانِ قَدْ غَفَتْ أَثَارُهَا وَخَبَتْ أَنْوَارُهَا وَوَهَتْ أَرْكَانُهَا وَجُهِلَ مَكَانُهَا۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ گواہی جو نجات کے لئے وسیلہ اور بلندی درجات کی ضامن ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنا رسول بنا کر بھیجا جب ایمان کی راہوں کے نشان مٹ چکے تھے، اس کی روشنیاں بجھ چکی تھیں، اس کے آثار ہلکے پڑ گئے تھے اور اس کی بتائی ہوئی منزل نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔“

تشریح: ”ایمان کے راستہ سے مراد انبیاء کرام اور ان کے تابعین و پیروکار یعنی علماء و صلحاء ہیں۔ اس کی روشنیاں بجھ جانے“ اور ”اس کے آثار ہلکے پڑ جانے“ سے مراد یہ ہے کہ ایمان و دین کی روشنی پھیلانے والی وہ تمام تعلیمات و ہدایات جو انبیاء کرام اس دنیا میں لے کر آئے تھے، فراموش کر دی گئی تھیں، ان کی تعلیمات و ہدایات کے حامل علماء و صلحاء کا وجود ناپید سا ہو گیا تھا، جو کوئی گنا چنچا عالم و نیک انسان کہیں پایا جاتا تو سماج و معاشرہ میں اس کو اہمیت نہیں دی جاتی تھی، وہ لوگوں کو نیکی و بھلائی کی جو تلقین کرتا اور اچھے کام اور اچھی باتوں کی جو تعلیم دیتا اس کو کوئی سننے تک کار و ادارہ نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح دین و ایمان سے تنفر، گناہ و معصیت کی کثرت اور ظلم و جہالت کا اندھیرا

پوری کائنات انسانی پر اس طرح پھیل گیا تھا کہ دنیاوی فلاح و سعادت اور اخروی نجات و سرفرازی کی وہ منزل ہی عام نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئی تھی جو تخلیق بنی نوع انسان کا مقصد اور دین و ایمان کا منتہائے مقصد ہے۔

فَشَيْدَ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ مِنْ مَعَالِمِهَا مَا عَفَا وَشَفَى مِنَ الْعَلِيلِ فِي تَأْيِيدِ كَلِمَةِ التَّوْحِيدِ مَنْ كَانَ عَلَى شَفَا۔
”پس نبی کریم ﷺ نے ان مٹے ہوئے نشانوں کو از سر نو نمایاں کیا اور کلمہ توحید سے اس بیمار کو شفاء پہنچائی جو ہلاکت کے کنارے پہنچ چکا تھا۔“

تشریح: یعنی پوری انسانیت کفر و شرک کی معصیت اور بد اعمالیوں کے گناہ میں مبتلا ہو کر روحانی طور پر بیمار ہو چکی تھی اور قریب تھی کہ ہلاکت کی کھائی ”دوزخ“ میں چلی جائے کہ نبی کریم ﷺ نے ایمان و توحید کی تعلیم کے ذریعہ اس کو مکمل تباہی سے بچالیا اور فلاح و نجات کے راستہ پر لگا دیا۔

وَأَوْضَحَ سُبُلَ الْهُدَايَةِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْلُكَهَا وَأَظْهَرَ كُنُوزَ السَّعَادَةِ لِمَنْ قَصَدَ أَنْ يَمْلِكَهَا۔

”اور اس شخص کے لئے ہدایت کے راستہ کو روشن کیا جو اس پر چلنے کا ارادہ کرے اور اس شخص کے واسطے نیک بختی کے خزانے ظاہر کرے جو اس کے مالک ہونے کا قصد کرے۔“

تشریح: ”نیک بختی کے خزانے“ سے مراد ایمان نیک اعمال، عبادات اور معارف ہیں جو آخرت کے لئے گنج گراں مایہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ جو کوئی اس خزانہ کو حاصل کر لیتا ہے وہ اس کی دولت سے سرفراز ہو جاتا ہے اور اس کے بدلے میں آخرت کی ابدی سعادت یعنی رضائے مولیٰ اور جنت کا حقدار ہوتا ہے۔

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ التَّمَسُّكَ بِهِدْيِهِ لَا يَسْتَتِبُ إِلَّا بِالْإِقْتِفَاءِ لِمَا صَدَرَ مِنْ مَشْكُوتِهِ وَالْإِعْتِصَامُ بِحَبْلِ اللَّهِ لَا يَنْتِمْ إِلَّا بِبَيَانِ كَشْفِهِ۔

بعد ازاں جاننا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے اسوہ کو اختیار کرنا اسی وقت معتبر ہو سکتا ہے کہ اس چیز کا کامل اتباع کیا جائے جو آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ظاہر ہوئی تھی یعنی آپ ﷺ کے ارشادات و احکام، اسی طرح خدا کی رسی یعنی قرآن کریم پر اعتماد اور اس پر عمل جب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ اس کی تشریح و توضیح احادیث نبوی سے ہو۔

تشریح: نبی کریم ﷺ کی سنت اور آپ کے راستہ پر لگنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ آپ ﷺ کے احکام و ہدایات کی پیروی نہ کی جائے اور آپ ﷺ کی احادیث پر پوری طرح عمل نہ ہو اس لئے کہ جب آپ ﷺ کے احکام کی پیروی نہ ہوگی، آپ ﷺ کے ارشادات پر عمل نہ ہوگا، آپ ﷺ کے نقش قدم کو اختیار نہیں کیا جائے گا تو آپ ﷺ کے راستہ پر چلنا کیسے نصیب ہوگا اور جو شخص آپ ﷺ کے راستہ پر چل ہی نہیں پائے گا اس کو سنت نبوی ﷺ اور اسوہ رسول ﷺ کے اتباع کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا اسی طرح قرآن کریم کی تعلیمات اور اس کے احکام و فرمان پر عمل اور ان کا سمجھنا جب ہی ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے احکام و فرمان کی جو تشریح و توضیح اپنے اقوال و افعال اور کردار سے فرمائی ہے پہلے اس کو سمجھا اور جانا جائے۔ چونکہ قرآن کریم میں احکامات اجمالی اور اصولی طریقہ پر بیان کیے گئے ہیں اور اس اجمال کی تفصیل اور اصول کی تشریح یا مرادات خداوندی کا بیان نبی کریم ﷺ ہی کر سکتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ پہلے حدیث کا علم حاصل کیا جائے اور پھر اس کے ذریعہ قرآن کی تعلیمات سے استفادہ اور ان پر عمل کیا جائے۔

وَكَانَ كِتَابُ الْمَصَانِيحِ الَّذِي صَنَفَهُ الْإِمَامُ مُخِي الشُّتَّةِ قَامِعُ الْبُذْعَةِ أَبُو مُحَمَّدٍ الْحُسَيْنِ ابْنُ مَسْعُودٍ الْفَرَّاءُ الْبَغَوِيُّ رَفَعَ اللَّهُ دَرَجَتَهُ أَجْمَعَ كِتَابَ صُنِّفَ فِي بَابِهِ وَأَصْبَحَ لِشَوَارِدِ الْأَحَادِيثِ وَأَوَابِدِهَا۔

”امام محی السنۃ (مفت کو زندہ کرنے والے) قانع البدعہ (بدعہ نہ کو دور کرنے والے) ابو محمد حسین الفراء بغوی (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے) نے جو کتاب (مصاحح تالیف فرمائی تھی وہ اپنے فن کی ایک جامع کتاب تھی جس میں امام موصوف نے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ منتشر اور متفرق احادیث کو جمع فرمایا تھا۔“

تشریح: شوار و شار کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں بھاگنے والا اونٹ، ایسے ہی اوابد کے معنی وحشی جانور کے ہیں یہاں ان الفاظ کو بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ شوار و سے مراد وہ احادیث ہیں جو اصول کی کتابوں میں نقل تھیں۔ چونکہ ان کتابوں تک ہر ایک طالب علم حدیث کی رسائی مشکل ہوتی تھی اس لئے کسی حدیث کے بارہ میں یہ معلوم کرنا کہ کس کتاب میں اور کس جگہ نقل ہے، بڑا دشوار تھا۔ گویا وہ احادیث طالب حدیث کی نظر سے بھاگی ہوئی یعنی پوشیدہ تھیں، اس لئے انکو ”شوار و“ کے لفظ سے تعبیر کیا ایسے ہی ”اوابد“ سے مراد وہ احادیث ہیں جن کے معنی و مقصود طالب حدیث کے فہم سے بہت بالا تھے اور جن کا سمجھنا طالب علم کے لئے مشکل تھا، اس لئے ان احادیث کو ”اوابد“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

یہ مشکلات طالب حدیث کے لئے بہت دقت طلب اور پریشان کن تھیں اور ان کی وجہ سے حدیث کو حاصل کر لینا ہر شخص کے بس کی بات نہیں تھی اس لئے امام محی السنۃ نے ان متفرق احادیث کو جمع کیا اور اپنی کتاب مصاحح میں جس باب کے مناسب جو حدیث تھی وہاں نقل کر دیا، تاکہ ایک طالب علم حدیث کو کسی حدیث کی تلاش میں اصول کی بڑی بڑی کتابوں میں سرگرداں نہ ہونا پڑے اور ان کے معنی و مطالب سمجھنے میں اس کو آسانی ہو جائے۔

وَلَمَّا سَلَكَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ طَرِيقَ الْإِخْتِصَارِ وَحَذَفَ الْأَسَانِيدَ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ الثَّقَاتِ۔

”اور جب مصنفؒ نے (نقل حدیث کے وقت) اختصار کے طریقہ کو اختیار کیا اور اسناد کو حذف کر دیا تو اس پر بعض محدثین و ناقدین نے اعتراض کیا۔“

تشریح: اسناد سے مراد یہ ہے کہ جب حدیث بیان کی جاتی ہے یا نقل کی جاتی ہے تو حدیث سے پہلے اس صحابی کا نام ذکر کیا جاتا ہے جس نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، اسی طرح صحابی سے لے کر مصنف کتاب تک جتنے روایت کرنے والے ہوتے ہیں ان کے سلسلہ کو بھی سند و اسناد کہا جاتا ہے چونکہ مصنف مصاحح نے اپنی تالیف میں حدیث جمع کرتے وقت اختصار سے کام لیا تھا اور صرف نقل حدیث پر اکتفا کرتے ہوئے سند کے ذکر کو ترک کر دیا تھا اس لئے محدثین کی جانب سے اعتراض ہوا، کیونکہ کسی حدیث کی حیثیت کو جاننے اور پہنچانے کا مدار صرف سند پر ہوتا ہے جب تک یہ سند نہ دیکھ لی جائے کہ یہ حدیث کس راوی نے روایت کی ہے اس وقت تک حدیث کے بارہ میں یہ حکم لگانا کہ یہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف بہت مشکل ہے۔

وَأِنْ كَانَ نَقْلُهُ وَإِنَّهُ مِنَ الثَّقَاتِ كَالْأَسْنَادِ لَكِنْ لَيْسَ مَا فِيهِ إِعْلَامٌ كَالْأَعْقَالِ فَاسْتَحْزَنَ اللَّهُ تَعَالَى وَاسْتَوْفَقَتْ مِنْهُ فَأَوْدَعَتْ كُلَّ حَدِيثٍ مِنْهُ فِي مَقَرِّهِ فَأَعْلَمَتْ مَا أَغْلَعَتْ كَمَا رَوَاهُ الْأَيْمَةُ الْمُتَقَنُّونَ وَالثَّقَاتُ الرَّاسِخُونَ مِثْلُ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدَ بْنِ إِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِيِّ وَأَبِي الْحُسَيْنِ مُسْلِمِ بْنِ الْحَجَّاجِ الْقُشَيْرِيِّ وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ الْأَمَلَجِيِّ وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدَ بْنِ إِدْرِيسَ الشَّافِعِيِّ وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ الشَّيْبَانِيَّ وَأَبِي عِيْسَى مُحَمَّدَ بْنِ عِيْسَى التِّرْمِذِيَّ وَأَبِي دَاوُدَ سُلَيْمَانَ بْنِ الْأَشْعَثِ السَّجِسْتَانِيَّ وَأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَحْمَدَ بْنِ شُعَيْبٍ النَّسَائِيَّ وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدَ بْنِ يَزِيدَ ابْنَ مَاجَةَ الْقُرْظَوْنِيَّ وَأَبِي مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيَّ وَأَبِي الْحَسَنِ عَلِيَّ بْنِ غَمَرٍ الدَّارِ قُطَيْبِيَّ وَأَبِي بَكْرٍ أَحْمَدَ بْنِ الْحُسَيْنِ الْبَيْهَقِيَّ وَأَبِي الْحَسَنِ رَزِينَ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْعَبْدَرِيَّ وَغَيْرِهِمْ وَقَلِيلٌ مَذْهُبٍ۔

”اگرچہ مصنف کا حدیث کو بغیر سند کے نقل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سند کے ساتھ نقل کیا ہو، کیونکہ وہ نقل حدیث کے معاملہ میں ثقہ اور معتمد محدثین میں شمار کیے جاتے ہیں لیکن پھر بھی جو چیز بے نشان ہو وہ نشان والی چیز کے درجہ میں نہیں ہو سکتی۔ اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی اور اس کی توفیق کا طلبگار ہوا۔ میں نے ہر حدیث کو جس باب سے اس کا تعلق تھا اسی باب میں نقل کیا اور علماء و محدثین نے بس طرح اس کو روایت کیا اسی طرح میں نے بھی مع سند اور حوالہ کتاب کے اس کو ذکر کیا، مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ترمذی، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام داری، امام دارقطنی، امام بیہقی، امام رزین بن معاویہ، عبد ری۔ ان ائمہ اور محدثین نے جس طرح اپنی کتابوں میں حدیث کو نقل کیا ہے اسی طرح میں نے ان کی کتابوں سے حدیث کو لئے کر اس کتاب میں جمع کر دیا۔ ان ائمہ اور محدثین کے علاوہ کچھ دوسرے محدثین بھی ہیں جن کی کتابوں سے احادیث نقل کی گئی ہیں مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔“

تشریح: جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ صاحب مصابح نے جب اپنی کتاب میں حدیث کو جمع کرتے وقت ان کی سند اور حوالہ کتاب کے ذکر کو چھوڑ دیا تو اس پر محض محدثین اور ناقدین نے اعتراض کیا اس لئے صاحب مشکوٰۃ نے جب مصابح میں دیگر حدیثوں کا اضافہ کیا تو انہوں نے ساتھ ہی یہ التزام بھی رکھا کہ ہر حدیث کی سند ضرور لکھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کتاب کا حوالہ بھی دیا جس سے حدیث لی گئی تھی اور طریق وہی اختیار کیا جو ان کتابوں کے مصنفین مثلاً امام بخاری، امام مسلم وغیرہ نے اختیار کیا تھا، اس طرح نئی ترغیب و تدوین کے ساتھ یہ کتاب معرض وجود میں آئی جو مشکوٰۃ کی موجودہ شکل میں موجود ہے۔

وَإِنِّي إِذَا تَسَبَّطْتُ الْحَدِيثَ إِلَيْهِمْ كَأَنِّي أَسْنَدْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْهَكُمْ قَدْ فَرَّغُوا مِنْهُ وَاعْتَوْنَا عَنْهُ۔
”اور حقیقت یہ ہے کہ جب میں نے نسبت کر دی ان احادیث کی ان ائمہ و محدثین کی طرف تو گویا اس کی سند پہنچادی نبی کریم ﷺ تک، کیونکہ ان ائمہ نے (اپنی کتابوں میں) سند ذکر کر کے ہم کو اس سے مستغنی کر دیا ہے۔“

تشریح: یہاں شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ محدثین و ناقدین نے صاحب مصابح پر اعتراض ہی یہ کیا تھا کہ انہوں نے نقل حدیث کے وقت تمام سند کے ذکر کا التزام نہیں کیا۔ تو اب بھی وہ بات باقی رہ گئی کیونکہ صاحب مشکوٰۃ نے بھی صرف صحابی اور کتاب کے حوالہ کے ذکر کو کافی جانا تمام سند نہیں ذکر کی، اسی کا جواب مصنف نے دیا ہے کہ جن ائمہ و محدثین سے یہ احادیث لی گئی ہیں انہوں نے خود ہی سند کے سلسلہ میں تلاش و جستجو اور نقد و نظر کے بعد اس مرحلہ کو طے کر لیا تھا اور ان حضرات نے اپنی کتابوں میں چونکہ اسناد ذکر کر دی ہیں اس لئے ان کی ذکر کردہ سند کو کافی سمجھتے ہوئے اب ہمیں تمام اسناد ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

وَسَرَدْتُ الْكُتُبَ وَالْأَبْوَابَ كَمَا سَرَدَهَا وَاقْتَفَيْتُ أَثَرَهُ فِيهَا۔

”اور میں نے اس کتاب کی ترتیب وہی رکھی جو صاحب مصابح نے رکھی تھی اور اس سلسلہ میں ان ہی کے نقش قدم کی پیروی کی ہے۔“

تشریح: عام طریقہ یہ ہے کہ جس کتاب میں مختلف موضوعات و مباحث سے متعلق مضامین ہوتے ہیں ان کو ان موضوعات و مباحث کے اعتبار سے کتاب و ابواب میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ لفظ ”کتاب“ کے ذریعہ جو عنوان قائم کیا جاتا ہے، اس کے تحت وہ مختلف ابواب ہوتے ہیں جو اگرچہ ایک ہی موضوع سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے مضامین و مباحث کی نوعیت و تفصیل الگ الگ ہوتی ہے۔ مثلاً ”طہارت“ ایک موضوع ہے اور اس موضوع سے متعلق مختلف النوع صورتیں اور ان کے احکام و مسائل ہیں جیسے وضو، غسل، تیمم وغیرہ، تو سب سے پہلے ”کتاب الطہارۃ“ کا عنوان قائم ہوتا ہے اور پھر اس کے تحت ان مختلف النوع صورتوں اور ان کے احکام و مسائل پر مشتمل مضامین کو نقل کرنے کے لئے ابواب قائم کیے جاتے ہیں جیسے ”باب الوضو“، ”باب الغسل“ اور باب التیمم وغیرہ۔

لہذا صاحب مصابح نے اپنی تصنیف میں جس ترتیب کے ساتھ کتاب اور ابواب کے عنوان قائم کیے تھے اسی ترتیب سے صاحب

مشکوٰۃ نے بھی کتاب اور البواب کے عنوان قائم کیے ہیں۔

وَقَسَمْتُ كُلَّ بَابٍ غَالِيًا عَلَى فُضُولِ ثَلَاثَةِ أَوَّلِهَا مَا أَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ أَوْ أَحَدُهُمَا وَاکْتَفَيْتُ بِهِمَا وَإِنْ اشْتَرَكَ فِيهِ الْغَيْرُ لَعَلُّو دَرَجَتَهُمَا فِي الزَّوَايَةِ۔

”اور میں نے ہر باب کو تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی فصل میں ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جن کو شیخین یعنی بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے یا ان دونوں میں سے کسی ایک نے روایت کیا ہے اگرچہ ان حدیثوں میں بعض ایسی بھی ہیں جن کو دوسرے محدثوں نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس فصل میں میں نے صرف شیخین کے ذکر پر اکتفا کیا ہے کیونکہ شیخین کا درجہ تمام محدثین سے بلند ہے۔“

تشریح: مشکوٰۃ میں ”متفق علیہ“ کی اصطلاح اس حدیث کے لئے ہے جو ایک ہی صحابی سے بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے۔ اگر صحابی کا اختلاف ہو یعنی بخاری میں تو ایک صحابی سے منقول ہے اور مسلم میں دوسرے صحابی سے تو اس روایت کو متفق علیہ نہیں کہیں گے، اگرچہ حدیث ایک ہی ہو۔

وَتَابِعُهَا مَا أَوْرَدَهُ غَيْرُهُمَا مِنَ الْأَيْمَةِ الْمَذْكُورِينَ وَتَالِيَهُمَا مَا اشْتَمَلَ عَلَى مَعْنَى الْبَابِ مِنْ مُلْحَقَاتٍ مُنَاسِبَةٍ مَعَ مُحَافَظَةٍ عَلَى الشَّرِيطَةِ وَإِنْ كَانَ مَا تَوَرَّاعَنِ السَّلَفِ وَالْخَلْفِ۔

اور دوسری فصل میں وہ احادیث نقل کی ہیں جن کو شیخین یعنی بخاری و مسلم کے علاوہ دوسرے مذکورہ ائمہ میں سے کسی اور نے روایت کیا ہے اور تیسری فصل میں احادیث کے علاوہ صحابہ و تابعین کے ان اقوال و آثار کو بھی جمع کیا گیا ہے جو باب کے مناسب اور لائق تھے لیکن آثار و خبر کو شامل کرتے ہوئے شرائط حدیث کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

تشریح: مصابیح میں دو ہی فصلیں تھیں لیکن تیسری فصل صاحب مشکوٰۃ نے بڑھائی ہے۔ صاحب مصابیح نے احادیث جمع کرتے وقت یہ ترتیب اختیار کی تھی کہ پہلی فصل میں انہوں نے صحاح کی احادیث جمع کی تھیں۔ اور ”صحاب“ ان کے نزدیک وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں مذکور ہو۔ دوسری فصل میں انہوں نے حسان احادیث نقل کی ہیں، ان کی اصطلاح میں ”حسان“ وہ احادیث ہیں جن کو بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر مستند اور معتبر اور ثقہ ائمہ نے روایت کیا ہو جیسے ترمذی، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ۔ احادیث کی یہ اصطلاح صرف صاحب مصابیح کے یہاں ہیں۔ دیگر محدثین اور علماء کے یہاں یہ اصطلاح نہیں پائی جاتی۔

تیسری فصل صاحب مشکوٰۃ نے بڑھائی ہے اس فصل میں صاحب مشکوٰۃ نے اس کا التزام نہیں کیا ہے کہ حدیث مرفوع حضرت ﷺ ہی نقل کی جائیں، بلکہ صحابہ اور تابعین کے ایسے اقوال و افعال اور تقریر بھی اس فصل میں نقل کی ہیں جو باب کے مناسب ہیں لیکن صاحب مشکوٰۃ نے اس فصل میں بھی یہ التزام کیا ہے کہ پہلے راوی کا نام ضرور لکھا ہے خواہ صحابی ہو یا تابعی، اسی طرح آخر میں کتاب کا حوالہ دیا ہے، کہ کس کتاب سے یہ حدیث لی گئی ہے۔

ثُمَّ إِنَّكَ إِنْ فَقَدْتَ حَدِيثًا فِي بَابٍ فَذَلِكَ عَنْ تَكْرِيرِ اسْقِطَةٍ۔

”پھر تحقیق اگر کسی باب میں کوئی حدیث نہ پائی جائے تو سمجھا جائے کہ اسے میں نے تکرار کی وجہ سے نقل نہیں کیا ہے۔“

تشریح: یعنی اگر ایسا ہو کہ ایک حدیث مصابیح کے ایک باب میں تو موجود ہے لیکن مشکوٰۃ کے اسی باب میں نہیں ہے تو یہ اس لئے، کہ صاحب مشکوٰۃ نے وہ حدیث کسی دوسرے باب میں ہونے کی وجہ سے یہاں نقل نہیں کی۔

وَإِنْ وَجَدْتَ أَحْرَ بَعْضَهُ مَثْرُوكًا عَلَى اخْتِصَارِهِ أَوْ مَضْمُونًا إِلَيْهِ تَمَامَهُ فَعَنْ دَاعِيِ اهْتِمَامِ اتِّزَانِهِ وَالْحَقُّ۔

”اور اگر پاؤ تم ایک حدیث کہ اس کا بعض حصہ اختصار کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے یا اس میں بقیہ حصہ اس حدیث کا ملا دیا گیا ہے تو یہ

حذف کرنا اور ملانا خاص مقصد کے تحت ہے۔“

تشریح: مطلب یہ کہ کسی خاص مقصد کے تحت اگر کسی جگہ حذف و الحاق ضروری سمجھا گیا تو وہاں ایسا کیا گیا۔ مثلاً ایک بڑی حدیث ہے جس کا کچھ حصہ تو ایسا ہے جو باب کے مناسب ہے تو اسے وہاں نقل کر دیا گیا اور بعض حصہ ایسا ہے جو مناسب باب نہیں ہے تو اسے ترک کر دیا گیا ہے۔ یا حدیث کا ایک ٹکڑا اس باب کے مناسب ہے اور دوسرا ٹکڑا کسی دوسرے باب سے متعلق ہے تو ایسی شکل میں وہاں حدیث کو اختصار کے ساتھ جو باب سے متعلق تھی بیان کیا گیا ہے۔ اس حالت میں بھی پیروی صاحب مصابیح کی گئی ہے لیکن جہاں ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہے تو پوری حدیث نقل کر دی گئی ہے اگرچہ وہاں صاحب مصابیح نے اختصار سے کام لیا ہو۔

وَإِنْ عَثَرْتَ عَلَى اخْتِلَافٍ فِي الْفَضْلَيْنِ مِنْ ذِكْرِ غَيْرِ الشَّيْخَيْنِ فِي الْأَوَّلِ وَذَكَرَ هُمَا فِي الثَّانِي فَأَعْلَمْ أَنَّ بَعْدَ تَتَبُّعِي كِتَابِي الْجَمْعَ بَيْنَ الصَّحِيحَيْنِ لِلْحَمْدِ لِلَّهِ وَجَامِعِ الْأُصُولِ اعْتَمَدْتُ عَلَى صَحِيحِي الشَّيْخَيْنِ وَمَتَّبِعْتُهُمَا۔

”اور اگر دونوں فضلوں میں اختلاف نظر آئے یعنی غیر شیخین کی احادیث تو فصل اول میں ذکر کی گئی ہوں اور شیخین کی احادیث کو فصل ثانی میں نقل کیا گیا ہو تو سمجھنا چاہیے کہ یہ اختلاف غلطی یا غفلت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ یہ میں نے حمیدی کی کتاب جمع بین الصحیحین اور کتاب جامع الاصول میں بسیار تلاش و تحقیق اور تتبع کے بعد کیا ہے اور اس سلسلہ میں میں نے بخاری و مسلم کے اصل نسخوں اور ان کے متن پر اعتماد کیا ہے۔“

تشریح: صاحب مصابیح نے تو یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ فصل اول میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو شیخین یعنی امام بخاری و مسلم سے ان کی کتاب میں روایت کی گئی ہیں اور فصل ثانی میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو شیخین کے علاوہ دوسرے ائمہ سے مذکور ہیں لیکن مشکوٰۃ میں بعض جگہ ایسا بھی ہے کہ فصل اول میں وہ احادیث جن کو صاحب مصابیح نے شیخین کی طرف نسبت کرتے ہوئے نقل کیا ہے صاحب مشکوٰۃ نے ان کو دوسرے ائمہ کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے جیسے باب سنن و ضوکی فصل اول میں یا باب فضائل قرآن میں، اسی طرح بعض جگہ فصل ثانی کی احادیث کو شیخین کی طرف منسوب کیا ہے جیسے باب ما یقرأ بعد التکبیر یا باب الموقف وغیرہ میں، تو اس رد و بدل اور فرق کے بارہ میں صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ یہ میری غلطی یا سہو کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ میں نے کتاب جمع بین الصحیحین اور کتاب جامع الاصول نیز بخاری و مسلم کے اصل نسخوں اور ان کے متنوں میں کافی تلاش و تحقیق کی، چنانچہ ان کتابوں میں جن احادیث کو شیخین کی طرف منسوب نہیں کیا گیا ہے اور انہیں صاحب مصابیح نے فصل اول میں شیخین کی طرف منسوب کیا ہے تو میں نے ان احادیث کو مشکوٰۃ میں شیخین کی طرف منسوب کرنے کے بجائے ان کے اصل راوی و ناقل کی طرف منسوب کیا ہے۔ ایسے ہی جن احادیث کو صاحب مصابیح نے شیخین کے علاوہ دوسرے ائمہ کی طرف منسوب کر کے فصل ثانی میں نقل کیا تھا اور وہ حدیث مجھے ان کتب مذکورہ میں شیخین کی طرف منسوب ملیں تو میں نے ان کو شیخین کی طرف منسوب کر دیا اور چونکہ مجھے اپنی تحقیق و جستجو پر اعتماد تھا اس لئے میں نے یہ سوچ کر مصابیح کی نقل کے خلاف ایسا کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ صاحب مصابیح سے نقل حدیث کے وقت سہو ہو گیا ہو۔

وَإِنْ رَأَيْتَ اخْتِلَافًا فِي نَفْسِ الْحَدِيثِ فَذَلِكَ مِنْ تَشَعُّبِ طُرُقِ الْأَحَادِيثِ۔

”اور اگر اختلاف اصل حدیث میں نظر آئے تو یہ احادیث کی اسناد میں اختلاف کی وجہ سے ہوگا۔“

تشریح: یعنی صاحب مصابیح نے ایک حدیث روایت کی اور وہی حدیث جب صاحب مشکوٰۃ نے نقل کی تو دونوں کے الفاظ میں فرق نکلا یعنی صاحب مصابیح کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ کچھ اور ہیں اور صاحب مشکوٰۃ کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ دوسرے ہیں تو اس بارہ میں صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ یہ فرق دراصل سندوں کے اختلاف کی بنا پر ہوا ہے، یعنی صاحب مصابیح کو وہ روایت جس سند سے پہنچی ہے اس میں وہ الفاظ ہیں جن کو انہوں نے نقل کیا ہے اور مجھے اس سند سے یہ روایت پہنچی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں، جو میں نقل کر رہا ہوں۔

وَلَعَلَّنِي مَا أَظْلَعْتُ عَلَىٰ تِلْكَ الزَّوَايَةِ الَّتِي سَلَكَهَا الشَّيْخُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَقَلِيلًا مَا تَجِدُ أَقُولُ مَا وَجَدْتُ هَذِهِ الزَّوَايَةَ فِي كُتُبِ الْأُصُولِ أَوْ وَجَدْتُ خِلَافَهَا فَإِذَا وَقَفْتُ عَلَيْهِ فَانْسَبِ الْقُصُورَ إِلَىٰ لِقَلَّةِ الدِّرَايَةِ لَا إِلَىٰ جَنَابِ الشَّيْخِ رَفَعَ اللَّهُ قَدْرَهُ فِي الدَّرَجَاتِ حَاشَا لِلَّهِ مِنْ ذَلِكَ۔

”اور ہو سکتا ہے کہ جس روایت کو شیخ نے نقل کیا ہے وہ مجھے نہ ملی ہو مگر ایسا کم ہوگا کہ وہ روایت مجھے نہ ملی ہو یا مجھے اصول کی کتابوں میں شیخ کی نقل کردہ روایت کے خلاف وہ روایت ملی ہو لیکن یہ اختلاف اگر معلوم ہو تو خطا و قصور کی نسبت میری کوتاہی علم کی بنا پر میری طرف کی جائے اور شیخ کو غلطی سے منزه سمجھا جائے اس سے خدا تعالیٰ کے لئے پاکی ہے۔“

تشریح: اصول کی کتابوں سے مراد وہی مذکورہ کتب یعنی بخاری و مسلم ہیں اگر ایسا ہو کہ جس روایت کو صاحب مصابیح نے نقل کیا ہے، مجھے وہ روایت نہ ملی ہو یا ان کی نقل کردہ وہ روایت اور میری نقل کردہ روایت میں کوئی اختلاف نظر آئے تو اس میں غلطی اور قصور کی نسبت میری ہی جانب کی جائے۔ صاحب مصابیح کو غلطی اور خطا کا مرتب قرار نہ دیا جائے اور صاحب مشکوٰۃ کا یہ کہنا کہ غلطی اور قصور کی نسبت میری جانب کی جائے، خلوص نیت اور اعتراف حقیقت کی بنا پر ہے اس میں ریا و غیرہ کا دخل نہیں ہے جیسا کہ حاشا لِلَّهِ مِنْ ذَلِكَ سے اشارہ کر دیا ہے۔

رَحِمَ اللَّهُ مَنْ إِذَا وَقَفَ عَلَىٰ ذَلِكَ تَبَهَّأَ عَلَيْهِ وَأَزْشَدَنَا طَرِيقَ الصَّوَابِ۔

”خدا کی رحمت ہو اس شخص پر جسے وہ روایت معلوم ہو اور ہمیں مطلع کر کے راہ حق بتائے۔“

تشریح: یعنی اگر کسی شخص کو وہ روایت معلوم ہو جو صاحب مصابیح نے نقل کی ہے اور مجھے نہیں معلوم ہوئی ہے تو اس کو چاہیے کہ اگر ہماری زندگی میں اسے معلوم ہو تو ہمیں بتا دے اور مرنے کے بعد ہماری کتب میں اس کا اضافہ کر دے۔

وَلَمْ أَلْ جُهْدًا فِي التَّنْقِيهِ وَالتَّفْيِيشِ بِقَدْرِ الْوُسْعِ وَالطَّاقَةِ وَنَقَلْتُ ذَلِكَ الْإِخْتِلَافَ كَمَا وَجَدْتُ۔

”میں نے اپنی تحقیق و تدقیق اور تلاش و جستجو میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا اور اپنی وسعت و طاقت کے مطابق پوری چھان بین کی اور یہ اختلاف میں نے جیسا پایا ویسا ہی نقل کر دیا۔“

تشریح: یعنی میں نے اصول کی کتابوں میں جیسا پایا اور جس طرح نقل دیکھا، شیخ کی تقلید محض سے ہٹ کر ویسا ہی یہاں ذکر کر دیا، اگر کوئی یہ اعتراض کر بیٹھے کہ اگر صاحب مشکوٰۃ زیادہ تتبع کرتے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ان کو وہ روایتیں نہ ملتیں، تو اس کا جواب خود صاحب مشکوٰۃ نے دے دیا کہ جہاں تک میری رسائی اور ہمت و طاقت تھی میں نے اس سے بڑھ کر تحقیق و تلاش کی، اور اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی۔

وَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنْ غَرِيبٍ أَوْ ضَعِيفٍ أَوْ غَيْرِ هُمَا يَنْبَغُ وَجْهَهُ غَالِبًا وَمَا لَمْ يُشِرْ إِلَيْهِ مِمَّا فِي الْأُصُولِ فَقَدْ قَفَيْتُهُ فِي تَرْكِهِ الْأَفْنَىٰ مَوَاضِعَ لِعَرَضٍ۔

”اور جن احادیث پر شیخ نے ضعیف یا غریب وغیرہ کا حکم لگایا ہے میں نے ان کا سبب بیان کر دیا ہے اور جن احادیث و اصولی امور کی جانب شیخ نے کوئی اشارہ نہیں کیا تو میں نے بھی شیخ کی پیروی کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا ہے مگر بعض مقامات پر مجبوری کی بنا پر میں نے توضیح کر دی ہے۔“

تشریح: یعنی صاحب مصابیح نے بعض احادیث کے بارہ میں نقل کیا تھا کہ فلاں غریب ہے اور فلاں ضعیف ہے یا شاذ و منکر کا حکم لگا دیا تھا تو صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ میں اس کی توضیح کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ حدیث غریب کیوں ہے یا ضعیف کیوں ہے اور ان احادیث کو شاذ و

مگر کیوں کہا گیا اور کچھ ایسی احادیث بھی تھیں جن کو صاحب مصباح نے نہ تو ضعیف و غریب کہا تھا اور نہ ہی شاذ و منکر، بلکہ انہیں ایسا ہی چھوڑ دیا تھا تو صاحب مشکوٰۃ نے بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے ان کی کوئی توضیح نہیں کی بلکہ انہیں اسی طرح نقل کر دیا۔ البتہ بعض مجبور یوں کی بنا پر کچھ ایسے مقامات پر بھی صاحب مشکوٰۃ نے توضیح کر دی ہے جہاں صاحب مصباح نے سکوت اختیار کیا ہے مثلاً بعض لوگوں نے طعن و کلام کیا کہ فلاں حدیث موضوع ہے یا باطل ہے تو مجبوراً صاحب مشکوٰۃ نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے ان کی تشریح و توضیح ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے کی کہ یہ حدیث صحیح یا حسن ہے اور یہ ضعیف یا غریب ہے۔

وَزَيْمًا تَجِدُ مَوَاضِعَ مُهْمَلَةً وَذَلِكَ حَيْثُ لَمْ أَطْلُعْ عَلَى رَاوِيهِ فَتَرَكْتُ الْبَيَاضَ فَإِنْ عَثَرْتُ عَلَيْهِ فَالْحَقُّ بِهِ أَحْسَنُ
اللَّهُ جَزَاءُكَ۔

”اور کچھ ایسے مقام بھی ملیں گے کہ وہاں حدیث کے بعد میں نے کتاب کا حوالہ نہیں دیا کیونکہ باوجود تحقیق و تلاش کے میں راوی کے نام سے واقف نہیں ہو سکا لہذا وہ جگہ میں نے چھوڑ دی ہے پس اگر تمہیں راوی کے نام کا علم ہو تو اس جگہ اس کا حوالہ دے دینا اس کے لئے اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائیں گے۔“

وَسَمَّيْتُ الْكِتَابَ بِمَشْكُوَةِ الْمَصَابِيحِ۔

”اور اس کتاب کا نام میں نے مشکوٰۃ المصابیح رکھا ہے۔“

تشریح: مصباح مصباح کی جمع ہے جس کے معنی چراغ کے ہیں اور مشکوٰۃ کے معنی طاقت ہے۔ جس طرح طاقت میں چراغ رکھا جاتا ہے اسی طرح کتاب مصباح، مشکوٰۃ میں رکھی ہوئی ہے۔

وَأَسْأَلُ اللَّهَ التَّوْفِيقَ وَالْإِعَانَةَ وَالْهِدَايَةَ وَالصِّيَانَةَ وَتَنْبِيْهُ مَا أَقْصَدُهُ۔

”اس کتاب کی تصنیف کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے نیک توفیق، اس کی مدد اور ہدایت کا طلبگار ہوں اور اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے خطا و قصور سے حفاظت اور مشکلات کی آسانیوں کے لئے دعا کرتا ہوں۔“

وَأَنْ يَنْفَعَنِي فِي الْحَيَاةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ وَجَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ۔

”اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند قدوس اس زندگی میں اور مرنے کے بعد مجھے بھی اور ہر مسلمان مرد و عورت کو نفع پہنچائے اور اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی اور بہتر کار ساز ہے اور برائی سے بچنے کی طاقت اور نیک کام کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے جو تمام امور پر غالب اور حکمت والا ہے۔“

تشریح: زندگی میں نفع تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کتاب کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور ان احادیث پر عمل کرنے کی توفیق دے اور مرنے کے بعد کا نفع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی برکت سے مغفرت و بخشش اور جنت کی نعمت سے نوازے اور اپنے بے پایاں رحمت کے دروازے کھول دے۔



مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث

① عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مِمَّا نَوَىٰ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِيَ حِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ حِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَا جَزَّ إِلَيْهِ۔ (بخاری علیہ)

”حضرت عمرؓ بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام کاموں کا مدار نیت پر ہے (یعنی عمل کا ثمرہ نیت پر مرتب ہوتا ہے) لہذا جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے (بہ نسبت خالص) ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول ہی کے لئے ہوگی اور جس شخص نے دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہوگی جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مشکوٰۃ شریف کے مصنفؒ اس حدیث کو باب سے پہلے لائے ہیں جس سے ان کا مقصد اس کی طرف اشارہ ہے کہ طالب کو چاہئے کہ اس علم (حدیث شریف) کو حاصل کرنے کے لئے اپنی نیت کو پہلے خالصۃً للہ کرے پھر اس کے حصول میں منہمک ہو، اس حدیث کی تفصیلت و اہمیت پر محدثین کا اتفاق ہے بلکہ بعض علماء نے تو اس حدیث کو نصف علم کا درجہ دیا ہے۔ ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لئے دارالکفر کے اپنے وطن کو ترک کر کے دارالاسلام کو اپنا وطن بنالے اور وہاں جا کر بس جائے، پس اگرچہ ہجرت کرنے والا شخص اپنی نیت میں مخلص ہے اور اس کی ہجرت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے تو ثواب پائے گا اور اس کا یہ عمل عند اللہ مقبول ہو گا لیکن اگر نیت میں کھوٹ ہے اور ہجرت (یعنی ترک وطن) سے اس کا مقصد طلب دنیا یا حصول جاہ و زر ہے تو یقیناً وہ ثواب سے محروم رہے گا، لیکن اگر طلب دنیا اور خواہش نفس کے ساتھ رضائے حق کی نیت بھی کر لیتا ہے تو ثواب ملے گا۔

اس حدیث میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، ایک شخص مدینہ میں ایک عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے ہجرت کر کے آیا تھا۔ اس عورت کا نام اُم قیس تھا۔ اسی مناسبت سے وہ شخص مہاجر ام قیس کہا جاتا تھا، جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اُم قیس نامی عورت کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ اُم قیس نے اس شرط پر منظور کیا کہ وہ مدینہ ہجرت کر کے آجائے، تب شادی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ ہجرت کر کے مدینہ آگیا اور اُم قیس سے شادی کی، اس کے بعد سے وہ شخص مہاجر ام قیس کے نام سے مشہور ہو گیا۔

اس حدیث میں لفظی اختلاف ہیں جو متعدد نسخوں میں کئی طرح سے وارد ہیں۔ بعض جگہ انما الاعمال بالنیات ہے اور انما الاعمال بالنیۃ اور العمل بالنیۃ بھی مروی ہے، بہر حال یہ اختلاف لفظی ہے جس کا اثر معنی اور مفہوم پر کچھ نہیں پڑتا۔

حدیث کے پہلے دونوں جملوں کا ایک ہی مطلب ہے دراصل انما لامرئ مانوی سے تاکید کی جا رہی ہے، پہلے جملہ کی کلمہ بغیر نیت کے معتبر نہیں ہو گا یعنی جو شخص جیسی نیت کرے گا ویسا ہی اس کا اجر پاوے گا، چنانچہ ایک عمل میں جتنی نیت کرے گا، اتنے ہی ثواب اسے حاصل ہوں گے۔ مثلاً:

۱۔ آپ کا ام مبارک عمر، کنیت ابو حفص اور لقب فاروق اعظم ہے۔ آپ قریش کی شاخ عدی کے قبیلے سے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر فاروق کے سلسلہ نسب کعب بن لوی پر جا کر ملتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آپ کو متفقہ طور پر دوسرا خلیفہ منتخب کیا گیا۔ ہجرت کے تیسویں سال ۲ ذی الحجہ کو بدھ کے دن آپ مسجد نبوی میں فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک بد بخت نصرانی ابولؤلؤ نے آپ پر خنجر سے حملہ کیا اور آپ نے شہادت پائی۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۶۳ برس تھی۔

① ایک شخص کا کوئی عزیز قربانی غریب و مفلس ہے اس غریب کی وہ مدد اس نیت سے کرتا ہے کہ ایک غریب کی لوجہ اللہ مدد کرنا کارِ ثواب ہے تو اس کو اسی کا ثواب ملے گا لیکن اگر وہ اس کے ساتھ ہی صلہ رحمی کی بھی نیت کرتا ہے کہ اس کی لوجہ اللہ مدد کرنا کارِ ثواب ہے ہی مگر اس سے میرے ایک عزیز کی پریشانیوں بھی دور ہو جائیں گی تو اب محض یہ نیت کرنے سے اس کو دو ثواب ملیں گے۔

② اسی طرح مسجد میں جانے کی کئی نیتیں ہو سکتی ہیں اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ثواب ملتا ہے مثلاً ایک شخص مسجد میں جاتا ہے تو وہ نیت کرے کہ چونکہ فرمایا گیا ہے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، جہاں آنے والا گویا اللہ تعالیٰ کی زیارت کو آتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کریم ہے اور کریم کے لئے مہمان کی ضیافت ضروری ہوتی ہے لہذا میں بھی اس کا امیدوار ہوں تو اس کو یہ ثواب حاصل ہو جائے گا۔

اور نیت کرے جماعت کے انتظار کا، چونکہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص جماعت کا انتظار کر رہا ہے وہ گویا حالت نماز میں ہے، پس اس نیت سے اس کا ثواب مل جائے گا۔

اور نیت کرے کہ کان و آنکھ اور تمام اعضاء بازار و سڑک میں گناہ میں گرفتار ہوتے اور یہاں مسجد میں آکر محفوظ ہو جائیں گے، مسجد میں آتے ہی اعتکاف کی نیت کر لے کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو چاہئے کہ اعتکاف کی نیت کر لیا کرے اور جن علماء کے نزدیک اعتکاف کی مدت کم سے کم ایک ساعت ہے ان کے یہاں وہ اعتکاف معتبر ہو گا تو یہ ثواب بھی کہیں نہیں گیا (مسجد میں دخول کے وقت اعتکاف کی نیت کرنا اور پھر اس پر ثواب ملنا درحقیقت خداوند قدوس کی جانب سے مسلمانوں کے لئے ایک نعمت ہے کہ جو بغیر محنت کئے ہوئے حاصل ہوتی ہے مگر افسوس کہ مسلمان اس سے غافل ہیں ایسا ہی طرح جانتا ہے کہ مسجد میں آتے وقت اور مسجد سے نکلنے وقت مسنون دعائیں پڑھنا یا نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا سعادت کا باعث ہے تو اگر دخول مسجد کے وقت اس کی بھی نیت کر لے تو اس کا بھی ثواب ملے گا۔

اور نیت کرے کہ مسجد میں تنہائی اور سکون نصیب ہوتا ہے جہاں ذکر اللہ، تلاوت قرآن یا دعوت و نصیحت باطمینان کیا جاسکتا ہے تو اس کا ثواب بھی ملے گا کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص صبح مسجد میں ذکر و وعظ کے لئے جاتا ہے تو گویا وہ مجاہد فی سبیل اللہ کے مرتبہ کا ہوتا ہے یا کوئی جماعت مسجد میں بیٹھ کر تلاوت قرآن میں مشغول ہو اور آپس میں تذکیر و نصیحت کرتے رہیں تو اس جماعت کو ملائکہ ڈھانک لیتے ہیں اور رحمت خداوندی کا ان پر سایہ ہوتا ہے۔

اسی طرح نیت کرے کہ وضو کر کے مسجد میں نماز کے لئے جانے سے حج اور عمرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اور نیت کرے کہ مسجد میں لوگوں کے اجتماع سے افادہ و استفادہ بالعلم اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مواقع میسر آتے ہیں، نیت کرے وہاں مسلمان بھائیوں سے ملاقات کی اور ان پر سلام و رحمت پہنچانے کی۔

اور نیت کرے محاسبہ نفس اور تفکری الآخرات اور اپنے گناہوں سے استغفار کی کیونکہ مسجد میں سکون اور دل جمعی سے یہ کام ہو سکتا ہے جو دوسری جگہ مشکل ہے۔

بہر حال مسجد میں آنے کا عمل ایک ہے لیکن چونکہ نیتیں الگ الگ ہو کر بہت زیادہ ہیں اس لئے ثواب ان سب نیتوں کا ملے گا گویا عمل ایک اور بہ سبب نیت ثواب اتنے زیادہ۔

اور پھر مسجد تو عبادت کی جگہ ہے اور ان امور کا تعلق بھی عبادت اور آخرت سے ہے لہذا ان پر ثواب تو ملتا ہی ہے لیکن اگر ان چیزوں میں بھی نیک نیت کر لے جن کا تعلق زینت جسمانی یا دنیاوی امور سے ہے تو خدا کی بے پایاں رحمت سے وہاں بھی ثواب ملتا ہے۔ مثلاً جمعہ کو یا عام طور پر خوشبو لگانے کا اور اس کے ساتھ یہ بھی نیت کر لے کہ چونکہ نبی کریم ﷺ خوشبو کو بہت پسند فرماتے تھے اس لئے میں بھی خوشبو لگاتا ہوں۔

اور نیت کرے اس خوشبو کے لگانے سے کہ اس سے مسجد کی تعظیم بھی ہوگی۔

اور نیت کرے کہ جو شخص میرے پاس بیٹھے گا خوشبو پا کر خوش ہوگا۔

اور نیت کرے کہ کوئی شخص محض میرے خوشبو لگانے کے سبب بدبو کی وجہ سے میری غیبت کرے گا اور میں خوشبو لگا کر اس کی غیبت کے گناہ سے باز رکھتا ہوں۔

اور نیت کرے کہ تازہ خوشبو سے دماغ کے معالجہ کی خوشبو سے میرا دماغ تروتازہ ہوگا اور میں جس مجلس و عطا نصیحت میں بیٹھوں گا اس کی وجہ سے کام کی باتیں اچھی ذہن نشین ہوں گی۔

یہاں بھی خوشبو لگانے کا عمل ایک ہی ہے اور جس کا تعلق محض انسانی جذبہ و خواہش اور دنیاوی امور سے ہے لیکن اگر اس کے ساتھ یہ تمام نیک نیتیں کر لی جائیں تو ان پر بھی الگ الگ ثواب کا سحق ہوگا، اسی طرح ہر عمل میں مختلف نیتیں ہو سکتی ہیں جن پر بے شمار ثواب کا شمار مرتب ہوتا ہے۔

اور اگر کوئی عمل محض لذت جسمانی اور خواہش نفسانی کے لئے کرتا ہے تو ثواب کی دولت سے تو محروم رہے ہی گا بلکہ مستحق ملامت و عتاب بھی ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ عمل کا مدار یعنی اس پر ثواب ملنا صرف نیت کے اوپر ہے جیسی نیت کرے گا ویسا ہی اس پر شمار مرتب ہوگا۔

نیت کے مسائل

مسئلہ: اس حدیث میں جن اعمال کے بارے میں نیت کو ضروری قرار دیا گیا ہے ان سے اعمال مقصودہ مراد ہیں یعنی ایسے عمل جن کا کرنا شریعت میں مطلوب اور مقصود ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ پس اس قسم کے عمل بغیر نیت کے معتبر نہیں ہوں گے اور نہ خدا کے نزدیک مقبول و صحیح ہوں گے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز بغیر نیت کے پڑھتا ہے تو نہ تو اس کی نماز صحیح ہوگی اور نہ عند اللہ مقبول ہوگی اور اسی طرح نہ بغیر نیت کے زکوٰۃ ادا ہوگی اور نہ بغیر نیت کے روزہ و حج صحیح ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ نیت کی ضرورت اور احتیاج اعمال مقصودہ میں ہوگی کیونکہ بغیر نیت کے اعمال کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

اعمال مقصودہ کے مقابلہ میں اعمال غیر مقصودہ ہیں یعنی ایسے اعمال جن کا کرنا مقصد نہ ہو بلکہ ان کا کرنا کسی خارجی امر کی بنا پر ضروری ہے جیسے غسل اور وضو کہ یہ فی نفسہ اور بذاتہ مقصود نہیں ہوتے بلکہ غسل کی ضرورت پاکی کے لئے ہوتی ہے اور وضو کی ضرورت نماز کے لئے۔

اب علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ان اعمال غیر مقصودہ یعنی غسل اور وضو میں نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ کے نزدیک وضو اور غسل میں نیت ضروری ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ فرض ہے لہذا اگر غسل یا وضو بغیر نیت کے ہوا تو وہ قابل اعتبار نہیں ہوگا۔ امام اعظمؒ کے نزدیک غسل اور وضو بغیر نیت کے معتبر ہوں گے کیونکہ ان کے نزدیک نیت فرض نہیں ہے بلکہ سنت اور مستحب ہے لہذا اگر وضو یا غسل بغیر نیت کے کیا گیا تو ادا ہو جائے گا۔

شریعت میں نیت سے مراد تقرب الی اللہ کا قصد کرنا ہے یعنی جو کام کرے صرف اللہ کے لئے کرے اور اس کے حکم کی بجا آوری اور اس کی رضا کی طلب کے لئے کرے۔

نیت کے معنی دل سے قصد کرنے کے ہیں، نیت میں صرف دل سے قصد کرنا کافی ہوتا ہے زبان سے کہنا شرط نہیں، عبادات میں اگر محض زبان سے کہا اور دل میں نیت کی تو عبادت معتبر نہ ہوگی چنانچہ کتاب مجمع میں لکھا ہے کہ صرف زبان سے کہنے کا اعتبار نہیں ہوگا، اب علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ دل سے قصد اور نیت کرنے کے ساتھ زبان سے کہنا سنت ہے یا استحباب یا مکروہ ہے۔

چنانچہ اس میں تین قول ہیں، فتح القدیر میں ہے کہ نیت کا زبان سے کہنا نہ تو نبی ﷺ سے منقول ہے اور نہ صحابہ کرام سے، اور اس کا

ذکر نہ کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے اور نہ حدیث ضعیف سے اور نہ چاروں امام اس کا قائل ہیں۔

کتاب مفید نے نقل کیا ہے کہ بعض مشائخ نے اس کو مکروہ کہا ہے اور بعض نے مستحب، سو جنہوں نے مستحب کہا ہے ان کے نزدیک بھی صرف اسی قدر کہنا مستحب ہے کہ اللہم انی ارید صلوة کذا فی سرہالی و تقبلہا منی مگر اس قسم کی عبارت بھی حدیث شریف میں صرف حج کی نیت کے لئے منقول ہے، دیگر عبادات کے ثابت اور منقول نہیں ہے۔

بہر حال نیت کا یہ مقدمہ اور بیان کتاب اشباہ میں مفصل لکھا ہے، اس سلسلہ میں مترجم کی تحقیق یہ ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ عظام رضوان اللہ علیہم اور ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے نماز یا روزہ میں نیت یا زبان سے کہنا منقول نہیں ہے اور بعد میں علماء کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا یہ سنت ہے یا مستحب اور یا مکروہ اور یا بدعت ہے توفیقہ کا قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کے سنت یا بدعت ہونے میں علماء کا اختلاف ہو یعنی بعض یہ کہیں کہ یہ بدعت ہے اور بعض کہیں کہ سنت ہے تو احتیاط اس جگہ یہ ہے کہ ایسی چیز کو ترک کر دینا ہی مناسب ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں بھی ایسا ہی نقل کیا گیا ہے اسی طرح اگر سنت و مستحب ہونے میں بھی اختلاف ہو تو ترک کر دینا ہی اولیٰ ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے ترجمہ مشکوٰۃ میں فرمایا ہے کہ علماء اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ نماز میں نیت کا پکار کر کہنا مشروع نہیں ہے۔ نیز حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ محدثین نے کہا ہے کہ حدیث کی کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ نے نیت زبان سے کہی ہو۔

لہذا آنحضرت ﷺ کی سنت کا اتباع اسی میں ہے کہ نیت دل سے کرے اور اسی پر اکتفا کرے کیونکہ جس طرح رسول خدا ﷺ کے کیے ہوئے فعل کا اتباع کرنا اطاعت رسول ہے اسی طرح یہ بھی نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے کہ جس فعل کو نبی کریم ﷺ نے کبھی نہ کیا ہو اس پر عمل نہ کیا جاوے اور چاہئے کہ اس پر دوام اصرار نہ کیا جاوے جو شارع سے ثابت نہیں ہے۔

مسئلہ: نیت کا اثر عبادات میں مرتب ہوتا ہے، حرام کام میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا اور نہ اس کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔ اگر کسی مباح چیز میں عبادت کی نیت کر لے یا اس چیز میں نیت کر لے جو عبادت کے لئے وسیلہ ہوتی ہے اور اس پر نیت کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے اور ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ: وضو میں نیت کرنا سنت ہے اب اس میں اختلاف ہے کہ وضو کے لئے نیت کب کرے چنانچہ بعض علماء کے نزدیک منہ کے دھونے کے وقت نیت کرنی چاہئے لیکن بہتر یہ ہے کہ شروع وضو میں ہاتھ دھونے کے وقت نیت کر لی جائے تاکہ منہ دھونے سے پہلے بھی سنت کا ثواب حاصل ہو جائے۔ غسل میں بھی نیت سنت ہے مناسب یہ ہے کہ وضو شروع کرنے کے وقت غسل میں نیت کرے، تیمم میں نیت کرنا فرض ہے۔ جس وقت تیمم کے لئے ہاتھ مٹی پر رکھے اس وقت نیت کر لینی چاہیے اس کے بعد ہاتھ کو منہ اور ہاتھوں پر پھیر لے۔

مسئلہ: نیت کے لئے کئی چیزیں شرط ہیں۔ ① اسلام۔ کیونکہ مسلمانوں کی عبادت مقبول ہوتی ہے، کافر کی عبادت نہ تو صحیح ہوتی ہے اور نہ مقبول ہوتی ہے۔ ② تمیز۔ یعنی اتنی عقل رکھتا ہو کہ عبادت اور غیر عبادت میں فرق سمجھتا ہو اسی لئے دیوانے اور تمیز نہ کرنے والے لڑکے کی عبادت معتبر نہیں ہوتی۔ ③ علم۔ یعنی جس چیز کو کر رہا ہے اس کی حقیقت اور اہمیت جانتا ہو چنانچہ ایک شخص نماز کی اہمیت اور اس کی فرضیت سے لاعلم ہے اگرچہ نیت کرتا ہے لیکن اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی اور ④ چوتھی چیز یہ کہ نیت کے منافی کوئی چیز نہ کرے۔ مثلاً کوئی اسلام لائے اور عبادت کرنے کے بعد معاذ اللہ مرتد ہو گیا تو اس کا سب علم اور عبادت ضائع ہو جائے گا اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے نماز شروع کی یا روزہ رکھا لیکن درمیان میں توڑ ڈالا تو نماز اور روزہ دونوں باطل ہو جائیں گے، کیونکہ عبادت کے درمیان سے بغیر مکمل کیے ہوئے ختم کر دینا نیت کے منافی ہے۔

مسئلہ: فرض نماز میں نیت چار چیزوں کی ہوتی ہے، ایک نماز پڑھنے کی، دوسرے فرض نماز پڑھنے کی، تیسری تعین وقت مثلاً ظہر کی یا عصر یا مغرب کی، چوتھے اگر مقتدی ہو تو اقتدا کی، ان چار چیزوں کو نماز شروع کرنے کے وقت دل میں رکھے اور نیت کرے، اگر ان چاروں میں سے کسی ایک کا بھی وہیمان دل میں نہ رہا تو نماز نہیں ہوگی۔

مسئلہ: عبادت واجبہ میں نیت کا حکم فرض کی طرح ہے یعنی واجب کا متعین کرنا ضروری ہے جیسے فرض کا تعین کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: سنت مطلق نماز کی نیت سے اور نفل کی نیت سے صحیح ہو جاتی ہے خواہ سنت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ، اس میں دونوں برابر ہیں۔

مسئلہ: رمضان کے روزہ میں خواہ نیت نفل کی کی گئی ہو یا واجب کی یا مطلقاً نیت نہیں کی۔ ہر حال میں روزہ رمضان ہی کا ادا ہو گا یعنی ایک تو یہ کہ رمضان کا روزہ ہے اور نیت بھی رمضان ہی کے روزہ کی ہے اس میں تو ادا اے روزہ میں کوئی اشکال ہیں نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے کہ روزہ تو رمضان کے مہینہ میں رکھ رہا ہے لیکن نیت اس نے نفل روزہ کی کر لی یا کسی واجب جیسے نذر وغیرہ کی نیت کی، یا یہ کہ مطلقاً نیت ہی نہیں کی تو ایسی شکل میں بھی فقہاء لکھتے ہیں کہ روزہ رمضان ہی کا مانا جائے گا اور رمضان کا روزہ ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ: رمضان کے روزہ کی نیت بھی رات میں بھی کر سکتا ہے اور صبح بھی دوپہر تک یعنی نصف النہار سے پہلے پہلے نیت کی جاسکتی ہے۔ شرع میں دن کی ابتدا طلوع صبح صادق سے اور انتہاء غروب آفتاب پر ہوتی ہے لہذا نیت دن کے پہلے نصف حصہ میں کر سکتا ہے، اسی طرح نفل اور نذر معین کے روزے کی نیت بھی رات میں اور دن میں نصف النہار سے پہلے پہلے کی جاسکتی ہے۔ لیکن رمضان کے قضاء نذر مطلق اور کفایہ کے روزوں کی نیت صرف رات میں کرنی چاہئے ان روزوں کی نیت دن میں معتبر نہ ہوگی۔

نذر معین کی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی خاص دن کو روزے کے لیے متعین کرے یعنی یہ ارا رکھے کہ فلاں جمعہ کو یا فلاں پیر، اور فلاں تاریخ کو میں روزہ رکھوں گا گویا اس نے ایک دن تعین کر کے روزے کو اپنے اوپر لازم اور واجب کر لیا ہے تو یہ صورت نذر معین کہلاتی ہے۔

نذر مطلق کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص پر ایک یا کئی روزے واجب ہوں، یا یہ کہے کہ اگر میرا فلاں عزیز اچھا ہو گیا تو میں روزہ رکھوں گا تو اس شکل میں وہ جب چاہے روزہ رکھ سکتا ہے۔ چونکہ اس میں کسی دن کا تعین نہیں ہوتا لہذا اسے نذر مطلق کہتے ہیں۔

مسئلہ: زکوٰۃ کی نیت کی دو شکلیں ہیں ایک تو یہ کہ جب زکوٰۃ کی رقم دینے لگے تو اس وقت ادا لے زکوٰۃ کی نیت کرے دوسری شکل یہ ہے کہ اپنے مال میں سے زکوٰۃ کے لئے ایک حصہ الگ نکالتا ہے کہ اس میں سے زکوٰۃ دیتا رہوں گا تو اس صورت میں مال کو الگ نکالتے وقت ادا لے زکوٰۃ کی نیت کرنی چاہئے، زکوٰۃ کا مال دیتے وقت نیت ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ: کسی نے ایک مستحق کو زکوٰۃ کا مال دیا لیکن دیتے وقت اس نے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تھی تو اب بعد میں اگر وہ زکوٰۃ کی نیت کرتا ہے تو وہ نیت اسی وقت معتبر ہوگی جب کہ اس مستحق کے پاس وہ مال موجود ہو اور اس نے اسے صرف نہ کیا ہو لیکن اگر مستحق کے پاس صرف ہو گیا ہے اور اس کے پاس موجود نہیں ہے تو پھر بعد میں زکوٰۃ کی نیت معتبر نہ ہوگی اور زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

مسئلہ: صدقہ فطر باعتبار مصرف اور نیت کے زکوٰۃ ہی کی طرح ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ صدقہ ذمی یا کافر کو دیا جاسکتا ہے مگر زکوٰۃ ذمی کا فکرو دینا درست نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک عبادت کے درمیان دوسری عبادت کی نیت کرنا درست ہے مثلاً ایک شخص فرض یا نفل پڑھ رہا ہے اور نماز پڑھنے کے دوران اس نے روزہ کی نیت بھی کر لی تو یہ نیت معتبر ہوگی اور نماز فاسد نہیں ہوگی۔

مسئلہ: عبادت مثل نماز وغیرہ میں صرف شروع نہیں کرنی چاہیے اس کے ہر جز اور رکن کے لئے نیت ضروری نہیں۔ کیونکہ اس سے نماز میں خلل پڑ سکتا ہے۔

مسئلہ: ایک شخص نے فرض نماز شروع کی، درمیان میں اسے خیال ہوا کہ یہ نفل ہے اور پھر نیت کر کے نفل نماز پوری کی، تو اس صورت میں اس کی نماز فرض ادا ہوگی کیونکہ درمیان نماز میں شبہ کا واقع ہونا معتبر نہیں ہوتا ہے چنانچہ اس کے بارے میں کتاب اشباہ میں نہایہ سے ایسا ہی منقول ہے۔

مسئلہ: بعض عبادتیں ایسی ہیں کہ ان میں صرف دل سے نیت کرنا کافی نہیں ہوتا جب تک زبان سے بھی نہ کہے مثلاً نذر ہے کہ اگر ایک شخص نذر کی نماز پڑھتا ہے یا روزہ رکھتا ہے اور نیت صرف دل سے کرتا ہے تو اس طرح نذر ادا نہیں ہوتی جب کہ زبان سے نہ کہے کہ اتنی نمازیں نذر کی میرے ذمہ ہیں یا اتنے روزے نذر کے مجھے رکھنے ہیں یا اتنے نمازیوں کو کھانا کھانا ہے یا مثلاً اسی طرح وقف ہے کوئی شخص بھی اپنی کسی ملکیت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کرتا ہے تو اگر وہ صرف دل میں نیت کرے کہ میں نے فلاں چیز خدا کی راہ میں وقف کی تو یہ وقف معتبر نہ ہوگا جب تک کہ وہ زبان سے ادا نہ کرے کہ میں یہ چیز خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر رہا ہوں۔

عبادت کے علاوہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں دل سے نیت کرنے کا سرے سے اعتبار ہی نہیں ہوتا بلکہ ان میں زبان سے کہنا ہی ضروری اور کافی ہوتا ہے مثلاً طلاق اور عتاق۔ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے لیکن زبان سے نہیں کہتا صرف دل میں نیت کر لیتا ہے کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرتا ہے مگر زبان سے کچھ نہیں کہتا صرف دل میں عتاق کی نیت کرتا ہے تو اس طرح نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ عتاق جب تک زبان سے یہ نہ کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی یا میں نے تجھے آزاد کیا تو اس طرح یہاں صرف زبان سے کہنے کا اعتبار کیا جاوے گا اور محض زبان سے کہنا کافی ضروری ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کوئی چیز اپنے استعمال کے لئے خریدی مثلاً لونڈی اپنی خدمت کے لئے خریدی یا کپڑا اپنے پہننے کے واسطے خریدا یا اپنے پڑھنے کے لئے کتاب خریدی یا اسی طرح جانور خریدا اپنی سواری کے لئے تو ان چیزوں کو اپنے استعمال کے لئے خریدا ہے اور دل میں یہ بھی خیال ہے کہ اگر ان چیزوں کی قیمت زیادہ ملی اور نفع ہوا تو میں اس کو بیچ دوں گا تو ایسی صورت میں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

مسئلہ: ایک شخص کو رمضان کے چاند ہونے کی تحقیق نہیں ہو سکی، صبح ہونے پر اسے تردد ہوا کہ خبر نہیں آج رمضان کا دن ہے یا نہیں، اب وہ نیت کرتا ہے کہ اگر آج رمضان کا پہلا دن ہو تو میرا روزہ ہے اور اگر شعبان کا آخری دن ہو تو روزہ نہیں ہے تو روزہ کے لئے اس کی یہ نیت درست نہیں ہوگی ہاں اگر اسے روزہ کے وصف میں شک ہو یعنی وہ اس طرح نیت کرے کہ اگر آج شعبان کا دن ہے تو نفل کے روزہ کی نیت کرتا ہوں اور اگر رمضان کا دن ہے تو فرض روزہ کی نیت کرتا ہوں تو اس طرح کی نیت معتبر اور درست ہوگی، اگر وہ دن رمضان کا ہوا تو اس کا فرض روزہ ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ: کسی امر مباح کا وصف باعتبار نیت اور قصد کے مختلف ہوتا ہے اگر کسی مباح کو اطاعت کی نیت سے کیا جائے تو وہ مباح بھی اطاعت میں شامل ہے۔ مثلاً، کھانا، سونا، حلال مال کی کمائی، یا اپنی بیوی سے صحبت، اگر ان امور میں جو امر مباح ہیں ان کے کرنے کے وقت عبادت اور خدا تعالیٰ کی اطاعت و رضا کی نیت کر لی جائے تو یہی مباح چیزیں عبادت ہو جاتی ہیں اور ان پر ثواب ملتا ہے لیکن اگر امر مباح میں اطاعت و رضا کے الہی کی نیت نہیں کرتا تو پھر اس پر کوئی ثواب نہیں ملتا۔

مسئلہ: ایک شخص اپنی بیوی کو کنایہ کے الفاظ کے ذریعہ طلاق دیتا ہے تو اس میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا یعنی اگر اس کی نیت طلاق کی تھی تو طلاق پڑ جائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہیں تھی تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر بصراحت طلاق کے الفاظ ادا کر رہا ہے تو پھر اس میں

نیت کی ضرورت نہیں ہوگی اور طلاق بغیر نیت کے واقع ہو جائے گی۔

مسئلہ: حالت جنابت میں قرآن شریف کا قرات کے ارادہ کے بغیر صرف ذکر کی نیت سے پڑھنا درست ہے لیکن بارادہ قرات بغیر نیت ذکر پڑھنا درست نہیں ہے بلکہ یہ حرام ہے۔

مسئلہ: اگر تجارت کی نیت ایسے ماحول میں کی ہو جو زمین کی پیداوار ہے خواہ وہ زمین عشری ہو یا خراجی اور یا کرایہ کی ہو، یا عاریہ ہو تو ایسے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

مسئلہ: تجارت کی نیت اگر کوئی شخص ایسی جنس میں کرتا ہے جو اسے کسی ماحول کے عوض کے بغیر ملی ہو مثلاً کسی نے اسے بہہ کیا ہو یا صدقہ دیا ہو یا اسے خلع اور مہر کے ذریعے حاصل ہوا ہو یا ایسے ہی کسی وصیت کے سلسلہ میں اسے کچھ مال ملا ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اگرچہ اس پر ایک سال کیوں نہ گزر جائے مگر جب وہ مال فروخت ہوگا اور اس کے عوض میں جو چیز حاصل ہوگی، خواہ وہ بصورت نقد ہو یا بصورت جنس تو اس پر ایک سال گزر جانے کے بعد زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

مسئلہ: ایک شخص کی ملکیت میں کچھ ایسے جانور ہیں جو سال کے اکثر حصے جنگل میں چرتے ہیں، اگر ان جانوروں سے اس کا مقصد دودھ یا بچے حاصل کرنا ہے تو اس میں جانوروں کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر اس نے ان سے تجارت کی نیت کی ہو تو اس میں تجارت کی زکوٰۃ ہوگی۔ بشرطیکہ جب اس نے ان جانوروں کو خریدا تھا تو اس وقت بھی اس کی نیت تجارت ہی کی رہی ہو کیونکہ اگر ان جانوروں کے خریدنے کے وقت اس کی نیت سواری یا بار برداری کی رہی ہو تو پھر ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص خوشی سے زکوٰۃ نہیں دیتا ہے تو زکوٰۃ وصول کرنے والے کو جو امام وقت کی طرف سے مقرر ہے اس سے زبردستی زکوٰۃ حاصل کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اگر اس نے زبردستی زکوٰۃ وصول کر لی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ میں اختیار شرط ہے۔ ہاں اس شخص کو جو خود سے زکوٰۃ نہیں دیتا ہے زکوٰۃ وصول کرنے والا قید کر سکتا ہے تاکہ وہ زکوٰۃ دینے پر راضی ہو جائے اور زکوٰۃ خود بخود ادا کرے۔

بعض ایسی روایتیں بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حاکم زبردستی زکوٰۃ وصول کرے اور اس کو زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے لیکن ایسی روایتیں ضعیف ہیں۔ معتمد اور معتبر روایت یہی ہے کہ زبردستی زکوٰۃ وصول کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

مسئلہ: جمعہ کے خطبہ کے لئے نیت ضروری ہے۔ اگر ایک شخص خطبہ کے لئے منبر پر کھڑا ہو اور کھڑے ہونے کے بعد اسے چھینک آئی۔ اس نے الحمد للہ کہا، تو چونکہ یہ الحمد للہ اس نے چھینک کے لئے کہا ہے اور خطبہ کی نیت نہیں کی ہے۔ اس لئے اس کا خطبہ میں شمار نہیں ہوگا۔

اسی طرح عیدین کے خطبہ میں بھی نیت ضروری ہے۔ اگر عیدین میں منبر پر کھڑے ہو کر بغیر نیت کے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی تو خطبہ ادا نہیں ہوگا جب تک کہ خطبہ کی نیت نہ کرے۔

مسئلہ: ایک شخص انگور کے رس کی تجارت کرتا ہے جس سے شراب بنائی جاتی ہے۔ اگر اس کی نیت محض تجارت کی ہے اور اس کا مقصد اس تجارت سے یہ نہیں ہے کہ اس سے شراب بنائی جائے تو یہ تجارت صحیح ہوگی اور اگر اس کی تجارت ہی یہ ہے کہ اس سے شراب بنائی جائے تو یہ تجارت حرام ہوگی۔

اسی طرح اگر ایک شخص انگور کا درخت لگاتا ہے اور اس کی نیت یہ ہے کہ لوگ انگور کھائیں گے یا انگور کی تجارت کروں گا تو یہ صحیح ہے اور اگر وہ انگور کا درخت اس نیت سے لگاتا ہے کہ اس سے شراب بنائی جائے گی تو یہ حرام ہوگا۔

ایسے ہی انگور کا شیرہ سرکہ بنانے کی نیت سے نکالنے تو صحیح ہے اور اگر شراب بنانے کی غرض سے انگور کا شیرہ نکالا جائے گا تو یہ حرام ہوگا۔

ایک شخص کسی مسلمان سے کسی ناراضگی یا لڑائی کی بنا پر ملاقات نہ کرے تو یہ اس کے حق میں حرام ہے ہاں اگر اس کا ملاقات نہ کرنا اس بنا پر نہ ہو تو اگر بہت عرصہ تک بھی ملاقات نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک عورت اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسری میت کے موقع پر اگر تین دن سے زیادہ بناؤ سنگار اور زیب و زینت محض سوگ منانے یا ماتم داری کے لئے چھوڑتی ہے تو یہ حرام ہے۔ ہاں اگر یہ مقصد نہیں ہے بلکہ ایسے ہی اضطراب و زیب و زینت ترک کیے ہوئے سے تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: کسی میت کے موقع پر مباح چیزیں ترک کر دینا مثلاً اچار نہ ڈالنا، چرخہ نہ کاٹنا، وال نہ دھونی، چارپائی پر نہ سونا، سویاں نہ بنانی پکانی اور نہ بھونی یا اسی طرح چلم یا ششماہی تک شادی، نکاح، عقیقہ، ختنہ نہ کرنا یہ سب رسم محض ہیں جو حرام ہیں۔

البتہ ان کے ترک کرنے میں اگر یہ نیت نہیں ہے بلکہ کسی امر خارجی کی بنا پر یا لہجہ ان سے اجتناب کیا جائے تو حرج نہیں ہے لیکن شادی و نکاح میں کسی طرح بھی تاخیر مناسب نہیں کیونکہ یہ سنت ہے اور سنت جتنی جلدی ادا ہو اتنا ہی اچھا ہے اور باعث ثواب ہے۔

مسئلہ: نماز جنازہ کی نیت اس طرح ہوتی ہے ”میں نماز جنازہ پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ کے واسطے اور دعا اس میت کے واسطے۔“

مسئلہ: سجدہ تلاوت میں تعین کرنا کہ فلاں تلاوت کا سجدہ ہے ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ: مقتدی کی نماز امام کی اقتداء کی نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتی لیکن امامت بغیر نیت امامت کے صحیح ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ امام کی اقتداء کی نیت کرے اس کے بغیر اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی لیکن امام کے لئے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ مقتدی کی امامت کی نیت کرے۔ ہاں اگر امام کو معلوم ہے کہ پیچھے عورتیں بھی میری اقتداء میں نماز پڑھیں گی تو جب اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ عورتوں کی امامت کی نیت کرے۔ اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کی، تو عورتوں کی نماز نہیں ہوگی۔

بعض علماء نے جمعہ اور عیدین کی نماز کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا ہے یعنی اگر امام جمعہ و عیدین کی نماز میں عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے تو عورتوں کی اقتداء درست ہے اور ان کی نماز ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں کسی کی امامت نہیں کروں گا اس نے نماز شروع کی پیچھے سے ایک شخص آکر اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے لگا تو اس کی یہ اقتداء ٹھیک ہے اور نماز ہو جائے گی، اب رہا سوال قسم کا کہ وہ ٹوٹی یا نہیں؟ تو اس کی قسم قضاء تو لوٹ گئی لیکن دیانۃً نہیں ٹوٹی، یعنی قاضی اس کی قسم کے لوٹ جانے کا حکم لگا دے گا لیکن عند اللہ وہ گنہگار نہیں ہوگا اور اگر اس شخص نے نماز سے پہلے کسی کو اپنی قسم کا گواہ بنالیا تو پھر قضاء بھی نہیں ٹوٹے گی۔

اگر وہ قسم کھانے والا شخص جمعہ کی نماز میں لوگوں کا امام بنا تو نماز صحیح ہو جائے گی لیکن قضاء اس کی قسم لوٹ جائے گی اگر ایسے شخص نے جنازہ کی نماز کی امامت کی تو قسم بالکل نہیں ٹوٹے گی اسی طرح سجدہ تلاوت میں بھی نہیں ٹوٹے گی۔

ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کا امام نہیں بنوں گا، نماز میں دوسرے لوگوں کی امامت کی اور نیت یہی ہے کہ اس شخص کا امام نہیں ہوں بلکہ دوسرے لوگوں کا امام ہوں لیکن اس شخص نے اس کی لاعلمی میں آکر اس کے اقتداء کر لی تو اس امام کی قسم لوٹ جائے گی اگرچہ اس نے اقتداء اس کی لاعلمی ہی میں کی ہو۔

مسئلہ: جبہ کے لئے نیت شرط نہیں ہے اگر ایک شخص نے کسی کو کوئی چیز ازراہ مذاق بخش دی تو وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی اور بہرہ صحیح

ہوگا۔

کسی نے ایک لاعلم شخص کو بخشش کے الفاظ سکھلا دیے اس کو معلوم نہیں تھا کہ ان الفاظ سے بہہ ہو جاتا ہے پس اگر وہ شخص ان الفاظ کا تلفظ کرتا ہے تو اس طرح بہہ نہیں ہوگا لیکن یہ بہہ کا صحیح نہ ہونا اس لئے نہیں ہے کہ یہاں نیت نہیں پائی گئی بلکہ اس لئے کہ یہاں بہہ کی شرط مفقود ہے اور جب شرط نہیں پائی گئی تو بہہ بھی صحیح نہیں ہوگا اور بہہ کی شرط رضامندی اور خوشی ہے۔

اگر کوئی شخص کسی سے زبردستی کر رہا ہے کہ فلاں چیز مجھے دے دے اور زبردستی اس سے لے بھی لی تو یہ بہہ صحیح نہیں ہوگا بخلاف طلاق اور عتاق کے کہ حالت زبردستی میں بھی طلاق اور عتاق واقع ہو جاتے ہیں یعنی اگر کسی سے زبردستی طلاق لی جائے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

مسئلہ: نماز جنازہ میں اگر مقتدی ذکر کی نیت سے سورہ فاتحہ بارادہ قرأت پڑھتا ہے تو یہ حرام نہیں اگرچہ امام اعظمؒ کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنا حرام ہے لیکن چونکہ یہاں وہ سورہ فاتحہ بارادہ قرأت نہیں پڑھ رہا ہے بلکہ بہ نیت ذکر پڑھ رہا ہے اس لئے اس کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی پر یہ مسئلہ بھی مبنی ہے کہ اگر جنبی مرد یا عورت یا حیض و نفاس والی عورت قرآن کی آیت بارادہ ذکر اور دعا کے لئے پڑھے تو درست ہے اور اگر بارادہ قرأت قرآن کے پڑھے تو یہ درست نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک شخص کوئی چیز خریدنے کسی دکان پر آیا۔ دکاندار نے اپنا سامان مثلاً کپڑے کا تھان یا غلہ کی بوری وغیرہ اس کے سامنے کھولی اور گاہک کو رغبت دلانے کی خاطر اپنے سامان کو دیکھ دیکھ کر سبحان اللہ کہنے لگایا رو دسلام پڑھنے لگا تو یہ مکروہ ہے۔

مسئلہ: ایک شخص معمول کی خوراک سے بھی زیادہ کھانا کھاتا ہے اگر اس زیادتی کی وجہ محض خواہش نفسانی ہے تو یہ مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر اس سے اس کی نیت یہ ہے کہ کل روزہ رکھوں گایا اس کا مقصد یہ ہے کہ میرے ساتھ جو مہمان کھانا کھا رہا ہے وہ بھی میری طرح زیادہ کھائے اور بھوکا نہ رہے تو یہ مستحب ہے۔

مسئلہ: ایک مسلمان کو کسی کافر نے اپنی ڈھال بنا کر آگے کھڑ کر لیا، کوئی دوسرا مسلمان جو کافر کے مقابل ہے اور تیر چلاتا ہے تو اس سے اگر اس کا ارادہ مسلمان کا قتل ہے تو یہ حرام ہے اور اگر اس کا مقصد اس تیر کے چلانے سے کافر کو ہلاک کرنا ہے تو یہ حرام نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک شخص کو کوئی چیز راستہ میں پڑی ہوئی ملی اگر وہ شخص اس چیز کو اس نیت سے اٹھاتا ہے کہ اس کے مالک کو ڈھونڈ کر یہ چیز اس کے حوالہ کر دوں گا تو یہ جائز ہے اور اگر اس نیت سے اٹھاتا ہے کہ اس کے مالک کو نہیں دوں گا بلکہ اپنے پاس رکھوں گا تو یہ ناجائز ہے اور یہ شخص وہ چیز اٹھا کر غاصب اور گنہگار ہوگا۔

مسئلہ: اگر کتاب کو حفاظت کی نیت سے تکیہ بناتا ہے تو یہ مکروہ نہیں ہے اور اگر حفاظت کی نیت نہیں ہے تو یہ مکروہ ہے۔

مسئلہ: ایک شخص خرچی پڑ بیٹھ گیا جس میں قرآن شریف تھا اگر وہ قرآن شریف کی حفاظت کی غرض سے اس پر بیٹھا ہے تو مکروہ نہیں ہے اور اگر حفاظت کی نیت سے نہیں بیٹھا تو یہ مکروہ ہے۔

مسئلہ: ایک شخص کھانا چھوڑ دیتا ہے اس کا یہ کھانا چھوڑنا اگر پرہیز اور دوا کی وجہ سے ہے، یا یہ کہ اس کو خواہش اور بھوک نہیں اس لئے کھانا چھوڑے ہوئے ہے تو ان صورتوں میں مستحق ثواب نہیں ہوگا۔ ہاں اگر وہ بارادہ روزہ کھانا ترک کیے ہوئے ہے تو اس پر ثواب ملے گا۔

۱۔ خرچی اس تھیلے کو کہتے ہیں جس میں غلہ وغیرہ ڈال کر گھوڑے اور ٹٹو وغیرہ پر لاتے ہیں

مسئلہ: کوئی شخص مسجد میں محض آرام کرنے کے لئے بیٹھا ہے تو اس پر کوئی ثواب نہیں اور اگر نماز کے انتظار کی نیت یا اعتکاف کی نیت سے بیٹھا ہے تو اس پر ثواب کا مستحق ہوگا۔

مسئلہ: کسی جانور کو ایک تو محض کھانے کی نیت سے ذبح کیا جائے تو یہ مباح ہوگا لیکن اسی جانور کو ذبح کرنا عبادت کی غرض سے ہو مثلاً قربانی تو یہی ثواب کا باعث ہوگا۔ یا جانور ذبح کرے کسی مردہ یا زندہ شخص کی تعظیم اور چڑھاوے کی غرض سے تو یہ حرام بلکہ ایک قول کے مطابق کفر ہوگا۔

مسئلہ: نماز میں رکعت کی تعداد اور سجدوں کی تعداد کی نیت ضروری نہیں ہے اور نہ اس نیت کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً ایک شخص ظہر کی نماز پڑھتا ہے اور نیت کرتا ہے کہ ”میں نماز پڑھتا ہوں ظہر کی تین رکعت“ تو اس کی نماز ظہر کی صحیح ہو جائے گی اور تین رکعت کی نیت لغو ہو جائے گی۔ مسئلہ: ایک شخص نے کسی متعین امام کے اقتداء کی نیت کی لیکن بعد میں اسے معلوم ہوا کہ جس امام کی نیت کی تھی یہ وہ امام نہیں ہے بلکہ دوسرا امام ہے تو نماز صحیح ہو جائے گی اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے امام کو دیکھا اور اقتداء کی نیت کی کہ میں اس امام کے پیچھے کہ اس کا نام زید ہے نماز پڑھتا ہوں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ زید نہیں ہے تو جب بھی نماز درست ہو جائے گی۔ اسی طرح مقتدی امام سے بہت دور ہے کہ امام کو نہیں دیکھ سکتا اور نیت اسی طرح کی کہ امام کے پیچھے کہ اس کا نام زید ہے نماز پڑھتا ہوں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ زید نہیں ہے تو جب بھی نماز درست ہو جائے گی۔

کسی شخص نے نیت کی کہ میں نماز پڑھتا ہوں پیچھے اس شاب یعنی جوان کے لیکن اتفاق سے وہ شیخ یعنی بوڑھا نکلا تو نماز درست نہیں ہوگی۔ البتہ اگر اس کا شک ہو کہ نیت تو کرے شیخ یعنی بوڑھے کی اور ہو شاب یعنی جوان تو نماز درست ہو جائے گی کیونکہ شاب کو بھی باعتبار اس کے علم اور فضل اور بزرگی کے شیخ کہا جاتا ہے بخلاف شیخ کے کہ اس کے لئے شاب کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا۔

مسئلہ: ایک شخص نے خالصۃً للہ نماز شروع کی درمیان میں ریا کا خیال پیدا ہو گیا تو نماز اس کی پہلی نیت کی معتبر ہوگی۔ ریا یہ ہے کہ اگر تمہا ہو تو نماز پڑھے اور اگر لوگوں کے ساتھ ہو تو نماز پڑھے۔

یا اسی طرح اگر تمہا نماز پڑھتا ہے تو اچھی طرح نہیں پڑھتا اور اگر چند آدمیوں کے ساتھ پڑھتا ہے تو اچھی طرح پڑھتا ہے۔ بہر حال اس کو اصل نماز کا ثواب ملے گا ہاں حسن نماز کا ثواب نہ ملے گا۔

مسئلہ: اگر کسی کو نماز کے بارے میں شک ہو کہ نماز پڑھی ہے یا نہیں تو اس کو وقت کے اندر دوبارہ نماز پڑھنی چاہئے اور اگر شک واقع ہوا کہ رکوع یا سجدہ کیا یا نہیں؟ اور وہ حالت نماز ہی میں ہے تو اس کو چاہیے کہ رکوع یا سجدہ دوبارہ کر لے اور اگر یہ شک نماز کے بعد واقع ہوا تو دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

یا اسی طرح شک ہوا کہ خبر نہیں نکلیہ تحریمہ کہی یا نہیں یا وضو ہوا ہے یا نہیں یا شک ہوا کہ کپڑے پر نجاست لگی ہے یا نہیں یا ایسے ہی تردد ہوا کہ سر مسح کیا ہے یا نہیں؟ تو ان سب صورتوں میں یہ دیکھا جائے گا کہ یہ شک کا واقع ہونا پہلی مرتبہ ہے یا بار بار ایسا ہی شک واقع ہوتا رہتا ہے۔ اگر پہلی مرتبہ یہ شک واقع ہوا ہے تو نماز از سر نو پڑھے اور اگر اکثر ایسا ہی شک برابر ہوتا رہتا ہے تو دوبارہ از سر نو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ: کسی معصیت اور گناہ کا محض قلب میں خیال آنے کے پانچ درجے ہیں:

اول ہاجس۔ یعنی دل میں کسی گناہ کے خیال کا اضطراب آ جانا۔

دوم خاطر۔ یعنی دل میں کسی گناہ کا خیال (قصداً) لانا۔

سوم حدیث نفس۔ یعنی کسی گناہ کے بارے میں تردد ہونا کہ آیا یہ گناہ کیا جائے یا نہیں۔

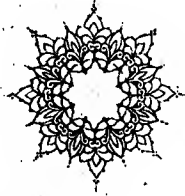
چہارم ”ہم“۔ یعنی اس تردد میں کسی ایک جانب کو ترجیح دینا۔

پنجم۔ عزم۔ یعنی قصد گناہ کو تقویت دینا۔

تو شریعت میں ہاجس، خاطر، حدیث نفس، ان تینوں پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور نہ ان پر کوئی عذاب ملے گا۔ ہاجس پر تو مواخذہ اس لئے نہیں ہوتا کہ دل میں خیال کا آنا یا قلب میں وسوسہ کا پیدا ہونا کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اس معاملہ میں انسان مجبور ہے لہذا اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

”خاطر اور حدیث نفس“ پر مواخذہ نہ ہونا اُمت محمدیہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے یعنی اس اُمت پر جہاں خدا تعالیٰ کے اور بہت سے فضل و کرم ہیں وہیں یہ بھی ایک بڑا فضل ہے کہ اس اُمت سے ان دونوں پر مواخذہ کو ختم کر دیا گیا ہے۔

”ہم“ میں فرق ہو گا یعنی اگر جانب خیر کو ترجیح دے رہا ہے تو اس پر ایک نیکی لکھی جائے گی۔ اگر برائی کو ترجیح دے رہا ہے تو اس پر مواخذہ نہیں ہو گا۔ یہ بھی اس اُمت پر خدا تعالیٰ کا احسان ہے البتہ عزم کے بارے میں محققین علماء کا قول ہے کہ اس پر مواخذہ ہوتا ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتاب الایمان

ایمان کے ابواب

ایمان کا مطلب: ”ایمان“ کے معنی ہیں، یقین کرنا، تصدیق کرنا، مان لینا۔ اصطلاح شریعت میں ”ایمان“ کا مطلب ہوتا ہے، اس حقیقت کو تسلیم کرنا اور ماننا کہ اللہ ایک ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود اور پروردگار نہیں، اس کے تمام ذاتی و صفاتی کمالات برحق ہیں۔ محمد (ﷺ) اللہ کے آخری رسول اور نبی ہیں، ان کی ذات صادق و مصدق ہے اور یہ کہ آپ ﷺ کتاب و سنت کی صورت میں اللہ کا جو آخری دین و شریعت لے کر اس دنیا میں آئے اس کی حقانیت و صداقت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

تکمیل ایمان: محدثین کے نزدیک ”ایمان“ کے تین اجزاء ہیں: ”تصدیق بالقلب“ یعنی اللہ کی وحدانیت، رسول ﷺ کی رسالت اور دین کی حقانیت میں دل سے یقین رکھنا اور اس یقین و اعتماد پر دل و دماغ کا مطمئن رہنا۔ ”اقرار باللسان“ یعنی اس دلی یقین و اعتقاد کا زبان سے اظہار، اعتراف اور اقرار کرنا۔ ”اعمال بالجوارح“ یعنی دین و شریعت کے احکام و ہدایات کی جسمانی بجا آوری کے ذریعہ اس دلی یقین و اعتقاد کا عملی مظاہرہ کرنا۔ ان تینوں اجزاء سے مل کر ”ایمان“ کی تکمیل ہوتی ہے اور جو شخص اس ایمان کا حامل ہوتا ہے اس کو ”مومن و مسلمان“ کہا جاتا ہے۔

ایمان اور اسلام: کیا ایمان اور اسلام میں کوئی فرق ہے یا یہ دونوں لفظ یکساں مفہوم کو ادا کرتے ہیں؟ اس سوال کا تفصیلی جواب تفصیلی بحث کا متقاضی ہے جس کا یہاں موقع نہیں ہے۔ خلاصہ کے طور پر اتنا بتا دینا کافی ہے کہ ظاہری مفہوم و مصداق کے اعتبار سے تو یہ دونوں لفظ تقریباً یکساں مفہوم کے لئے استعمال ہوتے ہیں لیکن اس اعتبار سے ان دونوں کے درمیان فرق ہے کہ ”ایمان“ سے عام طور پر تصدیق قلبی اور احوال باطنی مراد ہوتے ہیں جب کہ ”اسلام“ سے اکثر و بیشتر ظاہری اطاعت و فرمانبرداری مراد لی جاتی ہے اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ”وحدانیت، رسالت اور شریعت کو ماننے اور تسلیم کرنے“ کا جو باطنی تعلق دل و دماغ سے قائم ہوتا ہے اس کو ”ایمان“ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس باطنی تعلق کا جو اظہار عمل جوارح کے ذریعہ ظاہری احوال سے ہوتا ہے اس کو ”اسلام“ سے تعبیر کرتے ہیں، ایک محقق کا قول ہے تصدیق قلبی جب پھوٹ کر جوارح ”اعضاء“ پر نمودار ہو جائے تو اس کا نام ”اسلام“ ہے اور اسلام جب دل میں اتر جائے تو ”ایمان“ کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ حقیقت ایک ہے موطن کے اعتبار سے اس کو کبھی ”ایمان“ کہا جاتا ہے اور کبھی ”اسلام“ اسی لئے ایمان اور اسلام ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں، نہ تو ایمان کے بغیر اسلام معتبر ہوگا اور نہ اسلام کے بغیر ایمان کی تکمیل ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص پانچوں وقت کی نماز بھی پڑھے، ہر سال زکوٰۃ بھی ادا کرے، استطاعت ہو تو حج بھی کر ڈالے اور اسی طرح دوسرے نیک کام کر کے اپنی ظاہری زندگی کو ”اسلام“ کا مظہر بنائے ہوئے ہو مگر اس کا باطن ”قلبی تصدیق و انقیاد“ سے یکسر خالی ہو اور کفر و انکار سے بھرا ہوا ہو تو اس کے یہ سارے اعمال بیکار محض قرار پائیں گے اسی طرح اگر کوئی شخص ایمان یعنی قلبی تصدیق و انقیاد تو رکھتا ہے مگر عملی زندگی میں اسلام کا مظہر ہونے کے بجائے سرکشی و نافرمانی کا پیکر اور کافرانہ و مشرکانہ اعمال کا مجسمہ بنا ہوا ہے تو اس کا ایمان بار

اور نہیں ہوگا۔

بعض اہل نظر نے ”ایمان اور اسلام“ کی مثال ”شہادتین“ سے دی ہے یعنی جیسے کلمہ شہادت میں دیکھا جائے تو شہادت وحدانیت الگ ہے اور شہادت رسالت الگ ہے۔ لیکن ان دونوں کا ارتباط و اتحاد اس درجہ کا ہے کہ شہادت رسالت کے بغیر شہادت وحدانیت کارآمد نہیں، اور شہادت وحدانیت کے بغیر شہادت رسالت کا اعتبار نہیں۔ ٹھیک اسی طرح ”ایمان“ اور ”اسلام“ کے درمیان دیکھا جائے تو بعض اعتبار سے فرق محسوس ہوتا ہے لیکن ان دونوں کا ارتباط و اتحاد اس درجہ کا ہے کہ اعتقاد باطنی (یعنی ایمان) کے بغیر صرف اعمال ظاہرہ (اسلام) کھلا ہوا نفاق ہیں اور اعمال ظاہرہ کے بغیر اعتقاد باطن کفر کی ایک صورت ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں کے مجموعہ کا نام ”دین“ ہے۔

ایمان کا مدار ”جاننے“ پر نہیں ”ماننے“ پر ہے: ایمان کے بارے میں اس اہم حقیقت کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ تصدیق یعنی ماننے کا نام ایمان ہے نہ کہ محض علم یا معرفت یعنی جاننے کا۔ مطلب یہ کہ ایک شخص جانتا ہے کہ ”اللہ“ ہے اور یکتا ہے وہی پروردگار اور معبود ہے، محمد (ﷺ) اللہ کے سچے بندے اور اس کے رسول ہیں، آپ (ﷺ) نے جس دین و شریعت اور تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، وہ مبنی بر حقیقت و صداقت ہے۔ مگر وہ شخص دل سے ان باتوں کو نہیں مانتا، ان پر اعتقاد نہیں رکھتا، اس کا قلب ان باتوں کے اذعان و قبول سے خالی ہے تو اس شخص میں ”ایمان“ کا وجود نہیں مانا جائے گا اس کو مؤمن نہیں کہا جائے گا۔ مؤمن تو وہی شخص ہو سکتا ہے جو ان باتوں کو سچ اور حق بھی جانے اور دل سے ماننے اور تسلیم بھی کرے۔ جب داعی حق (ﷺ) نے اسلام کی دعوت پیش کی تو تمام اہل عرب بالخصوص اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) الوہیت کے بھی قائل تھے اور یہ بات بھی خوب جانتے تھے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے سچے اور آخری رسول ہیں اور جو دین و شریعت پیش کر رہے ہیں وہ حق اور سچ ہے۔ مگر ان میں سے جو لوگ حسد و عناد رکھنے کے سبب ان حقائق کو مانتے اور تسلیم نہیں کرتے تھے ان کے دل و دماغ میں ایمان کا نور داخل نہیں ہو سکا اور وہ کافر کے کافر ہی رہے، ان حقائق کا ”جاننا“ ان کے کوئی کام نہ آیا۔

بعض صورتوں میں ”اقرار باللسان“ کی قید ضروری ہے: جن حقائق کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کا زبان سے اقرار کرنا وجود ایمان کے لئے ضروری ہے لیکن بعض حالتوں میں یہ زبانی اقرار (اقرار باللسان) ضروری نہیں رہتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص گونگا ہے اور اس کے قلب میں تصدیق تو موجود ہے لیکن زبان سے کوئی لفظ ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو ایسے شخص کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کا ایمان زبانی اقرار کے بغیر بھی معتبر مانا جائے گا، اسی طرح کوئی شخص جانی خوف یا کسی واقعی مجبوری کی بنا پر زبان سے اپنے ایمان کا اقرار نہیں کر سکتا تو اس کا ایمان بھی زبانی اقرار کے بغیر معتبر ہوگا۔

”اعمال“ کی حیثیت: وجود ایمان کی تکمیل کے لئے ”اعمال“ بھی لازمی شرط ہیں کیونکہ تصدیق قلب اور زبانی اقرار کی واقعیت و صداقت کا ثبوت ”اعمال“ ہی ہیں۔ یہی عملی ثبوت ظاہری زندگی میں اس فیصلہ کی بنیاد بنتا ہے کہ اس کو مؤمن و مسلمان کہا جائے اسی بنا پر یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص دعوائے ایمان و اسلام کے باوجود ایسے اعمال کرتا ہے جو خالصہ کفر کی علامت اور ایمان و اسلام کے منافی ہیں، یا جن کو اختیار کرنے والے پر کافر ہونے کا یقین ہوتا ہے تو وہ شخص کافر ہی شمار ہوگا اور ایمان و اسلام کا دعویٰ غیر معتبر مانا جائے گا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

حدیث جبریل

① عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ يَنْتَمَانَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ

جانتے ہو سوالات کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی بہتر جانتے ہیں، آپ (ﷺ) نے فرمایا یہ جبرئیل (ﷺ) تھے جو (اس طریقہ سے) تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ (مسلم) اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ نے چند الفاظ کے اختلاف و فرق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی روایت کے آخری الفاظ یوں ہیں۔ (آنحضرت ﷺ) نے قیامت کی نشانیوں کے بارے میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جب تم برہنہ پا رہنہ جسم اور بہرے گئے لوگوں کو زمین پر عکرائی کرتے دیکھو (تو سمجھ لینا کی قیامت قریب ہے) اور قیامت تو ان پانچ چیزوں میں سے ایک ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں رکھتا۔ اور پھر آپ (ﷺ) نے یہ آیت اِنَّ اللہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ اٰخِرَ تَمَکِ پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے: اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور بارش کا لگبہ برسائے گا اور وہی حاملہ) کے پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے (کہ لڑکا ہے یا لڑکی) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کسی شخص کو نہیں معلوم کہ کس زمین میں اسے موت آئے گی۔ بیشک اللہ ہی جاننے والا اور خبردار ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث حدیث جبرئیل کہلاتی ہے کیونکہ یہ حدیث اس سوال و جواب (انٹرویو) پر مشتمل ہے جس کے ذریعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بڑی خوبی کے ساتھ اسلام و ایمان کی حقیقت اور دین کی اسی باتوں کا تعارف کیا کہ پیغمبر اسلام (ﷺ) کی زبان مبارک سے دنیا والوں کے سامنے پیش کرایا ہے۔

حدیث میں سب سے پہلے ایمان اور اسلام کی حقیقت بیان ہوئی ہے جس سے ایمان اور اسلام کے درمیان یہ فرق بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ ایمان کا تعلق تو باطن یعنی قلبی تصدیق و اعتقاد سے ہے اور اسلام کا تعلق ظاہر یعنی اعمال اور جسمانی اطاعت و فرمانبرداری سے ہے۔ ”اللہ کو ماننے“ کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اس کی ذات اور اس کی صفات برحق ہیں، عبادت و پرستش کی سزاوار صرف اسی کی ذات ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی اس کا ہمسر و شریک نہیں۔

”فرشتوں کو ماننے“ کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ”فرشتوں“ کے نام سے موجود ہے یہ فرشتے لطیف اور نورانی اجسام ہیں، ان کا کام ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی تعمیل کرنا ہے۔

”کتابوں کو ماننے“ کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں اور وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبروں پر جو کتابیں نازل فرمائی ہیں اور جن کی تعداد ایک سو چار ہے۔ وہ سب کلام خداوندی اور احکام و فرامین الہی کا مجموعہ ہیں اور ان میں چار کتابیں تورات، انجیل، زبور، اور قرآن مجید سب سے اعلیٰ و افضل ہیں اور پھر ان چاروں میں سب سے اعلیٰ و افضل ”قرآن مجید“ ہے۔

”رسولوں کو ماننے“ کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اول الانبیاء حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) تک تمام نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کے سب سے سچے، سب سے پیارے اور سب سے افضل بندے ہیں جن کو اس نے اپنے احکام و ہدایات دے کر مختلف زمانوں، مختلف علاقوں اور مختلف قوموں میں مبعوث کیا اور انہوں نے ان خدائی احکام و ہدایات کے تحت دنیا والوں کو ابدی صداقت و نجات کا راستہ دکھانے اور نیکی و بھلائی پھیلانے کا اپنا فریضہ پورے طور پر ادا کیا اور یہ کہ ان تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) ہیں جو کسی خاص زمانہ، کسی خاص علاقہ اور کسی خاص قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے، بلکہ اللہ کا ابدی دین ”اسلام“ لے کر تمام دنیا اور پوری کائنات کی طرف مبعوث ہوئے اور تاقیامت ان ہی کی نبوت اور انہی کی شریعت جاری و نافذ رہے گی۔

”یوم آخرت یعنی قیامت کے دن“ سے مراد وہ عرصہ ہے جو مرنے کے بعد سے قیامت قائم ہونے اور پھر جنت میں داخل ہونے تک پر مشتمل ہے۔ ”قیامت کے دن کو ماننے“ کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ شریعت اور شارع نے مابعد الموت اور آخرت کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے یعنی موت کے بعد پیش آنے والے احوال مثلاً قبر اور برزخ کے احوال، نفخ صور، قیامت، حشر و نشر، حساب و کتاب اور پھر جزاء و سزا کا فیصلہ اور جنت و دوزخ یہ سب اہل حقائق ہیں اور جن کا واقعہ زیر ہونا اور پیش آنالازمی امر ہے۔ اس میں شک

اور شبہ نہیں۔

”تقدیر میں یقین رکھنے“ کا مطلب اس حقیقت کو دل سے تسلیم کرنا ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب نوشہہ تقدیر کے مطابق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوتا ہے، آج جو بھی علم سرزد ہوتا ہے خواہ وہ نیکی کا ہو یا بدی کا، خالق کائنات کے علم اور تقدیر میں وہ ازل سے موجود ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ مجبور و مضطر ہے۔ کاتب تقدیر نے انسان کو ”مختار“ بنایا ہے۔ یعنی اس کے سامنے نیکی و بدی کے دونوں راستے کھول کر اس کو اختیار دے دیا ہے کہ چاہے وہ نیکی کے راستہ پر چلے، چاہے بدی کے راستہ پر، اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ نیکی کے راستہ پر چلو گے تو جزاء و انعام سے نوازے جاؤ گے جو اللہ کا فضل و کرم ہو گا اور اگر بدی کے راستہ پر چلو گے تو سزا اور عذاب کے مستوجب بنو گے اور دوزخ میں ڈالے جاؤ گے جو عدل خداوندی کے عین مطابق ہو گا۔

”احسان“ سے مراد وہ جوہر (اخلاص) ہے جس سے ایمان و اسلام کی ظاہری صورت یعنی عبادات الہی کا صحیح معیار اور حسن قائم ہوتا ہے اور عبادات کا یہی صحیح معیار اور حسن درحقیقت بندہ کو معبود کا کامل تقرب اور عبدیت کا حقیقی مقام عطا کرتا ہے۔ بندہ اپنی عبادتوں کو اس جوہر سے کس طرح آراستہ و مزین کر سکتا ہے؟ اس کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو تو اس طرح کرو جس طرح کوئی نوکر یا غلام اپنے آقا اور مالک کی خدمت اس کو اپنے سامنے دیکھ کر کرتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہ اگر شفیق آقا نظر کے سامنے ہو اور غلام اس کو دیکھ رہا ہے تو اس کے فرض کی انجام دہی کی کیفیت ہی دوسری ہوتی ہے اس وقت غلام نہ صرف یہ کہ پوری طرح چاق و چوبند مؤدب اور پابند ہوتا ہے بلکہ کام کرنے کا اس کا انداز بھی پوری طرح والہانہ اور مخلصانہ ہوتا ہے اس کے برخلاف اگر آقا نظر کے سامنے نہ ہو تو غلام اگرچہ موفوفہ خدمت انجام ضرور دیتا ہے مگر اس صورت میں نہ تو وہ اتنا چاق و چوبند، مؤدب اور پابند ہوتا ہے اور نہ اس کے کام کرنے کے انداز میں اس قدر والہانہ اور مخلصانہ کیفیت ہوتی ہے۔ پس اسی نکتہ کے پیش نظر اگر بندہ عبادت کے وقت ایسی کیفیت و حالات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ تو خشوع و خضوع اور تضرع کی تمام تر کیفیات خود بخود اس کی عبادت میں پیدا ہو جائیں گی اور اس طرح اس کی عبادت حقیقی عبادت کا درجہ پائے گی اور اس عبادت کا بنیادی مقصد بھی حاصل ہو گا۔ عبادت کے اس مرتبہ کو ”حقیقی احسان“ کہا گیا ہے جس کو ارباب تصوف ”مشاہدہ و استغراق“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عبادت کا یہ سب سے اونچا مرتبہ و مقام ہے جہاں تک رسائی اتنی آسان نہیں ہے اس لئے نسبتاً آسان طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم عبادت کرو تو یہ دھیان میں رکھو کہ جس ذات کی عبادت تم کر رہے ہو اس کے سامنے خم کھڑے ہو اور اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے تمہاری ایک ایک بات پر اس کی نظر ہے اور تمہاری تمام حرکات و سکنات میں سے کچھ بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے، اس یقین و اعتقاد سے بھی تمہاری عبادت میں خشوع و خضوع اور تضرع بڑی حد تک پیدا ہو جائے گا اور عبادت کا حق ادا ہو گا۔ حدیث میں عبادت کی اسی کیفیت کو ”احسان“ سے تعبیر کیا گیا ہے جو حقیقی احسان یعنی مشاہدہ و استغراق کا ثانوی درجہ ہے۔

حدیث میں ان چاروں فرائض کا بھی ذکر ہے جو ہر مسلمان و مؤمن پر اس تفصیل کے ساتھ عائد ہوتا ہے کہ نماز اور روزہ تو وہ دو بدنی فرض عبادتیں ہیں جن کا تعلق ہر عاقل و بالغ مسلمان سے ہے جو بھی شخص ایمان اور اسلام سے متصف ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اس پر فرض ہے کہ وہ پانچوں وقت کی نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کرے اور جب رمضان آئے تو اس مہینے کے پورے روزے رکھے۔ باقی دو فرض عبادتیں یعنی زکوٰۃ اور حج وہ مالی عبادتیں ہیں جن کا تعلق صرف اس مؤمن و مسلمان سے ہے جو ان کے بقدر مالی استطاعت و حیثیت رکھتا ہو۔ مثلاً زکوٰۃ اس مسلمان پر فرض ہوگی جو صاحب نصاب ہو۔ اور حج اس مسلمان پر فرض ہوگا جو صاحب نصاب ہی نہیں بلکہ اپنی تمام ضروریات زندگی سے فراغت کے بعد اتنا سرمایہ رکھتا ہو کہ بغیر کسی تنگی و پریشانی کے آمد و رفت اور سفر کے دوسرے تمام اخراجات برداشت کر سکتا ہو۔ علاوہ ازیں سفر حج کی پوری مدت کے لئے اپنے اہل و عیال اور لواحقین کے تمام ضروری اخراجات کے بقدر رقم یا سامان و اسباب ان کو دے کر جاسکتا ہو۔ زاد راہ اور فرضیت حج کی اس طرح کی دوسری شرائط پوری ہو جائیں تو باقی دشواریاں جیسے سفر کا طویل اور پر

صعوبت ہونا، درمیان میں سمندر یا دریا کا حائل ہونا وغیرہ، حج کی فریضت کو ساقط نہیں کر سکتیں۔

قیامت کی کچھ اہم نشانیاں بتائی گئی ہیں کہ جب یہ آثار ظاہر ہونے لگیں اور یہ علامتیں دیکھی جائیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس عالم کے خاتمہ کا وقت قریب آگیا ہے اور یہ دنیا اپنے وجود کے آخری دور سے گزر رہی ہے۔ پہلی علامت یا نشانی تو یہ بتائی گئی ہے کہ ”لوہی اپنے آقا یا مالک کو جنے گی“ اس کا ایک مطلب تو غلامی کے زمانہ اور رواج کے سیاق میں لیا جاسکتا ہے کہ لوگ کثرت سے باندیاں رکھیں گے اور ان باندیوں سے اولاد بھی بہت جنمائیں گے، پھر انہی اولاد میں سے جو لوگ بڑے ہو کر مال و جائیداد اور حکومت و طاقت کے مالک بنیں گے وہ لاعلمی میں اپنی انہی ماؤں کو جنہوں نے ان کو جنم دیا ہوگا، باندیوں کے طور پر خریدیں گے۔ اور اپنی خدمت میں رکھیں گے۔ اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب معاشرہ میں جنسی بے راہ روی عام ہو جائے، مرد و زن تمام اخلاقی اور انسانی پابندیوں کو توڑ کر بے محابہ ناجائز تعلقات پیدا کریں اور اس کے نتیجہ میں ایسے ناجائز بچے کثرت سے پیدا ہونے لگیں جن کو نہ اپنے باپ کی خبر ہو اور نہ اپنی ماں کو جانتے ہوں اور پھر وہی بچے بڑے ہو کر لاعلمی میں اپنی انہی ماؤں کو ملازمہ اور نوکرانی بنائیں جن کو انہوں نے جنتا تھا تو سمجھو کہ قیامت قریب آگئی ہے۔ دوسری علامت ”برہنہ پا، برہنہ جسم، مفلس و فقیر اور بکریاں چرانے والوں کا ایوان حکومت اور عالیشان مکانات و محلات کا مالک ہونا“ بتایا گیا ہے۔ اس کے مطلب یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ شریف النسل، عالی خاندان اور مہذب و معزز لوگ انقلاب عالم کا شکار ہو کر غربت و افلاس اور بے روزگاری و پریشانی حالی کے بھور میں پھنسے ہوئے ہیں، اپنی حیثیت و وقعت کھو چکے ہیں اور معاشرتی و سماجی سطح پر کسی اثر و رسوخ کے حامل نہیں رہ گئے ہیں اور ان کے مقابلہ پر وہ لوگ کہ جو کل تک حسب و نسب، شرافت و نجابت، نسل و خاندان اور تہذیب و شائستگی کے اعتبار سے نہایت بے حیثیت و بے وقعت تھے، تعلیمی و اخلاقی طور پر کم تر و پسماندہ سمجھے جاتے تھے۔ غیر منصفانہ سیاست و انقلاب کی بدولت حکومت و اقتدار کے مالک بن بیٹھیں۔ دغا و فریب کے ذریعہ مال و دولت اور بڑی بڑی جائیدادوں پر قابض اور عالی شان مکانات و محلات کے مکین ہو گئے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ طاقت و حکومت، مال و دولت اور پر عیش زندگی نے ان کو گھمنڈی شنی خوار بنا دیا ہے، حقیقی شرافت و نجابت رکھنے والے غریب و مفلس لوگوں کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کو ذلیل کرتے ہیں اور ان کی تباہی و رسوائی کے بد سے بدتر حالات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو سمجھنا کہ اب اس دنیا کے خاتمہ کا وقت قریب آگیا ہے۔ اسی تفصیل کو علامہ ”طیبی“ نے چند جملوں میں اس طرح بیان کیا ہے کہ قیامت کی علامتیں بتانے والے حدیث کے یہ دونوں جملے دراصل انقلاب حالات سے کنایہ ہیں یعنی جب اتنا انقلاب رونما ہو جائے کہ اپنی اولاد اپنا آقا اور حاکم بن جائے۔ اور شرفاء کی جگہ کمتر و ذلیل لے لیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب تمام عالم پر ایک عظیم انقلاب کا وقت قریب آگیا ہے جسے قیامت کہا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ: اس حدیث میں شریعت محمدی ﷺ کی اساس اور دین کی بنیادی باتوں کو بتایا گیا ہے یعنی ”ایمان“ کی تعریف بیان کی گئی کہ یہ ان عقائد و نظریات سے تعبیر ہے جن کو جاننے اور ماننے کے بعد کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور مؤمن بنتا ہے ”اسلام“ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس سے وہ عملی ذمہ داریاں (فرائض) مراد ہیں جو مؤمن پر عائد ہوتے ہیں اور ان عملی ذمہ داریوں یعنی فرائض کی انجام دہی ہی پیرو اسلام یعنی مسلمان بنائی ہے۔ اس کے بعد ”احسان“ کی وضاحت کی گئی جس کو ”اخلاص“ سے (یا تصوف سے بھی) تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس کیفیت کا نام ہے جو صحیح عقائد و نظریات سے وابستگی اور شریعت کی اتباع و فرمانبرداری کے بعد توجہ الی اللہ کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے۔ اور بندہ کو اپنے معبود کا تقرب عطا کرتی ہے۔ درحقیقت یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں، اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی خوشنودی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اللہ اور اللہ کے رسول کے جاری و نافذ کئے ہوئے احکام و ہدایات پر پوری طرح عمل نہ کیا جائے اور ”عمل“ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اس وقت تک ”حسن قبول“ کا درجہ نہیں پا سکتے جب تک اللہ کی طرف کامل توجہ نہ ہو اور پورے داخلی و خارجی وجود پر خوف و خشیت الہی اور حضور قلب کی کیفیت طاری نہ ہو اور ان دونوں کا اس وقت تک کوئی اعتبار نہیں ہوگا جب تک فکر و عقیدہ صحیح نہ ہو۔ اور دل و دماغ ایمان و یقین سے روشن نہ ہوں۔ پس

کامل مؤمن یا کامل مسلمان وہی شخص مانا جائے گا جس کے دل و دماغ میں ایمان یعنی صحیح اسلامی عقائد و نظریات کا نور موجود ہو، پھر وہ ان فرائض کو پوری طرح ادا کرے اور ان احکام و ہدایات کی کامل اطاعت کرے جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ جاری و نافذ کئے ہیں اور پھر ریاضت و مجاہدہ یعنی ذکر و شغل اور اوراد و وظائف کے ذریعہ اخلاص، توجہ الی اللہ اور رضاء مولیٰ کے حصول کی جدوجہد کرے جس سے ایمان و اسلام میں حسن و کمال اور بلند قدری ملتی ہے۔

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے

② وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنِي الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةٌ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْحَجَّ وَصَوْمَ رَمَضَانَ - (تفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اول اس بات کا دل سے اقرار کرنا اور گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، دوم پابندی کے ساتھ نماز پڑھنا، سوم زکوٰۃ دینا، چارم حج کرنا، پنجم رمضان کے روزے رکھنا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”اسلام“ کی تشبیہ ”عمارت“ سے دی جاسکتی ہے کہ جس طرح کوئی بلند و بالا اور خوشنما عمارت اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتی جب تک کہ اس کے نیچے بنیادی ستون نہ ہوں، اسی طرح اسلام کے بھی پانچ بنیادی ستون ہیں جن کے بغیر کوئی شخص اپنے اسلام کو وجود و بقا نہیں دے سکتا، ان ہی پانچ ستونوں کو اس حدیث میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور وہ ہیں: عقیدہ توحید و رسالت، نماز، زکوٰۃ، حج اور روزہ۔ جو شخص خود کو مؤمن و مسلمان بنانا اور قائم رکھنا چاہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی اعتقادی و فکری اور عملی و اخلاقی زندگی کی اساس ان پانچ ستونوں کو قرار دے۔ پھر جس طرح کسی عمارت کی شان و شوکت اور دیدہ زیبی و خوشنمائی درود یوار کے نقش و نگار اور طاق و محراب کی آرائش و زیبائش پر منحصر ہوتی ہے اسی طرح اسلام کے حسن و کمال کا انحصار بھی ان اعمال پر ہے جن کو واجبات و مستحبات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں حدیث میں چونکہ اسلام کی بنیادی چیزوں کا ذکر مقصود تھا اس لئے اس موقع پر ان واجبات و مستحبات کا ذکر نہیں کیا گیا۔

ایمان کی شاخیں

③ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا إِيمَانَ بَضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ - (تفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ایمان کی شاخیں ستر سے کچھ اوپر ہیں ان میں سب سے اعلیٰ درجہ کی شاخ زبان و دل سے اس بات کا اقرار و اعتراف ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے کم درجہ کی شاخ کسی تکلیف دینے والی چیز کا راستہ سے ہٹا دینا ہے نیز شرم و حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ایمان کے شعبوں اور شاخوں کی تعداد بتائی گئی ہے یعنی وہ چیزیں مل کر کسی کو ایمان و اسلام کا مکمل پیکر اور خوشنما مظہر بناتی ہیں۔ یہاں تو صرف ان شعبوں اور شاخوں کی تعداد بتلائی گئی ہے لیکن بعض احادیث میں ان کی تفصیل بھی منقول ہے اور وہ اس

لے آپ اسلام کے دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں آپ کی پیدائش سال نبوت سے ایک سال پہلے مکہ معظمہ میں ہوئی تھی ۳۷ یا ۳۸ء میں وصال فرمایا۔ آپ کا اصل نام عبد الرحمن بن صخر ہے کنیت ابو ہریرہؓ ہے۔ ۵۷ یا ۵۸ھ میں آپ نے مدینہ میں وصال فرمایا۔

طرح ہے:

پہلی چیز تو بنیادی ہے یعنی اس حقیقت کا دل و دماغ میں اعتقاد و یقین اور زبان سے اقرار و اظہار کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کی ذات و صفات برحق ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، بقاء اور دوام صرف اسی کی ذات کے لئے ہے جب کہ کائنات کی تمام چیزیں فنا ہو جانے والی ہیں، ایسے ہی اللہ کے رسولوں، اس کی کتابوں اور فرشتوں کے بارے میں اچھا اعتقاد اور حسن یقین رکھنا اور ان کو برحق جاننا، آخرت کا عقیدہ رکھنا کہ مرنے کے بعد قبر میں برے اور گنہگار لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اور اچھے اور نیک بندوں پر اس کا انعام و اکرام ہوتا ہے۔ قیامت آنے لگی اور اس کے بعد حساب و کتاب کا مرحلہ ضرور آئے گا، اس وقت ہر ایک کے اعمال ترازو میں تولے جائیں گے جن کے زیادہ اعمال اچھے اور نیک ہوں گے ان کو پروانہ جنت دیا جائے گا، جن کے زیادہ اعمال برے ہوں گے، ان کی فرد جرم ان کے بائیں ہاتھ میں تھادی جائے گی۔ تمام لوگ پل صراط پر سے گزریں گے۔ مؤمنین صالحین ذات باری تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ نیک اور اچھے لوگ بہشت میں پہنچائے جائیں گے اور گنہگاروں کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔ جس طرح جنتی (مؤمن) بندے جنت میں ہمیشہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام اور اس کی خوشنودی سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اسی طرح دوزخی لوگ (کفار) ہمیشہ ہمیشہ اللہ کے مسلط کئے ہوئے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

ایمان کے شعبوں اور شاخوں میں سے یہ ہے کہ اللہ سے ہر وقت لولگائے رہے اور اس سے محبت رکھے اگر کسی غیر اللہ سے محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے یا کسی سے دشمنی رکھے تو اللہ کے لئے رکھے۔ نبی کریم ﷺ سے کامل محبت اور آپ ﷺ کی عظمت و برتری، اور افضلیت میں پورا یقین رکھے۔ آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرنا، آپ کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنا اور آپ ﷺ کے ارشادات، آپ ﷺ کی تعلیمات کو روان دینا اور پھیلانا بھی آپ ﷺ سے محبت رکھنے کی دلیل ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی علامت اس طرح رچ بس جائے کہ اس محبت کے مقابلہ میں دنیا کی کسی بھی چیز اور کسی بھی رشتہ کی محبت کوئی اہمیت نہ رکھے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی علامت اتباع شریعت ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کی تعمیل کرتا ہے اور شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ اپنے اللہ، اور رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے لیکن جو شخص اللہ اور رسول کے احکام و فرمان کی تابعداری نہ کرتا ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہو گا کہ نعوذ باللہ اس کا دل اللہ و رسول کی پاک محبت سے بالکل خالی ہے۔

یہ بھی ایمان کی ایک شاخ ہے کہ جو بھی عمل کیا جائے خواہ وہ بدنی ہو یا مالی، قولی ہو یا فعلی اور یا اخلاقی وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے ہو، نام و نمود یا کسی دنیاوی غرض سے نہ ہو پس جہاں تک ہو سکے اعمال میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ نفاق اور ریا کا اثر عمل کے حسن و کمال اور تاثیر کو ختم کر دے گا۔

مؤمن کا دل ہمہ وقت خوف خدا اور خشیت الہی سے بھرا ہوا ہو اور اس کے فضل و کرم اور رحمت کی امیدوں سے معمور رہنا چاہیے، اگر تقاضائے بشریت کوئی بری بات یا گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر فوراً خلوص دل سے توبہ کے بعد آئندہ کے لئے گناہوں سے اجتناب کا عہد کرے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتا رہے اور اپنے اچھے عمل اور نیک کام میں اللہ کی رحمت اور اس کے انعام و اکرام سے اس لگائے رہے۔ درحقیقت یہ ایمان کا ایک بڑا تقاضہ ہے کہ جب بھی کوئی گناہ دانستہ یا نادانستہ سرزد ہو جائے تو فوراً احساس ندامت و شرمندگی کے ساتھ خدا کے حضور اپنے گناہ سے توبہ کرے اور معافی و بخشش کا طلبگار ہو، اس لئے کہ اگر تکاب گناہ کے بعد توبہ کرنا شرعاً ضروری اور لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے اگر اللہ نے اولاد عنایت فرمائی تو فوراً عقیدہ کرے، اگر نکاح کیا تو ولیہ کرے، اگر قرآن مجید حفظ یا ناظرہ ختم کیا تو خوشی و مسرت کا اظہار کرے، اللہ نے اگر مال دیا ہے تو زکوٰۃ ادا کرے۔ عید کی تقریب میں صدقۃ الفطر

دے اور بقر عید میں قربانی کرے۔

یہ بھی ایمان کا تقاضہ ہے کہ وعدہ کرے تو اسے پورا کرے، مصیبت پر صبر کرے، اطاعت و فرمانبرداری کے لئے ہر مشقت برداشت کرے، گناہوں سے بچتا رہے۔ تقدیر اور اللہ کی مرضی پر راضی رہے، اللہ پر توکل کرے، بڑوں اور بزرگوں کی تعظیم و احترام، چھوٹوں اور بچوں سے شفقت و محبت کا معاملہ کرے اور کبر و غرور، نخوت و تکبر کو چھوڑ کر کسر نفسی و تواضع اور حلم و بردباری اختیار کرے۔ ”حسن اسلام“ اور ”تکمیل ایمان“ کے مدارج میں سے یہ بھی ہے کہ برابر کلمہ توحید و شہادت کا ورد رکھے۔ قرآن شریف پڑھے اگر جاہل ہو تو عالم سے علم کی دولت حاصل کرے اگر عالم ہو تو جاہلوں کو تعلیم دے، اپنے مقاصد میں کامیابی کے لئے خدا سے مدد کا طلب گار ہو اور دعا مانگے اور اس کا ذکر کرتا رہے، اپنے گناہوں سے استغفار اور بخشش باتوں سے بچتا رہے، ہر وقت ظاہری و باطنی گندگیوں سے پاک رہے۔

نمازوں کا پڑھنا خواہ فرض ہوں یا نفل، اور وقت پر ادا کرنا روزہ رکھنا، چاہے نفل ہو یا فرض، ستر کا چھپانا، صدقہ دینا خواہ نفل ہو یا لازمی، غلاموں کو آزاد کرنا، سخاوت و ضیافت کرنا، اعتکاف میں بیٹھنا، شب قدر اور شب برات میں عبادت کرنا، حج و عمرہ کرنا، طواف کرنا۔ دار الحرب یا ایسے ملک سے جہاں فسق و فجور، فحش و بے حیائی اور منکرات و بدعات کا زور ہو، دار الاسلام کی طرف ہجرت کر جانا، بدعتوں سے بچنا اپنے دین کو بری باتوں سے محفوظ رکھنا، نذروں کا پورا کرنا، کفاروں کا ادا کرنا، حرام کاری سے بچنے کے لئے نکاح کرنا۔ اہل و عیال کے حقوق پورے طور پر ادا کرنا، والدین کی خدمت کرنا، اور ہر طرح ان کی مدد کرنا اور خبر گیری رکھنا، اپنی اولاد کی شریعت کے مطابق تربیت کرنا، اپنے ماتحتوں سے حسن سلوک کرنا، اپنے حاکموں، افسروں اور مسلمان سرداروں کی تابعداری کرنا اور بشرطیکہ خلاف شرع چیزوں کا وہ حکم نہ دیں۔ غلام اور باندی سے نرمی اور بھلائی سے پیش آنا، اگر صاحب اقتدار اور حاکم و جج ہو تو انصاف کرنا، لوگوں میں باہم صلح صفائی کرنا، اسلام سے بغاوت کرنے والوں اور دین سے پھرنے والوں سے قتل و قتال کرنا، اچھی باتوں کی تبلیغ کرنا، بری باتوں سے لوگوں کو روکنا، اللہ کی جانب سے مقرر کی ہوئی سزاؤں کا جاری کرنا، دین و اسلام میں غلط باتیں پیدا کرنے والوں اور اللہ و رسول کا انکار کرنے والوں سے حسب قوت و استطاعت خواہ ہتھیار سے خواہ قلم و زبان سے جہاد کرنا، اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کرنا، امانت کا ادا کرنا، مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کرنا، وعدہ کا مطابق فرض پورا کرنا، پڑوسی کی دیکھ بھال کرنا اور اس کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آنا، لوگوں کے ساتھ بہترین معاملہ کرنا، حلال طریقہ سے مال کمانا اور اس کی حفاظت کرنا، مال و دولت کو بہترین مصرف میں اور اچھی جگہ خرچ نہ کرنا، فضول خرچی نہ کرنا، سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا، جب کسی کو چھینک آئے تو ”یرحمک اللہ“ کہنا، خلاف تہذیب کھیل کود اور برے تماشوں سے اجتناب کرنا، لوگوں کو تکلیف نہ پہنچانا اور راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹا دینا تاکہ راہ گیروں کو تکلیف و نقصان نہ پہنچے، یہ سب ایمان کے شعبوں اور اس کی شاخیں ہیں۔

راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کے ہٹانے کا یہ مطلب ہے کہ اگر راستہ میں پتھریا کانٹے پڑے ہوں جس سے راہ گیر کو تکلیف پہنچتی ہو یا نجاست و غلاظت پڑی ہو یا ایسی کوئی بھی چیز پڑی ہو جس سے راستہ چلنے والوں کو نقصان پہنچے تو مؤمن کا یہ فرض ہے کہ انسانی و اخلاقی ہمدردی کے نام سے اس کو ہٹا دے اور راستہ صاف کر دے۔ اور اسی طرح خود بھی ایسی کوئی چیز راستہ میں نہ ڈالے جو راستہ چلنے والوں کے لئے تکلیف کا باعث ہو اور عارفین کی رمز شائیں نگاہوں نے تو اس سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ انسان اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے صاف کر لے جو توجہ الی اللہ اور معرفت کے راستہ کی رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں اور اپنے قلب سے برائی و معصیت کے خیال تک کو کھرچ کر پھینک دے۔

بہر حال یہ تمام باتیں ایمان کے شعبے ہیں جن چیزوں کو عمل کرنا نہایت ضروری ہے اس لئے کہ ایمان کی تکمیل اور اسلام کا حسن ان بھی چیزوں سے پیدا ہوتا ہے اگر کوئی شخص ان باتوں سے خالی ہے اور اس کی زندگی ان کی شعاعوں سے منور نہیں ہے تو سمجھنا چاہیے کہ اس کے ایمان کی تکمیل نہیں ہوئی اس کو چاہیے کہ اللہ کی مدد اور اس کی توفیق چاہ کر ان اہم باتوں کو اختیار کرے۔

مؤمن اور مسلم کا مفہوم

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ هَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِلْمُسْلِمِ قَالَ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْمُسْلِمِينَ خَيْرٌ؟ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ۔

”اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ”کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذا) سے مسلمان محفوظ رہیں اور اصل مہاجر وہ ہے جس نے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔“ یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور مسلم نے اس کو ایسے بیان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ مسلمانوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ (کے ضرر) سے مسلمان محفوظ رہیں۔“

تشریح: حدیث کے پہلے جزء میں اس طرف اشارہ ہے کہ ”مؤمن اور مسلمان“ محض اس کا نام نہیں ہے کہ کوئی شخص محض کلمہ پڑھ لے اور کچھ متعین اعمال و ارکان ادا کر لے بلکہ اسلامی شریعت اپنے پیروؤں سے ایک ایسی بھرپور زندگی کا تقاضا کرتی ہے جس کا حامل ایک طرف عقائد و اعمال کے لحاظ سے اللہ کا ”حقیقی بندہ“ کہلانے کا مستحق ہو تو دوسری طرف وہ انسانیت کے تعلق سے پوری طرح امن و امان کا نمونہ اور محبت و مروت کا مظہر ہو، امن و امانیت، اخلاق و رواداری، ہمدردی و خیر گالی کا اپنی عملی زندگی میں اس طرح اظہار کرے کہ دنیا کا ہر انسان اس سے خوف زدہ رہنے کے بجائے اس کو اپنا ہمدرد، بھائی خواہ اور مشفق سمجھے، اور کیا مال کیا جان و آبرو، ہر معاملہ میں اس کو پورا اعتماد اور اطمینان رکھے۔

اس حدیث میں ہاتھ اور زبان کی تخصیص اس لئے ہے کہ عام طور پر ایذا رسانی کے بیک دو ذریعے ہیں ورنہ یہاں ہر وہ چیز مراد ہے جس سے تکلیف پہنچ سکتی ہے خواہ وہ ہاتھ ہوں یا زبان یا کوئی دوسری چیز۔ حدیث کے دوسرے جزء میں ”حقیقی مہاجر“ کی تعریف کی گئی ہے یوں تو مہاجر ہر اس شخص کو کہیں گے جس نے خدا کی راہ میں اپنا وطن، اپنا گھر اور اپنا ملک چھوڑ کر دارالاسلام کو اپنا وطن بنالیا ہو، یہ قربانی اسلام عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کے لئے بے شمار جزاء و انعام کا حقدار ماحق ہے لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس ہجرت کے علاوہ ایک ہجرت اور ہے جس کا زندگی کے ساتھ دوائی تعلق رہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے مؤمن ان سے پرہیز کرتا رہے اور اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نفسانی خواہشات کو بالکل ترک کر کے پاکیزہ نفسی اختیار کرے ایسا شخص حقیقی مہاجر کہلانے کا مستحق ہوگا۔

درجات محبت

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں بن سکتا جب

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ جلیل القدر صحابی، رفیع المرتبت عالم، بلند پایہ مجاہد اور بڑے مرتبہ کے متقی و عابد تھے آپ مہاجر ہیں۔ آپ کے سن وفات میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ تذکرۃ الحفاظ کی روایت کے مطابق مصر میں ۷۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

۲۔ حضرت انس بن مالک بن نضرؓ انصاری ہیں اور مدینہ کے اصل باشندہ تھے۔ آپ کی عمر جب دس سال کی تھی تو آپ کی والدہ ام سلیم بنت ثحان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ ۹۶ھ میں انتقال فرمایا۔

تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”محبت“ ایک تو طبعی ہوتی ہے جیسے اولاد کو باپ کی یا باپ کو اولاد کی محبت۔ اس محبت کی بنیاد طبعی وابستگی و پسند اور فطری تقاضہ ہوتا ہے۔ اس میں عقلی یا خارجی ضرورت اور دباؤ کا دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف ایک محبت عقلی ہوتی ہے جو کسی طبعی و فطری وابستگی اور تقاضے کے تحت نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی عقلی ضرورت و مناسبت اور خارجی وابستگی کے تحت کی جاتی ہے۔ اس کی مثال مریض اور دوا ہے یعنی بیمار شخص دوا کو اس لئے پسند نہیں کرتا کہ دوا لینا اس کا طبعی اور فطری تقاضہ ہے بلکہ یہ دراصل عقل کا تقاضا ہوتا ہے کہ اگر بیماری ختم کرنا ہے اور صحت عزیز ہے تو دوا استعمال کرنی ہوگی خواہ اس دوا کی تلخی اور کڑواہٹ طبیعت پر کتنا ہی بار کیوں نہ ہو، اسی طرح اگر کسی شخص کے جسم کا کوئی حصہ پھوڑے پھنسی کے فاسد مادہ سے بھر گیا ہو تو وہ آپریشن کے لئے اپنے آپ کو کسی ماہر جراح اور سرجن کے حوالہ اس لئے نہیں کرتا کہ اس کی نظر میں آلات جراحی کی چمک دمک اچھی لگتی ہے یا اس کی طبیعت اپنے جسم کے اس حصہ پر نشتر زنی کو پسند کرتی ہے بلکہ یہ عقل و دانائی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اگر جسم کو فاسد مادہ سے صاف کرنا ہے تو خود کو اس جراح یا سرجن کے حوالہ کر دینا ضروری ہے کسی چیز کو عقلی طور پر چاہنے اور پسند کرنے کی وہ کیفیت جس کو ”عقلی محبت“ سے تعبیر کرتے ہیں، بعض حالات میں اتنی شدید، اتنی گہری اور اتنی اہم بن جاتی ہے کہ بڑی سے بڑی طبعی محبت اور بڑے سے بڑے فطری تقاضے پر بھی غالب آجاتی ہے۔ پس یہ حدیث ذات رسالت سے جس محبت اور وابستگی کا مطالبہ کر رہی ہے وہ علماء و محدثین کے نزدیک یہی ”عقلی محبت“ ہے لیکن کمال ایمان و یقین کی بنا پر یہ ”عقلی محبت“ اتنی پراثر، اتنی بھرپور اور اس کی قدر جذباتی وابستگی کے ساتھ ہو کہ ”طبعی محبت“ پر غالب آجائے۔ اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کی کسی ہدایت اور کسی شرعی حکم کی تعمیل میں کوئی خونی رشتہ جیسے باپ کی محبت، اولاد کا پیار یا کوئی بھی اور طبعی تعلق رکاوٹ ڈالے تو اس ہدایت رسول اور شرعی حکم کو پورا کرنے کے لئے اس خون کے رشتے اور طبعی تقاضا و محبت کو یکسر نظر انداز کر دینا چاہیے، ایمانیات اور شریعت کے نقطہ نظر سے یہ بہت بڑا مقام ہے اور یہ مقام اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب ایمان و اسلام اور حب رسول ﷺ کا دعویٰ کرنے والا اپنے نفس کو احکام شریعت اور ذات رسالت میں فنا کر دے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضا و خوشنودی کے علاوہ اس کا اور کوئی مقصد حیات نہ ہو۔ مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ کا فرمان جاری ہوتا ہے کہ اہل ایمان جہاد کے لئے نکلیں، اس حکم کی تعمیل میں اہل ایمان، دشمنان دین سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں پہنچتے ہیں۔ جب دونوں طرف سے صف آرائی ہوتی ہے اور حریف فوجیں آمنے سامنے آتی ہیں تو کسی مسلمان کو اپنا لڑکا دشمن کی صف میں نظر آتا ہے اور کسی کو اپنا باپ۔ اب ایک طرف تو وہ طبعی محبت ہے، جو کیسے گوارا کر لے کہ اپنی تلوار اپنے باپ یا اپنی ہی اولاد کے خون سے رنگ جائے، دوسری طرف حکم رسول ہے کہ دشمن کا کوئی بھی فرد تلوار کی زد سے امان نہ پائے چاہے وہ اپنا باپ یا بیٹا کیوں نہ ہو، تاریخ کی ناقابل تردید صداقت گواہی دیتی ہے کہ ایسے نازک موقع پر اہل ایمان پل بھر کے لئے بھی ذہنی کشمکش میں مبتلا نہیں ہوتے، ان کو یہ فیصلہ کر لینے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی کہ حکم رسول ﷺ کے سامنے نہ باپ کی محبت کوئی معنی رکھتی ہے نہ اولاد کی۔ اور پھر میدان جنگ میں باپ کی تلوار بے دریغ اپنی اولاد کا خون بہاتی نظر آتی ہے اور بیٹا اپنے باپ کو موقع نہیں دیتا کہ بچ کر نکل جائے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تکمیل ایمان کا مدار حب رسول پر ہے جس شخص میں ذات رسالت سے اس درجہ کی محبت نہ ہو کہ اس کے مقابلہ پر دنیا کے بڑے سے بڑے رشتے، بڑے سے بڑے تعلق اور بڑی سے بڑی چیز کی محبت و چاہت بھی بے معنی ہو، وہ کامل مسلمان نہیں ہو سکتا، اگرچہ زبان اور قول سے وہ اپنے ایمان و اسلام کا کتنا ہی بڑا دعویٰ کرے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے جب یہ حدیث سنی تو عرض کیا ”یا رسول اللہ! دنیا میں صرف اپنی جان کا علاوہ آپ ﷺ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں“ یعنی دنیا کے اور تمام رشتوں اور چیزوں سے زیادہ میں آپ ﷺ کی محبت رکھتا ہوں مگر اپنی جان سے زیادہ نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ”اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اب بھی کامل مؤمن نہیں ہوئے

اس لئے کہ یہ مرتبہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ میں تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا ہو جاؤں۔ ان الفاظ نبوت نے جیسے آن واحد میں حضرت عمرؓ کے دل و دماغ کی دنیا اٹھل پھل کر دی ہو، وہ بے اختیار بولے۔ ”یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر میری جان قربان آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں، نبی کریم ﷺ نے پھر ان کو بشارت سنائی کہ اے عمر! اب تمہارا ایمان کامل ہوا اور تم کچے مومن ہو گئے۔“

اور صرف عمر فاروقؓ ہی نہیں، تمام صحابہؓ اسی کیفیت سے معمور اور حب رسول سے سرشار تھے، ان کی زندگیوں کا مقصد ہی آپ ﷺ کے ایک اشارہ ابرو پر اپنی جانوں کو بچھا کر دینا تھا، بلاشبہ دنیا کا کوئی مذہب اپنے راہنما اور پیروؤں کے باہمی تعلق اور محبت کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس بلا شک صحابہؓ کے لئے شمع سی تھی جس پر وہ پروانہ وار بچھاؤ ہونا ہی اپنی سعادت و خوش بختی تصور کیا کرتے تھے۔ اسلام کے اس دور کی شاندار تاریخ اپنے دامن میں بے شمار ایسے واقعات چھپائے ہوئے ہے جو رسول اکرم ﷺ سے صحابہ کرامؓ اجمعین کی جذباتی وابستگی اور اولہانہ محبت و تعلق کی شاندار غمازی کرتے ہیں۔

غزوہ احد کا واقعہ ہے۔ میدان جنگ میں جب معرکہ کارزار گرم ہوا اور حق کی مٹھی بھر جماعت پر باطل کے لشکر جبار نے پوری قہرمانی طاقت سے حملہ کیا تو دیکھا گیا ہے کہ ایک انصاری عورت کے شوہر، باپ اور بھائی تینوں نے جام شہادت پیا اور رسول اکرم ﷺ کی ذات پر دیوانہ وار فدا ہو گئے، یہ دل گداز خبر اس عورت کو بھی پہنچائی گئی مگر اللہ پر ایمان کی پختگی اور رسول اکرم ﷺ کی محبت کا اثر کہ بجائے اس کہ وہ عورت اپنے لواحقین کی شہادت پر نالہ و شہیون اور ماتم و فریاد کرتی اس نے سب سے پہلے یہ سوال کیا:

”خدا را مجھے یہ بتاؤ کہ میرے آقا اور سردار رسول اللہ ﷺ (آپ ﷺ پر میری جان قربان) تو بخیر ہیں؟“

لوگوں نے کہا۔ ہاں ”آپ ﷺ سلامت ہیں“ مگر اس سے اسکی تسکین نہ ہوئی اور بے تابانہ کہنے لگی:

”اچھا چلو! میں اپنی آنکھوں سے دیدار کر لوں تو یقین ہوگا“ اور جب اس نے اپنی آنکھوں سے چہرہ انور کی زیارت کر لی تو بولی:

کل مصیبة بعدك جلت۔ — ”جب آپ زندہ سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے۔“

ایک مرتبہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ ﷺ مجھے اپنے اہل و عیال اور مال سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ مجھے آپ ﷺ کی یاد آتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک کہ یہاں آکر آپ ﷺ کے روئے انور کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی نہیں کر لیتا۔ مگر اب تو یہی غم کھائے جاتا ہے کہ وفات کے بعد آپ ﷺ تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے، وہاں میری آنکھیں آپ ﷺ کا دیدار کیسے کر سکیں گی۔ جب ہی یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا۔ (النساء ۶۹)

”جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا سنتے ہیں وہ (آخرت میں) ان لوگوں ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام ہیں یعنی نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی صحبت بڑی غنیمت ہے۔“

آپ ﷺ نے ان صحابی کو یہ بشارت سنادی۔

عبداللہ بن زید بن عبد ربہؓ جو صاحب اذان کے لقب سے مشہور تھے اپنے باغ میں کام کر رہے تھے کہ اسی حالت میں ان کے صاحبزادہ نے آکر یہ اندوہ ناک خبر سنائی کہ سرور دو عالم ﷺ وصال فرما گئے۔ عشق نبوی سے سرشار اور محبت رسول سے سرمست، یہ صحابی اس جان گداز خبر کی تاب ضبط نہ لاسکے، بے تابانہ ہاتھ فضا میں بلند ہوئے اور زبان سے یہ حسرت ناک الفاظ نکلے: خداوند اب مجھے

بینائی کی دولت سے محروم کر دے تاکہ یہ آنکھیں جو سرکارِ دو عالم ﷺ کے دیدار سے مشرف و منور ہوا کرتی تھیں اب کسی دوسرے کو نہ دیکھ سکیں (ترجمہ السنۃ)۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نبی کریم ﷺ سے محبت و تعلق کا وہی مقام حاصل تھا جو اس حدیث کا منشاء ہے اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ ایمان کی سلامتی اور اپنے اسلام میں مضبوطی پیدا کرنا چاہتا ہے تو نبی کریم ﷺ کی محبت و عقیدت سے اپنے دل کو معمور کرے اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے ہی کو مدارِ نجات جانے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کا معیار اتباعِ شریعت اور اتباعِ رسول ہے جو شخص شریعت پر عمل نہیں کرتا اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر نہیں چلتا، وہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ نعوذ باللہ اے حضور ﷺ سے محبت نہیں ہے۔

ایمان کی لذت

① وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَمَنْ يَكْزُرُهُ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ كَمَا يَكْزُرُهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت انس راوی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس شخص میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حقیقی لذت سے لطف اندوز ہوگا، اول یہ کہ اے اللہ اور اس کے رسول کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ کسی بندہ سے اس کی محبت محض اللہ (کی خوشنودی) کے لئے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اے اللہ نے کفر کے اندھیرے سے نکال کر ایمان و اسلام کی روشنی سے نواز دیا تو اب وہ اسلام سے پھر جانے کو اتنا ہی برا جانے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: کمالِ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمن کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس درجہ رچ بس جائے کہ ان کے ماسوا تمام دنیا اس کے سامنے پیچ ہو۔

اسی طرح یہ شان بھی مؤمن کا مل ہی کی ہو سکتی ہے کہ اگر وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اگر کسی سے بغض و عداوت رکھتا ہے تو وہ بھی اللہ کی راہ میں غرض کہ اس کا جو بھی عمل ہو صرف اللہ کے لئے ہو اور اس کے حکم کی تکمیل میں ہو۔

ایسے ہی ایمان کا چنگلی کے ساتھ دل میں بیٹھ جانا اور اسلام پر چنگلی کے ساتھ قائم رہنا اور کفر و شرک سے اس درجہ بیزاری و نفرت رکھنا کہ اس کے تصور و خیال کی گندگی سے بھی دل پاک و صاف رہے، ایمان کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔

اسی لئے اس حدیث میں فرمایا گیا کہ ایمان کی حقیقی دولت کا مالک اور اس پر جزاء و انعام کا مستحق تو وہی شخص ہے جو ان تینوں اوصاف سے پوری طرح متصف ہو اور ایمان کی حقیقی لذت کا ذائقہ وہی چکھ سکتا ہے جس کا دل ان چیزوں کی روشنی سے منور ہو۔

ایمان کا لطف

② وَعَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ وَرَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عباس بن عبد المطلب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو اپنے پروردگار، اسلام کو اپنا دین اور

اے آپ حضرت عبد المطلب کے صاحبزادے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ بارہ رجب ۳۲ھ جمعہ کے دن آپ کا انتقال ہوا۔

محمد ﷺ کو اپنا رسول خوشی سے مان لیا تو سمجھو کہ) اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ ”(مسلم)

تشریح: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی ذات و صفات پر ایمان محمد عربی ﷺ کی رسالت و نبوت میں یقین و اعتقاد، دین و شریعت کی حقانیت و صداقت پر کامل اعتماد اور اسلامی تعلیمات و احکام کی پیروی، اس کیفیت کے ساتھ ہونی چاہیے کہ دل و دماغ کے کسی گوشہ میں کوئی دباؤ، کوئی گھٹن، کوئی تنکدہ اور کوئی ناگواری ذرہ برابر محسوس نہ ہوتی ہو۔ رضا و رغبت، اطمینان خاطر اور دماغی و ذہنی سکون کی وہ لہر پورے داخلی و خارجی وجود میں سرایت کئے ہوئے ہو، جو کسی انمول چیز کے حاصل ہو جانے پر دل و دماغ اور جسم کے پورے وجود کو مسرت و شادمانی اور احساس سرفرازی سے سرشار کر دیتی ہے۔ یہ بہت اہم بات ہے اس کو ہر حالت میں مد نظر رکھنا چاہئے۔ اس ایمان و یقین اور عمل آوری میں اگر کسی طرح کا کوئی انقباض اور تنکدہ پیدا ہوا تو سمجھو کہ ایمان کی روح رخصت ہوئی، ایسے شخص پر اگرچہ ظاہری طور سے ایمان و اسلام کے احکام نافذ ہوں گے مگر ”اخلاص“ سے خالی ہونے کے سبب نہ اس کا ایمان کامل سمجھا جائے گا اور نہ اس کو ”حسن اسلام“ نصیب ہوگا اور نہ ایمان و یقین کی حقیقی لذت سے وہ لطف اندوز ہو سکے گا۔

اسلام ہی مدارِ نجات ہے

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِنِ أَحَدٍ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٍّ وَلَا نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے اس آیت میں سے جو شخص بھی خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، میری نبوت کی خبر پائے اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے بغیر مر جائے، وہ دوزخی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اسلام ایک آفاقی مذہب ہے جس کے دائرہ اطاعت میں آنا تمام کائنات کے لئے ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجا ہوا ایک ایسا بین الاقوامی قانون ہے جس کی پیروی دنیا کے ہر شخص پر لازم ہے، اسی طرح پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت اور آپ ﷺ کی نبوت بھی چونکہ عالمگیر اور بین الاقوامی ہے۔ ہر دور کے لئے، ہر قوم کے لئے اور ہر طبقہ کے لئے، اس میں کسی کا استثناء نہیں ہے اس لئے آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنا سب پر یکساں فرض ہے، خواہ کوئی کسی قوم کسی ملک اور کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔

اس حدیث میں یہودی اور نصرانی یعنی عیسائی کا ذکر اس بنا پر کیا گیا ہے کہ یہ دونوں قومیں خود اپنا ایک دین اور ایک شریعت رکھتی تھیں ان کی اپنی اپنی آسمانی کتابیں تھیں جن کو مدارِ عمل و نجات ماننے کا ان کو خدائی حکم تھا، اس لئے ان کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ قومیں جو خود اپنے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت اور اللہ کی جانب سے بھیجی ہوئی کتابوں کی تابع ہیں اور جن کا دین بھی آسمانی دین ہے، جو اللہ تعالیٰ ہی کا اتارا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ کے آخری دین اسلام کے نفاذ اور خاتم النبیین ﷺ کی ہمہ گیر بعثت کے بعد جب ان قوموں کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں اور شریعت اسلام کے دائرہ میں آئے بغیر ان کی نجات ممکن نہیں تو پھر وہی قومیں پیغمبر اسلام اور شریعت اسلام پر ایمان و عمل کے بغیر ابدی نجات کیسے پا سکتی ہیں جو کسی آسمانی دین کی پابند بھی نہیں ہیں جن کے پاس کسی پیغمبر کی لائی ہوئی کوئی کتاب بھی نہیں ہے اور جو اللہ کے بھیجے ہوئے کسی نبی و رسول کی پیروی بھی نہیں ہیں۔

ایک بات اور بھی ہے۔ یہودی اور عیسائی کہا کرتے تھے کہ اللہ برگزیدہ پیغمبر موسیٰ اور عیسیٰ کے پیروکار اور اللہ کی اتاری ہوئی کتاب شریعت تورات و انجیل کے متبع ہونے کی وجہ سے ہم تو خود ”نجات یافتہ“ ہیں۔ جنت تو ہمارا پیدا نشی حق ہے، ہمیں کیا ضرورت ہے کہ محمد ﷺ کو اپنا رسول مانیں اور اسلام کو اپنا دین، اس حدیث کے ذریعہ ان کے اس غلط عقیدہ و خیال کی بھی تردید کی گئی ہے اور ان پر

واضح کر دیا گیا کہ پیغمبر اسلام کی بعثت کے بعد تو نجات ان ہی لوگوں کی ہوگی جو دین اسلام کو مانیں گے اور اس پر عمل کریں گے کیونکہ محمد عربی ﷺ کی بعثت کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ سابقہ شریعتیں منسوخ ہو جائیں، تمام مذاہب کا لہدم ہو جائیں اور تمام کائنات کو صرف ایک مذہب ”دین اسلام“ کے دائرہ میں لایا جائے جو اللہ کا سب سے آخری اور سب سے جامع و مکمل دین ہے۔

دوہرا اجر پانے والے

⑨ وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوكُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوْلَانِهِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أُمَّةٌ يَنْظَاهَا فَادَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَرَوْهَا فَهَذَا أَجْرَانِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کو دو دو اجر ملیں گے۔ اس اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) کو جو (پہلے) اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا پھر محمد ﷺ پر ایمان لایا۔ اس غلام کو جو اللہ کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے آقاؤں کے حق کو بھی ادا کرتا رہے۔ اس شخص کو جسکی کوئی باندی تھی اور وہ اس سے صحبت کرتا تھا۔ پہلے اس کو اچھا بندہ منہ بنایا پھر اس کو خوب اچھی طرح تعلیم دی اور پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تو یہ بھی دوہرے اجر کا حقدار ہوگا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مقصد ان تین طرح کے لوگوں کو بشارت دینا ہے جن کو اوروں کے مقابلہ پر نیک عمل کا دوہرا اجر ملتا ہے۔ ان میں پہلی قسم کے لوگ وہ اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) ہیں جو پہلے تو اپنے دین میں تھے اور پھر دعوت اسلام پا کر حلقہٴ گوش اسلام ہو گئے ان کو دوہرے اجر کی بشارت اس بنا پر دی گئی ہے کہ ان کا پہلے اپنے نبی کو پختہ دل سے ماننا، اس نبی کی لائی ہوئی کتاب و شریعت پر عمل کرنا اور اس نبی سے اعتقادی وابستگی و تعلق رکھنا اور پھر خاتم النبیین ﷺ کی رسالت و نبوت اور اللہ کے آخری دین اسلام کی دعوت پا کر صدق دل سے اس کا حلقہٴ گوش ہو جانا، نہ صرف یہ کہ ان کے کمال انقیاد و اطاعت اور ان کی فکری و ذہنی سلامت زوی کی علامت ہے بلکہ اس معنی میں ان کے قلبی و عملی ایثار کا غماز بھی ہے کہ اپنے سابقہ نبی اور سابقہ دین سے عقیدت و تعلق اور زبردست جذباتی لگاؤ کے باوجود انہوں نے دعوت اسلام پا کر اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں اپنی زندگی کا دھارا اکدم موڑ دیا اور اب اپنے اعتقادی باگ ڈور دین اسلام کے سپرد کر دی، جب تک ان کے سامنے اسلام کی دعوت نہیں آئی تھی وہ اپنے دین ہی کو اللہ کا دین سمجھ کر اس کے حلقہٴ گوش رہے اور جب اسلام کی دعوت ان کے سامنے آئی تو انہوں نے اس کو اللہ کا آخری دین جان کر اپنے پچھلے دین کو چھوڑنے میں کسی ضد، ہٹ دھرمی اور تعصب سے کام نہیں لیا بلکہ فطرت سلیم کی آواز پر لبیک کہہ کر محمد ﷺ عربی کے غلاموں میں شامل ہو گئے، لہذا اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعام کے طور پر ان کو ہر نیک عمل پر دوہرے اجر کا مستحق قرار دیا، ایک اجر تو اپنے پہلے نبی پر ایمان رکھنے کے سبب اور دوسرا اجر پیغمبر آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کا۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں یہ خصوصیت اور امتیاز صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ وہ اپنے تصورات و اعتقادات اور اپنی تعلیمات کی بنیاد ”انکار“ پر نہیں ”اقرار“ پر رکھتا ہے یعنی وہ آسمانی دینوں میں کسی رقابت یا رسولوں میں کسی تفریق کی خلیج حائل نہیں کرتا وہ تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق پر زور دیتا ہے اور اللہ کی جانب سے بھیجے گئے تمام رسولوں کی رسالت پر ایمان لانے کی تاکید کرتا ہے، اسلام کے برخلاف دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے اعتقادات و نظریات کو دیکھا جائے تو یہ بات جاننے میں دیر نہیں لگتی کہ ان کے یہاں کوئی شخص اس وقت تک مذہب کا سچا پیرو اور حقیقی تابعدار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس کے ماسوا دوسرے مذاہب کے اعتقاد و تصورات کی بنیادوں کو بالکل ہی ہمار نہ کر دے اور دوسرے رسولوں و پیغمبروں کی رسالت کا سرے سے انکار نہ

کر دے، اسلام تو ایمان و اعتقاد کے پہلے ہی مرحلہ میں اپنے پیروؤں سے اس بات کا اقرار کراتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی رسول ﷺ اللہ کی جانب سے مخلوق کی ہدایت کے لئے آئے ان میں کسی قسم کی تفرق نہ کی جائے گی، ان کی لائی ہوئی شریعتوں کو اپنے اپنے زمانہ کے لئے حق اور واجب تسلیم مانا جائے گا، وہ اپنے متبعین کو احساس صداقت کا یہ شعور بخشا ہے کہ آسمانی مذاہب میں کوئی پارٹی بندی نہیں ہے سب ایک ہی صداقت کی کڑیاں ہیں نیز وہ اپنے ماننے والوں کو واضح طور پر آگاہ کر دیتا ہے کہ ایمان کی تکمیل جب ہی ہوگی کہ دوسرے آسمانی مذاہب کی تصدیق بھی کی جائے اور سابقہ تمام انباء کی صداقت کو مانا جائے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگر کوئی یہودی یا عیسائی ایمان لائے اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت کا صدق دل سے اقرار کرے۔ تو اپنے نبی پر لایا ہوا اس کا پہلا ایمان رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ وہ اس پر اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا جائے گا لیکن وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت کی اگر تصدیق نہیں کرتا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان نہیں لاتا تو نہ صرف یہ کہ وہ کفر و انکار کی بنا پر دائمی عذاب کا مستوجب گردانا جائے گا بلکہ اس کا اپنے نبی پر لایا ہوا ایمان بھی رائیگاں اور بیکار سمجھا جائے گا اور اس پر کسی قسم کے اجر و ثواب کا استحقاق پیدا نہیں ہوگا کیونکہ جس طرح تمام انبیاء پر ایمان لانا اور ان کی رسالت کی تصدیق کرنا لازم ہے اسی طرح عمل اور پیروی پیغمبر اسلام ﷺ کی شریعت پر ضروری ہے اور مدار نجات صرف اسلام کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔

دوسرے شخص کے لئے دوہرے اجر کی بشارت کا سبب بھی واضح ہے یعنی یہ کہ ایک غلام کے لئے نہ صرف سماجی روایتی اور دنیاوی حیثیت سے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مالک و آقا کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور اس کے احکام کی پوری پوری تعمیل کرے بلکہ اسلامی تعلیم کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ مالک و آقا کے عائد شدہ حقوق کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی یا سستی نہ کرے، لہذا ایک غلام جب اپنے آقا کے حقوق کی پوری نگہداشت کرتا ہے اور حقوق کی ادائیگی کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے حقیقی مالک اور پروردگار اللہ رب العالمین کے احکام کی بجا آوری بھی پورے حقوق کے ساتھ کرتا ہے اور اس کے عائد کئے ہوئے تمام فرائض کی تکمیل میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا تو وہ دوہرے اجر کا استحقاق پیدا کر لیتا ہے۔

اب رہ گیا تیسرا شخص تو اس کو بھی دوہرے اجر کا مستحق اس بنا پر قرار دیا گیا ہے کہ اول تو اس نے ایک باندی کو آزاد کیا جو نہ صرف یہ کہ انسانیت اور فطرت کے اعتبار کے تقاضا کو پورا کرنا ہے بلکہ اسلامی اخلاق کے اعلیٰ اصول و قواعد پر عمل کرنا بھی ہے، دوسرے یہ کہ اس باندی کو آزاد کر کے اور پھر اس سے شادی کر کے اس نے انسانی ہمدردی، اسلامی مساوات، اور بلند اخلاقی کا اس طرح اعلیٰ ثبوت دیا کہ ایسی عورت کو جو سماجی حیثیت سے ایک کمتر، بے وقعت اور ذلیل بن کر رہ گئی تھی، اچھی تربیت، اعلیٰ تعلیم اور پھر آزادی و شادی کی گرانقدر دولت سے نواز کر دنیا کی باعزت اور سوسائٹی و معاشرہ کی شریف و معزز عورتوں کے برابر بھی لاکھڑا کیا، اس طرح اس نے اگر ایک طرف انسانیت اور اخلاق کے تقاضے کو پورا کیا، تو دوسری طرف اسلامی تعلیم کی روح کو بھی اجاگر کیا پس اس کے اس ایثار کی بناء پر شریعت نے اس کو بھی دوہرے اجر کا استحقاق عطا کیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے دوہرے اجر کے بارے میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کے نامہ اعمال میں جزاء اور ثواب کی یہ دو گنی اضافت اس طرح ہوگی کہ ان کو ہر عمل پر دوسروں کے مقابلہ میں دوہرا ثواب ملے گا، مثلاً اگر کوئی دوسرا شخص نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے یا کوئی اور نیک کام کرتا ہے تو اس کو عمومی بشارت کے تحت دس ثواب ملیں گے لیکن یہی عمل تینوں کریں گے تو ان کو ہر ایک عمل پر بیس بیس ثواب ملیں گے۔

کفار سے جنگ کا حکم

①۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ

الاسلام وحسانہم علی اللہ۔ متفق علیہ الا ان مسلمائکم یدکر الا بحق الاسلام۔

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیا گیا ہے کہ میں (دین دشمن) لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے (بیچے ہوئے) رسول ہیں نیز نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور پھر جب وہ ایسا کرنے لگیں تو انہوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچالیا، ہاں جو بازار پر اسلامی ضابطہ کے تحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی اس کے بعد ان کے باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے (وہ جانے کہ ان کا اسلام صدق دل سے تھا یا محض اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے دکھلاوے کا تھا) (بخاری و مسلم) مسلم کی روایت میں ”الابحق الاسلام“ کے الفاظ نہیں ہیں۔“

تشریح: یہ دنیا اللہ کی حقیقی ملکیت ہے وہی اس زمین کا شہنشاہ اور تمام کائنات کا حاکم مطلق ہے اس کی زمین پر رہنے کا حق اسی کو حاصل ہے جو اس کی حاکمیت کو تسلیم کر کے اس کے قوانین کی پیروی کرتا ہے اس کے احکام کی تابعداری کرتا ہے، اس کے اتارے ہوئے نظام و شریعت کے تحت زندگی گزارتا ہے اور اس کے بیچے ہوئے رسول اور پیغمبر کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے۔ اس دنیا میں پیغمبروں کی بعثت کا اصل مقصد روئے زمین پر حقیقی شہنشاہ اور حاکم مطلق (اللہ تعالیٰ) کی حاکمیت کا نفاذ کرنا ہوتا ہے، پیغمبر کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ دین و شریعت کی صورت میں حاکمیت الہ کا جو مشن لے کر آیا ہے اس کو ہر ممکن جدوجہد کے ذریعہ پھیلانے لوگوں کو اپنے دین دائرہ میں لانے کی پوری پوری سعی کرے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ اس کی اس جدوجہد اور سعی کے نتیجہ میں جو معاشرہ بن گیا ہے اس پر دنیا کے کسی غیر دینی روایت و قانون اور کسی شخص و گروہی بالادستی کی حکمرانی قائم نہ ہونے پائے بلکہ صرف خدائی حکمرانی یعنی دین و شریعت کی حکومت قائم ہو اور پھر کسی کو اس بات کی اجازت نہ ہو کہ وہ دین و شریعت کا دشمن و معاند بن کر اس معاشرہ (اسلامی ریاست) میں رہ سکے جو لوگ تہرود سرکشی اختیار کریں اور خدائی حکمرانوں کے تحت آنے سے منکر ہوں ان کے خلاف وہی کارروائی کی جائے جو کسی بھی معاشرہ میں آئین و حکومت کے باغیوں کے خلاف ہوتی ہے، اسی حقیقت کو آنحضرت نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں خدائی حکمرانی باغیوں اور دین و شریعت کے دشمنوں کے خلاف اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک وہ اپنی سرکشی اور دشمنی کو ترک کر کے ہمارے معاشرہ یعنی (اسلامی ریاست) میں رہنے کے حقوق حاصل نہ کر لیں اور انہیں یہ حقوق ملنے کی ایک توہیبی صورت ہے کہ وہ کفر و عناد کے بجائے ایمان و اسلام اختیار کر لیں یعنی صدق دل سے اس بات کا اقرار اور زبان سے اظہار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، پھر اپنے عمل سے ثابت کریں کہ ان کا یہ اقرار اور زبان سے اظہار مخلصانہ ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کے تمام احکام کی پیروی کریں، خصوصاً پابندی سے نماز پڑھیں، زکوٰۃ ادا کریں، اور دوسرے فرائض پر عمل کریں۔ دوسری صورت (جس کا ذکر اس حدیث میں تو نہیں ہے لیکن دوسرے مقام پر ثابت ہے) یہ ہے کہ اگر وہ لوگ ایمان و اسلام کے دائرہ میں نہیں آنا چاہتے مگر اسلامی ریاست میں اپنی وطنیت اور بود و باش کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دینی وفد بھی طور پر نہ سہی مگر سماجی و معاشرتی طور پر اسلامی ریاست کے تابع دار اور امن پسند باشندہ رہنے کا اقرار کریں جس کی علامت اس ٹیکس کی پابندی سے ادائیگی ہے جس کو اصطلاح میں ”جزیہ“ کہا جاتا ہے اس ٹیکس کی ادائیگی اسلامی ریاست میں کسی غیر مسلم کے تمام انسانی، سماجی اور شہری حقوق کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ اگر کوئی شخص جزیہ نہ دینا چاہے تو اس کا متبادل یہ ہے کہ وہ اپنی محکومیت و مغلوبیت کا اقرار کر کے کسی خاص معاہدہ کے تحت سربراہ ریاست (رسول) سے صلح کر لے اور پناہ لے کر اسلامی ریاست میں رہے، اسلامی قانون اپنے مخصوص رحم و کرم کی بناء پر اس کے جان و مال اور عزت کے تحفظ کی ذمہ داری لے لے گا۔

بہر حال حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص ایمان و اسلام کے دائرہ میں داخل ہو جائے یا جزیہ ادا کر کے اور پناہ لے کر اسلامی ریاست کا باشندہ ہو اس کے جان و مال اور عزت کے تحفظ کی ذمہ داری ریاست کے اوپر ہوگی۔ اور ریاست اپنے اسلامی قانون کے تحت

اس کے تمام انسانی، سماجی اور شہری حقوق کی نگہداشت کرے گی لیکن جہاں تک قانونی جرائم، سماجی بے اعتدالیوں اور بشری خطاؤں کا تعلق ہے ان پر ہر حال میں مواخذہ ہو گا خواہ ان کا مرتکب کوئی مسلمان ہو یا ذمی کافر، اس معاملہ میں کسی کے ساتھ رعایت و چشم پوشی نہیں ہوگی، مثلاً اگر کوئی مسلمان یا ذمی کسی کو ناحق قتل کر دیتا ہے تو اس کو قصاص (سزا) میں قتل کر دیا جائے گا یا ایسے ہی کوئی زنا کرے گا تو اس پر حد جلدی کی جائے گی اور اس کو پوری سزا دی جائے گی یا کسی نے کسی کا مال زبردستی ہڑپ کر لیا تو اس سے اس کا مال مالک کو واپس دلایا جائے گا، گویا قانون کی عملداری ہر حال میں قائم کی جائے گی جو شخص بھی خلاف ورزی کرے گا اس کو ضرور سزا دی جائے گی اسلامی حقوق اور قوانین کے نفاذ کے معاملہ میں کسی تخصیص اور رعایت کا سوال پیدا نہیں ہوگا۔

حدیث کے آخر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ شریعت اپنے قانون کے نفاذ میں ظاہری حیثیت پر حکم لگاتی ہے، اور باطنی حالت کو اللہ کے سپرد کرتی ہے یعنی اگر کوئی شخص جان و مال کی حفاظت یا کسی غرض کے تحت بظاہر مسلمان بن جاتا ہے اور دل میں کفر و نفاق ہے تو اسلامی قانون اس کو مسلمان ہی تسلیم کرے گا، دل کا معاملہ اللہ کے سپرد رہے گا، اگر واقعی اس کے دل میں کھوت ہو گا تو آخرت میں اس کو نفاق کی سزا یقیناً ملے گی، وہاں مواخذہ خداوندی سے نہ بچ سکے گا۔

یہ حدیث اس مسئلہ کی بھی دلیل ہے کہ ملحدوں اور زندیقوں کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے یعنی اگر کوئی ملحد و زندیق آکر یہ کہے کہ میں الحاد و زندقہ سے توبہ کرتا ہوں تو اس کی توبہ قبول کر کے اس کی جان لینے سے اجتناب کیا جائے گا۔

ویسے اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں، ان میں سے ظاہر تر قول یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے الحاد کا اظہار کیا اور اپنی زبان سے ایسے الفاظ نکالے جن سے اس کا منکر خدا اور منکر دین ہونا معلوم ہوتا ہو پھر جلد ہی اس نے الحاد و زندقہ سے برأت کی اور برضا و رغبت توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول ہوگی اور اگر اس کی توبہ محض جان بچانے کے لئے اور اسلامی قانون کی سزا سے بچنے کے لئے ہو تو پھر اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

مسلمان کون ہے؟

⑪ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَآكَلَ ذَيْبَحَنَا فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ فَلَا تُخْفَرُوا اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے اور ہمارے ذبچوں کو کھائے وہ مسلمان ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول کے عہد و امان میں ہے۔ پس جو شخص اللہ کے عہد و امان میں ہے تم اس کے ساتھ عہد شکنی مت کرو۔“ (بخاری)

تشریح: اصل ایمان اگرچہ ”تصدیق قلبی“ کا نام ہے لیکن یہ ایک اندرونی کیفیت اور قلبی صفت ہے جس کا تعلق باطن سے ہے، اسی طرح ”اقرار“ اگرچہ زبان سے متعلق ہے مگر وہ بھی ایک قیمتی چیز ہے لہذا دو دینوں میں کھلا ہوا امتیاز ان کے علیحدہ علیحدہ شعار ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اسلامی معاشرہ میں نماز پڑھنا اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے عبادت کرنا اہل کتاب کے مقابلہ پر سب سے زیادہ امتیازی عمل ہے، اسی طرح معاشرتی لحاظ سے جس عمل اور طریقہ میں اہل کتاب مسلمانوں سے کھلا ہوا احتراز کرتے تھے وہ ان کا ذبیحہ تھا کہ مسلمانوں کا ذبیحہ کیا ہوا گوشت اہل کتاب نہیں کھاتے تھے لہذا اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اگر عبادت میں وہ ہماری طرح قبلہ کی طرف رخ کرنے لگیں اور معاشرتی لحاظ سے وہ کسے اتنا قریب آجائیں کہ ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے لگیں تو یہ اس بات کی کھلی ہوئی شہادت ہوگی کہ وہ ہمارا دین پورے یقین کے ساتھ قبول کر چکے ہیں اور ایمان ان کے قلب کی گہرائیوں تک پہنچ گیا ہے جس کا اظہار نہ صرف یہ کہ زبان سے بلکہ ان کے عمل سے بھی ہو رہا ہے تو اب مسلمانوں کو چاہیے کہ دائرہ اسلام میں پوری طرح داخل ہو گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور

اللہ کے رسول کے ساتھ ان کا عہد و اقرار ہو گیا ہے ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ اللہ اور اللہ کے رسول نے لے لیا ہے اس لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کے ساتھ کسی قسم کی بد معاہدگی یا برا سلوک نہ کریں، نہ ان کو ستائیں نہ تکلیف دیں اور نہ ان کے ساتھ ایسا طور طریقہ رکھیں جس سے ان میں کسی قسم کا خوف و ہراس یا دل شکنگی پیدا ہو، ان کے ساتھ کسی بھی طرح کی بد معاہدگی اور بد سلوک و در حقیقت اللہ کے عہد کو توڑنے اور اس عہد شکنی کا الزام اللہ پر عالم کرنے کے مترادف ہوگی۔

جنت لے جانے والے اعمال

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَمَّا أَبُو النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلْنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمَلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَقَالَ تَعْبُدُ اللَّهَ وَلَا تَشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتَقِيمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَرِيدُ عَلَى هَذَا شَيْئًا وَلَا أَنْقُضَ مِنْهُ فَلَمَّا وَلِيَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا - (متفق عليه)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ”یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں“۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، فرض نماز پڑھو فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو“۔ یہ سن کر دیہاتی نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نہ تو اس پر کچھ زیادہ کروں گا اور نہ اس میں سے کچھ کم کروں گا، جب وہ دیہاتی چلا گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنے کی سعادت اور مسرت حاصل کرنا چاہے وہ اس شخص کو دیکھ لے“۔ (بخاری)

تشریح: یہاں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس دیہاتی کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ فرمایا مگر شہادتین کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ بغیر شہادتین کے جنت میں داخل ہونا ناممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو وہ دیہاتی یقیناً مسلمان ہو گا جو ایمان لانے کے بعد جنت میں داخل کرنے والے عمل کے بارے میں سوال کر رہا تھا دوسرے یہ کہ سب ہی جانتے ہیں کہ بغیر شہادتین کے تمام اعمال بیکار ہیں اور اس کے بغیر جنت میں دخول ہی ممکن نہیں اس لئے شہادتین کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

یہاں صرف تین فرائض ذکر کئے گئے ہیں، بقیہ فرائض کا ذکر نہیں کیا گیا؟ تو ہو سکتا ہے کہ جس وقت اس دیہاتی نے سوال کیا تھا اس وقت تک یہی تین چیزیں فرض ہوئی ہوں گی اور بقیہ فرائض بعد میں مشروع ہوئے ہوں گے، زیادتی اور کمی نہ کرنے کا عہد در حقیقت اس دیہاتی کے اعتقاد کی چٹنگی اور قلبی تصدیق کے مضبوط ہونے کی دلیل تھا گویا اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے دل میں ایمان و اسلام کی لذت اور اس کی حقانیت و صداقت کی کیفیت اور آپ ﷺ کے احکام و فرمان کی بجا آوری کا داعیہ اس مضبوطی اور چٹنگی کے ساتھ ہے کہ نہ تو اس سوال پر کسی قسم کی زیادتی کی حاجت ہے اور نہ جواب کی مانعیت و جامعیت اور اس کی اہمیت کسی قسم کی کمی کی روادار ہے! چنانچہ اس دیہاتی کے یقین کی اسی کیفیت اور اس کی اسی چٹنگی و گرویدگی اور احکام و شریعت کے تئیں اس کے اسی جذبہ اطاعت کو دیکھ کر لسان نبوت نے اس مخلص انسان کے جنتی ہونے کی بشارت سنائی اور اعلان فرمایا کہ اگر کسی شخص کو تمنا ہو کہ جنتی آدمی کو دیکھے اور کسی جنتی کو دیکھنے کی مسرت اور سعادت حاصل کرنا چاہے تو اس شخص کو دیکھ لے۔

ایمان کامل

﴿۱۳﴾ وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ وَفِي رِوَايَةٍ غَيْرِكَ قَالَ قُلْ أَمَنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ - (رواه مسلم)

”اور حضرت سفیان بن عبد اللہ الشافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ کو اسلام کی کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ آپ کے بعد پھر مجھ کو کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہے اور ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ”آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے“ آپ ﷺ نے فرمایا ”زبان و دل سے اس بات کا اقرار کرو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس اعتراف و اقرار پر قائم رہو۔“ (مسلم)

تشریح: یعنی سب سے پہلے مرتبہ تو یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت اور اس کی الوہیت کی گواہی دو اور اس کی ذات اور تمام صفات پر صدق دل سے اعتراف و اعتقاد کے ساتھ ایمان لاؤ، یہ ایمان باللہ کی اعتقادی صورت ہے اور اس کی عملی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ جو شریعت اتاری ہے اس کی صداقت و حقانیت میں کامل یقین رکھو اور اس کو قبول کر کے احکام رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو، اللہ اور اللہ کا رسول جس چیز کے کرنے کا حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ پھر یہ کہ اعتقاد و اطاعت کوئی وقتی و عارضی چیز نہ ہو بلکہ ان پر پختگی کے ساتھ قائم و دائم رہو اور زندگی کے کسی بھی لمحہ میں ان سے انحراف نہ کرو۔

فرائض اسلام

①۴ وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَانِيَ الزَّائِرِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُولُ حَتَّى دَنَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ يُسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطُوعَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ شَهْرٍ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطُوعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطُوعَ قَالَ فَادْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ وَاللَّهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَلَحَ الرَّجُلُ إِنَّ صَدَقَ - (متفق عليه)

”اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ فرماتے ہیں اہل نجد میں سے ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جس کے سر کے بال پریشان تھے، ہم اس کی آواز کی گنگناہٹ تو سن رہے تھے لیکن (فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے) یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ آپ ﷺ سے کیا کہہ رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گیا تو ہم نے سنا کہ وہ اسلام کے (فرائض) کے بارہ میں سوالات کر رہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے (اس کے جواب میں) فرمایا ”رات دن کی پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔“ (یہ سن کر) اس شخص نے کہا ”کیا ان نمازوں کے سوا مجھ پر کچھ اور نمازیں بھی فرض ہیں“ آپ نے فرمایا نہیں! ”مگر نفل نمازیں تمہیں پڑھنے کا اختیار ہے“ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اور ماہ رمضان کے روزے (فرض) ہیں۔“ اس شخص نے کہا ”کیا ان روزوں کے سوا کچھ اور روزے مجھ پر فرض ہیں“ آپ نے فرمایا ”نہیں! مگر نفل روزے کا تمہیں اختیار ہے“ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد زکوٰۃ کا ذکر فرمایا، اس نے عرض کیا، ”اس کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی صدقہ فرض ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں! مگر نفل صدقہ کا تمہیں اختیار ہے“ اس کے بعد وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ خدا کی قسم! میں نہ تو اس پر کچھ زیادتی کروں گا اور نہ اس میں سے کچھ کمی کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”اگر اس شخص نے سچ کہا ہے تو نجات پا گیا ہے اور کامیاب ہو گیا۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: جیسا کہ پہلے ایک حدیث کی تشریح میں گزرا، یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ جس وقت اس شخص نے سوال کیا تھا اس وقت تک اتنے ہی فرائض مشروع ہوئے ہوں گے اسی طرح نماز و ترو عیدین وغیرہ بھی واجب نہ ہوئی ہوں گی اسی واسطے اس شخص نے اس میں

۱۔ آپ کی کنیت ابو عمر ہے۔

۲۔ آپ کی کنیت ابو محمد قرظی تھی اور لقب طلحہ الخیر ہے۔ ۶۳ سال کی عمر میں ۳۶ھ میں وفات پائی۔

زیادتی اور کمی نہ کرنے کا وعدہ کیا یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ شخص کسی قوم کا نمائندہ اور ایٹمی بن کر اسلام کی حقیقت اور فرائض جاننے آیا تھا تاکہ واپس جا کر اپنی قوم کو بھی اسلامی تعلیمات اور فرائض سے آگاہ کرے اسی لئے اس نے واپسی کے وقت کہا کہ نہ تو میں اس میں زیادتی کروں گا اور نہ کمی کروں گا، یعنی آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے یا جو احکام و فرمان دیے ہیں وہ اسی طرح اپنی قوم تک پہنچا دوں گا، ان میں نہ تو اپنی طرف سے کوئی زیادتی کروں گا اور نہ کوئی کمی۔

اسلام میں مبلغ کا مقام

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْقَوْمِ أَوْ مِنَ الْوَفْدِ قَالُوا رُبْعَةٌ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَائِنًا وَلَا نَدَامَى قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ وَنَبْتَاعُ وَنَبْتَاعُ هَذَا الْحَيَّ مِنْ كُفَّارٍ مُضَرٍّ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصَلَّ نَحْبُزُ بِهِ مِنْ وَرَاءِ نَا وَنَدْخُلُ بِهِ الْحِجَّةَ وَنَسْأَلُكَ عَنْ الْأَشْرَةِ فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَخُدَّةٍ قَالَ اتَّذَرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَخُدَّةٍ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَاقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَا زَكَاةً وَصِيَامَ رَمَضَانَ وَأَنْ تَعْطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمْسَ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ عَنِ الْحَتَمِ وَالذَّبَائِ وَالنَّقِيرِ وَالْمَرْقَةِ وَقَالَ احْفَظُوا هُنَّ وَاحْبِرُوا بَيْنَهُنَّ مَنْ وَرَاءَ كُمْ۔ (متفق علیہ ولفظ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب وفد عبد القیس نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں مدینہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں یا یوں پوچھا کہ یہ کس قبیلہ کا وفد ہے؟ (راوی کو شک ہوا کہ آپ ﷺ نے یہاں، قوم کا لفظ فرمایا یا وفد کا) لوگوں نے جواب دیا کہ ”قبیلہ ربیعہ کے افراد ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا خوش آمدید اور (چونکہ تم لوگ خوشی سے مسلمان ہو کر آئے اس لئے) نہ دنیا میں تمہارے لئے رسوائی ہے اور نہ آخرت کی شرمندگی، اہل وفد نے عرض کیا: یا رسول اللہ! چونکہ ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان ”کفار مضر“ کا (مشہور جنگ جو) قبیلہ پڑتا ہے اس لئے ہم آپ کی خدمت میں جلد جلد حاضر نہیں ہو سکتے صرف ان مہینوں میں آ سکتے ہیں جن میں لڑنا حرام ہے لہذا آپ ﷺ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے ایسے احکام ہمیں عطا فرمادیجئے جن پر ہم خود بھی عمل کریں اور ان لوگوں کو (بھی) ہم اس سے آگاہ کر دیں جن کو اپنے پیچھے (وطن و قوم میں) چھوڑ آئے ہیں اور اس پر عمل کرنے سے ہم جنت میں داخل ہو جائیں (اور اسی کے ساتھ) انہوں نے (ان) برتنوں کی بابت بھی پوچھا (جن میں نیز بنائی جاتی تھی کہ کون سے استعمال میں لائے جاسکتے ہیں، اور کون سے نہیں) آپ ﷺ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع کیا اول اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کا حکم دیا اور فرمایا جانتے ہو اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانا) اس حقیقت کی شہادت دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، پابندی سے نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا (ان چار باتوں کے علاوہ بعد میں آپ ﷺ نے مال غنیمت میں سے پانچویں حصے کے دینے کا حکم بھی فرمایا۔ اور ان چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا: لاکھ کئے ہوئے برتنوں سے، کدو کے تونبوں سے درخت کی کھوکھلی جڑوں سے بنائے ہوئے برتنوں سے، رال کئے ہوئے برتنوں سے، اور فرمایا: ان باتوں کو اچھی طرح یاد کر لو اور جن مسلمانوں کو اپنے پیچھے (وطن میں) چھوڑ آئے ہو ان کو بھی ان باتوں سے آگاہ کر دو۔“ (بخاری و مسلم، الفاظ بخاری کے ہیں)

تشریح: اسلام کی آواز جب مکہ اور مدینہ کی چہار دیواریوں سے نکل کر دوسرے علاقوں میں پہنچی تو مختلف مقامات کے قبیلوں اور قوموں کے افراد وفد کی شکل میں اسلامی تعلیمات کی حقیقت اور پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت کی صداقت کو جاننے اور سمجھنے کے لئے دربار رسالت

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا حضرت عباسؓ کے صاحبزادے ہیں جو خیر الامت کے لقب سے مشہور ہیں، ستر برس کی عمر میں بمقام طائف وفات پائی۔

میں حاضر ہونے لگے۔ یہ وفود دینی تعلیمات اور اسلامی فرائض کو نبی کریم ﷺ سے حاصل کرتے اور اپنے علاقوں اور قبیلوں میں واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کرتے۔

احادیث میں ایسے بہت سے وفود کا ذکر آتا ہے جو اس سلسلہ میں دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام کی آواز کو دور دراز کے علاقوں اور قبیلوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے، ایسا ہی ایک وفد عبدالقیس ہے جس کا تذکرہ اس حدیث میں کیا جا رہا ہے۔ عبدالقیس دراصل سربراہ وفد کا نام تھا انہی کی نسبت سے یہ وفد مشہور ہوا۔ یہ لوگ بحرین کے باشندہ تھے۔ اور آپ ﷺ کی خدمت میں دو مرتبہ حاضر ہوئے پہلی مرتبہ فتح مکہ سے پہلے ۵ھ میں، اس وقت ان کی تعداد ۱۳ یا ۱۴ تھی۔ دوسری مرتبہ ۸ھ یا ۹ھ میں جب ان کی تعداد چالیس تھی یکی وہ وفد ہے جس کے قبیلہ کی مسجد میں اسلام میں مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے جمعہ قائم ہوا ہے چنانچہ بخاری کی روایت ہے:

اول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم في مسجد عبدالقيس بجواثي من البحرين۔

”مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ بحرین کے مقام جواثی میں عبدالقیس کی مسجد میں قائم ہوا ہے۔“

اس وفد کی آمد کے سلسلہ میں یہ منقول ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ تمہارے پاس ابھی ایک ایسا قافلہ آنے والا ہے جو اہل مشرق میں سب سے بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ ان کو دیکھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو انہیں تیرہ آدمیوں کا ایک قافلہ آتا ہوا نظر پڑا، جب قافلہ قریب آگیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو آنحضرت ﷺ کی بشارت سنا لی اور قافلہ کے ساتھ ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوئے، اہل قافلہ کی نظر جوں ہی روئے انور ﷺ پر پڑی سب کے سب بے تابانہ آپ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے اور فرط اشتیاق سے اپنا سامان اسی طرح چھوڑ کر دیوانہ وار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کے دست مبارک چومنے لگے، حضرت عبدالقیس جو امیر قافلہ تھے اگرچہ نو عمر تھے لیکن سب سے پیچھے رہ گئے تھے، انہوں نے پہلے سب کے اونٹ باندھے پھر اپنا بکس کھولا، سفر کے کپڑے اتارے اور دوسرا لباس تبدیل کیا پھر سکون و وقار کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دیا آدمی بد شکل تھے۔ جب آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھائی تو انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آدمی کی محبت صرف اس کے ڈھانچے سے نہیں ہوتی بلکہ اس کی قدر و قیمت اس کے دو چھوٹے اعضاء بتاتے ہیں اور وہ ”زبان و دل“ ہیں، ”آپ ﷺ نے فرمایا“ تم میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ و رسول پسند کرتے ہیں یعنی دانائی اور بردباری۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ خصلتیں مجھ میں پیدا کئی ہیں یا کسی؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”پیدا کئی۔“

اس قبیلہ کے افراد کو اپنے وطن سے مدینہ آنے کے لئے ”کفار مضر“ کے قبیلے کے پاس سے گزرنا پڑتا تھا اس قبیلہ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ بہت زیادہ جنگ جو تھا۔ ان کی آبادی کے قریب سے جو بھی گزرتا تھا ان سے جنگ ہونی ضرور تھی اسی لئے اس وفد نے کہا چونکہ ہمارے لئے عام دنوں میں آنا بہت مشکل ہے، اس لئے بار بار نہیں آسکتے، صرف ان ہی مہینوں میں آسکتے ہیں جو عرب میں اشہر حرام سمجھے جاتے ہیں۔ اہل وفد کو جن چیزوں کی تعلیم دی گئی وہ چار ہیں:

① اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ ② نماز۔ ③ روزہ۔ ④ زکوٰۃ۔ ⑤ حج کا ذکر نہیں کیا گیا لیکن بعض محدثین نے اس حدیث میں ”حج البیت“ کے الفاظ ذکر کئے ہیں جس کو حافظ ابن حجرؒ نے شاذ قرار دیا ہے۔

ان لوگوں کو ایک حکم بعد میں جو بطور خاص دیا گیا وہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ ادا کرنے کا تھا اور ان کو یہ حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ یہ لوگ اکثر جہاد کیا کرتے تھے اور کفار سے مقابلہ آرائی کے نتیجے میں مال غنیمت حاصل کرتے تھے۔

جن چار چیزوں سے ان لوگوں کو منع کیا گیا وہ چار برتن تھے جن کے استعمال کی ان دنوں ممانعت تھی اصل میں یہ مخصوص قسم کے برتن ہوتے تھے جو اہل عرب کے ہاں شراب بنانے اور شراب رکھنے کے کام میں آتے تھے۔ چونکہ شراب حرام ہو چکی تھی اس لئے ان برتنوں

کے استعمال سے بھی منع فرمادیا گیا تاکہ اس سے شراب کی موجودگی یا شراب کے استعمال کا شبہ نہ ہو سکے مگر جب بعد میں شراب کی حرمت مسلمانوں کے دلوں میں پختگی کے ساتھ بیٹھ گئی اور ان برتنوں کے بارہ میں بھی یہ احتمال نہ رہا کہ یہ برتن خاص طور پر شراب ہی کے لئے بنائے جاتے ہیں تو ان کا استعمال مباح قرار دیا گیا، لہذا اب یہ حکم منسوخ مانا جائے گا۔

احکامات اسلام

(۱۶) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَوْلَهُ عَصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ بَايَعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَخْصُوا فِي مَعْرُوفٍ فَمَنْ فِي مِنْكُمْ فَاجِرُهُ عَلَى اللَّهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ فَهُوَ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ فَبَايَعَنَاهُ عَلَى ذَلِكَ۔ (متفق عليه)

”اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی اس جماعت کو جو آپ ﷺ کے گرد بیٹھی ہوئی تھی (مخاطب کر کے) فرمایا۔ مجھ سے ان باتوں پر بیعت (عہد و اقرار) کرو کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے (افلاس کے ڈر سے) اپنے بچوں کو قتل نہ کرو گے، جان بوجھ کر کسی پر بہتان تراشی نہ کرو گے اور شریعت کے مطابق تمہیں جو احکام دوں گا اس کی نافرمانی نہیں کرو گے پس تم میں سے جو شخص اس عہد و اقرار کو پورا کرے گا اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے (کہ آخرت میں اپنے انعامات سے نوازے گا) اور جو شخص (سوائے شرک کے) ان میں سے کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے اور چھ دن یا اس کو اس گناہ کی سزا بھی مل جائے (جیسے حد وغیرہ جاری ہو) تو یہ سزا اس کے (گناہ) کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرنے والے کے گناہ کی ترمیم فرمائی (اور دنیا میں اسے سزا نہ ملی) تو اب یہ خدا کی مرضی پر منحصر ہوگا کہ چاہے تودہ (ازراہ کرم) آخرت میں بھی درگزر فرمائے اور چاہے اسے عذاب دے (راوی کہتے ہیں کہ ہم نے ان سب شرطوں پر) آپ ﷺ سے بیعت کی۔“ (بخاری و مسلم)

عورتوں کے لئے آپ ﷺ کا فرمان

(۱۷) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَصْحَابِي أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمَنْصَلِيِّ فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنَّي أُرِيكُمْ أَهْلَ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ تُكْتَبُ الزَّكَاةُ وَتَكْفَرُونَ الْعَشِيرَ مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلْبَرِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ قُلْنَ وَمَا نَقْصَانِ دِينِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْبَيْسُ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ نَصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلَى قَالَ فَذَلِكَ مِنْ نَقْصَانِ عَقْلِهَا قَالَ الْبَيْسُ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تَصِلْ وَلَمْ تَصِلْ قُلْنَ بَلَى قَالَ فَذَلِكَ مِنْ نَقْصَانِ دِينِهَا۔ (متفق عليه)

”اور ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) عید یا بقر عید کی نماز کے لئے عید گاہ تشریف لائے تو عورتوں کی ایک جماعت کے پاس بھی تشریف لے گئے۔ (جو نماز کے لئے ایک الگ گوشہ میں جمع تھیں) اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا ”اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ و خیرات کرو کیونکہ میں نے تم سے اکثر کو دوزخ میں دیکھا ہے“ (یہ سن کر) ان عورتوں نے کہا، یا رسول اللہ! اس کا سبب؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تم لعن و طعن بہت کرتی ہو اور اپنے شوہروں کو نافرمانی و ناشکری کرتی رہتی ہو اور میں نے عقل و دین میں

۱۔ مشہور انصاری صحابہ میں سے ہیں جو بیعت عقبہ اولی و ثانیہ میں شریک تھے اہل صفہ کے معلم تھے، آپ نے ۷۲ سال کی عمر یا کر ۷۳ھ میں وفات پائی۔
۲۔ آپ کا اصل نام سعد بن مالک بن شیبان ہے، ابوسعید آپ کی کنیت ہے اور خدری کی نسبت سے مشہور ہیں۔ ۷۲ھ میں جمعہ کے روز ۸۳ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

کمزور ہونے کے باوجود ہوشیار مرد کو بے وقوف بنا دینے میں تم سے بڑھ کر کس کو نہیں دیکھا؟ (یہ سن کر) ان عورتوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہماری عقل اور ہمارے دین میں کیا کمی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا ایک عورت کی گواہی آدمی کے برابر نہیں ہے (یعنی کیا ایسا نہیں ہے کہ شریعت میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر سمجھی جاتی ہے) انہوں نے کہا، جی ہاں ایسا ہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس کی وجہ عورت کی عقل کی کمزوری ہے اور کیا ایسا نہیں ہے کہ جس وقت عورت حیض کی حالت میں ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے، انہوں نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ اس کے دین میں نقصان کی وجہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اسلام کے ابتدائی زمانہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ ہی مسجد میں نماز ادا کرتی تھیں اس لئے عید یا بقرعید کی نماز کے لئے بھی عورتیں عید گاہ آتی تھیں اور چونکہ وہ الگ ایک کونہ میں بیٹھی ہوتی تھیں اور خطبہ کی آواز ان تک نہیں پہنچتی تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ احکام اور دینی ضروریات کی باتیں ان تک پہنچائی جائیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو وعظ و نصیحت سے مشرف فرمایا۔

اکثر عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ جہاں ایک دول کر بیٹھیں، کسی تقریب یا عورتوں کے مجمع میں پہنچیں بس ایک دوسرے کی غیبت کرنا، دنیا بھر کی برائی و بھلائی بیان کرنا اور لعن و طعن کی بوچھاڑ کرنا شروع کر دیتی ہیں اور پھر ان کا زیادہ تر وقت ان خرافاتی باتوں میں گزرتا ہے۔ اسی طرح یہ بڑا روگ بھی ان عورتوں میں پایا جاتا ہے کہ ان کا شوہر ان کی آسائش اور ان کے راحت و آرام کے لئے کتنے ہی پاؤں بیلے، کتنی ہی مشقت و محنت کر کے ان کی ضروریات کی تکمیل کرے۔ اور ان کو خوش رکھنے کے لئے کتنی ہی مصیبتیں اٹھائے مگر ان کی زبان سے کبھی بھی شوہروں کا شکر ادا نہیں ہوتا، ہمیشہ ناشکری ہی کے الفاظ ان کی زبان سے نکلتے ہیں، رہی شوہروں کی نافرمانی کی بات تو یہ برائی بھی عورتوں میں کچھ کم نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں عورتوں کے ایک بہت بڑے عیب کی غمازی کرتی ہیں۔ جس سے ان کی آخرت تباہ ہوتی ہے اور جو ان کو اللہ کے عذاب کا مستوجب بناتا ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ان کے اس خاص عیب کی نشان دہی فرمائی اور ان سے فرمایا کہ تمہارے اندر اس قسم کی جو باتیں ہیں ان کو ہلکامت جانو، بلکہ یہ وہ گناہ ہیں جن کی وجہ سے اللہ کا عذاب تم پر ہو گا اور تم قہر خداوندی میں گرفتار ہو کر دوزخ میں دھکیل دی جاؤ گی اور تمہاری ان ہی باتوں کے سبب دوزخ میں تم عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت زیادہ ہو گی، لہذا تم صدقہ و خیرات کرتی رہا کرو تاکہ ایک طرف تو اس کی برکت سے تمہارے اندر ان باتوں کی کمی آئے اور یہ عیب جاتا رہے دوسری طرف اللہ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہو اور تمہارے گناہوں کی بخشش ہو۔

لعن (طعن) کے معنی ہیں، اللہ کی رحمت سے دور کرنا۔ حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کسی کو لعن طعن کرنا انتہائی بری حرکت ہے چنانچہ شریعت کا حکم ہے کہ کسی شخص کو متعین کر کے اس پر لعنت نہ بھیجی جائے چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ کسی متعین کافر پر بھی لعنت بھیجنے کی ممانعت اس بنا پر ہے کہ نہیں کہا سکتا کہ کب اس کو ایمان و اسلام کی توفیق ہو جائے اور وہ کفر و شرک کی لعنت سے نکل کر اللہ کی رحمت کے سایہ میں آجائے۔ ہاں جو شخص کفر کی حالت میں مر گیا ہو اور اس کا کفر پر مرنا یقینی طور پر معلوم ہو تو اس پر لعنت بھیجی جاسکتی ہے اسی طرح نفس برائی پر لعنت بھیجی جاسکتی ہے یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ کفر پر اللہ کی لعنت یا یہ کہ کافروں پر اللہ کی لعنت۔

عورتوں میں ”عقل کی کمی“ یا ان کے ”دینی نقصان“ کا اظہار عورتوں کی تحقیق کے لئے ہرگز نہیں ہے بلکہ قدرت کے اس تخلیقی توازن کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے جو مردوں اور عورتوں کے درمیان جسمانی و طبعی فرق صنفیت کی بنیاد ہے اور یہ فرق صنفیت دراصل فطرت کا تقاضا ہے جس کے بغیر نوع انسانی کا ذاتی و معاشرتی نظام زندگی برسر اعتدال نہیں رہ سکتا، خالق کائنات نے جسمانی، طبعی، عقلی اور دینی طور پر مرد کو عورت کی بہ نسبت جو برتر درجہ دیا ہے اور جس کا ثبوت اس حدیث سے واضح ہے وہ انسانی معاشرہ کے اعتدال و توازن کی برقراری کے لئے ہے نہ کہ شرف انسانیت میں کسی فرق کے اظہار کے لئے، اس شرف میں مرد و عورت دونوں کی یکساں حیثیت ہے اور دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔

انسان کو سرکشی زیب نہیں دیتی

①۸ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِنِّي فَقُولُ لَنْ يُعْبِدَنِي كَمَا بَدَأْنِي وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِنِّي فَقُولُهُ اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا..... وَأَنَا الْأَخْذُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِنِّي فَقُولُهُ لَنْ يُولَدَ وَسُبْحَانِي أَنْ اتَّخَذَ صَاحِبَةً أَوْ وَلَدًا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم (انسان) مجھ کو جھٹلاتا ہے اور یہ بات اس کے شمایان نہیں اور میرے بارے میں بدگوئی کرتا ہے حالانکہ یہ اس کے مناسب نہیں ہے، اس کا مجھ کو جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے مجھ کو (اس دنیا میں) پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح وہ (آخرت میں) مجھ کو دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کر سکتا حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں مشکل نہیں ہے۔ اور اس کا میرے بارے میں بدگوئی کرنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے، اللہ نے اپنا بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں تنہا اور بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ مجھ کو کسی نے جنا اور نہ کوئی میرا ہمسرہ ہے اور ابن عباس کی روایت میں اس طرح ہے ”اور اس (انسان) کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کا بیٹا ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی یا بیٹا بناؤں۔“ (بخاری)

تشریح: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی اور یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک مرتبہ پیدا ہو کر مرجانے والوں اور اس دنیا سے اپنا وجود ختم کر دینے والوں کو دوبارہ حیات ملے اور نئی دنیا (آخرت) کے لئے ان کا وجود پھر عمل میں آئے یا اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے ”بیٹا“ ثابت کرتے ہیں اور اس کا عقیدہ رکھتے ہیں جیسے عیسائیوں کا کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، یا یہودیوں کا کہنا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کی اولاد ہیں، درحقیقت فکر و عقیدہ کی بے راہ روی ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا اور اس کی ذات پر بہتان باندھنا ہے۔ جھوٹ کی نسبت تو اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی کتابوں اور اپنے سچے پیغمبروں کے ذریعہ قیامت کی واضح خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ ہر ذی روح کو مرنا ہے اور پھر آخرت میں دوبارہ زندہ ہو کر ایک نئی حیات پاتا ہے جو ابدی ہوگی، اب اگر کوئی شخص قیامت کا انکار کرتا ہے یا حیات بعد الموت کو ناممکن سمجھتا ہے تو دراصل وہ ظاہر کرتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ جھوٹا ہے جس نے یہ غلط باتوں کی ہمیں خبر دی ہے اسی طرح یہ تصور قائم کرنا اور کہنا کہ جو شخص ایک مرتبہ پیدا ہو کر نیست و نابود ہو چکا ہے وہ دوبارہ وجود نہیں پاسکتا، درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت قادریت و خالقیت کا انکار کرنا ہے۔ ان نادانوں کی عقل میں یہ مولیٰ بات نہیں آتی کہ جو خالق کسی چیز کو عدم سے نکال کر وجود کا لباس پہنا سکتا ہے وہ اسی چیز کو جبکہ وہ ٹوٹ پھوٹ کر اپنا قلب کھو چکی ہو، دوبارہ قالب اور وجود عطا کیوں نہیں کر سکتا، محدود قدرت رکھنے والا انسان بھی کسی چیز کی تخلیق میں اگر کوئی دقت اور مشکل محسوس کرتا ہے تو پہلی مرتبہ کی تخلیق میں محسوس کرتا ہے جب کہ اسی چیز کو دوبارہ بنانا اس کے لئے چنداں مشکل نہیں ہوتا، پھر لامحدود طاقت و قدرت رکھنے والے خلاق عالم کو اپنی کسی تخلیق کے دوبارہ وجود دینے میں بھلا کیا دقت ہو سکتی ہے۔ واضح ہو کہ ”پہلی مرتبہ“ اور ”دوسری مرتبہ“ کی یہ تفصیل انسان کے اعتبار سے اور محض سمجھانے کے لئے ہے اس کا تعلق حق تعالیٰ کی ذات سے ہرگز نہیں ہے وہ تو قادر مطلق ہے، کسی چیز کو پیدا کرنا نہ اس کے لئے پہلی مرتبہ مشکل ہے اور نہ دوسری مرتبہ۔

اللہ کے بارے میں بدگوئی کے ذریعہ اس کی ذات پر بہتان باندھنا اس اعتبار سے ہے کہ جب اس نے واضح طور پر بتایا ہے کہ وہ تنہا، بے نیاز اور بے کفو ہے اور یہ کہ نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ اس نے کسی کو جنا تو پھر کسی کو اس کا بیٹا بنانا یا اس کو کسی کا باپ بنانا اس کی ذات پر بہتان تراشی نہیں تو اور کیا ہے، یہ انسان کی ذہنی پستی اور فکر و خیال کی گراوٹ کی بات ہے کہ وہ اپنے خالق اور اپنے پروردگار کی طرف

ایسی چیزوں کی نسبت کرے جس سے اس کی ذات پاک ہے، بے نیاز ہے۔

زمانہ کو بُرا مت کہو

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ يُؤَذِّنُنِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ بِيَدِي الْأَمْرُ أَقْلِبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ابن آدم (انسان) مجھے تکلیف دیتا ہے (اس طرح کہ) کہ وہ زمانہ کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانہ (کچھ نہیں وہ) تو میں ہی ہوں، سب تصرفات میرے قبضہ میں ہیں اور شب و روز کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: جاہلوں کی عادت ہے کہ وہ انسانوں کی اپنی پیدا کی ہوئی پریشانیوں اور مصیبتوں کو برائی کی صورت میں زمانہ اور وقت کے سر تھوپ دیتے ہیں اور اپنی زبان سے اس طرح کے الفاظ نکالتے ہیں ”زمانہ خراب ہے، بہت برا وقت ہے“ اس طرح وقت اور زمانہ کو برا کہنا نہایت غلط ہے کیونکہ زمانہ اور وقت تو کچھ بھی نہیں ہے، اصل متصرف حق تعالیٰ کی ذات ہے جس کے قبضہ میں لیل و نہار کی گردش ہے اور اسی گردش لیل و نہار کا نام زمانہ اور وقت ہے، اگر زمانہ اور وقت کو متصرف سمجھ کر برا کہا جاتا ہے تو متصرف چونکہ حق تعالیٰ ہے اس لئے وہ برائی حق تعالیٰ کی طرف جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا صبر و تحمل

(۲۰) وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلَى أَدَى يَسْمَعُهُ مِنَ اللَّهِ يَدْعُونَ لَهُ الْوَلَدَ ثُمَّ يَعْافِيهِمْ وَيَبْرِزُهُمْ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا تکلیف وہ کلمات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر و تحمل کرنے والا کوئی نہیں، لوگ اس کے لئے بیٹا جوڑ کر لے ہیں وہ اس پر بھی (ان سے انتقام نہیں لیتا بلکہ) ان کو عافیت بخشتا ہے اور روزی پہنچاتا ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: خداوند قدوس کی ذات اس سے پاک اور بالاتر ہے کہ کوئی انسان اگر اپنے قول و فعل سے اس کو تکلیف پہنچانا چاہے، تو وہ کامیاب ہو جائے یا کوئی شخص اس کو نقصان پہنچانا چاہے تو اسے نقصان پہنچ جائے اس لئے یہاں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ واقعی اس کو انسان کے قول و فعل سے تکلیف پہنچتی ہے اور وہ صبر و تحمل کرتا ہے اور نہ اس حدیث کا مقصد اس بات کو ظاہر کرتا ہے۔ اصل منشاء انسانی دل و دماغ کو جھنجھوڑنا اور عقل و شعور کو بیدار کرنا ہے کہ جب اللہ کی اپنی بنائی ہوئی مخلوق اسی کے پیدا کئے ہوئے انسان اسی کے خزانہ قدرت سے مستفید ہونے والے لوگ اپنے قول و فعل سے اللہ کو ایذا پہنچانے کے سامان تیار کرتے ہیں اس کو تکلیف دینے کا ارادہ کرتے ہیں جیسے اس کی نافرمانی کرنا اس کے احکام و ہدایات اور اس کے دین کا مذاق اڑانا اور اس کی طرف ان چیزوں کی نسبت کرنا جن سے اس کی ذات بالکل پاک اور منزہ ہے مثلاً کسی کو اس کا بیٹا بنانا، کسی کو اس کا جوڑا قرار دینا تو یہ ایسی باتیں ہیں کہ جن پر اس کا غضب اگر بھڑک اٹھے تو نہ صرف ان لوگوں کا تمام نظام زندگی تہ و بالا کر کے رکھ دے بلکہ پوری کائنات کو بل بھر میں نیست و نابود کر ڈالے۔ مگر اس کے برداشت و تحمل کو دیکھو کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے کے بجائے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کرتا، کسی کی روئی روزی بند نہیں کرتا، کسی کو زندگی کے وسائل و ذرائع سے محروم نہیں کرتا، جس طرح اس کے نیک اور اطاعت گزار بندے اس کے فضل و کرم کے سایہ میں ہیں اسی طرح بدکار اور سرکش بندے بھی اس کے خزانہ رحمت سے پل رہے ہیں اس کی نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔

توحید کی اہمیت

②۱ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ كُنْتُ رَذِفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حِمَارٍ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا مَوْجِرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مُعَاذُ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا يُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرُهُمْ فَيَتَكَلَّبُوا - (متفق علیہ)

”اور حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ (ایک سفر کے دوران سواری کے) گدھے پر میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میرے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان کجاوے کا چھلکا نہ تھا، آنحضور ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا معاذؓ! جانتے ہو بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ پر بندوں کا یہ حق ہے کہ جس نے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرایا، اسے عذاب نہ دے (یہ سن کر) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں یہ خوشخبری لوگوں کو سنا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سناؤ کیونکہ وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے (اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: عرب کے گدھے ہماری طرف کے گھوڑوں سے بھی زیادہ تیز اور طاقتور ہوتے ہیں اس لئے وہاں سواری کے لئے گدھے بھی استعمال کئے جاتے تھے اور ان پر سواری کی جاتی تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے اللہ کو ایک مان لیا اس کی الوہیت و ربوبیت اور اس کی بھیجی ہوئی رسالت پر ایمان لے آیا اور اس کی عبادت و پرستش میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو اس پر اللہ کا عذاب نہیں ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آیا اور شرک کا مرتکب نہیں ہوا تو اس پر دوزخ کی آگ بالکل حرام ہو جائے گی۔ اگرچہ وہ کتنا ہی بد عمل اور بدکار ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین اور کفار کی طرح اس پر ہمیشہ کے لئے عذاب مسلط نہیں کیا جائے گا اور نہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا بلکہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخر کار جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

دوزخ سے رہائی

②۲ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ رَذِفُهُ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدُكَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدُكَ ثَلَاثًا قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ إِلَّا حَرَمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا أَخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبِشِرُوا قَالَ إِذَا يَتَكَلَّبُوا فَآخِزْ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأْتِمًا - (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے اس وقت جب کہ (سفر کے دوران) سواری پر تھے اور آپ ﷺ کے پیچھے معاذؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا ”اے معاذ“ انہوں نے کہا ”حاضر ہوں یا رسول اللہ“ آنحضور ﷺ نے پھر فرمایا ”اے معاذ“ معاذ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ حاضر ہوں“ آپ ﷺ نے پھر تیسری مرتبہ مخاطب فرمایا ”اے معاذ“ معاذ نے پھر کہا ”یا رسول اللہ حاضر ہوں“ آنحضور ﷺ نے اسی طرح تین مرتبہ معاذؓ کو مخاطب کرنے کے بعد فرمایا ”اللہ کا جو بندہ سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے“ (یہ سن کر) معاذؓ نے عرض کیا

لے آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن ہے لیکن معاذ بن جبل کے نام سے معروف ہیں انصاری صحابی ہیں۔ ۴۸ سال کی عمر میں ۱۸ھ میں وفات پائی۔

”یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اس (خوشخبری) سے لوگوں کو آگاہ کروں تاکہ وہ اس بشارت کو سن کر خوش ہو جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں لوگ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے“ (حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آخر کار معاذؓ نے اس خوف سے کہ حدیث چھپانے کا گناہ نہ ہو اپنی وفات کے وقت اس حدیث کو بیان کر دیا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضور ﷺ نے معاذ کو بار بار اس لئے مخاطب فرمایا تاکہ ان کے دل و دماغ میں مضمون کی اہمیت و عظمت بیٹھ جائے اور وہ جان لیں کہ جو بات کہی جانے والی ہے وہ ایسی نہیں ہے کہ سرسری طور پر سن لی جائے بلکہ اس کی عظمت کا تقاضا ہے کہ اس کو پوری توجہ سے سنا جائے اور دل و دماغ کی گہرائیوں تک اس کو پہنچایا جائے۔

فرمایا گیا کہ جس نے اللہ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کا اقرار صدق دل سے کر لیا اور اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جائے گی لیکن محض یہ تصدیق و اقرار ہی حرمت نار کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ اس شہادت و تصدیق کے ساتھ ساتھ اس کے جو تقاضے ہیں ان کو بھی پورا کیا جائے یعنی دین و شریعت کی پوری پیروی کی جائے اور احکام خداوندی و فرمان رسول کی فرمانبرداری کی جائے اور یہ شہادت و تصدیق جن فرائض کو عائد کرتے ہیں ان پر عمل کیا جائے، اس طرح خدا کا فضل و کرم دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا، اسی لئے جب حضرت معاذؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس بشارت کو عام لوگوں تک پہنچانے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ لوگ اس خوشخبری کو سن کر اسی پر بھروسہ کر لیں گے اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے جس کا نتیجہ عذاب خداوندی ہے یا پھر وہی تاویل کی جائے گی جو پہلے کی گئی کہ عقیدہ توحید و رسالت دوزخ کے ابدی عذاب سے نجات کا ضامن ہے یعنی جس طرح کفار و مشرکین دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ جلائے جائیں گے اس طرح توحید و رسالت پر ایمان رکھنے والوں کو دوزخ کی آگ میں ہمیشہ کے لئے نہیں ڈالا جائے گا، ان میں سے جس شخص نے شریعت پر عمل نہیں کیا ہو گا اور فرائض و واجبات کو پورا نہیں کیا ہو گا اس کو اس عرصہ کے لئے جو اللہ چاہے گا دوزخ میں ڈالا جائے گا اور جب وہ اپنی سزا پوری کر لے گا تو پھر اس کو ہمیشہ کے لئے جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

خاتمہ بالا ایمان جنت کی ضمانت ہے

(۲۳) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَيْضٌ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدْ اسْتَبَقَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ عَلَى رُغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ وَكَانَ أَبُو ذَرٍّ إِذَا حَدَّثَ بِهِذَا قَالُوا وَإِنْ رُغِمَ أَنْفُ أَبِي ذَرٍّ - (تفق علیہ)

”اور حضرت ابو ذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ ایک سفید کپڑا اوڑھے سو رہے تھے (اس وقت تو میں واپس چلا آیا) پھر دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ ﷺ بیدار ہو چکے تھے آپ ﷺ نے (مجھ کو دیکھ کر) فرمایا جس شخص نے صدق دل سے لا الہ الا اللہ (یعنی اللہ کی وحدانیت کا سچے دل سے اعتراف و اقرار کیا) اور اسی عقیدہ پر اس کا انتقال ہو گیا تو وہ ضرور جنت میں داخل کیا جائے گا“ میں نے عرض کیا: ”اگرچہ اس نے چوری اور زنا (جیسے بڑے گناہوں) کا ارتکاب کیا ہو؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، خواہ وہ چوری اور زنا کے جرم کا مرتکب کیوں نہ ہو۔ میں نے پھر (تعجب سے) سوال کیا، اگرچہ اس نے چوری اور زنا کا ارتکاب ہی کیوں نہ کیا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں خواہ وہ چوری اور زنا کے جرم کا ارتکاب کیوں نہ ہو؟ میں نے (پھر سہ بارہ) بہت حیرت سے عرض کیا، اگرچہ اس نے چوری اور زنا کے جرم کا ارتکاب کیا ہو؟ (تیسری مرتبہ بھی) آپ ﷺ نے یہی فرمایا ”ہاں خواہ وہ

اصل نام جناب بن جنادہ ہے اور ابو ذر غفاریؓ کی کنیت سے مشہور ہیں، آپ مکہ میں بالکل ابتدائے اسلام میں ایمان سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔ آپ کا انتقال ۳۲ھ میں ہوا ہے۔

چوری اور زنا کے مرتکب کیوں نہ ہوا ہو اور خواہ ابوذرؓ کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ (راوی کہتے ہیں کہ) جب بھی حضرت ابوذرؓ یہ حدیث بیان کرتے (بطور فخر) اس آخری فقرہ ”خواہ ابوذرؓ کو کتنا ہی ناگوار گزرے“ ضرور نقل کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے اور اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس کے فضل و کرم سے کوئی بعید نہیں کہ وہ اس شخص کو جنت میں داخل کر دے جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا تھا مگر مرتے وقت اس کا دل ایمان و یقین کی روشنی سے منور تھا، تاہم محدثین اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس کی بخشش و مغفرت اس کے ایمان کی بنا پر تو ہر حال میں ہوگی یعنی اس کو ابدی نجات سے سرفراز کیا جائے گا مگر دنیا میں اس نے جو گناہ کئے ہوں گے اور جن بد اعمالیوں کا مرتکب ہوا ہو گا پہلے ان کی سزا اس کو بھگتنی ہوگی۔ چنانچہ ابوذر غفاریؓ کو اسی لئے تعجب ہو رہا تھا اور وہ بار بار پوچھ رہے تھے کہ کیا کوئی شخص محض اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت پر ایمان و اقرار کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا خواہ اس نے شریعت کی اطاعت نہ کی ہو اور بڑے بڑے گناہوں کا مرتکب رہا ہو؟ مگر حقیقت میں نگاہ نبوت اللہ کی وسیع و بیکراں رحمت کو دیکھ رہی تھی کہ بڑے بڑے سرکش اور بدکار انسان جنہوں نے پوری زندگی اللہ و رسول کے احکام سے سرکشی میں گزاری، جن کی عمر کا کوئی حصہ شریعت کی اطاعت میں نہیں گزرا انہوں نے جب آخر میں ندامت و شرمندگی اور خلوص دل سے توبہ کر لی اور مرتے وقت ان کا دل ایمان و یقین کے نور سے منور ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت نے اس توبہ و انابت اور ایمان و یقین کی بدولت جس نے سچائی اور اخلاص کے ساتھ ان کے اندر کی دنیا میں اکدم انقلاب برپا کر دیا تھا ان کی پوری زندگی کی سرکشی اور بدکاریوں کو معاف کر دیا اور اپنے فضل و احسان کے سایہ میں لے کر ان کو ابدی نجات سے سرفراز کر دیا۔

نجات کا دار و مدار کس پر ہے

(۴۲) وَعَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ مَرْيَمَ وَرُوحُ مِنْهُ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ عَلَى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ - (تفصیل علیہ)

”اور عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس بات کی گواہی دے (یعنی زبان سے اقرار کرے اور دل سے سچ جانے) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور کوئی اس کا شریک نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ (بلاشبہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس بات کی بھی شہادت دے کہ) عیسیٰ علیہ السلام (بھی) اللہ کے بندے اور رسول اور اللہ کی لونڈی (مریم) کے بیٹے اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی جانب ڈالا تھا اور اللہ کی بھیجی ہوئی روح ہیں اور یہ کہ جنت و دوزخ حق (اور واقعی چیزیں) ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں ضرور داخل کرے گا خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہی ہے کہ ابدی نجات کا دار و مدار ایمان و عقائد کی اصلاح پر ہے اس میں کسی قسم کی کوتاہی قابل معافی نہیں ہو سکتی، ہاں اعمال کی کمزوریاں رحمت خداوندی سے معاف ہو سکتی ہیں۔

ایمان کی بنیاد چونکہ توحید کو ماننا اور اس کی شہادت دینا اس لئے سب سے پہلے اسے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اللہ کی وحدانیت اور اس کی الوہیت و ربوبیت پر صدق دل سے اعتقاد رکھا جائے پھر اس کے بعد رسالت کا درجہ ہے تو ضروری ہے کہ رسول کی رسالت ایمان لایا جائے اسی طرح تمام رسولوں کی رسالت پر ایمان رکھنا بھی نجات کے لئے ضروری ہے۔ یہاں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر علامت کے طور پر بھی ہے اور ایک خاص وجہ سے بھی دراصل ان کے بارے میں ایک گروہ (یعنی عیسائیوں) کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ ابن اللہ ہیں۔ اس باطل عقیدہ کی تردید کے لئے ان کا ذکر کیا گیا اور وضاحت کر دی گئی کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ تو اللہ کے بیٹے ہیں اور نہ اللہ ان کے اندر حلول کئے ہوئے ہے بلکہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں جسے اس نے اپنی ایک باندی مریم علیہا السلام کے پیٹ سے پیدا کیا

اسی لئے ان کو ”کلمۃ اللہ“ کہا جاتا ہے کہ ان کی پیدائش بغیر باپ کے صرف اللہ کے حکم ”کلمہ کن“ سے ہوئی۔ ”روح اللہ“ ان کو اس لئے نہیں کہا گیا کہ ان کے اندر اللہ کا کوئی جزویا اللہ کی روح شامل ہے بلکہ ”روح اللہ“ آپ کا لقب اس لئے قرار دیا گیا کہ آپ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے اور مٹی کی چیزیں بنا کر اور ان میں جان ڈال کر اڑا دیتے تھے۔ عقیدہ توحید و رسالت کے بعد تصور آخرت کا عقیدہ بھی بنیادی ہے لہٰذا اس بات پر ایمان و یقین رکھنا کہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا برحق ہے اور جنت و دوزخ واقعی چیزیں ہیں، یہ وہ عقائد ہیں جن کو ماننا، صدق دل سے ان پر ایمان رکھنا اور خلوص نیت سے ان کو تسلیم کرنا ابدی نجات کا ضامن ہے۔ ان عقائد کو ماننے ہوئے اگر اعمال کی کوتاہیاں بھی ہوں تو اس صورت میں بھی اس حدیث نے جنت کی بشارت دی ہے۔ لیکن جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے یہ بات طے ہے کہ جو عملی کوتاہیاں اور بد اعمالیاں رحمت خداوندی سے معاف نہیں ہوں گی ان پر سزا ضرور ملے گی مگر سزا پوری ہونے کے بعد اس کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ لہٰذا اس حدیث کو اس مفہوم میں لینا چاہیے کہ اگر ان عقائد کے ماننے کے بعد کسی نے اعمال بھی اچھے کئے، شریعت کی پیروی کرتے ہوئے تمام احکام بجالایا اور خلاف شرع کوئی کام نہیں کیا تو بغیر کسی عذاب و سزا کے اسے جنت میں داخل کیا جائے گا اور اگر کسی نے ان عقائد کو ماننے کے بعد اعمال اچھے نہ کئے شریعت کی پابندی نہیں کی، اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کی فرمانبرداری نہیں کی تو وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتے گا مگر آخر کار اسے بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

قبول اسلام سے سابقہ گناہ مٹ جاتے ہیں

(۲۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ أُبَسِّطُ يَمِينَكَ فَلَا تُبَايِعَكَ فَبَسَّطَ يَمِينَهُ فَقَبَضْتُ يَدَيْهِ فَقَالَ يَا عَمْرُو قُلْتُ أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَاذَا؟ قُلْتُ أَنْ يُعْفُوَ لِي قَالَ أَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ زَوَاهِ مُسْلِمٍ وَالْحَدِيثَانِ الْمُرَوَّيَانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا أَغْنِي الشُّرَكَاءَ عَنِ الشُّرْكِ وَالْأَخَوَ الْكِبْرِيَاءَ رَدَّائِي سَنَدًا كُتُبُهُمَا فِي بَابِ الزِّيَارَةِ وَالْكَبْرِ بَابِ شَاءِ اللَّهِ تَعَالَى۔

”اور حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی روشنی سے میرے قلب و دماغ کو منور کیا تو میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا ”یا رسول اللہ الایہ اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ ﷺ سے اسلام کی بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے (یہ سن کر) اپنا ہاتھ (جب) بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ سمجھ لیا، آپ ﷺ نے (حیرت سے) فرمایا عمرو یہ کیا؟ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! میں کچھ شرط کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا (میں چاہتا ہوں) کہ میرے (ان) تمام گناہوں کو معاف کر دیا جائے (جو میں نے اسلام سے پہلے کئے تھے) آپ ﷺ نے فرمایا اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام ان تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو قبول اسلام سے قبل کئے گئے ہوں، ہجرت ان تمام گناہوں کو دور کر دیتی ہے جو اس (ہجرت) سے پہلے کئے گئے ہوں اور حج ان تمام گناہوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے جو اس حج سے پہلے کئے گئے ہوں (مسلم) اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ دونوں حدیثیں یعنی ”قال اللہ تعالیٰ ان اغنی الشُّرَكَاءَ عَنِ الشُّرْكِ الْخ“ اور ”الکبرياء و انی الخ“ ریاء اور کبر کے باب میں نقل کی جائیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔“

تشریح: ایک شخص اگر اپنی زندگی کا ایک اچھا خاصہ کفر و شرک میں گزار کر بعد میں اسلام کی دولت سے بہرور ہوتا ہے، تو کیا اس کے زمانہ اسلام سے پہلے کے اعمال پر مواخذہ ہوگا؟ یعنی کفر و شرک اور گناہ و معصیت جو اس سے پہلے صادر ہوتے رہے ہیں ان پر عذاب ہوگا یا نہیں؟ اس حدیث نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ اسلام کی روشنی پہلی تمام تاریکی کو خواہ وہ کفر و شرک کا اندھیرا ہو یا گناہ و معصیت کی

لے آپ مشہور و معروف قریشی صحابی ہیں آپ کی کنیت ابو عبد اللہ یا ابو محمد بیان کی گئی ہے آپ کا سن وفات ۴۳ھ بیان کیا جاتا ہے۔

ظلمت، آن واحد میں ختم کر ڈالتی ہے اور صرف ایک کلمہ کی بدولت جو خلوص دل سے نکلا ہو، انسان کا قلب و دماغ بالکل مٹلی ہو جاتا ہے، نہ وہاں شرک کی ظلمتوں کا کوئی نشان رہ جاتا ہے اور نہ گناہ و معصیت پر عذاب کا کوئی خدشہ، لیکن اتنی بات جان لینی چاہیے کہ بخشش اور مغفرت کا تعلق ذنوب اور گناہوں سے ہے، ان حقوق کے ساتھ نہیں ہے جو قرض، امانت، عاریت اور خرید و فروخت کے سلسلے میں اس کے ذمہ ابھی باقی ہیں کیونکہ اسلام ان مطالبات کی ادائیگی کو معطل نہیں کرتا جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے بلکہ اسلام لانے کے بعد بھی اس پر لازم رہے گا کہ وہ ان مطالبات کی ادائیگی کرے جو اس کے اوپر اسلام لانے سے پہلے واجب ہوئے تھے، البتہ اس حدیث کے تحت ایسے حقوق العباد آسکتے ہیں جو زنا، چوری اور قتل وغارتگری کی صورت میں زمانہ اسلام سے قبل ناحق ضائع کر دیئے گئے تھے، اسلام کے بعد ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

اسلام کی دولت سے مستفیض ہونے کے بعد بھی چونکہ ایک مسلمان سے بقاضائے بشریت گناہ سرزد ہو سکتے ہیں اس لئے ان کے کفارہ کے لئے اس حدیث نے حج اور ہجرت دو ایسے عمل بتا دیے کہ اگر یہ دونوں کام اپنی تمام شرائط کے ساتھ پورے کئے جائیں تو یہ حقوق اللہ کے لئے کفارہ بن جائیں گے بلکہ حج کے بارے میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے یہ حقوق العباد کے لئے بھی کفارہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنے خزانہ قدرت سے صاحب حقوق کو اس کے حقوق دے کر اس بندہ کو ان حقوق سے دستبرداری و دادے اور اسے معاف کر دے۔ (ترجمان السنہ)

الفصل الثانی

ارکان دین

۲۶) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتُ عَنْ أَمْرٍ عَظِيمٍ وَإِنَّهُ لَيْسَ سِرٌّ عَلَيَّ مَنْ يَسْرُهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ تَعَبُّدُ اللَّهِ وَلَا تَشْرُكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَبْوَابِ الْخَيْرِ الصَّوْمُ جَنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ وَصَلَاةُ الرَّجُلِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ تَلَا (تَسْتَغْفِرُ عَنْ مُصَاحِبٍ) حَتَّى بَلَغَ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ سَائِرِينَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ وَعُمْودِهِ وَذُرْوَةِ سَنَامِهِ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعُمْودُهُ الصَّلَاةُ وَذُرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَخْبِرُكَ بِمَلَاكٍ ذَلِكُ كُلُّهُ قُلْتُ بَلَى يَا نَبِيَّ اللَّهِ فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ وَقَالَ كَفَّ عَلَيْكَ هَذَا فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ وَإِنَّا لَمَوْأَدُونَ بِمَا تَتَكَلَّمُ بِهِ قَالَ تَكَلَّمْتُ أَمْلِكُ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُفُّ النَّاسُ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَاحِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ السِّتْرِ هُمْ - (رواه احمد والترمذی وابن ماجہ)

”حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی عمل ایسا بتا دیجئے جو مجھ کو جنت میں لے جائے اور دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے، آپ ﷺ نے فرمایا ”حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے ایک بہت بڑی چیز کا سوال کیا ہے لیکن جس پر اللہ تعالیٰ آسان کر دے اس کے لئے یہ بہت آسان بھی ہے“ پھر فرمایا ”اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز پابندی کے ساتھ ادا کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور خانہ کعبہ کا حج کرو، پھر اس کے بعد فرمایا اے معاذ! کیا تمہیں خیر و بھلائی کے دروازوں تک نہ پہنچا دوں (تو سنو) روزہ (ایک ایسی) ڈھال ہے (جو گناہ سے بچاتی ہے اور دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھتی ہے) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے (اور اسی طرح) ارات (تہجد) میں مؤمن کا نماز پڑھنا (گناہ کو ختم کر دیتا ہے) پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (جس میں تہجد گزار اور رات میں اللہ کی عبادت کرنے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس پوری آیت کا ترجمہ ہے): ان

(مؤمنین صالحین) کے پہلو (رات میں) بستروں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف و امید سے پکارتے اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان (مؤمنین صالحین) کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے یہ ان کے اعمال کا صلہ (انعام) ہے جو وہ کرتے تھے، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں اس چیز (یعنی دین) کا سر اور اس کے ستون اور اس کے کوہان کی بلندی نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس چیز (دین) کا سر اسلام ہے، اس کے ستون نماز ہے اور اس کوہان کی بلندی جہاد ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا تمہیں ان تمام چیزوں کی جڑ نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا ہاں اللہ کے نبی ضرور بتائیے آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور (اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا، اس کو بند رکھو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ہم اپنی زبان سے جو بھی لفظ نکالتے ہیں ان سب پر مواخذہ ہوگا، آپ نے فرمایا معاذ! نکلے گا امک! (تمہاری ماں تمہیں گم کر دے اچھی طرح جان لو کہ) لوگوں کو ان کے منہ کے بل یا پیشانی کے بل دوزخ میں گرانی والی اسی زبان کو بری باتیں ہوں گی۔“ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث میں ”دین“ کی تصویر بڑے نفسیاتی انداز میں اجاگر کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کسی جسمانی وجود کا مدار ”سر“ پر ہوتا ہے کہ اگر سر کو اڑا دیا جائے تو جسمانی وجود بھی باقی نہیں رہے گا، اسی طرح ”ایمان و اسلام“ یعنی عقیدہ توحید و رسالت دین کے لئے بمنزلہ سر کے ہیں کہ اگر توحید و رسالت کے اعتقاد کو ہٹا دیا جائے تو دین کا وجود بھی باقی نہیں رہے گا، پھر جس طرح کسی جسمانی وجود کو برقرار رکھنے اور کارآمد بنانے کے لئے ”ستون“ اولین اہمیت کا حامل ہوتا ہے اسی طرح دین کا ستون نماز ہے۔ نمازی وہ مینادی طاقت ہے جو دین کے وجود کو وابستہ اور قائم رکھتی ہے اگر نماز کو ہٹا دیا جائے تو دین کا وجود اپنی اصلی حالت کی برقراری سے محروم ہو جائے۔ اور پھر جس طرح کسی جسمانی وجود کو با عظمت بنانے اور اس کی شوکت بڑھانے کے کسی امتیازی اور منفرد وصف و خصوصیت کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح جہاد وہ ضرورت ہے جس پر دین کی عظمت و شوکت اور ترقی و وسعت کا انحصار ہے اگر جہاد کو (خواہ وہ قلم سے ہو یا زبان سے اور خواہ تلوار سے ہو یا تبلیغی جدوجہد سے) اہل اسلام کے ملی وصف سے خارج کر دیا جائے تو دین ایک بے شکوہ اور بے اثر ڈھانچہ بن کر رہ جائے۔ حدیث کا آخری حصہ ”زبان“ سے متعلق اس ہدایت پر مشتمل ہے جو دین کو اضمحلال اور دینی گندگی کو کھن سے بچانے کے لئے ایک بڑے نفسیاتی نکتہ کی غماز ہے۔ مطلب یہ کہ دین کے وجود، دین کے بقا اور دین کی عظمت و شوکت کو پہنچانے کی جڑ زبان ہے زبان کو قابو میں رکھنا دین و دنیا کی فلاح و نجات کا پیش خیمہ ہے اور زبان کو قابو چھوڑ دینا خود کو دین و دنیا کی تباہی کی طرف دھکیل دینا ہے لہذا لازم ہے کہ زبان بند رکھی جائے یعنی منہ سے ایسے الفاظ نہ نکالے جائیں جو برائی فحاشی اور بدکلامی کے حامل ہوں، وہ برے کلام جو کفر آمیز یا گناہ اور فحاشی کے ہوں، یا کسی کی غیبت کرنا، جھوٹ بولنا اور یا الزام تراشی کرنا ایسی برائیاں ہیں جن سے زبان و ذہن کی حفاظت نہ کی گئی تو سمجھ لو دوزخ کا عذاب سامنے ہے۔ دین و دنیا کی بھلائی چاہنے والے اور ابدی نجات و سعادت کے طلب گار اسی لئے اپنی زبان پر قابو رکھتے ہیں کہ نہ معلوم کب اس سے کوئی ایسا لفظ و کلام نکل جائے جس سے کفر بکنا یا گناہ و معصیت کی بات کہنا لازم آجائے اور پھر اس کی پاداش میں اللہ کا عذاب بھگتنا پڑے۔ درحقیقت ”زبان“ بہت بڑی وجہ سعادت بنتی ہے جب اس سے نیک کلام اچھی باتیں، خیر و بھلائی کے الفاظ اور وعظ و نصیحت کے جملے نکلتے ہیں، دنیا و آخرت میں اسی انسان کا رتبہ بلند مانا جاتا ہے جو ”زبان“ کی عظمت و تقدیس کو ہر حال میں ملحوظ رکھے۔ بدکلامی اور بری باتوں سے بہر صورت اجتناب کرتا ہو۔

ایمان کامل کیا ہے؟

(۲۷) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدْ

لہ یہ ایک محاورہ ہے جو عربی زبان میں اظہار تعجب کے لئے بولا جاتا ہے۔

اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ مَعَ تَقْدِيمٍ وَتَاخِيرٍ وَفِيهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ إِيْمَانَهُ۔
 ”اور حضرت ابی امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اللہ ہی کے لئے محبت کرے اور اللہ ہی کے لئے بغض وعداوت رکھے اور اللہ ہی کے لئے خرچ کرے اور اللہ ہی کے لئے خرچ نہ کرے تو یقیناً اس نے ایمان کو کامل کیا“ (ابوداؤد) اور ترمذی نے اس روایت کو معاذ بن انسؓ سے کسی قدر تقدیم و تاخیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں ”تو یقیناً اس نے اپنے ایمان کو کامل کیا۔“

تشریح: مطلب یہ کہ بندہ جو کام بھی کرے محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرے، اس کا کوئی بھی فعل و عمل کسی غرض فاسد، جذبہ نام و نمود اور نمائش و ریا کے تحت نہ ہو۔ مثلاً اگر وہ کسی سے محبت و تعلق رکھتا ہے یا کسی سے دشمنی وعداوت رکھتا ہے تو اس کی بنیاد محض نفس کی خواہش یا کسی دنیاوی مقصد و غرض پر نہ ہو بلکہ یہ دیکھے کہ کس شخص سے محبت رکھنا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور کس سے نفرت و دشمنی رکھنا اللہ کو مطلوب ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے نیک و صالح اور فرمانبردار بندوں سے محبت کرنا چونکہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اس لئے وہ اس شخص سے محبت و تعلق رکھے جو نیک، صالح، اطاعت گزار اور مخلص مؤمن و مسلمان ہو اور چونکہ ایسے شخص سے بغض وعداوت رکھنا ہی اللہ کو مطلوب ہے جو سرکش و نافرمانبردار ہو اس لئے اس سے بغض وعداوت رکھے اور اس سے محبت کا تعلق قائم نہ کرے۔ اسی طرح اپنا مال خرچ کرنے اور خرچ نہ کرنے کے بارے میں بھی اللہ ہی کی رضا و خوشنودی کو سامنے رکھے یعنی اگر خرچ کرے تو ایسی جگہ اور ایسے مصارف میں خرچ کرے جہاں خرچ کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اور جن مصارف میں خرچ کرنا اللہ کو مطلوب و پسندیدہ ہے، جہاں خرچ کرنا نہ صرف یہ کہ کوئی ثواب کا کام نہیں ہے بلکہ گناہ کو لازم کرتا ہے وہاں خرچ کرنے سے اجتناب کرے اور کسی ایسے شخص یا جماعت کے ساتھ مالی امداد و معاونت نہ کرے جو اللہ کی نظر میں مقبول و پسندیدہ نہ ہو یہی وہ چیز ہے جس کو تکمیل ایمان کا باعث قرار دیا گیا ہے۔

سب سے افضل عمل کیا ہے

②۸ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ۔

(رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”(باطنی) اعمال میں سب سے افضل مرتبہ اس عمل کا ہے کہ اللہ ہی کے لئے (کسی سے) محبت ہو اور اللہ ہی کے لئے (کسی سے) بغض وعداوت رکھی جائے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اگر بندہ کا احساس اتنا لطیف اور اس کا جذبہ اتنا پاکیزہ ہو جائے تو ظاہر ہے کہ قدم قدم پر یہی روشنی اس کی راہنمائی کرتی رہے گی جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ بری باتوں اور گناہوں سے بچتا رہے گا اور اچھی باتیں اور نیک کام کرتا رہے گا اسی لئے اس جذبہ کو بہترین عمل قرار دیا گیا ہے۔

سچا مؤمن کون ہے

②۹ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَزَادَ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ بِرَوَايَةٍ فَضَالَةً وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللَّهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذَّنُوبَ۔

۱۔ اصل نام صدی بن عجلان بن حارث ہے مگر ابی کنیت ابوامامہ سے مشہور ہیں، آپ قبیلہ بابلہ کی ایک شاخ سہم سے تعلق رکھتے تھے اس لئے آپ ”بابلی“ سہمی کہلاتے تھے آپ کی وفات ۸۱ھ میں بیان کی گئی ہے۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”(کامل اور سچا) مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذا سے) مسلمان محفوظ رہیں اور (پکا و صادق) مؤمن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و اپنے مال کو مومن سمجھیں (ترمذی و نسائی) اور شعب الایمان میں یتقی نے فضالہؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ بھی اور (حقیقی) مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی اطاعت و عبادت میں اپنے نفس سے جہاد کیا اور (اصل) مہاجر وہ ہے جس نے تمام چھوٹے اور بڑے گناہوں کو ترک کر دیا۔“

تشریح: صحیح معنی میں مومن وہی ہے جس کا وجود مخلوق خدا کے لئے باعث اطمینان و راحت ہو، لوگوں کو اس پر پورا پورا اعتماد بھروسہ ہو۔ اس کی امانت و دیانت، عدالت و صداقت اور اخلاق و پاکیزگی اس طرح نمایاں ہو کہ نہ تو کسی کو اپنے مال کے ہڑپ کر لئے جانے کا خوف ہو اور نہ کسی کو اس کی طرف سے اپنی جان و آبرو کے نقصان کا خدشہ، اور نہ کسی کے دل میں اس کی جانب سے کسی اور طرح کا خوف و ہراس ہو۔

حقیقی مجاہد بھی وہ نہیں ہے جو دشمنوں سے جنگ کرتا ہے بلکہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس امارہ سے جہاد کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی خاطر نفس کی تمام خواہشات کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ ایسے ہی حقیقی مہاجر بھی وہ ہے جس نے ان تمام چیزوں کو ترک کر دیا ہے جن سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے منع کر رکھا ہو اس لئے کہ ہجرت کی حکمت یہی ہے کہ مومن طاعت الہی میں بغیر کسی رکاوٹ کے مصروف رہے اور اللہ نے جن چیزوں سے منع کر دیا ہے ان سے بچتا رہے۔ مہاجر کی حقیقی شان یہی ہے۔

امانت اور ایفاء عہد کی اہمیت

(۲۰) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا قَالَ لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ - وَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ -

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا خطبہ کم دیا ہو گا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں ایفاء عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں۔“ (شعب الایمان)

تشریح: امانت و دیانت اور ایفاء عہد وہ اعلیٰ اوصاف ہیں جن کا ہر مسلمان و مومن میں ہونا ضروری ہے ان اوصاف کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بھی وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے یا خطبہ دیا کرتے تھے، تو امانت و دیانت اور ایفاء عہد کے بارہ میں ضرور تاکید فرماتا کرتے تھے اس لئے مومن کی فطرت ہی امانت و دیانت کے سانچے میں چلی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے اندر ان اوصاف کے جوہر فطری طور پر ہوتے ہیں جو زندگی کے ہر موڑ پر نیکی و بھلائی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ اسی طرح ایفاء عہد بھی فطرت سلیم اور ایمان کا خاصہ ہے اسی لئے فرمایا گیا کہ جس شخص کے اندر یہ اوصاف نہیں ہوں گے وہ دین و ایمان کی حقیقی لذت سے بھی لطف اندوز نہیں ہو سکے گا تاہم اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا ایمان بالکل ہی ختم ہو جائے گا بلکہ ان اوصاف کی اہمیت و عظمت کی بنا پر مبالغہ سے کام لیا گیا اور تاکید اس طرح فرمایا گیا تاکہ ان کی اہمیت دلوں میں بیٹھ جائے۔

الفصل الثالث

ابدی نجات کی ضمانت

(۳۱) عَنْ عَبْدِ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ

مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ حَزَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جس شخص نے (سچے دل سے) اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ (اپنے فضل و کرم سے) اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔“ (مسلم)

توحید کی اہمیت

(۳۲) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنْهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عثمان بن عفانؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔ ”جس شخص نے اس (پختہ) اعتقاد پر وفات پائی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ جنتی ہے۔“ (مسلم)

جنت اور دوزخ کو واجب کرنے والی باتیں

(۳۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَنَتَانِ مُؤَجَّبَتَانِ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْمُؤَجَّبَتَانِ قَالَ مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ”دو باتیں (جنت اور دوزخ کو) واجب کرنے والی ہیں،“ ایک صحابیؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ (جنت و دوزخ کو) واجب کرنے والی وہ دو باتیں کونسی ہیں؟“ آپ نے فرمایا ”پہلی بات تو یہ کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا تھا تو وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا (اور دوسری بات یہ کہ) جس شخص کی وفات اس حال میں ہوئی کہ اس نے کسی کو اللہ کا شریک نہ کیا تھا تو وہ جنت میں جائے گا۔“ (مسلم)

تشریح: ان احادیث کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لایا اور اللہ کی وحدانیت اور اس کے ساتھ ساتھ رسول کی رسالت کا عہدہ اقرار کیا اور پھر اس عہدہ و اقرار کے تمام تقاضوں کو پورا کیا یعنی شریعت و دین کی پوری پیروی کی اور پھر اسی اعتقاد و اطاعت پر اس کی موت آئی تو یہ یقیناً جنتی ہے۔ اس کی نجات میں بظاہر کوئی شبہ نہیں ہو گا لیکن اگر ایمان و اسلام کے بعد اس سے عمل کی کوتاہیاں سرزد ہوئیں یا شریعت پر عمل نہیں کیا مگر خاتمہ اس کا بھی ایمان ہو ہوا تو اس کی بھی ابدی نجات تو یقیناً ہوگی لیکن اس سے دنیا میں جو کچھ بد اعمالیاں ہوئیں یا گناہ سرزد ہوئے ان پر اس کو آخرت کی سزا بھگتنی ہوگی، سزا کے بعد پھر ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابدی نجات کا دار و مدار ایمان پر ہے اگر ایمان صحیح ہے اور اسی حالت میں موت واقع ہوئی ہے تو ابدی نجات میں کوئی شک نہیں۔ اور اگر کسی نے شریعت پر عمل نہیں کیا، احکام خداوندی و احکام رسول کی پیروی نہیں کی تو اس پر سزا کا ہونا بھی یقینی ہے مگر اس سزا کا تعلق بھی ایک محدود مدت سے ہوگا، سزا پوری کرنے کے بعد وہ بھی ابدی نجات کی سعادت سے نوازا جائے گا۔

عقیدہ توحید پر قائم رہنے والوں کے لئے جنت کی بشارت

(۳۴) وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا قُعُوْدًا حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا ابْنُ بُكَرٍ وَعُمَرُو بْنُ نَفَرٍ فَقَامَ رَسُوْلُ

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے خلیفہ اور مشہور و معروف صحابی ہیں، حضورؐ کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آپ کے عقد میں آئیں اسی وجہ سے آپ کا لقب ذوالنورین ہے۔ و اقدی کے بیان کے مطابق ۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں بروز جمعہ آپ کو باغیوں نے مدینہ منورہ میں شہید کیا۔
۲۔ معروف انصاری صحابی ہیں آپ کے والد کا نام عبداللہ اور آپ کی کنیت ابو عبد اللہ بیان کی گئی ہے۔ ۹۳ سال کی عمر میں ۶۲ھ میں وفات پائی۔

اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مِنْ بَیْنِ اَظْہَرْنَا فَاَبْطَأَ عَلَیْنَا وَخَشِیْنَا اَنْ یُقْتَطَعَ دُونَنَا وَفَرَعْنَا فَقُمْنَا فَکُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَرَغَ فَخَرَجْتُ اَتَّبَعَنِ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم حَتّٰی اَتَّیْتُ حَائِطًا لِلْاَنْصَارِ لِبَیْنِ النَّجَارِ فَدُرْتُ بِہٖ هَلْ اَجِدُ لَہٗ بَابًا فَلَمْ اَجِدْ فَاِذَا رِبْعٌ یُدْخِلُ فِیْ جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بَنَی خَارِجَہٗ۔ وَالرَّبِیْعُ الْجَدُوْلُ قَالَ فَاَحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فَقَالَ اَبُوْہُرَیْرَہٗ؟ فَقُلْتُ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللہِ قَالَ مَا سَأَلْتُکَ قُلْتُ کُنْتُ بَیْنَ اَظْہَرْنَا فَقُمْتُ فَاَبْطَأَتْ عَلَیْنَا فَخَشِیْنَا اَنْ یُقْتَطَعَ دُونَنَا فَفَرَعْنَا فَکُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَرَغَ فَاَتَّیْتُ هٰذَا الْحَائِطَ فَاَحْتَفَزْتُ کَمَا یَحْتَفِزُ الثَّغْلَبُ وَهَؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَاٰنِیْ فَقَالَ یَا اَبَاہُرَیْرَہٗ وَاَعْطَانِیْ نَعْلَیْہِ فَقَالَ اِذْهَبْ بِنَعْلَیْ هَاتَئِنِ فَمَنْ لَقِیْتُکَ مِنْ وَرَآءِ هٰذَا الْحَائِطِ یَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ مُسْتَقِیْقًا بِہَا قَلْبَہٗ فَبَشِّرْہٗ بِالْجَنَّةِ فَکَانَ اَوَّلَ مَنْ لَقِیْتُ عُمَرُ فَقَالَ مَا هَاتَانِ التَّلْعَانِ یَا اَبَاہُرَیْرَہٗ فَقُلْتُ هَاتَانِ تَلْعَانِ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بَعَثَنِیْ بِہُمَا مَنْ لَقِیْتُ یَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ مُسْتَقِیْقًا بِہَا قَلْبَہٗ بَشِّرْہٗ بِالْجَنَّةِ فَضَرَبَ عُمَرُ بَیْنَ ثَدَیَّیْ فَخَرَزْتُ لَا سَتَیْیَ فَقَالَ اَرْجِعْ یَا اَبَاہُرَیْرَہٗ فَارْجِعْ اِلَیَّ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فَاجْهَشْتُ بِالْبُکَاءِ وَرَکِبَنِیْ عُمَرُ وَاِذَا هُوَ عَلٰی اَثَرِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مَا لَکَ یَا اَبَاہُرَیْرَہٗ قُلْتُ لَقِیْتُ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُهُ بِالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِہٖ فَضَرَبَ بَیْنَ ثَدَیَّیْ ضَرْبَہٗ خَرَزْتُ لَا سَتَیْیَ فَقَالَ اَرْجِعْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یَا عُمَرُ مَا حَمَلَکَ عَلٰی مَا فَعَلْتَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللہِ بِاَیِّ اَنْتَ وَاَمَیْیَ اَبْعَثْتَ اَبَاہُرَیْرَہٗ بِنَعْلَیْکَ مَنْ لَقِیَ یَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ مُسْتَقِیْقًا بِہَا قَلْبَہٗ بَشِّرْہٗ بِالْجَنَّةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَاِنِّیْ اَخْشِیْ اَنْ یَتَّکِلَ النَّاسُ عَلَیْہَا فَخَلَّیْہُمْ یَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فَخَلَّیْہُمْ۔ (رواہ سلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) چند صحابہ رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھے تھے اور ہمارے ساتھ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ بھی تھے کہ رسول اللہ ﷺ اچانک ہمارے درمیان سے اٹھے اور کہیں باہر تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ کو گئے ہوئے بہت دیر ہو گئی (اور واپس تشریف نہیں لائے) تو ہمیں سخت تشویش ہوئی کہ کہیں ہماری غیر موجودگی میں کسی دشمن کی جانب سے آپ (ﷺ) کو کوئی ایذا نہ پہنچ جائے (اس خیال سے) ہم گھبرائے اور اٹھ کھڑے ہوئے، چونکہ سب سے پہلا شخص میں تھا جو گھبرا اٹھا اس لئے (سب سے پہلے) میں رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں باہر نکلا اور ڈھونڈتا ہوا قبیلہ بنی نجار کے ایک انصاری کے باغ کے قریب پہنچ گیا (اس خیال سے کہ شاید آپ ﷺ اس باغ کے اندر ہوں) میں نے (اندر جانے کے لئے) چاروں طرف دروازہ تلاش کیا مگر (اضطراب اور گھبراہٹ میں) دروازہ نظر نہیں آیا۔ اچانک ایک نالی نظر آئی جو باہر کے کونوں سے باغ کے اندر جا رہی تھی لہذا میں سمت سکر کر اس نالی میں داخل ہوا اور اس کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے (اس طرح اچانک اپنے سامنے مجھے دیکھ کر حیرت سے) فرمایا: ابو ہریرہ تم؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ (ﷺ) ہمارے درمیان تشریف فرما تھے پھر آپ (ﷺ) اٹھے اور چل دیے۔ جب بہت دیر ہو گئی اور واپس نہیں ہوئے تو ہم گھبرائے کہ کہیں ہماری عدم موجودگی میں (خدا نخواستہ) آپ (ﷺ) کسی حادثہ سے دوچار نہ ہو جائیں اور سب سے پہلے گھبراہٹ مجھ پر طاری ہوئی چنانچہ آپ (ﷺ) کو ڈھونڈتا ہوا اس باغ تک آ نکلا (یہاں دروازہ نظر نہیں آیا) تو لومڑی کی طرح سکر کر (نالی کے راستہ سے) اندر گھس آیا، بقیہ لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہوں گے (یہ سن کر) آپ ﷺ نے اپنی دونوں جوتیاں نکال کر مجھے دیں اور فرمایا: ”اے ابو ہریرہ! جاؤ اور ان جوتیوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ (تاکہ لوگ جان لیں کہ تم میرے پاس سے آئے ہو) اور باغ کے باہر جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد سے یہ گواہی دیتا ہو (تمہیں ملے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو اس کو جنت کی بشارت دے دو) (حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس پیغام کو لے کر میں باہر نکلا تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا ابو ہریرہ! یہ جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا یہ جوتیاں رسول اللہ ﷺ کی ہیں آپ نے مجھے یہ جوتیاں (نشانی کے طور پر) دے کر اس لئے بھیجا ہے کہ جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ

یہ گواہی دیتا ہوا ملے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو میں اس کو جنت کی بشارت دے دوں (یہ سنتے ہی) عمرؓ نے میرے سینے پر اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ میں سرین کے بل نیچے گر پڑا اور پھر انہوں نے کہا ابو ہریرہؓ جاؤ واپس جاؤ۔ چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس لوٹ آیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ادھر عمرؓ کا خوف مجھ پر سوار ہی تھا اب کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے (یہ حالت دیکھ کر) فرمایا۔ ”ابو ہریرہؓ! کیا ہوا؟“ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ کا پیغام لے کر باہر نکلا تو سب سے پہلے میری ملاقات عمرؓ سے ہوئی۔ میں نے آپ ﷺ کا وہ پیغام ان تک پہنچایا (انہوں نے اس کو سنتے ہی) میرے سینے پر اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ میں سرین کے بل زمین پر آڑا اور پھر انہوں نے کہا کہ واپس چلے جاؤ، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے (حضرت عمرؓ سے) پوچھا ”عمرؓ تم نے ایسا کیوں کیا؟“ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان، کیا واقعی آپ ﷺ نے ابو ہریرہؓ کو اپنی جوتیاں دے کر اس لئے بھیجا تھا کہ جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہتا ہوا ملے اس کو یہ جنت کی بشارت دے دیں؟ آنحضرت نے فرمایا، ہاں! عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا نہ کیجئے، مجھے ڈر ہے کہ لوگ کہیں اسی بشارت پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں (اور عمل کرنا ہی چھوڑ دیں) اس لئے آپ ﷺ انہیں (زیادہ سے زیادہ) عمل میں لگا رہنے دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اگر تمہارا یہی مشورہ ہے) تو پھر لوگوں کو عمل میں لگا رہنے دو۔“ (اسلم)

تشریح: آنحضرت نے جنت کی جو بشارت حضرت ابو ہریرہؓ کے ذریعہ لوگوں تک پہنچانا چاہی تھی اس کا تعلق عقیدہ توحید اور ایمان باللہ میں اخلاص اور پختگی کے ساتھ تھا، مطلب یہ کہ جس شخص نے اس کیفیت کے ساتھ اللہ کو ایک اور اپنا معبود پروردگار مان لیا اور اسی عقیدہ پر آخر تک قائم رہا کہ نہ تو وہ اپنے دل و دماغ میں کسی قسم کی کوئی گرائی، شک و اور دباؤ محسوس کرتا ہے اور نہ اس عقیدہ کے تئیں کسی شک و شبہ کا شکار ہوتا ہے بلکہ اس کے قلب و ذہن اور احساس و فکر کی دنیا و اعتماد اور اطمینان و مسرت سے سرشار رہتی ہے، کسی دنیاوی غرض و مفاد و ریاء و نمائش اور نفاق کے بجائے خلوص و للہیت اور رضائے الہی کا جذبہ اور تقاضا ہی اس کے ایمان اور عقیدہ کی بنیاد ہے تو ایسا شخص یقیناً جنت کی ابدی سعادتوں کا حقدار ہوگا۔

رہا سوال حضرت عمر فاروقؓ کے رویہ کا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے قاصد حضرت ابو ہریرہؓ کو اس بشارت کی اشاعت سے کیوں روک دیا اور یہ کہ ان کا رویہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں رکاوٹ ڈالنے اور ذات رسالت پناہ کی عظمت و حرمت کے منافی طرز عمل اختیار کرنے کے مترادف تھا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس بشارت کا تعلق دین و شریعت کے کسی حکم و مسئلہ کے نفاذ و اشاعت سے تھا یا کسی خاص جذبہ و احساس کے اظہار سے۔ ظاہر ہے وہ کسی مسئلہ کی مشروعیت کی بات نہیں تھی کسی حلال یا حرام کا حکم بیان کرنا نہیں تھا، کسی فرض یا واجب کو نافذ کرنا نہیں تھا بلکہ وہ تو محض رحمتِ دو عالم ﷺ کی نہایت شفقت و محبت کا ایک جذبہ تھا جو اہل ایمان کے تئیں بے اختیار امنڈ آیا تھا اور اس (بشارت) کی صورت میں ایک ایک صاحب ایمان تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ یہ بشارت جب حضرت عمرؓ تک پہنچی اور انہوں نے فوری طور پر محسوس کیا کہ گویہ بشارت اپنی جگہ ایک اہم حقیقت ہے لیکن مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس ابتدائی مرحلہ میں اس کو عام مسلمانوں تک نہ پہنچنے دیا جائے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اس مصلحت و حکمت کا اظہار کر دیا جائے جس پر رحمتِ عالم ﷺ کی نہایت محبت و شفقت کا شدید جذبہ غالب آگیا ہے، لہذا انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو واپس کر دیا اور پھر فوراً آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، صورت حال کی تحقیق کے بعد جب یہ اطمینان ہو گیا کہ ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مامور تھے اور آپ ﷺ ہی نے یہ بشارت عطا فرمائی تھی تو انہوں نے اپنے محسن اور رسول کے مشن کی کامیابی اور مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک مخلص اور بیدار مغز خادم کی حیثیت سے اپنا مشورہ بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ پھر یہ ہوا کہ جو ہی حضرت عمرؓ نے اپنے مشورے میں اس مصلحت کی طرف توجہ دلائی خود آنحضرت ﷺ کا ذہن بھی ادھر منتقل ہو گیا اور آپ ﷺ خود بھی فرمایا چکے تھے کہ اگر اس طرح کی بشارت عام مسلمانوں تک پہنچ گئی تو وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور عمل

کرنا چھوڑ دیں گے (دیکھئے اسی باب کی حدیث ۲۱) لہذا آپ ﷺ نے اپنے ایک صائب الرائے مشیر اور مخلص خادم کے مشورے کی قدر دانی فرمائی اور اس بشارت کی اشاعت کا حکم واپس لے لیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر اس بشارت کی جگہ کسی شرعی حکم کی اشاعت کا معاملہ ہوتا یا کسی فرض و واجب چیز کے نفاذ کی بات ہوتی تو خود حضرت عمرؓ کو اس میں رکاوٹ ڈالنے کی نہ جرأت ہوتی۔ اور نہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ کو واپس کر کے اس اشاعت کو روک دیتے بلکہ ایک سچے و مخلص مؤمن اور فرمانبردار خادم کی حیثیت سے سب سے پہلے اس کو قبول کرتے اور اس فرمان رسالت کی اشاعت میں خود لگ جاتے اور بغرض محال حضرت عمرؓ اگر ایسے معاملہ میں بھی وہی رویہ اختیار کرتے تو پھر بارگاہ رسالت میں نہ ان کے اس رویہ سے چشم پوشی ہوتی، اور نہ ان کے کسی مشورے اور رائے کو اہمیت اور قبولیت کا درجہ ملتا۔ کیونکہ دینی احکام اور شرعی ہدایات میں نہ کسی مشورے اور رائے کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ کسی کی رائے اور مشورہ کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے۔ پس یہ بات کہ بارگاہ رسالت میں حضرت عمرؓ کی رائے کو اہمیت دی گئی اور ان کا مشورہ قبول ہوا، خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے مذکورہ رویہ سے نہ ان کی شان صحابیت پر کوئی فرق پڑا اور نہ رسول اللہ کی حکم عدولی ہوئی لہذا اس حدیث سے اگر کوئی شخص اس طرح کی بات ثابت کرتا ہے تو اس کی اپنی نادانی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس حدیث سے اگر ایک طرف اللہ کی بے پایاں رحمت اور اُمت کے تئیں رسول اللہ ﷺ کی انتہائی محبت و شفقت کا اظہار ہوتا ہے تو دوسری طرف حضرت عمرؓ کی اصابت رائے، فہم و فراست، بصیرت و دانائی اور اصرار حق میں ان کی صاف گوئی اور اظہار خیال کی جرأت پر بھی روشنی پڑتی ہے جو ان کا خصوصی وصف کمال ہے۔

جنت کی کنجی

(۳۵) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔

(رواہ احمد)

”اور حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے مجھے سے فرمایا (سچے دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جنت کی کنجیاں (حاصل کرنا) ہے۔“ (احمد)

کلمہ توحید نجات کا ذریعہ

(۳۶) وَعَنْ عُمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئْتُ تُوفِّي حَزَنُوا عَلَيْهِ حَتَّى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوسِسُ قَالَ عُمَانُ وَكُنْتُ بَعْضَهُمْ فَبَيَّنَّا أَنَا جَالِسٌ مَرَّ عَلَى عُمَرَ وَسَلَّمَ فَلَمْ أَشْعُرْ بِهِ فَاشْتَكَى عُمَرَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ أَقْبَلَا حَتَّى سَلَّمَا عَلَيَّ جَمِيعًا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مَا حَمَلَكَ عَلَى أَنْ لَا تُؤَدَّ عَلَى أَخِيكَ عُمَرَ سَلَامَهُ قُلْتُ مَا فَعَلْتُ فَقَالَ عُمَرُ بَلَى وَاللَّهِ لَقَدْ فَعَلْتُ قَالَ قُلْتُ وَاللَّهِ مَا شَعَرْتُ أَنَّكَ مَرَزْتَ وَلَا سَلَّمْتُ قَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقَ عُمَانُ قَدْ شَعَلَكَ عَنْ ذَلِكَ أَمْرٌ فَقُلْتُ أَجَلٌ قَالَ مَا هُوَ قُلْتُ تُوَفِّي اللَّهُ تَعَالَى نَبِيَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ تُسْأَلَ عَنْ نَجَاةِ هَذَا الْأَمْرِ قَالَ أَبُو بَكْرٍ قَدْ سَأَلْتَهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَعُمْتُ إِلَيْهِ وَقُلْتُ لَهُ يَا بَنِي أُمِّی أَنْتَ وَأُمِّی أَنْتَ أَحَقُّ بِهَا قَالَ أَبُو بَكْرٍ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا نَجَاةُ هَذَا الْأَمْرِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَبِلَ مِنِّي الْكَلِمَةَ الَّتِي عَزَّضْتُ عَلَى عَمِي فَرَدَّهَا فَهِيَ لَهُ نَجَاةٌ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت عثمانؓ بیان کرتے ہیں کہ جس نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو صحابہؓ کی ایک جماعت پر رنج و حزن کا اتنا غلبہ تھا کہ ان میں بعض لوگوں کے بارہ میں تو یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں شک و شبہ میں گرفتار نہ ہو جائیں (یعنی اس واہمہ کا شکار ہو جائیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو دین و شریعت کا قصہ بھی تمام ہو گیا) حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے ایک میں بھی

تھا۔ چنانچہ (اس عظیم حادثہ سے سخت پریشان خیال اور غم و اندوہ کا مبت بنا) میں بیٹھا تھا کہ (اسی حالت میں) حضرت عمر میرے پاس سے گزرے اور مجھ کو سلام کیا، (حواس باختہ ہونے کی وجہ سے) مجھے پتہ نہیں چلا (کہ وہ کب میرے پاس سے گزرے اور کب سلام کیا) حضرت عمرؓ نے اس بات کی شکایت حضرت ابو بکرؓ سے کی، حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ میرے پاس آئے اور دونوں نے مجھے سلام کیا، حضرت ابو بکرؓ نے مجھ سے پوچھا، تم نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے کہا! ایسا نہیں ہوا۔ (یعنی مجھے اس کا علم نہیں کہ عمرؓ نے اگر مجھے سلام کیا ہو اور میں نے جواب نہ دیا ہو) حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا! بخدا مجھے قطعاً اس کا احساس نہیں کہ آپ میرے پاس آئے تھے اور نہ ہی آپ نے سلام کیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا عثمانؓ سچ کہتے ہیں، (لیکن معلوم ہوتا ہے کہ) کسی خاص وجہ نے تمہیں اس سے باز رکھا! تم نہ تو عمرؓ کے آنے کی تمہیں خبر ہوئی اور نہ تم ان کے سلام کا جواب دے سکے) میں نے کہا! ہاں ہو سکتا ہے، انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا! (سرکارِ دو عالم ﷺ کی وفات ہی کیا کم صبر آزمائی تھی کہ اب یہ غم بھی کھائے لیتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن ہم آپ ﷺ سے یہ دریافت نہ کر سکے کہ اس معاملہ یعنی عبادت میں وسوسوں کا پید ہونا، شیطان کا بہکانا، یا دوزخ کی آگ) (سے نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ ابو بکرؓ نے فرمایا! (تم غم نہ کھاؤ) میں اس بارہ میں اس حضور ﷺ سے پہلے پوچھ چکا ہوں، حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ) میں (بے اختیار) کھڑا ہو گیا اور بولا: آپ پر میرے ماں باپ قرآن، واقعی آپ ہی (آنحضور سے کمال رکھنے اور حصول علم کے غلبہ شوق کی وجہ سے) اس بارہ میں سوال کرنے کے لئے لائق تر تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا! میں نے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! اس معاملہ میں نجات کی کیا صورت ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس شخص نے (خلوص دل کے ساتھ) ہم سے وہ کلمہ توحید قبول کر لیا جسے میں نے چچا ابوطالب کے سامنے پیش کیا تھا اور انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا تھا تو وہ کلمہ اس شخص کی نجات کا ضامن ہوگا۔“ (احمد)

تشریح: گویا کلمہ توحید کے یہ فضائل و برکات ہیں کہ جس شخص نے اس کلمہ کو صدق دل سے اور پختہ اعتقاد کے ساتھ قبول کر لیا اور اس کے تقاضوں کو پورا کر کے دین کے فرائض پر عمل کیا تو وہ کلمہ آخرت میں اس کی نجات کا ضامن ہوگا اور کلمہ گو اس کی برکتوں سے وہاں کی سعادتوں سے نوازاجائے گا اور اگر اس کلمہ کا ورد رکھا جائے اور اس کو اکثر پڑھا جاتا رہے اور کاذب کرباندی سے رہے تو دنیا میں بھی اس کی برکت اس طرح ظاہر ہوگی کہ اس کلمہ کی بدولت فکر و خیال اور عمل پر شیطان کو تسلط حاصل نہیں ہو پائے گا کہ نہ واسطے اور وسوسے پیدا ہوں گے، نہ نماز و عبادت کے دوران خیالات بھٹکتے پھریں گے اور نہ دل و دماغ شکوک و شبہات کی آماجگاہ بنیں گے بلکہ اس مبارک ورد و ذکر سے ذات الہی کی معرفت حاصل ہوگی، آخرت سے لگاؤ ہوگا اور رسول برحق ﷺ سے محبت و تعلق کی خاص کیفیت پیدا ہوگی۔

پوری دنیا میں کلمہ توحید پہنچنے کی پیشگوئی

﴿۳۷﴾ وَعَنِ الْمَقْدَادِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَبْقَى عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ بَيْتٌ مَدْرُورٌ وَلَا وَبَرٌ إِلَّا أَذْخَلَهُ اللَّهُ كَلِمَةَ الْإِسْلَامِ بَعْرَ عَزِيزٍ وَذَلِ ذَلِيلٍ أَمَّا يُعْزِهُمُ اللَّهُ فَجَعَلَهُمْ مِنْ أَهْلِهَا أَوْ يُذِلَّهُمْ فَيَذِلُّونَ لَهَا قُلْتُ فَيَكُونُ الذِّلَّةُ كُلُّهُ لِلَّهِ - (رواہ احمد)

”اور حضرت مقدادؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا زمین کے اوپر کوئی گھر، خواہ وہ مٹی کا ہو یا خیمہ کا، ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کے کلمہ کو معزز کی عزت کے ساتھ اور ذلیل کی رسوائی کے ساتھ داخل نہ کرے (چنانچہ جو لوگ اس کلمہ کو بخوشی اور صدق دل سے قبول کر لیں گے) ان کو اللہ تعالیٰ معزز مقرر کرنے کا اور اس کلمہ کا اہل قرار دے گا اور (جو لوگ بخوشی قبول

لے آپ مقداد بن اسود کندی کے نام سے مشہور ہیں اور قدیم الاسلام ہیں، مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام جرف میں بصرہ سال انتقال ہوا نقش مبارک وہاں سے مدینہ منورہ لائی گئی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

نہیں کریں گے) ان کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے گا اور وہ لوگ اس کلمہ کے مطیع و فرمانبردار ہونے پر مجبور ہوں گے (بایں طور کہ وہ جزیہ ادا کر کے ہی اسلامی ریاست میں رہ سکیں گے) میں نے (یہ سن کر) کہا: پھر تو چاروں طرف اللہ ہی کا دین ہو گا۔ ”(احمد)“

تشریح: ”زمین“ سے مراد ”جزیرۃ العرب“ ہے، اسی طرح مٹی اور خیمہ کے گھر سے مراد جزیرۃ العرب کے شہر اور گاؤں ہیں یعنی پورے عرب میں صرف ایک دین ”اسلام“ کا بول بالا ہو گا اور صرف اسی کے پیرو متبعین سرزمین عرب پر ہوں گے کوئی مکان خواہ اس شہر کا ہو یا دیہات کا ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ نہ پہنچا دے گا اگر کوئی بخوشی اور رغبت ایمان لے آئے گا اور اسلام قبول کر لے گا تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کا مرتبہ بلند ہو جائے گا اور خدا نے تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں جگہ اس کو عزت و سرفرازی سے نوازیں گے، لیکن جو لوگ غرور و سرکشی اختیار کریں گے یعنی اس کلمہ کو قبول کر کے دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوں گے اور رضادر غبت کے ساتھ دین کے تابعدار نہیں ہوں گے وہ ذلت کا طوق خود اپنے گلے میں ڈالیں گے بایں طور پر کہ جب تمام جزیرۃ العرب پر دین اسلام کی عملداری ہو جائے گی تو وہ کافر و سرکش لوگ جزیہ کی ادائیگی کی صورت میں اسلامی نظام حکومت کا تابعدار بننے پر مجبور ہوں گے اور اس طرح نہ صرف اس دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کو بے وقعت اور کم تر بنا دے گا بلکہ آخرت میں بھی ان کو اپنی رحمت سے دور رکھے گا اور سخت عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل و رسوا کرے گا۔

جنت کی کنجی

(۳۸) وَعَنْ وَهْبِ بْنِ مُنْبَهٍ قِيلَ لَهُ أَلَيْسَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُفْتَاحُ الْجَنَّةِ قَالَ بَلَىٰ وَلَكِنْ لَيْسَ مُفْتَاحُ إِلَّا وَلَهُ أَسْنَانٌ فَإِنْ جَنَّتْ بِمِفْتَاحٍ لَهُ أَسْنَانٌ فُتِّحَ لَكَ وَالْأَلَمُ يَفْتَحُ لَكَ۔ (رواہ البخاری فی ترجمۃ باب)

”اور حضرت وہب بن منبہؓ سے روایت ہے کہ کسی نے ان سے سوال کیا، کیا لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں ہے؟ وہبؓ نے کہا بے شک، لیکن کنجی میں دندانے بھی ضروری ہیں پس اگر تم ایسی کنجی لے کر آئے جس میں دندانہ موجود ہیں تو (یقیناً) اس سے جنت کے دروازے کھل جائیں گے ورنہ تمہارے جنت کے دروازے نہیں کھلیں گے۔“ (بخاری ترجمۃ الباب)

تشریح: حضرت وہب بن منبہؓ اپنی مجلس و عطا و نصیحت میں لوگوں کو عمل کی اہمیت بتا رہے تھے اور اس کے ترک پر تنبیہ کر رہے تھے کسی نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک (حدیث ۳۵) کا سہارا لے کر کہا کہ آپ تو عمل کے بارے میں اس شد و مد کے ساتھ متنبہ فرما رہے ہیں حالانکہ لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی ہے یعنی جس نے صدق دل سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کر لیا وہ جنت کا حقدار ہو گیا خواہ اس کی عملی زندگی دوسری نیکیوں اور صالح اعمال سے بھرپور ہو یا نہ ہو۔

اس پر وہب بن منبہؓ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی ہے، لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کنجی اس وقت کام کرتی ہے جب کہ اس میں دندانے بھی ہوں۔ اگر کسی کنجی میں دندانے نہیں ہیں تو ظاہر ہے اس سے قفل نہیں کھل سکتا، اسی طرح لا الہ الا اللہ اگر جنت کی کنجی ہے تو اس کنجی کے دندانے شریعت کے احکام و فرائض ہیں۔ پس جو شخص شریعت کے احکام و قوانین پر عمل نہیں کرے گا تو گویا وہ آخرت میں ایسی کنجی لے کر آئے گا جس میں دندانے نہیں ہوں گے اور جب اس کی کنجی میں دندانے نہیں ہوں گے تو وہ جنت کا دروازہ کھول نہیں پائے گا۔ جنت کا دروازہ اسی صورت میں کھلے گا جب کلمہ توحید کی صداقت کا ایمان موجود ہو، زبان سے اس ایمان کا اقرار ہو اور عملی زندگی اس ایمان کی مظہر ہو بایں طور کہ دین و شریعت کی اتباع اور فرمانبرداری ایک ایک عمل سے ظاہر ہو۔

یا پھر دندانوں سے مراد نیک اعمال ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ جب تک اعمال نیک نہ ہوں گے، جنت کے دروازے ابتدا میں نہیں کھل سکتے، ہاں بعد میں جب بد اعمالیوں کی سزا مل جائے گی اور گناہ و معصیت کے دھبے دھل جائیں گے تو جنت کے دروازے

کھول دیے جائیں گے۔

نیکی کا اجر

(۳۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْسَنْتَ أَحَدَكُمْ إِسْلَامَهُ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِمِثْلِهَا حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (صدق دل اور اخلاص نیت کی بنا پر) اپنے ایمان کو اچھا بنالیتا ہے تو وہ بھی جو نیک عمل کرتا ہے اس پر اس کے اعمال نامہ میں اس جیسی دس سے لے کر سات سو تک نیکیوں کا زائد اجر لکھا جاتا ہے اور وہ جو برا عمل کرتا ہے اس پر اس کے نامہ اعمال میں اس ایک ہی عمل کا گناہ لکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ سے ملاقات کرے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: اس اُمت کو اللہ نے اپنے فضل و کرم اور خصوصی احسان کے تحت جن خاص انعامات سے نوازا ہے ان میں سے ایک بہت بڑا انعام یہ بھی دیا ہے کہ جب کوئی شخص مخلص اور صادق مؤمن نیک عمل کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کی رحمت بے حساب اس کا اجر صرف اسی ایک عمل کے برابر دینے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ اس جیسے دس عمل کا ثواب اس کو دیا جاتا ہے اور اس پر بھی بس نہیں ہوتا بلکہ جوں جوں ایمان میں صدق و استقامت اور عمل میں خلوص و نیک نیتی بڑھتی جاتی ہے اسی قدر اجر و انعامات بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک ہی نیک عمل پر سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ اجر عنایت فرمائے جاتے ہیں، بلکہ بعض حالات میں تو یہ اضافہ سینکڑوں اور ہزاروں کی حد سے بھی تجاوز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اگر حرم پاک میں کوئی نیک عمل کیا جائے تو اس مقدس جگہ کی عظمت و فضیلت کے طفیل میں اس پر ایک لاکھ اجر لکھے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر مؤمن سے بتقصائے بشریت کوئی برائی سرزد ہو جاتی ہے تو اس کا گناہ اضافہ کے ساتھ نہیں لکھا جاتا بلکہ جیسی برائی سرزد ہوتی ہے ویسا ہی یا اتنا ہی گناہ لکھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس احسان کرم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

ایمان کی عظمت

(۴۰) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْإِيمَانُ قَالَ إِذَا سَرَّكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَ نَفْسُكَ فَانْتَ مُؤْمِنٌ قَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ فَمَا الْإِيمَانُ قَالَ إِذَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ شَيْئٌ فَلَدَعَهُ - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: (یا رسول اللہ) ایمان کی سلامتی کی علامت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! جب تمہاری نیکی تمہیں بھلی لگے۔ اور تمہاری برائی تمہیں بُری لگے تو (بھوکہ) تم (کے) مؤمن ہو، پھر اس شخص نے پوچھا، یا رسول اللہ! گناہ (کی علامت) کیا ہے؟ آنحضور نے فرمایا! جب کوئی بات تمہارے دل میں کھٹک اور تردد پیدا کرے (تو بھوکہ وہ گناہ ہے) لہذا اس کو چھوڑ دو۔“ (احمد)

تشریح: سوال کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسی واضح علامت بتا دی جائے جس کے ذریعہ ایمان کی سلامتی و استقامت کا اندازہ کیا جاسکے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اپنے اندر یہ کیفیت پاؤ کہ جب کوئی اچھا کام کرتے تو تمہارا قلب و دماغ اس کام کی بھلائی کو خود محسوس کرتا ہے اور ایک خاص قسم کی طمانیت اور آسودگی پاتا ہے۔ احساس و شعور کی دنیا اللہ کی طرف سے نیکی کی توفیق اور مدد پانے پر فرحان و شاداں اور رب کریم کی خوشنودی و قربت کی طلب گاری و امیدواری سے معمور ہو جاتی ہے۔ یا یہ کہ جب بتقصائے بشریت تم سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جاتا ہے جو واضح طور پر گناہ و معصیت کا کام سمجھا جاتا ہے تو فوراً تمہارا دل اللہ کے خوف سے بھر جاتا ہے اور

پروردگار کی ناراضگی کا احساس کر کے شرمسار و نادم ہو جانا تو سمجھ لو کہ ایمان تمہارے دل و دماغ میں رچ بس گیا ہے اور تم کے مؤمن ہونے کیونکہ اور بدی کے درمیان امتیاز کرنا اور ثواب اور گناہ کا احساس و شعور پیدا کرنا صرف ایمان کے خاصہ ہے۔ آخر وہی جزا اور سزا کا اعتقاد جو قلب مؤمن میں ہوتا ہے، وہ غیر مؤمن کے قلب میں نہیں ہوتا۔

دوسرے سوال کا مطلب دراصل یہ تھا کہ مؤمن کو اپنی روزمرہ زندگی میں بعض ایسی چیزوں سے واسطہ پڑ جاتا ہے جن کے بارہ میں واضح طور پر علم نہیں ہوتا کہ آیا یہ چیز شرعی نقطہ نظر سے برائی کے حکم میں ہے اور اس سے کوئی گناہ لازم آتا ہے یا اس کو اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے تو ایسے مشتبہ عمل کی برائی یا بھلائی کو پہچاننے کی علامت کیا ہے؟ اس کے جواب میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ سچے اور پاکباز مؤمن کا قلب دراصل فطرت کی ایسی پاکیزہ لوح ہے جس پر صرف اسلامی اطاعت و فرمانبرداری اور نیکی و بھلائی ہی کے نقوش ابھر سکتے ہیں، اگر گناہ و معصیت کا ہلکا سا وجہ بھی وہاں پہنچتا ہے تو اس کو کوئی جگہ نہیں ملتی اور وہ کھٹک و ترو کی صورت میں منڈلا پھٹتا رہتا ہے پس کسی بھی عمل اور چیز کے بارے میں اگر یہ کیفیت ظاہر ہو کہ فطرتِ سلیم اس کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتی، قلب اس کا بوجھ محسوس کرتا ہے اور دماغ میں غلش و تردید اہو گیا ہے تو جانو کہ وہ عمل برائی کا حامل ہے اور گناہ و معصیت کو لازم کرنے والا ہے، اور نجات و فلاح ابی میں ہے کہ اس چیز کو فوراً چھوڑ دیا جائے یہی وجہ ہے کہ اربابِ باطن اور اولیاء اللہ قلب و دماغ کی صفائی اور پاکیزگی کی بنا پر کسی عمل کی پوشیدہ ترین برائی کو بھی پہچان لیتے ہیں اور کسی بھی ایسی چیز کو اپنے قریب نہیں آنے دیتے جو گناہ و معصیت کا ہلکا سا شائبہ بھی رکھتا ہو۔ ان کے ہاں ”مشتبہ عمل“ سے بھی اسی درجہ کا اجتناب برتا جاتا ہے، جتنا اجتناب وہ کھلے ہوئے برے اعمال سے کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دل و دماغ برائی کے شائبہ کو بھی بھانپ لیتا ہے اور ان کو اطمینانِ قلب اور عمل کا سرور صرف اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب ان کا کوئی قدم راہِ مستقیم سے ہٹا ہوا نہیں ہوتا اور ان کا کوئی کام دین و شریعت کی روح کے منافی نہیں ہوتا۔

ایمان و اسلام کی باتیں

④ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ قَالَ آتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ مَعَكَ عَلَى هَذَا الْأَمْرِ قَالَ خُرَّوْ عِبْدٌ قُلْتُ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ طَيْبُ الْكَلَامِ وَإِطْعَامُ الطَّعَامِ قُلْتُ مَا الْإِيمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ قَالَ قُلْتُ أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ تَسَانِهِ وَبَيْدِهِ قَالَ قُلْتُ أَيُّ الْإِيمَانِ أَفْضَلُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ قَالَ قُلْتُ أَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ قَالَ طُلُوعُ الْقَنُوتِ قَالَ قُلْتُ أَيُّ الْهَجْوَةِ أَفْضَلُ قَالَ أَنْ تَهْجُرَ مَا كُورَهُ رَبُّكَ قَالَ قُلْتُ فَأَيُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ عَقَرَ جَوَادُهُ وَأَهْرَيْقَ دَمُهُ قَالَ قُلْتُ أَيُّ السَّاعَاتِ أَفْضَلُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْآخِرُ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت عمرو بن عبسہؓ راوی ہیں کہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! دعوتِ اسلام کے آغاز میں، اس دین (اسلام) پر آپ ﷺ کے ساتھ کون تھا؟ آپ نے فرمایا ایک آزاد (ابوبکرؓ) اور ایک غلام (بلالؓ)۔ میں نے عرض کیا اسلام کی علامت کیا ہے؟ فرمایا پاکیزہ کلامی اور (مساکین کو) کھانا کھلانا، میں نے عرض کیا ایمان کی باتیں کیا ہیں؟ فرمایا ”صبر اور سخاوت“ (یعنی بری باتوں سے باز رہنا اور طاعت فرمانبرداری پر مستعد ہونا) میں نے کہا کون سا مسلمان بہتر ہے؟ فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ (کی انیاء) سے مسلمان محفوظ رہیں، میں نے کہا: ایمان میں بہتر چیز کیا ہے؟ فرمایا ”اچھے اخلاق“ میں نے کہا ”نماز میں کون سی چیز بہتر ہے؟ فرمایا بر تک کھڑے رہنا، میں نے کہا کون سی ہجرت بہتر ہے؟ فرمایا ”یہ کہ تم اس چیز کو چھوڑ دو جس سے تمہارا پروردگار ناراض ہوتا ہے میں نے کہا جہاد میں افضل کون ہے؟ فرمایا وہ شخص افضل ہے جس کا گھوڑا مارا جائے اور خود بھی شہید ہو جائے۔ میں نے کہا: سب سے افضل کون سا وقت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نصف شب کا آخری حصہ۔“ (احمد)

لے آپ کا نام عمرو بن عبسہ کے بیٹے ہیں اور ابوبکر آپ کی کنیت ہے۔ اور حضرت علی کے دور خلافت میں انتقال فرمایا۔

ایمان اور اسلام پر مرنے والا جنتی ہے

﴿۴۲﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَيُصَلِّيَ الْخَمْسَ وَيُصُومُ مَضْيًا غُفِرَ لَهُ قُلْتُ أَفَلَا أُبَشِّرُهُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ دَعَهُمْ يَعْمَلُوا - (رواہ احمد)

”اور حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس شخص نے اللہ کی طرف اس حال میں کوچ کیا کہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرا رکھا تھا۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا تھا اور رمضان کے روزے رکھتا تھا تو وہ بخش دیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو خوش خبری سادوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور عمل میں لگا رہنے دو۔“ (احمد)

تشریح: اس بخشش کا تعلق گناہ صغیرہ سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے اس کی بھی امید ہے کہ اگر وہ چاہے گا تو کبیرہ گناہ بھی بخش دے گا۔ ویسے گناہ کبیرہ کی سزا بھگتنے کے بعد ہی بخشش اور جنت کا استحقاق ملے گا۔ اسی لئے جب حضرت معاذ بن جبلؓ نے اس بشارت کو عام کرنے کی اجازت چاہی تو آنحضرت ﷺ نے منع فرمادیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اسی بشارت پر بھروسہ کر بیٹھیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں یا بد اعمالی میں مبتلا ہو جائیں اور گناہ و معصیت کا ارتکاب کرنے لگیں اور پھر عذاب کے مستوجب بن جائیں۔

اس حدیث میں حج اور زکوٰۃ کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ ان فرائض کا تعلق خاص طور پر صاحب استطاعت اور مالدار لوگوں سے ہے چونکہ عمومی طور پر ہر شخص زکوٰۃ و حج کی ادائیگی کی استطاعت نہیں رکھتا اس لئے صرف ان فرائض کو ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق بلا تخصیص امیر و غریب ہر شخص سے ہے جیسے نماز روزہ کہ اس میں امیر و غریب کسی کی تخصیص نہیں ہے یہ سب پر فرض ہیں۔

﴿۴۳﴾ وَعَنْهُ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَفْضَلِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُحِبَّ لِلَّهِ وَتُبْغِضَ لِلَّهِ وَتُعْمَلَ لِسَانَكَ فِي ذِكْرِ اللَّهِ قَالَ وَمَاذَا يَأْمُرُ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ وَأَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهُ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ - (رواہ احمد)

”اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ ایمان کی اعلیٰ باتیں کیا ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (کسی سے) تمہاری محبت بھی اللہ کے لئے ہو اور بغض و عداوت بھی اللہ ہی کے لئے ہو اور تم اپنی زبان کو (خلوص دل سے) خدا کے ذکر میں مشغول رکھو، انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کے علاوہ اور کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا دوسروں کے لئے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اور جس چیز کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اس کو دوسروں کیلئے بھی ناپسند کرو۔“ (احمد)

تشریح: ایمان کی بہترین باتیں یہی ہیں کہ ہر حالت میں اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا کا حصول مد نظر ہو۔ یعنی جو کام کیا جائے خواہ وہ مالی ہو یا بدنی اور یا اخلاقی۔ محض خدا کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔ علاوہ ازیں مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاق و انسانیت کی اعلیٰ اقدار کا حامل ہو یاں طور کہ ہر ایک کا خیر خواہ بنے اور پوری برادری کی بھلائی و بہتری کو ایسا ہی اچھا جانے جیسا کہ اپنی ذات کی بھلائی کو اور دوسروں کے لئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اسی طرح جس چیز کو اپنے لئے مضر سمجھتا ہو اور اسے ناپسند کرتا ہو دوسروں کے لئے بھی اس کو ناپسند کرے اور ان کے لئے مضر جانے۔

باب الکبائر و علامات النفاق

گناہ کبیرہ اور نفاق کی علامتوں کا بیان

”گناہ کبیرہ“ کے معنی ہیں۔ بڑے گناہ! چنانچہ اصطلاح شریعت میں ”گناہ کبیرہ“ اس بڑے فعل کو کہتے ہیں جس کا ارتکاب کرنے والا

حد یعنی شریعت کی متعین کردہ سزا کا مستوجب ہوتا ہے، یا جس کے ارتکاب پر قرآن و حدیث میں سخت وعید و تنبیہ مذکور ہو، یا جس کے ارتکاب کو شریعت نے بطور مبالغہ ارتکاب کفر سے تعبیر کیا ہو (جیسے قصداً نماز ترک کرنے پر حدیث میں یہ وعید آئی ہے مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ یعنی جس شخص نے نماز قصداً ترک کر دی وہ کافر ہو گیا) یا جس کا فساد و نقصان گناہ کبیرہ کے فساد و نقصان کے برابر یا اس سے زیادہ ہو، یا جس کی ممانعت دلیل قطعی کے ساتھ ثابت ہو اور جس کا اختیار کرنا حرمت دین کی ہتک کا موجب ہو پس جس فعل اور بات میں ان میں سے کوئی بھی چیز پائی جائے گی اس کو گناہ کبیرہ یعنی بڑا گناہ کہیں گے اور جس فعل یا بات میں ان میں سے کوئی چیز نہیں پائی جائے گی اور وہ اسلامی تعلیمات اور دینی تقاضا کے خلاف ہوگی اس کو گناہ صغیرہ یعنی چھوٹا گناہ کہا جائے گا یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بعض اعتبار سے اگرچہ گناہ کبیرہ کے مختلف درجات ہیں کہ بعض کبیرہ گناہ تو بہت ہی برے اور نہایت ہی قابل نفرت ہیں اور بعض گناہ نسبتاً کچھ ہلکے درجہ کے ہیں لیکن شریعت کی نظر میں قابل مواخذہ و گرفت اور موجب عذاب ہونے کے اعتبار سے سب یکساں نوعیت رکھتے ہیں۔

احادیث میں ایک جگہ تمام کبیرہ گناہوں کا تفصیل اور تفصیل کے ساتھ ذکر موجود نہیں ہے، بلکہ موقع محل کی مناسبت یا کسی سائل کو جواب میں آنحضور کی طرف سے بیان کردہ کبیرہ گناہ کچھ تو جا بجا احادیث و روایت میں منقول ہیں اور کچھ دوسرے مواقع پر مذکور ہیں۔ بعض علماء مثلاً مولانا جلال الدین دوانی نے کبیرہ گناہوں کی جو فہرست مرتب کی ہے وہ مختصر ایوں ہے۔

① اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا یعنی کسی کو اس کی عبادت یا اس کی صفات میں شریک کرنا مثلاً استعانت (مدد چاہنے) میں، علم میں، قدرت میں، تصرف میں، تخلیق میں، پیکار میں، نام رکھنے میں، ذبح کرنے میں، نذر ماننے میں اور لوگوں سے امور سونپنے میں کسی کو بھی وہ درجہ اور حیثیت دینا جو صرف اللہ تعالیٰ کی سزاوار ہے۔ ② گناہ پر اصرار و دوام کی نیت رکھنا۔ ③ ناسق کسی کو قتل کرنا ④ زنا کرنا۔ ⑤ لواطت کرنا۔ ⑥ چوری کرنا۔ ⑦ جادو سیکھنا اور جادو کرنا۔ ⑧ شراب پینا اور نشہ آور اشیاء کا استعمال کرنا۔ ⑨ محارم یعنی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، نانی اور خالہ وغیرہ سے نکاح کرنا۔ ⑩ جوا سیکھنا اور جوا کھیلنا۔ ⑪ دار الحرب سے ہجرت نہ کرنا۔ ⑫ دشمنان دین سے ناروا دوستی اور تعلق رکھنا۔ ⑬ طاقت و قوت اور غالب حیثیت رکھنے کے باوجود دشمنان دین سے جہاد نہ کرنا۔ ⑭ سود کھانا۔ ⑮ خنزیر اور مردار کے گوشت کا استعمال کرنا۔ ⑯ نجومی اور کاہن کی تصدیق کرنا۔ ⑰ ناسق کسی کا مال ہرپ کر لینا۔ ⑱ پاکباز مرد یا پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت دھرنا۔ ⑲ جھوٹی گواہی دینا۔ ⑳ کسی عذر شرعی کے بغیر قصداً رمضان کا روزہ نہ رکھنا یا روزہ توڑنا۔ ㉑ جھوٹی قسم کھانا۔ ㉒ قطع تعلق کرنا۔ ㉓ ماں باپ کو ستانا اور ان کی نافرمانی کرنا۔ ㉔ جنگ کے موقع پر دشمنان دین کے مقابلہ سے فرار اختیار کرنا۔ ㉕ تیموں کا مال ناحق کھانا۔ ㉖ ناپ تول میں خیانت کرنا۔ ㉗ نماز کو وقت پر نہ پڑھنا۔ ㉘ مسلمانوں سے ناحق لڑنا جھگڑنا۔ ㉙ ذات رسالت مآب ﷺ پر جھوٹا الزام لگانا۔ ㉚ رسول کتاب اللہ اور فرشتوں کا انکار کرنا یا ان کا مذاق اڑانا۔ ㉛ احکام دین اور مسائل شریعت کا انکار کرنا۔ ㉜ فرائض پر عمل نہ کرنا یعنی نماز نہ پڑھنا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا، رمضان کے روزے نہ رکھنا اور استطاعت کا باوجود حج نہ کرنا۔ ㉝ صحابہؓ یا کسی صحابیؓ کو برا کہنا۔ ㉞ بلا عذر کتمان شہادت کرنا۔ ㉟ رشوت لینا۔ ㊱ میاں بیوی کے درمیان نفاق ڈالنا۔ ㊲ حاکم کے سامنے کسی کی چغل خوری کرنا۔ ㊳ غیبت کرنا۔ ㊴ اسراف میں مبتلا ہونا۔ ㊵ رہزنی کا ارتکاب کرنا۔ ㊶ دین کے نام پر یا کسی دنیوی غرض کے تحت روئے زمین پر فتنہ و فساد پھیلانا۔ ㊷ گناہ صغیرہ پر اصرار و دوام اختیار کرنا۔ ㊸ کسی کو گناہ کی طرف راغب کرنا یا گناہ کے ارتقاب میں مدد دینا۔ ㊹ ہارمونیم، طبلہ، اور دوسرے ممنوع باجوں کے ساتھ گانا۔ ㊺ نہاتے وقت دوسروں کے سامنے ستر کھولنا۔ ㊻ مالی مطالبات و واجبات کی ادائیگی میں بخل کرنا۔ ㊼ خودکشی کرنا۔ ㊽ اپنے اعضاء بدن میں سے کسی عضو کو ضائع کرنا اور تلف کر دینا۔ ㊾ منی اور پیشاب کی گندگی سے صفائی اور پاکائی حاصل نہ کرنا۔ ㊿ تقدیر کو جھٹلانا۔ ۱۰۱ اپنے سردار اور حاکم سے عہد شکنی کرنا۔ ۱۰۲ کسی کی ذات اور نسب میں طعنہ زنی کرنا۔ ۱۰۳ غرور اور تکبر کے تحت پانیچھ لگانا۔ ۱۰۴ لوگوں کو گمراہی کی طرف بلانا۔ ۱۰۵ میت پر نوحہ کرنا۔ ۱۰۶ برے طریقے اور بیہودہ رسمیں رائج کرنا۔ ۱۰۷ دھاردار آلہ سے کسی مسلمان کی طرف اشارہ کرنا۔ ۱۰۸ کسی کو خضی کر دینا۔

(۵۹) اپنے بدن کے کسی حصہ کو کاٹنا۔ مثلاً داڑھی منڈانا یا ناک وغیرہ تھوڑی سی کاٹ ڈالنا۔ (۶۰) اپنے محسن سے احسان فراموشی کرنا۔ (۶۱) حدود حرم میں ان کاموں کو کرنا جن کی ممانعت ہے۔ (۶۲) حدود حرم میں جاسوسی کرنا۔ (۶۳) نزد کھیلنا یا ایسا کوئی بھی کھیل کھیلنا جو بلا اتفاق حرام ہو۔ (۶۴) کسی مسلمان کو کافر کہنا یا اس کو کسی ایسے الفاظ سے مخاطب کرنا جو صرف کافر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (۶۵) اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان باری میں عدل نہ کرنا۔ (۶۶) جلق کرنا (مشت زنی کرنا)۔ (۶۷) غلہ وغیرہ کی گرانی سے خوش ہونا۔ (۶۸) جانوروں کے ساتھ بد فعلی کرنا۔ (۶۹) عالم کا اپنے علم پر عمل نہ کرنا۔ (۷۰) دنیا کی محبت میں مبتلا ہونا۔ (۷۱) امر دہریہ نظر رکھنا۔ (۷۲) دوسروں کے گھر میں جھانکنا۔ (۷۳) صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے گھر کے اندر داخل ہونا۔ (۷۴) دیوٹی اور قزم ساقی کرنا۔ (۷۵) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی اچھے کاموں کی تبلیغ و تلقین اور برے کاموں سے روکنے) کا فریضہ باوجود قدرت کے انجام نہ دینا۔ (۷۶) پڑھنے کے بعد قرآن مجید کو بھلا دینا۔ (۷۷) جانوروں کو آگ میں جلانا۔ (۷۸) عورت کا بغیر عذر شرعی اپنے شوہر کی نافرمانی کرنا۔ (۷۹) مرد کا عورت پر ظلم کرنا۔ (۸۰) اللہ کی رحمت و مغفرت سے ناامید ہونا۔ (۸۱) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا۔ (۸۲) علماء اور حفاظ کی توہین و تحقیر کرنا۔ (۸۳) بیوی سے ظہار کرنا، بعض علما نے کبار کی فہرست میں کچھ اور گناہوں کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہاں اختصار کے پیش نظر اسی فہرست پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

الفصل الاول

سب سے بڑے گناہ

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْبَرُ الذَّنْبِ عِنْدَ اللَّهِ قَالَ أَنْ تَدْعُوَ لِلَّهِ نِدَاءً وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ ثُمَّ أَيْ قَالَ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشِيَةً أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قَالَ ثُمَّ أَيْ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ فَانْزَلِ اللَّهُ تَصْدِيقَهَا (وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ الْآبَالِ حَقًّا وَلَا يَزْنُونَ الْآيَةَ)

(الفرقان ۶۸، متفق علیہ)

”حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا، یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایہ کہ جس اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ تم کسی کو اس کا شریک ٹھہراؤ پھر اس شخص نے پوچھا! اس کے بعد سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آنحضرت نے فرمایا ایہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خیال سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔ پھر اس نے پوچھا، اس کے بعد سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایہ کہ تم اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرو (حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ) سرکار ﷺ کے اسی ارشاد کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی (جس کا ترجمہ ہے) وہی بندگان خاص ہیں جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود نہیں ٹھہراتے، اور جس جاندار کو قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں (اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ گناہ کے وبال میں پڑے گا)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں چند ایسی باتوں کی نشان دہی کی گئی جو اخلاق و انسانیت کے اعتبار سے بھی نہایت پستی اور گراؤ کی علامت ہیں اور شریعت نے بھی ان کو سب سے بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے اور جن کا ارتکاب کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا مستوجب قرار پاتا ہے۔ سب سے بڑا گناہ جس بات کو بتایا گیا ہے وہ کسی کو اپنے خالق اور پروردگار کا شریک ٹھہرانا ہے اور ان تدعو اللہ ندا کی تشریح

لے آئم گرامی عبد اللہ بن مسعود اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے، آپ کو حضورؐ نے جنت کی بشارت دی ہے آپ نے ۲۳ھ ہجری کچھ اوپر ساٹھ سال بمقام مدینہ میں انتقال فرمایا۔

میں علماء نے لکھا ہے کہ شریک ٹھہرانے کا مطلب ذات و صفات اور عبادت میں کسی کو اللہ کا ہمسر و ہم تاب بنانا ہے مثلاً عبادت و بندگی اور انظار عبدیت کے جو طریقے اور جو افعال صرف ذات باری تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں۔ وہ طریقے اور افعال اللہ کے سوا کسی اور کے لئے بھی اختیار کرنا یا جس طرح اللہ کو ”یا اللہ“ کہہ کر یاد کیا جاتا ہے، اسی طرح کسی غیر اللہ کو پکارنا اور یاد کرنا، اور یا جس طرح اللہ تعالیٰ حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے اسی طرح کسی اور کو بھی حاجت روا مان کر یوں فریاد رسی کرنا کہ اے فلاں میری یہ حاجت پوری کر، میری مدد کر دو غیرہ وغیرہ۔

دوسرا بڑا گناہ یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو اس خوف سے موت کے گھاٹ اتار دے کہ وہ میرے سر کا بوجھ بنے گی، اس کو کھانا پلانا پڑے گا، اور اس کی پرورش و تربیت کی معاشی ذمہ داریاں برداشت کرنا پڑیں گی، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ظالمانہ طریقہ رائج تھا کہ لوگ افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔

تیسرا بڑا گناہ یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے۔ یوں تو مطلقاً زنا ایک بڑا گناہ ہے اور اس پر سخت سزا مقرر ہے۔ لیکن پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا تو بہت ہی بڑا گناہ ہے جس طرح کہ مطلقاً حق قتل کرنا ایک بڑا گناہ ہے، لیکن اپنی اولاد کو قتل کر دینا نہایت ہی بڑا گناہ ہے۔

والدین کی نافرمانی اور جھوٹی قسم کھانا

② وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَبَائِرُ الْأَشْوَاكُ بِاللَّهِ وَعَقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِينِ الْغَمُوسُ وَذَوَاهِ الْبَخَارِئِ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَسٍ وَشَهَادَةُ الزُّورِ بَدَلُ الْيَمِينِ الْغَمُوسُ - (مشق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا بچھ کسی کو مار ڈالنا اور جھوٹی قسم کھانا بڑے گناہ ہیں (بخاری) اور حضرت انسؓ کی روایت میں ”جھوٹی قسم کھانا“ کے بجائے ”جھوٹی گواہی دینا“ کے الفاظ ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”عقوق“ کے ایک معنی ایذا دینے کے بھی آتے ہیں۔ لہذا شریعت نے نہ صرف یہ کہ والدین کی نافرمانی کو بڑا گناہ قرار دیا ہے بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ مسلمان ماں باپ کو نہ کوئی اذیت پہنچائی جائے اور نہ ان کو ناحق ستایا جائے، ویسے کافراں باپ کو بھی اذیت پہنچانے سے روکا گیا ہے، لیکن ان کو کفر کی لعنت سے نکالنے اور قبول اسلام پر آمادہ کرنے کے لئے ان کے ساتھ تھوڑے بہت سخت برتاؤ کی اجازت ہے، بشرطیکہ وہ سخت برتاؤ قطعی طور پر ناگزیر ہو اور اخلاق و انسانیت سے گرا ہوا نہ ہو۔

تفسیر عزیزی میں ارشاد ربانی وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا حکم بطور خاص تین باتوں کو شامل ہے، اور یہ کہ ان کو کسی قسم کی اذیت نہ پہنچائے خواہ ہاتھ سے ہو یا زبان وغیرہ سے، یعنی نہ تو ان کو مار پیٹ کر تکلیف پہنچائے اور نہ ان کے ساتھ بدزبانی و بدکلامی کرے، دوسرے یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے جان و مال دونوں طرح سے ان کی خدمت کرے، اور تیسرے یہ کہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور وہ جس وقت اور جس ضرورت سے بلائیں فوراً ان کے پاس حاضر ہو جائے۔ تاہم علماء نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ والدین کی خدمت کا حکم اس شرط کے ساتھ ہے کہ اگر ماں باپ اولاد کے محتاج ہوں اور اولاد اتنی قوت و استطاعت رکھتی ہو کہ ان کی ہر طرح کی خدمت کر سکے تو ان کی خدمت کرنا اس پر واجب ہے اور اگر یہ صورت ہو کہ نہ تو والدین اس کے محتاج ہوں اور نہ اولاد اس پر قادر ہے تو اس پر ان کی خدمت واجب نہیں ہے اسی طرح والدین کی حکم برداری کا مسئلہ بھی اس وضاحت کے ساتھ ہے کہ اگر وہ اچھے کام کا حکم دیں یا خلاف شرع چیزوں سے روکیں یا شرع کے خلاف حکم نہ دیں تو ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے لیکن اگر وہ خلاف شرع چیزوں کا حکم دیں مثلاً واجبات کو ترک کرنے کے لئے یا فرض حج کرنے سے روک

دیں اور منع کریں تو ان چیزوں میں ان کی اطاعت نہ کرنی چاہیے اگر سنت مؤکدہ کو چھوڑنے کے لئے کہیں مثلاً نماز کی جماعت میں شریک ہونے سے روکیں، یا عرفہ کے روزہ کو منع کریں تو اس میں زیادہ صحیح قول یہ ہے اس طرح کا حکم دو ایک مرتبہ مان لینے اور ان کی اطاعت میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن ان چیزوں کی اگر وہ عادت ہی ڈالوا دیں یا ہمیشہ منع کرتے رہیں تو ان کا حکم نہ مانے۔ ہاں اگر وہ کسی نقلی عبادت سے روکیں اور کہیں کہ اس کی بجائے ہماری خدمت میں رہو تو ان کی حکم برداری کرنی چاہئے۔

”یمین غموس“ اس جھوٹی قسم کو کہتے ہیں جس کا تعلق گزشتہ چیز سے ہو، مثلاً کوئی شخص کسی فعل کے بارہ میں اس طرح قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں نے فلاں کام نہیں کیا ہے۔ درحالیکہ واقع میں اس نے وہ کام کیا ہے تو یہ ”یمین غموس“ کہلائے گی اس کی سخت ممانعت ہے کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اسی طرح جھوٹی گواہی دینا بھی ایک بہت بڑا گناہ ہے جو اللہ کے سخت عذاب کا مستوجب بناتا ہے۔

ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو

﴿وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُزْبِقَاتِ قَالَُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَاهُنَّ قَالَ الْبَشْرُكُ بِاللَّهِ وَالسَّخْوُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَאَكْلُ الزَّيْتِ وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَالتَّوَلَّى يَوْمَ الرَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ﴾ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (لوگو) سات ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو، پوچھا گویا رسول اللہ! وہ سات ہلاک کرنے والی باتیں کون سی ہیں؟ فرمایا کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا۔ (۲) جادو کرنا۔ (۳) جس جان کو مار ڈالنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا۔ (۴) یتیم کا مال کھانا۔ (۵) جہاد کے دن دشمن کو پیچھ دکھانا۔ (۶) پاکدامن ایمان والی اور بے خبر عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اسلامی اعتقادات و نظریات اور بدیہی مسلمات کو دل سے ماننا، زبان سے اقرار کرنا اور عائد شدہ فرائض پر عمل کرنا ایمان ہے اور ان پر بدیہی مسلمات میں سے کسی ایک بات کا انکار کرنا کفر ہے اب اگر اس کلیہ کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ایمان کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ دین کے بدیہی مسلمات زبان و دل سے مان لئے جائیں اور اس پر عمل پیرا ہو جائے۔ برخلاف اس کے کہ کفر کی صورتیں کئی ہیں اور دین کی بدیہیات میں سے اگر کسی ایک بات کا بھی انکار کر دیا جائے خواہ بقیہ سب کا اقرار موجود ہے تو بھی کفر عائد ہو جاتا ہے پھر علماء کی تصریح ہے کہ کفر صرف قول ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بعض افعال بھی موجب کفر ہو سکتے ہیں، چنانچہ فقہاء ایسے افعال پر بھی کفر کا حکم لگا دیتے ہیں جو قلبی و اعتقادی کفر کے صحیح ترجمان سمجھے جاتے ہیں۔

یوں تو کفر کی ہر قسم انسانیت کے دامن پر سب سے بد نما داغ ہے لیکن اس کی جو قسم سب سے بدتر ہے وہ شرک ہے یعنی خدا تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کی عبادات اور اس کی حدود و عظمت میں کسی کو شریک بنالینا نہ صرف اعتقادی حیثیت سے ایمان و اسلام سے صریح بیزاری کا اظہار ہے، بلکہ فطرت پر ایک بہت بڑا ظلم اور عقل و دانش سے سب سے بڑی بغاوت بھی ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کر کے اس کی فطرت کو کفر و شرک کی ہر قسم کی آلودگی سے پاک و صاف رکھا ہے، اب اگر انسان اپنی فطرت کو شرک کی نجاست سے ملوث کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی فطرت اور اپنے ضمیر کی صداقت آمیز آواز کا گلا گھونٹ کر مذہب و انسانیت دونوں حیثیت سے تباہی و بربادی کے غار میں گرتا ہے۔

اس لئے پروردگار عالم کا اٹل فیصلہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں ہر کوتاہی و لغزش قابل معافی ہو سکتی ہے۔ مگر شرک کا جرم ہرگز معافی نہیں ہو گا جس کی سخت سزا شرک کو بھگتنی ہوگی۔ اور خدا تعالیٰ کی پاک جنت میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ۔ (القرآن حکیم، النساء ۱۱۶)

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس جرم کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے وہاں اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے گا بخش دے گا۔“

چونکہ شرک انسانی فطرت سے سعادت و نیک بختی کا ختم جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور انسان کی روحانی ترقی کی تمام استعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے نیز خود قرآن کی نظر میں شرک خدا تعالیٰ پر سب سے بڑا افتراء اور سب سے بڑھ کر بے دلیل اور خلاف ضمیریات اور نفس انسان کے لئے ابدی موت ہے اس لئے حدیث میں جن ہلاکت خیز باتوں کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں شرک کا جرم سرفہرست ہے۔

شرک کی تعریف اور اقسام

اس موقع پر مناسب ہے کہ شرک کی تعریف اور اس کی اقسام کی کچھ تفصیل بیان کر دی جائے، شرح عقائد میں ہے کہ اصطلاح شریعت میں شرک، اسے کہتے ہیں کہ خدائی اختیارات میں غیر اللہ کو شریک ٹھہرائے جیسا کہ مجوسی اہرن و یزداں کو مانتے ہیں یا خدا کے علاوہ کسی دوسرے کو بھی پرستش و عبادت کے لائق جانے جیسا کہ بت پست عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ شرک کفر کی ایک قسم ہے اور اسی لئے شریعت میں شرک کفر کے معنی میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحقؒ نے اپنے ترجمہ مشکوٰۃ میں شرح عقائد کی بیان کردہ شرک کی ان دونوں قسموں کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں شرک سے مراد کفر ہے، خیالی میں بھی اس کی تصریح ہے اور مولانا عصمت اللہؒ سے بھی یہی منقول ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ شریعت کی اصطلاح میں ”شرک“ اسے کہتے ہیں کہ جو صفات خاص باری تعالیٰ عز و جہ کے ساتھ مختص ہیں ان کو خدا کے علاوہ کسی دوسرے میں بھی ثابت کرے، جیسے خدا کے علاوہ کسی دوسرے کو بھی عالم الغیب جانے۔ یا جس طرح دنیا کی ہر شے پر خدا کو قادر مانتا ہے کسی دوسرے کو بھی قادر جانے، یا جیسے خدا تعالیٰ کو اپنے ارادہ کے ساتھ دنیا کی تمام چیزوں پر متصرف جانتا ہے، ایسے ہی کسی دوسرے کو بھی متصرف جانے۔ مثلاً کسی کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھے کہ فلاں نے نظر کرم کے ساتھ مجھ سے برتاؤ کیا اس لئے مجھ کو مال و زر کی وسعت اور خوشی حاصل ہو گئی یا فلاں نے مجھ کو پھنکار دیا تھا تو اس کے سبب میں بیمار ہو گیا یا میرا مقدر پھوٹ گیا، وغیرہ وغیرہ۔

خدا کی ذات اور صفات اور خدائی اختیارات میں شرک کے علاوہ تفسیر عزیزی میں شرک کی اور جو اقسام ذکر کی گئی ہیں۔ ان میں ایک تو یہی ہے کہ عبادت میں کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جائے، یا کسی کا نام تقرب و فضیلت کے طریقہ پر خدا کے نام کی طرح لیا جائے اور اس کو خدا کا ہمسر قرار دیا جائے۔ مثلاً کسی کو اٹھتے بیٹھتے و مصائب و مشکلات میں اس کا نام لے کر اسے یاد کرے ایسے ہی کسی کا نام بجائے عبد اللہ یا عبد الرحمن کے بندہ فلاں یا عبد فلاں رکھا جائے اس کو ”شوک فی التسمیہ“ کہتے ہیں یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے اور اس کی نذر مانی جائے، یا بلا وجہ شرک کے دفعیہ اور حصول منفعت کے لئے خدا کے علاوہ کسی دوسرے کو پکارا جائے اور ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ یا علم و قدرت میں خدا کے نام کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا جائے جیسے کوئی کہے مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتُ یعنی جو خدا چاہے اور تم چاہو وہی ہوگا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ کسی ناواقف نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اسی طرح کے الفاظ کہے تو آپ ﷺ بہت افروختہ ہوئے اور فرمایا کہ تم نے مجھے خدا کا شریک ٹھہرا دیا اور فرمایا کہ اس طرح کہو:

مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ خَدَّہُ۔

”یعنی جو صرف خدا چاہے گا وہی ہوگا۔“

بعض کبیرہ گناہوں کو بھی شرک کہا گیا ہے، جیسے حدیث میں وارد ہے کہ جس شخص نے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم کھائی اس نے یقیناً شرک کیا، یا کہا جاتا ہے کہ بد شگونی لینا شرک ہے یا منقول ہے کہ ریا کاری شرک ہے، یا اسی طرح منقول ہے کہ جو عورت اپنے خاوند

کی محبت کے لئے ٹوٹ کرے شرک ہے گویا یہ گناہ اپنے مہلک اثرات کی بنا پر شرک کی طرح ہیں اس لئے ان سے اجتناب بھی اتنا ہی ضروری ہے، جتنا شرک سے۔

اسی طرح وہ افعال جو اگرچہ شرک حقیقی یعنی کفر کے دائرے میں تو نہ آتے ہوں لیکن مشرکین اور بت پرستوں کے افعال و اعمال کے مشابہ اور ان کے ہم مثل سمجھے جاتے ہیں تو ان سے بھی شرک ہی کی طرح پرہیز ضروری ہے، جیسے علماء اور بادشاہ کے آگے جبین سائی کرنا یا ان کے سامنے آکر زمین کو چوسنا یا ان کو سجدہ تعظیم کرنا۔ چونکہ یہ افعال حرام اور گناہ کبیرہ ہیں اس لئے ان کا ارتکاب کرنے والا بھی گناہ گار اور مستوجب عذاب ہوگا، اور جو لوگ اس طرح کے افعال سے خوش ہوں گے اور قدرت کے باوجود ان افعال کے ارتکاب کو روکنے کی کوشش نہیں کریں گے وہ بھی گناہ گار ہوں گے، یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اگر علماء یا بادشاہ پیروں کے آگے جبین سائی کرنا اور زمین کو بوسہ دینا عبادت و تعظیم کی نیت سے ہوگا تو اس کو صریحاً کفر کہا جائے گا اگر عبادت و تعظیم کی نیت سے نہیں بلکہ محض اظہار ادب کے لئے ہوگا تو اس پر کفر کا اطلاق نہیں ہوگا لیکن گناہ کبیرہ ضرور کہلائے گا۔

اس حدیث میں دو سر ہلاکت خیر فعل تحریر کیا گیا ہے۔ سحر کے بارہ میں علماء کہتے ہیں کہ جس طرح سحر اور جادو کرنا حرام اور ہلاکت خیر چیز ہے اسی طرح جادو سیکھنا اور سحر کا علم حاصل کرنا بھی حرام ہے، جو آخرت میں ہلاکت کا موجب بنے گا، شرح عقائد کے حاشیہ ”خیالی“ میں لکھا ہے کہ سحر کرنا کفر ہے، اور صحابہؓ وغیرہ کی ایک جماعت تو اس پر متفق ہے کہ ساحر کو فورا مار ڈالنا چاہیے۔ جب کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ اگر ساحر اس طرح کا ہو جس سے کفر لازم آتا ہو اور ساحر اس سے توبہ نہ کرے تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہئے۔ اسی طرح نجوم، کہانت رمل اور شعبدہ بازی کی تعلیم حاصل کرنا، ان چیزوں کو اختیار کرنا اور ان سے روزی اور پیسہ کماتا اور نجومی و کاہن وغیرہ سے سوالات کرنا اور ان کی بتائی ہوئی باتوں پر اعتقاد رکھنا بھی حرام ہے۔

حدیث میں دشمن کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کرنے کے مذموم فعل کو بھی ہلاکت کا موجب بتایا گیا ہے اس لئے کہ جس شخص نے اتنی بزدلی اور پست ہمتی دکھائی کہ عین اس موقع پر جب کہ اس کو ایمانی شجاعت و دلیری کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا، دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا ہو اور دراصل اپنی اس مذموم حرکت کے ذریعہ اہل اسلام کی رسوائی کا سبب بنا لہذا اس کو آخرت کے عذاب اور ہلاکت کا مستوجب گردانا جائے گا۔ اس سلسلہ میں جہاں تک تفصیلی مسئلہ کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان کے مقابلہ میں دو کافر ہوں تو اس کو ان کے مقابلے سے راہ فرار اختیار کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ ہاں اگر مقابلہ پر دشمن دو سے زیادہ کی تعداد میں ہوں تو پھر بھاگنا حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے مگر اس میں اولیٰ اور بہتری کی ہے کہ وہ اس صورت میں بھی پیٹھ نہ دکھائے بلکہ مقابلہ کرے خواہ جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔

وہ بدترین گناہ جن کے ارتکاب کے وقت ایمان باقی نہیں رہتا

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهَبُ نَهْيَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهَا أَبْصَارَهُمْ حِينَ يَنْتَهَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَقْتُلُ حِينَ يَقْتُلُ حِينَ يَغْلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَإِيَّاكُمْ إِنَّا كُمْ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَا يَقْتُلُ حِينَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ لَأَنْبِيَّ عَبَّاسٍ كَيْفَ يَنْزِعُ الْإِيمَانَ مِنْهُ قَالَ هَكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ثُمَّ أَخْرَجَهَا فَإِنْ تَابَ عَادَ إِلَيْهِ هَكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ وَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ لَا يَكُونُ هَذَا مُؤْمِنًا تَامًا وَلَا يَكُونُ لَهُ نَوَازِلُ الْإِيمَانِ - (هذا لفظ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، اور چھینا چھٹی کرتا ہے اور لوگ اس کو (کھلم کھلا) چھینا چھٹی کرتے

ہوئے دیکھتے ہیں (لیکن خوف و دہشت کے مارے بے بس ہو جاتے ہیں اور چیخ و پکار کے علاوہ اسکا کچھ نہیں بگاڑ پاتے) تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا پس تم (ان گناہوں سے) بچو۔ (بخاری و مسلم) اور ابن عباسؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اقل کرنے والا جب ناحق قتل کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ عکرمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے (یہ حدیث سن کر) پوچھا کہ اس سے ایمان علیحدہ کس طرح کر لیا جاتا ہے، تو انہوں نے کہا اس طرح (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کیں اور پھر ان انگلیوں کو ایک دوسری سے علیحدہ کر لیا اس کے بعد انہوں نے فرمایا اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو ایمان اس طرح واپس آ جاتا ہے، اور (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنی انگلیوں کو پھر ایک دوسری میں داخل کر لیا۔ نیز ابو عبد اللہ (یعنی امام بخاریؒ) نے کہا ہے کہ (اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ) وہ شخص ارتکاب معصیت کے وقت مؤمن کامل نہیں رہتا اور اس میں سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے۔ (بخاری)

تشریح: جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا، مؤمن کا قلب ایک ایسے حساس اور پاکیزہ ظرف کی مانند ہے جس میں صرف ایمان کا نور ٹھہر سکتا ہے، ایمان کے منافی کوئی بھی چیز در انداز ہونے کی کوشش کرتی ہے تو نہ قلب مؤمن اس کا روادار ہوتا ہے اور نہ نور ایمان اس کو برداشت کرتا ہے، چنانچہ وہ بدترین اور سنگین گناہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہوا، ایسی منافی ایمان باتیں ہیں جن کا تحمل نور ایمان کسی حالت میں نہیں کر سکتا، ادھر انسان ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب شروع کرتا ہے کہ ادھر نور ایمان اس کے قلب سے رخصت ہو جاتا ہے اور پھر جب تک کہ اس گناہ پر نادم و شرمندہ ہو کر آئندہ کے لئے خلوص دل سے توبہ نہیں کر لیتا ایمان کی وہ نورانی کیفیت جو ارتکاب گناہ سے قبل اس کو حاصل تھی، اس کے قلب میں واپس نہیں آتی۔ اسی صورت حال کو حضرت ابن عباسؓ نے اپنی انگلیوں کی مثال کے ذریعہ واضح کیا، انہوں نے پہلے اپنے ایک ہاتھ کے پنجے کو دوسرے ہاتھ کے پنجے میں داخل کیا اور دکھایا کہ یہ گویا ارتکاب معصیت سے قبل کی حالت ہے کہ نور ایمان مومن کے قلب میں جاگ رہا ہے پھر انہوں نے دونوں پنجوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے بتلایا کہ جس طرح یہ پنجہ دوسرے پنجے سے الگ ہو گیا ہے، اسی طرح ارتکاب معصیت کے وقت نور ایمان مؤمن کے قلب سے علیحدہ ہو جاتا ہے، اور پھر انہوں نے دوسرے پنجوں کو ایک دوسرے میں داخل کر دیا اور کہا کہ جس طرح یہ پنجے پھر ایک دوسرے میں داخل ہو گئے ہیں اسی طرح اگر مؤمن ارتکاب معصیت کے بعد توبہ کر لیتا ہے تو اس کا نور ایمان پہلے کی طرح اپنی جگہ واپس آ جاتا ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ نے لکھا ہے کہ ارتکاب معصیت کے وقت ایمان کے باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ مرتکب معصیت کامل مؤمن نہیں رہ جاتا اس کا ایمان ناقص ہو جاتا ہے (ترجمان السنۃ) اور یہی حاصل امام بخاریؒ کے قول کا ہے جو روایت کے آخری فقرہ سے معلوم ہوتا ہے۔

منافق کی علامتیں

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ الْمُنَافِقُ ثَلَاثٌ زَادَ مُسْلِمٌ وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ ثُمَّ اتَّفَقَا إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اتَّخَذَ حَاوِلَةً مُنْفَرِجَةً (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا منافق کی تین علامتیں ہیں، اس کے بعد مسلم نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ کیا ”اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرے“ اس کے بعد بخاریؒ و مسلمؒ دونوں متفق ہیں (وہ تین علامتیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔“ (متفق علیہ)

تشریح: جب بھی کوئی اصلاحی تحریک انقلابی رفتار سے آگے بڑھنے لگتی ہے اور معاشرہ پر اس کا تسلط پھیلتا جاتا ہے تو اس کے متفقین اور مخالفین کے درمیان ایک تیسرا طبقہ بھی پیدا ہو جاتا ہے، یعنی ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس تحریک کے مکمل ہمنوا بن جاتے ہیں اور کامل ذہنی و جسمانی وابستگی کے ساتھ اس کے دائرہ اثر و اطاعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کے مقابلہ پر دوسرا طبقہ مخالفین کا ہوتا ہے جو

تحریک کی کھلم کھلا مخالفت کرتا ہے اور اپنی پوری طاقت اور تمام تر وسائل کے ساتھ علانیہ طور پر تحریک کے داعیوں اور حامیوں کے مد مقابل رہتا ہے، اور ان دونوں کے درمیان جو تیسرا طبقہ پیدا ہوتا ہے وہ ان روبا صفت لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جو نہ اس تحریک کے دل سے حامی بنتے ہیں اور نہ کھلم کھلا مخالفت پر خود کو قادر پاتے ہیں اس طرح کے لوگ اپنی ذہنی و قلبی وابستگی اپنے سابقہ عقائد و نظریات ہی کے تئیں رکھتے ہیں لیکن جسمانی طور پر حامیان تحریک کی صفوں میں شامل ہو جاتے ہیں، یہی صورت حال اسلام کو بھی پیش آئی پیغمبر اسلام کی مکی زندگی کے بعد جب مدنی زندگی کا آغاز ہوا اور اسی کے ساتھ دعوت اسلام کی تحریک انقلابی رفتار سے آگے بڑھنے لگی اور اہل اسلام کو بھی طاقت و شوکت میسر آنے لگی تو یہ تیسرا طبقہ پیدا ہو گیا۔ پہلے مکہ میں ایک طرف تو وہ خوش نصیب لوگ تھے جنہوں نے کامل صدق و اخلاص کے ساتھ دعوت اسلام کو قبول کیا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے فدا کار خادم بنے۔ یہ خوش نصیب تعداد میں بھی کم تھے اور مادی وسائل و ذرائع سے محروم بھی تھے، ان کے مقابلہ پر اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے دعوت اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور اس پر بس نہ کر کے دعوت اسلام کی بھرپور مخالفت پر کمر بستہ تھے، ان لوگوں کو طاقت و شوکت بھی حاصل تھی اور تمام تر مادی وسائل و ذرائع کی پشت پناہی بھی۔ چنانچہ یہاں ان کو اسلام کی کھلم کھلا دشمنی سے کوئی امر نافع نہیں تھا اور اہل اسلام کی مخالفت سماجی طور پر کسی خطرہ یا نقصان کا باعث بھی نہیں تھی۔ لیکن اب مدینہ آنے کے بعد دعوت اسلام کا ماحول دوسرا ہو گیا، تحریک کامیابی سے آگے بڑھتی رہی، متفقین اور ہمنواؤں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ طاقت و شوکت بھی بڑھنے لگی اور سماجی طور پر اہل اسلام کو غلبہ بھی ملنے لگا۔ لہذا اب اسلام کے مخالفین اور معاندین کو بھی عداوت کی شکل بدل دینی پڑی۔ انہوں نے یہ مستقل پالیسی بنائی کہ بظاہر تو اسلام کے نام لیوا بن جاؤ اور مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگو۔ مگر اندرونی طور پر مخالفین اسلام یعنی کافروں کے ہمنوار ہو اور خفیہ معاندانہ کارروائیوں کے ذریعہ دعوت اسلام کی راہ میں کانٹے بچھاتے رہو، چنانچہ یہی سے ”نفاق“ کی بنیاد قائم ہوئی اور اس طرح کے لوگوں کو اسلام میں ”منافق“ کہنا شروع کیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح کسی بھی تحریک کے لئے ”نفاق“ سب سے بڑا گھن ثابت ہوتا ہے اسی طرح اسلام کے حق میں یہ طبقہ منافقین سب سے زیادہ نقصان رساں ثابت ہوا، ابتداء میں تو ان منافقین کا کمروہ چہرہ مسلمانوں کے سامنے چھپا رہا، جب ان کی منافقانہ پالیسی اور عیارانہ کارروائیوں نے اسلام اور مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچانا شروع کیا اور اسلام کے خلاف ان کی خفیہ نفل و حرکت کا علم ہونے لگا تو ان کی شخصیتیں سامنے آنے لگیں اور پھر تو اس طبقہ کی اتنی اہمیت محسوس کی گئی کہ ان کے نام پر مستقل ایک سورت ”المنافقین“ نازل کی گئی، اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں جا بجا منافقوں سے خبردار کیا گیا اور ان کی ریشہ دوانیوں اور تباہ کاریوں سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا۔

نفاق کی قسمیں

جس طرح ایمان اور کفر کی مختلف قسمیں اور صورتیں ہیں اسی طرح ”نفاق“ کی بھی کئی قسمیں ہیں ایک تو اعتقادی نفاق ہے اور یہی حقیقی نفاق ہے یعنی بظاہر اللہ کی توحید، رسالت، فرشتے، اور حشر و نشر کے اعتقاد رکھنے کا دعویٰ کرنا مگر اندر ان تمام اعتقادی مسلمات کا پورا پورا انکار و انحراف مضمحل ہونا۔ یہی وہ نفاق ہے جو آنحضرت ﷺ کے دور میں تھا۔ اسی نفاق کو قرآن مجید نے کفر بھی کہا ہے اور اسی نفاق کے بارہ میں یہ وعید آئی ہے کہ دوزخ میں منافقین کا ٹھکانا کافروں سے بھی نیچے ہوگا، پھر یہ ہوا کہ ان منافقین کے جو عادات و خصائص اور طور طریقے تھے ان پر بھی نفاق کا اطلاق کیا جانے لگا۔ کیونکہ ان میں سے اکثر باتیں وہی ہیں جو انسان کی اخلاقی اور عملی زندگی کو عیب دار بنادیتی ہیں جو اسلام کی تعلیمات، اعلیٰ انسانی اقدار اور امانت و دیانت کے صریح منافی ہونے کے سبب ایمان و اسلام سے ذرا بھی میل نہیں کھاتیں۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی دینی زندگی میں انحطاط کا دور آیا اور انہوں نے ان باتوں کو اختیار کرنا شروع کر دیا جو منافقین اسلام کا خاصہ تھیں تو ارباب اصطلاح نے نفاق کی ایک اور قسم متعین کی اور اس کا نام ”عملی نفاق“ رکھا۔

پس حدیث بالا میں جس چیز کے خلاف تنبیہ کرنا مقصود ہے اس سے یہی ”عملی نفاق“ مراد ہے۔ مطلب یہ کہ بات چیت میں دروغ

گوئی اختیار کرنا، وعدہ کا پورا نہ کرنا، اور امانتوں میں خیانت کرنا ان بری عادتوں میں سے ہیں جو ایک منافق میں تو پائی جاتی ہیں لیکن کسی مؤمن میں ان کا پایا جانا عجوبہ سے کم نہیں۔ لہذا اگر مسلمان دانستہ یا نادانستہ طور پر ان میں سے کسی بری عادت کا شکار ہے تو اس کو فوراً اپنا احتساب کرنا چاہیے اور اس بری عادت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے ورنہ آخرت میں سخت عذاب بھگتنا ہوگا۔

منافق بنانے والی چار باتیں

① وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خِصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خِصْلَةٌ مِنَ التَّفَاقُ حَتَّى يَدْعُوهَا إِذَا اتَّخَمْنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص میں چار باتیں ہوں گی وہ پورا منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جائے گی (تو سمجھ لو) اس میں نفاق کی ایک خصلت پیدا ہوئی تاوقتیکہ اس کو چھوڑ نہ دے (اور وہ چار باتیں یہ ہیں) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب قول و اقرار کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب جھگڑے تو گالیاں کہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہاں بھی نفاق سے مراد ”عملی نفاق“ ہے یعنی اگر کوئی مؤمن و مسلمان ان چار بری باتوں کا شکار ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ پورے طور پر عملی نفاق میں مبتلا ہے اور عملاً منافق بن گیا ہے اور اگر ان چاروں میں سے کوئی ایک خصلت و عادت اس کے اندر پیدا ہو جائے تو جانو کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت پیدا ہو گئی ہے، لہذا متنبہ کیا جاتا ہے کہ جس کے اندر خواہ یہ تمام خصلتیں جمع ہو گئی ہوں یا ایک خصلت ہو وہ جان لے کہ اب اس کا نقشہ زندگی منافق کے مطابق ہوتا جا رہا ہے۔ اگر وہ ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے اندر ان خصلتوں کا ہونا مناسب نہیں ہے اور اگر وہ اپنی دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان باتوں کو فوراً چھوڑ دے۔

منافق کی مثال

② وَعَنْ بِنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تُعِيرُ إِلَى هَذِهِ مَرَّةً وَإِلَى هَذِهِ مَرَّةً - (رواہ مسلم)

”اور مضمر۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان (ماری ماری) پھرتی ہے کہ (اپنے نر کی تلاش میں) کبھی اس طرف مائل ہو جاتی ہے اور کبھی اس طرف۔“ (مسلم)

تشریح: منافق کی مثال اس بکری سے دی گئی ہے جو اپنے نر کی تلاش میں ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہے اسی طرح منافق کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے سامنے چونکہ صرف دنیا کا لالچ اور مال و جاں کی حفاظت کا مقصد ہوتا ہے اس لئے وہ مادہ صفت بن کر کبھی تو مسلمانوں کی آغوش میں آکر پناہ لیتا ہے اور کبھی کافروں کے گروہ میں جا کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے، نفاق سے نفرت پیدا کرنے کے لئے ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ بہت مؤثر ہے۔

الفصلُ الثَّانِي

③ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ يَهُودِيٌّ لِمُصَاحِبِهِ إِذْ هَبَّ بِنَا إِلَى هَذَا النَّبِيِّ فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ لَا تَقُلْ نَبِيُّ اللَّهِ لَوْ سَمِعْتُ لَكَانَ لَهُ أَرْبَعُ أَغْنِيَنَّ فَأَتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَّ أَلَاةً عَنْ تِسْعِ آيَاتٍ يَتَّبِعُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَنْزُوا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوا إِلَى دِي سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَكُمْ وَلَا تَسْحَرُوا وَلَا تَأْكُلُوا الزَّيْءَ وَلَا تَقْذِفُوا مُحْصَنَةً وَلَا تَوَلُّوا الْفِزَارَ يَوْمَ الرَّحْفِ وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةٌ۔ الْيَهُودُ أَنْ لَا تَعْتَدُوا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبْلًا يَدِيهِ وَرَجُلِيهِ وَقَالَ نَشْهَدُ أَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ فَمَا يَمْنَعُكُمْ أَنْ تَتَّبِعُونِي؟ قَالَ إِنَّ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهُ أَنْ لَا يَزَالَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ نَبِيٌّ وَأَنَا خَافُ أَنْ تَبْعَنَّاكَ أَنْ يَقْتُلَنَا الْيَهُودُ۔ (رواه الترمذی و ابوداؤد والنسائی)

”حضرت صفوان بن عسالؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک یہودی نے اپنے ایک (یہودی) ساتھی سے کہا کہ آؤ اس نبی ﷺ کے پاس چلیں! اس کے ساتھی نے کہا! انہیں نبی نہ کہو، کیونکہ اگر انہوں نے سن لیا (کہ یہودی بھی مجھے نبی کہتے ہیں) تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی خوشی سے پھولے نہیں سائیں گے) بہر حال وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے نو واضح احکام کے بارہ میں سوال کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، جس جان کو مار ڈالنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، کسی بے گناہ کو قتل کرانے کے لئے (اس پر غلط الزام عائد کر کے) حاکم کے پاس مت لے جاؤ، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، پاک دامن عورت کو (زنا کی) تہمت نہ لگاؤ، میدان جنگ میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤ اور اسے یہودیو! تمہارے لئے خاص طور پر واجب ہے کہ یوم شبہ کے معاملہ میں (حکم الہی سے) تجاوز نہ کرو، راوی کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) دونوں یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پیرچوم لئے اور بولے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ واقعی نبی ہیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا، (جب تمہیں میری رسالت پر یقین ہے تو میری اتباع سے تم کو کون سا امر مانع ہے؟ انہوں نے کہا: حقیقت یہ ہے کہ دَاوُد نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبی ہوا کرے لہذا اُمّ

ذُرِّيَّتِيں اگر آپ ﷺ کی پیروی کریں تو یہودی ہمیں مار ڈالیں گے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے اللہ کی جانب سے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ نبوت کی دلیل کے طور پر ان کو جو دو بڑے معجزے عطا کئے گئے تھے ان میں ایک عصا تھا ”عصا“ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ تھا جس کے ذریعہ وہ بڑے بڑے کام انجام دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب فرعون کی جانب سے ان کے اور اس زمانہ کے مشہور ساحروں اور جادو گروں کے درمیان مقابلہ ہوا تو خدا نے ان کو عصا ہی کے ذریعے اس طرح کامیابی عنایت فرمائی کہ ان جادو گروں نے جب اپنے سحر و جادو کے بل بوتہ پر رسیوں کو سانپ بنا کر زمین پر ڈالا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جس نے دیکھتے دیکھتے ایک عظیم اور ہیبت ناک اثر دے کر اوپ دھار کر تمام سانپوں کو نگل لیا۔ اس طرح ان کا دو سرا بڑا معجزہ ”ید بیضا“ تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا دست مبارک بغل میں ڈال کر باہر نکالتے تو وہ آفتاب کی مانند شعاعیں نکھیرنے لگتا تھا۔ اتنے بڑے معجزوں کے باوجود جب ان کی قوم راہ راست پر نہیں آئی تو خدا نے ان کو بلائے عام میں اس طرح مبتلا کر دیا کہ ان پر قحط مسلط کر دیا، اور ان کے پھلوں کی پیداوار میں کمی کر دی پھر بعد میں جب ان کی سرکشی اور نافرمانیاں اور زیادہ بڑھیں تو ان پر مختلف قسم کے عذاب بھیجے جانے لگے۔ مثلاً بارش اتنی کثرت سے بر سادی گئی کہ طوفان نے ان کو آگھیرا، ان کے کھیتوں پر ٹنڈیاں بھیج دی گئیں جس کی وجہ سے ان کی تیار فصل تباہ و برباد ہونے لگی، یا ان کے غلوں میں گھن کا کیر لگا دیا جس نے ان کے غلوں کے انبار کو ختم کرنا شروع کر دیا، ان پر مینڈک کا عذاب بھیج دیا گیا کہ ان کی ہر چیز میں خواہ کھانے کی ہو یا پینے کی مینڈک ہی مینڈک ہو گئے اور پھر ان کا پانی خون کر دیا گیا کہ جب بھی وہ پانی پیتے تو وہ خون کی شکل اختیار کر لیتا۔ بہر حال یہ نو چیزیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور ان کی نبوت کی خاص نشانیاں تھیں۔

اس حدیث میں ان دونوں یہودیوں نے جن نو واضح احکام کے بارے میں سوال کیا، ان سے یا تو وہی احکام مراد تھے جو آنحضرت ﷺ نے ان سے ارشاد فرمائے یا پھر ان کی مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انہی نو معجزات اور نشانیوں کے بارہ میں سرکار دو

عالم ﷺ کی زبان مقدس سے آگاہی اور توثیق حاصل کرنا تھی اس صورت میں کہا جائے گا کہ یا تو خود آنحضرت ﷺ نے ان کا ذکر اس لئے ہی کیا کہ یہ قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں اور جو ضروری احکام تھے ان کا حکم ان کو بتادیا، یا یہ کہ ان کے سوال کے جواب میں ان نوجویوں کا ذکر فرما کر پھر ان کو اپنی طرف سے یہ احکام دیے اور راوی نے ان کے مشہور ہونے کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کیا۔ ربی اس خاص حکم کی بات جو آنحضرت نے مذکورہ نو احکام کے علاوہ خاص طور پر یہودیوں کو دیا تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح تمام قوموں کے لئے ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لئے مخصوص تھا اسی طرح یہودیوں کے لئے بھی شنبہ کا دن عبادت کے لئے متعین کر دیا گیا تھا اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس دن خدا کی عبادت میں مشغول رہا کریں چونکہ یہ قوم شکار کا خاص ذوق اور شغف رکھتی تھی اس لئے ان کو اس دن شکار سے بھی منع کر دیا گیا، لیکن اس قوم نے اس حکم کو کوئی اہمیت نہیں دی اور سخت ممانعت کے باوجود اس دن پھل و غیرہ کا شکار کرنے لگے، خدا کی جانب سے ان کو بار بار متنبہ کیا گیا لیکن جب نہیں مانے تو آخر کار ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا! اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کو اس کے بارہ میں بطور خاص تاکید کی کہ تم اس معاملہ میں خدا کی قائم کی ہوئی حد سے تجاوز نہ کرو اور چونکہ تمہیں اس دن شکار کھیلنے سے منع کر دیا گیا ہے اس لئے اس ممانعت پر عمل کرو اور اس حکم کی نافرمانی مت کرو۔

ان یہودیوں کا آنحضرت ﷺ سے احکام سن کر آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا بطور قبول ہو ر صدق دل سے نہیں تھا بلکہ اپنے علم کے اظہار اور اعتراف کے طور پر تھا۔ مطلب یہ کہ یہودیوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا نبی مرسل ہونا پڑھ لیا تھا اور وہ خوب جانتے تھے کہ محمد واقعۃً اللہ کے بھیجے ہوئے نبی اور رسول ہیں۔ مگر یہ ان کی بد بختی تھی کہ اس صحیح علم کے باوجود ان کو قبول اسلام کی توفیق نہیں ہوتی تھی اور تعصب و ہٹ دھرمی نے ان کو اتنا اندھا کر دیا تھا کہ ان کو بالکل سامنے کی راہ حق نظر نہیں آتی تھی۔ چنانچہ ان دونوں یہودیوں نے بھی اس موقع پر بس اتنا ہی کیا کہ اپنے علم کا اعتراف کر لیا اور گواہی دی کہ آپ ﷺ واقعۃً اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ ظاہر ہے کہ محض علم ہونا یا اپنے علم کا اعتراف کرنا وجود ایمان کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ رہا ان دونوں یہودیوں کا یہ کہنا کہ حضرت داؤد نے یہ دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ ایک نبی ہوا کرے اور ان کی یہ دعا چونکہ یقیناً قبول ہوئی ہوگی اس لئے ان کی اولاد میں سے کسی کا نبی ہونا بھی یقینی ہے اور جب وہ نبی ظاہر ہوگا اور تمام یہودی اس نبی کے تابع و مطیع ہو کر شوکت و غلبہ پائیں گے تو پھر ہماری شامت آجائے گی۔ یعنی تمام یہودی ہمیں اس جرم میں مار ڈالیں گے کہ ہم نے آپ کا دین کیوں قبول کیا۔ اس خوف سے ہم آپ ﷺ پر ایمان نہیں لا رہے ہیں۔ ظاہر ہے یہ ان دونوں یہودیوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف ایک غلط بات کی نسبت کرنا اور یقینی طور پر کہ ایک مفروضہ اور واہمہ تھا۔ حضرت داؤد نے ہرگز یہ دعا نہیں کی تھی اور وہ اس طرح کی دعا کرتے بھی کیسے، انہوں نے تو خود تورات اور زبور میں پڑھ رکھا تھا کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں اور ان کا دین تمام دینوں کا ناخ ہے۔

وہ تین باتیں جو ایمان کی جڑ ہیں

⑨ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِنْ أَصْلِ الْإِيمَانِ الْكُفَّ عَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا تُكْفِرُهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجُهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِعَمَلٍ وَالْجِهَادُ مَا ضَرَفَ مُذْبَعَثَى اللَّهِ إِلَى أَنْ يُقَاتِلَ أَخِي هَذِهِ الْأُمَّةُ الدَّجَالُ لَا يَنْطَلِقُ جُورٌ جَائِرٌ وَلَا عَدْلٌ عَادِلٌ وَالْإِيمَانُ بِالْأَقْدَارِ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین باتیں ایمان کی جڑ ہیں ① جو شخص لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لے اس سے جنگ و محاصرت ختم کر دینا، اب کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اس پر اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ لگاؤ ② جب سے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے جہاں ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ اس اُمت کے آخر میں ایک شخص اگر دجال سے جنگ کرے گا۔ کسی عادل (بادشاہ) کے عدل یا کسی ظالم کے ظلم کا بہانہ لے کر جہاد ختم نہیں کیا جاسکتا ③ اور تقدیر پر ایمان

(لاتا۔) (ابوداؤد)

تشریح: کسی مسلمان کو کافر کہنے کی ممانعت اس حدیث نے واضح طور پر ثابت کر دی ہے، مطلب یہ کہ جس طرح اچھے کام کرنے والے کافر کو مسلمان کہنا منع ہے تا وقتیکہ وہ توحید و رسالت کا اقرار نہ کرے اسی طرح کسی مسلمان کو صرف اس کی بد اعمالیوں کی بنا پر کافر کہنا بھی سخت جرم ہے جب تک کہ وہ عقیدہ کفریہ کا اعلان نہ کرے پس لَا تُكْفِرُوهُ بِذَنْبٍ (کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو) کے الفاظ میں تو ”خارجیوں“ کی تردید ہے۔ جن کا کہنا ہے کہ مؤمن اگر گناہ کا مرتکب ہو جائے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور وَلَا تُخْرِجُوهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِعَمَلٍ (اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اسے خارج اسلام قرار دو) کے الفاظ میں (معتزلہ) کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے خارج از اسلام ہو جاتا ہے اگرچہ کافر نہیں ہوتا۔ مرتکب گناہ کبیرہ کے لئے وہ ایک درمیانی درجہ مانتے ہیں، یعنی نہ تو اس کو مسلمان کہتے ہیں اور نہ کافر۔ بہر حال خارجیوں اور معتزلہ سے قطع نظر موجودہ دور کے ان مسلمانوں کو بھی اس حدیث کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنا چاہیے جو کفر سازی کے کارخانے چلاتے ہیں اور اپنے مکتب فکر کے علاوہ دوسرے تمام مسلمانوں کو بے دریغ کافر قرار دیتے ہیں۔ یہ شقی القلب محض ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کے تحت نہ صرف عام مسلمانوں کو بلکہ علماء حق اور اولیاء اللہ تک کو کافر کہنے سے زار نہیں جھکتے۔ ان لوگوں کو ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنا چاہئے کہ جب لسان نبوت نے عاصی مسلمان کو بھی کافر کہنے سے سخت منع فرمایا ہے تو پھر ان بزرگان دین اور پیشوا اسلام کا کافر کہنا کہ جن کی زندگیوں کا تمام حصہ مذہب کی خدمت و اشاعت میں گزرتا ہے اور جو ان کو کافر نہ کہے اس کو بھی کافر کہنا احکام شریعت اور فرمان رسالت سے کتنا مضحکہ خیز معاملہ ہے جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ عذاب خداوندی اور خسران آخرت کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل سکتا۔

حدیث میں جن باتوں کو ایمان کی جڑ فرمایا گیا ہے ان میں سے پہلی بات تو وہی ہے جس کی وضاحت اوپر ہوئی۔ دوسری بات ”جہاد“ ہے، اس بارہ میں ارشاد نبوت کا مطلب یہ ہے کہ اب روئے زمین پر دین حق (جو اللہ کا آخری اور کامل دین ہے) کے ظاہر ہو جانے اور رسول خدا کی رسالت کا اعلان ہو جانے کے بعد سے اس وقت تک کہ آخر میں قیامت کے قریب دجال مارا نہ جائے، یا جوج ماجوج ظاہر ہو کر فنا کے گھاٹ نہ اتر جائیں اور یہ روئے زمین دین کے ایک ایک دشمن اور منکر سے پاک نہ ہو جائے، جہاد برابر جاری رہے گا۔ جہاد کی فرضیت اور اہمیت اس صورت میں بھی ختم نہیں ہوگی جب کہ کوئی اسلامی سربراہ مملکت ظالم و جابر ہو۔ اگر دشمنان دین کے خلاف وہ جہاد کا اعلان کر دے تو اس کو ماننا اور اس کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا شرعی طور پر ضروری ہوگا۔ یہ نہیں کہ اس کے ظلم و جبر کا پہانہ لے کر جہاد میں شریک اور مددگار بننے سے انکار کر دیا جائے اسی طرح اگر کسی دشمن دین قوم کا سربراہ اور بادشاہ اتفاق سے عادل اور منصف مزاج ہو تو ہر چند کہ بادشاہ کا عدل امن و انصاف کا باعث ہوتا ہے، لیکن اسلام کی شوکت بڑھانے اور دین کا بول بالا کرنے کے لئے اس عادل بادشاہ کی قوم کے خلاف بھی جہاد کو غیر ضروری قرار نہیں دیا جاسکتا۔ تیسری بات تقدیر پر اعتقاد و یقین رکھنا ہے یعنی ایمان کی سلامتی کے لئے یہ یقین رکھنا اشد ضروری ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو بھی حادثات و واقعات پیش آتے ہیں وہ سب قضا و قدر الہی کے تحت ہے۔

ارتکاب زنا کے وقت ایمان باہر آ جاتا ہے

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيمَانُ فَكَانَ فَوْقَ رَأْسِهِ كَالظُّلَّةِ فَإِذَا خَرَجَ مِنْ ذَلِكَ الْعَمَلِ رَجَعَ إِلَيْهِ الْإِيمَانُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے سر پر سا بان کی طرح معلق ہو جاتا ہے اور پھر جب وہ اس معصیت سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: حافظ ابن تیمیہؒ نے اس موقع پر بڑی اچھی مثال دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک گناہ گار کی مثال ایسی ہے۔ جیسی آنکھیں بند کرنے کے بعد ایک بینا شخص اپنی آنکھیں بند کرے تو اسے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اور اس لحاظ سے یہ بینا اور ایک نابینا دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔ نہ یہ دیکھتا ہے نہ وہ، لیکن فرق یہ ہے کہ نابینا آنکھوں کی روشنی ہی نہیں رکھتا اور بینا اگرچہ روشنی تو رکھتا ہے مگر غلاف چشم کی وجہ سے وہ روشنی کام نہیں کرتی اسی طرح ایک مومن کے نور بصیرت پر جب بہیمیت و ضلالت کا حجاب پڑ جاتا ہے تو وہ بھی کافر کی طرح معصیت اور طاعت کافر کی نہیں پہنچاتا۔

اس لئے یہ کہنا بالکل بجائے کہ مومن جس حالت میں زندہ کرتا ہے اس کا نور ایمانی بہیمیت و معصیت کی تاریکی سے ایسا دم پڑ جاتا ہے کہ اسے بھی معصیت کرنے میں کوئی باقی نہیں رہتا اور جب بندہ اس معصیت کے بعد صدق دل سے توبہ کر لیتا ہے تو یہ حجاب بہیمیت پر چاک ہو جاتا ہے، اور نور ایمانی پھر جگمگانے لگتا ہے۔ (ترجمان السنہ)

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضرت معاذؓ کو دس باتوں کی وصیت

⑪ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ أَوْصَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرٍ كَلِمَاتٍ قَالَ لَا تَشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ وَخُرِفَتْ وَلَا تَعْقَنْ وَالدِّينَ وَإِنْ أَمَرَكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ وَلَا تَشْرُكَنَّ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا فَإِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرَأَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ وَإِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَإِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حُلَّ سَخَطِ اللَّهِ وَإِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّخْفِ وَإِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَإِذَا أَصَابَ النَّاسُ مَوْتُ وَأَنْتَ فِيهِمْ فَأَثَبْتَ وَأَنْفَقَ عَلَى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدْبَابًا وَاحْفَظْهُمْ فِي اللَّهِ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، چنانچہ فرمایا: ① اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہیں جان سے مار ڈالا جائے اور جلادیا جائے ② اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو اگرچہ وہ تمہیں اپنے اہل اور مال چھوڑ دیں ③ شراب مت پیو کیونکہ شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے ④ اللہ کی نافرمانی اور گناہ سے بچو کیونکہ نافرمانی کرنے سے اللہ کا غصہ اتر آتا ہے۔ ⑤ جہاد میں دشمنوں کو ہرگز پیٹھ نہ دکھلاؤ اگرچہ تمہارے ساتھ کے تمام لوگ ہلاک ہو جائیں۔ ⑥ جب لوگوں میں موت (وباء کی صورت میں) پھیل جائے اور تم ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہو یعنی ان کے درمیان سے بھاگو مت۔ ⑦ اپنے اہل و عیال پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرتے رہو۔ ⑧ تادیباً اپنا ڈنڈا ان سے نہ ہٹاؤ۔ ⑩ اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انہیں ڈراتے رہو یعنی اہل و عیال میں سے کسی کو سزا دینا یا دینا کچھ مارنا یا پناہ ضروری ہو تو اس سے پہلو تھپی نہ کرو اور ان کو اچھی اچھی باتوں کی نصیحت و تلقین کرتے رہا کرو اور دین کے احکام و مسائل کی تعلیم دیا کرو اور ان کو بری باتوں سے بچانے کی کوشش کرو۔“ (احمد)

تشریح: شرک اپنی برائی کے اعتبار سے کس قدر خطرناک ہے اور اخروی حیثیت سے کتنی ہلاکت خیزی رکھتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو وصیت فرمائی کہ اگر تمہیں جان سے مار ڈالے جانے کا بھی خطرہ ہو یا تمہیں آگ میں ڈالا جا رہا ہو تو بھی تم توحید کے معاملہ میں اپنے عقیدہ سے ایک انچ نیچے مت اترنا بلکہ موت کی پروا کئے بغیر اپنے اعتقاد پر پختگی کے ساتھ قائم رہنا، تاہم جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے تو کہا جاتا ہے کہ حضرت معاذؓ چونکہ اپنی فطرت کے اعتبار سے شریعت کی پیروی میں انتہائی سخت تھے اور کسی بھی مسئلہ کے اسی پہلو کو اختیار کرتے تھے جو اولیٰ ہوتا تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے مزاج اور ذوق کے

مطابق اس قدر اہمیت کے ساتھ ان کو حکم دیا، ورنہ ایسے موقع پر جب کہ اپنے ایمان و اسلام کا اظہار اپنی موت کو دعوت دینے والا اور کفر و شرک کا کلمہ زبان سے ادا کئے بغیر جان نہ بچتی ہو تو اس کی اجازت ہے کہ کفر و شرک کا کوئی کلمہ زبان سے ادا کرے بشرطیکہ دل میں ایمان پوری طرح موجود رہے۔ ”والدین کی اطاعت و فرمانبرداری“ کی بھی اہمیت و تاکید ہی کو ظاہر کرنے کے لئے بطور مبالغہ فرمایا گیا کہ اگر ماں باپ تمہیں تمہارے اہل و عیال سے الگ ہو جانے یا تمہیں تمہارے مال و اسباب اور املاک و جائیداد سے دستبردار ہو جانے کا بھی حکم دیں تو اس حکم کی اطاعت کرو، اس بارے میں بھی اصل مسئلہ یہ ہے کہ ماں باپ کا یہ حکم ماننا واجب نہیں ہے تاکہ حرج و نقصان میں مبتلا ہونا لازم نہ آئے۔ ”فرض نماز“ کی اہمیت جتانے کے لئے فرمایا گیا کہ اگر تم جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑ دو گے تو پھر اپنے آپ کو دنیا اور آخرت میں خدا کی ذمہ داری سے باہر سمجھو، دنیا میں تم اس اعتبار سے کہ اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کے قانون کے تحت جس تعزیر کے مستوجب قرار پاؤ گے اس میں اللہ کی طرف سے کوئی امن و عافیت تمہیں نہیں ملے گی اور آخرت میں اس اعتبار سے کہ وہاں ترک نماز کے سبب خود اللہ تمہیں عذاب میں گرفتار کرے گا۔ ”دشمن کو پیٹھ دکھانے“ کے بارے میں ”جیسا کہ پہلے بھی گزرا“ یہ مسئلہ ہے کہ اگر دشمن دو تہائی تک بھی زائد ہوں یعنی ایک مسلمان کے مقابلہ میں دو دشمن دین ہوں تو اس صورت میں مقابلہ سے ہٹ جانا اور راہ فرار اختیار کرنا کسی مسلمان کو ہرگز جائز نہیں ہے ہاں اگر ایک کے مقابلہ میں دو سے زائد ہوں تو پھر تباہی کا خطرہ دیکھ کر مقابلہ سے ہٹ جانا اور جان بچانے کے لئے راہ فرار اختیار کر لینا جائز ہوگا۔ پس آنحضرت ﷺ نے معاذ کو یہ حکم مبالغہ کے طور پر دیا کہ تم کسی بھی صورت میں اپنے دشمن کو پیٹھ مت دکھانا خواہ تمہارے تمام ساتھی شہید ہو جائیں اور دشمن کے مقابلہ پر تم تباہی کیوں نہ رہ جاؤ اس حدیث میں ایک اعتقادی کمزوری کی بھی نشان دہی کی گئی ہے اور اس کے خلاف حضرت معاذ کو متنبہ کیا گیا۔ یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی آبادی میں کوئی وبا پھیل جاتی ہے اور موتیں کثرت سے واقع ہونے لگتی ہیں تو عوام دہشت زدہ ہو کر اپنے گھر بار چھوڑ دیتے ہیں اور اس آبادی سے نکل بھاگتے ہیں۔ اس بارے میں بھی اصل مسئلہ یوں ہے کہ جو لوگ اس آبادی میں پہلے سے مقیم نہ ہوں بلکہ دوسری جگہوں پر ہوں تو ان کے لئے جائز ہے کہ وہ اس آبادی سے دور رہیں اور وہاں نہ آئیں لیکن جو لوگ پہلے ہی سے آبادی میں مقیم ہوں ان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ موت کے خوف سے اس آبادی کو چھوڑ دیں اور وہاں سے نکل بھاگیں، کیونکہ وہ بارہ آبادی سے نکل بھاگنا ایسا ہی گناہ ہے جیسا دشمن کے مقابلہ سے بھاگ کھڑا ہونے کا بلکہ جو شخص اس اعتقاد سے بھاگے گا کہ اگر یہاں رہا تو مر جاؤں گا اور یہاں سے نکل بھاگنے پر موت سے بچ جاؤں گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اب کفر ہے یا ایمان

(۱۲) وَعَنْ خُذَيْفَةَ قَالَ إِنَّمَا التَّفَاقُ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا الْيَوْمَ فَإِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ وَالْإِيمَانُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت خذیفہؓ کہتے ہیں کہ نفاق کا حکم آنحضرت ﷺ کے عہد پر ختم ہو گیا لہذا اب تو (دو ہی صورتیں ہوں گی کہ) کفر ہو گیا یا ایمان۔“

(بخاری)

تشریح: عہد رسالت میں بعض مصلحتوں کی بنا پر منافقین کو مسلمانوں ہی کے حکم میں رکھا جاتا تھا اور ان کی ریشہ و دانیوں و سازشوں سے چشم پوشی کی جاتی تھی، لیکن اب یہ حکم باقی نہیں رہا، فرض کرو اگر کسی مسلمان کے بارے میں یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ شخص مؤمن نہیں ہے، بلکہ حقیقی منافق ہے تو اس پر کفر و ارتداد کا حکم لاگو ہوگا اور اسلامی حکومت اس کو سزائے موت دے دے گی۔

۱۔ آپ کا ام گرامی حذیفہ بن یمان ہے اور کنیت ابو عبد اللہ عیسیٰ ہے۔ آپ کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد چالیسویں دن ۳۶ھ میں ہوئی۔

بَابُ فِي الْوَسْوَسةِ

یہ باب وسوسہ کے بیان میں ہے

”وسوسہ“ گناہ یا کفر سے متعلق اس خیال کو کہتے ہیں جو دل میں گزرے یا شیطان دل و دماغ میں ڈالے اس کے مقابلہ پر ”الہام“ اس اچھے اور نیک خیال کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے دل و دماغ میں ڈالا جاتا ہے۔

وسوسہ کی قسمیں

وسوسہ کی مختلف صورتیں اور نوعیتیں ہوتی ہیں اور اسی اعتبار سے علماء نے اس کی الگ الگ قسمیں متعین کی ہیں چنانچہ وسوسہ کی ایک قسم ”تو“ ضروری یعنی اضطراری“ ہے اور دوسری قسم ”اختیاری“ ہے۔ ضروری یا اضطراری وسوسہ اس کو کہتے ہیں کہ کسی گناہ کا ایمان و یقین کے منافی کسی بات کا خیال اچانک اور بے اختیار دل و دماغ میں گزر جائے اس کو اصطلاحی طور پر ”ہاجس“ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس (ہاجس) کی معافی گزشتہ امتوں میں بھی رہی ہے اور اس اُمت میں بھی ہے اور اگر وہی برا خیال دل و دماغ میں ٹھہر جائے اور خلجانی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس کو ”خاطر“ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ (خاطر) بھی اُمت سے معاف ہے۔ ”اختیاری وسوسہ“ اس کو کہتے ہیں کہ کسی گناہ یا ایمان و یقین کے منافی کسی بات کا خیال دل و دماغ میں پیدا ہو، ٹھہر رہے، لگا تار ہے۔ مستقل خلجان کرتا رہے، طبیعت کی خواہش بھی اس کے کرنے کی ہو اور ایک گونہ لذت و محبت بھی اس کے تئیں محسوس ہو۔ اختیاری وسوسہ کی یہ صورت ”ہم“ کہلاتی ہے اور یہ بھی صرف اس اُمت سے معاف ہے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں اور جب تک یہ عملی صورت اختیار نہ کرے اس پر کوئی گناہ نامہ اعمال میں نہیں لکھا جاتا۔ بلکہ اگر عمل کا قصد ہو جائے اور پھر اپنے آپ کو عمل سے باز رکھے تو اس کے عوض نیکی لکھی جاتی ہے۔ ”ہم“ کے مقابلہ پر اختیاری وسوسہ کی دوسری صورت کا نام عزم ہے یعنی انسانی طبیعت اور نفس کا کسی برے خیال اور بری بات کو اپنے اندر کرنا اور جمالینا اور نہ صرف یہ کہ اس خیال سے نفرت و کراہیت نہ ہو بلکہ اس پر عمل کرنے کا ایسا بختہ ارادہ کر لینا کہ اگر کوئی خارجی مانع نہ ہو اور اسباب و ذرائع مہیا ہوں تو وہ یقینی طور پر عملی صورت اختیار کر لے وسوسہ کی یہ صورت ایسی ہے جو قابل مواخذہ ہے لیکن اس مواخذہ کی نوعیت عملی طور پر ہونے والے مواخذہ سے ہلکی ہوگی، مطلب یہ کہ وسوسہ جب تک اندر رہے گا اس پر کم گناہ ہوگا اور جب اندر سے نکل کر عملی صورت اختیار کرے گا تو گناہ زیادہ ہوگا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ وسوسہ کی مذکورہ بالا تقسیم ان افعال و اعمال کی نسبت سے ہے جن کے وقوع اور صدور کا تعلق ظاہری اعضاء جسم سے ہے جیسے زنا اور چوری وغیرہ وغیرہ جو باتیں دل و دماغ کا فعل کہلاتی ہیں جیسے برا عقیدہ اور حسد وغیرہ وغیرہ تو وہ اس تقسیم میں داخل نہیں ہیں ان کے ہمیشہ استمرار پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔

الفصل الأول

وسوسوں کی معافی

① وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا وَسَّوَسَتْ بِهِ ضُؤُورَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ أَوْ تَتَكَلَّمْ بِهِ (متفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے لوگوں کے ان وسوسوں کو

معاف کر دیا ہے جو ان کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں جب تک کہ وہ ان وسوسوں پر عمل نہ کریں اور ان کو زبان پر نہ لائیں۔ ”(بخاری و مسلم)

وسوسہ کو برا سمجھنا ایمان کی علامت ہے

② وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوهُ إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاطَى أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ قَالَ أَوْ قَدْ وَجَدْتُمُوهُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ کے چند صحابی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اپنے دلوں میں بعض ایسی باتیں (یعنی وسوسے) پاتے ہیں جس کا زبان پر لانا بھی ہم پر اکتھتے ہیں۔ سرکار نے پوچھا کیا تم واقعی ایسا پاتے ہو۔ (کہ جب کوئی ایسا وسوسہ تمہارے اندر پیدا ہوتا ہے تو خود تمہارا دل اس کو پسند کرتا ہے اور اس کا زبان پر لانا بھی تم پر اجانتے ہو؟) صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کھلا ہوا ایمان ہے۔“ (مسلم)

شیطان وسوسے پیدا کرے تو اللہ کی پناہ مانگو

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتَّى يَقُولَ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ؟ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَلْيَنْتَه - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اتم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا اور اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ تاکہ پھر وہ یوں کہتا ہے کہ تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب نوبت یہاں تک آجائے تو اس کو چاہیے کہ اللہ سے پناہ مانگے اور اس سلسلہ کو ختم کر دے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شیطان انسان کے روحانی ارتقاء کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کا بنیادی نصب العین ہی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو، جو اللہ کی ذات و صفات پر ایمان و یقین رکھتے ہیں، اور غلامانے اور بہکانے میں لگا رہے، یہی نہیں کہ وہ فریب کاری کے ذریعہ انسان کے نیک عمل اور اچھے کاموں میں رکاوٹ اور تعطل پیدا کرنے کی سعی کرتا رہے بلکہ اس زبردست قدرت کے بل پر کہ جو حق تعالیٰ نے تیکوئی مصلحت کے تحت اس کو دی ہے۔ وسوسہ اندازی کے ذریعہ انسان کی سوچ، فکر اور خیالات کی دنیا میں مختلف انداز کے شبہات اور برائی بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جن لوگوں کی سوچ، فکر اور خیالات کے سرچشموں پر ایمان و یقین کی مضبوط گرفت ہوتی ہے وہ اپنے ایمان کی فکری اور شعوری طاقت سے شیطان کے وسوسوں کو ناکارہ بنا دیتے ہیں، چنانچہ اس حدیث میں جہاں بعض شیطانی وسوسوں کی نشان دہی کی گئی ہے وہیں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جو ان وسوسوں کو غیر مؤثر اور ناکارہ بنانے سے تعلق رکھتا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ پہلے تو شیطان اللہ کی مخلوقات اور موجودات کے بارہ میں وسوسہ اندازی کرتا ہے، مثلاً فکر و خیال میں یہ بات ڈالتا ہے کہ انسان کا وجود کس نے بنایا، یہ زمین و آسمان کی تخلیق کس کا کارنامہ ہے، چونکہ اللہ کی ذات و صفات پر ایمان رکھنے والوں کی عقل سلیم کائنات کی تمام مخلوقات و موجودات کی تخلیقی و تیکوئی نوعیت کا بدیہی شعور و ادراک رکھتی ہے اس لئے مخلوقات کی حد تک شیطان کی وسوسہ اندازی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن معاملہ وہاں نازک ہو جاتا ہے جب یہ سلسلہ نازک ہو کر ذات باری تعالیٰ تک پہنچ جائے اور وسوسہ شیطانی دل و دماغ سے سوال کرے جب یہ زمین و آسمان اور ساری مخلوقات اللہ کی پیدا کردہ ہیں تو پھر خود اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا گیا کہ جوں ہی یہ وسوسہ پیدا ہو اپنے اللہ سے پناہ مانگو اور اپنے ذہن سے اس فاسد خیال کو فوراً جھٹک دو تاکہ وسوسہ شیطانی کا سلسلہ منقطع ہو جائے اللہ کی پناہ چاہنے کا مطلب محض زبان سے چند الفاظ ادا کر لینا نہیں ہے بلکہ یہ کہ ایک طرف تو اپنے فکر و خیال کو یکسو کر کے اس عقیدہ و یقین کی گرفت میں دے دو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے، وہ واجب الوجود ہے اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور

دوسری طرف ریاضت و مجاہدہ اور ذات باری تعالیٰ کے ذکر و استغراق کے ذریعہ اپنے نفس کے تزکیہ اور ذہن و فکر کے تحفظ اور سلامتی کی طرف متوجہ رہو۔ وسوسہ کی راہ روکنے کا ایک فوری مؤثر طریقہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجلس بدل دی جائے۔ یعنی جس جگہ بیٹھے یا لیٹے ہوئے اس طرح کا وسوسہ پیدا ہو وہاں سے فوراً ہٹ جائے اور کسی دوسری جگہ جا کر کسی کام اور مشغلہ میں لگ جائے اس طرح دھیان فوری طور پر ہٹ جائے گا اور وسوسہ کی راہ ماری جائے گی۔

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يُقَالَ هَذَا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ أَمَنْتُ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! لوگ ہمیشہ اپنے دل میں مخلوقات وغیرہ کے بارے میں خیالات پکارتے رہیں گے، یہاں تک کہ کہا جائے گا (یعنی دماغ میں یہ وسوسہ آنے کا) کہ اس تمام مخلوق کو خدا نے پیدا کیا ہے (تو خدا کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس شخص کے دل و دماغ میں اس قسم کا کوئی خیال اور وسوسہ پیدا ہو تو وہ یہ کہے کہ میں خدا تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شیطان کی وسوسہ اندازی اور گمراہ کن خیالات کی پورش سے بچنے کے لئے ایک طریقہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسے موقع پر (میں اللہ پر اس کے رسول پر ایمان لایا) پڑھنا چاہیے، اس کلمہ کے ورد کے ذریعہ زبان یہ اقرار و اعتراف کرے گی کہ میں اللہ کی ذات پر اور اس کے سچے رسول پر ایمان رکھتا ہوں جس نے ہمیں آگاہ کیا ہے کہ اس کی ذات واجب الوجود ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا بلکہ تمام جہاں کا اور تمام چیزوں کا وہی خالق ہے وہی دل و دماغ میں ان باتوں کی صحت و صداقت کا یقین راسخ ہو گا اور ذہن و فکر کو برے خیالات سے تحفظ و سلامتی حاصل ہوگی جس کے سبب شیطان اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے

⑤ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينٌ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِينُهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَابْنَى وَلَكِنَّ اللَّهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَاسْتَلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِالْخَيْرِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ ایک ہمزاد جنوں (شیطان) میں سے اور ایک ہمزاد فرشتوں میں سے مقرر نہ کیا گیا ہو، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی لیکن خدا نے مجھ کو اس (جن موکل) سے مقابلہ کرنے میں مدد دے رکھی ہے اس لئے میں اس (کے مکر و فریب اور اس کی گمراہی) سے محفوظ رہتا ہوں، بلکہ یہاں تک کہ وہ بھی مجھے بھلائی کا مشورہ دیتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ موکل ہوتے ہیں ان میں سے ایک تو فرشتہ ہے جو نیکی و بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور انسان کو اچھی باتیں و نیک کام سکھاتا ہے اور اس کے قلب میں خیر و بھلائی کی چیزیں ڈال رہتا ہے، اس کو ”ملہم“ کہتے ہیں، دوسرا ایک جن (شیطان) ہوتا ہے، جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کو برائی کے راستہ پر ڈالتا رہے۔ چنانچہ وہ گناہ و معصیت کی باتیں بتاتا ہے اور دل میں برے خیالات و غلط وسوسے پیدا کرتا رہتا ہے اس کا نام ”وسواس“ ہے۔

شیطان انسان کی رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے

⑥ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان کے اندر شیطان اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جیسے رگوں میں خون گردش کرتا

رہتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ شیطان انسان کو بہکانے کی کامل قدرت رکھتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ مختلف ظاہری صورتوں میں اچھے انسانوں اور نیک بندوں کو نیکی و بھلائی کے راستہ پر چلنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے بلکہ انسان کی داخلی کائنات میں گھس کر اس کے ذہن و قلب اور اس کے قلب و دماغ کو پراگندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ولادت کے وقت بچہ کا رونا شیطانی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ بَنِي آدَمَ مَوْلُودٌ إِلَّا يُمْسُهُ الشَّيْطَانُ حِينَ يُولَدُ فَيَسْتَهْلُ صَنْدَلَهُمَا مِنْ مَتْنِ الشَّيْطَانِ غَيْرَ مَرِيَمَ وَآيِسَةَ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی آدم کے یہاں جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو چھوتا ہے جس کی وجہ سے بچہ چیخ اٹھتا ہے لیکن ابن مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اور ان کی ماں کو شیطان نے نہیں چھوا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شیطان کے چھونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ولادت کے وقت بچہ کی کوکھ میں اپنی انگلیاں اس طرح مارتا ہے کہ بچہ تکلیف محسوس کرتا ہے اور چلا چلا کر رونے لگتا ہے۔ اس شیطانی ایذا کا شکار ہر بچہ ہوتا ہے۔ صرف حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شیطانی عمل سے محفوظ رہے تھے ان دونوں کا محفوظ رہنا بظاہر اس دعا کی مقبولیت کا نتیجہ تھا جو حضرت مریم کی والدہ نے کی تھی اور جس کو قرآن نے یوں نقل کیا ہے۔

إِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ (ال عمران ۳۶)

”(اے خدا) میں اس مریم کو اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔“

حدیث میں مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ ان کی والدہ سے صراحۃً دعا منقول ہے اس لئے حضور ﷺ نے بھی صراحۃً اس کے قبول ہونے کو ظاہر فرمادیا ہے۔ لہذا یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے انبیاء کو شیطان نے بوقت ولادت چھوا ہو اور ان کو تکلیف پہنچائی ہو۔

یہاں یہ اشکال بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اگر شیطان کو اتنی قدرت ہو تو وہ سب کو ہلاک کر دے۔ کیونکہ شیطان کو صرف اتنی ہی قدرت دی گئی ہے وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا اور نہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ کسی کو اس سے زیادہ تکلیف پہنچا کر ہلاک کر دے، دوسرے شیطان کے مقابلہ میں ملائکہ بھی تو ہوتے ہیں جو نگہبانی کرتے ہیں اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کو جتنی قدرت دی گئی ہے اس سے تجاوز کر جائے اور اپنے کسی مہلک ارادہ میں کامیاب ہو جائے۔

⑧ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَبَاخُ الْمَوْلُودِ حِينَ يَقَعُ نَزْغُهُ مِنَ الشَّيْطَانِ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہ راوی بن کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! ولادت کے وقت بچہ اس لئے چلاتا ہے کہ شیطان اس کو کچھ کے لگاتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

میاں بیوی کے درمیان شیطان کا پسندیدہ کام

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ إِبْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ يَتَّبِعُ سَرَائِبَهُ يَفْتِنُونَ النَّاسَ فَأَذْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْرَلَةٌ أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً يَجْعَلِي أَحَدَهُمْ يَقُولُ لِقَوْلِ كَذَا وَكَذَا فَيَقُولُ مَا صَنَعْتَ شَيْئًا قَالَ ثُمَّ يَجْعَلِي أَحَدَهُمْ يَقُولُ مَا تَرَكْتَهُ حَتَّى فَرَّقَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ قَالَ فَيَذْنِيهِ مِنْهُ وَيَقُولُ نَعَمْ أَنْتَ قَالَ الْأَعْمَشُ أَرَاهُ قَالَ

فیلتر منہ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابلیس اپنا تخت حکومت پانی (یعنی سمندر) پر رکھتا ہے۔ پھر وہاں سے اپنی فوجوں کو روانہ کرتا ہے تاکہ لوگوں کو فتنہ اور گمراہی میں مبتلا کریں۔ اس کی فوجوں میں ابلیس کا سب سے بڑا مقرب وہ ہے جو سب سے بڑا فتنہ انداز ہو۔ ان میں سے ایک واپس آکر کہتا ہے۔ میں نے فلاں فلاں فتنے پیدا کئے ہیں، ابلیس اس کے جواب میں کہتا ہے: تو نے کچھ نہیں کیا، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے! میں نے (ایک بندہ کو گمراہ کرنا شروع کیا اور) اس وقت تک اس شخص کا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی نہ ڈلوادی۔ آنحضرت فرماتے ہیں کہ ابلیس (یہ سن کر) اس کو اپنے قریب بٹھالیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے اچھا کام کیا (حدیث کے ایک راوی) اعمش کہتے ہیں میرا خیال ہے جابرؓ نے بجائے (فیدنیہ کے) فیلتر منہ (پس ابلیس اس کو گلے لگالیتا ہے) کے الفاظ نقل کئے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: جدائی ڈلوانے سے مراد لڑائی جھگڑنے کے ذریعہ مرد کی زبان سے ناجحی میں ایسے الفاظ ادا کر دینا ہے جن سے اس کی بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے۔ طلاق بائن میں عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے، اس سے شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرد اپنی جہالت کے سبب اس عورت کو اپنے نکاح میں داخل سمجھتے ہوئے اس سے صحبت کرتا رہے جو دراصل حرام کاری ہوئی ہے اور اس طرح کے لوگوں کی حرام کاری کے نتیجہ میں ناجائز اولاد پیدا ہوتی رہے، جس سے روئے زمین پر ناجائز اولاد کی تعداد بڑھتی رہے اور وہ ناجائز پیدا ہونے والے لوگ دنیا میں فسق و فجور اور گناہ و معصیت زیادہ سے زیادہ پھیلاتے رہیں۔

جزیرۃ العرب میں توحید کی مضبوط بنیاد سے شیطان مایوسی کا شکار

⑩ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ آيَسَ مِنْ أَنْ يُعْبِدَهُ الْمُفْضَلُونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں مصلیٰ (یعنی مسلمان) اس کی پرستش کریں لیکن ان کے درمیان فتنہ و فساد پھیلانے سے مایوس نہیں ہوا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ جزیرۃ العرب میں ایمان و اسلام کی جڑیں اتنی مضبوط ہو گئیں ہیں اور توحید کا کلمہ یہاں کے لوگوں کے دل و دماغ میں اس طرح جم گیا ہے کہ اب اس خطہ ارض میں بت پرستی جیسی لعنت کبھی نظر نہیں آئے گی چنانچہ اس بارہ میں شیطان نے بھی اپنی شکست تسلیم کر لی ہے اور وہ اس بات سے قطعاً مایوس ہو گیا ہے کہ یہاں کے مومن و مسلمان اس کے بہکاوے میں اگر بت پرستی اور دوسری کھلی ہوئی مشرکانہ حرکتوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں، لیکن بہر صورت بہکانا اور ورغلا نا چونکہ شیطان کی فطرت ہے اس لئے اس نے جزیرۃ العرب کے لوگوں میں اپنا شن ختم نہیں کیا ہے اور اس بات میں پر امید ہے کہ ان کے درمیان طرح طرح جذبات ابھار کر ان کو آپس میں لڑایا جاسکتا ہے۔ ان کو افتراق و انتشار کے فتنوں میں مبتلا کیا جاسکتا ہے۔

اس حدیث کے پس منظر میں یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ زمانہ رسالت سے لے کر آج تک کبھی بھی جزیرۃ العرب میں بت پرستی نہیں ہوئی۔ کھلے ہوئے مشرکانہ اعمال کا کبھی مظاہرہ نہیں ہوا۔ یہ دوسری بات ہے کہ شیطان کمزور عقیدہ لوگوں کو ایمان و اسلام سے منحرف کرنے میں کامیاب ہو گیا، کچھ لوگ مرتد ہو گئے ہوں لیکن ان میں سے بھی کوئی بت پرست ہو گیا ہو ایسا ہرگز نہیں ہوا۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

شیطانی وسوسہ سے محفوظ رہنے پر اللہ کا شکر ادا کرو

⑪ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنِّي أُحَدِّثُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَمَرَهُ إِلَى الْوَسْوسَةِ - (رواه البوداؤر)

”حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابیؓ نے حاضر ہو کر عرض کیا (یا رسول اللہ) میں اپنے اندر ایسا (برا) خیال پاتا ہوں کہ زبان سے اس کے اظہار کے بجائے مل کر کوئلہ ہو جاتا مجھ کو زیادہ پسند ہے۔ آنحضرت ﷺ نے (یہ) سن کر فرمایا! اللہ کا شکر ادا کرو جس نے اس خیال کو وسوسہ کی حد تک رکھا۔“ (البوداؤر)

تشریح: شیطان نے ان صحابی کے اندر کوئی برا خیال ڈال دیا ہو گا جس سے ان کے ایمان کی حیاتی کیفیت بے چین ہو گئی ہوگی اور وہ بھاگتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے، آنحضرت ﷺ نے ان کو تسلی دی کہ اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، یہ تو اللہ کا بڑا فضل ہے کہ تمہارا ایمانی احساس و شعور پوری طرح بیدار ہے اور اس برے خیال کو خود تمہارے دل و دماغ نے قبول نہیں کیا اور وہ ”وسوسہ“ کی حد سے آگے بڑھنے نہیں پایا۔ اس طرح کے وسوسہ پر نہ کوئی مواخذہ ہے اور نہ کسی نقصان کا خدشہ، اس کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف قرار دیا ہے، ہاں اگر وہ برا خیال وسوسہ کی حد سے آگے بڑھ کر تمہاری زبان یا عمل سے ظاہر ہو جاتا تو پھر تمہارے لئے خطرہ کی بات تھی۔

اپنے اندر نیکی کی تحریک پر اللہ کا شکر ادا کرو اور شیطان کی وسوسہ اندازی کے وقت اللہ کی پناہ چاہو

⑫ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً يَابِنَ آذَمَ وَلِلْمَلِكِ لَمَّةً فَمَا لَمَّةُ الشَّيْطَانِ فَإِنْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيبٌ بِالْحَقِّ وَأَمَّا لَمَّةُ الْمَلِكِ فَإِنْعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيقٌ بِالْحَقِّ فَمَنْ وَجَدَ ذَلِكَ فَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ مِنَ اللَّهِ فَلْيَحْمَدِ اللَّهَ وَمَنْ وَجَدَ الْآخَرَ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ثُمَّ قَرَأَ الشَّيْطَانُ يَعِدْكُمْ الْفَقْرَ وَيَأْمُرْكُمْ بِالْفَحْشَاءِ (البقرة ۲۶۸) زَوَاهُ الْبَزْ مِلْزِي وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان پر ایک تصرف تو شیطان کا ہوا کرتا ہے اور ایک تصرف فرشتہ کا شیطان کا تصرف تو یہ ہے کہ وہ برائی پر ابھارتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور فرشتہ کا تصرف یہ ہے کہ وہ نیکی پر ابھارتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے لہذا جو شخص (نیکی پر فرشتہ کے ابھارنے کی) یہ کیفیت اپنے اندر پائے تو اس کو سمجھنا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے (ہدایت) ہے اس پر اس کو اللہ کا شکر بجالانا چاہیے اور جو شخص دوسری کیفیت (یعنی شیطان کی وسوسہ اندازی) اپنے اندر پائے تو اس کو چاہیے کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرے پھر آپ ﷺ نے یہ قرآنی آیت پڑھی (جس کا ترجمہ ہے) شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور گناہ کے لئے اکساتا ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: فرشتہ کے ابھارنے کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ نیکی کی اہمیت اور نیکی پر ملنے والے اجر و انعام کی کشش ظاہر کرتا ہے اور انسان کے احساس و شعور میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اللہ کا سچا دین ہی انسانیت کی بقا و ترقی کا ضامن ہے اللہ کے رسول جو شریعت لے کر آئے ہیں اسی میں بنی آدم کی دنیاوی اور اخروی نجات پوشیدہ ہے۔ اگر اپنی فلاح و نجات چاہتے ہو تو برائی کے راستہ سے بچو اور نیکی کے راستہ کو اختیار کرو۔ شیطان کا ابھارنا یہ ہوتا ہے کہ وہ راہِ حق کو تاریک کر کے دکھاتا ہے وسوسہ اندازی کے ذریعہ دین کی دنیاوی باتوں مثلاً ثواب، نبوت

آخرت اور دوسرے معقولات میں تردد و تشکیک پیدا کرتا ہے۔ نیکی کو بد نما صورت میں اور بدی کو اچھی شکل و صورت میں پیش کرتا ہے، انسانی دماغ میں یہ بات بٹھانے کی سعی کرتا ہے کہ اگر ان چیزوں کو اختیار کرو گے جو نیکی سے تعبیر کی جاتی ہیں تو پریشانیاں اٹھاؤ گے، تکلیفیں، برداشت کرو گے، مثلاً توکل و قناعت کی زندگی اختیار کرو گے اور اپنے اوقات کو دنیا سازی میں صرف کرنے کی بجائے اللہ کی عبادت اور دین کی خدمت میں لگاؤ گے تو تم نہ مال و دولت حاصل کر پاؤ گے اور نہ دنیا کی کوئی آسائش و راحت اٹھا پاؤ گے، اگلے فقر و محتاجی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

وسوسے پیدا ہوں تو شیطان کو تھکار دو اور اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو

(۱۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يُقَالَ هَذَا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ فَإِذَا قَالُوا ذَلِكَ فَقُولُوا اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ثُمَّ لِيَنْتَفِلْ عَنْ يَسَارِهِ فَلَا تُنَاوِلُوا الشَّيْطَانَ الرَّجِيمَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَتَسَنَّدَ كُرْ حَدِيثُ عُمَرُو بْنِ الْأَخْوَصِ فِي بَابِ خُطْبَةِ يَوْمِ النَّحْرِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا! لوگ (پہلے تو مخلوقات وغیرہ کے بارے میں) پوچھا پوچھی کریں گے۔ اور پھر آخر میں یہ سوال کھڑا کیا جائے گا کہ ساری مخلوقات کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو خود اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جب یہ سوال کھڑا کیا جائے تو تم کہو اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ کسی نے اس کو جنا ہے۔ اور کوئی اس کا ہمسرا (یعنی جوڑا نہیں ہے) پھر اپنی باتیں طرف تین بار تھکار دو۔ اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگو۔ (ابوداؤد) اور (صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں) کہ عمرو ابن احوصل کی روایت (جس کو صاحب مصابیح نے یہاں نقل کیا تھا) ہم اس کو (خطبہ یوم النحر) کے باب میں نقل کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ (کیونکہ وہ روایت اسی باب کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے)۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

شیطانی وسوسوں سے چوکنار ہو

(۱۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَبْرَحَ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يَقُولُوا هَذَا اللَّهُ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ قَالَ قَالَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ إِنْ أَهْتَكَ لَا يَزَالُ الْوَنُ يَقُولُونَ مَا كَذَبَا مَا كَذَبَا حَتَّى يَقُولُوا هَذَا اللَّهُ خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ۔

”حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! لوگ آپس میں پوچھا پوچھی کرتے رہیں گے (یعنی شیطانی وسوسوں کی صورت میں) ان کے اندر اس طرح کے خیالات پیدا ہوتے رہیں گے کہ جب ہر چیز کو خدا نے پیدا کیا (تو) خدائے بزرگ و برتر کو کس نے پیدا کیا؟ (بخاری و مسلم کی روایت میں یوں ہے! انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ ﷺ کی امت کے لوگ (اگر شیطان کے وسوسہ اندازی سے چوکنار نہ رہے تو پہلے) یوں کہیں گے کہ یہ کیا ہے؟ اور یہ کیسے ہوا؟ (یعنی مخلوقات کے بارے میں تحقیق و تجسس کریں گے) اور پھر آخر میں یہ کہیں گے کہ تمام چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو خدائے بزرگ و برتر کو کس نے پیدا کیا ہے؟۔“

نماز کے دوران شیطان کی خلل اندازی

(۱۵) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ خَالَ بَيْنِي وَبَيْنَ صَلَاتِي وَبَيْنَ قِرَاءَتِي

يَلْبِسُهَا عَلَى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ شَيْطَانٌ يَقَالُ لَخَيْرٌ فَإِذَا أَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْهُ وَاتَّقِلْ عَلَى يَسَارِكَ ثَلَاثًا فَقَعَلْتُ ذَلِكَ فَأَذْهَبَ اللَّهُ عَنِّي۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عثمانؓ ابن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے اور میری نماز اور میری قرأت کے درمیان شیطان حائل ہو جاتا ہے اور ان چیزوں میں شبہ ڈالتا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ شیطان ہے جس کو خنزرب کہا جاتا ہے۔ پس جب تمہیں اس کا احساس ہو (کہ شیطان وسوساں و شبہات میں مبتلا کرے گا) تو تم اس (شیطان مردود) سے خدا کی پناہ مانگو اور بائیں طرف تین دفعہ تھکار دو۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق) میں نے اسی طرح کیا تو خدا تعالیٰ نے مجھے اس کے وسوساں و شبہات سے محفوظ رکھا۔“ (مسلم)

وہم اور وسوسہ کو نظر انداز کر کے اپنی نماز جاری رکھو

(۱۶) وَعَنْ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ فَقَالَ إِنِّي أَهَمُّ فِي صَلَاتِي فَيَكْثُرُ ذَلِكَ عَلَيَّ فَقَالَ لَهُ اِمْضُ فِي صَلَاتِكَ فَإِنَّهُ لَنْ يَذْهَبَ ذَلِكَ عَنْكَ حَتَّى تَنْصَرِفَ وَأَنْتَ تَقُولُ مَا أَتَمَمْتُ صَلَاتِي۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت قاسم بن محمدؓ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے اپنی نماز میں وہم ہوتا رہتا ہے (یعنی کبھی تو یہ شک ہوتا ہے کہ میری نماز درست اور انہیں ہوئی کبھی یہ وہم ہو جاتا ہے کہ ایک رکعت پڑھنے سے رہ گئی ہے) اس کی وجہ سے مجھے گرانی ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا (تم اس طرح کے خیال پر دھیان نہ دو اور اپنی نماز پوری کرو، اس لئے کہ وہ (شیطان) تم سے جب ہی دور ہو گا کہ تم اپنی نماز پوری کر لو اور کہو کہ ہاں میں نے اپنی نماز پوری نہیں کی۔“ (مالک)

تشریح: نماز ہی وہ سب سے اہم عبادت ہے جس میں اللہ کے نیک بندوں کو بہکانے اور ورغلانے کے لئے شیطان اپنی سعی و کوشش سب سے زیادہ صرف کرتا ہے یہ شیطان کی تخریب کاری ہوتی ہے۔ جو عام لوگوں کو نماز کے دوران پوری ذہنی یکسوئی سے محروم رکھتی ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نماز کی نیت باندھتے ہی دل و دماغ میں دنیا بھر کے خیالات کا اجتماع ہونا شروع ہو جاتا ہے، وہ باتیں جو کبھی یاد نہیں آتیں نماز ہی کے دوران ذہن میں کلپانے لگتی ہیں۔ شیطان طرح طرح کے وسوسے اور خیالات پیدا کرتا رہتا ہے، کبھی تو یہ پھونک دیتا ہے کہ نماز مکمل نہیں ہوئی ہے بلکہ ایک رکعت یا دو رکعت چھوٹ گئی ہے، کبھی یہ وہم گزار دیتا ہے کہ نماز صحیح نہیں ہوئی ہے۔ فلاں رکن ترک ہو گیا ہے۔ قرأت میں فلاں آیت چھوٹ گئی ہے۔ اس وسوسہ اندازی سے شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نماز یا اپنی نماز کا سلسلہ منقطع کر دے اور نیت توڑ دے۔ شیطان کی اس تخریب کاری سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب شیطانی اثر سے اس طرح کے واسے اور شکوک پیدا ہوں تو اپنی نماز کا سلسلہ منقطع نہ کرو، نیت نہ توڑو، بلکہ نماز پوری کرو اور شیطان سے کہو کہ ہاں میں غلطی کر رہا ہوں، نماز میری درست نہیں ہو رہی ہے لیکن میں نماز پڑھوں گا اور تیرے کہنے پر عمل نہیں کروں گا۔ علما لکھتے ہیں کہ یہ طریقہ شیطانی اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے بہت ہی کارگر ہے۔ اس لئے کہ اس طرح شیطان نماز سے مایوس ہو جاتا ہے اور جب وہ یہ جان لیتا ہے کہ یہ میرے قبضے

۱۔ عثمان بن ابی العاصؓ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے ہیں اسی لئے ثقیفی کہلاتے ہیں آپ اپنے قبیلہ ثقیف کے وفد کے ہمراہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کر کے ہدایت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد آنحضرت نے ان کو اپنے قبیلہ کا امیر مقرر کر دیا تھا وفات نبوی کے بعد جب اہل طائف ارتداد کی طرف مائل ہونے لگے تو عثمانؓ ابی العاصؓ ہی کی ذات تھی جس نے ان کو ارتداد سے باز رکھا آپ نے بصرہ میں ۵۱ھ میں وفات پائی۔

۲۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے اور محمد بن ابوبکرؓ کے صاحب زادے ہیں، مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک آپ بھی ہیں اکابر اور طویل القدر تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے یحییٰ بن سعیدؓ کا قول ہے کہ ہم نے مدینہ میں قاسم بن محمدؓ سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا بصرہ ۷۰ سال ۱۰۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

میں آنے والا نہیں ہے تو اس کے پاس سے ہٹ جاتا ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ نمازی کو یقین ہے کہ میں نماز ٹھیک پڑھ رہا ہوں، نماز کے ارکان و افعال اور قرأت میں کوئی کوتاہی یا غلطی واقع نہیں ہو رہی ہے اور اگر واقعی اس کی نماز میں کوئی کوتاہی واقع ہو رہی ہے یا ارکان کی ادائیگی میں غلطی ہو رہی ہے اور اس کا احساس ہو رہا ہے تو اس غلطی کو تباہی کو دور کرنا اور نماز کی صحت و درستگی کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔

در اصل اس حکم (کہ شیطانی خلل اندازی سے صرف نظر کر کے اپنی نماز پوری کرے) کا بنیادی مقصد اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ شیطان سے چوکنار ہو، اس کو اثر انداز ہونے کا موقع نہ دو، اپنے دل و دماغ کو اتنا پاکیزہ اور بجلی رکھو کہ شیطانی وسوسوں اور راہوں کو راہ نہ ملے۔ نماز اس قدر ذہنی یکوئی توجہ اور حضور قلب کے ساتھ پڑھو کہ شیطان تمہارے پاس آنے کا ارادہ ہی نہ کرے اس حکم کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ غیر درست عمل کو درست نہ کرو اور سہل انگاری دکھاؤ۔

بَابُ الْإِيْمَانِ بِالْقَدْرِ

تقدیر پر ایمان لانے کا بیان

تقدیر پر ایمان لانا فرض اور لازم ہے یعنی وجود ایمان کے لئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ بندوں کے تمام اعمال خواہ وہ نیک ہوں یا بد، ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھ دیے گئے ہیں، بندہ سے جو عمل بھی سرزد ہوتا ہے وہ خدا کے علم و اندازہ کے مطابق ہوتا ہے، لیکن خدا نے انسان کو عقل و دانش کی دولت سے نوازا کہ اس کے سامنے نیکی اور بدی دونوں راستے واضح کر دیے ہیں اور ان پر چلنے کا اختیار دے دیا اور بتا دیا کہ اگر نیکی کے (راستہ کو) اختیار کرو گے تو خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہو گا جس پر جزاء و انعام سے نوازے جاؤ گے اور اگر بدی کے راستہ کو اختیار کرو گے تو یہ خدا کے غضب اور اس کی ناراضگی کا باعث ہو گا جس کی وجہ سے سزا اور عذاب کے مستحق گردانے جاؤ گے۔

اب اس واضح اور صاف ہدایت کے بعد جو شخص نیکی و بھلائی کے راستہ کو اختیار کرتا ہے تو وہ ازراہ فضل و کرم خدا کی رحمت سے نوازا جائے گا اور اس پر خدا کی جانب سے فلاح و سعادت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اگر کوئی عقل کا اندھا اپنے کسب و اختیار سے برائی کے راستہ کو اختیار کرتا ہے تو وہ ازراہ عدل سزا کا مستوجب ہو گا اور اسے عذاب و تباہی کے غار و دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ تقدیر کا مسئلہ عقل و فکر کی رسائی سے باہر ہے کیونکہ یہ خدا کا ایسا ایک راز ہے جس کا انسانی عقل میں آنا تو دور کنار اسے نہ تو کسی مقرب فرشتہ پر ظاہر کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کا بھید کسی پیغمبر اور رسول کو معلوم ہے۔ اس لئے اس مسئلہ میں زیادہ غور و فکر کرنا اور اس میدان میں عقل کے گھوڑے دوڑانا جائز نہیں ہے بلکہ تحقیق و جستجو کے تمام راستوں سے ہٹ کر صرف یہ اعتقاد رکھنا ہی فلاح و سعادت کا ضامن ہے کہ خدا نے یہ مخلوق پیدا کر کے ان کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے، ایک گروہ وہ ہے جو اچھے اعمال اور نیک کام کرنے کی بنا پر خدا کی جنت اور اس کی نعمتوں کا مستحق ہو گا جو محض اس کا فضل و کرم ہو گا۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جو برے اعمال کے کرنے کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا جو عین عدل ہو گا۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے قضا و قدر کے بارہ میں سوال کیا، حضرت علیؑ نے فرمایا ”یہ ایک بڑا راستہ ہے اس پر نہ چلو“ اس شخص نے ”پھر یہی سوال کیا“ انہوں نے فرمایا ”یہ ایک گہرا دریا ہے، اس میں نہ اترو وہ شخص نہ مانا اور اس نے پھر سوال کیا۔ آخر میں حضرت علیؑ نے فرمایا، ”یہ خدا کا ایک راز ہے جو تم سے پوشیدہ ہے اس لئے اس کی تفتیش و تحقیق میں مت پڑو۔“

لہذا اخروی سعادت اسی میں ہے کہ اس مسئلہ کے بارہ میں خدا اور خدا کے رسول نے جو کچھ بتایا ہے اور جن اعتقادات کو ماننے کے

لے کہا ہے اس پر عمل پیرا ہو جائے، ورنہ اپنی عقل کے تیر چلانا اور حقیقت گمراہی کا راستہ اختیار کرنا اور تباہی و بربادی کی راہ پر لگنا ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمُوتَ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى السَّمَاءِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیروں کو لکھا ہے۔ اور ”فرمایا“ (اس وقت) اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔“ (مسلم)

تشریح: ظاہر ہے کہ اللہ کی ذات اجسام ظاہری اور مادیات کی ثقاہت سے پاک ہے اس لئے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ خدا نے خود اپنے ہاتھ سے تقدیریں لکھ دی تھیں، بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ خدا نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی ان کی تقدیریں قلم کو جاری ہونے کا حکم دے کر اس کے ذریعہ لوح محفوظ میں ثبت کر دی تھیں، یا یہ کہ فرشتوں کو حکم دے کر ان سے تقدیریں لکھوا دی تھیں۔

یہاں پچاس ہزار برس کی مدت تحدید کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سے کثرت مدت مراد ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے بہت پہلے ان سب کی تقدیریں لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہیں۔

منقول ہے کہ زمین و آسمان اور تمام مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے تمام پانی ہی پانی تھا اور کہا جاتا ہے کہ پانی کا استقرار ہوا پر تھا اور ہوا خدا کی قدرت پر قائم تھی۔ اس لئے فرمایا گیا کہ اس عالم میں ازل سے لے کر ابد تک ہونے والے تمام واقعات و اعمال اسی وقت خدا کے علم میں تھے۔ جب کہ یہ زمین و آسمان بھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور اس کا عرش پانی پر تھا جس کے درمیان کوئی دوسری چیز حائل نہیں تھی۔

② وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتَّى الْعَجُزُ وَالْكَيْسُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر چیز تقدیر سے ہوتی ہے، یہاں تک کہ دانتی اور نادانی۔“ (مسلم)

③ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى عِنْدَ رَبِّهِمَا فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى قَالَ مُوسَى أَنْتَ آدَمُ الَّذِي خَلَقَكَ اللَّهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَأَسَجَدَ لَكَ مَلَائِكَتُهُ وَأَسْكَنَكَ فِي جَنَّتِهِ ثُمَّ أَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيئَتِكَ إِلَى الْأَرْضِ قَالَ آدَمُ أَنْتَ مُوسَى الَّذِي أَصْطَفَاكَ اللَّهُ بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلَامِهِ وَأَعْطَاكَ الْأَلْوَجَ فِيهَا تَبَيَّنَ كُلُّ شَيْءٍ وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا فَبِكُمْ وَجَدْتَ اللَّهُ كَتَبَ التَّوْرَةَ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ قَالَ مُوسَى يَا رَبِّعَيْنِ عَمَّا قَالَ آدَمُ فَهَلْ وَجَدْتَ فِيهَا وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَقَوِي قَالَ نَعَمْ قَالَ أَفْتَلَوْ مُنِي عَلَى أَنْ عَمِلْتَ عَمَلًا كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيَّ أَنْ أَعْمَلَهُ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي يَا رَبِّعَيْنِ سَنَةَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (عالم ارواح میں) آدم و موسیٰ علیہما السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے مناظرہ کیا اور حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ وہی آدم ہیں جن کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا آپ میں اپنی روح چھوٹی تھی، فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا تھا، اور اپنی جنت میں آپ کو رکھا تھا اور پھر آپ نے اپنی خطا سے لوگوں کو زمین پر اتروا دیا تھا (یعنی اگر آپ خطانہ کرتے تو یہاں زمین پر نہ اتارے جاتے اور آپ کی اولاد اس دنیا میں نہ پھیلی بلکہ جنت میں رہتی) آدم علیہ السلام نے کہا تم وہی موسیٰ تو ہو جن کو خدا نے اپنے منصب رسالت سے نواز کر برگزیدہ کیا

اور ہم کلابی کے شرف سے مشرف فرمایا تھا اور تم کو وہ تختیاں دی تھیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا اور پھر تم کو سرگوشی کے لئے تقرب کی عزت بخشی تھی، اور کیا تم جانتے ہو خدا نے میری پیدائش سے کتنے عرصہ پہلے تورات کو لکھ دیا تھا؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ”چالیس سال پہلے! آدم علیہ السلام نے پوچھا“ کیا تم نے تورات میں یہ لکھے ہوئے الفاظ نہیں پائے وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى (یعنی آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گمراہ ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں۔ آدم علیہ السلام نے کہا پھر تم مجھ کو میرے اس عمل پر کیوں ملامت کرتے ہو جس کو خدا نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے میرے لئے لکھ دیا تھا، ”آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا“ اس دلیل سے) آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جو دلیل پیش کی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا نے چونکہ میری پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے یہ لکھ دیا تھا کہ میں شیطان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے بہک جاؤں گا اور خدا کے حکم کی نافرمانی کر کے شجر ممنوع کا استعمال کر لوں گا۔ لہذا اس میں میرے کسب و اختیار کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ یہ گمراہی میرے مقدر میں لکھی گئی تھی اس لئے اس کا مجھ سے صادر ہونا لازم و ضروری تھا لہذا میں مورد الزام نہیں ٹھہر سکتا۔

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس گمراہی کو میری پیدائش سے بھی پہلے میرے لئے لوح محفوظ میں مقدر فرمایا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ضرور وقت وقوع پذیر ہوگی، لہذا جب وقت مقدر آپہنچا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ امر مقدر اور اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف وہ عمل ممنوع سرزد نہ ہوتا چنانچہ تم مجھ پر یہ الزام تو ڈال رہے ہو اور تمہیں سبب ظاہری یعنی میرا کسب و اختیار تو یاد رہا لیکن اصل چیز یعنی مقدر سے تم صرف نظر کر گئے۔

حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام کا مناظرہ اس عالم دنیا میں نہیں ہوا جہاں اسباب سے قطع نظر درست نہیں ہے بلکہ یہ مناظرہ عالم بالا میں ان دونوں کی روحوں کے درمیان ہوا تھا۔ اسی لئے یہاں یہ بات بطور خاص ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر کوئی عاصی و گناہ گار اس قسم کی دلیل کا سہارا لینے لگے تو وہ اس کے لئے کارآمد نہیں ہوگی، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا معاملہ اس جہاں میں تھا جہاں وہ اسباب کے مکلف نہیں تھے اور پھر ان کی یہ خطا بارگاہ الوہیت سے معاف بھی کر دی گئی تھی، لہذا یہاں تو کسب و اختیار اور ایوب کی بنا پر مواخذہ کیا کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو تختیاں اتری تھیں وہ زبردستی تھیں اور ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ شراوتوں پر لا دی جاتی تھیں، ان تختیوں میں ان کی قوم کے لئے خدا کی جانب سے احکام و مسائل لکھے ہوئے تھے، ان تختیوں میں جو مضامین مذکور تھے وہ قدیم ہیں لہذا چالیس سال کی تحدید ان مضامین کے بارہ میں نہیں ہوگی بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ مضامین جو ان تختیوں پر لکھے گئے تھے ان کے لکھنے کی مدت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چالیس سال قبل ہے۔

④ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا نَظْفَةً ثُمَّ يَكُونُ عِلْقَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ إِلَيْهِ مَلَكًا يَرْزُقُ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ وَاجَلَهُ وَرِزْقَهُ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ فَوَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ إِنْ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونُ يَبْنِيهِ وَيَنْتَهِي إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ بِهِ إِلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَذَلُّهَا وَإِنْ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونُ يَبْنِيهِ وَيَنْتَهِي إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَذَلُّهَا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ صادق و مصدوق سرکارِ دو عالم ﷺ نے ہم سے فرمایا۔ تم میں سے ہر شخص کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ (پہلے) اس کا نطفہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن جمع رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں یعنی چالیس دن کے بعد وہ جمہا و خون بنتا ہے۔ پھر اتنے ہی دنوں کے بعد وہ لوتھڑا ہو جاتا ہے، پھر خداوند تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ کو چار باتوں کے لکھنے کے لئے بھیجتا ہے، چنانچہ وہ فرشتہ

اس کے عمل اس کی موت (کا وقت) اس کے رزق (کی مقدار) اور اس کا بد بخت و نیک بخت ہونا خدا کے حکم سے اس کی تقدیر میں لکھ دیتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تم میں سے ایک آدمی جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا ہوا آگے آتا ہے۔ اور وہ دوزخیوں کے سے کام کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے، اور تم میں ایک آدمی دوزخیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا سا سننے آتا ہے اور وہ جنتیوں کے سے کام کرنے لگتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: ایسا کم ہوتا ہے کہ لوگ بھلائی کے راستہ کو چھوڑ کر برائی کا راستہ اختیار کرتے ہوں لیکن خدا کی رحمت کاملہ کے صدمے اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو لوگ بد بختی و برائی کے راستہ کو اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں وہ بھلائی کی طرف آجاتے ہیں اور نیکی کے راستہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔

اس حدیث نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ابدی نجات و عذاب کا دار و مدار خاتمہ پر ہے، اگر کسی کی پوری زندگی گناہ و معصیت یا کفر و شرک میں گزری لیکن اس نے آخر وقت میں صدق دل سے اپنی بد اعمالیوں اور گمراہی پر نادم و شرمسار ہو کر نیک بختی و سعادت کے راستہ کو اختیار کر لیا تو وہ نجات پا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص تمام عمر نیکی و بھلائی کرتا رہا اور اس کی تمام زندگی خدا اور خدا کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزری لیکن آخر وقت میں وہ شیطان کی گمراہی یا اپنے نفس کی شرارت سے گمراہ ہو گیا اور اس نے اپنی حیات کے آخری لمحوں کو برائی و بد بختی کی بھیشت چڑھا دیا تو وہ اپنی زندگی بھر کی نیکیوں کے باوجود عذاب خداوندی میں مبتلا کیا جائے گا۔

لہذا اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ بھلائی و بہتری اور اخروی نجات اسی میں ہے کہ بندہ ہمیشہ اطاعت الہی اور فرمان نبوی ﷺ کی بجا آوری میں مصروف رہے، اس کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی حدود و شریعت سے تجاوز کرنے نہ پائے اور ہر آنے والے لمحہ کو یہ سوچ کر کہ شاید میری زندگی کا یہ آخری لمحہ ہو نیکی و بھلائی میں صرف کرتا رہے تاکہ خاتمہ بالآخر کی سعادت سے نواز جائے۔

اس موقع پر اتنی بات اور بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جو لوگ قضا و قدر کے مسئلوں کو دیکھ کر یہ نظریہ قائم کر بیٹھے ہیں کہ جب نجات و عذاب، نیک بختی و بد بختی اور جنت و دوزخ کا ملنا تقاضا دیر چیز ہے تو عمل کی کیا ضرورت ہے؟ وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں چنانچہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی جو اس مسئلہ کی حقیقت کو نہیں سمجھ پائے تھے سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے اس قسم کی بات کہی تو آنحضرت نے فرمایا کہ تم عمل کئے جاؤ کیونکہ جس کے مقدر میں جو کچھ لکھا ہے اس پر اس کو اختیار بھی دیا گیا ہے۔

یعنی قضا و قدر پر بھروسہ کر کے تمہارا عمل میں توقف کرنا یا عمل سے انکار کرنا کوئی کار آمد نہیں ہوگا اس لئے کہ احکام شارع کی جانب سے وارو ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی تم کو سوچنے سمجھنے کی قابلیت اور نیکی و بدی میں امتیاز کرنے کی صلاحیت بھی دی گئی ہے، نیز تمہارے اندر قصد و جہد کا مادہ بھی پیدا کیا گیا ہے تاکہ تم ان اسباب کے ذریعہ عمل کر سکو، لہذا اب اگر تم قضا و قدر کا سہارا لے کر اسباب سے قطع نظر کرو گے اور اعمال کو چھوڑ دو گے تو تباہی و بربادی کے غار میں جا کر دو گے۔ ہاں یہ خدا کی یقیناً کوئی مصلحت ہوگی جس کی حقیقت و حکمت کو تو وہی جانتا ہے کہ ایک طرف تو اس نے قضا و قدر کے مسئلہ کو سامنے کر دیا دوسری طرف اعمال و افعال کے کرنے کا حکم دیا اور پھر اس مسئلہ میں تحقیق و تفتیش کرنے سے بھی منع فرما دیا، اور پھر قضا و قدر کے سہارے اعمال کی ضرورت سے انکار کر دیا جائے تو اس کا کیا جواب ہوگا کہ خدا کی جانب سے شریعت کا اتارنا، احکام بھیجنا اور رسولوں کی بعثت جن کا مقصد احکام خداوندی پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہوتا تھا بلا وجہ ہوئی کیونکہ جب محض تقدیر پر بھروسہ ہوگا کہ جس کے مقدر میں جنت میں جانا لکھا ہو گا وہ جنت میں یقیناً جائے گا اور جس کے مقدر میں دوزخ لکھی ہوگی اور دوزخ میں یقیناً جائے گا تو ان رسولوں کی بعثت اور احکام و اعمال کی بجا آوری کی تاکید کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے

گی، لہذا اس حیثیت سے بھی دیکھا جائے تو یہ خیال غلط ثابت ہوگا۔

بہر حال جس طرح اور بہت سے اسرار الہی ہیں کہ ان کی بندوں کو خبر نہیں ہے اسی طرح یہ بھی ایک راز ہے جو بندوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے، اس لئے کسی کے ظاہری عمل کو دیکھ کر اس کے جنتی یا دوزخی ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا بلکہ یہ خدا کی مرضی پر موقوف ہے کہ یُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ (یعنی وہ جس کو چاہے (بد اعمالیوں کی بنا پر) عذاب میں مبتلا کر دے اور جس کو چاہے اپنے فضل و کرم سے بخش دے)۔

⑤ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلِ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت سہل بن سعدؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا، بندہ دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے لیکن وہ جنتی ہوتا ہے اور جنتیوں کے سے کام کرتا ہے لیکن وہ دوزخی ہوتا ہے کیونکہ (نجات و عذاب کا) دار و مدار خاتمہ کے عمل پر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث نے پہلی حدیث کی توثیق کر دی ہے کہ اعمال سابق کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ ان اعمال کا اعتبار ہوگا جس پر خاتمہ ہوا ہے اس لئے کسی کی نجات و عذاب کا دار و مدار اس کے خاتمہ پر ہوگا، خاتمہ بالآخر ہوگا تو خدا کی نعمتوں اور اس کی جنت کی سعادت سے نوازا جائے گا اور اگر خدا نخواستہ خاتمہ خیر پر نہیں ہوا تو پھر عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

چنانچہ اس حدیث نے صراحتیہ بات واضح کر دی کہ بندہ کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اطاعت الہی میں مصروف رہے اور ہر وقت معاصی و گناہ سے بچتا رہے اس لئے کہ نامعلوم اس کا وقت آخر کب آجائے، اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو کہ اچانک موت کا زبردست پیچہ اس کا گلا دبوچ لے اور اسے توبہ کی بھی مہلت نہ ملے جس کے نتیجہ میں وہاں کے دائمی خسران و عذاب میں گرفتار ہو جائے۔

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دُعِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى جَنَازَةٍ صَبَّيَ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ طُلُونِي لِهَذَا عَصْفُورٌ مِنَ الْجَنَّةِ لَمْ يَفْعَلِ السُّوءَ وَلَمْ يَذْرُكُهُ فَقَالَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک انصاری بچہ کے جنازہ پر سرکارِ دو عالم ﷺ کو بلایا گیا، میں نے کہا، یا رسول اللہ! اس بچہ کو خوشخبری ہو، یہ تو جنت کی چڑیوں میں کی ایک چڑیا ہے، جس نے کوئی برا کام نہیں کیا اور نہ برائی کی حد تک پہنچا۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”عائشہ! کیا اس کے سوا کچھ اور ہوگا؟“ یعنی اس کے جنتی ہونے کا جزم و یقین نہ کرو کیونکہ خدا نے جنت کے لئے حق لوگوں کو پیدا کیا ہے جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے اور دوزخ کے لئے بھی حق لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے۔“ (مسلم)

تشریح: بظاہر تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جنت اور دوزخ میں داخل ہونا نیک و بد عمل پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ تقدیری معاملہ ہے خدا نے ایک جماعت کے لئے ازل ہی سے جنت لکھ دی ہے اس لئے وہ جنت میں جائے گی خواہ وہ نیک اعمال کریں یا نہ کریں، اسی طرح ایک گروہ دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو دوزخ میں یقیناً جائے گا خواہ اس کے اعمال بد ہوں یا نہ ہوں۔ لہذا یہ لڑکا اگر دوزخ کے

بلکہ سہل بن سعد بن مالکؓ کا پہلا نام حزن تھا لیکن بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل رکھا، کنیت ابوالعباس اور بعض نے ابوجحی بھی لکھی ہے مدینہ میں ۸۸ھ میں ۹۶ سال آپ کا انتقال ہوا ہے۔

۱۱ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذی شان صاحبزادی اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی اور محبوب زوجہ مطہرہ ہیں جن کا لقب صدیقہ ہے۔ آپ کی وفات کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ ۵۷ھ، ۵۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے اور جنت البقیع میں مدفون ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

لئے پیدا کیا گیا تھا تو وہ دوزخ میں یقیناً جائے گا اگرچہ اس سے اب تک اعمال بد صادر نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف اکثر آیات و احادیث اور علماء کے متفق علیہ اقوال ایسے ہیں جن سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مسلمان بچہ اگر کسی کی حالت میں انتقال کر جائے تو وہ یقیناً جنتی ہے بلکہ کفار و مشرکین کے کسب بچوں کے بارہ میں بھی صحیح یہی مسئلہ ہے کہ وہ بھی جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

لہذا اب اس حدیث کی توجیح یہی کی جائے گی کہ چونکہ حضرت عائشہؓ نے اس کے جنتی ہونے پر اس عزم و یقین کے ساتھ حکم لگایا تھا کہ گویا انہیں غیب کا علم ہے اور خدا کی مصلحت و مرضی کی رازدان ہیں، اس لئے سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کے اس جزم و یقین پر یہ تنبیہ فرمائی کہ تم اپنے اس وثوق کی بنیاد پر گویا غیب دانی کا اقرار کر رہی ہو، جو کسی بندہ کے لئے مناسب نہیں ہے یا زیادہ صحیح توجیہ اس حدیث کی یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد اس وقت تک ہو گا جب تک بچوں کے جنتی ہونے کا حکم وحی کے ذریعہ معلوم نہیں ہوا تھا (اللہ اعلم) ﴿وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا تَنْكِحُ عَلَيَّ كِتَابَنَا وَتَدْعُ الْعَمَلُ قَالَ اْعْمَلُوا فَاكُلُوا مِيسِرًا لِمَا خُلِقَ لَهُ أَثَمًا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيَسِرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَأَثَمًا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيَسِرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ فَأَثَمًا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَيَسِرُ لِلْيُسْرَى الْآيَةُ﴾۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے ہر شخص کی جگہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ میں لکھ دی ہے۔ (یعنی یہ معین ہو گیا کہ کون لوگ جنتی ہیں اور کون لوگ دوزخی ہیں) صاحبہؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے نوشتہ تقدیر پر بھروسہ کر بیٹھیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم عمل کرو اس لئے کہ جو شخص جس چیز کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس پر اسے آسانی اور توفیق دی جاتی ہے لہذا جو شخص نیک بخئی کا اہل ہوتا ہے خدا اس کو نیک بخئی کے اعمال کی توفیق دیتا ہے اور جو شخص بد بخئی کا اہل ہوتا ہے اس کو بد بخئی کے اعمال کا موقع دیا جاتا ہے اس کے بعد آنحضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) ”جس نے خدا کی راہ میں دیا، پرہیزگاری کی اور اچھی بات (دین و اسلام) کو بچا، اس کے لئے ہم آسانی کی جگہ (جنت) آسان کر دیں گے لیکن جس نے بخل کیا اور (خواہشات نفسانی و دنیاوی) چمک دمک میں پھنس کر آخرت کی نعمتوں سے بے پروائی کی، نیز عمدہ بات (دین و اسلام) کو جھٹلایا تو اس کے لئے ہم مشکل جگہ (دوزخ کی راہ) آسان کر دیں گے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے جواب کا منشاء یہ تھا کہ تم لوگ تقدیر پر بھروسہ کر کے عمل چھوڑنے کو جو کہتے ہو وہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ جنت و دوزخ کا پہلے مقدر میں لکھا جاتا اور ہر ایک کے بارہ میں معین ہو جاتا کہ کون نیک بخت ہے اور کون بد بخت، اعمال کو ترک کرنے کا باعث نہیں ہے اس لئے کہ خدا نے اپنی ربوبیت والوہیت کے اظہار کے طور پر جو کچھ احکام دیے ہیں اور جو فرائض بندوں پر عائد کئے ہیں اس پر عمل کرنا اور احکام کی پیروی کرنا بمقتضائے عبودیت بندوں پر لازم و ضروری ہے کیونکہ عمل ہی کو نیک بخئی و بد بخئی کا نشان قرار دیا گیا ہے کہ جو کوئی عمل کرے گا اس کو نیک بخت سمجھا جائے گا اور جو عمل نہیں کرے گا اس کو بد بخت سمجھا جائے گا اور پھر یہ بھی تقدیری معاملہ ہے کہ خدا نے جس کے مقدر میں نیک بخت ہونا لکھ دیا ہے وہ یقیناً اعمال کو پورا کرے گا اور جس کے مقدر میں بد بخت ہونا لکھا گیا ہے وہ اعمال کو چھوڑ کر گمراہی میں جا پڑے گا۔

جہاں تک ثواب و عذاب کا معاملہ ہے وہ خدا کی مرضی اور اس کی مصلحت پر موقوف ہے وہ جو بھی معاملہ کرے گا اس پر اسے اختیار

امیر المؤمنین حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی، آپ کی سب سے لاڈلی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر اور جو تھے خلیفہ راشد ہیں ان کی کنیت ابو الحسن اور ابو تراب ہے آخر عشرہ رمضان ۳۰ھ میں آپ نے انتقال فرمایا اور شہادت کا درجہ پایا، اس وقت آپ کی عمر واندی کی تحقیق کے مطابق ۶۳ برس کی تھی تین دن کم پانچ سال تک آپ خلیفہ رہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ہوگا اس میں کسی کے جبر و اکراہ کو دخل نہیں ہوگا۔

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَقَّهُ مِنَ الزَّنا أَدْرَكَ ذَلِكَ لَا مُحَالَهَ فَرْنَا الْعَيْنِ النَّظْرُ وَزَنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالتَّفْصِيلُ تَمَنَّى وَتَشْتَهَى وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَلِكَ وَيُكَذِّبُهُ مَتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَصِيْبُهُ مِنَ الزَّنا مُدْرِكُ ذَلِكَ لَا مُحَالَهَ الْعَيْنَانِ زَنَاهُمَا النَّظْرُ وَالْأَذْنَانِ زَنَاهُمَا الْأَسْمَاعُ وَاللِّسَانُ زَنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زَنَاها الْبُطْشُ وَالرَّجُلُ زَنَاها الْخُطَا وَالْقَلْبُ يَهْوَى وَيَتَمَنَّى وَيُصَدِّقُ ذَلِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهُ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”خدا نے انسان کی تقدیر میں جتنا حصہ زنا کا لکھ دیا ہے وہ ضرور اس سے عمل میں آئے گا، آنکھوں کا زنا تو نا محرم کی طرف دیکھنا ہے اور زبان کا زنا نا محرم عورتوں سے شہوت انگیز باتیں کرنا، اور نفس آرزو خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس آرزو کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔ (بخاری و مسلم) کی ایک روایت ہے کہ ”آدمی کی تقدیر میں زنا کا جتنا حصہ لکھ دیا گیا ہے اس کو وہ ضرور عمل میں لائے گا۔ آنکھوں کا زنا (نا محرم کی طرف) دیکھنا ہے، کانوں کا زنا (نا محرم عورت سے شہوت انگیز باتیں سننا ہے اور زبان کا زنا نا محرم عورت سے شہوت انگیز باتیں کرنا ہے اور ہاتھوں کا زنا (نا محرم عورت کو برے ارادہ سے) چھونا ہے اور پاؤں کا زنا (بدکاری کی طرف) جانا ہے اور دل خواہش و آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔“

تشریح: اصل زنا تو یہی ہے کہ کسی نا محرم عورت سے بدکاری میں مبتلا ہو، لیکن اصطلاح شریعت میں ان حرکات و اعمال کو بھی مجازاً زنا کہا جاتا ہے جو حقیقی زنا کے لئے اسبابِ کارِ جبر رکھتے ہیں یا جو اس تک پہنچاتے ہیں، مثلاً کسی نا محرم عورت سے شہوت انگیز باتیں کرنا، یا بری نظر سے اس کی طرف دیکھنا، یا گندے خیال کے ساتھ اس کی باتیں سننا، یا برے ارادہ سے اس کا ہاتھ چھونا، یا اسی طرح گندے خیالات کے ساتھ کسی نا محرم عورت کے پاس جانا، یہ سب چیزیں چونکہ حقیقی زنا کی محرک بنتی ہیں جو آگے چل کر بدکاری میں مبتلا کر ادیتی ہیں اس لئے ان کو بھی مجازاً زنا کہا جاتا ہے، تاکہ ان حرکات و اسباب کی نفرت و کراہت دلوں میں بیٹھ جائے اور لوگ ان سے بھی بچے رہیں۔

بہر حال حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے مقدر میں زنا کا جتنا حصہ لکھ دیا جاتا ہے وہ اسے عمل میں لاتا ہے، اب چاہے تو اس کے مقدر میں محض مجازی زنا لکھا ہو یا حقیقی زنا، لیکن خدا جن کو ان قبیح افعال سے محفوظ رکھتا ہے وہ ان سے باز رہتے ہیں اور وہ ان چیزوں سے بھی پرہیز کرتے رہتے ہیں جن کی موجودگی میں کسی معصیت و گناہ کے خیال کا بھی شائبہ پایا جاتا ہو جو گناہ و معصیت کی طرف لے جانے کا سبب بنتے ہوں۔

”شرمگاہ کی تصدیق و تکذیب“ کا مطلب یہ ہے کہ جب نفس انسانی ہوا و ہوس کا غلام بن جاتا ہے اور وہ غلط و حرام فعل کی خواہش کرتا ہے تو اگر شرمگاہ اس کے اس غلط و ناجائز خواہش پر عمل کرتی ہے اور زنا میں مبتلا ہو جاتی ہے تو یہی اس کی تصدیق ہوتی ہے، یا اگر کسی احساس و شعور اور ضمیرِ خدا کے عذاب سے لرزاں اور اس کے خوف سے بھرا ہوا ہوتا ہے تو شرمگاہ نفس کی خواہش کی تکمیل سے انکار کر دیتی ہے اور وہ بدکاری میں مبتلا نہیں ہوتا یہ اس کی تکذیب ہوتی ہے۔

⑨ وَعَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَضِرِ أَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ مُزَيْنَةَ قَالَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ مَا يَفْعَلُ النَّاسُ الْيَوْمَ وَيَكْذَبُونَ فِيهِ أَشْيَاءَ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضَى فِيهِمْ مِنْ قَدَرٍ سَبَقَ أَوْ فِيمَا يَسْتَقْبِلُونَ بِهِ مِمَّا آتَاهُمْ بِهِ نَبِيُّهُمْ وَتَبَتِ الْحُجَّةُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لَا بَلْ شَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضَى فِيهِمْ وَتَصْدِيقُ ذَلِكَ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَالْهَمُّهَا فُجُورُهَا وَتَقْوَاهَا۔ (النس ۸۰۷۔ رواہ مسلم)

”اور حضرت عمرانؓ بن حصینؓ راوی ہیں کہ ایک مزینے قبیلہ کے دو شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ!

”آپ کا ام گرامی عمران ابن حصین اور کنیت ابو نجد ہے آپ فتحِ خیبر کے سال اسلام کی نعمت سے مشرف ہوئے تھے بمقامِ بصرہ ۵۱ھ میں وفات پائی۔

ہمیں یہ بتائیے کہ آج (دنیا میں) لوگ عمل کرتے ہیں اور اعمال کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ کیا یہ وہی شے ہے جس کا حکم ہو چکا ہے اور نوشتہ تقدیر بن چکا ہے یا یہ عمل ان احکام کے موافق ہیں جو آئندہ ہونے والے ہیں جن کو اس کا نبی ﷺ لایا ہے اور جن پر دلیل قائم ہو چکی ہے ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”نہیں یہ وہی شے ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور نوشتہ تقدیر بن چکا ہے اور اس کی تصدیق کتاب اللہ کی اس آیت سے ہوتی ہے وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (القرآن الحکیم)۔ (ترجمہ) قسم ہے (انسان کی) جان کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو بنایا پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں کا) القاء کیا۔“ (مسلم)

تشریح: سوال یہ تھا کہ یا رسول اللہ ہمیں یہ بتلا دیجئے کہ دنیا میں لوگ جتنے اعمال کرتے ہیں خواہ وہ اعمال خیر ہوں یا اعمال بد کیا یہ وہی ہیں جو ان کے لئے ازل ہی میں مقدر ہو چکے تھے اور اب وقت پر وقوع پذیر ہوتے ہیں یا یہ وہ چیزیں ہیں جو ازل میں تو ان کے لئے نوشتہ تقدیر نہیں بنی تھیں بلکہ اب جب رسول آئے اور انہوں نے خدا کی جانب سے دیئے گئے معجزات کے ذریعہ اپنی صداقت کا اعلان اور ان احکام و اعمال کے کرنے کا حکم دیا تو یہ اعمال وقوع پذیر ہونے لگے تو ایسی شکل میں کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ اعمال بندوں کے مقدر میں پہلے سے نہیں لکھے ہوئے تھے بلکہ اپنے اختیار سے یہ اعمال کرتے ہیں چاہے وہ اچھے اعمال ہوں یا برے اعمال؟

بارگاہ رسالت سے جواب دیا گیا کہ یہ اعمال وہی ہیں جو ازل ہی سے بندوں کے مقدر میں لکھ دیئے گئے ہیں اور اب اسی نوشتہ تقدیر کے مطابق اپنے اپنے وقت پر صادر ہوتے رہتے ہیں۔

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ إِنِّي رَجُلٌ شَابْتُ وَأَنَا أَخَافُ عَلَى نَفْسِي الْعَنَتَ وَلَا أَجِدُ مَا أَتَزَوَّجُ بِهِ النِّسَاءَ كَأَنَّهُ يَسْتَأْذِنُهُ فِي الْإِخْتِصَاءِ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّي ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذَلِكَ فَسَكَتَ عَنِّي ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذَلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا أَنْتَ لَاقٍ فَاخْتَصِمْ عَلَى ذَلِكَ أَوْ ذَرِّهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا، ”یا رسول اللہ میں ایک جوان مرد ہوں اور میں اپنے نفس سے ڈرتا ہوں کہ بدکاری کی طرف مائل نہ ہو جائے اور میرے اندر اتنی استطاعت نہیں ہے کہ کسی عورت سے شادی کر لوں“ گویا ابو ہریرہؓ اپنے اندر سے قوتِ مردی ختم کر دینے کی اجازت مانگتے تھے ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ سن کر سکوت فرمایا، میں نے دوبارہ یہی کہا تو آپ ﷺ پھر خاموش رہے، میں نے پھر عرض کیا اس مرتبہ بھی آپ ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا میں نے پھر اسی طرح عرض کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ابو ہریرہؓ! جو کچھ ہوتا ہے (اسے تمہارے مقدر میں لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے لہذا تمہیں اختیار ہے کہ قوتِ مردی ختم کر دینا کرو۔“ (بخاری)

تشریح: سرکارِ دو عالم ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے مقدر میں جو کچھ ہونا لکھا ہے وہ پورا ہوگا، اگر خدا خواستہ کسی بدکاری میں مبتلا ہوتا تمہارے لئے نوشتہ تقدیر بن چکا ہے تو یہ نتیجہ فعلِ تم سے ضرور صادر ہوگا، اور اگر قضا و قدر نے تمہاری پاکدامنی اور معصیت سے حفاظت لی ہے تو چاہے تم اپنی قوتِ مردی ختم کر کے نامرد بن جاؤ، یا اس فعل سے باز رہو، تمہارا نفس تمہیں نہیں بہکا سکتا اور تم پاک دامن رہو گے اسی طرف جفّ القلم کہہ کر اشارہ فرمایا گیا۔

اس حدیث میں اصل میں اس طرف تنبیہ اور تہدید مقصود ہے کہ اسباب و تدبیر کو تقدیر کے مقابلہ پر لانا اور نوشتہ تقدیر سے لاپرواہ ہو کر اس سے بھاگنا جائز نہیں ہے۔

⑪ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنَ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصْرَفُ كَيْفَ يَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ مُصْرِفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”تمام انسانوں کے دل خدا کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان اس طرح ہیں جیسے ایک انسان کا دل ہے اور وہ (اپنی انگلیوں سے) جس طرح چاہتا ہے قلوب کو گردش میں لاتا ہے“ اس کے بعد اس حضور ﷺ نے دعا کے طور پر یہ فرمایا۔ ”اے دلوں کو گردش میں لانے والے خدا! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے خدا کے کمال قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ وہ تمام چیزوں پر قادر ہے اور سب پر متصرف ہے یہاں تک کہ قلوب کے رخ اور دل کی دھڑکنیں تک بھی اسی کے اختیار میں ہیں۔ خداوند تعالیٰ کے لئے انگلیوں کا استعمال یہاں مجازاً ہوا ہے کیونکہ اس کی پاک و صاف ذات مادیات اور اجسام کی ثقالت سے پاک ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمام قلوب خدا کے قبضہ و تصرف میں ہیں، وہ جس طرف چاہتا ہے دلوں کو پھیر دیتا ہے کسی قلب کو گناہ و معصیت اور بدکاری کی طرف مائل کر دینا بھی اسی کی صفت ہے اور کسی قلب کو عصیان و سرکشی کے جال سے نکال کر اطاعت و فرمانبرداری اور نیکو کاری کے راستہ پر بھی اسی کا کام ہے وہ جس طرح چاہتا ہے گمراہی و ضلالت کے اندھیرے میں پھینک دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت و راستی کے مرغزاروں میں چھوڑ دیتا ہے۔

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا تَنْتَجِ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحْشَوْنَ فِيهَا مِنْ جَذَاءٍ ثُمَّ يَقُولُ فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الَّذِي الْقَيْمُ - (الروم ۳۰ - متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے (یعنی امر حق کو قبول کرنے کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں جس طرح ایک چارپایہ جانور پورا چارپایہ بچہ دیتا ہے، کیا تم اس میں کوئی کمی پاتے ہو“ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمہ) یہ اللہ تعالیٰ کی اس بنائی کے موافق ہے جس پر اللہ نے آدمیوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا یہ دین مستحکم ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: خدا تعالیٰ نے انسان کی تخلیق فطرت پر کی ہے اور فطرت صرف امر حق یعنی ایمان و اسلام کو قبول کر سکتی ہے۔ لہذا جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس فطرت پر ہوتا ہے لیکن خارجی اثر سے وہ فطرت کے تقاضوں سے دور ہو جاتا ہے اور خلاف اصول و فطرت طریقوں پر چلنے لگتا ہے یعنی اگر اس کے ماں باپ مجوسی ہوتے ہیں تو وہ بھی ان کے مذہب میں رنگ جاتا ہے۔

چنانچہ مثال کے طور پر فرمایا کہ جس طرح کسی جانور کے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی اصلی حالت میں پیدا ہوتا ہے اس کے اندر کسی قسم کی کوئی کمی یا کوئی نقصان نہیں ہوتا، ہاں اگر خارجی طور پر کوئی اس کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے یا اس کے جسم میں کوئی عیب پیدا کر دے تو وہ اپنی اصلی اور تخلیقی حالت کھو دیتا ہے، اسی طرح انسان پیدائش کے وقت اپنی اصلی فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا ماحول، اس کی سوسائٹی یعنی ماں باپ وغیرہ اس کے احساسات و شعور اور اس کے عقائد پر اپنے مذہب کا رنگ چڑھا کر اس کے ذہن و فکر اور قلب و دماغ کو غلط راستہ پر موڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنی اصلی اور تخلیقی فطرت پر قائم نہیں رہتا بلکہ کافر ہو جاتا ہے، ہاں اگر ایسا نہیں ہوتا اور اس کے ماں باپ مسلمان ہوتے ہیں تو وہ بھی مسلمان رہتا ہے۔

(۱۳) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ فِينَارُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَمْسٍ كَلِمَاتٍ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَتِمُّ وَلَا يَنْتَبِغِي لَهُ أَنْ يَتِمَّ يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعَهُ يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ حِجَابُهُ النَّوْزُ لَوْ كَشَفَهُ لَا خَرَفَتْ سُبْحَاتُ وَجْهِهِ مَا أَنْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ نے خطبہ دیا اور پانچ باتیں ارشاد فرمائیں۔ خدا تعالیٰ سوتا نہیں ہے، سوتا اس کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ وہ ترازو کو بلند و پست کرتا ہے، دن کے عمل سے پہلے رات کے عمل اور رات کے عمل سے پہلے دن کے عمل اس کے پاس پہنچا دیے جاتے ہیں اور اس کا حجاب نور ہے جسے اگر وہ اٹھا دے تو اس کی ذات پاک کا نور مخلوقات کی تاحہ نگاہ تمام چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دے۔“ (مسلم)

تشریح: ترازو کو بلند و پست کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خداوند قدوس کسی بندہ پر رزق کی وسعت کرتا ہے اور اسے مال و زر کی فراوانی سے نوازتا ہے اور کس پر اسبابِ معیشت اور رزق کے دروازے تنگ کر کے اسے محتاجی و تنگدستی میں مبتلا کر دیتا ہے، اسی طرح کسی بندہ کو وہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور نیکو کاری کی بدولت عزت و عظمت اور شرف و فضیلت سے نوازتا ہے اور کسی گناہ گار بندہ کو اس کی سرکشی و نافرمانی اور بدکاری کی بنا پر اسے ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور اسے تباہی و بربادی کے غار میں ڈال دیتا ہے۔

ایسے ہی ”دن کے عمل سے پہلے رات کے عمل سے پہلے دن کے عمل اس کے پاس پہنچا دیے جاتے“ کا مطلب یہ ہے کہ بندہ سے جو کوئی عمل سرزد ہوتا ہے وہ فوراً بلا تاخیر بلا گاہ الوہیت تک پہنچ جاتا ہے یعنی ابھی سورج بھی نہیں نکلتا اور کوئی عمل صادر ہونے بھی نہیں پاتا کہ رات کے عمل جو بندہ سے سرزد ہوئے ہیں اوپر پہنچ چکے ہوتے ہیں، اسی طرح رات شروع بھی نہیں ہوتی کہ دن کے عمل وہاں پہنچ جاتے ہیں، اب جو نیک عمل اور اچھا ہوتا ہے اسے قبولیت کے شرف سے نواز کر اس پر جزاء و انعام کا پروانہ صادر کر دیا جاتا ہے اور اس پر عذاب و سزا کا حکم دے دیا جاتا ہے۔

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذُ اللَّهُ مَلَأَى لَا يَغْنِصُهَا نَفَقَةُ سَحَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُذْ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغْنِصْ مَا فِي يَدِهِ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ وَيَبْدُوهُ الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رَوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ يَمِينُ اللَّهُ مَلَأَى وَقَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ مَلَأَنَ سَحَاءً لَا يَغْنِصُهَا شَيْءٌ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ.

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ (یعنی اس کا خزانہ) بھرا ہوا ہے، دن اور رات ہر وقت خرچ کرتا بھی اس میں کمی پیدا نہیں کرتا، کیا تم نہیں دیکھتے؟ کہ جب سے کہ اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور جب کہ اس کا عرش (بھی) پانی پر تھا، کتنا خرچ کیا ہے، لیکن (اتنا زیادہ) خرچ کرنے کے باوجود جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے (یعنی اس کا خزانہ) اس میں کمی نہیں ہوئی ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں ترازو ہے جسے وہ بلند و پست کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت ہے ”خدا کا دانا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔“ اور ابن نمیرؓ کی روایت میں ہے (خدا کا ہاتھ بھرا ہوا، اور ہمیشہ دینے والا ہے، رات اور دن خرچ کرنے کے باوجود) اس میں کوئی چیز کمی نہیں کرتی۔“

تشریح: ابن نمیرؓ حضرت امام مسلمؒ کے استاد ہیں، ان کی سند سے جو حدیث ہے اس میں بجائے مَلَأَ کے مَلَأَنَ کا لفظ ہے اور ان الفاظ میں کچھ تقدیم و تاخیر بھی ہے ویسے از روئے لغت مَلَأَ ہی صحیح ہے اور یہی الفاظ مناسب ہے۔

(۱۵) وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَرَارِي الْمُسْرِكِينَ قَالَ اللَّهُ أَعْلَمَ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ.

(متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کی اولاد کے بارہ میں پوچھا گیا (کہ مرنے کے بعد دوزخ میں جائیں گے یا جنت میں) آپ ﷺ نے فرمایا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے (اگر زندہ رہتے تو وہ کیا عمل کرتے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یعنی یہ تو خدا ہی کو معلوم ہے کہ اگر وہ اس صغیر کی حالت میں نہ مرتے اور زندہ رہتے تو بڑے ہو کر کیا عمل کرتے، لہذا اب ان

کے ساتھ جو معاملہ ہوگا اسی کے مطابق ہوگا اور یہ کہ خدای کو معلوم ہے کہ آیا وہ جنت میں جاتے ہیں یا دوزخ میں، وہاں کی حالت کسی بندہ کو کیا معلوم!۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا ہوگا جب کہ ابھی تک مشرکوں کی اولاد کے بارہ میں وحی کے ذریعہ کچھ معلوم نہیں ہوا تھا۔

اس مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن صحیح اور اولیٰ یہی ہے کہ اس بارہ میں توقف کرنا چاہیے یعنی نہ تو ان کو دوزخی کہا جائے اور نہ جنتی۔

الفصل الثانی

(۱۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهُ أَكْتُبْ قَالَ مَا أَكْتُبُ قَالَ أَكْتُبِ الْقَدَرَ فَكُتِبَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَأَنَّ إِلَى الْآبِدِ - وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ إسناده -

”حضرت عبادہ بن صامتؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا خدا نے سب سے پہلے جس چیز کو پیدا کیا وہ قلم تھا، پھر اس (قلم) کو لکھنے کا حکم دیا۔ قلم نے کہا، ”اے العالمین! کیا لکھوں“ بارگاہِ الوہیت سے جواب ملا ”تقدیر لکھو“ لہذا اس قلم نے ان چیزوں کو لکھا جو (اب تک) ہو چکی ہیں اور ان چیزوں کو لکھا جو آئندہ ہونے والی ہیں۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے غریب ہے۔“

(۱۲) وَعَنْ مُسْلِمٍ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَنْ هَذِهِ الْأَيَّةِ وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ الْأَيَّةُ قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَنْقَلُ عَنْهَا فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ بِبَنِيهِ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةَ فَاقَالَ خَلَقْتُ هَؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ يَعْمَلُونَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ بِبَنِيهِ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةَ فَقَالَ خَلَقْتُ هَؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَيَعْمَلُ أَهْلُ النَّارِ يَعْمَلُونَ فَقَالَ رَجُلٌ فَمِمَّ الْعَمَلُ يَأْرَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ إِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَمُوتَ عَلَى عَمَلٍ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَإِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى يَمُوتَ عَلَى عَمَلٍ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهُ بِهِ النَّارَ - (رواه مالك والترمذی والبوداد: الاعراف ۱۷۲)

”اور حضرت مسلم بن یسارؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ سے اس آیت (وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ) (الاعراف ۱۷۲) ”ترجمہ“ اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی لولہ کو نکالا اور (سب کچھ سمجھ عطا کر کے) ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں! ہم سب (اس واقعہ کے) گواہ بنتے ہیں۔ تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس (توحید سے محض بے خبر تھے) کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ جب اس آیت کے بارے میں سرکارِ دو عالم ﷺ سے سوال کیا گیا تو میں نے آپ ﷺ کو فرماتے سنا کہ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا پھر ان کی پیٹھ پر دانا ہاتھ پھیرا اور اس میں سے ان کی اولاد نکالی اور فرمایا کہ میں نے ان کو جنت کے لئے اور جنتیوں کے لئے اعمال کرنے کے لئے جوہہ کریں گے پیدا کیا ہے۔ پھر اپنا ہاتھ آدم علیہ السلام کی پشت پر پھیرا اور اس میں سے ان کی اولاد نکالی اور فرمایا کہ میں نے ان کو دوزخ کے لئے اور دوزخیوں کے لئے کام کرنے کے لئے جوہہ کریں گے پیدا کیا ہے۔ یہ سن کر ایک شخص نے کہا ”یا رسول اللہ! پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتیوں ہی کے لئے عمل کراتا ہے یہاں تک کہ اس (بندہ) کی وفات

جنتیوں جیسے اعمال پر ہو جاتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کی بنا پر اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے دوزخیوں کے سے اعمال صادر کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اہل دوزخ جیسے اعمال پر مرجاتا ہے لہذا اسے ان اعمال کی بناء پر دوزخ میں ڈال دیتا ہے۔“ (مولانا ملک، ترمذی، ابو داؤد)

تشریح: یہ عہد یشاق عالم ارواح میں ہوا تھا جیسا کہ دیگر احادیث میں آتا ہے کہ خداوند قدوس نے تمام روحوں کو جو ازل سے لے کر اب تک دنیا میں آنے والی تھیں ننھی ننھی چوٹیوں کی شکل میں جمع کیا اور پھر ان کو عقل و دانائی بھی عنایت فرمائی اور اپنی ربوبیت والوہیت کا سب سے اقرار کرایا۔

اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ ازل سے ابد تک دنیا میں جتنے بھی انسان پیدا ہوں گے سب کی پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی تھی مثلاً آنحضرت ﷺ کی پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی اور ان کی پشت سے ان کی اولاد اسی طرح قیامت تک جتنے انسان پیدا کئے جائیں گے سب کی پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی۔

داہنے ہاتھ کے پھرنے کے معنی یہ ہیں کہ خداوند قدوس نے فرشتہ کو داہنا ہاتھ پھرنے کا حکم دیا تھا اور محمد تعالیٰ کی نورانی ذات ہاتھ پھرنے کی ظاہری شالت سے پاک و صاف ہے۔ یا پھر یہ کہا جائے کہ اس سے اپنی قوت و قدرت کا اظہار مقصود ہے۔

(۱۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي يَدَيْهِ كِتَابَانِ فَقَالَ اتَذَرُونَ مَا هَذَانِ الْكِتَابَانِ فَلَنَالَا يَارَسُولَ اللَّهِ إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِي فِي يَدِهِ الْيَمْنَى هَذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ فِيهِمَا أَسْمَاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجْمِلُ عَلَىٰ آخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقُصُ مِنْهُمْ أَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِي فِي شِمَالِهِ هَذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ النَّارِ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجْمِلُ عَلَىٰ آخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقُصُ مِنْهُمْ أَبَدًا فَقَالَ أَصْحَابُهُ فَنَقِمَ الْعَمَلُ يَارَسُولَ اللَّهِ إِنْ كَانَ أَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ فَقَالَ سَدِّدُوا وَقَارِبُوا فَإِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُحْتَمُّ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ عَمِلَ أَيْ عَمِلَ وَإِنْ صَاحِبُ النَّارِ يُحْتَمُّ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ وَإِنْ عَمِلَ أَيْ عَمِلَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْدِيهِ فَنَبَذَهُمَا ثُمَّ قَالَ فَرِغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادَةِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ باہر تشریف لائے آپ ﷺ کے ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں اور (صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا جانتے ہو یہ دونوں کتابیں کیا ہیں ”ہم نے عرض کیا“ یا رسول اللہ! ہمیں کیا معلوم آپ ﷺ ہی بتا دیجئے (یہ کتابیں کیا ہیں) آپ ﷺ نے اس کتاب کے بارہ میں فرمایا جو داہنے ہاتھ میں تھی کہ یہ خدا کی جانب سے ہے جس میں اہل جنت ان کے باپ اور ان کے قبیلوں کے نام لکھے ہوئے ہیں پھر آخر میں جمع بن کر دی گئی ہے لہذا اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی، اس کے بعد بائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا کہ یہ خدا کی جانب سے ایک ایسی کتاب ہے جس پر اہل دوزخ ان کے باپ اور ان کے قبیلوں کے نام لکھے ہیں پھر آخر میں جمع بندی کر دی گئی ہے۔ لہذا اب نہ تو اس میں کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی۔ یہ (سن کر) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگرچہ یہ چیز پہلے سے ہی طے ہو چکی ہے (کہ جنت و دوزخ کا ذکر نوشتہ تقدیر پر ہے تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا (دین و شریعت کے مطابق اپنے اعمال کو) اچھی طرح مضبوط کرو اور (حق تعالیٰ کا) تقرب حاصل کرو، اس لئے کہ جنتی کا خاتمہ اہل جنت کے اعمال پر ہوتا ہے خواہ (زندگی میں) اس نے کیسے ہی (نیک یا بد) عمل کئے ہوں اور دوزخی کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر ہوتا ہے خواہ اس کے اعمال جیسے بھی رہے ہوں، پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا اور کتابوں کو رکھ دیا یعنی پیچھے ڈال دیں اور فرمایا ”تمہارا پروردگار بندوں کے بارے میں یہ پہلے سے طے کر چکا ہے کہ ایک جماعت جنتی ہے اور ایک جماعت دوزخی ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: کتابوں کو پیچھے ڈال دینا اہانت کے طور پر نہیں تھا بلکہ اس طرف اشارہ مقصود تھا کہ بارگاہ الوہیت سے اس معاملہ میں کہ دوزخی

وجہی کون کون لوگ ہیں ازل ہی میں حکم ہو چکا ہے اور جو نوشتہ تقدیر بن چکا ہے۔

ظاہری طور پر تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے دست مبارک میں واقعی کتابیں تھیں جن کو آپ ﷺ نے صحابہ کو دکھایا تھا۔ لیکن ان کے اندر جو مضمون لکھے ہوتے تھے وہ نہیں دکھائے تھے، لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حقیقت میں کتابیں نہیں تھیں بلکہ آپ ﷺ نے مثال کے طور پر اس انداز سے فرمایا تاکہ یہ مسئلہ صحابہؓ کے ذہن نشین ہو جائے۔

(۱۹) وَعَنْ أَبِي جَزْأَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ رُفِي نَسْتَرْفِيهَا وَذَوَاءُ نَتَذَلُّوهُ بِه وَنَقَاةُ نَتَقِيهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ شَيْئًا قَالَ هِيَ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ)

”اور ابی خزیمہؓ اپنے والدِ مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ عملیات جن کو ہم (شفاء کے لئے) پڑھواتے ہیں اور وہ دوائیں جن کو ہم (حصولِ صحت کے لئے) استعمال کرتے ہیں اور وہ ہر چیزیں جن سے ہم حفاظت حاصل کرتے ہیں (مثلاً اُصحال اور زہ وغیرہ ان کے بارے میں مجھے بتائیے کہ کیا یہ سب چیزیں نوشتہ تقدیر میں کچھ اثر انداز ہو جاتی ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یہ چیزیں بھی نوشتہ تقدیر ہی کے مطابق ہیں۔“ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: جواب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بیماری وغیرہ امرِ مقدر ہیں، اسی طرح ان کا علاج اور ان سے حفاظت کے اسباب بھی نوشتہ تقدیر ہی کے مطابق ہوتے ہیں یعنی جس طرح کسی شخص کے مقدر میں کوئی بیماری لکھ دی گئی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی نوشتہ تقدیر بن چکا ہے کہ یہ بیمار فلاں وقت میں اپنی بیماری کا علاج کرے گا اور یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ اس علاج و معالجہ سے اسے فائدہ ہو گا یا نہیں، اگر فائدہ ہونا لکھا ہے تو فائدہ ہو جائے گا اور فائدہ ہونا نہیں لکھا ہے تو نہیں ہو گا، اس لئے اگر کسی بیمار نے اپنی بیماری کا علاج کیا اور اسے فائدہ نہیں ہوا تو اسے سمجھنا چاہیے کہ تقدیر میں شفا نہیں لکھی تھی لہذا معلوم ہوا کہ بیماری میں علاج کرنا، یا اپنی حفاظت کے لئے خارجی اسباب کا سہارا لینا نوشتہ تقدیر کے خلاف نہیں ہے۔

تعویذ گندے اور جھاڑ پھونک کا مسئلہ یہ ہے کہ تعویذ گناہ ہے اگر قرآن کی آیات اور احادیث کی دعاؤں کے مطابق ہوں یا جھاڑنا، پھونکنا اور دم کرنا اگر اسماء و صفاتِ الہی اور قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ نیز ان کو مؤثر حقیقی سمجھنے کا عقیدہ بھی نہ ہو یعنی یہ یقین نہ رکھتا ہو کہ ان چیزوں سے یقیناً فائدہ ہو گا خواہ مرضی الہی ہو یا نہ ہو بلکہ یہ عقیدہ ہو کہ شفا و صحت کا عطا کرنے والا تو خدا ہے یہ صرف اسباب و تبرک کے درجہ میں ہیں تو ایسی شکل میں یہ چیزیں جائز ہوں گی، اگر اس کے برخلاف ہو کہ جھاڑنا پھونکنا اور تعویذ گندے غیر شرعی ہوں یعنی اس میں غیر اللہ کی مدد لی جاتی ہو تو یہ حرام ہو گا۔

(۲۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدْرِ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْهُهُ حَتَّى كَانَتْمَا فُفْقِي فِي وَجْهِهِ حَبُّ الزُّمَانِ فَقَالَ أَبْهَذَا أَمَرْتُمْ أَمْ بِهَذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ جِئْتُ نِتَازَعُوا فِي هَذَا الْأَمْرِ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَنَازَعُوا فِيهِ زَوَاهُ التَّزْمِذِيُّ وَزَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک دن) ہم تضاوِ قدر کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ تشریف لے آئے (ہمیں اس مسئلہ میں الجھا ہوا دیکھ کر) آپ ﷺ کا چہرہ انور غصہ کی وجہ سے سرخ ہو گا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اتار کے دانے آپ ﷺ کے رخسار مبارک پر نچوڑ دیے گئے ہیں (اسی حالت میں) آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں اس چیز کا حکم دیا گیا ہے اور میں اسی لئے تمہارے پاس (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہوں؟ جان لو اتم سے پہلے کے لوگ اس لئے ہلاکت کی وادی میں پھینک دیئے گئے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں الجھنا اپنا مشغلہ بنا لیا تھا، لہذا میں تمہیں اس بات کی قسم دیتا ہوں (اور پھر دوبارہ قسم دیتا ہوں کہ تم اس مسئلہ پر بحث نہ کیا کرو) (ترمذی) اور ابن

ابی خزیمہؓ تاہی ہیں ان کے والد کا نام عمیر ہے جو صحابی ہیں اور جن سے ابو خزیمہؓ روایت کرتے ہیں ابی خزیمہؓ سے زہریؓ روایت کرتے ہیں۔

ماجہ نے اسی طرح کی روایت عمرو بن شعیب سے نقل کی ہے جو انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔
تشریح: صحابہ آپس میں تقدیر کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے بعض صحابہ تو یہ کہہ رہے تھے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے نوشتہ تقدیر کے مطابق ہیں تو پھر ثواب و عذاب کا ترتیب کیوں ہوتا ہے؟ جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے اور کچھ حضرات یہ کہہ رہے تھے کہ اس میں خدا کی کیا مصلحت و حکمت ہے کہ بعض انسانوں کو توجہت کے لئے پیدا کیا اور بعض انسانوں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے؟ کچھ صحابہؓ نے اس کا جواب دیا کہ یہ اس لئے ہے کہ انسانوں کو کچھ اختیارات بھی اعمال کے کرنے اور نہ کرنے کا دے دیا ہے، کچھ نے کہا یہ اختیار کس نے دیا؟۔

بہر حال اس قسم کی گفتگو ہو رہی تھی اور اپنی عقل و دانش کے بل بوتہ پر خدا کے اس راز و مصلحت کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب ان کو اس بحث مباحثہ میں مشغول پایا تو غصہ و غضب سے چہرہ مقدس سرخ ہو گیا اس لئے صحابہ کو بتلادیا گیا کہ یہ تقدیر کا مسئلہ خدا کا ایک راز و ہید ہے جو کسی پر ظاہر نہیں کیا گیا ہے لہذا اس میں اپنی عقل لڑانا اور غور و تحقیق کرنا ہی کی راہ اختیار کرنا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس لئے دنیا میں نہیں بھیجا گیا ہوں کہ تقدیر کے بارہ میں بتاؤں اور تم اس میں بحث و مباحثہ کرو، میری بعثت کا مقصد صرف یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام تم لوگوں تک پہنچا دوں اور اطاعت فرمانبرداری کی راہ پر تمہیں لگاؤں۔ دین و شریعت کے فرائض و اعمال کے کرنے کا تمہیں حکم دوں، لہذا ایک سچے و مخلص ہونے کے ناطے پر صرف اتنا ہی فرض ہے کہ تم ان احکام و فرائض پر عمل کرو اور جن اعمال کے کرنے کا تمہیں حکم دوں اس کی بجا آوری میں لگے رہو، تم اس تقدیر کے مسئلہ میں مت پڑو پس اتنا ہی اعتقاد تمہارے لئے کافی ہے کہ یہ خدا کا ایک راز ہے جس کی حقیقت و مصلحت وہی جانتا ہے، اس کو اسی کی مرضی پر چھوڑ دو۔

آخر حدیث میں صاحب مشکوٰۃ نے ابن ماجہ کی اسی طرح کی روایت کردہ حدیث کی سند کا ذکر کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث شعیب نے اپنے دادا سے نقل کی ہے جو عبد اللہ بن عمرو بن العاص ہیں اور شعیب سے ان کے صاحبزادے عمرو روایت کرتے ہیں اس طرح ”عہن ابیہ“ کی ضمیر عمرو بن شعیب کی طرف راجع ہوگی اور ”عہن جدہ“ کی ضمیر شعیب کی طرف راجع ہوگی اس لئے کہ عمر اپنے دادا سے روایت نہیں کرتے ہیں کیونکہ ان کے دادا محمد بن عبد اللہ سے وہ روایت منقول نہیں ہے، یہ سلسلہ نسب اس طرح ہے عمر بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ۔

اس کی تشریح اس لئے یہاں ضروری ہے کہ دوسری احادیث میں اس طرح کی عبارات میں ”عہن جدہ“ کی ضمیر عمرو بن شعیب کی طرف راجع ہوتی ہے لیکن یہاں اس کے برخلاف ہے۔

(۲۱) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبْضَهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَدْرِ الْأَرْضِ مِنْهُمْ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذَلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ایک مٹی (مٹی) سے کی جو ہر جگہ کی زمین سے لی گئی تھی لہذا آدم کی اولاد (انہیں) زمین کے موافق پیدا ہوئی چنانچہ (انسانوں میں) بعض سرخ، بعض سفید، بعض کالے، بعض درمیانہ رنگ کے، بعض نرم مزاج، بعض تند مزاج بعض پاک اور بعض ناپاک ہیں۔“

(احمد، ترمذی، ابو داؤد)

تشریح: حضرت آدم کی تخلیق کے وقت ایک فرشتہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ ایک مٹی بھر کے مٹی لے آئیں چنانچہ وہ تمام روئے زمین سے ہر خطہ و ہر جگہ کی تھوڑی تھوڑی مٹی اپنی مٹی میں بھرا لائے اسی سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی اسی لئے آدم

کی اولاد میں مختلف رنگ و نسل اور مختلف طبائع کے انسان پیدا ہوتے ہیں کوئی کالا ہوتا ہے تو کوئی گورا اور کسی کا رنگ گندمی ہوتا ہے اسی طرح کچھ انسان اپنی طبیعت و مزاج کے اعتبار سے نرم خو، خوش اخلاق اور میٹھی زبان کے ہوتے ہیں کچھ لوگوں کی طبیعت سخت و تیز اور غیر معتدل ہوتی ہے، بعض انسان فطرتاً پاک و صاف ہوتے ہیں اور بعض گندگی و نجاست سے لوث رہتے ہیں اور یہ فرق و اختلاف اسی بنیادی مادہ کی وجہ سے ہے جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی تھی۔

(۲۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظِلْمَةٍ فَأَلْقَى عَلَيْهِمْ مِنْ نُورِهِ فَمَنْ أَصَابَهُ مِنْ ذَلِكَ النُّورِ اهْتَدَى وَمَنْ أَخْطَاهُ ضَلَّ فَلِذَلِكَ أَقُولُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلَى عِلْمِ اللَّهِ۔

(رواہ احمد و الترمذی)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق (جن و انس) کو اندھیرے میں پیدا کیا اور پھر ان پر اپنے نور کا پرتو ڈالا، لہذا جس کو اس نور کی روشنی میسر آگئی وہ راہِ راست پر لگ گیا اور جو اس کی مقدس شجاعتوں سے محروم رہا وہ گمراہی میں پڑا رہا، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تقدیر الہی پر قلم خشک ہو چکا ہے (کہ اب تقدیر میں تغیر و تبدل ممکن نہیں)۔“ (احمد، ترمذی)

تشریح: اندھیرے سے مراد نفسِ امارہ کی ظلمت ہے کہ انسان کی جبلت میں خواہشاتِ نفسانی اور غفلت کا مادہ رکھا تھا لہذا جس کا قلب و دماغ ایمان و احسان کی روشنی سے منور ہو گیا اور اس نے طاعتِ الہی سے خدا کی ذات کا عرفان حاصل کر لیا تو وہ نفسِ امارہ کے مکرو فریب اور اس کی ظلمت سے نکل کر خدا پرستی و نیکو کاری کے لالہ زار میں آگیا اور جو اپنے نفس کے مکرو فریب میں پھنس کر طاعتِ الہی کے نور سے محروم رہا وہ گمراہی میں پڑا رہ گیا۔

(۲۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْثُرُ أَنْ يَقُولَ يَا مَعْزِلُ الْقُلُوبِ تَبَّتْ قُلُوبِي عَلَى دِينِكَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ امْتَابِكَ وَبِمَا جُنْتُ بِهِ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا قَالَ نَعَمْ إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أَصْبَعَيْنِ مِنَ اللَّهِ يَقْلِبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اکثر و بیشتر بطور دعا کے یہ فرمایا کرتے تھے۔ اے قلوب کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ! میں نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین و شریعت پر بھی ایمان لائے تو کیا اب بھی ہمارے بارہ میں آپ ﷺ ڈرتے ہیں (کہ کہیں ہم گمراہ نہ ہو جائیں) آپ ﷺ نے فرمایا بے شک قلوب اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں (یعنی اس کے تصرف و اختیار میں ہیں اور وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو گردش میں لاتا رہتا ہے)۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: حضرت انسؓ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ تو بالکل معصوم اور محفوظ ہیں۔ نعوذ باللہ کسی گمراہی کا شائبہ نہ بھی آپ ﷺ کے اندر نہیں آسکتا ظاہر ہے کہ یہ دعا آپ ﷺ ہمارے لئے ہی کرتے ہوں گے کہ کہیں ہم دنیا کی چمک دمک میں پھنس کر اپنے دین و ایمان سے گمراہ نہ ہو جائیں تو کیا ایسی شکل میں جب کہ آپ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں اور ہم آپ ﷺ کی رسالت اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی صداقت کا اعتقاد رکھتے ہیں، نیز ہمارے قلوب ایمان و ایقان کی حقیقی کیفیت سے سرشار ہیں ہمارے گمراہ ہونے کا کیا خدشہ ہو سکتا ہے اس پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے جواب دیا کہ قلوب کے رخ خدا کے ہاتھ میں ہیں اور جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیرتا رہتا ہے، نہ معلوم کس کے قلب کا رخ گمراہی کی طرف کب ہو جائے اس لئے دعا مانگنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ دل کو ہمیشہ سلامتی کی راہ پر لگائے رہے اور گمراہی کی طرف نہ مڑنے دے۔

(۲۳) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْقَلْبِ كَرِيشَةٍ بَارِضٍ فَلَا يَقْلِبُهَا الرِّيحُ ظَهْرًا لِبَظْنٍ - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دل کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی ٹرکی میدان میں پڑا ہو اور ہوائیں اس کی پیٹھ سے پیٹ اور پیٹ سے پیٹھ کی طرف پھرتی رہتی ہیں۔“ (احمد)

تشریح: اسی طرح دلوں کا حال ہے کہ کبھی وہ برائی سے بھلائی کی طرف رخ کر لیتے ہیں اور کبھی بھلائی سے برائی کے راستہ پر جا لگتے ہیں۔
(۲۵) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِأَرْبَعٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ بَعَثَنِي بِالْحَقِّ وَيُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَالتَّبْعِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ - (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ چار چیزوں پر ایمان نہ لائے۔ ① اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ② اور میں بلاشبہ خدا کی جانب سے بھیجا ہوا رسول ہوں اور حق (دین اسلام) لے کر اس دنیا میں آیا ہوں۔ ③ موت اور مرنے کے بعد (میدانِ حشر میں) اٹھنے پر ایمان لانا۔ ④ اور تقدیر پر ایمان لانا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: موت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کو یقینی جانے کہ اس دنیا کی تمام زندگی عارضی اور فانی ہے جو اپنے وقت پر ختم ہو جائے گی۔ اور اس دنیا میں جو کچھ ہے سب ایک دن فنا کے گھاٹ اتر جائے گا اس سے یہ مراد ہے کہ اس بات پر صدق دل سے یقین و اعتقاد رکھا جائے کہ موت کا ایک دن مقرر ہے اور وہ خداوند کے حکم سے آتی ہے کوئی بیماری، حادثہ یا تکلیف موت کا حقیقی سبب نہیں ہے بلکہ یہ چیزیں بادی النظر میں ظاہری اسباب ہوتے ہیں کسی انسان کی زندگی اور موت کلیۃً خدا کے ہاتھ میں ہے جب تک اس کا حکم ہوتا ہے زندگی رہتی ہے اور جب وہ چاہتا ہے موت بھیج کر زندگی ختم کر دیتا ہے۔

(۲۶) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِي لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيبٌ الْمُرْجِيَّةُ وَالْقَدَرِيَّةُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میری امت میں دو فرقے ایسے ہیں جن کو اسلام کا کچھ بھی حصہ نصیب نہیں ہے اور وہ ”مرجیہ و قدریہ“ ہیں، ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: اسلام میں ایک گروہ ”مرجیہ“ کے نام سے مشہور ہے، یہ فرقہ اعمال کے سلسلہ میں اسباب کا قائل نہیں ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ کسی عمل اور فعل کی نسبت بندہ کی جانب ایسی ہی ہے جیسے کسی فعل کی نسبت جمادات کی طرف کر دی جائے یعنی جس طرح ایک لکڑی پتھر، روڑہ ہے کہ اس کو جس طرف پھینک دیجئے یا جادھر کو لڑھکا دیجئے وہ لڑھکتا چلا جائے گا اس کو اپنے پھینکنے جانے اور لڑھکانے جانے میں کوئی دخل و اختیار نہیں ہے، بلکہ وہ پھینکنے والے اور لڑھکانے والے کے قبضہ و قدرت میں ہے، اسی طرح ایک بندہ ہے کہ اس کو اپنے کسی عمل اور فعل میں کوئی دخل اور اختیار نہیں ہے بلکہ وہ محض اور بے اختیار ہے، قدرت اس سے جیسے عمل صادر کرتی ہے وہ کرتا ہے وہ نہ کسی عمل کے از خود کرنے پر قادر ہے اور نہ کسی عمل سے باز رہنا اس کے اختیار میں ہے۔

اس کے مقابل ایک دوسرا فرقہ ”قدریہ“ ہے جو سرے سے تقدیر ہی کا منکر ہے، اس جماعت کا مسلک یہ ہے کہ بندہ کے اعمال میں تقدیر الہی کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ بندہ خود اپنے اعمال کا خالق اور اپنے افعال میں مختار و قادر ہے۔ وہ جو کچھ عمل کرتا ہے اپنی قدرت و اختیار کی بنا پر کرتا ہے۔ یہی مسلک ”معتزلہ اور روافض“ کا بھی ہے۔

یہ دونوں فرقے اسلامی نقطہ نظر سے اپنے اپنے مسلک میں راہ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں اس لئے کہ اگر مرجیہ کے اعتقادات کو

مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جب بندہ سے اختیار و قدرت اور ارادہ و مشیت کی نفی کر کے اسے اینٹ پتھر اور لکڑی اور غیر ذی ارادہ مخلوق کی طرح مان لیا گیا اور بندہ کے ہر فعل میں اختیار و قدرت کلیۃً خدا کا مانا گیا یا صاف لفظوں میں یہ کہا جائے کہ گویا صفات خالق کو سامنے رکھ کر صفات عبد سے انکار کر دیا گیا تو قدرتی طور پر یہ بات مانی پڑے گی کہ بندہ سے سرزد شدہ افعال خود بندہ کے نہیں کہلائے جائیں گے بلکہ ان کو خدا کے افعال کہا جائے گا خواہ وہ فعل کسی قسم کا ہو اور کسی بھی عضو سے صادر ہو اہلہذا جب بندہ دیکھے گا تو کہا جائے گا کہ وہ نہیں دیکھ رہا ہے بلکہ خدا دیکھ رہا ہے جب بندہ کھائے گا تو مانا پڑے گا کہ وہ نہیں کھا رہا ہے، بندہ جب سنے گا تو تسلیم کرنا ہو گا کہ وہ نہیں سن رہا ہے بلکہ خدا سن رہا ہے، بندہ جب سونے گا تو یہی کہا جائے گا کہ وہ نہیں سو رہا ہے بلکہ خدا سو رہا ہے تو گویا بندہ سے کوئی فعل بھی جب سرزد ہو گا تو یہی کہنا ہو گا کہ وہ اس بندہ سے نہیں بلکہ درحقیقت خدا سے سرزد ہو رہا ہے۔ اور چونکہ یہ سب وجود کے آثار ہیں جن سے غافل کے موجود ہونے کا پتہ چلتا ہے تو خلاصہ یہ نکلے گا کہ بندہ اگرچہ موجود ہے لیکن حقیقت میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے، بلکہ وہ خالق اور افعال کے درمیان ایک ایسا ذریعہ ہے جو ان افعال کے اظہار کے لئے واسطہ بن رہا ہے بلکہ موجود تو صرف خدا کی ذات ہے ورنہ تمام کا تمام کالعدم ہے۔

لہذا یہ ساری حجت وحدۃ الوجود اور کثرت موجودات کی نفی پر آکر ختم ہو جائے گی جس کو بعض جاہل صوفیاء کی اصطلاح میں ”ہمہ اوست“ کہتے ہیں جس کا حاصل کثرت موجودات اور اعیان ثابت کا بر ملا انکار اور ساری کثرتوں کو ایک فرضی اور وقتی کارخانہ تصور کر لینا نکل آتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ گویا اس کائنات میں ہر چیز موجود ہو کر بھی کالعدم اور معدوم نہ ہے، موجود صرف ذات واحد ہی ہے اور کوئی نہیں اس کا نتیجہ اصطلاحی الفاظ میں یہ ہے کہ دائرہ وجود میں وجود کی صرف ایک ہی نوع رہ جائے جسے واجب الوجود کہتے ہیں اور ممکن الوجود کا کوئی نشان و پتہ ہی نہ رہے بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے معدوم محض ہو کر رہ جائے۔

اب ظاہر ہے کہ ایجاد خداوندی یا فیضان وجود جسے تخلیق کہتے ہیں ممکن ہی ہو سکتا ہے اس لئے کہ اسی میں قبول وجود کی صلاحیت ہے لیکن چونکہ وہ معنی معدوم محض ہو گیا ہے جس پر آثار وجود اور آثار زندگی ظاہر نہیں ہو سکتے، تو اب ایجاد کس پر واقع ہو اور تخلیق کس چیز کی عمل میں آئے؟ نیز ایجاد کے بعد ابقاء خداوندی یعنی تدبیر و تصرف اور ربوبیت وغیرہ ایسی وہ تمام صفات حق جن کا تعلق مخلوق سے تھا کس پر واقع ہوں گی؟ اور کہاں اپنی تجلیات دکھائیں گی؟ جب کہ ذات خداوندی کے سوا کسی غیر کا پتہ نہیں کہ وہ ان صفات کا مورد و مظہر بن سکے، لہذا اس شکل میں ماننا پڑے گا کہ ایجاد و ابقاء کی تمام صفات معاذ اللہ معطل و بیکار ثابت ہو گئیں ہیں اور تعطل اگر عدم نہیں تو کالعدم ضرور ہے، یا بالفاظ دیگر افعال باری کالعدم ہے جو انتہائی نقص ہے۔

اور جب کہ یہ تمام فعلی کمالات صفات وجود کے آثار تھے جو ذات حق سے منتفی ہو گئے تو بلاشبہ وجود خداوندی ان کی نفی سے ناقص ٹھہرا اور خدا کی بے عیب ذات کتنے ہی کمالات مثلاً ظہور صفات اور افعال سے کوری رہ گئی جن پر معبودیت کا کارخانہ قائم تھا اور ظاہر ہے کہ نقص صفات اور نقص افعال کے ساتھ خدائی جمع نہیں ہو سکتی، تو ایسی ناقص ذات کو خدا نہیں کہہ سکتے، نتیجہ یہ نکلا کہ نہ خالق رہا اور نہ مخلوق رہی۔

غور کیجئے کہ مرجیہ کے نظریات نے بندہ کو مجبور محض اور بے اختیار تصور کیا اور اس کے تمام افعال و اعمال کی ذمہ داری تقدیر الہی کے سر ڈال دی، نتیجہ یہ نکلا کہ اگر انہوں نے بندہ کے اختیار و قدرت کا انکار کیا تھا تو انجام کار خدا کی صفات افعال ایجاد، تربیت اور قیومیت و تدبیر وغیرہ سے ہاتھ دھونا پڑا۔

اب ذرا ”قدریہ“ کے مسلک کی نتیجہ بھی کر لیجئے اس جماعت نے مرجیہ کا رد عمل کرتے ہوئے اس سلسلہ میں محض صفات عبد کو سامنے رکھا، اور صفات معبود سے صرف نظر کر لیا، یعنی بندہ کے اختیار و قدرت، ارادہ و مشیت اور فعل و عمل کو اس درجہ میں مستقل اور آزاد بتلایا کہ اس میں خدا کے ارادہ و قدرت اور اختیار و فعل کو دخل ہی نہیں حتیٰ کہ بعض غالی قدریہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ خدا کو بندہ

کے افعال کا علم بھی اس وقت ہوتا ہے جب بندہ اسے کر لیتا ہے، گویا بندہ کے استعمال اختیار کی حد تک نہ خدا میں ارادہ ہے، نہ قدرت کو اختیار ہے نہ مشیت، حتیٰ کہ نہ سابق علم نہ خبر۔

لہذا مرجحہ نے تو تقدیر سے مثلاً صفات خالق ارادہ، علم، قدرت، اختیار وغیرہ کو خدا سے وابستہ کر کے بندے کو ان سے کوراماں لیا اور قدرے ان سے صفات کو بندہ سے مستقلاً وابستہ کر کے خدا کو ان سے خالی مان لیا۔

غور کیجئے! اس کا بھی نتیجہ وہی (نعوذ باللہ) عدم محض، تعطل خالص، اور خدائی ذات میں زبردست نقصان اور اس کی صفات میں کوتاہی نکلا۔ اس لئے کہ اتنی بات تو ظاہر ہے کہ بندہ منٹ بھر میں سینکڑوں اچھے برے افعال اور حرکات و سکنات مختلف اندازوں سے کر گزرتا ہے جس کے عمر بھر کے افعال و حرکات کی گنتی ناممکن ہے، پھر انسانی تصرفات کی حدود اسی عالم تک نہیں ہیں، اس لئے کہ بعض ایسے متعدی افعال بھی ہیں جن میں انسان دوسری اشیاء کا نفع کو مفعول بناتا ہے ظاہر ہے ان اشیاء عالم میں جو اس کے تسخیر و تصرف میں آتی ہیں، زمین سے لے کر آسمان تک ساری ہی مخلوقات داخل ہیں۔

لہذا سارے انسانوں کے یہ تمام افعال جو سارے ہی عالموں میں پھیلے ہوئے ہیں اور بقول قدریہ یہ انسانوں کی ایسی مخلوقات ہیں جن کی ایجاد و تخلیق میں خدا کا قفل تو کیا ہوتا ان پر اس کا نہ زور چل سکتا ہے اور نہ ہی اسے ان کی پیدائش سے پہلے ان کا علم ہی ہوتا ہے گویا انسان جو خود اپنی تخلیق میں بے بس ہے اسے تو ان کی تخلیق کا ارادہ کرتے وقت علم ہو جاتا ہے کہ اسے کیا اور کب پیدا کرنا ہے، مگر نعوذ باللہ خدا انتخابے خبر اور لا علم کہ اسے یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ کون سی چیز کب پیدا ہوئی اور کون سا فعل کب صادر ہوا۔

اس صورت میں یقیناً انسان کی تخلیق کا شمار خدا کی مخلوقات کے شمار سے بڑھ جائے گا، اس لئے کہ خدا تو انسان کا خالق ہے اور انسان تمام افعال و اشیاء کا خالق ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کی نسبت سے ان کا افعال بلاشبہ کروڑوں گنا زیادہ ہیں، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ انسانی مخلوقات خدا کی مخلوقات سے زیادہ نہ ہو جائے اور پھر مخلوقات بھی ایسی کہ خدائی سرحد سے بالکل خارج جس پر اس کا کوئی بس نہ ہو بلکہ علم قدیم بھی نہ ہو پس اس معاملہ میں کہنا پڑے گا کہ خدا تو بے بس ہو گیا اور انسان مختار کل ہو گیا، بندہ تو خدائی حدود میں آگیا اور خدا بندوں کی صف میں جا بیٹھا، یعنی بندہ کا زور تو خدا کی خدائی پر چل گیا کہ اس نے افعال و اشیاء کی تخلیقات کر ڈالیں اور خدا کا بس اپنی خدائی پر بھی نہ رہا کہ اسے ان مخلوقات کے وجود میں آنے کا علم بھی نہ ہو سکا اور اس مقام پر آکر اس کا ارادہ، قدرت، مشیت اور اختیار وغیرہ سب بے کار اور معطل ہو کر رہ گئے۔ (ماخوذ از مسند تقدیر مصنف حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ)

یہ ہے ان دونوں فرقوں کے مسلک کی حقیقت اور اس کا انجام ظاہر ہے کہ یہ دونوں نظریے اپنی اپنی جگہ اسلامی نقطہ نظر سے نہ صرف یہ کہ حد اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں بلکہ گمراہی کی طرف بڑھے ہوئے بھی ہیں جس کا نتیجہ عذاب خداوندی اور خسران آخرت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

ان دونوں کے مقابلے میں اہل سنت و الجماعت کا مسلک بالکل صاف اور صحیح ہے علماء حق کہتے ہیں کہ تمام افعال و اعمال کا خالق خداوند قدوس ہے اور کا سب بندہ ہے یعنی دنیا میں جتنی چیزیں وقوع پذیر ہوتی ہیں یا ہونے والی ہیں وہ سب خدا کے حکم اور اس کے ارادہ و علم سے ہوتی ہیں، اسی طرح بندوں سے جو کچھ افعال سرزو ہوتے ہیں خواہ وہ افعال نیک ہوں یا افعال بد سب نوشتہ تقدیر کے مطابق بروقت وقوع پذیر ہوتے ہیں لیکن بندہ کو عقل و وائش، فہم و فراست اور نیک و بد میں امتیاز پیدا کرنے کی صلاحیت عطا فرما کر اس کے سامنے دونوں راستے واضح کر دیے ہیں اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ اگر نیکی و بھلائی کے راستے کو اختیار کرو گے تو سعادت و نیک بختی سے نوازے جاؤ گے اور اگر کوئی برائی و بدی کے راستے کو اختیار کرو گے تو عذاب خداوندی میں گرفتار کئے جاؤ گے لہذا بندہ اسباب کسب کے اعتبار سے اپنے ہر عمل و فعل میں مختار ہے۔

گویا اہل سنت و الجماعت بندہ کو بیک وقت مختار بھی کہتے ہیں اور مجبور بھی مگر اس درمیانی انداز سے کہ اسے نہ مختار مطلق جانتے ہیں نہ

مجبور محض یعنی ایک طرف سے اسے مختار مان کر زنجیر تقدیر سے پابستہ بھی کہتے ہیں اور دوسری طرف اسے مجبور کہہ کر اینٹ و پتھر کی طرح بے حس بھی تسلیم نہیں کرتے۔

بہر حال اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فرقے یعنی مرجیہ اور قدریہ کافر ہیں لیکن حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحقیق کے مطابق علماء کا قول مختاریہ ہے کہ یہ دونوں فرقے کافر نہیں ہیں البتہ فاسق ہیں کیوں کہ یہ فرقے بھی قرآن و حدیث ہی سے تمسک کرتے ہیں اور اپنے نظریات میں تاویل و توجیع کر کے کفر کے دائرہ سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔ لہذا اس حدیث کے بارہ میں کہا جائے گا کہ اس سے ان فرقوں کی زجر و ملامت مقصود ہے اور ان کے غلط عقائد کی گمراہی کو واضح کرنا ہے جس میں اس شدت و سختی کے ساتھ ان کے مذہب کا رد کیا جا رہا ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث کی صحت میں بھی کلام کیا ہے۔

حضرت شاہ اسحاق کی تحقیق اس کے برخلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ علماء محققین ان فرقوں پر کفر کا حکم لگاتے ہیں اور ان کو خارج الاسلام مانتے ہیں لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ان کا کفر آیا تاویلی ہے یا ارتدادی۔

(۷۷) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَكُونُ فِي أُمَّتِي خَسْفٌ وَمَسْحٌ وَذَلِكُ فِي الْمُكَذِّبِينَ بِالْقَدْرِ - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ -

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ میری امت میں (خدا کے دردناک عذاب) زمین میں دھنس جانا اور صورتوں کا مسخ ہو جانا بھی ہوگا اور یہ عذاب ان لوگوں پر ہوگا جو تقدیر کے منکر ہیں (ابوداؤد) امام ترمذی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔“

تشریح: زمین میں دھنس جانا اور صورتوں کا مسخ ہو جانا خدا تعالیٰ کی جانب سے بہت سخت عذاب ہیں جو اس امت سے پہلے دوسری امتوں پر ان کی سرکشی اور حد سے زیادہ نافرمانی کی بنا پر ہو چکے ہیں، اس امت میں بھی آخر زمانہ میں خدا سے تمرد و سرکشی اور بغاوت و نافرمانی حد سے زیادہ بڑھ جائے گی تو ان فرقوں پر یہ عذاب ہو سکتا ہے۔

لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسخ و خسف جیسے دردناک عذاب میری امت پر ہوئے تو ان دونوں فرقوں پر ہوں گے۔

(۷۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَدَرِيَّةُ مَجْنُونٌ هَذِهِ الْأُمَّةُ إِنْ مَرَّ ضَوْأٌ فَلَا تَعُوذُوا لَهُمْ وَإِنْ مَاتُوا فَلَا تَسْهَدُوا لَهُمْ - (رواه احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، فرقہ قدریہ اس امت کے مجوس ہیں لہذا اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت کے لئے نہ جاؤ اور اگر وہ مرجائیں تو ان کے جنازہ میں شریک مت ہونا۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے قدریہ کی صریح گمراہی اور ان کی ضلالت واضح ہے کہ ان کو اس امت کا مجوس قرار دیا گیا مجوس ایک آتش پرست قوم ہے جو خود خدا مانتی ہے ایک وہ خدا جو نیکی و بھلائی کا پیداکرنے والا ہے، اس کو زیرواں کہتے ہیں۔ دوسرا وہ خدا جو برائی و بدی کا پیداکرنے والا ہے، اس کو اہرن یعنی شیطان کہتے ہیں۔

لہذا جس طرح مجوسی تعدد الہ کے قائل ہیں اسی طرح قدریہ بھی بے انتہا خالقوں کے قائل ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک ہر بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اسی طرح جتنے بندے ہوں گے اتنے بھی خالق ہی ہوں گے، نیز جس طرح قدریہ خالق خیر الگ اور خالق شر الگ مانتے ہیں اسی طرح قدریہ بھی کہتے ہیں کہ خیر و بھلائی کا پیداکرنے والا تو خدا ہے اور شر و برائی کا پیداکرنے والا شیطان اور انسانی نفس ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اس فرقہ سے کلیۃً اجتناب کرنا ضروری ہے اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت کے لئے

نہیں جانا چاہیے اگر وہ مرجائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہونا چاہیے گویا غمی خوشی کسی موقع پر بھی ان کے ساتھ نہ رہنا چاہیے اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کا معاشرتی میل جول رکھنا جائز ہے۔

چنانچہ وہ حضرات جو اس جماعت کو کافروں کے زمرہ میں داخل کرتے ہیں اس حدیث کو اپنے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہیں یعنی مسلمانوں کو ان کے ساتھ میل جول رکھنے سے منع کرتے ہیں۔

اور جو حضرات ان کو کافر نہیں بلکہ فاسق کہتے ہیں وہ اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس حدیث کا مقصد اس جماعت کی گمراہی و ضلالت کو بیان کرنا اور ان کی زجر و ملامت میں شدت کا اظہار کرنا ہے۔

لیکن حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ فرماتے ہیں کہ محققین کا قول یہی ہے کہ نہ تو ان کی عیادت میں جائے اور نہ ان کے جنازہ میں شریک ہو اور جہاں تک ہو سکے ان سے قطع تعلق رکھے۔

(۲۹) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجَالِسُوا أَهْلَ الْقَدْرِ وَلَا تُفَاتِحُواهُمْ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قدریہ کی ہم نشینی اختیار نہ کرو اور نہ ان کو اپنا حکم (ثالث) بناؤ۔“

(ابو داؤد)

تشریح: قدریہ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، ان سے مجالست کرنا اور ان کی ہم نشینی اختیار کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ان کی مجلسوں میں شریک ہونے سے یہ ظاہر ہو گا کہ ان سے محبت و موانست ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے مناسب نہیں ہے کہ کسی گمراہ جماعت سے تعلق قائم کریں اور ان سے انس و محبت بکریا کریں۔

اس لئے کہ جب ان کے ساتھ رہنا سہنا ہو گا اور ان کی ہم نشینی اختیار کی جائے گی تو ان کے غلط نظریات اور گمراہ اعتقادات کا اثر ان پاس بیٹھنے والوں پر بھی ہو گا اور ان کی گمراہی اہل مجلس کے اعتقاد و اعمال پر بھی اثر انداز ہوگی۔ اور ہو سکتا ہے کوئی شیطانی مکر و فریب میں آکر ان کے اعتقادات کو تسلیم کرے، اس لئے بنیادی طور پر ان کی مجالست و موانست سے بھی منع فرمادیا گیا ہے۔

اسی طرح حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے کسی تنازعہ میں اہل قدر کو حاکم نہ بنائیں اور نہ ان کو اپنا ثالث مقرر کریں لا تقاضوہم کے معنی بعض حضرات یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو نہ پہلے سلام کرو اور نہ از خود ان سے بات چیت شروع کرو۔ واللہ اعلم۔

(۳۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةٌ لَعْنَتْهُمْ وَلَعْنَهُمُ اللَّهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ يُجَابُ الزَّائِدُ فِي

كِتَابِ اللَّهِ وَالْمُكَذِّبُ بِقَدْرِ اللَّهِ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوتِ لِيَعْرِضَ مَنْ أَذَلَّهُ اللَّهُ وَيَذُلَّ مَنْ أَعَزَّهُ اللَّهُ وَالْمُسْتَحِلُّ لِحُزْمِ اللَّهِ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عَثْرَتِي مَا حَزَمَ اللَّهُ وَالتَّارِكُ لِبِسْتِي رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَدْخَلِ وَرِزْنٌ فِي كِتَابِهِ۔ (بیہقی، رزین)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ چھ شخص ایسے ہیں جن پر میں لعنت بھیجتا ہوں اور خدا نے بھی ان کو ملعون قرار دیا ہے اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے۔ (پہلا) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا (دوسرا) تقدیر الہی کو جھٹلانے والا۔ (تیسرا) وہ شخص جو زبردستی غلبہ پانے کی بنا پر ایسے شخص کو معزز بنائے جس کو اللہ نے ذلیل کر رکھا ہو اور اس شخص کو ذلیل کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت و عظمت کی دولت سے نواز رکھا ہو۔ (چوتھا) وہ شخص جو (حدود اللہ سے تجاوز کر کے) اس چیز کو حلال جانے جسے اللہ نے حرام کیا ہو۔ (پانچواں) وہ جو میری اولاد سے وہ چیز (قتل) حلال جانے جو اللہ نے حرام کی ہے۔ اور (چھٹا) وہ شخص جو میری سنت کو چھوڑ دے۔“

(بیہقی، رزین)

تشریح: حدیث میں جن اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے وہ اپنے ان غلط عقائد اور گمراہ کن اعمال کی بنا پر شریعت کی نظر میں اتنے مجرم ہیں کہ سرکارِ دو

عالم ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی ہے اور نہ صرف یہ کہ دربار رسالت سے ان پر پھٹکار برسائی گئی ہے بلکہ وہ بارگاہ الوہیت سے بھی زائدہ درگاہ کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ کسی شخص نے آپ ﷺ سے سوال کیا ہوگا کہ آپ ﷺ ان لوگوں پر لعنت کیوں بھیجتے ہیں؟ تو اس پر آپ ﷺ نے یہ جواب دیا کہ چونکہ خداوند قدوس نے ان کو اپنے اعمال کی بنا پر ملعون قرار دیا ہے اس لئے یہ اسی کے مستحق ہیں کہ رسول بھی ان کو ملعون قرار دے اور ظاہر ہے نبی کے سان مقدس سے نکلی ہوئی ہر دعا اور ہر بددعا باب قبولیت تک پہنچ کر رہتی ہے اس لئے جس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم لعنت بھیجیں اس کی دنیا بھی برباد ہوگی اور دین بھی تباہ ہو جائے گا اسی طرف کل نبی بجا کہہ کر اشارہ فرمایا گیا ہے۔

ویسے تو اس حدیث میں جس ترکیب کے اعتبار سے یہ جملہ معترضہ واقع ہو رہا ہے اور اس کے مقصد لعنت میں شدت ہے۔ پہلا شخص جسے ملعون قرار دیا جا رہا ہے وہ قرآن میں زیادتی کرنے والا ہے، خواہ وہ قرآن میں الفاظ کی زیادتی کرے یا قرآن کی آیتوں کے ایسے معنی بیان کرے جو کتاب اللہ کے مفہوم کے خلاف اور منشاء الہی کے برعکس ہوں۔

تیسرا شخص وہ ہے جو زبردستی غلبہ حاصل کرے اور اپنی ظاہری شان و شوکت کے بل بوتہ پر ان لوگوں کو معزز کرے جو خدا کی نظروں میں ذلیل ہیں اور ان لوگوں کو ذلیل کرے جو خدا کے یہاں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں اور اس تیسرے شخص سے مراد ایسے بادشاہ اور ظالم حاکم ہیں جو اپنے اغراض و مقاصد کی بنا پر حکومت و دولت کے نشہ میں خدا کے ان صالح و نیک بندوں اور مسلمانوں کو ذلیل خوار کرتے ہیں جو خدا کے نزدیک بڑی عزت و عظمت کے مالک ہوتے ہیں اور ایسے کافروں، جاہلوں اور بدکار لوگوں کو عزیز رکھتے ہیں جو خدا کی نظر میں سخت ذلیل ہوتے ہیں۔

چوتھا شخص وہ ہے جو خدا کی قائم کی ہوئی حدود سے تجاوز کرتا ہے یعنی ان چیزوں کو حلال سمجھتا ہے جو خدا کی جانب سے حرام کر دی گئی ہیں مثلاً بیت اللہ مکہ میں جن باتوں کو خدا نے ممنوع قرار دیا ہے جیسے کسی جانور کا شکار کرنا، درخت وغیرہ کاٹنا، یا بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا، ان کو وہ حلال سمجھتا ہو، ایسے ہی سرکار دو عالم ﷺ کی اولاد کے بارہ میں جن چیزوں کو خدا نے حرام کیا ہے ان کو ہلال کرتا ہو یعنی آنحضرت کی اولاد کی عزت و تعظیم کرنا ضروری ہے لیکن کوئی شخص نہ کرنے کو جائز سمجھے یا ان کو تکلیف پہنچانا حرام قرار دیا گیا ہے ان کو تکلیف پہنچانا حلال جانے تو اس پر بھی لعنت فرمائی گئی۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص میری اولاد میں سے ہونے کے باوجود ان افعال کو حلال جان کر کرتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس طرح اس کا مقصد سیدوں کو تنبیہ کرنا ہے کہ یہ لوگ سرکار دو عالم ﷺ کی اولاد میں ہونے کے ناطے گناہ و معصیت سے بچتے رہیں، اس لئے کہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں اس قوم کو گناہ و معصیت زیادہ برائی و تباہی کا باعث ہیں کیونکہ ان کا نبی تعلق براہ راست آنحضرت ﷺ سے ہے۔

اسی طرح پانچواں ملعون وہ شخص قرار دیا گیا ہے جو ان چیزوں کو حرام سمجھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو۔

چھٹا ملعون اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جو سنت نبوی کو ترک کرتا ہو۔

اس کا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص سستی اور کسل کی بنا پر سنت کو ترک کرتا ہو وہ گناہ گار ہے اور جو شخص سنت کو نعوذ باللہ ناقابل اعتناء سمجھ کر چھوڑتا ہو تو وہ کافر ہے لیکن اس لعنت میں دونوں شریک ہیں۔ مگر یہ کہا جائے گا کہ جو شخص ازراہ کسل و سستی سنت چھوڑتا ہے اس پر لعنت کرنا زبردستی کے لئے ہے اور جو شخص ناقابل اعتناء سمجھ کر سنت کو ترک کرتا ہے اس پر حقیقۃً لعنت ہوگی ہاں اگر کوئی شخص کسی وجہ سے کسی وقت سنت کو ترک کر دے تو اس پر گناہ نہیں ہوگا لیکن یہ بھی مناسب نہیں ہے۔

حضرت شاہ محمد اسحق دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ وعید سنت مؤکدہ کے ترک کرنے پر ہے۔

(۳۱) وَعَنْ مَطَرِ بْنِ عِكَاظٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَضَى اللَّهُ لِعَبْدٍ أَنْ يَمُوتَ بَارِضٍ جَعَلَ لَهُ

إِلَيْهَا حَاجَةٌ - (رواہ احمد و الترمذی)

”اور حضرت مطہر بن عکاسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی موت کو کسی زمین میں مقدر کر دیتا ہے تو اس زمین کی طرف اس کی حاجت کو بھی پورا کر دیتا ہے تاکہ وہاں جانے پر مجبور ہو اور وہاں جا کر موت کا شکار ہو۔“ (احمد، ترمذی)

(۳۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ذَرَأِي الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَ مِنْ آبَائِهِمْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بِلَا عَمَلٍ قَالَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ قُلْتُ فَذَرَأِي الْمُشْرِكِينَ؟ قَالَ مِنْ آبَائِهِمْ قُلْتُ بِلَا عَمَلٍ قَالَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ -

(رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ (جنت و دوزخ کے سلسلہ میں) مسلمان بچوں کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں یعنی وہ اپنے باپوں کے ساتھ جنت میں ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ بغیر کسی عمل کے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ بچے جو کچھ کرنے والے تھے، میں نے پھر پوچھا اچھا مشرکوں کی اولاد کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ بھی اپنے باپوں کے تابع ہیں۔ میں نے (تعجب سے) پوچھا، بغیر کسی عمل کے؟ آپ نے فرمایا خدا ہی بہتر جانتا ہے وہ بچے جو کچھ کرنے والے تھے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نشاء ان مؤمنین اور مشرک بچوں کے بارے میں معلوم کرنا تھا جو حالت کسبی میں اس دنیا سے کوچ کر گئے تھے اور جن سے کوئی عمل خیر یا عمل بد صادر نہیں ہوا تھا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے جواب کے بعد حضرت عائشہؓ کو تعجب ہوا کہ مسلمان بچے بغیر کسی عمل کے بہشت میں کس طرح داخل ہو جائیں گے تو اس پر آنحضرت ﷺ نے واللہ اعلم بما کانوا عَامِلِينَ (یعنی خدا خوب جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے) کہہ کر فضا و قدر کی طرف اشارہ فرمادیا کہ وہ جو کچھ عمل کرنے والے تھے وہ نوشہ تقدیر میں محفوظ ہو چکا ہے، گو اس وقت بالفعل ان سے عمل سرزد نہیں ہوئے ہیں لیکن جو کچھ عمل وہ زندگی کی حالت میں کرتے وہ خدا کے علم میں ہوں گے اس لئے ان کے جنتی ہونے پر تعجب نہ کرو۔

مشرک بچوں کے بارے میں علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں سرکارِ دو عالم ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے باپوں کے تابع ہیں، آخرت کا معاملہ خدا کے سپرد ہے اور وہی جانتا ہے کہ وہاں ان کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوگا اس لئے ان کے بارے میں کوئی حکم یقین کے ساتھ نہیں لگایا جاسکتا۔

(۳۳) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْوَانِدَةُ وَالْمَوْدَةُ وَذَةُ النَّارِ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ زندہ بچہ کو گاڑنے والی (عورت) اور وہ جس کو گاڑا گیا دونوں دوزخ میں ہیں۔“ (ابو داؤد)

تشریح: زمانہ جاہلیت میں زندہ بچوں کو دفن کر دینے کا دردناک طریقہ جاری تھا، خصوصاً لڑکی کو تو پیدا ہوتے ہی منوں مٹی کے نیچے اندوہ ناک طریقہ پر بدایا جاتا تھا جب اسلام کی مقدس روشنی نے ظلم و جہل کی تمام تاریکیوں کو دور کیا تو یہ غیر انسانی طریقہ بھی ختم کر دیا گیا، اس کے بارے میں یہ حدیث دعیہ ہے اور زندہ بچوں کو دفن کر دینے والوں کو دوزخی قرار دے رہی ہے۔

”گاڑنے والی“ سے مراد وہ عورت ہے جس نے بچہ کو زمین میں دفن کیا مثلاً دائی یا نوکرائی وغیرہ اور مودہ، جس کو گاڑا گیا، سے مراد وہ عورت ہے جس نے اسے جنا ہے یعنی اس بچہ کی ماں جس کے حکم سے اس کو زمین میں دفن کیا گیا ہو۔

یا اس سے مراد وہی بچی ہے جس کو گاڑ دیا گیا ہے کہ جس طرح اس کے والدین دوزخی ہیں اسی طرح جب وہ بھی کسبی کی حالت میں اس

لہ مطہر بن عکاس السی کا شمار کو فیوں میں ہوتا ہے ان سے صرف یہی ایک حدیث منقول ہے، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔

دنیا سے ختم کر دی گئی تو اپنے باپ کی طرح دوزخی ہوئی جیسا کہ اس سے پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت کسنی میں جو بچہ اس دنیا سے چلا جاتا ہے وہ اپنے باپ کے تابع ہوتا ہے۔

الفصل الثالث

(۳۲) عَنْ أَبِي الدُّدِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فَرَعَ إِلَى كُلِّ عَبْدٍ مِنْ خَلْقِهِ مِنْ خَمْسٍ مِنْ أَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَمَضْجَعِهِ وَآثَرِهِ وَرِزْقِهِ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو درداءؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہر ایک بندے سے متعلق پانچ باتوں سے (تقدیر لکھ کر) فارغ ہو گیا۔ ① اس کی موت (کہ کب آئے گی)۔ ② اس کے (نیک و بد) اعمال۔ ③ اس کے رہنے کی جگہ۔ ④ اس کی واپسی کی جگہ۔ ⑤ اور اس کا رزق۔“ (احمد)

تشریح: ہر انسان کی پیدائش سے بھی بہت پہلے ازل ہی میں اس کے مقدر میں پانچ چیزیں لکھ دی گئی ہیں جن میں اب نہ کی بیشی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی تغیر و تبدل ممکن ہے چنانچہ ہر انسان کی تقدیر میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ اس کی عمر کتنی ہے اور موت کب آئے گی اب جو وقت اور جو لمحہ موت کا لکھ دیا ہے اس میں ایک سینکڑ اور ایک پل بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی، اسی طرح انسان کے نیک و بد اعمال بھی اس کی پیدائش سے پہلے ہی نوشتہ تقدیر ہو چکے ہوتے ہیں، کہ اس سے اعمال کیسے صادر ہوں ہوں گے، جتنے نیک اعمال لکھ دیئے گئے ہیں وہ یقیناً صادر ہوں گے اور جتنے بد اعمال لکھ دیئے گئے ہیں وہ بھی اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوں گے۔

ہر انسان کے قیام کی جگہ اور اس کے حرکات و سکنات کا مقام بھی پہلے سے متعین ہو چکا ہوتا ہے کہ کس زمین اور کس خطہ میں اس کا وجود و قیام ہو گا اور کس روئے زمین پر اس کی زندگی کے اعمال و افعال صادر ہوں گے، انسان کا رزق بھی اس کی نوشتہ تقدیر کے مطابق ہی حصہ میں آتا ہے جس کے مقدر میں جتنا اور جس قسم کا رزق لکھ دیا گیا ہے وہ ضرور اس تک پہنچے گا اگر تھوڑا ہی رزق لکھا ہے تو کم ہی ملے گا اور زیادہ لکھ دیا گیا ہے تو زیادہ ملے گا اسی طرح اگر کسی کے مقدر میں حلال رزق لکھا گیا ہے تو وہ حلال رزق ہی کھائے گا اور اگر حرام رزق لکھ دیا گیا ہے تو وہ حرام رزق کھائے گا۔ یا رزق سے مراد یہ ہے کہ بندہ کو اس کی زندگی میں جو کچھ منافع و آسائیاں اور راحت و آرام سے پہنچنے والے ہیں سب اس کی تقدیر میں پہلے ہی لکھ دیئے گئے ہیں۔

(۳۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ تَكَلَّمَ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقَدْرِ يُسْئَلُ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيهِ لَمْ يُسْئَلْ عَنْهُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو شخص تقدیر کے مسئلہ میں بحث و مباحثہ کرے گا قیامت میں اس سے باز پرس ہوگی اور جو شخص اس پر ایمان لا کر خاموشی اختیار کرے گا وہ اس مواخذہ سے بچ جائے گا۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کا مقصد تقدیر کے مسئلہ میں غورو فکر اور تحقیق و تجسس سے منع کرنا ہے کہ خدا کے اس راز میں جو بندوں پر ظاہر نہ کرنا ہی مصلحتِ خداوندی ہے زیادہ بحث و مباحثہ کرنا اپنی عقل کی پیروی کرنا آخرت کے لئے کوئی کارآمد نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا غورو فکر یا تحقیق و تجسس خسرانِ آخرت اور قیامت میں باز پرس کا باعث ہے اس لئے فلاح و سعادت اسی میں ہے کہ تقدیر پر ایمان لایا جائے اور خاموشی اختیار کر کے عمل میں مصروف رہے۔

۱۔ آپ کا نام عویسر ہے لیکن اس میں بہت اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے اصل نام عامر ابن مالک ہے اور عویسر لقب ہے لیکن یہ اپنی کنیت ابو داؤد سے مشہور ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے دو سال قبل دمشق میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔

(۳۶) وَعَنْ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ أَتَيْتُ أَبِيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ لَهُ قَدْ وَقَعَ فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِّنَ الْقَدَرِ فَحَدَّثْنِي لَعَلَّ اللَّهَ أَن يَذْهَبَهُ مِنْ قَلْبِي فَقَالَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ عَذَّبَ أَهْلَ سَمَوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ عَذَابَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرَ لَهُمْ مِنْ أَعْمَالِهِمْ وَلَوْ أَنْفَقْتُ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا قَبِلَهُ اللَّهُ مِنْكَ حَتَّى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ وَتَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَأَنَّ مَا خَطَاكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ وَلَوْ مِتُّ عَلَى غَيْرِ هَذَا لَدَخَلْتُ النَّارَ قَالَ ثُمَّ أَتَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ فَقَالَ مِثْلَ ذَلِكَ قَالَ ثُمَّ أَتَيْتُ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ فَقَالَ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ أَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِي عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذَلِكَ - (رواه احمد والبوداؤد وابن ماجه)

”اور حضرت ابن دہلمی رحمہ اللہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعب (صحابی) کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے دل میں تقدیر کے بارے میں کچھ شبہات پیدا ہو رہے ہیں (کہ جب تمام چیزیں نوشتہ تقدیر کے مطابق ہیں تو پھر یہ ثواب یا عذاب کیسا؟) اس لئے آپ کوئی حدیث بیان کیجئے تاکہ (اس کی وجہ سے) شاید اللہ تعالیٰ میرے دل کو اس شبہ (کی گندگی) سے پاک کر دے۔ (یہ سن کر) انہوں نے فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب میں مبتلا کرے تو وہ ان پر کسی طرح کا ظلم کرنے والا نہیں ہے (یعنی وہ اہل زمین اور اہل آسمان کو کتنا ہی عذاب دے اسے ظالم نہیں کہا جائے گا) اور اگر وہ ان کو اپنی رحمت سے نواز دے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے یقیناً بہتر ہوگی، اور اگر تم خدا کی راہ میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو تمہارا یہ عمل خیر خدا کے نزدیک اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک کہ تم تقدیر پر کامل اعتقاد و ایمان نہ رکھو اور یہ سمجھ لو کہ جو کچھ تم کو پہنچا ہے وہ (رکے) اور خطا کرنے والا نہ تھا اور جو چیز رک گئی اور تمہیں نہیں پہنچی تو (سمجھو کہ) وہ تمہارے مقدر میں نہیں تھی، اور اگر تم اس حالت میں مرجاؤ کہ اس کے خلاف عقیدہ ہو (یعنی تقدیر پر کامل ایمان نہ ہو) تو یقیناً دوزخ میں جاؤ گے، ابن دہلمی کہتے ہیں کہ ابی بن کعب کا یہ بیان سن کر میں عبد اللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے بھی یہی بیان کیا پھر حفصہ بن یمان کے پاس گیا تو انہوں نے بھی یہی کہا اور پھر میں زید بن ثابت کے پاس پہنچا انہوں نے اس قسم کی حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا۔“ (احمد، البوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: حدیث کے الفاظ اَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو کچھ حاصل ہو اس کے بارے میں یہ نہ کہو کہ اسے میں نے اپنی سعی و کوشش سے حاصل کیا ہے اور اگر کوئی چیز تمہیں نہ ملے تو یہ مت کہو کہ اگر یہ کوشش اور جدوجہد کرتا تو ضرور اسے حاصل کر لیتا اس لئے کہ جو کچھ تم تک پہنچا ہے اس میں تمہاری سعی و کوشش کو دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ نوشتہ تقدیر کے مطابق پہنچتا ہے اور جو چیز تمہیں نہیں ملی وہ چونکہ ہمارے تمہارے مقدر میں نہیں تھی اس لئے وہ تمہاری کوشش سے بھی نہیں ملتی اس لئے یہ جان لینا چاہیے کہ کسی چیز کا حاصل ہونا اور نہ ملنا سب تقدیر الہی کے مطابق ہے۔

(۳۷) وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ إِنَّ فَلَانًا يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ فَقَالَ إِنَّهُ بَلَعْنِي أَنَّهُ قَدْ أَخَذَتْ فَإِنْ كَانَ قَدْ أَخَذَتْ فَلَا تُقْرَنُ مِنِّي السَّلَامُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَكُونُ فِي أُمَّتِي أَوْ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ أَوْ قَذْفٌ فِي أَهْلِ الْقَدَرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت نافع کی روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس شخص نے دین میں (کوئی) نئی بات نکالی ہے اگر واقعی اس نے دین میں (کوئی) نئی بات پیدا

۱۔ حضرت ابن دہلمی رحمہ اللہ علیہ تابعی ہیں ام گرامی ضحاک بن فیروز دہلمی ہے آپ کا شمار یمن کے تابعین میں ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت ابی بن کعب انصاری و خزرجی ہیں کنیت ابی ہند ہے جو سرکارِ دو عالم ﷺ نے رکھی تھی آپ کی وفات حضرت عثمان کے دور خلافت میں ہوئی۔

۳۔ حضرت نافع کا شمار طویل القدر تابعین میں ہوتا ہے ۱۱۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

کی ہے۔ تو میری طرف سے (جواب میں) اسے سلام نہ پہنچاؤ، اس لئے کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری اُمت میں سے یا یہ فرمایا کہ اس اُمت میں سے (خدا کے دردناک عذابِ زمین میں دھنسا جانا، اور صورت کا سُخ ہو جانا یا سنگساری اہلِ قدر) (یعنی تقدیر کا انکار کرنے والوں) پر ہوگا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح و غریب ہے۔

تشریح: آنے والے نے حضرت ابن عمرؓ تک جس شخص کا سلام پہنچایا تھا اس کے بارہ میں حضرت ابن عمرؓ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اس نے اپنی طرف سے دین میں نئی باتیں پیدا کی ہیں یعنی وہ تقدیر کا انکار کرتا ہے۔ لہذا حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے سلام کے جواب میں میرا سلام اس تک نہ پہنچانا کیونکہ ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم ایسے لوگوں سے سلام کلام نہ کریں اور نہ ان سے تعلقات قائم کریں جو بدعتی ہوں اور خدا، خدا کے رسول کی قائم کی ہوئی حدود سے تجاوز کرتے ہوں۔

چنانچہ علماء اکی حدیث کی بنا پر اس بات کا حکم لگاتے ہیں کہ فاسق و فاجر و اہل بدعت کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے بلکہ مُنّت بھی نہیں ہے اور چونکہ ان کے ساتھ یہ معاملہ ان کی تنبیہ کے لئے ہے اس لئے ان سے ترکِ ملاقات بھی جائز ہے۔

(۳۸) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ خَدِيجَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَلَدَيْنِ مَا تَأْتِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمَا فِي النَّارِ قَالَ فَلَمَّا رَأَى الْكُورَةَ فِي وَجْهِهَا قَالَ لَوْ رَأَيْتُ مَكَانَهُمَا لَا بَغَضْتُهِمَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَوْلُكَ لِي مِنْكَ قَالَ فِي الْجَنَّةِ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُؤْمِنِينَ وَأَوْلَادَهُمْ فِي الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمُشْرِكِينَ وَأَوْلَادَهُمْ فِي النَّارِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ۔

(رواہ احمد)

”اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ حضرت خدیجہؓ نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے اپنے دونوں بچوں کے بارہ میں پوچھا جو زمانہ جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) مر گئے تھے (کہ وہ جنتی ہیں یا دوزخی) سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ وہ دونوں (بچے) دوزخ میں ہیں، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے چہرہ کا رنگ (اپنے بچوں کے بارہ میں یہ سن کر بدلا ہوا) (یعنی ان کو رنجیدہ) دیکھا تو فرمایا، اگر تم ان (بچوں) کے ٹھکانے اور ان کا حال دیکھو کہ وہ کس طرح خدا کی رحمت سے دور ہیں تو تم کو ان (بچوں) سے نفرت ہو جائے، پھر حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اچھا میری وہ اولاد جو آپ ﷺ سے پیدا ہوئی ہے (ہاں اور عبد اللہ) ”آپ نے فرمایا ”وہ جنت میں ہیں، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ مؤمنین اور ان کی اولاد جنت میں ہیں اور مشرکین کی اولاد دوزخ میں ہیں، اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (القرآن) ”ترجمہ ”جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کی اطاعت کی (تو) ہم ان کی اولاد کو (جنت میں) انہیں کے ساتھ رکھیں گے۔“ (احمد)

(۳۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهُ فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهِ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبَيْنَ ظَهْرِهِمْ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى آدَمَ فَقَالَ أَيْ رَبِّ مَنْ هَؤُلَاءِ فَقَالَ ذُرِّيَّتُكَ فَرَأَى رَجُلًا مِنْهُمْ فَأَعْجَبَهُ وَبَيْضَ مَتْنَيْنِ عَيْنَيْهِ قَالَ أَيْ رَبِّ مَنْ هَذَا قَالَ دَاوُدُ فَقَالَ أَيْ رَبِّ كَمْ جَعَلْتَ عُمْرَهُ قَالَ سِتِّينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ زِدْهُ مِنْ عُمْرِي أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا انْقَضَى عُمْرُ آدَمَ إِلَّا أَرْبَعِينَ جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ فَقَالَ آدَمُ أَوْلَمْ يَتَّقِ مِنْ عُمْرِي أَرْبَعُونَ سَنَةً قَالَ أَوْلَمْ تُعْطِهَا ابْنُكَ دَاوُدَ فَجَحَدَ آدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ وَنَسِيَ آدَمُ فَكُلَّ مِنَ الشَّجَرَةِ فَتَسَيَّتْ ذُرِّيَّتُهُ وَخَطَأَ آدَمُ وَخَطَأَتْ

لِامِ الْمُؤْمِنِينَ حضرت خدیجہؓ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خدیجہ بنت خویلد قریشیہ اور لہد یہ ہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ ہیں، حضرت خدیجہؓ کا سب سے بڑا امتیازی شرف یہ ہے کہ آپ تمام مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لائیں ہیں۔ آپ کا انتقال ہجرت سے تین سال پہلے مکہ مکرمہ رمضان کے مہینہ میں ۶۵ سال کی عمر میں ہوا۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا (تو) ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا (یعنی فرشتہ کو ہاتھ پھیرنے کا حکم دیا) چنانچہ اس کی پشت سے وہ تمام جانیں نکل پڑیں جن کو آدم علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ قیامت تک پیدا کرنے والا تھا اور ان میں سے ہر ایک شخص کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی چمک رکھی، پھر ان سب کو آدم علیہ السلام کے روبرو کھڑا کیا (ان سب کو دیکھ کر) آدم علیہ السلام نے پوچھا، پروردگار! یہ کون ہیں؟ پروردگار نے فرمایا، یہ سب تمہاری اولاد ہیں۔ آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان غیر معمولی چمک ان کو بہت بھلی لگ رہی تھی، پوچھا پروردگار! یہ کون ہے؟ فرمایا ”یہ داؤد علیہ السلام“ ہیں۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا، میرے پروردگار! تو نے ان کی عمر کتنی مقرر کی ہے؟ فرمایا ”ساٹھ برس“ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا، میرے پروردگار! اس کی عمر میں میری عمر سے چالیس سال زیادہ کر دے راوی کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر میں چالیس سال باقی رہ گئے تو موت کا فرشتہ ان کے پاس آیا، حضرت آدم نے اس سے کہا، کیا ابھی میری عمر میں چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ ملک الموت نے کہا، کیا آپ (ﷺ) نے اپنی عمر میں سے چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دیے تھے؟ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے انکار کیا اور ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے اور آدم علیہ السلام (اپنے عہد کو) بھول گئے اور انہوں نے شجر ممنوعہ کو کھالیا اور ان کی اولاد بھی بھولتی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام نے خطا کی تھی اور ان کی اولاد بھی خطا کرتی ہے۔“ (ترمذی)

(۲۵) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ حِينَ خَلَقَهُ فَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُمْنَى فَأَخْرَجَ ذُرِّيَّةً يَتَضَاءُ كَانَتْهُمْ الذَّرْوُ وَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُسْرَى فَأَخْرَجَ ذُرِّيَّةً سَوْدَاءَ كَانَتْهُمْ الْحُمَمُ فَقَالَ لِلَّذِي فِي يَمِينِهِ إِلَى الْجَنَّةِ وَلَا أَبَالِي وَقَالَ لِلَّذِي فِي كَتِفِهِ الْيُسْرَى إِلَى النَّارِ وَلَا أَبَالِي۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو الدرداءؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کے دائیں مونڈے پر ہاتھ (دست قدرت) مارا یا (مارنے کا حکم دیا) اور اس سے سفید اولاد نکالی جیسے کہ وہ چوئیاں تھیں، پھر بائیں مونڈے پر ہاتھ مارا اور اس سے سیاہ اولاد نکالی جیسے کہ وہ کوئٹھ تھے، پھر خدا نے دائیں طرف والی اولاد کے بارہ میں فرمایا کہ جنتی ہیں اور مجھ کو اس کی پردہ نہیں ہے اور ان (آدم علیہ السلام) کے بائیں مونڈے والی اولاد کے بارہ میں فرمایا کہ یہ دوزخی ہیں اور مجھ کو اس کی پردہ نہیں ہے۔“ (احمد)

(۲۶) وَعَنْ أَبِي نَضْرَةَ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ دَخَلَ عَلَيْهِ أَصْحَابُهُ يَتَوَدُّونَهُ وَهُوَ يَبْكِي فَقَالُوا لَهُ مَا يَبْكِيكَ أَلَمْ يَقُلْ لَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ مِنْ شَارِبِكَ ثُمَّ أَقْرِهُ حَتَّى تَلْقَانِي قَالَ بَلَى وَلَكِنْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ قَبَضَ يَمِينَهُ قَبْضَةً وَأُخْرَى بِالْيَدِ الْأُخْرَى وَقَالَ هَذِهِ لِهَذَا وَهَذِهِ لِهَذِهِ وَلَا أَبَالِي وَلَا أَدْرِي فِي أَيِ الْقَبْضَتَيْنِ أَنَا۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو نضرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص جن کا نام عبد اللہ تھا، کے پاس ان کے دوست ان کی عیادت کے لئے گئے (تو انہوں نے دیکھا) کہ وہ (ابو عبد اللہؓ) رورہے تھے۔ انہوں نے کہا، کہ آپ کو کس چیز نے رونے پر مجبور کیا (کیونکہ) آپ سے سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا کہ تم اپنے لب (موچھوں) کے بال پست کرو اور اسی پر قائم رہو یہاں تک کہ تم مجھ سے (جنت میں) ملاقات کرو۔ ابو عبد اللہؓ نے کہا، ہاں! لیکن میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ (بھی) فرماتے سنا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے

۱۔ حضرت ابو نضرہ بن منذر بن مالک العدوی کا شمار بصرہ کے جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے آپ کا انتقال حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ سے کچھ دنوں پہلے ہوا

اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی میں ایک جماعت لی اور فرمایا کہ یہ (داہنے ہاتھ کی جماعت) جنت کے لئے ہے اور بائیں ہاتھ کی جماعت دوزخ کے لئے ہے اور مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے، یہ کہہ کر ابو عبد اللہ نے فرمایا، میں نہیں جانتا کہ میں کس مٹھی میں ہوں (یعنی داہنی مٹھی میں ہوں یا بائنی مٹھی میں ہوں)۔ (احمد)

تشریح: حضرت ابو عبد اللہ صحابی بیمار ہوئے ان کے کچھ دوست و احباب مزاج پر سی کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں، ان لوگوں نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا کہ آپ کو تو سرکارِ دو عالم ﷺ کی صحابیت کا شرف حاصل ہے اور پھر مزید یہ کہ آنحضرت ﷺ نے آپ سے یہ فرمایا تھا کہ تم اپنی مونچھوں کو پست ہلکی کرتے رہنا اور اسی پر قائم رہنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر یا جنت میں مجھ سے تم ملاقات کرو تو گویا آپ کو جنت میں سرکارِ دو عالم ﷺ سے ملاقات کی بشارت دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جنت میں داخل ہونا اور اس عظیم سعادت سے بہرہ ور ہونا بغیر اسلام کے ہو نہیں سکتا، تو معلوم ہوا کہ آپ کا خاتمہ بالخیر ہوگا اور آپ ایمان و اسلام کے ساتھ اس دنیا سے کوچ کریں گے، لہذا پھر رونا کیوں؟ اور یہ فکر و غم کیسا؟ اس کا جواب مردِ حق آگاہ نے یہ دیا کہ صحیح اور بجا ہے اور اس بشارت کی صداقت کا اعتقاد بھی ہے لیکن پروردگارِ عالم بے نیاز ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کی مرضی میں کسی کا دخل نہیں ہے اور پھر خدا تعالیٰ نے خود یہ فرمایا ہے کہ میں جس کو چاہوں جنت کی سعادت سے نواز دوں اور جس کو چاہوں دوزخ کے حوالہ کر دوں اور مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ تو مجھے بھی یہ خوف کھانے جا رہا ہے کہ نامعلوم میرا کیا حشر ہو؟ اور دل اس خوف سے لرزاں اور آنکھیں ڈر سے اشک بار ہیں کہ نہ جانے خدا نے میرے مقدر میں کیا لکھ رکھا ہے۔

یہ ان کے جواب کا حاصل تھا، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخرت کے تصور اور خوفِ خدا کے غلبہ سے اس بشارت کو بھول گئے ہوں اور انہیں اس کا احساس نہ رہا ہو کہ لسانِ نبوت نے مجھے اس بشارت جیسی عظیم سعادت سے بھی نوازا رکھا ہے۔ علامہ طیبی علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مونچھیں ہلکی کرنا سنتِ موکدہ ہے اور اس عمل پر قائم رہنا اور ہمیشہ اس کو کرتے رہنا جنت میں دخول اور وہاں سرکارِ دو عالم ﷺ کے زیر سایہ ہونے کا ذریعہ ہے۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اس ایک سنت کو ترک کرنے سے یعنی مونچھیں پست و ہلکی نہ کرانے سے ایسی عظیم سعادت اور اتنی بڑی فلاح ہاتھ سے جاتی ہے چہ جائیکہ سنت کو ہمیشہ ترک کرتا رہے، اس لئے کہ ترکِ سنت پر اصرار، الحاد و زندقہ تک پہنچاتا ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

(۴۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَخَذَ اللَّهُ الْمِيثَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بِنَعْمَانٍ يَعْنِي عَرَفَةَ فَأَخْرَجَ مِنْ صَلْبِهِ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ ذُرَّاهَا فَفَتَحُوهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالَّذِينَ كَلَّمَهُمْ قَبْلًا قَالَ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا إِنَّا كُنَّا عَنْ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ۔ (رواہ احمد، الاعراف ۱۷۲)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میدانِ عرفہ کے قریب مقامِ نعمان میں آدم علیہ السلام کی اس اولاد سے جو ان کی پشت سے نکلی تھی عہد لیا چنانچہ آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ساری اولاد کو نکالا جن کو (ازل سے ابد تک) پیدا کرتا تھا اور ان سب کو چوبیسویں کی طرح آدم علیہ السلام کے سامنے پھیلا دیا پھر خدا نے ان سے روبرو گفتگو کی، فرمایا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ آدم کی اولاد نے کہا، بے شک آپ ہمارے رب ہیں پھر خدا نے فرمایا، یہ شہادت میں نے تم سے اس لئے لی ہے کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے غافل و ناواقف تھے یا تم یہ نہ کہہ دو کہ ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے شرک کیا تھا اور ہم ان کی اولاد تھے ہم نے ان کی اطاعت کی تھی، کیا تو باطل پرستوں کے اعمال کے سبب ہلاک کرتا ہے۔“ (احمد)

تشریح: خدائے تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم قیامت میں یہ دلیل نہیں دے سکتے کہ چونکہ ہمارے باپ دادا نے شرک کیا تھا

اس لئے ہم بھی انہیں کے ساتھ رہے، یا ہم تو اپنے باپ دادا کے پیروکار اور ان کے تابع ہیں انہوں نے جو راستہ اختیار کیا ہوا تھا ہم بھی اسی پر چل رہے تھے لہذا اس کفر و شرک کے اصل ذمہ دار ہمارے باپ دادا ہیں جنہوں نے ہمیں اس راستہ پر ڈالا اس اعتبار سے مورد الزام وہ ٹھہر سکتے ہیں، ہم ان کی وجہ سے عذاب و دوزخ کے مستحق نہیں ہو سکتے اس لئے کہ عذاب کے حقیقی مستحق تو وہی لوگ ہیں جو اس راہ کے پیش رو تھے۔

پس اے شرک و کفر کرنے والو! جان لو کہ قیامت کے دن یہ حجت تمہارے لئے کار آمد نہیں ہو سکے گی کیونکہ اسی لئے ہم نے تم سے اپنی توحید کا اقرار پہلے ہی کر لیا ہے اور تم اس پر شہادت دے چکے ہو، نیز اسی عہد و اقرار کی توثیق اور اس کی یاد دہانی کے لئے ہر دور میں دنیا کے تمام حصوں اور تمام طبقوں میں انبیاء علیہم السلام تشریف لائے تاکہ وہ بنی نوع انسان کو اس کا اپنا عہد و اقرار یاد دلائیں اور ان کو صحیح راستہ پر لگائیں۔

(۳۲) وَعَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ قَالَ جَعَلْتَهُمْ فَأَزْوَاجًا ثُمَّ صَوَّرَهُمْ فَاَسْتَنْطَقَهُمْ فَتَكَلَّمُوا ثُمَّ أَخَذَ عَلَيْهِمُ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ «الَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى» قَالَ فَإِنِّي أَشْهَدُ عَلَيْكُمْ السَّمَوَاتِ السَّبْعَ وَالْأَرْضِينَ السَّبْعَ وَأَشْهَدُ عَلَيْكُمْ آبَاكُمْ آدَمَ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَمْ نَعْلَمْ بِهَذَا إِنْ عَلِمُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ غَيْرِي وَلَا رَبَّ غَيْرِي وَلَا تُشْرِكُوا بِي شَيْئًا إِنِّي سَأَرْسِلُ إِلَيْكُمْ رَسُولِي يَذْكُرُونَكُمْ عَهْدِي وَمِيثَاقِي وَأَنْزَلَ عَلَيْكُمْ كُتُبِي قَالُوا أَشْهَدُنَا بِأَنَّكَ رَبُّنَا وَالْهَذَا لَرَبِّ لَنَا غَيْرُكَ وَلَا إِلَهَ لَنَا غَيْرُكَ فَأَقْرَأُوا بِذَلِكَ وَرَفَعَ عَلَيْهِمْ آدَمُ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ فَرَأَى الْغَنَى وَالْفَقِيرَ وَحَسَنَ الصُّورَةَ وَذُوْنَ ذَلِكَ فَقَالَ رَبِّ لَوْلَا سَوَّيْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ قَالَ إِنِّي أَخْبَبْتُ أَنْ أَشْكُرَ وَرَأَى الْأَنْبِيَاءَ فِيهِمْ مِثْلَ الشَّرْحِ عَلَيْهِمُ الثَّوْرُ خُصُوعًا وَمِيثَاقِي آخِرَ فِي الرِّسَالَةِ وَالثَّوْرَةُ وَهُوَ قَوْلُهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ إِلَى قَوْلِهِ عَيْنَسِي بْنُ مَرْيَمَ كَانَ فِي تِلْكَ الْأَزْوَاحِ فَأَرْسَلَهُ إِلَى مَرْيَمَ عَلَيْهَا السَّلَامُ فَحَدَّثَ عَنْ أَبِي آدَمَ أَنَّهُ دَخَلَ مِنْ فِيْهَا - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابی بن کعبؓ اس آیت: وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ترجمہ: (جب تمہارے پروردگار نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی)۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خدا نے (اولاد آدم کو) جمع کیا اور ان کو طرح طرح کا اقرار دیا (یعنی کسی کو مالدار کسی کو غریب کرنے کا ارادہ کیا پھر ان کو شکل و صورت عطا کی اور پھر گویائی بخشی، اور انہوں نے باتیں کیں پھر ان سے عہد و پیمان کیا اور پھر ان کو اپنے اوپر گواہ قرار دے کر پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اولاد آدم نے کہا، بے شک! (آپ ہمارے رب ہیں) خدائے تعالیٰ نے فرمایا، میں سات آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو تمہارے سامنے گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو بھی شاہد قرار دیتا ہوں اس لئے کہ قیامت کے دن کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے ناواقف تھے (اس وقت) تم اچھی طرح جان لو کہ نہ تو میرے سوا کوئی معبود ہے اور نہ میرے سوا کوئی پروردگار ہے، (اور خبردار) کسی کو میرا شریک قرار نہ دینا، میں تمہارے پاس عقرب اپنے رسول بھیجوں گا، جو تمہیں میرا عہد و پیمان یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا (یہ سن کر) اولاد آدم نے کہا، ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب ہے اور تو ہی ہمارا معبود ہے، تیرے سوانہ تو ہمارا کوئی پروردگار ہے اور نہ تیرے علاوہ ہمارا کوئی معبود ہے، چنانچہ آدم علیہ السلام کی ساری اولاد نے اس کا اقرار کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے اوپر بلند کر دیا گیا وہ (اپنی نگاہیں بلند کئے ہوئے) اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی اولاد امیر بھی ہیں اور فقیر بھی اور خوبصورت بھی ہیں اور بد صورت بھی (یہ دیکھ کر انہوں نے عرض کیا، پروردگار! اپنے تمام بندوں کو تو نے یکساں کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ”میں اسے پسند کرتا ہوں کہ میرے بندے میرا شکر ادا کرتے رہیں“ پھر آدم علیہ السلام نے انبیاء کو دیکھا جو چراغوں کی مانند روشن تھے اور نور ان کے اوپر جلوہ گر تھا ان سے خصوصیت کے ساتھ رسالت و نبوت کے لئے عہد و پیمان لئے گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ

وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ (قرآن حکیم) ترجمہ: اور جب ہم نے پیغمبروں سے ان کا عہد و پیمان لیا اور آپ محمد (ﷺ) سے اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام سے اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام بن مریم سے (بھی) عہد و پیمان لیا، ان روحوں کے درمیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے چنانچہ ان کی روح کو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیج دیا، حضرت ابی بیان کرتے ہیں کہ یہ روح حضرت مریم علیہا السلام کے منہ کی طرف سے ان کے جسم میں داخل ہو گئی۔ (احمد)

تشریح: حضرت آدم علیہ السلام نے جب ان ارواح میں فرق دیکھا کہ انہیں کی اولاد میں سے کوئی تو سرمایہ دار اور صاحب دولت ہے اور کوئی غریب و مفلس تو انہیں حیرت ہوئی اور انہوں نے بارگاہ الوہیت میں عرض کیا کہ اے الغلین! سب میری اولاد میں سے ہیں اور یہ سبھی تیرے بندے ہیں پھر ان میں یہ فرق کیوں؟ کوئی صاحب حیثیت ہے اور کوئی لاچار، کسی کو عزت و دولت دے رکھی ہے اور کسی کو غربت و مفلسی!۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان میں فرق پیدا کرنے کی ایک حکمت ہے اور اس میں ایک مصلحت ہے اور وہ یہ کہ اگر میں سب کو یکساں پیدا کر دیتا تو یہ شکر ادا نہ کرتے اور جب ایک انسان میں وہ صفات و خصائل پیدا کر دیے جائیں گے جو دوسرے انسانوں میں نہیں ہوں گے تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر شکر ادا کیا کریں گے مثلاً تنگ دست اور مفلس میں تقویٰ، اطاعت الہی کا مادہ، سکون قلب و دماغ اور دنیا سے بے فکری ہوتی ہے، جو کسی غنی اور مالدار میں نہیں ہوتی اسی طرح غنی و مالدار کو دولت کی فراوانی اور اسباب معیشت کی آسانیاں حاصل ہوتی ہیں جو غریب و محتاج کو میسر نہیں۔

لہذا جس کے اندر جو خصائل ہوں گے اور وہ ان کی لذت سے نا آشنا ہوگا، دوسرے کے اندر اس کا فقدان دیکھ کر اس نعمت پر شکر گزار ہوگا جس کی بناء پر خدا کی رحمت کا شوق قرار دیا جائے گا۔

(۴۴) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ يَنْتَمَانَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَدَّا كَمَا يَكُونُ إِذْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَكَانِهِ فَصَدِّقُوهُ وَإِذَا سَمِعْتُمْ بِوَجَلٍ تَغَيَّرَ عَنْ خَلْقِهِ فَلَا تُصَدِّقُوا بِهِ فَإِنَّهُ يَصِيرُ إِلَىٰ مَا جَبَلٍ عَلَيْهِ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ ہم سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے آئینہ وقوع پذیر ہونے والی باتوں پر گفتگو کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے (ہماری باتوں کو سن کر) فرمایا۔ جب تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے سرک گیا ہے تو اسے سچ مان لو لیکن جب تم یہ سنو کہ کسی شخص کی خلقت بدل گئی ہے تو اس کا اعتبار نہ کرو اس لئے کہ انسان اسی چیز کی طرف جاتا ہے جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے۔“ (احمد)

تشریح: صحابہ آپس میں بیٹھے ہوئے یہ بحث کر رہے تھے کہ جو چیز آئندہ پیدا ہونے والی یا جو باتیں وقوع پذیر ہونے والی ہیں، کیا وہ نوشتہ تقدیر کے مطابق ہوتی ہیں یا از خود بغیر قضاء قدر کے واقع ہوتی ہیں، سرکارِ دو عالم ﷺ بھی اس مجلس میں تشریف فرما تھے آپ ﷺ نے ان کی بحث سن کر فرمایا کہ ہر چیز نوشتہ تقدیر کے مطابق بروقت وقوع پذیر ہوتی ہے اور مثال کے طور پر فرمایا کہ ایک انسان اپنی جس جبلت اور خلقت پر پیدا ہوتا ہے اسی پر ہمیشہ قائم رہتا ہے اور اسی کی طرف اس کا حقیقی میلان رہتا ہے۔ مثلاً جس کو خدا نے عقلمند و دانایا پیدا کیا اور اس کی سرشت و فطرت میں عقل و دانش کا مادہ ودیعت فرمایا اور اس کی تقدیر میں فہم و فراست کے جوہر رکھ دیئے گئے تو وہ کبھی بے وقوف و احمق نہیں ہو سکتا، اسی طرح جس شخص کی جبلت و حماقت کے سانچے میں چلی ہو اور جس کو فطرتاً ہی بوقوف و بلید پیدا کیا گیا ہو وہ عقل مند و دانشور نہیں ہو سکتا۔

ہاں ایسے افراد جو اپنی ریاضت و مشقت اور ذاتی محنت و کوشش کی بنا پر عقل کی دولت حاصل کر لیتے ہیں یا اصحاب عقل و دانش کی صحبت اختیار کر کے ان اوصاف کے حامل ہو جاتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، اس لئے کہ یہاں بحث جبلت اور خلقت کی ہے کہ جس انسان کو جس خلعت و فطرت پر پیدا کر دیا گیا وہ اس سے الگ نہیں رہ سکتا اور نہ اس جبلت و خلعت میں تغیر و تبدل ممکن ہے۔ رہا اپنی ذاتی محنت و

کوشش یا اصحاب عقل و فہم کی صحبت، تو یہ ایک دوسری چیز ہے کیونکہ یہ بھی نوشتہ تقدیر کے مطابق ہی ہے یعنی جس شخص کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے کہ یہ اپنی محنت و کوشش یا کسی عقل مند و دانشور کی صحبت و قربت کی بنا پر صاحب عقل بنے گا وہ یقیناً اس وصف کو حاصل کر لے گا لیکن جس کی تقدیر میں بے وقوف رہنا ہی لکھ دیا گیا ہے یا جس کی جبلت میں حماقت رکھ دی گئی ہے اس میں نہ اپنی محنت و کوشش کام کرتی ہے اور نہ کسی عقل مند کی قربت و صحبت۔

(۳۵) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ يَأْزُكُ اللَّهُ لَا يَزَالُ يُصِيبُكَ فِي كُلِّ عَامٍ وَجَعٌ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُومَةِ الَّتِي أَكَلْتَ قَالَ مَا صَابِيئِي شَيْءٌ مِنْهَا إِلَّا وَهُوَ مَكْتُوبٌ عَلَيَّ وَأَذَمُّ فِي طِينَتِهِ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے جو ہر آلود بکری کھائی تھی (جو خیر میں ایک یہودیہ نے کھائی تھی) ہر سال اس کی وجہ سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا جو چیز (یعنی اذیت و تکلیف یا بیماری) مجھ کو پہنچتی ہے وہ میرے لئے اسی وقت لکھی گئی تھی جب کہ آدم مٹی کے اندر تھے (یعنی میری تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا)۔“ (ابن ماجہ)

بَابُ اثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ

عذاب قبر کے ثبوت کا بیان

عذاب قبر قرآن و احادیث سے ثابت ہے اس میں کوئی شبہ اور کلام نہیں، یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہاں قبر سے مراد محض ڈھڑھ دو گز کا گڑھا نہیں ہے بلکہ قبر کا مطلب عالم برزخ ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان ایک عالم ہے اور یہ عالم ہر جگہ ہو سکتا ہے جیسے بعض لوگ ڈوب جاتے ہیں، جلادیے جاتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو ان پر بھی عذاب مسلط کیا جاتا ہے یہ نہیں ہے کہ جن لوگوں کو زمین میں دفن کیا جاتا ہے صرف ان پر ہی عذاب ہوتا ہے اور جو لوگ دوسرے طریقے اختیار کرتے ہیں وہ عذاب سے بچ جاتے ہیں۔ عذاب قبر کی تصدیق کے درجات میں صحیح اور اولی مرتبہ اس بات کا اعتقاد و یقین رکھنا ضروری ہے کہ قبر میں دفن کرنے کے بعد خدا کے نیک بندوں پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور جو لوگ بدکار و گناہ گار ہوتے ہیں ان پر خدا کا سخت عذاب نازل کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں مکر نکیر، عذاب دینے والے فرشتے اور سانپ و چھو جو بدکردار لوگوں پر مسلط کئے جاتے ہیں اور جن کا وجود احادیث سے ثابت ہے۔ یہ سب صحیح اور واقعی چیزیں ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

یہ جان لینا چاہئے کہ کسی چیز کو دیکھ لینا اور اس کا مشاہدہ میں آجانا ہی اس کی صداقت کی دلیل نہیں ہوتا، اس لئے ان چیزوں کے بارہ میں یہ بات دل میں جاگزیں کر لینا کہ جب ان چیزوں کو آنکھ سے دیکھا نہیں جاتا اور یہ مشاہدہ میں نہیں آتیں تو ان کا اعتبار کیسے کیا جائے؟ بالکل غلط اور خلاف عقل ہے، اس لئے کہ اتنی بات تو ظاہر ہے کہ عالم بالا کی چیزوں کا مشاہدہ کر لینا، عالم ملکوت کو چشم دیکھ لینا ان ظاہری آنکھوں کے بس کی بات نہیں ہے، ان کو مشاہدہ کرنے کے لئے چشم حقیقت کی ضرورت ہے ہاں یہ بات بھی ناممکن نہیں ہے کہ اگر خدا چاہے تو ان دونوں ظاہری آنکھوں سے بھی عالم ملکوت کو دیکھ لاسکتا ہے۔

پھر دوسرے یہ کہ اسی دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کو ہم بظاہر دیکھ نہیں پاتے اور نہ آنکھیں ان کا مشاہدہ کرتی ہیں، لیکن اس کے باوجود اس کا ادراک بھی ہوتا ہے اور اس کی حقیقت بھی تسلیم ہوتی ہے مثلاً ایک شخص عالم خواب میں دنیا بھر کی چیزیں دیکھ اور سن لیتا ہے، ہر طرح کے غم و مصیبت اور لذت و آرام محسوس کرتا ہے لیکن دوسرا اسے نہیں دیکھ سکتا، یا اسی طرح کسی شخص کو کوئی

۱۔ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قریشہ اور مخزومیہ ہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں، ۵۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

تکلیف پہنچتی ہے یا اسے لذت حاصل ہوتی ہے یا وہ کسی غم و چین کا احساس کرتا ہے لیکن اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا ایک دوسرا شخص اس سے بے خبر رہتا ہے اور وہ اس کا ادراک و احساس نہیں کر سکتا۔

نیز زمانہ نبوت میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس وحی آتی تھی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے لیکن وہیں مجلس میں بیٹھے ہوئے صحابہ نہیں دیکھتے تھے اور نہ ان کی ظاہری آنکھیں حضرت جبرئیل کا مشاہدہ کرتی تھیں، لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام ان پر ایمان لاتے تھے۔

ٹھیک اسی طرح عذابِ قبر کا معاملہ ہے، وہاں جو کچھ بندے کے ساتھ ہوتا ہے اس دنیا میں اس کا ادراک کیا جاسکتا ہے اور نہ ان آنکھوں سے اسے دیکھا جاسکتا ہے، بس یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ عذابِ قبر کے بارہ میں خدا اور خدا کے رسول نے جو کچھ بتایا ہے وہ سب جہنمی برحقیت اور یقینی چیزیں ہیں۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ النَّبِيِّ عَنْ عَازِبِ بْنِ عَزَابٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلْمُسْلِمُ إِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَلَيْكَ قَوْلُهُ تَعَالَى يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ يَقَالُ لَهُ مَنْ رَبُّكَ فَيَقُولُ رَبِّيَ اللَّهُ وَنَبِيِّ مُحَمَّدًا (متفق عليه)

”حضرت براء بن عازبؓ راوی ہیں کہ سرکارِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس وقت قبر میں مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور یہی مطلب ہے اس ارشادِ ربانی کا یُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (القرآن) ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ثابت و قائم رکھتا ہے جو ایمان لاتے ہیں مضبوط و محکم طریقہ پر ثابت رکھنا دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ آیت یُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ عذابِ قبر کے بیان میں نازل ہوئی ہے (چنانچہ قبر میں مردہ سے) سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد (ﷺ) ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آیت مذکورہ میں بالقول الثابت سے مراد کلمہ شہادت ہے یعنی جب مؤمن سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا پروردگار کون ہے، اور تیرا پیغمبر کون ہے اور تیرا دین کیا تو ان تینوں سوالوں کا جواب اسی کلمہ شہادت میں ہے۔

آیت کے دوسرے جز کا مطلب یہ ہے جو لوگ ایمان و یقین کی روشنی سے اپنے قلوب کو منور کر لیتے ہیں اور جن کے دل میں ایمان و اسلام کی حقانیت راسخ اور پختہ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دونوں جگہ ان پر رحمت خداوندی کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

دنیاوی زندگی میں اس کا فاضل تو یہ ہے کہ وہ اپنے ان نیک بندوں کو کلمہ اسلام کی حقانیت کے اعتقاد پر قائم رکھتا ہے اور ان کے دل میں ایمان و اسلام کی وہ روح اور طاقت بھر دیتا ہے کہ دنیاوی امتحان و آزمائش کے سخت سے سخت موقع پر بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی وہ اپنی جانوں کو قربان کر دینا اور آگ میں ڈالے جانا پسند کرتے ہیں لیکن اپنے ایمان و اعتقاد میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کرنا گوارہ نہیں کرتے۔

ام گرامی براء بن عازبؓ اور کنیت ابوعمارہ ہے مدینہ کے باشندہ اور انصاری ہیں جنگ بدر میں آپ شریک نہیں ہو سکے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صغریٰ کی وجہ سے روک دیا تھا سب سے پہلے غزوہ احد میں شریک ہوئے ہیں۔

آخری زندگی میں اس کی رحمت اس طرح ہوتی ہے کہ وہ خدا کی بے شمار نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں اور عالم برزخ میں جب قبر کے اندر ان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ ٹھیک ٹھیک جواب دیتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ کی نجات اور اکرام خداوندی کے مستحق قرار دے دیے جاتے ہیں۔

② وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وَضَعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ وَانَّهُ لَيَسْمَعُ قَبْرَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيَقْعِدَانِهِ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ لِمُحَمَّدٍ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ وَرَسُولُهُ فَيَقَالُ لَهُ أَنْظِرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبْدَلَكَ اللَّهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا وَأَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيَقَالُ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فَيَقَالُ لَهُ لَا ذَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيَضْرِبُ بِمِطْرَاقٍ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً فَيَصْبِيحُ صَبِيحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ غَيْرُ الثَّقَلَيْنِ - (متفق عليه ولفظ البخاری)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اعزاء احباب واپس آتے ہیں تو وہ (مردہ) ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور اس کے پاس (قبر میں) دو فرشتے آتے ہیں اور ان کو بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص محمد ﷺ کے بارہ میں کیا کہتے تھے؟ اس کے جواب میں بندہ مؤمن کہتا ہے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ (محمد ﷺ) بلاشبہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس بندہ سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھو جس کو خدا نے بدل دیا ہے اور اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں جگہ دی گئی ہے۔ چنانچہ وہ مردہ دونوں مقامات (جنت و دوزخ) کو دیکھتا ہے۔ اور جو مردہ منافق یا کافر ہوتا ہے اس سے بھی یہی سوال کیا جاتا ہے کہ اس شخص (یعنی محمد ﷺ) کے بارہ میں تو کیا کہتا تھا؟ وہ اس کے جواب میں کہتا کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو لوگ (مؤمن) کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا اس سے کہا جاتا ہے نہ تو نے عقل سے پہچانا اور نہ تو نے قرآن شریف پڑھا؟ یہ کہہ کر اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے کہ اس کے پیچھے اور چلانے کی آواز سوائے جنوں اور انسانوں کے قریب کی تمام چیزیں سنتی ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

(الفاظ بخاری کے ہیں)

تشریح: جب انسان اس دنیا کی عارضی زندگی ختم کر کے دوسری دنیا میں پہنچتا ہے تو اس کی سب سے پہلی منزل قبر ہوتی ہے، جسے علم برزخ بھی کہا جاتا ہے، مردہ کو قبر میں اتارنے کے بعد جب اس کے عزیز و اقارب واپس لوٹتے ہیں تو اس میں خدا کی جانب سے وہ قوت سماعت دیدی جاتی ہے جس کے ذریعہ وہ ان لوٹنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا رہتا ہے اس کے بعد منکر نکیر قبر میں آتے ہیں اور اس سے دوسرے سوالات کے علاوہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے بارہ میں پوچھتے ہیں کہ ان کے متعلق تمہارا اعتقاد کیا ہے، اگر مرد مؤمن صادق ہوتا ہے تو وہ صحیح جواب دے دیتا ہے اور اگر وہ کافر ہے تو جواب نہیں دے پاتا بعد میں نتیجہ سنایا جاتا ہے کہ صحیح جواب دینے والا خدا کی رحمت اور اس کی نعمتوں کا مستحق قرار دے دیا گیا ہے چنانچہ اس کی آخری منزل جنت کی طرف اس کی راہنمائی کر دی جاتی ہے، غلط جواب دینے والا خدا کے غضب کا مستحق قرار دے دیا جاتا ہے اور اسے اس کی آخری منزل دوزخ کی راہ دکھادی جاتی ہے۔

حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ مردہ سے پوچھتے ہیں کہ ”تم اس شخص محمد ﷺ کے بارہ میں کیا کہتے تھے؟“ تو اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی شہرت کی وجہ سے آپ ﷺ کی طرف معنوی اشارہ ہوتا ہے یا پھر یہ اس وقت سرکارِ دو عالم ﷺ کو مثالی صورت میں مردہ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ ایک مؤمن کے لئے موت کی آرزو سب سے بڑی نعمت ہوگی اس لئے کہ وہ اس کی وجہ سے اس عظیم سعادت سے بہرہ ور ہوگا اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے دیدار سے منور و مشرف ہوگا اور حقیقت تو یہ ہے کہ عاشقانِ رسول کے بے تاب و بے چین قلوب کے لئے اس کے اندر ایک زبردست بشارت ہے۔ بقول شاعر :-

شب عاشقان بیدل چہ قدر دراز باشد تو بیا کہ اول شب در صبح باز باشد

”ترجمہ“ عشاق کی شب بھر کس قدر طویل ہوتی ہے۔ تو جلدی آ۔ یہ اول شب ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ صبح ہو جائے۔

اس سوال وجواب کے بعد کامیاب مردہ یعنی مسلمانوں کو دونوں جگہیں یعنی جنت و دوزخ دکھائی جاتی ہیں اور وہ دونوں مقامات دیکھتا ہے تاکہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اگر خدا کی رحمت اس کے شامل حال نہ ہوتی اور وہ اہل دوزخ میں سے ہوتا تو اس دوزخ میں ڈال دیا جاتا جہاں خدا کے دردناک عذاب میں مبتلا ہوتا لیکن اس نے دنیا میں چونکہ نیک کام کئے اور سچا مخلص مؤمن بن کر رہا اس کے نتیجے میں خدا کے فضل و کرم سے اسے جنت کی نعمت عظمیٰ سے نوازا جا رہا ہے نیز ایک طرف تو وہ دوزخ اور اس کے ہست ناک منظر کی طرف دیکھے گا دوسری طرف جنت اور اس کی خوشگوار و مسرور کن فضا کی طرف نظر اٹھائے گا تاکہ اس کے دل میں جنت کی نعمت کی قدر ہو۔

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب قبر میں معذب مردہ پر عذاب نازل کیا جاتا ہے یعنی فرشتے لوہے کے گرزوں سے اس کو مارتے ہیں تو اس کے چیخنے چلانے کی آواز انسان نہیں سن پاتے، اس کی حکمت یہ ہے کہ جن و انس غیب کی چیزوں پر ایمان لانے کے مکلف ہیں اگر ان کو آواز سنائی دے، یا وہاں کے حالات کا علم اس دنیا میں ہو جائے تو پھر ایمان بالغیب جاتا رہے گا۔ نیز اگر قبر کے حالات کا احساس انسانوں کو ہونے لگے تو خوف و ہیبت ناک کی وجہ سے دنیا کے کاروبار میں بالکل مچلی رہے گی اور سلسلہ معیشت منقطع ہو جائے گا۔

صحیح احادیث میں مؤمنین کی نجات اور کافروں و منافقین کے عذاب کے بارہ میں یہی ذکر کیا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس نجات کا تعلق مؤمنین صالحین سے ہے لیکن فاسق و گناہ گار مؤمنین کے بارہ میں احادیث میں کچھ مذکور نہیں ہے کہ آیا ان پر عذاب کیا جاتا یا ان کی بھی نجات ہو جاتی ہے، البتہ علماء کہتے ہیں کہ فاسق مؤمن جواب میں تو مؤمن صالحین کا شریک ہے لیکن نعمتوں کی بشارت، جنت کے دروازے کھلنے وغیرہ میں ان کا شریک نہیں ہے یا اگر ان چیزوں میں بھی ان کا شریک ہو تو پھر مرتبہ و درجہ میں ان سے کم تر ہو گا بلکہ اس پر تھوڑا بہت عذاب بھی ہو سکتا ہے۔ ہاں جس فاسق و گناہ گار کو اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بخش دے اور اس کی مغفرت کر دے۔

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ عَرَضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ فَيَقَالُ هَذَا مَقْعَدُكَ حَتَّى يَبْعَثَكَ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (مشق علیہ)

”اور عبد اللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو (قبر کے اندر) صبح اور شام اس کا ٹھکانہ اس کے سامنے لایا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ اس کا انتظار کر، یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اٹھا کر وہاں بھیجے۔“ (بخاری و مسلم)

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ يَهُودِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَهَا أَعَاذُكَ اللَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَا زَايَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ صَلَاتِي صَلَاةً إِلَّا تَعَوَّذُ بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی اور اس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا اور پھر اس نے حضرت عائشہؓ سے کہا ”عائشہ! اللہ تعالیٰ تمہیں عذابِ قبر سے محفوظ رکھے!“ حضرت عائشہؓ نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عذابِ قبر کا حال پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں قبر کا عذاب حق ہے! حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے کوئی نماز پڑھی ہو اور قبر کے عذاب سے پناہ نہ مانگی ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہؓ کو عذابِ قبر کا حال معلوم نہیں ہو گا چنانچہ جب اس یہودی عورت نے ان سے اس کا تذکرہ کیا تو وہ بڑی حیران ہوئیں اور سرکارِ دو عالم ﷺ سے اس کے بارہ میں سوال کیا جس کا جواب دیا گیا کہ قبر کا عذاب حق اور یقینی ہے، یعنی اس بات کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ قبر میں گناہ گار لوگوں پر خدا کی جانب سے طرح طرح کے عذاب مسلط کئے جاتے ہیں اور اس کا احساس و ادراک

عذاب قبر کی شدت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری آنکھیں اس کا مشاہدہ کر لیں اور تمہارے کان اس کو سن لیں تو تم اپنی عقل و دماغ سے ہاتھ دھو بیٹھو اور تم اس کی شدت و سختی کا محض احساس ہی کر کے بے ہوش ہو جاؤ گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اس خوف و ہراس کی وجہ سے مردوں کو دفن کرنا بھی چھوڑ دو گے اگر مجھے اس کا خدشہ نہ ہوتا تو میں یقیناً تمہیں اس عذاب کا مشاہدہ بھی کرا دیتا اور تمہیں سنوا بھی دیتا۔

الفصل الثانی

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْبَرَ الْمَيِّتَ آتَاهُ مَلَكَانِ اسْوَدَانِ أَرَزَ قَانَ يَقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَلِلْآخَرِ النَّكِيرُ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا فَيَقُولُ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هَذَا ثُمَّ يُمْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ ثُمَّ يَنْوَرُ لَهُ فِيهِ ثُمَّ يَقَالُ لَهُ نَمُ فَيَقُولُ أَرْجِعْ إِلَى أَهْلِي فَأَخْبِرْهُمْ فَيَقُولَانِ نَمُ كَنُومَةِ الْعَزُوسِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ حَتَّى يَبْعَثَهُ اللَّهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالِ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ قَوْلًا فَقُلْتُ مِثْلَهُ لَا أَدْرِي فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ ذَلِكَ فَيَقَالُ لِلْأَرْضِ التَّيْمِي عَلَيْهِ فَتَلْتَمِمْ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ أَضْلَاعُهُ فَلَا يَزَالُ فِيهَا مُعَذَّبًا حَتَّى يَبْعَثَهُ اللَّهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذَلِكَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب مردہ کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس کالی کیری آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں وہ دونوں اس مردہ سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص یعنی محمد ﷺ کی نسبت کیا کہتے تھے؟ اگر وہ شخص مؤمن ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے پیچھے ہوئے (رسول) ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، (یہ سن کر) وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں۔ ہم جانتے تھے کہ تو یقیناً یہی کہے گا، اس کے بعد اس کی قبر کی لمبائی اور چوڑائی میں تشریح کرنا شروع کر دی جاتی ہے اور اس مردہ سے کہا جاتا ہے کہ (سو جاؤ) مردہ کہتا ہے (میں چاہتا ہوں) کہ اپنے اہل و عیال میں واپس چلا جاؤں تاکہ ان کو (اپنے اس حال سے) باخبر کر دوں۔ فرشتے اس سے کہتے ہیں تو اس دو لمبا کی طرح سو جا جس کو صرف وہی شخص جگا سکتا ہے جو اس کے نزدیک سب سے محبوب ہو یعنی ہر کسی کا جگانا اچھا نہیں لگتا کیونکہ اس سے وحشت ہوتی ہے البتہ جب محبوب جگا تا ہے تو اچھا لگتا ہے، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اس کو اس جگہ سے اُٹھائے۔ اور اگر وہ مردہ منافق ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا تھا وہی میں کہتا تھا لیکن میں (اس کی حقیقت کو) نہیں جانتا (منافق کا یہ جواب سن کر) فرشتے کہتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ یقیناً تو یہی کہے گا، (اس کے بعد) زمین کو مل جانے کا حکم دیا جاتا ہے، چنانچہ زمین اس مردہ کو اسی طرح دباتی ہے کہ اس کی دائیں پسلیاں بائیں اور بائیں پسلیاں دائیں نکل آتی ہیں اور اسی طرح ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس جگہ سے اٹھائے۔“ (ترمذی)

تشریح: قبر میں فرشتے ہیبت ناک اور خوف ناک شکل میں آتے ہیں تاکہ ان کے خوف اور شکل کی وجہ سے کافروں پر ہیبت طاری ہو جائے اور وہ جواب دینے میں بدحواس ہو جائیں لیکن یہ مؤمنوں کے لئے آزمائش و امتحان ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان کو ثابت قدم رکھتا ہے اور وہ نڈر ہو کر صحیح جواب دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کامیاب ہو جاتے ہیں اس لئے کہ وہ دنیا میں خدا سے ڈرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قبر میں ہر قسم کے خوف و ہراس سے نڈر ہو جاتے ہیں۔

مردہ کے جواب میں فرشتوں کا یہ کہنا کہ ”ہم جانتے ہیں کہ تو یقیناً یہی کہے گا“ یا تو اس بناء پر ہوگا کہ پروردگارِ عالم کی جانب سے ان کو خبر دی جاتی ہوگی کہ فلاں مردہ یہ جواب دے گا اور فلاں مردہ وہ جواب دے گا، یا وہ مردہ کی پیشانی اور اس کے آثار سے یہ معلوم کر لیتے ہیں

کہ مؤمن کی پیشانی پر نور ایمانی کی چمک اور سعادت و نیک بختی کا نشان ہوتا ہے اور کافر و منافق کے چہرہ پر پھلکار برستی ہے۔
مؤمن جب صحیح جواب دے دیتا ہے اور اس پر خدا کی رحمت اور اس کی نعمتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں تو اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو اس اچھے معاملہ اور عظیم نعمت کی خبر دے دے جیسا کہ جب کوئی مسافر کسی جگہ راحت و سکون پاتا ہے اور وہاں عیش و آرام کے سامان اسے ملتے ہیں تو اس کی تمنائیں ہوتی ہیں کہ کاش اس وقت میں اپنے اہل و عیال اور اعزاء و اقرباء کے پاس جاتا تاکہ انہیں اپنے اس آرام و راحت سے اور چین و سکون سے مطلع کر دیتا۔ اس لئے مؤمن مردہ اپنے اہل و عیال کے پاس واپس جانے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔

(۷) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيَجْلِسَانِيهِ فَيَقُولَانِ لَهُ مَنْ رَبُّكَ فَيَقُولُ رَبِّي اللَّهُ فَيَقُولَانِ لَهُ مَا دِينُكَ فَيَقُولُ دِينِي الْإِسْلَامُ فَيَقُولَانِ لَهُ مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ فَيَقُولُ هُوَ رَسُولُ اللَّهِ فَيَقُولَانِ لَهُ وَمَا يَذَرُكَ فَيَقُولُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللَّهِ فَأَمَنْتُ بِهِ وَصَدَقْتُ فَذَلِكَ قَوْلُهُ يَنْبِئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الْآيَةُ قَالَ فَيَتَادَى مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ صَدَقَ عَبْدِي فَأَفْرِشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَالْبُسُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ فَيُفْتَحُ لَهُ قَالَ فَيَأْتِيهِ مِنْ رُوحِهَا وَطِيبُهَا وَيُفْسَخُ لَهُ فِيهَا مَدَّ بَصَرِهِ وَأَمَّا الْكَافِرُ فَذَكَرَ مَوْتَهُ قَالَ وَيُعَادِرُ رُوحُهُ فِي حَسَدِهِ وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيَجْلِسَانِيهِ فَيَقُولَانِ لَهُ مَنْ رَبُّكَ فَيَقُولُ هَاهُ هَاهُ لَا أَذْرِي فَيَقُولَانِ لَهُ مَا دِينُكَ فَيَقُولُ هَاهُ هَاهُ لَا أَذْرِي فَيَقُولَانِ لَهُ مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ فَيَقُولُ هَاهُ هَاهُ لَا أَذْرِي فَيَتَادَى مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ كَذَبَ فَأَفْرِشُوهُ مِنَ النَّارِ وَالْبُسُوهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ قَالَ فَيَأْتِيهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُومِهَا قَالَ وَيُصَيِّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتَّى تَحْتَلِفَ فِيهِ أَصْلَاعُهُ ثُمَّ يَقْبِضُ لَهُ أَعْمَى أَصَمُّ مَعَهُ مَرْزَبَةٌ مِنْ حَدِيدٍ لَوْ ضَرَبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تَرَابًا فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيرُ تَرَابًا ثُمَّ يُعَادُ فِيهِ الرُّوحُ۔ (رواہ احمد والبوداؤر)

”اور حضرت براء بن عازبؓ راوی ہیں آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ ﷺ نے فرمایا (قبر میں) مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ ”تیرا رب کون ہے؟“ وہ جواب دیتا ہے ”میرا رب اللہ ہے!“ پھر فرشتے پوچھتے ہیں ”تیرا دین کیا ہے؟“ وہ جواب میں کہتا ہے، ”میرا دین اسلام ہے“ پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں، جو شخص (خدا کی طرف سے) تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ کون ہے؟ وہ کہتا ہے ”وہ خدا کے رسول ہیں“ پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں یہ تجھے کس نے بتایا وہ کہتا ہے میں نے خدا کی کتاب پڑھی اور اس پر ایمان لایا اور اس کو سچ جانتا، (یعنی جو کلام اللہ پر ایمان لائے گا وہ رسول اللہ ﷺ پر پہلے ایمان لائے گا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا۔ یسب اللہ الذین امنوا بالقول الثابت (الایۃ) یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ثابت قدم رکھتا ہے جو ثابت بات پر ایمان لائے (اخیر آیت تک) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ آسمان سے پکارنے والا (یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کے حکم سے فرشتہ) پکار کر کہتا ہے میرے بندے نے سچ کہا لہذا اس کے لئے جنت کا فرش بچھاؤ اور اس کو جنت کی پوشاک پہناؤ، اور اس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (اس جنت کے دروازہ سے) اس کے پاس جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں اور جد نظر تک اس قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے اب رہا کافرا تو آنحضرت ﷺ نے اس کی موت کا ذکر کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ، پھر اس کی روح اس کے جسم میں ڈالی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھا کر پوچھتے ہیں، ”تیرا رب کون ہے؟“ وہ کہتا ہے، ہا ہاہ میں نہیں جانتا، پھر وہ پوچھتے ہیں ”تیرا دین کیا ہے؟“ وہ کہتا ہے، ہا ہاہ میں نہیں جانتا، پھر وہ پوچھتے ہیں، یہ شخص کون ہے (جو خدا کی جانب سے) تم میں بھیجا گیا تھا، وہ کہتا ہے ”ہا ہاہ میں نہیں جانتا“ پھر آسمان سے ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا، یہ جھوٹا ہے اس کے لئے آگ کا فرش بچھاؤ، آگ کا لباس اسے پہناؤ اور اس کے واسطے ایک دروازہ دوزخ کی طرف کھول دو آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ

دورخ سے اس کے پاس گرم ہوائیں اور لوئیں آتی ہیں، اور فرمایا اور اس کی قبر اس کے لئے تنگ کر دی جاتی ہے، یہاں تک کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی پسلیاں ادھر نکل آتی ہیں، پھر اس پر ایک اندھا اور بہرہ فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا ایسا گرز ہوتا ہے کہ اس کو اگر پہاڑ پر مارا جائے تو وہ پہاڑ مٹی ہو جائے اور وہ فرشتہ اس کو اس گرز سے اس طرح مارتا ہے کہ (اس کے پیچھے چلانے کی آواز) مشرق سے مغرب تک تمام مخلوقات سنتی ہے مگر جن و انسان نہیں سنتے اور اس مارنے سے وہ مردہ مٹی ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر اس کے اندر روح ڈالی جاتی ہے۔“ (احمد و ابوداؤد)

تشریح: ہا ہا ایک لفظ ہے جو عربی میں دہشت زدہ اور متحیر شخص بولتا ہے جیسے اردو میں حیرت و دہشت کے وقت آہ، ہائے اور وائے وائے بولا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس وقت کافر اتنا خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ اس کی زبان سے سمیت ناک کی خوف و حسرت کے الفاظ نکلتے ہیں اور وہ صحیح جواب نہیں دے پاتا اور وہ کہتا ہے کہ ”میں نہیں جانتا“ اس کے اس جواب پر ندائے غیب سے اس کو جھوٹا قرار دیا جاتا ہے، اس لئے کہ دین اسلام کی آواز مشرق سے لے کر مغرب تک پہنچی اور پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنا نشان چاروں رنگ عالم میں پھیلایا اور تمام دنیا اس آفاقی و آسمانی مذہب سے باخبر تھی، اسکے باوجود اس کا یہ کہنا کہ میں کچھ نہیں جانتا مجھے کچھ معلوم نہیں ہوا، سراسر کذب اور جھوٹ ہے۔ قبر میں عذاب کے جو فرشتے مقرر کئے جاتے ہیں وہ اندھے اور بہرے ہوتے ہیں، اس کی حکمت یہ ہے کہ وہ نہ تو مردہ کے پیچھے چلانے کی آواز سن سکیں اور نہ اس کے حال کو دیکھ سکیں تاکہ رحم نہ آ سکے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معذب مردہ کے جسم میں بار بار روح ڈالی جاتی ہے تاکہ اس پر عذاب شدید سے شدید ہو سکے اور یہ اس چیز کا انجام ہے کہ وہ دنیا میں عذاب قبر کا انکار کیا کرتا تھا اور اس کو جھٹلایا کرتا تھا۔ (نعوذ باللہ)۔

⑧ وَعَنْ عَثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ إِذَا وَقَفَ عَلَى قَبْرِ بَكِي حَتَّى يَبْلُغَ لَحِيضَهُ فَقِيلَ لَهُ تَذَكَّرِ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْكِي وَتَبْكِي مِنْ هَذَا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْأُخْرَةِ فَإِنْ نَجَّاهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زِلْتُ مَنْظَرًا أَقْطُرُ الْأَوَّلَ وَالْقَبْرَ أَقْطَعُ مِنْهُ زَوَاهِ التَّرْمِذِيُّ وَأَبْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت عثمانؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو (خوف خدا سے) اس قدر روتے کہ ان کی ڈاڑھی (آنسوؤں) سے تر ہو جاتی، ان سے کہا گیا کہ آپ جب جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور اس جگہ کھڑے ہو کر روتے ہیں (اس کے جواب میں) انہوں نے کہا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے، آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے لہذا جس نے اس منزل سے نجات پائی اس کو اس کے بعد آسانی ہے اور جس نے اس منزل سے نجات نہیں پائی اس کو اس کے بعد سخت دشواری ہے ”حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”کہ میں نے کبھی کوئی منظر قبر سے زیادہ سخت نہیں دیکھا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔)

تشریح: یعنی قبر پر کھڑے ہو کر انسان عیش و عشرت کو بھول جاتا ہے اور دنیا کی بے ثباتی پر اس کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خوفِ خدا سے اپنے قلب کو لرزاں پاتا ہے اور آخرت سے لگاؤ محسوس کرتا ہے نیز قبر عیش و عشرت سے متفرگ کرتی ہے اور محنت و مشقت اور یادِ الہی میں مصروف رکھتی ہے۔ اسی کو فرمایا گیا ہے سب سے زیادہ سخت جگہ قبر ہے۔

⑨ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَّغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ ثُمَّ سَلُّوا لَهُ بِالتَّشْيِيبِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو کر (لوگوں سے) فرماتے

اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو، یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت اس کو ثابت قدم رکھے اس لئے کہ اس وقت اس سے سوال کیا جاتا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندوں کی طرف سے مردہ کے لئے دعائے استغفار کارآمد اور مفید ہے چنانچہ اہل سنت و الجماعت کا یہی مسلک ہے۔

یہ دعائیں مردہ کی استقامت و اثبات کے لئے دعا، تلقین میت کے علاوہ ہیں جو دفن کرنے کے بعد کرتے ہیں تلقین میت کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ تلقین اکثر حنفیہ کے یہاں ثابت نہیں ہے لیکن اکثر شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے، چنانچہ دفن کرنے کے بعد تلقین میت کے سلسلے میں ایک حدیث ابوامامہ صحابیؓ سے وارد ہوئی ہے جسے علامہ سیوطیؒ نے جمع الجوامع میں طبرانی سے ذکر کیا ہے اور ابن نجار، ابن عساکر اور دیلمی نے بھی ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی انتقال کر جائے اور اسے دفن کر چکو تو ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑا ہو اور کہے ”اے فلاں ابن فلاں“ مردہ یہ الفاظ سنتا ہے لیکن جواب نہیں دیتا، وہ شخص پھر کہے ”اے فلاں ابن فلاں“ اس مرتبہ مردہ کہتا ہے خدا آپ پر رحم کرے، ارشاد فرمائیے، لیکن تم اسے نہیں سنتے۔ اس کے بعد اس شخص کو کہنا چاہئے، اے فلاں! اس کلمہ کو یاد کرو جس پر تم اس دنیا سے سدھارے اور وہ لا الہ الا اللہ وان محمدًا عبدہ ورسولہ کی شہادت ہے نیز تم اس پر راضی ہوئے کہ خدا تمہارا پروردگار ہے محمد ﷺ تمہارے ساتھی پیغمبر ہیں، اسلام تمہارا دین ہے اور قرآن تمہارا راہبر امام ہے جب یہ کہا جاتا ہے تو منکر و نکیر میں سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے کہ چلو اس بندہ کے سامنے سے باہر نکلو! اس سے ہمیں کیا سروکار کیونکہ حق تعالیٰ کی جانب سے اس کو تلقین کی جارہی ہے۔

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ہم میت کی ماں کا نام نہ جانتے ہوں تو کیا کہیں اور اس کی نسبت کس طرف کریں؟ آنحضرت نے فرمایا، حوا کی طرف نسبت کرو اس لئے کہ وہ سب کی ماں ہیں۔

نیز تلقین میت کے سلسلہ میں اس کے علاوہ قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر سورہ بقرہ کا ”مفلحون“ اور آمن الرسول سے آخر سورت تک پڑھنا بھی منقول ہے اور اگر قرآن شریف پورا پڑھا جائے تو یہ سب سے افضل و بہتر ہے بعض علماء نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر وہاں کسی بھی مسئلہ کا ذکر کیا جائے تو یہ بھی فضیلت کا باعث اور رحمت خداوندی کے نزول کا سبب ہوگا۔

⑩ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ لَطَمٌ عَلَى الْكَافِرِ فِي قَبْرِهِ سَعَةٌ وَتَسْعُونَ تَبِينًا تَنْهَسُهُ وَتَلْدَغُهُ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ لَوْ أَنَّ تَبِينًا مِنْهَا نَفَخَ فِي الْأَرْضِ مَا أَتَبَتْ خَضِرًا - رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ وَقَالَ سَبْعُونَ بَدَلِ سَعَةٍ وَتَسْعُونَ -

”اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، کافر کے اوپر اس کی قبر میں ٹانوں کے اڑدہاں ملط کئے جاتے ہیں جو اس کو قیامت تک کاٹتے اور ڈستے ہیں اور وہ اڑدہاں ایسے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک اڑدہاں میں پر پھنکار مارے تو زمین سبزہ اگانے سے محروم ہو جائے، دارمیؒ اور ترمذیؒ سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے لیکن اس میں بجائے ٹانوں کے ستر کا عدد ہے۔“

الفصل الثالث

⑪ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ حِينَ تُوْفِيَ فَلَمَّا صَلَّى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَسُويَ عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِيلًا ثُمَّ كَثُرَ فَكَبَّرْنَا فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَثُرْتَ فَقَالَ لَقَدْ تَضَائِقَ عَلَى هَذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهُ حَتَّى فَرَجَهُ اللَّهُ عَنْهُ -

”حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ حضرت سعد بن معاذؓ کی وفات کے بعد ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ ان کے جنازہ پر گئے، جب آنحضرت ﷺ جنازہ کی نماز پڑھ چکے اور حضرت سعدؓ کو قبر میں اتار کر قبر کی مٹی برابر کر دی گئی تو سرکارِ دو عالم ﷺ تسبیح (یعنی سبحان اللہ) پڑھتے رہے پھر آپ ﷺ نے تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کہی ہم نے بھی تکبیر کہی، پھر آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ آپ ﷺ نے تسبیح کیوں پڑھی اور پھر تکبیر کیوں کہی؟ فرمایا اس بندہ صالحؓ پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی پھر خدا نے ہماری تسبیح و تکبیر کی وجہ سے اسے کشادہ کر دیا۔“ (احمد)

تشریح: تسبیح و تکبیر سے خدا کا غضب رحمت میں اور اس کا غصہ شفقت میں بدل جاتا ہے اور وہاں مقدس کلموں کی بدولت اپنی رحمت و نعمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

چنانچہ اسی لئے خوف و دہشت کے موقع پر یا کسی خوفناک چیز کو دیکھ کر تکبیر کہنی مستحب ہے۔ تسبیح و تکبیر کا جتنا اور درکھا جائے گا اتنا ہی خدا کی رحمت سے قریب ہوتا جائے گا اور دنیاوی آفات و بلائیں غضبِ خداوندی سے دور ہوتا جائے گا۔

(۱۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا الَّذِي تَحْرُكُ لَهُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَشَهِدَهُ سَبْعُونَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَقَدْ ضَمَّ ضُمَّةً ثُمَّ فُتِحَ عَنْهُ. (رواه النسائي)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ (یعنی سعد ابن معاذؓ) وہ شخص ہیں جن کے لئے عرش نے حرکت کی (یعنی اس کی جب پاک روح آسمان پر پہنچی تو اہل عرش نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا) اور ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے گئے اور ان کے جنازے پر ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے اور ان کی قبر تنگ کی گئی۔ پھر یہ تنگی دور ہوئی اور آنحضرت ﷺ کی برکت سے ان کی قبر کشادہ ہو گئی۔“

(۱۳) وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا فَذَكَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِي يَفْتَنُ فِيهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذَلِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُونَ ضَجَّةً رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ هَكَذَا وَزَادَ النَّسَائِيُّ خَالَتْ بَيْنِي وَبَيْنَ أَنْ أَفْهَمَ كَلَامَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَكَنْتُ ضَجَّتْهُمْ قُلْتُ لَوْ جُلُّ قَرِيبٍ مِثْنِي أَيْ بَارَكَ اللَّهُ فَبَكَرَ مَاذَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ قَوْلِهِ قَالَ قَالَ قَدْ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ قَرِيبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَالِ۔

”اور حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ راوی ہیں کہ ایک دن سرکارِ دو عالم ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور قبر کے فتنہ کا ذکر فرمایا جس میں انسانوں کو مبتلا کیا جاتا ہے چنانچہ اس ذکر سے مسلمان (خوف زدہ ہو کر روتے) اور چلاتے رہے، یہ روایت بخاری کی ہے اور نسائی نے اتنا اور زیادہ بیان کیا ہے کہ (خوف و دہشت کی وجہ سے) مسلمانوں کے چیخنے اور چلانے کے سبب میں آنحضرت ﷺ کے الفاظ کو نہ سن سکی، جب یہ چیخنا چلانا بند ہوا تو میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا، خدا تمہیں برکت عطا فرمائے (یعنی تمہارے علم و حلم میں زیادتی ہو، آخر میں آنحضرت ﷺ نے کیا فرمایا؟) اس شخص نے کہا آپ ﷺ نے فرمایا، مجھ پر یہ وحی آئی ہے کہ تم قبروں کے اندر فتنہ میں ڈالے جاؤ گے یعنی تم کو آزمایا جائے گا اور یہ آزمائش و امتحان فتنہ و جال کے قریب قریب ہوگا۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح فتنہ و جال اپنی تباہی و بربادی اور نقصان و خسران کی بناء پر سخت ہلاکت آفریں اور تباہ کن ہوگا، اسی طرح فتنہ قبر بھی ہول و دہشت اور اپنی شدت و سختی کی بنا پر بہت زیادہ خوفناک ہوگا، لہذا خدا تعالیٰ سے دعا مانگی چاہئے کہ وہ ایسے سخت و نازک وقت میں اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور اس امتحان و آزمائش میں ثابت قدم رکھے۔

(۱۴) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دُخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ هَبَّتْ لَهُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوبِهَا فَيَجْلِسُ

”آپ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی ذی شان صاحبزادی حضرت زبیر بن عوام کی زوجہ مطہرہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی والدہ محترمہ ہیں آپ اپنی بہن عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔ مکہ معظمہ میں آپ اسلام لائیں تھیں۔ آپ نے مکہ میں بعمر ۱۱ سال انتقال فرمایا۔“

يَمْسُخُ عَيْنِيهِ وَيَقُولُ دَعُونِيْ اَصْلِيْ - (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب مردہ (مومن) کو قبر کے اندر دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے سامنے غروب آفتاب کا وقت پیش کیا جاتا ہے، چنانچہ وہ مردہ ہاتھوں سے آنکھوں کو ملتا ہوا اٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے چھوڑ دو تاکہ میں نماز پڑھ لوں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: باعل مومن مردہ جس وقت قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو وہ جس طرح دنیا میں ایمان و اسلام پر قائم رہا اور فرائض اسلام کی ادائیگی سے کبھی غافل نہ رہا، اسی طرح قبر میں بھی اسے سب سے پہلے نماز ہی یاد آتی ہے چنانچہ جب منکر و نکیر اس کے پاس قبر میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ سوال و جواب سے پہلے نماز ادا کرنے کے لئے کہتا ہے کہ پہلے میں نماز پڑھ لوں اس کے بعد تمہیں جو کچھ کہنا سننا ہو کہو سنو یا سوال و جواب کے بعد وہ یہ الفاظ کہتا ہے اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ میں اپنے گھروالوں کے درمیان بیٹھا ہوں، اس کے شعور و احساس میں سب سے پہلے نماز ہی آتی ہے۔ یہ حالت اس کی رعایت حال پر دلالت کرتی ہے کہ گویا وہ هنوز دنیا میں ہی ہے اور سو کر ابھی اٹھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو بندہ دنیا میں پکا نمازی ہوگا، اور جس کی نماز کبھی قصا نہیں ہوتی ہوگی، قبر میں بھی حسب عادت اسے پہلے نماز ہی یاد آئے گی۔

دفن کے بعد مردہ کے سامنے غروب آفتاب کا وقت پیش کرنا اس کی حالت مسافر اور تنہائی کی مناسبت کی وجہ سے ہے چنانچہ جب کوئی مسافر کسی شہر میں شام کو پہنچتا ہے تو وہ حیرانی و پریشانی کے عالم میں چاروں طرف دیکھتا ہے کہ کہاں جاؤں اور کیا کروں؟ جیسا کہ شام غریباں مشہور ہے۔

توزلف را کشا دی و تاریک شد جہاں اکنون فدا شام غریباں کجا روند

اور

نماز شام غریباں چو گریہ آغازم یہائے ہائے غریبانہ گر بہ پردازم

①۵ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمَيِّتَ يَصْنُرُ إِلَى الْقَبْرِ فَيَجْلِسُ الرَّجُلُ فِي قَبْرِهِ مِنْ غَيْرِ فَرْعٍ وَلَا مَشْغُوبٍ ثُمَّ يُقَالُ لَهُ فِيمَ كُنْتَ فَيَقُولُ كُنْتُ فِي الْإِسْلَامِ فَيُقَالُ مَا هَذَا الرَّجُلُ فَيَقُولُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَصَدَّقْنَاهُ فَيُقَالُ لَهُ هَلْ رَأَيْتَ اللَّهَ فَيَقُولُ مَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَرَى اللَّهَ فَيَفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قَبْلَ النَّارِ فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيُقَالُ لَهُ أَنْظُرْ إِلَى مَا وَفَّقَكَ اللَّهُ ثُمَّ يَفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قَبْلَ الْجَنَّةِ فَيَنْظُرُ إِلَى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيهَا فَيُقَالُ لَهُ هَذَا مَقْعَدُكَ عَلَى الْيَقِينِ كُنْتَ وَعَلَيْهِ مِتَّ وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَيَجْلِسُ الرَّجُلُ الشُّوْءَ فِي قَبْرِهِ فَرَعًا مَشْغُوبًا فَيُقَالُ لَهُ فِيمَ كُنْتَ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي فَيُقَالُ لَهُ مَا هَذَا الرَّجُلُ فَيَقُولُ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ قَوْلًا فَقُلْتُه فَيَفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قَبْلَ الْجَنَّةِ فَيَنْظُرُ إِلَى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيهَا فَيُقَالُ لَهُ أَنْظُرْ إِلَى مَا صَرَفَ اللَّهُ عَنْكَ ثُمَّ يَفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ إِلَى النَّارِ فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيُقَالُ هَذَا مَقْعَدُكَ عَلَى الشَّكِّ كُنْتَ وَعَلَيْهِ مِتَّ وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى - (رواہ ابن ماجہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جب مردہ قبر کے اندر پہنچتا ہے (یعنی اسے دفن کر دیا جاتا ہے) تو (نیک) بندہ قبر کے اندر اس طرح اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے کہ نہ تو وہ لمحہ بھر خوفزدہ ہوتا اور نہ گھبرایا ہوا، پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ ”تم کس دین میں تھے؟“ وہ کہتا ہے میں دین اسلام میں تھا! پھر اس سے پوچھا جاتا ہے ”یہ شخص محمد ﷺ کون ہیں؟“ وہ کہتا ہے محمد (ﷺ) خدا کے رسول ہیں جو خدا کے پاس سے ہمارے لئے کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے اور ہم نے ان کی تصدیق کی۔ پھر اس سے سوال کیا جاتا

ہے کہ کیا تم نے اللہ کو دیکھا ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ، خدا تعالیٰ کو تو کوئی نہیں دیکھ سکتا! اس کے بعد اس کے لئے ایک روشن دان دوزخ کی طرف کھولا جاتا ہے اور وہ ادھر دیکھتا ہے اور آگ کے شعلوں کو اس طرح بھڑکتا ہوا پاتا ہے گویا اس کی لپیشیں ایک دوسرے کو کھا رہی ہیں اور اس سے کہا جاتا ہے، اس چیز کو دیکھو جس سے اللہ نے تجھے بچایا ہے، پھر اس کے لئے ایک کھڑکی جنت کی طرف کھول دی جاتی ہے، وہ جنت کی تروتازگی اور اس کی چیزوں کو دیکھتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے، یہ تمہارا ٹھکانہ ہے کیونکہ تمہارا اعتقاد مضبوط اور اس پر تمہیں کامل یقین تھا اور اسی یقین و اعتماد کی حالت میں تمہاری وفات ہوئی اور اسی حالت میں تمہیں (قیامت کے دن) اٹھایا جائے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ اور بدکار بندہ اپنی قبر میں خوف زدہ اور گھبرایا ہوا اٹھ کر بیٹھتا ہے پس اس سے پوچھا جاتا ہے تو کس دین میں تھا؟ وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا، پھر اس سے پوچھا جاتا ہے ”یہ شخص (محمد ﷺ) کون تھے“ وہ کہتا ہے، میں لوگوں کو جو کچھ کہتے سنتا تھا وہی میں کہتا تھا، اس کے بعد اس کے لئے بہشت کی طرف ایک روشن دان کھولا جاتا ہے جس سے وہ بہشت کی تروتازگی اور اس کی چیزوں کو دیکھتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے، اس چیز کی طرف دیکھ جسے خدا نے تجھ سے پھر لیا ہے پھر اس کے لئے دوزخ کی طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ آگ کے تیز شعلے ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں۔ اور اس سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے اس شک کے سبب جس میں تو مبتلا تھا اور جس پر تو مرنا اور اسی پر تو اٹھایا جائے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔“ (ابن ماجہ)

بَابُ الْإِعْتَصَامِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ کتاب و سنت پر اعتماد کرنے کا بیان

کتاب سے مراد کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے اور سنت سے مراد آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال ہیں جن کے مجموعہ کا نام حدیث ہے ان کو شریعت، طریقت، حقیقت کہتے ہیں۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَخَذَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ زِدٌّ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مؤمن و مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اعتقاد و ایمان پختہ اور کامل ہو کہ قرآن و سنت نے جو راستہ بتا دیا ہے اس پر پورے یقین کے ساتھ چلنا اور شریعت نے جو حدود قائم کر دی ہیں ان کے اندر پورے اعتقاد کے ساتھ رہنا یمن فلاح و سعادت سمجھے، اپنی طرف سے ایسے راستے پیدا کرنا جو سراسر منشاء شریعت کے خلاف ہوں، یا ایسے طریقے اختیار کرنا جو قرآن و سنت کے صحیح راستے سے الگ ہوں نہ صرف یہ کہ ایمان و اعتقاد کی سب سے بڑی کمزوری ہے بلکہ دعویٰ اسلام کے برخلاف بھی ہے۔

چنانچہ اس حدیث میں ان لوگوں کو مردود قرار دیا جا رہا ہے جو شخص اپنی نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض کی بنا پر دین و شریعت میں نئے نئے طریقے رائج کرتے ہیں اور ایسی غلط باتوں کا انتساب شریعت کی طرف کرتے ہیں جن کا اسلام میں سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی شخص اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتا ہے اور اپنی فہم کے مطابق اسلام کی نئی چیزیں پیدا کرتا ہے جس کا ثبوت نہ تو قرآن و سنت سے ظاہر ہے اور نہ معنا اور نہ اس کی سند کسی اسلامی نظریہ سے مستنبط ہے تو اسے مردود قرار دیا جائے گا۔ ہاں حدیث کے الفاظ مایس منہ نے

اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ایسی چیزیں پیدا کرنا، یا ایسے نظریے قائم کرنا جو کتابِ سنت کی منشاء کے خلاف اور ان کے برعکس نہ ہوں ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور نہ ان پر کوئی نکیر قائم کی جاسکتی ہے۔

(۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُخَذَّاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ بعد ازاں جاننا چاہئے کہ بے شک سب سے بہتر بات خدا کی کتاب ہے، سب سے بہترین راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور سب سے بدترین چیز وہ ہے جس کو (دین میں) نیا نکالا گیا ہو اور ہر بدعت (اپنی طرف سے دین میں پیدا کی ہوئی نئی بات) گمراہی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے ہوں گے، چنانچہ سب سے پہلے آپ ﷺ نے خدا کی حمد و تعریف کی ہوگی پھر اما بعد یعنی بعد ازاں کہہ کر یہ حدیث اس طرح ارشاد فرمائی۔

بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کا وجود آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں نہ رہا بلکہ آپ ﷺ کے بعد مختلف زمانوں میں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ بدعت کی دو قسمیں ہیں ”بدعت حسنہ“ اور ”بدعت سیئہ“ یعنی اگر ایسی چیزیں نکالی گئی ہیں جو اسلامی اصول و قواعد کے مطابق ہوں اور قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہوں تو ان کو بدعت حسنہ کہتے ہیں، اور جو چیزیں منشاء شریعت کے برعکس اور قرآن و حدیث کے برخلاف ہوں ان کو بدعت سیئہ کہتے ہیں اور یہی بدعت گمراہی و ضلالت اور خداوند کے رسول کی ناراضگی کا باعث ہے، چنانچہ حدیث میں کل بدعت ضلالت سے مراد یہی بدعت سیئہ ہے ایسی بدعت سے اجتناب ضروری ہے۔

جاننا چاہئے کہ بعض بدعت ایسی ہیں جو واجب بھی ہیں مثلاً علم نحو کی تعلیم کہ اس کے بغیر کلام اللہ سمجھنا ممکن ہے اس لئے قرآنی علوم و معارف کو سمجھنے کے لئے علم نحو حاصل کرنا ضروری ہے۔

اس کے برخلاف بعض بدعات حرام ہیں مثلاً قدیریہ و جبریہ کے مذاہب اور ان کے افکار و نظریات جو قرآن و سنت کے بالکل برخلاف ہیں بلکہ ان کے مذاہب کا رد کرنا بدعت واجبہ ہے۔

بعض بدعات مستحب ہیں جیسے خانقاہیں قائم کرنا اور وہاں معرفت الی اللہ کے لئے لوگوں کے قلوب کو راہ حق پر لگانا، یا مدرسے قائم کرنا جہاں مسلمان بچوں کو دینی تعلیم و تربیت دینا، یا ای طرح ایسے تمام کار خیر اور اچھی چیزیں جن کی فی الوقت ضرورت مسلم ہو اور وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود نہ رہی ہوں۔

کچھ بدعت مکروہ بھی ہیں مثلاً کلام اللہ اور مساجد پر نقش و نگار بنانا اور ان کی تزئین و آرائش کے لئے غیر مسنون طریقے اختیار کرنا، بعض بدعت مباح بھی ہیں، جیسے صبح کے بعد مصافحہ کرنا لیکن یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے خفیہ کے یہاں صبح کے بعد کا مصافحہ کرنا مکروہ ہے۔

بدعت کے سلسلہ میں امام شافعیؒ نے بڑا اچھا تجزیہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں جو نئی بات پیدا کی جائے یعنی بدعت اگر وہ کتاب کے مخالف صحابہ کے اقوال کے منافی اور اجماع امت کے برعکس ہو تو وہ ضلالت و گمراہی ہے اور جو چیزیں ایسی نہ ہوں ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ ثَلَاثَةٌ مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَمُبْتَدِعٌ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةِ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُظْلَبٌ دَمِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيَهْرَيْقَ دَمَهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مغضوب (وہ لوگ جن سے خدا سخت ناراض ہے) تین ہیں۔ ① حرم میں کجروی کرنے والا۔ ② اسلام میں ایامِ جاہلیت کے طریقوں کو ڈھونڈنے والا۔ ③ کسی مسلمان کے خون ناحق کا طلب گار تاکہ اس کے خون کو بہائے۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں تین آدمیوں کو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مغضوب قرار دیا جا رہا ہے، پہلا شخص تو وہ ہے جسے خدا نے اپنے گھر یعنی بیت اللہ میں حاضری کی سعادت بخشی مگر وہ بیت اللہ کی نہ تو عظمت کرتا ہے اور نہ حدود حرم میں ممنوع چیزوں سے پرہیز کرتا ہے بلکہ وہ حرم میں کجروی کرتا ہے یعنی ایسی چیزیں اختیار کرتا ہے جو ایک طرف تو اس مقدس جگہ کی شانِ عظمت کے منافی ہیں اور دوسری طرف احکام شریعت کی کھلی خلاف ورزی کے مترادف ہیں مثلاً وہاں لڑائی، جھگڑا کرنا، شکار کرنا، یا کوئی بھی مطلق گناہ اور قانون شریعت کی خلاف ورزی کرنا۔

دوسرا شخص وہ ہے جس کو خدا نے ایمان و اسلام کی دولت سے نوازا اور اس کے قلب کو یقین و اعتقاد کی روشنی سے منور کیا مگر وہ اسلام میں ان چیزوں کو اختیار کرتا ہے جو خالص زمانہ جاہلیت کا طریقہ اور غیر اسلامی رسمیں تھیں جیسے نوحہ کرنا، یا مصائب و تکالیف کے وقت چاک گریبان ہونا، برے شگون لینا، اور نوروز کرنا، یا ایسی رسمیں کرنا جو خالص کفر کی علامت ہوں (جیسے اولیاء اللہ کے مزار پر عرس کرنا، وہاں چراغاں کرنا، قبروں پر روشنی کا انتظام کرنا، غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز کرنا محرم و شب برات میں غلطیوں میں ادا کرنا۔ وغیرہ وغیرہ)۔ تیسرا شخص وہ ہے جو کسی مسلمان کا ناحق خون بہانے کا طلب گار ہو یعنی کسی مسلمان کو قتل کرنے کا مقصد محض خون ریزی ہو اور کوئی دوسرا مقصد نہ ہو، اگرچہ محض قتل ہی کوئی چھوٹا جرم نہیں ہے اس پر بھی بڑی وعید ہے مگر جب مقصد صرف خون ریزی ہو تو یہ جرم شریعت کی نظر میں اور زیادہ قابلِ نفیس ہو جاتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب محض خون ریزی کی خواہش اور طلب ہی اثنا بڑا جرم ہے تو اس جرم کو کر گزرنے والی یعنی واقعہ کسی کا ناحق خون بہا دینا اتنا بڑا جرم ہو گا اور اس کی تفتی سخت سزا ہوگی؟۔

(۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ أُمَّتٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى قِيلَ وَمَنْ أَبَى قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میری امت جنت میں داخل ہوگی مگر وہ شخص جس نے انکار کیا اور سرکشی کی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، پھر پوچھا گیا ”وہ کون شخص ہے جس نے انکار کیا اور سرکشی کی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے میری اطاعت و فرمانبرداری کی وہ جنت میں داخل ہوا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا اور سرکشی کی۔“ (بخاری)

تشریح: صحابہؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ قبول کرنے والا اور سرکشی اختیار کرنے والا کون ہے؟ آنحضرت ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ جس نے میری اطاعت نہیں کی اور میرے احکام و فرماں سے روگردانی کی وہ سرکش ہے جو جنت کا مستحق نہیں ہوگا بلکہ اپنی سرکشی اور نافرمانی کی بناء پر خدا کے عذاب کا مستوجب گردانا جائے گا۔

(۵) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتْ مَلَائِكَةُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالُوا إِنَّ لِمَاحِجِكُمْ هَذَا مَثَلًا فَاصْبِرُوا لَهُ مَثَلًا قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبُ يَقْظَانُ فَقَالُوا امْثَلْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا وَجَعَلَ فِيهَا مَأْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِيًا فَمَنْ أَحَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَآكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ فَقَالُوا أَوَلَوْهَا لَهُ يَفْقَهُهَا قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبُ يَقْظَانُ فَقَالُوا الدَّارُ الْجَنَّةُ وَالدَّاعِيَ مُحَمَّدٌ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمُحَمَّدٌ فَرَّقَ بَيْنَ النَّاسِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (کچھ) فرشتے آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ ﷺ سو رہے تھے فرشتوں نے آپس میں کہا۔ تمہارے اس دوست یعنی آنحضرت ﷺ کے متعلق ایک مثال ہے اس کو ان کے سامنے بیان کرو، دوسرے فرشتوں نے کہا، وہ سوئے ہوئے ہیں (لہذا بیان کرنے سے کیا فائدہ) ان میں سے بعض نے کہا، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے، پھر اس نے

کہا، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے گھربنایا اور لوگوں کے کھانا کھانے کے لئے دسترخوان چنا اور پھر لوگوں کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا لہذا جس نے بلانے والے کی بات کو مان لیا وہ گھر میں داخل ہوگا اور کھانا کھائے گا اور جس نے بلانے والے کی بات کو قبول نہ کیا وہ نہ گھر میں داخل ہوگا اور نہ کھانا کھائے گا یہ سن کر فرشتوں نے آپس میں کہا، اس کو (وضاحت کے ساتھ) بیان کرو تاکہ یہ اسے سمجھ لیں، بعض فرشتوں نے کہا بیان کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ وہ تو سوتے ہوئے ہیں۔ دوسروں نے کہا، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے اور پھر کہا، گھر سے مراد تو جنت ہے اور بلانے والے سے مراد محمد ﷺ ہیں جس نے محمد ﷺ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: اس شخص سے مراد جس نے گھربنایا اور دسترخوان چنا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح دسترخوان اور کھانے سے مراد بہشت کی نعمتیں ہیں چونکہ یہ ظاہری طور پر مفہوم ہو رہے ہیں اس لئے ان کی وضاحت نہیں کی گئی آخر میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی لوگوں کے درمیان فرق کرنے والی ہے یعنی کافر و مومن حق و باطل اور صالح و فاسق میں آپ ﷺ فرق کرنے والے ہیں۔

① وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ ثَلَاثَةٌ رَهْطًا إِلَىٰ أَرْوَاحِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَخْبَرُوا بِهَا كَانَتْهُمْ تَقَالُوهَا فَقَالُوا آتَيْنَا نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ فَقَالَ أَحَدُهُمْ أَمَّا أَنَا فَأَصَلَّى اللَّيْلَ أَبَدًا وَقَالَ الْآخَرُ أَنَا أَصُومُ النَّهَارَ أَبَدًا وَلَا أَفْطِرُ وَقَالَ الْآخَرُ أَنَا أَعْتَرِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذًا وَكَذَا أَمَّا وَاللَّهِ إِنِّي لَا أَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَاتَّقَاكُمْ لَهُ لِكَيْتِي أَصُومُ وَأَفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأُزْفِدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔ (متفق علیہ)

”حضرت انسؓ راوی ہیں کہ تین شخص آنحضرت ﷺ کی بیویوں کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ان سے آنحضرت ﷺ کی عبادت کا حال دریافت کریں، جب ان لوگوں کو آپ ﷺ کی عبادت کا حال بتلایا گیا تو انہوں نے آپ کی عبادت کو کم خیال کر کے آپس میں کہا۔ آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں ہم کیا چیز ہیں اللہ تعالیٰ نے تو ان کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے ہیں، ان میں سے ایک نے کہا، اب میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا، اور میں دن کو ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور کبھی افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا، ان میں آپس میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا، تم لوگوں نے ایسا ویسا کہا ہے، خبردار! میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں، اور تم سے زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہوں (لیکن اس کے باوجود) میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں میں (رات میں) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں (لیکن میرا طریقہ ہے لہذا) جو شخص میرے طریقہ سے انحراف کرے گا وہ مجھ سے نہیں (یعنی میری جماعت سے خارج ہے)۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: تین صحابی یعنی حضرت علی، حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ازواج مطہرات کی خدمت میں آنحضرت ﷺ کی عبادت کا حال معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئے جب ان لوگوں کو آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم ہوا تو اسے انہوں نے کم خیال کرتے ہوئے کہا کہ کہاں ہم اور کہاں رسول اللہ ﷺ؟ یعنی عبادت کے مقابلہ میں ہمیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذات اقدس سے کیا نسبت؟ اس لئے کہ آپ ﷺ کو تو اتنی بھی عبادت کی حاجت نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ سراپا معصوم اور مغفور ہیں آپ ﷺ کے اگلے پچھلے تمام گناہ بارگاہ الوہیت میں سے پہلے ہی بخش دیے گئے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔

”تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دے۔“

چنانچہ ان تینوں نے حسب طبیعت ایک ایک چیز کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور یہ خیال کیا کہ عبادت میں اتنی زیادتی عرفان حق کا باعث اور تقرب الی اللہ کا واحد ذریعہ ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں اس سے منع فرمادیا اس لئے کہ عبادت وہی معتبر اور قابل تحسین ہوگی جو خدا اور خدا کے رسول کی قائم کردہ حدود کے اندر ہو اور جتنی عبادت کے لئے بندہ کو مکلف کیا گیا ہے اتنی عبادت ہی تقرب الی اللہ کا باعث ہوگی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ ڈرتا ہوں، تقویٰ تم سے زیادہ اختیار کئے ہوئے ہوں، خوف خدا میرے دل میں تم سے زیادہ ہے لیکن اس کے باوجود بھی میری عبادت اور میری ریاضت ان ہی حدود کے اندر ہے جو خدا نے قائم کر دی ہے، اسی لئے میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سونے کے وقت سوتا بھی ہوں اور بقضائے فطرت عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔

چنانچہ کمال انسانیت یہی ہے کہ بندہ علاقے سے تعلق رکھے، عورتوں سے نکاح بھی کرے لیکن اس شان کے ساتھ کہ ایک طرف تو ان کے حقوق میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہو اور دوسری طرف حقوق اللہ میں بھی فرق نہ آئے اور نہ توکل کا دامن ہاتھ سے چھوٹے، اسی چیز کو آنحضرت ﷺ نے پورے کمال کے ساتھ عملی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کر دیا تاکہ امت بھی اسی طریقہ پر چلتی رہے۔ اور پھر آخر میں آپ ﷺ نے صاف طور پر اعلان فرمادیا کہ یہ میرا طریقہ ہے اور یہی میری سنت، اب جو شخص میری سنت سے انحراف کرتا ہے، میری بتائی ہوئی حدود سے تجاوز کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ میری سنت اور میرے طریقہ سے بیزاری و بے رغبتی کر رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسا شخص میری جماعت سے خارج ہے اسے مجھ سے اور میری جماعت سے کوئی نسبت نہیں۔ اس ارشاد نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ علاقہ دنیا سے بالکل منہ موڑ لینا اور رہبانیت کا طریق اختیار کر لینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ انسانی زندگی کا شیرازہ بکھر جائے گا بلکہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں بھی کوتاہی ہوگی اور عبادت کا جو اصلی حق ہے وہ ادا نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاقؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استنباط کیا ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو بدعت حسنہ کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ تینوں صحابہؓ نے جن چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ عبادت ہی کی قسم سے تھیں لیکن چونکہ یہ سنت کے طریقہ کے خلاف اور اس سے زیادہ تھیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو پسند نہیں فرمایا اور اس سے منع فرمادیا، لہذا اولیٰ یہی ہے کہ جو عبادت آں حضرت ﷺ سے منقول ہو، اور جس طرح ثابت ہو اسی طرح ادا کرے اس میں اپنی طرف سے کمی زیادتی نہ کرے۔

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَنَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَلَبَّغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَظَبَ فَحَمِدَ اللَّهُ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ فَوَاللَّهِ إِنِّي لَا أَعْلَمُهُمْ بِاللَّهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً۔ (تفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک کام کیا اور اس کی اجازت دے دی لیکن کچھ لوگوں نے اس سے پرہیز کیا جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور خدا کی حمد و تعریف کے بعد فرمایا۔ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ اس چیز سے پرہیز کرتے ہیں جسے میں کرتا ہوں۔ خدا کی قسم! میں اللہ تعالیٰ کی مرضی و نامرضی کو ان سے زیادہ جانتا ہوں اور ان سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: روزہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا ہو گا یا سفر میں روزہ نہ رکھا ہو گا چونکہ ان چیزوں کی اجازت ہے اور شریعت نے اس کی رخصت دی ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے خود بھی اس پر عمل فرمایا اور لوگوں کو بھی اس کی اجازت دے دی کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں لیکن کچھ لوگوں نے ازراہ احتیاط ان کو جائز نہ سمجھا ہو گا جب آنحضرت ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ اس کے باوجود کہ میں لوگوں سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور کمال اخلاق میرے اندر موجود ہے لیکن میں شریعت کی طرف سے دی گئی آسانی اور رخصت پر عمل کرتا ہوں تو وہ لوگ کون ہوئے ہیں جو اس رخصت و اجازت پر عمل نہ کریں۔

اگر معنوی حیثیت سے ان آسانوں اور رخصت کی حقیقت پر غور کیا جائے جو شریعت نے ایسے مواقع پر دے رکھی ہیں تو اس میں بڑی عجیب حکمتیں نظر آئیں گی۔ مثلاً یہ کہ ایسے مواقع پر دراصل بندہ کے عجز و ناچارگی اور ضعف بشریت نیز رفاہیت نفس کا اظہار ہوتا ہے جو خدا کے نزدیک بہت محبوب شے ہے اسی لئے سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ اسے پسند کرتا ہے کہ رخصتوں یعنی آسانوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ عزیمتوں یعنی اولی چیزوں پر عمل کئے جانے کو پسند کرتا ہے۔

① وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُؤَبَّرُونَ التَّخْلُ فَقَالَ مَا تَصْنَعُونَ قَالُوا كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالُوا لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوا كُنَّا خَيْرًا فَتَرَكْنَاهُ فَتَقَصَّصْتُ قَالَ فَذَكَّرُوا ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْرِ دِينِكُمْ فَخُذُوا بِهِ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت رافع بن خدیجؓ بیان کرتے ہیں کہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ مدینہ تشریف لائے اس وقت مدینہ کے لوگ کھجور کے درختوں میں تابیر کیا کرتے تھے آنحضرت ﷺ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا، تم یہ کیا کرتے ہو؟ اہل مدینہ نے عرض کیا، ہم ایسا ہی کرتے رہے ہیں، آں حضرت ﷺ نے فرمایا، اگر تم ایسا نہ کرو تو شاید بہتر ہو، چنانچہ لوگوں نے آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر اسے چھوڑ دیا اور اس سال پھل کم آیا، راوی کہتے ہیں کہ اس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا، میں بھی ایک آدمی ہوں لہذا جب میں تمہیں کسی ایسی چیز کا حکم دوں جو تمہارے دین کی ہو تو اسے قبول کر لو، اور جب میں کوئی بات اپنی عقل سے تمہیں بتاؤں تو سمجھ لو کہ میں بھی انسان ہوں۔“ (مسلم)

تشریح: کھجور کے درختوں میں ایک درخت نہ ہوتا ہے اور دوسرے مادہ ہوتے ہیں۔ مدینہ والے یہ کیا کرتے تھے کہ زبردخت کا پھول مادہ درختوں پر جھارتے یا ان میں لگا دیتے تھے اس سے ان کا خیال تھا کہ پھل زیادہ آتے ہیں اسی کو تابیر کرنا کہا جاتا ہے، آخر حدیث میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد معنی یہ ہیں کہ میں بھی ایک انسان ہوں دنیاوی اسباب کے سلسلہ میں مجھ سے خطا بھی واقع ہو سکتی اور صواب بھی ہو سکتی دنیاوی معاملہ میں اپنی کسی ایسی اجتہادی رائے کا اظہار کروں جو وحی کے زیر حکم نہ ہو تو اس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے چنانچہ اس معاملہ میں آپ ﷺ نے جب دیکھا کہ یہ چیز امورِ جاہلیت میں سے ہے اور اس کی تاثیر پھلوں کی کمی و زیادتی میں کچھ معقول نظر نہیں آتی اور اس کا خیال نہیں فرمایا کہ شاید اس کی تاثیر کچھ مخالب اللہ ہی سے ہوتی ہو اس لئے آپ ﷺ نے اس کو ترک کر دینے کے لئے فرمایا لیکن حکم نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ اگر یہ عمل نہ کرو تو بہتر ہوگا۔

جب تجربہ کے بعد آپ ﷺ نے یہ دیکھ لیا کہ یہ تو ایک قدرتی چیز ہے کہ جب زبردخت کے پھلوں کو مادہ درخت میں لگا دیتے ہیں تو اس سے پھل کثرت سے آتے ہیں اور اس عمل کے خلاف خدا کی جانب سے کوئی وعید نہیں آئی ہے تو آپ ﷺ نے سکوت فرمایا۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دنیا کی طرف التفات نہ تھا اور نہ آپ کی غرض دنیا تھی بلکہ امورِ آخرت کے مسائل و احکام اور دینی معاملات میں آپ ﷺ کو زیادہ اہتمام تھا۔

۱۔ حضرت رافع بن خدیجؓ انصاری اوی ہیں جس وقت حق و باطل کے درمیان جنگ بدر ہوئی اس وقت یہ بہت کم سن تھے ۳۲ھ میں بعمر ۵۶ سال انتقال فرمایا۔

بعض دوسری احادیث میں اس واقع کے بیان کے سلسلہ میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا انتم اعلم بامور دنیا کم یعنی تم اپنی دنیا کے امور کو خوب جانتے ہو! اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ دنیاوی امور کی طرف مجھے التفات نہیں ہے ورنہ جہاں تک رائے و عقل کا معاملہ ہے اس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے آنحضرت ﷺ دینی اور دنیاوی دونوں معاملات میں سب سے زیادہ عقل مند و صاحب الرائے تھے۔

⑨ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا فَقَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي زَايْتُ الْجَبِشَ بِعَيْنِي وَإِنِّي أَنَا التَّذِيرُ الْعُزْبَانُ فَالتَّجَاءَ التَّجَاءَ فَاطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِّنْ قَوْمِهِ فَأَذْلَجُوا فَأَنْطَلَقُوا عَلَىٰ مَهْلِكِهِمْ فَتَحْجُوا وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ فَأَصْبَحُوا مَكَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَبِشُ فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَنَحَهُمْ فَذَلِكَ مَثَلٌ مِّنْ أَطَاعَنِي فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهِ وَمَثَلٌ مِّنْ عَصَانِي وَكَذَّبَ مَا جِئْتُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری اور اس چیز کی مثال جیسے دے کر خدا نے مجھے بھیجا ہے (یعنی دین و شریعت) اس شخص کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور کہا، اے قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں نگاہ (یعنی بے غرض) ڈرانے والا ہوں، لہذا تم اپنی نجات کو تلاش کرو، چنانچہ اس کی قوم کی ایک جماعت نے اس کی فرمانبرداری کی اور راتوں رات آہستہ آہستہ نکل گئی اور نجات پائی ان میں سے ایک گروہ نے اس کو جھٹلایا اور صبح تک اپنے گھروں میں رہا صبح کو لشکر نے آکر ان کو پکڑ لیا اور ہلاک کر ڈالا (یہاں تک کہ) ان کی جڑیں کھود ڈالیں یعنی ان کی نسل تک کا خاتمہ کر دیا، چنانچہ یہی مثال ہے اس شخص کی جس نے میری فرمانبرداری کی اور جو (احکام) میں لایا ہوں ان کی پیروی کی، اور اس شخص کی بھی یہی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق بات (یعنی دین و شریعت) میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: نگاہ ڈرانے والے کی اصل یہ ہے کہ عرب میں قاعدہ تھا کہ جب کوئی شخص کسی لشکر کو اپنی قوم پر حملہ کے لئے آتا ہوا دیکھتا تو کپڑے اتار کر سر پر رکھ لیتا اور بالکل نگاہوں کو چلاتا ہوا اپنی قوم کی طرف آتا تاکہ لوگ خبردار ہو جائیں اور دشمن کی اچانک آمد سے بچاؤ کی شکل پیدا کر سکیں۔ اسی کو نگاہ ڈرانے والا کہا جاتا تھا، اس کے بعد سے یہ کسی ناگہانی اور خوفناک حادثہ کے پیش آنے میں صرف ایک ضرب المثل بن گیا۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ پر یہ مثال بالکل صحیح و صادق تھی کہ آپ ﷺ فرمانبردار اور اطاعت گزار کو جنت اور رضاءِ مولیٰ کی بشارت اور نافرمانبردار و سرکش جماعت کو خدا کے عذاب و غضب کی خبر دینے میں بالکل سچے تھے۔

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَاحَوْلُهَا جَعَلَ الْفَرَّاشُ وَهَذِهِ الدُّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا وَجَعَلَ يَحْجُزُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَتَفَحَّمْنَ فِيهَا فَأَنَا أَحَدٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَفَحَّمُونَ فِيهَا (هَذِهِ رِوَايَةُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوَهَا وَقَالَ فِي آخِرِهَا قَالَ فَذَلِكَ مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ أَنَا أَحَدٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوا لِي تَفَحَّمُونَ فِيهَا) - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میری مثال اس شخص کی مانند ہے جس نے آگ روشن کی چنانچہ جب آگ نے چاروں طرف روشنی پھیلادی تو پروانے اور دوسرے وہ جانور جو آگ میں گرتے ہیں آکر آگ میں گرنے لگے آگ روشن کرنے والے شخص نے ان کو روکنا شروع کیا لیکن وہ (نہیں رکتے بلکہ اس کی کوششوں پر) غالب رہتے ہیں اور آگ میں گر پڑتے ہیں اسی طرح میں بھی تمہاری کرس پکڑ کر تمہیں آگ میں گرنے سے روکتا ہوں اور تم آگ میں گرتے ہو۔

یہ روایت بخاری کی ہے اور مسلم میں بھی ایسی ہی روایت ہے البتہ مسلم کی روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بالکل ایسی ہی مثال میری اور تمہاری ہے میں تمہاری کرس پکڑ رہا ہوں کہ تمہیں آگ سے بچاؤں اور یہ کہتا ہوں کہ دوزخ سے بچو میری

طرف آؤ، دوزخ سے بچو میری طرف آؤ لیکن مجھ پر تم غالب آتے ہو اور آگ میں گر پڑتے ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں نے حرام اور ممنوع چیزوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے لیکن جس طرح کوئی شخص آگ جلائے اور اس شخص کے روکنے کے باوجود پروانے آگ میں گرتے ہیں وغیرہ۔ اسی طرح باوجودیکہ میں تمہیں برے راستہ سے ہٹاتا ہوں اور برے کام سے روکتا ہوں لیکن تم اسی ممنوع اور غیر پسندیدہ چیزوں کو کرتے ہو اسی طرح دوزخ کی آگ میں گرنے کی کوشش کرتے ہو۔

⑪ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَانْتَبَتِ الْكَلَّا وَالْعُشْبُ الْكَثِيرُ وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَفَنَعَ اللَّهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا وَأَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةٌ أُخْرَى إِنَّمَا هِيَ قَيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تَنْبِتُ كَلَّا فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقَهُ فِي دِينِ اللَّهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ فَعِلِمٌ وَعِلْمٌ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَزَفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللَّهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ۔ (تفصیل علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اس چیز کی مثال جسے خدا نے مجھے دے کر بھیجا ہے یعنی علم اور ہدایت کثیر بارش کی مانند ہے جو زمین پر ہوئی چنانچہ زمین کے اچھے ٹکڑے نے اسے قبول کر لیا یعنی اپنے اندر جذب کر لیا، اور اس سے بہت زیادہ خشک و ہری گھاس پیدا ہوئی اور زمین کا ایک ٹکڑا ایسا سخت تھا کہ اس کے اوپر پانی جمع ہو گیا اللہ نے اس سے بھی لوگوں کو نفع پہنچایا اور لوگوں نے اسے پیا اور پلایا اور کھیتی کو سیراب کیا اور یہ (بارش کا پانی) زمین کے ایسے ٹکڑے پر بھی (پہنچا) جو چٹیل سخت میدان تھا نہ تو اس نے پانی کو روکا اور نہ گھاس کو اگایا لہذا یہ سب (مذکورہ مثالیں) اس شخص کی مثال ہے جس نے خدا کے دین کو سمجھا اور جو چیز خدا تعالیٰ نے میری وساطت سے بھیجی تھی اس نے اس سے نفع اٹھایا پس اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا، اور اس شخص کی مثال ہے جس نے خدا کے دین کو سمجھنے کے لئے تکبر کی وجہ سے سر نہیں اٹھایا اور خدا تعالیٰ کی ہدایت کو جو میرے ذریعہ بھیجی گئی تھی قبول نہیں کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس میں دو قسم کے آدمی ذکر کئے گئے ہیں ایک تو دین سے فائدہ اٹھانے والے اور دوسرے دین سے فائدہ نہ اٹھانے والے، اسی طرح مثال مذکورہ میں زمین دو قسم کی بیان کی گئی ہے، زمین کی ایک قسم تو وہ ہے جو پانی سے فائدہ اٹھاتی ہے، دوسرے وہ جو پانی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی پھر فائدہ اٹھانے والی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اگانے والی اور دوسری نہ اگانے والی۔

ٹھیک اسی طرح علم دین سے بھی فائدہ اٹھانے والے دو طرح کے ہوتے ہیں، پہلا وہ شخص جو عالم بھی ہو اور عابد و فقیہ اور معلم بھی۔ اس پر زمین کے اس ٹکڑے کی مثال صادق آتی ہے جس نے پانی کو اپنے اندر جذب کر لیا، خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی نفع پہنچایا نیز گھاس بھی اگائی۔ اسی طرح اس شخص نے بھی علم دین سے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی اپنے علم سے مستفیض کیا۔ دوسرا وہ شخص ہے جو عالم و معلم ہو مگر عابد و فقیہ نہ ہو، نہ تو وہ نوافل وغیرہ میں مشغول ہوا اور نہ اس نے اپنے علم میں تقہ یعنی سمجھ بوجھ پیدا کی، اس کی مثال زمین کے اس حصہ کی مانند ہے جس میں پانی جمع ہو گیا اور لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ یا پھر زمین کا وہ حصہ جس نے پانی کو جذب بھی کیا اور گھاس بھی اگائی وہ مجتہدین کی مثال ہے کہ جنہوں نے علم حاصل کیا، پھر بہت سے مسائل کا استنباط کیا اس سے خود بھی مستفیض ہوئے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا۔

اور زمین کے اس حصہ کی مثال جس میں پانی جمع ہوا، محدثین ہیں کہ انہوں نے علم حدیث حاصل کیا اور اس علم کو بعینہ دوسرے لوگوں تک پہنچا دیا، ان دونوں کے مقابلہ میں تیسرا شخص وہ ہے جس نے ازراہ غرور و تکبر خدا کے دین کے سامنے اپنی گردن نہیں جھکائی، نہ اس نے علم دین کی طرف کوئی توجہ و التفات کی اور نہ اس نے خدا و خدا کے رسول کے پیغام کو سنا اور نہ اس پر عمل کیا اور نہ علم کی روشنی دوسروں تک پہنچائی، اب چاہے یہ دین محمدی میں داخل ہو یا نہ ہو اور یا کافر ہو، اس کی مثال زمین شور کی ہے کہ جس نے نہ پانی کو قبول کر کے

اپنے اندر جذب کیا، نہ پانی کو جمع کیا اور نہ کچھ اگایا۔

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ" وَقَرَأَ إِلَى "وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ" قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَأَيْتَ مِنَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَّاَهُمُ اللَّهُ فَأَحْذَرُوهُمْ - (تفہیم علیہ، ال عمران ۷)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ ترجمہ: یہ وہ (خدا) ہے جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی کہ جس کی بعض آیات محکم ہیں۔ اور آخر آیت وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ (ال عمران ۷) اور نہیں فصیح پکڑے مگر صاحب عقل، تک پڑھی، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ آیت پڑھ کر، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جس وقت تو دیکھے اور مسلم کی روایت میں ہے ”جب تم دیکھو“ کہ لوگ ان آیات کے پیچھے پڑتے ہیں جو متشابہ ہیں تو (تم سمجھو کہ یہ) وہ لوگ ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے (کج رویا گمراہ) رکھا ہے لہذا ان لوگوں سے بچتے رہو۔“ (بخاری، ”مسلم“)

تشریح: آیت کا بقیہ حصہ یہ ہے:

هَٰؤُلَاءِ أُمُّ الْكِتَابِ وَأَخْرَجَ مُتَشَابِهَاتٍ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ - (ال عمران ۷:۳)

”اور وہی (آیات محکمات) اصل کتاب ہیں اور بعض آیات متشابہ ہیں۔ ایسے لوگ کہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں، حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور فصیح تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ آیات متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور ان کی اصل مراد کو پانے کے لئے اپنی عقل کے تیر چلاتے ہیں ان کو خدا نے کج رویا گمراہ کہا ہے جیسا کہ آیت بِالْأَفْئَاتِ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ سے معلوم ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم میں دو طرح کی آیتیں ہیں اول ”آیات محکمات“ یہ وہ آیتیں ہیں جس کے معنی و مطلب ظاہر ہوتے ہیں ان میں اخفاء و ابہام نہیں ہوتا، دوسری آیات متشابہات ہیں یعنی جن کے معنی ظاہر نہیں ہوتے بلکہ ان کی حقیقی مراد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے جیسے يَذْكُرُ اللَّهُ فُزُقَ اِيْدِيْهِمْ وغيرہ۔

لہذا جو لوگ نیک اور صالح ہوتے ہیں اور جن کے قلوب ایمان و ایقان کی روشنی سے پوری طرح منور ہوتے ہیں وہ آیات محکمات کے معنی و مطالب کو سمجھتے بھی ہیں اور ان پر ایمان بھی لاتے ہیں اور آیات متشابہات پر پوری رسوخ و ایقان کے ساتھ ایمان لا کر ان کے معنی و مطالب اور حقیقی مراد کا علم اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ وہی بہتر جاننے والا ہے۔

لیکن جن لوگوں کے قلوب میں کجی ہوتی ہے اور جن کے ذہن گمراہ ہوتے ہیں وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور ان میں اپنی طرف سے غلط تاویلیں کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اس حدیث اور مذکورہ بالا آیات شریفہ کا یہی خلاصہ اور مطلب ہے۔

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ هَجَرْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَالَ فَسَمِعَ أَصْوَاتَ رَجُلَيْنِ اخْتَلَفَا فِي آيَةٍ فَحَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرِفُ فِي وَجْهِهِ الْغَضَبُ فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ فِي الْكِتَابِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو ایک (مقابلہ) آیت میں اختلاف کر رہے تھے یعنی اس کے معنی میں جھگڑ رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے کے لوگ کتاب (الہی) میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: اس سے مراد وہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے قلوب شک میں گرفتار ہوں، یا ایمان میں کمزوری پیدا ہو اور آپس میں فتنہ و فساد اور دشمنی کا سبب بن کر فساد و بدعت کا باعث ہو، جیسے نفس قرآن میں اختلاف کرنا، اس کے معنی و مطالب میں فرق پیدا کرنا، ظاہر ہے کہ ان چیزوں میں نہ تو اجتہاد جائز ہے اور نہ اختلاف کرنا صحیح ہے، ہاں علمائے مجتہدین کے اختلاف صحیح ہیں جو خدا کی رحمت کا باعث اور دین و شریعت میں وسعت کا ذریعہ ہیں، چنانچہ صحابہؓ سے اس طرح کا اجتہادی اختلاف جو فائدہ مند ہے، منقول ہے جو جائز تھا اور جس کی وجہ سے بے شمار مسائل کا استنباط ہوا اور امت ان سے منتفع ہوئی۔

(۱۴) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ فِي الْمُسْلِمِينَ جُزْءًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحْزَمْ عَلَى النَّاسِ فَحُزِمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ۔ (متفق علیہ)

”اور سعد بن ابی وقاصؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، مسلمانوں میں سب سے بڑا گناہ گار وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کا سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے سے وہ حرام ہو گئی ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ وعید آپ ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمائی جو آپ ﷺ سے ازراہ سرکشی سوالات کرتے تھے یا ان کا سوال کرنا محض نصیحت کی وجہ سے ہوتا تھا جیسا کہ بنی اسرائیل نے قبرہ کے بارے میں حضرت موسیٰ سے سوال کیا تھا۔ ہاں جن لوگوں کا سوال کرنا واقعہ علم حاصل کرنے یا کسی ضرورت کی بنا پر ہوتا تھا وہ اس میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان کو تو اپنے صحیح سوالات کی بنا پر ثواب ملتا تھا۔

(۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنَّهُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَاتَّكُمُ وَإِيَّاكُمْ لَا يَصْلَحُونَ لَكُمْ وَلَا يَفْتَنُونَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ آخری زمانہ میں ایسے فریب دینے والے اور جھوٹے لوگ ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جنہیں نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے باپوں نے سنا ہوگا لہذا ان سے بچو اور ان کو اپنے آپ سے بچاؤ تاکہ وہ تمہیں نہ گمراہ کریں اور نہ فتنہ میں ڈالیں۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زہد و تقدس کا پڑ فریب لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو بہکائیں گے، عوام سے کہیں گے کہ ہم علماء اور مشائخ میں سے ہیں اور ہمیں خدا کے دین کی طرف بلاتے ہیں، نیز جھوٹی حدیث اپنی طرف سے وضع کر کے لوگوں کے سامنے بیان کریں گے، یا پچھلے بزرگوں کی طرف غلط باتیں منسوب کر کے لوگوں کو دھوکا دیں گے، باطل احکام بتلائیں گے اور غلط عقیدوں کا بیج لوگوں میں بویں گے۔

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اگر وہ ایسے لوگوں کو پائیں تو ان سے بچیں، ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے مکرو فریب سے نیک لوگوں کو فتنہ میں ڈال دیں یعنی شرک و بدعت میں مبتلا کر دیں۔

اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ دین کے حاصل کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے، نیز بدعتی اور ایسے لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہئے جو ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کی بنا پر دین و مذہب کے نام پر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں اور ان سے ربط و ضبط نہ رکھنا چاہئے۔

چوں بسا اہلس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست

(۱۶) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَفْرَؤُونَ التَّوْرَةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيَفْسُرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تَكْذِبُواهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا الْآيَةَ - (رواه البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے جو یہودیوں کی زبان ہے اور مسلمانوں کے لئے اس کی تفسیر عربی زبان میں کیا کرتے تھے سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کا یہ عمل دیکھ کر صحابہ سے فرمایا۔ تم اہل کتاب کو نہ تو سچا جانو اور نہ ان کو جھٹاؤ (صرف) یہ کہو کہ ہم اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم پر نازل کی گئی، ایمان لائے (آخر آیت تک)۔“ (بخاری)

تشریح: پوری آیت یہ ہے:

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نَفَرُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ - (سورہ بقرہ ۱۳۶:۲)

” (مسلمانو!) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفہ) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو عطا ہوئی ان پر اور جو اور پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (خدا کے واحد) کے فرمانبردار ہیں۔“

آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے سامنے اہل کتاب (یعنی یہودی) تورات کی کسی عبارت کا ترجمہ و تفسیر کریں تو ان کو نہ جھٹاؤ اور نہ ان کو سچ جانو بلکہ یہ آیت کریمہ پڑھو اور ان کو سچا اس لئے نہ جانو کہ یہ لوگ کتاب الہی میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ تمہارے سامنے جس عبارت کا ترجمہ و تفسیر کر رہے ہیں، اس کو انہوں نے بدل دیا ہو، اور ان کو جھٹاؤ اس لئے نہیں کر اگرچہ انہوں نے تورات میں تغیر و تبدل کر رکھا ہے لیکن پھر بھی وہ کتاب الہی ہے اور حق ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ شاید وہ سچ اور صحیح عبارت نقل کر رہے ہوں۔

(۱۷) وَعَنْهُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، انسان کے جھوٹ بولنے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جس بات کو سنے (بغیر تحقیق کے) اسے نقل کر دے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی جھوٹ نہ بولتا ہو لیکن اس کی عادت یہ ہے کہ جو کچھ سنے بغیر تحقیق و تفتیش کے اسے نقل کر دیتا ہے اور لوگوں میں اسے مشہور کر دیتا ہے تو جھوٹ بولنے کے لئے یہی بہت ہے، کیونکہ سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر لینا اور بغیر تحقیق کے اس کو پھیلا دینا جھوٹ کا پہلا زینہ ہے، جو شخص ایسی عادت میں مبتلا ہو گا وہ یقیناً جھوٹ کی لعنت میں بھی گرفتار ہو گا کیونکہ وہ جو کچھ سنتا ہے اس میں سب سچ نہیں ہوتا کچھ جھوٹ بھی ہوتا ہے اور جب وہ سچ کے ساتھ جھوٹ کو نقل کرتا ہے تو وہ بھی جھوٹ ہوتا ہے۔

دراصل اس کا مقصد اس بات سے منع کرنا ہے کہ جس چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو اور اس کی صداقت کا علم نہ ہو تو اسے بیان کرنا یا اس کی تشہیر کرنا نہیں چاہئے۔

(۱۸) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ فِي أُمَّتِهِ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِثُونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَ يَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ مجھ سے پہلے کسی قوم میں خدا نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کے مددگار اور دوست اسی قوم سے نہ ہوں جو اس (نبی) کے طریقہ کو اختیار کرتے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے پھر ان (دوست و مددگار) کے بعد ایسے ناخلف (تالائق) لوگ پیدا ہوتے جو لوگوں سے ایسی بات کہتے جس کو خود نہ کرتے اور وہ کام کرتے جن کا انہیں حکم نہیں ملا تھا (جیسا کہ علماء سوء اور امراء و سرداروں کا طریقہ ہے) لہذا تم سے۔ جو خاص ان لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو شخص ان لوگوں سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو شخص ان لوگوں سے اپنے دل سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور اس کے علاوہ (جو شخص ان کے خلاف اتنا بھی نہ کر سکے اس) میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ہاتھ سے جہاد کا مطلب تو ظاہر ہے، زبان سے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے غلط عقائد و اعمال کی بنا پر ان کو تنبیہ کرے اور ان کو اس سے منع کرے اور ان کی برائی بیان کرتا رہے اسی طرح دل سے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ ایسی غلط چیزوں کو برا جانے جو دین و شریعت کے خلاف ہوں اور دل میں ان کے کرنے والوں سے بغض و نفرت رکھے۔

آخر میں فرمایا گیا کہ جس شخص کا احساس اتنا مردہ ہو جائے کہ وہ غلط چیزوں کو دل سے بھی برا نہ جانے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اس کے دل میں ایمان کی ہلکی سی روشنی بھی موجود نہیں ہے اس لئے کہ کسی غلط عقیدہ و عمل کو برا نہ جاننا گویا اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ وہ اس بری بات سے راضی اور خوش ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کفر کا خاصہ ہے۔

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ اثْمِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ إِثْمِهِمْ شَيْئًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے (کسی کو) ہدایت کی طرف بلایا اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس کو جو اس کی پیروی اختیار کرے، اور اس (پیروی کرنے والے) کے ثواب میں کچھ بھی کم نہ ہوگا۔ اور جو (کسی کو) گمراہی کی طرف بلائے اس کو اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا کہ اس کو جو اس کی اطاعت کریں اور ان کے گناہ میں کچھ بھی کم نہ ہوگا۔“ (مسلم)

تشریح: یعنی جو شخص کسی بھلائی کا باعث اور ذریعہ ہوگا اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس بھلائی پر عمل کرنے والے کو، لیکن ہدایت و راستی کی طرف بلانے والے کو جو ثواب ملے گا اس کی وجہ سے اس کی پیروی کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی، کیونکہ اطاعت کرنے والوں کو جو ثواب ملے گا اور ان کے عمل صالح کی بنا پر ہوگا اور جو ثواب و بھلائی کی طرف بلانے والے کو ہوگا وہ اس کی دعوت و تبلیغ کی بنا پر ہوگا۔ یہی حال ان لوگوں کے گناہ کا ہے جو لوگوں کو غلط عقائد و اعمال کی طرف بلاتے ہیں اور خلاف شرع طریقہ پر عوام کو چلاتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَأَ الْإِسْلَامَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ أَفْطَلُونِي لِلْغُرَبَاءِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اسلام غربت میں شروع ہوا اور آخر میں بھی ایسا ہی ہو جائے گا۔ لہذا غریاء کے لئے خوشخبری ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اسلام کی ابتداء غریبوں سے ہوئی اور آخر میں بھی اسلام غریبوں میں ہی رہ جائے گا۔ یعنی ابتداء اسلام میں مسلمان غریب اور کم تھے جس کی وجہ سے انہیں اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں کی طرف ہجرت کرنی پڑی، اسی طرح آخر میں بھی ایسا ہی ہوگا کہ اسلام غریبوں ہی کی طرف لوٹ آئے گا، لہذا ان غریاء کے لئے جن کے قلوب ایمان و اسلام کی روشنی سے پوری طرح منور ہوں گے خوش بختی و سعادت ہے۔ اس لئے کہ آخر زمانہ میں یہی بے چارے اسلام پر ثابت قدم رہیں گے اور کتاب و سنت کے علوم و معارف

سے اپنی زندگیوں کو منور کریں گے۔

(۲۱) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْإِيمَانَ لَيَأْرُزُ إِلَى الْمَدِينَةِ كَمَا يَأْرُزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا مُتَفَتِّقٌ عَلَيْهِ وَسَنَدٌ كَرَّ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ ((أَذْرُو فِي مَاتَرِ كِتَابِكُمْ)) فِي كِتَابِ الْمَنَاسِكِ وَحَدِيثِي مُعَاوِيَةَ وَجَابِرٍ ((لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي)) فِي بَابِ ثَوَابِ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ایمان مدینہ کی طرف اس طرح سٹ آئے گا جس طرح سانپ بل کی طرف سٹتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ذرونی ماتر کتکم ہم کتاب مناسک (حج) میں ذکر کریں گے، نیز حضرت معاویہؓ و جابرؓ کی دونوں حدیثیں لایزال من امتی الخ اور لایزال طائفة من امتی۔ بھی اس اُمت کے ثواب کے باب میں ذکر کریں گے انشاء اللہ: یعنی یہ حدیثیں صاحب مصابح نے اسی باب میں ذکر کر رکھی ہیں لیکن ہم نے ان کو ان بابوں میں ذکر کیا ہے۔“

تشریح: دشمنان اسلام کے مصائب اور مظالم سے اہل ایمان کے بھاگنے اور ایمان پر ثابت قدم رہنے کی مثال آنحضرت ﷺ نے سانپ سے دی ہے اس لئے کہ دوسرے جانوروں کے مقابلہ میں سانپ تیز بھاگتا ہے اور بہت سٹ کر بل میں جاتا ہے اور پھر مشکل ہی سے وہ بل سے نکلا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی یا تو ابتدائے ہجرت کے وقت کے لئے تھی یا پھر آخر زمانہ کے بارہ میں جب مسلمان بہت کم رہ جائیں گے اور سب سٹ سٹا کر مدینہ چلے جائیں گے۔

الفصل الثانی

(۲۲) وَعَنْ رَبِيعَةَ الْجُرَشِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أُنْبِئُ اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيلَ لَهُ لَتَنْتَمَّ عَيْنُكَ وَلَتَسْمَعَ أَذُنُكَ وَلَيَعْقِلَ قَلْبُكَ قَالَ فَنَامَتْ عَيْنَايَ وَسَمِعْتُ أَذُنَايَ وَعَقَلَ قَلْبِي قَالَ فَقِيلَ لِي سَيَدُنِي دَارًا فَصَنَعَ فِيهَا مَأْدُبَةً وَأَرْسَلَ دَاعِيًا فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَآكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَرَضِيَ عَنْهُ السَّيِّدُ وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَسَخَطَ عَلَيْهِ السَّيِّدُ قَالَ فَاللَّهُ السَّيِّدُ وَمُحَمَّدٌ الدَّاعِي وَالِدَارُ الْإِسْلَامُ وَالْمَأْدُبَةُ الْجَنَّةُ۔

(رواہ الدارمی)

”حضرت ربیعہ الجرشئیؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو خواب میں فرشتے دکھائے گئے اور آپ ﷺ سے کہا گیا (یعنی فرشتوں نے کہا) چاہئے کہ آپ کی آنکھیں سوئیں، آپ ﷺ کے کان سنیں اور آپ ﷺ کا دل سمجھے، آپ ﷺ نے فرمایا، تو میری آنکھیں سوئیں، میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے سمجھا، پھر آپ نے فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا (یعنی مثال کے طور پر فرشتوں نے میرے سامنے بیان کیا) کہ ایک سردار نے گھربنایا اور کھانا تیار کیا پھر ایک بلانے والے کو بھیجا (تاکہ وہ لوگوں کو بلائے) لہذا جس نے بلانے والے کی دعوت کو قبول کیا وہ گھر میں داخل ہوا اور کھانے میں سے کھایا اور سردار اس سے خوش ہوا، اور جس نے بلانے والے کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ گھر میں داخل ہوا اور نہ کھانے میں سے کھایا اور نہ ہی اس سے سردار خوش ہوا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اس مثال میں سردار سے مراد خدا ہے، بلانے والے سے مراد محمد ﷺ ہیں، گھر سے مراد اسلام ہے اور کھانے سے مراد جنت ہے۔“ (دارمی)

تشریح: چاہئے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں سوئیں یعنی اپنی آنکھوں سے اور کچھ نہ دیکھئے، نہ کسی بات پر کان رکھئے اور نہ دل میں کوئی دوسرا سوال جمائے فرشتوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ خوب غور و خوض اور حضورِ دل کے ساتھ اس مثال کو سنئے جو ہم بیان کرنے والے ہیں تاکہ یہ خوب اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے، اس پر آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ فنا مت عینای یعنی میری آنکھیں سوئیں الخ، اسی

لے آپ کا ام گرامی ربیعہ بن النمار ہے کچھ لوگوں نے انہیں ربیعہ بن عمرو بھی لکھا ہے ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے خرج راہط کے دن انتقال ہوا تھا۔

مضمون کی وہ حدیث جو پہلی فصل میں گزری اس کی مذکورہ مثال میں گھر سے جنت اور کھانے سے بہشت کی نعمتیں مراد لی گئی تھیں، اس حدیث میں گھر سے مراد اسلام لیا گیا ہے اور کھانے سے جنت مراد لی گئی ہے اس لئے کہ مکان بہشت میں داخل ہونے کا سبب اور ذریعہ ہے اس لئے اسے گھر کی تمثیل دی گئی ہے ہادیہ کے معنی مہمان کے کھانے کے ہیں، دونوں حدیث میں اس سے مراد جنت کی نعمتیں ہیں۔

(۲۳) وَعَنْ أَبِي زَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَلْفَيْتُ أَحَدَكُمْ مُتَكَبِّئًا عَلَى أَرْنِكَبِهِ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِي مِمَّا أَهْرَتْ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ لَا أَذْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ اتَّبَعْنَاهُ۔

(رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ و البیہقی فی دلائل النبوة)

”اور حضرت ابو زافعؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے چھپر کھٹ (مسہری) پر تکیہ لگائے ہوئے ہو اور میرے ان احکام میں سے جن کا میں نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے کوئی حکم اس کے پاس پہنچے اور وہ (اسے سن کر) یہ کہہ دے کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو کچھ ہمیں خدا کی کتاب میں ملا، میں نے اس کی اطاعت کی۔“

(احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح: چھپر کھٹ پر لگائے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ازراہ غرور و تکبر بے فکر ہو کر بیٹھتا رہے اور نہ طلب علم و حصول حدیث میں کوتاہی کرے اور نہ دینی علوم کو ترک کرے اور ازراہ جہالت و نادانی میرے کسی ایسے حکم کے بارے میں جو قرآن میں صراحت کے ساتھ موجود نہ ہو یہ نہ کہنے لگے کہ کتاب اللہ کے علاوہ میں اور کچھ نہیں جانتا اور نہ اس کے سوا کسی دوسری چیز کی پیروی کرتا ہوں اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ان جاہل اور متکبر و بے فکرے لوگوں کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی ہے جو ان احکام پر عمل کرنے میں شک و شبہ کا اظہار کریں گے یا ان کی اطاعت میں کسل و سستی کا اظہار کریں گے جو صراحت کے ساتھ قرآن میں موجود نہ ہوں گے اور ان کی ظاہرین نظرس قرآنی علوم کے اسرار و معانی کی حقیقت تک پہنچنے سے قاصر رہیں گی۔

چنانچہ وہ لوگ یہ خیال کریں گے کہ دین و شریعت کے احکام و مسائل صرف قرآن ہی میں منحصر و مذکور ہیں حالانکہ وہ عقل کے اندھے یہ نہیں جانتے کہ بہت سے مسائل و احکام قرآن مجید میں موجود نہیں ہیں وہ صرف حدیث میں صراحت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، اسی لئے علماء اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح احکام شرائع کے لئے قرآن دلیل و حجت ہے اسی طرح حدیث بھی دلیل و حجت ہے کیونکہ جس طرح قرآن آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا ہے، اسی طرح احادیث کے علوم و معارف بھی بارگاہ الوہیت ہی سے نازل ہوئے ہیں او انوں وحی ہیں۔

(۲۴) وَعَنِ الْمُقَدِّمِ بْنِ مَعْدِيكَرِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((الْأَتَيْنِ أَوْ تَبَيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ، أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شُبْعَانَ عَلَى أَرْنِكَبِهِ يَقُولُ: عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ، فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَاحْلُولُوهُ وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَاحْزَمُوهُ، وَإِنْ مَا حَزَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا حَزَمَ اللَّهُ أَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمْ الْجِمَارُ الْأَهْلِيُّ وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ وَلَا لُقْطَةٌ مُعَاهِدٍ إِلَّا أَنْ يَسْتَغْنَى عَنْهَا صَاحِبُهَا، وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ، فَعَلَيْهِمْ أَنْ يَقْرَؤُوا فَإِنْ لَمْ يَقْرَؤُوا فَلَهُ أَنْ يَغْتَبِهُمُ بِمِثْلِ قِرَاءَةٍ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ نَحْوَهُ، وَكَذَا ابْنُ مَاجَةَ إِلَى قَوْلِهِ ((كَمَا حَزَمَ اللَّهُ)).

”اور حضرت مقدم بن معدیکربؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، آگاہ رہو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا مثل، خبردار، عنقریب اپنے چھپر کھٹ پر بڑا ایک پیٹ بھرا شخص کہے گا کہ بس اس قرآن کو اپنے اوپر لازم کرنا (یعنی فقط قرآن ہی کو سمجھو اور اس پر

لے آپ کا ام گرائی اہم ہے البورافع کنیت ہے یہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے علامہ سیوطی کے قول کے مطابق حضرت علی کے دور خلافت میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

لے ام گرائی مقدم بن معدیکرب اور کنیت بھی معدیکرب ہے، آپ صحابی ہیں شام میں ۸۷ھ میں بصرہ ۹۱ سال آپ کا انتقال ہوا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عمل کرو) اور جو چیز تم قرآن میں حلال پاؤ اس کو حلال جانو اور جس چیز کو تم قرآن میں حرام پاؤ اسے حرام جانو حالانکہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے حرام فرمایا ہے وہ اس کے مانند ہے جسے خدا نے حرام کیا، خبردار تمہارے لئے نہ اہلی (گھریلو) گدھا حلال کیا اور نہ کچل رکھنے والے درندے، اور نہ تمہارے لئے معاہدہ یعنی وہ قوم جس سے معاہدہ کیا گیا ہو کالقطہ حلال کیا ہے مگر وہ لقطہ حلال ہے جس کی پرواہ اس کے مالک کو نہ ہو، اور جو شخص کسی قوم کا مہمان ہو اس قوم پر لازم ہے کہ اس کی مہمانی کریں۔ اگر وہ مہمانی نہ کریں تو اس شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ مہمانی کے مانند ان سے حاصل کرے۔ (ابوداؤد) داری نے بھی اسی روایت نقل کی ہے اور اسی طرح حدیث بھی مجھے بارگاہ الوہیت سے عطا ہوئی ہے۔“

تشریح: ”قرآن کا مثل“ حدیث ہے یعنی جس طرح قرآن مجید مجھ پر نازل کیا گیا ہے اسی طرح حدیث بھی مجھے بارگاہ الوہیت ہی سے عطا ہوئی ہے لیکن فرق یہی ہے کہ قرآن وحی ظاہر ہے اور حدیث وحی پوشیدہ۔ لہذا واجب العمل دونوں ہیں الا لا یحل سے بطور مثال کے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان چیزوں کی حرمت قرآن میں کہیں مذکور نہیں ہے میں نے ہی ان کی حرمت بیان کی ہے جس پر عمل کرنا واجب و ضروری ہے۔

اہلی گدھا اسے کہتے ہیں جو گھر میں رہتا ہے یہ حرام ہے گدھا وحشی جسے گود خرہتے ہیں۔ ان سب کی حرمت احادیث ہی سے ثابت ہے معاہدہ اس کافر کو کہتے ہیں جس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ صلح و امان ہوا ہو، خواہ وہ کافر ہی ہو یا غیر ذی، اس کے بارہ میں فرمایا کہ اس کا لقطہ حلال نہیں ہے، ہاں اگر لقطہ ایسی چیز ہے جس سے اس کا مالک بے نیاز ہوے پرواہ ہو جیسے کھل، چھلکے، گاجر، مولیٰ یا ایسی ہی کوئی حقیر چیز تو اس کے لئے لینا جائز ہے لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو راستہ میں گری پڑی پائی جائے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص کسی کے یہاں مہمان جائے تو میزبان پر اس کی مہمانداری لازم ہے علماء کہتے ہیں کہ یہ حکم فرض نہیں ہے بلکہ ایسا کرنا مستحب و اولیٰ ہے، اسی طرح یہ حکم دینا کہ اگر میزبان مہمان نوازی نہ کر سکے تو میزبان کے لئے جائز ہے کہ وہ اس میزبان سے مہمانداری کا عوض وصول کر لے یعنی اس سے روپیہ پیسہ لے لے۔

اس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ یا تو ایسی شکل میں جائز ہو گا جب کہ مہمان ایسا مضطرب و لاچار ہو کہ اگر میزبان سے وہ کچھ نہ لے تو اس کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہو۔ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ جواز کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا لیکن اب منسوخ ہے۔

(۲۵) وَعَنِ الْعِزِّ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ((أَيُّخَيْبُ أَحَدُكُمْ مُتَكَيِّئًا عَلَى أَرْنِكَ يَنْظُرُ أَنَّ اللَّهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا إِلَّا مَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ؟ أَلَا وَإِنِّي وَاللَّهِ قَدْ أَمَرْتُ وَوَعَّظْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَّهُ لَا يَمَثُلُ الْقُرْآنُ أَوْ أَكْثَرُ، وَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يُحَلِّ لَكُمْ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتَ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا بِإِذْنٍ وَلَا ضَرْبَ نِسَاءٍ هُمْ وَلَا أَكُلَ ثَمَارِهِمْ إِذَا أَعْطَوْكُمُ الذِّي عَلَيْهِمْ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَفِي إِسْنَادِهِ اشْعَثُ بْنُ شُعْبَةَ الْمَصْنَعِيُّ قَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ۔

”اور حضرت عریاض بن ساریہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ (خطبہ کے لئے) کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے چہرہ کھٹ پر تکیہ لگائے ہوئے یہ خیال رکھتا ہے کہ خدا نے وہی چیزیں حرام کی ہیں جو قرآن میں ذکر کی گئی ہیں، خبردار! خدا کی قسم! بلاشبہ میں نے حکم دیا، میں نے نصیحت کی اور میں نے منع کیا چند چیزوں سے جو مثل قرآن کے ہیں بلکہ زیادہ ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ حلال نہیں کیا کہ تم اہل کتاب کے گھروں میں اجازت حاصل کئے بغیر چلے جاؤ اور نہ تمہارے لئے ان عورتوں کو مارنا حلال ہے اور نہ تمہارے لئے ان کے پھلوں کا کھانا جائز کیا ہے جب کہ وہ اپنا مطالبہ ادا کر دیں جو ان کے ذمہ تھا۔ (ابوداؤد) اور ان کی سند میں اشعث بن شعبہ مصیعی ہیں جن کے بارے میں کلام کیا گیا ہے کہ وہ ثقہ ہیں یا نہیں؟۔“

۱۔ حضرت عریاض ابن ساریہ کی کنیت ابو یحییٰ ہے اور سلمیٰ ہیں آپ اہل صفہ سے تھے۔ ان سے تابعین کی ایک بڑی جماعت روایت حدیث کرتی ہے ۷۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

تشریح: ان اللہ لم یحل سے آخر تک آنحضرت ﷺ نے چند احکام دیے ہیں وہ یہ کہ اہل کتاب کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر داخل ہو کر ان کو نہ ستاؤ اور نہ ان کو پریشان کرو اور نہ ان کے گھروالوں کو ستاؤ اور نہ تکلیف پہنچاؤ اسی طرح ان کے مال کو نہ لو جب کہ وہ جزیہ ادا کریں۔

ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ یہ احکام قرآن میں مذکور نہیں ہیں بلکہ میں نے دیے ہیں اور ان چیزوں سے میں نے منع کیا ہے اور ان پر عمل کرنا واجب و ضروری ہے۔ ان احکام سے یہ کہہ کر اعراض نہیں کیا جاسکتا کہ یہ قرآن میں چونکہ موجود نہیں ہیں اس لئے واجب العمل بھی نہیں ہیں۔

آخر روایت میں لفظ رواہ کے بعد مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں جگہ خالی ہے اس لئے کہ صاحب مشکوٰۃ کو اس حدیث کے راوی کا علم نہ ہوا ہوگا۔ لیکن بعد میں میرک شاہ نے مذکورہ عبارت لکھ دی ہے۔

(۲۱) وَعَنْهُ قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بَوَّاحُهُ فَوَعظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً، ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ، وَوَجَلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةٌ مُودِعٌ فَأَوْصِنَا فَقَالَ: «أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنِ يَعْمَلْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَصُوا عَلَيْهَا بِالتَّوَّاجِدِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ» (رواه أحمد وأبو داود والترمذي وابن ماجه) إِلَّا أَنَّهُمَا لَمْ يَذْكُرَا الصَّلَاةَ.

”اور حضرت عراض بن ساریہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے اور ہم کو نہایت موثر انداز میں نصیحت کی کہ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دلوں میں خوف پیدا ہو گیا، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) گویا نصیحت کرنے والے کی یہ (آخری نصیحت ہے) لہذا ہم کو وصیت فرما دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا، میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہو، اور تم کو مسلمان سردار جو کہے سننے اور بجالانے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ وہ (سردار) حبشی غلام ہو تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ اختلاف بھی دیکھے گا ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ میرے اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو لازم جانو اور اسی طریقہ پر بھروسہ رکھو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور تم (دین میں) نئی نئی باتیں پیدا کرنے سے بچو اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) مگر اس روایت میں ترمذی اور ابن ماجہ نے نماز پڑھنے کا ذکر نہیں کیا ہے یعنی ان کی روایت میں حدیث کے الفاظ صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مذکور نہیں ہیں بلکہ حدیث وعظنا موعظۃ سے شروع ہوتی ہے۔“

تشریح: راوی کے قول كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةٌ مُودِعٌ (گویا کہ رخصت کرنے والے کی آخری نصیحت ہے) کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص کوچ کرنے والا ہوتا ہے تو بروقت رخصت وعظ و نصیحت کے بیان میں کمال کوشش کرتا ہے تاکہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بھی اس وقت اس انداز سے وعظ و نصیحت بیان فرمائی ہے گویا آپ کا وقت رحلت قریب ہے لہذا اس سے پہلے کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے جائیں ہمیں ایسی وصیتیں فرما دیجئے جو دین و دنیا دونوں جگہ ہمارے لئے رہبر ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمان سردار و حاکم کی اطاعت و فرمانبرداری ہر حال میں ضروری ہے، الایہ کہ خلاف شریعت باتوں کا حکم نہ دے چنانچہ بطور مبالغہ فرمایا کہ اگرچہ مسلمان سردار حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اس کی اطاعت و فرمانبرداری ضروری ہے۔ دانتوں سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو پورے عزم و یقین اور پختگی کے ساتھ اپنے اوپر لازم کر لیا جائے۔

(۲۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثَمَّ قَالَ: «هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ» ثُمَّ خَطَّ

خُطُّوْطًا عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَقَالَ ((هَذِهِ سُبُلٌ عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُوْا إِلَيْهِ)) وَقَرَأَ: ((وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوهُ)) الْآيَةَ - (رواه احمد والنسائي والدارمي)

”اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (ہمیں سبھانے کے لئے) ایک (سیدھا) خط کھینچا اور فرمایا۔ یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر آپ ﷺ نے اس خط کے دائیں اور بائیں کی (چھوٹے اور بڑھے) خطوط کھینچے اور فرمایا۔ یہ بھی راستے ہیں جن میں سے ہر ایک راستہ پر شیطان (بیٹھا ہوا) ہے جو اپنے راستہ کی طرف بلاتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ترجمہ: اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے لہذا اس کی پیروی کرو اور (دوسرے) راستے کی پیروی نہ کرو تاکہ اس میں کے راستے تمہیں منتشر نہ کریں۔“ (احمد، نسائی، دارمی)

تشریح: خط مستقیم جو آنحضرت ﷺ نے پہلے کھینچا تھا وہ راہ خدا کی مثال ہے جس سے صحیح عقائد اور نیک و صالح اعمال مراد ہیں اور دوسرے چھوٹے و بڑھے خطوط راہ شیطان کی مثال ہیں جن سے گمراہی و ضلالت کے راستے مراد ہیں۔

(۲۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جُنْتُ بِهِ)) رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَنِ قَالَ التَّوَوُّيُّ فِي ((أَرْبَعِيْنِهِ)) هَذَا حَدِيثٌ صَحِيْحٌ رَوَيْنَاهُ فِي ((كِتَابِ الْحُجَّةِ)) بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

”اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس چیز (دین و شریعت) کی تابع نہیں ہوتیں جس کو میں (خدا کی جانب سے لایا ہوں) یہ حدیث شرح السنۃ میں روایت کی گئی ہے اور امام نوویؒ نے اپنی ”چہل حدیث“ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جس کو ہم نے کتاب الحجۃ میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔“

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کامل اس شخص کا ہوتا ہے جو دین و شریعت کا پوری طرح پیرو اور ان کی صداقت و حقانیت کا یقین و اعتقاد پورے رسوخ کے ساتھ رکھتا ہو، نیز اس کی زندگی کے ہر پہلو میں خواہ اعتقادات و عبادات ہوں یا اعمال و عادات سب میں کمال رضائے رغبت اور بخوشی دین و شریعت کو رفرما ہوں اور ظاہر ہے کہ روحانی پاکیزگی و لطافت اور عرفانی عروج کا یہ مرتبہ اس شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس کا قلب و دماغ خواہشات نفسانی کی تمام گندگی و ثقالت سے پاک و صاف ہو کر نور الہی کی مقدس روشنی سے جگمگا اٹھے، چنانچہ اولیاء اللہ اور صالحین حقیقت و معرفت کے اسی عظیم مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔

(۲۹) وَعَنْ بِلَالِ بْنِ حَارِثِ الْمُزَنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((مَنْ أَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي فَقَدْ أَمِنْتُ بِعَدُوِّي فَإِنَّ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ أُجُورِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً لَا يَرْضَاهَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ اثْمِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ أُوزَارِهِمْ شَيْئًا)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ۔

”اور حضرت بلال بن حارث مزنئیؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا (یعنی رائج کیا) جو میرے بعد چھوڑ دی گئی تھی تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کو ملے گا بغیر اس کے کہ اس (سنت) پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے۔ اور جس شخص نے گمراہی کی کوئی ایسی نئی بات (بدعت) نکالی جس سے اللہ اور اس کا

۱۔ ام گرامی بلال بن حارث اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے، آخر میں آپ نے بصرہ میں سکونت اختیار فرمائی تھی حضرت معاویہؓ کے آخر زمانہ میں ۹۰ھ ہجری سال ۲۰۔ کا انتقال ہوا۔

رسول خوش نہیں ہوتا تو اس کو اتنا ہی گناہ ہو گا جتنا کہ اس بدعت پر عمل کرنے والوں کو گناہ ہو گا بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی کی جائے۔ (ترمذی) اور اس روایت کو ابن ماجہ نے کثیر بن عبد اللہ بن عمر سے اور عمر نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سنت پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور سنت کو رائج کرنے والے کو بھی اس کے برابر ثواب ملتا ہے، اسی طرح بدعت پر عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں ہوتی اور بدعت پیدا کرنے والے کے نامہ اعمال میں اس کے برابر گناہ لکھا جاتا ہے۔

یہاں سنت سے مراد مطلق دین کی بات ہے خواہ وہ فرض ہو یا واجب وغیرہ جیسے کہ نماز جمعہ کہ لوگوں نے اسے چھوڑ رکھا ہو اور اسے تبلیغ و ارشاد کے ذریعہ قائم کیا جائے یا ایسے ہی مصافحہ اور دیگر مسنون چیزیں جو متروک العمل ہو چکی ہوں، ان سب کو رائج کرنا بے شمار حسنات کا موجب ہے۔

۳۰) وَعَنْ عُمَرَو بْنِ عَوْفٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّ الدِّينَ لَيَأْتِي إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْتِي الْحَيَّةُ إِلَى خُجْرَتِهَا وَلَيَغْلِبَنَّ الدِّينُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ أَفْطُولًا لِلْغُرَبَاءِ، وَهُمْ الَّذِينَ يُضِلُّحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ شَيْئٍ)) (رواه الترمذی)

”اور حضرت عمر بن عوفؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بلاشبہ دین (اسلام) حجاز (مکہ و مدینہ اور اس کے متعلقات) کی طرف اس طرح سمت آئے گا جس طرح کہ سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ آتا ہے، اور دین حجاز میں اس طرح جگہ پکڑ لے گا جیسے کہ بکری پہاڑ کی چوٹی پر جگہ پکڑ لیتی ہے اور دین ابتدا میں غریب پیدا ہوا تھا اور آخر میں ایسا ہی ہو جائے گا جیسا کہ ابتدا میں تھا، چنانچہ خوشخبری ہو غریبوں کو وہی اس چیز (یعنی میری سنت) کو درست کر دیں گے جس کو میرے بعد لوگوں نے خراب کر دیا ہو گا۔“ (ترمذی)

۳۱) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي كَمَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَآئِيلَ حَذْوُ التَّغْلِ بِالتَّغْلِ، حَتَّىٰ إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّةً عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَآئِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ مِلَّةٍ وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: ((مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي رِوَايَةِ أَحْمَدَ وَأَبِي دَاوُدَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ نُفَّانٍ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةً فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَتَجَارَىٰ بِهِمْ بَلَّكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَىٰ الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ لَا يَبْقَىٰ مِنْهُ عِزٌّ وَلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دَخَلَهُ

”اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بلاشبہ میری امت پر (ایک ایسا زمانہ آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا اور دونوں میں ایسی مماثلت ہوگی) جیسا کہ دونوں جوتے بالکل برابر اور ٹھیک ہوتے ہیں یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بد فعلی کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ایسا ہی کریں گے اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے میری امت تتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور وہ تمام فرقے دوزخی ہوں گے ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہو گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جنتی فرقہ کون سا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس میں میں اور میرے اصحاب ہوں گے۔ (ترمذی) اور احمد و ابوداؤد نے جو روایت معاویہؓ سے نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ بہتر گروہ دوزخ میں جائیں گے اور ایک گروہ جنت میں جائے گا اور وہ جنتی گروہ ”جماعت“ ہے اور میری امت میں کئی قومیں پیدا ہوں گی جن میں خواہشات یعنی عقائد و اعمال میں بدعات اسی طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح ہڑک والے میں ہڑک سرایت کر جاتی ہے کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑا اس سے باقی نہیں رہتا۔“

تشریح: بنی اسرائیل اور اس امت کی مماثلت کو جو توں کی برابری سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح بنی اسرائیل کے لوگ اپنے زمانہ میں بد اعمالیوں میں مبتلا تھے اسی طرح ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ جب اس امت کے لوگ بھی بالکل بنی اسرائیل کی طرح ہو جائیں گے اور ان کے عقائد و اعمال میں ان سے بالکل مطابقت ہو جائے گی۔

یہاں ماں سے حقیقی ماں مراد نہیں بلکہ باپ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں مراد ہے اس لئے کہ حقیقی ماں سے اس قسم کا معاملہ بالکل بعید ہے کیونکہ اس میں شرعی رکاوٹ کے ساتھ طبعی رکاوٹ بھی ہوتی ہے۔

اسی طرح ”امت“ سے مراد اہل قبلہ ہیں یعنی جو مسلمان سمجھے جاتے ہیں۔ اس شکل میں کُلُّهُمْ فِی النَّار یعنی وہ تمام فرقے دوزخ میں ہوں گے کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ سب اپنے غلط عقائد اور بد اعمالیوں کی بنا پر دوزخ میں داخل کئے جائیں گے، لہذا جس کے عقائد و اعمال اس حد تک مفسد نہ ہوں گے کہ وہ دائرہ کفر میں آتے ہوں تو اللہ کی رحمت سے وہ اپنی مدت سزا کے بعد دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ آخر حدیث میں جنتی گروہ کو ”جماعت“ کہا گیا ہے اور اس سے مراد اہل علم و معرفت اور صاحب فقہ حضرات ہیں ان کو ”جماعت“ کے نام سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ یہ حضرات کلمہ حق پر جمع ہیں اور دین و شریعت پر متفق ہیں، اس موقع پر مناسب ہے کہ حدیث میں مذکورہ تہتر فرقوں کی تفصیل کر دی جائے۔

اہل اسلام میں بڑے گروہ آٹھ ہیں۔ ① معتزلہ۔ ② شیعہ۔ ③ خوارج۔ ④ مرجیہ۔ ⑤ بخاریہ۔ ⑥ جبریہ۔ ⑦ مشبہہ۔ ⑧ ناجیہ، پھر یہ آٹھوں گروہ چھوٹے چھوٹے فرقوں پر اس طرح ختم ہیں۔

① معتزلہ کے بیس فرقے ہیں۔ ② شیعہ کے بائیس فرقے ہیں۔ ③ خوارج کے بیس فرقے ہیں۔ ④ مرجیہ کے پانچ فرقے ہیں۔ ⑤ بخاریہ کے تین فرقے ہیں اور ⑥ جبریہ۔ ⑦ مشبہہ صرف ایک ایک ہی فرقے ہیں ان میں کئی فرقے نہیں ہیں اور آٹھواں فرقہ ناجیہ بھی صرف ایک ہے اور وہ اہل سنت و الجماعت ہیں جو جنتی ہیں۔ اس موقع پر ان فرقوں کے عقائد بھی اجمالی طور پر سن لیجئے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے تمام اعمال کا خالق ہے کاسب نہیں ہے نیز ان کا عقیدہ ہے کہ بندہ صالح کو ثواب دینا اور بدکار بندہ کو عذاب دینا خدا پر واجب اور ضروری ہے اسی طرح اس فرقہ کے لوگ باری تعالیٰ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں، مرجیہ کا عقیدہ ہے کہ جس طرح کافر کے لئے اس کے صالح اور نیک اعمال کارآمد نہیں ہیں اسی طرح مؤمن کو اس کے اعمال بد کچھ نقصان و ضرر نہیں پہنچاتے اور نہ اس کے ایمان میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے، بخاریہ اللہ تعالیٰ کے تمام صفات کمال کا انکار کرتے ہیں اور کلام الہی کو حادثات مانتے ہیں۔ جبریہ کا عقیدہ ہے کہ بندہ مجبور محض ہے اسے اپنے کسی عمل پر کوئی اختیار نہیں ہے، مشبہہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو مخلوق کے مشابہہ کرتے ہیں اور ذات باری تعالیٰ کی جسمیت کے قائل ہیں، نیز ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں حلول کرتا ہے، اور شیعہ اور خوارج کے عقائد مشہور ہی ہیں، یعنی شیعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تفصیل کے قائل ہیں، اب ان میں بھی کئی فرقے ہیں، شیعہ کے بعض فرقے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمرؓ پر فضیلت و فوقیت دیتے ہیں لیکن شیخین کی تکفیر نہیں کرتے مگر دوسرے فرقے حضرت ابوبکر و عمرؓ کی تکفیر کے بھی قائل ہیں۔ (نعوذ باللہ) نیز بعض شیعہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرآن اپنی مکمل صورت میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کی بعض وہ آیتیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں تھیں، حذف کر دی گئی ہیں، خوارج حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دشمن جماعت کو کہتے ہیں یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تکفیر کے قائل ہیں (نعوذ باللہ)۔

اس موقع پر ایک خاص اشکال کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے:

ایک ایسا شخص جو جاہل تھا اسلام کی دولت سے مشرف ہوا، اس کے سامنے اہل سنت و الجماعت بھی ہیں اور شیعہ کی جماعت بھی ہے دونوں اس کے سامنے اپنے حق پر ہونے کے دلائل قرآن و سنت سے پیش کرتے ہیں، وہ تو مسلم حیران ہے کہ وہ دونوں میں سے کسے حق جانے اور کس کے دلائل کی تصدیق کرے جب کہ وہ علم سے بالکل بے بہرہ ہے، اس کا سیدھا حل یہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو

صراحت کے ساتھ اہل سنت و الجماعت کے حق ہونے کی و لیس پیش کرتی ہیں اور وہ چیزیں ایسی صاف اور ظاہر ہیں کہ ان کا مشاہدہ عام لوگوں کو بھی ہوا کرتا ہے لہذا وہ ان میں غور کرے تو اس کے سامنے اہل سنت کی حقانیت آشکارا ہو جائے گی۔

مثلاً ایک سب سے بڑی کھلی نشانی جو آج سب کے سامنے مشاہدہ ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے اور وہ اہل سنت و الجماعت ہی کے حصہ میں ہے۔ یعنی قرآن کریم کے جتنے بھی حافظ ہوتے ہیں وہ سنی ہوتے ہیں آج تک کسی شیعہ کو حافظ نہیں دیکھا گیا اس لئے کہ ان کی قسمت میں اس عظیم نعمت سے محرومی لکھی ہوئی ہے، ہو سکتا ہے کہ لاکھوں میں کوئی ایک شیعہ حافظ نکل آئے تو یہ نادر ہے جس کا اثر کلیہ پر نہیں پڑتا کیونکہ النادر کا معدم نادر نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔

دوسرے یہ بھی ایک کھلی ہوئی بات ہیں کہ دین محمدی اور شریعت مصطفویٰ کے ائمہ اور رکن دین جتنے علماء اور اولیاء تھے وہ سب سنی تھے اور ان میں سے بعض ائمہ و علماء کے شیعہ بھی معتقد ہیں۔ اگر مسلک اہل سنت و الجماعت میں کوئی کجی یا نقص ہو تو وہ حضرات یقیناً اس مسلک کو اختیار کئے ہوئے نہ ہوتے۔

تیسرے اسلامی شعار مثلاً جمعہ، جماعت عیدین وغیرہ علی الاعلان اور کھلے بندوں صرف سنی ہی ادا کرتے ہیں اور شیعہ ان نعمتوں سے محروم و بے نصیب ہیں۔

چوتھے مکہ و مدینہ جو دین اسلام کا مبداء اور مرکز ہے اور وہاں کے باشندے اپنی بزرگی و عظمت کے لحاظ سے ضرب المثل ہیں وہاں کے لوگ بھی اسی مسلک کے پابند ہیں اگر شیعہ مسلک اچھا ہوتا تو وہ لوگ یقیناً سنی نہ ہوتے بلکہ شیعہ مسلک کے پابند ہوتے۔

اسی طرح دوسرے فرقے بھی اپنی حقانیت کے دعوے کرتے ہیں لیکن ان کا جواب یہی ہے کہ کسی کی حقانیت و بطلان پر محض دعویٰ کوئی حقیقت نہیں رکھتا جب تک اس دعویٰ کی قوی دلیل نہ ہو۔

اہل سنت و الجماعت کی حقانیت کی دلیل یہ ہے کہ یہ دین اسلام جو ہم تک پہنچا ہے وہ نقل کے ساتھ پہنچا ہے اس میں محض عقل کافی نہیں ہے لہذا تو اتر اخبار اور احادیث و آثار میں تلاش و جستجو اور تنقیح کے بعد یہ بات متیقن ہو گئی ہے کہ صحابہؓ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام رحمہم اللہ اسی مسلک و اعتقاد پر تھے، دوسرے باطل فرقے سب بعد میں پیدا ہوئے، نہ تو صحابہ ان باطل فرقوں کے مسلک کے پابند تھے اور نہ دیگر نیک و صالح لوگ ان فرقوں کے ساتھ تھے اگر صحابہؓ اور تابعین کے زمانوں میں ان میں سے بعض باطل فرقے پیدا ہوئے تو ان لوگوں نے ان سے اپنی انتہائی نفرت و بیزاری کا اظہار کیا یہاں تک کہ ایسے غلط عقائد و مسلک کے لوگوں سے ان حضرات نے تمام تعلق و رابطے منقطع کر ڈالے، نیز صحابہؓ کے حضرات مصنفین و دیگر محدثین علمائے ربانین اور اولیائے کاظمین تمام کے تمام اہل سنت و الجماعت کے عقائد و مسلک کے پابند تھے۔

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر اہل سنت و الجماعت کا مسلک حق نہ ہوتا اور ان کے عقیدے صحیح نہ ہوتے تو کروڑ ہا پدم ہا پدم لوگ اس مسلک حق کے پابند نہ ہوتے جن میں صحابہؓ بھی تھے اور تابعین بھی، بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی تھے اور علمائے محدثین بھی، عقلاء و دانش مند بھی تھے اور عوام بھی۔

بہر حال مسلک اہل سنت و الجماعت کے حق ہونے کی چند مثالیں ہیں ان کے علاوہ بھی بے شمار مثالیں ہیں جو اہل سنت و الجماعت کی حقانیت پر شاہد عاقل ہیں، اگر نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض سے الگ ہٹ کر تلاش حق کے حقیقی جذبہ سے اہل حق کی اس جماعت کے عقائد کو دیکھا جائے تو ان کی حقانیت عیاں ہو جائے گی ورنہ بقول شاعر -

ہشیار کو آپ حرف نصیحت ہے کافی نادان کو کافی نہیں دفتر نہ رسالہ

اس حدیث کے ان تمام فرق باطلہ کے لوگوں کو ہرک والوں سے مشابہت دی گئی ہے اس لئے کہ جس طرح ہرک والے پر ہرک غالب ہوتی ہے اور پانی سے بھاگتا ہے نتیجہ میں وہ پیاسا ہو جاتا ہے اسی طرح جھوٹے مذاہب اور باطل مسلک والوں پر بھی خواہشات

نفسانی کا غلبہ ہوتا ہے وہ علم و معرفت کے لالہ زاروں سے بھاگ کر جبل و گمراہی کی وادیوں میں جاگرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی روحانی موت واقع ہو جاتی ہے اور وہ دین و دنیا دونوں جگہ خدا کی رحمت سے محروم رہتے ہیں۔

(۳۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي - أَوْ قَالَ (أُمَّةً مُّحَمَّدٍ عَلَى ضَلَالَةٍ، وَيَذِلُّ اللَّهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ)) (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میری امت کو یا (بجائے میری امت کے) یہ فرمایا کہ امت محمدیہ کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو شخص جماعت پر ہے اور جو شخص جماعت سے الگ ہے وہ جنتوں کی جماعت سے الگ کر کے تہادوزخ میں ڈالا جائے گا۔“ (ترمذی)

تشریح: ”اللہ کے ہاتھ“ سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی جانب سے توفیق و تائید اور حفاظت و مدد جماعت پر ہوتی ہے اس امت مرحومہ پر خدا کی جانب سے جہاں بہت سے احسانات ہیں وہیں اس کا یہ بھی بڑا کرم ہے کہ امت کے تمام لوگ کبھی ناحق اور غلط باتوں پر جمع نہیں ہوتے یہ جب بھی کسی چیز پر اتفاق کرتے ہیں وہ حق بات ہوتی ہے۔

(۳۳) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ وَابْنِ عَاصِمٍ فِي كِتَابِ السُّنَّةِ))

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بڑی جماعت کی پیروی کرو! اس لئے کہ جو جماعت سے الگ ہو وہ تہا آگ میں ڈالا جائے گا ابن ماجہ نے یہ حدیث کتاب السنۃ سے حدیث انس و ابن عاصم سے روایت کی ہے۔“

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ انہی اعتقادات کی پیروی کرنی چاہئے جو اکثر علماء کے نزدیک حق ہوں اسی طرح ایسے اقوال و افعال کو قبول کرنا چاہئے جو جمہور علماء سے ثابت ہوں۔ اس حدیث میں لفظ رواہ کے بعد اصل مشکوٰۃ میں جگہ خالی تھی اس لئے کہ صاحب مشکوٰۃ کو اس کتاب کا نام معلوم نہیں ہوا تھا جس سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے بعد میں میرک شاہ نے مذکورہ عبارت نقل کی ہے۔

(۳۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((يَا بَنِيَّ إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِي قَلْبِكَ غَشٌّ لَأَحَدٍ فافْعَلْ)) ثُمَّ قَالَ: ((يَا بَنِيَّ وَذَلِكَ مِنْ سُنَّتِي وَمَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ))

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ اے میرے بیٹے! اگر تم اس پر قدرت رکھتے ہو کہ صبح سے لے کر شام تک اس حال میں بسر کرو کہ تمہارے دل میں کسی سے کینہ نہ ہو تو ایسا ہی کرو! پھر فرمایا، اے میرے بیٹے! یہی میری سنت ہے لہذا جس شخص نے میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھ کو محبوب رکھا اور جس نے مجھ کو محبوب رکھا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔“

(ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے طریقہ کو پسند کرنا اور اسے محبوب رکھنا آنحضرت ﷺ سے محبت رکھنے کا سبب اور جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت جیسی نعمت عظیم کے حصول کا ذریعہ ہے۔ لہذا یہ سوچنے کی بات ہے کہ جب آپ ﷺ کی سنت کو پسند کرنے پر یہ خوشخبری ہے تو سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنا کتنی بڑی سعادت و خوشخبری کی بات ہوگی۔ ذرا غور کرنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی سنت کو پسند کرنے والوں کا کتنا بڑا مرتبہ ہے وہ یہ ہے کہ انہیں جنت میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت و معیت کا شرف حاصل ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ دونوں جہان کی تمام نعمتیں اگر ایک طرف ہوں اور دوسری طرف یہ نعمت ہو تو یقیناً سعادت و خوشی کے اعتبار سے یہ نعمت بڑھ جائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی مقدس سنت کو محبوب رکھنے اور اس پر عمل

کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم سب اس نعمت سے بہرہ ور ہو سکیں۔ (آمین)۔

(۳۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ» رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ الزُّهْدِ لَهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کے بگڑنے کے وقت جس شخص نے میری سنت کو دلیل بنایا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ تو بیہقی نے یہ روایت اپنی کتاب زہد میں ابن عباس سے نقل کی ہے۔“

تشریح: ایسے عظیم اجر کے ملنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ایک شہید دین اسلام کو زندہ رکھنے اور اس کی شان و شوکت کو بڑھانے کی خاطر دنیا کی تمام مصیبتیں جھیلتا ہے یہاں تک کہ اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے، اسی طرح جب کہ دین میں رخنہ اندازی ہونے لگے اور فتنہ فساد کا دور دورہ ہو تو سنت کو رائج کرنے اور علوم نبوی کو پھیلانے میں بے شمار مصائب و تکالیف کا سامنا ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات اس سے بھی زیادہ مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں اس لئے اس عظیم اجر کی بشارت دی جا رہی ہے اس حدیث میں بھی لفظ رواہ کے بعد مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں جگہ خالی ہے مگر مذکورہ عبارت میرک شاہؒ نے بڑھادی ہے۔

(۳۶) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ آتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ: إِنَّا نَسْمَعُ أَحَادِيثَ مِنْ يَهُودٍ تُعْجِبُنَا أَفْتَرَى أَنْ نَكْتُفِ بِبَعْضِهَا؟ فَقَالَ: أَمْتَهُوَ كَوْنُ أَنْتُمْ كَمَا تَهُوَ كَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى؟ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيِّنَاتٍ نَقِيَّةً وَلَوْ كَانَ مُوسَى حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِي۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ أَبِي حَتْمٍ فِي كِتَابِ شُعَبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت جابرؓ، آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں حضرت عمرؓ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم یہود کی حدیثیں سنتے ہیں اور وہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہوتی ہیں کیا آپ ﷺ اجازت دیتے ہیں کہ ہم ان میں سے بعض کو لکھ لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم بھی اسی طرح حیران ہو جس طرح یہود اور نصاریٰ حیران ہیں۔ (جان لو کہ) بلاشبہ میں تمہارے پاس صاف و روشن شریعت لایا ہوں، اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو وہ بھی میری پیروی پر مجبور ہوتے۔“ (احمد، بیہقی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہود و نصاریٰ حیران ہیں کہ انہوں نے خدا کی کتاب کو اور اپنے پیغمبر کی حقیقی تعلیم کو چھوڑ دیا ہے اور اپنے خود غرض و لاپچی علماء کی خواہشات کے مطیع ہو گئے ہیں، کیا اسی طرح تم بھی متغیر ہو کہ اپنے دین کو ناقص و نامکمل سمجھ کر دوسروں کے دین و شریعت کے محتاج ہو رہے ہو، حالانکہ میری لائی ہوئی شریعت اتنی مکمل اور واضح ہے کہ اگر آج موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی میری شریعت کے پابند اور میرے احکام کے مطیع ہوتے۔

(۳۷) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَكَلَ طَيْبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّتِهِ وَأَمِنَ النَّاسَ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ» فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ هَذَا الْيَوْمَ لَكُنِي فِي النَّاسِ؟ قَالَ: وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے حلال (رزق) کھایا، سنت کے طریقہ پر عمل کیا اور اس کی زیادتوں سے لوگ امن میں رہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسے لوگ تو آج کل بہت ہیں! آپ نے فرمایا، اور میرے بعد بھی ایسے لوگ ہوں گے۔“ (ترمذی)

تشریح: حلال رزق کا مطلب یہ ہے کہ خواہ تجارت ہو یا ملازمت یا کوئی دوسرا ذریعہ معاش، ہر جگہ ایماندار و دیانت کے دامن کو پکڑے رہے، اور حدود شریعت سے تجاوز نہ کرے نیز ایسی کوئی صورت اختیار نہ کرے جس سے اس کی کمائی حرام ہو جائے جیسے اگر کوئی شخص تجارت میں خرید و فروخت کے وقت میں ایسے طریقے اختیار کرتا ہے جو شریعت کی نظر میں جائز نہیں ہیں تو اس کا کمایا ہوا مال پاک و حلال

نہیں رہے گا۔ ہاں اگر اس کا طرز عمل خلاف شریعت نہیں ہوتا تو اس کی کمائی حلال ہوگی۔

شرعی نقطہ نظر سے تجارت میں حلال کمائی کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی مال کو فروخت کرتے وقت نہ تو عقد بیع سے پہلے نہ عقد بیع کے وقت اور عقد بیع کے بعد کوئی ایسی شکل اختیار کرے جو شرعی طور پر مفید بیع ہو تو اس کا کمایا ہوا مال حلال و طیب ہوگا اور اگر اس کے برخلاف عمل کیا تو اس کی کمائی حلال نہیں ہوگی۔ مثلاً کسی تاجر نے کسی چیز کو فروخت کرنے کا ارادہ کیا اور عقد بیع سے پہلے دھوکہ اور فریب دینے کا خیال کیا۔ جیسے جس چیز کو فروخت کر رہا ہے اس میں کوئی عیب ہے لیکن اس نے اس کو نہ ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تو اگرچہ عقد بیع کے وقت ایجاب و قبول شرعی طور پر ہوا ہو مگر اس کی اس فاسد نیت کی وجہ سے اس کا کمایا ہوا مال حلال نہیں ہوگا۔ یا اسی طرح فروخت کے وقت جب کہ عقد بیع واقع ہو رہا تھا یا عقد بیع کے بعد تاجر نے کوئی فاسد شرط لگا دی جو جائز نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اس کا کمایا ہوا مال حلال نہیں ہوگا جیسے دکاندار نے کسی چیز کو فروخت کیا اور خریدار سے کہا کہ بیع ہوگی لیکن شرط یہ ہے کہ ایک بوتل شراب مجھے دیا کرنا تو چونکہ یہ شرعی طور پر جائز نہیں ہے اس لئے اس کا حاصل کیا ہوا مال حلال نہیں ہوگا۔

بہر حال مطلب یہ ہے کہ خرید و فروخت کے سلسلہ میں ان تینوں اوقات میں ایسا طریقہ اختیار نہ کرنا چاہئے جو خلاف شریعت ہوتا کہ اس کا کمایا ہوا مال حلال رہے۔ پھر یہ تجارت ہی پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ اسی طرح ملازمت اور زراعت وغیرہ کا معاملہ بھی ہے کہ وہاں ایسے طریقے اختیار نہ کئے جائیں جو حلال رزق کے حصول میں رکاوٹ بنیں۔

حدیث میں دخول ہمشہ کے لئے دو سرا و صف یہ قرار دیا گیا ہے کہ سنت کی پوری پوری پیروی ہو یعنی جو بھی کام کیا جائے یا جو بھی بات کہی جائے وہ سنت نبوی کے مطابق ہو۔ گویا انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو ہو خواہ وہ عبادات کا ہو یا معاملات یا معاشرت کا، سب میں سنت نبوی کی جھلک اور اتباع رسول کا جذبہ موجود ہو۔

چنانچہ جن اعمال کے بارہ میں احادیث وارد ہوئی ہیں ان کے مطابق ہی عمل کیا جائے یہاں تک کہ بیت الخلاء جانے اور راستہ کو کسی تکلیف دہ چیز سے صاف کرنے کے بارہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں یا جو سنت منقول ہے اس پر عمل کرے اور ان کے احکام کو بجا لائے۔

آخر حدیث میں صحابی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں تو ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو مذکورہ اوصاف سے متصف ہونے کی وجہ سے اس بشارت کے مستحق ہیں لیکن ہمارے بعد ایسے لوگ پائے جائیں گے یا نہیں؟ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے بعد بھی ایسے لوگ ہوں گے یعنی اس امت سے خیر و بھلائی بالکل ختم نہیں ہو جائے گی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آخر زمانہ میں جب کہ فتنہ فساد کا دور دورہ ہوگا، ایسے لوگوں کی کمی ہو جائے گی لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ ایسے اللہ والے لوگ اس دنیا میں رہیں گے جو حدیث و سنت کے طریقہ پر اپنی زندگی گزاریں گے اور ایمان و دین پر پورے یقین کے ساتھ قائم و دائم رہیں گے۔

(۲۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((اِنَّكُمْ فِي زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عَشْرَ مَا أَمَرَ بِهِ هَلَكَ ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعَشْرِ مَا أَمَرَ بِهِ نَجَا)) (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، تم ایسے زمانہ میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص ان احکام کا سوال حصہ بھی چھوڑ دے جو دیے گئے ہیں تو وہ ہلاک ہو جائے گا لیکن ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اگر کوئی شخص ان احکام کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرے گا تو نجات پا جائے گا۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے عہد رسالت اور مابعد کے فرق کا پتہ چلتا ہے، عہد نبوی ﷺ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا چرچا اتنی شدت اور کثرت کے ساتھ تھا کہ ذرا سی لغزش بھی ہلاکت و تباہی کا باعث بن سکتی تھی لیکن زمانہ آخر میں جب کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں

اضمحلال پیدا ہو جائے گا تو اس وقت اتنا فرق ہو جائے گا کہ اگر کوئی شخص احکام کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرے تو یہ اس کی نجات کے لئے کافی ہوگا۔

(۳۹) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَاضِلٌ قَوْمٌ بَعْدَ هَذِي كَانُوا عَلَيْهِ إِلَّا أَوْثُوا الْجَدَلَ» ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الْآيَةَ: «مَاضِرٌ بُؤَةُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ»

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو امامہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہدایت پانے اور ہدایت پر قائم رہنے کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوگی مگر اس وقت جب کہ اس میں جھگڑا پیدا ہوا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت چھی ماضِرٌ بُؤَةُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ (قرآن) ترجمہ: وہ تمہارے لئے نہیں بیان کرتے مثال مگر جھگڑنے کے لئے بلکہ وہ جھگڑا لو قوم ہی ہے۔“ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات اور شرعی مسائل میں جھگڑنا نہیں چاہئے اور نہ ہر کس و ناکس کو ان میں اپنی عقل کے تیر چلانے چاہیں کیونکہ زمانہ ماضی میں ہدایت یافتہ اقوام کی گمراہی کا بیشتر سبب یہی ہوتا تھا کہ لوگ دینی معاملات میں جھگڑتے رہتے تھے اور یہ حرکت علماء سوء اور نفسانی خواہشات کے تابع لوگ کیا کرتے تھے اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دینی معاملات میں تفرقہ پیدا ہو اور لوگ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگیں تاکہ غلط عقائد اور باطل مذاہب کو فروغ دیں اور حق کی بنیادوں کو اکھاڑ بھینکیں۔

آپ ﷺ نے جو آیت تلاوت فرمائی اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب آیت اِنكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ یعنی (اے مشرکین) تم اور وہ غیر اللہ جنہیں تم پوجتے ہو دوزخ کے اندھن ہیں، نازل ہوئی تو مشرکین بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جتنے غیر اللہ معبود ہیں وہ سب دوزخ میں جائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نصاریٰ کے معبود ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں لہذا وہ بھی اس آیت کے مطابق دوزخ میں جائیں گے اور ہمارے بت حضرت عیسیٰ سے بہر حال بہتر نہیں ہیں اس لئے ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے بت بھی حضرت عیسیٰ کے ساتھ دوزخ میں جائیں۔

مشرکین کے اس غلط نظریہ کے رد میں آیت مذکورہ مَاضِرٌ بُؤَةُ لَكَ الْآيَةَ نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ یہ مشرک لوگ اس آیت کو سن کر تم سے جو بحث کرتے ہیں اور اپنی طرف سے غلطی متنی مراد لے رہے ہیں وہ محض ان کی ہٹ دھرمی اور ضد ہے اور یہ خصامت و محابولت کے طور پر ایسی غلط بات کہہ رہے ہیں حالانکہ یہ صاحب زبان ہیں اور عربی زبان کے اصول و قواعد انہیں معلوم ہیں اور وہ بھی جانتے ہیں کہ بتعبودن سے پتھر وغیرہ کے بت مراد ہیں اس لئے کہ لفظ ماخود اس پر دال ہے کہ یہ حکم غیر ذوی العقول معبودوں یعنی پتھروں وغیرہ کے بتوں کے بارہ میں ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خدا کے دیگر نیک بندے اس میں شامل ہیں۔

(۴۰) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ لَا تُشَدُّ دُؤَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَيَشِدُّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَإِنَّ قَوْمًا شَدُّوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ فَبَلَكَ بَقَايَا هُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالْذُبَابِ (رَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ) (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ فرمایا کرتے تھے، تم اپنے نفس پر سختی نہ کرو اس لئے کہ پھر خدا بھی تم پر سختی کرے گا، ایک قوم (یعنی بنی اسرائیل) نے اپنے نفس پر سختی کی تھی چنانچہ اللہ نے بھی اس پر سختی کی۔ پس آج جو لوگ صوموں اور دیار میں پائے جاتے ہیں یہ انہیں لوگوں نے پیدا کیا، ہم نے ان پر فرض نہیں کیا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنی جانوں کو خواہ مخواہ زیادہ محنت و مشقت میں مبتلا نہ کرو یعنی ریاضت و مجاہدہ میں ایسے طریقے اختیار نہ کرو جن کو تمہارے قوی برداشت کرنے کے اہل نہ ہوں اور نہ تمہارا نفس اتنی محنت و مشقت برداشت کر سکتا ہو اور اسی طرح ایسی چیزوں کو

اپنے اوپر حرام نہ کرو جو خدا نے تمہارے لئے مباح قرار دی ہیں اس لئے کہ اگر تم اپنی طرف سے اپنی جانوں پر سختی کرو گے اور زیادہ محنت و مشقت میں پڑو گے تو خدا انہیں چیزوں کو تمہارے اوپر فرض کرے گا لیکن تمہارے اندر اتنی طاقت نہیں ہوگی کہ تم ان کے حقوق ادا کر سکو، نتیجہ میں آخرت کی تباہی و ہلاکت اپنے ذمہ لے لو گے۔

صومہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں عیسائی عبادت کیا کرتے ہیں جسے گرجا کہا جاتا ہے اور دیار یہود کے عبادت کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں اسی طرح رہبانیت اسے کہتے ہیں کہ عبادت و ریاضت بہت زیادہ کی جائے اپنے نفس کو مشقتوں اور تکلیفوں میں ڈالا جائے دنیا سے بالکل بے تعلق ہو جائے تمام لوگوں سے اپنے کو منقطع کر لے ناٹ کے پیراہن استعمال کرے، گردن میں زنجیر باندھ لے قوت مردانگی کو ختم کرنے کے لئے نفسانی خواہشات کو مار ڈالنے کے لئے بالکل غیر فطری طور پر جنسی محرکات کو منقطع کر ڈالے اور دنیاوی زندگی کو یکسر چھوڑ کر جنگل و پہاڑ پر جا کر بسیرا ڈال لے، جیسا کہ رہبانیت اہل کتاب نے اپنے اوپر ضروری کر رکھی تھی اور ان کے عابد و اجداد لوگ ایسا کیا کرتے تھے لیکن چونکہ رہبانیت اسلام کے فطری اصولوں سے بالکل جدا اور الگ ہے اس لئے شریعت نے کبھی اس کو جائز قرار نہیں دیا۔

لہذا آنحضرت ﷺ نے رہبانیت اسلام میں ناجائز قرار دی ہے اور فرمایا ہے لا رہبانیت فی الاسلام یعنی اسلام میں رہبانیت جائز نہیں ہے، بلکہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رہبانیت کسی بھی آسمانی دین میں ضروری نہیں بلکہ خود اس دین کے ماننے والے رہبانیت کو اپنی دینی و دنیاوی فلاح و کامیابی کا ذریعہ سمجھتے تھے، چنانچہ یہود و نصاریٰ میں بھی لوگوں نے خود ہی ان چیزوں کا اختراع کیا تھا اور ایسی مشقتیں و تکلیفیں اپنے اوپر لازم کر لی تھیں جو شریعت کی جانب سے ان پر فرض نہ کی گئی تھیں لیکن یہ قویں چونکہ فطرتاً غیر مستقل مزاج، خواہشات نفسانی کی پابند اور آزاد طبع واقع ہوئی ہیں اس لئے وہ اپنے اوپر خود فرض کی ہوئی چیزوں کو بھی پورا نہ کر سکیں ان کے ذہن و قوی نہ ان کے حقوق ادا کر سکے اور نہ وہ ان پر مستقل مزاجی سے قائم رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں اپنے دین سے بھی ہاتھ دھونا پڑا چنانچہ اکثر عیسائی اپنے دین سے منحرف ہو گئے اور انہوں نے یہودی مذہب قبول کر لیا بہت سے یہودی رہبانیت کو چھوڑ چھاڑ کر نصرانیت کی طرف مائل ہو گئے کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے دین پر قائم رہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا اور آپ ﷺ پر ایمان لائے۔

بہر حال آنحضور کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اسی طرح تم رہبانیت کو اختیار نہ کرو اور نہ غیر شرعی فطری مشقتوں میں اپنی جانوں کو مبتلا کرو بلکہ شریعت نے جو حدود متعین کر دی ہیں انہیں کے اندر اپنی زندگی گزارو اور خداوند کے رسول نے جو فرائض بتائے ہیں وہی ادا کرتے رہو۔

(۴۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «(نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَى خَمْسَةِ أَوْجِهٍ حَلَالٌ وَحَرَامٌ وَمُحْكَمٌ وَمُتَشَابِهٌ وَأَمْثَالٌ فَاجْلُوا الْحَلَالَ وَحَرِّمُوا الْحَرَامَ وَاعْمَلُوا بِالْمُحْكَمِ وَامْنُوا بِالْمُتَشَابِهِ وَاعْتَبِرُوا بِالْأَمْثَالِ) هَذَا لَفْظُ الْمَصَابِيحِ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي «شُعَبِ الْإِيمَانِ» وَلَفْظُهُ: فَاعْمَلُوا بِالْحَلَالِ وَاجْتَنِبُوا الْحَرَامَ وَاتَّبِعُوا الْمُحْكَمَ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، قرآن کریم پانچ صورتوں پر نازل ہوا ہے۔ ① حلال۔ ② حرام۔ ③ محکم۔ ④ متشابہ۔ ⑤ امثال۔ لہذا تم حلال کو حلال جانو، حرام کو حرام جانو، محکم پر عمل کرو، متشابہ پر ایمان لاؤ، اور امثال (قصوں) سے عبرت حاصل کرو، یہ الفاظ مصابیح کے ہیں اور بیہقی نے جو روایت شعب الایمان میں نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ لہذا حلال پر عمل کرو، حرام سے بچو اور محکم کی پیروی کرو۔“

تشریح: قرآن شریف اپنے اسلوب و بیان کے اعتبار سے پانچ طرح کی آیتوں پر مشتمل ہے۔ ① ایسی آیتیں جن میں حلال کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے احکام بتائے گئے ہیں۔ ② ایسی آیتیں جن میں حرام کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے احکام بتائے گئے ہیں۔ ③ ایسی آیتیں جن کے معنی و مطالب میں کوئی ابہام و اشتباہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنے مقصد و مراد کو صاف واضح کرتی ہیں جیسے اقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (یعنی

نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو) اس حدیث میں ایسی ہی آیتوں کو محکم کہا گیا ہے۔ (۴) ایسی آیتیں جن کی مراد واضح نہیں ہے اور نہ ان کے معنی و مطالب کسی پر ظاہر کئے گئے ہیں جیسے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْدِیْہُمْ (یعنی اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) حدیث میں ایسی ہی آیتوں کو متشابہ کہا گیا ہے ان کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ ایسی آیتوں کے معنی و مطالب کے کھوج کرید میں نہ لگو بلکہ ان پر صرف ایمان لاؤ اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے جو معنی مراد ہیں وہی حق اور صحیح ہیں اگرچہ ہماری رسائی ان تک نہیں ہے۔ (۵) ایسی آیتیں جن میں پچھلی آیتوں کے حالات و واقعات کا ذکر کیا گیا ہے یعنی نیک اقوام کی فلاح و کامرانی اور بد اقوام کی تباہی و بربادی کے واقعات بتائے گئے ہیں ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان واقعات سے تم عبرت پکڑو اور دیکھو کہ خدا نے اپنے نیک و صالح بندوں پر اپنی رحمتوں و نعمتوں کی کیسی بارش کی اور بد کار و سرکش قوموں کو تباہی و بربادی اور ہلاکت کی وادیوں میں کس عبرت ناک طریقہ سے پھینک دیا۔

(۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لَا مَرْءَ ثَلَاثَةَ أَمْزٍ بَيْنَ رُشْدِهِ وَآمُرٍ بَيْنَ غِيْثِهِ فَاجْتَنِبْهُ وَآمُرٌ اٰخْتَلَفَ فِيْهِ فَكَلِّهِ اِلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ)) (رواہ احمد)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، امر تین طرح کے ہیں۔ (۱) وہ امر جس کی ہدایت ظاہر ہے اس کی پیروی کرو۔ (۲) وہ امر جس کی گمراہی ظاہر ہے اس سے بچو۔ (۳) وہ امر جو مختلف فیہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو۔“ (احمد)

تشریح: وہ امر جس کی ہدایت ظاہر ہے ایسی چیزیں ہیں جن کا حق و صحیح ہو نا واضح طور پر آیات و احادیث سے ثابت ہو جیسے نماز روزہ، زکوٰۃ و حج، وغیرہ کا فرض و واجب ہونا، ان کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی پیروی کرو، اسی طرح وہ امر جس کی گمراہی ظاہر ہے ایسی چیزیں ہیں جن کا باطل و فاسد ہو نا واضح طور پر معلوم ہو جیسے کفار کی رسوں اور ان کے طور طریقوں پر عمل کرنا، ان سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ تیسرا امر مختلف فیہ ہے یعنی ایسی چیزیں جن کا حکم واضح طور پر کچھ ثابت نہ ہو بلکہ پوشیدہ اور مشتبہ ہو، بعض لوگوں نے اس کی تعریف یہ کی ہے امر مختلف فیہ وہ چیزیں ہیں جن کے احکام خدا اور خدا کے رسول نے نہ بتائے ہوں بلکہ لوگ اس کے تعین میں اختلاف کرتے ہوں جیسے آیات متشابہات یا وقت قیامت کا تعین وغیرہ، اس کے بارہ میں حکم دیا گیا ہے کہ ایسی چیزوں میں اپنی طرف سے کچھ نہ کہو بلکہ ان کے حقیقی مراد و مفہوم کا تعین خدا کے سپرد کرو وہی بہتر جاننے والا ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۴۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((اِنَّ الشَّيْطَانَ ذَنْبُ الْاِنْسَانِ كَذَنْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالتَّاجِيَةَ وَابْنَاكُمْ وَالشَّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ)) (رواہ احمد)

”حضرت معاذ بن جبلؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے جس طرح بکری کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ اس بکری کو اٹھا کر لے جاتا ہے جو ریوڑ سے بھاگ نکلی ہو یا ریوڑ سے دور چلی گئی ہو یا ریوڑ کے کنارے پر ہو اور تم پہاڑ کی گھاٹیوں (یعنی گمراہی) سے بچو نیز جماعت اور مجمع کا ساتھ پکڑو۔“ (احمد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح بھیڑیا جب کسی ایسی اکلی بکری کو پالیتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو گئی ہو تو وہ اس پر بہت دلیر ہو جاتا ہے اور اسے اٹھا کر لے جاتا ہے اسی طرح جب کوئی شخص علماء دین کی جماعت اور ان کے گروہ سے انحراف کر کے الگ ہو جاتا ہے اور اپنی عقل و فہم کے بل بوتے پر نئے نئے مذاہب نکالتا ہے اور نئے نئے مسلک پیدا کرتا ہے تو اس پر شیطان کو پوری طرح اختیار و تسلط ہو جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص شیطان کے چنگل میں پوری طرح آکر گمراہی کی انتہائی گہری گھاٹیوں پر جا گرتا ہے۔ اس لئے آخر حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ پہاڑ کی گھاٹیوں سے بچو یعنی اسلام کی صاف و سیدھی راہ کو چھوڑ کر ایسی گھاٹیوں میں نہ جا بیٹھو جو

ضلالت و گمراہی سے بھری ہوئی ہوں۔

(۳۴) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَيْئًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ» (رواہ احمد والبوداؤ)

”اور حضرت ابو ذرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی (یعنی ایک ساعت کے لئے بھی) جدا ہوا، اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: یعنی جو شخص کسی مرحلہ پر بھی جماعت سے الگ ہوا ہوگا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ اب اسلام کی قیود اور احکام کی پابندی سے بھی آزاد ہو جائے گا اور اپنی ذہنی و فکری اور عملی طاقتوں کو ایسے رخ پر موڑ دے گا جہاں نہ کوئی قید ہوگی اور نہ کسی کی پابندی بلکہ وہ خود رو، آزاد اور دین شریعت کا غیر پابند بن جائے گا۔

(۳۵) وَعَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، مُرْسَلًا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَوَكَّثْ فَيُكْمُ أَمْرَيْنِ لَنْ تَصْلُوَا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابُ اللَّهِ وَسُنَّةُ رَسُولِهِ» (رواہ فی الموطا)

”اور حضرت مالک بن انسؓ مرسلہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے۔ وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) اور سنت رسول اللہ (احادیث) ہیں۔“ (موطا)

(۳۶) وَعَنْ غُصَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ الثَّمَالِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا أَحَدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رَفَعَ مِنْهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسَّكَ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ إِحْدَاثٍ بِدْعَةٍ» (رواہ احمد)

”اور حضرت غصیف بن حارث ثمالیؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب کوئی قوم (دین میں) نئی بات نکالتی ہے (یعنی ایسی بدعت جو سنت کے مزاحم ہو) تو اس کے مثل ایک سنت اٹھالی جاتی ہے۔ لہذا سنت کو مضبوط پکڑنا نئی بات نکالنے (بدعت) سے بہتر ہے۔“

(احمد)

تشریح: سنت پر عمل کرنا اگرچہ وہ معمولی درجہ کی ہو بدعت پیدا کرنے اور بدعت پر عمل کرنے سے بہتر ہے اگرچہ وہ بدعت حسنہ ہو اس لئے کہ سنت نبوی کے اتباع و پیروی سے روح میں جلا پیدا ہوتا ہے جس کے نور سے قلب و دماغ منور ہوتے ہیں اس کے برخلاف بدعت ظلمت و گمراہی کا سبب ہے مثلاً بیت الخلاء میں آداب سنت و شرع کے مطابق جانا، سرانیں بنانے اور مدر سے قائم کرنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص ان آداب کی رعایت کرتا ہو ابیت الخلاء جاتا ہے جو حدیث سے منقول ہیں تو وہ سنت پر عمل کرنے والا کہلائے گا۔ برخلاف اس کے کہ اگرچہ مدر سے قائم کرنا اور خانقاہیں بنانا بہت بڑا کام ہے۔ لیکن چونکہ وہ بدعت حسنہ ہے، اس لئے اس معمولی سی سنت پر عمل کرنے والا اتنے بڑے کام کرنے والے سے افضل ہوگا اس لئے کہ آداب سنت کا خیال کرنے والا اور سنت کی پیروی کرنے والا مقام عروج اور قرب الہی کی طرف ترقی کرتا ہے مگر سنت کو ترک کرنے والا مقام علیا سے نیچے گرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی چیزیں جو افضل و اعلیٰ ہوتی ہیں وہ انہیں ترک کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک مقام آجاتا ہے کہ وہ قسادت قلبی کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے جسے رائے اور طبع کہتے ہیں۔

سید جمال الدینؒ سے بھی یہی منقول ہے نیز وہ لکھتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ جس نے آداب سنت کی رعایت کی مثلاً اس کا بیت الخلاء جانا بھی آداب سنت کے مطابق ہے تو خدا کی جانب سے یہ توفیق دی جاتی ہے کہ وہ اس سے اعلیٰ سنت پر عمل کرے۔ چنانچہ توفیق الہی کا وہی تور اعلیٰ مقامات کی طرف اس کی راہ نمائی کرتا رہتا ہے آخر کار وہ منزل مقصود تک جا پہنچتا ہے۔ اور جو شخص کسی معمولی سنت کو بھی

ترک کرتا ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر یہ خالی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دوسری اعلیٰ و افضل چیزوں کو بھی ترک کرتا رہتا ہے اور اس کی سلامتی قلب ترک سنت کی ظلمت میں پھنس کر تنزل کرتی رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ مقام رین و طبع تک جا گرتا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے اس موقع پر بڑی اچھی بات کہی ہے کہ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ کسل و سستی کی وجہ سے سنت کو ترک کرنا لامتناہی و عتاب کا باعث ہے اور سنت کو ناقابل اعتناء سمجھ کر اس پر عمل کرنا معصیت اور عذاب خداوندی کا سبب ہے اور سنت کا انکار بدعتی ہونے کا اظہار ہے لیکن اگر کسی بدعت کو خواہ وہ بدعت حسنہ کیوں نہ ہو ترک کر دیا جائے تو یہ تمام باتیں لازم نہیں آتیں۔

گویا سنت کو ترک کرنا بے شمار نقصان و فساد کا باعث ہے مگر بدعت کو ترک کرنا کوئی اثر نہیں ڈالتا اس لئے اس سے معلوم ہوا کہ سنت پر عمل کرنا خواہ وہ کتنی ہی معمولی ہو، فلاح و سعادت اور بہتری کا باعث ہے اور بدعت پر عمل کرنا خواہ وہ حسنہ ہو اس کے مقابلہ میں بہتر نہیں ہے۔

(۳۷) وَعَنْ حَسَّانٍ، قَالَ: مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةٍ فِي دِينِهِمْ إِلَّا نَزَعَ اللَّهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا يُعِيدُهَا إِلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت حسانؒ فرماتے ہیں، کہ جب کوئی قوم اپنے دین میں نئی بات (یعنی ایسی بدعت سیئہ جو سنت کے مزاحم ہو) نکالتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی سنت میں سے اس کا مثل نکال لیتا ہے (یعنی جب کوئی بدعت سیئہ پیدا ہوتی ہے تو اس کے مثل سنت دینا سے اٹھالی جاتی ہے) اور پھر وہ سنت قیامت تک اس کی طرف واپس نہیں کی جاتی۔“ (دارمی)

(۳۸) وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ وَقَرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ آعَانَ عَلَى هَذَا الْإِسْلَامِ» رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ مُرْسَلًا۔ (رواہ البیہقی)

”اور حضرت ابراہیم بن میسرہؒ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ستون کو گرا دینے میں مدد کی۔“ (بیہقی)

تشریح: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی بدعتی کی توقیر و عزت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں اسے سنت کی عزت و احترام کا کوئی خیال نہیں ہے اس طرح وہ سنت کی تحقیر کا باعث ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ سنت کی تحقیر اسلام کی عمارت کو اجاڑنا ہے اس پر اہل سنت کی تحقیر کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پابند شرع و سنت کی توہین کرتا ہے تو وہ دین و سنت کی عمارت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص بدعتی کی تحقیر و تذلیل کرے تو یہ اس بات کا اظہار ہوگا کہ اسے سنت سے محبت ہے جو دین اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کا سبب ہے جس پر اسے بے شمار حسنات کا حق قرار دیا جائے گا۔

(۳۹) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللَّهِ ثُمَّ اتَّبَعَ مَا فِيهِ هَذَا اللَّهُ مِنَ الضَّلَالَةِ فِي الدُّنْيَا وَوَقَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سُوءَ الْجَسَابِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ: مَنْ اتَّقَى بِكِتَابِ اللَّهِ لَا يَضِلُّ فِي الدُّنْيَا وَلَا يَشْقَى فِي الْآخِرَةِ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ آيَةً (فَمَنْ اتَّبَعَ هَذَا فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى)۔ (رواہ رزین)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کتاب اللہ کا علم حاصل کیا اور پھر اس چیز کی پیروی کی جو اس (کتاب اللہ) کے اندر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں گمراہی سے ہٹا کر راہ ہدایت پر لگائے گا (یعنی اس کو ہدایت کے راستہ پر ثابت قدم رکھے گا اور گمراہی سے بچائے گا) اور قیامت کے دن اس کو برے حساب سے بچائے گا (یعنی اس سے مواخذہ نہیں ہوگا) اور ایک روایت میں ہے جس شخص نے کتاب اللہ کی

لے ام گرامی حسان ابن ثابتؓ ہے اور کنیت ابو الولید ہے انصاری اور خزرجی ہیں بعض حضرات نے کہا ہے کہ کنیت ابو الحسام ہے حضرت حسانؓ کی وفات حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں ۴۰ھ میں ہوئی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ وفات پچاس جبری میں ہوئی ہے۔

پیروی کی تونہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بد بخت ہوگا (یعنی اسے عذاب نہیں دیا جائے گا) اس کے بعد ابن عباسؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَمَنْ اتَّبَعَ هَذَا فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى ترجمہ: جس شخص نے میری ہدایت (یعنی قرآن) کی پیروی کی نہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) بد بخت ہوگا۔ (رزین)

تشریح: چونکہ قرآن کریم کا پڑھنا باعث سعادت اور اس پر عمل کرنا ذریعہ نجات ہے اس لئے جو شخص قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھے اور قرآن کو سمجھنے کی جو شرائط ہیں ان کے مطابق اس کے علوم و معارف کو حاصل کرے اور پھر قرآن کریم نے جو احکام بتائے ہیں ان پر عمل کرے اور ہدایت کا جو راستہ متعین کر دیا ہے اس پر چلتا رہے تو اس کے لئے دین و دنیا دونوں جگہ سعادت و رحمت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ دنیا میں اس پر خدا کی جانب سے رحمت ہوگی کہ وہ چونکہ قرآن کو اپنا راہبر بنا رکھے گا اس لئے گناہ و معصیت سے بچتا رہے گا برائی کے راستے کو چھوڑ دے گا جس کا نتیجہ آخرت میں یہ ہوگا کہ وہاں اس پر خدا کی بے شمار رحمتوں کا سایہ ہوگا نہ تو حساب و کتاب کی سختی اور نہ عذاب میں مبتلا ہوگا اور یہی بندہ کے حق میں سب سے بڑی فلاح و سعادت ہے۔

۵۰) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا وَعَنْ جَنَّتِي الصِّرَاطِ سُورَانِ فِيهِمَا أَبْوَابٌ مُفْتَحَةٌ وَعَلَى الْأَبْوَابِ سُورٌ مُرَخَّاةٌ وَعِنْدَ رَأْسِ الصِّرَاطِ ذَاغٌ يَقُولُ اسْتَقِيمُوا عَلَى الصِّرَاطِ وَلَا تَعْوَجُوا وَفَوْقَ ذَلِكَ ذَاغٌ يَدْعُو كُلَّمَا هَمَّ عَبْدٌ أَنْ يَفْتَحَ شَيْئًا مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ قَالَ: وَيَحْكُ لَا تَفْتَحْهُ فَإِنَّكَ إِنْ تَفْتَحْهُ تَلْجُهُ» ثُمَّ فَسَّرَهُ فَأَخْبَرَ: «أَنَّ الصِّرَاطَ هُوَ الْإِسْلَامُ وَأَنَّ الْأَبْوَابَ الْمَفْتَحَةُ مُحَارِمُ اللَّهِ وَأَنَّ السُّورَ الْمُرَخَّاةَ حَذُّ اللَّهِ وَأَنَّ الدَّاعِيَ عَلَى رَأْسِ الصِّرَاطِ هُوَ الْقُرْآنُ وَأَنَّ الدَّاعِيَ مِنْ فَوْقِهِ هُوَ وَاعِظُ اللَّهِ فِي قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ» رَوَاهُ زَيْدٌ وَأَحْمَدُ وَابْنُ أَبِي حَتْمٍ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ وَكَذَا التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ إِلَّا أَنَّهُ ذَكَرَ اخْتَصَرَهُ مِنْهُ۔

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے (وہ یہ کہ) ایک سیدھا راستہ ہے اور اس کے دونوں طرف دیواریں ہیں۔ ان دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں دروازوں پر پڑے ہوئے ہیں اور راستہ کے سر پر پیکارنے والا کھڑا ہے جو پیکار پیکار کرتا ہے، سیدھے راستے پر چلے آؤ، غلط راستے پر نہ لگوا، اس پیکارنے والے کے اوپر (یعنی اس کے آگے کھڑا ہوا) ایک دوسرا پیکارنے والا ہے، جب کوئی بندہ ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھولنا چاہتا ہے تو وہ (دوسرا پیکارنے والا) پیکار کر کہتا ہے، تجھ پر افسوس ہے! اس کو نہ کھول اگر تو اسے کھولے گا تو اس کے اندر داخل ہو جائے گا (اور وہاں سخت تکلیف میں ہوگا) پھر آنحضرت ﷺ نے اس مثال کی وضاحت کی اور فرمایا، سیدھا راستہ سے مراد اسلام ہے (جس کو اختیار کر کے جنت میں پہنچتے ہیں) اور کھلے ہوئے دروازوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے (جس کو اختیار کرنا تکمیل اسلام کے منافی ہے) اور (دروازوں پر) پڑے ہوئے پرووں سے مراد اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود ہیں اور راستہ کے سرے پر جو پیکارنے والا کھڑا ہے اس سے مراد قرآن کریم ہے اور وہ دوسرا پیکارنے والا جو پہلے پیکارنے والے کے آگے کھڑا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت کرنے والا فرشتہ ہے جو ہر مومن کے دل میں ہے۔ زین، احمد، اور ترمذی نے اس روایت کو شعب الایمان میں نواس بن سمان سے نقل کیا ہے اور ترمذی نے بھی انہیں سے روایت کی ہے مگر ترمذی نے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔“

تشریح: شرعی احکام زیادہ تر دو ہی قسموں سے متعلق ہیں یعنی حلال و حرام اور ان دونوں کو شریعت نے وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے جو چیزیں حلال ہیں ان کے بارے میں بھی اعلان کر دیا گیا ہے اور جو چیزیں حرام ہیں ان کی بھی تصریح کر دی گئی ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ جس طرح حلال چیزوں پر عمل کر کے خدا کی خوشنودی و رضا کے مستحق ہوگے اسی طرح حرام چیزوں کو اختیار کر کے سزا کے مستوجب گردانے جاؤ گے جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں ان کے اور بندوں کے درمیان خدا نے اپنے احکام سے حدیں قائم کر دی ہیں تاکہ بندے اس سے تجاوز

کر کے محرمات کے ارتکاب کے مجرم نہ ہوں، انہی حرام چیزوں اور حدود کو جو احکام الہی ہیں اس مثال میں دروازوں اور پردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اسی طرح مثال مذکورہ میں فرمایا گیا ہے کہ ہر مومن کے دل پر ایک فرشتہ ہوتا ہے جو قلب کا محافظ ہوتا ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ بندہ کو نیکی کے راستے پر لگانے کی سعی کرے اس کو تائید الہی اور توفیق خداوندی کہتے ہیں اگر کسی بندے کے ساتھ تائید الہی و توفیق خداوندی نہ ہو تو انسان کتنا بھی چاہے ہدایت کے راستے پر نہیں لگ سکتا۔ چنانچہ مثال میں قرآن کو راہبر بتایا گیا ہے مگر اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ قرآن کی ہدایت بھی اسی وقت کارآمد ہوتی ہے جب کہ بندہ کے ساتھ تائید الہی اور توفیق خداوندی بھی شامل ہو۔ قرآن تو راستہ بتا دیتا ہے اور سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے مگر اس سے نصیحت حاصل کرنا اور اس راہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچنا اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب بندہ کے دل میں خدا کی جانب سے ہدایت ڈال دی جائے۔

(۵۱) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: مَنْ كَانَ مُسْتَنًا فَلَيْسَتْ بَيْنَ قَدَمَاتِ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمِنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ أَوْلَيْكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا أَفْضَلَ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبْرَها قُلُوبًا وَأَعَمَّقَهَا عِلْمًا وَأَقْلَهَا تَكَلُّفًا اخْتَارَهُمُ اللَّهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَلَا قَامَةِ دِينِهِ فَاعْرِضُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوهُمْ عَلَى آثَارِهِمْ وَتَمَسَّكُوا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَعْلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ۔ (رواہ رزین)

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی طریقہ کی پیروی کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ ان لوگوں کی راہ اختیار کرے جو مر گئے ہیں کیونکہ زندہ آدمی (دین میں) فتنہ سے محفوظ نہیں ہوتا اور وہ لوگ جو مر گئے ہیں (اور جن کی پیروی کرنی چاہئے) آنحضرت ﷺ کے اصحاب ہیں، جو اس اُمت کے بہترین لوگ تھے، دلوں کے اعتبار سے انتہا درجہ کے نیک، علم کے اعتبار سے انتہائی کامل اور بہت کم تکلف کرنے والے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے منتخب کیا تھا لہذا تم ان کی بزرگی کو پہچانو اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے آداب و اخلاق کو اختیار کرتے رہو (اس لئے کہ) وہی لوگ ہدایت کے سیدھے راستے پر تھے۔“ (رزین)

تشریح: مرے ہوئے لوگوں سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اور زندوں سے ابن مسعودؓ کے زمانہ کے لوگ اور تابعین مراد ہیں حضرت ابن مسعودؓ نے یہ ارشاد تابعین کے سامنے ازراہ نصیحت فرمایا تھا اور ہو سکتا ہے کہ اس دور میں چونکہ باطل فرقتے جنم لینے لگے تھے جو صحابہ کرام کی ذات اقدس کے پاک دامن پر گندگی و غلاظت کے چھینٹے ڈالتے تھے جیسا کہ رافضی اور ملحدین کے گروہ اس ناپاک مشغلہ میں لگے ہوئے تھے اس لئے ابن مسعودؓ نے ان کے غلط الزامات اور صحابہؓ پر باندھے گئے، بہتان کی رد میں صحابہؓ کی عظمت و بزرگی اور ان کی فضیلت کا اظہار فرمایا۔

چنانچہ ابن مسعودؓ شہادت دے رہے ہیں کہ صحابہؓ اُمت کے بہترین اور انتہا درجہ کے نیک لوگ تھے۔ یعنی ان کے قلوب ایمان و اسلام کی روشنی سے پوری طرح منور تھے خلوص و استقامت کے اوصاف سے متصف تھے ایمان کامل کی دولت سے مشرف تھے اور زہد و تقدس و خشیت الہی سے ان کی زندگیاں معمور تھیں۔

پھر دوسری بات یہ کہ یہی وہ مقدس جماعت تھی جس نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اور خدا کے دین کو پھیلانے میں معین و مددگار رہے، جس کے نتیجے میں انہیں جن جانکاہیوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا وہ ظلم و ستم اور تشدد و بربریت کے جس دور سے گزرے اور انہوں نے اسلام کی اشاعت و بقاء کے سلسلہ میں جو قربانیاں دیں وہ اسلامی تاریخ کا سب سے تابناک باب ہے۔

چنانچہ اسلامی تاریخ کے جاننے والے جانتے ہیں کہ ان مقدس حضرات کو رسول خدا ﷺ کی معاونت اور رفاقت اور دین و اسلام

کی تبلیغ و اشاعت کے صلہ میں کتنی سختیوں اور مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، زندگی کی کوئی ایسی تکلیف نہ تھی جس میں یہ مبتلا نہ کئے گئے ہوں، کوئی ایسی آزمائش نہ تھی جس سے انہیں سابقہ نہ پڑا ہو اور یہ سب خدا کی جانب سے محض اس لئے تھا کہ ان کے قلوب کو خوب جانچ، پرکھ لیا جائے اور دیکھ لیا جائے کہ جس عظیم مشن کے چلانے کے لئے ان کو منتخب کیا جا رہا ہے اور جس رسول کی رفاقت جیسے عظیم منصب کے لئے ان کو پسند کیا جا رہا ہے ان کے ذہن و فکر اور دل و دماغ اس کے اہل ہیں یا نہیں، ان کے قلوب سختیوں کو برداشت کرنے کے قابل اور مشکلات پر صبر و شکر کرنے والے ہیں یا نہیں، چنانچہ ان کو امتحان میں ڈالا گیا ہے، آزمائش کی گئی اور وہ حضرات امتحان و آزمائش کے ہر مرحلہ سے کامیاب گزرے اور مصیبت و سختی کی ہر بھٹی سے کندھن ہو کر نکلے، ان کے صبر و رضا کا جب امتحان لیا گیا تو ایسے صابر و شاکر نکلے کہ بڑی سے بڑی سختی اور سخت سے سخت مصیبت پر بھی ان کے قدم میں لغزش آنے کی بجائے اور استقامت پیدا ہوئی اور وہ اپنے ایمان و اسلام پر پورے ايقان و اعتماد کے ساتھ قائم و مضبوط رہے ان کے اسی عظیم وصف کی شہادت قرآن نے اس طرح دی ہے کہ:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِيَتَّقُوا - (الحجرات ۳)

”یہ صحابہؓ وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کے واسطے جانچ لیا ہے۔“

اگر علم و فضل کی کسوٹی پر ان سختیوں کو پرکھا جائے تو بلا مبالغہ نتیجہ یہی قائم کرنا پڑے گا کہ ہر صحابی علم و معرفت، فہم و فراست، تدبر و تفکر، عقل و دانش کا مینارہ نور تھا جن سے دنیا نے ظلم و جہل کے اس ماحول میں تعلیم و ترقی و تہذیب و شرافت اور انسانیت کی روشنی حاصل کی۔ چنانچہ کوئی حدیث و تفسیر میں یکتا تھا تو کوئی فقہ و قرأت کا امام کسی کے اندر تصوف و فرائض کا علم پورے کمال کے ساتھ تھا تو کسی کے اندر معانی و ادب کا بحر بیکراں موجزن تھا، غرض کہ ہر ایک اپنی جگہ علمی حیثیت سے بھی کامل و اکمل تھا۔ اور پھر یہ آنحضرت ﷺ کے شرف و صحبت کا اثر اور آپ ﷺ کی نگاہ کرشمہ ساز کا کمال تھا کہ نہ صرف مرد صحابی بلکہ عورت صحابیہ بھی اپنی اپنی جگہ علم و معرفت کے آفتاب ہدایت تھے جن سے بڑے بڑے صحابی روشنی حاصل کرتے تھے۔

روحانی و اخروی عظمت و سعادت کے اس عظیم مرتبہ پر ہوتے ہوئے ان مقدس حضرات کی بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ علمی دنیا میں بھی دولت و ثروت، اقتدار و حکمرانی اور ملک و وجاہت کے باوجود انہیں ننگے پاؤں پھرنے میں عار تھا اور نہ زمین و فرش پر نماز پڑھنے، لیٹنے بیٹھنے میں کوئی شرم محسوس ہوتی تھی۔ سادگی کی حد تھی کہ مٹی لکڑی کے برتن و باسن میں انہیں کھانے پینے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا، دوسرے لوگوں کا جھوٹا کھانا اور پینا ان کے نزدیک کوئی معیوب چیز نہ تھی، آداب گفتگو کی یہ کیفیت تھی کہ ہر ایک کی نجی بات چیت نے بھی کبھی شرافت و تہذیب کا دامن نہیں چھوڑا، بیکار گفتگو، لالچی باتیں، لغو باتوں سے کوسوں دور رہتے کلام و گفتگو وہی کرتے جو ضروری اور با مقصد ہو صاف گوئی اس درجہ کی تھی کہ جو مسئلہ انہیں معلوم نہ ہوتا نہایت صفائی سے کہہ دیتے کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہے آج کل کی طرح خواہ مخواہ تکلف کر کے لچھے دار تقریریں کر کے مسئلے کو غلط سلط بیان نہیں کرتے تھے بلکہ وہ جسے اپنے سے افضل سمجھتے تھے نہایت خلوص کے ساتھ سائل کو ان کے پاس بھیج دیتے کہ ان سے دریافت کر لو، حصول علم کا اتنا شوق تھا کہ جس کو وہ علم میں اپنے سے بڑا سمجھتے، خواہ وہ عمر میں کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، استفادہ کے لئے اس کے پاس جانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا تھا۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ ان کے یہاں زندگی کے کسی بھی شعبہ میں تصنع و بناوٹ نام کو بھی نہیں ہوتی تھی یہاں تک کہ وہ لوگ اگر قرآن پڑھتے تو وہ بھی کسی تصنع و بناوٹ کے بغیر اس کے پورے حقوق و آداب کو ملحوظ رکھ کر خالص عربی لہجہ میں پڑھتے تھے یہ نہیں تھا کہ خواہ مخواہ آواز بنا کر راگ و سر کے ساتھ پڑھتے ہوں۔

یہی حال ان کے باطن کا تھا چونکہ انہیں براہ راست سرکارِ دو عالم ﷺ سے قرب و صحبت کا شرف حاصل تھا اس لئے ان کے قلوب چیدی طرح مجلی و مصفا ہو کر ہمہ وقت یاد الہی اور ذکر اللہ میں مصروف رہتے تھے، ان کے افکار عرفان و حقیقت کی انتہائی بلندیوں پر تھے،

آج کل کے جاہل صوفیاء اور پیروں کی طرح وہ دکھانے کے لئے حال میں آکر قصہ نہ کرتے تھے نہ ہوا کا شور و شغب کرتے تھے اور نہ وہ اپنے قلوب کی صفائی کے لئے ہارمونیم کے ساز پر، طبلہ کی تھاپ پر اور قوالی کی تان پر حصول معرفت کا دعویٰ کرتے تھے جیسا کہ آج کے دور میں اہل اللہ کے مزارات پر ان لغویات سے تصوف و طریقت کے نام پر سرور کیف حاصل کیا جاتا ہے اور نہ وہ کسی اسکیم و تنظیم کے باعث حلقہ وغیرہ بنا کر مسجد و گھر میں ذکر جہر کرتے تھے بلکہ نہایت سادگی کے ساتھ جسے جہاں موقع مل جاتا وہیں یاد الہی میں نہایت صبر و سکون کے ساتھ مشغول ہو جاتا ان کی اسی سادگی اور خلوص کی وجہ سے بظاہر تو ان کے اجسام فرش پر نظر آتے مگر ان کی روحیں عرش پر سیر کرتی ہوتیں، ان کے ظاہری بدن لوگوں کے ساتھ ہوتے مگر ان کے قلوب مقام قرب کی انتہائی بلندیوں پر ہوتے۔

صحابہؓ کا طرز معاشرت بھی تصنع و بناوٹ اور تکلف سے بالکل پاک و صاف تھا، انہیں جو میسر آتا وہی کھا لیتے جو مل جاتا وہی پہن لیتے، موٹا چھوٹا کپڑا ہو وہ پہن لیا، عمدہ ملا اسے استعمال کر لیا، یہ نہیں تھا کہ دنیا کو دکھانے کے لئے یا اپنے زہد و تقدس کا رعب جمانے کے لئے حرقہ، گزری یا ایسے ہی لباس اپنے اوپر لازم کر رکھے ہوں، ہاں جسے یہی لباس میسر ہوتا وہ اسے بھی استعمال کرتا، کھانے پینے میں یہ تامل تھا کہ حلال رزق جیسا بھی ہوتا تھا کھاتے تھے، مزیدار اور لذیذ چیزیں مثلاً گوشت دودھ اور میوہ وغیرہ خدا کی نعمتیں اگر میسر ہوتیں تو انہیں بھی نہایت ذوق و شوق سے کھاتے اور اگر روکھا سوکھا دال دلیا ہی خدا دے دیتا تو اسے بھی نہایت صبر و شکر سے کھا لیتے۔

بہر حال عبادات ہوں یا معاملات، اخلاق و عادات ہوں، یا معیشت و معاشرت، زندگی کے ہر پہلو میں ان کے یہاں خلوص اور بے تکلفی و سادگی تھی اور انہوں نے اپنے نظام حیات کو ایسے سانچے میں ڈھال رکھا تھا جو خالص اسلامی دینی اور اخلاقی تھا اور یہ سب نگاہ نبوت کی کرشمہ سازی اور اس ذات اقدس کی صحبت کا اثر تھا جو خود اپنے قول ادنیٰ ربی فاحسن تادمی (یعنی خداوند تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور ادب کے انتہائی درجہ پر پہنچایا) کے مطابق ادب و اخلاق اور تہذیب و شرافت کے تمام جوہر ازل ہی سے اپنے اندر سموئے ہوئے تھے کہ جو قوم دنیا کی سب سے زیادہ غیر مہذب، غیر متمدن، اور غیر ترقی یافتہ تھی، اصلاح و تربیت کے ذریعہ اسے تہذیب و تمدن اور اخلاق و احسان کے اس مقام رفیع تک پہنچا دیا جہاں نہ صرف یہ کہ وہ خود ایک کامل اور عظیم قوم ثابت ہوئی بلکہ دنیا کی دوسری قوموں نے اس کے نقش قدم کو اپنے لئے جادہ منزل بنا کر تہذیب و تمدن کی انتہائی بلندیوں پر بسیرا کیا۔

چنانچہ اس حدیث میں ابن مسعودؓ لوگوں کو یہی ہدایت فرما رہے ہیں کہ اگر تم ہدایت کا راستہ چاہتے ہو، فلاح کی منزل کے خواہش مند ہو، عرفان الہی اور حب رسولؐ کے انتہائی مقام پر پہنچنا چاہتے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ اسی مقدس جماعت کے راستہ کو اختیار کرو، انہی کے اخلاق و عادات کو اپنے لئے جادہ منزل جانو، انہی کی متابعت و پیروی کو کامیابی و کامرانی کا ذریعہ سمجھو اور ان کی عقیدت و محبت سے زندگی کے ہر گوشہ کو منور کرو۔

اس جگہ اتنی بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے ارشاد سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابہؓ انتقال فرما گئے ہیں انہیں کی پیروی و اطاعت کرنی چاہئے۔ حالانکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ پیروی کے لائق صحابہؓ کی جماعت ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں مردوں کی تخصیص صرف اس لئے کی گئی ہے کہ اکثر صحابہؓ اس وقت انتقال فرما چکے تھے ورنہ یہاں زندہ اور مردہ دونوں مراد ہیں۔

اس حدیث سے صحابہؓ کی انتہائی عظمت اور فضل و کمال کا اظہار ہوتا ہے چونکہ تمام مخلوق اور تمام انسانوں میں یہ سب سے افضل تھے اور حق و صداقت کے قبول کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم ان میں موجود تھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی رفاقت کے لئے منتخب فرمایا اور قرآن میں بایں طور پر ان کے فضل و کمال کی شہادت دی کہ:

وَالزَّمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا۔ (فتح ۳۶)

”اور ان (صحابہؓ) کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ اس کے مستحق اور اہل تھے۔“

بعض آثار میں آیا ہے کہ پروردگار عالم نے تمام بندوں کے قلوب پر نظر فرمائی چنانچہ آنحضرت ﷺ کا قلب مبارک سب سے زیادہ منور و روشن اور پاک و صاف تھا تو نور نبوت اس میں ودیعت فرمایا اور صحابہ کے قلوب بھی بہت زیادہ پاک و صاف اور اہل و لائق تھے تو ان کو اپنے نبی کی رفاقت کے لئے پسند فرمایا۔

اور اتنی بات تو ہم آج خود جانتے ہیں کہ ایک شخص جب کسی پیرِ حق کا مرید ہوتا ہے تو باوجودیکہ وہ پہلے سے بالکل خالی اور کور ہوتا ہے مگر پیر کی صحبت اور اس کی خدمت و اطاعت گزاری کی وجہ سے وہ کتنے اعلیٰ مقام حاصل کر لیتا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ صحابہ کرام اپنی زندگیاں آنحضرت ﷺ کی محبت میں اور اپنی عمریں آپ ﷺ کی خدمت میں صرف کر دیں اور فضل و کمال حاصل نہ کریں۔

(۵۲) وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنُسْخَةٍ مِنَ التَّوْرَةِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَذِهِ نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَةِ فَجَعَلَ يَقْرَأُ وَوَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَغَيَّرُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثَكَلْتُكَ الثَّوَاكِلُ مَا تَرَى مَا يُوْجِهُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَتَنَظَّرَ عُمَرُ إِلَى وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَعُوْذُ بِاللَّهِ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ رَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ بَدَأْتُ الْكُفْرَ مُوسَى فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَادْرَكَ نُبُوَّتِي لَا تَبْعَنِي)) (رواه الدراري)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت عمر ابن خطابؓ سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس تورات کا ایک نسخہ لائے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ تورات کا نسخہ ہے، آنحضرت ﷺ خاموش رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے (تورات کو) پڑھنا شروع کر دیا۔ ادھر غصہ سے آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہونے لگا (یہ دیکھ کر) حضرت ابو بکرؓ نے کہا عمر! تم کرنے والیاں تمہیں گم کریں۔ کیا تم آنحضرت ﷺ کے چہرہ اقدس (کے تغیر) کو نہیں دیکھتے۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے چہرہ منور کی طرف نظر ڈالی اور (غصہ کے آثار دیکھ کر کہا) میں اللہ کے غضب اور اس کے رسول کے غصہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر، اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، قسم ہے ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر موسیٰ تمہارے درمیان ظاہر ہوتے تو تم ان کی پیروی کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے (جس کے نتیجہ میں) تم سیدھے راستہ سے بھٹک کر گمراہ ہو جاتے اور (حالانکہ) اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میرے لئے نبوت پاتے تو وہ (بھی) یقیناً میری (پیروی) کرتے۔“ (دراری)

تشریح: جملہ ثکلتک الثواکِل (گم کرنے والیاں تمہیں گم کریں) اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے موت کے لئے بددعا ہے لیکن یہ ایک اہل عرب کا محاورہ ہے جو اپنے اصل معنی و مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ ایسے مواقع پر بولا جاتا ہے جب اپنے کسی بے تکلف دوست سے کسی کو تعجب کا اظہار مقصود ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے بے تکلف مخاطب سے ایسے موقع پر جب کہ وہ کسی ظاہری بات کو بھی نہیں سمجھ رہا ہوتا یہ کہے کہ مجھے بڑا تعجب ہے کہ یہ کھلی ہوئی بات بھی تم نہیں سمجھ رہے ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب و سنت کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ اور حکماء اور فلاسفہ کی کتابوں کی طرف بے ضرورت رجوع کرنا اور ان کی طرف التفات کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ یہ گمراہی کی بات ہے۔

(۵۳) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كَلَامِي لَا يَنْسَخُ كَلَامَ اللَّهِ وَكَلَامُ اللَّهِ يَنْسَخُ كَلَامِي وَكَلَامُ اللَّهِ يَنْسَخُ بَعْضُهُ بَعْضًا»

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میرا کلام، کلام اللہ کو منسوخ نہیں کرتا اور کلام اللہ میرے کلام کو منسوخ کر دیتا ہے اور کلام اللہ کا بعض حصہ بعض کو منسوخ کرتا ہے۔“

تشریح: نسخ کے منی لغت میں کسی شے کو مٹانے یا نقل و تحویل کے آتے ہیں جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ نسخت الریح اثار القوم۔ کہ ہوا نے لوگوں کے پاؤں کے نشان مٹا دیے یا اسی طرح بولتے ہیں نسخ الكتاب الی کتاب کہ ایک جگہ سے کتاب کو دوسری طرف نقل کیا۔ علماء کی اصطلاح میں نسخ اسے کہتے ہیں کہ کسی حکم شرعی کا اصلاح دین کی خاطر کسی دوسرے حکم کے ذریعہ تغیر و تبدل کیا جائے۔ یا کسی حکم کو نافذ کرنا کہ جس کے اور اس سے پیشتر کا حکم جو مقدم تھا اٹھ جائے اول حکم کو منسوخ اور دوسرے حکم کو ناسخ کہتے ہیں۔ نسخ کی چار قسمیں ہیں۔ ① کتاب اللہ کا نسخ کتاب اللہ کے ساتھ۔ ② حدیث کا نسخ حدیث کے ساتھ۔ ③ کتاب اللہ کا نسخ حدیث کے ساتھ۔ ④ حدیث کا نسخ کتاب اللہ کے ساتھ۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ مثلاً پہلے کوئی حکم قرآن میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتارا گیا لیکن بعد میں کسی خاص مصلحت کی وجہ سے قرآن کی کسی دوسری آیت نے اکر اس حکم کو منسوخ کر دیا، اب اس کی بھی دو شکلیں ہوں گی، یا تو وہ آیت قرآن میں باقی رہے اور صرف تلاوت کی جاتی رہے مگر اس کا حکم کالعدم قرار دیا گیا۔ یا یہ کہ حکم کے ساتھ آیت بھی منسوخ کر دی گئی اور اسی طرح نسخ کی دوسری شکل یہ ہے کہ حدیث کے کسی حکم کو حدیث ہی کے ذریعہ منسوخ کر دیا گیا ہو، تیسری شکل نسخ کی یہ ہے کہ قرآن کے کسی حکم کو حدیث کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے منسوخ فرمایا ہو، لیکن اس میں کسی قسم کا یہ اشکال پیدا نہیں ہو سکتا کہ حکم الہی کو رسول جو ایک انسان ہوتا ہے کس طرح کالعدم قرار دے سکتا ہے یہ اشکال وہیں رفع ہو گیا ہے جہاں یہ بتلادیا گیا ہے کہ حدیث بظاہر تو رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے مجموعہ کا نام ہے لیکن حقیقت میں حدیث بھی وحی من اللہ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن ایسی وحی ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی اور جس کا مضمون براہ راست بارگاہ الوہیت سے اترتا ہے لیکن الفاظ رسول کے ہوتے ہیں اس صورت میں یہ حدیث متعارض نظر آئے گی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث قرآن کے حکم کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ لہذا اس کا جواب یہی ہو گا کہ حدیث میں لفظ کلامی سے مراد آنحضرت ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو خود آنحضرت کی ذاتی رائے اور اجتہاد کے طریقہ پر وارد ہو، نہ کہ وہ ارشاد جو بطور وحی آپ ﷺ کے قلب پر القاء فرمایا گیا ہے اس تاویل کے بعد یہ تعارض رفع ہو جائے گا۔ یا پھر یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ حدیث خود منسوخ ہے لہذا اس سے اس کلیہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

چوتھی شکل نسخ کی یہ ہے کہ حدیث کے کسی حکم کو کتاب اللہ کے ذریعہ منسوخ قرار دے دیا گیا ہو، یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ کسی قانون میں تبدیلی یا کسی حکم کی منسوخی دو وجہ سے ہوتی ہے اول تو یہ کہ قانون بناتے وقت بانی قانون سے کوئی فرد گزاشت یا غلطی ہو گئی جس کی وجہ سے بعد میں اس قانون میں تبدیلی اور منسوخی ضروری قرار دی گئی۔

ظاہر ہے کہ کلام اللہ میں یہ محال ہے اس لئے کہ خدا کی علیم و خیر ذات کسی قسم کی غلطی، بھول چوک یا فروگزاشت سے بالکل منزہ و پاک و صاف ہے اس لئے جو بھی قانون بنائے گیا جو بھی حکم دے گا وہ بالکل صحیح و کامل ہو گا اس میں کسی غلطی کا امکان بھی نہیں ہو سکتا اسی طرح رسول کے بتائے ہوئے احکام میں بھی یہ چیز نہیں ہو سکتی کیونکہ ایسے احکام جن کا تعلق دینی امور سے ہوتا ہے وہ براہ راست بارگاہ الوہیت سے نازل ہوئے ہیں اور دربار رسالت سے ان کا انعقاد عمل میں آتا ہے گویا وہ خود بھی احکام اللہ کے مرتبہ کے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جس طرح قرآن کے احکام پر عمل کرنا فرض ہے اسی طرح حدیث کے احکام کی پیروی کرنا بھی ضروری اور لازم ہے لہذا حدیث کے احکام میں بھی کسی حکم کی تبدیلی کا سبب یہ نہیں ہو سکتا کسی قانون و حکم کی تبدیلی و منسوخی کی دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ محکوم کی حالت بدلنے سے مصلحت بھی بدل گئی اس لئے قانون بھی بدل گیا جیسے کہ مریض کی حالت بدل جانے پر نسخہ بھی بدل دیا جاتا ہے۔

مثلاً ایک قانون بنایا گیا یا کوئی حکم دیا گیا اس وقت ماحول اس قسم کے قانون کا متقاضی تھا، یا محکوم کے ذہن مزاج اسی حکم کے لائق تھے مگر بعد میں جب ماحول میں تبدیلی آگئی، محکوم کے ذہن و مزاج بھی دوسرا رخ اختیار کر گئے تو اب بانی قانون کی مصلحت بھی بدل گئی لہذا اس نے محکوم اور ماحول کی بھلائی اور اصلاح کی خاطر اس سے پہلے قانون کو بدل دیا اور اس جگہ کسی دوسرے قانون کو لاگو کر دیا ظاہر ہے کہ ایسا

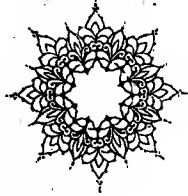
صحیح اور جائز ہوگا اس میں کسی قسم کا کوئی عقلی و نقلی اشکال پیدا نہیں ہو سکتا اور یہی تبدیلی و تفسیر اور نسخ قرآن و احادیث کے احکام میں ہوتے ہیں لہذا ان میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

۵۴) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ أَحَادِيثَنَا يَنْسَخُ بَعْضُهَا بَعْضًا كَنْسَخِ الْقُرْآنِ»

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہماری (بعض) احادیث بعض کو اس طرح منسوخ کرتی ہیں جیسا کہ قرآن کے بعض حصہ کو قرآن منسوخ کرتا ہے۔“

۵۵) وَعَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخَضَنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللَّهَ فَرَضَ فَرَايَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا وَحَرَّمَ حُرْمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا» رَوَى الْأَحَادِيثُ الثَّلَاثَةُ الدَّارُ قُطْنِي۔

”اور حضرت ابو ثعلبہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے چند فرائض کو فرض کیا ہے لہذا تم ان کو ضائع نہ کرو (یعنی ان کو نہ چھوڑو یا ان کے شرائط و ارکان کو ترک نہ کرو، یا یہ کہ ان فرائض میں نمائش و ریا، شک و شبہ اور غرور و تکبر نہ کرو) اور چند چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں (یعنی ان کو اختیار کرنا گناہ قرار دیا ہے) لہذا تم ان کے نزدیک بھی مت جاؤ، اور چند حدود مقرر کی ہیں (مثلاً قصاص وغیرہ) لہذا تم ان سے تجاوز نہ کرو (یعنی ان میں اپنی طرف سے کمی و زیادتی نہ کرو) اور چند چیزوں کے بارہ میں بھول کر نہیں (بلکہ دانستہ) اختیار کیا ہے (یعنی کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارہ میں وضاحت نہیں کی گئی کہ وہ حرام ہیں یا حلال اور یا واجب ہیں، لہذا ان چیزوں میں تم اپنی طرف سے) بحث نہ کرو۔ مذکورہ تینوں حدیثیں دارقطنی نے روایت کی ہیں۔



۱۔ آپ کے نام میں بہت زیادہ اختلاف ہے بعض نے جرہم بن ثابت کہا ہے اور بعض نے جرثوم بن ثابت اور عمر ابن جرثوم لکھا ہے بہر حال یہ اپنی کنیت ابو ثعلبہ سے مشہور ہیں، ۷۵ھ میں بعد عبدالملک بن مروان ان کا انتقال ہوا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب العلم علم اور اس کی فضیلت کا بیان

علم کیا ہے؟ یہ وہ عظیم وصف ہے جو انسان کو نہ صرف یہ کہ شرافت و تہذیب کا سرمایہ بخشا ہے عزت و عظمت کی دولت سے نوازتا ہے، اخلاق و عادات میں جلا پیدا کرتا ہے اور انسانیت کو انتہائی بلند یوں پر پہنچاتا ہے، بلکہ قلب انسانی کو عرفان الہی کی مقدس روشنی سے منور کرتا ہے، ذہن و فکر کو صحیح عقیدے کی معراج بخشا ہے اور دل و دماغ کو خدا پرستی و اطاعت گزاری کی راہ مستقیم پر لگاتا ہے۔ اسلام! جو انسان کے لئے ترقی و عظمت کی راہ میں سب سے عظیم مینارہ نور ہے، وہ اس عظیم وصف کو انسانی برادری کے لئے ضروری قرار دیتا ہے اور اس کے حصول کو دینی و دنیوی ترقی و کامیابی کا ریزہ بناتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام ہر اس علم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو اسلامی عقیدہ و عمل سے مزاحم ہوئے بغیر انسانی معراج کا ضامن ہو، اسلام کسی بھی علم کے حصول کو منع نہیں کرتا۔ لیکن ایسے علم سے وہ بیزاری کا اظہار بھی کرتا ہے جو ذہن و فکر کو گمراہی کی طرف موڑ دے یا انسان کو خدا کے رسول سے نا آشنا رکھ کر دہریت کے راستہ پر لگا دے۔

یہاں (کتاب العلم) کا عنوان قائم کر کے جس علم کی ضرورت و فضیلت پر مشتمل، احادیث بیان کی جا رہی ہیں وہ ”علم دین ہے“ جو شریعت کی نظر میں بنیادی اور ضروری حیثیت رکھتا ہے۔ دینی علم دوسرے علوم کے مقابلے میں اسلام کی نظر میں سب سے مقدم اور ضروری ہے جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد منقول ہے۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ۔

”علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

ظاہر ہے کہ اسلام جس زندگی کا تقاضا کرتا ہے اور انسان کو عبودیت کی معراج پر دیکھنا چاہتا ہے وہ علم دین ہی پر موقوف ہے علم دین کی بنا پر انسان، انسان بنتا ہے اور بندہ اپنی حقیقت کو پہچان کر ذات حق کا عرفان حاصل کرتا ہے، نیز عقیدہ و عمل کی تمام راہیں اسی سے نکلتی ہیں جس پر چل کر بندہ اپنے پروردگار کا حقیقی اطاعت گزار، رسول کا فرماں بردار اور دین و شریعت کا پابند بنتا ہے۔

(علم دین) جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر مشتمل ہے۔ اس کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ اول (مبادی) یعنی وسائل، دوم (مقاصد) مبادی۔ اس علم کو کہتے ہیں جس کے حصول پر کتاب و سنت کی معرفت موقوف ہے، یعنی جب تک یہ علم حاصل نہ کیا جائے قرآن و حدیث کے علوم و معارف کا عرفان حاصل نہیں ہو سکتا مثلاً لغت، صرف و نحو وغیرہ کے علوم کہ جب تک ان کو حاصل نہ کیا جائے اور ان پر نظر نہ ہو کتاب و سنت کا علم صحیح طور پر نہیں آ سکتا اور نہ ان کے حقیقی منشا و مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مقاصد۔ وہ علم ہے جو عقائد، اعمال اور اخلاق سے متعلق ہے۔ یعنی یہی وہ علم ہے جو مقصود بالذات اور فی نفسہ ضروری ہے اور اس کی کو حاصل کر کے دین و شریعت کی پابندی کا سیدھا راستہ سامنے آتا ہے۔ ”ان سب کو علم معاملات“ بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک ”علم مکاشفہ“ بھی ہوتا ہے۔ یہ دراصل وہ نور ہوتا ہے جو علم پر عمل کرنے سے قلب میں پیدا ہوتا ہے جس کی مقدس روشنی سے ہر چیز کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور احوال کی معرفت پیدا ہوتی ہے اس علم مکاشفہ کو علم حقیقت اور علم وراثت بھی کہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا يَغْلُمُ۔

”جو شخص علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز کا علم نصیب کرتا ہے جو نہ جانا جاتا ہے اور نہ پڑھا جاتا ہے۔“

بہر حال، علم ظاہر و علم باطن کی جو اقسام مشہور ہیں وہ یہی ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اور ان دونوں میں بدن و روح اور پوست و مغز کی نسبت ہے۔ نیز علم کی فضیلت میں جو آیتیں وارد ہیں، یا جو احادیث منقول ہیں وہ ان تمام اقسام کو مراتب درجات کے تفاوت کے ساتھ شامل ہیں۔

الفصل الأول

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً وَحَدِّثُوا عَنْ نَبِيِّ إِسْرَآئِيلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّخِذْ مَقْعِدَهُ مِنَ النَّارِ)) (رواه البخاری)

”حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ اور بنی اسرائیل سے جو قصہ سنو لوگوں کے سامنے بیان کرو یہ گناہ نہیں ہے اور جو شخص قصداً میری طرف جھوٹ بات منسوب کرے اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈ لے۔“ (بخاری)

تشریح: آیت سے مراد وہ حدیث ہے جو بظاہر چھوٹی چھوٹی ہیں لیکن افادیت کے اعتبار سے علوم و معارف کے بحر بیکراں اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتی ہیں جیسے ایک چھوٹی سی حدیث ہے کہ مَنْ صَمَتَ نَجَا یعنی جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ یا اسی طرح دوسری مختصر مگر جامع احادیث گویا اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ تم میری کسی ایسی حدیث کو پاؤ جو باعتبار جملہ الفاظ کے بہت چھوٹی اور مختصر ہو مگر اس کو دوسروں تک ضرور پہنچاؤ اور اس کی افادیت سے دوسروں کو روشناس کرو۔ علماء لکھتے ہیں اس حدیث کا اصل مقصد علم کو پھیلانے اور دوسروں کو علم کی روشنی سے منور کرنے کی ترغیب دلانا ہے کہ جہاں تک ہو سکے علم کے پھیلانے اور دین کی بات کو پہنچانے میں سعی و کوشش کرنی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ تم جس بات کو دوسروں تک پہنچا رہے ہو اگرچہ وہ بہت مختصر ہے مگر کیا تعجب کہ اسی سے اس کی دنیا بھی سنو جائے اور دین بھی بن جائے اور وہ راہ ہدایت کو پالے جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ ایک شخص کی ہدایت ہوگی اور وہ راہ راست پر لگ جائے گا بلکہ اس کی وجہ سے تمہیں بھی اجر ملے گا اور بے شمار حسنات سے نوازے جاؤ گے۔

حدیث میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ اگر بنی اسرائیل سے کوئی قصہ سنو یا تمہیں ان سے کوئی واقعہ معلوم ہو تو تم اس کو لوگوں سے بیان کر سکتے ہو مگر ان کے احکام و غیرہ کو نقل کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ گذشتہ احادیث میں گزر چکا ہے۔ اس لئے کہ کسی واقعہ یا قصہ کو محض خبر کے طور پر بیان کر دینا شرعی امور میں کوئی نقصان پیدا نہیں کرتا مگر ان کے احکام کو نقل کرنا یا ان کی تبلیغ کرنا شریعت محمدی کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے کیونکہ جب اس دنیا میں شریعت محمدی کا قاف ہو گیا ہے تو اب تمام دوسری شریعتیں منسوخ اور کالعدم قرار دے دی گئی ہیں۔ لہذا شریعت محمدی کو چھوڑ کر دوسری شریعت کے احکام و اعمال کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ آخر حدیث میر

آنحضرت ﷺ کی طرف کسی غلط بات کو منسوب کرنے پر نہایت سخت الفاظ میں زجر و توبیخ فرمائی گئی ہے۔

چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص میری طرف کسی غلط بات کا انتساب کرتا ہے اور مجھ پر بہتان باندھتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ جہنم کی آگ میں جلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اس لئے کہ ایسا بد بخت جو دنیا کی سب سے بڑے صادق و مصدوق ہستی پر بہتان باندھتا ہے وہ اسی سزا کا مستحق ہے کہ اسے جہنم کے شعلوں کے حوالے کر دیا جائے۔

اس بارہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے علماء متفقہ طور پر یہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کی طرف کسی ایسی بات یا ایسے عمل کی نسبت کرنا جو واقعہ میں آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور ایسا کاذب انسان خدا کے سخت عذاب میں گرفتار کیا جائے گا اور بعض علماء مثلاً امام محمد جوینیؒ نے تو اس جرم کو اتنا قابل نفرت اور سخت خیال کیا ہے کہ وہ ایسے شخص کے بارے میں کفر کا حکم لگاتے ہیں۔

حدیث ”من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار“ یعنی جو شخص قصداً میری طرف جھوٹ بات کی نسبت کرے اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔“ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بڑے پایہ اور اونچے درجہ کی حدیث ہے اور اس کا شمار متواترات میں ہوتا ہے بلکہ دوسری متواتر حدیثیں اس کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی ہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث کو صحابہؓ کی ایک بہت بڑی جماعت نقل کرتی ہے چنانچہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو باٹھ صحابہؓ نے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

② وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ وَالْمُعِيزَةِ بِنِ شُعْبَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِحَدِيثٍ يُرَى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ)۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت سرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص میری (طرف) منسوب کر کے کوئی ایسی حدیث بیان کرے جس کے بارے میں اس کا یہ خیال ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ جھوٹے آدمیوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی حدیث کو لوگوں کے سامنے بیان کرے اور اس کی اشاعت کرے جو واقعہ میں میری حدیث نہیں ہے اور پھر اس کو یہ معلوم بھی ہو کہ میں جو حدیث بیان کر رہا ہوں وہ حقیقت میں آنحضرت ﷺ کی حدیث نہیں ہے بلکہ وضع کی گئی ہے تو وہ شخص جس نے یہ جھوٹی حدیث وضع کی ہے اس لئے جھوٹا ہے کہ اس نے ذات رسالت کی طرف غلط اور جھوٹ بات کی نسبت کی ہے تو یہ شخص بھی جو اس حدیث کو بیان کر رہا ہے اس لئے جھوٹا اور کذاب ہے کہ وہ اشاعت کر کے اور یہ جان کر بھی کہ یہ غلط حدیث ہے دوسروں تک پہنچا کر اس شخص کی مدد کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح جھوٹی حدیث بنانے والا خدا کے عذاب میں گرفتار ہو گا اسی طرح اس کو بیان کرنے والے سے بھی آخرت میں مواخذہ کیا جائے گا اور اسے سخت سزا دی جائے گی۔

③ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((مَنْ يُرِدُ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي)) (تفق علیہ)

”اور حضرت معاویہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص کے لئے خدا تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور میں (علم کو) تقسیم کرنے والا ہوں عطا کرنے والا تو خدا ہی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

۱۔ ام گرامی سرہ ابن جندب اور کنیت ابوسعید ہے ۵۸ھ، ۵۹ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ (اسد الغابہ)

۲۔ ام گرامی مغیرہ بن شعبہ ہے کنیت ابوعبد اللہ اور بعض حضرات کے قول کے مطابق ابوعیسیٰ ہے ۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ (اسد الغابہ)

تشریح: اس حدیث سے علم اور عالم کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے کہ جس شخص کو خداوند تعالیٰ خیر و بھلائی کے راستہ پر لگانا چاہتا ہے اسے علم کی دولت عنایت فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ خدا کی بہت بڑی نعمت ہے کہ وہ کسی شخص کو دینی امور یعنی احکام شریعت اور راہ طریقت و حقیقت کی سمجھ عنایت فرمادے جو ہدایت و راستی اور خیر و بھلائی کی سب سے بڑی شاہراہ ہے۔

حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ علم کا مبداء حقیقی تو باری تعالیٰ کی ذات ہے میرا کام تو صرف یہ ہے کہ میں دینی مسائل اور شرعی احکام لوگوں تک پہنچا دوں اور حدیث بیان کر دوں۔ اب آگے خدا تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ جسے جتنا چاہے ان پر عمل کرنے کی توفیق اور غور و فکر کی صلاحیت عنایت فرمائے۔

(۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْثَّانِسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فُفَّهُوا» (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ آدمی کان ہیں جس طرح سونے اور چاندی کی کان ہوتی ہے جو لوگ ایام جاہلیت میں بہتر تھے وہ زمانہ اسلام میں بھی بہتر ہیں اگر وہ سمجھیں۔“ (مسلم)

تشریح: انسان کو معدن یعنی کان سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ تشبیہ نیک اخلاقی و عادات اور صفات و کمالات کی استعداد و صلاحیت کے تفاوت میں دی گئی ہے کہ جس طرح ایک کان میں لعل و یاقوت پیدا ہوتے ہیں تو دوسری کان میں سونا، چاندی اور بعض کان میں چونا، سرمہ، پتھر وغیرہ ہی پیدا ہوتے ہیں اسی طرح انسان کی ذات ہے کہ بعض تو اپنے اخلاق و عادات اور صفات و کمالات کی بنا پر با عظمت اور باشوکت ہوتے ہیں بعض ان سے کچھ کم درجہ کے ہوتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان صفات میں انتہائی کمزور بے وقعت ہوتے ہیں۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لانے سے پہلے حالت کفر میں بہترین خصائل و عادات کے مالک تھے مثلاً سخاوت و شجاعت، اخلاق و دیانتداری اور محبت و مروت کی بہترین صفات سے متصف تھے تو وہ اسلام لانے کے بعد بھی ان صفات کی بناء پر بہترین قرار دیئے گئے ہیں۔

ٹھیک ایسے ہی جیسے کہ سونا اور چاندی جب تک کان میں پڑے رہتے ہیں کہ وہ خاک میں پڑے رہنے کی وجہ سے اپنی اصلی حالت میں نہیں ہوتے جب انھیں کان سے نکال لیا جاتا ہے اور بھٹی میں ڈال کر تپایا جاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی اصلی صورت میں آجاتے ہیں بلکہ ان کی آب و تاب میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب تک کوئی شخص کفر کی ظلمت میں چھپا رہتا ہے تو خواہ وہ کتنا ہی باوقار ہو اور اس کے اندر کتنی ہی سخاوت ہو، کتنی ہی شجاعت ہو اسے برتری حاصل نہیں ہوتی، مگر جب کفر کے تمام پردوں کو چاک کر کے ظلم سے باہر نکلتا ہے اور ایمان و اسلام کو قبول کر کے علم دین میں کمال حاصل کر لیتا ہے اور پھر اپنے آپ کو ریاضت و مجاہدہ اور دینی محنت و مشقت کی بھٹیوں کے حوالہ کر دیتا ہے تو اس کے بعد نہ صرف یہ کہ وہ اپنی اصل حالت میں آجاتا ہے بلکہ علم و معرفت کی روشنی سے اس کا قلب و دماغ منور ہو جاتا ہے اور وہ عزت کی انتہائی بلندیوں پر جا پہنچتا ہے۔

(۵) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَلَسَطَهُ عَلَى هَلَكَةٍ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا» (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ دو شخصوں کے بارے میں حسد کرنا ٹھیک ہے ایک تو وہ شخص جسے خدا نے مال دیا اور پھر اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ دوسرا وہ شخص جسے خدا نے علم دیا چنانچہ وہ اس علم کے مطابق حکم کرتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حسد اسے کہتے ہیں کہ ”کسی دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ آرزو کی جائے کہ یہ نعمت میرے پاس آجائے اور اس کے پاس سے ختم ہو جائے۔“ ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بری خصلت اور انتہائی ذلت نفس کی بات ہے۔ اسلام جو اخلاق، پاکیزگی کا سب سے بڑا علمبردار ہے اس غیر اخلاقی اور ذلیل خصلت کو پسند نہیں کرتا اور اس سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ حسد کے مقابلہ میں غبطہ ہے۔ غبطہ اسے کہتے ہیں کہ کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ آرزو کی جائے کہ جیسی نعمت اس کے پاس ہے خدا اس نعمت سے مجھے بھی سرفراز فرمائے۔ شریعت اس کو جائز قرار دیتی ہے مگر یہ بھی اچھی باتوں مثلاً نیک اخلاق و عادات، بہترین خصائل اور فضل و کمال کے بارے میں جائز ہے چنانچہ اس حدیث میں جس حسد کے بارے میں فرمایا گیا ہے وہ غبطہ ہے۔

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ أَشْيَاءٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کے ثواب کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ ① صدقہ جاریہ ② علم جس سے نفع حاصل کیا جائے ③ صالح اولاد جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرے۔“ (مسلم)

تشریح: ایسے اعمال جن کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہوتا ہے ان کے اثرات مرنے کے بعد دنیا ہی میں ختم ہو جاتے ہیں مثلاً نماز، روزہ وغیرہ ایسے اعمال ہیں جو انسان کی زندگی میں ادا ہوتے تھے گو کہ ان کا ثواب باقی طور باقی رہتا ہے کہ وہ ذخیرہ آخرت ہو جاتے ہیں اور مرنے کے بعد اس پر جزاء ملتی ہے مگر ان کا سلسلہ مرنے کے بعد آئندہ جاری نہیں رہتا۔ کیونکہ زندگی میں جب تک یہ اعمال ہوتے تھے اس کا ثواب ملتا رہتا تھا جب زندگی ختم ہو گئی تو یہ اعمال بھی ختم ہو گئے اور جب یہ اعمال ختم ہو گئے تو اس پر جزاء مزا کا ترتیب بھی ختم ہو گیا۔ لیکن کچھ اعمال ایسے بھی ہیں جن کے ثواب کا سلسلہ نہ صرف یہ کہ زندگی میں ملتا ہے بلکہ مرنے کے بعد باقی و جاری رہتا ہے۔ ایسے ہی اعمال کے بارے میں اس حدیث میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تین اعمال ایسے ہیں کہ زندگی ختم ہو جانے کے بعد بھی ان کے ثواب کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور مرنے والا برابر اس سے شفع ہوتا رہتا ہے۔

پہلی چیز صدقہ جاریہ ہے، یعنی اگر کوئی شخص خدا کی راہ میں زمین و وقف کر گیا ہے یا کنواں و تالاب بنوا گیا ہے یا ایسے ہی مخلوق خدا کے فائدہ کی خاطر کوئی دوسری چیز اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے تو جب تک یہ چیزیں قائم رہیں گی اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کو برابر ثواب ملتا رہے گا۔

دوسری چیز علم نافع ہے یعنی کسی ایسے عالم نے وفات پائی جو اپنی زندگی میں لوگوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتا رہا اور پھر اپنے علوم و معارف کو کسی کتاب کے ذریعہ محفوظ کر گیا جو ہمیشہ لوگوں کے لئے فائدہ مند اور شدہ ہدایت کا سبب بنی ہے یا کسی ایسے شخص کو اپنا شاگرد بنا گیا جو اس کے علم کا صحیح وارث ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو زندگی ختم ہونے کے بعد اس کے لئے سرمایہ و سعادت ثابت ہوں گی اور جن کا ثواب اسے وہاں برابر ملتا رہے گا۔

تیسری چیز اولاد صالح، ہے ظاہر ہے کہ کسی انسان کے لئے سب سے بڑی سعادت اور وجہ افتخار اس کی اولاد صالح ہی ہوتی ہے اس لئے کہ صالح اولاد نہ صرف یہ کہ ماں باپ کے لئے دنیا میں سکون و راحت کا باعث بنتی ہے بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے وسیلہ نجات اور ذریعہ فلاح بھی بنتی ہے اور وہ اس طرح سے کہ لائق و نیک لڑکا اپنے والدین کی قبروں پر جاتا ہے وہاں فاتحہ پڑھتا ہے دعائے مغفرت کرتا ہے، قرآن پڑھ کر ان کو بخشا ہے اور ان کی طرف سے خیرات و صدقات کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں مردہ کے لئے ثواب کا باعث ہیں جن سے وہ آخری زندگی میں کامیاب ہوتا ہے۔

⑦ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «مَنْ نَفَسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كَرْبَةً مِنَ كَرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كَرْبَةً

مَنْ كُتِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسِّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَذَكَّرُونَ سُورَتَهُ يُنْهَمُّهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ وَمَنْ بَطَّأ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ)) (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص دنیا کی سختیوں میں سے کسی مسلمان کی کوئی سختی اور تنگی دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن وہاں کی سختیاں اس سے دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندوں کی مدد کرتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی مسلمان کی مدد کرتا رہتا ہے اور جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کے راستہ کو آسان کر دیتا ہے اور جب کوئی جماعت خدا کے گھر (مسجد یا مدرسہ) میں قرآن پڑھتی پڑھاتی ہے تو اس پر (خدا کی جانب سے) تسکین نازل ہوتی ہے۔ رحمت خداوندی اس کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے اور فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ اس جماعت کا ذکر ان (فرشتوں) میں کرتا ہے جو اس کے پاس رہتے ہیں اور جس نے عمل میں تاخیر کی آخرت میں اس کا نسب کام نہیں آئے گا۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی عظمت و برتری کا پتہ چلتا ہے، اسلام اپنی تعلیمات کے ذریعہ پوری انسانی برادری کے درمیان محبت و مروت، انسانی ہمدردی و رواداری، امداد و معاونت اور حسن سلوک کی اعلیٰ روح پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ انسان اخلاق و محبت کی ایک کڑی میں منسلک ہو کر پورے امن و سکون اور چین و راحت کے ساتھ حقوقِ عہدیت ادا کر سکیں۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم قیامت کے دن کی سختی سے بچنا چاہتے ہو تو تم اپنے اس بھائی کی خبر گیری کرو جو دنیا کی سختی میں پھنسا ہوا ہے، اگر اس پر کوئی سخت وقت آپڑا ہے تو اس کی مدد کرو۔ اگر وہ زندگی کی کسی الجھن میں پھنسا ہوا ہے تو اسے چھٹکارا دلاؤ۔ اگر وہ مصائب و تکلیف میں مبتلا ہے تو ان کو اس سے دور کرو۔ اس لئے کہ حسن سلوک کا یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر تم آخرت کی سختیوں سے نہایت آسانی کے ساتھ گزر جاؤ گے۔

اعلان کیا جا رہا ہے کہ اگر تم دین و دنیا دونوں جگہ کی آسانیاں چاہتے ہو، اگر تم اس کے متمنی ہو کہ دنیا کی کامیابی و کامرانی تمہارے قدم چومے اور آخرت کی فلاح و سعادت تمہارے حصہ میں آئے تو اپنے اس بھائی کی مدد کرو جو تنگدست ہے۔ مفلسی و قلاشی کے جال میں پھنسا ہوا ہے، بے روزگاری و تباہ حالی کی چکی میں پس رہا ہے، مثلاً اگر وہ مقروض ہے اور خدا نے تمہیں وسعت دی ہے تو اس کا قرض ادا کر دو۔ اگر کوئی خود تمہارا مقروض ہے اور تم جانتے ہو کہ وہ قرض ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو تم اس کا قرض معاف کر دو، اگر کوئی انتہائی تباہ حال و پریشان ہے تو اس کی مدد کر کے تنگدستی سے اسے چھٹکارا دلاؤ۔ اگر کوئی اپنی ناداری و مفلسی کی بناء پر اپنی کسی سخت ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا تو تم اس کی اس ضرورت کو پورا کر دو اور پھر دیکھو خدا کی رحمت کسی طرح بڑھ کر تمہیں اپنے دامن میں چھپاتی ہے۔ دنیا کی عزت و عظمت تمہارے قدموں میں کھیلتی نظر آئے گی اور زندگی کی ہر آسانی تمہارے لئے مہیا ہوگی اور نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی خدا کی رحمت تمہارے ساتھ ہوگی، وہاں کی ہر سختی اور ہر آزمائش میں تمہارا ہی حسن سلوک مددگار و معاون ہوگا اور تم وہاں کے ہر امتحان میں کامیاب رہو گے۔ اسی طرح فرمایا گیا ہے کہ اگر تم دنیا و آخرت میں اپنے عیوب کی پردہ پوشی چاہتے ہو تو تم دنیا میں اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرو۔ یعنی کسی کے عیب کو لوگوں کے سامنے بیان کر کے اسے رسوا اور ذلیل نہ کرو۔ یا اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اسے لوگوں کے سامنے ظاہر کر کے اور برسرِ عام اچھال کر اسے شرمندہ نہ کرو کیونکہ یہ خدا کا معاملہ ہے وہ اگر چاہے گا تو اسے دنیا ہی میں یا آخرت میں سزا دے دے گا ورنہ اپنی رحمت سے اسے معاف کر دے گا۔

یا پردہ پوشی کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی ناداری و مفلسی کی بنا پر لباس کی نعمت سے محروم ہے اور اتنا تنگدست و غریب ہے کہ اپنے

ستر کو بھی نہیں چھپا سکتا تو چاہئے کہ اپنے اس نادار بھائی کی ستر پوشی کرے اس لئے کہ جو اپنے بھائی کی ستر پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا میں اور قیامت میں اس کے عیوب اور گناہوں کی پردہ پوشی فرمائے گا اور آخر میں عمومی طور پر یہ کلیہ بتا دیا گیا ہے کہ جب تک کوئی بندہ اپنے کسی بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے اور خدا کی مخلوق کی خبر گیری میں مصروف رہتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت رہتی ہے۔

حدیث میں طلب علم اور طالب علم کی فضیلت بھی ظاہر فرمائی جا رہی ہے، چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے کہ جو شخص علم دین کے حصول کے لئے اپنے وطن و شہر کو چھوڑ کر عزیز واقارب سے جدا ہو کر اور عیش و آرام پر لات مار کر حصول علم کے جذبہ سے باہر نکلتا ہے اور تلاش علم کے لئے راہ مسافت پر گامزن ہوتا ہے تو خداوند اقدس اس کی ریاضت و مشقت اور جان کا ہی و پریشانی کی وجہ سے اس پر بہشت کی راہ آسان کر دیتا ہے یعنی طالب علم کی کوششوں کے صلہ میں اسے جنت میں داخل کیا جائے گا یا یہ کہ اسے خداوند کی جانب سے اس عظیم سعادت کی توفیق ہوگی کہ اس نے جس علم کی تلاش میں اتنی مصیبتوں اور پریشانیوں کو برداشت کیا اس پر وہ نیک عمل بھی کرے جو جنت میں داخل ہونے کا سبب اور باعث ہے۔

اسی طرح جو لوگ مساجد و مدارس میں حصول علم میں منہمک ہوتے ہیں اور قرآن کے علوم و معارف سے استفادہ کرنے اور دوسروں کو بڑھانے میں مشغول ہوتے ہیں ان پر خدا کی جانب سے بے پایاں رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان پر خدا کی جانب سے تسکین کا نزول ہوتا ہے یعنی طلب علم کے سلسلہ میں ان کے اندر خاطر جمعی اور دل بستگی و دیعت فرمائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کے قلوب دنیا کے عیش و عشرت، راحت و آرام اور غیر اللہ کے خوف و ڈر سے پاک و صاف ہو کر ہر وقت خدا کی طرف لو لگائے رہتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل نور الہی کی مقدس روشنی سے جگمگا اٹھتے ہیں نیز فرشتے ان کی عزت و توقیر کرتے ہیں اور فرط عقیدت سے ان لوگوں کو گھیرے رہتے ہیں اور پھر خداوند قدوس اس مقدس جماعت کا تذکرہ جو درس و تدریس میں مشغول ہوتی ہے اپنے ان فرشتوں کے درمیان کرتا ہے جو اس کے پاس ہوتے ہیں، یہ اس جماعت کی انتہائی عظمت و فضیلت کی دلیل ہے۔

آخر حدیث میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی کامیابی و کامرانی اور فلاح و سعادت کا دار و مدار عمل پر ہے۔ اگر دنیا میں عمل خیر میں کوتاہی نہیں تو آخرت میں عزت و عظمت کا حقدار ہوگا اور دنیا میں کسی نے عمل میں کوتاہی کی اگرچہ وہ دنیا میں کتنا ہی بااقتدار و باعظمت کیوں نہ رہا ہو اور کتنا ہی بڑا حسب و نسب والا کیوں نہ ہو آخرت میں اس سے باز پرس ہوگی اور وہاں دنیا کی عالی نشی اور وجاہت کچھ کام نہیں دے گی۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جای کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(یعنی اے جامی) جب تم اسیر عشق ہو گئے تو حسب و نسب کے چکر میں نہ پڑو کیونکہ اس راہ میں فلاں ابن فلاں کوئی چیز نہیں ہے۔

⑧ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَوَّلُ النَّاسِ يُقْضَىٰ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أَسْتَشْهَدُ فَأَتَىٰ بِهِ فَعَرَفَهُ نِعْمَةً فَعَرَفَهَا لِقَالَ قَالَ قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى أَسْتَشْهَدُ قَالَ كَذَبْتُ وَلَكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ جَرِي فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ فَأَتَىٰ بِهِ فَعَرَفَهُ نِعْمَةً فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ قَالَ كَذَبْتُ وَلَكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ إِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ إِنَّكَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ فَأَتَىٰ بِهِ فَعَرَفَهُ نِعْمَةً فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتُ وَلَكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ)) (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن پہلا شخص جس پر (خلوص نیت کو ترک کر دینے کا)

حکم لگایا جائے گا وہ ہوگا جسے (دنیا میں) شہید کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ (میدانِ حشر میں) وہ پیش کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی (دی ہوئی) نعمتیں یاد دلانے کا جو اسے یاد آجائیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کام کیا؟ یعنی اللہ اسے اپنی نعمتیں جتا کر الزام فرمائے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے شکرانہ میں کیا اعمال کئے؟ وہ کہے گا میں تیری راہ میں لڑا یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے کیونکہ تو اس لئے لڑا تھا تاکہ تجھے یہاد رکھا جائے چنانچہ تجھے (یہاد رکھا گیا) اور تیرا اصل مقصد مخلوق سے حاصل ہوا اب مجھ سے کیا چاہتا ہے، پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل کھینچا جائے، یہاں تک کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا، پھر (دوسرا) وہ شخص ہوگا جس نے علم حاصل کیا، دوسروں کو تعلیم دی اور قرآن کو پڑھا چنانچہ اسے بھی (خدا کے حضور میں) لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی عطا کی ہوئی) نعمتیں یاد دلانے کا جو اسے یاد آجائیں گی پھر خدا پوچھے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا اعمال کئے؟ وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور تیرے ہی لئے قرآن پڑھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے تو علم محض اس لئے حاصل کیا تھا تاکہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لئے پڑھا تھا تاکہ تجھے لوگ قاری کہیں، چنانچہ تجھے (عالم و قاری) کہا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے یہاں تک کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر (تیسرا) وہ شخص ہوگا جس کو اللہ نے (معیشت میں) وسعت دی اور ہر قسم کا مال عطا فرمایا۔ اس کو بھی خدا کے حضور میں لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی عطا کی ہوئی) نعمتیں یاد دلانے کا جو اسے یاد آجائیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا اعمال کئے؟ وہ کہے گا میں نے کوئی ایسی راہ نہیں چھوڑی جس میں تو خرچ کرنا پسند کرتا ہو اور تیری خوشنودی کے لئے میں نے اس میں خرچ نہ کیا ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تو نے خرچ اس لئے کیا تاکہ تجھے (خنی) کہا جائے اور تجھے (خنی) کہا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے یہاں تک کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔“ (مسلم)

تشریح: اعمال میں نیت کا کیا درجہ ہے؟ اور خلوص کی کتنی ضرورت ہے؟ اس حدیث سے بخوبی واضح ہوتا ہے بندہ کتنے بڑے سے بڑا عمل خیر کرے، بڑی سے بڑی نیکی کر ڈالے لیکن اگر اس کی نیت بخیر نہیں ہے تو اس کا وہ عمل اور نیکی کسی کام نہیں آئے گی خدا کو وہی عمل پسند ہے جس میں محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا کی نیت ہو اور جذبہ اطاعت خلوص سے بھرپور ہو، ورنہ جو بھی عمل بغیر اخلاص اور بغیر نیت خیر کیا جائے گا چاہے وہ کتنا ہی عظیم عمل کیوں نہ ہو بارگاہِ الوہیت سے ٹھکر دیا جائے گا اور اس پر کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوگا بلکہ الٹا عذابِ خداوندی میں گرفتار کیا جائے گا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔

⑨ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَالًا فَاسْتَلَوْا فَافْتَنُوا بَغْيِرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا أَوْ ضَلُّوا» (متفق علیہ).

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ علم کو (آخری زمانہ میں) اس طرح نہیں اٹھالے گا کہ لوگوں (کے دل و دماغ) سے اسے نکال لے بلکہ علم کو اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کو (اس دنیا سے) اٹھالے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے لہذا وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔“ (بخاری و مسلم)

⑩ وَعَنْ شَقِيقٍ قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ يَذْكُرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْوَدِدْتُ أَنَّكَ ذَكَرْتَنَا فِي كُلِّ يَوْمٍ قَالَ أَمَا إِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ ذَلِكَ إِنِّي أَكْرَهُ أَنْ أَمْلِكُكُمْ وَإِنِّي أَخَوَلُّكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّامَةِ عَلَيْنَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت شقیقؒ راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات کے روز لوگوں کے سامنے وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے (ایک روز) ایک شخص نے عرض کیا۔ اے ابو عبد الرحمن! میری خواہش ہے کہ آپ ہمارے درمیان روزانہ وعظ و نصیحت کیا کریں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں ایسا اس لئے نہیں کرتا کہ اس سے تم لوگ تنگ ہو جاؤ گے، میں نصیحت کے معاملہ میں تمہاری خبر گیری اس طرح کرتا ہوں جیسا کہ ہماری نصیحت کے معاملہ میں آنحضرت ﷺ ہماری خبر گیری کیا کرتے تھے اور ہمارے اکتا جانے کا خیال رکھتے تھے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ کے معاملہ میں اعتدال سے کام لینا چاہئے۔ ہر وقت اور ہر موقع پر وعظ و نصیحت نہیں کرنی چاہئے اس لئے کہ اس سے لوگوں کے دل اچاٹ ہو جاتے ہیں اور وہ اکتا جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی بات دل جمعی و سکون خاطر سے نہیں سنتے اس لئے ان پر کوئی اچھا اثر بھی مرتب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس معاملہ میں ڈانٹ و پٹ، لعنت پھینکار اور بد مزاجی و بد اخلاقی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے مخاطب کے ذہن پر برا اثر پڑتا ہے جس سے بجائے اس کے کہ وہ اس کا کوئی نیک اثر قبول کرے اور زیادہ منحرف ہو جاتا ہے۔

جو نصیحت اپنے وقت پر اور نہایت اخلاق و مہمانت اور انتہائی محبت و شفقت سے کی جاتی ہے دراصل وہی مخاطب کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کا بہترین ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔

⑪ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتَّى تَفْهَمَ عَنْهُ وَإِذَا أَتَى عَلَى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب کوئی بات کہتے تو اس کو تین مرتبہ فرماتے یہاں تک کہ لوگ اسے اچھی طرح سمجھ لیتے اور جب آپ ﷺ کسی جماعت کے پاس آتے اور سلام کرنے کا ارادہ فرماتے تو تین مرتبہ سلام کرتے۔“ (بخاری)

تشریح: اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ ہر گفتگو کے موقع پر ایسا عمل اختیار فرماتے ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کوئی بہت اہم بات فرماتے ہوں گے یا کسی خاص مسئلہ کی وضاحت مقصود ہوتی ہوگی، یا کوئی دینی حکم بیان کرنا ہوتا ہوگا اور یہ ارادہ ہوتا ہو کہ اس بات کو بطور خاص بیان کرنا ہے یا یہ خیال گزرتا ہو کہ لوگوں نے بات اچھی طرح سنی نہ ہوگی تو آپ ﷺ تین مرتبہ ارادہ فرماتے اور اس بات کو بار بار کہتے تاکہ لوگ خوب سن لیں اور اچھی طرح سمجھ لیں۔

ایسے ہی تین مرتبہ سلام اس طرح کرتے تھے کہ ایک سلام تو آپ ﷺ اس وقت کرتے تھے جب مکان میں اندر جانے کی اجازت طلب فرماتے تھے، دوسرا سلام تحیہ کرتے تھے (یہ سلام ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے) اور تیسرا سلام رخصت کے وقت کرتے تھے۔

⑫ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّهُ أَبْدَعَ بَنِي فَأَحْمِلْنِي فَقَالَ مَا عِنْدِي فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا أَذَلُّهُ عَلَى مَنْ يَحْمِلُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ)) (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ راوی ہیں کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری سواری چلنے سے عاجز ہو گئی ہے آپ ﷺ مجھے سواری عنایت فرما دیجئے! آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے (کہ تمہیں دے دوں) ایک

لے شقیق ابن مسلم نام اور کنیت ابو داؤد ہے۔ آپ تابعی ہیں حجاج کے زمانہ میں وفات ہوئی بعض کہتے ہیں کہ ۹۹ھ میں وفات پائی ہے۔
۲۔ آپ کا ام گرامی عقبہ ابن عمرہ ہے مگر یہ بھی کنیت ابو مسعود انصاری سے مشہور ہیں۔ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال ہوا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۴۱ یا ۴۲ھ میں ہوئی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

شخص نے عرض کیا رسول اللہ! میں اسے ایسا شخص بتلاتا ہوں جو اسے سواری دے دے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی بھلائی کی طرف راہ نمائی کرے تو اسے بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس بھلائی پر عمل کرنے والے کو۔“ (مسلم)

(۱۳) وَعَنْ جَبْرِ قَالَ كُنَّا فِي صَدْرِ النَّهَارِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ قَوْمٌ غُرَاةٌ مُجْتَابِي التَّمَارِ أَوِ الْعَبَاءِ مُتَقَلِّدِي الشُّيُوفِ عَامَتُهُمْ مِنْ مُضَرِّ بَلِّ كُلُّهُمْ مِنْ مُضَرٍّ فَتَمَعَّرَ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا رَأَى بِهِمْ مِنَ الْفَاقَةِ فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ فَأَمَرَ بِأَلَا فَأَذِنَ وَأَقَامَ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ (إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا) وَالْآيَةُ الَّتِي فِي الْحَشْرِ اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مِمَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ تَصَدَّقْ رَجُلٌ مِنْ دِينَارِهِ مِنْ دِرْهَمِهِ مِنْ ثَوْبِهِ مِنْ صَاعِ بُرِّهِ مِنْ صَاعِ تَمْرِهِ حَتَّى قَالَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بَصُرَةً كَادَتْ كَفَّهُ تَعْجُزُ عَنْهَا بَلِّ قَدْ عَجَزَتْ ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ حَتَّى رَأَيْتُ كَوْمَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَثِيَابٍ حَتَّى رَأَيْتُ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَهَلَّلُ كَأَنَّهُ مُذْهَبَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت جریرؓ راوی ہیں کہ (ایک روز) ہم دن کے ابتدائی حصہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک قوم آپ ﷺ کی خدمت میں آئی جو نگے بدن تھی اور عبا یا کبل لپیٹے ہوئے تھی اور گلے میں تلواریں لٹکی ہوئی تھیں۔ ان میں سے اکثر بلکہ سب کے سب قبیلہ مضر کے لوگ تھے۔ ان پر فاقہ کا اثر دیکھ کر آنحضرت ﷺ کا چہرہ خنجر ہو گیا آپ ﷺ (ان کے لئے کھانے کی تلاش میں) گھر میں تشریف لے گئے اور (جب گھر میں کچھ نہ ملا) تو واپس تشریف لائے اور حضرت بلالؓ کو (اذان کہنے کا) حکم دیا، حضرت بلالؓ نے اذان کہی اور تکبیر پڑھی اور جمعہ کی یا ظہر کی نماز پڑھی گئی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا اور یہ آیت پڑھی يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، الْآیۃ ترجمہ! ”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا ہے۔“ پوری آیت تلاوت کی جس کا آخری حصہ یہ ہے۔ ”البتہ اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے۔“ اور پھر یہ آیت آپ ﷺ نے پڑھی جو سورہ حشر میں ہے وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مِمَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ الْآیۃ ترجمہ! ”(اے ایمان والو!) اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے۔“ پھر آپ ﷺ سے فرمایا۔ ”خیرات کرے آدمی اپنے دینار میں سے، اپنے درہم میں سے، اپنے کپڑے میں سے، اپنے گھوڑوں کے پیانے میں سے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ خیرات کرے اگرچہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ ایک انصاری شخص دینار یا درہم سے بھری ہوئی ایک ٹھیلی لایا جس کے وزن سے اس کا ہاتھ تھکنے کے قریب تھا بلکہ تھک گیا تھا۔ پھر لوگوں نے پے در پے چیزوں کا لانا شروع کر دیا یہاں تک کہ میں نے دو تولے غلہ اور کپڑے کے (جمع شدہ) دیکھے پھر میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کا چہرہ اتنا (خوشی کی وجہ سے) کندن کی طرح چمک رہا تھا، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اسلام میں کسی نیک طریقہ کو رائج کرے تو اسے اس کا بھی ثواب ملے گا اور اس کا ثواب بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے لیکن عمل کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس شخص نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو رائج کیا تو اسے اس کا بھی گناہ ہوگا اور اس شخص کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا۔ لیکن عمل کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جو پہلی آیت تلاوت فرمائی وہ سورہ نسا میں ہے، اس آیت میں خیرات کرنے اور قربات داروں سے حسن

آپ کا ام گرامی جریر بن عبد اللہ ہے اور کنیت ابو عمرو یا ابو عبد اللہ ہے قبیلہ بخیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف چالیس دن قبل اسلام کی نعمت شرف ہوئے تھے اور مقام قرینیا میں ۵۱ یا ۵۲ھ میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو خیرات کرنے اور آنے والی جماعت کی امداد و اعانت پر ترغیب دلائی۔

شروع حدیث میں راوی کا بیان ہے کہ آنے والی جماعت کبل یا عبالپٹے ہوئے تھی۔ راوی کا اشتباہ ہے کہ یا تو حدیث میں لفظ النمار ہے یا العباء ہے۔ بہر حال دونوں کبل کی قسمیں ہیں اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔

(۱۴) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْ نَفْسَ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلُ كِفْلٌ مِنْ دِمَهِهَا لِأَنَّ أَوَّلَ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَسَنَدُ حَدِيثِ مُعَاوِيَةَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي فِي بَابِ ثَوَابِ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص ظلم کے طریقہ پر قتل کیا جاتا ہے تو اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے قابیل پر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ نکالا۔ (بخاری و مسلم) (اور معاویہؓ کی وہ حدیث جس کی ابتداء یہ ہے ”لا يزال امتی“ ہم انشاء اللہ ”باب ثواب هذه الامة“ میں بیان کریں گے۔“

تشریح: انسانی ظلم و ستم کی تاریخ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے قابیل کی زندگی سے شروع ہوتی ہے جس نے اپنی ایک انتہائی معمولی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور انسانی تاریخ کا یہ سب سے پہلا خونِ واقعہ تھا جس نے ناحق خون بہانے کی بنیاد ڈالی۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جب کوئی نیک طریقہ رائج کرتا ہے تو اسے اس نیک کام کا ثواب بھی ملتا ہے، اسی طرح برا طریقہ رائج کرنے والے کو خود اس عمل کا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والے کا بھی گناہ ملتا ہے۔

اسی لئے یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ جب بھی کوئی شخص ظلم کے طریقہ پر قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کے خون کا ایک حصہ قابیل پر بھی ہوتا ہے اس لئے کہ ناحق خون بہانے اور ظلم و ستم کے ساتھ قتل کا اول موجود ہی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

(۱۵) عَنْ كَثِيرِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَبَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ إِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِينَةِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الْحَدِيثُ بَلَّغَنِي أَنَّكَ تَحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ قَالَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَظْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنَحَتَهَا رِضَى لَطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالْجِبْتَانِ فِي جُوفِ الْمَاءِ وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لِنَلَّةِ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَإِنَّمَا وَرَثَتُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحِطِّ وَافِرٍ وَاهٍ أَحْمَلَهُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَسَمَاءُ التِّرْمِذِيُّ قَيْسُ بْنُ كَثِيرٍ۔

”حضرت کثیر ابن قیس کہتے ہیں کہ میں (ایک صحابی) حضرت ابودرداءؓ کے پاس دمشق (شام) کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے شہرے آپ کے پاس ایک حدیث کے لئے آیا ہوں جس کے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسے آپ سرکارِ دو عالم ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ آپ کے پاس میرے آنے کی اس کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں ہے (یہ سن کر) حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا۔ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے یہ سنا کہ جو شخص کسی راستہ کو (خواہ وہ لمبا ہو یا مختصر) علم دین حاصل کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہشت کے راستہ پر چلاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لئے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں اور

عالم کے لئے ہر وہ چیز جو آسمانوں کے اندر ہے (یعنی فرشتے) اور جو زمین کے اوپر ہے (یعنی جن وانس) اور مچھلیاں جو پانی کے اندر ہیں دعائے مغفرت کرتی ہیں اور عابد پر عالم کو ایسی ہی فضیلت ہے جیسے کہ چودہویں کا چاند تمام ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے اور عالم انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء وراثت میں دینار و درہم نہیں چھوڑ گئے ہیں، ان کا ورثہ علم ہے لہذا جس نے علم حاصل کیا اس نے کامل حصہ پایا۔ احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی اور ترمذی نے راوی کا نام قیس ابن کثیر ذکر کیا ہے (لیکن صحیح کثیر بن قیس ہی ہے جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ نے نقل کیا ہے۔“

تشریح: صحابی کی خدمت میں آنے والے کی علمی طلب اور حصول دین کے حقیقی جذبہ کا اظہار ہوتا ہے کہ اس نے آتے ہی سب سے پہلے یہی کہا تھا کہ آپ کے پاس آنے سے میری غرض کوئی دینیو منفعت یا محض ملاقات نہیں ہے بلکہ میں تو علم دین کے حصول کا حقیقی اور پر خلوص جذبہ لے کر آیا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپ کی زبان سے سرکارِ دو عالم ﷺ کی مقدس حدیث سن کر اپنے قلب و دماغ کو علوم نبوی کی ایک روشنی سے منور کروں۔

ہو سکتا ہے کہ طالب مذکور نے جس حدیث کے سننے کی طلب کی تھی وہ حدیث انھوں نے اجمالی طور پر سنی ہو اب ان کی خواہش یہ تھی کہ اس کو تفصیلی طور پر سن لیں یا یہ کہ وہ حدیث انھوں نے تفصیل کے ساتھ ہی (کسی دوسرے سے) سن رکھی ہو مگر اس جذبہ کے ساتھ حضرت ابوذر داء کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حدیث کو ملا واسطہ صحابی سے سنیں۔

ابوذر داء نے سائل کے جواب میں جو حدیث بیان فرمائی ہو سکتا ہے کہ وہ یہی حدیث ہو اور یہی حدیث اس کا مطلوب ہو، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث جو یہاں نقل کی گئی ہے وہ طالب کا مطلوب نہ ہو بلکہ چونکہ طالب نہایت مشقت و پریشانی برداشت کر کے اور دور دراز کا سفر طے کر کے طلب علم اور حصول حدیث کی خاطر آیا تھا۔ اس لئے اس کی سعادت و خوش بختی کے اظہار کے طور پر اس کا ثواب بیان کیا اور اس کی مطلوبہ حدیث انھوں نے بیان کی وہ چونکہ اس باب کے مناسب نہیں تھی اس لئے مصنف کتاب نے اسے یہاں نقل نہیں کیا۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب طالب علم، علم کی خاطر اپنے گھر سے نکلتا ہے اور راہ مسافت اختیار کرتا ہے تو فرشتے اس کی رضامندی کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اس کی تشریح میں کہا جاتا ہے کہ یا تو واقعی طالب علم کے شرف و عزت کی خاطر فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں یا پھر طالب علم کی عظمت اور اس کی طرف رحمت خداوندی کے نزول کے لئے یہ کنایہ ہے۔

نیز فرمایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں خدا کی جتنی بھی مخلوق ہے سب کی سب عالم کی مغفرت کے لئے دعا کرتی ہے۔ اس کے بعد پھر صراحت کی گئی کہ پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں بھی اس کے لئے استغفار کرتی ہیں ظاہر ہے کہ زمین کی مخلوق میں مچھلیاں بھی شامل ہیں ان کو بظاہر الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی مگر اس میں نکتہ یہ ہے کہ اس سے دراصل عالم کی انتہائی فضیلت و عظمت کا اظہار مقصود ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ پانی کا برسانا جو رحمت خداوندی کی نشانی اور نعمت الہی کی علامت ہے اور دنیا کی اکثر آسانیاں و راحتیں جو اسی سے حاصل ہوتی ہیں اور تمام خیر و بھلائی جو اس کے علاوہ ہیں سب کی سب عالم ہی کی برکت سے ہیں یہاں تک کہ مچھلیوں کا پانی کے اندر زندہ رہنا جو خود قدرت خداوندی کی ایک نشانی ہے، علماء ہی کی برکت کی بنا پر ہے۔

اس حدیث میں عالم اور عابد کے فرق کو بھی ظاہر کرتے ہوئے عابد پر عالم کو فوقیت اور برتری دی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم کا فائدہ متعدی ہے یعنی اس کا فیضان صرف اس کی اپنی ذات تک محدود نہیں ہے اسی لئے عالم اور عابد کو چاند ستاروں سے مشابہت دی گئی ہے کہ جس طرح چودہویں کا چاند جب اپنی پوری تابانی اور جلوہ ریزی کے ساتھ آسمان پر نمودار ہوتا ہے تو دنیا کی تمام مخلوق اس سے مستفید ہوتی ہے اور اس کی روشنی تمام جگہ پہنچتی ہے جس سے دنیا فائدہ اٹھاتی ہے مگر ستارہ خود اپنی جگہ تو روشن و منور ہوتا ہے مگر اس کا فیضان اتنا عام نہیں ہوتا کہ اس کی روشنی تمام جگہ پھیل سکے اور سب کو فائدہ پہنچا سکے۔

اگر کوئی یہ اشکال کر بیٹھے کہ عالم اور عابد میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ اگر کوئی عالم محض علم پر بھروسہ کر بیٹھے اور علم پر نہ عمل کرے تو ظاہر ہے کہ اس کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اسی طرح عابد بغیر علم کے عابد نہیں ہو سکتا کیونکہ عبادت کی حقیقی اور اصلی روح علم ہی میں پوشیدہ ہے اس لئے عبادت بغیر علم کے صحیح طور پر ادا نہیں ہو سکتی۔ لہذا معلوم ہوا کہ جو عالم بالکل باعمل ہو گا وہی عابد بھی ہو گا اور جو عابد ہو گا وہی عالم باعمل بھی ہو گا۔ اس لئے دونوں میں فرق کیا ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عالم سے مراد وہ شخص ہے جو تحصیل علم کے بعد عبادات ضروریہ مثلاً فرائض واجبات اور سنن و مستحبات پر اکتفا کر کے اپنے اوقات کا بقیہ حصہ درس و تدریس میں مشغول رکھتا ہے یعنی اس کا کام درس و تدریس، دعوت و تبلیغ اور دین کی ترویج و اشاعت ہوتا ہے۔ اور عابد سے مراد وہ شخص ہے جو تحصیل علم کے بعد اپنی زندگی کا تمام حصہ صرف عبادت ہی عبادت میں صرف کرتا ہے، نہ اسے علم کی اشاعت سے دلچسپی ہوتی ہے اور نہ تعلیم و تعلم اس کا مقصد ہوتا ہے بلکہ وہ ہمہ وقت عبادت ہی میں مشغول رہتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر علم کی اشاعت اور تعلیم و تعلم کی فضیلت کا گہرا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ عمل افادیت کے اعتبار سے سب سے بلند مقام رکھتا ہے اور جو ہر حال میں عبادت پر افضل ہے جیسا کہ اکثر احادیث سے بھی ثابت ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ عالم اور عابد میں اس اعتبار سے فرق ہے اور عابد پر عالم کو فوقیت حاصل ہے۔

شرح السنہ میں حضرت سفیان ثوریؒ کا قول منقول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں آج طالب علم سے افضل کوئی دوسری چیز نہیں جانتا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا لوگوں کے خلوص نیت میں فضیلت نہیں ہے۔ انھوں نے فرمایا طلب علم خود نیت کا سبب ہے یعنی نیت اس سے اپنے آپ ہی سنور جاتی ہے۔

چنانچہ بعض علماء کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ انھوں نے کہا ہم نے علم غیر اللہ کے لئے حاصل کیا مگر بعد میں وہ اللہ ہی کے لئے ہو گیا، یعنی ہماری نیت پہلے مخلص اور صاف نہیں تھی مگر جب طلب علم کا حقیقی جذبہ پیدا ہوا اور علم کی روشنی نے قلب کو منور کیا تو نیت مخلص اور صحیح ہو گئی۔

علم کی فضیلت کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں علم کا طلب کرنا نماز نقل سے افضل ہے کیونکہ وہ علم جسے طلب کیا جا رہا ہے یا تو وہ فرض عین ہو گا یا فرض کفایہ ہو گا اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں نقل سے بہر حال افضل ہیں۔

(۱۶) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ ذَكَرَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ: أَحَدُهُمَا عَابِدٌ وَالْآخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَّلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى الثَّمَلَةِ فِي جُحُورِهَا وَحَتَّى الْخُثُوفُ لِيُصَلُّوا عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرِ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ مَكْحُولٍ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرْ رَجُلَانِ وَقَالَ فَضَّلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ (إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ) وَسَوَدَ الْحَدِيثُ إِلَى آخِرِهِ - (ترمذی)

”اور حضرت ابی امامہ باہلیؒ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جس میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم (یعنی آپ سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں افضل کون ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ میری فضیلت اس شخص پر جو تم میں سے ادنیٰ درجہ کا ہو۔ پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور آسمانوں و زمین کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ حیوانیاں اپنے بلوں میں ہچکچیلیاں اس شخص کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی (یعنی علم دین) سکھاتا ہے ترمذی اور دارمی نے اس روایت کو مکحول سے مرسل طریقہ پر نقل کیا ہے جس میں لفظ رجُلان کا ذکر نہیں ہے اور کہا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عابد پر عالم کو ایسی ہی فضیلت ہے جیسی مجھے تمہارے میں سے ادنیٰ آدمی پر ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ترجمہ: ”خدا کے بندوں میں علماء ہی خدا سے ڈرتے ہیں۔“ اور پھر پوری حدیث آخر تک اسی

”طرح بیان کی ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو بہت زیادہ عظمت و فضیلت حاصل ہوتی ہے اور اسے عابد پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے عابد اور عالم دونوں میں یہ فرق ظاہر کیا ہے کہ جس طرح میں تم میں سے اس شخص پر فضیلت رکھتا ہوں جو تم میں سے سب سے ادنیٰ درجہ کا ہو اسی طرح ایک عالم بھی عابد پر فضیلت رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ایک ادنیٰ شخص پر جو فضیلت حاصل ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اب اس کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ ایک عالم کو عابد پر فضیلت کس مرتبہ اور درجہ کی ہوگی۔

آخر حدیث میں کہا گیا ہے کہ اسی حدیث کو دارمی نے مکحول سے بطریق مرسل نقل کیا ہے اور اس میں اس حدیث کے ابتدائی الفاظ رجلان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے یعنی ان کی روایت میں یہ الفاظ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جس میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم بلکہ ان کی روایت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوتی ہے۔

(۱۷) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبِعٌ وَإِنَّ رَجُلًا يَأْتُونَكُمْ مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ يَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ فَإِذَا أَتَوْكُمْ فَاسْتَوْصُوا بِهِمْ خَيْرًا۔ (رواہ ترمذی)

”اور حضرت ابو سعیدؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لوگ تمہارے (یعنی صحابہؓ کے) تابعی ہیں اور بہت سے لوگ علم دین سمجھنے اطرافِ عالم سے تمہارے پاس آئیں گے۔ لہذا جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا۔“ (ترمذی)

تشریح: اس ارشاد کا مقصد صحابہؓ کو یہ بتانا ہے کہ میرے بعد چونکہ تمہاری ہی ذات دنیا کے لئے راہِ برور اہنما ہوگی اور تم ہی لوگوں کے پیشوا و امام بنو گے اس لئے تمام دنیا کے لوگ تمہارے پاس علم دین طلب کرنے اور میری احادیث حاصل کرنے آئیں گے۔ لہذا تمہیں چاہئے کہ وہ آئیں تو تم ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو، ان کی نگہداشت اور تربیت میں کوتاہی نہ کرو، اور ان کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کرو، نیز ان کے قلوب کو علم دین کی اس مقدس روشنی سے جس سے تمہارے قلوب براہِ راست فیضیاب ہو چکے ہیں منور کرو۔

(۱۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَلِمَةُ الْحَكْمَةُ صَالَةُ الْحَكِيمِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَابْنُ أَبِي هَانٍ بَنُ الْفَضْلِ الرَّاَوِيُّ يُضَعِّفُ فِي الْحَدِيثِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ (دین میں) فائدہ دینے والی بات دانش مند آدمی کا مطلوب ہے لہذا وہ جہاں اسے پائے اس کا متحق ہے۔ اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس حدیث میں ایک راوی ابراہیم ابن فضل ہیں جن کو (روایت حدیث میں) ضعیف خیال کیا جاتا ہے۔“ (ترمذی و ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث دانشمندی اور صاحبِ فہم انسان کو یہ احساس و شعور بخش رہی ہے کہ جب کسی سے دین کی کوئی فائدہ مند بات سنی جائے تو عقل کا یہ تقاضہ ہونا چاہئے کہ فوراً اسے قبول کر کے اس پر عمل کیا جائے اس لئے کہ عقل و خرد کا یہی تقاضا انسان کی معراج کا ضامن ہوتا ہے۔ یہ انتہائی بے وقوفی اور کم ظرفی کی بات ہے کہ اگر کوئی مفید اور بہتر بات کسی ایسے شخص سے سنی جائے جو اپنے سے کمتر و کم رتبہ ہو تو اس کو اس لئے ناقابلِ اعتناء اور ناقابلِ عمل قرار دے دیا جائے کہ وہ بڑی بات اور چھوٹا منہ ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اس بہتر و حق بات کو تو قابلِ قبول عمل جانے جو حضرت یازید بطنائیؒ جیسے صاحبِ عقل و تقدس ہستی سے منقول ہو۔ مگر جب وہی بات اپنی کسی کنیز اور لونڈی سے سنے تو اسے ناقابلِ اعتناء سمجھے تو وہ شخص مغرور و متکبر کہلائے گا۔

مرد باید کہ گیرد اندر گوش گرنوشت ست پند بردلوار

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ایک فقیہ (یعنی عالمِ دین) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔“ (ترمذی وابن ماجہ)

تشریح: مقابلہ کا یہ مسلم اصول ہے کہ کامیابی اس شخص کے حصہ میں آتی ہے جو اپنے مد مقابل کے داؤتِ پیچ سے بخوبی واقف ہو اور اس کا ٹوڑ جانتا ہو۔

چنانچہ ہم خود دیکھتے ہیں کہ مقابلہ کے اکھاڑہ میں وہ شخص جو اپنے ظاہری قویٰ اور جسم کے اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا اپنے اس مقابل کو پچھاڑ دیتا ہے جو جسم و بدن کے اعتبار سے اس سے کئی گنا زیادہ طاقت ور ہوتا ہے کیونکہ وہ جب مقابلہ میں آتا ہے تو اس کا دماغ بنیادی طور پر مقابل کے ہر دار سے بچاؤ کی شکل اور اس کے ہر داؤ کا جواب اپنے خزانہ میں رکھتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کامیابی اسی سے ہوتی ہے۔

دنیا میں باطنی طور پر انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے جو اپنے مکرو و فریب کی طاقت سے لوگوں کو گمراہی کی وادی میں پھینکتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو شیطان کے مکرو و فریب سے واقف نہیں ہوتے اور اس کی طاقت و قوت کا جواب نہیں رکھتے وہ گمراہ ہو جاتے ہیں مگر ایسے لوگ جو اس کے ہر داؤ کا جواب رکھتے ہیں اور اس کی طاقت و قوت کی شہ رگ پر ان کا ہاتھ ہوتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ خود اس کی گمراہی سے محفوظ رہتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی محفوظ رکھتے ہیں اور یہ لوگ دینی عالم ہوتے ہیں جن کے قلب دوماغ نور الہی کی مقدس روشنی سے منور اور ان کے ذہن و فکر علم و معرفت کی طاقت سے بھرپور ہوتے ہیں۔

اسی لئے اس حدیث میں فرمایا جا رہا ہے کہ شیطان کے مقابلہ میں ایک ہزار عابد جتنی طاقت رکھتے ہیں اتنی طاقت تنہا ایک عالم کے پاس ہوتی ہے کیونکہ جب شیطان لوگوں پر اپنے مکرو و فریب کا جال ڈالتا ہے اور انھیں خواہشات نفسانی میں پھنسا کر گمراہی کے راستہ پر لگا دینا چاہتا ہے تو عالم اس کی چال سمجھ لیتا ہے چنانچہ وہ لوگوں پر شیطان کی گمراہی کو ظاہر کرتا ہے اور ایسی تدابیر انھیں بتا دیتا ہے جن پر عمل کرنے سے وہ شیطان کے ہر حملے سے محفوظ رہتے ہیں۔

برخلاف اس کے وہ عابد جو صرف عبادت ہی عبادت کرنا جانتا ہے اور علم و معرفت سے کوسوں دور ہوتا ہے وہ تو محض اپنی ریاضت و مجاہدہ اور عبادت میں مشغول رہتا ہے اسے یہ خبر بھی نہیں ہونے پاتی کہ شیطان کس چور دروازے سے اس کی عبادت میں خلل ڈال رہا ہے اور اس کی تمام سعی و کوشش کو ملیا میٹ کر رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر وہ عبادت میں مشغول رہتا ہے، مگر لاعلم ہونے کی وجہ سے وہ شیطان کے مکرو و فریب میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اس لئے نہ وہ خود شیطان کی گمراہی سے محفوظ رہتا ہے اور نہ وہ دوسروں کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔

(۲۰) وَعَنِ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهِ كَمَقْلَدِ الْخَنَازِيرِ الْجَوْهَرِ وَاللُّؤْلُؤِ وَالذَّهَبِ زَوَّاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَوَّى الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ إِلَى قَوْلِهِ مُسْلِمٍ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ مُتَنَبِّهٌ مَشْهُورٌ وَاسْنَادُهُ ضَعِيفٌ وَقَدْ زَوَّى مِنْ أََوْجِهِ كُلِّهَا ضَعِيفٌ۔

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور نا اہل کو علم سکھانا ایسا ہے جیسے کوئی شخص سور کے گلے میں جواہرات، موتیوں اور سونے کا ہار ڈال دے۔ (ابن ماجہ) اور بیہقی نے اس روایت کو شعب الایمان میں لفظ ”مسلم“ تک نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا متن مشہور ہے اور اسناد ضعیف ہیں اور یہ حدیث مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے اور وہ سب ضعیف ہیں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے علم کی اہمیت و عظمت اور اس کی ضرورت واضح ہوتی ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ انسان جس مقصد کے لئے خلیفہ اللہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہے وہ بغیر علم کے پورا نہیں ہو سکتا۔ انسان بغیر علم کے نہ خدا کی ذات کو پہنچاتا ہے اور نہ اسے اپنی حقیقت کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ یہاں علم سے مراد ”علم دین“ ہے جس کی ضرورت زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ میں پڑتی ہے، مثلاً جب آدمی مسلمان ہوتا ہے یا احساں و شعور کی منزل کو پہنچتا ہے تو اسے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت حاصل کرے اور عرفان الہی کی مقدس روشنی سے قلب و دماغ کی ہر ظلمت و بھڑکی کو ختم کرے۔ اسی طرح رسول کی نبوت و رسالت کا جاننا ایسی چیزوں کا علم حاصل کرنا جن پر ایمان و اسلام کی بنیاد ہے اس کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

پھر جب عملی زندگی سے اسے واسطہ پڑتا ہے تو اسے ضرورت ہوتی ہے کہ اعمال کے احکام کا علم ہو۔ یعنی جب نماز کا وقت آئے گا تو اس پر نماز کے احکام و مسائل سیکھنا واجب ہوگا۔ جب رمضان آئے گا تو روزے کے احکام معلوم کرنا اس کے لئے ضروری ہوگا۔ اگر خدا نے اسے مالی وسعت دی ہے اور صاحب نصاب ہے تو زکوٰۃ کے مسائل جاننا ضروری ہوگا، جب شادی کی تو بیوی کو گھر میں لایا تو حیض و نفاس کے مسائل طلاق وغیرہ اور ایسی چیزیں جن کا تعلق میاں بیوی کی باہمی زندگی اور ان کے تعلقات سے ہے ان کا علم حاصل کرنا واجب ہوگا۔

اسی طرح تجارت و زراعت اور خرید و فروخت کے احکام و مسائل سیکھنا بھی واجب ہوگا گو بیاز زندگی کا کوئی شعبہ ہو خواہ اعتقادات ہوں یا عبادات، معاملات ہوں یا تعلقات، تمام چیزوں کی بصیرت حاصل کرنا اور ان کو جاننا سیکھنا اس پر فرض ہوگا، اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کی وجہ سے وہ ہر جگہ حدود شریعت سے تجاوز کرتا رہے گا اور دینی احکام و مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر اس کا ہر فعل و عمل خلاف شریعت ہوگا جس کی وجہ سے وہ سخت گناہ گار ہوگا۔

بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں علم سے مراد علم اخلاص اور آفات نفس کی معرفت ہے۔ یعنی ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ نفس کی تمام برائیوں مثلاً حسد، بغض، کینہ اور کدورت کو پہنچائیں اور ان چیزوں کا علم حاصل کریں جو اعمال خیر کو فاسد کرتی ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم کی مقدس روشنی تو انھیں کے نصیب میں ہوتی ہے جو اس کے اہل ہوتے ہیں اور جن کی صلاحیت طبع کا میلان اس طرف ہوتا ہے نیز جس کی جتنی استعداد و صلاحیت ہوتی ہے اسے علم سے اتنا ہی حصہ ملتا ہے۔ لہذا علم سکھانے میں اس بات کا خیال بطور خاص رکھنا چاہئے کہ جس کی جتنی استعداد ہو اور وہ جس معیار کی صلاحیت رکھتا ہو اسی اعتبار سے اسے علم سکھایا جائے۔ یہ نہ ہونا چاہئے کہ کسی شخص کی استعداد و صلاحیت تو انتہائی کم درجہ کی ہے مگر علم اسے انتہائی اعلیٰ و ارفع سکھایا جا رہا ہو اسی طرح ہر علم کے سکھانے کا موقع و محل ہوتا ہے۔ جو علم جس موقع پر ضروری ہو اور جس علم کا جو محل ہو اس کے مطابق سکھایا جائے۔ مثلاً اگر کوئی شخص عوام اور جہلاء کے سامنے یکبارگی تصوف کے اسرار و معانی اور اس کی باریکیاں بیان کرنے لگے تو انھیں اس سے فائدہ ہونا تو الگ رہا اور زیادہ گمراہ ہو جائیں گے۔

(۲۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مَنْ أَقْبَحَ حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا

فَقْهٌ فِي الدِّينِ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ دو خصلتیں ایسی ہیں جو منافق میں جمع نہیں ہوتیں۔ ایک تو خلق نیک

دوسری دینی سمجھ۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں اس بات کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ یہ دو صف چونکہ ایسے ہیں جو مخلص مومن ہی کا حصہ ہیں اس لئے ہر

مسلمان کو چاہئے کہ وہ دونوں خصلتوں کو اپنے اندر پیدا کر دے یعنی نیک عادتیں، اچھے اخلاق اور بہترین اوصاف کے جوہر اپنے اندر سمونے اور علم حاصل کر کے دینی سمجھ پیدا کرے۔

علامہ تور بشتیؒ فرماتے ہیں کہ ثقہ فی الدین یعنی دینی سمجھ کی حقیقت یہ ہے کہ دل میں دین کی معرفت جاگزیں ہو پھر زبان سے اس کا اظہار ہو اور اس کے مطابق عمل کرے جس کے سبب سے خوف خدا اور تقویٰ حاصل ہو۔

(۲۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى يَرْجِعَ۔

(رواہ الترمذی والدارمی)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص گھر سے علم حاصل کرنے کے لئے نکلا تو وہ جب تک کہ (گھر) واپس نہ آجائے خدا کی راہ میں ہے۔“ (ترمذی، دارمی)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر ماں باپ کی محبت و شفقت سے منہ پھیر کر اور اپنے گھریلو تمام راحتیں ترک کر کے علم دین حاصل کرنے کے لئے اپنے وطن و شہر سے نکلتا ہے خواہ وہ علم فرض عین ہو یا فرض کفایہ یعنی ضرورت و حاجت سے زیادہ، تو وہ طالب علم مجاہد فی سبیل اللہ کے مرتبہ کا ہوتا ہے جو ثوابِ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کو ہوتا ہے وہی ثواب اس طالب کو بھی ملتا ہے، اس لئے کہ جس طرح ایک مجاہد سر پر کفن باندھ کر محض اس جذبہ سے میدانِ جنگ میں پہنچتا ہے کہ وہ خدا کے دین کو سر بلند کرے اور خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے نام کا بول بالا کرے اسی طرح طالب علم محض اس مقصد کے لئے علم دین حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے تاکہ وہ اپنے نفس کی تمام خواہشات کو ختم کر کے اور کس نفسی اختیار کر کے علم الہی کی مقدس روشنی سے ظلم و جہل کی تمام تاریکیوں کو دور کر دے، خدا کے دین کو تمام عالم میں پھیلانے اور شیطان کے مکر و فریب سے لوگوں کو محفوظ رکھ کر شیطان کو ذلیل و خوار کرے۔ لہذا یہ جب تک علم حاصل کر کے اپنے گھر واپس نہیں آجاتا برابر میدانِ جہاد کا ثواب حاصل کرتا رہتا ہے۔

پھر اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جب طالب علم حصولِ علم سے فارغ ہو کر اپنے گھر واپس آجاتا ہے تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ اور درجہ پاتا ہے کیونکہ جب وہ تعلیم کو مکمل کر کے لوٹتا ہے تو دنیا میں علم و معرفت کی روشنی پھیلانے، لوگوں کو تعلیم دینے اور انسانی زندگی کو علم و عمل سے کامل کرنے کے لئے ایک مصلح اور معلم کی حیثیت میں آتا ہے جس کی وجہ سے وہ وارثِ انبیاء کے معزز و مقدس لقب سے نوازا جاتا ہے۔

(۲۳) وَعَنْ سَخْبَرَةَ الْأَزْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضَى رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ ضَعِيفٌ الْإِسْنَادُ وَأَبُو دَاوُدَ الرَّاوِي يُضَعِّفُ۔

”اور حضرت سخرہؒ ازدیؒ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص علم طلب کرتا ہے تو وہ اس کے گزرے ہوئے (صغیرہ) گناہوں کے لئے کفارہ ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی ابو داؤد (روایتِ حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔“

(۲۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ يَسْمَعُهُ حَتَّى يَكُونَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابوسعید خدریؒ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ مومن بھلائی (یعنی علم) سے سیر نہیں ہوتا وہ اس کو سنتا (یعنی حاصل کرتا) ہے یہاں تک کہ اس کی انتہا جنت ہوتی ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: طلبِ علم، ایمان کا خاصہ ہے چونکہ ایمان نور ہی نور ہے اس لئے وہ علم کو جو نور الہی ہے پوری طرح سے اپنے اندر جذب کر لینا چاہتا

ہے۔ اسی لئے فرمایا جا رہا ہے کہ جب انسان کا قلب و دماغ ایمان کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے تو وہ علم و معرفت کے نور سے انسانی معراج کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ جاتا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مؤمن کا پیٹ علم سے کبھی نہیں بھرتا وہ جوں جوں علم کی بلندیوں پر پہنچتا رہتا ہے اس کی خواہش و تمنا بیکری رہتی ہے کہ وہ اس منزل کی آخری حدود تک پہنچ جائے اگرچہ علم کا میدان چونکہ اتنا وسیع ہے کہ اگر انسان اپنی بڑی سے بڑی زندگی کے ساتھ بھی ایک لمحہ گزارے بغیر اس میں دوڑتا رہے تو وہ اس کی انتہائی حدود کو نہیں پہنچ سکتا، مگر اس کے باوجود مؤمن تمام عمر علم کی تلاش میں رہتا ہے اور وہ عمر کے آخری حصے تک علم کے دامن کو چھوڑنا نہیں چاہتا یہاں تک کہ اس کی زندگی اپنے مقررہ وقت پر آکر ختم ہو جاتی ہے اور وہ علم اس صادق طلب اور بچی دھن کے عوض جس میں وہ زندگی بھر مصروف رہا جنت کی ابدی سعادتوں سے نوازا جاتا ہے۔

در حقیقت اس حدیث میں طالب علم اور اہل علم کے لئے بڑی عظیم بشارت ہے کہ یہ لوگ اس دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوتے ہیں اور رضائے مولیٰ سے ان کا دامن پر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر اہل اللہ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک حصول علم میں منہمک رہے ہیں باوجودیکہ ان کی علمی فضیلت و عظمت انتہائی درجہ کی ہوتی تھی مگر وہ اس سعادت کے حصول کی خاطر طلب علم میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔

اس سلسلہ میں اتنی بات بھی ذہن میں رکھ لینی چاہئے کہ علم کا دائرہ بہت وسیع ہے اور یہ اپنے بہت سے گوشوں پر حاوی ہے اس لئے وہ حضرات جو تصنیف و تالیف اور تعلیم و تعلم میں مشغول رہتے ہیں وہ بھی دراصل طالب علم میں ہی مشغول ہوتے ہیں اس لئے ان کو بھی طلب علم اور تکمیل علم کا ثواب ملتا ہے اور وہ اسی زمرہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

(۲۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّلَ عَنْ عِلْمٍ عِلْمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أَلْجَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَلْجَأُ مِنْ نَارٍ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ - (درواہ ابن ماجہ عن انس)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی گئی جو اسے معلوم تھی مگر اس نے چھپایا (یعنی بتایا نہیں) تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں ایسے عالم کے بارے میں وعید بیان کی جا رہی ہے جو دینی باتیں معلوم ہونے کے باوجود لوگوں کو نہیں بتاتا اور مسائل کو جواب نہیں دیتا۔ مگر یہ وعید ایسے علم کے بارے میں ہے جس کی تعلیم ضروری اور واجب ہو۔ مثلاً کوئی شخص اسلام لانے کا ارادہ کرے اور کسی عالم سے کہے کہ اسلامی تعلیمات سے مجھے آگاہ کرو اور بتاؤ کہ اسلام کیا چیز ہے یا وہ نماز کے وقت عالم سے پوچھتا ہے کہ نماز کے جو احکام و مسائل ہیں ان سے مجھے آگاہ کرو، یا کسی حلال و حرام چیز کا کوئی فتویٰ معلوم کرنا چاہتا ہے تو ان سب چیزوں کا جواب دینا اور جہاں تک اسے معلوم ہوں صحیح صحیح بات بتانا عالم کے لئے ضروری اور واجب ہے۔ البتہ نوافل و مباح چیزوں کے بارے میں یہ حکم نہیں ہوگا۔

(۲۶) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِجَارِي بِهِ الْعُلَمَاءُ أَوْ لِشِمَارِي بِهِ الشُّفَهَاءُ أَوْ لِصُرْفٍ بِهِ وَخُجُوهِ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ -

”اور حضرت کعب ابن مالکؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے علم کو اس غرض سے حاصل کیا کہ اس کے ذریعے علماء پر فخر کرے، یوقوفوں سے جھگڑے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: علم اپنی لطافت اور نورانیت کے سبب ریاکاری، خود نمائی، غرور و تکبر اور بے جا فخر و مباہات کی غلاطیوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ جب علم کی اولین کرن یہی چاہتی ہے کہ وہ انسان کے دل و دماغ سے ظلم و جہل کی ہر تاریکی کو دور کر دے تو یہ کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے کہ ایک عالم جس کے دماغ میں علم کی مقدس روشنی بھری ہو، ان غیر اسلامی و غیر اخلاقی چیزوں کا مظاہرہ کرے۔ علم کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک انسان تہذیب و شرافت اور تعلیم و ترقی کی انتہائی بلندیوں پر ہونے کے باوجود بھی سراپا انکسار متواضع بنائے رہے، ریاکاری و خود نمائی سے الگ رہے اور اخلاق و احسان کی زندگی اختیار کئے رہے۔

اس لئے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی علم محض دنیوی منفعت اور ذاتی وجاہت و عزت کی خاطر حاصل کرتا ہے۔ اگر اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ علم حاصل کرنے کے بعد لوگ ہماری طرف متوجہ ہوں، عوام پر اپنی علم دانی کا سکھ جما کر ان سے مال و دولت حاصل کیا جائے علم کو دنیا کے کاروبار اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے آلہ کار بنایا جائے اور نہ صرف یہ بلکہ علم حاصل کرنے کے بعد وہ علماء حق کے ساتھ غرور و تکبر کا معاملہ کرتا ہے، جاہلوں سے خواہ مخواہ الجھتا رہتا ہے، لوگوں کے سامنے بے جا فخر و مباہات کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تو ایسے عالم کو کان کھول کر سن لینا چاہئے کہ چاہے وہ دنیاوی اعتبار سے اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائے اور تقدیر الہی اس کی خواہشات اور اغراض کی تکمیل کر دے مگر آخرت میں اس کی نیت کے اس کھوٹ کی وجہ سے اس سے سخت باز پرس ہوگی وہاں نہ اس کا علم کام آئے گا اور نہ اس کی سیادت و وجاہت بلکہ اس کو اس عدم اخلاص کی سزا بایں طور بھگتنی ہوگی کہ اسے جہنم کے شعلوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔

ہاں، ایسا شخص جو پہلے اپنی نیت میں مخلص تھا، اس کے ارادہ میں کسی قسم کا کوئی کھوٹ نہیں تھا اور اس کا مقصد حاصل کرنے سے محض اعلاء کلمۃ اللہ اور رضائے مولیٰ تھا مگر بعد میں بتقصاے فطرت و انسانی جبلت اس کی نیت میں کھوٹ پیدا ہو گیا اور اس میں نمود و نمائش اور ریاکاری کا اثر ہو گیا تو وہ اس حکم میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ اس معاملہ میں بہر حال وہ معذور ہے۔

(۲۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يَنْتَفَعِي بِهِ وَجَهَ اللَّهُ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي رِيحَهَا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس نے اس علم کو جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کی جاتی ہے، اس غرض سے سیکھا کہ وہ اس کے ذریعہ دنیا کی متاع حاصل کرے تو قیامت کے دن سے اسے جنت کی خوشبو بھی میسر نہیں ہوگی۔“

(احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: جو کوئی علم دین محض اس لئے حاصل کرے کہ اس کے ذریعہ دنیا کی دولت و عزت سمیٹے اور اسے حصول دنیا کے لئے وسیلہ بنائے تو اس کے لئے یہ وعید بیان فرمائی جا رہی ہے۔

ہاں اگر علم دینی نہ ہو دنیاوی ہو تو اس کو اس مقصد کے لئے کہ اسے حصول دنیا کے لئے وسیلہ اور ذریعہ معاش بنالیا جائے گا حاصل کرنا کوئی برا نہیں ہے لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ وہ علم ایسا نہ ہو جس کے حصول کو شریعت درست قرار نہیں دیتی۔ مثلاً علم نجوم وغیرہ یا دوسرے ایسے علوم جو عقیدہ و عمل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں یہ کہنا کہ ایسا عالم جس کی نیت حصول علم کے سلسلہ میں خالص اللہ نہ ہو اسے جنت کی خوشبو بھی میسر نہیں آئے گی، یہ کنایہ ہے، بہشت میں عدم دخول سے اور مبالغہ ہے محرومی جنت میں اور اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص مخلص اور مقرب بندوں کے ہمراہ، بغیر عذاب کے جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(۲۸) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَاتِي فَحَفِظَهَا وَوَعَاَهَا وَأَذَاهَا قُرْبَ حَامِلٍ فَقِيهِ غَيْرَ فَقِيهِ وَرَبِّ حَامِلٍ فَقِيهِ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ۔ ثَلَاثٌ لَا يَغُلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ، اخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلَّهِ وَالنَّصِيحَةُ لِلْمُسْلِمِينَ وَلِزُورِهِمْ جَمَاعَتِهِمْ فَإِنْ دَعَوْتَهُمْ تَحِيَّظٌ مِنْ وَرَائِهِمْ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَابْنُ هُبَيْرٍ فِي

الْمَدْخَلُ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ إِلَّا أَنَّ التِّرْمِذِيَّ وَأَبَا دَاوُدَ لَمْ يَذْكُرَا ثَلَاثَ لَا يَغْلُ عَلَيْهِنَ إِلَى آخِرِهِ۔

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس بندہ کو تازہ رکھے (یعنی اس کی قدر و منزلت بہت کافی ہو اور اسے دین و دنیا کی خوشی و مسرت کے ساتھ رکھے) جس نے میری کوئی بات سنی اور اسے یاد رکھا اور ہمیشہ یاد رکھا اور اس کو جیسا سنا ہو ہو لوگوں تک پہنچایا۔ کیونکہ بعض حاملِ فقہ (یعنی علمِ دین کے حامل) فقیہ (یعنی سمجھ دار) نہیں ہوتے اور بعض حاملِ فقہ ان لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ (سمجھ دار) ہوتے ہیں۔ اور تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا۔ ایک تو عملِ خاص طور پر خدا کے لئے کرنا، دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنا اور تیسرے مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا۔ اس لئے کہ جماعت کی دعا ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔“ (شافعی، بیہقی، ردِ مغل)

تشریح: مطلب یہ کہ حدیث کو محفوظ اور یاد رکھنے والے بعض تو ایسے ہوتے ہیں جو خود زیادہ سمجھ دار نہیں ہوتے اور بعض سمجھ رکھتے ہیں لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ جس کے سامنے حدیث بیان کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ سمجھ رکھتا ہے لہذا چاہئے کہ حدیث جس طرح سنی جائے اسی طرح دوسروں تک اسے پہنچایا جائے تاکہ جس کو حدیث پہنچائی جا رہی ہے اور جس کے سامنے بیان کی جا رہی ہے وہ حدیث کا مطلب بخوبی سمجھ لے۔ اس حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ راویان حدیث کو چاہئے کہ وہ حدیث کو جن الفاظ میں سنیں بعینہ انہیں الفاظ میں نقل کریں۔

”یَعْلُ“ اگر یاء کے زبر اور غین کے زیر کے ساتھ ہو تو اس کے معنی حقد یعنی کینہ کے ہوتے ہیں اور اگر یاء کے پیش اور غین کے زیر کے ساتھ ہو یا حرفِ یاء کے زبر اور غین کے پیش کے ساتھ ہو تو اس کے معنی خیانت کے ہو جاتے ہیں چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ مؤمن ان تین چیزوں میں خیانت نہیں کرتا یعنی مؤمن کے اندر یہ تینوں چیزیں ضرور پائی جاتی ہیں اور جب مؤمن سے یہ تینوں اعمال صادر ہوتے ہیں تو اس میں کینہ داخل نہیں ہوتا کہ وہ اسے ان چیزوں سے منحرف کر دے۔

”خلوص عمل“ کا مطلب اور اس کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ بندہ جو عمل کرے وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضاء کے لئے کرے۔ اس کے علاوہ اس کا مقصد کوئی دوسرا نہ ہو، نہ کوئی دنیوی غرض ہو اور نہ کوئی اخروی منفعت صرف رضائے مولا ہی سامنے ہو اور وہی حاصل مقصد پھر اس میں بھی دو درجے ہو جاتے ہیں۔ عام لوگوں کا جو خلوص عمل ہوتا ہے وہ خاص یعنی اہل اللہ کے خلوص عمل سے کمتر درجہ کا ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی ریاضت و مجاہدہ اور تعلق مع اللہ کی بنا پر خلوص کی انتہائی بلندیوں تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کا طریقہ یہ ہے کہ حق المقدور اپنے دوسرے بھائیوں کو خیر و بھلائی کی نصیحت کرتا رہے اور انھیں سیدھی راہ پر لگانے کی کوشش کرتا رہے، نیز نیادی اعتبار سے ان کی امداد و اعانت کرے اور ان کی ہر مشکل میں خبر گیری رکھے۔

”مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے“ کے معنی یہ ہیں کہ زندگی کے ہر مرحلہ پر اجتماعیت کے اصول پر کاربند رہے اور اپنے آپ کو کبھی انفرادیت کی راہ پر نہ ڈالے، علماء دین اور علمائے اُمت کے متفقہ عقائد صحیحہ اور اعمالِ صالحہ کی موافقت کرتا رہے اور ان کے ساتھ رہے۔ مثلاً نماز جمعہ اور جماعت وغیرہ میں ان لوگوں کے ہمراہ رہ کر اجتماعیت کو فروغ دے تاکہ اسلامی طاقت و قوت میں بھی اضافہ ہو اور رحمتِ خداوندی کے نزول کا سبب بھی ہو کیونکہ جماعت پر خدا کی رحمت ہوتی ہے۔

لفظ مِنْ وَرَائِهِمْ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں میم کے زیر کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں زبر کے ساتھ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کے لئے جماعت کو مسلمانوں کی دعا گھیرے ہوئے ہے جس کی بنا پر وہ شیطان کی گمراہی سے بچتے ہیں۔ اس میں اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ جو کوئی علمائے دین اور صلحاء اُمت کی جماعت سے اپنے آپ کو الگ کر لیتا ہے اس کو نہ جماعت کی برکت میسر ہوتی ہے اور نہ مسلمانوں کی دعا حاصل ہوتی ہے۔

(۲۹) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ نَصَرَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَلَبَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ قَرِيبُ مُبْلَغٍ أَوْ عَى لَهُ مِنْ سَامِعٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ۔

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تازہ رکھے (یعنی خوش اور باعزت رکھے) جس نے مجھ سے کوئی بات سنی اور جس طرح سی تھی اسی طرح اس کو پہنچا دیا چنانچہ اکثر وہ لوگ جنہیں پہنچا دیا جاتا ہے سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ (ترمذی ابن ماجہ) اور دارمی نے اس حدیث کو ابو داؤد سے روایت کیا ہے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ کی مقدس احادیث کو سننا، ان کے احکام پر عمل کرنا اور ان احادیث کو دوسرے لوگوں تک پہنچانا سعادت و برکت اور دین و دنیا میں فلاح و کامیابی کا ذریعہ ہے اس پر پوری اُمت کا عقیدہ و ایمان ہے کہ احادیثِ نبویؐ کی تعلیم و تعلم دونوں جہان کی خوش نصیبی اور رضائے الہی کا سبب ہے لیکن اس کے باوجود علماء لکھتے ہیں کہ اگر حدیث کے حاصل کرنے، اس کے یاد رکھنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے میں اگر بغرض محال کوئی فائدہ نہ ہوتا تو احادیث کی عظمت و رفعت کی بنا پر دین و دنیا دونوں جگہ حصول برکت و رحمت کے لئے آنحضرت ﷺ کی یہ مقدس دعائی کافی ہوتی۔

(۳۰) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الْحَدِيثَ عَنِّي إِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَجَابِرٍ وَلَمْ يَذْكُرْ اتَّقُوا الْحَدِيثَ عَنِّي إِلَّا مَا عَلِمْتُمْ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میری جانب سے حدیث بیان کرنے سے بچو مگر اس حدیث کو بیان کرو جسے تم (بج) جانو۔ چنانچہ جس شخص نے (جان کر) مجھ پر جھوٹ بولا اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔ (ترمذی) اور ابن ماجہؓ نے اس حدیث کو ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے اور (حدیث کے پہلے جزء) میری جانب سے حدیث بیان کرنے سے بچو جسے تم جانو کا ذکر نہیں کیا ہے۔“

تشریح: مقصد یہ ہے کہ حدیث کے بیان کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے اور جس حدیث کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو کہ واقعی یہ حدیث آپ ﷺ ہی کی ہے اسے لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے۔ انہی احادیث کو بیان کرنا چاہئے جن کے بارے میں یقین یا ظن غالب کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ وہ آپ ﷺ ہی کی حدیث ہے تاکہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کی طرف غلط حدیث کی نسبت نہ ہو اور نہ آپ ﷺ کی جانب جھوٹ بات کا انتساب ہو جس پر خدا کی جانب سے سخت عذاب کی قید ہے۔

(۳۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بَرَأَيْهِ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بَغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے قرآن کے اندر اپنی عقل سے کچھ کہا اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا آگ میں تلاش کرے اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جس شخص نے بغیر علم کے قرآن میں کچھ کہا اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔“ (ترمذی)

تشریح: جس طرح حدیث بیان کرنے میں احتیاط سے کام لینے کی ہدایت کی گئی ہے اسی طرح قرآن کا ترجمہ کرنے اور اس کی تفسیر بیان کرنے کے بارے میں بھی اسی احتیاط سے کام لینے کی ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ آیات کی وہی تفسیر بیان کی جائے جو احادیث سے ثابت اور علماء اُمت سے منقول ہوا ہو اور جس پر نقلاً سند موجود ہو۔ یہ نہ ہونا چاہئے کہ آیتوں کی تفسیر اور ان کے مطالب و مقاصد بیان کرنے میں اپنی عقل اور رائے کو دخل دیا جائے کیونکہ اس طرح قرآن کے معنی و مفہوم میں فرق پیدا ہو جاتا ہے جو عذابِ خداوندی کا موجب ہے۔

(۳۱) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ۔

(رواہ الترمذی والبوداؤد)

”اور حضرت جندبؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور وہ حقیقت و واقع کے مطابق بھی ہو تو اس نے تب بھی غلطی کی۔“ (ترمذی و ابوداؤد)

تشریح: یعنی کسی شخص نے قرآن کی کسی آیت کی ایسی تفسیر بیان کی جو نہ تو احادیث سے ثابت تھی اور نہ علمائے اُمت سے منقول بلکہ محض اپنی عقل و رائے پر بھروسہ کر کے آیت کی تفسیر بیان کر دی مگر اتفاق سے اس کی بیان کردہ تفسیر صحیح اور حقیقت و واقعہ کے بالکل مطابق ہوئی کہ اس سے آیت کے معنی و مطالب میں کوئی غلطی نہیں ہوئی تو اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ بھی اس نے غلطی کی کیونکہ تفسیر کو صحیح ہوئی مگر چونکہ اس نے قصداً اپنی عقل اور رائے کو قرآن کی تفسیر میں دخل دیا اور تفسیر کا جو شرعی قاعدہ و طریقہ ہے اس سے انحراف کیا اس لئے وہ بھی خطا کار کے حکم میں شامل کیا جائے گا۔ مجتہد کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ اگر مجتہد اپنے اجتہاد میں غلطی بھی کر جائے تو اس پر نہ صرف یہ کہ کوئی مواخذہ نہیں بلکہ اسے ثواب بھی ملتا ہے۔

”تفسیر“ اسے کہتے ہیں کہ آیت کے جو معنی و مطالب بیان کئے جائیں اس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ آیت کی مراد اور اس کا حقیقی مطلب یہی ہے اور یہ بات سوائے اہل تفسیر کی نقل کے جس کی سند آنحضرت ﷺ تک پہنچی ہو درست نہیں ہے یعنی ایسا یقین اور اطمینان اسی تفسیر پر صحیح ہو گا جو اجلہ علماء اور مستند مفسرین سے منقول ہو کیونکہ انھوں نے وہی معنی و مطالب بیان کئے ہیں جو براہ راست سرکارِ دو عالم ﷺ سے منقول ہیں اور جو واسطہ بالواسطہ ان تک پہنچے ہیں۔

”تاویل“ اسے کہتے ہیں کہ کسی آیت کے معنی و مطالب بیان کرتے ہوئے بطریق احتمال کے یہ کہا جائے کہ میں جو معنی بیان کر رہا ہوں اور آیت کی جو تفسیر کر رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ مراد اصلی یہی ہو۔ یہ چیز درست اور صحیح ہے لیکن یہ بھی جب ہی صحیح ہوگی کہ بیان کردہ تفسیر قواعد عربی اور شرع کے مطابق ہو۔

(۳۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِمْرَاءُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ۔ (رواہ ابوداؤد و احمد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قرآن میں جھگڑنا کفر ہے۔“ (احمد و ابوداؤد)

تشریح: ان لوگوں کا دائرہ کفر کے قریب کر دیا گیا ہے جو قرآن کے معنی و مطالب اور مقاصد و مراد کے تعین میں جھگڑتے رہتے ہیں اور جس کی عقل میں جو آتا ہے اس کو حق اور صحیح سمجھتے ہوئے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نیز ایسے کم فہم لوگوں کو جب ظاہری طور پر قرآن کی آیتوں میں معنی و مقصد کے لحاظ سے فرق نظر آتا ہے تو وہ ان میں سے ایک آیت کو ناقابل اعتناء، ناقابل قبول اور ناقابل استشہاد قرار دے کر دوسری آیت کو راجح قرار دے دیتے ہیں۔ گویا اس طرح وہ قرآن ہی کی ایک آیت سے دوسری آیت کو ساقط کر دیتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایسا کرنا شرعی نقطہ نظر سے انتہائی جرم ہے بلکہ ایسی شکل میں جبکہ دو آیتوں میں باہم اختلاف و تضاد نظر آئے تو حق الامکان دونوں میں تطابق اور توافق پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر کسی کے لئے یہ ممکن نہ ہو تو اسے یہ اعتقاد کر لینا چاہئے کہ یہ میری کم علمی اور بد فہمی کی بنا پر ہے اور حقیقی مفہوم و مراد کا علم اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سونپ دے کہ وہی بہتر جانے والے ہیں۔

مثلاً اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ خیر اور شر سب خدا ہی کی جانب سے ہے اور وہ اپنے اس عقیدہ کی بنیاد اس آیت پر رکھتے ہیں کہ ارشادِ ربانی ہے۔

اے آپ کا ام گرامی جندب ابن عبد اللہ ابن سفیان بجلی غلطی ہے حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ اور زید کے حامیوں میں جو جنگ چل رہی تھی اس وقت یہ حیات تھے اس فتنہ کے چار دن بعد آپ کا انتقال ہوا ہے۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ۔

”یعنی (اے محمد ﷺ) فرمادیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔“

اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ اور ان کی دلیل بالکل صحیح اور صاف واضح ہے۔ لیکن اہل قدر اس کی تردید کرتے ہیں اور اس کے برخلاف اپنا عقیدہ یہ قائم کئے ہوئے ہیں کہ خیر کا خالق خدا ہے اور شر کا خالق خدا نہیں ہے اور شر کا خالق خود انسان ہے اور اپنے عقیدہ کی بنیاد اس آیت پر رکھتے ہیں جو بظاہر پہلی آیت کے متضاد ہے یعنی ارشادِ باری ہے۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ۔

”جو کچھ از قسم نیکی تمہیں پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ از قسم برائی تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی جانب سے ہے۔“

بہر حال اس قسم کے اختلافات اور آیتوں میں تضاد پیدا کرنا منع ہے بلکہ یہ چاہئے کہ اس قسم کی آیتوں میں ایسی آیت پر عمل کیا جائے جس پر مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہو اور دوسری آیت میں ایسی تاویل کی جائے جو شرع کے مطابق ہو، جیسا کہ انھیں دونوں مذکورہ بالا آیت میں دیکھا جائے کہ پہلی آیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ خیر و شر تمام اللہ ہی کی جانب سے ہے اور ہر چیز تقدیر الہی کے مطابق ہی ہوتی ہے اس پر عمل کیا جائے۔

اور دوسری آیت کی یہ تاویل کی جائے کہ دراصل اس آیت کا تعلق ماقبل کی آیت سے ہے کہ اس میں منافقین کی برائی اور ان کا عقیدہ بیان کیا جا رہا ہے کہ ان منافقوں کو کیا ہوا ہے جو کہ اس چیز کو جو صحیح اور واضح ہے نہیں سمجھتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ نیکی و بھلائی تو خدا کی طرف سے ہے اور برائی خود بندہ کے نفس کی جانب سے ہے۔ گویا اس طرح دونوں آیتوں میں تطبیق ہو جائے گی۔ اس طرح دیگر آیتوں میں بھی مطابقت پیدا کی جائے۔

(۳۲) وَعَنْ عُمَرَو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا يَتَذَارَوْنَ فِي الْقُرْآنِ فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهَذَا۔ ضَرَبُوا كِتَابَ اللَّهِ بَعْضُهُ بَبَعْضٍ وَإِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللَّهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا فَلَا تُكَذِّبُوا بَعْضُهُ بَبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُولُوا وَمَا جَهِلْتُمْ فَكَلِمَةُ إِلَى عَالِمِهِ۔ (رواہ احمد وابن ماجہ)

”حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک جماعت کے بارے میں سنا کہ وہ آپس میں قرآن کے بارے میں بحث کر رہے ہیں اور جھگڑ رہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تم سے پہلے کے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے انھوں نے کتاب اللہ کے بعض حصہ کو بعض پر مارا (یعنی آیات میں تضاد اور اختلاف ثابت کیا کہ فلاں آیت فلاں آیت کے مخالف ہے اور یہ آیت فلاں آیت کے مخالف ہے) اور بے شک کتاب اللہ کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرتا ہے لہذا تم قرآن کے بعض حصہ کو بعض سے نہ جھٹلاؤ، اور اس کے بارے میں جتنا تم جانتے ہو اس کو بیان کرو اور جو نہیں جانتے ہو اسے جاننے والوں کی طرف سونپ دو۔“ (احمد وابن ماجہ)

تشریح: جیسا کہ اس سے پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ جن لوگوں کا علم ناقص ہوتا ہے اور جن کے ایمان و عقیدہ میں کمزوری اور ذہن و فکر میں کمی ہوتی ہے وہ آیات میں باہم اختلاف پیدا کرتے رہتے ہیں اور آیت کے حقیقی مفہوم و مراد سے ہٹ کر ان کے ناقص ذہن و فکر میں جو مفہوم آتا ہے اسے بیان کرتے ہیں اور پھر اسی طرز پر اپنے نظریات و اعتقادات کی بنیاد بھی رکھ دیتے ہیں جس کی مثال ماقبل کی حدیث میں بیان کی جا چکی ہے۔

اس کے بارے میں یہاں بھی فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں کچھ آیتوں میں اختلاف نظر آئے تو ان میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ

ساقط نہ کرو اور نہ اس کی تکذیب کرو بلکہ جہاں تک تمہارا علم مدد کر سکے ان میں تطبیق پیدا کرو، اگر ایسا نہ کر سکو تو پھر تم بجائے اس کے کہ اس میں اپنی عقل و سمجھ کے تیر چلاؤ اس کے حقیقی معنی و مفہوم کا علم اللہ اور اللہ کے رسول کی جانب سوئپ دو، یا پھر ایسے علماء و صلحاء جو علم کے اعتبار سے تم سے اعلیٰ و افضل ہوں اور تم پر فوقیت رکھتے ہیں ان سے رجوع کرو۔

(۳۵) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْزَلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْزَفٍ لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهَرٌ وَبَظَنٌ وَلِكُلِّ حَدِّ مَظْلَعٌ - (رواہ فی شرح السنۃ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قرآن کریم سات طرح پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے ہر آیت ظاہر ہے اور باطن ہے، اور ہر حد کے واسطے ایک جگہ خبردار ہونے کی ہے۔“ (شرح السنۃ)

تشریح: دنیا کی ہر زبان میں فصاحت و بلاغت اور لب و لہجہ کے اعتبار سے مختلف اسلوب اور مختلف لغات ہوتی ہیں۔ اسی طرح عربی زبان کی بھی سات لغات عرب میں مشہور تھیں، اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ قرآن کریم سات طرح یعنی سات لغات پر نازل ہوا ہے۔ اس سات لغات کی تفصیل اس طرح ہے۔ لغت قریش، لغت طے، لغت ہوازن، لغت اہل یمن، لغت ثقیف، لغت ہذیل اور لغت بنی تمیم۔

قرآن کریم سب سے پہلے قریش کی لغت کے مطابق نازل ہوا تھا جو سرکارِ دو عالم ﷺ کی لغت تھی لیکن جب تمام عرب میں اس لغت کے مطابق قرآن کا پڑھا جانا اس لئے دشوار و مشکل ہوا کہ ہر قبیلہ اور ہر قوم کی اپنی ایک مستقل لغت اور زبان کے لب و لہجہ کا الگ الگ انداز تھا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے بارگاہ الوہیت میں درخواست پیش کی کہ اس سلسلہ میں وسعت بخشی جائے تو حکم دے دیا گیا کہ ہر شخص قرآن کو اپنی لغت کے مطابق پڑھ سکتا ہے چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ تک اسی طرح چلتا رہا اور لوگ اپنی اپنی لغت کے اعتبار سے قرآن پڑھتے رہے۔

لیکن جب حضرت عثمانؓ نے کلام اللہ کو جمع کیا اور اس کی کتابت کر کر اسلامی سلطنت کے ہر خطہ میں اسے بھیجا تو انہوں نے اسی لغت کو مستقل قرار دیا جس پر حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم اور حضرت عمر فاروقؓ کے مشورہ سے قرآن کو جمع کیا تھا اور وہ لغت قریش تھی، حضرت عثمانؓ نے یہ حکم بھی فرمایا کہ تمام لغات منسوخ کر دی جائیں صرف اسی ایک لغت کو باقی رکھا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے حکم کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ قرآن صرف ایک لغت میں جمع ہو گیا جس سے دنیا کے ہر خطہ کے لوگوں کے لئے آسانیاں ہو گئیں بلکہ اس کی وجہ سے ایک بڑے فتنہ کی جڑ بھی ختم کر دی گئی اور فتنہ یہ تھا کہ لغات کے اختلافات کی وجہ سے مسلمان آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے تھے اور نوبت بایںجا رسید کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنی لغت کے خلاف قرآن پڑھتا دیکھتا تو یہ سمجھ کر کہ صرف میرے قبیلہ ہی کی لغت صحیح ہے اسے کافر کہہ دیا کرتا تھا، چنانچہ لغت قریش کے علاوہ جس پر قرآن نازل ہوا تھا بقیہ تمام لغات ختم کر دی گئیں اور اگر کوئی لغت باقی بھی رہی تو وہی رہی جس پر صحابہ کا اتفاق رہا اور جو سند متصل اور توابع کے ساتھ آخر میں قراء سبعہ تک پہنچی اس کے علاوہ لغت میں مکرر یعنی مالہ و ادغام وغیرہ کا اختلاف بھی باقی رہا جو آج تک قراء سبعہ میں موجود ہے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ قرآن سات طرح پر نازل ہوا ہے تو سات طرح سے مراد وہ سات قراءتیں ہیں جو قراء سبعہ پڑھتے ہیں، پھر علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگرچہ قراءتیں سات سے زیادہ ہیں لیکن یہاں سات کی تحدید اس لئے کی گئی ہے کہ اختلاف کی بھی سات ہی قسمیں ہیں جن کی طرف یہ سات قراءتیں راجع ہیں۔ جیسے ① کلمہ کی ذات میں اختلاف یعنی کلمہ میں کمی و زیادتی میں۔ ② جمع اور مفرد کا اختلاف ③ مذکر اور مؤنث کا اختلاف ④ صریح اختلاف یعنی تخفیف و تشدید اور فتح و کسر وغیرہ کا اختلاف جیسے میت جمع اور میت مفرد کا اختلاف ⑤ اعراب کا اختلاف ⑥ حروف کا اختلاف جیسے لکِن الشَّيْطَانِ میں نون کی تشدید اور تخفیف ⑦ اداسگی لغات کا اختلاف جیسے تفخیم اور امالہ وغیرہ۔

حدیث کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ ہر آیت کا ظاہر ہے اور باطن ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر آیت کے ایک ظاہری معنی ہیں جو تمام اہل زبان سمجھتے ہیں اور ایک باطنی معنی ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے وہی بندگان خاص سمجھتے ہیں جن کے قلب و دماغ معرفت کی روشنی سے بھرپور ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا گیا ہے کہ ہر حد کے واسطے ایک جگہ خبردار ہونے کی ہے حد کے معنی طرف اور نہایت کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر ایک ظاہر اور باطن کی ایک حد اور نہایت ہے اور حد و نہایت کے لئے ایک مطلع یعنی ایسا مقام ہے جس پر پہنچنے اور اس کے حاصل کرنے کے بعد آدمی اس حد اور نہایت پر مطلع ہوتا ہے۔

چنانچہ ظاہر کا مطلع یعنی وہ مقام جس پر پہنچ کر حد اور نہایت معلوم ہوتی ہے، یہ ہے کہ عربی زبان اور اس کے اصول و قواعد سیکھے جائیں، علم صرف و نحو حاصل کیا جائے کہ قرآن کے ظاہری معنی انہیں سے متعلق ہیں، نیز ہر آیت کا شان نزول اور ناخ و منسوخ کا علم حاصل کرے، یا اسی طرح وہ دوسری چیزیں ہیں جن پر قرآن کے ظاہری معنی کے سمجھنے کا انحصار ہے۔

باطن کا مطلع یہ ہے کہ ریاضت و مجاہدہ کیا جائے، قرآن کے ظاہری معنی اور ان کے احکام کا اتباع اور ان پر عمل کیا جائے نفس کو تمام برائی اور گناہ و محصیت سے پاک و صاف کیا جائے دل کو عبادت خداوندی اور رضائے الہی کے نور سے جلا بخشی جائے وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے حصول کے بعد قرآن کے باطنی علوم اور اس کے اصرار و معارف کا قلب انسان پر انکشاف ہوتا ہے۔

امام محی السنۃ نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ حدیث کے الفاظ ”ظہر“ سے مراد قرآن کے الفاظ ہیں اور ”بطن“ سے مراد الفاظ کی تاویل ہے۔ ”مطلع“ سے مراد فہم یعنی وہ سمجھ ہے جس کی وجہ سے قرآن کے اندر غور و فکر کرنے والے پر قرآن کے جن علوم و معنی اور تاویل کا انکشاف ہوتا ہے وہ دوسروں پر نہیں ہوتا۔

(۳۶) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْعَلُّمُ ثَلَاثَةٌ أَيْةٌ مُحْكَمَةٌ أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ أَوْ فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَا كَانَ سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ۔ (رواہ ابو داؤد وابن ماجہ)

”حضرت عبد اللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ علم تین ہیں ① آیت محکم (یعنی مضبوط)۔ ② سنت قائمہ ③ فریضہ عادلہ۔ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زائد ہے۔“ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دین کے علم تین ہیں، یا یہ کہ علم دین کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ ”آیت محکم“ وہ آیتیں ہیں جو مضبوط اور غیر منسوخ ہیں، اس سے کتاب اللہ کی طرف اشارہ ہے جو کہ اصل قرآن آیات محکمات ہی ہیں اس لئے یہاں صرف انھیں کو ذکر کیا گیا ہے اور وہ دوسرے علوم جو اس کے لئے وسیلہ ہیں وہ بھی اس کے ساتھ متعلق ہیں۔ ”سنت قائمہ“ یعنی وہ حدیث جو متن اور اسناد کی مخالفت کے ساتھ ثابت ہیں۔

”فریضہ عادلہ“ سے اشارہ ہے قیاس اور اجماع کی طرف جو کتاب و سنت سے مستنبط ہوتا ہے۔ اس کو فریضہ اس لئے کہا گیا ہے قیاس و اجماع پر بھی عمل کرنا اسی طرح واجب ہے جس طرح کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ پر چنانچہ ”عادلہ“ کے معنی ہی یہ ہیں کہ ایسا فریضہ جو کتاب و سنت کے مثل اور عدیل ہے۔

بہر حال حدیث کی توضیح یہ ہوئی کہ دین کے اصول چار ہیں جس پر دین و شریعت کی پوری بنیاد ہے۔ ① کتاب یعنی قرآن مجید ② سنت یعنی احادیث ③ اجماع ④ قیاس اور اس کے علاوہ جو بھی علم ہو گا وہ زائد اور دینی حیثیت سے بے معنی ہو گا۔

(۳۷) وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْصُ إِلَّا أَمِيرٌ أَوْ مَا هُوَ أَوْ مُخْتَلٌ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ وَفِي رِوَايَةٍ أَوْ مَرَأً بَدَلًا أَوْ مُخْتَلًا۔

”اور حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ راوی ہیں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تین آدمی قصہ بیان کریں گے، حاکم یا محکوم یا تکبر کرنے والا۔ اور داریؓ نے اس حدیث کو عمرو بن شعیبؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے اور داریؓ کی روایت میں لفظ ”مختال“ یعنی تکبر کرنے والا کی بجائے ”او مرأ“ (یا ریا کار) ہے۔“

تشریح: قصہ بیان کرنے سے مراد وعظ و نصیحت کرنا اور حکایات و قصص بیان کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وعظ و تقریر عموماً تین آدمی کرتے ہیں ان میں سے دو حق پر ہیں یعنی حاکم و محکوم۔ ان ہی لوگوں کو وعظ بیان کرنا چاہئے۔ تیسرا شخص متکبر ہے اس کو وعظ نہیں کہنا چاہئے کیونکہ وہ وعظ کہنے کا اہل نہیں ہے۔

گویا حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ وعظ کہنا اول تو امیر یعنی حاکم کا حق ہے کیونکہ وہ رعیت پر سب سے زیادہ مہربان ہوتا ہے۔ اور رعایا کی اصلاح کے امور کو بخوبی جانتا ہے۔ اگر حاکم خود وعظ نہ کہے تو علماء میں سے جو عالم تقویٰ و تقدس میں سب سے افضل و اعلیٰ ہو اور دنیاوی طمع نہ رکھتا ہو، وہ اسے مقرر کرے گا تاکہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا رہے، لہذا ”مامور“ سے مراد ایک تو وہ عالم ہو گا جس کو حاکم وقت نے رعایا کی اصلاح کے لئے مقرر کیا ہو یا مامور سے مراد دوسرا وہ شخص ہے جو منجانب اللہ مخلوق کی ہدایت اور اصلاح کے لئے مامور کیا گیا ہو، جیسے علماء اور اولیاء اللہ جو لوگوں کے سامنے وعظ بیان کیا کرتے ہیں اور مخلوق خدا کی اصلاح و ہدایت میں لگے رہتے ہیں۔ لہذا اس حدیث سے ایسے لوگوں پر زبرد تو بیخ مقصود ہے جو طلب جاہ اور دولت کی خاطر وعظ بیان کیا کرتے ہیں حالانکہ نہ وہ علمی حیثیت سے اس عظیم منصب کے اہل ہوتے ہیں اور نہ عملی طور پر وہ اس قائل ہوتے ہیں کہ لوگوں کی اصلاح کر سکیں۔ وعظ بیان کرنا صرف انہی دو آدمیوں کا حصہ ہے اور یہی اس کے مستحق اور اہل ہیں۔ ان کے علاوہ جو وعظ بیان کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ ازراہ فخر و تکبر اور حصول جاہ و منفعت کی خاطر یہ کام کر رہا ہے جو عذاب خداوندی کا باعث ہے۔

(۲۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ اِثْمُهُ عَلَى مَنْ اَفْتَاهُ وَمَنْ اَشَارَ عَلَيَّ اَحِبُّهُ بِأَمْرٍ يَتَعَلَّمُ اَنْ الرُّشْدَ فِي غَيْرِهِ فَقَدْ خَانَهُ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا ہو گا تو اس کا گناہ اس شخص پر ہو گا جس نے اس کو (غلط) فتویٰ دیا ہے اور جس شخص نے اپنے بھائی کو کسی ایسے کام کے بارے میں مشورہ دیا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ اس کی بھلائی اس میں نہیں ہے تو اس نے خیانت کی۔“ (ابو داؤد)

تشریح: مثلاً ایک جاہل آدمی کسی عالم کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آیا عالم نے سائل کو اس کے سوال کا صحیح جواب نہیں دیا بلکہ کم علمی یا کسی دوسری وجہ سے غلط مسئلہ بتا دیا۔ اس جاہل نے یہ نہ جانتے ہوئے کہ یہ مسئلہ غلط ہے۔ اس پر عمل کر لیا تو اس کا گناہ اس جاہل آدمی پر نہیں ہو گا بلکہ اس عالم پر ہو گا جس نے اسے غلط مسئلہ بتا کر غلط عمل کرنے پر مجبور کیا لیکن شرط یہ ہے کہ عالم نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی ہو۔

حدیث کے دوسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے کسی بھائی کی بدخواہی اس طرح چاہی کہ اسے اس چیز کا مشورہ دیا جس کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ اس کی بھلائی اس میں نہیں ہے بلکہ دوسرے امر میں ہے تو یہ اس کی خیانت ہے وہ اپنے غیر اخلاقی و غیر شرعی عمل کی بنا پر خائن کہلائے گا۔

(۳۹) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْاَغْلُوْطَاتِ۔ (رواہ ابو داؤد)

امام گرامی عوف بن مالک اشجعیؓ ہے کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔ بعض حضرات نے ابو حماد اور بعض نے عمرو بھی لکھا ہے۔ دمشق میں ۷۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔ (اسد الغابہ)

”اور حضرت امیر معاویہؓ کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مغالطہ دینے سے منع فرمایا ہے۔“ (البوداؤد)

تشریح: اس ارشاد کا مقصد اس چیز پر تنبیہ ہے کہ علماء سے ایسے مسائل نہ پوچھے جائیں جو مشکل اور پیچیدہ ہونے کی وجہ سے انھیں مغالطہ میں ڈال دیں یا جن سے مسائل کا مقصد ہی علماء کو پریشان کرنا اور ان کو مغالطہ میں ڈالنا ہو اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض حضرات جن کے قلب و دماغ علماء کی عزت و عظمت سے خالی ہوتے ہیں وہ انھیں آزمائش میں ڈالنے یا لوگوں کے سامنے ان کی ہتک کرانے کے لئے ان کے سامنے ایسے مسائل بنانا کر پیش کرتے ہیں جن میں وہ چکر جاتے ہیں اور مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ابتداءً ایسا سوال کیا تو یہ حرام ہے کیونکہ اس سے ایک مؤمن کی اذیہ رسانی اور ذہنی تکلیف کا سامان فراہم ہوتا ہے، نیز یہ فتنہ و فساد اور عداوت و نفرت کا سبب ہے، دوسرے یہ کہ ایسے مواقع پر ازراہ فخر و تکبر اپنی فضیلت و قابلیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں حرام ہیں۔

لیکن اگر ایسی شکل ہے کہ دوسرے نے اس سے ایسا سوال کیا اور اس نے اس کے جواب میں الزام ایسا ہی سوال کیا تو یہ حرام نہیں ہے۔

(۳۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِصَ وَالْقُرْآنَ وَعَلِّمُوا النَّاسَ فَإِنِّي مُقْبِلٌ ضَرْفٌ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم فرائض (یعنی فرض چیزیں یا علم فرائض) اور قرآن کریم سکھ لو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ اس لئے کہ میں قبض کیا جاؤں گا (یعنی اس عالم سے اٹھایا جاؤں گا)۔“ (ترمذی)

(۳۱) وَعَنْ أَبِي الدُّدَّا قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَخَّصَ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ هَذَا أَوَانٌ يُخْتَلَسُ فِيهِ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتَّى لَا يَقْدِرُوا مِنْهُ عَلَى شَيْءٍ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو دودہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ آپ ﷺ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا۔ یہ وقت ہے کہ علم آدمیوں میں سے جاتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ علم کے ذریعہ کسی چیز پر قدرت نہ رکھیں گے۔“ (ترمذی)

تشریح: یہاں علم سے مراد وحی ہے اور اشارہ ہے اپنی وفات کی طرف یعنی آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی گویا آپ ﷺ وحی کے منظر تھے۔ چنانچہ بارگاہ الوہیت سے وحی نازل ہوئی اور خبر دے دی گئی کہ اب آپ ﷺ کی اجل آگئی ہے اور آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو کر واصل حق ہونے والے ہیں اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ وقت آگیا ہے کہ اس دنیا سے وحی منقطع ہو جائے گی۔

(۳۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَوَاهُ يَزِيدُ بْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ جَمَاعَةٍ قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ أَنَّهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَمِثْلُهُ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَقَالَ اسْحَقُ بْنُ مُوسَى وَسَمِعْتُ ابْنَ عُيَيْنَةَ أَنَّهُ قَالَ هُوَ الْعُمَرِيُّ الرَّاهِدُ وَاسْمُهُ عَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت منقول ہے کہ وہ زمانہ قریب ہے جبکہ لوگ علم حاصل کرنے کے لئے اونٹوں کے جگر کو پھاڑ ڈالیں گے لیکن مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی کو نہیں پائیں گے۔ (ترمذی) اور جامع ترمذی میں ابن عیینہؒ سے منقول ہے کہ مدینہ کے وہ عالم مالک ابن انسؒ ہیں اور عبدالرزاق نے بھی یہی لکھا ہے اور اسحق ابن موسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے ابن عیینہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مدینہ کا وہ عالم عمری زاہد ہے (یعنی وہ حضرت عمر فاروقؓ کے خاندان سے ہے جن کا نام عبدالعزیز بن عبداللہ ہے)۔“ (ترمذی)

تشریح: ”روایت منقول“ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے تو یہ حدیث آنحضرت ﷺ سے مرفوعاً ہی روایت کی ہے۔ لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد کو حضرت ابو ہریرہؓ کے الفاظ چونکہ یاد نہیں رہے اس لئے انھوں نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا۔

”اونٹوں کے جگر کو پھاڑنے“ کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگوں کے درمیان علم کا چرچہ بڑھے گا اور حصول علم کا شوق افزوں ہوگا تو لوگ دور دراز کا سفر کریں گے اور علم کی خاطر دنیا بھر کی خاک چھانٹے پھریں گے، یا یہ کہ در علم تک جلد پہنچ جانے کے لئے اونٹوں کو تیزی سے چلائیں گے اور تیز گامی کے ساتھ علم کی منزل مقصود تک پہنچیں گے۔

حدیث کے الفاظ کے مصداق میں کلام ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ مدینہ کے عالم سے زیادہ کوئی بڑا عالم نہیں ملے گا تو مدینہ کے عالم سے کون مراد ہے؟

حضرت سفیان بن عیینہ جو حضرت امام مالکؒ کے اصحاب اور حضرت امام شافعیؒ کے شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے مراد حضرت امام مالکؒ کی ذات محترمہ ہے۔ اسی طرح حضرت عبدالرزاق جو حدیث کے جلیل القدر اور مشہور امام ہیں یہی فرماتے ہیں کہ حدیث میں جس ”عالم مدینہ“ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد حضرت امام مالکؒ ہی ہیں۔

لیکن حضرت ابن عیینہ کے ایک شاگرد حضرت اسحق بن موسیٰؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عیینہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”عالم مدینہ سے مراد حضرت عمری زاہد ہیں۔“ جن کا ام گرامی عبدالعزیز بن عبداللہ ہے۔ چونکہ یہ حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں اس لئے عمری کہا جاتا ہے اور ”زاہد“ ان کی صفت ہے اس لئے کہ یہ اپنے زمانہ میں مدینہ کے ایک جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے پائے کے زاہد و متقی شخص تھے ان کا نسب اس طرح ہے۔ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمرو بن حفص بن عامر بن عمر فاروقؓ۔

بہر حال امام ترمذیؒ نے یحییٰ کے واسطے سے ابن عیینہ کا جو قول نقل کیا ہے وہ اس قول کے مخالف ہے جو ابن عیینہ سے اسحق بن موسیٰ نقل کرتے ہیں اس طرح حضرت ابن عیینہ کے اقوال میں اختلاف ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے عیینہ سے جو قول نقل کیا ہے، وہ باعتبار ظن کے ہے یقینی اور حتمی طور پر ان لوگوں نے نقل نہیں کیا ہے۔

یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد صحابہ اور تابعین کے دور کے اعتبار سے ہے کہ ان کے زمانوں میں مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی دوسری جگہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ صحابہ اور تابعین کے بعد جب علم کی مقدس روشنی مدینہ سے نکل کر اطرافِ عالم میں پھیلی تو اس کے نتیجہ میں دیگر ممالک اور دوسرے شہروں میں ایسے ایسے عالم و فاضل پیدا ہوئے جو اپنے علم و فضل اور دینی فہم و فراست کے اعتبار سے مدینہ کے عالموں سے بڑھے ہوئے تھے۔

اس حدیث کے ظاہری معنی جو ارشادِ نبوی ﷺ سے زیادہ قریب اور انسب ہیں یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا مقصد اس ارشاد سے اس بات کی خبر دینا ہے کہ آخر زمانہ میں علم اپنی وسعت و فراخی کے باوجود صرف مدینہ منورہ میں منحصر ہو جائے گا جیسا کہ دیگر احادیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۴) وَعَنْهُ فِيمَا أَعْلَمَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ

مِائَةِ سَنَةٍ مِنْ تَحْدِثٍ لَهَا دِينَهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس امت کے نفع کے واسطے ہر سو برس پر ایک شخص کو بھیجتا ہے جو اس کے دین کو تازہ کرتا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اکثر علماء نے اس حدیث سے یہ مفہوم مراد لیا ہے کہ ہر زمانہ میں امت کے اندر اپنے علم و فضل کے اعتبار سے سب میں ممتاز ایک ایسا شخص موجود ہوتا ہے جو دین کو نکھارتا اور تجدید کرتا ہے جسے مجدد کہا جاتا ہے۔ مجدد اپنے زمانہ میں دین کے اندر ہر پید اہونے والی برائی اور خرابی کو دور کرتا ہے۔ بدعت اور رجم و رواج کے جو گہرے پردے دین کی حقیقت پر پڑ جاتے ہیں وہ اپنے علم و معرفت کی قوت سے محض چاک کرتا ہے اور امت کے سامنے پورے دین کو نکھار کر اور صاف و ستھرا کر کے اس کی اپنی اصلی شکل میں پیش کر دیتا ہے۔

چنانچہ بعض حضرات نے یقین بھی کیا ہے کہ فلاں صدی میں فلاں مجدد پیدا ہوا تھا اور فلاں صدی میں فلاں مجدد موجود تھا۔ بعض علماء نے حدیث کے معنی کو عمومیت پر محمول کیا ہے، یعنی خواہ دین کی تجدید کرنے والا کوئی ایک شخص واحد ہو خواہ کوئی جماعت ہو جو دین میں پیدا کی گئی برائیوں اور خرابیوں کو ختم کرے۔

(۴۳) وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْمَلُ هَذَا الْعِلْمُ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُدُولُهُ يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْعَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَسَنَدُ كَثْرَ حَدِيثِ جَابِرٍ فَإِنَّمَا شَفَاءُ الْعَمَى السُّؤَالُ فِي بَابِ التَّيَمُّمِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى - (رواہ)

”اور حضرت ابراہیم بن عبد الرحمن عذری راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہر آئندہ آنے والی جماعت میں سے اس کے نیک (یعنی ثقہ اور محمدی لوگ اس علم (کتاب و سنت) کو حاصل کریں گے اور وہی لوگ اس (علم) کے ذریعہ (آیات و احادیث میں) حد سے گزرنے والوں کی تحریف کو باطلوں کی افتراء پر دازی کو اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کریں گے، (اس حدیث کو یحییٰ نے اپنی کتاب ”مدخل“ میں حدیث بقیہ بن ولید سے نقل کیا ہے اور انھوں نے معان بن مرفاعہ سے اور انھوں نے ابراہیم بن عبد الرحمن عذری سے نقل کیا ہے) اور حضرت جابرؓ کی روایت (جس کی ابتداء یہ ہے) فانما شفاء العی السؤل (باب تیمم میں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ)۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۴۵) عَنِ الْحَسَنِ مَوْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُخْبِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْتُهُ وَبَيْنَ التَّيْتَيْنِ ذَرْجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ - (رواہ الدارمی)

”حضرت حسن بصریؒ سے بطریق مرسل روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص کی موت اس حال میں آئے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو اور (وہ علم) اس غرض سے (حاصل کر رہا ہو) کہ وہ اس کے ذریعہ اسلام کو رائج کرے گا تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کافرق ہو گا اور وہ مرتبہ نبوت ہے۔“ (دارمی)

(۴۶) وَعَنْهُ مَوْسَلًا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي بَيْتِ إِسْرَائِيلَ أَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ، وَالْآخَرُ يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ أَتَيْهُمَا أَفْضَلُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ هَذَا الْعَالِمِ الَّذِي يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ كَفَضْلِي عَلَى أَذْنَاكُم - (رواہ الدارمی)

”اور حضرت حسن بصریؒ سے بطریق مرسل روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کے بارے میں سوال کیا گیا، ان میں سے ایک تو عالم تھا جو فرض نماز پڑھتا تھا پھر بیٹھ کر لوگوں کو علم سکھاتا تھا۔ اور دوسرا شخص وہ تھا جو دن کو تو روزے رکھتا تھا اور تمام رات عبادت کیا کرتا تھا (چنانچہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا) کہ ان دونوں میں بہتر کون ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اس عالم کو جو فرض نماز پڑھتا ہے اور بیٹھ کر لوگوں کو علم سکھاتا ہے اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات میں عبادت کرتا ہے ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی کہ مجھے تمہارے میں سے ایک ادنیٰ آدمی پر فضیلت حاصل ہے۔“ (دارمی)

تشریح: بنی اسرائیل کے مذکورہ دونوں عالم یوں تو اپنے علم و فضل کے اعتبار سے ہم مرتبہ تھے مگر فرق یہ تھا کہ ایک عالم نے تو اپنی زندگی کا

مقصد صرف عبادت خداوندی بنالیا تھا چنانچہ وہ دن رات ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہا کرتا تھا بندگان خدا کی اصلاح و تعلیم سے اسے غرض نہیں تھی، مگر دوسرا عالم فرض عبادت بھی پوری طرح ادا کرتا تھا اور اپنے اوقات کا لقیہ حصہ لوگوں کی اصلاح و تعلیم میں بھی صرف کیا کرتا تھا۔ لہذا دونوں میں افضل اسی شخص کو قرار دیا گیا ہے جو خود بھی اپنے علم پر عمل کرتا تھا اور دوسروں کو بھی علم سکھا کر انھیں راہ ہدایت پر لگاتا تھا۔

(۳۷) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ رِزْوَنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعَمَ الرَّجُلُ الْفَقِيهُ فِي الدِّينِ إِنْ اخْتَبَعَ إِلَيْهِ نَفْعٌ وَإِنْ اسْتَفْنَى عَنْهُ نَفْسُهُ۔ (رواہ رزین)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بہتر شخص وہ ہے جو دین کی سمجھ رکھتا ہو۔ اگر اس کے پاس کوئی حاجت لائی گئی تو اس نے نفع پہنچایا اور اگر اس سے بے پروائی برتی گئی تو اس نے بھی اپنے نفس کو بے پرواہ رکھا۔“ (رزین)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک عالم کی یہ شان ہونی چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو لوگوں کا محتاج کر کے اپنی حیثیت کو کم تر نہ کرے، نیز غلط اغراض و مقاصد کی خاطر عوام کی مصاحبت کی طرف میلان نہ رکھے اور نہ ان سے کسی دنیاوی غرض منافع کی قطع کرے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ اپنے آپ کو عوام سے بالکل بے تعلق کر لیا جائے اور اپنے علم سے مخلوق خدا کو محروم رکھا جائے۔ بلکہ اگر عوام دینی ضروریات کے سلسلے میں صرف اسی کے محتاج ہوں اور اس کے علاوہ کسی دوسرے عالم کے نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کا رجوع اس کی طرف ہو تو اس چاہئے کہ وہ لوگوں کے درمیان جائے اور ان کی دینی و اسلامی ضروریات کو پورا کرے انہیں نفع پہنچائے۔ ہاں اگر عوام خود اس سے لاپرواہی برتیں کہ نہ انھیں اس سے فائدہ اٹھانے کی خواہش ہو اور نہ وہ اس کے محتاج ہوں تو چاہئے کہ وہ بھی ان سے بے پروائی برتے اور ان سے ترک تعلق کر کے اپنے اوقات کو عبادت خداوندی میں مشغول رکھے یا پھر خدمتِ علم دین کی خاطر دینی کتابوں کے مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں مہمک ہو کر اس ذریعہ سے علم کی روشنی پھیلائے۔

(۳۸) وَعَنْ عِكْرَمَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَ النَّاسَ كُلُّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ آيَتْ فَمَرَّتَيْنِ فَإِنْ أَكْثَرَتْ فَثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلَا تُمِلُّ النَّاسَ هَذَا الْقُرْآنَ وَلَا أُنْفَيْتَكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيثَهُمْ فَتَمْلِكُهُمْ وَلَكِنْ أَنْصِتْ فَإِذَا أَمْرُكَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ يَسْتَهْوُونَ وَالنَّاسُ السَّجْعُ مِنَ الدَّعَاءِ فَاجْتَنِبْهُ فَإِنِّي عَهَدْتُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ لَا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے عکرمہؓ سے فرمایا۔ تم ہر جمعہ کو ایک بار لوگوں کے سامنے حدیث بیان کرو۔ اگر اسے قبول نہ کرو (یعنی ہفتہ میں ایک بار وعظ و نصیحت کو کافی نہ جانتو تو ہفتہ میں دو بار اور بہت کرو تو) ہفتہ میں تین بار وعظ و نصیحت کر سکتے ہو) اور تم لوگوں کو اس قرآن سے تنگ نہ کرو (یعنی ہفتہ میں تین بار سے زیادہ وعظ و نصیحت بیان کر کے لوگوں کو ملول نہ کرو) اور میں تمہیں اس حالت میں نہ پاؤں کہ تم کسی قوم کے پاس جاؤ اور وہ اپنی باتوں میں مشغول ہوں اور تم ان کی باتوں کو منقطع کر کے ان کے سامنے وعظ و نصیحت شروع کر دو اور (اس طرح) تم ان کو کبیدہ خاطر کرو۔ ایسے موقع پر تمہیں چاہئے کہ تم خاموش رہو البتہ وہ اگر تم سے وعظ و نصیحت کی فرمائش کریں تو جب تک اس کے خواہش مند ہوں تم ان کے سامنے حدیث بیان کرو اور تم دعائیں متقی عبارت سے صرف نظر کرو اور اس سے بچو، چنانچہ میں نے معلوم کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے (یعنی دعائیں متقی عبارت استعمال نہیں کرتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: جیسا کہ پچھلے صفات میں گزر چکا ہے اس حدیث میں بھی اسی پر زور دیا جا رہا ہے کہ وعظ و نصیحت کے معاملہ میں اعتدال اور موقع و ماحول کی رعایت ضروری ہے اور اثر اندازی کے اعتبار سے دعوت و تبلیغ کا یہ بنیادی پتھر ہے جس پر تبلیغ کی کامیابی کا پورا دار و مدار ہے۔

اس سلسلہ میں خاص طور پر یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر کچھ لوگ کسی بات چیت اور آپس کی گفتگو میں مشغول ہوں تو ایسے موقع پر پہنچ کر وعظ و نصیحت شروع نہیں کر دینی چاہئے، چاہے ان کی بات چیت دنیاوی امور سے متعلق ہو یا دینی باتوں پر مشتمل ہو۔ اگر وہ دین کی بات میں مشغول ہیں تو ظاہر ہے کہ بدرجہ اولیٰ ان کی بات کو منقطع کرنا اور اس میں خلل انداز ہونا خواہ وہ تبلیغ ہی کی خاطر کیوں نہ ہو مناسب نہیں ہوگا۔ اگر بات چیت کا موضوع خالص دنیا بھی ہو تو ایسا کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ جب ایک آدمی اپنی کسی ضروری گفتگو میں مشغول ہو اور وہاں پہنچ کر وعظ و نصیحت شروع کر دی جائے تو گفتگو میں خلل پڑنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ وہ بتقصائے بشریت اسے گوارہ نہ کرے اور وہ ایسے موقع پر قرآن و حدیث کی باتیں سننا پسند نہ کرے جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ خواہ مخواہ گناہ میں مبتلا ہو گا بلکہ اس کے قلب پر دین کی عظمت و اہمیت کا نقش بھی قائم نہ ہوگا۔

ہاں اگر مصلحت کا تقاضا ہی یہ ہو کہ انھیں اس گفتگو سے باز رکھا جائے تو پھر ایسا انداز اور طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس سے انھیں ناگواری بھی نہ ہو اور وہ اس کلام و گفتگو سے رک بھی جائیں، غرض کہ نظر مصلحت ضرورت وقت پر رکھنی چاہئے۔

یہی جہاں تک ابن عباسؓ کے قول کا تعلق ہے اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ ان کا عکرمہؓ کو حکم دینا اکثر کے اعتبار سے تھا یعنی یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ اکثر و بیشتر لوگ محض دنیاوی باتوں ہی میں مشغول رہا کرتے تھے۔

”دعائیں متقی عبارت“ کا مطلب یہ ہے کہ دعا تاثیر کے اعتبار سے وہی بہتر ہوتی ہے جو بغیر تصنع و بناوٹ کے سیدھی سادھی ہو اور دل کی گہرائیوں سے نکلی ہو۔ اس لئے دعا کی عبارت کو شعر و شاعری کا رنگ دینا، الفاظ میں قافیہ اور تکلف نہیں کرنا چاہئے۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی ان دعاؤں پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ جو متقی و سبوح ثابت ہیں اور جن میں قافیہ بندی بھی ہے۔ اس لئے یہ چیزیں تو آنحضرت ﷺ سے بے تکلف اور از خود صادر ہوتی تھیں ان میں آپ ﷺ کے تکلف اور کوشش کو دخل نہیں ہوتا تھا۔

(۴۹) وَعَنْ وَائِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَأَذْرَكَ كَأَنَّهُ كَيْفَلَانٍ مِنَ الْأَجْرِ فَإِنَّ لَمْ يَذْرِكْهُ كَانَ لَهُ كَيْفَلٌ مِنَ الْأَجْرِ۔ (رواہ الدارمی)

”حضرت وائلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص علم کا طالب ہو اور اسے علم حاصل بھی ہو گیا تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا اور اگر اسے علم حاصل نہ ہو تو اس کو ایک حصہ ثواب ملے گا۔“ (دارمی)

تشریح: دو ثواب اس طرح ملیں گے کہ ایک ثواب تو طلب علم اور اس کی مشقت و محنت کا ہو گا جو اس نے حصول علم کے سلسلے میں اٹھائی ہیں اور دوسرا ثواب علم کے حاصل ہونے کا اور پھر دوسروں کو علم سکھانے کا ہو گا یا دوسرا ثواب عمل کا ہو گا جو اس نے علم پر کیا ہے۔ ہاں اس شخص کو جسے اس کی طلب اور کوشش کے باوجود علم حاصل نہیں ہوا صرف ایک ثواب اس کی محنت و مشقت ہی کا ملے گا۔

بہر حال اتنی بات تو طے ہے کہ بہر تقدیر طلب علم میں لگے رہنا چاہئے۔ اگر علم حاصل ہو گیا تو نور علی نور کہ اسے دو، دو ثواب ملیں گے اور اگر علم حاصل نہ ہوا تو یہی کیا کم ہے کہ طلب علم میں مرجانا بھی سعادت ہے۔

گرچہ نہ تو اس بد دست رہ برون شرط یاری ست در طلب مردن

(۵۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنُ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ وَ وَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ أَوْ مُصْحَفًا وَرَثَتُهُ أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ يَنْشَأُ لِابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صَحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ تَلَحُّقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ۔ (رواہ ابن ماجہ و الترمذی فی شعب الایمان)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ مؤمن کو اس کے جس عمل یا جن نیکیوں کا مرنے کے بعد ثواب پہنچتا ہے اس میں ایک تو علم ہے جس کو اس نے سکھنا اور رواج دیا تھا، دوسرے نیک اولاد ہے جس کو اپنے بعد چھوڑا۔ تیسرے قرآن ہے جو

دارتوں کے لئے چھوڑا ہو۔ چوتھے مسجد ہے جس کو اپنی زندگی میں بنالیا گیا ہو، پانچویں مسافر خانہ ہے جس کو اس نے تعمیر کیا ہو، چھٹے نہر ہے جس کو اس نے جاری کیا ہے اور ساتویں وہ خیرات ہے جس کو اس نے اپنی تندرستی اور زندگی میں اپنے مال سے نکالا ہو، ان تمام چیزوں کا ثواب اس کے مرنے کے بعد اس کو پہنچتا ہے۔“ (ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح: قرآن کے حکم میں شرعی کتابیں بھی داخل ہیں، اس طرح مسجد کے حکم میں علماء کے قائم کردہ مدرسے اور خانقاہیں جو ذکر اللہ و تزکیہ نفس کے لئے ہوں شامل ہیں یعنی ان سب کا ثواب بھی مرنے کے بعد برابر پہنچتا رہتا ہے۔

(۵۱) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ أَوْحَى إِلَيَّ أَنَّهُ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكًا فِي طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهُ طَرِيقَ الْجَنَّةِ وَمَنْ سَلَكَ كَرِيمَتِيهِ اثْبَتُهُ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ وَفَضَّلْتُ فِي عِلْمٍ خَيْرٌ مِنْ فَضْلِ فِي عِبَادَةٍ وَمَلَكَ الدِّينِ الْوَرَعَ - (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

”حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی (خفی) بھیجی ہے کہ جو طلب علم کے لئے راستہ اختیار کرے تو میں اس پر جنت کے راستے کو آسان کر دوں گا اور جس شخص کی میں نے دونوں آنکھیں چھین لی ہوں (یعنی کوئی شخص نابینا ہو گیا ہو) تو اس دنیاوی نعمت سے محرومی اور اس پر صبر و شکر کی بناء پر میں اس کا بدلہ اسے جنت دوں گا اور علم کے اندر زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے اور دین کی جڑ پر ہیز گاری ہے۔“ (بیہقی)

تشریح: ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص علم دین کے حصول کے لئے کسی راستہ کو اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کی راہ آسان کر دے گا یعنی دنیا میں معرفت و حقیقت کی دولت سے نوازا جائے گا اور عبادتِ خداوندی کی توفیق عنایت فرمائی جائے گی تاکہ وہ اس کے سبب جنت میں داخل ہو سکے، یا اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسے شخص پر آخرت میں جنت کے دروازے کا راستہ اور جنت میں جو محل اہل علم کے لئے مخصوص ہے اس کی راہ آسان کر دی جائے گی۔

گو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں علم کی جو راہ ہے وہی آخرت میں جنت کی بھی راہ ہے اور علم کے دروازوں کے علاوہ جنت کی تمام راہیں بند ہیں یعنی بغیر علم کے جنت میں داخل ہونا مشکل ہے مگر شرط یہی ہے کہ علم خلوص نیت اور للہیت کے جذبہ سے حاصل کیا گیا ہو اور پھر اس عمل کی توفیق بھی ہوتی ہو ورنہ علم بغیر خلوص اور بغیر عمل کے کوئی حقیقت نہیں رکھے گا اور اس کا مصداق ہو گا کہ ص

چار پایہ بروکتا بے چند

آخر حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دین کی اصل اور جڑ و روع (یعنی پرہیز گاری) ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حرام، منکرات اور طمع سے بچنا چاہئے تاکہ عبادات میں ریا اور عدم اخلاص پیدا نہ ہو۔

(۵۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَدَارُسُ الْعِلْمُ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ إِحْيَائِهَا - (رواہ الدارمی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ رات میں تھوڑی دیر علم کا درس دنیا کی تمام رات کو زندہ رکھنے سے بہتر ہے۔“ (دارمی)

تشریح: یعنی تمام رات نماز پڑھنے اور عبادتِ خداوندی میں مشغول رہنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ تھوڑی دیر تک آپس میں تعلیم و معلم اور درس و تدریس کا مشغلہ رکھا جائے اسی حکم میں حصول مقصد کے لئے علم کا لکھنا یعنی تصنیف و تالیف اور دینی و علمی کتابوں کا مطالعہ کرنا بھی داخل ہے۔

(۵۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِي مَسْجِدِهِ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلَى خَيْرٍ وَ أَحَدُهُمَا أَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهِ أَمَّا هَؤُلَاءِ فَيَدْعُونَ اللَّهَ وَيَزْعُمُونَ إِلَيْهِ فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَأَمَّا

هَؤُلَاءِ فَيَتعَلَّمُونَ الْفِقْهَ أَوِ الْعِلْمَ وَيَعَلِّمُونَ الْجَاهِلَ فَهُمْ أَفْضَلُ وَإِنَّمَا يُعْثُ مُعَلِّمَانِمْ جَلَسَ فِيهِمْ - (رواہ الداری)

”اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ کا گزر دو مجلسوں پر ہوا، جو مسجد نبویؐ میں منعقد تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ دونوں بھلائی پر ہیں لیکن ان میں سے ایک (نیکی میں) دوسرے سے بہتر ہے۔ ایک جماعت عبادت میں مصروف ہے، خدا سے دعا کر رہی ہے اور اس سے اپنی رغبت کا اظہار کر رہی ہے (یعنی حصول مقصد کے لئے خدا کی طرف امید ہے اور حصول مقصد خواہش الہی پر موقوف ہے) لہذا اگر خدا چاہے تو انھیں دے اور اگر چاہے نہ دے۔ اور دوسری جماعت فقہ یا علم حاصل کر رہی ہے اور جاہلوں کو علم سکھا رہی ہے، چنانچہ یہ لوگ بہتر ہیں اور میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آنحضرت ﷺ خود بھی ان میں بیٹھ گئے۔“

(داری)

تشریح: ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ مسجد نبویؐ میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ صحابہ کی دو جماعتیں الگ الگ بیٹھی ہوئی ہیں ایک جماعت تو ذکر و دعا میں مشغول تھی اور دوسری جماعت مذاکرہ علم میں مشغول تھی آپ ﷺ نے ان دونوں میں سے اس جماعت کو بہتر قرار دیا جو مذاکرہ علم میں مشغول تھی اور پھر نہ صرف یہ کہ زبان ہی سے ان کی فضیلت کا اظہار فرمایا بلکہ خود بھی اس جماعت میں بیٹھ کر علماء کی مجلس کو مزید عزت و شرف کی دولت بخش۔

علم اور عالموں کی اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ سردارِ انبیاء ﷺ نے عابدوں کی مجلس کو چھوڑ کر عالموں ہی کی ہم نشینی اختیار فرمائی ہے اور اپنے آپ کو ان ہی میں سے شمار کیا۔

گدایان را ازین معنی خبر نیست کہ سلطان جہاں باما ست امروز

(۵۴) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا حَدَّثَ الْعِلْمَ الَّذِي إِذَا بَلَغَهُ الرَّجُلُ كَانَ فَقِيْهًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَلَى أُمَّتِيْ أَرْبَعِينَ حَدِيثًا فِيْ أَمْرِ دِينِهَا بَعَثَهُ اللَّهُ فِيْهَا وَكُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَشَهِيدًا۔

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ علم کی مقدار کیا ہے کہ جب انسان اتنا علم حاصل کرے تو فقیہہ (عالم) ہو جائے اور آخرت میں اس کا شمار مرہ علماء میں ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص میری امت کو فائدہ پہنچانے کے لئے امر و نہی کی چالیس حدیثیں یاد کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت میں فقیہ اٹھائے گا اور قیامت کے دن میں اس کا شفاعت کرنے والا اور (اس کی اطاعت پر) گواہ بنوں گا۔“

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ اس سے مراد چالیس حدیثوں کا دوسرے لوگوں تک پہنچانا ہے اگرچہ وہ یا نہ ہوں چنانچہ اس حدیث کے پیش نظر بہت سے علماء نے چالیس احادیث جمع کر کے لوگوں تک پہنچائی ہیں اور اس طرح وہ قیامت میں آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور گواہی کے امیدوار ہوئے ہیں۔

(۵۵) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَذَرُونَ مَنْ أَجْوَدُ جُودًا قَالُوا أَلَلَّهِ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ اللَّهُ أَجْوَدُ جُودًا ثُمَّ أَنَا أَجْوَدُ بَيْنِيْ أَدَمَ وَأَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِيْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَتَشْرُهُ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمِيرًا وَحَدَّةً أَوْ قَالَ أُمَّةً وَاحِدَةً۔

”اور حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے (صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ سخاوت کے معاملہ میں سب سے بڑا کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سخاوت کرنے میں اللہ تعالیٰ سب سے بڑا کون ہے اور بنی آدم میں سب سے بڑا کون میں ہوں، پھر لوگوں میں میرے بعد سب سے بڑا کون وہ شخص ہو گا جس نے علم سیکھا

اور اسے پھیلایا۔ وہ شخص قیامت کے دن ایک امیر یا فرمایا کہ ایک گروہ کی طرح آئے گا۔“

تشریح: آخر روایت میں راوی کو شک ہو گیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے امیرِ واحدہ فرمایا امتِ واحدہ فرمایا یعنی ایسا شخص جس نے علم سیکھا اور اس کو لوگوں کے درمیان پھیلایا تو اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ آخرت میں ایک امیر کی مانند آئے گا کہ وہ کسی کے تابع نہیں ہوگا بلکہ اس کے ساتھ تابع اور خدام ہوں گے یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ وہ تنہا شخص ایک گروہ و جماعت کی مانند ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مخلوقِ خدا کے درمیان معزز و مکرم ہوگا اور آخرت میں بصد شوکت و حشمت آئے گا۔

(۵۶) وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْهُوَ مَنْ لَا يَشْبَعَانِ مِنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمِنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا زَوْيَ النَّبِيِّ فِي الْأَحَادِيثِ الثَّلَاثَةِ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ وَقَالَ قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ فِي حَدِيثِ أَبِي الدَّرْدَاءِ هَذَا مَتْنٌ مَشْهُورٌ فِيْمَا بَيْنَ النَّاسِ وَلَيْسَ لَهُ إِسْنَادٌ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حرص کرنے والے دو شخص ہیں جن کا پیٹ نہیں بھرتا۔ ایک علم میں حرص کرنے والا کہ اس کا پیٹ کبھی علم سے نہیں بھرتا، اور دوسرا دنیا کی حرص کرنے والا کہ اس کا پیٹ دنیا سے کبھی نہیں بھرتا۔ مذکورہ بالا تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہیں۔ حضرت امام احمدؒ نے حضرت ابو داؤدؒ کی حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا متن لوگوں میں مشہور ہے مگر اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔“

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کے طرق متعدد ہیں جن میں بعض کو دوسرے بعض کی بنا پر تقویت ملی ہے لیکن ویسے بھی یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال کے سلسلہ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

(۵۷) وَعَنْ عَوْنٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ مَسْعُودٍ مِنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ صَاحِبُ الْعِلْمِ وَصَاحِبُ الدُّنْيَا وَلَا يَسْتَوِيَانِ أَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيَزِدُ رِضًى لِلرَّحْمَنِ وَأَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَسْتَمَارِ فِي الطُّغْيَانِ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللَّهِ كَلَامًا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِيَفْطِنَ أَنْ رَأَاهُ اسْتَغْنَى قَالَ وَقَالَ الْآخِرُ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت عونؓ راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: دو حریص ہیں جن کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، ایک عالم اور دوسرا دنیا دار لیکن یہ (درجہ میں) برابر نہیں ہیں کیونکہ عالم تو خدا کی خوشنودی و رضامندی کو زیادہ کرتا ہے اور دنیا دار سرکشی میں زیادتی کرتا ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دنیا دار کے حق میں (دلیل کے طور پر) یہ آیت پڑھی۔ (آیت کا ترجمہ) خبردار! انسان البتہ سرکشی کرتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو (کثرتِ مال کی بنا پر) لوگوں سے غنی دیکھتا ہے حضرت عونؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے دوسرے یعنی عالم کے حق میں یہ آیت پڑھی۔ (آیت کا ترجمہ) خدا کے بندوں میں عالمِ خداست ڈرتے ہیں۔“ (دارمی)

(۵۸) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُنَاسًا مِنْ أُمَّتِي سَيَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ وَيَفْقَرُونَ الْقُرْآنَ يَقُولُونَ كُنَّا نَأْمُرُ أَهْلَ فَصِيحَةٍ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَنَعْتَزُّ لَهُمْ بِدِينِنَا وَلَا يَكُونُ ذَلِكَ كَمَا لَا يُجْتَنَى مِنَ الْقِتَادِ إِلَّا الشُّوْكَ كَذَلِكَ لَا يُجْتَنَى مِنْ قُرْبِهِمْ إِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ كَأَنَّهُ يَغْنِي الْخَطَايَا۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں بہت سے لوگ دین میں سمجھ یعنی دین کا علم حاصل کریں گے اور قرآن پڑھیں گے اور کہیں گے کہ ہم امراء کے پاس جا کر ان کی دنیا اور (دولت) میں سے اپنا حصہ حاصل کریں گے اور اپنے دین کو ان سے یکسو کر دیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا (کہ دین و دنیا ایک جگہ جمع ہو جائیں اور امراء کی صحبت میں بگاڑ کے نقصان ہوتا ہے) جیسا کہ جس طرح خاردار درخت سے صرف کاٹنا ہی حاصل ہو سکتا ہے اسی طرح امراء کی صحبت سے نہیں حاصل ہو سکتا مگر حضرت محمد ابن صباحؒ کہتے ہیں کہ گویا آنحضرت ﷺ کی مراد (لفظ الا کے بعد) خطایا تھی۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے الا کے بعد کسی لفظ کا تکلم نہیں فرمایا چنانچہ حضرت محمد بن صباح جو ایک جلیل القدر محدث اور حضرت امام بخاری و امام مسلم جیسے ائمہ حدیث کے استاد ہیں۔ اس کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مراد لفظ الا کے بعد خطایا ہے۔ مگر آپ ﷺ نے اسے حذف فرمایا اور اس کا تکلم نہیں کیا۔ اس طرح حدیث کے آخری الفاظ اب اس طرح ہو جائیں گے لای جتنی من قر بہم الا الخطایا یعنی امراء کی صحبت سے حاصل نہیں ہوتا مگر گناہ۔

اب رہا سوال یہ کہ آپ ﷺ نے لفظ خطایا کو حذف کیوں فرمایا۔ تو اس میں ایک نکتہ ہے اور وہ یہ کہ اس میں اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ امراء کی صحبت کا نقصان اتنا زیادہ ہے کہ اسے زبان سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس اُمت میں ایسے بھی عالم پیدا ہوں گے جن کا مقصد حصول علم سے محض یہ ہو گا کہ وہ علم حاصل کر کے اور قرآن پڑھ کر امراء کے پاس جائیں اور ان کے سامنے اپنی بزرگی و فضیلت کا اظہار کر کے ان سے مال و دولت حاصل کریں اور علم کا جو حقیقی منشاء و مدعا ہو گا یعنی مخلوق خدا کی ہدایت اور عوام الناس کی بغیر کسی لالچ اور طمع کے دینی راہبری اس سے انھیں قطعاً کوئی مطلب نہ ہو گا۔ اور جب ان سے کہا جائے گا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ بیک وقت تفقہ فی الدین اور امراء کی قربت و صحبت جمع ہو جائے؟ تو وہ جواب میں یہ کہیں گے کہ ہم ان سے مال و دولت تو حاصل کریں گے مگر اپنے دین کو ان سے بچائیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے حالانکہ یہ امر محال ہے۔

(۵۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَوْ أَنَّ أَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوا الْعِلْمَ وَوَضَعُوهُ عِنْدَ أَهْلِهِ لَسَادُوا بِهٖ أَهْلٌ زَمَانِهِمْ وَلَكِنَّهُمْ بَذَلُوهُ لِأَهْلِ الدُّنْيَا لِيَسْأَلُوْا بِهٖ مِنْ دُنْيَاهُمْ فَهَانُوا عَلَيْهِمْ سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ جَعَلَ الْهُمُومَ هِمًّا وَاحِدًا هَمَّ آخِرَتِهِ كَفَاهُ اللَّهُ دُنْيَاهُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهٖ الْهُمُومُ (فِي) أَحْوَالِ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللَّهُ فِيْ آتِي أَوْدِنِيْهَا هَلَكَ زَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَوَاهُ النَّبِيُّ هَقِي فِي شُعْبِ الْإِيْمَانِ عَنْ ابْنِ عُثْمَرَ مِنْ قَوْلِهِ مَنْ جَعَلَ الْهُمُومَ إِلَى آخِرِهِ۔

”اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا اگر اہل علم (یعنی علماء) علم کی حفاظت کریں اور علم کو اس کے اہل ہی (یعنی قدر دانوں) کے سامنے رکھیں تو وہ بے شک اپنے علم کے سبب دنیا والوں کے سردار بن جائیں لیکن (علماء) نے اگر ایسا نہیں کیا بلکہ انہوں نے علم کو دنیا داروں پر خرچ کیا تاکہ اس کے ذریعہ وہ دنیا (یعنی جاہ و جلال) کو حاصل کریں اور علم کا حقیقی مقصد یعنی دنیا والوں کی ہدایت و نصیحت کو موقوف کر دیں تو وہ دنیا والوں کی نظر میں ذلیل ہو گئے۔ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اپنے مقاصد میں سے صرف ایک مقصد یعنی آخرت کے مقصد کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیاوی مقصد کو پورا کر دیتا ہے اور جس شخص کے مقاصد پر اگندہ ہوں جیسے کہ دنیا کے حالات ہیں تو پھر اللہ کو پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ خواہ کسی جنگل (یعنی دنیا کی کسی حالت) میں ہلاک ہو۔ (ابن ماجہ، تہذیبی نے اس حدیث کو شعب الایمان میں ابن عمرؓ سے قول ”من جعل الهموم“ سے آخر تک روایت کیا ہے۔“ (ابن ماجہ، تہذیبی)

تشریح: یہ حدیث علماء کو احساس و شعور کی ایک دولت بخش رہی ہے اور علم کے سب سے اعلیٰ و بلند مقام کی نشاندہی کر رہی ہے چنانچہ ابن مسعودؓ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ علماء اپنا مرتبہ و مقام پہچانیں اور وہ جس عرفانی مقام پر فائز ہیں اس کی اہمیت و نزاکت کا احساس کریں۔ اس لئے کہ علم دین جن بلند و اعلیٰ احساسات کا حامل ہے اسی طرح وہ اپنا ظرف بھی بلند و اعلیٰ چاہتا ہے۔ علم کی شان عظمت ہی یہ ہے کہ وہ قدر دانوں اور باشعور اشخاص کے پاس رہے۔ اگر حصول جاہ و جلال کی خاطر علم کو دنیا دار سرداروں اور ظالموں کی چوکھٹ کا سجدہ ریز بنایا جاتا ہے تو یہ علم کی سب سے بڑی توہین اور عالم کی سب سے بڑی ذلت ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ ایک بات اس سے بڑی فرما رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیاوی اعتبار سے سرداری، شوکت و حشمت اور عزت و عظمت کوئی بڑی چیز نہیں ہے بلکہ اصل اور حقیقی سرداری و امارت تو وہ ہے جو فضل و کمال اور بزرگی کے اعتبار سے ہو یہی وجہ ہے کہ علماء کی

یہ شان نہیں ہوا کرتی کہ وہ بادشاہ و امیر بنیں یا حاکم و سردار ہوں، وہ تو علم و فضل اور بزرگی کی طاقت سے دنیا کے روحانی تاجدار ہوتے ہیں اور لوگوں کے دل و دماغ پر حکمران ہوتے ہیں اور ان کے ماسواء ان کے زیر قدم، زیر قلم اور ان کی عقل و احکام کے تابع دار ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن شاہد ہے:

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ۔ (المجادلہ: ۵۸)

”یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے ان کے جو ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا اور جات بلند کرتا ہے۔“

آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ بندہ کا احساس اور اس کا شعور اتنا پاکیزہ اور لطیف ہو جانا چاہئے کہ اس کے دل و دماغ کے ایک ایک گوشہ میں صرف ایک ہی مقصد کی روشنی ہو اور وہ مقصد آخرت ہے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی مقصد نہ ہو اور کوئی غرض نہ ہو تو پھر خدا کی جانب سے اس پر دنیاوی وسعت کے دروازے بھی خود بخود کھول دیئے جاتے ہیں۔

لیکن بندہ کا دل و دماغ اگر اتنا پر آگندہ ہو کہ وہ ہمہ وقت دنیا کی چیزوں میں تولگ رہے اور دنیا کے تفکرات میں مستغرق رہے تو خدا کی جانب سے اس کے ساتھ کوئی اچھا معاملہ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ خدا اس سے اتنا بے تعلق ہو جاتا ہے کہ اگر وہ بندہ دنیا کی کسی تکلیف اور کسی بھی مصیبت میں ہلاک ہو جائے تو خدا کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی اور نہ دنیاوی اعتبار سے اور نہ دینی اعتبار سے رحمت خداوندی کی نظر کرم اس کی طرف ہوتی ہے۔ اس طرح وہ دنیا و آخرت دونوں جگہ کے خسران و نقصان میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

﴿۶۰﴾ وَعَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَّةُ الْعِلْمِ التَّسْيَانُ وَاحْضَاعُهُ أَنْ تُحَدِّثَ بِهِ غَيْرَ أَهْلِهِ زَوَاهِ الدَّارِ مِثْلُ مُزَسَّلٍ۔

”اور حضرت اعمش راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا علم کی آفت بھولنا ہے اور علم کا ضائع کرنا یہ ہے کہ اس کو نا اہل کے سامنے بیان کیا جائے۔“ (دارمی نے بطریق ارسال کیا ہے)

تشریح: علم کے حاصل ہونے سے پہلے تو بہت سی آفات اور مصیبتیں ہوتی ہیں لکھل شنی افہ و للعلم افات یعنی ہر چیز کی ایک ہی آفت ہوتی ہے مگر علم کے لئے بہت سے آفات ہیں۔ لیکن حصول علم کے بعد ایک ہی آفت ہے اور وہ نسیان یعنی بھولنا ہے اور یقیناً کسی چیز کا حاصل ہو جانے کے بعد زائل ہو جانا اور ذہن میں آکر پھر محو ہو جانا زبردست روحانی اذیت ہے۔

در اصل اس حدیث سے اس پر تنبیہ مقصود ہے کہ طالب علم اور اہل علم کو چاہئے کہ وہ ایسی باتوں سے اجتناب کریں جو نسیان کا سبب ہیں یعنی گناہ و معصیت سے بچیں اور ان چیزوں میں دل نہ لگائیں جو ذہن و فکر کو غافل کر دیتی ہیں جیسے دنیا کی سحر آفرینیوں اور خواہشات نفسانی میں دلچسپی لینا چنانچہ حضرت امام شافعیؒ نے اسی مضمون کو اس شعر میں ادا کیا ہے۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی

ترجمہ: ”میں نے اپنے استاد کعبؒ سے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انھوں نے مجھے ترک معصیت کی نصیحت کی۔“

فان العلم فضل من الله وفضل الله لا يعطى لعاص

ترجمہ: ”کیونکہ علم تو خدا کا ایک فضل ہے اور خدا کا فضل گناہ گار کے حصہ میں نہیں آتا۔“

آخر حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ علم کو اس کے نا اہل اور ناقدر دان کے سامنے پیش کرنا دراصل علم کو ضائع کرنا ہے اور نا اہل وہ شخص ہے جو نہ تو علم کو سمجھتا ہے اور نہ علم کی قدر جانتا ہے لہذا جب اس کے سامنے علم پیش کیا جائے گا تو علم ضائع ہو گا۔ اس لئے علم انہی کو سکھانا چاہئے جو اس کے اہل اور قدر دان ہوں، یعنی وہ علم سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ بھی ان کے اندر موجود

۶۱) وَعَنْ سُفْيَانَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لِكُفِّ مَنَ أَزْنَابِ الْعِلْمِ؟ قَالَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ بِمَا يَعْلَمُونَ قَالَ فَمَا أَخْرَجَ الْعِلْمُ مِنْ قُلُوبِ الْعُلَمَاءِ قَالَ الظَّمْعُ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت سفیان راوی ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت کعبؓ سے فرمایا کہ (تمہارے نزدیک) صاحب علم کون ہے حضرت کعبؓ نے جواب دیا وہ لوگ جو اپنے علم کے موافق عمل کریں، پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کون سی چیز عالموں کے دلوں سے علم کو نکال لیتی ہے؟ حضرت کعبؓ نے جواب دیا۔ ”لا لُحْ“۔“ (دارمی)

تشریح: حضرت عمرؓ کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ علماء کے دلوں سے نور علم اور علم کی عظمت و برکت کو نکالنے والی کونسی چیز ہے اور وہ کیا شے ہے جس کی موجودگی علم کے منافی ہے؟ حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ ”لا لُحْ“۔ وہ بری خصلت ہے جو علم کے نور کو عالم کے دل سے ضائع کر دیتی ہے۔ کیونکہ جب کسی عالم کے اندر جاہ و جلال کی محبت اور لا لُح اور دنیاوی اسباب عیش و عشرت کی طمع پیدا ہو جائے گی تو پھر علم کا نور اور علم کی برکت اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور عالم کے دل و دماغ علم کی حقیقی روشنی سے منور نہ رہ سکیں گے۔

۶۲) وَعَنْ الْأَخْوَصِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ لَا تَسْأَلُونَنِي عَنِ الشَّرِّ وَسْأَلُونَنِي عَنِ الْخَيْرِ يَقُولُهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ أَلَا إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شَرُّ الْعُلَمَاءِ وَإِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خَيْرُ الْعُلَمَاءِ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت اخوص بن حکیم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے ”برائی“ کے بارے میں سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے برائی کے بارے میں مت پوچھو بلکہ بھلائی کے بارے میں سوال کرو۔ اور ان جملوں کو آپ ﷺ نے تین بار ادا فرمایا۔ خبردار! بد لوگوں میں بدترین برے عالم ہیں اور بھلے لوگوں میں سب سے بہتر بھلے علماء ہیں۔“ (دارمی)

تشریح: صحابی کے سوال کا مقصد یا تو نفس برائی کے بارے میں دریافت کرنا تھا جیسا کہ ترجمہ سے معلوم ہوا یا وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ بدترین آدمی کون ہے؟ اور جواب کو دیکھتے ہوئے یہی مقصد زیادہ واضح ہے۔ آپ ﷺ نے اس طرح کے سوال سے منع فرمایا، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ چونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذات اقدس سراپا رحمت اور سراپا خیر ہے اس لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ آپ ﷺ سے محض بدی اور برائی ہی کا سوال کیا جاتا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے برائی اور بھلائی دونوں کے بارے میں جواب دے کر اسی طرف اشارہ فرمایا۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ علماء کی ذات چونکہ عوام کے اندر ایک معیار اور نمونہ ہوتی ہے اور لوگ ان کے تابع و معتقد ہوتے ہیں، لہذا عالم کی ہر صفت اس کی اپنی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اثرات دوسروں تک بھی پہنچتے ہیں، عالم اگر نیک اخلاق و عادات اور اچھے خصائل کا ہوتا ہے تو اس کے ماننے والے اور اس کا اتباع کرنے والے بھی نیک اخلاق و عادات کے مالک ہوتے ہیں اور خدا خواستہ عالم بد اخلاق، بد کردار ہو جائے تو پھر اس کے جراثیم دوسرے تک پہنچتے ہیں اور اس کے ماننے والے بھی اسی کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

۶۳) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَا يَنْتَفِعُ بِعِلْمِهِ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن خدا کے نزدیک مرتبہ میں سب سے بدتر وہ عالم ہے جس نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا۔“ (دارمی)

تشریح: یا تو اس سے مراد وہ عالم ہے جس نے ایسا علم سیکھا جو فائدہ پہنچانے والا نہیں ہے۔ یعنی غیر شرعی علوم اس نے حاصل کئے جو نفع بخش نہیں ہیں یا پھر وہ عالم مراد ہے جس نے علم تو شرعی اور دینی حاصل کیا مگر اس پر عمل نہیں کیا۔

لہذا ایسے عالم کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ قیامت کے روز مرتبہ کے اعتبار سے وہ خدا کے نزدیک سب سے بدتر ہو گا یعنی یہ جاہل سے بھی زیادہ برا ہو گا کیونکہ وجہ ہے کہ اس پر جو عذاب ہو گا وہ جاہل کے عذاب سے سخت ہو گا، جیسا کہ منقول ہے۔

ویل للجاهل مرة وویل للعالم سبع مرات۔

یعنی جاہل کے لئے ایک مرتبہ بربادی ہے اور عالم کے لئے سات مرتبہ بربادی ہے، نیز یہ وارد ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ اور سب سے شدید عذاب جس پر ہو گا وہ ایسا عالم ہے کہ جسے اللہ نے علم دیا اور اس نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔

(۶۴) وَعَنْ زِيَادِ بْنِ حُدَيْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِي عَمْرُو بْنُ حَلْفٍ تَعْرِفُ مَا يَنْهَدُمُ الْإِسْلَامَ قُلْتُ لَا قَالَ يَنْهَدُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجَدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْأَيْمَةِ الْمُضِلِّينَ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت زیاد بن حدیر راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اسلام کی عمارت کو ڈھانے والی کیا چیز ہے؟ میں نے کہا مجھے نہیں معلوم! حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ عالم کا پھسلنا (یعنی کسی مسئلہ میں عالم کا غلطی کرنا اور اس کا گناہ کرنا، منافق کا کتاب اللہ میں جھگڑنا اور گمراہ سرداروں کا حکم جاری کرنا اسلام کی عمارت) کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔“ (دارمی)

تشریح: اسلام کی عمارت کو ڈھانے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے جو پانچ بنیادی اصول ہیں، یعنی کلمہ، توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ وہ بیکار محض ہو کر رہ جائیں، چنانچہ جب عالم اپنے حقیقی فرائض یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی کو اپنی خواہشات نفسانی کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے تو ان چیزوں میں سختی اور فساد واقع ہو جاتا ہے۔

اسی طرح منافق یعنی وہ شخص جو بظاہر تو اسلام کا دم بھرتا ہے مگر اندرون فی طور پر وہ کفر و بدعت کا پوری طرح ہمنوا ہوتا ہے۔ جب قرآن میں جھگڑتا ہے بایں طور پر وہ قرآن کے معنی و مفہوم کی غلط تاویلات کر کے احکام شریعیہ کو رد کرتا ہے تو اس سے ارکان اسلام میں سختی اور دین میں فساد پیدا ہوتا ہے۔

اسی زمرہ میں وہ روافض اور خوارج نیز دیگر باطل عقائد کے لوگ بھی داخل ہیں جو اپنی خواہشات نفسانی اور ذاتی اغراض کی خاطر غلط سلط تاویل میں کر کے دین و شریعت میں شک و شبہ کا بیج بوتے ہیں۔

(۶۵) وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ الْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَاكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَاكَ حُجَّةُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى أَهْلِ الْأَدَمِ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ علم جو دل کے اندر ہوتا ہے یہ علم تو نفع دیتا ہے اور دوسرا وہ علم ہے جو زبان کے اوپر ہوتا ہے یہ علم آدمی پر خدائے عزوجل کی دلیل و حجت ہے۔“ (دارمی)

تشریح: حضرت حسن بصریؒ نے علم کی جو دو قسمیں کی ہیں ان میں سے پہلے کو علم باطن کہا جاتا ہے اور دوسرے کو علم ظاہر چنانچہ جب تک ظاہر کی اصلاح نہیں ہوتی علم باطن سے کچھ میسر نہیں آتا، اسی طرح جب تک باطن کی اصلاح نہیں ہو جاتی علم ظاہر کی تکمیل نہیں ہوتی۔

ابو طالب مکی فرماتے ہیں کہ یہ دونوں علم اصل اور بنیادی ہیں اور ان دونوں میں اس درجہ کا ارتباط و تعلق ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا، جس طرح ایمان و اسلام کہ ایک دوسرے کے بغیر صحیح نہیں ہوتے یا جیسے دل و جسم کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے ٹھیک اسی طرح ان دونوں علوم کا آپس میں ارتباط و تعلق ہے۔ (ملا قاری)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ نفع دینے والا علم وہ ہوتا ہے کہ جب اس کی روشنی سے دل منور ہو جاتا ہے تو دل کے وہ پردے اٹھ جاتے ہیں جو حقائق اشیاء کی معرفت و فہم کے لئے مانع ہیں۔

علم نافع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو علم معاملہ جو عمل کا باعث ہوتا ہے اور دوسرا علم مکاشفہ جو عمل کا اثر ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے دل میں یہ نور علم ڈال دیتا ہے اور حضرت حسن بصریؒ نے جس علم کو نافع قرار دیا ہے وہ یہی علم ہے اور جو علم زبان کے اوپر ہوتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جو نہ تو تاثیر رکھتا ہے اور نہ دل میں نورانیت پیدا کرتا ہے۔

علم چوں بر دل زند یاری شود علم چوں بر تن زند ماری شود

چنانچہ اسی علم کو کہا جا رہا ہے کہ یہ بندوں پر خدا کی جانب سے حجت اور دلیل ہے کہ خدا بندوں کو الزام دیتے ہوئے فرمائے گا کہ میں نے تو تمہیں علم دیا تھا تم نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ جاہل کے لئے ایک بار بربادی ہے اور عالم کے لئے سات بار کیونکہ یہ دیدہ و دانستہ گمراہ ہوا۔

(۶۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَائِينَ فَمَا أَحَدُهُمَا فَبَشَّتُهُ فَيَكُفُّنِي وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَشَّتُهُ قُطِعَ هَذَا الْبَلْعُومُ يَعْنِي مَجْرَى الطَّعَامِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے دو باسن (یعنی دو طرح کے علم) یاد رکھے ہیں، ان میں سے ایک کو تمہارے درمیان میں نے پھیلا دیا ہے اور دوسرا علم وہ ہے کہ اگر میں اسے بیان کروں تو میرا یہ گلا کاٹ ڈالا جائے۔“ (بخاری)

تشریح: پہلے علم سے مراد تو علمِ ظاہر ہے جس کا تعلق احکام و اخلاق وغیرہ سے ہے۔ دوسرے علم کے دو مفہوم لئے جاسکتے ہیں اول تو یہی کہ اس سے مراد وہ علمِ باطن ہے جس کے اسرار و معانی عوام سے ان کے ناقص فہم کی بنا پر پوشیدہ ہیں اور وہ علم خواص علماء عارفین کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو آنحضرت ﷺ نے بتایا تھا کہ میرے بعد ایک جماعت کی طرف سے ایک زبردست فتنہ اٹھے گا جس سے بدعات کی بنیاد پڑ جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو اس قوم اور اس قوم کے افراد کے ناموں کا بھی علم تھا چنانچہ ہو سکتا ہے کہ اس سے حضرت ابو ہریرہؓ کی مراد یہی علم ہو جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اگر میں اسے لوگوں کے سامنے بیان کروں گا تو میری جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

(۶۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَايَئُهَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلْ اللَّهُ أَعْلَمُ فَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ تَقُولَ لِمَا لَا تَعْلَمُ اللَّهُ أَعْلَمُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لَنَبَيِّهَ قُلُ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ۔ (متفق علیہ، سورۃ ص ۸۶)

”اور مروی ہے کہ حضرت عبد اللہؓ نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا) اے لوگو! جو شخص کسی بات کو جانتا ہو تو چاہئے کہ وہ اسے بیان کر دے، اور جو نہ جانتا ہو تو چاہئے کہ وہ کہے کہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے اس لئے کہ جس چیز کا اسے علم نہیں ہے، اس کے بارے میں اللہ زیادہ جانتا ہے۔ کہنا بھی علم کی ایک قسم ہے (یعنی معلوم کا غیر معلوم سے تمیز کرنا بھی علم کی ایک قسم ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے واسطے فرمایا ہے کہ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ (سورۃ ص ۸۶) ترجمہ: ”یعنی اے محمد ﷺ کہہ دیجئے کہ میں اس قرآن پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔“ (بخاری)

تشریح: اس آیت کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ خدا نے جو کچھ علم مجھے دیا اور جتنا مجھے سکھا دیا اور پھر اس کو پھیلانے اور لوگوں کو سکھانے کا حکم دیا اسی کو لوگوں تک پہنچاتا اور انھیں سکھاتا ہوں، اس کے علاوہ میں کسی دوسری چیز کا دعویٰ اپنی طرف سے نہیں کرتا اور نہ ان چیزوں سے بحث کرتا ہوں جو مشکل اور سخت ہونے کی وجہ سے عوام کے فہم سے بلند و بالا ہیں کیونکہ ایسا کرنا خواہ مخواہ کا تکلف کرنا ہے۔

(۶۸) وَعَنْ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ دِينٌ فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ۔ (راہِ مسلم)

”اور حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ یہ علم (یعنی کتاب و سنت کا علم) دین ہے۔ لہذا جب تم اس کو حاصل کرو تو یہ دیکھ لو کہ اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔“ (مسلم)

تشریح: اس ارشاد سے دراصل اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ جب علم حاصل کرنے کا ارادہ کرو یا حدیث حاصل کرو تو اس بات کو خوب اچھی طرح جانچ کر لے لو کہ تم جس سے علم حاصل کر رہے ہو وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ آیا وہ قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ جب تمہیں اس عالم کی راوی کے حالات کا پوری طرح علم ہو جائے اور سمجھ لو واقعی وہ دیندار، پرہیزگار اور قوی الحافظ ہے تو اس سے علم حاصل کرو۔ اس طرح کس و ناکس کو اپنا استاد نہ بناؤ اور ہر شخص سے حدیث کی روایت نہ کرو خصوصاً اہل بدعت، نفسانی خواہشات کے غلام اور غیر دینداروں سے اس معاملہ میں اجتناب برتو۔

(۶۹) وَعَنْ خُذَيْفَةَ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْقُرَاءِ اسْتَقْبِلُوا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبَقًا بَعِيدًا وَإِنْ أَخَذْتُمْ يَمِينًا وَشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا۔ (رواہ البخاری)

”اور مروی ہے کہ حضرت خذیفہؓ نے قاریوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے قاریوں کی جماعت سیدھے رہو اس لئے کہ تم سبقت لے گئے ہو دور کی سبقت اگر تم (سیدھے راستہ سے ہٹ کر) ادھر ادھر ہو گئے تو البتہ بڑی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔“ (بخاری)

تشریح: یہ ان صحابہ کرامؓ سے خطاب ہے جو ابتداء ہی میں اسلام کی دولت سے مشرف ہو گئے تھے۔ چونکہ ان لوگوں نے شروع ہی میں کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ اس لئے یہ اپنے فضل و کمال کی بنا پر ان لوگوں سے سبقت لے گئے ہیں جو بعد میں مسلمان ہوئے ہوں گے اگرچہ ان کے اعمال بھی ان ہی جیسے ہوں گے لیکن بعد کے لوگ پہلے والوں کے مرتبہ و درجہ کو ان کے سبقت اسلام کی بناء پر نہیں پہنچ سکتے۔

بہر حال انھیں مقدس حضرات کو حضرت خذیفہؓ مخاطب فرما رہے ہیں کہ تم لوگ شریعت، طریقت اور حقیقت کی راہ پر مستقیم رہو اس لئے کہ استقامت کرامت سے بہتر ہے۔

استقامت کے معنی یہ ہیں کہ اچھے عقیدے پر مضبوطی سے قائم رہا جائے، نفع دینے والے علم اور عمل صالح پر مداومت اختیار کی جائے، اخلاص غاص رکھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمام چیزوں سے دھیان ہٹا کر حق تعالیٰ کے ساتھ لو لگائے رہے۔

(۷۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ حُبِّ الْحُزْنِ قَالَُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا حُبُّ الْحُزْنِ قَالَ وَإِذَا فِي جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمَ كُلُّ يَوْمٍ أَرْبَعِ مِائَةِ مَرَّةٍ فَيَقِيلُ اللَّهُ وَمَنْ يَدْخُلْهَا قَالَ الْقُرَاءَةُ الْمَرْءُ أَوْ بَأْعْمَالِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَكَذَا ابْنُ مَاجَةَ زَادَ فِيهِ وَإِنْ مِنْ أَبْغَضِ الْقُرَاءَةِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى الَّذِينَ يُزَوِّدُونَ الْأُمَرَاءَ قَالَ الْمُحَارِبِيُّ يَعْنِي الْجَوْرَةَ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے (صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا۔ تم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو جب الحزن یعنی غم کے کنوئیں سے صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! تم کا کنواں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ دوزخ میں ایک نالہ ہے جس سے دوزخ دن میں چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس میں کون داخل ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ قرآن پڑھنے والے جو اپنے اعمال کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور ابن ماجہؒ کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں خدا کے نزدیک مبغوض ترین وہ قاری ہیں جو سرداروں سے ملاقات کرتے ہیں اس حدیث کے راوی حارثی نے کہا ہے کہ سرداروں سے مراد ظالم سردار ہیں۔“

(ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: ”جب الحزن“ دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے جو بہت گہری ہے اور کنوئیں کے مشابہ ہے یہ اتنی زیادہ ہیبت ناک اور وحشت ناک ہے کہ دوزخی تو الگ رہے خود دوزخ دن میں چار سو مرتبہ اس سے پناہ مانگتی ہے چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ وہ قاری جو اپنا عمل یعنی قرآن پڑھنا محض دکھاوے و ریا کے لئے کرتے ہیں اسی وحشت ناک وادی میں دھکیل دیئے جائیں گے۔ اسی حکم میں ریا کار عالم اور عابد بھی داخل

ہیں، کیونکہ علم کی اصل بنیاد تو قرآن ہی ہے اسی طرح غباوت بھی قرآنی احکام ہی کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے عالم اور عابد جو یادگار ہیں وہ بھی انھیں قاریوں کے ہمراہی کواں کا لقمہ بنیں گے۔

”سرداروں سے ملاقات“ کا مطلب یہ ہے کہ جو قاری سرداروں سے محض جب جاہ و مال اور دنیاوی طمع و لالچ کی خاطر ملتا ہے وہ خدا کے نزدیک مبغوض ترین ہے۔ ہاں اگر سرداروں سے ملنا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے ہو یا بطریق جبر اور ان کے شر کے دفعیہ کے لئے ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

نیز یہاں سرداروں سے بھی وہی سردار مراد ہیں جو ظالم اور جابر ہوں، نیک بخت سردار یا عادل امیر و حاکم کا یہ حکم نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے امراء و سردار جو خدا کے نیک بندے ہوں ان سے ملاقات کرنا عبادت میں داخل ہے۔

(٤) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رُسْمُهُ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَوَاطِبٌ مِنَ الْهُدَى عُلَمَاءُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَيْدِيهِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعُودُ - (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

”اور حضرت علیؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عنقریب لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اسلام میں سے صرف اس کا نام باقی رہ جائے گا اور قرآن میں سے صرف اس کے نقوش باقی رہیں گے۔ ان کی مسجدیں (بظاہر تو) آباد ہوں گی مگر حقیقت میں ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے کی مخلوق میں سے سب سے بدتر ہوں گے۔ انھیں سے (ظالموں کی حمایت و مدد کی وجہ سے) دین میں فتنہ پیدا ہوگا اور انھیں میں لوٹ آئے گا (یعنی انھیں پر ظالم) مسلط کر دیئے جائیں گے۔“ (بیہقی)

تشریح: یہ حدیث اس زمانہ کی نشان دہی کر رہی ہے جب عالم میں اسلام تو موجود رہے گا مگر مسلمانوں کے دل اسلام کی حقیقی روح سے خالی ہوں گے، کہنے کے لئے تو وہ مسلمان کہلائیں گے مگر اسلام کا جو حقیقی مدعا اور فضاء ہے اس سے کوسوں دور ہوں گے۔ قرآن جو مسلمانوں کے لئے ایک مستقل ضابطہ حیات اور نظام عمل ہے اور اس کا ایک ایک لفظ مسلمانوں کی دینی و دنیاوی زندگی کے لئے راہ نمائے۔ صرف برکت کے لئے پڑھنے کی ایک کتاب ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ یہاں ”رم قرآن“ سے مراد یہی ہے کہ تجوید و قرأت سے قرآن پڑھا جائے گا، مگر اس کے معنی و مفہوم سے ذہن قطعاً نا آشنا ہوں گے، اس کے ادا و امر و نواہی پر عمل بھی ہو گا مگر قلوب اخلاص کی دولت سے محروم ہوں گے۔

مبجس كسرت سب سول كى اور آباء مبس كى مكره آباء اس شكل سب سول كى كب مسلمان مسجوس مبس آسب سب اور كب سول سب
لبكن عباوس آواونبى؁ ذكر الله اور درس و تدر بس بوساء مسجوب كا اصل مقصو سب وه بورى طرب باصل نبس بسوكا-
اسى طرب وه علماء بو اسبب آب كور و بانى اور وبى پبشوا كبلا بسب سب- اسبب فرانس مبسب سب سب كرفب سب نام پرباقت مبس تفرق
پبءا كرسب سب؁ ظالمول اور بابرول كى موو بامبب كرسب سب- اس طرب ببن مبس فتنو و فساو كا كبو كر اسبب ذاتى اغراض كى كبمبل كرسب
سب-

(٤٢) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ لَيْبِدٍ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَقَالَ ذَلِكَ عِنْدَ أَنْ ذَهَابَ الْعِلْمُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَنُفَرِّهُ أَتَبْنَاءُ نَا وَنُفَرِّهُ أَتَبْنَاءُ نَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَالَ تَكَلُّمُكَ أَمْلَكَ زَيْدًا إِنْ كُنْتُ لَأَرَاكَ مِنْ أَفْقِهِ رَجُلٌ بِالْمَدِينَةِ أَوْلَيْسَ هَذِهِ الْيَهُودُ وَالتَّصَارِيُّ يَقْرَأُونَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ لَا يَعْمَلُونَ بِشَيْءٍ مِمَّا فِيهِمَا - رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ نَحْوَهُ وَكَذَا الدَّارِمِيُّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ -

(رواه احمد و ابن ماجه)

”اور حضرت زیاد بن ابیہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے کسی چیز (یعنی فتنہ اور ابتلاء) کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا: اس وقت ہو گا جبکہ علم جاتا

رہے گا۔ (یہ سن کر میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! علم کس طرح جاتا رہے گا؟ حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی پڑھائیں گے۔ ہمارے بچے اپنے بچوں کو پڑھائیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ زیاد! تمہاری ماں گم کر دے! میں تو تمہیں مدینے کے لوگوں میں بڑا سمجھ دار سمجھتا تھا کیا یہ یہود و نصاریٰ توریت و انجیل کو نہیں پڑھتے ہیں۔ لیکن ان کی کتابوں کے اندر جو کچھ ہے (یعنی احکام) اس میں سے وہ کسی چیز پر عمل نہیں کرتے۔ (احمد، ابن ماجہ) اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی ہی روایت زیاد سے اور اسی طرح داری نے ابی امامہؓ سے نقل کی ہے۔ ”(احمد، ابن ماجہ، ترمذی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حضرت زیادؓ کو تنبیہ فرمائی کہ تم نے میرے کلام کا نشاء جانے بغیر یہ خیال کر لیا کہ صرف قرآن کا پڑھ لینا اور اس کا علم حاصل کر لینا ہی کافی ہے یعنی جس نے قرآن پڑھ لیا اور اس کا علم حاصل کر لیا گویا اس نے اس پر عمل بھی کر لیا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ محض قرآن کو پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اصل چیز تو اس کا اتباع اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہے اور یہی چیز اس وقت مقصود ہوگی، چنانچہ قرآن کو مسلمان پڑھیں گے اور اس کا علم بھی حاصل کریں گے مگر ان کا عمل قرآن کے مطابق نہیں ہوگا جس طرح کہ یہود و نصاریٰ کہ وہ بھی اپنی کتابوں یعنی توریت و انجیل کو پڑھتے ہیں اور اس کا علم بھی حاصل کرتے ہیں لیکن ان کے احکام پر ذرہ برابر بھی عمل نہیں کرتے۔

(۴۳) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوهُهَا النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ فَاتَى امْرَأَةً مَقْبُوضَةً وَالْعِلْمُ سَيَقْبُضُ وَتَظْهَرُ الْفِتْنُ حَتَّى يَخْتَلِفَ إِنْتَانِ فِي فَرِيضَةٍ لَا يَجِدَانِ أَحَدًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا۔ (رواہ الدارمی والدارقطنی)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ علم کو سیکھو اور سکھاؤ، علم فراغ (یا فرض احکام) کو سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ (اسی طرح) قرآن کو سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ۔ اس لئے کہ بے شک میں ایک شخص ہوں جو اٹھایا جاؤں گا اور علم بھی اٹھایا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو شخص ایک فرض چیز میں اختلاف کریں گے اور کسی کو ایسا نہ پائیں گے جو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرے (یعنی علم کے کم ہو جانے اور فتنوں کے بڑھ جانے) سے یہ حال ہو جائے گا۔“ (دارمی، دارقطنی)

(۴۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ عِلْمٍ لَا يَنْتَفِعُ بِهِ كَمَثَلِ كَنْزٍ لَا يَنْفَقُ مِنْهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (رواہ احمد والدارمی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے (یعنی نہ دوسروں کو پڑھایا جائے اور نہ اس پر عمل کیا جائے، اس خزانہ کی مانند ہے جس میں سے خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہ کیا جائے۔“ (احمد، دارمی)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الطہارۃ پاکیزگی کا بیان

لغت میں ”طہارۃ“ کے معنی نچافت اور پاک کی آتے ہیں جو نجاست کی ضد ہے ”طہور“ بضم طاء مصدر ہے اور ان چیزوں کو بھی طہور کہتے ہیں جو پاک کرتی ہیں جیسے پانی اور مٹی طہور، بفتح طاء بھی مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔
اصطلاح شریعت میں ”طہارت“ کا مفہوم ہے نجاست حکمی یعنی حدث سے اور نجاست حقیقی یعنی خبث سے پاکیزگی حاصل کرنا۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأَانِ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالصَّلَاةُ نُورٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ صِبَاةٌ وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَيَبَايِعُ نَفْسَهُ فَمُعْتَقُهَا أَوْ مُوقِفُهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ تَمْلَأَانِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَمْ أَجِدْ هَذِهِ الرِّوَايَةَ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَلَا فِي كِتَابِ الْحَمِيدِي وَلَا فِي الْجَامِعِ وَلَكِنْ ذَكَرَهَا الدَّارِمِيُّ بِدَلِّ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ۔

”حضرت ابی مالک اشعریؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا ”پاک رہنا آدھا ایمان ہے اور الحمد للہ کہنا (اعمال کی) ترازو کو بھردیتا ہے اور سبحان اللہ والحمد للہ بھردیتے ہیں یا فرمایا ہر ایک کلمہ بھردیتا ہے اس چیز کو جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے نماز نور ہے صدقہ دلیل ہے، صبر کرنا روشنی ہے اور قرآن تمہارے لئے یا تمہارے اوپر دلیل ہے ہر شخص (جب) صبح کرتا ہے (یعنی سوکر اٹھتا ہے) تو اپنی جان کو (اپنے کاموں میں بیچتا ہے) (یعنی لگاتا) ہے لہذا وہ اپنی جان کو آزاد کرتا ہے یا ہلاک کرتا ہے۔ (مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ لا الہ الا اللہ اکبر بھردیتے ہیں اس چیز کو جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔“ (صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس روایت کو نہ بخاری میں پایا ہے نہ مسلم میں اور نہ ہی کتاب حمیدی و کتاب جامع الاصول میں مجھے یہ روایت ملی ہے البتہ داری نے اس روایت کو بجائے سبحان اللہ والحمد للہ کے ذکر کیا ہے۔“ (لہذا صاحب مصابح کا اس روایت کو فصل اول میں نقل کرنا درست نہیں ہوا۔“

تشریح: اس حدیث میں پاکیزگی و طہارت کی انتہائی عظمت و فضیلت کا اظہار ہوتا ہے کہ اسلام میں طہارت کو کیا مقام حاصل ہے چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ پاک رہنا آدھا ایمان ہے اور وجہ ظاہر ہے کہ ایمان سے چھوٹے اور بڑے سب ہی گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور وضو

لے آپ کے نام میں اختلاف ہے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ کا نام کعب بن مالک ہے اور بعض کعب بن عامر کہتے ہیں، عبیدہ، حارث اور عمرو بھی بیان کیے جاتے ہیں، کنیت ابوالکعب ہے، مشہور صحابی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

سے صرف چھوٹے گناہ ہی بخشے جاتے ہیں اس لئے طہارت کو آدمی ایمان کا درجہ حاصل ہے۔

درمیان روایت میں راوی کو شک ہو رہا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے لفظ تملاء مفرد فرمایا یا تملان تشبیہ کے ساتھ فرمایا ہے اس لئے انہوں نے دونوں کو نقل کر دیا ہے، اس جملہ کا مطلب ہے کہ سبحان اللہ والحمد للہ پڑھنا اور ان کا ورد رکھنا اتنی فضیلت کی بات ہے اور اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر ان دونوں کلموں کو ایک جسم فرض کر لیا جائے تو اتنے عظیم ہیں کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہی حصہ کو بھردیں۔

نماز کو نور فرمایا گیا ہے اس لئے کہ نماز ہی وہ چیز ہے جو قبر کے اندھیرے اور قیامت کی ظلمت میں روشنی کی مانند ہے جو مومن کو گناہوں اور بری باتوں سے بچاتی ہے اور نیکی و بھلائی اور ثواب کے کاموں کی طرف راہنمائی کرتی ہے پھر نماز کو نور اس لئے کہا گیا ہے کہ مومن کے قلب کو ذاتِ خداوندی کے عرفان کی روشنی سے منور کرتی ہے اور عبادتِ خداوندی کی اداسگی و اطاعتِ الہی کی بنا پر نماز پڑھنے والے کے چہرہ پر سعادت و نیک بختی کی چمک پیدا کرتی ہے۔

صدقہ یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو دلیل اس لئے کہا گیا ہے کہ مومن کے دعویٰ ایمان کی صداقت اور پروردگارِ عالم سے محبت پر دلالت کرتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ جب قیامت میں مالدار سے خدا سوال کرے گا کہ ہم نے تمہیں مال و دولت میں اتنی وسعت بخشی تھی تو تم نے اس مال و دولت کو کہاں خرچ کیا؟ اور اس کا مصرف کیا تھا؟ یعنی تم نے ہماری بخشی ہوئی اس نعمت کو اچھی راہ میں خرچ کیا یا بُرے راستہ میں لٹا دیا؟ تو اس کے جواب میں صدقہ بطور دلیل پیش ہوگا کہ خداوندِ قدوس تیرا دیا ہوا مال برے راستہ میں نہیں لٹایا گیا ہے بلکہ اسے تیری ہی راہ میں اور تیری ہی خوشنودی کے لئے خرچ کیا گیا ہے۔

صبر اس کو کہتے ہیں کہ گناہوں سے بچا جائے، طاعات پر مستعد رہا جائے اور کسی مصیبت و تکلیف کے موقع پر آہ بکا اور جزع و فرع نہ کیا جائے چنانچہ اس کے بارہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کامل روشنی کا سبب ہے اس لئے کہ صابر کا قلب دوماغِ ایمانی عزم و یقین کی روشنی سے ہمیشہ منور رہتا ہے اور وہ دین و دنیا کے ہر مرحلہ پر کامیاب ہوتا ہے۔

”قرآن کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ تمہارے لئے یا تمہارے اوپر دلیل ہے یعنی تم قرآن پڑھو گے اور اس پر اگر عمل کرو گے تو قرآن تمہیں نفع بخشے گا اور اگر عمل نہ کرو گے تو تمہارے لئے ضرر کا باعث ہوگا۔

”جان کو بیچنے“ کے معنی یہ ہیں کہ جس کام کی طرف آدمی متوجہ ہو اس میں اپنی ذات کو کھپا دے، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص سو کر اٹھتا ہے تو اپنے کام میں لگسکتا ہے اور دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے، لہذا اب اس نے اگر اس کام کے بدلے آخرت خرید لی بائیں طور کہ اس کام پر آخرت کو ترجیح دی تو اس نے اپنے نفس کو عذابِ آخرت سے آزاد کر لیا، اور اگر خدا نخواستہ اس نے دنیا اور دنیا کے اس کام کو آخرت کے بدلے خرید لیا بائیں طور کہ اس کام کو آخرت پر ترجیح دی تو اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا اور اپنے نفس کو عذاب میں ڈال دیا۔

بدنیا توانی کہ عقبہ خری ا بخر جان من در نہ حسرت بری

(۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَذْلُكُمْ عَلَى مَا يَمْنَحُوهُ اللَّهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنْ شَبَّغَ الْوُضْوءُ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثُرَتْ الْخُطَى إِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْظَارَ الصَّلَاةَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَذَلِكَ الْكُمُ الرِّبَاطُ وَفِي حَدِيثٍ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَلِذَلِكَ الْكُمُ الرِّبَاطُ فَذَلِكَ الْكُمُ الرِّبَاطُ وَذَكَرَ مَرَّتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي الرِّوَايَةِ التِّرْمِذِيُّ ثَلَاثًا۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے (صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا ”کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دوں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو دور کر دے اور جس کے سبب (جنت میں) تمہارے درجات کو بلند کرے؟“ صحابہ نے عرض کیا ”ہاں یا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشقت کے وقت (یعنی بیماری یا سخت جائزے میں) وضو کو پورا کرنا، مسجد کی طرف (گھر سے دور ہونے کی وجہ سے) کثرت سے قدموں کا رکھنا اور (ایک) نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا پس یہ رباط ہے، اور مالک بن انس کی حدیث میں ”پس یہ رباط ہے، پس یہ رباط ہے“ دو مرتبہ ہے اور ترمذی کی روایت میں تین مرتبہ ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے خداوند قدوس اپنے بندوں پر اس طرح فضل و کرم فرماتا ہے کہ ان کے نامہ اعمال سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور جنت میں ان کے مراتب و درجات میں ترقی عطا فرماتا ہے چنانچہ سب سے پہلی چیز ”وضو“ ہے۔ یوں تو وضو نماز کے لئے شرط اور ضروری ہے لہذا جو نماز پڑھے گا وہ وضو بھی کرے گا خواہ کیسا ہی وقت اور کیسا ہی موسم ہو مگر اس جگہ ایک خاص بات کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی سخت وقت میں مثلاً کسی بیماری کی حالت میں یا شدید سردی کے موسم میں عموماً وضو کے معاملہ میں بڑی تساہلی برتی جاتی ہے اور اول تو زبردستی اور صحت کے منافی طریقوں کو اختیار کر کے دو اور تین وقت وضو کو باقی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے یا پھر اگر وضو کیا جاتا ہے تو ایسے طریقے سے کہ نہ تو اس میں وضو کے آداب اور اس کے سنن و مستحبات کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ وضو پورے طریقہ سے مکمل کیا جاتا ہے۔

ایسے ہی مواقع کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ ایسے سخت اور شدید وقت میں اگر وضو پورے آداب و طریقے ملحوظ رکھ کے اور تمام سنن و مستحبات کا خیال کر کے کیا جائے اور تمام اعضاء وضو پر پانی اچھی طرح پہنچایا جائے اور ان کو تین تین مرتبہ دھویا جائے تو یہ فضل خداوندی کا سبب ہوگا۔

دوسری چیز مسجد کی طرف کثرت سے قدموں کا رکھنا ہے، یعنی ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانا جو گھر سے دور ہو اس لئے کہ جتنے زیادہ قدم مسجد کی طرف انھیں گئے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔

”نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار“ یہ ہے کہ مسجد میں ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے یا اگر مسجد سے نکلے بھی تو دل وہیں دوسری نماز میں لگا رہے اس کی بہت زیادہ فضیلت و عظمت بیان فرمائی جا رہی ہے چنانچہ اس کو ”رباط کہا گیا ہے۔“

”رباط اسے کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان اسلامی مملکت کی سرحد پر دشمنان اسلام کے مقابلہ پر نگہبانی کی خاطر بیٹھے تاکہ دشمن سرحد پار کے کر کے اسلامی ملک میں داخل نہ ہو جائیں اس کا ثواب ہے اور بڑی فضیلت ہے جو خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم بھی فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَبِرُوا وَاصْبِرُوا وَابْتَغُوا

”اے ایمان والو! (تکلیف پر) خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو۔“ (ال عمران ۲۰۰:۳)

چنانچہ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ نماز کے انتظار میں بیٹھنا اصل رباط ہے کہ جیسے وہاں تو کفار مقابلہ میں بیٹھے ہیں یہاں شیطان کے مقابلہ میں بیٹھے ہیں جو دین کا سب سے بڑا دشمن ہے اس لئے جیسی فضیلت و سعادت رباط میں ہے ویسی ہی فضیلت و سعادت نماز کے انتظار میں بیٹھنے کی ہے اس حدیث میں چونکہ ”وضو“ کا ذکر آگیا ہے اس لئے اس کے متعلقات کا یہاں بیان کر دینا مناسب ہے۔

وضو میں چار چیزیں فرض ہیں ① تمام منہ کا دھونا ② ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا ③ چوتھائی سر کا مسح کرنا ④ پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا وضو میں پورے چہرے کا دھونا فرض ہے اور اسی میں ڈاڑھی بھی شامل ہے، البتہ ڈاڑھی کے تئیں میں تھوڑا بہت اختلاف ہے چنانچہ تینوں میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی کے ان بالوں کا مسح کرنا جو منہ کی جلد سے ملے ہوئے ہیں فرض ہے فتاویٰ عالمگیری اور رد مختار میں صحیح اور مفتی بہ قول یہ لکھا ہے کہ ڈاڑھی کے ان بالوں کا مسح کرنا جو منہ کی جلد سے ملے ہوئے ہیں فرض ہے اور لنگی ہوئی کا دھونا فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے واللہ تعالیٰ اعلم وضو میں سنت یہ چیزیں ہیں ① ہاتھوں کا پہنچوں تک دھونا ② ابتدائے وضو میں بسم اللہ کہنا ③ مسواک کرنا ④ کلی کرنا ⑤ ناک میں پانی دینا ⑥ ڈاڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا ⑦ ہر عضو کو تین بار دھونا ⑧ نیت کرنا ⑨ اسی ترتیب سے وضو کرنا جس ترتیب سے

قرآن میں مذکور ہے ⑩ تمام سر کا مسح کرنا ⑪ اعضاء وضو کو پے در پے دھونا ⑫ سر کے پانی کے ساتھ ہی کانوں کا مسح کرنا (یعنی ہاتھ پر پانی ڈال کر جب سر پر مسح کیا جائے تو اسی ہاتھ سے کانوں کا مسح کیا جائے، کانوں کے مسح کے لئے الگ سے پانی کی ضرورت نہیں۔

وضو کے مستحبات یہ ہیں ① اعضاء وضو کو دھونے کے لئے دائیں طرف سے شروع کرنا (مثلاً پہلے دایاں ہاتھ دھویا جائے پھر دایاں) ② گردن کا مسح کرنا ③ وضو کے لئے قبلہ رخ بیٹھنا ④ اعضاء کا (دھوتے وقت) پہلی بار ملنا ⑤ غیر معذور کا وقت سے پہلے وضو کر لینا ⑥ ڈھیلی انگلی کو گھمانا پھر اسی طرح غسل میں قرط یعنی بالی کو گھمانا پھر انا، لیکن اس کے بارہ میں اتنی بات یاد رکھ لینی چاہئے کہ اگر غسل اور وضو کے وقت ان چیزوں کے متعلق یہ خیال ہو کہ ان کے نیچے بدن پر پانی پہنچ رہا ہے تو پھر یہ عمل مستحب ہو گا اور اگر یہ جانے کے پانی ان کے نیچے نہیں پہنچتا تو پھر ان کو بلا لینا فرض ہو گا ⑦ خود وضو کرنا مستحب ہے کسی دوسرے سے وضو نہ کرایا جائے ⑧ وضو کے وقت کوئی دینا وی گفتگو نہ کرنا چاہئے ہاں اگر کوئی مجبوری ہو کہ بغیر کلام و گفتگو کے مقصد اور حاجت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو کر سکتا ہے ⑨ ہر عضو کو دھونے کے وقت اور مسح کرتے وقت بسم اللہ پڑھے ⑩ ان دعاؤں کا پڑھنا جو عضو کے دھونے کے وقت پڑھنے کے لئے منقول ہیں ⑪ وضو مکمل کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ پر درود و سلام بھیجنا، مگر کتاب ”ترلیعی“ میں لکھا ہے کہ ہر عضو کو دھونے کے بعد درود و سلام بھیجنا مستحب ہے ⑫ وضو کے بعد شہادتین اور وہ دعائیں جو حدیث میں وارد ہیں پڑھنا (آگے حدیث میں یہ دعائیں آرہی ہیں) ⑬ وضو کا بقیہ پانی قبلہ رخ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پینا ⑭ بھوؤں اور مونچھوں کے نیچے، گوشہ چشم پر اور پاؤں کے کونچوں پر پانی پہنچانے کے لئے تعابد یعنی خبر گیری کرنا کہ یہ جھے خشک نہ رہ جائیں۔

مکروہات وضو یہ ہیں: ① منہ پر زور سے پانی مارنا ② اسراف کرنا ضرورت اور حاجت سے زیادہ پانی پہنانا ③ اعضاء کو تین تین مرتبہ سے زیادہ دھونا ④ نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کرنا۔

اور منہیات وضو یہ ہیں: ① عورت کے وضو کے نیچے ہوئے پانی سے وضو نہ کرنا چاہئے ② نجس جگہ وضو نہ کرنا چاہئے تاکہ وضو کے پانی کی بے حرمتی نہ ہو، ③ مسجد میں وضو نہ کرنا چاہئے البتہ کسی برتن میں یا اس جگہ جو وضو کے لئے خاص طور پر مقرر ہے وضو کرنا درست ہے ④ تھوک اور ریشہ وغیرہ وضو کے پانی میں نہ ڈالنا چاہئے۔

④ وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ التَّوَضُّوءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جو شخص وضو کرے“ اور اچھی طرح کرے (یعنی اس کے سنن و مستحبات کی رعایت کے ساتھ) تو اس کے (صغیرہ) گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں بھی وضو کی فضیلت اور طہارت کی بڑائی بیان کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وضو کرنا درحقیقت اپنے گناہوں کو اپنے جسم سے دھونا ہے جو جتنا زیادہ جتنی اچھی طرح وضو کرے گا اس کے اتنے ہی گناہ ختم کر دیئے جائیں گے اور پھر بطور مبالغہ کے فرمایا گیا ہے کہ وضو کرنے والے کے ناخنوں کے نیچے کے گناہ بھی وضو کرنے سے نکل جاتے ہیں یعنی وضو کرنے کے بعد اس کو نہ صرف یہ کہ ظاہری پاکی اور طہارت حاصل ہوتی ہے بلکہ وہ گناہوں سے بھی خوب پاک ہو جاتا ہے، یہ جملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہمارے یہاں یہ محاورہ بولا جاتا ہے کہ تباہی شیخی ناک کی راہ نکال دیں گے۔

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوْ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بَعَيْنُهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ كَانَتْ يَبْطِشْنَهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ

اٰخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتّٰی يَخْرُجَ نَفِیًّا مِّنَ الذَّنُوْبِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جب کوئی بندہ مسلمان یا فرمایا مومن وضو کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے منہ کو دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے وہ تمام گناہ جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کے منہ سے نکل جاتے ہیں (یعنی جو گناہ آنکھوں سے ہوئے ہیں جھڑ جاتے ہیں) پھر جب دونوں ہاتھوں کو دھوتا ہے تو ہاتھوں کے تمام گناہ جن کو اس کے ہاتھ نے پکڑا تھا پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے ہاتھوں سے خارج ہو جاتے ہیں (یعنی جو گناہ ہاتھ سے ہوئے ہیں جھڑ جاتے ہیں) پھر جب وہ دونوں پاؤں کو دھوتا ہے تو اس کے وہ تمام گناہ جن کی طرف وہ پاؤں سے چلا تھا پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔“ (مسلم)

⑤ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ تَخَضَّرُهُ صَلَاةٌ مَّكَتُوْبَةٌ فَيُحْسِنُ وَضُوْءَهَا وَخَشُوْعَهَا وَزَكُوْعَهَا اِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِّمَا قَبْلَهَا مِنَ الذَّنُوْبِ مَا لَمْ يُوْتِ كِبِيْرَةٌ وَذَلِكَ اَللَّهُ هُوَ كُلُّهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جو مسلمان فرض نماز کا وقت آنے پر اچھی طرح وضو کرے اور نماز میں خشوع و رکوع کرے تو (اس کی یہ نماز) ان گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے جو اس نے نماز سے پہلے کئے تھے، بشرطیکہ وہ گناہ کبیرہ نہ ہوں اور ایسا پیشہ ہوتا رہتا ہے (یعنی وہ نماز جو گناہوں کا کفارہ ہے کسی زمانہ میں مخصوص نہیں ہے یہ فضیلت ہر زمانہ میں قائم رہتی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: نماز کی اصل روح خشوع اور خضوع ہے اس لئے کہ نماز ہی وہ عبادت ہے جو بندہ کی انتہائی بے چارگی اور اس کے عجز کو ظاہر کرتی ہے لہذا نماز کے اندر جتنا زیادہ خشوع و خضوع ہوگا اتنے ہی اعلیٰ درجہ تک اس کی رسائی ہوگی نماز میں خشوع کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص نماز پڑھے تو نماز کے جتنے ظاہری و باطنی آداب ہیں سب کو بجالائے اور سب کی رعایت کرے تاکہ دل ترساں رہے جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو نہایت سکون کے ساتھ رہے نظر سجدہ کی جگہ پر ہو، سوائے نماز کے کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو اپنا دھیان نماز ہی میں رکھے کسی دوسری طرف دھیان نہ بٹے، بدن کپڑے اور ڈاڑھی وغیرہ سے کھیلے نہیں، دائیں بائیں طرف دیکھے نہیں اور آنکھ نہ بند کرے، یہ تمام چیزیں اگر نماز میں حاصل ہو جائیں تو پھر انشاء اللہ حضور قلب کی دولت بھی میسر آجائے گی جو عند اللہ نماز کی مقبولیت کا سبب ہے۔

حدیث میں صرف رکوع کا ذکر کیا گیا ہے سجدہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رکوع صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کی نماز میں مشروع ہے یہود و نصاریٰ کی نماز و عبادت میں علیٰ العموم رکوع نہیں ہوتا اس لئے اس کو بیان کر کے اس کی امتیازی حیثیت کو اجاگر کیا گیا ہے، آخر میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ ایسی نماز صرف صغیرہ گناہوں کے لئے کفارہ ہوتی ہے اور صغیرہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہے، کبیرہ گناہوں کا کفارہ نہیں ہوتی۔

⑥ وَعَنْهُ اَنَّهُ تَوَضَّأَ فَاَفْرَغَ عَلٰی يَدَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ تَمَضَّمَصَّ وَ اسْتَشْفَرُ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰی اِلَى الْمَوْقِفِ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰی اِلَى الْمَوْقِفِ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَاسِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰی ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرٰی ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هَذَا ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هَذَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكَعَتَيْنِ لَا يَحْدِثُ نَفْسَهُ فِيْهِمَا شَيْئًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ۔

”اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ”انہوں نے ایک مرتبہ وضو کیا“ چنانچہ انہوں نے پہلے اپنے ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا پھر تین مرتبہ کلی کی اور ناک جھاڑی (یعنی ناک میں پانی دینے کے بعد ناک سن کی پھر تین مرتبہ منہ دھویا، پھر تین مرتبہ اپنا داہنا ہاتھ کہنی تک دھویا (یعنی کہنی سمیت دھویا) پھر تین مرتبہ اپنا بائیں ہاتھ کہنی تک دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنا دایاں پر تین مرتبہ دھویا، پھر بائیں پر تین مرتبہ دھویا اور پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے جس طرح اب میں نے

وضو کیا ہے“ پھر فرمایا جو شخص میرے اس وضو کی مانند وضو کرے (یعنی فرائض و سنن اور مستحبات و آداب کی رعایت کے ساتھ) پھر دو رکعت نماز پڑھے اور نماز کے اندر اپنے دل سے کچھ باتیں نہ کرے (یعنی پورے دھیان سے نماز پڑھے تو اس کے تمام کچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم) اس روایت کے الفاظ بخاری کے ہیں۔“

تشریح: ۱۰: اعضاء وضو کا تین مرتبہ سے زائد دھونا تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پورے عضو تین مرتبہ دھو چکا ہے تو اب اس پر زیادتی نہ کرے یعنی تین بار سے زائد نہ دھوے اگر ایسی شکل ہے کہ ایک چلو سے آدھا عضو دھویا اور پھر دوسرے چلو سے آدھا دھویا تو یہ ایک مرتبہ ہی کہلائے گا مثلاً اسی طرح کسی عضو کو کچھ چلوں سے دھو کر تین بار کو پورا کیا تو یہ زیادتی نہ ہوگی بلکہ تین مرتبہ ہی ہوگا وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا انتہائی درجہ نہیں ہے بلکہ ادنیٰ درجہ ہے اگر زیادہ بھی پڑھے تو افضل ہے بہر حال یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وضو کے بعد نماز یعنی تحیۃ الوضو پڑھنی مستحب ہے اگر فرض یا سنت موکدہ ہی پڑے تو یہ بھی کافی ہے۔

آخر حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ نماز میں حضور قلب اور خشوع و خضوع بہت زیادہ مطلوب ہے چنانچہ آخری جملہ کا یہ مطلب ہے کہ جب نماز شروع کرے تو پھر اپنے دل کو نماز میں لگائے خیالات نماز سے باہر کہیں دوسری جگہ بھٹکنے نہ پائیں اور قلب میں دنیا کے خیالات اور ایسے تفکرات کو جو نماز کے منافی ہیں جگہ نہ دے خیال اللہ ہی کی طرف لگائے رکھے اگر خطرات و دوسواں دل میں آئیں تو ان کو دفع کر لے ہاں اگر دل میں ایسے خطرات پیدا ہوتے ہیں جو نماز میں حضور قلب کے منافی نہیں پھر کچھ مضر نہیں۔

⑥ وَعَنْ عَقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحَسِّنُ وُضْوءَهُ ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي رَكَعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بَقْلَبِهِ وَوَجْهِهِ إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عقبہ بن عامرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جو مسلمان وضو کرے اور اچھا وضو کرے پھر کھڑا ہو اور دو رکعت نماز پڑھے دل اور منہ سے متوجہ ہو کر (یعنی ظاہر و باطن کے ساتھ متوجہ ہو کر) تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: فرمایا گیا ہے کہ جب اچھی طرح وضو کرے تو کھڑا ہو اور دو رکعت نماز پڑھے تو یہ کھڑا ہونا یا حقیقہ ہو یعنی واقعی کھڑا ہو کر نماز پڑھے یا کھڑا ہونا حکماً ہو مثلاً بیٹھ کر پڑھے خصوصاً جب اس کو کوئی عذر اور مجبوری ہو کہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا یہ دونوں شکلیں مراد ہیں۔

⑧ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبَلِّغُ أَوْفُسَيْغِ الْوُضْوءِ ثُمَّ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَفِي رِوَايَةٍ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا فَتَحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ السَّمَاوِيَّةِ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ هَكَذَا، رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِي صَحِيحِهِ وَالْحَمِيدِيُّ فِي أَفْرَادِ مُسْلِمٍ وَكَذَا ابْنُ الْأَثِيرِ فِي جَامِعِ الْأُصُولِ وَذَكَرَ الشَّيْخُ مُجِئُ الدِّينِ التَّوَوِيُّ فِي آخِرِ حَدِيثِ مُسْلِمٍ عَلَى مَا رَوَيْنَاهُ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ، وَالْحَدِيثُ الَّذِي رَوَاهُ الْمُحَسِّي السُّنَّةُ فِي الصِّحَاحِ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضْوءَ إِلَى آخِرِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ فِي جَامِعِهِ بِعَيْنِهِ الْأَكْلَمَةِ أَشْهَدُ قَبْلَ أَنْ مُحَمَّدًا۔

”اور حضرت عمر بن الخطابؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”تم میں جو شخص وضو کرے اور (اس کی خوبیوں) کو انتہاء پر پہنچا دے یا آپ ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے کہ اور پورا وضو کرے پھر کہے أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ (یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور محمد ﷺ خدا کے بندے اور خدا کے رسول ہیں اور

لے ام گرامی عقبہ ابن عامرؓ جنہی ہے کثرت میں بہت زیادہ اختلاف ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ابو حمادؓ نے ابولہبید، ابو عمرو وغیرہ بھی کہا ہے مصر میں انتقال ہوا ہے۔“

ایک روایت میں ہے کہ اس طرح کہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ یعنی میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی خدائے واحد کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور شہادت دیتا ہوں اس بات کی کہ محمد ﷺ خدا کے بندے اور خدا کے رسول ہیں، تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس دروازے میں سے اس کا جی چاہے جنت میں داخل ہو (مسلم حمیدی جامع الاصول) اور امام نوویؒ نے مسلم کی حدیث کے آخر میں جس کو ہم نے روایت کیا ہے یہ ذکر کیا ہے کہ ترمذی نے (شہادتین پر اس دعا کے) یہ الفاظ زیادہ لکھے ہیں ”اے اللہ! مجھ کو توبہ کرنے والوں میں سے بنا اور پاکیزگی کرنے والوں میں شامل کر (یعنی مسلم کی روایت جس طرح ہم نے ذکر کی۔ یہ وہی روایت امام نوویؒ نے مسلم کی شرح میں نقل کی ہے اور اس کے آخر میں رواہ الترمذی اس لحاظ کی عبارت بڑھا دی ہے) اور وہ حدیث جس کو امام محی السنۃ نے صحاح میں روایت کی ہے یعنی مَنْ قَوَّضًا فَآخَسَنَ الْوُضُوْءَ الْخ (جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا“ آخر تک) اس کو امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں بعینہ اسی طرح نقل کیا ہے اَنْ مُحَمَّدًا سے پہلے اَشْهَدُ کا ذکر نہیں کیا ہے۔“

تشریح: مراتب اور درجات کے اعتبار سے جنت کے آٹھ حصے ہیں چنانچہ اس حدیث میں ”آٹھوں دروازوں“ کا جو ذکر کیا گیا ہے ان سے حقیقۃً دروازے مراد نہیں بلکہ ان آٹھ حصوں کو ایک ہی اعتبار کیا ہے اور ہر ایک کو دروازے سے تعبیر کیا ہے کبھی ایک کو بھی بہشت کہتے ہیں، اس حساب سے ”بہشت بہشت“ بولتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي الْخ یعنی ”اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا“ کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا! ہمیں تو اس کی توفیق عنایت فرما کہ جب ہم سے بھی تقاضائے بشریت کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور ہم سے کوئی لغزش ہو جائے تو ہم اس سے فوراً توبہ کر لیں اور اپنے عیوب سے رجوع کر لیں۔

اس دعا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم سے گناہ زیادہ واقع ہوں بلکہ یہاں یہ مراد ہے کہ جب گناہ سرزد ہو جائے تو ہمارے دلوں میں توبہ کرنے کا داعیہ پیدا کر دے خواہ گناہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں تاکہ اس آیت کے مطابق تیرے پسندیدہ اور محبوب بندوں کی جماعت میں شامل ہو سکیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ۔

”یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

یعنی خدا اپنے ان بندوں کو پسند کرتا ہے جو بارگاہ الوہیت سے منہ نہیں پھیرتے اور کسی موقع پر خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے دعا کے آخری جملہ ”اور پاکیزگی کرنے والوں میں شامل کر“ کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں باطنی پاکیزگی کی دولت سے نواز دے اور ہمارے اندر جتنے برے اخلاق اور بد خصال ہیں سب سے ہمیں پاک و صاف کر دے چنانچہ اس طرف اشارہ ہے کہ جسم اور اعضاء ظاہری کی طہارت و صفائی ہمارے اختیار میں تھی اس کو ہم نے پورا کر لیا، اب باطنی احوال کی طہارت اور اندرونی صفائی تیرے ہاتھوں میں ہے لہذا اپنے فضل و کرم سے باطنی پاکیزگی بھی عنایت فرماوے۔

(رباعی)

اے درخم چوگان تو دل ہم چوگوے بیروں نہ فرمان تو جاں یک سرموے

”اے اکہ تیرے خم چوگان میں ہمارا دل ایک گیند کی طرح ہے، ہم تیرے فرمان سے ایک موئے بدن بھی باہر نہیں ہیں۔“

ظاہر کہ بدست ماست شستیم تمام باطن کہ بدست تست آن راہ تو بشوے

”ظاہر جو ہمارے قبضہ میں تھا، ہم اسے دھوپکے ہیں۔ باطن جو تیرے قبضہ میں ہے اسے تو ہی دھوسکتا ہے۔“

آخر میں مشکوٰۃ کے مؤلف صاحب مصابیح پر ایک اعتراض فرما رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے جو حدیث فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءِ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ فَتَحْتَ لَهٗ ثَمَانِيَةَ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ كُوْصَا حِجَابٍ مِّنْ نَّقْلِ كَرْنَا مُنَاسِبٌ نِّمِيسٌ هٗ كِيُوْنِكِهٖ يِهٖ رَوَايَتِ بَخَارِي وَمُسْلِمٌ مِّنْ نِّمِيسٌ هٗ بَلْكَ يِهٖ رَوَايَتِ جَابِعِ تَرْمِذِي كِي هٗ، لِهٰذَا يِهٖ رَوَايَتِ صَحَابِ كِي بَجَائِ صَحَابِ مِّنْ نَّقْلِ كَرْنِي چاہئے تھی، پھر دوسری بات یہ ہے کہ ترمذی نے بھی اپنی روایت میں اَنْ مُحَمَّدًا سے پہلے اَشْهَدُ کا لفظ ذکر نہیں کیا ہے۔

اتنی بات اور جان لینی چاہئے کہ جزریؒ نے حصین میں اسن ماجہؒ ابن ابی شیبہؒ اور ابن سنیؒ کے حوالہ سے شہادتین کے بعد لفظ ثلاث مرات کا ذکر کیا ہے، یعنی شہادتین تین مرتبہ پڑھنی چاہئے اور نسائیؒ و حاکمؒ کی روایت میں اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ الْجَّحِ كِي بَعْدِ يِهٖ بَلْكَ يِهٖ مَقُولٌ هٗ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ لِهٰذَا اَوَّلِيْ اور بہتر ہے کہ جتنی دعائیں منقول ہیں وضو کے بعد سب ملا کر پڑھی جائیں نیز نہانے والے کے لئے بھی یہ دعائیں پڑھنا مستحب ہے۔

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اَمْسَيْتَ يَذْعُرُكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرَّةٌ مِّمَّحَلِّينَ مِنْ اَثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنْ اسْتَظْلَعَ مِنْكُمْ اَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”قیامت کے روز میری اُمت اس حال میں پکاری جائے گی کہ وضو کے سبب سے ان کی پیشانیاں روشن ہوں گی اور اعضا چمکتے ہوں گے لہذا تم میں سے جو شخص چاہے کہ وہ اپنی پیشانی کی روشنی کو بڑھائے تو اسے چاہئے کہ وہ ایسا ہی کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: غُرَّةٌ جمع ہے اغْرَ کی جس کے معنی ہیں سفید چہرہ اور مجل اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے ہاتھ پاؤں سفید ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز وضو کے اثر سے یہ تمام اعضاء روشن ہوں گے اور جب محشر میں نمازیوں کو جنت میں جانے کے لئے پکارا جائے گا تو وہ لوگوں کے درمیان سے اس طرح اُٹھیں گے کہ ان کے اعضاء وضو روشن و چمک دار ہوں گے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جس شخص کی خواہش ہو کہ قیامت کے روز اس کی پیشانی چمک اور اس کے اعضاء کی سفیدی دراز ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس عمل اور فعل کے کرنے میں پوری احتیاط سے کام لے جو اس سعادت کا سبب ہو گا یعنی وضو پوری رعایت سے کرے، چہرہ کو پیشانی کے اوپر سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک خوب اچھی طرح دھوئے۔

تجیل کی درازگی یہ ہے کہ پاؤں کو خوب اچھی طرح اور نگوں کے اوپر تک دھوئے یہاں تجیل کی درازگی کا ذکر نہیں فرمایا گیا ہے اس لئے کہ یہ دونوں یعنی غر اور تجل آپس میں لازم اور ملزوم ہیں جب ایک کی درازگی کا ذکر فرمایا تو دوسرا خود بخود مفہوم ہو جائے گا۔

⑩ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوْءُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا (جنت میں) مؤمن کو زیور (وہاں تک) پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ وضو کا پانی جن اعضاء پر پہنچتا ہے یعنی جو اعضاء وضو میں دھوئے جاتے ہیں جنت میں ان سب اعضاء کی زیورات سے زیب و زینت کی جائے گی، اسی طرح جس کا وضو جتنا زیادہ بہتر اور مکمل یعنی سنت کے مطابق ہو گا جنت میں اس کے اعضاء وضو کی آرائش اتنے ہی اعلیٰ پیمانہ پر ہوگی۔

الفصل الثانی

(۱۱) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقِيمُوا وَلَنْ تُحْصُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ - (رواہ مالک و احمد و ابن ماجہ و الداری)

”حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”سیدھے رہو اور سیدھے رہنے کی ہرگز طاقت نہ رکھ سکو گے، اور جان لو کہ تمہارے اعمال میں بہترین چیز نماز ہے اور وضو کی حفاظت مؤمن ہی کرتا ہے۔“ (مالک، احمد، ابن ماجہ، داری)

تشریح: سیدھے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال پر مستقیم رہو اور ہمیشہ سیدھی راہ پر چلتے رہو، ادھر ادھر رہے راستوں کی طرح میلان نہ کرو، اور چونکہ یہ امر مشکل تھا اس لئے آگے فرمایا کہ لَنْ تُحْصُوا یعنی پورے کمال اور رسوخ کے ساتھ تم استقامت اختیار نہیں کر سکتے اور جب یہ فرمادیا گیا کہ استقامت کی طاقت نہیں رکھ سکتے اور اعمال و افعال میں استقامت کے جو حقوق ہیں وہ پوری طرح ادا نہیں ہو سکتے تو آگے ایک نہایت آسان اور سہل راہ کی طرح رہنمائی کر دی گئی یعنی عبادت کی جڑ اور خلاصہ نماز پر آگاہ کر دیا کہ اگر صرف اسی ایک عمل اور ایک عبادت یعنی نماز میں استقامت اختیار کر لو گے تو تمام تقصیرات کا تدارک ہو جائے گا لہذا چاہئے کہ نماز پر مداومت اختیار کرو، اس کے جو شرائط و آداب ہوں ان کا خیال رکھو اور اس کے جو حقوق ہیں ان کو پوری طرح سے ادا کرو۔

بعد میں نماز کے مقدمہ اور شرط یعنی وضو اور طہارت کی طرف اشارہ فرمادیا ہے جس کو نصف ایمان کہا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا کہ وضو کی محافظت تو مؤمن کا خاصہ ہے اس لئے کہ وہ مؤمن کامل کا قلب و دماغ توجہ الی اللہ کی شعاؤں سے ہر وقت منور رہتا ہے وہ اپنے قلب و بدن دونوں کے ساتھ یعنی ظاہر و باطن بھی، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ بارگاہ الوہیت میں حاضری بغیر ظاہر و باطن کی صفائی و پاکیزگی اور بدون طہارت کے ادب کے منافی چیز ہے اور شانِ عبودیت کے خلاف بھی ہے اس لئے مؤمن وضو کی محافظت کرتا ہے اور وضو کے جو آداب و شرائط اور سنن و مستحبات ہیں ان سب کی رعایت کرتا ہے۔

(۱۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ عَلَى طَهْرٍ كُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ -

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جو شخص وضو کے اوپر وضو کرے تو اس کے واسطے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔“ (ترمذی)

تشریح: ایک تو مطلقاً وضو کرنے کا ثواب و اجر مقرر ہے وہ تو ملنا ہی ہے لیکن جو شخص وضو پر وضو کرے تو اس کے واسطے اس مقررہ اجر و ثواب کے علاوہ مزید دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اس سلسلہ میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ اجر و ثواب اس وقت ملتا ہے جب کے پہلے وضو کے بعد فرض یا نفل نماز پڑھ چکا ہو، اور اس کے بعد پھر وضو کرے۔

شرح السنہ میں منقول ہے کہ تجدید وضو اس وقت مستحب ہے جب کہ پہلے وضو سے کوئی نماز پڑھ چکا ہو اور بعض علماء کے نزدیک اگر پہلے وضو کے بعد نماز نہ پڑھی ہو تو وضو کرنا مکروہ ہے۔

الفصل الثالث

(۱۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلَاةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطَّهْرُ - (رواہ احمد)

”حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے۔“ (احمد)

نہ ام گرامی ثوبان ابن بجد ہے کنیت ابو عبد اللہ ہے بعض حضرات نے ابو عبد الرحمن بھی لکھی ہے آپ نے حص میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

تشریح: جیسے کہ مقفل دروازہ بغیر کنجی کے نہیں کھل سکتا اسی طرح بغیر وضو کے نماز نہیں ہو سکتی اور بغیر نماز کے جنت میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث میں محافظت نماز کی اہمیت کو بطور نمونہ بیان کیا گیا ہے، کہ گویا نماز حکم ایمان میں ہے کہ بغیر اس کے جنت میں جانا میسر نہیں ہو گا لہذا چاہئے کہ نماز خوب اچھی طرح ادا کی جائے اور بھی نماز ترک و قضا نہ کی جائے کہ دخول جنت کا سبب یہی ہے۔

(۱۴) وَعَنْ شَيْبِ بْنِ أَبِي رُوحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الزُّمَّ فَلَتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يُصَلُّونَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُونَ الظُّهُورَ إِنَّمَا يَلْبَسُ عَلَيْهِمْ قُرْآنٌ أَوَّلُكَ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت شیب بن ابی روح آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں سے کسی صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے (ایک مرتبہ) صبح کی نماز پڑھی اور اس کے اندر سورہ روم کو پڑھا (شاء نماز میں) آپ ﷺ کو مشابہ ہاچنانچہ جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو فرمایا ”لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہمارے ساتھ پڑھتے ہیں اور اچھی طرح وضو نہیں کرتے اور اس وجہ سے یہ لوگ ہم پر قرآن میں تشابہ ڈالتے ہیں۔“ (نسائی)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی عمل اور کسی عبادت کے جو سنن و آداب ہوتے ہیں وہ واجب کو کامل کرتے ہیں اور برکت کا سبب ہوتے ہیں، اسی برکت کا اثر نہ صرف یہ کہ عامل ہی کی ذات تک محدود رہتا ہے، بلکہ وہ برکت دوسروں میں بھی ہر اسیت کرتی ہے جیسے کہ کوتاہی اور قصور عامل کی ذات کے علاوہ دوسرے کے ضرر کا بھی باعث ہوتے ہیں نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنن و آداب پر عمل نہ کرنے سے فتوحات غیبیہ کا دروازہ بند ہوتا ہے۔

یہ حدیث درحقیقت ان بے بصیرت لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو محبت کی تاثیر کے منکر اور اس سے غافل ہیں لہذا ایسے لوگوں کے لئے غور کرنے کا مقام ہے کہ سرکارِ دو عالم، سید الرسل ﷺ پر باوجود اس رتبہ کے اور قرآن پڑھنے کی حالت میں جو تقرب الی اللہ کا وقت ہے ایک ادنیٰ اتنی کی محبت نے اثر کیا جس سے وضو کے آداب و سنت میں کوئی کوتاہی یا قصور ہو گیا تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو قرأت میں تشابہ لگا تو ایسے لوگوں کا کیا حشر ہو گا جو شب و روز اہل فسق اور اہل بدعت کی محبت کو اختیار کرتے رہتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ بھلائی اور بہتری اسی میں ہے کہ اہل فسق اور اہل بدعت کی محبت و ہم نشینی کو بالکل ترک کے علماء حق، صوفیائے کرام اور خدا کے نیک بندوں کی محبت اختیار کی جائے تاکہ ان کی ہم نشینی اور محبت کے اثرات و برکات اپنے اندر پیدا ہوں جو دین و دنیا دونوں جگہ کی بھلائی کے لئے ضامن ہیں۔

ابتداء روایت میں راوی نے اس صحابی کا نام ذکر نہیں کیا ہے جس سے یہ حدیث حاصل کی گئی ہے مگر حضرت میرک شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ وہ صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ ہیں۔

(۱۵) وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ قَالَ عَدَّهَنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَدَيَّ أَوْفَى يَدِهِ قَالَ التَّسْبِيحُ نِصْفُ الْمِيزَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تِمْلَأُ التَّكْبِيرُ تِمْلَأُ السَّمَاءَ وَالْأَرْضُ وَالصُّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ وَالظُّهُورُ نِصْفُ الْإِيمَانِ۔ زَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

”اور قبیلہ بنی سلیم کے ایک شخص راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے باتوں کو (جو آگے مذکور ہیں) میرے ہاتھ پر یا اپنے ہاتھ پر شمار کیا (چنانچہ) آپ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ کہنا (یعنی اس کا ثواب) آدمی ترازو بھر دیتا ہے اور الحمد للہ (سبحان اللہ کے ساتھ) کہنا (یا نفھ الحمد للہ کہنا) پوری ترازو کو بھر دیتا ہے اور اللہ اکبر کہنا بھر دیتا ہے اس چیز کو جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور روزہ آدھا صبر ہے اور پاک رہنا آدھا ایمان ہے۔“ (ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے)

تشریح: حدیث کو بیان کرتے وقت راوی کو شک ہو گیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان باتوں کو میرے ہاتھ پر شمار کیا ہے یا اپنے ہاتھ پر شمار کیا ہے بہر حال ان کو شمار اس طرح کیا کہ یا تو آپ نے ان صحابی کی انگلی پکڑی اور ان کو تھیلی پر بند کر کے ان پانچ باتوں کو شمار کیا۔ حدیث میں روزے کو آدھا صبر فرمایا گیا ہے، اس لئے کہ پورا صبر تو یہ ہے کہ نفس کو طاعت پر روکے یعنی احکام کو بجالائے اور گناہوں سے روکے یعنی ممنوع چیزوں کو نہ کرے اور روزہ نام ہے صرف نفس کو طاعت پر روکنے یعنی حکم الہی کو بجالانے لہذا اس اعتبار سے روزہ آدھا صبر ہوا۔

(۱۱) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ الصَّنَابِجِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ فَمَضْمَضَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيهِ وَإِذَا اسْتَنْشَرَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ أَنْفِهِ فَإِذَا غَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ وَجْهِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَصْفَارِ عَيْنَيْهِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ يَدَيْهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِ يَدَيْهِ فَإِذَا مَسَحَ بِرَأْسِهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رَأْسِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ أُذُنَيْهِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رِجْلَيْهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِ رِجْلَيْهِ ثُمَّ كَانَ مَشْيُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ وَصَلَاتُهُ نَافِلَةً لَهُ۔ (رواه مالک والنسائی)

”اور حضرت عبد اللہ صناہجیؒ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب بندہ مؤمن وضو کا ارادہ کرتا ہے اور کلی کرتا ہے تو گناہ اس کے منہ سے خارج ہو جاتے ہیں اور جب ناک بھارتا ہے تو گناہ اس کی ناک سے خارج ہو جاتے ہیں اور جب اپنا منہ دھوتا ہے تو گناہ اس کے منہ سے خارج ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کی پلکیوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں اور جب اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو گناہ اس کے ہاتھوں سے خارج ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس کے دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں اور جب اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو گناہ اس کے سر سے خارج ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس کے دونوں کانوں سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں، اور جب اپنے دونوں پاؤں دھوتا ہے تو گناہ اس کے دونوں پاؤں سے خارج ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں، پھر مسجد کی طرف اس کا چلنا ہوتا ہے اور اس کی نماز اس کے واسطے (اعمال میں) زیادتی ہے۔“ (مالک و نسائی)

تشریح: جیسا کہ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ وضو کرنے والا اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو گناہ اس کے سر سے خارج ہوتے ہیں پھر آگے فرمایا گیا ہے کہ ”یہاں تک کہ اس کے دونوں کانوں سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں“ اس جملہ سے اس بات کی وضاحت ہو گئی کہ کان سر میں داخل ہیں بائیں طور کہ جو حکم سر کا ہو گا وہی حکم کان کا ہو گا چنانچہ حنفی مسلک یہی ہے اس لئے یہ مسئلہ ہے کہ جب مسح کے لئے پانی لیا جائے تو اس پانی سے کانوں کا مسح بھی کر لیا جائے کانوں کے مسح کے لئے الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

آخر حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ”اس کی نماز اس کے واسطے (اعمال) زیادتی ہے یعنی جب یہ وضو سے فارغ ہوا تو گناہوں سے وضو کی وجہ سے پاک و صاف ہو چکا تھا، اب نماز زائد ہے جو وضو کی وجہ سے پاک و صاف ہو چکا تھا۔“

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى الْمَقْبِرَةَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ ذَا قَوْمٌ مُؤْمِنِينَ وَإِنَّا أَنْشَأَ اللَّهُ بَيْنَكُمْ لَا حَقُّونَ وَوَدِدْتُ أَنَا قَدَرْنَا إِنَّا إِخْوَانُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَنْتُمْ أَصْحَابِي وَإِخْوَانُنَا الَّذِينَ لَمْ يَأْتُوا بَعْدَ فَقَالَ كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ يَأْتِ بَعْدَ مِنْ أَمَتِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ أَرَأَيْتَ أَنَّ رَجُلًا لَهُ خَيْلٌ غَرَّ مُحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنِ خَيْلٍ ذُهُيمٌ بَيْنَهُمْ أَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهُ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَإِنَّهُمْ يَأْتُونَ غَرًّا مُحَجَّلِينَ مِنَ الْوَضُوءِ وَأَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْخَوْضِ۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ مقبرہ (یعنی جنت البقیع) میں (دعاء مغفرت کے لئے) تشریف لائے، چنانچہ (وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے مومنین کی جماعت! تم پر سلامتی ہو (یعنی آپ ﷺ نے اہل قبور کو سلام کیا اور فرمایا: ہم

لے ان کے صحابی ہونے اور نام میں اختلاف ہے لیکن ابن عیینہ کا قول تو یہی ہے کہ ان کا نام عبد اللہ یا ابو عبد اللہ بیان کیا جاتا ہے۔

بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں اور میں اس بات کی تمنا رکھتا ہوں کہ ہم اپنے بھائیوں کو یکھیں۔ ”آپ ﷺ نے فرمایا تم میرے دوست ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی (دنیا میں) نہیں آئے صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ آپ ﷺ کی امت میں سے جو لوگ ابھی نہیں آئے انہیں آپ ﷺ (قیامت میں کس طرح پہچانیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر کسی شخص کے پاس سفید پیشانی اور سفید ہاتھ اور پیروالے گھوڑے ہوں اور وہ نہایت سیاہ گھوڑوں میں ملے ہوئے ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑے کو پہچان لے گا؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں (یا رسول اللہ!) ان امتیازی اوصاف کی بنا پر تو وہ یقیناً پہچان لے گا) آپ نے فرمایا ”وہ (قیامت میں) وضو کے اثر سے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں کے ساتھ آئیں گے (لہذا اس علامت سے میں انہیں پہچان لوں گا) اور میں حوض کوثر پر ان کا میرا سامان ہوں گا۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ اور ان کے بعد ہونے والے مسلمانوں میں نہ صرف یہ کہ بڑا دلچسپ اور لطیف فرق بیان فرمایا ہے بلکہ صحابہ کو امتیازی شان بھی بخش دی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم میرے دوست ہو اور بعد میں پیدا ہونے والے مومنین میرے بھائی ہیں، یعنی تمہارے ساتھ تعلقات کی دونو عیتیں ہیں ایک تو یہ کہ تم میرے بھائی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ رفیق خاص بھی اور جو بعد میں آنے والے ہیں یعنی تابعین وغیرہ ان کے ساتھ ایک ہی تعلق ہے کہ وہ صرف میرے اسلامی بھائی ہیں۔

”میرا سامان“ کا مطلب یہ ہے کہ میں ان لوگوں سے پہلے ہی خدا کے یہاں جا کر ان کی مغفرت و بخشش اور بلندی اور درجات کے اسباب درست کروں گا۔

①۸ وَعَنْ أَبِي الدُّدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَوَّلُ مَنْ يُؤْذَنُ لَهُ بِالشَّحُودِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يُؤْذَنُ لَهُ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ فَانْظُرْ إِلَى مَا بَيْنَ يَدَيَّ فَأَعْرِفْ أُمَّتِي مِنْ بَيْنِ الْأُمَمِ وَمَنْ خَلَفَنِي مِثْلَ ذَلِكَ وَعَنْ يَمِينِي مِثْلَ ذَلِكَ وَعَنْ شِمَالِي مِثْلَ ذَلِكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ نَعْرِفُ أُمَّتَكَ مِنْ بَيْنِ الْأُمَمِ فِيمَا بَيْنَ نُوحٍ إِلَى أُمَّتِكَ قَالَ هُمْ غُرٌّ مُحَجَّلُونَ مِنْ أَثَرِ الْوُضُوءِ لَيْسَ أَحَدٌ كَذَلِكَ غَيْرَهُمْ وَأَعْرِفْهُمْ أَنَّهُمْ يُؤْتُونَ كُتُبَهُمْ بِإِيمَانِهِمْ وَأَعْرِفْهُمْ تَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ ذُرِّيَّتُهُمْ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن ان لوگوں میں سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جن کو سجدہ کی اجازت دی جائے گی اور (پھر) ان لوگوں میں سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جن کو سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی چنانچہ میں اس چیز کی طرف دیکھوں گا جو میرے آگے ہوگی (یعنی مخلوق کا مجمع) اور میں امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا، پھر میں اپنے پیچھے کی طرف اسی طرح اور اپنے دائیں طرف اور بائیں طرف (بھی) اس طرح دیکھوں گا (یعنی چاروں طرف از وہام خلق دیکھوں گا اور میں اپنی امت کو پہچان لوں گا) ایک صحابی نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! اپنی امت سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کی امت تک کی تمام امتوں میں آپ ﷺ اپنی امت کو کیونکر پہچان لیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”میری امت کے لوگ وضو کے اثر سے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں کے ہوں گے اس امت کے علاوہ کوئی دوسری امت اس طرح (امتیازی وصف کے ساتھ) نہیں ہوگی اور میں اپنی امت کو اس طرح بھی پہچان لوں گا کہ (میری امت کے لوگوں کو ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، نیز اس وجہ سے شناخت کر لوں گا کہ ان کی (خورد سال) اولاد ان کے آگے دوڑتی ہوگی۔“ (احمد)

تشریح: محشر میں جب سرکارِ دو عالم ﷺ بارگاہِ صمدیت میں حاضر ہوں گے تو شفاعت کے لئے سجدہ میں جائیں گے اور بمقدار ایک ہفتہ سجدہ میں رہیں گے پھر بعد میں بارگاہِ الوہیت سے حکم ہوگا کہ اے محمد (ﷺ)! اپنا سر مبارک اٹھائیے اور اے میرے محبوب مانگئے کیا مانگئے ہیں؟ ہم آپ (ﷺ) کی درخواست کو شرف قبولیت بخشیں گے اس کے بعد شافع محشر، آقا لے نادر، سرو رکانات، فخر موجودات جناب رسول اللہ ﷺ (فداہ روحی) مخلوق خدا کی شفاعت کے لئے اپنی لسان مبارک سے بارگاہِ خداوندی میں درخواست پیش فرمائیں

گے، حدیث کے ابتدائی حصہ میں اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

اس حدیث میں میدانِ حشر میں اُمتِ محمدیہ کی کثرت و زیادتی اور ان کے مراتب میں تفاوت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے چنانچہ فانظر الی ما بین یدی (یعنی میں اس چیز کی طرف دیکھوں گا جو میرے آگے ہوگی ایسے ہی عن شمالی مثل ذلک (یعنی اور بائیں طرف اس طرح دیکھوں گا) تک یہی مراد ہے کہ میرے چاروں طرف میری ہی اُمت پھیلی ہوگی اور پھر ان میں مختلف مراتب و درجات کے لوگ ہوں گے۔

صحابی کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے آج تک ایک بڑی لمبی مدت ہے اور ایک بڑا طویل زمانہ ہے اس دور ان میں ایک دو نہیں بہت زیادہ اُمتیں گزری ہیں، پھر تعدادِ اشار کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بے انتہاء مخلوق خدا اس زمانہ میں پیدا ہوئی اور مری ہے تو اتنے ازدحام اور اتنی امتوں میں آپ ﷺ اپنی اُمت کو کس طرح پہچان لیں گے، اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے اس امتیازی صفت کا ذکر فرمایا جس سے اُمتِ محمدیہ کے افراد متصف ہوں گے اور تمام امتوں میں ممتاز ہوں گے۔

اس سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا نام بطور خاص لینے کی وجہ یہی ہے کہ اول تو اس زمانہ کا طول مراد ہے دوسرے چونکہ یہ تمام نبیوں میں بہت زیادہ مشہور ہیں اس لئے ان کا نام لیا۔

بَابُ مَا يُؤْجِبُ الْوُضُوءَ

وضو کو واجب کرنے والی چیزوں کا بیان

اس باب میں ان چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو وضو کو توڑتی ہیں چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ان چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

① پاخانہ اور پیشاب کے راستہ سے نکلنے والی ہر چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسے پاخانہ، پیشاب اور ریح وغیرہ مگر جو ہوا مرد یا عورت کے آگے کے سرے سے نکلتی ہے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

② اس چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جو نجس ہو (جیسے خون اور پیپ وغیرہ) اور بدن میں خود بخود نکل کر اس حصہ تک پہنچ جائے جس کو غسل یا وضو میں دھونا لازم ہو، یعنی اگر ناک کے بالے اور آنکھ کے اندر رہے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ان کا دھونا لازم نہیں ہے۔

③ قے کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے منہ بھرتے کرنے میں خواہ اناج نکلے، پانی نکلے، جما ہوا خون یعنی سودا نکلے ان سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اگر بلغم نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا، اگر پتلے خون یا پیپ کی قے ہو تو اس میں منہ بھرنے کی شرط نہیں بلکہ تھوک کے برابر ہو یا تھوک پر غالب ہو جائے تب بھی وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر لم ہو گا تو نہیں ٹوٹے گا اگر ایک ہی متلی میں تھوڑی قے اتنی مقدار میں ہوئی کہ اگر اسے جمع کیا جائے تو منہ بھر جائے تو اس سے وضو جاتا ہے جس چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے وہ نجس نہیں ہوتی مثلاً تھوڑی سے قے کی بیدن سے خون اس طرح نکلا کہ وہ جسم پر بہا نہیں تو یہ ناپاک نہیں ہے۔

④ وضو ٹوٹ جاتا ہے دیوانہ ہونے سے۔

⑤ نٹے سے۔

⑥ بے ہوش ہو جانے سے۔

⑦ اور بالغ کے قبضے سے اس نماز میں جو رکوع و سجود والی ہو۔

⑧ مباشرہ فاحشہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، مباشرت فاحشہ اسے کہتے ہیں کہ انتشار اور جنسی ہیجان کے ساتھ مرد کا ستر عورت کے ستر سے

اور عورت کا ستر مرد کے ستر سے مل جائے یا دو عورتوں یا مردوں کے ستر مل جائیں۔

⑨ لیٹ کر اپنے بدن پر یا دیوار وغیرہ پر تکیہ لگا کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن یہ سونا اس طرح ہو کہ اگر تکیہ کی وہ چیز جس پر ٹیک لگا کر سویا ہوا ہے ہٹائی جائے تو گر پڑے۔

⑩ اگر اس طرح سو جائے کہ مقعد زمین سے اٹھ جائے یعنی پہلو پر یا کولہوں پر یا چپت یا منہ کے بل، یا کولہ سے لگا کر یا پیٹ پاؤں پر لگا کر جھکا ہوا سو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر کھڑا کھڑا سو جائے یا رکوع اور سجدہ کی حالت میں سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹا مگر شرط یہ ہے کہ رکوع و سجدہ ہیئت مسنونہ پر ہوں، اگر زخم میں کیڑے نکلیں یا گوست کٹ کر گر جائے تو وضو نہیں ٹوٹا۔

⑪ اگر جو تک لگائی جائے اور وہ خون پی کر بھر گئی یا بڑی چیچری نے پیٹ بھر خون پیا تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو وضو نہیں ٹوٹا۔

⑫ اگر کسی کی آنکھ دیکھنے آتی ہے اور آنسو نکلتے ہیں تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس سلسلہ میں اکثر لوگ غافل ہیں اس کا خیال نہیں کرتے اس لئے اس کا خیال رکھنا چاہئے ہاں اگر کوئی شخص ایسا ہے جس کی آنکھیں ہمیشہ جاری رہتی ہیں تو وہ صاحب عذر ہو جاتا ہے۔

⑬ اگر کان دکھتا ہے اور اس سے پیپ یا کچھ لہو نکلے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر بغیر درد کان پیپ وغیرہ کان سے نکلے تو اس سے وضو نہیں جاتا یہ تمام چیزیں جن کا ذکر کیا گیا ہے سب ناقض وضو ہیں ان سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان میں سے دو چیزیں یعنی پیشاب اور پاخانہ کے راستہ سے نکلنے والی چیزوں اور نیند پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ چیزیں ناقض وضو ہیں باقی چیزیں مختلف فہم ہیں۔

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْبَلُ صَلَاةٌ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَتَوَضَّأَ (متن علیہ)

الفصل الاول

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”بے وضو کی نماز قبول نہیں کی جاتی جب تک کہ وضو نہ کرے۔“ (بخاری مسلم) تشریح: اس کا تعلق اس شخص سے ہے جو پانی رکھتا ہو اور اس کے استعمال کی قدرت بھی اس کے اندر ہو یعنی جس شخص کے پاس پانی اور اس پانی کے استعمال کرنے میں اس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو تو اس کو نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے اگر اس نے وضو نہیں کیا تو اس کی نماز ادا نہیں ہوگی۔

اگر کوئی شخص پانی نہ پائے یا اس کے استعمال کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ بجائے وضو کے پاک و صاف مٹی سے تیمم کرے ایسا شخص جو نہ تو پانی پائے اور نہ پاک و صاف مٹی ہی اسے ملے اور نہ وہ ان کے استعمال کی قدرت رکھتا ہو تو ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں فاقد الطہورین کہتے ہیں اس شخص کے بارہ میں یہ حکم ہے کہ وہ نماز نہ پڑھے، ہاں جب پانی وغیرہ پائے تو وضو کر کے نماز پڑھے۔

اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا مسلک دوسرا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص یعنی ”فاقد الطہورین“ کو چاہئے کہ اس شکل میں بھی وقت نماز کے احترام میں بغیر وضو اور تیمم ہی کے نماز پڑھے جب اسے پانی یا مٹی دستیاب ہو جائے تو وضو یا تیمم کر کے قضا کر لے۔

ہمارے علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قصداً بغیر طہارت کے نماز پڑھے اور پھر یہ کہ اس سے اس کا مقصد احترام وقت بھی نہ ہو تو یہ شخص کافر ہو جاتا یا اگر لوگوں کی شرم کی وجہ سے محض دکھانے کے لئے بھی بغیر طہارت کے نماز پڑھے تو بھی کافر ہو جاتا ہے کیونکہ ان دونوں شکلوں میں اس نے شرع کی تحقیق کی ہے اس لئے ایسا شخص جو اپنے قول سے یا فعل سے شریعت کی تحقیر کا سبب بنتا ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ دائرہ اسلام اور ایمان میں رہ سکے۔

② وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طَهْوَرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُولٍ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”بغیر طہارت نماز قبول نہیں کی جاتی اور مال حرام کی خیرات قبول نہیں کی

جاتی۔“ (مسلم)

تشریح: حرام مال میں صدقہ خیرات کرنا چونکہ صدقہ و خیرات کی توہین و تحقیر ہے اس لئے اس کو بہت زیادہ قابل نفرت شمار کیا گیا ہے چنانچہ ہمارے علماء نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو شخص مال حرام میں سے صدقہ و خیرات کرتا ہے اور پھر اس کی امید بھی رکھتا ہے کہ اس سے ثواب ملے گا تو کافر ہو جاتا ہے۔

(۳) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَكُنْتُ أَسْتَحْيِي أَنْ أَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَأَمَزَتْ الْمِقْدَادَ فَمَسَّاهُ فَقَالَ يَغْسِلُ ذِكْرَهُ وَيَتَوَضَّأُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ”مجھے مذی بہت زیادہ آتی تھی چونکہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی (حضرت فاطمہؓ) میرے نکاح میں تھی اس لئے میں آپ ﷺ سے اس کا حکم دریافت کرتے ہوئے شرما تا تھا کہ آیا اس سے غسل واجب ہوتا ہے یا وضو اس لئے میں نے (اس مسئلہ کو آنحضرت ﷺ سے دریافت کرنے کے لئے حضرت مقدادؓ کو مامور کیا، چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا (اس طرح سے کہ ایک شخص ایسا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے) تو آپ نے فرمایا کہ (مذی نکلنے پر) پیشاب گاہ کو دھو ڈالے اور وضو کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث ایک اخلاقی معاملہ میں بڑی لطیف تنبیہ کر رہی ہے کہ داماد کو اپنے سر سے شہوت کی باتوں کا ذکر کرنا، ایسی چیزوں کا تذکرہ کرنا جن کا تعلق مباشرت عورت سے ہو یا جن کا بیان اخلاق و تہذیب اور شرم و حیا کے منافی و مناسب نہیں۔

(۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ تَوَضَّأُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ۔ (رواہ مسلم)
قَالَ الشَّيْخُ الْأَمَامُ الْأَحْلَى مَجِيئُ السَّنَةِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى هَذَا مُنْسُوخٌ بِحَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جس چیز کو آگ نے پکایا ہو اس کے کھانے کے بعد وضو کرو۔“ (مسلم)

”امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث سے منسوخ ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے بکری کا شانہ کھایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: پہلے حکم کی منسوخی تو حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث سے ہو گئی لیکن اس سلسلہ میں اس حدیث کی ایک دوسری تاویل اور کی جاتی ہے وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کے اس حکم کی کہ ”آگ کی کچی ہوئی چیز کو کھانے کے بعد وضو کرو“ سے مراد یہ ہے کہ جب تم کوئی کچی ہوئی چیز کھاؤ تو چکنائی وغیرہ دور کرنے کے لئے ہاتھ منہ دھو لیا کرو، کیونکہ نہ صرف یہ کہ نظافت و صفائی کا یہی تقاضا ہے بلکہ یہ سنت بھی ہے چنانچہ اسی کو وضو طعام بھی کہا جاتا ہے، اس صورت میں حدیث کو منسوخ کہنے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

(۵) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْغَنَمِ قَالَ إِنْ شِئْتَ تَتَوَضَّأُ وَإِنْ شِئْتَ فَلَا تَتَوَضَّأُ قَالَ أَتَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ قَالَ نَعَمْ فَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ قَالَ أَصَلِّيَ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَصَلِّيَ فِي مَبَارِكِ الْإِبِلِ قَالَ لَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابر بن سمرةؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے پوچھا کہ ”کیا ہم بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو کریں“

لے ام گرامی جابر بن سمرة اور کنیت ابو عبد اللہ عامری ہے سن وفات میں اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ۶۶ھ میں انہوں نے وفات پائی کچھ حضرات کی تحقیق ہے کہ ان کا سن وفات ۷۴ھ ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمہارا بی چاہے تو وضو کرو اور نہ چاہے تو نہ کرو۔ پھر اس شخص نے پوچھا کیا اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرو“ پھر اس شخص نے سوال کیا ”کیا بکریوں کے رہنے کی جگہ میں نماز پڑھ لوں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں! پھر اس شخص نے دریافت کیا ”کیا اونٹوں کے بندھے کی جگہ نماز پڑھوں؟“ آپ نے فرمایا ”نہیں۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت امام ضہل چونکہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اس لیے انہوں نے تو یہ حدیث دیکھ کر حکم لگا دیا کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنا چاہئے کیونکہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ لیکن حضرت امام اعظم، حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ یہ حضرات اس حدیث کا تحمل وضو کے لغوی معنی ”باتھ منہ دھونے“ کو قرار دیتے ہیں یعنی یہ حضرات فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ اونٹ کے گوشت میں بسانہ اور چکنائی زیادہ ہوتی ہے اس لئے اس کو کھانے کے بعد باتھ منہ دھولینا چاہئے چونکہ بکری کے گوشت میں بسانہ اور چکنائی کم ہوتی ہے اس لئے اس کے بارے میں فرمایا کہ اگر طبیعت چاہے اور انظاف کا تقاضا ہو تو باتھ منہ دھولیا کرو اور اگر طبیعت نہ چاہے تو کوئی ضروری نہیں ہے۔

اونٹوں کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھنے سے منع فرمانا بھی تنزیہی کے طور پر ہے اور منع اس لئے فرمایا کہ وہاں نماز پڑھنے میں سکون و اطمینان اور خاطر جمع نہیں رہتی۔ اونٹوں کے بھاگ جانے یا آلات مار دینے اور تکلیف پہنچانے کا خدشہ رہتا ہے بخلاف بکریوں کے چونکہ وہ بیچاری سیدھی سا دھڑی اور بے ضرر ہوتی ہیں اس لئے ان کے رہنے کی جگہ نماز پڑھ لینے کی اجازت دے دی۔

اتنی بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ نماز پڑھنے کے سلسلہ میں یہ جواز اور عدم جواز اس صورت میں ہے جب کہ مراءض (بکریوں کے رہنے کی جگہ) اور مبارک (اونٹوں کے بندھنے کی جگہ) نجاست و گندگی سے خالی ہوں اگر وہاں نجاست ہوگی تو پھر مراءض میں بھی نماز پڑھنی مکروہ ہوگی۔

① وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَيْتِهِ شَيْئًا فَاشْكَلْ عَلَيْهِ أَخْرَجْ مِنْهُ شَيْئًا أَمْ لَا فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ کے اندر کچھ پائے (یعنی قرقر) اور اس پر یہ بات مشتبہ ہو کہ کوئی چیز خارج ہوئی یا نہیں تو اس وقت تک وضو کے لئے مسجد سے باہر نہ نکلے جب تک آواز کو نہ سنے یا بونہ پائے۔“ (مسلم)

تشریح: ”جب تک کوئی آواز نہ سنے یا بونہ پائے“ یہ غالب کے اعتبار سے ہے ورنہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جب ریاح کا خارج ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جائے، خواہ آواز نہ سنے یا نہ بونہ معلوم ہو یا نہ معلوم ہو تو سمجھ لے کہ وضو ٹوٹ گیا ہے۔

② وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ إِنَّ لَهُ دَسْمًا۔ (تحف علیہ)

”اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکار دو عالم ﷺ نے دودھ پیا (اس کے بعد) کلی کی اور فرمایا دودھ میں چکناہٹ ہوتی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چکنی چیز کھانے کی بعد کلی کرنا مستحب ہے، اس لئے کہ اگر کلی نہ کی جائے تو ہو سکتا ہے کہ جو چیز کھائی گئی چکناہٹ کی وجہ سے اس کا کچھ حصہ منہ میں لگا رہ جائے، جب نماز پڑھی جائے تو حالت نماز میں پیٹ میں پہنچ جائے اس پر ہر اس چیز کو

قیاس کیا جاتا ہے جو منہ میں لگی ہو اور حالت نماز میں اس کے پیٹ میں پہنچ جانے کا خوف ہو تو اس سے بھی کلی کرنا مستحب ہے۔

اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے صفائی اور ستھرائی کے لئے ہاتھوں کو دھولیا چاہئے، ہاں اگر ہاتھ پہلے ہی سے صاف ستھرے ہیں اور نجاست و میل نہیں لگی ہے تو پھر ہاتھوں کا دھونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح کھانا کھانے کے بعد بھی ہاتھوں کو دھونا چاہئے اگر کھانا خشک ہونے کی وجہ سے یا چمچ وغیرہ سے کھانے کی وجہ سے ہاتھ میں کچھ نہ لگے تو پھر ہاتھوں کا دھونا ضروری نہیں ہے۔

آخر میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ بظاہر تو اس باب سے اس حدیث کی کچھ مناسبت نظر نہیں آتی ہے اس لئے یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ مصنف مشکوٰۃ نے اس حدیث کو اس باب میں کیوں ذکر کیا؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ چونکہ اس حدیث میں کلی کا ذکر کیا گیا ہے وہ متعلقات وضو سے ہے اس لئے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

⑧ وَعَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الصَّلَاةَ يَوْمَ الْفَتْحِ بَوْضُوءَ وَاحِدٍ وَمَسَحَ عَلَى خُفَيْهِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَقَدْ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا لَمْ تَكُنْ تَصْنَعُهُ فَقَالَ عُمَرُ صَنَعْتُهُ يَا عُمَرُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ ”فتح مکہ کے دن سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں (یعنی ایک ہی وضو سے پانچوں نمازیں پڑھیں) اور موزوں پر مسح کیا (یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ”آپ ﷺ نے آج وہ چیز کی ہے جس کو آپ ﷺ نے کبھی نہیں کیا“ آپ ﷺ نے فرمایا ”عمرؓ میں نے ایسا قصداً کیا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت عمرؓ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ پہلے تو آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے، مگر آج آپ ﷺ نے خلاف معمول ایک وقت وضو کر لیا پھر اسی وضو سے آپ ﷺ نے پانچوں نماز ادا فرمائی اور پھر ایک نئی چیز کی کہ موزوں پر مسح بھی فرمایا حالانکہ آپ ﷺ ایسا کبھی نہیں کرتے تھے۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا عمل کسی دوسری وجہ سے نہیں بلکہ میں نے قصداً کیا ہے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں اور دوسرے بھی ایسا کر سکتے ہیں۔

⑨ وَعَنْ سُؤْدَةَ بِنِ الثَّعْمَانِ أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ مِنْ أَدْنَى خَيْبَرَ صَلَّى الْعَصْرُ ثُمَّ دَعَى بِالْأَزْوَادِ فَلَمْ يَأْتِ إِلَّا بِالسُّوَيْقِ فَأَمَرَ بِهِ فَفُزِّي فَأَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاکْلَنَّا ثُمَّ قَامَ إِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت سودہ بن ثعمانؓ راوی ہیں کہ وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہمراہ خیبر (کے فتح) کے سال سفر پر گئے جب صہباء کے مقام پر پہنچے جو خیبر کے نزدیک ہے، عصر کی نماز پڑھی اور پھر آپ ﷺ نے توشہ (زاد راہ منگوا، چنانچہ ستوکے علاوہ کچھ نہ تھا جو حاضر کیا گیا اور آپ ﷺ کے حکم سے اس کو گھولا گیا، پھر آنحضرت ﷺ نے اور ہم نے اس کو کھایا اور پھر مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی اور وضو نہیں کیا۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث نے اس مسئلہ کی وضاحت کر دی کہ آگ سے کچی ہوئی چیز کو کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس لئے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ستوکھایا جو آگ ہی سے تیار کیا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف کلی کر کے مغرب کی نماز پڑھ لی اور وضو نہیں کیا۔

۱۔ ام گرامی بریدہ بن حبیب ہے ان کی کنیت جو مشہور ہے وہ ابو عبد اللہ ہے، یہ مدینہ کے باشندہ تھے مقام مرد میں زمانہ نزید بن معاویہ ۶۳ھ میں انتقال فرمایا۔
۲۔ ام گرامی حضرت سودہ ابن ثعمان ہے آپ کا شمار اہل مدینہ میں ہے۔

الفصل الثانی

(۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَضُوءَ إِلَّا مِنْ صَوْتٍ أَوْ رِيحٍ - (رواه احمد و الترمذی)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”وضو کرنا آواز یا بو سے واجب ہوتا ہے۔“ (احمد، ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ وضو شک سے نہیں ٹوٹتا، جب تک یقین نہ ہو جائے وضو باقی رہتا ہے یعنی پیٹ میں اگر محض قراقرہ ہو تو اس شبہ سے کہ شاید ریح کا اخراج ہو گیا ہو وضو نہیں ٹوٹے گا ہاں جب آواز کے نکلنے یا بو سے یقین ہو جائے کہ ریح خارج ہو گئی ہے تو جب وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۱۱) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذْيِ فَقَالَ مِنَ الْمَذْيِ الْوَضُوءُ وَمِنْ الْمَذْيِ الْغُسْلُ - (رواه الترمذی)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے (حضرت مقداد کے واسطے سے) سرکارِ دو عالم ﷺ سے مذی کے بارہ میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مذی نکلنے سے وضو لازم آتا ہے اور منی نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے۔“ (ترمذی)

(۱۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطَّهْوُورُ وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْهُ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ -

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”نماز کی کنجی وضو ہے“ نماز کی تحریم تکبیر (یعنی اللہ اکبر کہنا) ہے اور نماز کی تحلیل سلام پھیرنا۔ (ابوداؤد، ترمذی، دارمی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت علیؓ اور حضرت ابی سعید سے روایت کیا ہے)

تشریح: تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے سے نماز شروع ہو جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کھانا پینا اور جتنے کام نماز کے منافی ہیں اب سب حرام ہو گئے ہیں اور سلام پھیرنے سے نماز ختم ہو جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نماز شروع کر دینے سے جتنی چیزیں حرام کر لی گئی تھیں اب وہ سب حلال ہو گئی ہیں اسی کو فرمایا گیا ہے کہ نماز کی تحریم تکبیر اور اس کی تحلیل سلام پھیرنا ہے۔

(۱۳) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ ظَلْقٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلَا تَأْتُوا التِّسَاءَ فِيْ أَعْنَاجِزِهِنَّ - (رواه الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت علی بن ظلقؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب تم میں سے کوئی حدیث کرے (یعنی بغیر آواز کے) ہو اخراج (ہو) تو اسے وضو کرنا چاہئے، اور تم عورتوں سے (غلاف فطرت) ان کی مقعد (یعنی پاخانہ کی جگہ) میں جماع نہ کرو۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

(۱۴) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا الْعَيْنَانِ وَكَأَنَّ السَّهَ فَإِذَا نَامَتِ الْعَيْنُ اسْتَظْلَقَ الْوُكَاءُ - (رواه الدارمی)

”اور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”آنکھیں سرین کا سر بند ہیں چنانچہ آنکھ سو جاتی ہے تو سر بند کھل جاتا ہے۔“ (دارمی)

تشریح: جب انسان جاگتا رہتا ہے تو گویا اس کے مقعد پر بند لگا رہتا ہے جس کی وجہ سے ہو اخراج نہیں ہوتی بلکہ رک رہتی ہے اور اگر خارج ہوتی ہے تو اس کا احساس ہوتا ہے اور جب سو جاتا ہے تو چونکہ وہ بے اختیار ہو جاتا ہے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں تو ہوا کے خارج ہونے کا گمان رہتا ہے جس کا اسے یقینی احساس نہیں ہو سکتا اسی لئے نیند کو ناقض وضو کہا جاتا ہے۔

(۱۵) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَأَنَّ السَّهَّ الْعَيْنَانِ فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ۔

(رواہ ابوداؤد)

وَقَالَ الشَّيْخُ الْأَقَامُ مُحْيِي السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللَّهُ هَذَا فِي غَيْرِ السَّقَاعِ لِمَا صَحَّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَظِرُونَ الْعِشَاءَ حَتَّى تَحْفَقَ رُؤُوسُهُمْ ثُمَّ يُصَلُّونَ وَلَا يَتَوَضَّأُونَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ إِلَّا أَنَّهُ ذَكَرَ فِيهِ يَنَامُونَ بَدَلِ يَنْتَظِرُونَ الْعِشَاءَ حَتَّى تَحْفَقَ رُؤُوسُهُمْ۔

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”سرسن کا سر بند آنکھیں میں لہذا جو شخص سو جائے اسے چاہئے کہ وضو کرے۔“ (ابوداؤد)

”اور حضرت امام محی السنۃ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اسی شخص کے واسطے ہے جو بیٹھنا نہ ہو (بلکہ لیٹ کر سویا ہو) اس لئے کہ حضرت انسؓ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ کے اصحاب عشاء کی نماز بیٹھے ہوئے انتظار کیا کرتے تھے یہاں تک کہ نیند کے سبب سے ان کے سر جھک جاتے تھے، اس حالت میں وہ اٹھ کر نماز پڑھ لیتے تھے وضو نہ کرتے تھے۔ (ابوداؤد ترمذی) مگر ترمذی نے اپنی روایت میں یَنْتَظِرُونَ الْعِشَاءَ حَتَّى تَحْفَقَ رُؤُوسُهُمْ کے بجائے لَفْظًا مُمُونَ ذکر کیا ہے۔

تشریح: حضرت امام محی السنۃ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کا حکم سونے والوں کے بارہ میں نہیں ہے بلکہ ایسے شخص کے بارہ میں ہے جو لیٹ کر سو جائے، کیونکہ لیٹ کر سونے سے تمام اعضاء ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور اپنے اوپر پوری طرح اختیار نہیں رہتا اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس حالت میں ریاخ خارج ہو جائے اور اس کا احساس بھی نہ ہو۔

ہاں جو شخص لیٹ کر نہیں بلکہ بیٹھا بیٹھا اس طرح سو جائے کہ اس کی مقعد زمین پر رکھی رہے اور پھر جب وہ جاگے تو مقعد اسی طرح زمین پر ٹھیری ہوئی ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا چاہے وہ جتنا بھی سوئے، چنانچہ حضرت انسؓ کی مذکورہ حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بیٹھے ہوئے سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، بیٹھنے کی اقسام فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں، جن کو قیاس یا دیگر احادیث سے ثابت کیا گیا ہے۔

(۱۶) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْوُضُوءَ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا فَإِنَّهُ إِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَقَاصِلُهُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”وضو اس شخص پر لازم ہوتا ہے جو لیٹ کر سو جائے اس لئے کہ جس وقت آدمی لیٹتا ہے تو اس کے (بدن کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں) اور پھر ہوا خارج ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: حضرت میرک شاہ نے فرمایا ہے کہ حدیث منکر ہے کیونکہ اس کے راویوں میں ایک راوی یزید الدانی بھی ہے جو کہ کثیر الخطاء اور فاش الوہم اور ثقافت کے مخالف ہے۔

(۱۷) وَعَنْ بَسْرَةَ بِنْتِ صَفْوَانَ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَسَّ أَحَدُكُمْ ذِكْرُهُ فَلْيَتَوَضَّأْ۔ (رواہ مالک و احمد و ابوداؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و اللہری)

”اور حضرت بسرۃؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”تم میں سے جو شخص اپنے ذکر (عضو خاص) کو ہاتھ لگائے تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے۔“ (مالک، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی)

تشریح: پیشاب گاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جانے میں اختلاف ہے، بلکہ اس مسئلہ میں خود صحابہؓ میں بھی اختلاف تھا چنانچہ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے ذکر کو کنگنی پھیلی سے چھو دیا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، ان کی دلیل یہی مذکورہ حدیث ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ذکر کو چھو دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا، ان کی دلیل اباحہ کی حدیث ہے جو قیس بن علی کی روایت

کے ساتھ جسے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے، مسند ابی حنیفہؒ میں مذکور ہے اس کے علاوہ امام اعظمؒ کی دلیل میں اور بہت سی حدیثیں وارد ہیں اس سلسلہ میں مزید تفسی کے لئے شرح ملا علی قاری اور مشکوٰۃ کا ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی دیکھا جاسکتا ہے۔

حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں یعنی بسرہ کی یہ حدیث جو شوافع کی دلیل ہے اور طلق بن علی کی حدیث جو آگے آ رہی ہے اور حنفیہ کی دلیل ہے، درجہ حسن سے باہر نہیں ہیں لیکن حضرت طلق ابن علی کی حدیث کو حضرت بسرہ کی حدیث پر ترجیح ہوگی اس لئے کہ حضرت بسرہ عورت اور حضرت طلق بن علیؒ مرد ہیں اور ظاہر ہے کہ عورت کے مقابلے میں مرد کی حدیث قوی ہوتی ہے کیونکہ وہ عورت کی نسبت علم اور حدیث کو خوب اچھی طرح یاد رکھتے ہیں اور ان کی قوت حافظہ عورتوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے۔

(۱۸) وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَسْرِ الْجُلِّ ذِكْرَهُ بَعْدَ مَا يَتَوَضَّأُ قَالَ وَهَلْ هُوَ إِلَّا بَضْعَةٌ مِنْهُ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ وَقَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُجَاهِدٌ الشَّيْخُ هَذَا مَنْسُوخٌ لِأَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَسْلَمَ بَعْدَ قُدُومِ طَلْقٍ وَقَدْ رَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَفْضَى أَحَدُكُمْ بِنِدْبِهِ إِلَى ذِكْرِهِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ فَلْيَتَوَضَّأْ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالدَّارِقُطْنِيُّ وَرَوَاهُ التَّسَائِيُّ عَنْ بُسْرَةَ الْأَنْثَى لَمْ يَذْكُرْ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ)

”اور حضرت طلق بن علیؒ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ سے پوچھا گیا کہ وضو کرنے کے بعد اگر کوئی شخص اپنے ذکر کو چھوئے (تو کیا حکم ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ بھی تو آدمی کے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہؒ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے“ امام محی السنہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس لئے کہ حضرت ابوہریرہؓ حضرت طلق بن علیؒ کے آنے کے بعد اسلام لائے ہیں اور حضرت ابوہریرہؓ سے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث منقول ہے کہ جب تم میں سے کسی کا ہاتھ اپنے ذکر پر پہنچ جائے اور ہاتھ ذکر کے درمیان کوئی چیز چھالے نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وضو کرے۔“ (شافعی دارقطنیؒ اور نسائیؒ نے بسرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے جس میں لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ کے الفاظ مذکور ہیں۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بدن کے گوشت کے دیگر ٹکڑے مثلاً ہاتھ پاؤں کان ناک وغیرہ ہیں اسی طرح ذکر بھی بندہ کے گوشت ہی کا ایک ٹکڑا ہے اور جب ان دوسرے ٹکڑوں اور حصوں کو چھونے سے وضو نہیں لوثتا تو پھر ذکر کے چھو جانے سے کیوں وضو لوثے گا لہذا اس سے معلوم ہوا کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے۔

امام محی السنہؒ کا قول دراصل حضرات شوافع کی ترجمانی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ طلق بن علیؒ کے بہت بعد اسلام لائے ہیں، کیونکہ حضرت طلقؒ ہجرت کے فوراً بعد جب کہ مسجد نبویؐ کی تعمیر ہو رہی تھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور حضرت ابوہریرہؓ سن ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر اسلام لائے ہیں اس لئے حضرت طلق بن علیؒ کا آنحضرت ﷺ سے حدیث سنانا پہلے ہوا اور حضرت ابوہریرہؓ کا سنانا بعد میں ہوا ہوگا، لہذا حضرت طلقؒ کی حدیث منسوخ اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ناسخ ہوئی۔

حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت طلق کے اسلام لانے کے بعد حضرت ابوہریرہؓ کے اسلام لانے سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث سنی بھی بعد میں ہو شوافع کا یہ دعویٰ تو جب صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ثابت ہو کہ حضرت ابوہریرہؓ کے اسلام لانے سے پہلے ہی حضرت طلقؒ انتقال فرما چکے تھے یا یہ کہ اپنے وطن کو چلے گئے تھے کہ پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی کبھی حاضر نہیں ہوئے، اس لئے کہ اگر حضرت طلقؒ حضرت ابوہریرہؓ کے اسلام لانے پہلے انتقال فرما جاتے ہیں یا اپنے وطن کو واپس لوٹ جاتے تو پھر حضرت ابوہریرہؓ کے اسلام لانے کے بعد کچھ نہیں سن سکتے تھے مگر اب تو یہ ممکن ہے کہ حضرت طلقؒ نے یہ حدیث ابوہریرہؓ

لے آ کر امی طلق بن علی اور کنیت ابو علی ہے ان کی حدیثیں ان کے بیٹے قیس سے مروی ہیں۔

تشریح: اس حدیث نے بھی حنفیہ کے اس مسلک کی توثیق کر دی ہے کہ آگ سے کچی ہوئی چیز کھالینے سے وضو نہیں ٹوٹتا، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانا کھانے کے بعد اگر منہ ہاتھ پر چکناکی وغیرہ لگے تو ان کا وضو ضروری نہیں ہے۔

(۲۱) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهَا قَالَتْ قَرَّبْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَنْبًا مَشْوِيًّا فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس ایک بھنا ہوا پہلو لے گئی چنانچہ آپ ﷺ نے اس میں سے کھایا پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور وضو نہیں کیا (اور نہ ہاتھ منہ دھویا۔“ (احمد)

الفصل الثالث

(۲۲) عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ أَشْهَدُ لَقَدْ كُنْتُ أَشْوِي لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَظَنَ الشَّاةِ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابو رافعؓ فرماتے ہیں کہ اس بات کی قسم کھاتا ہوں کہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے لئے بکری کا پیٹ (یعنی پیٹ کے اندر کی چیزیں مثلاً دل کھجی وغیرہ) بھونتا تھا، آپ ﷺ (اس میں سے کھاتے) پھر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور وضو نہ کرتے۔“ (مسلم)

(۲۳) وَعَنْهُ قَالَ أَهْدَيْتُ لَهُ شَاةً فَجَعَلَهَا فِي الْقِدْرِ فَدَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا هَذَا يَا أَبَا رَافِعٍ فَقَالَ أَهْدَيْتُ لَنَبِيِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْذَّرَاعَ يَا أَبَا رَافِعٍ فَتَنَاوَلْتُهُ الذَّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذَّرَاعَ الْآخَرَ فَتَنَاوَلْتُهُ الذَّرَاعَ الْآخَرَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذَّرَاعَ الْآخَرَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا لِلشَّاةِ ذِرَاعَانِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّكَ لَوَسَّكْتَ لَنَا وَلَتَنِي ذِرَاعًا فَذِرَاعًا مَا سَكْتَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَتَمَضَّمْصَ فَاهُ وَغَسَلَ أَظْفَارَ أَصَابِعِهِ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى ثُمَّ عَادَ إِلَيْهِمْ فَوَجَدَ عِنْدَهُمْ لَحْمًا بَارِدًا فَأَكَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى وَلَمْ يَمْسَسْ مَاءً زَوْاهُ أَحْمَدُ وَزَوْاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ إِلَى آخِرِهِ۔

”اور حضرت ابو رافعؓ راوی ہیں کہ (ایک دن) میرے پاس تحفہ کے طور پر بکری بھیجی گئی، چنانچہ میں نے اس (کے گوشت) کو (پکانے کے لئے) ہانڈی میں ڈال دیا (اسی اثناء میں) آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا ”ابو رافع یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ! بکری کا گوشت ہے جو میرے پاس ہدیہ کے طور پر آیا تھا اسی کو میں نے ہانڈی میں پکا لیا ہے“ آپ نے فرمایا ”ابو رافع! ایک دست دوا میں نے دست خدمت اقدس میں پیش کر دیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا دوسرا دست دوا میں نے دوسرا دست بھی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا ایک دست اور دو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بکری کے تو دو ہی دست ہوتے ہیں (اور وہ دونوں ہی آپ کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں اب کہاں سے لاؤں) سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان سے فرمایا ”ابو رافع! اگر تم خاموش رہتے تو مجھ کو دست پر دست دیئے چلے جاتے جب تک کہ تم چپ رہتے، پھر آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور منہ دھویا (یعنی کلی کی) پھر انگلیوں کے پورے دھوئے اور کھڑے ہوئے اور پھر نماز پڑھ کر ابو رافع کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے نزدیک ٹھنڈا گوشت دیکھا چنانچہ آپ ﷺ نے اسے کھایا اس کے بعد مسجد تشریف لے گئے اور (شکرانہ کی) نماز پڑھی اور اس حدیث کو داری نے بھی روایت کیا ہے مگر نہ دَعَا بِمَاءٍ سے آخر تک ذکر نہیں کیا ہے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ کو دست کا گوشت بہت زیادہ مرغوب تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ دست کا گوشت زیادہ قوت بخش ہوتا ہے اس لئے آپ ﷺ اسے پسند فرماتے تھے تاکہ جسمانی طاقت و قوت زیادہ حاصل ہو جس کی وجہ عبادت خداوندی بخوبی ادا ہو سکے۔

ارشاد گرامی ”اگر تم خاموش رہتے تو مجھ کو دست پر دست دیئے چلے جاتے جب تک کہ تم چپ رہتے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم چپ رہتے اور میں جس طرح مانگتا جا رہا تھا تم اسی طرح اٹھا اٹھا کر دیتے رہتے تو تم دیکھ لیتے کی خداوند کریم اپنی قدرت سے معجزہ کے طور پر بے حد حساب دست مہیا فرماتا، لیکن چونکہ تمہاری نظر صرف ظاہر پر تھی اور تم نے یہ سوچ کر کہ بکری کے صرف دو ہی دست ہوتے ہیں اب کہاں سے لا کر دوں گا اپنا ہاتھ کھینچ لیا، اور جب تم نے خود ہی ہاتھ کھینچ لیا اور یہ جواب دے دیا تو ادھر بے بھی امداد غیبی کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واقعی سب دست ختم ہو گئے یہاں ایک ہلکا سا خلجان واقع ہو سکتا ہے کہ جب باری تعالیٰ کی جانب سے آنحضرت ﷺ کی خواہش کی تکمیل کی خاطر غیبی طور پر بکری کے دست کا انتظام کیا جا رہا تھا تو محض البورافغ کے جواب دے دینے سے وہ سلسلہ رک کھیں گیا اور پھر دست ظاہر کیوں نہیں فرمائے گئے۔ جواب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی جانب سے تمام اعزاز و کرامات اور فضل و عنایات محض خالص نیت اور توجہ الی اللہ کی بناء پر ہوتی ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی توجہ الی اللہ اور خدا کی جانب سے حضوری قلب میں البورافغ کے جواب سے کچھ فرق آگیا ہو اس لئے آپ ان کے جواب کے رد کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، چنانچہ ادھر سے بھی ہاتھ روک لیا گیا اور دست ختم ہو گئے۔

(۲۳) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنْتُ أَنَا وَأُمِّي وَأَبُو ظَلْحَةَ جُلُوسًا فَأَكَلْنَا لَحْمًا وَخَبْزًا ثُمَّ دَعَوْتُ بِوَضُوءٍ فَقَالَ لِمَ تَتَوَضَّأُ فَقُلْتُ لِهَذَا الطَّعَامِ الَّذِي أَكَلْنَا فَقَالَ اتَّوَضَّأُ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ - (رواہ احمد)

”اور حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں، امی، ابی بن کعبؓ اور ابو طلحہؓ بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے گوشت روٹی کھائی (کھانے سے فارغ ہو کر) میں نے وضو کے لئے پانی منگوایا ابی بن کعبؓ اور طلحہؓ نے کہا ”تم وضو کیوں کرتے ہو“ میں نے کہا ”اس کھانے کی وجہ سے جو میں نے ابھی کھایا ہے ان دونوں نے کہا ”کیا تم پاک چیزوں کے کھانے سے وضو کرتے ہو ان چیزوں کو کھا کر اس شخص نے وضو نہیں کیا جو تم سے بہتر ہیں (یعنی آنحضرت ﷺ)۔“ (احمد)

(۲۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كَانَ يَقُولُ قُبْلَةَ الرَّجُلِ امْرَأَتُهُ وَجَسْهَائِ يَدَيْهِ مِنَ الْمَلَامَسَةِ وَمَنْ قَبْلَ امْرَأَتِهِ أَوْ جَسْهَائِ يَدَيْهِ فَعَلَيْهِ الْوَضُوءُ - (رواہ مالک و الشافعی)

”اور حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ”مرد کا اپنی عورت سے بوسہ لینا یا اس کو اپنے ہاتھ سے چھوننا یہ بھی ملاست ہے اور جس شخص نے اپنی عورت کا بوسہ لیا یا اس کو ہاتھ سے چھوا تو اس پر وضو واجب ہے۔“ (مالک، شافعی)

تشریح: قرآن میں جس جگہ ان چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو وضو کو توڑنے والی ہیں انہیں ایک چیز ناقض وضو یہ بھی بتائی گئی ہے کہ:

أَوَلَمْ نَشْمِمْ التِّسَاءَ - ”یعنی تم عورت سے ملاست کرو۔“

”ملاست“ کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ اور اس کا محل کیا ہے؟ اسی میں اختلاف ہو رہا ہے، امام شافعیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ ملاست کے معنی عورت کو ہاتھ لگانا، تو گویا اس طرح امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کو محض ہاتھ لگانے کے بعد اگر کسی شخص کا وضو ہے تو وہ لوٹ جائے گا لہذا اگر وہ نماز پڑھنا چاہے تو اس کو دوبارہ وضو کرنا ضروری ہو گا۔

حضرت ابن عمرؓ کے مذکورہ بالا ارشاد کا مفہوم بھی یہی ہے جو حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی تصدیق کر رہا ہے چنانچہ حضرت ابن عمرؓ یہی فرما رہے ہیں کہ عورت کو صرف ہاتھ لگانا، یا عورت کا بوسہ لینا ملاست میں داخل ہے جس کو قرآن میں ناقض وضو فرمایا گیا ہے۔

ہمارے امام صاحبؒ ”ملاست“ کے معنی قرار دیتے ہیں ”جماع اور بہتری“ یعنی قرآن میں ملاست عورت کا جو ذکر کیا گیا ہے اور جسے ناقض وضو کہا گیا ہے اس سے جماع اور بہتری مراد ہے۔ امام اعظمؒ نے اپنے اس مسلک کی تصدیق میں دلائل کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا ہے جو فقہ کی کتابوں میں بڑی وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔

(۲۶) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ كَانَ يَقُولُ مِنْ قَبْلَةِ الرَّجُلِ اِمْرًا اَنَّهُ الْوُضُوءُ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ مرد کو اپنی عورت کا بوسہ لینے سے وضو لازم آتا ہے۔“ (مالک)

(۲۷) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ إِنَّ الْقُبْلَةَ مِنَ اللَّمَسِ فَتَوَضَّعُوا مِنْهَا۔

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ بوسہ لینا اس میں داخل ہے (جو قرآن میں مذکور ہے) لہذا بوسہ لینے کے بعد وضو کیا کرو۔“

تشریح: حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمرؓ کے ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔

ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک چونکہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے ان روایتوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اول تو یہ تمام روایتیں صحابہ پر موقوف ہیں یعنی یہ صحابہ کے اقوال ہیں اس لئے ان کا حکم حدیث مرفوع یعنی آنحضرت ﷺ کے ارشاد جیسا نہیں ہو سکتا دوسرے ان کے نزدیک یہ روایتیں درجہ صحت کو بھی نہیں پہنچی ہوئی ہیں۔

پھر اس سے قطع نظر آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث موجود ہے جو پہلے ذکر کی گئی اور جس کو حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ اس سے بصراحت یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، نیز اس کے علاوہ ”مسند ابی حنیفہ“ میں ایک دوسری حدیث مذکور ہے جسے حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا لَيْسَ فِي الْقُبْلَةِ وَضُوءٌ یعنی بوسہ لینے سے وضو لازم نہیں ہوتا“ گویا اس حدیث نے بھی اس بات کی تصدیق کر دی کہ عورت کو چھونے یا اس کا بوسہ لینے سے وضو نہیں ٹوٹتا لہذا ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے لئے ناخ ہو جن میں عورت کو چھونے یا اس کا بوسہ لینے کو ناقض وضو کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۸) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ تَيْمِمِ الدَّارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ زَوَاهُمَا الدَّارُ قُطْنِي وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ تَيْمِمِ الدَّارِيِّ وَلَا زَوْاهُ وَلَا زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ وَزَيْدُ بْنُ مُحَمَّدٍ مَجْهُولَانِ۔

”حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تميم داریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر بننے والے خون سے وضو لازم آتا ہے کہ ان دونوں روایتوں کو دارقطنی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے نہ تو تميم داریؒ سے سنا ہے اور نہ ہی انہیں دیکھا ہے نیز اس روایت کے دوران یزید ابن خالد اور یزید ابن محمد مجہول ہیں۔“

تشریح: حضرت امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے کہ ہر بننے والے خون سے وضو لازم آتا ہے یعنی اگر بدن کے کسی بھی حصہ سے خون نکالا اور نکل کر اس حصہ تک پہنچ گیا جس کا دھونا وضو اور غسل میں ضروری ہوتا ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا چنانچہ یہ حدیث امام صاحب کے مسلک کی دلیل ہے، امام صاحب کے علاوہ دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر خون، پیشاب یا پاخانہ کے راستہ سے نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے نکلا تو نہیں ٹوٹے گا۔

حضرت دارقطنیؒ اس حدیث میں کلام فرما رہے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے نہ تو تميم داریؒ سے سنا ہے اور نہ انہیں دیکھا ہے اس لئے حدیث مرسل ہے، نیز اس حدیث کے دوران یزید بن خالد اور یزید بن محمد مجہول ہیں گویا ان کا مقصد اس کلام سے یہ ہے کہ جس حدیث میں یہ کلام ہو اس کو امام صاحب کا اپنے مسلک کی دلیل بنانا کوئی وزنی بات نہیں ہے۔

۱۔ امیر المؤمنین حضرت عمر ابن عبدالعزیز اموی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور خلیفہ ہیں اور رجب ۱۰۱ھ میں اس جہاں فانی سے رحلت فرما گئے۔
۲۔ اہم گرامر تیمم بن اوس الداری ہے ۹ھ میں مشرف باسلام ہوئے ہیں حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام میں ان کی وفات پائی۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حدیث مرسل یہ نہ صرف یہ کہ ہمارے ہی نزدیک بلکہ جمہور علماء کے نزدیک بھی دلیل اور حجت بن سکتی ہے اسی طرح یزید ابن خالد اور یزید بن محمد کے مجہول ہونے میں بھی اختلاف ہے بعض حضرات نے تو انہیں مجہول قرار دیا ہے جیسا کہ دارقطنیؒ فرما رہے ہیں مگر بعض حضرات نے انہیں مجہول نہیں کہا ہے اس سے قطع نظر امام صاحبؒ کی اصل دلیل تو یہ حدیث ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ أَوْ أَمَذَى فِي صَلَوَتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَوَتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ - (کذا فی الہدایہ)

”اگر کسی شخص نے اپنی نماز میں تے کی یا اس کی تسبیح پھوٹی یا امذی نکلی تو اس کو چاہئے کہ وہ نماز سے نکل کر آئے اور پھر وضو کرنے اور جب تک کہ کلام نہ کرے اسی نماز پر ناکرے۔“

نیز ابوداؤد میں بھی اس مضمون کی حدیث منقول ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب اور پاخانہ کے مقام کے علاوہ بدن کے کسی دوسرے حصہ سے بھی خون نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

بَابُ آدَابِ الْخَلَاءِ پاخانہ کے آداب کا بیان

آداب ان چیزوں کو کہتے ہیں کہ جس کا ذکر کرنا اچھا اور بہتر ہو وہ چیزیں خواہ عمل سے تعلق رکھتی ہوں خواہ قول سے چنانچہ اس بات میں ان احادیث کو ذکر کیا جا رہا ہے جن کا تعلق استنجاء کے آداب سے ہے یعنی ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو استنجاء کے سلسلے میں ممنوع و مکروہ ہیں اور ان چیزوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو استنجاء میں مطلوب و مستحب ہیں۔

① عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تُسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِبُوا مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُجِئُ السَّنَةِ رَحِمَهُ اللَّهُ هَذَا الْحَدِيثُ فِي الصَّخْرَةِ أَمَّا فِي الْبُيُوتِ فَلَا بَأْسَ لِمَا زَوَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ إِذَا تَقَيْتُ فَوْقَ بَيْتٍ حَفْصَةً لِيُغْضِ حَاجَتِي فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِي حَاجَتَهُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ - (متفق علیہ)

”حضرت ابوالیوب انصاریؒ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم بیت الخلاء جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو بلکہ مشرق اور مغرب کی طرف منہ اور پشت رکھو (بخاری و مسلم) حضرت امام محی السنۃؒ فرماتے ہیں کہ یہ جنگل کا حکم ہے آبادی میں ایسا کرنا کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”میں اپنی ضرورت سے حفصہؓ کے مکان پر چڑھا تو میں نے آنحضرت ﷺ کو (بیت الخلاء میں) قضاء حاجت کرتے دیکھا، آپ ﷺ قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کئے ہوئے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث میں جہت اور سمت کا جو تعین فرمایا گیا ہے وہ اہل مدینہ کے اعتبار سے ہے یا ان لوگوں کے لئے جو اسی سمت رہتے ہیں اس لئے کہ مدینہ میں قبلہ جنوب کی طرف پڑتا ہے اس لئے انکو تو مشرق اور مغرب ہی کی طرف منہ اور پشت کرنی ہوگی، ہمارے ملک والوں کے لئے یا ان ممالک کے لئے جو اس سمت میں واقع ہیں ان کو مشرق اور مغرب کی طرف منہ اور پشت نہ کرنی چاہئے کیونکہ یہاں کے اعتبار سے قبلہ مغرب کی طرف پڑتا ہے۔

بہر حال۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، ہمارے امام صاحبؒ تو فرماتے ہیں کہ پیشاب، پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرنا چاہئے خواہ جنگل ہو یا آبادی و گھر ہو، اگر کرے گا تو مرتکب حرام ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قبلہ کی طرف منہ اور پشت کرنا جنگل میں تو حرام ہے آبادی و گھر میں حرام نہیں ہے۔
حضرت امام اعظمؒ کا دلیل پہلی حدیث ہے جو ابوالیوبؒ سے منقول ہے اس حدیث میں قبلہ کی طرف منہ اور پشت نہ کرنے کا حکم مطلقاً ہے اس میں جنگل و آبادی و گھر کی کوئی قید نہیں ہے لہذا جو حکم جنگل کا ہو گا وہی حکم آبادی کا بھی ہو گا یہ حدیث نہ صرف یہ کہ حضرت ابوالیوبؒ ہی سے منقول ہے بلکہ صحابہ کی ایک بڑی تعداد اس کی روایت کرتی ہے۔

پھر امام صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ اور پشت نہ کرنے کا حکم قبلہ کی تعظیم و احترام کے پیش نظر دیا ہے لہذا جس طرح جنگل میں تعظیم قبلہ ملحوظ رہے گا اسی طرح آبادی و گھر میں بھی احترام قبلہ کا لحاظ ضروری ہو گا جیسا کہ قبلہ کی طرف تھوکتا اور پاؤں پھیلاتا ہر جگہ منع ہے۔

امام محی السنۃؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی جو حدیث روایت کی ہے وہ حضرت امام شافعیؒ کی دلیل ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ کی طرف پشت کرنا گھر میں جائز ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اول تو یہ ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کو گھر میں بیت الخلاء کے اندر قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کئے ہوئے اس حکم کے نفاذ سے پہلے دیکھا ہو گا، لہذا یہ حکم پہلے کے لئے ناسخ ہے، پھر دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے نہیں ہوں بیٹھے ہوں گے بلکہ آپ ﷺ اس انداز سے گھوم کر بیٹھے ہوں گے کہ حقیقت میں قبلہ کی طرف پشت نہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ موقع کی نزاکت کے پیش نظر عبداللہ بن عمرؓ نے وہاں کھڑے ہو کر بغور تو آپ کو دیکھا نہیں ہو گا، بلکہ جب یہ چھت پر چڑھے تو ان کی نظر اچانک ادھر بیت الخلاء کی طرف اٹھ گئی ہوگی اس لئے اس رداری میں سرسری طور پر عبداللہ بن عمرؓ آپ ﷺ کی نشست کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکے اس حدیث کے بارے میں جب یہ احتمال بھی نکل سکتا ہے تو پھر حضرت شافعیؒ کو اپنے مسلک کی دلیل کے لئے اس کا سہارا لینا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

(۲) وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ نَهَانَا يَغْنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ نُؤْتِلَ أَوْ نَسْتَنْجِي بِالْيَمِينِ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِي بِأَقْلٍ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِي بِوَجْنِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ہمیں منع کیا ہے اس سے کہ ہم پاخانہ یا پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں اور اس سے کہ ہم داہنے ہاتھ سے استنجاء کریں اور اس سے کہ ہم تین ڈھیلوں سے کم سے استنجاء کریں اور اس سے کہ ہم گوبر یا ہڈی سے استنجاء کریں۔“ (مسلم)

تشریح: ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا مکروہ تنزیہی ہے گویا پہلی نبی تو تحریمی ہے اور دوسری تنزیہی ہے۔

اتنی بات جان لینی چاہئے کہ استنجاء کرنے کے وقت پیشاب گاہ کو دایاں ہاتھ نہ لگانا چاہئے بلکہ طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ ڈھیلا بائیں ہاتھ میں لے کر اس پر پیشاب گاہ کو رکھ لے گردائیں ہاتھ سے پکڑ کر نہ رکھے کیونکہ یہ بھی مکروہ ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنا واجب مگر ہمارے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ استنجاء کے لئے تین ڈھیلے لینا شرط نہیں ہے اگر تین سے کم ہی میں پاکی حاصل ہو جائے تو یہ بھی کافی ہے ان کی دلیل صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے کہ ”عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ باغائیکے تشریف لے گئے اور مجھ سے فرمایا کہ تین ڈھیلے لاؤ مجھے ڈھیلے تو دو ہی ملے اس لئے میں اس کے ساتھ گوبر کا ایک ٹکڑا بھی لایا، آنحضرت ﷺ نے دونوں ڈھیلے تو لے لئے اور گوبر کے ٹکڑے کو پھینک دیا۔“

لے آ کر امی سلمان فارسی اور کیت ابو عبداللہ ہے۔ ان کی وفات ۳۵ھ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری زمانہ میں ہوئی ہے بعض لوگوں نے کہا کہ ۳۶ھ کے اوائل میں ہوئی ہے۔

(۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءُ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب پاخانہ میں داخل ہوتے (یعنی داخل ہوگا ارادہ کرتے) تو یہ دعا پڑھتے اے اللہ میں تجھ سے پناہ لگتا ہوں ناپاک جنوں اور جینوں (یعنی نرمادہ دونوں سے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آداب پاخانہ میں سے یہ ہے کہ جب کوئی شخص پاخانہ کے لئے بیت الخلاء میں جائے تو اندر داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لینی چاہئے، اگر پاخانہ کے لئے جنگل میں جائے تو عین ارادہ کے وقت یعنی دامن وغیرہ سمیٹ کر بیٹھنے لگے اس وقت یہ دعا پڑھ لے۔

(۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَنْتِزِعُ مِنَ الْبَوْلِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا يَسْتَنْتِزِعُهُ مِنَ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يُمَشِّئُ بِالْثَّمِيمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً وَظَلَمَهَا بَيْنَ صَفْيَيْنِ ثُمَّ عَزَّزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ صَنَعْتَ هَذَا فَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَنْبَسِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے (انھیں دیکھ کر) فرمایا کہ ”ان دونوں قبر والوں پر عذاب نازل ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی بڑی چیز پر نہیں نازل ہو رہا ہے (کہ جس سے بچنا مشکل ہو) ان میں ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا“ مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا“ پھر آپ ﷺ نے ”مہجور کی“ ایک تر شاخ لی اور اس کو بچ سے آدھوں آدھ چرا انہیں ایک ایک کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیا۔“ صحابہ نے (یہ دیکھ کر) پوچھا ”یا رسول اللہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”شاید (اس عمل سے) ان کے عذاب میں (اس وقت تک کے لئے) کچھ تخفیف ہو جائے جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”مسلم“ کے الفاظ کی مناسبت سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلا شخص جس پر اس کی قبر میں عذاب نازل ہو رہا تھا وہ بچہ پیشاب سے بچتا نہیں تھا یعنی پیشاب کرتے وقت اس بات کی احتیاط نہیں کرتا تھا کہ جھینٹیں اس کے اوپر نہ پڑیں ایک دوسری روایت میں لا یستبرأ کے الفاظ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ”وہ شخص پیشاب سے پاکی طلب نہیں کرتا تھا“ نیز ایک روایت میں لا یستنتز کے الفاظ مذکور ہیں استنار کے معنی آتے ہیں عضو متاہل کو زور جھاڑنا یا کھینچنا تاکہ پیشاب کے جو قطرے اندر رہ گئے ہوں وہ نکل جائیں (اس طرح معنی یہ ہوں گے وہ شخص پیشاب گاہ کو اچھی طرح جھاڑ کر پیشاب کے قطروں کو نکالتا تھا۔

بہر حال ان تمام الفاظ کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے، مطلب سب کا یہی ہے کہ وہ پیشاب سے پاکی اور صفائی حاصل نہیں کرتا تھا اور چونکہ پیشاب سے پاکی حاصل نہ کرنا گناہ کبیرہ اور نماز کے بطلان کا سبب ہے اس لئے اسے خدا کی جانب سے عذاب میں گرفتار کیا گیا۔ اس سلسلہ میں ایک خاص بات ضروری ہے کہ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ غلط اور گمراہ کن خیال پیدا ہو گیا ہے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ ڈھیلے سے پیشاب خشک کرتے تھے اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ پیشاب کے بعد ڈھیلے کا استعمال نہ کرے، یہ انتہائی گمراہی اور کم عقلی کی بات ہے، اگر کسی شخص کا مزاج ہی اتنا قوی اور مضبوط ہو، نیز اسے اس بات کا یقین ہو کہ پیشاب سے فارغ ہو جانے کے بعد قطرے نہیں آئیں گے تو البتہ اس کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ صرف پانی سے استنجاء پاک کر لے ڈھیلے کا استعمال کرنا اس کے لئے ضروری نہیں ہوگا اور جس کے قطرہ دیر تک آتا ہو جیسا کہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے تو پھر اگر وہ ڈھیلے کا استعمال نہ کرے صرف پانی سے پاک کرے گا تو اس کے پانجامہ اور کپڑا وغیرہ گندا اور ناپاک ہوگا، جہاں تک حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس کا سوال ہے تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کا مزاج مبارک مضبوط اور قوی انتہائی طاقتور تھے اس لئے

آپ ڈھیلے کا استعمال نہیں فرماتے تھے صرف پانی ہی سے استنجاء پاک کر لیتے تھے۔ پھر دوسرے یہ کہ وہ فعل جو آنحضرت ﷺ سے خود ثابت نہ ہو مگر اس کا کرنا کسی نہ کسی وجہ سے مطلوب اور ضروری ہو تو اسے یہ گہہ کرنا قابل اعتناء قرار نہیں دیا جاسکتا کہ یہ فعل چونکہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اس لئے ہم بھی اسے نہیں کرتے مثلاً آپ ﷺ نے فصد نہیں کرائی ہے اب اگر کسی دوسرے کو فصد کی حاجت ہو اور وہ یہ کہے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ نے فصد نہیں کرائی ہے اس لئے میں بھی فصد نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ یہ بات اسی کے لئے نقصان دہ ہوگی۔

بہر حال مقصد یہ ہے کہ نظر شارع کی غرض پر ہونی چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ شارع کا اصل مقصد کیا ہے اور وہ ظاہر ہے کہ ”طہارت“ ہے جس کی ہمیں تاکید کی گئی ہے اس لئے ہمیں تو طہارت حاصل کرنی چاہئے خواہ وہ کسی طرح حاصل ہو پانی سے حاصل ہو یا ڈھیلے سے اس قسم کی بیہودہ احتمالات نکال کر اور غلط حیلہ و بہانہ کر کے اپنے کپڑوں کو گندہ کرنا اور نجاست میں اپنے آپ کو ملوث کرنا اور پھر اسی طرح نماز پڑھنا انتہائی غلط اور گمراہی کی بات ہے، پیشاب سے بچنے اور اس سے احتیاط کرنے کی کتنی اہمیت ہے؟ اس کا اندازہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ہو سکتا ہے کہ:

آپ ﷺ نے فرمایا ”عذاب قبر اکثر پیشاب کی بناء پر ہوتا ہے (اس لئے) پیشاب سے پاکی حاصل کرو۔“ یا اسی طرح فرمایا ”پیشاب سے پرہیز کرو اس لئے کہ وہ اس چیز کا اول ہے جس کی وجہ سے بندہ قبر میں حساب (کی سختی) میں گرفتار ہوگا (طہرائی) پھر اس کے علاوہ ایک چیز یہ بھی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ پیشاب کے بعد ڈھیلا استعمال کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ صحابیؓ کا فعل حجت ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”میری سند کو لازم پکڑو اور خلفائے راشدین کی سنت کو بھی لازم پکڑو۔“

چنانچہ حضرت عمرؓ کے بارہ میں مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہے کہ:-

ابوبکر عن یسار، بن نمیر کان عمر اذا بال مسح ذکرہ بحائط او حجر لم یمسہ ماء۔

”حضرت عمر فاروقؓ جب پیشاب کرتے تھے تو اپنا عضو متال دیوار پر یا پتھر پر پھیرتے تھے اور اس پر پانی لگاتے بھی نہیں تھے۔“

نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر کہ پیشاب کے بعد ڈھیلا استعمال کرنا چاہئے اہل سنت کا اتفاق و اجماع ہے، واللہ علم ”نمیمہ“ کے معنی ہیں خن چینی، یعنی کوئی شخص ایسے دو آدمیوں کی بات جن میں آپس میں دشمنی ہو ایک دوسرے تک فساد پھیلانے کے لئے پہنچائے یا کوئی شخص دو آدمیوں میں دشمنی پیدا کرے اس طرح کہ ایک کی بات دوسرے کے پاس قسم اور گالی وغیرہ سے اس انداز سے نقل کرے جس سے اشتعال پیدا ہو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ”نمیمہ“ کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی گفتگو کسی دوسرے آدمی سے ضرر پہنچانے کے لئے نقل کی جائے بہر حال آج کل عرف عام ہے جسے ”چغل خوری“ کہتے ہیں وہی معنی ”نمیمہ“ کے ہیں ”چغل خوری“ چونکہ انسانی اور اخلاقی نقطہ نظر سے انتہائی بدترین اور کینہہ خصلت ہے اس لئے اسلام بھی چغل خور کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور چغل خوری کو ایک بدترین قرار دیتا ہے چنانچہ صحیحین میں منقول ہے کہ ”جنت میں چغل خور داخل نہیں ہوگا۔“

حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ کعب احبار سے جو ایک بڑے یہودی عالم تھے اور بعد میں اسلام لائے، پوچھا کہ تم نے توریت میں سب سے بڑا گناہ کون سا پڑھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ”چغل خوری“۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا گناہ قتل کے گناہ سے بھی زیادہ ہیبت ناک ہے! انہوں نے کہا ”قتل بھی چغل خوری ہی سے ہوتے ہیں اور دوسری برائیاں بھی اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔“

حدیث۔ آخر میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے کھجور کی تر شاخ لے کر اس کے دو ٹکڑے کئے اور ایک ایک ان دونوں قبروں

پر گاڑ دیا اور پھر صحابہؓ کے سوال پر آپ ﷺ نے اس کی وجہ یہ فرمائی کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی اس وقت کے لئے ان کے عذاب میں شاید کچھ تخفیف ہو جائے۔ تو عذاب کے تخفیف کا سبب علماء یہ لکھتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب اپنی روحانی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ خدا کے عذاب میں گرفتار ہیں تو سرکارِ دو عالم ﷺ کی شانِ رحمت اسے برداشت نہ کر سکی، آپ ﷺ نے بارگاہِ الوہیت میں ان کے لئے رحم و کرم کی درخواست کی، اہم غفور الرحیم نے بھی اپنے حبیب کی درخواست کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور فیصلہ صادر فرمایا دیا کہ جب تک ان پر گاڑی ہوئی شاخیں خشک نہ ہوں اس وقت تک ان دونوں پر عذاب میں کمی کر دی جائے۔

چنانچہ اس کی وضاحت بھی ایک دوسری روایت میں موجود ہے جسے مسلم نے نقل کیا ہے اس کے آخر کے الفاظ یہی ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے میری شفاعت قبول فرمائی ہے کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی یہ عذاب میں گرفتار نہیں رہیں گے۔“

بہر حال بظاہر تو اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے جس کی تصدیق بھی مسلم کی اس روایت سے ہو جاتی ہے، ویسے علماء نے اس کے علاوہ بھی بہت سے اسباب لکھے ہیں جو دیگر کتابوں اور شروح میں وضاحت کے ساتھ منقول ہیں چنانچہ کرمائی کا قول ہے کہ ”تخفیف عذاب کا سبب وہ تر شاخ تھی کہ اس کے اندر رفق عذاب کی خاصیت تھی مگر یہ خاصیت اس کی بنفسہ نہیں تھی بلکہ یہ خاصیت اسے سرکارِ دو عالم ﷺ کے دست مبارک کی برکت کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔“

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء اور صلحاء اور خدا کے نیک بندوں کو چاہئے کہ وہ قبور پر جایا کریں تاکہ ان کی وجہ سے اہل قبر کے عذاب میں تخفیف ہو کیونکہ صالحین کا قبروں پر جانا مردوں کے عذاب میں تخفیف کا باعث ہوتا ہے۔

⑤ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الْأَعْيُنَ قَالُوا وَمَا الْأَعْيُنُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الَّذِي يَنْتَحِلُ فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ فِي ظِلِّهِمْ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”تم ان دو چیزوں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں“ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! وہ چیزیں کیا ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ایک تو یہ ہے کہ کوئی شخص لوگوں کے راستہ میں پاخانہ کرے، دوسرے یہ کہ کوئی شخص لوگوں کے سایہ کے نیچے پاخانہ کرے۔“ (مسلم)

تشریح: علماء نے اس ارشاد کی یہ وضاحت کی ہے کہ راستہ سے مراد شاہراہ ہے یعنی ایسا راستہ اور ایسی سڑک وغیرہ جس پر لوگ اکثر چلتے پھرتے ہوں یہاں وہ راستہ مراد نہیں ہے جو دیر ان پڑا رہتا ہو یا کبھی کبھی اس پر کوئی اکا دکا آدمی چلتا پھرتا ہو۔

”سایہ“ مراد وہ سایہ دار درخت ہے یا سائبان ہے جس کے نیچے لوگ اٹھتے بیٹھتے ہوں، یا وہ لوگوں کے سونے کی جگہ ہو بہر حال ان دونوں جگہوں پر پاخانہ کر کے گندگی اور غلاظت پھیلانے سے منع کیا جا رہا ہے، اس لئے کہ اس سے مخلوقِ خدا کی ایذا رسانی کا سامان ہوتا ہے اور لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک مؤمن و مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کی تکلیف و پریشانی کا سبب بنے۔

⑥ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَنْتَفِشْ فِي الْإِنَاءِ وَإِذَا أَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمْسُ ذِكْرَهُ بِيَمِينِهِ وَلَا يَتَمَسَّحُ بِيَمِينِهِ (مشق علیہ)

”اور حضرت ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیئے تو پانی پینے کے برتن میں سانس نہ لے اور جب پاخانہ میں جائے تو داہنے ہاتھ سے عضوِ مخصوص کو نہ چھوئے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے۔“ (بخاری و مسلم)

یہ آگرمی حادث بن رہی ہے انصاری اور خزرجی ہیں آپ اپنی کنیت ابو قتادہ سے مشہور ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں دو ادب بتائے جا رہے ہیں پہلی چیز تو یہ بتائی جا رہی ہے کہ جب کوئی شخص پانی پئے تو اسے چاہئے کہ وہ پانی پینے کے دوران اسی برتن میں سانس نہ لے جس میں وہ پانی پی رہا ہے جب اسے سانس لینا ہو تو برتن کو منہ سے جدا کر دے تاکہ منہ یا ناک سے کوئی چیز نکل کر پانی میں نہ گر پڑے۔

دوسری چیز یہ بتائی جا رہی ہے کہ جو کوئی شخص پاخانہ جائے تو اسے چاہئے کہ وہ داہنے ہاتھ سے نہ تو اپنے عضو مخصوص کو چھوئے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے، اس لئے کہ داہنے ہاتھ سے کھانا وغیرہ کھایا جاتا ہے اور یہ چیز صفائی اور پاکیزگی کے خلاف ہے کہ جس ہاتھ سے کھانا وغیرہ کھایا جائے اسی ہاتھ سے ایسے اعضاء کو چھوا جائے جس سے گندگی اور غلاظت لگتی ہو۔

⑦ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْتِزْ وَمَنِ اسْتَنْجَمَ فَلْيُتَوِزْ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص وضو کرے تو اسے چاہئے کہ وہ ناک کو بھی جھٹاڑے اور جو شخص (پاخانہ کے بعد) دھیلے سے استنجاء کرے اسے چاہئے کہ طاق دھیلے سے (یعنی تین، یا پانچ، یا سات)۔“ (بخاری و مسلم)

⑧ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَأَخْمِلُ أَنَا وَغُلَامٌ إِذَا وَءَ مِنْ مَاءٍ وَعَنْزَةٌ يَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ - (متن علیہ)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب پاخانہ کے لئے تشریف لے جاتے تو میں اور ایک لڑکا (یعنی حضرت بلالؓ یا حضرت ابن مسعودؓ) پانی کی چھال اور ایک برچھی لیتے، آپ ﷺ (دھیلوں سے صفائی کے بعد) پانی سے استنجاء کرتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب آپ پاخانہ کے لئے تشریف لے جاتے تو ایک خادم پانی کا برتن اٹھاتے اور دوسرے خادم ایک برچھی ساتھ لے کر چلتے، برچھی اس لئے ساتھ لے جاتے کہ اس سے زمین کو کھود کر نرم کر دیا جائے تاکہ پیشاب اس میں کریں جس کی وجہ سے چھینٹیں نہ پڑیں یا زمین پر بہہ کر پاؤں وغیرہ میں لگنے کا خدشہ نہ رہے۔

دوسری غرض یہ ہوتی تھی کہ بوقت ضرورت اس سے دھیلے اکھاڑے اور توڑے جا سکیں یا بھرے کہ وقت پر کوئی دوسری ضرورت پیش آئے جس میں اس کی ضرورت پڑے تو اس میں کام آسکے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

⑨ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتِمَهُ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ هَذَا حَدِيثٌ مُشْكُوفٌ فِي رَوَاتِهِ وَضَعُ بَدَلٍ نَزَعَ -

”حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے“ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے نیز ان کی روایت لفظ نزاع کے بجائے لفظ وضع ہے۔“

تشریح: بیت الخلاء میں داخل ہونے کے وقت آپ انگوٹھی اس لئے اتار دیا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی انگوٹھی میں ”محمد رسول اللہ“ کھرا ہوا تھا، اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ استنجاء کرنے والے پر واجب ہے کہ جب وہ بیت الخلاء جائے تو اپنے ہمراہ کوئی ایسی چیز نہ لے جائے جس پر اللہ اور اس کے رسول کا نام نقش ہو نیز قرآن بھی نہ لے جائے۔ (طہی)

بلکہ ابہریؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر صرف دوسرے رسولوں ہی کا نام لکھا ہو، ہوا تو اسے بھی اپنے ہمراہ بیت الخلاء میں نہ لے جائے ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہو کہ جب کوئی شخص استنجاء کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے یہ مستحب ہے کہ

وہ اپنے بدن سے ایسی چیزوں کو اتار دے یا الگ کر دے جن پر کوئی قابل تعظیم چیز لکھی ہو، خواہ اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو یا نبی اور فرشتے کا نام لکھا ہو۔

اگرچہ اس حدیث میں البوداؤدؒ نے کلام کیا ہے لیکن علماء لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا جاسکتا ہے اس سلسلہ میں ملا علی قاریؒ نے ایک مفصل بحث کی ہے، نیز یہ حدیث جامع صغیر میں بھی حاکم وغیرہ سے منقول ہے۔

(۱۰) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْبَرَّ أَرَادَ أَنْ يَطْلُبَ حَتَّى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ۔ (رواہ البوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ جب پاخانہ کے لئے (جنگل میں) جانے کا ارادہ کرتے تو (اتنی دور) تشریف لے جاتے کہ آپ کو کوئی نہ دیکھتا۔“ (البوداؤد)

(۱۱) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَرَادَ أَنْ يَقُولَ فَأَتَى دُمَاطِي أَصْلَ جِدَارٍ فَبَالَ ثُمَّ قَالَ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقُولَ فَلْيَنْزِلْ لِيُؤْمَرْ۔ (رواہ البوداؤد)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہمراہ تھا آپ ﷺ نے پیشاب کرنے کا ارادہ فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ ایک دیوار کی جڑ میں (یعنی اس کے قریب) نرم زمین پر بیٹے اور پیشاب کیا، پھر پیشاب سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ پیشاب کے لئے نرم زمین تلاش کرے (تاکہ چھینٹیں نہ پڑیں۔“ (البوداؤد)

تشریح: خطابؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے جس دیوار کے پاس بیٹھ کر پیشاب کیا وہ دیوار کسی کی ملکیت میں نہیں ہوگی اس لئے کہ دیوار کی جڑ میں پیشاب کرنا اور دیوار کے نقصان کا سبب ہوتا ہے کیونکہ دیوار کی مٹی کو شور الگ جاتا ہے اس لئے یہ مسئلہ ہے کہ جو دیوار کسی کی ملکیت میں ہو اس کے نیچے بیٹھ کر مالک کی اجازت کے بغیر پیشاب نہیں کرنا چاہئے اب اس میں وسعت ہے کہ اجازت خواہ حقیقتہً ہو یا حکماً۔

(۱۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْحَاجَةَ لَمْ يَوْفَعْ ثَوْبَهُ حَتَّى يَذْهَبَ مِنَ الْأَرْضِ۔

(رواہ الترمذی والبوداؤد والدارمی)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب استنجاء کا ارادہ فرماتے تو جب (بیٹھنے کے لئے) زمین سے قریب نہ ہو جاتے کپڑا نہ اٹھاتے تھے۔“ (ترمذی، البوداؤد، دارمی)

تشریح: یہ بھی استنجاء کے ادب اور شرم و حیا کا تقاضہ ہے کہ بغیر ضرورت مترنہ کھولے اور ظاہر ہے کہ ضرورت جب ہی پڑتی ہے جب کہ استنجاء کے لئے بیٹھنے کے وقت زمین کے بالکل قریب ہو جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ کا یہی معمول تھا کہ جب آپ ﷺ بیٹھنے کے وقت زمین سے بالکل متصل نہ ہو جاتے کپڑا اوپر نہ اٹھاتے تھے۔

چنانچہ یہ مسئلہ ہے کہ بیٹھنے سے پہلے یعنی کھڑے ہی کھڑے ستر کا کھول دینا جائز نہیں ہے، خواہ گھر کے بیت الخلاء کے اندر پاخانہ کرنا ہو یا جنگل میں کرنا ہو۔

(۱۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لَوْلَدِهِ أَعْلَمُكُمْ إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِظَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقَبِيلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا وَأَمْرٌ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ وَنَهْيٌ عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهْيٌ أَنْ يَسْتَطِيبَ الرَّجُلُ بَيْمَيْنِهِ۔ (رواہ ابن ماجہ والدارمی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا (تعلیم و نصیحت کے سلسلہ میں) تمہارے لئے ایسا ہی ہوں جیسے باپ

بیٹے کے لئے ہوتا ہے، چنانچہ میں سکھاتا ہوں کہ ”جب تم پاخانہ میں جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ تو منہ کرو اور نہ پشت کرو“ (اس کے بعد آپ ﷺ نے (پاخانہ کے بعد) تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کا حکم فرمایا اور لید (یعنی تمام نجاستوں) اور ہڈی سے استنجاء کرنے کو منع فرمایا نیز آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے۔“ (ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: اس حدیث سے جہاں اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ امور دین اور تزکیہ و نصیحت کے سلسلہ میں اپنی اُمت سے آنحضرت ﷺ کو کتنا شغف اور تعلق تھا آپ ﷺ نے اپنے آپ کو باپ اور اُمت کو اولاد کی مثل قرار دیا، وہیں حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اولاد کو باپ کی اطاعت کرنی لازم ہے اور باپ پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ان چیزوں کے آداب سکھائیں جو ضروریات دین سے ہیں۔

(۱۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيُمْنَى لِيُظْهِرَهُ وَطَعَامِهِ وَكَانَتْ يَدُهُ الْيُسْرَى لِيُخَلِّاتِهِ وَمَا كَانَ مِنْ أَدَى۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا داہنا دست مبارک وضو کرنے اور کھانے کے لئے تھے اور بائیں ہاتھ استنجاء اور ہر مکروہ کام کے استعمال کے لئے تھا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے وضو کرتے تھے اور اس سے کھانا بھی کھاتے تھے نیز جتنے اچھے کام ہیں سب دائیں ہاتھ سے انجام دیتے تھے مثلاً ہدیہ، صدقہ و خیرات کرنا یا دوسری چیزیں لینا یا دوسری غیرہ وغیرہ اور بائیں ہاتھ کو استنجاء کرنے یا ایسی چیزوں کی انجام دہی میں استعمال فرماتے جو مکروہ ہوتیں یعنی ایسی چیزیں جو طبعاً مکروہ ہوں، جیسے ناک سنکھنا یا ایسے ہی دوری چیزیں جنہیں نفس مکروہ سمجھتا ہو۔

اس حدیث سے ظاہری طور پر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وضو وغیرہ کے وقت آپ ﷺ ناک میں پانی دائیں ہاتھ سے دیتے ہوں گے اور ناک بائیں ہاتھ سے صاف کرتے ہوں گے، مگر افسوس کہ جس طرح آج کے دور میں عقل و دین سے بیگانہ لوگوں نے دوسری اسلامی چیزوں کو ترک کر دیا اور دینی آداب کو فیشن پرستی کا بھینٹ چڑھا دیا ہے اسی طرح اس معاملہ میں بھی اکثر لوگ بالکل برعکس عمل اختیار کئے ہوئے ہیں مثلاً آج کل یہ بہت بڑا مرض عام طور پر لوگوں میں سرایت کر چکا ہے کہ کتاب تو لوگ بائیں ہاتھ میں رکھتے ہیں اور اپنے جوتے دائیں ہاتھ میں اٹھاتے ہیں اب اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ یا تو ایسے لوگ آداب شریعت سے قطعاً ناواقف ہوتے ہیں یا پھر نفس کی گراہی میں پھنس کر غفلت اختیار کئے ہوئے ہیں۔

(۱۵) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَهَبَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهُ بَشَلَاةٍ أَحْجَارٍ يَسْتَطِيبُ بِهِنَّ فَإِنَّهَا تَجْزِي عَنْهُ۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی والدارمی)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص پاخانہ کے لئے جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے ساتھ تین پتھر (یا ڈھیلے) لے جائے جو کافی ہوں گے (یعنی پانی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔“ (احمد، ابو داؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: اصل مقصد تو نجاست سے پاکی حاصل کرنا ہے، اور جب تین ڈھیلے سے استنجاء کرے گا اور نجاست صاف کرے گا تو پانی سے استنجاء کی حاجت نہیں رہے گی کیونکہ اصل طہارت اس سے حاصل ہو جائے گی جس سے نماز پڑھنی بھی جائز ہو جائے گی، البتہ ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجاء کر لے تو یہ اچھی بات ہوگی کیونکہ پانی سے استنجاء کرنا مستحب ہے۔

(۱۶) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَنْجُوا بِالزُّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَإِنَّهُ زَادَ إِخْوَانَكُمْ مِنَ الْجَنِّ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ زَادَ إِخْوَانَكُمْ مِنَ الْجَنِّ۔

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”تم لوگ لید اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو کیونکہ (ہڈی) تمہارے بھائی جنات کی غذا ہے۔“ (ترمذی، نسائی، مگر نسائی نے زاد اخوانکم من الجن کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں۔)

تشریح: جس طرح شریعت محمدی کے مخاطب انسان ہیں اسی طرح جنات بھی ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ جس طرح انسانوں کی دینی اور دینی رہبری فرماتے ہیں اسی طرح جنات کی دینی و دنیوی امور کی بھی رعایت فرماتے ہیں، چنانچہ اس حدیث کے ذریعہ انسانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ لید اور ہڈی سے استجاء نہ کیا جائے کیونکہ ہڈی تو جنات کی غذا ہے اور لید ان کے جانوروں کی خوراک ہے۔

(۱۷) وَعَنْ زُوَيْفِعِ بْنِ نَابِتٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا زُوَيْفَعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُولُ بِكَ بَعْدِي فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحَيَاتِهِ أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا أَوْ اسْتَنْجَى بِزُجْجٍ ذَا بَيْتٍ أَوْ عَظْمٍ فَإِنَّ مُحَمَّدًا مِنْهُ بَرِيءٌ (رواه البوداؤد)

”اور حضرت زویفؓ ابن ثابتؓ راوی ہیں کہ سرکارِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اے زویفؓ! شاید میرے بعد تمہاری زندگی دراز ہو، لہذا تم لوگوں کو خبردار کرنا کہ جس شخص نے اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگائی یا (گلے میں) تانت کا ہار ڈالایا جانور کی نجاست (لید اور گورو وغیرہ) اور ہڈی سے استجاء کیا تو محمد (ﷺ) اس سے بیزار ہیں۔“ (البوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا حضرت زویفؓ کو اس انداز سے مخاطب کرنے کا یہ معنی ہیں کہ شاید میرے انتقال کی بعد تمہاری زندگی دراز ہو اور تم دوسرے لوگوں کو گناہ کرتے اور رسومِ جاہلیت میں نہیں مبتلا دیکھو تو ان باتوں سے انہیں خبردار کر دینا ”ڈاڑھی میں گرہ لگانے“ کے کئی معنی ہیں، چنانچہ اکثر علماء یہ لکھتے ہیں کہ ڈاڑھی میں گرہ لگانا یہ ہے کہ کوئی شخص تدابیر اور تکلف اختیار کر کے مثلاً گرہ وغیرہ لگا کر ڈاڑھی کے بالوں کو گھٹکریالے بنائے چنانچہ ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ اس سنت کی مخالفت لازم آتی ہے اس لئے کے ڈاڑھی کے بالوں کو سیدھا چھوڑنا سنت ہے۔

بعض علماء نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کو یہ عادت تھی کہ جنگ کے وقت اپنی ڈاڑھی کے بالوں میں گرہ دے لیتے تھے چنانچہ اس سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ اس سے عورتوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

کچھ علماء نے اس کی معنی یہ لکھے ہیں کہ اہل عجم کی بھی عادت تھی کہ وہ اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگا لیتے تھے اس لئے اس سے منع فرمایا کیونکہ اس سے خلقتِ الہی میں تغیر لازم آتا ہے۔ (واللہ اعلم)

لفظ وَتَرٍ کے بھی کئی معنی ہیں، یا تو اس کے معنی دورے کے پھل جس میں زمانہ جاہلیت کے لوگ دفعِ نظر اور آفاتِ نظر سے محافظت کی خاطر تعویذ اور گنڈے وغیرہ باندھ کر بچوں اور گھوڑوں کے گلوں میں ڈال دیتے تھے، اس سے منع فرمایا گیا ہے، بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس سے دورے مراد ہیں جن میں کفار گھنی اور گھٹکر باندھ کر لٹکاتے تھے یا اس سے کمان کے وہ چلے مراد ہیں جو گھوڑے کے گلے میں ڈالے جاتے ہیں تاکہ نظر نہ لگے، بہر حال، ان تمام رسموں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے کافروں کی مشابہت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ کافروں کی مشابہت سے بیزار ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کفار کی ایسی چھوٹی چھوٹی رسمیں اختیار کرنا کبیرہ میں شامل نہیں ہیں آنحضرت ﷺ کی بیزاری و ناراضگی کا سبب ہے، تو کفر کی وہ بڑی بڑی رسمیں جن میں بدقسمتی سے آج مسلمان مبتلا ہیں اور جن کا شمار بھی کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے ان سے سرکارِ دو عالم ﷺ کو کتنی زیادہ نفرت ہوگی اور ان رسموں کے کرنے والوں کا خدا کے یہاں کیا انجام ہوگا؟

(۱۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اِكْتَحَلَ فَلْيُؤْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَأَكْفَلَ حَرَجَ وَمَنْ اسْتَجَمَرَ فَلْيُؤْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ أَكَلَ فَمَا تَخَلَّلَ فَلْيَلْفِظْ وَمَا لَا كَ بِلِسَانِهِ فَلْيَتَلَعْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ أَتَى الْعَايِظَ فَلْيَسْتِزِرْ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ إِلَّا أَنْ يَجْمَعَ كَثِيبًا مِنْ رَمَلٍ فَلْيَسْتَذِرْهُ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِي آدَمَ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ۔ (رواه البوداؤد و ابن ماجہ والداری)

ابن زبیرؓ ابن ثابتؓ بن عدی بن حارثؓ بن مالک نجارؓ سے ہیں ان کا شمار اہل مصر میں ہے۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص سرمہ لگائے تو اسے چاہئے کہ طاق سلائیوں لگائے جس نے ایسا کیا (یعنی طاق سلائیوں لگائیں) اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کچھ گناہ نہیں! اور جو شخص استنجاء کرے تو اسے چاہئے کہ طاق ڈھیلے استعمال کرے (یعنی تین پانچ یاسات) جس نے ایسا کیا اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا کچھ گناہ نہیں اور جو شخص پاخانہ کے لئے جائے تو اسے چاہئے کہ پردہ کرے، اگر کوئی چیز پردہ کی نہ ملے تو کم از کم ریت کو جمع کر کے اس کا تودہ اپنے پیچھے کر لے اس لئے کہ شیطان بنی آدم (انسان) اس کے پاخانہ کے مقام سے کھیلتا ہے جس نے ایسا کیا اچھا کیا، اور جس نے ایسا نہ کیا کوئی گناہ نہیں۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: طاق سلائیوں سے سرمہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ تین سلائی ایک آنکھ میں لگائے، زیادہ بہتر یہی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں بھی ایسا ہی معمول منقول ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی اس میں سے آپ سرمہ اس طرح لگاتے تھے کہ تین سلائی ایک آنکھ میں لگاتے اور تین سلائی دوسری آنکھ میں لگاتے۔

بعضوں نے یہ طریقہ بتایا ہے کہ تین سلائی دائیں آنکھ میں لگائے اور دو سلائی بائیں آنکھ میں لگائے، نیز کچھ حضرات نے کہا ہے کہ پہلے دو سلائی دائیں آنکھ میں لگائے اور دو سلائی بائیں آنکھ میں لگائے اور اس کے بعد پھر ایک سلائی دائیں آنکھ میں لگائے تاکہ ابتدا بھی دائیں آنکھ سے ہو اور اختتام بھی دائیں ہی آنکھ پر ہو، جو شخص طاق سلائی لگائے گا اس کے لئے بہتر اور اچھا ہوگا، اور جو شخص طاق سلائی نہ لگائے گا اس میں کوئی حرج اور گناہ بھی نہیں ہے کیونکہ طاق سلائی لگانا مستحب ہے۔

آپ ﷺ نے طاق ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ ”جس نے ایسا کیا اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی گناہ نہیں، اس سے خفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ تین یا طاق ڈھیلے لینے واجب نہیں ہیں اس سے کم اور زیادہ بھی لئے جاسکتے ہیں البتہ طاق ڈھیلے لینا مستحب ہے، کھانا کھانے کے بعد خلال سے نکالی ہوئی چیز کو منہ سے پھینک دینے کو بہتر قرار دیا جا رہا ہے اور زبان سے نکالی ہوئی چیز کو نگل لینے کے لئے کہا جا رہا ہے اس لئے کہ تنکے سے خلال کرنے میں اکثر خون بھی نکل آتا ہے اس لئے احتیاطاً اس کو پھینک دینا ہی بہتر ہے زبان سے چونکہ خون نکلنے کا احتمال نہیں ہوتا اس لئے اس کو نگل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مگر اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے یہ ہو فرمایا کہ ”جس نے ایسا نہ کیا کوئی گناہ نہیں“ تو یہ حکم اسی صورت میں ہوگا جب کہ خون نکلنے کا یقین نہ ہو بلکہ احتمال ہو اگر خون نکلنے کا یقین ہو تو پھر خلال میں ہر طرح کی نگلی ہوئی چیز کا نگنا حرام ہوگا، اور اس کا پھینک دینا واجب ہوگا۔

آخر حدیث میں فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص پاخانہ کے لئے جائے تو پاخانہ کے وقت اسے پردہ کر کے بیٹھنا چاہئے یعنی ایسی جگہ بیٹھے جہاں لوگ نہ دیکھ سکیں اگر پردہ کے لئے کچھ نہ پائے بائیں طور سے نہ تو ایسی کوئی جگہ ہے جو گھری ہوئی اور لوگوں کی نظروں سے محفوظ ہو اور نہ اپنے پاس ایسا کوئی کپڑا یا کوئی دوسری چیز ہے جس سے پردہ کیا جاسکے تو اس وقت یہ کرنا چاہئے کہ ریت کا تودہ جمع کر لے اور اس کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ جائے اس طرح کسی نہ کسی حد تک پردہ ہو جائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص پاخانہ کے وقت پردہ کا لحاظ نہیں کرتا تو شیطان اس کے پاخانہ کے مقام سے کھیلتا ہے کھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور انہیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اس شخص کے ستر کو دیکھیں جو بے پردہ بیٹھا ہوا پاخانہ کر رہا ہے، نیز یہ کہ اگر پردہ نہ کیا جائے تو اس کا بھی خطرہ رہتا ہے کہ جب ہوا چلے تو اس کی وجہ سے ناپاک چھینٹیں اڑ کر بدن اور کپڑے پر پڑیں گی اس لئے پاخانہ کے وقت پردہ کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

اس کے بارے میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی پردہ کا لحاظ کرے تو یہ اچھا ہے اور اگر نہ کرے تو کوئی گناہ کی بات بھی نہیں ہے مگر

احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ پردہ کا خیال رکھا جائے بلکہ اگر اس بات کا یقین ہو کہ پردہ نہ کیا گیا تو لوگ دیکھیں گے تو ایسی شکل میں پردہ کرنا لازم اور ضروری ہے، اگر پردہ نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔

اگر بحالت مجبوری کوئی شخص بغیر پردہ کے پاخانہ کے لئے بیٹھ جائے تو پھر اس کی ستر کی طرف قصداً دیکھنے والوں کو گناہ ہوگا۔ مجبوری سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا موقع آچرے جب کہ پردہ کا کوئی انتظام ممکن نہ ہو اور اس کو شدید حاجت ہو تو اس صورت میں اسے مجبوری ہے ریت کے تودہ کو پشت کی طرف کرنے کو اس لئے فرمایا گیا ہے کہ آگے کے ستر کو تودا من وغیرہ سے بھی چھپایا جاسکتا ہے بخلاف پیچھے کے ستر کے کہ اس کو چھپانا ذرا مشکل ہوتا ہے۔

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْقِلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَلَّى أَحَدُكُمْ فِي مُسْتَحْمَةٍ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ أَوْ يَتَوَضَّأُ فِيهِ فَإِنَّ عَامَّةَ النُّسَوَاسِ مِنْهُ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ إِلَّا أَنَّهُمَا لَمْ يَذْكُرَا ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ أَوْ يَتَوَضَّأُ فِيهِ أَوْ يَتَوَضَّأُ فِيهِ۔

”اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی شخص اپنے غسل خانے میں پیشاب نہ کرے جس میں پھر وہ نہاے یا وضو کرے (یعنی یہ عاقل سے بعید ہے کہ نہانے کی جگہ پیشاب کرے اور پھر وہیں نہاے یا وضو کرے) اس لئے کہ اس سے اکثر وسوسا پیدا ہوتے ہیں“ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) ترمذی اور نسائی نے ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ أَوْ يَتَوَضَّأُ فِيهِ کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں۔“

تشریح: غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے وسوسا اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ جب وہاں پیشاب کیا جاتا ہے تو وہ جگہ ناپاک ہو جاتی ہے اور پھر وضو یا غسل کے وقت جب اس پر پانی پڑتا ہے تو دل میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں کہ کہیں چھینٹیں تو نہیں پڑ رہی ہیں اور پھر یہ شبہ رفتہ رفتہ دل میں جم جاتا ہے جس سے ایک مشکل غلبان واقع ہو جاتا ہے۔

ہاں اگر غسل خانہ کی زمین ایسی ہو کہ اس پر سے چھینٹیں اچھٹ کر اوپر نہ پڑتی ہوں مثلاً وہاں کی زمین ریتیلی ہو اس کا فرض اور اس میں نالی ایسی ہو کہ پیشاب کا ایک قطرہ بھی وہاں نہ رکتا ہو سب نکل جاتا ہو تو پھر وہاں پیشاب کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ یہاں غسل خانہ میں پیشاب کرنے کو جو منع کیا گیا ہے تو یہی تنزیہی ہے نہی تحریمی نہیں ہے۔

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَلَّى أَحَدُكُمْ فِي خُجْرٍ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت عبداللہ بن سوسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: سوراخ میں پیشاب کرنے سے اس لئے روکا جا رہا ہے کہ اکثر و بیشتر سوراخ کٹرے کوڑوں اور سانپ بچھو کا ممکن ہوتے ہیں چنانچہ ہو سکتا ہے کہ پیشاب کرتے وقت اس میں سے سانپ یا بچھو یا تکلیف دینے والا کوئی دوسرا کڑا نکل کر ایذا پہنچائے یا اگر اس سوراخ کے اندر کوئی ضعیف اور بے ضرر جانور ہو تو پھر پیشاب کی وجہ سے اسے تکلیف پہنچے گی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوراخوں میں جنات رہتے ہیں چنانچہ ایک صحابی سعد بن عبادہ خرجی کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے زمیں حور ان کے ایک سوراخ میں پیشاب کر دیا تھا تو ان کو جنات نے مار ڈالا اور اس میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کی کنیت ابوسعید ہے پہلے مدینہ میں سکونت اختیار فرمائی پھر آپ بصرہ چلے گئے آپ کو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں مسائل دین کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا آپ کی وفات بمقام بصرہ ۵۹ھ میں ہوئی۔

نَحْنُ قَتَلْنَا سَيِّدَ الْخَزَرَجِ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ وَرَمَيْنَاهُ بِسَهْمَيْنِ فَلَمْ نَخْطُ قَوَادَهُ
ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا ہم نے اس کی طرف دو تیر مارے اور اس کے دل کو نشانہ بنانے میں خطائیں
کی اور بعض علماء یہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی سوراخ خاص طور پر پیشاب ہی کے لئے ہو تو اس میں پیشاب کرنا مکروہ نہیں ہے۔

(۲۱) وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ الْمَرَّازِفِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةَ الظَّرِيقِ
وَالْظِّلَّ - (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت معاذؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”تم تین چیزوں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں ① گھائوں پر استنجاء (یعنی
پیشاب پاخانہ) کرنے سے ② راستہ کے درمیان اور ③ سایہ میں پیشاب و پاخانہ کرنے سے۔“ (ابو داؤد و ابن ماجہ)
تشریح: یہ تین افعال ایسے ہیں جو لعنت کا سبب ہیں یعنی جب کوئی شخص کسی راستہ پر، یا گھاٹ پر، یا سایہ کی جگہ پر پاخانہ کرتا ہے تو جو لوگ
اس راستہ سے گزرتے ہیں یا گھاٹ کو استعمال کرتے ہیں، یا سایہ دار جگہ پر آتے ہیں وہ اس شخص پر لعنت بھیجتے ہیں یا اس کا مطلب یہ ہے
کہ چونکہ یہ شخص ان افعال بد کی بنا پر لوگوں کی ان منفعت اور آرام کو جو ان جگہوں سے مختص ہیں فاسد کرتا ہے، لہذا یہ ظالم ہوا اور ظالم
شخص ملعون ہوتا ہے۔

موارد ان مکانوں کو کہتے ہیں جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں اور وہاں بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرتے ہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ
موارد جمع مورد گھاٹ کو کہتے ہیں جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ سایہ، عام ہے خواہ درخت کا سایہ ہو یا کسی اور چیز کا جہاں لوگ سوتے اور
بیٹھتے ہوں، نیز اپنے جانوروں کو باندھتے ہیں۔

(۲۲) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ الرَّجُلَانِ الْغَائِطُ كَاَشْفَقَيْنِ عَنْ
عَوْرَتَيْهِمَا يَتَحَدَّثَانِ فَإِنَّ اللَّهَ يَمُقَّتْ عَلَى ذَلِكَ۔

(رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا (ایک ساتھ) دو شخص پاخانہ کے لئے (اس طرح) نہ جائیں کہ
دونوں اپنی شرم گاہ کھولے ہوئے ہوں اور باتیں کرتے ہوئے ہوں کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ غضب ناک ہو جاتا ہے۔“ (احمد ابو داؤد و ابن

ماجہ)

تشریح: مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یہ حرام ہے کہ وہ پاخانہ کے لئے اس طرح بیٹھیں کہ ایک دوسرے کی شرم گاہیں دیکھیں اسی
طرح ایسی حالت میں آپس میں باتیں کرنا بھی مکروہ ہے یہ دونوں چیزیں غضبِ خداوندی کا سبب اور اس کے عتاب کا باعث ہیں۔
اس موقع پر اس تکلیف وہ صورت حال کی وضاحت ضروری ہے کہ آج کل عورتوں میں خصوصیت سے ایسی بداحتیاں پائی جاتی
ہیں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے سامنے ستر کھولنے کو قطعاً معیوب نہیں سمجھتی خصوصاً نسل اور پاخانہ کے
وقت اس قسم کی شرمناک حرکتیں عام طور پر کرتی ہیں، ایسی عورتوں کو چاہئے کہ وہ اس حدیث کو غور سے پڑھیں اور پھر سمجھیں کہ وہ ایسی
ناشائستہ اور شرم و حیا کے منافی چیزوں کے ارتکاب سے خدا کا غضب مول لے رہی ہیں اور اس کے عتاب کا باعث ہو رہی ہیں۔
شرح السنہ میں لکھا ہے کہ پاخانہ کرتے وقت اور جماع (ہم بستری) کے وقت زبان سے ذکرِ اللہ نہ کیا جائے بلکہ دم کے ساتھ کیا
جائے۔

(۲۳) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هَذِهِ الْحُشُوشَ مُخْتَصِرَةٌ فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ
الْحَلَاءَ فَلْيَقُلْ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ - (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت زید بن ارقمؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”پاخانے شیاطین اور جنات کے حاضر ہونے کی جگہ ہیں، اس لئے جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء جائے تو اسے چاہئے کہ یہ دعا پڑھے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ یعنی میں ناپاک جنوں اور جنیوں سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: جنات اور شیاطین پاخانہ میں آتے ہیں اور اس بات کے منظر رہتے ہیں کہ جو شخص پاخانہ میں آئے اس کو ایذا پہنچائیں اور تکلیف دیں کیونکہ پاخانہ جانے والا شخص وہاں ستر کھول کر بیٹھا ہے اور ذکرِ اللہ کر نہیں سکتا اس لئے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو شخص پاخانہ جاتے وقت یہ دعا پڑھے گا وہ جنات اور شیاطین کی ایذا و تکلیف سے محفوظ رہے گا۔

اس باب میں جو حدیث نمبر ۳ گزری ہے اس میں اس دعا کے الفاظ اس طرح ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ چونکہ دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اسلئے اختیار ہے کہ چاہے وہ دعا پڑھی جائے یا یہ دعا پڑھی جائے لیکن بہتر اور اولیٰ یہ ہے کہ کبھی وہ دعا پڑھے اور کبھی یہ پڑھے یادوनों کو ساتھ ساتھ پڑھے۔

(۲۲) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَرُ مَا بَيْنَ أَعْيُنِ الْجَنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِي آدَمَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُهُمُ الْخَلَاءَ أَنْ يَقُولَ بِسْمِ اللَّهِ۔ (زَوَاهُ الْتَرْغِ مِذْيُ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَاسْتِئْذَانُهُ لَيْسَ بِقَوِيٍّ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب کوئی شخص پاخانہ میں داخل ہو تو جن (شیطان) کی آنکھوں اور انسان کی شرم گاہ کے درمیان کا پردہ یہ ہے کہ بسم اللہ کہے۔“ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے)

تشریح: ارشاد کا مطلب ہے کہ جب انسان بیت الخلاء جاتا ہے، تو چونکہ وہاں ستر کھول کر بیٹھا ہے اس لئے شیاطین اس کی شرم گاہ دیکھتے ہیں، لہذا جب کوئی شخص پاخانہ جائے تو اسے چاہئے کہ بسم اللہ کہے کہ بیت الخلاء جانے کیونکہ اس سے شیاطین ستر نہیں دیکھ سکتے علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص بیت الخلاء جائے تو پہلے بسم اللہ اور پھر اس کے بعد وہ دعا پڑھے جو اس سے پہلے حدیث میں گزری چکی ہے، لیکن ان دونوں یعنی بسم اللہ اور مذکورہ دعاؤں میں سے کسی ایک کو بھی پڑھ لیا جائے تو سنت ادا ہو جائے گی مگر افضل یہی ہے کہ دونوں پڑھی جائیں یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا جائز ہے۔

(۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ غُفْرَانُكَ۔

(رواہ ترمذی و ابن ماجہ و الداری)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم جب پاخانہ سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے غُفْرَانُكَ یعنی اے اللہ! میں تیری بخشش کا خواست گار ہوں۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: علماء نے اس وقت بخشش چاہنے کی دو وجہیں لکھی ہیں، اول تو یہ کہ چونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ زبان سے ذکرِ اللہ کسی بھی حالت میں نہیں چھوڑتے تھے سوائے اس کے کہ کسی شدید حاجت اور مجبوری مثلاً پیشاب پاخانہ وغیرہ کے وقت ترک فرما دیتے تھے اس کی وجہ سے آپ خدا سے بخشش کے خواستگار ہوتے تھے۔

دوسرے یہ کہ جب انسان کوئی غذا کھاتا ہے، تو وہ غذا معدہ میں پہنچ کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے ایک حصہ تو خون بن کر قوت و طاقت پیدا کرتا ہے اور دوسرا حصہ فضلہ ہو کر پاخانہ کی شکل میں نکل جاتا ہے، اگر قدرت کے اس نظام کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ

لے آپ انصاری ہیں اور کیت ابو عمرو ہے آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سترہ غزوات میں شرکت کی ہے آپ کوفہ میں رہتے تھے اور وہیں ۶۸ھ میں انتقال ہوا۔

بندوں پر خدا کا بہت بڑا انعام اور اس کی بہت بڑی نعمت ہے جس کا شکر بندے سے کما حقہ ادا نہیں ہو سکتا اس لئے آنحضرت ﷺ بخشش چاہتے تھے کہ اے خدا! مجھ سے تیری اس عظیم نعمت کا شکر ادا نہیں ہوا اس لئے تو مجھے اس کو تباہی پر بخش دے۔

بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ ایسے موقع پر یہ ذکر کرنا مناسب ہے کہ اپنی احتیاج اور اس بات کا خیال کیا جائے کہ انسان کی ذات کی حیثیت ہی کیا ہے جس میں نجاست ہی نجاست بھری ہوئی ہے اور اس کے مقابلہ میں خداوند قدوس کی ذات پاک اور اس کی تقدس کا تصور کرے، افضل یہ ہے کہ لفظ غُفْرَانُکَ کہ بعد یہ دعا پڑھ لی جائے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَ عَافَانِی۔

(۲۶) وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى الْخَلَاءَ أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فِي نَوْرٍ أَوْ زَكْوَةٍ فَاسْتَنْجَى ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِأَنَاءٍ أَخْرَفْتَوْضًا۔ (رواہ ابو داؤد وروی الدارمی و النسائی معناه)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب پاخانہ جاتے تو میں آپؐ کے لئے پیالہ یا چمڑے کی چھاگی میں پانی لاتا، آنحضرت ﷺ اس سے استنجاء کرتے پھر ہاتھ کو زمین پر رگڑتے پھر اس کے بعد میں (پانی کا) دوسرا برتن لاتا اور آپ ﷺ وضو فرماتے۔“ (دارمی نائی)

تشریح: نَوْرٌ عرب میں پتیل یا پتھر کا ایک چھوٹا سا برتن پیالہ کی طرح ہوتا ہے، اس میں کھانا کھاتے ہیں، اور بوقتِ ضرورت اس میں پانی بھر کر اس سے وضو بھی کر لیتے ہیں زَكْوَةٌ چمڑے کی چھاگی کو کہتے ہیں جو پانی رکھنے کا کام آتا ہے۔

نَوْرٌ اور زَكْوَةٌ کے درمیان لفظ اَوْ یا تو شکِ راوی کے لئے ہے، یعنی ابو ہریرہؓ نے جس راوی نے اس حدیث کی روایت کی ہے انہیں یہ شک ہے کہ ابو ہریرہؓ نے لفظ تور فرمایا ہے لفظ رُكُوءَ یا پھر یہ تَوَلَّج کے لئے ہے اس طرح حضرت ابو ہریرہؓ کے ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ کبھی تو میں تور میں پانی لایا کرتا تھا اور کبھی رُكُوءَ میں لاتا تھا۔

استنجاء سے فراغت کے بعد آپ ﷺ زمین پر ہاتھ رگڑ کر اس لئے دھوتے تاکہ ہاتھ سے بدبو نکل جائے اور ہاتھ خوب پاک و صاف ہو چنانچہ پاخانہ سے آکر اس طرح سے ہاتھ دھونا سنت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ وضو کے لئے دوسرے برتن میں پانی اس لئے نہیں لاتے تھے کہ استنجاء کے بعد پانی یا اس برتن سے وضو درست نہیں تھا بلکہ اس برتن میں چونکہ پانی صرف استنجاء کی ضرورت کے مطابق ہی رہتا ہوگا اس لئے وضو کے لئے دوسرے برتن میں پانی لانے کی ضرورت ہوتی تھی، اس حدیث سے بعض علماء نے یہ اخذ کیا ہے کہ اگر استنجاء اور وضو کے پانی کے لئے الگ الگ برتن ہوں تو یہ مستحب ہے۔

(۲۷) وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ سَفْيَانَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَالَ تَوَضَّأَ وَنَضَحَ فَرَجَهُ۔ (رواہ ابو داؤد و النسائی)

”اور حضرت حکم بن سفیانؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب پیشاب کر چکے تو وضو فرماتے اور اپنی شرم گاہ پر چھٹا دیتے۔“

(ابو داؤد، نسائی)

تشریح: پیشاب کرنے کے بعد جب آپ وضو فرماتے تو دفع و سواس کے لئے تھوڑا سا پانی لے کر ستر کی جگہ ازار پر چھڑک لیتے تھے تاکہ پیشاب کے قطرہ کے وہم باقی نہ رہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس و سواس و خطرات سے پاک و صاف تھی اس لئے کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کا یہ طرزِ عمل امت کی تعلیم کے لئے تھا کہ پیشاب کرنے کے بعد جب وضو کیا جائے تو تھوڑا سا پانی ستر کی جگہ کپڑے کے اوپر چھڑک لیا جائے، اس لئے کہ اگر پانی نہ چھڑکا جائے اور ستر کی جگہ کپڑے کے اوپر تری کا احساس ہو تو اس سے پیشاب کے قطرہ کا وہم ہوگا اور پانی چھڑک

لے آکر گراں حکم بن سفیان اور کنیت ابو الحکم تھی ہے۔

لیا جائے تو اس کے بعد اگر تری کا حساس ہو گا بھی تو یہی سمجھا جائے گا کہ اسی چھڑکے ہوئے پانی کی تری ہے چنانچہ اس سے وسوسہ کی راہ بند ہو جائے گی اور مقصد یہی ہے کہ وسوسا و خطرات کی راہ روک دی جائے تاکہ اطمینان قلب کے ساتھ عبادت میں مصروف رہا جاسکے۔ ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ وضوء کے بعد شرم گاہ کے اوپر پانی چھڑکنے کی ایک وجہ تو یہ دفع وسوسا ہو سکتی ہے مگر ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اس سے پیشاب وغیرہ کے قطرے رک جائیں باہر نہ آئیں۔

(۲۸) وَعَنْ أُمِّمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ قَالَتْ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ حُجَّ مِنْ عَيْنَانِ تَحْتَ سَرِيرَةٍ يَتَوَلَّى فِيهِ بِاللَّيْلِ۔

(رواہ ابو داؤد و النسائی)

”اور حضرت امیمہ بنت رقیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس لٹری کا ایک پیالہ تھا جو آپ ﷺ کی چارپائی کے نیچے رکھا رہتا تھا آپ ﷺ رات کو اس میں پیشاب کر لیا کرتے تھے۔“ (ابو داؤد و نسائی)

تشریح: چونکہ رات میں سردی وغیرہ کی بناء پر اٹھنا تکلیف دہ اور پریشانی کا سبب ہوتا ہے اس لئے آپ ﷺ نے ایک پیالہ اس کام کے لئے مخصوص کر لیا تھا، چنانچہ جب آپ ﷺ کو رات میں پیشاب کی حاجت ہوتی تھی اس پیالہ میں پیشاب کر لیا کرتے تھے۔ اور اگر حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو یہاں بھی تعلیم امت ہی مقصد سامنے آئے گا کہ آپ ﷺ نے اپنے طرزِ عمل سے امت کے لئے یہ آسانی پیدا کر دی ہے کہ جب رات میں پیشاب کی حاجت ہو اور سردی وغیرہ کی تکلیف کی بناء پر باہر نکلنا دشوار ہو تو کسی برتن وغیرہ میں پیشاب کر لیا جائے اور صبح اٹھ کر اسے پھینک دیا جائے تاکہ ایک طرف تو تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہونے سے بچا جائے اور دوسری طرف رات میں بیت الخلاء جانے سے بچ جائیں جو شیاطین کا مسکن ہے اور شیاطین دن کے مقابلہ میں رات کو زیادہ ضرر اور تکلیف پہنچانے کا سبب ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ امت کے لئے یہ تعلیم سرکارِ دو عالم ﷺ کی اسی جذبہ رحمت و شفقت کی مرہونِ منت ہے جو اعمال و افعال کے ہر مرحلہ پر آسانی و سہولت کی صورت میں نظر آتی ہے۔

منقول ہے کہ ایک صحابی نادانستہ طور پر آپ ﷺ کا پیشاب اسی پیالہ میں سے پی گئے تھے جس کا اثر یہ ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے ان کے بدن سے خوشبو آتی رہی اور نہ صرف ان کے بدن سے بلکہ کئی نسلوں تک اچھے اولاد کے بدن میں بھی وہی خوشبو بانی رہی۔

(۲۹) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ زَانِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبُولُ قَائِمًا فَقَالَ يَا عُمَرُ لَا تَبُولُ قَائِمًا فَمَا بَلْتُ قَائِمًا زَوَاهُ الْبَزْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ قَالَ الشَّيْخُ الْأَعْمَلِيُّ الْمُجَنَّبِيُّ الشَّيْخُ رَحِمَهُ اللَّهُ قَدْ صَحَّ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ شَبَاطَةٌ قَوْمٌ قَبَالُ قَائِمًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، كَانَ ذَلِكَ لِعُذْرٍ۔

”اور حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے (ایک روز) مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ ”عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کرو“ چنانچہ اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا (ابن ماجہ، ترمذی، امام محمدی السنہ) فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ سے منقول ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ایک قول کی کوڑی پر گئے اور وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا (بخاری و مسلم) کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فعل (کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، کسی عذر کی بناء پر تھا۔“

تشریح: متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ مکروہ تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔

۱۔ امیمہ بنت رقیقہؓ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمیشہ کی صاحبزادی ہیں۔

جہاں تک حضرت عمرؓ کے فعل کا تعلق ہے اس کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ چونکہ ایام جاہلیت میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا طریقہ رائج تھا اور ان کو وہی عادت پڑی ہوئی تھی اس لئے انہوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کر لیا، یا ہو سکتا ہے کہ کسی عذر کی بنا پر انہوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہو۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے متعلق بھی حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے اس سلسلہ میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے بھی کسی عذر کی بنا پر ایسا کیا ہوگا، اور علماء نے وہ اعذار بھی لکھے ہیں چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ وہاں نجاست کی وجہ سے آپ نے بیٹھنے کی جگہ نہیں پائی اس لئے کھڑے ہو کر پیشاب کر لیا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پیر مبارک میں درد تھا اور بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق بیٹھ میں درد تھا، اس کی بناء پر آپ ﷺ بیٹھ نہیں سکتے تھے اس لئے کھڑے ہو کر پیشاب کر لیا۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۲۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُولُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوهُ مَا كَانَ يَبُولُ إِلَّا

قَاعِدًا۔ (رواہ احمد و الترمذی و النسائی)

”حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ حدیث بیان کرے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو اسے سچ نہ مانو آپ ﷺ نے تو ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کیا۔“

تشریح: امام محی السنۃ نے حضرت حذیفہؓ کی جو روایت نقل فرمائی ہے اس سے تو بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے لیکن حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث اس بات کی بالکل نفی کر رہی ہے، اب۔ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ حضرت عائشہؓ اپنے علم کے مطابق خبر دے رہی ہیں یعنی انہوں نے چونکہ آنحضرت ﷺ کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے کبھی گھر میں نہیں دیکھا تھا اس لئے انہوں نے اس بات کی سرے سے نفی کر دی اور حضرت حذیفہؓ جو صورت واقعہ بیان کی ہے وہ باہر سے متعلق ہے اور وہ بھی عذر کی بناء پر نادر ہے، اور ظاہر ہے کہ نادر شمی معدوم کی مانند ہے نیز عذر کی بنا پر اسے مستثنیٰ بھی قرار دیا جاسکتا ہے لہذا ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہا۔

(۲۱) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ جَبْرِئِيلَ آتَاهُ فِي أَوَّلِ مَا أَوْحَى إِلَيْهِ فَعَلَّمَهُ الْوُضُوءَ

وَالصَّلَاةَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْوُضُوءِ أَخَذَ غُرْفَةً مِنَ الْمَاءِ فَتَضَخَّ بِهَا فَرَجَهُ۔ (رواہ احمد و الدارقطنی)

”اور حضرت زید بن حارثہؓ سرکارِ دو عالم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام (جب) سے پہلی وحی کے موقع پر آپ کے پاس تشریف لائے تو آپ کو وضو کرنا سکھایا، پھر نماز پڑھنی سکھائی چنانچہ جب وہ وضو سے فارغ ہوئے تو ایک چلو پانی لیا اور اس کو اپنی شرم گاہ پر چھڑک لیا۔“ (اجنود ارقطنی)

تشریح: حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آدمی کی شکل میں آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے وضو کیا اور نماز پڑھی تاکہ یہ دیکھ کر آپ ﷺ بھی سیکھ جائیں اسی طرح انہوں نے خدا کی جانب سے ان دونوں چیزوں کی تعلیم آپ ﷺ کو دی پھر اس کے ساتھ ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وضو کے بعد شرم گاہ پر یا ستر کی جگہ کپڑے کے اوپر وضو کے بعد پانی چھڑک کر بھی آپ کو دیکھایا

۱۔ ام گرامی زید بن حارثہ، کنیت ابو اسامہ ہے عظیم صحابی ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی بننے کا شرف حاصل ہوا ہے غزوہ موتہ کے موقع پر سرزمین شام میں آٹھ ہجری کو آپ نے شہادت پائی شہادت کے وقت آپ کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔

تاکہ دفع وسواس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۳۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ جَبْرِئِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَضِعْ رَوَاهُ النَّزَّازِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ يَقُولُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْهَاشِمِيُّ الرَّائِبِيُّ مِنْكَ الْوَحْدَانُ.

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا ”اے محمد (ﷺ) جب آپ ﷺ وضو کریں تو تھوڑا سا پانی (شرم گاہ پر دفع وسواس کے لئے چھڑک لیا کیجئے“ (ترمذی) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے اور میں نے محمدؒ (یعنی امام بخاریؒ) کو یہ کہتے سنا ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی حسن بن علی ہاشمی منکر الحدیث ہیں۔“ (۳۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ نَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عُمَرُ خَلْفَهُ بِكُؤُزٍ مِنْ مَاءٍ فَقَالَ مَا هَذَا يَا عُمَرُ قَالَ مَاءٌ تَتَوَضَّأُ بِهِ قَالَ مَا امْرُؤٌ كَلَّمَا بَلَّتْ أَنْ اتَّوَضَّأَ وَلَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةً۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ نے پیشاب کیا، حضرت عمر فاروقؓ پانی کا لوٹا لے کر آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا ”عمرؓ یہ کیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا آپ (ﷺ) کے وضو کے لئے پانی ہے۔“ آپ نے فرمایا مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ جب میں پیشاب کروں تو وضو بھی کروں، اگر میں ایسا کروں تو یہ (میرا فعل سنت ہو جاتا۔)“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ مجھے بطریق وجوب اور فرض کے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ جب بھی پیشاب کروں تو اس کے بعد وضو بھی کروں اور اگر میں اپنی طرف سے یہ فعل اختیار کر لیتا ہوں تو پھر ہر مرتبہ پیشاب کے بعد وضو کرنا سنت مؤکدہ ہو جائے گا، نہر حال یہاں سنت سے مراد سنت مؤکدہ ہی ہے، کیونکہ ویسے تو پانی سے استنجاء کرنا اور ہر وقت با وضو رہنا تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر مستحب ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اولیٰ چیزوں کو اپنی امت کی آسانی اور سہولت کی خاطر کبھی ترک فرما دیے تاکہ وہ چیزیں امت کے لئے کہیں ضروری نہ ہو جائیں۔

(۳۴) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ وَجَابِرٍ وَأَنَسٍ أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ لَمَّا نَزَلَتْ فِيهِمْ رَجُلٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَتَانِي عَلَيْكُمْ فِي الظُّهُورِ فَمَا ظَهَرُواكُمْ قَالُوا نَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَنَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ قَالَ فَهُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمْ مَوْءُ۔ (رواہ ابن ماجہ، التوبہ ۱۰۸)

”حضرت ابویوب، جابر، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ”فِيهِمْ رَجُلٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ“ (یعنی مسجدِ قبا میں ایسے مرد (انصاری) ہیں جو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ خوب پاکی حاصل کریں اور اللہ خوب پاکی حاصل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”اے انصاری جماعت! اللہ تعالیٰ نے پاکی کے معاملہ میں تمہاری تعریف کی ہے تمہاری پاکی کیا ہے؟ اور انہوں نے عرض کیا ”ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں، جنابت (ناپاکی) سے غسل کرتے ہیں (جیسا کہ دوسرے مسلمان کرتے ہیں) اور (ڈھیلے کے بعد) پانی سے اسجاء کرتے ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں اودھ بی بی ہے، لہذا اسے لازم پکڑو۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: انصاری عادت تھی کہ وہ پیشاب و پاخانہ کے بعد ڈھیلوں سے صفائی کے بعد پانی سے بھی استنجاء کرتے تھے، اس بنا پر ان کی فضیلت اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی اور انصاری اس فضیلت کا اظہار ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ آخر وہ کونسی پاکیزگی ہے جسے

حاصل کرنے کے بعد تم اس سعادت کے حقدار ہوئے ہو، جب انہوں نے پاکیزگی کی تفصیل بتائی تو آپ ﷺ نے ان کی تصدیق کر دی کہ یہی وہ چیزیں ہیں جن کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تمہاری تعریف کی ہے اور پھر بعد میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ بھلائی اور بہتری اسی میں ہے کہ اس سعادت کو ہمیشہ باقی رکھو یعنی جس طرح تم لوگ پاکی حاصل کرتے ہو اسی طرح ہمیشہ حاصل کرتے رہو۔

(۳۵) وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ بَعْضُ الْمُشْرِكِينَ وَهُوَ يَسْتَهْزِئُ اِنِّي لَا رِيَّ صَاحِبُكُمْ يَعْلَمُكُمْ حَتَّى الْخِرَاءَ ؕ قُلْتُ اَجَلْ اَمَرْنَا اَنْ لَا نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَلَا نَسْتَجِجَ بِاَيْمَانِنَا وَلَا نَكْتَفِي بِذَوْنِ ثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ لَيْسَ فِيهَا رَجِيعٌ وَلَا عَظْمٌ - (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاحْمَدُ وَاللَّفِظُ لَهُ)

”اور حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ مشرکوں میں سے ایک شخص نے بطور استہزاء یہ کہا کہ میں تمہارے سردار (یعنی آنحضرت ﷺ) کو دیکھتا ہوں تو وہ تمہیں ہر چیز کو سکھاتے ہیں یہاں تک کہ پاخانہ میں بیٹھنے کی صورت بھی میں نے کہا اہاں آپ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ (استنجہ کے وقت) ہم قبلہ کی طرف رخ کر کے نہ بیٹھیں، اپنے دائیں ہاتھوں سے اسجاء پاک نہ کریں، تین پتھروں سے کم میں استنجاء نہ کریں اور ان پتھروں میں نجاست (یعنی پاخانہ، لید گور) نہ ہو اور نہ ہڈی ہو۔“ (مسلم احمد الفاظ احمد کے ہیں)

تشریح: اگر مذہب کی بنیاد پر حقیقت کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات معلوم ہوگی کہ مذہب اور دین دراصل نام ہے ایک مکمل ضابطہ حیات کا، اور ایک دستور کامل ہے نظام زندگی کا جس میں انسانوں کے لئے دین اور دنیا دونوں جگہ کے لئے مکمل رہبری کا مل راہنمائی اور ہمہ گیر ہدایات ہوں۔

اگر چند مخصوص اعتقادات پر چند مخصوص عبادات اور چند اعمال کا نام، مذہب اور دین، رکھ دیا جائے تو وہ کامل و مکمل مذہب و دین ہی نہیں بلکہ انسانی دماغ کے اختراعات اور نظریات کا مجموعہ ہے۔

اسلام دوسرے تمام مذہب میں اگر اپنی کوئی امتیازی شان رکھتا ہے اگر دوسرے دینوں پر کوئی تفوق و برتری رکھتا ہے اور اگر دوسری شریعتوں میں اکیلیت کا کوئی درجہ رکھتا ہے تو وہ اسلام کی شان ہمہ گیریت اور اس کی شان جامعیت ہے مسلمانوں کو چھوڑیے وہ تو اسلام کے پیرو ہی ہیں۔ دنیا کے وہ دانشور اور عقلاء بھی اسلام کے اعتقادات و احکامات کے پابند و متبع نہیں ہیں، آج اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا کے تمام مذہب میں اور دنیا کی تمام شریعتوں میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب اور دین ہے جو انسانوں کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ایک نظام زندگی اور کائنات کے ہر شعبہ پر حاوی ایک مجموعہ ہدایات ہے جو انسانی زندگی کے ہر چھوٹے و بڑے مسئلہ کی رہبری کرتا ہے۔

چنانچہ اسلام اگر ایک طرف اعتقادات و نظریات کی انتہائی بلندی تک جن و انس کی راہنمائی کرتا ہے، عبادات و احکامات کے بلند بالا نظام کا تفوق بخشتا ہے، تو دوسری طرف زندگی کی ان چھوٹی راہوں کی بھی معرفت عطا کرتا ہے جو دنیا والوں کی نظر میں حقیر ہیں، جن کی طرف دوسرے مذہب آنکھ بھی نہیں اٹھاتے۔

دیکھئے ایک بے بصیرت اور عقل و دانائی کا دشمن مشرک مسلمانوں کا یہی تو مزاق اڑا رہا ہے کہ شارع اسلام کی شان عظمت کا بھی کوئی تقاضا ہے کہ وہ ہر چیز کو سکھاتے پھریں، یہاں تک کہ وہ پیشاب و پاخانہ تک کے مسائل اور ان کے طور طریقے بتاتے ہیں حضرت سلمان فارسیؓ، اسی کا جواب دے رہے ہیں کہ اے بے خبر اور نادان انسان! یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے، استہزاء کا مقام نہیں ہے، تجھے کیا معلوم کہ ہمارے سردار ہم پر کتنے شفیق ہیں؟ ہم پر کتنے مہربان ہیں؟ اُمت پر انتہائی شفقت و محبت ہی کی یہ وجہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر مرحلہ پر ہماری راہنمائی فرماتے ہیں۔

اگر ایک طرف آپ ﷺ توحید و رسالت کے عقائد اور نماز روزہ، زکوٰۃ، اور حج جیسے دینی اصول کے احکام و مسائل ہمیں بتاتے ہیں تو دوسری طرف پیشاب و پاخانہ جیسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے آداب بھی بتاتے ہیں اور ہدایات اور راہنمائی کا یہی تو وہ مقام ہے جو آپ ﷺ کی ذات کی ہمہ گیری کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پیشاب و پاخانہ کے وقت ہم قبلہ کی طرف پشت ورخ کر کے نہ بیٹھیں کہ اس سے قبلہ کے احترام پر حرف آتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کیا جائے کیونکہ یہ چیز پاکیزگی و نفاست کے منافی ہے کہ جس ہاتھ سے کھانا کھایا جائے اسی ہاتھ سے گندی و غلاظت کی صفائی کی جائے۔

آپ ﷺ نے اسے بہتر قرار دیا ہے کہ تین ڈھیلوں یا پتھروں سے کم میں استنجاء نہ کیا جائے کہ صفائی و پاکیزگی کا تقاضا یہی ہے اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ استنجاء کے ڈھیلوں میں لید و گوبر اور دوسری نجاست نہ ہو کہ اس سے بجائے پاکیزگی حاصل ہونے کے اور زیادہ غلاظت و گندی لگے گی اور بڑی سے استنجاء نہ کیا جائے کیونکہ بڑی جنات کی خوراک ہے۔

(۳۱) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَسَنَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي يَدِهِ الدَّرَقَةُ فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَلَسَ فَبَالَ إِلَيْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ أَنْظِرُوا إِلَيْهِ يَبُولُ كَمَا تَبُولُ الْمَرْأَةُ فَسَمِعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيْحَكَ أَمَا عَلِمْتَ مَا أَصَابَ صَاحِبَ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانُوا إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَوْلُ فَرَضَوْهُ بِالْمَقَارِضِ فَهَذَا هُمْ فَعُذِبَ فِي قَبْرِهِ۔

(رواہ ابو داؤد وابن ماجہ ورواہ النسائی عن ابی ہریر)

”اور حضرت عبدالرحمن ابن حسنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرکارِ دو عالم ﷺ (گھر سے) نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے (اس وقت) آپ ﷺ کے ہاتھ میں ڈھال تھی، اسے آپ ﷺ نے (اپنے سامنے زمین پر) رکھ دیا پھر اس کے سامنے بیٹھ کر پیشاب کیا (یہ دیکھ کر) ایک مشرک نے کہا ان کی طرف دیکھو اس طرح پیشاب کرتے ہیں جیسے عورت پیشاب کرتی ہے یہ بات آنحضرت ﷺ نے سن لی اور فرمایا ”تجھ پر افسوس ہے“ کیا تو اس چیز کو نہیں جانتا جو بنی اسرائیل کے ساتھی کو پہنچی (یعنی عذاب) بنی اسرائیل (جب پیشاب کرتے اور ان) کے (جسم پاکیزے) کو پیشاب لگ جاتا تو اس کو قہقہے سے کاٹ ڈالتے تھے چنانچہ (بنی اسرائیل میں سے ایک) شخص نے (اس حکم کو ماننے سے) لوگوں کو روکا، لہذا اسے قبر کے عذاب میں مبتلا کیا گیا۔“ (ابو داؤد، ابن ماجہ اور نسائی نے اس حدیث کو عبدالرحمن سے اور انہوں نے ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے)

تشریح: بنی اسرائیل کی شریعت میں تھا کہ اگر کسی شخص کے بدن پر نجاست لگ جاتی تو اتنے حصے کے گوشت کو چھیل ڈالتے تھے اور اگر کپڑے پر لگ گئی تو اس جگہ سے کپڑا کاٹ ڈالتے تھے مگر ان میں سے ایک شخص نے اپنی شریعت کے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا اور وہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے روکا کرتا تھا لہذا اس بنا پر اسے عذاب قبر میں مبتلا کیا گیا۔

اسی طرف آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ بنی اسرائیل کی شریعت کا وہ قاعدہ اگرچہ شرعی اعتبار سے پسندیدہ تھا مگر چونکہ اس میں مال اور جان کا ضرر ہوتا تھا اس لئے خلاف عقل و دانائی تھا مگر اس کے باوجود شریعت کے اس حکم کو نہ ماننے اور دوسرے لوگوں کو اس سے روکنے پر جب اس شخص پر عذاب قبر نازل کیا گیا تو شرم و حیا نہ کرنا بطریق اولیٰ عذاب کا سبب ہے کیونکہ پیشاب کے وقت پردہ کرنا اور شرم کرنا نہ صرف یہ کہ ازراہ شریعت پسندیدہ اور بہتر چیز ہے بلکہ عقل و دانائی کے اعتبار سے بھی اولیٰ و افضل ہے۔

(۳۲) وَعَنْ مَرْوَانَ الْأَصْفَرِ قَالَ رَأَيْتُ بَنِي عَمْرِو أَخَ رَاحِلَتَهُ مُسْتَقْبِلَ الْقَبْلَةِ ثُمَّ جَلَسَ يَبُولُ إِلَيْهَا فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَلَيْسَ قَدْ نُهِىَ عَنْ هَذَا قَالَ بَلَى إِنَّمَا نُهِىَ عَنْ ذَلِكَ فِي الْفَضَاءِ فَإِذَا كَانَ يَتَشَكُّ وَبَيْنَ الْقَبْلَةِ شَيْءٌ يَسْتُرُكَ فَلَا بَأْسَ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت مروان اصغر فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک مرتبہ) حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنا اونٹ قبلہ کی طرف بٹھایا پھر خود بیٹھے اور اونٹ کی طرف پیشاب کیا میں نے (یہ دیکھ کر) عرض کیا ”ابو عبدالرحمن! (یہ حضرت ابن عمرؓ کی کثیت ہے) کیا اس طرح قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے سے منع نہیں فرمایا گیا“ انہوں نے فرمایا ”ہاں جنگل میں اس سے منع فرمایا گیا ہے لیکن جب تمہارے اور قبلہ

کے درمیان کوئی چیز حاکم ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ کے اس فعل سے دلیل پکڑتے تھے جسے اس باب کی پہلی حدیث میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو قبلہ کی طرف پشت کر کے پاخانہ کرتے ہو دیکھا تھا اور یہ اسی موقع پر بتایا جا چکا ہے کہ اس فعل میں کئی احتمالات پیدا ہوتے ہیں لہذا فعل متحمل کو دلیل کے طور پر پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور پھر اس کی بھی وضاحت کی جا چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اکثر احادیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ پیشاب و پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت نہ کرنے کا حکم عام ہے اس میں جنگل کی تخصیص نہیں ہے اسی لئے امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے کہ اس حکم میں جنگل و آبادی سب برابر ہیں قبلہ کی طرف منہ و پشت کرنا ہر جگہ ممنوع ہے خواہ جنگل کا کھلا میدان ہو یا آبادی میں گھرے ہوئے مکانات۔

(۳۸) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَعَافَانِي۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب بیت الخلاء سے نکلتے تو یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِی یعنی تمام تعریفیں خدا ہی کو زیبا ہیں جس نے مجھ سے تکلیف وہ چیز (یعنی پاخانہ) کو دور کیا اور مجھے عافیت بخشی۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: یوں تو اگر کوئی انسان یہ چاہے کہ وہ خدا کی نعمت کو داورہ شمار میں لے آئے جو اس پر خدا کی جانب سے ہیں تو یہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، پیدائش سے لے کر موت تک انسان کی ساری زندگی اور اس کی حیات کا ایک ایک لمحہ خدائے رحیم و کریم کی بے شمار نعمتوں ہی کا رہن منت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کوئی انسان خدا کی ان بے شمار اور لامحدود نعمتوں کا شکر بھی بجا طور پر ادا نہیں کر سکتا۔ اب آپ پیشاب و پاخانہ ہی کو لے لیجئے بظاہر تو کتنی معمولی سے چیز ہے، اور کتنی غیر اہم ضرورت مگر زرا کسی حکیم و ڈاکٹر سے اس کی حقیقت تو معلوم کر کے دیکھ لیجئے، ایک طبی ماہر آپ کو بتائے گا کہ ان معمولی چیزوں پر انسان کی زندگی کا کتنا دار و مدار ہے اور انسان کی موت و حیات سے اس کا کتنا گہرا تعلق ہے؟ اگر کسی شخص کا کچھ عرصہ کے لئے پیشاب بند ہو جائے، یا کسی کا پاخانہ رک جائے تو اس کی زندگی کے لالے پڑھ جاتے ہیں اور، خدا نخواستہ اگر اس عرصہ میں غیر معمولی امتداد پیدا ہو جائے تو پھر اس کی زندگی موت کی آغوش میں سوتی نظر آتی ہے۔

تو کیا؟ یہ خدا کا ایک عظیم انعام اور اس کا بہت بڑا فضل و کرم نہیں ہے کہ وہ اس تکلیف وہ چیز کو انسان کے جسم سے تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد کتنی آسانی سے خارج کرتا رہتا ہے، تو یہ کیسے ممکن تھا کہ خدا کے رسول کی وہ زبان جو اس کی چھوٹی چھوٹی نعمتوں پر ہر وقت ادائے شکر و سپاس میں مشغول رہتی تھی اس کی عظیم الشان نعمت پر شکر سے قاصر رہتی۔

چنانچہ یہ حدیث بھی بتا رہی ہے کہ آپ ﷺ جب بھی بیت الخلاء سے باہر نکلتے، خدا کا شکر ادا کرتے کہ اے الہ العظیمین! دنیا کی تمام تعریفیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں، تمام حمد و ثناء کا تو ہی مستحق ہے، اور کیوں نہ ہو؟ جب کے تیری ذات اپنے بندوں کے لئے سراسر لطف و کرم اور رحمت و شفقت ہے... جس کا ایک ادنیٰ سا اظہار یہ بھی ہے کہ تو نے اس وقت محض اپنے فضل و کرم سے ایک تکلیف وہ چیز کو میرے جسم سے خارج کیا اور اس طرح مجھے سکون و اطمینان عطا فرمایا اور عافیت بخشی۔

بعض احادیث میں آپ ﷺ سے یہ دعا بھی منقول ہے جسے آپ ﷺ بیت الخلاء سے باہر آنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی مَا یَذِیْبُنِیْ وَ اَنْفَعْنِیْ عَلَیْ مَا یَنْفَعُنِیْ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جس نے مجھ سے تکلیف وہ چیز کو دور کیا اور وہ چیز باقی رکھی جو میرے لئے فائدہ مند ہے۔

غذا ہضم ہونے پر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، ایک بڑا حصہ وہ ہوتا ہے جو فضلہ بن جاتا ہے، دوسرا حصہ جو غذا کا اصل جوہر ہوتا ہے وہ خون وغیرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے اس پر زندگی کی بقا منحصر ہوتی ہے، چنانچہ اس دعا میں غذا کی انہی دونوں حصوں کی جانب اشارہ فرمایا گیا

ہے۔ اگر ان دونوں نعمتوں کا کوئی شخص خیال کرے تو اسے احساس ہو کہ یہ کتنی اہمیت کی حامل ہیں لیکن افسوس کہ آج ایسے کتنے ہی بے حس و لا پرواہ انسان ملیں گے جن کے دماغ و شعور میں ان کا تصور بھی نہیں ہوگا۔

(۳۹) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ وَقَدْ أَلْحِنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ أَمَتَكَ أَنْ يَسْتَنْحُو أَبْعَظِمَ أَوْ رُوْتَهُ فَإِنَّ اللَّهَ جَعَلَ لَنَا فِيهِ نَارَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِكَ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب جنات کی جماعت سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! آپ ﷺ اپنی اُمت کو منع فرما دیجئے کہ وہ گوبر، ہڈی اور کونکہ سے استنجاء نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں ہمارا رزق پیدا کیا ہے“ چنانچہ آن حضرت ﷺ نے ہمیں ان (چیزوں کے استعمال) سے منع فرمایا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ہڈی جنات کی خوارک ہے جس سے وہ غذا حاصل کرتے ہیں، اسی طرح لید ان کے جانوروں کی خوارک ہے نیز کونکے سے بھی چونکہ جنات فائدہ اٹھاتے ہیں مثلاً کونکہ سے کھانا وغیرہ پکاتے ہیں یا اس سے روشنی کرتے ہیں اس لئے اس کو بھی رزق میں شمار کیا گیا ہے۔

بَابُ السِّوَاكِ

مسواک کرنے کا بیان

یوں تو مسواک کرنا متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک سنت ہے مگر حنفیہ کے نزدیک خاص طور پر وضو کے لئے امام شافعیؒ کے نزدیک وضو و نماز کے وقت مسواک کرنا مسنون ہے، نیز نماز فجر اور نماز ظہر سے پہلے بھی مسواک کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے، مسواک کرنے میں بڑی خیر و برکت اور بہت فضیلت ہے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ مسواک کرنے کی فضیلت میں چالیس احادیث وارد ہوئی ہیں، پھر نہ صرف یہ کہ مسواک کرنا ثواب کا باعث ہے بلکہ اس سے جسمانی طور پر بہت سے فائدہ حاصل ہوتے ہیں چنانچہ مسواک کرنے سے منہ پاک و صاف رہتا ہے، منہ کے اندر بدبو پیدا نہیں ہوتی، دانت سفید و چمک دار ہوتے ہیں، مسوڑوں میں قوت پیدا ہوتی ہے اور دانت مضبوط ہو جاتے ہیں۔

ویسے تو ہر حال میں مسواک کرنا مستحب اور بہتر ہے مگر بعض حالتوں میں اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے مثلاً وضو کرنے کے وقت، قرآن شریف پڑھنے کے لئے، دانتوں پر زردی اور میل چڑھ جانے کے وقت اور سونے، چپ رہنے، بھوک لگنے یا بدبو دار چیز کھانے کے سبب منہ کا مزہ بگڑ جانے کی حالت میں مسواک زیادہ مستحب اور اولیٰ ہے۔

مسواک کرنے کے کچھ آداب و طریقے ہیں چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ کسی مجلس و مجمع میں اس طرح مسواک کرنا کہ منہ سے رال ٹپکی ہو مکروہ ہے خصوصاً علماء اور بزرگوں کے قریب اس طرح مسواک کرنا مناسب نہیں ہے۔

مسواک کڑوے درخت مثلاً انیم وغیرہ کی ہونی چاہئے، پیلو کے درخت کی مسواک زیادہ بہتر ہے، چنانچہ احادیث میں بھی پیلو کی مسواک کا ذکر آیا ہے نیز حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ پیلو کی مسواک کی جائے مسواک کا سرا چھٹکلیا کی طرح ہونا چاہئے اور مسواک کی لمبائی ایک باشت کے برابر ہونی چاہئے، مسواک دانتوں کی چوڑائی پر کرنی چاہئے لمبائی پر مسواک نہ کی جائے کیونکہ اس طرح مسواک کرنے سے مسوڑھے پھل جاتے ہیں۔

”مسواک کرنے کے وقت کے بارے میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جب وضو شروع کیا جائے تو کلی کے وقت مسواک کرنی چاہئے

مگر بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ وضو کرنے سے پہلے ہی مسواک کر لینی چاہئے، نیز مسواک کرنے میں مستحب ہے کہ مسواک دائیں طرف سے شروع کی جائے۔

اگر کسی شخص کے پاس مسواک نہ ہو یا دانت ٹوٹے ہوئے ہوں تو ایسی حالت میں انگلی سے دانت یا مسوڑھوں کو صاف کرنا چاہئے، یا اسی طرح مسواک کو نرم کرنے کے لئے اگر کوئی پتھر نہ ملے اور ایسی شکل میں مسواک کرنا ممکن نہ ہو تو دانت کو ایسی چیزوں سے صاف کر لیا جائے جو منہ کی بد مزگی کو دور کر دیں جیسے موناکیرا اور منجن وغیرہ یا صرف انگلی ہی سے صاف کر لے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا أَنِّي أَشَقُّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ وَبِالسَّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ۔ (متفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اگر میں اپنی امت پر اس بات کو مشکل نہ جانتا تو مسلمانوں کو یہ حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز دیر سے پڑھیں اور ہر نماز کے لئے مسواک کریں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھنا اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنا مستحب اور بڑی فضیلت کی بات ہے اسی طرف یہ حدیث اشارہ کر رہی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میری امت دشواری میں مبتلا ہو جائے گی تو میں یہ فرض قرار دیتا کہ تمام مسلمان عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھا کریں“ اب تاخیر کی حد کیا ہے؟ اس بارے میں حضرت امام شافعیؒ کے علاوہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ تہائی یا آدھی رات تک عشاء کی نماز پڑھنا مستحب ہے۔

دوسری بات آپ ﷺ مسواک کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ اگر اس معاملہ میں بھی تنگی و مشکلات کا خوف نہ ہوتا تو اس بات کا اعلان کر دیتا کہ ہر نماز کے وقت یعنی ہر نماز کے وضو کے وقت مسواک کرنا فرض ہے۔

لیکن آپ ﷺ چونکہ امت کے حق میں سراپا رحمت و شفقت ہیں اس لئے آپ نے ان چیزوں کو فرض کا درجہ نہیں دیا کہ فرض ہونے کی شکل میں مسلمان تنگی اور تساہلی کی بناء پر ان فرائض پر عمل نہیں کر سکیں گے نتیجے کے طور پر گناہ گار ہوں گے، لہذا ان کو صرف مستحب ہی قرار دیا کہ اگر کوئی شخص ان پر عمل نہ کرے اس سے کوئی مداخلہ نہ ہوگا اور کوئی خدا کا بندہ اس پر عمل پیرا ہو جائے تو یہ اس کے حق میں سرا سر سعادت و نیک بختی کی بات ہوگی۔

② وَعَنْ شُوَيْبِ بْنِ هَانِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بَايَ شَيْءٍ كَانَ يَبْدُو رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ قَالَ بِالسَّوَاكِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت شریح ابن ہانیؓ راوی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب اپنے گھر میں تشریف لاتے تو پہلے کیا کرتے؟ انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے آپ ﷺ مسواک کرتے۔“ (مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ ﷺ اپنے گھر میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے اور یہ آپ ﷺ کے مزاج اقدس کی انتہائی ن لطافت کی دلیل تھی کہ اگر مجلس مبارک میں خاموش بیٹھنے یا لوگوں سے گفتگو کرنے کی وجہ سے منہ کے اندر کچھ تغیر آگیا ہو تو وہ دور ہو جائے۔

اگر آپ ﷺ کے اس فعل مبارک کی حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو یہاں بھی تعلیم امت کا مقصد سامنے آنے لگا لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے گھروالوں کے ساتھ انتہائی پاکیزگی و صفائی کے ساتھ رہا کریں یہاں تک کہ آپس میں گفتگو و کلام کرنے اور ملنے جلنے کے لئے

مسواک کر لیا کریں تاکہ کوئی شخص منہ کی بد مزگی یا بو کے تغیر کی وجہ سے تکلیف محسوس نہ کرے۔

مسواک کی فضیلت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ منقول ہے کہ مسواک کرنے کے ستر فائدے ہیں جن میں سب سے ادنیٰ اور کم درجہ فائدہ یہ ہے کہ مسواک کرنے والا شخص موت کے وقت کلمہ شہادت کو یاد رکھے گا جس کی بناء پر اس کا خاتمہ یقیناً خیر پر ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کہ افیون کھانے کے ستر نقصان ہیں جن میں سب سے ادنیٰ اور کم تر نقصان یہ ہے کہ افیون کھانے والا شخص موت کے وقت کلمہ شہادت بھول جائے گا، العیاذ باللہ

حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے لئے یہ تاکید ہے کہ وہ جب گھر میں داخل ہو تو اسے چاہئے کہ وہ سب سے پہلے مسواک کرے کیونکہ اس منہ میں بہت زیادہ خوشبو پیدا ہو جاتی ہے جس سے گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۳) وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشْوُضُ فَاهُ بِالسَّوَاكِ (متفق علیہ)

”اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب رات تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے تو اپنے منہ مسواک سے ملتے اور دھوتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاعْفَاءُ اللَّحْيَةِ وَالسَّوَاكِ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْأَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبُرْجَمِ وَتَنْفُ الْأَبْطِ وَحَلَقُ الْعَانَةِ وَاتِّقَاضُ الْمَاءِ يَغْنَى الْإِسْتِنْجَاءَ وَقَالَ الزَّوَائِي وَنَسَبْتُ الْعَاشِرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمَضْمُضَةُ زَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةِ الْخِثَّانِ بَدَلُ اعْفَاءِ اللَّحْيَةِ لَمْ أَجِدْ هَذِهِ الرِّوَايَةَ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَلَا فِي كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَلَكِنْ ذَكَرَهَا صَاحِبُ الْجَامِعِ وَكَذَا الْخَطَّابِيُّ فِي مَعَالِمِ السُّنَنِ عَنْ أَبِي دَاوُدَ۔ (بروایہ عماد بن یاسر)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”دس چیزیں فطرت میں سے ہیں (یعنی دین کی باتیں) ① لبوں کے بال کٹوانا ② داڑھی کا بڑھانا ③ مسواک کرنا ④ ناک میں پانی دینا ⑤ ناخن کٹوانا ⑥ جوڑوں کی جگہ کو دھونا ⑦ بغل کے بال صاف کرنا ⑧ زیر ناف بالوں کا مونڈنا ⑨ پانی کا کم کرنا یعنی پانی کے ساتھ استنجاء کرنا“ راوی یعنی مصعب یا زکریا کا بیان ہے کہ دسویں چیز کو میں بھول گیا، ممکن ہے کہ وہ کلی کرنا ہو۔ (مسلم) اور ایک روایت میں (دوسری چیز) ”داڑھی بڑھانے“ کے بجائے ”خشنہ کرنا“ ہے اور (صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ ”مجھے یہ روایت نہ صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں ملی ہے اور نہ کتاب حمیدی میں (جو صحیحین کی جامع ہے، البتہ اس روایت کو صاحب جامع الاصول نے اپنی کتاب میں) ذکر کیا ہے، اسی طرح خطابیؒ نے معالم السنن میں ابوداؤد کے حوالہ سے حضرت عمر ابن یاسر کی روایت کے ساتھ نقل کیا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں جن دس چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ تمام چیزیں پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں سنت تھیں اور آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی شریعت یعنی دین اسلام میں بھی سنت ہیں چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک فطرت کے یہی معنی ہیں، دوسری شروحات میں اس کے علاوہ علماء کے دوسرے اقوال بھی منقول ہیں لیکن طوالت کی بناء پر یہاں سب کو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

پہلی چیز لبوں کے بال یعنی مونچھوں کا کٹوانا ہے، اس سلسلہ میں مختار مسلک ”یہی ہے مونچھیں کتروائی جائیں اور اس طرح کتروائی جائیں کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ معلوم ہونے لگے۔“

امام اعظمؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مونچھیں بھوؤں کی برابر رکھنی چاہئیں، البتہ غازیوں اور مجاہدوں کو زیادہ مونچھیں بھی رکھنی جائز ہے کیوں کہ زیادہ مونچھیں دشمن کی نظر میں دہشت کا باعث ہوتی ہیں اور اس سے ان پر رعب چھا جاتا ہے، مونچھوں کا اتنا زیادہ کٹوانا کہ ان کا نشان بھی باقی نہ رہے یا بالکل منڈ وانا مکروہ ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک حرام ہے مگر بعض علماء نے اسے سنت بھی کہا ہے۔

دوسری چیز داڑھی کا بڑھانا ہے، اس کے بارے میں علماء کا فیصلہ ہے کہ داڑھی کی لمبائی ایک مٹھی کے برابر ہونا ضروری ہے اس سے کم نہ

ہونی چاہئے اگر مٹھی سے زیادہ بھی ہو جائز ہے بشرطیکہ حد اعتدال سے نہ بڑھ جائے۔

داڑھی کو منڈوانا یا پست کرنا حرام ہے کیونکہ یہ اکثر مشرکین مثلاً انگریز و ہندو کی وضع ہے، اسی طرح منڈی ہوئی یا پست داڑھی ان لوگوں کی وضع ہے جنہیں دین سے کوئی حصہ نصیب نہیں ہے کہ جن کا شمار ”گروہ قلندری رد مشرب“ میں ہوتا ہے۔

داڑھی کے بال ایک مٹھی کے برابر چھوڑنا واجب ہے اسے سنت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت سنت سے ہے جیسے نماز عید کو سنت کہتے ہیں حالانکہ عید واجب ہے۔

اگر لمبائی یا چوڑائی میں کچھ بال آگے بڑھ کر بے ترتیب ہو جائیں تو ان کو کترا کر برابر کرنا جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ انہیں بھی نہ کترا دیا جائے، اگر کسی عورت کے داڑھی نکل آئے تو اسے صاف کر ڈالنا مستحب ہے۔

تیسری چیز مسواک کرنا ہے، اس کے متعلق پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ مسواک کرنا بالاتفاق علماء کے نزدیک سنت ہے، بلکہ داؤد نے تو اسے واجب کہا ہے، حضرت شاہ اسحقؒ نے اس سے بھی بڑھ کر یہ بات کہی ہے کہ اگر کوئی شخص مسواک کو قصداً چھوڑ دے تو اس کی نماز باطل ہوگی،

چوتھی چیز ناک میں پانی دینا ہے، اس کا مسئلہ یہ ہے کہ وضو کے لئے ناک میں پانی دینا مستحب ہے اور غسل کے لئے ناک میں پانی دینا فرض ہے یہی حکم کلی کا بھی ہے کہ وضو میں کلی کرنا سنت ہے اور غسل میں فرض ہے۔

پانچویں چیز ناخن کا کٹوانا ہے، ناخن کسی طرح بھی کٹوائے جائیں اصل سنت ادا ہو جائے گی لیکن ادلی اور بہتر یہ ہے کہ ناخن کٹوانے کے وقت یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ سب سے پہلے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کے ناخن کٹوائے جائیں اس کے بعد بیچ کی انگلی کے اس کے بعد اس کے پاس کی انگلی کے پھر چھنگلیا کے پھر بعد میں انگوٹھے کے ناخن کٹوائے جائیں، اس کے بعد بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے ناخن اس طرح کٹوائے جائیں کہ سب سے پہلے چھنگلیا کے اس کے بعد اس کے پاس کی انگلی اس کے بعد بیچ کی انگلی اس کے بعد شہادت کی انگلی اور پھر بعد میں انگوٹھے کے ناخن کٹوائے جائیں۔

بعض علماء نے یہ طریقہ بھی لکھا ہے کہ سب سے پہلے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے ناخن کٹوانا شروع کرے اور چھنگلیا پر پہنچ کر روک دے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کرے اور اس کے انگوٹھے تک پہنچ کر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کر دے۔

اسی طرح پیر کے ناخن اس طرح کٹوانا چاہئے کہ پہلے دائیں پیر کی چھنگلیا سے کٹوانا شروع کرے اور آخر میں بائیں پیر کی چھنگلیا پر لے جا کر ختم کرے بعض علماء نے لکھا ہے کہ جمعہ کے روز ناخن کترا ونا مستحب ہے، کچھ حضرات نے ناخن کٹوا کر ان کو زمین میں دفن کر دینے کو بھی مستحب لکھا ہے، اگر ناخن پھینک دیئے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ان کو پاخانہ میں یا غسل کی جگہ میں پھینکانا مکروہ ہے۔

چھٹی چیز راجم یعنی جوڑوں کی جگہ کو دھونا ہے، راجم کہتے ہیں انگلیوں کی گانٹھوں (جوڑوں) کو اور اس کے اوپر کی کھال کو جو چنٹ دار ہوتی ہے اس میں اکثر میل جمع ہوتا ہے۔ خصوصاً جو لوگ ہاتھ سے کام کاج زیادہ کرتے ہیں ان کی انگلیاں سخت ہو جاتی ہیں اور ان میں میل جم جاتا ہے، لہذا ان کو دھونے کی تاکید فرمائی جا رہی ہے، اسی طرح بدن کے وہ اعضاء جن میں میل جم جانے کا گمان ہو جیسے کان، بغل، ناف، ان کو بھی دھونے کا یہی حکم ہے۔

ساتویں چیز بغل کے بالوں کو صاف کرنا ہے، اس سلسلہ میں لفظ تنف استعمال فرمایا گیا ہے، تنف بال اکھاڑنے کو کہتے ہیں، چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ بغل کے بالوں کو منڈوانا سنت نہیں ہے بلکہ ان کو ہاتھ سے اکھاڑنا سنت ہے مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ بغل کے بالوں کو ہاتھ سے اکھاڑنا اس شخص کے لئے افضل ہے جو اس کی تکلیف کو برداشت کر سکتا ہو، واپس بغل کے بالوں کا منڈوانا یا نورے سے صاف کرنا بھی جائز ہے۔

آٹھویں چیز زیر ناف بالوں کو منڈونا ہے، یہ بھی سنت ہے، زیر ناف بال، اگر منڈانے کی بجائے اکھاڑے جائیں، یا نورے سے صاف

کئے جائیں تو بھی ان کے حکم میں شامل ہوں گے مگر قیچی سے کاٹنے میں سنت ادا نہیں ہوتی۔ مقعد (پاخانہ کے مقام) کے گرد جو بال ہوتے ہیں ان کو بھی صاف کرنا مستحب ہوتا ہے۔

بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ زیر ناف بال نورے سے صاف کیا کرتے تھے واللہ اعلم۔ عورتوں کو زیر ناف بال اکھاڑنا اولیٰ ہے کیونکہ اس سے خاوند کو رغبت زیادہ ہوتی ہے، نیز عورت کے اندر چونکہ خواہشات نفسانی اور شہوتِ ننانوے حصّہ ہوتی ہے اور مرد میں صرف ایک حصّہ ہوتی ہے اور یہ عطا ہے کہ زیر ناف بال اکھاڑنے سے شہوت کم ہوتی ہے اور مونڈنے سے قوی ہوتی ہے، لہذا عورت کے مناسب حال یہی ہے کہ وہ بال اکھاڑے اور مرد کے مناسب حال یہ ہے کہ وہ مونڈے۔ زیر ناف بال مونڈنے، بغل کے بال اکھاڑنے، مونچھیں کتروانے اور ناخن کٹوانے کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہونی چاہئے، چالیس دن کے اندر اندر ان کو صاف کر لینا چاہئے اس سے زیادہ مدت تک انہیں چھوڑے رکھنا مکروہ ہے۔

نوس چیز پانی کا کم کرنا یعنی پانی کے ساتھ استنجاء کرنا ہے انتقاصُ الماء کے دو مطلب ہیں ایک تو یہی جو راوی نے بیان کئے ہیں یعنی پانی کے ساتھ استنجاء کرنا چونکہ استنجاء کرنے میں پانی خرچ ہوتا ہے اور کم ہو جاتا ہے اس لئے اس انتقاصُ الماء (پانی کا کم کرنا) سے تعبیر کیا گیا ہے، دوسرے معنی یہ ہیں کہ پانی کے استعمال یعنی استنجاء کرنے کی بناء پر پیشاب کو کم کرنا، مطلب یہ ہے کہ پانی سے استنجاء کرنے کی وجہ سے پیشاب کے قطرے رک جاتے ہیں اس طرح پیشاب میں کمی ہو جاتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں انتقاص کی جگہ لفظ انتقاض آیا ہے اس کے معنی ہیں ستر کے اوپر پانی چھڑکنا جیسا کہ پہلی حدیثوں میں گزر چکا ہے، بہر حال یہ دونوں چیزیں بھی سنت ہیں۔

ختنہ کرنا امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے، اکثر علماء کے نزدیک مرد و عورت دونوں کو امام اعظمؒ کے نزدیک مرد کو ختنہ کرنا سنت ہے عورت کو مکرمہ یعنی اولیٰ ہے۔

ختنہ چونکہ شعائر اسلام میں سے ہے اس لئے اگر کسی شہر کے تمام ہی لوگ ختنہ ترک کر دیں تو امام وقت کو ان کے ساتھ جنگ کرنی چاہئے تا آنکہ وہ لوگ اس اسلامی شعار کو اختیار کر لیں جیسے آذان کے بارے میں حکم ہے۔

ختنہ کرنے کی عمر اور وقت یقین میں علماء کے یہاں اختلاف ہے، بعض علماء کے نزدیک پیدائش کے ساتویں دن ختنہ کر دینا چاہئے جیسے عقیقہ ساتویں دن ہوتا ہے، بعض حضرات کے نزدیک سال اور بعض کے نزدیک نو سال کی مدت ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ اس میں کوئی قید نہیں ہے، جب چاہے ختنہ کر دیا جائے، گویا بالغ ہونے سے پہلے پہلے جب بھی وقت اور موقع ہو ختنہ کرایا جاسکتا ہے، امام اعظمؒ کے نزدیک اس صورت میں بلوغ سے پہلے کی شرط بطور خاص ہے کیونکہ ختنہ کرنا سنت ہے اور بالغ ہونے کے بعد ستر چھپانا واجب ہے اس لئے اگر کوئی شخص بالغ ہونے کے بعد ختنہ کرائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے ایک سنت کو ادا کرنے کے لئے واجب کو ترک کر دیا حالانکہ سنت کی ادائیگی کے لئے واجب کو ترک کر دینا جائز نہیں۔

الفصل الثانی

⑤ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّوَاكُ مَطَهْرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلزَّبِّ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَ أَحْمَدُ وَ الدَّارِمِيُّ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ رَوَى الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ بِإِسْنَادٍ

”حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”سواک کرنا، منہ کی پاکائی کا سبب ہے اور پروردگار کی خوشنودی کا باعث ہے“ شافعیؒ، احمدؒ، دارمیؒ، نسائیؒ اور امام بخاریؒ نے اس حدیث کو اپنی صحیح (جامع بخاری میں بغیر سند کے نقل کیا ہے۔“

⑥ وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ الْحَيَاءُ وَيُرْوَى الْخِثَانُ

”نزدہ ایک خاص مرکب چیز کہتے ہیں جو ہر سال اور چھنے سے ملا کر تال جاتی تھی جس سے بال اڑ جاتے ہیں۔“

وَالْتَعْظُرُوا السَّوَادَ وَالتَّكَاحُ - (رواہ الترمذی)

”حضرت ابویوبؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”چار چیزیں رسولوں کے طریقہ میں سے ہیں ① حیا کرنا (ایک روایت میں) ختنہ کرنا مروی ہے (یعنی اس روایت میں تو الْخِیَاءُ کا لفظ ہے اور بعض روایت میں اس کے بجائے الْخِیَانُ کا لفظ آیا ہے۔ ② خوشبو لگانا ③ مسواک کرنا ④ نکاح کرنا۔“ (ترمذی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا کہ چار چیزیں رسولوں کے طریقہ میں سے ہیں اکثر کے اعتبار سے ہے کیونکہ بعض انبیاء ایسے بھی تھے جن کے یہاں ان میں سے کچھ چیزیں نہیں پائی جاتی تھیں مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام نے نکاح نہیں کیا تھا۔ یہاں حیا سے مراد ہے کہ بندہ اپنے نفس کو برائی سے الگ رکھے اور بری باتوں سے بچتا ہے۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حنظلہ بن صفوان جو ”اصحاب الرس“ کے نبی تھے اور سرکارِ دو عالم ﷺ محض ہی اس دنیا میں تشریف لائے تھے، یعنی انبیاء و رسول ختنہ کئے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے بارے میں بعض علماء کا قول ہے کہ پیدا ہونے کے بعد آپ ﷺ کا ختنہ ہوا ہے، آنحضرت ﷺ چونکہ نطافت و لطافت کے انتہائی بلند مقام پر تھے اس لئے آپ ﷺ کو خوشبو زیادہ مرغوب تھی، چنانچہ منقول ہے کہ آپ خوشبو کے لئے مشک استعمال فرماتے تھے۔

شریعتِ محمدی ﷺ میں نکاح کی بہت زیادہ اہمیت ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیتے ہوئے اس بات کا اعلان فرمادیا ہے کہ جو شخص میری اس سنت سے اعراض کرے گا یعنی نکاح نہیں کرے گا تو وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔ حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نکاح کے فضائل و مناقب میں منقول جو احادیث جمع کی ہیں ان کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفُقُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَيَسْتَقِيطُ إِلَّا يَتَسَوَّكُ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ - (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب رات اور دن میں سو کر اٹھتے تو وضو کرنے سے پہلے مسواک کرتے۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ دن میں بھی قیلولہ کے وقت آرام فرماتے تھے، چنانچہ دن میں تھوڑا بہت سولینا اور قیلولہ کے وقت آرام کرنا سنت ہے کیونکہ اس کی وجہ سے رات میں خدا کی عبادت کے لئے اٹھنے میں آسانی ہوتی ہے جیسے کہ سحری کھالینے سے روزہ آسان ہو جاتا ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سو کر اٹھنے کے بعد مسواک کرنا سنتِ مؤکدہ ہے کیونکہ سونے کی وجہ سے منہ میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور بوی میں فرق آ جاتا ہے اس لئے مسواک کرنے سے منہ صاف ہو جاتا ہے۔

اب اس میں احتمال ہے کہ آپ ﷺ پھر وضوء کے لئے دوبارہ مسواک کرتے تھے یا نہیں؟ ہو سکتا ہے کہ اسی مسواک پر اکتفا فرماتے ہوں اور وضوء کے وقت دوبارہ مسواک نہ کرتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وضوء کے ارادہ کے وقت یا وضوء میں کلی کرتے وقت دوبارہ مسواک کرتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

⑧ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ فَيَغْطِيَنِي السِّوَاكُ لَا غَسْلَهُ فَأَبْدَأُ بِهِ فَأَسْتَاكُ ثُمَّ اغْسِلُهُ وَأَذْفَعُهُ۔ (رواه البوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ مسواک کرتے اور پھر مجھے دے دیے تاکہ میں اسے دھو ڈالوں چنانچہ میں (آپ سے مسواک لے کر) پہلے اس سے خود مسواک کرتی پھر دھوتی اور آنحضرت ﷺ کو دے دیتی۔“ (البوداؤد)

تشریح: یہ حدیث اس بات کے لئے دلیل ہے کہ مسواک کرنے کے بعد اس کو دھونا مستحب ہے، حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ تین مرتبہ مسواک کی جائے اور ہر مرتبہ اسے پانی سے دھولیا جائے تاکہ اس کا میل کچیل دور ہوتا رہے اور یہ کہ مسواک نرم ہونی چاہئے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ ﷺ سے مسواک لے کر دھونے سے پہلے اپنے منہ میں اس لئے پھیرتی تھیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی لعاب مبارک کی برکت حاصل ہو، پھر اسے دھو کر آپ ﷺ کو دے دیتی تھیں تاکہ مسواک پوری طرح نہ کی ہو تو اسے مٹل کر لیں۔

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کسی دوسرے کی مسواک اس کی رضامندی سے استعمال کر لینا مکروہ نہیں ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صالحین اور بزرگوں کے لعاب وغیرہ سے برکت حاصل کرنا اچھی بات ہے۔

الفصل الثالث

⑨ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرَانِي فِي الْمَنَامِ أَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ فَجَاءَنِي رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ فَنَاقَا لَتِ السِّوَاكِ الْأَصْغَرَ مِنْهُمَا فَقِيلَ لِي كَبِيرٌ فَدَفَعْتُهُ إِلَى الْأَكْبَرِ مِنْهُمَا۔ (مشق علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ (ایک دن) سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں (اس اثناء میں) دو آدمی میرے پاس آئے، ان میں کا ایک آدمی دوسرے سے بڑا تھا میں نے ان میں سے چھوٹے کو مسواک دینے کا ارادہ کیا مگر مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو مسواک دو، چنانچہ میں نے ان میں سے بڑے کو مسواک دی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے مسواک کی بزرگی اور فضیلت کا اظہار ہو رہا ہے اس لئے کہ اسے بڑے کو دینے کا حکم کیا جانا اس بات پر دال ہے کہ یہ ایک افضل اور بہترین چیز ہے جب ہی تو بڑے کو جو چھوٹے سے افضل و اعلیٰ تھا، دیئے جانے کا حکم کیا گیا۔

اس حدیث نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ کھانا وغیرہ دینے، خوشبو لگانے یا ایسی ہی دوسری چیزوں میں ابتداء بڑے سے ہی کرنی چاہئے۔

⑩ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَاءَنِي جَبْرِئِلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَطُّ إِلَّا أَمَرَنِي بِالسِّوَاكِ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ أَخْفِيَ مُقَدَّمُ فِي۔ (رواه احمد)

”حضرت ابی امامہؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جبرئیل علیہ السلام جب بھی میرے پاس آتے مجھے مسواک کرنے کا حکم دیتے (یہاں تک کہ) یہ مجھے خوف ہوا کہ (کہیں) مسواک کی زیادتی سے) میں اپنے منہ کے اگلے حصہ کو چھیل نہ ڈالوں۔“ (احمد)

تشریح: مسواک کی اہمیت اور اس کی فضیلت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی آنحضرت ﷺ کے پاس تشریف لاتے آپ ﷺ کو مسواک کرنے کا حکم دیتے اور آنحضرت ﷺ اس حکم کی بنا پر کثرت سے مسواک کرتے، چنانچہ آپ ہی فرما رہے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بار بار حکم اور اس شدت سے تاکید کی بناء پر میں مسواک اتنی کثرت سے استعمال کرتا ہوں کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ مسواک کی زیادتی سے کہیں میرا منہ نہ پھل جائے۔

(۱۱) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السَّوَاكِ (رواه البخاری)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”میں نے تم سے سوآک کے متعلق بہت کچھ بیان کیا ہے۔“ (بخاری)
تشریح: اس ارشاد کا مقصد سوآک کی فضیلت و اہمیت کو بتانا ہے اور اس پر تاکید فرمائی ہے کہ سوآک زیادہ سے زیادہ کرنی چاہئے اس لئے کہ کسی چیز کو بار بار بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ چیز بڑی اہمیت و فضیلت کی حامل ہے۔

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَنْ وَغِنْدُهُ وَجَلَانٍ أَحَدُهُمَا أَكْثَرُ مِنَ الْآخَرِ فَأَوْجَى إِلَيْهِ فِي فَضْلِ السَّوَاكِ أَنْ كَبَّرَ أَغْطِيَ السَّوَاكِ أَكْثَرَ هُمَا (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ سوآک کر رہے تھے اور آپ ﷺ کے پاس دو آدمی تھے جن میں ایک دوسرے سے بڑا تھا چنانچہ سوآک کی فضیلت میں آپ ﷺ کی طرف یہ وحی نازل فرمائی کہ بڑے کو مقدم رکھو اور ان دونوں میں سے بڑے کو سوآک دو۔“ (ابوداؤد)

(۱۳) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَفْضُلُ الصَّلَاةِ الَّتِي يُسْتَاكُ لَهَا عَلَى الصَّلَاةِ الَّتِي لَا يُسْتَاكُ لَهَا سَبْعِينَ ضِعْفًا (رواه البیہقی فی شعب الایمان)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”وہ نماز جس کے لئے سوآک کی گئی (یعنی وضو کے وقت) اس نماز پر جس کے لئے سوآک نہیں کی گئی ستر درجے کی فضیلت رکھتی ہے۔“ (بیہقی)

تشریح: اس حدیث سے بھی سوآک کی فضیلت کا اظہار ہو رہا ہے کہ سوآک کی وجہ سے نماز کے مراتب و درجات میں کمی بیشی ہوتی ہے، چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک نماز تو اس طرح پڑھی کہ اس نے اس نماز کے لئے وضو کے وقت سوآک اور ایک نماز اس طرح پڑھی کہ اس کے لئے وضو کے وقت سوآک نہیں کی تو پہلے نماز جس کے لئے سوآک کی گئی ہے اس نماز کے مقابلہ میں جس کے لئے سوآک نہیں کی گئی فضیلت اور ثواب کی زیادتی میں ستر درجہ زیادہ ہوگی ”گویا دوسری نماز کے مقابلہ میں پہلی نماز کا ثواب ستر گنا زیادہ ملے گا۔“

(۱۴) وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْلَا أَنْ أَشَقُّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسَّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَلَأَخَرْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ قَالَ فَكَانَ زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ يَشْهَدُ الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ وَسَوَاكُهُ عَلَى أُذُنِهِ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ أَذُنِ الْكَاتِبِ لَا يَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ إِلَّا اسْتَنْ ثُمَّ رَدَّ إِلَى مَوْضِعِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ دَاوُدَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَلَا خَرُتْ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ (رواه ابوداؤد و الترمذی)

”حضرت ابوسلمہؒ حضرت زید ابن خالد الجہنیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”اگر میں اپنی امت کے لئے اسے مشکل نہ جانتا تو میں ان کو ہر نماز کے لئے سوآک کرنے کا حکم دیتا (یعنی یہ اعلان کرتا کہ ہر نماز کے وقت سوآک کرنا واجب ہے) اور عشاء کی نماز میں تہائی رات تک تاخیر کرنا۔ راوی کا بیان ہے کہ (اس کے بعد) زید ابن خالدؒ نماز کے لئے مسجد میں

۱۔ حضرت ابوسلمہ تابعی ہیں، بعمر ۷۲ سال ۹۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

۲۔ حضرت زید ابن خالد جہنیؒ مشہور صحابی ہیں کنیت ابو عبد الرحمن بعمر ۸۵ سال بعد عبد الملک ۷۸ھ میں اور بعض کے خیال کے مطابق حضرت معاویہؓ کے آخری زمانہ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

آتے تو مسواک ان کے کان پر رکھی ہوتی جس طرح کاتب کے کان پر قلم رکھا رہتا ہے، جب وہ نماز کو کھڑے ہوتے تو مسواک کر لیتے اور پھر کان پر رکھ لیتے (ابوداؤد، ترمذی) ابوداؤد نے لَأَخْرَجَتْ صَلَوةَ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

باب سنن الوضوء وضو کی سنتوں کا بیان

یہاں وضو کی سنتوں سے مراد آنحضرت ﷺ کے وہ افعال و اقوال ہیں جو آپ ﷺ سے وضو کے بارے میں منقول ہیں خواہ ان کا تعلق وضو کے فرائض سے ہو یا سنت سے یا آداب وضو سے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَيْقِظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ۔ (مشق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص سو کر اٹھے تو اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ کو پانی کے برتن میں نہ ڈالے جب تک اسے (بچھڑوں تک) تین بار دھو نہ لے، اس لئے کہ اسے نہیں معلوم کہ رات بھر اس کا ہاتھ کہاں رہا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وضو سے پہلے ہاتھوں کو دھونا سنت ہے، جہاں تک سو کر اٹھنے کے بعد کی قید کا سوال ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں پانی کی قلت ہوتی ہے، خاص طور پر زمانہ نبوت میں تو پانی بہت ہی کم مقدار میں دستیاب ہوتا تھا، اس لئے اکثر و بیشتر لوگ پانی سے استنجاء نہیں کرتے تھے پہلے ڈھیلوں سے یا پتھروں سے صاف کر لیا کرتے تھے، اور یہ ظاہر ہے کہ گرم ہوا کی بنا پر سوتے میں استنجاء کے مقام پر پینہ آجاتا ہے، اس صورت میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ رات میں سوتے وقت ہاتھ استنجاء کے مقام پر پہنچ جائے جس سے ہاتھ گندے ہو جائیں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سونے والے کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا ہاتھ رات کو سوتے وقت کہاں رہا اس لئے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جب کوئی شخص سو کر اٹھے تو چاہئے کہ وہ پہلے اپنے ہاتھوں کو پانی کے برتن میں نہ ڈال دے بلکہ ہاتھ تین مرتبہ دھو ڈالے تاکہ وہ پاک و صاف ہو جائیں اس کے بعد برتن سے پانی لے کر وضو کر لے۔

بہر حال یہاں نیند کی قید تو اس لئے ہے کہ اس میں ہاتھوں کو نجاست لگنے کا احتمال ہے ورنہ ہر ایک وضو کرنے والے کو پہلے تین مرتبہ ہاتھ دھونا چاہئے اس لئے کہ علماء لکھتے ہیں کہ اس طرح ہاتھ دھونا اس شخص کے لئے بھی سنت ہے جو سو کر نہ اٹھا ہو کیونکہ ہاتھ دھونے کا سبب یعنی ہاتھ کو نجاست و میل لگنے کا احتمال جاننے کی حالت میں بھی موجود ہے۔

ہاتھ دھونے کا یہ حکم فرض اور واجب نہیں ہے بلکہ مسنون کے درجہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا حکم احتیاط کے طور پر دیا ہے اگر کوئی شخص ہاتھ نہ دھوئے تو بھی وہ پاک ہے کہ اگر بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں ڈال دے تو اس سے پانی ناپاک و نجس نہیں ہوتا کیونکہ سوتے میں ہاتھ کا ناپاک ہونا یقینی نہیں ہے بلکہ احتمال کے درجہ کی چیز ہے مگر حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ سو کر اٹھنے کے بعد ہاتھ کا دھونا واجب ہے، اگر کوئی شخص سو کر اٹھا اور اس نے بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں ڈال دیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

② وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَيْقِظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَتَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْشِزْ ثَلَاثًا فَإِنَّ

نسائی (ابوداؤد) اور بخاری و مسلم میں یہ روایت اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عامرؓ سے کہا گیا کہ جس طرح آنحضرت ﷺ وضو کرتے تھے اسی طرح آپ ہمارے سامنے وضو کریں، چنانچہ عبداللہ بن زید نے (پانی کا برتن منگوایا) جب پانی کا برتن آگیا تو انہوں نے اسے جھکایا اور اس سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں تین مرتبہ دھویا پھر ہاتھ برتن میں داخل کیا اور اس سے پانی نکالا پھر (اسی) ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی دیا اس طرح انہوں نے تین مرتبہ کیا، پھر انہوں نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈال کر پانی نکالا اور تین مرتبہ منہ دھویا، پھر انہوں نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈال کر نکالا اور سر کا مسح (اس طرح) کیا کہ اپنے دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے کی طرف لائے، اور پھر اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا، پھر فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا یہی وضو تھا اور بخاری و مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ”(مسح کے لئے) اپنے ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے کی طرف لائے یعنی اپنے سر کے اگلے حصہ سے (مسح) شروع کیا اور (ہاتھوں کو) گدی کی طرف لے گئے پھر گدی کی طرف سے وہیں لے آئے جہاں سے (مسح) شروع کیا تھا اور پھر اپنے پاؤں کو دھویا“ صحیحین کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ ”کلی کی ناک میں پانی دیا اور ناک تین مرتبہ جھاڑی تین چلوؤں سے ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ”پس کلی کی اور ایک ہی چلو سے ناک میں پانی ڈالا“ اس طرح تین مرتبہ کیا۔ بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”پس سر کا مسح کیا (اس طرح کہ) اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور آگے سے پیچھے کی طرف لے آئے اور یہ ایک مرتبہ کیا پھر دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا“ بخاری ہی کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں بس کلی کی اور ناک جھاڑی تین مرتبہ صرف ایک چلو سے۔“

تشریح: اس حدیث کے پہلے جزو سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت محمد اللہ بن زید بن عامرؓ نے ہاتھوں کو دو مرتبہ دھویا حالانکہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں دوسری روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ہاتھ تین مرتبہ دھوتے تھے، اس سلسلہ میں علماء یہ تاویل کرتے ہیں کہ سنت تو تین ہی مرتبہ دھونا ہے مگر چونکہ دو مرتبہ بھی دھولینا جائز ہے اس لئے حضرت عبداللہ نے بیان جواز کے لئے اپنے ہاتھوں کو پہنچوں تک دو مرتبہ دھویا۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دو مرتبہ دھونا جائز ہے۔

اس سلسلہ میں مؤرخین کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے، حالانکہ ایک ہی مرتبہ لانا کافی تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر لفظ مرتین صرف ایک ہی مرتبہ ذکر کیا جاتا تو اس سے یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ دونوں ہاتھ متفرق طور دو مرتبہ دھوئے ہوں گے، یعنی ایک مرتبہ ایک ہاتھ دھویا اور ایک مرتبہ ایک دھویا، لہذا اس وہم سے بچانے کے لئے مرتین کو دو مرتبہ ذکر کیا تاکہ یہ بات صاف ہو جائے کہ دونوں ہاتھ ملا کر دو مرتبہ دھوئے۔

سر کے مسح کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی تین انگلیاں سر کے آگے کی جانب رکھی جائیں اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو اور شہادت کی انگلیوں کو نیز تھیلیوں کو سر سے جدا رکھا جائے اس طرح ان چھ انگلیوں کو پیچھے گدی کی طرف لے جایا جائے پھر، دو تھیلیاں سر کے پچھلے حصہ پر رکھ کر آگے کی طرف لائی جائیں اور پھر دونوں کانوں کے اوپر کے حصہ پر دونوں انگوٹھوں سے اور کانوں کے دونوں سوراخوں میں شہادت کی انگلیوں سے مسح کیا جائے۔

وفی المتفق علیہ کے بعد جو روایتیں نقل کی گئی ہیں وہ صاحب مصابیح کی نقل کردہ نہیں ہیں بلکہ صاحب مشکوٰۃ نے ان کا اضافہ کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ما قبل کی روایت باوجود یکہ بخاری و مسلم میں منقول نہیں ہے مگر صاحب مصابیح نے انہیں صحاح یعنی فصل اول میں نقل کیا ہے اس لئے مصنف مشکوٰۃ ان روایتوں کا جو بخاری و مسلم میں منقول ہیں آگے اضافہ کر دیا ہے تاکہ ترتیب صحیح رہے۔

بخاری کی آخری روایت جس کے الفاظ یہ ہیں۔ ”پس کلی کی اور ناک جھاڑی تین مرتبہ ایک چلو سے“ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ہی چلو سے ناک میں تین مرتبہ پانی دے کر اسے جھاڑا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تین دفعہ میں ہر مرتبہ ایک ایک چلو سے ناک میں پانی دے کر اسے جھاڑا یعنی تین مرتبہ کے لئے تین ہی چلو بھی استعمال کئے۔

اس سلسلہ میں اتنی بات جان لینی چاہئے کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کے بارے میں مختلف احادیث منقول ہیں، چنانچہ بعض احادیث میں کلی کرنا اور پھر ترچہ کرنا میں پانی دینا اور بعض روایات میں ایک ہی چلو سے دو کھاتے استعمال ہوتے ہیں یعنی ترچہ سے کلی کرنا اور پھر ترچہ سے کلی کرنا یا پانی دینا بھی حدیث سے ثابت ہے اور یہ دونوں ایک ہی چلو سے بھی ثابت ہے، اس طرح انکی کئی صورتیں ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک قول صحیح کے مطابق یہ ہے کہ دونوں تین چلو میں کئے جائیں اس طرح کے پہلے ایک چلو پانی لیا جائے اور اس میں تھوڑے پانی سے کلی کر لی جائے اور بقیہ پانی ناک میں ڈالے پھر دوسرا چلو اور اور تیسرا چلو لے کر اسی طرح کیا جائے۔

حضرت امام اعظمؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہر ایک تین تین چلو سے کئے جائیں یعنی کلی کے لئے تین چلو استعمال کئے جائیں اور پھر ناک میں پانی دینے کے لئے بھی تین ہی چلو الگ سے استعمال کئے جائیں۔

امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اس طریقہ کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ قیاس کے مطابق ہے اس لئے کہ منہ اور ناک دونوں علیحدہ علیحدہ عضو ہیں لہذا جس طرح دیگر اعضاء وضو کو جمع نہیں کیا جاتا اسی طرح ان دونوں عضو کو بھی جمع نہیں کیا جائے گا اور اصل فقہ کا یہ قاعدہ ہے کہ جو حدیث قیاس کے موافق ہو اسے ترجیح دی جائے۔

جہاں تک شوافع اور حنفیہ کے مذہب میں تطبیق کا تعلق ہے اس سلسلہ میں شنی نے فتاویٰ طہریہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ امام اعظمؒ کے یہاں وصل بھی جائز ہے یعنی امام شافعیؒ کا جو مسلک ہے وہ امام اعظمؒ کے نزدیک بھی صحیح ہے، اسی طرح امام شافعیؒ کے یہاں فصل بھی جائز ہے، یعنی جو مسلک امام اعظمؒ کا ہے وہ امام شافعیؒ کا یہاں بھی صحیح اور جائز ہے۔

نیز ترمذیؒ حضرت امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کو ایک ہی چلو کے ساتھ جمع کرنا جائز ہے لیکن میں اسے زیادہ پسند کرتا ہوں کہ ان دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ چلو استعمال کئے جائیں، اس قول سے صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوگئی کہ حنفیہ اور شوافع کے مسلک میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ تَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً لَمْ يَزِدْ عَلَى هَذَا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا (یعنی تمام اعضاء وضو کو صرف ایک ایک مرتبہ دھویا) اور اس پر زیادہ نہیں کیا۔“ (بخاری)

⑤ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے دو، دو مرتبہ وضو کیا (یعنی اعضاء وضو کو دو دو بار دھویا)۔“ (بخاری)

⑥ عَنْ عُثْمَانَ أَنَّهُ تَوَضَّأَ بِالْمَقَاعِدِ فَقَالَ أَلَا أُرِيكُمْ وُضُوءَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے مقام مقاعد میں وضو کیا اور کہا کہ کیا تمہیں آنحضرت ﷺ کا وضو نہ دکھلاؤں؟ چنانچہ انہوں نے تین تین مرتبہ وضو کیا (یعنی انہوں نے اعضاء وضو کو تین تین بار دھو کر بتایا کہ آنحضرت ﷺ اس طرح وضو فرماتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اعضاء وضو کو کبھی ایک ایک مرتبہ دھوتے تھے کبھی دو دو مرتبہ دھوتے تھے اور کبھی تین تین مرتبہ دھوتے تھے، اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ اکثر تین تین مرتبہ ہی دھوتے تھے۔

نہ اُم گرامی عبداللہ بن زید بن عبد ربیعہ ہے اور کثرت الجمع ہے آپ انصاری ہیں اور آپ صحابی ہیں۔ ۳۳ھ میں عمر ۶۴ سال آپ کی وفات ہوئی۔

ان میں تطہیق اس طرح ہوگی کہ آپ ﷺ کا اعضاء وضو کو کبھی کبھی ایک ایک مرتبہ دھونا بیان جواز کے لئے تھا یعنی اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ ایک ایک مرتبہ دھونا جائز ہے اور اس طرح وضو ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ادنیٰ درجہ ہے اور فرض بھی ایک ایک مرتبہ ہی دھونا ہے، اسی طرح دودو مرتبہ بھی بیان جواز کے لئے دھوتے تھے کہ اس طرح بھی وضو ہو جاتا ہے اور اکثر و بیشتر تین مرتبہ اس لئے دھوتے ہیں کہ یہ طہارت کا انتہائی درجہ ہے، لہذا اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے اور اس پر زیادتی کرنا منع ہے، بعض احادیث میں بعض اعضاء کو تین تین مرتبہ بعض اعضاء کو دودو مرتبہ اور بعض اعضاء کو ایک ایک مرتبہ بھی دھونا ثابت ہے چنانچہ یہ سب طریقے بھی بیان جواز کے لئے ہیں۔

بعض علماء کے نزدیک اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھونا گناہ ہے کیونکہ اس طرح سنت مشہورہ ترک ہوتی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جب خود احادیث سے ایک ایک مرتبہ دھونا ثابت ہے تو اسے گناہ کہنا مناسب نہیں ہے۔ آخر حدیث کے یہ الفاظ کہ ”تین تین مرتبہ وضو کیا“ یعنی اعضاء وضو کو تین بار دھویا۔ اس سے بظاہر تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سرکاح بھی تین مرتبہ کیا ہو گا لیکن جن روایتوں میں اعضاء وضو کے دھونے کی تفصیل اور وضاحت کی گئی ہے جیسے کہ صحیحین کی روایتیں گزری ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سرکاح ایک ہی مرتبہ ہے۔

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالْطَّرِيقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّأُوا وَهُمْ عَجَلٌ فَأَنْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ وَأَعْقَابُهُمْ تَلَوُّحٌ لَمْ يَمْسَسْهَا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَلَّ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ أَسْبَغُوا الْوُضُوءَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہمراہ مکہ سے مدینہ کو واپس لوٹے یہاں تک کہ جس وقت ہم پانی پر پہنچے جو راستہ میں تھا تو کچھ لوگوں نے نماز عصر کے لئے وضو کرنے میں جلدی کی اور وہ لوگ بہت جلدی کرنے والے تھے، چنانچہ جب ہم ان لوگوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی اڑیاں چمک رہی تھیں (یعنی خشک رہ گئی تھیں کیونکہ) ان تک پانی نہیں پہنچا تھا (ان کی خشک اڑیوں کو دیکھ کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”دیل (خرابی) ہے اڑیوں کے لئے آگ سے اوضو کو پورا کرو۔“ (مسلم)

تشریح: آن حضرت ﷺ صحابہ کی جماعت کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے واپس لوٹ رہے تھے درمیان سفر عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، راستہ میں ایک جگہ پانی کے قریب یہ قافلہ رک گیا، کچھ لوگ یہ سوچ کر کہ نماز عصر کا وقت ہو رہا ہے، وضو کرنے کے لئے پانی کی طرف لپکے چنانچہ وہ لوگ تیز چل کر اس جماعت سے جس میں خود آنحضرت ﷺ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ تھے آگے نکل گئے اور پانی پر پہلے پہنچ کر وقت کی تنگی کے سبب جلدی جلدی وضو کر لیا، جب آنحضرت ﷺ ان کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ جلدی کی وجہ سے ان کی پیر پوری طرح دھلے نہیں ہیں جس کی وجہ سے اڑیاں خشک رہ گئی ہیں، اسی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اڑیوں کے لئے ویل (خرابی ہے) آگ سے۔

بعض علماء نے ”ویل“ کے معنی ”شدت عذاب“ لکھے ہیں۔

کچھ علماء کی تحقیق ہے کہ ”ویل“ دوزخ میں پیپ اور لہو کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

بعض محققین لکھتے ہیں کہ ”ذیل“ ایک ایسا کلمہ ہے جسے رنج رسیدہ شخص بولتا ہے اور اصل میں اس کی معنی ”ہلاکت اور عذاب“ کے

ہیں۔

بہر حال ان تمام معانی کو مد نظر رکھتے ہوئے مناسب اور صحیح یہ ہے کہ اس لفظ کا محل اصل ہی کو قرار دیا جائے۔ یعنی اڑیوں کے لئے عظیم ہلاکت اور دردناک عذاب ہے ”خاص طور پر اڑیوں ہی کے لئے یہ وعید اس لئے ہے کہ وضو میں دھوئی نہیں گئی تھیں، جس کی بناء پر وہ خشک رہ گئی تھیں۔

گوا بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”یہاں اڑیوں سے مراد اڑیوں والے ہیں“ یعنی یہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جن کی اڑیاں وضو میں خشک رہ گئی تھیں۔

آخر میں آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ”وضو کو پورا کرو“ یعنی وضو کے جو فرائض و سنن اور مستحبات و آداب ہیں ان سب کو پورا کرو اور سب کی ادائیگی کا خیال رکھو چنانچہ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ ”(اعضاء وضو کا کوئی حصہ) اگر ایک ناخون کے برابر بھی خشک رہ جائے گا تو وہ وضو درست نہیں ہوگا۔“

یہ حدیث اس بات کے لئے دلیل ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے کیونکہ اگر پاؤں دھونا فرض نہ ہوتا تو اڑیوں کے خشک رہ جانے کی وجہ سے اتنی بڑی وعید نہ فرمائی جاتی، چنانچہ ہر دور کے تمام علماء، اور فقہاء کا یہی عقیدہ اور مسلک رہا ہے کہ وضو میں پیروں کا دھونا فرض ہے صرف مسح کافی نہیں ہے، اس مسئلہ میں کسی بھی ایسے عالم کا اختلاف جو لائق اعتبار اور قابل استناد ہو ثابت نہیں ہے، نیز صحابہ کرامؓ جو آنحضرت ﷺ کے وضو کی کیفیت و تفصیل بیان کرتے ہیں جیسے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ جنہیں حاکی یعنی آنحضرت ﷺ کے وضو کو بیان کرنے والا کہا جاتا ہے یا اسی طرح حضرت جابرؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ وضو میں اگر موزہ پہنے ہوئے نہیں ہوتے تو پیر مبارک دھویا ہی کرتے تھے۔

پھر ایسی بے شمار احادیث جو مرتبہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں منقول ہیں جن سے وضو میں پیروں کا دھونا ہی ثابت ہے اور اس کے ترک کرنے پر وعید بے شمار احادیث میں مذکور ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”صحابہؓ پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے (پیروں کو دھو کر) وضو کو پورا کرنے کا حکم فرمایا اور اس کے ترک پر وعید فرمائی چنانچہ صحابہؓ نے مسح چھوڑ دیا اور وہ منسوخ ہو گیا۔

امام طحاویؒ، حضرت عبدالملک بن سلیمانؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء خراسانیؒ سے جو جلیل القدر تابعی ہیں، پوچھا کہ کیا آپ کو کوئی ایک روایت بھی ایسی ملی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ آنحضرت ﷺ کا کوئی بھی صحابی، اپنے پیروں پر مسح کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم! نہیں۔“

بہر حال اس سلسلہ میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ وضو میں پیر کے بارے میں جو حکم قرآن مجید میں مذکور ہے وہ محمل اور مشتبہ ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی سنت نے خواہ وہ قولی ہو یا فعلی اور جو حد شہرت و تواتر کو پہنچتی ہے اس کی تشریح اور وضاحت کر دی ہے کہ قرآن پاک میں اس حکم سے خدا کی مراد یہ ہے کہ وضو میں پاؤں کو دھونا چاہئے لہذا پاؤں کو دھونا ہی فرض ہے۔

جہاں تک شیعہ فرقہ کے مسلک و معمول کا تعلق ہے کہ وہ لوگ وضو میں پیروں پر مسح کرتے ہیں، اس بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ انتہائی گمراہی میں مبتلا ہیں اور آنحضرت ﷺ کی اتنی زیادہ تفصیل و تشریح اور اتنے کھلے ہوئے حکم کے باوجود ان کا پیروں کا نہ دھونا انتہائی غلط اور غیر شرعی فعل ہے۔ واللہ اعلم۔

⑧ وَعَنِ الْمُعْبِرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَيْنِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے وضو کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی پیشانی کے بالوں کے اوپر پگڑی پر اور موزوں پر مسح کیا۔“ (مسلم)

تشریح: سر کے مسح کی مقدار میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے، حضرت امام

مسلمہ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شعبہ کے لڑکے ہیں آپ کی کیت ابو عبداللہ اور ابو عیسیٰ ہے اپنے بھرت سال پچاس ہجری میں انتقال فرمایا۔

شافعیؒ کے نزدیک سر کے کچھ حصہ کا مسح کافی ہے خواہ وہ تین بال ہی کیوں نہ ہوں، حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے، حضرت امام اعظمؒ کی دلیل یہی حدیث ناویہ (ناویہ سر کے آگے کی جانب چوتھائی حصہ کو کہتے ہیں) اسی بنا پر حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ وہی شکلیں ہو سکتی ہیں، اول تو یہ کہ امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق مسح پورے سر کا فرض ہو، مگر یہ ظاہر ہے کہ پورے سر کا مسح اگر فرض ہوتا تو پھر آنحضرت ﷺ مسح ناویہ پر ہی اکتفا نہ فرماتے، بلکہ ادائے فرض کے لئے پوری ہی سر کا مسح فرماتے، لہذا معلوم ہوا کہ پورے سر کا مسح تو فرض ہے نہیں، دوسری شکل یہ ہے کہ چوتھائی سر سے بھی کم پر مسح فرض ہو جیسا کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے، اس سلسلہ میں بھی یہی بات ہے کہ اگر چوتھائی سر سے کم پر بھی مسح فرض ہوتا تو آنحضرت ﷺ بیان جواز کے لئے اسے بھی اختیار فرماتے مگر یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے چوتھائی سر سے کم پر بھی مسح نہیں کیا ہے۔ لہذا اس سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسح چوتھائی سر کا ہی فرض ہے۔

پگڑی پر مسح کرنے کے معنی شارمین نے یہ لکھے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے چوتھائی سر کا مسح جو فرض ہے کر لیا تو تکمیل وضو اور ادائے سنت کے لئے (کہ تمام سر کا مسح کرنا سنت ہے) بجائے اس کے سر کے بقیہ حصہ پر مسح فرماتے، سر کے اوپر بندھی ہوئی پگڑی پر مسح کر لیا۔ بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پگڑی پر مسح کیا ہی نہ ہو بلکہ چوتھائی سر پر مسح کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی پگڑی کو درست کیا ہو، راوی نے اس سے گمان کر لیا کہ آنحضرت ﷺ نے پگڑی پر بھی مسح کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس سلسلہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ بغیر سر کا مسح کیا ہوئے صرف پگڑی پر مسح کر لینا امام اعظمؒ، امام شافعیؒ امام مالکؒ تینوں کے نزدیک مطلقاً درست نہیں ہے مگر امام احمدؒ کے نزدیک اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ پگڑی طہارت کے بعد پہنی ہو اور پگڑی نے پورے سر کو ڈھانک لیا ہو جیسا کہ موزہ پر مسح کرنے کا مسئلہ ہے۔

(۹) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيْمُنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي شَأْنِهِ كَلْبِهِ فِي طَهْوَرِهِ وَتَوَضُّعِهِ وَتَغْلِيهِ - (ترمذی علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سر کا رو عالم ﷺ حتی الامکان اپنے تمام کاموں کو سیدھے ہاتھ سے شروع کرنا محبوب رکھتے تھے (مثلاً) اپنی طہارت میں، اپنا جوتا پہننے میں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اچھے کاموں کو داہنے ہاتھ سے شروع کرنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے بارے میں اسے پسند فرماتے اور عزیز رکھتے تھے کہ جہاں تک اپنا بس چلے تمام کام داہنے ہاتھ سے انجام دیئے جائیں چنانچہ لفظ ما استطاع (حتی الامکان) سے اسی محافظت اور تاکید کی طرف اشارہ ہے۔

”طہارت“ دائیں طرف سے شروع کرنے کی یہ شکل تھی کہ وضو میں دایاں ہاتھ اور دایاں پر پہلے دھوتے تھے اور بایاں ہاتھ دایاں پر بعد میں دھوتے تھے، اسی طرح نہانے کے وقت دائیں جانب پہلے دھوتے اور بائیں جانب بعد میں دھوتے تھے۔

بہر حال اس حدیث میں تین چیزیں ذکر کی گئی ہیں، جو مثال کے طور پر ہیں ورنہ تو ہر وہ چیز جو از قبیل بزرگی ہوتی تھی اسے آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے شروع کرتے تھے، جیسے کپڑے پہننا، از ار زیب تن کرنا، موزہ پہننا، مسجد میں داخل ہونا، مسواک کرنا، بیت الخلاء سے باہر آنا (یعنی بیت الخلاء سے پہلے دایاں پیرا ہر نکالتے تھے، سرمہ لگانا، ناخون کتر وانا، بغل کے بال صاف کرنا، لب کے بال کتر وانا، سرمہ ڈالنا، زیر ناف بال صاف کرنا، مصالح کرنا، کھانا پینا اور کسی چیز کا لینا دینا وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح جو چیز از قبیل بزرگی نہیں ہیں ان کو بائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے، مثلاً بیت الخلاء (یعنی بیت الخلاء میں پہلے بایاں پیر رکھنا، بازار میں جانا، مسجد سے نکلنا، ناک منی کھنکھانا، استنجاء کرنا اور کپڑے اور جوتے اتارنا یا ایسے ہی دوسرے کام، ان کاموں کو بائیں طرف سے شروع کرنے میں ایک لطیف اور پر حقیقت نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ ایسی چیزوں کی ابتداء بائیں طرف کرنے کی وجہ سے دائیں طرف کی تکریم و احترام کا مظاہرہ ہوتا ہے مثلاً جب کوئی شخص مسجد سے نکلنے وقت پہلے بایاں قدم باہر نکالے گا تو دائیں قدم کی تکریم ہوئی بائیں طور کہ

دایاں قدم محترم جگہ میں باقی رہا۔ اسی پر دوسری چیزوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان کے ہمراہ جو دو فرشتے ہوتے ہیں ان میں سے دائیں ہاتھ کا فرشتہ دائیں طرف کی فضیلت و احترام کی بناء پر بائیں ہاتھ کے فرشتے پر شرف و فضیلت رکھتا ہے، نیز اسی نقطہ کے پیش نظر کہا جاتا ہے کہ دائیں طرف کا ہمایہ بائیں طرف کے ہمایہ پر مقدم ہے۔

الفصل الثانی

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَبِسْتُمْ وَإِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَاذْكُرُوا بِأَيَّامِكُمْ۔

(رواہ احمد و ابوداؤد)

”حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب تم لباس وغیرہ پہننا وضو کرو تو اپنے دائیں طرف سے شروع کرو۔“ (احمد، ابوداؤد)

⑪ وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرْ سَمَ اللَّهِ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَالدَّارِمِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ وَزَادَ فِي أَوَّلِهِ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَا وُضُوءَ لَهُ)

”اور حضرت سعید بن زیدؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس شخص نے (وضو کے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا اس کا وضو نہیں ہوا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ) اور احمد و ابوداؤد نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہؓ سے اور دارمی نے ابوسعید خدریؓ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، نیز ان لوگوں نے اپنی روایت کے شروع میں یہ الفاظ زائد ذکر کئے کہ ”اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے وضو نہیں کیا۔“

تشریح: اس حدیث سے وضو کے ابتداء میں بسم اللہ کہنے کی فضیلت و اہمیت کا اظہار ہو رہا ہے، حدیث کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے ابتداء وضو میں اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا یعنی بسم اللہ نہیں کہی تو اس کا وضو درجہ تکمیل کو نہ پہنچا جس کی بنا پر اسے ثواب نہیں ملا۔ ویسے اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت امام احمدؒ کے نزدیک ابتداء وضو میں بسم اللہ کہنا واجب ہے، مگر جمہور علماء کے نزدیک سنت یا مستحب ہے۔

ابتداء وضو میں علماء سلف سے یہ الفاظ کہنے منقول ہیں سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ بعض علماء نے کہا ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھنے کے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا افضل ہے اور مشہور یہ الفاظ ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَىٰ دِينِ الْاِسْلَام۔ روایت کے آخر میں ایک لفظی غلطی ہے، جو ہو سکتا ہے کہ کاتب وغیرہ کا سہو ہو یعنی آخر میں یہ الفاظ ذکر کئے گئے ہیں والداری عن ابی سعید الخدری عن ابیہ غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی دارمی نے اس حدیث کو حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے اور ابی سعید نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے۔

⑫ وَعَنْ لَقِيْطِ بْنِ صَبْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي عَنِ الْوُضُوءِ قَالَ أَسْبَغَ الْوُضُوءَ وَخَلَّلَ بَيْنَ الْأَصَابِعِ وَبَالَغَ فِي الْإِسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ ضَائِمًا۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَانِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ إِلَىٰ قَوْلِهِ بَيْنَ الْأَصَابِعِ)

امام گرامی سعید بن زید اور کنیت ابوالاعور ہے آپ قریشی عدوی ہیں اور آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں آپ کا انتقال ۵۰ یا ۵۱ھ میں بعمر ۷۰ سال بمقام عتق ہوا۔

”اور حضرت لقیط بن صبرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! مجھے وضو کے بارے میں آگاہ فرمائیے“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم وضوء کو پورا کرو، انگلیوں میں خلال کرو، اور اگر تمہارا روزہ نہ ہو تو ناک میں اچھی طرح پانی پہنچاؤ۔“ (ابوداؤد، دارمی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے اس حدیث کو بین الاصابغ تک روایت کیا ہے)

تشریح: سوال کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ مجھے کمال وضو کا طریقہ بتا دیجئے تاکہ اسے اختیار کر کے ثواب کا مستحق ہو سکوں اس کا جواب آپ ﷺ نے یہ دیا کہ وضو کو پورا کرو، یعنی چہرے کو فراغ و سنن و مستحبات میں پانی نہ پہنچاؤ اور ادا کرو۔ وضو میں انگلیوں کے درمیان خلال کرنا حضرت امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے مگر یہ حکم اس شکل میں ہے جبکہ انگلیاں خلقی اعتبار سے ایک دوسرے سے جدا اور کشادہ ہوں لیکن آپس میں اگر اس طرح ملی ہوں کہ آسانی اور بے تکلفی سے پانی اٹھے درمیان نہ پہنچاؤ تو پھر انگلیوں کے درمیان خلال کرنا واجب ہوگا۔

خفیہ کے یہاں انگلیوں کے درمیان خلال کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی پھلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کیا جائے۔ یہی طریقہ اولیٰ ہے۔

پاؤں کی انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھنگلیاں سے کرنا چاہئے اس طرح کہ اسے دائیں پاؤں کی چھنگلیاں کے نیچے داخل کر کے خلال کرنا شروع کیا جائے، یہاں تک کہ بائیں پاؤں کی چھنگلیاں پر ختم کیا جائے۔

ناک میں پانی دینے کی حد یہ ہے کہ پانی نرمہ ناک تک پہنچایا جائے اور اس میں مبالغہ جو حدیث کا شائبہ یہ ہے کہ پانی اس سے بھی آگے گزر جائے، مگر جیسا کہ خود حدیث نے وضاحت کر دی ہے کہ یہ مبالغہ یعنی نرمہ ناک سے بھی آگے پانی پہنچانا اس وقت ہے جب کہ وضو کرنے والا روزہ دار نہ ہو، اگر وضو کرنے والا روزہ دار ہو تو پھر اس کے لئے یہ مبالغہ مکروہ ہے۔

اس موقع پر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک وضو میں سنت ہے اور غسل میں فرض مگر امام شافعیؒ کے نزدیک غسل اور وضو میں یہ دونوں چیزیں سنت ہیں۔

(۱۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ أَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ - (رواه الترمذی وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم نے ارشاد فرمایا ”جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں اور اپنے پیروں کی انگلیوں کے درمیان خلال کرو۔“ (ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔)

تشریح: ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان خلال تو ہاتھوں کو دھونے کے بعد کرنا چاہئے اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال پاؤں کو دھونے کے بعد کرنا چاہئے، یہی طریقہ افضل اور اولیٰ ہے۔

(۱۴) وَعَنْ الْمُسْتَوْرِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ يَدْلُكَ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخَنْصَرِهِ - (رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت مستور بن شدادؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو اپنے پاؤں کی انگلیوں کو (بائیں ہاتھ کی) چھنگلیاں سے ملتے (یعنی پاؤں کی انگلیوں کے درمیان بائیں ہاتھ کی چھنگلیاں سے خلال فرماتے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: لفظ يدلك کا مطلب یہ ہے کہ ”آپ (بائیں ہاتھ کی چھنگلیاں سے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان) خلال کرتے تھے۔“ چنانچہ اس کی

۱۔ حضرت مستور رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہاد کے بیٹے اور فہری قریشی ہیں اور آپ صحابی ہیں۔

تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جسے امام احمدؒ نے روایت کیا ہے جس میں لفظ (یعنی خلال کرتے تھے) صراحت کے ساتھ آیا ہے اس شکل میں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھٹکیا سے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال کرنا مستحب سے یا بد لک کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ ﷺ (اپنے بائیں ہاتھ کی چھٹکیا پاؤں کی انگلیوں پر) پھیرتے تھے، اس صورت میں یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ تمام اعضاء کا ملنا مستحب ہے۔

(۱۵) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ أَخَذَ كَفَّائِمَ مَاءٍ فَأَدْخَلَهُ تَحْتَ حَنْكِهِ فَخَلَّلَ بِهِ لِحْيَتَهُ وَقَالَ هَكَذَا أَمَرَنِي رَسُولِي - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب وضو فرماتے تو ایک چلو پانی لیتے، پھر اسے اپنی ٹھوڑی کے نیچے پہنچاتے اور اس سے اپنی داڑھی میں خلال کرتے اور پھر فرماتے کے میسرور دگلانے (وحی غنی کے ذریعہ) اسی طرح سے حکم فرمایا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: وضو میں داڑھی کا اس طرح خلال کرنا مستحب ہے، یہ خلال منہ دھونے کے بعد کرنا چاہئے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ انگلیاں داڑھی کے نیچے سے داخل کر کے اوپر کی طرف کو باہر نکالی جائیں۔

(۱۶) وَعَنْ عُثْمَانَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ - (رواہ الترمذی و الداری)

”اور حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ (وضو کرتے وقت) اپنی داڑھی میں خلال کرتے تھے۔“ (ترمذی، داری)

(۱۷) وَعَنْ أَبِي حَيَّةَ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا تَوَضَّأَ فَعَسَلَ كَفَّيْهِ حَتَّى انْقَا هُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَشَقَّ ثَلَاثًا وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَذَرَا عَيْنَيْهِ ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَأَخَذَ فَضْلَ طَهُورِهِ فَشَرِبَهُ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ أَحَبُّتُ أَنْ أَرِيكُمْ كَيْفَ كَانَ طَهُورُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (رواہ الترمذی و النسائی)

”اور حضرت ابو حییہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو دھویا یہاں تک کہ انہیں پاک کیا، پھر تین مرتبہ کلی کی، تین مرتبہ ناک میں پانی دیا، تین مرتبہ اپنا منہ دھویا، تین مرتبہ دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے، ایک مرتبہ اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے، پھر کھڑے ہوئے اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے کھڑے پی لیا اور پھر فرمایا کہ میں نے یہ پسند کیا کہ تمہیں دکھاؤں کہ آنحضرت ﷺ کا وضو کس طرح تھا۔“ (ترمذی، نسائی)

تشریح: وضو کے بچے ہوئے پانی میں چونکہ برکت آجاتی ہے اس لئے حضرت علیؓ نے وضو کے بقیہ پانی کو پی لیا، چنانچہ حصول برکت کے لئے وضو کے بقیہ پانی کو پی لینا چاہئے، یہ پانی کھڑے ہو کر پینا بھی جائز ہے۔

(۱۸) وَعَنْ عَبْدِ خَيْرٍ قَالَ لَحْنُ جُلُوسٍ نَظَرُ إِلَى عَلِيٍّ حِينَ تَوَضَّأَ فَأَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى فَمَلَأَ فَمَهُ فَمَضْمَضَ وَاسْتَشَقَّ وَنَثَرَ يَدَهُ الْيُسْرَى فَعَلَّ هَذَا أَثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى طَهُورِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَذَا طَهُورُهُ - (رواہ الداری)

”اور حضرت عبد خیرؓ فرماتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہوئے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے چنانچہ انہوں نے برتن میں داہنے ہاتھ سے پانی لیا اور منہ میں بھر کر کلی کی اور ناک میں پانی دیا اور بائیں ہاتھ سے ناک سکی، اسی طرح تین مرتبہ کیا پھر فرمایا ”جس کے لئے یہ بات خوش کن ہو کہ وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے وضو کو دیکھے تو (وہ دیکھے کہ) آنحضرت ﷺ کا وضو یہ ہے (یعنی اس طرح آپ ﷺ وضو فرماتے تھے)۔“ (داری)

۱۔ ام گرامی عمرو بن نصر انصاری الہمدانی اور کنیت ابو عیسیٰ سے مشہور ہیں تابعی ہیں۔

۲۔ ام گرامی عبد خیر زید اور کنیت ابو عامر ہمدانی ہے، آپ تابعی ہیں کوفہ میں سکونت پذیر تھے۔

تشریح: یہاں راوی کا مقصد یہ تھا کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کی کیفیت بیان کرے اس لئے انہوں نے صرف اسی قدر بیان کیا، باقی وضو چونکہ معلوم تھا اس لئے اسے بیان نہیں کیا۔

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفِّ وَاحِدٍ فَعَلَّ ذَلِكَ ثَلَاثًا۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت عبد اللہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی دیا اور تین مرتبہ اسی طرح کیا۔“ (ابو داؤد، ترمذی)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ میں دو احتمال ہیں یعنی اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ آپ نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی دیا اور اس طرح تین مرتبہ کیا یا یہ کہ تین چلو سے تین مرتبہ کلی کی اور پھر تین چلو سے تین مرتبہ ناک میں پانی دیا۔ دوسرے معنی زیادہ مناسب اور اکثر روایات کے مطابق ہیں۔

ان کے علاوہ ایک تیسرا احتمال اور بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے ایک ہی چلو سے تین مرتبہ کلی کی اور ناک میں پانی بھی دیا، دوسرا چلو نہیں لیا۔ یہی تمام احتمالات اس سے پہلے گزرنے والی حدیث میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأَذْنَيْهِ بَاطِنَهُمَا بِالسَّبَابَتَيْنِ وَظَاهِرَهُمَا بِإِبْهَامَيْهِ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا اور کانوں کے اندر کا مسح اپنی شہادت کی انگلیوں سے اور اوپر کا انگوٹھوں سے کیا۔“ (نسائی)

(۲۱) وَعَنِ الرَّبِيعِ بْنِ مَعُوذٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ قَالَتْ فَمَسَحَ رَأْسَهُ مَا أَقْبَلَ مِنْهُ وَمَا أَدْبَرَ وَضَدَّغِيهِ وَأَذْنَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ تَوَضَّأُ فَأَدْخَلَ إصْبَعَيْهِ فِي جُحْرِي أَذْنَيْهِ۔ (رواہ ابو داؤد و زوی الترمذی و الرواية الأولى و أحمد و ابن ماجه الثانية)

”اور حضرت ربیع بن معوذؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو وضو کرتے دیکھا چنانچہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے سر کے اگلے حصہ پر، پچھلے حصہ پر، کپٹیوں پر اور کانوں پر ایک مرتبہ مسح کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے وضو کیا چنانچہ (مسح کے لئے) اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں کے سوراخوں میں داخل کیا۔“ (ابو داؤد، ترمذی نے پہلی حدیث کو اور ابن ماجہ نے دوسری حدیث کو روایت کیا ہے۔)

تشریح: لفظ ضدغیہ اور اذنیہ لفظ راسہ پر عطف ہیں اسے عطف خاص علیٰ لحام کہتے ہیں یعنی سر کے پانی کے ساتھ مسح کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب آپ ﷺ نے ہاتھ پر پانی لے کر سر کا مسح کیا تو اسی پانی سے کپٹیوں اور کانوں پر بھی مسح کر لیا ان دونوں کے مسح کے لئے علیحدہ سے پانی نہیں لیا، چنانچہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک یہی ہے۔

صدغ کان اور آنکھ کے درمیانی حصہ کو کہتے ہیں اردو میں کبچی کہا جاتا ہے، نیز جو بال اس جگہ پر لگے رہتے ہیں اسے بھی صدغ کہتے ہیں۔ (قاموس) اور (ابن مالکؒ) نے کہا ہے کہ صدغ ابن بالوں کو کہتے ہیں جو سر کے دونوں طرف کان اور ناصیہ (پیشانی کے بال) کے درمیان ہوتے ہیں، یہی معنی حنفی مسلک کے مطابق اور مناسب ہیں۔

شرح السنۃ میں مقول ہے کہ علماء کے یہاں مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تین مرتبہ مسح کرنا سنت ہے یا نہیں؟ چنانچہ اکثر علماء یہ کہتے ہیں

لہ اہم گرامی ربیع ہے معوذکی لڑکی ہیں، آپ جلیل القدر صحابیہ ہیں اور انصاریہ ہیں آپ بیعت رضوان میں بھی شامل تھیں۔

کہ مسح ایک ہی مرتبہ کرنا چاہئے، یہی مسلک حضرت امام اعظمؒ، امام احمدؒ، امام مالکؒ کا ہے۔ امام شافعیؒ کے مذہب میں یہ مشہور ہے کہ تین مرتبہ مسح اس طرح کرنا کہ ہر مرتبہ نیا پانی لیا جائے سنت ہے، چنانچہ اکثر علماء کا یہی خیال ہے مگر خود امام شافعیؒ تین مرتبہ مسح کرنے کو مستحب کہتے ہیں، امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ سے جو احادیث مروی ہیں وہ سب صحیح ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسح ایک ہی مرتبہ کرنا چاہئے۔

شہنیؒ کہتے ہیں کہ ہر دفعہ نئے پانی کے ساتھ تین مرتبہ کرنا بدعت ہے مگر ہدایہ میں لکھا ہے کہ ایک ہی پانی سے تین مرتبہ مسح کرنا مشروع ہے اور یہ امام آسمؒ سے ہی منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَأَنَّهُ مَسَحَ رَأْسَهُ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ مَعَ زَوَائِدِ)

”اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے سر کا مسح اس پانی سے کیا جو ہاتھوں کا بچا ہوا نہ تھا (یعنی نیا پانی لے کر مسح کیا)۔“ (ترمذیؒ، مسلمؒ اور سلمؒ نے اس روایت کو زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جس میں دیگر اعضاء وضو کے دھونے کا بھی ذکر ہے۔)

تشریح: فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مثلاً ایک شخص نے وضو کے وقت ہاتھ دھویا اور ہاتھ دھونے کے بعد جو تری اس کے ہاتھوں میں باقی رہ گئی تھی تو اس سے سر کا مسح کر لیا مسح ہو جائے، اور اگر کسی عضو پر مسح کرنے کے بعد اس کے ہاتھوں میں تری رہ گئی تو اس سے سر کا مسح کیا تو یہ درست نہیں ہوگا۔ اس سلسلہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی ایک حدیث بھی نقل کی جاتی ہے، نیز اس مذکورہ حدیث کو بھی ابن ابیہ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے جس میں بماء غیر فضل یدہ کے بجائے یہ الفاظ ہیں بماء غیر من فضل یدہ یعنی لفظ غیر کے ساتھ غیر ہے جس کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ اس پانی کے ساتھ مسح کیا جو ہاتھ دھونے کے بعد ہاتھ میں باقی رہ گیا تھا، یعنی مسح کے لئے از سر نو پانی نہیں لیا بلکہ پورے ہاتھ دھونے کے بعد جو تری ہاتھوں میں رہ گئی تھی اس سے مسح کر لیا۔ اس طرح حدیث کے معنی بالکل برعکس ہو گئے کیونکہ اس حدیث کے الفاظ سے جو یہاں نقل کی گئی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سر کا مسح ہاتھوں کے بچے ہوئے پانی سے نہیں کیا بلکہ نیا پانی لے کر کیا لیکن مذکورہ بالا شکل میں صرف ایک نقطہ کے تغیر سے معنی بالکل برعکس ہو گئے۔

مگر جہاں تک سوال کی تحقیق کا ہے تو بات یہی ہے کہ حدیث یہ صحیح ہے جو یہاں نقل کی گئی ہے، لہذا۔ اولیٰ یہ ہو اگر مسح کے لئے نیا پانی لیا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ ہاتھ کے باقی بچے ہوئے پانی سے مسح کیا جاسکتا ہے۔

(۲۳) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ ذَكَرَ وَضُوءَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ يَمْسَحُ الْمَاقِينَ وَقَالَ الْأَذْنَانِ مِنَ الرَّأْسِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَذَكَرَ أَقَالَ حَمَّادٌ لَا أَذْرِي الْأَذْنَانِ مِنَ الرَّأْسِ مِنْ قَوْلِ أَبِي أُمَامَةَ أَمْ مِنْ قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

”اور حضرت ابوامامہؓ نے سرکارِ دو عالم کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ”آپ ﷺ آنکھ کے کونوں کو بھی ملا کرتے تھے اور کہا کہ دونوں کان بھی سر میں داخل ہیں“ (ابن داؤد، ترمذیؒ اور ابو داؤد و ترمذیؒ نے ذکر کیا ہے کہ حماد نے کہا ”میں یہ نہیں جانتا کہ اذنان من الرأس (یعنی دونوں کان سر میں داخل ہیں) ابوامامہؓ کا اپنا قول ہے یا آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔“

تشریح: ”ماق“ ناک کی طرف کے گوشہ کو کہتے ہیں (قاموس) اور جوہریؒ نے لکھا ہے کہ ”ماق“ دونوں طرف کے گوشہ چشم کو کہتے ہیں، لہذا اولیٰ یہی ہے کہ دونوں طرف کے گوشہ چشم (کونوں) کو منہ دھوتے وقت ملنا مستحب ہے تاکہ آنکھ کے اندر کامیل کچیل جو گوشہ چشم میں جمع ہو جاتا ہے، ملنے سے نکل جائے اور آنکھیں صاف ہو جائیں۔

روایت کے اس جز الاذن من الرااس (دونوں کان سر میں داخل ہیں) سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ کانوں کا مسح بھی سر کے مسح کے ساتھ کرنا چاہئے، دوسرے یہ کہ سر کے مسح کے لئے جو پانی لیا ہے اسی پانی سے کانوں کا مسح بھی کر لیا جائے کانوں کے مسح کے لئے الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ پہلے حکم پر تو چاروں ائمہ متفق ہیں، دوسرے حکم میں کچھ اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ تینوں کا مسلک یہ ہے کہ کانوں کا مسح سر کے مسح کے بچے ہوئے پانی سے ہی کر لینا چاہئے، اس کے لئے الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے، اس مسلک کی تائید بھی کثیر احادیث سے ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ کانوں کا مسح نئے پانی سے کرنا چاہئے یعنی سر کے مسح کے بچے ہوئی پانی سے کانوں کا مسح کرنا کافی نہ ہوگا، چنانچہ ایک حدیث بھی اس سلسلہ میں منقول ہے جو امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید کرتی ہے۔

بہر حال یہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ اکثر و بیشتر سر اور کانوں کا مسح ایک ہی پانی سے کرتے ہوں گے، مگر ایسی شکل میں جب کہ ہاتھ میں تری باقی نہ رہتی ہوگی کبھی کبھی کانوں کے مسح کے لئے لیتے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

(۲۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ جَاءَ أَغْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهُ عَنِ الْوُضُوءِ فَأَرَاهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ هَكَذَا الْوُضُوءُ فَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا فَقَدْ آسَاءَ وَتَعَدَّى وَظَلَمَ۔

(رواہ النسائی وابن ماجہ وروی ابو داؤد معناه)

”اور حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ”ایک دیہاتی آنحضرتؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپؐ سے وضو کی کیفیت پوچھی چنانچہ آپؐ نے اس کے اعضاء وضو کو تین مرتبہ دھو کر دکھلایا اور فرمایا کہ (کامل) وضو اس طرح ہے لہذا جس نے اس پر زیادہ کیا (یعنی تین مرتبہ سے زیادہ دھویا) اس نے برا کیا، تعدی کی اور ظلم کیا۔“ (نسائی وابن ماجہ) اور ابو داؤد نے بھی اسی مطلب کی حدیث روایت کی ہے۔

تشریح: آپؐ نے سائل کے جواب میں اعضاء وضو کو تین مرتبہ دھو کر دکھلایا اور اسے بتادیا کہ اگر تم کامل وضو چاہتے ہو اور اس پر ثواب کے متمنی ہو تو پھر وضو اسی طرح کرو۔ اس پر زیادتی کرنا یعنی اعضاء وضو کو تین مرتبہ سے زیادہ دھونا وضو کرنے والے کے حق میں کوئی مفید بات نہیں ہوگی بلکہ نقصان دہ ہوگی چنانچہ آپؐ نے ایسے شخص کے بارے میں تین الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

① برا کیا۔ اس لئے کہ اس نے سنت کو ترک کیا۔

② تعدی کی۔ یعنی زیادتی کر کے حدود سنت سے تجاوز کیا۔

③ ظلم کیا۔ یعنی آنحضرتؐ کے طریقہ اور سنت کے خلاف عمل کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا۔

(۲۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُغْفَلِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْقَصْرَ الْأَيْصَ عَنْ يَمِينِ الْجَنَّةِ قَالَ أَيْ بَنِي سَلِ اللَّهُ الْجَنَّةَ وَتَعَوَّذْ بِهِ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَتَعَذَّلُونَ فِي الظُّهُورِ وَالْأَعْيَاءِ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت عبد اللہ بن المغفلؒ نے کہا کہ ”اے میرے بیٹے! تم خدا سے جنت مانگو اور (دوزخ کی) آگ سے بچنا چاہو۔“ میں نے سرکار دو عالمؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”عقرب اس امت میں اے لوگ پیدا ہوں گے جو طہارت اور دعائیں غلو کریں گے۔“

(احمد، ابن ماجہ، ابو داؤد)

تشریح: صاحبزادہ کو عبد اللہ بن مغفل کی تنبیہ کا مقصد یہ تھے کہ تم جس طرح اور جن قیود کے ساتھ دعا مانگ رہے ہو یہ غلط اور شان عیودیت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ایک طرف اگر تحکم کا پہلو ہے تو دوسری طرف بہشت میں ایک مخصوص صفت کی طلب یا کسی مخصوص جگہ کا تعین ایک لایعنی اور نامناسب چیز ہے۔ ہاں۔ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ تم خدا سے صرف بہشت مانگو اور دوزخ کی آگ سے پناہ چاہو۔ اب آگے خدا کا کام ہو گا کہ وہ جنت میں اپنے فضل و کرم سے تمہیں مراتب و درجات کی جس بلندی پر چاہے گا پہنچائے گا۔

حد سے تجاوز اور غیر مطلوب زیادتی ہر چیز میں ناپسندیدہ اور غیر مناسب ہو، خواہ وہ چیز شریعت کا مطلوب ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، اور لسان نبوت سے پیشگوئی کی جا رہی ہے کہ اس امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خدا کے رسول کے بتائے ہوئے راستے سے الگ ہو کر اور حدود شریعت سے تجاوز کر کے طہارت اور دعا میں زیادتی کریں گے۔

”طہارت میں زیادتی“ یہ ہے کہ اعضاء وضو کو مسنون طریقہ سے قطع نظر تین مرتبہ سے زیادہ دھویا جائے، پانی ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے یا اعضاء وضو کو دھونے میں اتنا مبالغہ ہو کہ وہ دم و سوساں کی حد تک پہنچ جائے۔

”دعا میں زیادتی“ یہ ہے کہ دعا اس انداز اور اس طریقہ سے مانگی جائے جس سے بے ادبی کا اظہار ہوتا ہو اور وہ شان عیودیت کے خلاف ہو، یا دعا میں غیر ضروری و نامناسب قیود لگائی جائیں یا ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے جو انسانی اعتبار سے احاطہ امکان سے خارج اور عادتہ محال ہوں۔“

(۲۶) وَعَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لِلشَّيْطَانِ يُقَالُ لَهُ الْوَلَهَانُ فَاتَّقُوا وَسْوَاسَ الْمَاءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيٍّ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ لِأَنَّا لَا نَعْلَمُ أَحَدًا أَسْنَدَهُ غَيْرَ خَارِجَةً وَهُوَ لَيْسَ بِالْقَوِيٍّ عِنْدَ أَصْحَابِنَا۔

”اور حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”وضو کا ایک شیطان ہے جسے ”ولہان“ کہا جاتا ہے لہذا پانی کے وسوسے سے بچو“ (ترمذی، ابن ماجہ) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور محدثین کے نزدیک اس کی اسناد قوی نہیں ہے اس لئے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ خارجہ (ایک عالم) کے علاوہ کسی نے اس کی سند بیان کی ہو اور وہ (خارجہ) ہمارے محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔“

تشریح: ”ولہان“ کے معنی ہیں عقل کا جاتے رہنا اور متحیر ہونا۔ یہ نام اس شیطان کا اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کر کے انہیں متحیر اور بے عقل کر دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وضو کرنے والا اس کے چکر میں پھنس کر وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ جب وضو کرتا ہے تو یہ وسوسے اس کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ نامعلوم فلاں عضو پھٹیک سے پانی پہنچا ہے یا نہیں؟ فلاں عضو کو ایک مرتبہ دھویا ہے یا دو مرتبہ؟

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”پانی کے وسوسے سے بچو“ یعنی وضو کے وقت پانی استعمال کرنے میں جب اس قسم کے وسوسے اور وہم پیدا ہوں تو انہیں قائم نہ رہنے دو بلکہ انہیں اپنے دل سے باہر نکال پھینکو تا کہ حدود سنت سے تجاوز نہ کر سکو، کیونکہ اس شیطان کا مقصد تو یہی ہوتا ہے کہ وضو کرنے والا ان وسوسوں اور اوہام میں مبتلا ہو کر اعضاء وضو کو تین مرتبہ سے بھی زیادہ دھو ڈھلے یا ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کئے جس کی بنا پر وہ مسنون طریقہ سے ہٹ جائے۔

(۲۷) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهُ بِظَرْفِ ثَوْبِهِ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو اپنے پٹے کے کونے سے اپنے منہ پونچتے۔“ (ترمذی)

تشریح: جب آپ وضو سے فارغ ہو جاتے تو پانی خشک کرنے کے لئے اپنے کپڑے یعنی چادر وغیرہ کے کونے سے اپنا منہ پونچھ لیتے تھے۔ زیلعیؒ نے شرح کنز میں لکھا ہے کہ وضو کے بعد رومال سے (پانی) خشک کر لینا جائز ہے چنانچہ جیسا کہ حضرت عثمان، حضرت انس، اور حسن ابی علیؓ کے بارے میں بھی یہی منقول ہے اور اس کے بعد آنے والی حدیث بھی اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے، صاحب منیہ نے وضو کے بعد اعضاء وضو کو پونچھا متب لکھا ہے۔

حنفی مسلک کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ وضو کے بعد پانی کو خشک کرنے کے لئے اعضاء وضو کو (کسی کپڑے یا رومال اور تولیہ وغیرہ سے) پونچھا اگر ازراہ تکبر و غرور ہو تو مکروہ ہے اور غرور و تکبر کی بنا پر نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے مذہب میں نہ تو وضو کرنے والے کے لئے اور نہ غسل کرنے والے کے لئے کپڑے سے پانی کو خشک کرنا سنت ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب وضو فرما چکے تو اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ ایک رومال لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تاکہ آپ ﷺ اس سے بھیجے ہوئے اعضاء پونچھ لیں مگر آپ ﷺ نے اسے واپس کر دیا اور اعضاء وضو پر لگے ہوئے پانی کو ہاتھ کے ذریعہ نکالنے لگے۔

اس کا جواب علماء حنفیہ کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اعضاء وضو کو رومال سے پونچھنے سے اس لئے انکار نہیں کیا تھا کہ یہ چیز مناسب نہیں تھی بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی خاص عذر کی بنا پر آپ ﷺ نے رومال واپس فرما دیا ہو۔

(۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِزْفَةٌ يَنْشِفُ بِهَا أَعْضَاءَهُ بَعْدَ الْوُضُوءِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ بِالْقَائِمِ وَأَبُو مَعَاذٍ الرَّائِي ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ۔

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے وضو کے بعد اپنے بھیجے ہوئے اعضاء پونچھا کرتے تھے“ (ترمذیؒ) اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے اور اس کے ایک راوی، ابو معاذ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔“

تشریح: نہ یہ کہ حضرت امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے بلکہ یہ بھی کہا ہے کہ وضو کے بعد بھیجے ہوئے اعضاء کو کپڑے سے پونچھنے کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے کوئی صحیح حدیث منقول نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کے صحابہؓ کی ایک جماعت اور تابعین نے وضو کے بعد اعضاء کو پونچھ لینے کی اجازت دی ہے اور ان کی یہ اجازت بھی آنحضرت ﷺ کے کسی قول و فعل سے مستنبط نہیں ہے بلکہ یہ خود ان لوگوں کی اپنی رائے ہے، چنانچہ سید جمال الدین شافعیؒ نے اس مضمون کو نقل کیا ہے۔

اس کا جواب علماء حنفیہ یہ دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ جواز ان صحابہؓ وغیرہ کی ذاتی رائے ہے غلط ہے، بلکہ اس کے برعکس آپ کا یہ قول خود آپ کے ذہن کی پیداوار ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

کیونکہ صحابہؓ مثلاً حضرت عثمان، حضرت انس اور حضرت حسن بن علیؓ کی جلالت شان اور اتباع نبوی ﷺ کے جذبہ صادق کے پیش نظر اس کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا کہ دینی معاملات میں کوئی بھی چیز ان کے اپنے ذہن کی پیدا کردہ ہو سکتی ہے لہذا ان کا فعل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ضرور ہے۔

اس کے علاوہ اس کلیہ کو بھی ذہن میں رکھ لینا چاہئے کہ حدیث پر عمل کرنا خواہ وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے نسبت اس کے کہ کسی رائے پر عمل کیا جائے، خواہ اُسے کتنی ہی مضبوط اور قوی کیوں نہ ہو۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۲۹) وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ أَبِي صَفِيَّةٍ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حَدَّادٍ حَدَّثَكَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ثَلَاثًا مَرَّةً مَرَّةً مَرَّةً مَرَّةً ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ثابت بن ابی صفیہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر صادق کے والد سے جن کا نام محمد باقرؑ ہے کہا کہ آپ سے جابرؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ”سرکار دو عالم ﷺ نے (کبھی) ایک ایک مرتبہ (کبھی) دو دو مرتبہ اور (کبھی) تین تین مرتبہ وضو کیا: انہوں نے فرمایا ہاں۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: محدثین کی عادت ہے کہ جب شاگرد اپنے شیخ (استاد) سے کوئی حدیث سنتا ہے تو وہ پوچھتا ہے کہ حَدَّثَكَ فَلَانٌ عَنْ فَلَانٍ (اس طرح شاگرد اپنی سند کے سلسلہ کو آنحضرت ﷺ تک پہنچاتا ہے اور استاد خاموش اس سلسلہ سند کو سنتا رہتا ہے) یعنی کیا آپ سے یہ حدیث فلاں نے اور فلاں سے فلاں نے (یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ سے فلاں نے) سنی ہے اس کے جواب میں شیخ کہتا ہے کہ نعم! (یعنی ہاں) گویا روایت حدیث کا یہ ایک طریقہ ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ استاد اپنے شاگرد کے سامنے جب کہتا ہے کہ حدیثی فلاں (یعنی مجھے) سے یہ حدیث بیان کی فلاں نے اور فلاں سے فلاں نے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ سے فلاں نے سنی ہے) تو شاگرد بیٹھا سنتا رہتا ہے۔

بہر حال۔ اسی طرح سے حضرت عثمان بن ابی صفیہؓ نے اپنے استاد حضرت امام محمد باقرؑ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا کہ حَدَّثَكَ جَابِرٌ الْخ یعنی کیا یہ حدیث آپ سے حضرت جابرؓ نے بیان کی ہے۔ اس کے جواب میں محمد باقرؑ نے اقرار کیا کہ ہاں مجھے سے جابرؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

(۳۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَقَالَ نُورٌ عَلَى نُورٍ۔

”اور حضرت عبد اللہ بن زیدؓ راوی ہیں کہ ”سرکار دو عالم ﷺ نے دو، دو مرتبہ وضو فرمایا (یعنی اعضاء وضو کو دو، دو بار دھویا) اور پھر فرمایا کہ ”یہ نور کے اوپر نور ہے۔“

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا تو ایک فرض اداء ہوا اور وہ ایک نور ہوا، پھر اس کے بعد جب دوسری مرتبہ دھویا تو سنت اداء ہوئی اور چونکہ یہ بھی نور ہے اس لئے نور کے اوپر نور ہوا۔

(۳۱) وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَقَالَ هَذَا وَضُوءُنِي وَوَضُوءُ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي وَوَضُوءُ إِبْرَاهِيمَ زَوَاهِمَا زَيْنٍ وَالتَّوَهُُّوُ ضَعْفُ الثَّانِي فِي شَرْحِ مُسْلِمٍ۔

”اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے تین تین مرتبہ وضو کیا اور پھر فرمایا کہ ”یہ میرا اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کا وضو ہے اور حضرت ابراہیمؑ کا وضو ہے“ (یہ دونوں حدیثیں رزین نے روایت کی ہیں اور امام نوویؒ نے شرح مسلم میں دوسری حدیث کو ضعیف کہا ہے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ نے تمام انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد پھر حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کیا ہے اسے تخصیص بعد تعمیم کہتے ہیں، یعنی انبیاء کا عمومی طور پر ذکر کرنے کے بعد پھر بطور خاص حضرت ابراہیمؑ کے اسم گرامی کا ذکر کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ طہارت اور نظافت کا بہت زیادہ خیال رکھا کرتے تھے۔

(۳۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ وَكَانَ أَحَدُنَا يَكْفِيهِ الْوَضُوءُ مَا لَمْ يُخْذِثْ۔ (رواہ الدارمی)

۱۔ حضرت ثابت بن ابی صفیہؓ تاہی ہیں، آپ کی کنیت ابو حمزہ تھی۔ ۱۳۸ھ میں انتقال ہوا ہے۔

۲۔ حضرت امام محمد باقرؑ حضرت امام زین العابدینؑ کے صاحبزادے ہیں ۵۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی تھی، آپ کا انتقال ۷۱ یا ۱۱۸ھ بمقام مدینہ منورہ ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہیں۔

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ہر (فرض) نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے اور ہم کو ایک وضو اس وقت تک کافی ہوتا تھا جب تک کہ وضو نہ ٹوٹتا تھا۔“ (دارمی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے لئے ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا پہلے واجب تھا مگر بعد میں وجوب کا یہ حکم منسوخ ہو گیا، جب کہ اس کے بعد آنے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کچھ علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اولیٰ اور عزیمت سمجھ کر ہر نماز کے لئے تازہ وضو فرماتے تھے۔

(۳۳) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانٍ قَالَ قُلْتُ لِعُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَأَيْتُ وَضُوءَ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ لِكُلِّ صَلَاةٍ ظَاهِرًا كَانَ أَوْ غَيْرَ ظَاهِرٍ عَمَّنْ أَخَذَهُ فَقَالَ حَدَّثَنِي أَسْمَاءُ بِنْتُ زَيْدِ بْنِ الْحَطَّابِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ حَنْظَلَةَ بْنَ أَبِي عَامِرٍ الْغَسِيلَ حَدَّثَهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَمْرًا بِالْوُضُوءِ لِكُلِّ صَلَاةٍ ظَاهِرًا كَانَ أَوْ غَيْرَ ظَاهِرٍ فَلَمَّا شَقَّ ذَلِكَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِالسَّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَوَضَعَ عَنْهُ الْوُضُوءُ إِلَّا مِنْ حَدَثٍ قَالَ فَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ يَرَى أَنَّ بِهِ قُوَّةً عَلَى ذَلِكَ فَفَعَلَهُ حَتَّى مَاتَ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت محمد بن یحییٰ بن حبان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے صاحب زادے حضرت عبید اللہ سے کہا کہ مجھے یہ بتائیے کہ کیا حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے خواہ وہ با وضو ہوں یا بے وضو اور انہوں نے یہ عمل کس سے حاصل کیا تھا؟ حضرت عبید اللہ نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے حضرت اسماء بنت زید بن خطاب نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عبد اللہ بن حنظلہ ابی عامر الغسیل نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو ہر نماز کا وضو کرنے کے لئے حکم دیا گیا تھا خواب آپ ﷺ با وضو ہوں یا بے وضو جب آپ کے لئے یہ مشکل ہوا تو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیا گیا اور وضو کو موقوف کیا گیا (یعنی ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا واجب نہ رہا، جب تک وضو ٹوٹ نہ جائے) حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا یہ خیال تھا کہ مجھ میں ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کی قوت ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی پر موت کے وقت تک عمل کیا۔“ (احمد)

تشریح: لفظ غسیل کے معنی ہیں ”نہلایا گیا“ یہ حضرت حنظلہ کی صفت ہے، حضرت حنظلہ کو غسل اس لئے کہا جاتا ہے کہ انتقال کے بعد انہیں فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عروہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حنظلہ کی اہلیہ محترمہ سے پوچھا کہ ان کا کیا حال تھا؟ (یعنی جب وہ گھر سے نکلے تو کیا کام کر رہے تھے) انہوں نے جواب دیا کہ وہ حالت ناپاکی میں تھے اور (نہانے کے وقت) اپنے سر کا ایک ہی حصہ دھوپائے تھے کہ اتنے میں انہوں نے صدا سنی (کہ جہاد کے لئے بلایا جا رہا ہے، چنانچہ وہ اسی حالت میں گھر سے باہر نکل کھڑے ہوئے اور غزوہ احد میں) جام شہادت نوش فرمایا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”میں نے دیکھا کہ فرشتے انہیں نہلا رہے تھے۔“ (طبری)

بہر حال طبریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسواک بہت زیادہ فضیلت اور بزرگی رکھتی ہے کہ جب ہی تو اسے واجب وضو کا قائم مقام قرار دیا گیا۔

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ ہر نماز کے لئے تازہ وضو اس لئے کرتے تھے کہ انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اگرچہ اس کا وجوب منسوخ ہو گیا ہے مگر اس شخص کے لئے جو اس پر عمل کی طاقت و قوت رکھتا ہے اس کی فضیلت باقی ہے اس لئے انہوں نے جب یہ دیکھا کہ میرے اندر اتنی قوت و ہمت ہے کہ میں اس عمل کو بخوبی پورا کر سکتا ہوں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس فضیلت و سعادت سے محروم ہوں، چنانچہ انہوں نے اسے اپنا معمول بنالیا کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو فرماتے اور جب تک موت کی آغوش نے انہیں اپنے اندر چھپانے لیا وہ اس معمول پر قائم و دائم رہے۔

(۳۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هَذَا الشَّرَفُ يَا سَعْدُ قَالَ أُمِّي الْوُضُوءَ سَرَفٌ قَالَ نَعَمْ وَإِنْ كُنْتُ عَلَى نَهْرٍ جَارٍ۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ کا گزر حضرت سعدؓ پر ہوا جب کہ وہ وضو کر رہے تھے (اور وضو میں اسراف بھی کر رہے تھے) آپ ﷺ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا ”اے سعد! یہ کیا اسراف (زیادتی ہے؟)“ حضرت سعد نے عرض کیا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں! اگرچہ تم نہر جاری ہی پر (کیوں نہ وضو کر رہے) ہو۔“

(احمد، ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر تنبیہ کر رہی ہے کہ وضو و غسل میں پانی ضرورت سے زیادہ خرچ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اسراف ہے اور اسراف شریعت کی نگاہ میں کوئی محبوب چیز نہیں ہے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت سعدؓ کو دیکھا کہ وضو میں پانی زیادہ خرچ کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے انہیں تنبیہ فرمائی اس پر حضرت سعدؓ کو بڑا تعجب ہوا کہ پانی کوئی نایاب اور کم یاب چیز تو ہے نہیں پھر اس میں اسراف کے کیا معنی؟ اسی بنا پر انہوں نے سوال بھی کیا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسراف تو اسے بھی کہیں گے کہ تم نہر جاری پر بیٹھ کر وضو کرو اور وہاں پانی زیادہ خرچ کرو جب کہ نہر یادریا وغیرہ سے کتنا بھی پانی خرچ کر دیا جائے اس میں کوئی کمی واقعی نہیں ہو سکتی۔ اس جملہ کی تشریح علماء یہ کرتے ہیں کہ نہر جاری پر اسراف اس لئے ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص حدود شریعت سے تجاوز کر کے ضرورت شرعی سے زیادہ پانی خرچ کرتا ہے تو اس میں عمر اور وقت یوں ہی ضائع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اسراف ہے۔

علامہ طبریؒ نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ اس سے اس بات میں مبالغہ منظور ہے کہ جس چیز میں اسراف متصور نہیں ہے جب اس میں بھی اسراف ہو سکتا ہے تو پھر ان چیزوں کا کیا حال ہو گا جس میں اسراف واقعہ ہوتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ وضو اور غسل وغیرہ میں ضرورت شرعی سے زیادہ پانی خرچ کرنا اسراف میں شامل ہے اور یہ چیز مناسب نہیں ہے۔

(۳۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ فَإِنَّهُ يُظَاهِرُ جَسَدَهُ كُلَّهُ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ لَمْ يُظَاهِرْ لَمْ يَتَوَضَّعَ الْوُضُوءَ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے وضو کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لیا (یعنی پوری بسم اللہ پڑھ کر وضو شروع کیا) تو اس نے اپنا تمام بدن (گناہوں سے) پاک کیا اور جس نے وضو کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا تو اس نے صرف اعضاء وضو کو پاک کیا۔“

تشریح: اس حدیث میں وضو میں بسم اللہ کہنے کی فضیلت کا اظہار ہو رہا ہے کہ جو شخص بسم اللہ کہہ کر وضو شروع کرتا ہے اس کا تمام بدن گناہ صغیرہ کی غلاظتوں سے پاک ہو جاتا ہے اور جس شخص نے بغیر بسم اللہ کہہ ہوئے وضو کیا تو اس کے اسی اعضاء سے گناہ صغیرہ دور ہوتے ہیں جنہیں وضو میں دھویا گیا ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ وضو میں بسم اللہ کہنا سنت یا مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

(۳۵) وَعَنْ أَبِي زَافِعٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ وَضُوءَ الصَّلَاةِ حَزَكَ خَاتَمَهُ فِي إِصْبَعِهِ زَوَاهِمَا الذَّارِقُ ظَنِي وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ الْأَخِيرَ۔

”اور حضرت ابو زافعؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب نماز کے لئے وضو فرماتے تو اپنی انگلی کی انگوٹھی کو بھی گھما پھرا لیتے۔ (ان دونوں حدیثوں کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہؒ نے صرف دوسری حدیث نقل کی ہے)۔“

تشریح: اس کا مسئلہ یہ ہے کہ انگوٹھی ڈھیلی ہو اور اس بات کا گمان ہو کہ وضو کے وقت پانی انگوٹھی کے نیچے انگلی تک پہنچ جاتا ہے تو اس صورت میں انگوٹھی کو ہلانا سنت ہو گا، ہاں اگر انگوٹھی تنگ ہو اور یہ یقین ہو کہ انگوٹھی کو ہلائے بغیر اس کے نیچے پانی نہیں پہنچے گا تو پھر انگوٹھی کو ہلانا واجب ہو گا تاکہ پانی اس کے نیچے انگلی تک پہنچ جائے۔

بَابُ الْغُسْلِ

نہانے کا بیان

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ شُعْبَيْهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَّدَ هَافَقْدَ وَجَبَ الْغُسْلُ وَإِنْ لَمْ يَنْزِلْ - (تفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے (یعنی جماع کرے) تو اس پر غسل واجب ہو گیا، اگرچہ منی نہ نکلے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”عورت کی چار شاخوں“ سے مراد اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر ہیں، یا اس سے مراد عورت کے دونوں پیر اور فرج (شرم گاہ) کی طرفین ہیں۔ یہ جملہ عورت کے پاس جماع کے لئے جانے اور صحبت کرنے کی بلیغ تعبیر ہے، چونکہ آنحضرت ﷺ شرم و حیا کے انتہائی بلند مقام پر تھے، اس لئے آپ ﷺ نے صورتِ مسئلہ کی وضاحت کے لئے الفاظ کے کنایا کا سہارا لیا ہے (کھلے طور پر آپ ﷺ نے اس کی تشریح نہیں فرمائی ہے۔

بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عورت کے پاس جماع کے لئے گیا اور اس نے جماع کیا تو محض حشفہ داخل کرنے سے اس پر غسل واجب ہو جائے گا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ خلفائے راشدین اور اکثر صحابہ کرامؓ نیز چاروں اماموں کا یہی مسلک ہے۔

غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

② وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُجِئِي السَّنَةِ رَحِمَهُ اللَّهُ هَذَا مَنَسُوخٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ فِي الْإِحْتِلَامِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَلَمْ أَجِدْهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ۔

”اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”پانی پانی سے ہے“ (یعنی منی نکلنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے) (مسلم) اور امام محمدی السنۃ کہتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے اور ابن عباس نے فرمایا ہے کہ ”پانی پانی سے ہے“ کا حکم احتلام کے لئے ہے۔ (ترمذی) اور مجھے یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ملی ہے۔“

تشریح: اس ارشاد کے اسلوب پر بھی غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک طرف تو احکامِ شریعت کی تعلیم کی ذمہ داری ہے اور دوسری طرف آپ ﷺ شرم و حیا کے انتہائی بلند مقام پر فائز ہیں اس لئے آپ ﷺ ایسا اسلوب اختیار فرماتے ہیں کہ مسئلہ کی وضاحت بھی ہو جائے اور شرم و حیا کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو کنایہ مسئلہ کی وضاحت کر رہے ہیں۔

بہر حال اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انزال نہ ہو یعنی منی نہ نکلے غسل واجب نہیں ہوتا مگر ابھی اس سے پہلے جو حدیث گزری ہے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ غسل محض دخول حشفہ سے واجب ہو جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو، اس طرح ان دونوں

حدیثوں میں تعارض پیدا ہو گیا ہے۔

چنانچہ اسی تعارض کو دفع کرنے کے لئے حضرت امام محمدی السنۃ کا یہ قول مصنف مشکوٰۃ نقل فرما رہے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ یعنی یہ حضرت ابی بن کعبؓ کی اس روایت سے منسوخ قرار دیا گیا ہے جس میں منقول ہے کہ یہ آسانی ابتداء اسلام میں تھی (کہ جب تک انزال نہ ہو غسل واجب نہیں ہوتا تھا) پھر بعد میں اس حکم کو منسوخ قرار دیا گیا۔

حضرت امام ترمذیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اسی طرح بہت سے صحابہؓ کے یہ اقوال منقول ہیں کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر بعد میں اسے منسوخ قرار دے کر یہ حکم نافذ کیا گیا کہ جب مرد کا ذکر عورت کی شرم گاہ میں داخل ہو اور ختین مل جائیں تو غسل واجب ہو جائے گا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

لیکن حضرت ابن عباسؓ اس حدیث کی ایک دوسری توجیہ بیان فرما رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم احتلام کے بارے میں ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ محض خواب دیکھنے سے غسل واجب نہیں ہو بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد اگر کپڑے وغیرہ پر منی کی تری دیکھی جائے تو غسل واجب ہو جائے گا۔ گویا حضرت ابن عباسؓ کی اس توجیہ کے پیش نظر اس حدیث کو منسوخ ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے یعنی اس حکم کا تعلق احتلام سے بھی تھا اور غیر احتلام سے بھی، مگر یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

(۳) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَتْ أُمُّ سَلِيمٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلِ إِذَا اِخْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ إِذَا رَأَتْ الْمَاءَ فَعَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ قَالَ نَعَمْ تَرَبِّتْ يَمِينُكَ فَبِمَ يُشَبِّهُهَا وَلَئِنْهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ بِرِوَايَةِ أُمِّ سَلِيمٍ أَنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِيظٌ أَيْضُ وَمَاءُ الْمَرْأَةِ رَفِيقٌ أَصْفَرُ فَمِنْ أَتَيْهَا عِلًّا أَوْ سَبَقَ يَكُونُ مِنْهُ الشُّبْنَةُ۔

”اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ام سلیمؓ نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ، خدائے تعالیٰ حق کے معاملہ میں حیا نہیں کرتا (لہذا یہ بتائیے کہ) کیا عورت پر غسل واجب ہے جب کہ اس کو احتلام ہو۔ (یعنی خواب میں مجامعت دیکھے) آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں! جب کہ وہ پانی (منی) کو دیکھے“ یہ سن کر ام سلمہؓ نے اپنا منہ (شرم کی وجہ سے) ڈھانک لیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ (یعنی کیا مرد کی طرح عورت کے بھی منی ہوتی ہے اور نکلتی ہے؟) آپ نے فرمایا ”ہاں! خاک آلودہ ہو تیرا داہنا ہاتھ (اگر ایسا نہ ہوتا تو) پھر اس کا بچہ اس کے مشابہ کیونکر ہو سکتا تھا۔“ اور امام مسلمؒ نے ام سلیمؓ کی روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ (آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا، مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی پتلی زرد ہوتی ہے لہذا ان میں سے جو منی غالب ہو یا سبقت کرے تو (بچہ کی) مشابہت اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔“

تشریح: چونکہ مسئلہ ذرانا زک اور عرفا خلافت شرم و حیا تھا اس لئے ام سلیمؓ نے پہلے تمہید کے طور پر کہا کہ ”اللہ تعالیٰ حق کے معاملہ میں حیا نہیں کرتا“ یعنی خدائے اس سے منع کیا ہے کہ حق بات پوچھنے میں شرم و حیا کیا جائے، پھر اس کے بعد انہوں نے اصل مسئلہ دریافت کیا۔ آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ محض مجامعت کا خواب دیکھ لینے سے ہی غسل واجب نہیں ہو جاتا جب تک انزال نہ ہو یا صبح اٹھنے کے بعد اس کی کوئی علامت نہ پائے یعنی سو کر اٹھنے کے بعد اگر کپڑے یا بدن پر منی لگی ہوئی دیکھی جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے ہمارے نزدیک یہی حکم مذی کا بھی ہے یعنی اگر سو کر اٹھنے کے بعد کپڑے یا بدن پر منی دیکھی جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

”خاک آلودہ ہو تیرا داہنا ہاتھ“ یہ شہد فقر سے کنایہ ہے گویا یہ ایک قسم کی بدعا ہے۔ لیکن اس کا استعمال حقیقی معنی میں نہیں بلکہ ایک ایسا جملہ ہے جو اہل عرب کے یہاں تعجب کے وقت بولتے ہیں، اس طرح اس جملہ کے معنی یہ ہوں گے کہ ”ام سلمہؓ ابڑے تعجب کی بات ہے

کہ تم ایسی بات کہہ رہی ہو؟ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتیں کہ اگر عورت کے منی نہ ہوتی تو پھر اکثر بچے جو اپنی ماں کے مشابہ ہوتے ہیں وہ کس طرح ہوتے؟ مرد کی منی کی طرح عورت کی بھی منی ہوتی ہے اور پھر دونوں کی منی سے بچہ کی تخلیق ہوتی ہے۔“

آپ ﷺ نے منی کے جو رنگ بیان کئے ہیں وہ اکثر کے اعتبار سے ہے، یعنی اکثر اور تندرست و صحت مند عورت کی منی کے رنگ ایسے ہوتے ہیں، کیونکہ بعض مردوں کی منی کسی مرض کی بنا پر پتلی یا کثرت مباشرت کی وجہ سے سرخ ہوتی ہے، اس طرح بعض عورتوں کی منی قوت و طاقت کی زیادتی کی وجہ سے سفید بھی ہوتی ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ مباشرت کے وقت اگر مرد اور عورت دونوں کی منی ساتھ ہی گر کر رحم مادہ میں پہنچے تو دونوں میں سے جس کی منی بھی غالب ہوگی یا ان دونوں میں سے جس کی منی سبقت کرے گی یعنی ایک دوسرے سے پہلے گر کر رحم مادر میں پہنچے گی بچہ اسی کے مشابہ ہوگا۔

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ يَذْخُلُ أَصَابِعُهُ فِي الْمَاءِ فَيَحْلِلُ بِهَا أَضْوَاعَ شَعْرِهِ ثُمَّ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غُرَفَاتٍ يَبْدُوهُ ثُمَّ يَفِيضُ الْمَاءَ عَلَى جِلْدِهِ كُلِّهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ يَبْدُوهُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَهَا إِلَّا نَاءً ثُمَّ يَفْرِغُ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ۔

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب غسل جنابت (یعنی ناپاکی کو دور کرنے کے لئے غسل) کا ارادہ فرماتے تو غسل (اس طرح شروع فرماتے کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھ (پہنچوں تک) دھوتے پھر وضو کرتے جس طرح نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے پھر انگلیاں (ترہونے کے لئے) پانی میں ڈالتے پھر انہیں نکال کر ان (انگلیوں کی تری) سے اپنے بالوں کی جڑوں میں خلال فرماتے پھر دونوں ہاتھوں سے تین چلو (پانی لے کر) سر پر ڈالتے اور پھر اپنے تمام بدن پر پانی بہاتے۔ (بخاری و مسلم اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (جب آپ ﷺ غسل) شروع کرتے تو اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر اپنی شرم گاہ کو دھوتے اور اس کے بعد وضو کرتے۔“

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ ﷺ کے غسل کے طریقہ کو بتا رہی ہیں کہ جب آپ ناپاکی کو دور کرنے کے لئے غسل فرماتے تو اس کا طریقہ کیا ہوتا تھا؟ چنانچہ آپ فرما رہی ہیں کہ جب آپ ﷺ غسل شروع کرتے تو سب سے پہلے پہنچوں تک اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ اسی طرح وضو فرماتے جیسے کہ نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے، یعنی اگر آپ کسی ایسی جگہ غسل فرماتے کہ جہاں پاؤں رکھنے کی جگہ پانی جمع نہیں ہوتا مثلاً کسی تخت یا پتھر پر کھڑے ہو کر نہاتے تو وہ پورا وضو فرماتے اور اگر کسی ایسی جگہ نہاتے جہاں کوئی گڑھا وغیرہ ہوتا کہ اس کی وجہ سے پاؤں کے پاس پانی جمع رہتا تھا تو اس شکل میں آپ ﷺ وضو کے وقت پاؤں نہیں دھوتے بلکہ غسل سے فراغت کے بعد اس جگہ سے ہٹ کر پیر دھوتے تھے۔ جیسا کہ اس کے بعد آنے والی حدیث سے وضاحت ہو رہی ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں بھی لکھا ہے کہ اسی طرح کرنا چاہئے یعنی اگر غسل کے وقت پاؤں رکھنے کی جگہ پانی جمع نہ ہوتا ہو تو وضو مکمل کرنا چاہئے اور اگر پاؤں کے پاس پانی جمع ہوتا ہو تو پھر اس وقت پاؤں نہ دھوئے جائیں بلکہ غسل سے فارغ ہو کر وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ پر پیر دھوئے جائیں۔ اس جگہ نکتہ کے طور پر یہ بھی سن لیجئے کہ طبرانی کی روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو کبھی احتلام نہیں ہوا اور نہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو احتلام ہوا تھا۔

(۵) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُونَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ وَصَبَّ عَلَى يَدَيْهِ فَعَسَلَهُمَا (ثُمَّ صَبَّ عَلَى يَدَيْهِ فَعَسَلَهُمَا) ثُمَّ صَبَّ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ فَضَرَبَ يَدَيْهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَ بِهَا ثُمَّ غَسَلَ فَمَضْمَضَ، اسْتَنْشَأَ، غَسَا، وَجْهَهُ، ذَا، اعْتَنَى، صَبَّ عَلَيْهِ، رَأْسَهُ، أَفَاضَ، عَلَيْهِ، جَسَدَهُ ثُمَّ تَخَذَ، فَعَسَا،

قَدَمَيْهِ فَنَآوَا لَهُ ثَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ نے فرمایا کہ ”میں نے سرکارِ دو عالم کے لئے غسل کے واسطے پانی رکھا اور کپڑا ڈال کر پردہ کیا، چنانچہ آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں دھویا۔ پھر آپؐ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور شرم گاہ کو دھویا۔ پھر اپنا بایاں ہاتھ جس سے شرم گاہ کو دھویا تھا، زمین پر رگڑا اور اسے دھویا، پھر چمکی کی ناک میں پانی ڈالا اور چہرہ دہاتھ کو (کہنیوں تک) دھویا، پھر اپنے سر پر پانی ڈالا اور تمام بدن پر بہایا پھر (جہاں آپؐ نے غسل فرمایا تھا) اس جگہ سے ہٹ کر اپنے پاؤں دھوئے۔ اس کے بعد میں نے (بدن پونچھنے کے لئے) کپڑا دیا، لیکن آپؐ نے کپڑا نہیں لیا اور پھر ہاتھ جھٹکتے ہوئے وہاں سے چلے۔“ (بخاری و مسلم الفاظ بخاری کے ہیں)

تشریح: اس حدیث سے اس بات کی وضاحت ہو گئی کہ اگر غسل ایسی جگہ کیا جائے جہاں پاؤں رکھنے کی جگہ پانی جمع ہوتا ہو تو وضو کے وقت پاؤں نہ دھوئے جائیں بلکہ غسل کے بعد وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ پاؤں دھولے جائیں چنانچہ آپؐ نے غسل کے بعد وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ پر اس لئے دھوئے تھے کہ غسل کے وقت وضو میں آپؐ نے پاؤں نہیں دھوئے تھے کیونکہ آپؐ نے غسل کسی پتھر، تخت یا بلند جگہ پر نہیں کیا ہو گیا جس کی وجہ سے پیروں میں پانی جمع ہوتا ہوگا۔

غسل کے بعد جب حضرت میمونہؓ نے بدن پونچھنے کے لئے کپڑا پیش کیا تو آپؐ نے لینے سے انکار فرمادیا اس کے کئی احتمال علماء نے لکھے ہیں چنانچہ ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے کپڑا لینے سے اس لئے انکار فرمادیا ہو کہ غسل وغیرہ کے بعد بدن کو نہ پونچھنا ہی افضل تھا یا چونکہ آپؐ کسی جلدی میں جا رہے ہوں گے، اس لئے یہ سوچ کر کہ کپڑے سے بدن پونچھنے میں دیر ہو گئی کپڑا نہیں لیا۔ یا یہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت گرمی کا موسم تھا اس لئے نہانے کے بعد پانی کی تری چونکہ اچھی اور بھلی معلوم ہو رہی تھی، اس لئے آپؐ نے پانی کو بدن سے پونچھنا پسند نہ فرمایا ہو، یا پھر یہ وجہ رہی ہوگی کہ اس کپڑے میں گندگی وغیرہ لگنے کا شبہ ہوگا اس لئے آپؐ نے اسے واپس فرمادیا۔

بہر حال جو بھی صورت حال رہی ہو مگر کپڑے کو واپس کرنا کسی عذر اور سبب ہی کی بنا پر تھا۔ لہذا اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط نہیں کیا جاسکتا کہ غسل وغیرہ کے بعد بدن پر لگے ہوئے پانی کو نہ پونچھنا ہی سنت ہے یا یہ کہ پونچھنا مکروہ ہے۔

”ہاتھ جھٹکنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عام طور پر طاقتور اور صحت مند و توانا لوگ چلتے ہوئے ہاتھ ہلاتے چلتے ہیں اسی طرح آپؐ بھی اپنے ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے تشریف لے گئے۔“

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ ثُمَّ قَالَ خُذِي فِرْصَةً مِنْ مِسْكِ فَتَطَهَّرِي بِهَا قَالَتْ كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا فَقَالَ تَطَهَّرِي بِهَا قَالَتْ كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ تَطَهَّرِي بِهَا فَاجْتَدِثْهَا إِلَى فَقُلْتُ تَبَغَّيْ بِهَا أَثَرُ الدَّمِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک دن) ایک انصاری عورت نے سرکارِ دو عالمؐ سے اپنے غسل حیض کے بارے میں پوچھا، چنانچہ آپؐ نے اسے غسل کا حکم دیا کہ کس طرح غسل کیا جائے۔“ (یعنی پہلی حدیثوں میں غسل کی جو کیفیت گزری ہے آپؐ نے وہ بیان فرمائی، اور پھر فرمایا کہ مشک میں (بگولے ہوئے کپڑے) کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے پاکی حاصل کرو، اس نے کہا کہ اس سے کس طرح پاکی حاصل کروں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ”تم اس سے پاکی حاصل کرو۔“ اس نے پھر پوچھا کہ اس سے کس طرح پاکی حاصل کروں؟ آپؐ نے فرمایا ”سبحان اللہ (یعنی اللہ پاک ہے)۔ تم اس سے پاکی حاصل کرو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (آنحضرتؐ کے انہیں

ام المؤمنین حضرت میمونہؓ حارث ہمالیہ عامریہ کی بیٹی اور نبی کریمؐ کی زوجہ محترمہ ہیں آپ کا انتقال بمقام سرف ۱۱۷۰ یا دوسرے قول کے مطابق ۵۱ھ میں ہوا۔

الفاظ کو بار بار سن کر میں نے اس عورت کو اپنی جانب کھینچ لیا اور اس سے کہا کہ ”تم اس کپڑے کو خون کی جگہ (یعنی شرم گاہ پر) رکھ لو!“
(بخاری و مسلم)

تشریح: اس قسم کے مسائل جہاں آرہے ہیں۔ وہاں آپ ﷺ حدیث کا اسلوب دیکھ رہے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ایسے مسائل کو کس انداز سے بیان فرماتے ہیں، بات وہی ہے کہ ایک طرف تو مسائل شرعیہ کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی ذمہ داری آپ ﷺ کے کاندھوں پر ہے جس میں شرم و حیا کی وجہ سے کسی اخفاء کی گنجائش نہیں ہے دوسری طرف آپ ﷺ کی شرم و حیا کے وہ فطری تقاضے ہیں جو خلاف ادب و تہذیب جملوں کی ادائیگی میں حائل ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ ان مسائل کے بیان میں ایسی راہ اختیار کرتے ہیں جو شرم و حیا کے دائرے سے سربموجز نہیں ہوتی اور مسائل کی وضاحت بھی حتی الامکان ہو جاتی ہے۔

اب آپ ہمیں دیکھئے کہ ایک سالکہ عورتوں کے مسئلے کی وضاحت چاہتی ہے، آپ ﷺ اسے جواب دیتے ہیں اور پھر اس سلسلے میں نظامت و لطافت کے ایک خاص طریقہ کی طرف اس کی راہنمائی فرمانا چاہتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ اشاروں اشاروں میں اسے سمجھا رہے ہیں، سالکہ زیادہ سمجھ کا ثبوت نہیں دیتی ہے، آپ ﷺ دوبارہ اپنے جملوں کو دہراتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائے مگر وہ مزید وضاحت چاہتی ہے تو آپ پھر انتہائی تعجب سے فرماتے ہیں کہ ”سبحان اللہ! تم اس سے پاکی حاصل کرو۔“ یعنی تعجب کی بات ہے کہ تم اتنے سیدھے سادھے اور ظاہر مسئلہ کو نہیں سمجھ پا رہی ہو۔ یہ کوئی ایسا باریک مسئلہ نہیں ہے، کوئی خاص نکتہ نہیں ہے جسے سمجھنے میں اعلیٰ غور و فکر کی ضرورت ہو۔“ حضرت عائشہ اس وقت ذکاوت و ذہانت کا بہترین ثبوت دیتی ہیں، انہوں نے تاز لیا کہ ادھر تو عورت آنحضور ﷺ کے مقصد اور مطلب تک پہنچ نہیں پا رہی ہے۔ ادھر آپ ﷺ کی شرم و حیا اس سے آگے بڑھ کر مزید وضاحت کی اجازت نہیں دیئے جارہی ہے، چنانچہ آپ اس عورت کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں اور پھر اسے آنحضرت ﷺ کا مقصد وضاحت کے ساتھ سمجھاتی ہیں۔

حدیث کے الفاظ خذی فرصة من فتنك فتظهری میں لفظ مسک میم کے زیر کے ساتھ ہے جس کے معنی ”مشک“ کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مشک کا ایک بڑا ٹکڑا یا مشک میں بھیگے ہوئے یارنگے ہوئے کپڑے کا ایک ٹکڑا لے کر اگلے پاکی حاصل کرو۔ ایک روایت میں میم کے زبر کے ساتھ بھی آیا ہے جس کے معنی چڑے کے ہیں۔ لیکن روایت کے مطابق اور موقع کی مناسبت سے میم کے زیر کے ساتھ یعنی مشک کے معنی زیادہ بہتر اور اولیٰ ہیں۔

اس مسئلہ میں فقہاء لکھتے ہیں کہ عورت کے لئے (ایام حیض میں) یہ مستحب ہے کہ وہ مشک کا ایک ٹکڑا یا مشک میں رنگ کر معطر کئے ہوئے کپڑے کا ایک ٹکڑا لے کر شرم گاہ پر رکھ لے تاکہ خون کی بدبو جاتی رہے۔

④ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَمْرَأَةٌ أَشَدَّ ضَفَرًا سَبِيًّا أَفَأَنْقُضُهُ لَغُسْلِ الْجَنَابَةِ فَقَالَ لَا إِنَّمَا يَكْفِيكَ أَنْ تَحْشِي عَلَى رَأْسِكَ ثَلَاثَ حَبَّاتٍ ثُمَّ تُغْتَسِلُ بِالمَاءِ فَتُظْهِرِينَ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ”میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک عورت ہوں اپنے سر کے بال بہت مضبوط گوندھے ہوں، کیا صحبت کے بعد نہانے کے واسطے انہیں کھولا کروں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں! ”بالوں کو کھولنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمہیں بیک کافی ہے کہ تین پیش پانی لے کر اپنے سر پر ڈال لیا کرو اور پھر سارے بدن پر پانی بہا لیا کرو، پاک ہو جاؤ گی۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کے سلسلے میں صحیح قول یہ ہے کہ حدیث کا مذکور بالا حکم صرف عورتوں کے لئے ہے چنانچہ غسل کے وقت اگر بال گندھے ہوئے ہوں اور سر پر پانی اس طرح ڈالا جائے کہ بالوں کی جڑیں بھیگ جائیں تو یہ کافی ہے، بالوں کو کھولنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر یہ جانے کے بالوں کو کھولے بغیر جڑیں نہیں بھیگیں گی تو پھر اس صورت میں بالوں کو کھولنا ضروری ہو گیا۔ مردوں کو ہر صورت میں بال کھول لینے چاہئیں۔

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِالمِدِّ وَيَغْتَسِلُ بِالمَصَّاعِ إِلَى خَمْسَةِ أَفْئَادٍ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ایک مد (پانی) سے وضو فرماتے اور ایک صاع سے پانچ مد تک (پانی) سے غسل فرمالتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مُد ایک پیانے کا نام ہے جس میں تقریباً ایک سیراناں آتا ہے اور صاع بھی ایک پیانہ کا نام ہے جس میں تقریباً چار مد یعنی چار سیر کے قریب اناج آتا ہے۔ یہاں مد اور صاع سے پیانہ مراد نہیں ہے بلکہ وزن مراد ہے، یعنی آنحضرت ﷺ تقریباً ایک سیر پانی سے وضو فرماتے تھے اور چار سیر اور زیادہ سے زیادہ پانچ سیر پانی غسل پر صرف فرماتے تھے، لہذا مناسب یہ ہے کہ تقریباً ایک سیر پانی سے وضو اور تقریباً چار سیر پانی سے غسل کیا جائے لیکن اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ وضو اور غسل کے لئے پانی کی یہ مقدار اور وزن واجب کے درجہ میں نہیں ہے لیکن یہ سنت ہے کہ وضو اور غسل کے لئے پانی اس مقدار سے کم نہ ہو۔

آپ ﷺ کے وضو کے پانی کی مقدار بعض روایتوں میں دو تہائی مد اور بعض روایتوں میں اُدھام بھی منقول ہے لہذا اس حدیث متفق علیہ کا محل یہ قرار دیا جائے گا کہ آپ اکثر و بیشتر ایک ہی مد سے وضو فرماتے تھے مگر کبھی کبھی اس سے کم مقدار پانی میں بھی وضو فرمالتے تھے، جیسا کہ ان بعض روایتوں میں منقول ہے۔

⑨ وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَيَبْدُرُنِي حَتَّى أَقُولَ دَع لِي دَع لِي قَالَتْ وَهُمَا جُنَّانٍ - (متفق علیہ)

”اور حضرت معاذہؓ کہتی ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی تھیں کہ ”میں اور سرکارِ دو عالم ﷺ ایک ہی برتن جو دونوں کے درمیان رکھا رہتا تھا، نہاتے تھے اور آپ ﷺ (پانی لینے میں) مجھ سے جلدی کرتے تھے تو میں کہا کرتی تھی ”میرے لئے تو پانی چھوڑ دینے، میرے لئے بھی تو پانی رہنے دیجئے۔“ حضرت معاذہؓ فرماتی ہیں کہ وہ دونوں (یعنی آنحضرت ﷺ اور حضرت عائشہؓ) جنبی (یعنی ناپاکی کی حالت میں ہوتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جس برتن سے آپؐ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ مشترکہ طور پر غسل فرماتے تھے وہ ایک طشت کی قسم سے تھا جس میں تین صاع تقریباً بارہ سیر پانی سماتا تھا، غسل کے وقت یہ دونوں اس میں ہاتھ ڈال ڈال کر پانی نکالتے اور اس سے نہاتے، حدیث کے الفاظ ”آپ ﷺ (پانی لینے میں) جلدی کرتے تھے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ”آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے نہانے سے پہلے تھوڑے سے پانی سے نہالیتے تھے اور بقیہ پانی چھوڑ دیتے تھے، جس سے حضرت عائشہؓ نہاتی تھیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانی کا برتن دونوں کے درمیان رکھا رہتا تھا اور دونوں اکٹھے اس سے نہاتے تھے۔ حدیث کے آخری جملہ ”وہ دونوں حالتِ ناپاکی میں ہوتے تھے کہ تحت ابن مالکؓ نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس پانی میں جنبی ہاتھ ڈالے وہ پانی طاہر و مطہر ہے جنبی خواہ مرد ہو یا عورت۔“

امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء کا یہ قول ہے کہ اگر محدث (بے وضو) جنبی (جس پر غسل واجب ہو) اور حائض (حیض والی عورت) کے ہاتھ پاک ہوں اور وہ برتن میں چلو بھرنے کے لئے ہاتھ ڈالیں تو پانی مستعمل (یعنی ناقابل استعمال) نہیں ہوتا۔ کیوں کہ برتن سے پانی نکالنے کے لئے وہ اس طریقے کے محتاج ہیں۔ چنانچہ امام موصوفؒ اپنے اس قول کی دلیل میں یہی حدیث پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ ”اس کے برخلاف اگر جنبی پانی کے برتن میں اپنا پاؤں یا سر ڈالے تو پھر پانی ناقابل استعمال ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں اسے کوئی مجبوری نہیں ہے اور نہ اسی طریقہ کی ضرورت ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّانِي

⑩ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَبَّلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ وَلَا يَذْكُرُ احْتِلَامًا قَالَ يَغْتَسِلُ

وَعَنِ الرَّجُلِ يَرَى أَنَّهُ قَدْ اخْتَلَمَ وَلَا يَجِدُ بَلَاءً قَالَ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ قَالَتْ أُمُّ سَلَيْمٍ هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ تَرَى ذَلِكَ غُسْلٌ قَالَ نَعَمْ إِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ - (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَى قَوْلِهِ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ)

”حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو (سوکر اٹھنے کے بعد کپڑے پر منی کی تری محسوس کرے اور خواب (احتمام) اسے یاد نہ ہو؟ آپ نے فرمایا کہ ”نہانا چاہئے“! اور ایسے شخص کے بارے میں بھی پوچھا گیا جسے (سوکر اٹھنے کے بعد) احتلام تو یاد ہو مگر تری معلوم نہیں ہوتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس پر غسل واجب نہیں“ ام سلمہؓ نے پوچھا اگر عورت بھی یہ (تری) دیکھے تو اس پر غسل واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ عورتیں بھی مردوں ہی کی مثل ہیں۔“ (ترمذی، ابوداؤد اور دارمی و ابن ماجہ) نے اس حدیث کو ”لا غسل علیہ“ (اس پر غسل واجب نہیں تک نقل کیا ہے۔)

تشریح: سوال یہ تھا کہ مثلاً ایک شخص ہے وہ سوکر اٹھا اس نے کپڑے پر بیدن پر منی پانڈی لگی ہوئی ہے مگر اسے کوئی ایسا خواب یاد نہیں ہے کہ اس نے نیند میں کسی سے مباشرت کی ہو جس کی وجہ سے یہ احتلام ہوا ہے تو کیا ایسے شخص پر غسل واجب ہو گا یا نہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اسے نہانا چاہئے! گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ غسل کے وجوب کا دار و مدار منی پانڈی کی تری پر ہے خواب کے یاد رہنے نہ رہنے پر نہیں ہے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ پیدائش اور طبع کے اعتبار سے عورتیں چونکہ مردوں ہی کی مانند ہیں اس لئے مرد کی طرح اگر عورت بھی جاگئے کے بعد اپنے کپڑے اور بدن پر تری محسوس کرے تو اس پر بھی غسل واجب ہو گا۔ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ محض تری دیکھ لینے سے غسل واجب ہو جاتا ہے اگرچہ اس بات کا یقین نہ ہو کہ منی کو ذکر نگلی ہے چنانچہ تابعین کی ایک جماعت اور امام اعظم ابو حنیفہؒ سے یہی منقول ہے۔

اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ غسل اس وقت تک واجب نہیں ہو گا کہ جب تک یہ جانے کہ منی کو ذکر نگلی ہے، اگر یہ جانے کہ منی کو ذکر نگلی ہے تو غسل واجب ہو جائے گا ورنہ بصورت دیگر غسل واجب تو نہ ہو گا مگر احتیاطاً غسل کر لیا متحب ہو گا۔ اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ مرد و عورت ایک ہی بستر پر اکٹھے سوئے، جب وہ سوکر اٹھے تو انہوں نے بستر پر منی کی تری محسوس کی۔ لیکن ان دونوں میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں کہ یہ کس کی منی کی تری ہے تو اس صورت میں دونوں میں سے کس پر غسل واجب ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شکل میں یہ دیکھا جائے گا کہ منی کا رنگ کیسا ہے؟ اگر وہ سفید ہے تو یہ اس بات کی علامت ہو گی کہ مرد کی ہے لہذا مرد پر غسل واجب ہو گا۔ اور اگر رنگ زرد ہے تو پھر غسل عورت پر واجب ہو گا۔ مگر احتیاطاً کا تقاضا یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں ہی غسل کر لیں۔“

⑪ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ وَجَبَ الْغُسْلُ فَعَلْتُهُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَغْتَسَلْنَا - (رواه التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب مرد کے ختنہ کی جگہ عورت کے ختنہ کی جگہ سے تجاوز کر جائے (یعنی حشفہ غائب ہو جائے) تو (دونوں پر) غسل واجب ہو جائے گا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: ”ختان“ اس جگہ کو کہتے ہیں جسے ختنہ کے وقت کاٹتے ہیں جو مرد کے عضو تناسل کے آگے ایک کھال ہوتی ہے اور عورت کی شرم گاہ پر مرغ کی کلنی کی طرح ابھرا ہوا ایک حصہ ہوتا ہے لہذا فرمایا جا رہا ہے کہ جب ختنین مل جائیں اور حشفہ عورت کی شرم گاہ میں داخل ہو جائے تو غسل واجب ہوتا ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔“

⑫ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَأَغْسِلُوا الشَّعْرَ وَانْقُوا

البَشْرَةَ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَ الْحَارِثُ بْنُ وَجِيهِ الزَّوَالِيُّ وَ هُوَ شَيْخٌ لَيْسَ بِذَلِكَ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”ہر بال کے نیچے (جڑ میں) جنابت ہوتی ہے لہذا بالوں کو (خوب) دھویا کرو اور بدن کو پاک کیا کرو۔“ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ اس حدیث کا ایک راوی حارث ابن وجیہ ایک بوڑھا شخص ہے وہ معتبر نہیں (یعنی کبر سن اور غلبہ نسیان کی وجہ سے) اس کی روایت قابل اعتماد یعنی قوی نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے)

تشریح: اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ غسل جنابت میں سر کے بالوں کو اچھی طرح دھویا جائے تاکہ پانی بالوں کی جڑ میں پہنچ جائے اس لئے اگر پانی بالوں کی جڑ تک نہیں پہنچے گا تو پاکی حاصل نہیں ہوگی، چنانچہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اگر ایک بال کے نیچے کی بھی جگہ خشک رہ جائے گی تو غسل ادا نہ ہوگا۔

بالوں کے ساتھ ساتھ بدن کو بھی اچھی طرح دھونے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نہانے کے وقت بدن کو خوب اچھی طرح مل کر میل وغیرہ صاف کرنا چاہئے اور پورے بدن پر پانی اس طرح بہانا چاہئے کہ بدن کا کوئی حصہ بھی خشک نہ رہ جائے کیونکہ اگر بدن پر خشک مٹی، آٹا یا موم وغیرہ لگا رہا اس کے نیچے پانی نہ پہنچا تو ناپاکی دور نہ ہوگی۔

(۱۲) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَكَّلَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فَعِلَ بِهَا كَذًا وَكَذًا مِنَ النَّارِ قَالَ عَلِيٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي ثَلَاثًا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ أَحْمَدُ وَ الدَّارِمِيُّ إِلَّا أَنَّهُمَا لَمْ يُكَزِّرَا فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي۔

”اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس نے غسل جنابت میں ایک بال کے برابر جگہ (خشک) چھوڑ دی کہ اسے نہ دھویا تو اسے اس طرح آگ کا عذاب دیا جائے گا“ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی۔ اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی“ اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی (کہ منڈاؤ!) تین مرتبہ یہی کہا۔“ (ابوداؤد، احمد، دارمی) مگر احمدؒ نے یہ الفاظ ”اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی“ مکرر ذکر نہیں کئے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث مزید وضاحت کے ساتھ اوپر کی حدیث کی تائید کر رہی ہے اور غسل جنابت میں بالوں کے سلسلے میں غفلت برتنے والوں کو متنبہ کر رہی ہے چنانچہ ”اس طرح“ یہ تعدد سے کنایہ ہے یعنی ایسے شخص کو جس نے غسل احتیاط سے نہیں کیا اور بالوں کی جڑوں میں پانی اچھی طرح نہیں پہنچایا کسی قسم کے اور بہت زیادہ عذاب دیئے جائیں گے۔

حضرت علیؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب میں نے آنحضرت ﷺ کی لسان مبارک سے یہ تہدید اور وعید سنی تو اس خوف سے کہ اگر بال رہے تو غسل جنابت کے وقت شاید ان کی جڑیں خشک رہ جائیں اپنے بالوں سے بالکل دشمنوں جیسا معاملہ کیا جس طرح ایک شخص اپنے دشمن کو اپنے لئے خطرہ کا سبب اور باعث سمجھ کر موقع ملے ہی موت کے کھٹ اتار دیتا ہے، ایسے ہی میں نے آنحضرت ﷺ کی تہدید اور وعید کی بنا پر ان بالوں کو اپنی عاقبت کی خرابی کا باعث سمجھتے ہوئے ان کا صفایا کر دیا۔

اس حدیث اور حضرت علیؓ کے اس عمل سے یہ معلوم ہوا کہ سر کے بال ہمیشہ مڈا تے رہنا جائز ہے مگر اوڑھی اور سنت بالوں کا رکھنا ہی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدینؓ اپنے سروں پر بال رکھتے تھے اور صرف حج کے موقع پر منڈا داتے تھے۔

جہاں تک حضرت علیؓ کے اس ارشاد کا تعلق ہے، اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے حضرت علیؓ کی مراد یہ ہے کہ میں نے اپنے سر کے جو بال منڈا دئے ہیں، ان کی کوئی دوسری غرض نہیں ہے یعنی اس سے زیبائش اور آرائش یا کسی راحت و آرام کا طلب مقصود

نہیں ہے بلکہ اصل مقصد وہی ہے جو بیان کیا گیا، اس طرح گویا حضرت علیؑ نے ایک ایسے فعل کے ترک پر عذر بیان کیا جو آنحضرت ﷺ سے مدامت کے ساتھ ثابت ہے۔

(۱۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ - (رواه الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ غسل کرنے کے بعد وضو نہیں فرماتے تھے۔“ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ غسل سے پہلے جو وضو غسل کے لئے فرماتے تھے غسل کے بعد پھر دوبارہ وضو نہیں فرماتے تھے، چنانچہ مسئلہ بھی یہی ہے کہ غسل کے لئے جو وضو کیا جاتا ہے وہ کافی ہوتا ہے غسل کے بعد اگر نماز وغیرہ پڑھی جائے تو دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے غسل کے وضو نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

(۱۵) وَ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ رَأْسَهُ بِالْخِطْمِ وَهُوَ جُنُبٌ يَجْتَرِي بَدَأَ الْكَلِّ وَلَا يَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ - (رواه ابو داؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ ناپاکی کی حالت میں (غسل کے وقت) خطمی سے سر کو دھو لیتے تھے اور اسی پر کفایت کرتے اور دوبارہ سر پر خالص پانی نہ ڈالتے تھے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: جس طرح یہاں آنولہ وغیرہ سے سر دھونے کا رواج تھا ایسے ہی عرب میں خطمی سے سر دھوئے جاتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہؓ اس کے بارے میں فرما رہی ہیں کہ آپ ﷺ جب غسل جنابت فرماتے تو اپنے سر کے بال خطمی کے پانی سے دھویا کرتے تھے اور اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ آپ ﷺ جب سر پر خطمی لگا کر اسے دھونے کے لئے سر پر خطمی ملا ہو پانی ڈالتے تھے تو پھر دوبارہ پانی بہانے کے وقت سر پر پانی نہیں ڈالتے تھے بلکہ اسی پہلے دھوئے ہوئے کو کافی سمجھتے تھے جیسا کہ عام طور پر نہانے والے یہ کرتے ہیں کہ پہلے سر کو دھوتے ہیں، اس کے بعد غسل کرتے ہیں اور پھر دوبارہ سر پر بھی پانی ڈالتے ہیں آپ ﷺ ایسا نہیں کرتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جس پانی سے سر کو دھویا کرتے تھے اس میں خطمی کے اجزاء کم ہوتے ہوں گے کہ جس سے پانی کی حقیقت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا ہوگا یعنی سیلان باقی رہتا ہوگا۔

(۱۶) وَعَنْ يَعْلَى قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمُنْبَرُ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَبِيبٌ سَيِّئٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالتَّسْتُرَ فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ - (رواه ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت یعلیٰؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک شخص کو میدان میں نگاہاتے ہوئے دیکھا چنانچہ آپ ﷺ (وعظ کے لئے) ممبر پر چڑھے اور پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی پھر فرمایا اللہ تعالیٰ بہت حیا دار ہے (یعنی اپنے بندوں سے حیا داروں کا معاملہ کرتا ہے) ہاں طور کہ انہیں معاف کر دیتا ہے اور بہت پردہ پوش ہے (یعنی اپنے بندوں کے گناہ اور عیوب کو پوشیدہ رکھتا ہے) وہ حیا اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے لہذا جب تم میں سے کوئی (سیدان میں) نہائے تو اسے چاہئے کہ وہ پردہ کر لیا کرے۔“ (ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ) اور نسائی کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ پردہ پوش ہے لہذا جب تم میں سے کوئی نہانے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ کسی چیز کا پردہ کر لیا کرے“

تشریح: سرکارِ دو عالم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب آپ ﷺ کسی اہم اور عظیم مسئلہ کو بیان کرنا چاہتے یا کسی خاص چیز سے آگاہ کرنا

لے یہاں تحقیق سے یہ بات واضح نہیں ہوئی ہے کہ یہ یعلیٰ بن امیہ تھے یا یعلیٰ ابن مرہ نقی ہیں بہر حال یہ دونوں طویل القدر صحابی ہیں۔

چاہتے تو منبر پر تشریف لے جاتے اور پہلے اللہ جل شانہ کی حمد و ثنا کرتے اس کے بعد اصل مسئلہ کو بیان فرماتے چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا وہ شرم کو بالائے طاق رکھ کر ایک کھلی جگہ (میدان میں) نگاہ نہار رہا ہے تو آپ ﷺ کی جبین شرم و حیا پر بل پڑ گئے، فوراً مسجد نبوی میں پہنچے منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کے سامنے آپ ﷺ نے شرم و حیا کی اہمیت کو بڑے مبلغ اور ناصحانہ انداز میں بیان فرمایا۔

آپ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ خداوند قدوس کی ذات پاک تمام محاسن و اوصاف کی جامع ہے چنانچہ شرم و حیا اور پردہ پوشی جو بہت بڑے وصف ہیں یہ بھی خدائے تعالیٰ کے اوصاف میں سے ہیں، چنانچہ خدائے تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بند کس کے اوصاف کی نورانی کرنوں سے اپنے دل و دماغ کو روشن کریں، اس کی جو صفات ہیں ان کو حتی الامکان اپنے اندر پیدا کریں اس لئے وہ اسے پسند کرتا ہے بندے شرم و حیا کے اصولوں پر کاربند ہیں، ان عظیم اوصاف سے اپنے دامن کو مالامال کریں اور پردہ پوشی کو کسی حال میں ترک نہ کریں، لہذا تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ شرم اور پردہ کے معاملے میں غفلت اور لا پرواہی نہ برتیں۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۷) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ كَعْبٍ قَالَ إِنَّمَا كَانَ الْمَاءُ مِنْ الْمَاءِ رُخْصَةً فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ نُهِيَ عَنْهَا۔

(رواہ الترمذی و ابو داؤد و الداری)

”حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ”یہ حکم غسل انزال کے بعد ہی واجب ہوتا ہے ابتداءً اسلام میں آسانی کی وجہ سے تھا، پھر اسے منسوخ فرما دیا گیا (یعنی یہ حکم منسوخ قرار دے دیا گیا۔“ (ترمذی، ابو داؤد، دارمی)

تشریح: اس باب کی حدیث نمبر ۲۱ کی تشریح میں حضرت ابی بن کعبؓ کی اس روایت کا ذکر آچکا ہے، وہاں بھی یہ بتایا گیا تھا کہ ابتداءً اسلام میں یہ حکم تھا کہ غسل اسی صورت میں واجب ہو گا جب کہ جماع کے وقت انزال بھی یعنی اس وقت بغیر انزال کے محض ادخال ذکر سے ہی غسل واجب نہیں ہوتا تھا، چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ یہی فرما رہے ہیں کہ یہ حکم (جو اس باب کی حدیث ۲ میں گزرا ہے) پہلے تھا، اب منسوخ ہو گیا ہے اور اب یہ حکم ہو گیا ہے کہ محض جماع ادخال ذکر سے غسل واجب ہو جائے گا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔“

(۱۸) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي اغْتَسَلْتُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَصَلَّيْتُ الْفَجْرَ فَرَأَيْتُ قَدَرٌ مَوْضِعَ الطُّفْرِ لَمْ يَبْسُخْ الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ مَسَحْتُ عَلَيْهِ يَدِي أَجْزَأَ لَكَ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص سرکارِ دو عالم ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے غسل جنابت کیا اور صبح کی نماز پڑھ لی، پھر میں نے دیکھا کہ (بدن پر) ناخن کے برابر (جگہ) خشک رہ گئی کہ وہاں پانی نہیں پہنچا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تم (اس جگہ اپنے ہاتھ سے مسح بھی کر لیتے تو کالی ہو جاتا۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: آپ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم غسل کے وقت اس جگہ جو خشک رہ گئی تھی بھیجا ہوا ہاتھ پھیر لیتے یا اسے معمولی طور پر دھو دیتے تو یہ کالی ہو جاتا اور تمہارا غسل پورا ہو جاتا۔

اور اگر تمہیں اس جگہ خشکی کا احساس کچھ عرصہ کے بعد ہوتا تھا تو تمہیں چاہئے تھا کہ اس جگہ کو دھو لیتے خواہ معمولی طور پر ہی کیوں نہ ہوتا اور جو نماز پڑھ لی تھی اس کی قضاء کرتے۔“

(۱۹) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ الصَّلَاةُ خَمْسِينَ وَالْفِغْسُ مِنَ الْجَنَابَةِ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَغُسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثُّوبِ سَبْعَ

مَرَاتٍ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ حَتَّى جُعِلَتِ الصَّلَاةُ خُمْسًا وَغُسْلُ الْجَنَابَةِ مَرَّةً وَغُسْلُ الثُّوبِ مِنَ الْبَوْلِ مَرَّةً۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ (پہلے) پچاس نمازیں فرض ہوئیں تھیں، نیز جنابت (ناپاکی) سے نہانا اور کپڑے پر سے پیشاب دھونا سات سات مرتبہ (فرض ہوا تھا) پھر آنحضرت ﷺ متواتر (اللہ تعالیٰ سے ان میں تخفیف کی دعا مانگتے رہے، یہاں تک کہ نماز تو پانچ فرض رہ گئیں اور جنابت سے نہانا اور کپڑے پر سے پیشاب کا دھونا ایک ایک مرتبہ رہ گیا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب روحانی اور جسمانی بلندیوں کی تمام منازل کو طے فرما کر شبِ معراج میں ذاتِ حق جل مجدہ کی قربت حقیقی کا شرف حاصل فرمایا تو اس مقدس اور انسانی زندگی کی سب سے بڑی سعادت و رفعت کی یادگار کے طور پر بارگاہِ حق میں جل مجدہ سے رسولِ پاک ﷺ کے توسط سے بندوں کے لئے ”نماز“ کا تحفہ عنایت فرمایا گیا جسے معراجِ رسولِ خدا کی اس عظیم سعادت کی مناسبت سے ”معراجِ مؤمنین“ کہا گیا ہے۔ نماز چونکہ تمام عباداتِ الہی میں اپنے اجر و ثواب اور اپنی عظمت و اہمیت کے اعتبار سے بندوں کے لئے سعادت و نیک بختی اور رضائے مولیٰ کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس لئے اس بنا پر کہ اس عظیم اور مقدس فریضہ کے ذریعہ خدا کے نیک اور اطاعت گزار بندے زیادہ سے زیادہ سعادت و نیک بختی کی دولت سے اپنے دامنِ مالا مال کر سکیں اور دن و رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔“

ظاہر ہے کہ پچاس نمازوں کے فریضہ کا یہ تحفہ بندوں کی سعادت و نیک بختی کے اعتبار سے خواہ کتنی ہی اہمیت و عظمت کا حامل کیوں نہ ہو مگر سوال یہ تھا کہ انسان کے قوی اور ذہین و فکر اس عظیم فریضہ کی ادائیگی کا بار برداشت بھی کر سکیں گے؟ صدقہ جائے سرکارِ دو عالم کی ذاتِ اقدس اور آپ ﷺ کی شانِ رحمت کے کہ انسانی فطرت و مزاج کا یہ سب سے بڑا ازدان اور انسانیت کا یہ عظیم محسن اور عظیم شفیق راہبر (ﷺ) سمجھ لیتا ہے کہ انسان کے قوائے فکر و عمل اس عظیم بار کو بھی برداشت نہیں کر سکتے اور خدا کے بندے نماز کی اتنی بڑی تعداد کی ادائیگی پر قادر نہیں ہو سکتے۔ لہذا آپ ﷺ نے سوچا کہ اگر آج پچاس نمازیں فرض ہو جا رہی ہیں تو کل پوری مخلوق زبردست اغرضی خسران اور روحانی اذیت میں مبتلا ہو جائے گی کیونکہ پچاس نمازیں ادا ہوں گی نہیں، جس کا نتیجہ حکمِ خداوندی کی نافرمانی کی بنا پر عذاب کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ اس وقت آپ ﷺ اپنی امت پر انتہائی شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے ہیں اور بارگاہِ خداوندی میں نماز کی اس تعداد میں تخفیف چاہتے ہیں، پھر ادھر سے بھی اپنے حبیب ﷺ کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا جاتا ہے اور اس میں کمی کر دی جاتی ہے، مگر آپ ﷺ اس سے بھی مطمئن نہیں ہوتے تو مزید تخفیف کی درخواست پیش کرتے ہیں جب کچھ اور تخفیف ہوتی ہے تو آپ اسے بھی زیادہ اور امت کے حق میں تکلیف مالا یطاق سمجھتے ہوئے اور کمی چاہتے ہیں یہاں تک کہ درخواست اور قبولیت کا یہ سلسلہ پانچ پر آکر ختم ہو جاتا ہے اور پانچ نمازیں فرض قرار دے دی جاتی ہیں۔

چنانچہ اس حدیث میں ابی طرف اشارہ دیا جا رہا ہے کہ شبِ معراج میں تو نمازیں پچاس ہی فرض ہوئیں تھیں مگر آنحضرت ﷺ نے امت کے حق میں انتہائی شفقت و رحمت کے پیشِ نظریہ جان کر کہ امت سے اتنی نماز ادا نہیں ہوں گی اس تعداد میں تخفیف کرائی جب بھی آپ تخفیف کی درخواست پیش کرتے پانچ نمازیں کم کر دی جاتیں یہاں تک کہ آخر میں پانچ نمازیں رہ گئیں۔

اسی طرح پہلے ناپاکی دور کرنے کے لئے سات مرتبہ غسل کرنے کا حکم تھا مگر بعد میں اسے بھی منسوخ قرار دے دیا گیا اور صرف ایک مرتبہ غسل واجب کیا گیا۔ یعنی پورے بدن پر ایک مرتبہ پانی بہانے سے فرض اداء ہو جاتا ہے مگر مسنون طریقہ یہ ہے کہ تین مرتبہ جسم پر پانی بہلیا جائے، بخاری و مسلم میں اس سلسلہ میں جو حدیث منقول ہے اس میں صرف نماز کا ذکر ہے، غسل اور کپڑے سے پیشاب دھونے کا ذکر نہیں ہے مگر یہاں یہ ابوداؤد کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں ان دونوں چیزوں کا بھی ذکر ہے چنانچہ اس روایت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔

بہر حال اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کپڑے پر پیشاب اور غلاظت وغیرہ لگ جائے تو اسے صرف ایک بار دھولینا ہی کافی ہے چنانچہ امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے کہ کپڑا ایک مرتبہ دھولینے سے پاک ہو جاتا ہے، لیکن علمائے حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کپڑے پر پیشاب اور غلاظت لگ جائے تو اسے اتنا دھویا جائے کہ اس کی پانی کا ٹخن غالب حاصل ہو جائے اور اس کی حد یہ مقرر کی ہے کہ تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ کپڑے کو نیچوڑا جائے کیونکہ تین مرتبہ دھولینے سے پانی ٹخن غالب حاصل ہوتا ہے۔

اس موقع پر تفصیل بتا دینی مناسب ہے کہ غسل کن کن مواقع پر واجب اور مستحب ہو جاتا ہے۔

۱۔ غسل اس شکل میں فرض ہوتا ہے کہ منی کو دکر نکلے اور ریڑھ کی ہڈی سے جدا ہونے کے وقت شہوت بھی ہو اگرچہ باہر نکلنے کے وقت شہوت باقی نہ رہے۔

۲۔ اگر کوئی شخص سو کر اٹھے اور اپنے بستر وغیرہ پر منی کی تری پائے خواہ وہ مذی ہی کیوں نہ ہو تو غسل واجب ہوتا ہے اگرچہ ایسا کوئی خواب یاد نہ ہو جس کی وجہ سے منی نکلی ہے۔

۳۔ اگر زندہ عورت کے آگے یا پیچھے ستر میں ذکر داخل کیا جائے یا لواطت کی جائے تو دونوں یعنی قاعل و مفعول پر غسل فرض ہو گا خواہ انزال ہو نہ ہو۔

۴۔ حیض اور نفاس ختم ہونے کے بعد غسل فرض ہوتا ہے۔

۵۔ اگر چوہائے یا مردہ کے آگے یا پیچھے کے حصہ میں ذکر داخل کیا تو اگر انزال ہو گا تو غسل واجب ہو گا ورنہ نہیں۔

۶۔ مذی اور ودی نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، اسی طرح اگر محض خواب یاد ہو اور بستر وغیرہ پر منی کی تری یا اس کی کوئی علامت موجود نہ ہو تو غسل واجب نہیں ہوتا۔

۷۔ اگر کوئی غیر مسلم اس حال میں مسلمان ہوا کہ وہ ناپاکی کی حالت میں تھا تو اس پر غسل واجب ہو گا اور اگر ناپاکی کی حالت میں نہیں تھا تو واجب نہیں ہو گا البتہ مستحب ہو گا۔

۸۔ زندوں پر میت کو غسل دینا واجب کفایہ ہے، یعنی اگر کچھ لوگ نہلا دیں تو سب بری الذمہ ہو جاتے ہیں، ورنہ سب گناہ گار ہوتے ہیں۔

۹۔ جمعہ عیدین، احرام اور عرفہ کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔

۱۰۔ محدث (بے وضو) کو قرآن کریم چھونا ناجائز ہے، ہاں اگر قرآن کریم جزاں یا کسی کپڑے میں لپیٹا ہوا ہو تو جائز ہے اور اگر قرآن کی جلد پر محض چوٹی چڑھی ہوئی ہو تو چھونا درست نہیں ہے۔

۱۱۔ اگر کوئی شخص بے وضو ہے تو اسے کرتے وغیرہ کے آستین یا کسی ایسے کپڑے کے ساتھ جو اس کے بدن پر ہے (مثلاً چادر وغیرہ اوڑھ رکھی ہو) تو قرآن کریم کو پکڑنا اور چھونا مکروہ ہے، ہاں اگر اس کپڑے کو اپنے بدن سے الگ کر کے پھر اس کی ساتھ قرآن کریم کو پکڑے اور چھوئے تو جائز ہو گیا۔

۱۲۔ بے وضو کو تفسیر اور حدیث وفقہ کی کتابوں کو چھونا مکروہ ہے لیکن آستین کے ساتھ چھونا متفقہ طور پر جائز ہے۔

۱۳۔ جس درہم (سکہ) پر قرآن کی کوئی سورۃ لکھی ہو تو بے وضو کے لئے اسے چھونا جائز نہیں ہاں اگر وہ تھیلی وغیرہ میں ہو تو پھر جائز ہے۔

۱۴۔ جنبی کو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، اگر کوئی خاص ضرورت ہو تو داخل ہو سکتا ہے اسی طرح اس کے لئے قرآن پڑھنا خواہ ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو ناجائز ہے البتہ دعا اور ثنا کے طور پر پڑھ سکتا ہے، ایسے ہی جنبی کو ذکر کرنا سبچ پڑھنی اور دعا کرنی جائز ہے، ان مسائل میں حیض اور نفاس والی عورتوں کا بھی وہی حکم ہے جو جنبی کا ہے۔

بَابُ مُخَالَطَةِ الْجُنُبِ وَمَا يُبَاحُ لَهُ

جنبی شخص سے ملنے جلنے اور جنبی کے لئے جو امور جائز ہیں ان کا بیان

اس باب میں دو چیزوں سے متعلق احادیث ذکر کی جارہی ہیں، پہلی چیز تو یہ ہے کہ جنبی شخص (یعنی غسل جس پر واجب ہو) کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کلام کرنا، مصافحہ کرنا اور اس طرح اس کے ساتھ دوسرے معاملات کرنا جائز ہیں دوسری چیز یہ ہے کہ جنبی شخص کے لئے کیا چیزیں جائز ہیں کہ وہ انہیں حالت ناپاکی میں کر سکتا ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَقِيتُنِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا جُنُبٌ فَأَخَذَ بِيَدِي فَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتَّى قَعَدَ فَأَنسَلْتُ فَأَتَيْتُ الرَّحْلَ فَأَغْتَسَلْتُ ثُمَّ جُئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ هَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ وَزَادَ بَعْدَ قَوْلِهِ فَقُلْتُ لَهُ لَقِيتُنِي وَأَنَا جُنُبٌ فَكَّرَ هُنْتُ أَنْ أَجَالِسَكَ حَتَّى اغْتَسَلَ وَكَذَا الْبُخَارِيُّ فِي رِوَايَةِ أُخْرَى۔

”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے میری ملاقات ہوئی اور میں جنبی تھا۔ آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں آپ کے ہمراہ ہولیا۔ جب آپ ﷺ بیٹھ گئے تو میں چپکے سے نکل کر اپنے مکان پر آیا اور نہا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے (مجھے دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا ”تم کہا تھے؟“ میں نے آپ ﷺ سے (اصل واقعہ) ذکر کیا (کہ میں ناپاک تھا اس لئے چلا گیا تھا) آپ ﷺ نے فرمایا ”سبحان اللہ! مومن ناپاک نہیں ہوتا۔“ روایت کے الفاظ بخاری کے ہیں ”مسلم نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے اور ابو ہریرہؓ کے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ (انہوں نے کہا) میں چونکہ حالت ناپاکی میں تھا اس لئے یہ مناسب معلوم نہ ہوا کہ آپ ﷺ کی پاس بیٹھوں جب تک کہ نہانہ لوں۔“ اسی طرح بخاری کی ایک دوسری روایت میں بھی یہ الفاظ منقول ہیں۔“

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنابت نجاست حکمی ہے کہ شریعت نے اس کا حکم کیا ہے اور اس پر غسل کو واجب قرار دیا ہے، لہذا حالت جنابت میں آدمی حقیقۃً نجس نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جنبی کا نہ تو جھوٹا ناپاک ہوتا ہے اور نہ اس کا پسینہ ہی ناپاک ہے، اس لئے جنبی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ملنا جلنا، مصافحہ کرنا، کلام کرنا یا اسی طرح اس کے ساتھ دوسرے معاملات کرنا جائز ہیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

② وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ تَصَيَّبَتْهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ۔ (ترمذی علیہ)

”اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے رات کو جنابت ہو جاتی ہے (یعنی احتلام یا جماع سے غسل واجب ہو جاتا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اسی وقت) وضو کر کے عضوِ قائل کو دھو کر سو جایا کرو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ وضو کرنا جنبی کے سونے کے لئے طہارت ہے، یعنی جنبی وضو کر کے سویا تو گویا وہ پاک سویا، لہذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو رات میں احتلام ہو جائے یا جماع سے فراغت ہو اور اس کے بعد سونے کا ارادہ ہو یا بوجہ کسی ضرورت بے وقت غسل جنابت میں تاخیر کا خیال ہو تو ایسی شکل میں جنبی کو وضو کر لینا سنت ہے۔

اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ میں وضو کیا جائے اس کے بعد عضو تامل کو دھویا جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ صحیح مسئلہ یہ ہے کہ پہلے عضو تامل کو دھونا چاہئے اس کے بعد وضو کرنا چاہئے، اس شکل میں حدیث کی مذکورہ ترتیب کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہاں وضو کرنا اس لئے مقدم کر کے ذکر کیا گیا ہے کہ وضو کا احترام اور اس کی تعظیم کا اظہار پیش نظر تھا۔

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ جُنُبًا فَارَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَتِمَّ تَوَضُّأً وَضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ - (تفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ حالتِ ناپاکی میں ہوتے اور کھانا کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز کے وضو کی طرح وضو کر لیتے۔“ (بخاری و مسلم)

(۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلُهُ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وَضُوءًا - (رواہ مسلم)

”حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ”جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے (یعنی صحبت کرے) اور پھر اس کے پاس آئے (یعنی دوبارہ صحبت کرنے کا) ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ دونوں کے درمیان وضو کر لے۔“ (مسلم)

تشریح: ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے دو مرتبہ صحبت کرے اور دونوں مرتبہ کے درمیان وضو کرے تو دو قاعدے ہیں۔ اول تو یہ کہ اس سے پاکیزگی اور طہارت حاصل ہوتی ہے، دوسری یہ کہ نشاط اور لذت زیادہ ہو جاتی ہے۔

بہر حال اس حدیث سے اور اس سے پہلی حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جبئی کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ حالتِ ناپاکی میں اگر سونے اور کھانے پینے کا یا دوبارہ جماع کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے عضو تامل کو دھو کر وضو کر لے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ جبئی کے لئے کھانے پینے کے سلسلے میں ان احادیث میں جس وضو کا ذکر ہے، اگلے مراد حقیقۃً وضو نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایسے وقت میں ہاتھ دھو لئے جائیں اور بیکہ رائے جمہور علماء کی ہے کیونکہ نسائیؒ کی روایت میں اس مراد کی صراحت بھی موجود ہے۔

لیکن مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے تو بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں نماز کے وضو کی طرح وضو کیا جائے، لہذا اب ان روایتوں میں تطبیق پیدا کرنے کے لئے یہی کہا جائے گا کہ آنحضور ﷺ ایسے مواقع پر کبھی کبھی اختصار کے طور پر محض ہاتھ ہی دھو لینے کو کافی سمجھتے تھے۔ مگر اکثر و بیشتر آپ ﷺ مکمل وضو فرماتے تھے۔“

(۵) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ عَلَى نِسَائِهِ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ایک غسل کے ساتھ اپنی ازواجِ مطہرات سے صحبت کر لیا کرتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک شب میں اپنی تمام ازواجِ مطہرات سے صحبت کیا کرتے تھے اور غسل ایک ہی مرتبہ آخر میں فرماتے تھے یہ نہیں تھا کہ ایک بیوی سے صحبت کے بعد پہلے غسل کرتے ہوں، پھر بعد میں دوسری بیوی کے پاس جاتے ہوں۔ ہاں اس کا احتمال ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ درمیان میں وضو فرماتے ہوں گے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیانِ جواز کے لئے آپ ﷺ نے وضو کو ترک کر دیا ہو۔ اس موقع پر ایک ہلکا سے اعتراض ہو سکتا ہے وہ یہ کہ قاعدہ شرعی کے مطابق اپنی بیویوں کے درمیان تقسیم کا اقل درجہ ایک رات ہے۔ یعنی اگر کسی شخص کے پاس چند بیویاں ہوں تو ان کے درمیان باری مقرر کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایک بیوی کے یہاں کم از کم ایک پوری شب قیام کیا جائے۔ لہذا آنحضرت ﷺ ایک ہی رات میں تمام ازواجِ مطہرات کے پاس کس طرح جایا کرتے

تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات کے لئے باری مقرر کرنے کا یہ وجوب مختلف فیہ ہے، چنانچہ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم پر باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا۔ بلکہ آپ ﷺ نے از خود راہ احسان باری مقرر فرما رکھی تھی مگر اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر بھی باری مقرر کرنا واجب تھا۔ لیکن آپ ﷺ اپنی تمام ازواجِ مطہرات کے پاس ایک ہی شب میں خود ان کی رضا و خوشی سے جایا کرتے تھے لہذا اس پر کوئی اشکال پیدا نہیں ہو سکتا۔

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَحَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ مَسْنَدُ كُوفَةٍ فِي كِتَابِ الْأَطْعِمَةِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ہر وقت یادِ الہی میں مصروف رہا کرتے تھے۔“ (مسلمؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث (جو صاحبِ مصابیح نے اس موقع پر نقل کی ہے) ہم انشاء اللہ کتابِ الاطعمہ میں ذکر کریں گے)“

تشریح: حضرت عائشہؓ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی حالت میں ذکرِ خداوندی اور یادِ الہی سے غافل نہیں ہوتے تھے آپ ﷺ خواہ حالتِ ناپاکی میں ہوتے یا بے وضو ہوتے اور یا ان کے علاوہ کسی بھی حالت میں ہوتے اللہ رب العزت کی یاد میں ہمیشہ مشغول رہتے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد ذکرِ قلبی اور قدرتِ خداوندی تفکر ہے۔ یعنی آپ ﷺ کا قلب مبارک ہمہ وقت ذکرِ الہی میں مشغول اور پروردگار کی قدرتوں پر غور و فکر کرنے میں مہمک رہتا تھا۔

الفصل الثانی

⑦ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَفْنَةٍ فَأَزَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَوَضَّأَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَقَالَ إِنَّ الْمَاءَ لَا يَجْنِبُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَوَى الدَّارِمِيُّ نَحْوَهُ وَفِي شَرْحِ السُّنَنِ عَنْهُ عَنْ مَيْمُونَةَ بِلَفْظِ الْمَصَابِيحِ۔

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرکارِ دو عالم ﷺ کی زوجہ مطہرہ نے گن سے (یعنی گن میں بھرے ہوئے پانی سے) چلو لے کر غسل کیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے اسی (گن میں بچے ہوئے) پانی سے وضو کرنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جنبی تھی (اور میں نے اس سے غسل کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا ”پانی تو جنبی نہیں ہوتا۔“ (یعنی جنبی کے نہانے سے یا اس کے کسی عضو کے پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا) ترمذیؓ، ابوداؤدؓ، ابن ماجہؓ اور دارمیؓ نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے نیز شرح السنہ میں ابن عباسؓ سے اور انہوں نے حضرت ميمونہ سے مصابیح کے ہم الفاظ روایت نقل کی ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے تو بصرِ احوال یہ معلوم ہوا کہ عورت کے غسل کے بقیہ پانی سے مرد کو وضو کرنا جائز ہے لیکن اسی باب کی تیسری فصل میں ایک حدیث (نمبر ۲) آرہی ہے جس میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عورت کے غسل کے بقیہ پانی سے مرد کو وضو کرنے سے منع فرمایا ہے۔

لہذا ان دونوں روایتوں میں مطابقت کے لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ حدیث تو جواز پر دلالت کرتی ہے اور دوسری حدیث ترک کی اولیت پر دلالت کرتی ہے، یعنی اگر کوئی مرد عورت کے غسل کے بقیہ پانی سے وضو کرنا چاہے تو اس حدیث کی رو سے اس کا وضو جائز تو ہو جائے گا لیکن دوسری حدیث کے پیش نظر اس پانی سے وضو کرنا ہی بہتر اور اولیٰ ہوگا۔

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ يَسْتَدْفِي بِيَدَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ وَفِي شَرْحِ الشُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيحِ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ (میرے ساتھ) صحبت سے فراغت کے بعد غسل فرماتے، پھر میرے نہانے سے پہلے مجھ سے گرمی حاصل کرتے تھے۔“ (ابن ماجہ) اور امام ترمذیؒ نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے نیز شرح السنۃ میں مصابیح کے ہم لفظ روایت منقول ہے)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہم بستی سے فارغ ہوتے تو مجھے سے پہلے ہی آپ ﷺ نہایت تھے اور پھر چونکہ سرد موسم میں نہانے کی وجہ سے ٹھنڈ محسوس ہوتی تھی اس لئے آپ ﷺ میرے پاس تشریف لاتے اور اپنے اعضاء مبارک میرے بدن سے چٹا کر لیت جایا کرتے تھے تاکہ گرمی حاصل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنبی کا بدن پاک ہوتا ہے لہذا اس کے ساتھ مل کر لیت جانے میں کچھ حرج نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔

⑨ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَأْكُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ وَلَمْ يَكُنْ يَخْجُبُهُ أَوْ يَخْجُزُهُ عَنِ الْقُرْآنِ شَيْءٌ أَلَيْسَ الْجَنَابَةُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ پاخانہ سے نکل کر وضو سے پہلے ہمیں قرآن کریم پڑھا دیا کرتے تھے اور (ای وقت) ہمارے ساتھ گوشت کھا لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کو قرآن کریم پڑھنے سے سوائے جنابت کے کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔“ (ابوداؤد، نسائی) اور ابن ماجہؒ نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث سے دو مسئلوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ اول تو یہ کہ بغیر وضو کے قرآن کریم پڑھنا جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ آپ ہاتھوں سے قرآن کریم کو نہ چھوئے کیونکہ بغیر وضو قرآن کریم کو چھونا ناجائز ہے۔

⑩ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم نے فرمایا ”حائض (ایامِ وادی عورت) اور جنبی قرآن کریم کا کچھ حصہ بھی نہیں پڑھیں۔“

(ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو عورت ایام حیض میں ہو یا جو شخص حالت ناپاکی میں ہو وہ قرآن شریف بالکل نہ پڑھے یہاں تک کہ ایک آیت سے کم بھی قرآن کے الفاظ کی تلاوت نہ کرے چنانچہ حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسئلہ یہ ہے کہ حائضہ اور جنبی کو قرآن کریم کی تلاوت بالکل نہ کرنی چاہئے خواہ وہ ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو۔

مگر بعض علماء کے ہاں حائضہ اور جنبی کو ایک ایک آیت یا زیادہ حصہ کی تلاوت تو حرام ہے البتہ ایک آیت سے کم کی تلاوت حرام نہیں ہے۔ ”اگر حائضہ یا جنبی قرآن کریم کا کوئی حصہ تلاوت کے مقصد سے نہیں بلکہ شکر کے ارادہ سے پڑھے تو یہ جائز ہے، مثلاً کوئی حائضہ یا جنبی کسی ایسے موقع پر جب کہ خدا کا شکر ادا کرنا ہو کہ ”الحمد لله رب العالمین“ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

⑪ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَّهُوا هَذِهِ النُّبُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَإِنِّي لَا أَجِلُّ

الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”مکانوں کے یہ دروازے مسجد کی طرف سے پھیر دو کیونکہ حائضہ اور جنبی کو مسجد میں داخل ہونا (خواہ وہاں ٹھہرنے کے لئے ہو یا وہاں سے گزرنے کے لئے) جائز نہیں کرتا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مسجد خدا کا گھر ہونے کی وجہ سے ایک مقدس اور محترم جگہ ہے، اس پاک جگہ کی عظمت و احترام اور اس کے تقدس کا تقاضہ ہے

کہ کوئی ایسا شخص اس میں داخل نہ ہو جو حالت ناپاکی میں ہو۔ اس لئے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مسجد کی طرف گھروں کو ایسے دروازے جن میں گزرنے کے لئے مسجد سے گزرنی پڑتا ہے ان کے رخ تبدیل کر دیئے جائیں تاکہ جنبی اور حائضہ جو اپنے مکانوں میں جانے کے لئے مسجد سے گزرنے کے لئے مجبور ہیں اس شکل میں مسجد سے نہ گزر سکیں۔

حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی جنبی اور حائضہ کسی دوسری جگہ جانے کے لئے مسجد سے گزرنا چاہیں تو وہ گزر سکتے ہیں، لیکن انہیں مسجد کے اندر بحالت ناپاکی بیٹھنا جائز نہیں ہے۔

مگر امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح جنبی اور حائضہ کو مسجد کے اندر ٹھہرنا ناجائز ہے اسی طرح انہیں مسجد کے اندر سے گزرنے کا بھی حرام ہے چنانچہ یہ حدیث امام اعظمؒ کے مسلک کی تائید کر رہی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے جنبی اور حائضہ کو مسجد میں داخل ہونے سے مطلقاً منع فرمایا ہے اس میں گزرنے یا ٹھہرنے کی کوئی قید نہیں ہے۔ لہذا اس عموم کا تقاضہ یہ ہے کہ جنبی اور حائضہ کو مطلقاً مسجد میں داخل ہونے سے روکا جائے خواہ وہ گزرنے کے لئے مسجد میں داخل ہوں یا وہاں ٹھہرنے کے لئے۔

(۱۲) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلَأَتُكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جس گھر میں تصویر یا کتا یا جنبی ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔“ (نسائی، ابوداؤد)

تشریح: ”یہاں“ فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں یعنی جس مکان میں یہ تینوں چیزیں ہوتی ہیں اس میں وہ فرشتے داخل نہیں ہوتے جو رحمت و برکت لاتے ہیں اور خدا کا ذکر سننے کو آسمان سے اترتے ہیں۔

تصویر کا مسئلہ یہ ہے کہ تصویر اگر جاندار کی ہو اور بلند جگہ پر ہو مثلاً دیواروں پر آویزاں ہو، یا چھت پر لگی ہوئی ہو یا ایسے ہی پردوں پر تصویر بنی ہوئی ہوں تو اس سے رحمت کے فرشتے گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ ہاں اگر تصویر بچھونے پر ہو یا اسی طرح پاؤں رکھنے کی جگہ پر ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اگر تصویر غیر جاندار کی ہو مثلاً درخت مہیاڑ کی ہو یا کسی عمارت وغیرہ کی ہو تو ان کو رکھنا جائز ہے یا تصویر تو جاندار کی ہو مگر اس کا سر کٹا ہوا ہو تو یہ بھی جائز ہے اسی طرح جو تصویر ایسی جگہ ہو جہاں روندی جاتی ہو مثلاً فرش پر ہو یا تکیہ وغیرہ پر ہو تو وہ بھی مکان میں فرشتوں کے دخول کو مانع نہیں ہے۔ اسی طرح نابالغ لڑکیوں کے لئے گھروں میں گڑیاں رکھنا بھی جائز ہے۔

ایسے سکے جن پر تصویر بنی ہوئیں ہوں جیسے کہ آج کل سکے یا نوٹ چل رہے ہیں ان کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس حدیث کے الفاظ سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ گھر میں ہوں تو وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے مگر مسئلہ یہ ہے کہ مکان میں ان کا رکھنا جائز ہے، یہاں تک کہ ان کو اپنے پاس رکھنا خواہ پکڑی ہی میں رکھے جائز ہیں کیونکہ اگر بچھلے تمام علماء ایسے سکوں کو پاس رکھتے رہے ہیں اور ان کا لین دین کرتے رہے ہیں اور کسی عالم نے بھی ان کے رکھنے کو منع نہیں کیا ہے۔

”کتوں“ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مکان میں کتے ازارہ شوق و فیشن ہوں گے تو یا جائز نہیں ہو گا ہاں اگر ضرورت اور حاجت کی وجہ سے مثلاً شکار کے لئے ہوں یا کھیتوں اور مویشیوں کی حفاظت کے لئے ہوں تو جائز ہے اور ان کو پانا درست ہے۔

”جنبی سے مراد ہر جنبی نہیں ہے بلکہ وہ جنبی ہے جسے غسل جنابت میں سستی اور کابلی کی بنا پر تاخیر کرنے کی عادت ہو یعنی وہ غسل کرنے میں اتنی ہی تاخیر کرتا ہو کہ نماز کا وقت بھی نکل جاتا ہو یا پھر وہ جنبی مراد ہے جو وضو نہ کر لیتا ہو۔“ (دیکھئے باب کی حدیث نمبر ۲)

(۱۳) وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تَقْرَبُهُمُ الْمَلَأَتُكَةُ حَبِيقَةُ الْكَافِرِ

وَالْمُتَضَمِّخُ بِالْخُلُقِ وَالْجُنُبُ إِلَّا أَنْ يَتَوَضَّأَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمار بن یاسرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالمؐ نے فرمایا۔ ”تین شخص ایسے ہیں کہ رحمت کے فرشتے ان کے قریب بھی نہیں آتے۔ ①“
کافر کا بدن ② خلوق کا ملنے والا ③ جنبی جب تک کہ وضو نہ کرے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”جیفہ“ سے مراد کافر کا بدن ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، ویسے تو اصل میں ”جیفہ“ مردار کو کہتے ہیں ظاہر ہے کہ کافر بھی بمنزلہ مردار کے ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ نجاست مثلاً شراب اور سود وغیرہ سے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے نجس و ناپاک ہوتا ہے۔
”خلوق“ ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے بنتی ہے اور چونکہ رنگ دار ہوتی ہے اس لئے عورتوں کی مشابہت کی وجہ سے مردوں کو اس کا لگانا ممنوع ہے صرف عورتیں اسے استعمال کر سکتی ہیں، اس لئے اگر کوئی مرد اسے لگا لیتا ہے تو رحمت کے فرشتے اس کے قریب بھی نہیں جاتے کیونکہ اس میں رعوت پائی جاتی ہے۔ اور عورتوں سے مشابہت ہوتی ہے۔
در اصل اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص سنت کے خلاف کام کرتا ہے تو اگرچہ وہ بظاہر یازیب و زینت اور خوشبو سے معطر ہوتا ہے نیز لوگوں مناسب، عزت و احترام بھی ہوتا ہے مگر سنت کے خلاف عمل کی وجہ سے حقیقت میں وہ نجس اور کتے سے بھی زیادہ خسیس ہوتا ہے۔

جنبی کے حق میں آپ ﷺ کے ارشاد و تہدید اور زجر و توبخ کے لئے ہے تاکہ جنبی غسل جنابت میں تاخیر نہ کریں کیونکہ اس سے جنبی رہنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔

①۴ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ عَمْرٍو بْنِ حَزْمٍ أَنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِي كَتَبَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمْرٍو بْنِ حَزْمٍ أَنْ لَا يَمْسَسَ الْقُرْآنَ الْأَطَاهِرُ۔ (رواہ مالک والدارقطنی)

”اور حضرت عبد اللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزمؓ راوی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ نے جو ہدایت نامہ عمرو بن حزم کے لئے لکھا تھا اس میں یہ (حکم بھی) مرقوم تھا کہ قرآن کریم کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگایا کریں۔“ (مالک، دارقطنی)

تشریح: سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو ان کے کسی شہر کا عامل بنا کر بھیجا تھا اور ایک ہدایت نامہ لکھ کر انہیں دیا تھا جس میں فرائض اور صدقات و دیات وغیرہ کے احکام و مسائل کی تفصیل تحریر کی تھی۔ اسی مکتوب گرامی میں یہ حکم بھی تھا جسے راوی یہاں بیان کر رہے ہیں۔

①۵ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ انْطَلَقْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِي حَاجَةٍ كَانَ مِنْ حَدِيثِهِ يُؤَمِّدُ أَنْ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ فِي سَكَّةٍ مِنَ السَّكَلِ

لہ آم گرامی عمار بن یاسر اور کنیت ابوالیقظان ہے یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کی طرف سبقت کی تھی، ان کی والدہ سیدہ تھیں اور وہ پہلی خاتون تھیں جو اللہ عزوجل کی راہ میں شہید کی گئیں، یہ اور ان کی والدہ اور ان کے والد سب کے سب پہلے ایمان لانے والوں میں ہیں حضرت عمار کا شمار صحابہ کی جماعت میں ہوتا ہے جو اسلام لانے کی وجہ سے ظلم و ستم کی ہر بھی میں ڈالے گئے مگر جب وہاں سے نکلے تو کندن ہو کر! حضرت عمار اس وقت اسلام لائے تھے جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے گھر میں پوشیدہ تھے۔ یہ اور حضرت صہیب بن سنان دونوں ساتھ ہی اسلام لائے تھے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خدا کی راہ میں بہت زیادہ ستائے گئے ہیں، یہاں تک کہ جب مشرکین مکہ انہیں مارتے مارتے تھک گئے اور یہ اپنے ایمان سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹتے تو انہیں آگ میں جلا یا کرتے تھے اسی اثناء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزرا ان کی طرف ہوا کرتا تو آپؐ انہیں آگ میں جلتا ہوا دیکھ کر اپنا دست مبارک ان کے اوپر پھیر کر فرمایا کرتے تھے کہ اے آگ! تو عمار پر ایسی ہی ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ پر ہوئی تھی۔ جب آپؐ زخمی ہوئے تو انہوں نے یہ وصیت کی کہ مجھے انہی کپڑوں کے ساتھ دفن کرنا کیونکہ میں انہی کپڑوں کے ساتھ خدا نے تعالیٰ کے سامنے جاؤں گا، چنانچہ حضرت علیؑ نے ان کو ان ہی کپڑوں میں دفن کیا۔ ربیع الاول ۷۳ھ میں ۹۴ برس کی عمر میں جنگ صفین کے دوران آپؐ نے شہادت پائی۔ (اسد الغابہ)

لہ آم گرامی عمرو بن حزمؓ اور کنیت ابوشحاک ہے، آپ انصاری ہیں سب سے پہلے غزوہ خندق میں شریک ہوئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (نواح یمن) میں اہل نجران پر عامل بنا کر بھیجا تھا اس وقت ان کی عمر صرف سترہ سال تھی بمقام مدینہ منورہ ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

فَلَقِيَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ أَوْ يُولُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتَّى إِذَا كَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَتَوَازَى فِي السَّكَّةِ ضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلَى الْحَاظِطِ وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ ثُمَّ ضَرَبَ ضَرْبَةً أُخْرَى فَمَسَحَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ وَقَالَ إِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ إِلَّا أَنِّي لَمْ أَكُنْ عَلَى ظَهْرٍ - (رواه البورادور)

”اور حضرت نافعؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت ابن عمرؓ اتبجے کے لئے جارہے تھے میں بھی ان کے ہمراہ ہوا (پہلے تو) انہوں نے استنجاء کیا اور اس کے بعد انہوں نے اس روزیہ حدیث بیان کی کہ ایک شخص کسی کوچہ میں جا رہا تھا اور سرکارِ دو عالم ﷺ پیشاب یا پاخانہ سے فارغ ہو کر تشریف لارہے تھے اس شخص نے آپ ﷺ سے ملاقات کی اور سلام عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے سلام کا جواب نہیں دیا جب یہ شخص (دوسرے) کوچہ میں مڑنے کو ہوا تب سرکارِ دو عالم ﷺ نے (تیم کے لئے) اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر مار کر منہ پر پھیرے پھر (دوسری مرتبہ) مار کر اپنے ہاتھوں پر کہنیوں تک پھیرے، اس کے بعد اس شخص کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا ”مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے کسی چیز نے نہیں روکا تھا فقط یہ بات تھی کہ میں بے وضو تھا۔“ (البورادور)

تشریح: آپ ﷺ نے اس شخص کے سلام کا جواب اس لئے نہیں دیا کہ دراصل ”سلام“ اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام ہے گویا عام طور پر ایسے موقع پر سلام کے حقیقی مفرد نہیں لئے جاتے بلکہ اس سے سلامتی کے معنی مراد ہوتے ہیں، مگر پھر آپ ﷺ نے اس کے اصل معنی کا احترام کرتے ہوئے بغیر وضو کے اللہ عزوجل کا نام لینا مناسب نہ سمجھا۔

اسی باب میں پہلے کچھ حدیثیں گزری ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بیت الخلاء سے آکر بغیر وضو کے قرآن پڑھتے اور پڑھاتے تھے اور یہ کہ آپ ﷺ بغیر وضو کے ذکر اللہ کیا کرتے تھے۔ بظاہر وہ احادیث اور یہ حدیث آپس میں متعارض نظر آتی ہیں؟ اس تعارض کا دفعیہ یہ کہہ کر کیا جائے گا کہ آپ ﷺ کا بے وضو قرآن پڑھنا یا ذکر اللہ کرنا جیسے کہ پہلی حدیثوں میں گزارشت (آسانی) پر عمل تھا۔ اور یہاں آپ ﷺ نے امت کی تعلیم کے لئے عزیمت (اولیٰ) پر عمل فرمایا ہے۔ یعنی یہاں آپ ﷺ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ بے وضو اللہ کا نام لینا جائز تو ہے مگر افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ با وضو ذکر اللہ کیا جائے۔

اس حدیث سے دو چیزیں معلوم ہوئیں اول تو یہ کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ دوسری یہ کہ اگر کوئی شخص کسی عذر کی بناء پر سلام کا جواب نہ دے سکے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اس کے بعد اپنا وہ عذر جس کی وجہ سے وہ سلام کا جواب نہیں دے سکا ہے، سلام کرنے والے کے سامنے بیان کر دے تاکہ اس کی طرف غرور و تکبر کی نسبت نہ کی جاسکے یعنی سلام کرنے والا یہ نہ سوچے کہ اس نے غرور و تکبر کی بنا پر میرے سلام کا جواب نہیں دیا ہے۔

(۱۶) وَعَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قَفْضٍ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُولُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتَّى تَوَضَّأَ ثُمَّ اعْتَذَرَ إِلَيْهِ وَقَالَ إِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللَّهَ إِلَّا عَلَى ظَهْرٍ وَاهُ أَبُو ذَوْدٍ وَرَوَى التَّسَنُّيُّ إِلَى قَوْلِهِ حَتَّى تَوَضَّأَ وَقَالَ فَلَمَّا تَوَضَّأَ رَدَّ عَلَيْهِ۔

”اور حضرت مہاجر بن قنفذؓ کے بارے میں مروی ہے کہ یہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب کہ آپ ﷺ پیشاب کر رہے تھے، انہوں نے سلام عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے جواب نہ دیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور پھر یہ عذر بیان فرمایا کہ ”میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ بے وضو اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کروں۔“ ابو داؤد اور نسائی نے یہ روایت لفظ حَتَّى

لے حضرت مہاجر بن قنفذ قریشی تھے جن کا کہنا ہے کہ مہاجر اور قنفذ دونوں لقب ہیں اصل میں ان کا نام عمرو بن خلف ہے۔ آپ ﷺ مکہ کے دن اسلام لائے ہیں اور ہجرت کے بعد بصرہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں انتقال ہوا۔

تَوَضَّاءَ (یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وضو فرمایا) تک نقل کی ہے اور کہا کہ جب آپ ﷺ نے وضو فرمایا تو سلام کا جواب دیا۔
تشریح: ”مکروہ“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بے وضو اللہ کا نام لینا حرام ہے بلکہ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ افضل اور بہتر یہی ہے کہ
خدا تعالیٰ کا مقدس و مبارک نام با وضو لیا جائے، اگر کسی نے بغیر وضو خدا کا نام لیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۷) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ أَنْ يَتَنَامَ ثُمَّ يَتَنَامَ ثُمَّ يَتَنَبَّهُ ثُمَّ يَتَنَامَ۔ (رواہ احمد)

”حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ حالت ناپاکی میں سو جایا کرتے اور پھر جاگتے اور سو جاتے۔“ (احمد)

تشریح: اسی باب کی حدیث نمبر ۳ میں گزر چکا ہے کہ جب آپ ﷺ حالت جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو پہلے وضو فرمایا کرتے
تھے اس کے بعد سو جایا کرتے تھے، اس حدیث میں گو اس کی صراحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ حالت جنابت میں سونے سے پہلے وضو
فرماتے تھے مگر یہاں بھی مراد یہی ہے کہ آپ ﷺ وضو کرنے کے بعد ہی آرام فرماتے تھے۔

یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھی بغیر وضو کے بھی بیانِ جواز کے لئے سو جایا کرتے تھے تاکہ اس سے یہ معلوم ہو کہ بغیر وضو
بھی سو جانا جائز ہے مگر افضل اور بہتر یہی ہے کہ وضو کرنے کے بعد سو جایا جائے۔

(۱۸) وَعَنْ شُعْبَةَ قَالَ إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يَغْرِغُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْشِّمْرَى سَبْعَ مَرَّاتٍ ثُمَّ

يَغْسِلُ فَرْجَهُ فَتَسْبِي مَرَّةً كَمْ أَفْرَغَ فَسَأَلَنِي فَقُلْتُ لَا أَذْرِي فَقَالَ لَا أَمَّ لَكَ وَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَذْرِي ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَضُوءَهُ
لِلصَّلَاةِ ثُمَّ يَغْتَبِضُ عَلَى جِلْدِهِ الْمَاءَ ثُمَّ يَقُولُ هَكَذَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَطَهَّرُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت شعبہؓ راوی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات مرتبہ پانی ڈالتے پھر
اپنی شرم گاہ دھوتے۔ ایک مرتبہ بھول گئے کہ پانی کتنی مرتبہ ڈالا ہے؟ چنانچہ انہوں نے مجھ سے پوچھا میں نے عرض کیا ”مجھے یاد نہیں“
انہوں نے فرمایا ”تمہاری ماں مرے تمہیں یاد رکھنے سے کس نے روک دیا تھا؟“ پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کر کے اپنے سارے بدن پر
پانی بہالیا اور کہنے لگے کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ بھی اس طرح پاک ہوا کرتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: غسل جنابت کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے متعلق ستر دھونے سے پہلے ہاتھوں کو دھونے کے بارے میں اس سے پہلے جو
احادیث گزری ہیں یا تو وہ مطلق ہیں یعنی ان میں یہ تعداد ذکر نہیں کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کتنی مرتبہ ہاتھ دھوتے تھے یا جن میں تعداد ذکر
کی گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک دو مرتبہ دھوئے ہیں یا تین مرتبہ، چنانچہ باب الغسل کی پہلی
فصل میں خود حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت (نمبر ۵) گزری ہے جس میں یہ تو منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک
دھوئے ان کی تعداد ذکر نہیں کی گئی ہے کہ کتنی مرتبہ دھوئے؟ لیکن یہاں حضرت شعبہؓ حضرت ابن عباسؓ کا یہ عمل نقل فرما رہے ہیں کہ وہ
غسل جنابت کے وقت سات مرتبہ پانی ڈال کر ہاتھ دھوتے تھے۔

لہذا اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ عمل کسی خاص صورت میں ہو گا یعنی آپؐ کو کوئی ایسی صورت پیش
آئی ہوگی۔ جس کی بنا پر بہت زیادہ طہارت و پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے سات مرتبہ دھونا ضرور سمجھا ہوگا۔ یا پھر اس کی تاویل
یہ ہوگی کہ سات مرتبہ دھونے کے حکم کے منسوخ ہونے کی اطلاع حضرت ابن عباسؓ کو نہیں ہوئی ہوگی اس لئے انہوں نے اسی پہلے حکم
کے مطابق سات مرتبہ دھویا ہو گیا۔

یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ شاگرد کو اپنے شیخ و استاد کے سامنے انتہائی ہوشیاری کے ساتھ رہنا چاہئے تاکہ شیخ کے ہر

قول اور ہر عمل کو ذہن نشین کر سکے۔ نیز شیخ و استاد کو یہ حق ہے کہ وہ شاگرد کی غفلت اور لاپرواہی پر اسے تنبیہ کرے۔“
 (۱۹) وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى نِسَائِهِ يَغْتَسِلُ عِنْدَ هَذِهِ وَعِنْدَ هَذِهِ
 قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا تَجْعَلُهُ غَسَلًا وَاحِدًا خِزْأً قَالَ هَذَا أَزْكَى وَأَطْيَبُ وَأَظْهُرُ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ایک روز اپنی تمام بیویوں کے پاس آئے (یعنی سب سے جماع کیا) اور ہر ایک بیوی سے (جماع سے فارغ ہو کر علیحدہ علیحدہ) غسل فرمایا۔ ابورافعؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ“ آپ ﷺ نے آخر میں ایک ہی مرتبہ کیوں نہ غسل کر لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ (یعنی ہر جماع کے بعد غسل کرنا، خوب پاک کرتا ہے، (نفس کے لئے) بہت خوش آئند ہے اور (جسم کو) خوب صاف کرتا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس سے پہلے اسی باب کی حدیث نمبر ۵ سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ نے ایک شب میں تمام ازواجِ مطہرات سے ہم بستری فرما کر آخر میں ایک ہی مرتبہ غسل فرمایا اور یہاں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ آپ نے ایک دن تمام ازواجِ مطہرات سے ہم بستری فرمائی اور غسل کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ ہر بیوی کے ساتھ جماع سے فراغت کے بعد علیحدہ علیحدہ غسل فرمایا تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہوگی کہ آپ ﷺ کا وہ پہلا عمل جو اوپر بیان ہوا وہ اُمت کی آسانی کے لئے تھا یعنی اس بات کا اظہار مقصود تھا تمام بیویوں کے ساتھ ہم بستری سے فراغت کے بعد آخر میں ایک مرتبہ غسل کر لینا کافی ہے لیکن افضل اور بہتر چونکہ یہی ہے کہ ہر جماع کے بعد غسل کیا جائے اس لئے اس وقت آپ ﷺ نے ہر جماع کے بعد علیحدہ علیحدہ غسل فرمایا۔

آپ ﷺ نے حضرت ابورافعؓ کے جواب میں ہر مرتبہ غسل کرنے کی جو وجہ بیان فرمائی ہے اس میں تین لفظ استعمال فرمائے ہیں ① ازکی ② اٹییب ③ اطہر۔ ان تینوں الفاظ کے فرق کو ظاہر کرتے ہوئے علامہ طہیؒ فرماتے ہیں کہ ”تطہیر“ کا استعمال ظاہر مناسبت سے ہے اور تزکیہ و تطہیب کا استعمال باطنی مناسبت سے ہے یعنی تطہیر اخلاق بد کے ازالہ کے لئے ہے اور تزکیہ و تطہیب اچھی خصلتوں کے حصول کے لئے ہے گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس طرح غسل کرنے سے برے اخلاق مثلاً غصہ وغیرہ دور ہوتے ہیں اور اچھے اخلاق یعنی حلم و تقویٰ وغیرہ حاصل ہوتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ ظَهْرِهِ الْمَمْرُؤَةِ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ و الترمذی و زاد أَوْ قَالَ بِسُورِهَا وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ)

”اور حضرت حکم بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ نے عورت کے غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو وضو کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی اور ترمذی نے یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ ”یا آپ ﷺ نے منع فرمایا، عورت کے (وضو کے) بقیہ پانی سے“ نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

تشریح: لفظ سُورُ یہاں غسل یا وضو کے ”بقیہ پانی“ کے معنی میں ہے، اس کے لغوی معنی ”جھوٹا“ مراد نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ راوی کو فقط لفظ میں شک واقع ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے یا تو ”فضل“ کہا ہے یا ”سور“ فرمایا ہے۔

اس فصل کی حدیث نمبر ۷ کی تشریح میں اس حدیث کا تذکرہ آچکا ہے ان دونوں حدیثوں میں جو تعارض واقع ہو رہا ہے اس کی وضاحت وہاں کی جا چکی ہے علامہ سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث اور اس کے بعد آنے والی حدیث نمبر ۲۱ سے عورت کے غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو وضو کرنے کی جو ممانعت ثابت ہو رہی ہے اس کو ”نبی تنزیہی“ پر محمول کیا جائے تاکہ اس حدیث اور

۱۔ ام گرامی حکم ابن عمرؓ سے قبیلہ غفار کی نسبت سے مشہور ہیں آپ صحابی ہیں وفات نبی کے بعد بصرہ چلے گئے ان کے سوتیلے بھائی زیاد نے انہیں خراسان کا حاکم بنایا تھا چنانچہ ان کی وفات بھی خراسان کے مضافات مقام مرو میں پچاس ہجری میں ہوئی۔

اس حدیث نمبر ۱ میں جس سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زوجہ مطہرہ کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے وضو فرمایا تھا تعارض پیدا نہ ہو سکے اور دونوں حدیثیں اپنی اپنی جگہ قابل عمل رہیں۔

(۲۱) وَعَنْ حُمَيْدِ بْنِ الْحُمَيْرِيِّ قَالَ لَقِيتُ رَجُلًا صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَ سِنِينَ كَمَا صَحِبَهُ أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْأَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ أَوْ يَغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْأَةِ زَادَ مُسَدَّدٌ وَلِيُغْتَبَرَ فَاجْمَعُوا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَانِيُ وَزَادَ أَحْمَدُ فِي أَوَّلِهِ نَهَى أَنْ يَمْتَسِطَ أَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ أَوْ يَتَوَلَّى فِي مَغْتَسِلٍ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرْجَسٍ۔

”اور حضرت حمید حمیریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص سے ملا جو ابو ہریرہؓ کی طرح چار برس سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں رہ چکے تھے انہوں نے کہا کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ عورت مرد کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے نہائے یا مرد عورت کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے نہائے۔ (ایک راوی) مسددؒ نے یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ ”دونوں اکٹھے ہو کر (علیحدہ علیحدہ) چلو لے کر نہالیں تو جائز ہے۔“ (ابوداؤد، نسائی) ”اور امام احمدؒ نے اس روایت کے شروع میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ ”آپ ﷺ نے اس سے (بھی) منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص ہر روز کنگھی کرے اور نہانے کی جگہ پیشاب کرے اور ابن ماجہؒ نے یہ روایت عبد اللہ بن سرجسؒ سے نقل کی ہے۔“

تشریح: روزانہ کنگھی کرنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جن کا مقصد صرف بناؤ سنگار اور زیب و زینت ہوتا ہے لہذا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کنگھی تیسرے روز کی جائے یعنی درمیان میں ایک دن کا ناغہ کرنا چاہئے۔
غسل کرنے کی جگہ پیشاب کرنا اس لئے منع ہے کہ اس سے دوسو سے پیدا ہوتے جو عبادت میں حضوری قلب کے لئے سدا رہ جتے ہیں۔

بَابُ أَحْكَامِ الْمِيَاهِ پانی کے احکام کا بیان الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَلَّى أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَا يَجْرِي ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا يَغْتَسِلُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ قَالُوا كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ يَتَنَاوَلُهُ تَنَاوُلًا۔

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص اس ٹھہرے ہوئے پانی میں جو بننے والا نہ ہو پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی میں غسل کرنے لگے (یعنی کسی دانشمند سے یہ بعید ہے کہ وہ پانی میں پیشاب کر لے پھر اسی پانی سے غسل کر لے)“ (بخاری)، ”مسلم“ مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ناپاکی کی حالت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے (تاکہ پانی ناپاک نہ ہو جائے) لوگوں نے کہا ”ابو ہریرہؓ پھر کس طرح نہانا چاہئے؟“ انہوں نے فرمایا ”اس میں سے تھوڑا

لے آگے گراوی حمید بن عبد الرحمن ہے، قبیلہ حمیر سے تعلق کی وجہ سے حمیری کی نسبت سے مشہور ہیں جلیل القدر تابعی ہیں اپنے علم و فضل کی بنا پر اہل بصرہ کے امام سمجھے جاتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے سماعت کا شرف حاصل ہے۔

تھوڑا پانی (چلو سے) لے کر (پانی سے باہر نہانا چاہئے۔“

تشریح: یہاں جس پانی میں پیشاب کرنے اور پھر اس میں نہانے سے روکا جا رہا ہے اس سے ماء قلیل یعنی تھوڑا پانی مراد ہے کیونکہ ماء کثیر یعنی زیادہ پانی ماء جاری یعنی بننے والے پانی کا حکم رکھتا ہے جو پیشاب وغیرہ سے ناپاک نہیں ہوتا اور پھر اس میں نہانا بھی جائز ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ ماء کثیر یعنی زیادہ پانی میں بھی پیشاب کرنا ممنوع ہے اگرچہ وہ پانی پیشاب وغیرہ سے نجس نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اس میں کوئی شخص پیشاب کرے گا تو اس کے دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس میں پیشاب کرنے لگیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عمومی طور پر سب ہی لوگ اس میں پیشاب کرنے کی عادت میں مبتلا ہو جائیں گے جس کی وجہ سے پانی رفتہ رفتہ متغیر ہو جائے گا یعنی جب اس میں زیادتی اور کثرت سے پیشاب کیا جائے گا تو پانی کا رنگ مزہ اور بو تینوں چیزیں بدل جائیں گی اور پانی اصل حیثیت کھو کر ناپاک ہو جائے گا۔ لہذا اب اس حدیث میں مذکورہ حکم کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ پہلی شکل یعنی پانی کم ہونے کی صورت میں تو یہ بھی حرمت کے لئے ہے کیونکہ کم پانی میں پیشاب کرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ دوسری شکل یعنی پانی زیادہ ہونے کی صورت میں کراہت کے لئے ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اصطلاح شریعت میں ”کم پانی“ اور زیادہ پانی کی مقدار اور اس کی تحدید کیا ہے؟ تو اس سلسلہ میں انشاء اللہ تعالیٰ اگلے صفحات میں پوری وضاحت کی جائے گی۔

اسے بھی سمجھ لیجئے کہ حدیث میں پانی کے ساتھ جاری یعنی بننے والے کی قید کیوں لگائی گئی ہے؟ اس قید کی وجہ یہ ہے کہ اگر پانی جاری یعنی بننے والا ہو تو خواہ کم ہو یا زیادہ ہو اس میں نجاست مثلاً پیشاب وغیرہ پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

نیز علماء نے لکھا ہے کہ یہ تمام تفصیلات دین کے لئے ہیں، رات میں جنابت کے خوف کی وجہ سے مطلقاً اس میں قضائے حاجت مکروہ اور ممنوع ہے کیونکہ جنات رات کو وہیں رہتے ہیں جہاں پانی ہوتا ہے چنانچہ کثرت و بیشترندی و نالے اور تالاب جو ہڑ اور نہرو وغیرہ رات میں جنات کا مسکن ہوتے ہیں۔

حدیث کے آخری حصہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی جنبی پانی میں ہاتھ نکالنے کے لئے ڈالے تو پانی مستعمل یعنی ناقابل استعمال نہیں ہوگا اور اگر وہ پانی میں ہاتھ اس لئے ڈالے تاکہ اپنے ہاتھوں کو ناپاکی دور کرنے کے لئے اس میں دھوئے تو اس شکل میں پانی مستعمل یعنی ناقابل استعمال ہو جائے گا۔

(۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَالَ فِي الْمَاءِ الرَّأَكِدِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (مسلم)

(۳) وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ ذَهَبْتُ بِحَيِّ خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجَعَ فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَانِي بِالْبُرُكَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وُضُوئِهِ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَتَنَظَّرْتُ إِلَى خَاتِمِ التَّبَوُّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زَرِّ الْحَجَلَةِ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ ”میری خالہ مجھے سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں لے گئیں، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (یہ) میرا بھانجا بیمار ہے۔“ چنانچہ آپ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی، پھر آپ ﷺ نے وضو کیا اور میں نے آپ ﷺ کے وضو کا پانی پی لیا۔ اس کے بعد میں آپ ﷺ کی پشت مبارک کے پیچھے کھڑا ہو کر ہر نبوت کو دیکھنے لگا جو آپ ﷺ کے مونڈھوں کے درمیان تھی اور دہن کے پلنگ کی گھنڈی کی طرح (چمک رہی تھی)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”وضو کے پانی“ سے یا تو یہ مراد ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وضو فرمانے کے بعد جو پانی برتن میں باقی رہ گیا تھا حضرت سائبؓ

نے اے پی لیا یا اس سے مراد یہ ہے کہ جب آپ ﷺ وضو فرما رہے تھے تو جو پانی آپ ﷺ کے اعضاء وضو سے گرتا جاتا تھا حضرت سائبؓ حصول برکت و سعادت کے خاطر اسے پیتے جاتے تھے۔

خدائے تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو نبوت و رسالت کے منصب سے سرفراز فرما کر جب دنیا میں مبعوث کیا تو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی حقانیت و صداقت کی دلیل کے طور پر جہاں اور بہت سی نشانیاں اور معجزے دیئے وہیں ایک بڑی نشانی آپ ﷺ کے مونڈھوں کے درمیان ”مہر نبوت“ بھی ثبت فرمائی چنانچہ حضرت سائبؓ اسی مہر نبوت کی مقدار اور اس کی ہیئت بیان فرما رہے ہیں کہ وہ چھپر کی گھنڈی کی طرح تھی۔

اس نشانی کو ”مہر نبوت“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے کے انبیاء علیہم السلام پر خدائے تعالیٰ کی جانب سے جو کتابیں نازل کی گئی تھیں ان میں آنحضرت ﷺ کی آمد اور بعثت کی خبر دیتے ہوئے آپ ﷺ کی یہ علامت بتائی گئی تھی کہ آپ ﷺ کے مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو اسی مہر نبوت کو دیکھ کر آپ ﷺ پہچانے گئے کہ آپ ہی وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کی بعثت کی خبر پہلے کتابوں میں دی گئی ہے چنانچہ یہ ”مہر نبوت“ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی علامت قرار دی گئی اس کے علاوہ علماء نے اس کی وجہ تمیہ اور بھی لکھی ہیں مگر یہاں طوالت کی وجہ سے سب کو ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔

مہر نبوت کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ اس کے اندرونی حصہ میں وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ کے الفاظ مرقوم تھے اور اندرونی حصہ میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی تَوَجَّهْ حَيْثُ مَا كُنْتَ فَإِنَّكَ مَنْصُورٌ یعنی جہر بھی آپ ﷺ متوجہ ہوں گے ہماری مدد آپ ﷺ کے ساتھ ہوگی۔ ”مہر نبوت“ کے ظاہر ہونے کے وقت میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات نے تو یہ کہا ہے کہ جب آپ ﷺ کا سینہ مبارک شق کر کے سیا گیا تو اس کے بعد یہ نمودار ہوئی بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے فوراً بعد یہ مہر ظاہر ہوئی اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اس مہر سمیت ہی پیدا ہوئے تھے۔ واللہ اعلم

الفصل الثانی

④ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَاءِ يَكُونُ فِي الْفَلَاءِ مِنَ الْأَرْضِ وَمَا يَتَوَلَّاهُ مِنَ الدَّوَابِّ وَالسَّبَاعِ فَقَالَ إِذَا كَانَ الْمَاءُ قَلْتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ - (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّيْسَانِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي أَخْرَافٍ لِابْنِ دَاوُدَ فَإِنَّهُ لَا يَنْجَسُ)

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ سے اس پانی کا حکم پوچھا گیا جو جنگل میں زمین پر جمع ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر چوپائے درندے اس پر آتے جاتے رہتے ہیں (یعنی جانور وغیرہ اس پانی میں آکر اسے پیتے ہیں اور اس میں پیشاب وغیرہ بھی کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر پانی دو قلوں کے برابر ہو تو وہ ناپاک کو قبول نہیں کرتا (یعنی نجاست وغیرہ پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا)۔“ (احمد ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ، ابوداؤد کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔“)

تشریح: قلّہ بڑے ملکے کو کہتے ہیں جس میں اڑھائی مشک پانی آتا ہے ”قلّعتین“ یعنی دو مشکوں میں پانچ مشک پانی سماتا ہے دو مشکوں کے پانی کا وزن علماء نے سوا چھ من لکھا ہے اس حدیث کے پیش نظر حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پانی دو مشکوں کے برابر ہو اور اس میں نجاست و غلاظت گر جائے تو جب تک پانی کارنگ، مزہ اور بو متغیر نہ ہو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

لیکن جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے اس کے بارے میں علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ سفر السعاده کے مصنف جو ایک جلیل القدر محدث ہیں لکھتے ہیں کہ ”علماء کی ایک جماعت کا قول تو یہ ہے کہ حدیث صحیح ہے مگر ایک دوسری

جماعت کا کہنا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔“

علی بن مدینیؒ نے جو جلیل القدر علماء اور ائمہ حدیث کے امام اور حضرت امام بخاریؒ کے استاد ہیں لکھا ہے کہ ”یہ حدیث آنحضرت ﷺ سے ثابت ہی نہیں ہے۔“

نیز علماء لکھتے ہیں کہ ”یہ حدیث اجماع صحابہ کے برخلاف ہے کیونکہ ایک مرتبہ چاہ زمزم میں ایک حبشی گر پڑا تو حضرت بن عباسؓ اور حضرت ابن زبیرؓ نے یہ حکم دیا کہ کنویں کا تمام پانی نکال دیا جائے اور یہ واقعہ اکثر صحابہ کے سامنے ہوا اور کسی نے بھی اس حکم کی مخالفت نہیں کی۔“

پھر اس کے علاوہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”اس مسئلہ میں پانی کی حد اور مقدار متعین کرنے کے سلسلے میں نہ تو حنفیہ کو اور نہ ہی شوافع کو ایسی کوئی صحیح حدیث ہاتھ لگی ہے جس سے معلوم ہو کہ نجاست پڑنے سے کتنی مقدار کا پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور کتنی مقدار کا ناپاک نہیں ہوتا۔“

امام طحاویؒ جو فن حدیث کے ایک جلیل القدر امام اور حنفی مسلک تھے فرماتے ہیں کہ ”حدیث قلّین (یعنی یہ حدیث) اگرچہ صحیح ہے لیکن اس پر ہمارے عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں پانی کی مقدار دو قلعہ بتائی گئی ہے اور قلعہ کے کئی معنی آتے ہیں، چنانچہ قلعہ منکے کو بھی کہتے ہیں اور مشک کو بھی، نیز پہاڑ کی چوٹی بھی قلعہ کہلاتی ہے، لہذا جب یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں حدیث میں قلعہ سے کیا مراد ہے تو اس پر عمل کیسے ہو سکتا ہے؟

بہر حال اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ جو علماء صرف حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہیں ان کا مسلک تو یہ ہے کہ ”نجاست وغیرہ پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا خواہ پانی کم ہو یا زیادہ ہو، جاری ہو یا ٹھہرا ہوا ہو، اور خواہ نجاست پڑنے سے پانی کا رنگ مزہ اور بو متغیر ہو یا نہ ہو“ یہ حضرات دلیل میں اس کے بعد آنے والی حدیث (نمبر ۵) کے یہ الفاظ پیش کرتے ہیں کہ ”إِنَّ الْمَاءَ ظُهُورٌ لَا يَنْجَسُهُ شَيْءٌ“ (یعنی پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی) حالانکہ مطلقاً پانی نہیں ہے بلکہ زیادہ پانی ہے۔

ان کے علاوہ تمام علماء اور محدثین کا مسلک یہ ہے کہ اگر پانی زیادہ ہو گا تو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہو گا اور اگر پانی کم ہے تو نجاست پڑنے سے ناپاک ہو جائے گا۔

اب اس کے بعد یہ چاروں اماموں کے ہاں ”زیادہ“ اور ”کم“ کی مقدار میں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام مالکؒ تو فرماتے ہیں کہ نجاست پڑنے سے جس پانی کا رنگ، مزہ اور بو متغیر نہ ہو وہ ماء کثیر زیادہ پانی کہلائے گا اور جو پانی متغیر ہو جائے وہ ماء قلیل (کم پانی) کے حکم میں ہو گا۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک اس حدیث کے پیش نظر یہ ہے جو پانی دو قلوں کے برابر ہو گا اسے ماء کثیر کہیں گے اور جو پانی دو قلوں کے برابر نہ ہو گا وہ ”ماء قلیل“ کہلائے گا۔

حضرت امام اعظمؒ اور ان کے ماننے والے یہ کہتے ہیں کہ ”اگر پانی اتنی مقدار میں ہو کہ اس کے ایک کنارہ کو ہلانے سے دوسرا کنارہ نہ ہلے تو وہ ”ماء کثیر“ ہے اور اگر دوسرا کنارہ ہلنے لگے تو وہ ”ماء قلیل“ ہے۔“

بعد کے بعض حنفی علماء نے ”وہ درود“ کو ماء کثیر کہا ہے یعنی اتنا بڑا حوص جو دس ہاتھ لبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو اور اتنا گہرا ہو کہ اگر چلو سے پانی اٹھائیں تو زمین نہ کھلے ایسے حوص کو وہ درود کہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے حوص کے پانی میں جو ”وہ درود“ ہو ایسی نجاست پڑ جائے جو پڑ جانے کے بعد دکھائی نہیں دیتی ہو جیسے پیشاب، خون، شراب وغیرہ تو چاروں طرف وضو کرنا درست ہے جدھر چاہے وضو کیا جاسکتا ہے، البتہ اگر اتنے بڑے حوص میں اتنی جناسٹ پڑ جائے کہ پانی کا رنگ یا مزہ بدل جائے یا بد بو آنے لگے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر حوص کی شکل یہ ہو کہ لبا تو وہ بیس ہاتھ اور چوڑا پانچ ہاتھ ہو یا ایسے ہی لبا پیچیس ہاتھ ہو اور چوڑا چار ہاتھ ہو تو یہ بھی وہ درود کی مثل ہی کہلائے گا۔

⑤ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اَتَتَوَضَّأُ مِنْ بَيْتْرِ بُضَاعَةٍ وَهِيَ بَيْتْرٌ يُلْقَى فِيهَا الْحَيْضُ وَلُحُومُ الْكِلَابِ وَالتَّنُّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَاءَ ظَهُورٌ لَا يَنْجِسُهُ شَيْئٌ -

(رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم بضاعہ کے کنویں (کے پانی) سے وضو کر سکتے ہیں؟ (جب کہ) اس کنویں میں حیض کے (خون میں بھرے ہوئے) کپڑے کتوں کے گوشت اور گندگی ڈالی جاتی ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”(اس کنویں کا) پاک ہے (جب تک کہ اس کے رنگ، مزہ اور بو میں فرق نہ آئے) اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔“ (احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی)

تشریح: بیرضاعہ مدینہ کے ایک کنویں کا نام ہے وہ ایک ایسی جگہ واقع تھا جہاں نالے کی رد آتی تھی اس نالے میں جو گندگی اور غلاظت ہوتی تھی وہ اس کنویں میں پڑتی تھی مگر کہنے والے نے کچھ اس انداز سے بیان کیا ہے جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ لوگ خود اس میں نجاست ڈالتے تھے، حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اس قسم کی گندگی اور غلط چیزوں کا ارتکاب تو عام مسلمان بھی نہیں کر سکتا چہ جائے کہ وہ ایسی غیر شرعی غیر اخلاقی چیز کا ارتکاب کرتے جو افضل المومنین تھے۔

بہر حال۔ اس کنویں میں بہت زیادہ پانی تھا اور چشمہ دار تھا اس لئے جو گندگی اس میں گرتی تھی بہرہ کر نکل جاتی تھی بلکہ علماء کی تحقیق تو یہ ہے کہ اس وقت کنواں جاری تھا اور نہر جاری کی طرح ایک باغ میں بہتا بھی تھا چنانچہ جب آپ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے کنویں کی اس صفت کی وجہ سے اس کے پانی کے بارے میں وہی حکم فرمایا جو ماء کثیر یا جاری پانی کا ہوتا ہے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ نجاست پڑنے سے کوئی پانی ناپاک نہیں ہوتا خواہ وہ تھوڑا پانی ہو یا زیادہ پانی بلکہ یہ حکم ماء کثیر یعنی زیادہ پانی کا ہے ماء قلیل یعنی کم پانی کا یہ حکم نہیں ہے۔

حنفیہ کے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ چشمہ دار کنواں بھی ”جاری پانی“ کا حکم رکھتا ہے یعنی جو حکم بننے والے پانی کا ہوتا ہے وہی چشمہ دار کنویں کا ہوتا ہے۔

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَزَكِبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيلَ مِنَ الْمَاءِ فَإِنْ تَوَضَّأْنَا بِهِ عَطِشْنَا أَفَتَتَوَضَّأُ بِمَاءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الظَّهْورُ مَاءُ وَهَلْ مِثْنَةُ - (رواہ مالک و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ”ایک شخص نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم (کھارے) دریا میں کشتی کے ذریعہ سفر کرتے ہیں اور (میٹھا) پانی اپنے ہمراہ تھوڑا لے جاتے ہیں اس لئے اگر ہم اس پانی سے وضو کر لیں تو پیاسہ رہ جائیں! تو کیا ہم دریا کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں (یا تیمم کر لیا کریں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”دریا کا وہ پانی پاک کرنے والا ہے اس کا مدار حلال ہے۔“

(مالک، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: ”میتہ“ اس مزارِ جانور کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح کئے ہوئے اپنے آپ مرجائے چنانچہ اس حدیث میں میتہ (سے مراد مچھلی ہے کیونکہ اسے ذبح نہیں کرتے اس کا شکار کرنا اور اسے پانی سے نکالنا ہی اس کو ذبح کرنے کے مترادف ہے۔ البتہ جو مچھلی پانی میں مرجائے وہ حنفیہ کے یہاں حلال نہیں ہے۔

دریائی جانوروں میں مچھلی تمام علماء کے ہاں متفقہ طور پر حلال ہے، دوسرے جانوروں کے بارے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

⑤ وَعَنْ أَبِي زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ لَيْلَةَ الْحَجِّ مَا فِي إِذَا وَتَكَ قَالَ قُلْتُ نَبِيُّدُ قَالَ تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ ظَهُورٌ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَزَادَ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ فَتَوْضًا مِنْهُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ أَبُو زَيْدٌ مَجْهُولٌ وَصَحَّ عَنْ عِلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمْ أَكُنْ لَيْلَةَ الْحَجِّ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو زید حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ نے لیلۃ الحج (یعنی جن کی رات) میں ان سے پوچھا کہ تمہاری چھاگل میں کیا ہے! عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ نبیز (یعنی کھجوروں کا شربت) ہے“ آپ ﷺ نے فرمایا کھجوریں پاک ہیں اور پانی پاک کرنے والا ہے (ابوداؤد اور امام احمدؒ و امام ترمذیؒ) نے یہ الفاظ زیادہ نقل کئے ہیں کہ ”پس آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا“ نیز امام ترمذیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ابو زید کا پتہ نہیں کہ یہ کون ہیں ہاں حضرت علقمہؒ البتہ عبد اللہ بن مسعودؓ سے صحیح طور پر یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ”میں لیلۃ الحج میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نہیں تھا۔“ (مسلم)

تشریح: لیلۃ الحج اس رات کو کہتے ہیں جس میں جنات کی ایک جماعت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئی تھی اور آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے ان کے سامنے قرآن کریم پڑھا تھا جس کے بعد وہ جماعت اپنی قوم میں گئی اور اسلام کی دعوت اور قرآن کی تعلیمات سے انہیں آگاہ کیا اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید کی سورہ جن میں بھی کیا گیا ہے۔

”نبیز تمر“ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ چھوارے پانی میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور انہیں چند روز تک اسی طرح پانی میں رہنے دیا جاتا ہے جس کے بعد دونوں کا شربت سا بن جاتا ہے اور اس میں ایک قسم کی تیزی بھی آجاتی ہے، یہ شربت جب تک تیز و تند نہیں ہوتا حلال رہتا ہے چنانچہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے یہ نبیز تمر بنایا جاتا تھا۔

نبیز تمر سے وضو کرنا مختلف فیہ ہے، چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر وضو کے لئے خاص پانی نہ ملے تو نبیز تمر سے وضو کیا جاسکتا ہے اس کی موجودگی میں تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ اس مسلک سے اختلاف کرتے ہیں، حضرت امام اعظمؒ کی دلیل یہی مذکور حدیث ہے یہ حدیث چونکہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے شوافع اس حدیث کو ضعیف ثابت کرتے ہیں چنانچہ حضرت امام ترمذیؒ بھی یہی بات کہہ رہے ہیں کہ حدیث کے راوی ابو زید غیر معروف ہیں اس لئے ان کی روایت کردہ حدیث پر کسی مسلک کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، امام ترمذیؒ دوسری چیز یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ لیلۃ الحج میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نہیں تھے۔ اس کی شہادت میں وہ حضرت علقمہؒ کی ایک روایت پیش کر رہے ہیں جو حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ ہی سے مروی ہے اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب عبد اللہ بن مسعودؓ کا آنحضرت ﷺ کے ہمراہ اس رات میں ہونا ہی ثابت نہیں ہے تو ابو زید کی یہ روایت یقیناً صحیح نہیں ہو سکتی۔

لیکن جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک برحق ہے کیونکہ حضرت امام ترمذیؒ کا یہ کہنا ابو زید مجہول راوی ہیں حدیث کی حیثیت پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتا اس لئے کہ حدیث کے راویوں کے غیر معروف ہونے کا دعویٰ دوسرے طریقوں سے غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس روایت میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نہیں تھے، بالکل غلط ہے، کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کی موجودگی دیگر روایتوں سے بھی تحقیق کے ساتھ ثابت ہے چنانچہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اس شب میں جنات کو اسلام کی دعوت اور قرآن کی تعلیمات بتانے میں مشغول ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو ایک جگہ بٹھا دیا اور ان کے ارد گرد لکیر کھینچ کر ایک دائرہ بنایا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اس دائرہ سے باہر نہ نکلیں۔

حضرت علقمہؒ کی روایت کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے مگر اس کا مطلب حضرت ابن مسعودؓ کی موجودگی کا سرے سے انکار نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ جنات سے ہم کلام تھے اس وقت حضرت ابن مسعودؓ آپ ﷺ کے پاس حاضر نہ

تھے، یا یہ کہ آنحضرت ﷺ جس وقت جنات کے پاس تشریف لے جا رہے تھے ابن مسعودؓ اس وقت آپ ﷺ کے پاس نہیں تھے بلکہ آخر شب میں جا کر آپ ﷺ سے ملاقات کی۔ واللہ اعلم

⑧ وَعَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ تَحْتَ ابْنِ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَكَبَتْ لَهُ وَضُوءًا فَبَاءَتْ هِرَّةً تَشْرَبُ مِنْهُ فَأَضْغَى لَهَا الْإِنَاءَ حَتَّى شَرِبَتْ قَالَتْ كَبْشَةُ فَرَأْنِي أَنْظُرَ إِلَيْهِ فَقَالَ اتَّعَجِبِينَ يَا ابْنَةَ أَخِي قَالَتْ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّهَا لَيَسْتَبْجِسُ إِنَّهَا مِنَ الطَّوَافِينَ عَلَيْكُمْ أَوْ الطَّوَافَاتِ - (رواه مالك و احمد و الترمذی و البوداذ و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت کبشہ بنت کعب بن مالک سے جو حضرت ابو قتادہؓ کے بیٹے کی بیوی تھیں مروی ہے کہ ”(ایک روز ان کے سر حضرت ابو قتادہؓ ان کے پاس آئے (کبشہ کہتی ہیں کہ) میں نے ان کے وضو کے لئے (ایک برتن میں) پانی رکھ دیا، ایک بلی اُکڑ اس میں سے پانی پینے لگی، حضرت ابو قتادہؓ نے برتن کو اس کی طرف جھکا دیا تاکہ وہ آسانی سے پانی پی لے) چنانچہ بلی نے پانی پی لیا“ کبشہ کہتی ہیں کہ جب حضرت ابو قتادہؓ نے مجھے دیکھا کہ میں (تعجب سے ان کی طرف دیکھ رہی ہوں تو انہوں نے کہا ”میری بھتیجی“ کیا تمہیں اس پر تعجب ہو رہا ہے؟ میں نے کہا ”جی ہاں۔“ حضرت ابو قتادہؓ نے کہا کہ سر کا دو عالم ﷺ نے فرمایا ”بلیاں ناپاک نہیں ہیں، کیونکہ یہ تمہارے پاس آنے جانے والوں میں سے ہیں“ یا یہ فرمایا ”آنے جانے والیوں میں سے ہیں۔“ (مالک، احمد، ترمذی، بوداذ، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: حضرت ابو قتادہؓ نے کبشہ کو بھتیجی کہا ہے حالانکہ وہ ان کی بھتیجی نہیں تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں عام طور پر مرد مخاطب کو اگر وہ چھوٹا ہوتا ہے۔ بھتیجا یا چچا کا بیٹا اور عورت مخاطب کو بھتیجی کہہ کر پکارتے ہیں چاہے حقیقت میں ان کا یہ رشتہ نہ ہو کیونکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، اس لئے وہ اسلامی اخوت کے رشتہ کے پیش نظر اس کی اولاد کو بھتیجا یا بھتیجی کہتے ہیں۔ روایت میں ”طوافین“ اور ”طوافات“ دونوں لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بلی اگر زہرے تو اس کی مناسبت سے ”طوافین“ کا لفظ ہو گا اور اگر بلی مادہ ہے تو اس کی مناسبت سے ”طوافات“ کا لفظ ہو گا۔

یہ دونوں لفظ یہاں ”خادم“ کے معنی میں استعمال فرمائے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ”بلیاں تمہاری خادم ہیں“ ان کو خادم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی انسانوں کی مختلف طریقہ سے خدمت کرتی ہیں اور ان کے آرام و راحت کی بعض چیزوں میں بڑی معاون ہوتی ہیں مثلاً نقصان دہ جانوروں جیسے چوہے وغیرہ کو یہ مارتی ہیں۔ یا ان کو خادم اس مناسبت سے کہا گیا ہے کہ جیسے خادموں کی خبر گیری میں ثواب ہوتا ہے اسی طرح بلیوں کی خبر گیری میں بھی ثواب ہوتا ہے اور جس طرح گھروں میں خادم پھرتے رہتے ہیں اس طرح بلیاں بھی گھروں میں پھرتی رہتی ہیں۔

بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلیاں تمہارے پاس ہر وقت خادموں کی طرح رہتی ہیں اور گھر کے ہر حصہ میں پھرا کرتی ہیں اگر ان کے جھوٹے کانپاک قرار دے دیا جائے تو تم سب بڑی دشواریوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اس لئے یہ حکم کیا جاتا ہے کہ بلیوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔ گویا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بلی کا جھوٹا ناپاک ہے چنانچہ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ بلیوں کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے بلکہ پاک ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ بلی کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے یعنی اگر بلی کے جھوٹے پانی کے علاوہ دوسرا پانی نہ مل سکے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ اس کی موجودگی میں تیمم کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر بلی کے جھوٹے پانی کے علاوہ دوسرا پانی موجود ہو اور اس کے باوجود اسی جھوٹے پانی سے وضو کیا جائے گا تو وضو ہو جائے گا لیکن مکروہ ہو گا۔

امام صاحبؒ اس شکل میں اسے مکروہ بھی اس لئے کہتے ہیں کہ ایک دوسری حدیث میں بلی کو درندہ کہا گیا ہے اور درندہ کے بارے میں بتایا گیا کہ ناپاک ہوتا ہے لیکن یہ حدیث چونکہ اس کے بالکل برعکس ہے اس لئے ان دونوں حدیثوں پر نظر رکھتے ہوئے کوئی ایسا حکم نافذ

کیا جانا چاہئے جو دونوں حدیثوں کے مفہوم کے مطابق ہو لہذا اب یہی کہا جائے گا کہ جس حدیث میں بلی کو درندہ کہہ کر اس کی نجاست کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے مگر اس حدیث نے بلی کے نجاست کے حکم کو کراہت میں بدل دیا ہے لہذا اس کے جھوٹے کو ناپاک تو نہیں کہیں گے البتہ مکروہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

⑨ وَعَنْ ذَاوُدَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ دِينَارٍ عَنْ أُمِّهِ أَنَّ مَوْلَانَهَا أَرْسَلَهَا بِهَرِيْسَةِ إِلَى عَائِشَةَ قَالَتْ فَوَجَدْتُهَا تُصَلِّي فَاشَارَتْ إِلَيَّ أَنْ ضَعِيْهَا فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَأَكَلَتْ مِنْهَا فَلَمَّا انْصَرَفَتْ عَائِشَةُ مِنْ صَلَاتِهَا أَكَلْتُ مِنْ حَيْثُ أَكَلَتِ الْهِرَّةُ فَقَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّهَا لَيَسْتَبْجَسُ أَنْهَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ وَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِفَضْلِهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت داؤد بن صالح بن دینارؒ اپنی والدہ مکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ ”(ایک روز) انہیں ان کی آزاد کرنے والی مالکہ نے ہریسہ (یعنی حریرہ) دیکر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت اقدس میں بھیجا ان کی والدہ فرماتی ہیں کہ ”میں نے (وہاں پہنچ کر) حضرت عائشہؓ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا حضرت عائشہؓ نے اشارہ سے اسے رکھ دینے کے لئے مجھ سے کہا (چنانچہ میں نے ہریسہ کا برتن رکھ دیا اتنے میں) ایک بلی آکر اس میں سے کھانے لگی۔ حضرت عائشہؓ جب نماز سے فارغ ہوئیں تو حریرہ کو بلی نے جس طرح سے کھایا تھا اسی طرح سے انہوں نے بھی کھایا پھر فرمایا کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”بلی ناپاک نہیں ہے اور وہ تمہارے پاس آنے جانے والوں میں سے ہے“ اور میں نے خود سرکارِ دو عالم ﷺ کو بلی کے جھوٹے (پانی) سے وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: داؤد کی والدہ جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس حریرہ لے کر پہنچیں تو وہ نماز میں مشغول تھیں اس لئے انہوں نے اپنے ہاتھ یا سروغیرہ سے انہیں اشارہ کا جس کا مطلب تھا کہ یہ برتن رکھ دو اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اس طرح کے معمولی اشارے جائز ہیں کیونکہ یہ عمل کثیر نہیں ہے چنانچہ نماز کو فاسد اور ختم کر دینے والی چیز یا تو گفتگو ہے یا عمل کثیر ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ خود بلی کے جھوٹے پانی سے وضو فرمایا کرتے تھے۔ لہذا جن علماء کا مسلک یہ ہے کہ بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا مکروہ تنزیہی ہے مثلاً امام ابوحنیفہؒ تو وہ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فعل آسانی و رخصت پر عمل کرنے کے مترادف ہے اور بیانِ جواز کے لئے ہے۔ البتہ جن علماء کے نزدیک بلی کا جھوٹا پاک ہے ان کو اس حدیث کی کوئی تاویل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس سے تو ان ہی کے مسلک کی تائید ہوتی ہے علماء نے لکھا ہے کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بلیوں کو پالنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

⑩ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّوَضَّأَ بِمَا أَفْضَلَتِ الْحُمُرُ قَالَ نَعَمْ وَبِمَا أَفْضَلَتِ السِّبَاعُ كُلُّهَا۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

”اور حضرت جابرؒ راوی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا ہم اس پانی سے وضو کر سکتے ہیں جس کو گدھوں نے جھوٹا کر دیا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ہاں! (اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے) اور اس پانی سے بھی (وضو کرنا جائز ہے) جس کو درندوں نے جھوٹا کر دیا ہو۔“ (شرح السنۃ)

تشریح: اس مسئلہ میں کہ گدھوں یا اسی طرح خجروں کا جھوٹا پانی پاک ہے یا نہیں؟ کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی کیونکہ اس مسئلہ میں جو احادیث منقول ہیں ان میں تعارض ہے چنانچہ بعض احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جھوٹا حرام ہے اور بعض احادیث سے ان کی اباحت کا پتہ چلتا ہے، جیسا کہ مرقات میں دونوں قسم کی احادیث جمع کی گئی ہیں لہذا ان کے ظاہری تعارض کو دیکھتے ہوئے اس کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اور پھر احادیث کے علاوہ صحابہ میں بھی اس مسئلہ کے بارے میں اختلاف منقول ہے چنانچہ حضرت ابن

عمرؓ گدھوں اور خچروں کے جھوٹے کو ناپاک کہتے تھے مگر حضرت ابن عباسؓ اس کے پاک ہونے کے قائل تھے۔

اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ درندوں کا جھوٹا پاک ہے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب کوئی درندہ پانی وغیرہ کو جھوٹا کرے گا تو اس میں اس کا لعاب یقیناً پڑے گا اور لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ درندوں کا گوشت ناپاک ہوتا ہے اس لئے اس کے جھوٹے کو بھی ناپاک کہا جائے گا۔

اب جہاں تک ان حدیثوں کا تعلق ہے جن سے درندوں کے جھوٹے کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ ان احادیث کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی کیونکہ ان احادیث کی صحت ہی میں کلام کیا جاتا ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح بھی ہیں یا نہیں؟ اگر ان احادیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ ان احادیث سے درندہ کے جس جھوٹے پانی کے پاک ہونے کا ثبوت ملتا ہے اس سے وہ پانی مراد ہے جو جنگل میں بڑے بڑے تالابوں میں جمع ہوتا ہے، چنانچہ اس کی تصریح آگے آنے والی احادیث سے بھی جو حضرت یحییٰ اور حضرت ابو سعید سے مروی ہیں، ہوتی ہے جن میں وضاحت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے کہ اگر وہ درندہ نے ایسے پانی کو جھوٹا کیا جو بہت زیادہ ہو مثلاً کسی بڑے تالاب وغیرہ میں پانی ہے تو پاک ہو گا اگر پانی تھوڑا ہو گا تو وہ درندوں کو جھوٹا کر دینے سے ناپاک ہو جائے گا۔

پھر اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ان احادیث میں درندے اور پانی علی العموم مراد ہیں کہ پانی خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ وہ درندوں کے جھوٹا کرنے سے ناپاک نہیں ہوتا تو کیا اس شکل میں یہ لازم نہیں آتا کہ کتوں کے جھوٹے کو بھی پاک کہا جائے حالانکہ کوئی بھی کتے کے جھوٹے کو پاک نہیں کہتا لہذا اس سے معلوم ہوا کہ جن احادیث سے درندوں کے جھوٹے پانی کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے اس سے وہی پانی مراد ہے جو جنگل میں بڑے بڑے تالابوں میں جمع رہتا ہے اور جو بہت زیادہ ہوتا ہے۔

اس موقع پر بر سبیل تذکرہ ایک مسئلہ بھی سن لیجئے۔ یہ تو آپ سب ہی جانتے ہیں کہ کتے کا لعاب وغیرہ بھی ناپاک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کتوں کا لعاب وغیرہ کپڑے یا بدن کے کسی حصہ پر لگ جائے تو اس کو دھو کر پاک کرنا ضروری ہوتا ہے مگر اس سلسلہ میں اتنی بات یاد رکھئے کہ اگر کسی کتے نے کسی آدمی کے بدن کے کسی حصہ کو منہ سے پکڑ لیا یا کسی کپڑے کو منہ میں دبایا تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ کتے نے اگر غصہ کی حالت میں پکڑا دیا یا ہے تو وہ ناپاک نہیں ہو گا۔ اور اگر غصہ کی حالت میں نہیں بلکہ بطور کھیل گلیل اس نے پکڑا اور دبایا ہے تو وہ ناپاک ہو جائے گا اس لئے بدن کے اس حصہ کو اور کپڑے کو دھو کر پاک کرنا ضروری ہو گا۔ اس فرق کی وجہ علماء یہ لکھتے ہیں کہ جب کتا کسی چیز کو غصہ کی حالت میں پکڑتا ہے تو اسے دانتوں سے پکڑتا ہے اور اس کے دانت میں کوئی رطوبت نہیں ہوتی اس لئے اس چیز پر ناپاکی کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور جب کسی چیز کو کھیل گلیل کے طریقہ پر پکڑتا ہے تو اسے دانتوں سے نہیں پکڑتا ہے اور ہونٹ چونکہ لعاب وغیرہ سے تر ہوتے ہیں اس لئے اس کی ناپاکی اس چیز کو بھی ناپاک کر دیتی ہے۔

⑪ وَعَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ اغْتَسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ وَمَيْمُونَةُ فِي قُصْعَةٍ فِيهَا أَثَرُ الْعَجِينِ۔

(رواہ النسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت امام ہانیؓ راوی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ نے اور حضرت میمونہؓ نے ایک ٹشت میں کہ جس میں گندھے ہوئے آٹے کا کچھ حصہ لگا ہوا تھا غسل فرمایا۔“ (نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: چونکہ حضرات شوافع کے نزدیک پانی میں تغیر آجانے سے خواہ تغیر کسی پاک و ناجائز چیز سے آئے یا ناپاک و ناجائز چیز سے وہ پانی وضو غسل کے استعمال کے قائل نہیں رہتا اس لئے وہ حضرات اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ ٹشت میں اتنا آٹا نہیں لگا تھا جس سے پانی

لے آپ کا نام ناخستہ ہے مگر امام ہانیؓ کی کسبت سے مشہور ہیں ابوطالب کی صاحبزادی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حقیقی بہن ہیں۔

متغیر ہو جاتا اس لئے آنحضرت ﷺ اور حضرت میمونہؓ نے اس میں غسل کیا۔

مگر حنفیہ کے یہاں چونکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانی کسی پاک و جائز چیز سے متغیر ہو بشرطیکہ پانی گاڑھانہ ہو جائے تو اس سے وضو اور غسل درست ہے اس لئے انہیں اس حدیث کی کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۲) وَعَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ إِنَّ عُمَرَ خَرَجَ فِي رَكْبٍ فِيهِمْ عُمَرُو ابْنُ الْعَاصِ حَتَّى وَرَدُوا حَوْضًا فَقَالَ عُمَرُو يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ هَلْ تَرُدُّ حَوْضَكَ السَّبَاعُ فَقَالَ عُمَرُو ابْنُ الْخَطَّابِ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُخَيِّرُنَا فَإِنَّا نَرُدُّ عَلَى السَّبَاعِ وَتَرُدُّ عَلَيْنَا زَوَاهِ مَالِكٍ وَزَادَ رَزِينٌ قَالَ زَادَ بَعْضُ الزُّوَاهِ فِي قَوْلِ عُمَرَ وَاتَى سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَهَا مَا أَخَذْتُ فِي بَطُونِهَا وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَنَا طَهُورٌ وَشَرَابٌ۔

”حضرت یحییٰ بن عبد الرحمنؒ فرماتے ہیں کہ ”حضرت عمر بن خطابؓ ایک قافلہ کے ہمراہ کہ جس میں حضرت عمرو بن عاصؓ بھی تھے چلے جب (اہل قافلہ جنگل میں) ایک تالاب پر پہنچے تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے پوچھا کہ اے تالاب کے مالک کیا تمہارے اس تالاب پر (پانی پینے کے لئے) درندے بھی آتے ہیں؟ (یہ سن کر حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ ”اے تالاب کے مالک یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ ہم درندوں پر آتے ہیں اور درندے ہم پر آتے ہیں یعنی کبھی تو ہم پانی پر آتے ہیں اور کبھی درندے پانی پر آتے ہیں اور چونکہ تالاب میں پانی زیادہ ہے اس لئے درندوں کے پینے سے ناپاک نہیں ہوتا (مالکؒ) اور رزینؒ نے کہا ہے کہ ”بعض راویوں نے حضرت عمرؓ کے اس قول میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ (حضرت عمرؓ کہتے ہیں) ”میں نے خود سرکار دو عالم ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ”درندے جو اپنے پیٹ میں لے جائیں وہ ان کا ہے اور جو باقی رہ جائے وہ ہمارے پینے کے قابل اور پاک کرنے والا ہے۔“

(۱۳) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْحِيَاضِ الَّتِي بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ تَرُدُّهَا السَّبَاعُ وَالْكِلَابُ وَالْحُمُرُ عَنِ الظُّهْرِ مِنْهَا فَقَالَ لَهَا مَا حَمَلَتْ فِي بَطُونِهَا وَلَنَا مَا غَبَرَ طَهُورٌ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوسعید خدریؒ راوی ہیں کہ ”سرکار دو عالم ﷺ سے ان تالابوں کے بارے میں پوچھا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں اور ان پر (پانی پینے کے لئے) درندے، کتے اور گدھے آتے رہتے ہیں کہ آیا اس سے کوئی چیز پاک کی جاسکتی ہے یا نہیں؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو ان کے پیٹوں میں آجائے وہ ان کا ہے اور جو باقی رہ جائے وہ ہمارے لئے پاک کرنے والا ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں درندوں کے جھوٹے پانی کے پاک ہونے کا جو حکم بیان کیا جا رہا ہے وہ مطلقاً پانی کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ حکم اس پانی کے بارے میں ہے جو بڑے بڑے تالابوں اور حوضوں میں جمع رہتا ہے۔

(۱۴) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَا تَغْتَسِلُوا بِالْمَاءِ الْمُشْتَمَسِ فَإِنَّهُ يُورِثُ الْبَرَصَ۔ (رواہ الدارقطنی)

”اور حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانے سے غسل نہ کرو کیونکہ یہ برص (یعنی سفیدی) کی بیماری کا سبب ہوتا ہے۔“ (دارقطنی)

تشریح: ”دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی“ کا مطلب بعض علماء نے یہ اخذ کیا ہے کہ اس پانی سے غسل نہ کرنا چاہئے جو قصد دھوپ میں رکھ کر گرم کیا گیا ہو لیکن بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے یعنی خواہ پانی کو دھوپ میں قصد رکھ کر گرم کیا گیا ہو یا پانی کسی جگہ پہلے سے رکھا ہوا ہو اور دھوپ کے آجانے سے گرم ہو گیا ہو۔

حضرت میرک شاہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یعنی حضرت عمرؓ کا یہ قول ضعیف ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی کوئی حدیث اس سے مراد نہیں ہے۔

مگر حضرت امام شافعیؒ نے حضرت عمرؓ کے اس قول کو دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے جس کے راوی ثقہ اور معتد ہیں لہذا اس کی صحت میں کوئی کلام صحیح نہیں ہوگا۔

جہاں تک حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کی مراد کا تعلق ہے اس سلسلہ میں یہ کہا جائے گا کہ حضرت عمرؓ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایسے پانی میں غسل مستقل نہ کیا جائے اور نہ اس پانی سے غسل کرنے کی عادت ڈالی جائے تاکہ برص جیسے موذی مرض میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ رہے۔

ویسے مسئلہ کی بات یہ ہے کہ دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ حضرت امام اعظمؒ، امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ تینوں حضرات کے نزدیک اس میں کوئی کراہت نہیں ہے البتہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں کچھ اختلاف ہے لیکن ان کا صحیح قول یہ ہے کہ اس پانی سے غسل کرنا مکروہ ہے البتہ ان کے علماء متاخرین نے بھی تینوں ائمہ کی ہمنوائی کرتے ہوئے یہی مسلک اختیار کیا ہے کہ اس میں کراہت نہیں ہے۔

بَابُ تَطْهِيرِ النَّجَاسَاتِ نجاستوں کے پاک کرنے کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءٍ أَحَدَكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ ظَهَرُوا إِنَاءً أَحَدَكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَوْ لَاهُزْنَ بِالشَّرَابِ۔

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پی لے اس (برتن) کو سات مرتبہ دھو لینا چاہئے“ (بخاری و مسلم) اور مسلمؒ کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ”تم میں سے جس کے برتن میں کتا پانی پی جائے اس (برتن) کو پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اسے سات مرتبہ دھو ڈالے اور پہلی مرتبہ مٹی سے دھوئے۔“

تشریح: اکثر محدثین اور تینوں ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے یا کسی برتن میں پانی پی لے اور کھالے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھونا چاہئے مگر حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ اس کو بھی دوسری نجاستوں کے حکم میں شمار کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ اس برتن کو صرف تین مرتبہ بغیر مٹی کے دھو ڈالنا کافی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں سات مرتبہ دھونے کا جو حکم دیا جا رہا ہے وہ وجوب کے طریقہ پر نہیں ہے بلکہ اختیار کے طور پر ہے، یا پھر یہ کہ سات مرتبہ دھونے کا یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا اور اللہ اعلم۔

② وَعَنْهُ قَالَ قَامَ أَغْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَتَنَّا وَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوهُ وَهَرِّقُوا عَلَى بَوْلِهِ سَجَلًا مِنْ مَّاءٍ أَوْ ذُنُوبًا مِنْ مَّاءٍ فَإِنَّمَا بَعْثْتُمْ مَيْسِرِينَ وَلَمْ تَبْعَثُوا مُعْتَسِرِينَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک دن) ایک دیہاتی نے مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کر دیا (یہ دیکھ کر) لوگ اس کے پیچھے پڑنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اے چھوڑ دو اور ایک ڈول میں پانی اس کے پیشاب پر بہا دو اور آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ آسانی کرنے والے لے کر بھیجے گئے ہو گئی کرنے والے نہیں۔“ (بخاری)

تشریح: راوی کو شک ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سَجَلًا مِنْ مَّاءٍ یا ذُنُوبًا مِنْ مَّاءٍ کے الفاظ فرمائے ہیں اسی لئے انہوں

نے دونوں نقل کر دیئے ہیں ”بجل“ اور ”ذنوب“ دونوں کے معنی ڈول ہی کے ہیں لیکن ان کے استعمال میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ بجل تو اس ڈول کو کہتے ہیں جس میں پانی ہو خواہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ اور ذنوب پانی سے بھرے ہوئے ڈول کو کہتے ہیں۔ اس حدیث سے سرکارِ دو عالم ﷺ کی انتہائی شفقت و رحمت اور آپ ﷺ کے حلم و عفو کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت پر کتنے مہربان اور شفیق تھے چنانچہ نہ یہ کہ آپ ﷺ نے خود اس دیہاتی کی غلطی سے درگزر فرماتے ہوئے اس کو کچھ نہ کہا بلکہ جب صحابہ نے اسے برا بھلا کہا آپ ﷺ نے انہیں اس بات کا احساس دلایا کہ تم جس پیغمبر کے رفیق و ساتھی اور جس امت کے فرد ہو اس کی مایہ الاشیان خصوصیت ہی یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو سختی و پریشانی میں مبتلا نہ کیا جائے اور نہ کسی کی غلطی پر جو عدم واقفیت کی بناء پر سرزد ہو جائے برا بھلا کہا جائے چنانچہ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے امت کے لئے یہ تعلیم مقصود ہے کہ لوگوں کو کسی دشواری اور سختی میں نہ ڈالا جائے اور نہ ایسا کوئی معاملہ کیا جائے جس سے دوسرا شخص بد دل ہو جائے اور اپنے آپ کو کسی ٹھن اور تنگی میں محسوس کرے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر زمین پر کوئی نجاست و گندگی پڑی ہوئی ہو تو اس نجاست پر زیادہ مقدار میں پانی ڈالنے یا نجاست کو بہا دینے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔

یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نجاست کا دھوون اگر متغیر نہ ہو تو پاک ہے۔ اگر وہ کسی دوسرے کپڑے، بدن، اور زمین پر یا کسی یورہ وغیرہ سے چھن کر زمین پر گرے تو یہ چیزیں ناپاک نہیں ہوں گی اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے مگر مختار اور معتمد قول یہ ہے کہ دھوون اگر نجاست کی جگہ اس وقت گرے جب وہ نجاست کے زائل ہونے کی وجہ سے پاک ہو چکی ہو تو اس شکل میں وہ پاک ہوگا اور وہ دھوون جو نجاست کی جگہ سے پاک ہونے سے پہلے جدا ہوا ہو ناپاک ہوگا اور اگر دھوون متغیر ہو جائے بائیں طور کہ پانی کے رنگ، مزہ اور بو میں تبدیلی آجائے تو وہ بالاتفاق ناپاک ہے۔

علامہ طیبی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی وضاحت کر رہی ہے کہ اگر زمین کسی نجاست کی وجہ سے ناپاک ہو جائے تو وہ خشک ہونے سے پاک نہیں ہوتی یعنی وہ جگہ پانی بہا کر نجاست کو زائل کر دینے ہی سے پاک ہوگی اور اس جگہ کو کھرچ ڈالنا یا وہاں سے مٹی کھود کر اٹھالنا ضروری نہیں ہے۔

مگر امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک خشک ہونے سے زمین پاک ہو جاتی ہے اور اگر کوئی چاہے کہ خشک ہونے سے پہلے ہی زمین پاک ہو جائے تو وہاں سے مٹی کھرچ کر اٹھا دی جائے تاکہ وہ حصہ پاک ہو جائے۔

علماء حنفیہ اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں نے مسجد کی زمین کے اس حصہ کے جہاں خشک ہو جانے سے پہلی جگہ جہاں دیہاتی نے پیشاب کر دیا تھا لوگوں نے نما پڑھ لی ہو جس کی بناء پر حکم لگا دیا گیا کہ ناپاک زمین بغیر پانی بہائے ہوئے پاک نہیں ہوتی، جہاں تک سوال پانی ڈالنے کا ہے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت نجاست کی جگہ پانی بہانے کا حکم اس لئے دیا ہو گا کہ پیشاب کی نجاست میں کچھ کی ہو جائے اور پیشاب کا رنگ اور اس کی بد بو پانی بہانے کی وجہ سے ختم ہو جائے، مگر زمین کا وہ حصہ خشک ہونے کے بعد ہی پاک ہوا ہو گا۔ اس سلسلہ میں ملا علی قاریؒ نے مشکوٰۃ کی شرح مرقات میں اور بہت سی دلیلیں لکھی ہیں جو وہاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ يَنْتَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ أَغْرَابِيٌّ فَقَامَ يَبُولُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ مَهْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزِرْمُوهُ دَغْوُهُ فَتَرْكُوهُ حَتَّى بَالَ ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا فَقَالَ لَهُ إِنَّ هَذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْئٍ مِنْ هَذَا الْبَوْلِ وَالْقَدَرِ أَنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللَّهِ وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَأَمَرَ رَجُلًا مِنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِدَلْوٍ مِّنْ مَّاءٍ فَشَنَّهُ عَلَيْهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) ہم سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک دیہاتی آیا اور مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا (یہ دیکھ کر) آنحضرت ﷺ کے صحابہ اس سے کہنے لگے کہ ٹھہر جا! ٹھہر جا! آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ اے پیشاب کرنے سے نہ رو کو بلکہ اسے چھوڑ دو اور پیشاب کرنے دو کیونکہ اگر تمہارے دھمکانے سے اس کا پیشاب رک گیا تو اس کے لئے تکلیف دہ ہو گا یا پھر اس طرح اس کا پیشاب جو ایک ہی جگہ ہے کی جگہ پھیل جائے گا صحابہ نے اسے چھوڑ دیا اور اس دیہاتی نے (جب پورا) پیشاب کر لیا تو آنحضرت ﷺ نے اسے بلایا اور (نہایت شفقت و مہربانی سے) فرمایا کہ ”مسجد میں پیشاب و گندگی وغیرہ کے لئے نہیں ہیں بلکہ ذکرِ الہی اور نمازِ قرآن پڑھنے کے لئے ہیں“ یا آپ ﷺ نے اسی کے مثل فرمایا (یعنی راوی کو شک ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اعرابی سے یہی الفاظ فرمائے تھے یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس بعد آنحضرت ﷺ نے مجلس میں سے ایک شخص کو حکم دیا اس نے ایک ڈول پانی لا کر پیشاب پر بہا دیا۔۔۔ (بخاری و مسلم)

(۴) وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ سَأَلْتُ امْرَأَةً رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبُهَا الدَّمَ مِنَ الْخِصَّةِ كَيْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصَابَ ثَوْبُ إِحْدَاكُمُ الدَّمَ مِنَ الْخِصَّةِ فَلْتَقْرِضْهُ ثُمَّ لَتَضَحَّهُ بِمَاءٍ ثُمَّ لَتَغْسِلْ فِيهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی اسماءؓ فرماتی ہیں کہ ”ایک عورت نے سرکارِ دو عالم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر ہم میں سے کوئی حیض کا خون کپڑے پر لگا ہو ا پائے تو کیا کرے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اگر تم میں سے کسی کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو اسے چاہئے کہ (پہلے) چٹکیوں سے اسے ملے پھر پانی سے دھو لے اور اسی کپڑے سے (خواہ تر ہی کیوں نہ ہو نماز پڑھ لے)۔“ (بخاری و مسلم)

(۵) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِيِّ يَصْنِبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ وَآثَرُ الْغُسْلِ فِي ثَوْبِهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت سلیمان بن یسارؓ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کپڑے پر لگی ہوئی منی کے بارے میں پوچھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ ”میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے کپڑے سے منی کو دھویا کرتی تھی چنانچہ آپ ﷺ (جب اسی گیلے کپڑے کے ساتھ) نماز کے لئے تشریف لے جاتے تو اس کپڑے پر (منی کے) دھونے کا نشان رہتا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ منی ناپاک ہے اگر منی کسی کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو اسے دھو کر پاک کر لینا چاہئے چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح تنک (یعنی ناک سے نکلنے والی) رطوبت پاک ہے اسی طرح منی بھی پاک ہے۔

(۶) وَعَنِ الْأَسْوَدِ وَهَمَّامٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَوَاهُ مُسْلِمٌ وَبِرِوَايَةِ عُلْفَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَهُ ثُمَّ يُصَلِّي فِيهِ۔

”اور حضرت اسودؓ و حضرت ہمامؓ راوی ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ عنہا فرمایا ”میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے کپڑے سے (تنک) منی کھرچ دیا کرتی تھی“ (مسلم) اور مسلمؓ نے اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ حضرت علقمہؓ اور حضرت اسودؓ کی ہی طرح ایک روایت بھی نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ اسی کپڑے سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔“

۱۔ ام گرامی سلیمان ابن یسار اور کنیت ابو ایوب ہے آپ تابعی ہیں آپ کا ۱۰۷ھ میں بصرہ ۵۳ سال میں انتقال ہوا۔

۲۔ حضرت اسود بن ہلال بخاری تابعی ہیں ۸۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

۳۔ حضرت ہمام ابن عمارؓ تابعی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث بھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مطابق منی کے ناپاک ہونے کو وضاحت کے ساتھ ثابت کر رہی ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا حضرت امام اعظمؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ ترمذی کو دھونا چاہئے اور گاڑھی منی کو جو کپڑے کے اندر سرایت نہ کرے خشک ہونے کے بعد کھرچ کر اور رگڑ کر صاف کر دینا چاہئے۔

(۷) وَعَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِخْصَنٍ أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنِ لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْلَسَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جُحْرِهِ فَقَالَ عَلَى ثَوْبِهِ فَلَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلَهُ۔ (بخاری)

”اور حضرت ام قیسؓ بنت مخصنؓ سے روایت ہے کہ ”وہ اپنے چھوٹے لڑکے کو جو ابھی کھانا نہ کھاتا تھا سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں لائیں آنحضرت ﷺ نے اس بچہ کو اپنی گود میں بٹھالیا اس نے آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا آنحضرت ﷺ نے پانی منگایا اور کپڑے پر بہادیا اور خوب مل کر نہیں دھویا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر شیرِ ثور یا بچہ جو اناج نہ کھاتا ہو کسی کپڑے وغیرہ پر پیشاب کر دے تو اسے دھونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس پر پانی چھڑک دینا کافی ہو جائے گا چنانچہ یہ حدیث بھی بظاہر حضرت امام شافعیؒ ہی کے مسلک کی تائید کر رہی ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ بچہ کے پیشاب کو بھی ہر حال میں دھونا ضروری ہے۔ اس حدیث میں ”نضح“ جو لفظ آیا ہے اور جس کے معنی چھڑکنا ہیں اس کے معنی یہ دونوں حضرات ”دھونا“ ہی کہتے ہیں۔ پھر حدیث کے آخری الفاظ ”لا یغسلہ“ (یعنی آپ ﷺ نے پیشاب کو دھویا نہیں) کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خوب مل کر نہیں دھویا بلکہ بچہ کے پیشاب کے پیش نظر معمولی طور پر اس پر پانی بہا کر دھو ڈالنا ہی کافی سمجھایا۔ دونوں حضرات اس حدیث کی یہ مذکورہ تاویل اس لئے کرتے ہیں کہ دوسری احادیث مثلاً اَسْتَنْزَهُ مِنْ الْبَوْلِ (یعنی پیشاب سے پاکی حاصل کرو) سے یہ بات بصراحت ثابت ہوتی ہے کہ ہر ایک کے پیشاب کو دھونا چاہئے حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ”نضح“ سے مراد بغیر ملے اور نچوڑے پانی کا بہانا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بچوں کو دعا و برکت حاصل کرنے کے لئے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے پاس لے جانا مستحب ہے، نیز بچوں کے ساتھ تواضع و نرمی اور محبت و شفقت کا معاملہ کرنا بھی مستحب ہے۔

(۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا ذُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ ظَهَرَ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جب چمڑا دباغت دے دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: چمڑے کو ناپاکی وغیرہ سے پاک کرنے کو دباغت کہتے ہیں۔ چمڑے کو دباغت کئی طرح دی جاتی ہے یا تو چمڑے کو چھالوں وغیرہ میں ڈال کر پکایا جاتا ہے یا دھوپ میں رکھ کر اسے خشک کر لیا جاتا ہے اور اگر چمڑا بغیر دھوپ کے خشک کیا جائے تو اس کو دباغت نہیں کہیں گے بہر حال دباغت کے ذریعہ چمڑا چاروں ائمہ کے نزدیک پاک کیا جاسکتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک تو سور اور آدمی کے چمڑے کے علاوہ ہر طرح کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک کئے کا چمڑا بھی پاک نہیں ہوتا حالانکہ حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرح کا چمڑہ دباغت سے پاک ہو جاتا ہے البتہ آدمی اور سور کا چمڑا مستثنیٰ ہے کیونکہ آدمی کا چمڑا تو انسان کی عظمت و بزرگی کے پیش نظر پاک نہیں ہوتا اور سور کا چمڑا اس لئے پاک نہیں ہوتا کہ وہ نجس عین ہے۔

۱۔ حضرت ام قیسؓ بنت مخصنؓ کی لڑکی اور عکاشہ کی بہن ہیں ابتداء ہی میں مکہ میں اسلام کی دولت سے مشرف ہو گئی تھیں۔

⑨ وَعَنْهُ قَالَ تَصَدَّقْ عَلَى مَوْلَاةٍ لِمَيْمُونَةَ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَّا أَخَذْتُمْ إِهَابَهَا قَدْ بَغْتُمُوهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهِ قَالُوا إِنَّهَا مَيْمُونَةُ فَقَالَ إِنَّمَا حَرَّمَ أَكْلَهَا - (متفق علیہ)

”اور حضرت بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت مایمونہؓ کی ایک آزاد کردہ باندی کو ایک بکری صدقہ میں دی گئی (اتفاق سے) وہ بکری مر گئی، آنحضرت ﷺ کا اس پر گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم نے اس کا چمڑا نکال کیوں نہ لیا؟ اس چمڑے کو دباغت دے کر اس سے نفع اٹھا لیتے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ تو مردار ہے آپ ﷺ نے فرمایا؟ صرف اس کا کھانا حرام ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار (یعنی جانور بغیر ذبح کئے ہوئے مرجائے اور اس کا کھانا حرام ہو تو جو اجزاء ذبح کرنے کی صورت میں کھائے جاتے ہیں مثلاً گوشت وغیرہ وہ تو مرنے کے بعد حرام ہو جاتے ہیں لیکن ان کے علاوہ دوسری چیزوں مثلاً دباغت دیئے ہوئے چمڑے دانت، بال اور سینک وغیرہ سے فائدہ اٹھانا یعنی ان کی خرید و فروخت کرنا اور ان کو دوسری ضرورتوں میں استعمال کرنا جائز ہے۔

⑩ وَعَنْ سَوْدَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَاتَتْ لَنَا شَاةٌ فَدَبَغْنَا مُسْكِهَاتِمْ مَا زِلْنَا نَبْذُ فِيهِ حَتَّى صَارَ شَتًّا - (رواہ البخاری)

”اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت سودہؓ فرماتی ہیں کہ ”ہماری ایک بکری مر گئی تھی ہم نے اس کی کھال نکال کر دباغت دے لی اور ہمیشہ اکی میں نیزہ (یعنی پانی اور کھجوروں کا شربت بناتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانی ٹھک ہو گئی۔“ (بخاری)

الْفَصْلُ الثَّانِي

⑪ عَنْ لُبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فِي حَضْرَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَالَ عَلَى نَوْبِهِ فَقُلْتُ الْبَسْ ثَوْبًاوَ اعْطِنِي إِذَا رَكَ حَتَّى أَعْسِلَهُ فَقَالَ إِنَّمَا يُغَسَّلُ مِنْ بَوْلِ الْأُنْثَى وَيَنْصَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ وَ إِنْ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ فِي رِوَايَةٍ لِابْنِ دَاوُدَ وَ التَّيْسَانِي عَنْ أَبِي السَّفْحِ قَالَ يُغَسَّلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَيُرْسُ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ -

”حضرت لبابہ بنت حارثؓ فرماتی ہیں کہ حضرت حسین ابن علیؓ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی گود میں بیٹھ کر آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا میں نے عرض کیا کہ ”آپ ﷺ (دوسرا) کپڑا پہن کر یہ تہ بند مجھے دے دیجئے تاکہ میں اسے دھو ڈالوں آپ نے فرمایا ”لڑکی کا پیشاب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی کا چھنڈا دینا کافی ہے“ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور ابوداؤد و نسائی کی ایک روایت میں ابوسعہ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ لڑکی کا پیشاب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی کا چھنڈا دیا جاتا ہے۔“

تشریح: حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ”چھنڈا دینے“ سے مراد تڑپا دینا یعنی پیشاب کی جگہ پر بغیر طے اور نچوڑے ہوئے پانی کا بہا دینا ہے اور ”دھونے“ سے مراد مبالغہ کے ساتھ دھونا ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک لڑکا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اس نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس پر پانی کا تڑپا دو“ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ لڑکے کے پیشاب کو بھی دھونے کا حکم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ لڑکے کے پیشاب پر صرف پانی کا تڑپا دینا ہی کافی ہے یعنی اس کو طے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ لڑکوں کا پیشاب سوراخ کی تنگی کی بناء پر زیادہ نہیں پھیلتا اور لڑکیوں کا پیشاب سوراخ کی فراخی کی وجہ سے

۱۔ امام المؤمنین حضرت سودا رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ کی بیٹی ہیں ابتداء اسلام سے شرف بھی انتقال ۵۴ھ مدینہ میں ہوا۔

۲۔ آپ کا نام لبابہ ہے اور حارث کی بیٹی ہیں کنیت ام فضل ہے حضرت عباس بن عبد المطلب کی بیوی اور ام المؤمنین حضرت مایمونہؓ کی بہن ہیں۔

زیادہ پھیلتا ہے اس لئے لڑکیوں کے پیشاب کو خوب اچھی طرح دھونا چاہئے۔

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذَى فَإِنَّ الشَّرَابَ لَهُ طَهُورٌ - (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ مَعْنَاهُ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی اپنے جوتوں کے ساتھ گندگی پر چلے تو مٹی اس کو پاک کر دینے والی ہے۔“ (ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے)

تشریح: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص جوتے پہنے ہوئے راستہ پر چل رہا ہے، اتفاق سے کسی جگہ گندگی پڑی ہوئی تھی وہ اس کے جوتوں پر لگ گئی۔ اب پھر وہ جب پاک صاف زمین پر چلے گا تو زمین کی مٹی سے رگڑ کھانے کی وجہ سے اس کا جوتا پاک ہو جائے گا اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ایک شاگرد حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں گندگی سے مراد جو جسم والی اور خشک ہو یعنی اگر کسی راہ چلتے کے جوتے یا موزے میں ایسی گندگی لگ جائے جو جسم والی ہو اور خشک ہو تو پاک زمین پر رگڑ دینے سے وہ جوتا یا موزہ پاک ہو جائے گا اور اگر گندگی خشک نہ ہو تو پھر رگڑنے سے گندگی زائل نہیں ہوگی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ایک دوسرے شاگرد رشید حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث کی مراد عام ہے یعنی گندگی خواہ خشک ہو یا تر زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جائے گی مگر حضرت امام شافعیؒ کا یہ پہلا قول ہے ان کا جدید مسلک یہ ہے کہ اس گندگی کو ہر حال میں پانی سے دھونا چاہئے زمین پر رگڑنے سے پاک نہیں ہوگی۔

فقہ حنفی میں فتویٰ حضرت امام ابو یوسفؒ ہی کے قول پر ہے جو کہ جوتے یا موزے پر اگر تندر نجاست لگ جائے خواہ وہ خشک ہو یا تر ہو تو زمین پر خوب اچھی طرح رگڑ دینے سے موزہ یا جوتا پاک ہو جائے گا۔

یہ سمجھ لیجئے کہ اس مسئلہ میں علماء کا یہ اختلاف تندر نجاست جیسے گورو وغیرہ ہی کے بارے میں ہے کیونکہ غیر تندر نجاست مثلاً پیشاب و شراب کے بارے میں سب کا اتفاق طور پر یہ مسلک ہے کہ اسے دھونا ہی واجب ہے۔

(۱۳) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَهَا امْرَأَةٌ اَتَتْ اَطِيْلَ ذَيْلِيْ وَامْسَيْتِيْ فِي الْمَكَانِ الْقَدِرِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطْهُرُهُ مَا بَعْدَهُ - (رَوَاهُ مَالِكٌ وَ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ الدَّارِمِيُّ وَقَالَا الْمَرْأَةُ أُمُّ وَلَدٍ لِّابْنِ أَبِي هَانِئٍ بَنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ)

”اور حضرت ام سلمہؓ راوی ہیں کہ ان سے ایک عورت نے کہا کہ میرا دامن لبا ہے اور میں ناپاک جگہ میں چلتی ہوں (یہ خیال ہے کہ دامن کو ناپاکی لگ جاتی ہے) حضرت ام سلمہؓ نے کہا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے (اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں) فرمایا تھا کہ ”اس کو وہ چیز پاک کرتی ہے جو اس کے بعد ہے (یعنی پاک زمین یا ٹھکانہ)۔“ (احمد، مالک، ترمذی، ابوداؤد، دارمی) اور ابوداؤد اور دارمی نے کہا ہے کہ (سوال کرنے والی) عورت ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف کی ام ولد تھی (جس کا نام حمیدہ تھا)

تشریح: سوال کرنے والی کا مطلب یہ تھا کہ میرا دامن بہت لبا ہے جب میں چلتی ہوں تو وہ زمین پر لگتا ہوا چلتا ہے اور جب میں ناپاک جگہ سے گزرتی ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ شاید دامن میں نجاست و گندگی لگ گئی ہوگی اس لئے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں حضرت ام سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ناپاک جگہ سے گزرتے ہوئے جب دامن میں نجاست لگ جاتی ہے تو بعد میں پاک صاف جگہ چلنے سے وہ نجاست زمین میں لگ کر جھڑ جاتی ہے اور کپڑا پاک ہو جاتا ہے لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ حکم خشک نجاست کے بارے میں ہے کہ اگر خشک نجاست کپڑے کو لگ جائے تو پھر پاک و صاف زمین پر چلنے سے وہ زمین میں لگ کر جھڑ جاتی ہے جس سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔

اس حکم کو خشک نجاست کے بارے میں خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ اگر کپڑا ناپاک ہو جائے تو وہ بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتا، بخلاف جوتے کے (تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ جوتا اگر نجاست کے لگ جانے سے ناپاک ہو جائے تو اس کو پاک و صاف زمین پر رگڑ کر پاک کیا جاسکتا ہے خواہ وہ نجاست تر ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ ابھی اس سے پہلے حدیث کی تشریح میں حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا مسلک بیان کیا جا چکا ہے (واللہ اعلم)

(۱۴) وَعَنِ الْمُقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرَبٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ جُلُودِ السِّبَاعِ وَالزُّكُوبِ عَلَيْهِمَا - (رواہ ابوداؤد و النسائی)

”اور حضرت مقدم بن معدیکربؒ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے درندوں کی کھالوں کے پہننے اور ان پر سوار ہونے سے منع فرمایا ہے۔“ (ابوداؤد و نسائی)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ درندوں مثلاً شیر اور چیتے وغیرہ کی کھال کا لباس بنا کر انہیں پہنانا جائے، اسی طرح ان پر سوار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ درندوں کی کھال کو بچھا کر اس پر بیٹھنا یا گھوڑے کی زین پر ڈال کر اس پر سوار ہونا مناسب نہیں ہے اس طرح ان کے استعمال سے منع اس لئے فرمایا گیا ہے کہ یہ متکبر لوگوں اور خالص دنیا داروں کی عادت ہے لہذا نیک لوگوں کو ان سے اجتناب کرنا چاہئے اس شکل میں کہا جائے گا کہ یہ بھی تنزیہی ہے لیکن جن حضرات کے ہاں مردار کے بال نجس ہوتے ہیں اور وہ دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتے ان کے نزدیک یہ بھی تحریمی ہے۔

(۱۵) وَعَنْ أَبِي الْمَلِیحِ بْنِ أَسَمَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ جُلُودِ السِّبَاعِ - (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ ابُودَاؤُدُ وَ النَّسَائِيُّ وَ زَادَ التِّرْمِذِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ أَنْ تَفْتَرَشَ)

”اور حضرت ابوالملیح بن اسامہؒ اپنے والدِ مکرم سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے درندوں کی کھال کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (احمد ابوداؤد، نسائی اور امام ترمذیؒ نے اس روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ ”آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ درندوں کی کھالوں کا فرش بنایا جائے“)

(۱۶) وَعَنْ أَبِي الْمَلِیحِ أَنَّهُ كَرِهَ ثَمَنَ جُلُودِ السِّبَاعِ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابوالملیح کے بارے میں منقول ہے کہ ”وہ درندوں کی کھالوں کی قیمت کو (بھی) مکروہ سمجھتے تھے۔“ (ترمذی)

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ درندوں کی کھال کو خریدنا اور بیچنا بھی مناسب نہیں ہے چنانچہ ابن مالکؒ کا یہی قول ہے اور یہ مسلک ابوالملیح کا بھی ہے فتاویٰ قاضی خانؒ میں لکھا ہوا ہے کہ درندوں کے چمڑے کو دباغت دیے جانے سے پہلے بیچنا باطل ہے مشکوٰۃ کے اصل نسخے میں لفظ رَوَاهُ کے بعد جگہ خالی تھی عبارت مذکورہ میں بڑھائی گئی ہے۔

(۱۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ قَالَ آتَانَا كِتَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِأَهَابٍ وَلَا عَصَبٍ - (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت عبد اللہ بن عکیمؒ راوی ہیں کہ ہمارے قبیلہ جہینہ کے پاس سرکارِ دو عالم ﷺ کا (جو) مکتوب گرامی آیا (اس میں یہ لکھا تھا) کہ تم مردار کے چمڑے اور اس کے پٹھے سے نفع نہ اٹھاؤ۔“ (الترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حکم کا تعلق اس چمڑے اور پٹھے سے ہے جو دباغت نہ دیا گیا ہے یعنی دباغت سے پہلے چمڑے اور پٹھے کو استعمال میں لانا جائز ہے حضرت عبد اللہ بن عکیمؒ جنہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو پایا ہے لیکن یہ تحقیق سے ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا یا نہیں۔

نہیں ہے بلکہ چڑے اور بچے کو دباغت دینے کے بعد استعمال کرنا اور ان سے منفعت حاصل کرنا جائز ہے۔ اکثر احادیث سے یہی ثابت ہے اور اکثر علماء کا مسلک بھی یہی ہے۔

(۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أَنْ يُسْتَمْتَعَ بِجُلُودِ الْمَيْتَةِ إِذَا دُبِغَتْ۔ (رواہ مالک و ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مردار کے چڑے سے دباغت کے بعد فائدہ اٹھایا جائے۔“

(مالک ابوداؤد)

تشریح: اس سے پہلے اسی باب کی حدیث نمبر ۱۷ کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے کہ دباغت کے بعد مردار کے چڑے سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے یعنی اس کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی کی جاسکتی ہے البتہ اس مسئلہ میں امام مالکؒ کی دو روایتیں ہیں مگر ان کا ظاہری قول یہ ہے کہ مردار کا چڑا دباغت کے بعد پاک ہو تو جاتا ہے لیکن اسے خشک چیز میں اور پانی میں رکھنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے پانی کے علاوہ دوسری تیلی اور سیال چیزوں کے لئے اسے استعمال نہ کیا جائے۔

(۱۹) وَعَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ يَجْزُونَ شَاةَ لَهُمْ مِثْلَ الْحِمَارِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَخَذْتُمْ إِيَّاهَا قَالُوا إِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطَهَّرُهَا الْمَاءُ وَالْقُرْطُ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت میمونہؓ راوی ہیں کہ قریش کے چند آدمی اپنی ایک مری ہوئی بکری کو گدھے کی طرح کھینچتے ہوئے سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس سے گزرے، آپ ﷺ نے (یہ دیکھ کر) ان سے فرمایا کہ ”اے کاش تم اس کے چڑے کو نکال لیتے!“ (تو یہ کام آجاتا) انہوں نے عرض کیا کہ ”یہ تو مردار ہے (یعنی ذبح کی ہوئی نہیں ہے) آپ ﷺ نے فرمایا اے کیکر کے پتے اور پانی پاک کر دیتے ہیں (یعنی ان دونوں چیزوں کے ذریعہ دباغت سے چڑا پاک ہو جاتا ہے۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: دباغت دینے کے کئی طریقے ہیں لیکن کیکر کے پتوں اور پانی سے دباغت کے بعد چڑا خوب اچھی طرح پاک ہو جاتا ہے اس لیے آپ ﷺ نے بطور خاص ان دو چیزوں کا ذکر فرمایا۔ لہذا معلوم ہوا کہ چڑے کی دباغت و طہارت ان ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ دوسرے طریقوں مثلاً دھوپ وغیرہ سے دباغت و طہارت ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ کہا جائے گا کہ اس حدیث کے پیش نظر کیکر کے پتوں اور پانی سے چڑے کو دباغت دینا مستحب ہے۔

(۲۰) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ عَلَى أَهْلِ يَنْبُعٍ فَإِذَا قُرْبَةُ مُعَلَّقَةٍ فَسَأَلَ الْمَاءَ فَقَالُوا لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ دَبَّاهُ طَهُورُهَا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت سلمہ بن محبّقؓ راوی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ تبوک کی جنگ کے موقع پر ایک شخص کے گھر تشریف لائے تو اچانک آپ ﷺ کی نظر ایک لٹکی ہوئی مشک پر پڑی آپ ﷺ نے پانی مانگا تو لوگوں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! یہ تو (دباغت دی ہوئی) مردار کی کھال ہے“ آپ ﷺ نے فرمایا ”دباغت نے اسے پاک کر دیا ہے۔“ (احمد، ابوداؤد)

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۲۱) عَنْ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لَنَا طَرِيقًا إِلَى الْمَسْجِدِ مُنْتَهَى فَكَيْفَ نَفْعَلُ إِذَا مَطَرْنَا قَالَتْ فَقَالَ أَلَيْسَ بَعْدَ هَاطِرٍ نَقِ؟ هِيَ أَظْيَبُ مِنْهَا قُلْتُ بَلَى قَالَ فَهَذِهِ بِهَذِهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”بنو عبد الأشہل کی ایک عورت کا بیان ہے کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مسجد میں آنے کا ہمارا جو راستہ ہے

وہ گندہ ہے جب بارش ہو جائے تو ہم کیا کریں؟ وہ کہتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”کیا اس راستہ کے بعد کوئی پاک صاف راستہ نہیں؟“ میں نے عرض کیا ”جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ پاک راستہ اس ناپاک راستہ کے بدلے میں ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اسی باب کی حدیث نمبر ۱۳ میں اس مسئلہ کی وضاحت کی جا چکی ہے، یہاں بھی اس ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ گندے اور ناپاک راستہ سے جو گندگی لگتی ہے وہ پاک و صاف راستہ میں چلنے کے بعد زمین کی رگڑ سے صاف و پاک ہو جاتی ہے، نیز یہاں بھی یہ ملحوظ رہے کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق تن و در نجاست سے ہے کہ اگر گوبر وغیرہ قسم کی کوئی نجاست جوتے اور موزوں پر لگ جائے تو وہ اس طریقہ سے صاف ہو جاتی ہے کیونکہ اگر پیشاب وغیرہ قسم کی نجاست جوتے موزے پکڑے یا بدن کے کسی حصہ پر لگے تو اس کو ہر حال میں دھو کر ہی پاک کیا جائے گا اسی طرح موزے اور جوتے کے علاوہ اگر کپڑے پر تن و در نجاست لگے گی تو بغیر دھوئے کپڑا پاک نہیں ہوگا۔

(۲۱) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا نَصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَتَوَضَّأُ مِنَ الْمَوْطِیِّ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور زمین پر چلنے (کی وجہ سے وضو نہ کرتے تھے۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہم نماز پڑھنے کے لئے مکان سے وضو کر کے چلتے تھے اور مسجد آتے ہوئے ننگے پاؤں چلنے کی وجہ سے پیروں پر یا جوتے اور موزوں پر جو نجاست و گندگی لگ جایا کرتی تھی اسے دھویا کرتے تھے۔

اس ارشاد کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ اس کا تعلق خشک نجاست سے ہے، کہ اگر خشک گندگی مثلاً سوکھا گوبر وغیرہ پیروں پر جوتے و موزے پر لگ جاتا تو اس کو دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی کیونکہ صاف زمین پر چلنے کی وجہ سے وہ پاک ہو جایا کرتا تھا اس سے عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ مراد ہے کہ راستہ چلتے وقت جو گرد و غبار پیروں کو لگ جایا کرتا تھا اسے دھوتے تھے۔

ترنجاست مثلاً پیشاب وغیرہ کے بارے میں یہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ اگر اس قسم کی کوئی نجاست و گندگی پیروں وغیرہ پر لگ جائے تو تمام علماء کے نزدیک یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اسے دھویا جائے۔

(۲۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ الْكِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُونُوا يَتَوَضَّأُونَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم کے زمانہ میں مسجد میں کتے آتے تھے اور صحابہ ان کے آنے جانے کی وجہ سے کچھ بھی نہ دھوتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: شروع زمانہ اسلام میں دروازے نہیں ہوتے تھے جس کی وجہ سے مسجد کے اندر کتوں کی آمد و رفت رہتی تھی اور چونکہ ان کے پاؤں خشک ہوتے تھے اس لئے کسی چیز کو دھونے کی ضرورت نہ ہوتی تھی جب مسجد میں دروازے لگنے لگے تو اس کی احتیاط ہونے لگی۔

(۲۳) وَعَنِ النَّبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَأْسَ بِبَنَاتِ بَنُو كُلِّ لَحْمَةٍ وَفِي رِوَايَةٍ جَابِرٍ قَالَ مَا أَكِلَ لَحْمَةٍ فَلَا بَأْسَ بِبَنُوهِ۔ (رواہ احمد والدارقطنی)

”اور حضرت نبراءؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ فرماتے تھے کہ ”جس چیز کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں۔“ اور حضرت جابرؓ کی روایت اس طرح ہے کہ ”جس جانور کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں ہے۔“ (احمد، دارقطنی)

تشریح: اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ، حضرت امام محمدؒ اور بعض شوافع حضرات نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جن جانوروں کے گوشت کھائے جاتے ہیں ان کا پیشاب پاک ہے لیکن حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ حضرت امام

ابو یوسفؒ اور تمام علماء کے نزدیک وہ نجس ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مقابلہ میں ایک حدیث عام وارد ہے کہ **اِسْتَنْزِھُوا مِنَ النَّجْوٰی فَاِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْہُ** یعنی پیشاب سے پاکی حاصل کرو اس لئے کہ عذاب قبر اکثر اسی سے ہوتا ہے (لہذا اس حدیث کی عمومیت کے پیش نظر ناپاک و نجس ثابت ہوا اس لئے اس احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جن جانوروں کے گوشت کھائے جاتے ہیں ان کے پیشاب کو بھی ناپاک کہا جائے۔

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ موزوں پر مسح کرنے کا بیان

موزوں پر مسح کرنے کا جواز سنت اور آثار مشہورہ سے ثابت ہے بلکہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے کہ موزہ پر مسح کرنے کے بارے میں منقول حدیث متواتر ہے اور بعض محدثین نے اس حدیث کے راوی صحابہ کی تعداد بھی نقل کی ہے چنانچہ اسی سے زیادہ صحابہ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

علامہ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ علمائے سلف میں سے کسی نے اس سے انکار کیا ہو اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سترہ صحابہ کو اس مسئلہ پر اعتقاد رکھتے ہوئے پایا ہے حضرت امام کرخیؒ کا قول ہے کہ جو شخص موزوں پر مسح کرنے کو قبول نہ کرے یعنی اسے جائز نہ سمجھے مجھے اس کے کافر ہو جانے کا خوف ہے کیونکہ اس کے جواز میں جو حدیثیں منقول ہیں وہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”میں موزوں پر مسح کرنے کا قائل اس وقت تک نہیں ہوا جب تک کہ اس کے جواز پر مشتمل احادیث آفتاب کی روشنی کی طرح مجھے نہ پہنچ گئیں۔“ ان اقوال اور ارشادات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، اس کے جواز میں کوئی شبہ کوئی شک اور کوئی کلام نہیں ہے۔

اب اس کے بعد یہ سمجھ لیجئے کہ موزوں پر مسح کرنا رخصتؒ یعنی آسانی ہے اور پیروں کو دھونا عزیمتؒ یعنی اولیٰ ہے ہدایہ میں لکھا ہے کہ جو شخص موزوں پر مسح کرنے پر اعتقاد نہ رکھے وہ بدعتی ہے لیکن جو شخص اس مسئلہ پر اعتقاد تو رکھتا ہے مگر عزیمتؒ یعنی اولیٰ پر عمل کرنے کی وجہ سے موزوں پر مسح نہیں کرتا تو اسے ثواب سے نوازا جاتا ہے۔

مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ علماء کے یہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا موزوں پر مسح کرنا افضل ہے یا اسے اتار کر پیروں کو دھونا افضل ہے؟ چنانچہ بعض حضرات کی رائے تو یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنا ہی افضل ہے کیونکہ اس سے اہل بدعت یعنی ردافض و خوارج کا رد ہوتا ہے جو اس مسئلہ میں طعن و تشنیع کرتے ہیں، حضرت امام احمدؒ کا مختار مسئلہ یہی ہے اور امام نوویؒ نے کہا ہے کہ ہمارے علماء یعنی حضرات شوافع کا مسلک یہ ہے کہ پیروں کو دھونا افضل ہے کیونکہ اصل یہی ہے لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کو بالکل ترک نہ کیا جائے۔

لہ شریعت اسلامی کے مسائل و جزئیات پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لیے کتنی آسانیاں اور سہولتیں پیدا کی ہیں یہ حقیقت ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی یہ بے پناہ شفقت و محبت ہی ہے جس نے عالمگیر اور سب سے بڑے مذہب کو انسان کی عین فطرت و مزاج بنا دیا ہے قدم قدم پر ایسے مسائل سے واسطہ پڑتا رہتا ہے جس میں اسلام اور شارع اسلام نے امت کو بہت زیادہ آسانیاں دی ہیں جن کے بغیر یقیناً مسلمان مشکلات اور تکالیف میں مبتلا ہو جاتے کیونکہ سخت موقعوں پر مثلاً سردی کے موسم میں وضو کرنے کے وقت سب سے زیادہ تکلیف پیروں کو دھونے ہی میں ہوتی ہے لیکن شریعت نے اس سختی اور تکلیف کے پیش نظر موزوں پر مسح کو جائز قرار دے کر امت پر ایک عظیم احسان کیا ہے۔

صاحب سفر السعادة فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو دونوں میں کوئی تکلف نہیں تھا، یعنی اگر آپ ﷺ موزہ پہنے ہوتے تھے تو پاؤں دھونے کے لئے انھیں اتارتے نہیں تھے اور اگر موزہ پہنے ہوئے نہیں ہوتے تھے تو مسح کرنے کے لئے انھیں پہنتے نہ تھے، اس بارے میں علماء کے یہاں اختلاف ہے مگر بہتر اور صحیح طریقہ یہی ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اس مسئلہ میں سنت کے موافق ہی عمل کرے یعنی سرکارِ دو عالم ﷺ کا جو تعامل ذکر کیا گیا ہے اسی طرح تمام مسلمان بے تکلفی کے ساتھ اس پر عمل کریں۔

الفصل الأول

① عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمَسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ۔ (رواه مسلم)

”حضرت شریح بن ہانیؓ راوی ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن اور تین رات اور مقيم کے لئے ایک دن ایک رات کی مدت مقرر فرمائی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مسافر کے لئے موزوں پر مسح کرنے کی مدت تین دن تین رات ہے یعنی وہ تین دن اور تین رات تک وضو کے وقت اپنے موزوں پر مسح کر سکتا ہے اور مقيم کے لئے مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے یعنی وہ ایک دن اور ایک رات تک وضو کے وقت اپنے موزوں پر مسح کر سکتا ہے اس مدت کی ابتداء جمہور علماء کے نزدیک اس وقت ہوگی جب کے وضو ٹوٹ جائے مثلاً ایک مقيم شخص نے دوپہر کو وضو کرنے کے بعد موزہ پہنا اور شام کو اس کا وضو ٹوٹ گیا تو مسح کی مدت کی ابتداء شام ہی سے ہوگی یعنی وہ اگلے دن شام تک اپنے موزوں پر مسح کر سکتا ہے۔

② وَعَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ غَرِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُرُوزَ تَبُوكَ قَالَ الْمُغِيرَةُ فَتَبَرَّزَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الْغَائِطِ فَحَمَلَتْ مَعَهُ إِدَاوَةً قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَمَّا رَجَعَ أَخَذَتْ أَهْرَبُ عَلَى يَدَيْهِ مِنَ الْإِدَاوَةِ فَمَسَحَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنَ الْإِدَاوَةِ فَمَسَحَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنَ الْإِدَاوَةِ فَخَرَجَ يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ وَالْقَى الْجُبَّةَ عَلَى مَنْكِبَيْهِ وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ مَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ ثُمَّ أَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعُهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا ظَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبْتُ فَأَنْتَهَيْتُنَا إِلَى الْقَوْمِ وَقَدْ قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ وَيُصَلِّي بِهَمْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَقَدْ رَكِعَ بِهِمْ رُكْعَةً فَلَمَّا أَحَسَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ فَأَذَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْدَى الرُّكْعَتَيْنِ مَعَهُ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْتُ مَعَهُ فَرُكْعَتَا الرُّكْعَةِ النَّبِيُّ سَبَقْتُنَا۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ غزوہ تبوک میں شرکت کی چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ (اسی دوران ایک روز) فجر سے پہلے سرکارِ دو عالم ﷺ پاخانہ کے لئے باہر تشریف لے گئے میں بھی پانی کی چھال لے کر آپ ﷺ کے ہمراہ ہو لیا جب آپ ﷺ (پاخانہ سے) واپس تشریف لائے (اور وضو کرنے کے لئے بیٹھے) تو میں نے آپ ﷺ کے ہاتھوں پر پانی ڈالنا شروع کیا چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور منہ دھویا آپ ﷺ ایک ادنیٰ جبہ پہنے ہوئے تھے اس کی آستینیں چڑھانی چاہیں لیکن آستینیں تنگ تھیں (اس لئے چڑھ نہ سکیں) آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جبہ کے اندر سے نکال کر جبہ کو مونڈھوں پر ڈالیا اور دو کہنیوں تک دھو کر چوتھائی سرکا اور پگڑی کا مسح کیا پھر (جب) میں نے آپ ﷺ کے موزے اتارنے کا ارادہ کیا تاکہ آپ ﷺ پیروں دھو لیں (تو) آپ ﷺ نے فرمایا کہ انھیں چھوڑ دو کیونکہ میں نے (پاؤں کی) پاکی کی حالت میں انھیں پہنا تھا (یعنی وضو کرنے کے بعد پہنا تھا) اور آپ ﷺ نے دونوں موزوں پر مسح کیا، پھر آپ ﷺ اور میں دونوں سوار ہو کر واپس لوگوں کے پاس آئے (تو) فجر کی

نماز کے لئے جماعت کھڑی ہو گئی تھی اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نماز پڑھا رہے تھے اور ایک رکعت پڑھا بھی چکے تھے جب انھیں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کا احساس ہوا تو وہ پیچھے ہٹنے لگے (تاکہ آنحضرت ﷺ امامت کریں) مگر آنحضرت ﷺ نے انھیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور نماز پڑھانے جاؤ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک رکعت نماز ان کے ساتھ ہی پڑھی (یعنی آپ ﷺ نے دوسری رکعت حضرت عبدالرحمن کی اقتداء میں ادا کی) جب انہوں نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور جو (پہلی) رکعت رہ گئی تھی ہم نے اسے پڑھ لیا۔ (مسلم)

تشریح: راوی نے آنحضرت ﷺ کے وضو کا ذکر کیا ہے مگر کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کا ذکر نہیں کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو راوی کے پیش نظر اختصار تھا اس لئے انھوں نے ان دونوں چیزوں کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھایا یہ کہ راوی اس کے ذکر کرنے کو بھول گئے ہوں گے، یا پھر اس لئے ذکر نہیں کیا کہ یہ دونوں چیزیں بھی منہ کی حد میں آ جاتی ہیں اس لئے صرف منہ دھونے کا ذکر کافی سمجھا۔
پگڑی پر مسح کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے چوتھائی سر پر مسح کرنے کے بعد تمام سر پر مسح کرنے کے بجائے پگڑی پر مسح کر لیا تاکہ تمام سر پر مسح کرنے کی سنت ادا ہو جائے اس کی وضاحت باب الوضو میں بھی کی جا چکی ہے (دیکھئے باب سنن الوضو کی حدیث نمبر ۸)۔
بہر حال اس حدیث سے چھ چیزیں ثابت ہوتی ہیں:

① آنحضرت ﷺ فجر سے پہلے قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے اس سے یہ ثابت ہوا کہ عبادت مثلاً نماز وغیرہ کا وقت شروع ہونے سے پہلے اس عبادت کے لئے تیاری کرنا مستحب ہے۔

② حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے وضو کے وقت آپ ﷺ کے اعضاء وضو پر پانی ڈالا اس سے معلوم ہوا کہ اگر دوسرا شخص وضو کرائے تو جائز ہے۔

③ جب آپ ﷺ قضائے حاجت اور وضو سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب انہوں نے بقضائے ادب پیچھے ہٹنا چاہا تاکہ آنحضرت امامت فرمائیں تو آنحضرت ﷺ نے انہیں روک دیا اور خود بھی آخری رکعت انہیں کی اقتداء میں پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ ایک افضل شخص نماز میں اگر اپنے سے کم درجہ شخص کی اقتداء کرے تو یہ جائز ہے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کے لئے امام کا معصوم (بے گناہ) ہونا شرط نہیں ہے۔ اس سے اس فرقہ امامیہ کا رد ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام کا معصوم ہونا شرط ہے۔

④ حدیث کے آخری الفاظ سے یہ ثابت ہوا کہ جس شخص کی کوئی رکعت امام کے ساتھ چھوٹ جائے تو اس کی ادائیگی کے لئے اسے اس وقت اٹھنا چاہئے جب کہ امام سلام پھیر لے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو چھوٹی ہوئی رکعت کو ادا کرنے کے لئے امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اٹھنا جائز ہی نہیں اور علمائے حنفیہ کے نزدیک سلام پھیرنے سے پہلے اٹھنا مکروہ تحریمی ہے۔ مگر اس صورت میں جب کہ یہ خوف ہو کہ اگر امام کے سلام کا انتظار کیا جائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی تو پہلے بھی اٹھنا جائز ہے مثلاً فجر کی نماز میں امام ایک رکعت پہلے پڑھا چکا تھا ایک شخص دوسری رکعت میں آکر شامل ہوا اب اسے ایک رکعت بعد میں ادا کرنی ہے مگر صورت حال یہ ہے کہ اگر وہ امام کے سلام پھیرنے کی انتظار کرتا ہے تو اسے خوف ہے کہ سورج طلوع ہو جائے گا جس کے نتیجہ میں نماز فاسد ہو جائے گی لہذا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اٹھ جائے اور نماز پوری کر لے اس مسئلہ کی وضاحت فقہ کی کتابوں میں خوب اچھی طرح کی گئی ہے اس کی تفصیل وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

⑤ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت کے وقت اگر امام موجود نہ ہو اور اس کے آنے میں دیر ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کب آئے گا تو یہ مستحب ہے کہ امام کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ کوئی دوسرا شخص نماز پڑھانی شروع کر دے اور اگر امام کے آنے کا وقت معلوم ہو تو اس صورت میں اس کا انتظار کرنا مستحب ہے اور اگر امام کا مکان قریب مسجد ہو تو اسے جماعت کا وقت ہو جانے پر مطلع کرنا مستحب ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

③ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَخَّصَ لِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ وَلِلْمَقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً إِذَا تَطَهَّرَ فَلَيْسَ خُفْيَهُ أَنْ يَمْسَحَ عَلَيْهِمَا - (رَوَاهُ الْأَثَرُ فِي سُنَنِهِ وَابْنُ خُرَيْمَةَ وَالْدَّارُ قُطْنِيُّ وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ هُوَ صَحِيحٌ إِلَّا سَنَادَهُ هَكَذَا فِي الْمُتَنَقِّي)

”حضرت ابی بکرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت مسافر کو تین دن اور تین رات تک اور مقیم کو ایک دن اور ایک رات تک دی ہے جب کہ انھوں نے موزوں کو وضو کے بعد پہنا ہو۔“ (ابن خزيمة، دارقطنی) اور خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اسناد کی رو سے صحیح ہے اور متقی میں (بھی جو ابن تیمیہ ضحلی کی کتاب ہے) اسی طرح منقول ہے۔

④ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفَرًا أَنْ لَا نَتَنَزَّعَ خُفَّائِثًا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَلَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَتَوَلَّى وَتَوَلَّى - (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ)

”اور حضرت صفوان بن عسالؓ فرماتے ہیں کہ ”جب ہم سفر میں ہوتے تھے تو سرکارِ دو عالم ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ تین دن اور تین رات تک (وضو کرنے کے وقت پیروں کو) دھونے کے لئے) موزے نہ اتارے جائیں، نہ پاخانہ کی وجہ سے نہ نہ پیشاب کی وجہ سے نہ سونے کی وجہ سے البتہ جنابت کی وجہ سے (یعنی غسل واجب ہونے کی صورت میں نہانے کے لئے اتارے جائیں۔“ (ترمذی، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سوکر اٹھنے یا پیشاب و پاخانہ کے بعد وضو کرنے کی صورت میں اس مدت تک جو مسافر یا مقیم کے لئے ہے پیروں کو دھونے کے لئے موزوں کو اتارنا نہیں چاہئے بلکہ موزوں پر مسح کر لیا جائے اور جنابت کی حالت میں یعنی جب غسل واجب ہو جائے تو نہانے کے لئے موزے اتارنے ضروری ہیں کیونکہ اس حالت میں موزوں پر مسح درست نہیں ہے۔

⑤ وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ وَصَّاتُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ كَبْرُوكَ فَمَسَحَ أَعْلَى الْخُفِّ وَاسْفَلَهُ - (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا الْحَدِيثُ مَعْلُولٌ وَسَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ وَمُحَمَّدًا يَغْنَبِي الْبُخَارِيُّ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ لَيْسَ بِصَحِيحٍ وَكَذَا أَضَعَفَهُ أَبُو دَاوُدَ)

”اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ راوی ہیں کہ میں نے غزوہ تبوک میں سرکارِ دو عالم ﷺ کو وضو کرایا تھا اور آپ ﷺ نے موزوں کے نیچے اور اوپر مسح کر لیا۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ) اور حضرت امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ ”یہ حدیث معلوم ہے، نیز میں نے اس حدیث کے بارے میں ابوداؤد اور محمد یعنی امام بخاریؒ سے پوچھا تو دونوں نے کہا یہ حدیث صحیح نہیں ہے اسی طرح امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔“

تشریح: حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پشت قدم یعنی موزے کے اوپر مسح کرنا واجب ہے اور موزے کے نیچے یعنی تلوے پر مسح کرنا سنت ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ مسح فقط پشت قدم یعنی موزے کے اوپر کیا جائے یہ دونوں حضرات کہتے ہیں کہ یہ حدیث جس سے موزے کے دونوں طرف مسح کرنے کا اثبات ہو رہا ہے خود معیارِ صحت کو پہنچی ہوئی نہیں ہے کیونکہ علماء نے اس کی صحت میں کلام کیا ہے۔ نیز ایسی احادیث بہت زیادہ منقول ہیں جو اس حدیث کے بالکل برعکس ہیں اور جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسح فقط پشت پر کیا جائے لہذا عمل اس ہی حدیث پر کیا جائے گا۔ محدثین کی اصطلاح میں ”حدیث معلول“ اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں ایسا سبب پوشیدہ ہو جو اس بات کا متقاضی ہو کہ اس حدیث کے مطابق عمل نہ کیا جائے۔

اس حدیث کے ضعیف ہونے کی دو وجہ ہیں۔ اول تو یہ کہ حضرت مغیرہؓ تک اس حدیث کی سند کا پہنچنا ثابت نہیں ہے بلکہ اس کی

سند بولاد تک جو مغیرہ کے مولیٰ اور کاتب تھے پہنچتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کو ثور ابن یزید نے رجاء ابن حیوۃ سے روایت کیا ہے اور رجاء ابن حیوۃ نے حضرت مغیرہؓ کے کاتب سے روایت کیا ہے حالانکہ رجاء سے ثور کا سماع ثابت نہیں ہے پھر ایک سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس مضمون جو حدیث نمبر ۲ حضرت مغیرہؓ سے مختلف سندوں کے ساتھ منقول ہے اور جو معیار صحت کو پہنچی ہوئی ہے اس میں مطلقاً اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا تھا، اوپر نیچے مسح کرنے کی کوئی وضاحت منقول نہیں ہے پھر حضرت مغیرہؓ کی ایک اور روایت اس کے بعد آرہی ہے اس میں صراحت کے ساتھ یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے موزوں کے اوپر مسح کیا۔ لہذا معلوم یہ ہوا کہ اس حدیث میں اضطراب ہے اور یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے۔

⑥ وَعَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلَى ظَاهِرِهِمَا۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو موزوں کے اوپر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے“ (ترمذی و ابوداؤد)

تشریح: موزے پر مسح کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں پاؤں کے پنجے پر بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں کے پنجے پر رکھی جائیں پھر ان کو پھینچتے ہوئے ٹخنوں کے اوپر تک لایا جائے اس سلسلہ میں اس کا خیال رہے کہ انگلیاں کشادہ رکھی جائیں آپس میں ملی ہوئی نہ ہوں۔ موزوں پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ تو یہی ہے اور اگر کسی نے انگلی سے تین مرتبہ اس طرح مسح کیا کہ ہر مرتبہ تازہ پانی لیتا رہا اور ہر مرتبہ نئی جگہ پھیرتا رہا تو مسح جائز ہو گا ورنہ نہیں ان کے علاوہ بہت سے طریقے فقہ کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں تفصیل وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

⑦ وَعَنْهُ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الْجُوزَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے وضو کیا اور نعلین کے ساتھ جوڑین پر مسح کیا۔“

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: قاموس میں لکھا ہے کہ جوڑ ب لفافہ پیر کو کہتے ہیں جیسے ہمارے یہاں جراب یا موزہ کہلاتا ہے اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں اس کی تفصیل چلی میں بڑی وضاحت سے مذکور ہے یہاں اس کے بعض احکام و مسائل لکھے جاتے ہیں۔

حنفی مسلک میں جوڑین یعنی موزوں پر مسح اس وقت درست ہو گا جب کہ وہ جلد ہوں یعنی ان کے اوپر نیچے چمڑا لگا ہوا ہو، منعل ہوں یعنی فقط نیچے ہی چمڑا ہو اور مشخین ہوں۔ ثنخین اس موزے کو کہتے ہیں جس کو پہن کر ایک فرسخ چلا جاسکے اور وہ بغیر باندھے ہوئے پنڈلی پر رکھ کر ہے نیز اس کے اندر کا کوئی حصہ نہ دکھائی دے اور نہ اس کے اندر پانی چھن سکتا ہو چلی کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر جوڑین منعلین بغیر ثنخین ہوں گے تو اس پر مسح جائز نہیں ہو گا لہذا منعلین پر مسح اسی وقت درست ہو گا جب کہ ثنخین بھی ہوں۔

چونکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جوڑ پر مسح درست نہیں خواہ وہ منعل ہی کیوں نہ ہو اس لئے یہ حدیث حنفیہ کی جانب سے ان پر حجت ہے جس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جوڑ پر مسح فرمایا ہے نیز حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت انسؓ ابن مالک اور حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ ان حضرات نے اس پر مسح کیا ہے۔

آخر حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ”آپ نے نعلین کے ساتھ جوڑین پر مسح کیا“ تو یہاں نعلین کے مفہوم کے تعین میں دو احتمال ہیں اول تو یہ کہ اس سے جوتے مراد ہیں یعنی آپ ﷺ نے جوڑین پر جوتوں کے ساتھ مسح کیا چونکہ عرب میں اس وقت ایسے جوتے استعمال ہوتے تھے جو بالکل چپل کی طرح ہوتے تھے اور ان پر اس طرح تمہ لگا رہا تھا کہ انہیں پہننے کے بعد پیر کے اوپر کا حصہ کھلا رہتا تھا جس کی وجہ سے موزوں پر مسح کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ یا پھر اس سے یہ مراد ہے کہ آپ ﷺ نے ان جوڑین پر مسح کیا جن

سے فرخ تقریباً پونے چار میل کے فاصلہ کو کہتے ہیں۔

کے نیچے چڑا لگا ہوتا تھا۔

الفصل الثالث

⑧ عَنْ الْمُعِيزَةِ قَالَتْ مَسَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ نَسِيتَ قَالَ بَلْ أَنْتَ نَسِيتَ بِهِذَا أَمَرَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد)

”حضرت معیہ ابن شعبہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے موزوں پر مسح کیا (یہ دیکھ کر) میں نے عرض کیا ”آپ ﷺ بھول گئے ہیں (یعنی موزے اتار کر پیر نہیں دھوئے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”نہیں! بلکہ تم بھول گئے (کہ میری طرف نسیان کی نسبت کر رہے ہو کیونکہ خدائے بزرگ و برتر نے مجھے اسی طرح حکم دیا ہے۔“ (احمد، ابو داؤد)

⑨ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ لَوْ كَانَ الَّذِينَ بِالرَّأْيِ لَكَانَ اسْفُلُ الْخُفِّ أُولَىٰ بِالنَّسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمَسْحُ عَلَى ظَاهِرِ خُفَيْهِ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ لِلدَّارِمِيِّ مَعْنَاهُ)

”اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ”اگر دین (صرف) رائے اور عقل ہی پر موقوف ہوتا تو واقعی موزوں کے اوپر مسح کرنے سے نیچے مسح کرنا بہتر ہوتا اور میں نے خود سرکارِ دو عالم ﷺ کو موزوں کے اوپر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔“ (ابو داؤد، دارمی)

تشریح: حضرت علیؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ناپاکی اور گندگی چونکہ موزوں کے نیچے کی جانب لگ سکتی ہے اس لئے عقل یہی تقاضا کرتی ہے کہ جس طرف ناپاکی اور گندگی لگنے کا شبہ ہو اسی طرف پاکی اور ستھرائی کے لئے مسح بھی کرنا چاہئے مگر چونکہ شرع میں صراحۃً یہ آگیا ہے کہ مسح اوپر کی جانب کرنا چاہئے اس لئے اب عقل کو دخل دینے کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے مسائل و احکام میں عقل کو دخل نہ دینا چاہئے کیونکہ عقل کامل شریعت کے تابع ہوتی ہے اس لئے کہ خدا کی حکمتوں اور اس کے مراد و مفہوم کو معلوم کرنے میں عقل مطلقاً عاجز ہوتی ہے لہذا عاقل کو چاہئے کہ وہ بہر نوع شریعت کا تابع و پابند بن کر رہے عقل کا تابع نہ بنے اس لئے کہ کفار اور اکثر فلاسفہ و حکماء اور اہل ہوا و ہوس اپنی عقلوں پر بھروسہ و پندار کرنے کے سبب اور عقلوں کے تابع ہونے ہی کی وجہ سے گمراہی و ضلالت کے غار میں گرے ہیں۔

چونکہ اس باب کی یہ آخری حدیث ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کے ضمن میں مسح سے متعلق چند مسائل ذکر کئے جائیں۔

① اگر موزہ کسی جگہ سے پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر پھٹ جائے تو اس پر مسح درست نہیں ہوتا، اس طرح اگر ایک موزہ تھوڑا تھوڑا کئی جگہ سے اتنی مقدار میں پھٹ جائے کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو وہ تین انگلیوں کے برابر ہو تو اس پر بھی مسح درست نہیں ہوتا اور اگر دونوں موزے تھوڑے تھوڑے اتنی مقدار میں پھٹے ہوں کہ اگر انھیں جمع کیا جائے تو وہ تین انگلیوں کے برابر ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ ان پر مسح درست ہوگا۔

② جن چیزوں سے وضو لوثا ہے ان سے مسح بھی لوث جاتا ہے۔

③ حدث کے بعد موزہ اتارنے سے مسح لوث جاتا ہے۔

④ مسح کی مدت ختم ہو جانے کے بعد مسح لوث جاتا ہے بشرطیکہ سردی کی وجہ سے پاؤں کے ضائع ہونے کا خوف نہ ہو، یعنی اگر سردی کی شدت اور کسی بیماری کی وجہ سے یہ خوف ہو کہ موزہ اتارنے سے پاؤں ضائع ہو جائے گا تو مسح کی مدت ختم ہونے کے بعد مسح نہیں لوثے گا جب تک خوف باقی رہے گا مسح بھی باقی رہے گا۔

⑤ اگر موزہ اتارنے یا مدت ختم ہونے کی وجہ سے مسح لوث جائے اور وضو باقی ہو تو ایسی شکل میں از سر نو وضو کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف پیردھو کر موزہ پہن لینا کافی ہوگا۔

- ① اگر آدھے سے زیادہ پیر موزہ سے باہر نکل آئے تو بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے۔
- ② اگر مقیم نے مسح کیا اور ایک رات اور ایک دن گزرنے سے پہلے مسافر ہو گیا تو وہ مسح کے لئے سفر کی مدت پوری کرے یعنی تین دن اور تین رات تک مسح کرتا رہے، اسی طرح اگر مسافر نے مسح کیا اور پھر وہ مقیم ہو گیا تو اسے چاہئے کہ ایک دن ایک رات کے بعد موزہ اتار دے کیونکہ اس کی مدت پوری ہو گئی ہے۔
- ③ اگر کوئی معذور مثلاً ظہر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنے تو جس عذر کی وجہ سے وہ معذور ہے اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے اس کا وضو ٹوٹ جائے تو اس کے لئے مسح کی مدت موزوں پر مسح کرنا جائز ہوگا اور پھر مسح کی مدت ختم ہو جانے کے بعد مسح ٹوٹ جائے گا۔

بَابُ التَّيْمِمْ

تیمم کا بیان

”تیمم“ وضو اور غسل کا قائم مقام ہے۔ لغت میں تیمم کے معنی ”قصد“ کے آتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں تیمم سے مراد ہے پاک مٹی کا قصد کرنا یا اس چیز کا قصد کرنا جو مٹی کے قائم مقام ہو جیسے پتھر اور چونا وغیرہ اور طہارت کی نیت کے ساتھ اسے ہاتھ اور منہ پر ملنا۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ تیمم کے لئے دو ضربیں یا ایک ضرب ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ تیمم کے لئے دو ضربیں ہیں یعنی پاک مٹی یا اس کے قائم مقام مثلاً پاک چوٹے اور پتھر وغیرہ پر دو دفعہ ہاتھ مارنا چاہئے ایک ضرب تو منہ کے لئے ہے اور دوسری ضرب کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لئے۔ حضرت امام شافعیؒ کا بھی مختار مسلک یہی ہے اور بعض حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

لیکن حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور مسلک اور حضرت امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ تیمم ایک ہی ضرب ہے یعنی تیمم کرنے والے کو چاہئے کہ ایک ہی مرتبہ پاک مٹی وغیرہ پر ہاتھ مار کر اسے منہ پر اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں پر پھیر لے، حضرت امام اوزاعیؒ، عطاء اور کھولؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ دونوں فریقین کے مذہب و مسلک کی تائید میں احادیث منقول ہیں جو آگے انشاء اللہ آئیں گی اور جن کی حسب موقع تشریح و توضیح بھی کی جائے گی۔ اس موقع پر مناسب ہے کہ تیمم کے کچھ احکام اور وہ صورتیں ذکر کر دی جائیں جن میں تیمم جائز ہے تیمم حسب ذیل صورتوں میں جائز ہوتا ہے۔

- ① انتہائی جو وضو اور غسل کے لئے کافی ہوا اپنے پاس موجود نہ ہو بلکہ ایک میل یا ایک میل سے زائد فاصلہ پر ہو۔
- ② پانی جو موجود ہو مگر کسی کی امانت ہو یا کسی سے غصب کیا ہو اور۔
- ③ پانی کے نرخ کا معمول سے زیادہ گراں ہو جانا۔
- ④ پانی کی قیمت کا موجود نہ ہونا خواہ پانی قرض مل سکتا ہو یا نہیں، قرض لینے کے صورت میں اس پر قادر ہو یا نہ ہو، ہاں اگر اپنی ملکیت میں مال ہو اور ایک مدت معینہ کے وعدہ پر قرض مل سکتا ہو تو قرض لے لینا چاہئے۔
- ⑤ پانی کے استعمال سے کسی مرض کے پیدا ہو جانے یا بڑھ جانے کا خوف ہو یا خوف ہو کہ اگر پانی استعمال کیا جائے گا تو صحت یابی میں دیر ہو گی۔

⑥ سردی اس قدر شدید ہو کہ پانی کے استعمال سے کسی عضو کے ضائع ہو جانے یا کسی مرض کے پیدا ہو جانے کا خوف ہو اور گرم پانی ملنا

۱۔ تیمم ۵۵ میں شروع ہوا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا فامسحوا بوجوهكم وايدكم منه ”تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ اس زمین (کی نم) پر سے (مار کر) پھیر لیا کرو۔“

ممکن نہ ہو۔

۷ کسی دشمن یا درندہ کا خوف ہو مثلاً پانی ایسی جگہ ہو جہاں درندے وغیرہ آتے ہوں یا موجود ہوں یا راستہ میں چوروں کا خوف ہو، یا اپنے اوپر کسی کا قرض ہو، یا کسی سے عداوت ہو اور یہ خیال ہو کہ اگر پانی لینے جائے گا تو قرض خواہ اس کو پکڑ لے گا، یا کسی قسم کی تکلیف دے گا، یا پانی کسی غنڈے اور فاسق کے پاس ہو اور عورت کو اس کے حاصل کرنے میں اپنی بے حرمتی کا خوف ہو۔

۸ پانی کھانے پینے کی ضرورت کے لئے رکھا ہو کہ اسے وضو یا غسل میں خرچ کر دیا جائے تو اس ضرورت میں حرج ہو مثلاً آنا گوند ہنے یا گوشت وغیرہ پکانے کے لئے رکھا ہو، یا پانی اس قدر ہو کہ اگر وضو یا غسل میں صرف کر دیا جائے تو پیاس کا خوف ہو خواہ اپنی پیاس کا یا کسی دوسرے کی پیاس کا، یا اپنے جانوروں کی پیاس کا، بشرطیکہ کوئی ایسی تدبیر نہ ہو سکے کہ مستعمل پانی جانوروں کے کام آسکے۔

۹ کنوئیں جیسے پانی نکالنے کی کوئی چیز نہ ہو اور نہ کوئی کپڑا ہو کہ اسے کنوئیں میں ڈال کر تر کرے اور پھر اس سے نچوڑ کر طہارت حاصل کرے، یا پانی منگے وغیرہ میں ہو اور کوئی چیز پانی نکالنے کے لئے نہ ہو اور نہ منگا جھکا کر پانی لے سکتا ہو، نیز ہاتھ نجس ہوں اور کوئی دوسرا ایسا شخص نہ ہو جو پانی نکال کر دے یا اس کے ہاتھ دھلا دے۔

۱۰ وضو یا غسل کرنے میں ایسی نماز کے چلے جانے کا خوف ہو جس کی قضا نہیں ہے جیسے عیدین یا جنازہ کی نماز۔

۱۱ پانی کا بھول جانا مثلاً کسی شخص کے پاس پانی تو ہے مگر وہ اسے بھول گیا ہو اور اس کا خیال ہو کہ میرے پاس پانی نہیں ہے۔

تیمم کرنے کا مسنون و مستحب طریقہ درج ذیل ہے:

پہلے بسم اللہ پڑھ کر تیمم کی نیت کی جائے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کسی ایسی مٹی پر جس کو نجاست نہ پہنچی ہو یا اس کی نجاست دھو کر زائل کر دی گئی ہو، ہتھیلیوں کی جانب سے کشادہ کر کے مار کر ملے اس کے بعد ہاتھوں کو اٹھا کر ان کی مٹی جھاڑ ڈالے اور پھر پورے دونوں ہاتھوں کو اپنے پورے منہ پر ملے اس طرح کہ کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہ جائے جہاں ہاتھ نہ پہنچے۔ پھر اسی طرح دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مار کر ملے پھر ان کی مٹی جھاڑ ڈالے اور بائیں ہاتھ کی تین انگلیاں سوائے کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے کے، داہنے ہاتھ کے انگلیوں کے سرے پر پشت کی جانب رکھ کر کہنیوں تک کھینچ لائے اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی بھی لگ جائے اور کہنیوں کا مسح بھی ہو جائے پھر باقی انگلیوں کو اور ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسری جانب رکھ کر انگلیوں تک کھینچا جائے، اسی طرح بائیں ہاتھ کا بھی مسح کرے۔ وضو اور غسل دونوں کے تیمم کا یہی طریقہ ہے اور ایک ہی تیمم دونوں کے لئے کافی ہے۔ اگر دونوں کی نیت کر لی جائے۔

تیمم کے کچھ احکام و مسائل یہ ہیں۔

۱ تیمم کے وقت نیت کرنا فرض ہے اور نیت کی شکل یہ ہے کہ جس حدیث کے سبب سے تیمم کیا جائے تو اس سے طہارت کی نیت کی جائے یا جس چیز کے لئے تیمم کیا جائے اس کی نیت کی جائے مثلاً اگر نماز جنازہ کے لئے تیمم کیا جائے یا قرآن مجید کی تلاوت کے لئے تیمم کیا جائے تو اس کی نیت کی جائے مگر نماز اسی تیمم سے صحیح ہوگی جس میں حدیث سے طہارت کی نیت کی جائے یا کسی ایسی عبادت مقصودہ کی نیت کی جائے جو بغیر طہارت کے نہیں ہو سکتی۔

۲ تیمم کرتے وقت اعضاء تیمم سے ایسی چیزوں کو دور کر دینا فرض ہے جس کی وجہ سے مٹی جسم تک نہ پہنچ سکے جیسے روغن یا چربی وغیرہ۔

۳ تنگ انگوٹھی تنگ چھلوں اور چوڑیوں کو اتار ڈالنا واجب ہے۔

۴ اگر کسی قریب پانی کا قریب ہونا معلوم ہو تو اس کی تلاش میں سو قدم تک خود جانا یا کسی کو بھیجنا واجب ہے۔

۵ یہ تمام مسائل عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

- ۵ اگر کسی دوسرے شخص کے پاس پانی موجود ہو اور اس سے ملنے کی امید ہو تو اس سے طلب کرنا واجب ہے۔
- ۶ اس ترتیب سے تیمم کرنا سنت ہے جس ترتیب سے آنحضرت ﷺ نے تیمم کیا ہے یعنی پہلے منہ کا مسح پھر دونوں ہاتھوں کا مسح۔
- ۷ منہ کے مسح کے بعد داڑھی کا خلال کرنا سنت ہے۔
- ۸ جس شخص کو آخر وقت تک پانی ملے یا یقین یا گمان غالب ہو تو اس کو نماز کے آخر وقت تک پانی کا انتظام کرنا مستحب ہے مثلاً گنو میں سے پانی نکالنے کی کوئی چیز نہ ہو اور یہ یقین یا گمان غالب ہو کہ آخر وقت رسی اور ڈول مل جائیں گے۔ یا کوئی شخص ریل پر سوار ہو اور یہ بات یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ نماز کے آخر وقت ریل ایسے اسٹیشن پر پہنچ جائے گی جہاں پانی مل سکتا ہے۔
- ۹ تیمم نماز کے وقت کے تنگ ہو جانے کی صورت میں واجب ہوتا ہے۔ شروع وقت میں واجب نہیں ہوتا۔
- ۱۰ نماز کا اس قدر وقت ملے کہ جس میں تیمم کر کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہو تو تیمم واجب ہوتا ہے اور اگر وقت نہ ملے تو تیمم واجب نہیں۔
- ۱۱ جن چیزوں کے لئے وضو فرض ہے ان کی لئے وضو کا تیمم بھی فرض ہے۔ اور جن چیزوں کے لئے وضو واجب ہے ان کے لئے وضو کا تیمم بھی واجب ہے اور جن چیزوں کے لئے وضو سنت یا مستحب ہے، یکی حال غسل کا بھی ہے۔
- ۱۲ اگر کوئی شخص حالت جنابت میں ہو اور مسجد میں جانے کی اسے سخت ضرورت ہو تو اس پر تیمم کرنا واجب ہے۔
- ۱۳ جن عبادتوں کے لئے حدیث اکبر (یعنی جنابت) اور حدیث اصغر (یعنی جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے) سے طہارت شرط نہیں ہے۔ جیسے سلام و سلام کا جواب وغیرہ ان کے لئے وضو و غسل دونوں کا تیمم بغیر عذر کے ہو سکتا ہے اور جن عبادتوں میں صرف حدیث اصغر سے طہارت شرط نہ ہو جیسے تلاوت قرآن مجید اور اذان وغیرہ ان کے لئے صرف وضو کا تیمم بغیر عذر ہو سکتا ہے۔
- ۱۴ اگر کسی کے پاس مشکوک پانی ہو جیسے گدھے کا جھوٹا پانی تو ایسی حالت میں پہلے اگر وضو کی ضرورت ہو تو وضو، اور غسل کی ضرورت ہو تو غسل کیا جائے اس کے بعد تیمم کیا جائے۔
- ۱۵ اگر وہ عذر جس کی وجہ سے تیمم کیا گیا ہے آدمیوں کی طرف سے ہو تو جب وہ عذر جاتا رہے تو جس قدر نمازیں اس تیمم سے پڑھی ہیں سب کو دوبارہ پڑھنا چاہئے۔ مثلاً کوئی شخص جیل میں ہو اور جیل کے ملازم اس کو پانی نہ دیں یا کوئی شخص اس سے کہے کہ اگر تو وضو کرے گا تو میں تجھ کو مار ڈالوں گا۔
- ۱۶ ایک جگہ سے اور ایک ڈھیلہ سے چند آدمی یکے بعد دیگرے تیمم کریں تو درست ہے۔
- ۱۷ جو شخص پانی اور مٹی دونوں پر قادر نہ ہو خواہ پانی یا مٹی نہ ہونے کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے تو اس کو چاہئے کہ نماز بلا طہارت پڑھ لے پھر اس نماز کو طہارت سے لوٹانے مثلاً کوئی شخص ریل میں سوار ہے اور نماز کا وقت ہو گیا ہے مگر نہ تو پانی موجود ہے کہ وہ وضو کرے اور نہ مٹی یا اس قسم کی کوئی دوسری چیز ہے جس سے وہ تیمم کر سکے، ادھر نماز کا وقت بھی ختم ہوا جا رہا ہے تو اسے چاہئے کہ ایسی حالت میں بلا طہارت نماز پڑھ لے۔ اسی طرح کوئی شخص جیل میں ہو اور وہ پاک پانی اور مٹی پر قادر نہ ہو تو وہ بے وضو اور بے تیمم نماز پڑھ لے گا مگر ان دونوں صورتوں میں نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔

الفصل الاول

① عَنْ حَدِيثِهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ جُعِلَتْ صُفُوفُنَا كَصُفُوفِ الْمَلَائِكَةِ وَجُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَجُعِلَتْ تَرَبُّثُهَا لَنَا طَهُورًا إِذَا أَلَمَ نَجِدُ الْمَاءَ (رواه مسلم)

”حضرت حذیفہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”ہم لوگ (پہلی امتوں کے) لوگوں پر تین چیزوں سے فضیلت دیئے گئے ہیں ① ہماری صفیں (نماز میں یا جہاد میں) فرشتوں کی صفوں جیسی (شمار) کی گئی ہیں۔ ② ہمارے واسطے تمام زمین مسجد بنا دی گئی ہے (کہ جہاں

چاہیں نماز پڑھ لیں۔ (۳) جس وقت ہمیں پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک کر دینے والی ہے۔ ”مسلم“

تشریح: آنحضرت ﷺ کی اس امت سے پہلے دنیا میں جتنی بھی امتیں پیدا ہوئی ہیں، یوں تو ان سب کے مقابلہ پر یہ امت اپنی گونا گوں خصوصیات اور امتیازات کی بناء پر سب سے زیادہ افضل اور بزرگ ہے۔ عظمت و فضیلت میں کوئی امت اس امت سے مماثل نہیں ہے۔ مگر یہاں آنحضرت ﷺ اس امت کی بعض امتیازی خصوصیات کی طرف جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس امت پر بے پایاں انعامات و احسانات کے نتیجہ میں اشارہ فرما رہے ہیں کہ ان چیزوں کے بناء پر میری امت کو دوسری امتوں پر خاص فضیلت و فوقیت دی گئی ہے۔ چنانچہ پہلی چیز تو آپ ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ (نماز یا جہاد میں) اس امت کی صفیں فرشتوں کی صفیں جیسی (شمار) کی گئی ہیں یعنی جس طرح فرشتے صف بندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں کہ جس کی بناء پر انہیں مقام قرب میسر ہے اور بے انتہا بزرگی و سعادت حاصل ہوتی ہے اسی طرح اس امت کو بھی جہاد یا نماز میں صف بندی اور جماعت کی بناء پر خداوند قدوس کا مقام قرب حاصل ہوتا ہے اور اس وجہ سے یہ امت سابقہ امتوں کے مقابلہ میں افضل ہے کیونکہ سابقہ امتوں میں صف بندی اور جماعت نہیں تھی وہ لوگ جس طرح چاہتے نماز پڑھ لیتے مگر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو جماعت کا حکم دے کر گویا سعادت و نیک بختی کے اس عظیم راستہ پر لگا دیا کہ جماعت اور صف بندی کی جتنی زیادہ پابندی کی جائے گی سعادت و نیک بختی اور مقام قرب کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔

دوسری چیز آپ ﷺ نے یہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری امتوں کے مقابلہ پر اس امت پر یہ بھی بڑا احسان فرمایا اور اس کو فضیلت بخشی کہ اس امت کے لوگوں کے لئے تمام زمین کو سجدہ گاہ قرار دے دیا کہ بندہ زمین کے جس پاک حصہ پر خدا کے سامنے جھک جائے اور نماز ادا کرے اس کی نماز قبول کی جائے گی برخلاف اس کے کہ کچھلی امتوں کے لئے یہ سہولت اور فضیلت نہیں تھی ان لوگوں کی نماز ”کناس“ اور ”بیچ“ (جو کچھلی امتوں کے عبادت خانوں کے نام ہیں) اس کے علاوہ اور کہیں جائز نہ ہوتی تھی۔

تیسری چیز آپ ﷺ نے یہ فرمائی ہے کہ اس امت کے لئے یتیم کو جائز کر کے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دوسری امتوں پر عظیم فضیلت عنایت فرمائی ہے یعنی اگر پانی موجود نہ ہو یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو یا پانی کے استعمال سے معذور ہو تو پاک مٹی سے یتیم کر کے نماز پڑھ لی جائے۔ نماز جائز ہو جائے گی۔

بہر حال۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان تین چیزوں میں ہمیں دوسری امتوں کے مقابلہ پر فضیلت و بزرگی ہے کہ ”ہمیں جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور اس پر بے شمار اجر و انعام اور ثواب کا وعدہ کیا گیا“ ساری زمین ہمارے لئے مسجد قرار دی گئی کہ جہاں چاہیں نماز پڑھ لیں، نماز جائز ہو جائے گی اور جہاں پانی نہ ملے یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو پاک مٹی سے یتیم کر کے نماز پڑھ لیں۔“

اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یتیم صرف مٹی ہی سے کرنا چاہئے اور کسی چیز سے یتیم کرنا درست نہ ہو گا۔ جیسے کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کا مسلک ہے۔ مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک یتیم ہر اس چیز سے درست ہے جو زمین کی جنس سے ہو، زمین کی جنس کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جو نہ تو آگ میں جلنے سے پکھلیں نہ نرم ہوں اور نہ جل کر راکھ ہوں جیسے مٹی پتھر اور چونا وغیرہ ان حضرات کی دلیل سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے جو حضرت جابرؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے کہ:

جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا۔

”یعنی زمین میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی کر دی گئی ہے۔“

اس ارشاد میں لفظ ”ارض“ کا استعمال کیا گیا ہے جو ہر اس چیز کے مفہوم کو ادا کرتا ہے جو زمین کی جنس سے ہو۔

(۲) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَفَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْقَضَ مِنْ صَلَاتِهِ إِذَا هُوَ

بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ أَصَابَتْهُ جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ
بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت عمرانؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے۔ آپ ﷺ نے (ہم) لوگوں کو نماز پڑھائی جب آنحضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی علیحدہ بیٹھا ہوا ہے اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے فلاں! تمہیں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس نے روک دیا تھا؟ اس نے عرض کیا کہ ”مجھے نہانے کی ضرورت ہو گئی ہے اور پانی نہیں ملا“ آپ ﷺ نے فرمایا ”(ایسی صورت میں) تمہیں مٹی سے (تیمم کر لینا) لازم تھا اور تمہیں وہی کافی تھا۔“ (بخاری و مسلم)

③ وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَمْرِ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ إِنِّي أَجَنَّبْتُ فَلَمْ أَصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِّلْعَمْرُ أَمَا تَذَكَّرُ أَنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعْتُكَ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هَكَذَا أَضْرَبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفِّهِ الْأَرْضَ وَنَفَخَ فِيهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفِّهِ زَوَاهِ الْبُخَارَى وَلِلْمُسْلِمِ نَحْوَهُ وَفِيهِ قَالَ إِنَّمَا يَكْفِيكَ أَنْ تُضْرِبَ بِيَدِكَ الْأَرْضَ ثُمَّ تَنْفُخَ ثُمَّ تَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَكَ وَكَفِّكَ۔

”اور حضرت عمارؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے نہانے کی ضرورت ہے اور پانی نہیں ملا (تو) اب تیمم کروں یا کیا کروں؟ حضرت عمار (یہ سن کر) حضرت عمرؓ سے بولے کیا تمہیں یاد نہیں رہا کہ میں اور تم سفر میں تھے اور ہم دونوں کو نہانے کی ضرورت ہو گئی تھی) تو تم نے نماز نہیں پڑھی تھی لیکن میں نے زمین پر لوٹ کر نماز پڑھ لی تھی پھر میں نے آنحضرت ﷺ سے صورت حال ذکر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اس طرح کر لینا کافی تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان پر پھونک مار کر (یعنی جھاڑ کر) ان سے اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کر لیا۔“ (بخاری) ”اسی طرح مسلم نے روایت کی ہے (جس کے آخری الفاظ یہ ہیں) کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (تمہارے لئے یہ کافی ہے کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارو پھر ان میں پھونک مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کرو۔“

نشریح: اس حدیث میں حضرت عمرؓ کا جواب ذکر نہیں کیا گیا ہے لیکن حدیث کے بعض دوسرے طرق سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ لاتصل یعنی جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھو! چنانچہ حضرت عمرؓ کا مسلک یہی تھا کہ جنبی کے لئے تیمم جائز نہیں ہے۔

یاد یہ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسئلہ پوچھنے والے کے سوال پر جو سکوت اختیار فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ جنبی کے لئے تیمم کا حکم ان کے ذہن میں نہیں رہا تھا۔ چنانچہ حضرت عمارؓ نے تمام واقعہ بیان کیا تاکہ حضرت عمرؓ کے ذہن میں اس سے یہ بات پیدا ہو جائے کہ جنبی کے لئے بھی تیمم جائز ہے حضرت عمارؓ نے جو واقعہ بیان کیا اس میں حضرت عمرؓ کے بارے میں جو یہ بتایا کہ انھوں نے غسل کے لئے پانی نہ ہونے کی وجہ سے حالت جنابت میں نماز نہیں پڑھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے یہ سوچا ہو گا کہ ہو سکتا ہے کہ نماز کے آخر وقت تک پانی مل جائے اس لئے انھوں نے یہ مناسب سمجھا کہ پانی مل جانے کے بعد غسل کر کے ہی نماز پڑھی جائے یا پھر اس کی وجہ وہی ہو سکتی ہے کہ ان کے ذہن میں بات بیٹھی ہوئی تھی کہ تیمم تو صرف وضو کے قائم مقام ہے غسل کا قائم مقام نہیں ہے۔

ظاہری طور پر یہ وجہ زیادہ قرین قیاس ہے ان کے اس اعتقاد کا سبب یہ تھا کہ چونکہ انھیں اس مسئلہ کی پوری حقیقت معلوم نہیں تھی پھر یہ کہ انہیں اس مسئلہ پر آنحضرت ﷺ سے کبھی سوال کا اتفاق بھی نہ ہوا تھا اس لئے وہ تو یہی سمجھتے رہے کہ تیمم صرف وضو کا قائم مقام ہے غسل کا نہیں ہے حالانکہ متفقہ طور پر سب ہی کے نزدیک تیمم جس طرح وضو کا قائم مقام ہے اس طرح غسل کا قائم مقام بھی ہے۔

حضرت عمارؓ اپنے بارے میں بتا رہے ہیں اس موقع پر میں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا وہ یہ کہ میں مٹی میں لوٹ گیا اور اس کے بعد نماز پڑھ لی اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ذہن میں بھی یہ مسئلہ پوری وضاحت سے نہیں تھا اس لئے انھوں نے یہ قیاس کر کے جس طرح غسل میں پانی تمام اعضاء پر بہایا جاتا ہے اسی طرح مٹی بھی تمام اعضاء پر پہنچانی چاہئے، مٹی میں لوٹ گئے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت عمارؓ کو یتیم کا طریقہ بتاتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ہاتھوں پر پھونک مار کر اس پر لگی ہوئی مٹی کو اس لئے جھاڑا تاکہ مٹی منہ پر نہ لگے جس سے منہ کی ایست بگڑ جائے کہ وہ مثلہ کہ حکم میں ہے جو ممنوع ہے۔ مثلہ اسے کہتے ہیں کہ بدن کے کسی عضو کو کاٹ کر یا ایسا کوئی طریقہ اختیار کر کے جس سے خلقی طور پر اعضاء میں فرق آجائے، اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بگاڑا جائے، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اپنے چہروں پر بھسوت وغیرہ ملتے ہیں وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ یتیم کے لئے مٹی پر ایک مرتبہ ہاتھ مارنا کافی ہے جیسا کہ دوسرے حضرات کا یہی مسلک ہے مگر امام اعظمؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک چونکہ یہ ہے کہ یتیم کے لئے مٹی پر دو مرتبہ ہاتھ مارنا چاہئے ایک مرتبہ تو منہ پر پھیرنے کے لئے اور دوسری مرتبہ کہنیوں تک ہاتھوں پر پھیرنے کے لئے اس لئے حضرت شیخ محی الدین نوویؒ اس حدیث کی توجیہ یہ فرماتے ہیں کہ:

سرکارِ دو عالم ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ حضرت عمارؓ کو مٹی پر ہاتھ مارنے کی کیفیت و صورت دکھادیں کہ جنابت کے لئے یتیم اس طرح کر لیا کرو مٹی میں لوٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہذا چونکہ آپ ﷺ کا مقصد پورے یتیم کی کیفیت بیان کرنا نہیں تھا اس لئے حضرت عمارؓ نے بھی روایت حدیث کے وقت ایک مرتبہ ہاتھ مارنے ہی کو بطور تعلیم ذکر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کے علاوہ حضرت عمارؓ سے جو روایتیں یتیم کے بارے میں منقول ہیں ان میں صراحت کے ساتھ دو مرتبہ ہی ہاتھ مارنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ حدیث میں ”کفین“ سے ”ذراعین“ یعنی کہنیوں تک ہاتھ مراد ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا۔“

④ وَعَنْ أَبِي الْجُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصَّمَّةِ قَالَ مَرَزْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ حَتَّى قَامَ إِلَى جِدَارٍ فَحَنَّتْ بَعْضًا كَانَتْ مَعَهُ ثُمَّ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذَرَأَ عَلَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيَّ وَلَمْ أَجِدْ هَذِهِ الزَّوَايَةَ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَلَا فِي كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَلَكِنْ ذَكَرَهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

”اور حضرت ابو جہیم ابن حارث ابن صمہؒ راوی ہیں کہ ”(ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے قریب سے گزرا۔ آپ ﷺ اس وقت پیشاب کر رہے تھے میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔ اور پیشاب سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے پاس کھڑے ہوئے اور ایک لاشی سے جو آپ ﷺ کے پاس تھی دیوار کھرچ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر مسح کر کے میرے سلام کا جواب دیا۔“ (مشکوٰۃ کے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ”مجھے یہ روایت نہ صحیحین میں ملی ہے اور نہ حمیدی کی کتاب میں ہاں محی السنۃ نے اس کو شرح السنۃ میں ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے) (لہذا صاحب مصابح کو چاہئے تھا کہ اس روایت کو پہلی فصل میں ذکر نہ کرتے۔)

تشریح: آپ ﷺ نے اپنے عشاء سے دیوار کی مٹی اس لئے کھرچی کہ اس میں سے غبار اٹھنے لگے کہ اس پر یتیم کرنا افضل ہے اور ثواب کی زیادتی کا باعث ہے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے ذکر اللہ کے لئے باطہارت ہونا مستحب ہے نیز ہر وقت پاک و صاف اور طاہر رہنا بھی مستحب ہے۔

الفصل الثانی

⑤ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الصَّعِيدَ الطَّلَبَ وَضَوْءَ الْمُسْلِمِ وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سَنِينَ فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيَمْسَهُ بَشْرَهُ فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ - (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَرَوَى التَّنَائِي نَحْوَهُ إِلَى قَوْلِهِ عَشْرَ سَنِينَ)

”حضرت ابو ذرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے۔ اگرچہ وہ دس برس تک پانی نہ پائے اور جس وقت پانی مل جائے تو بدن دھولینا چاہئے کیونکہ یہ بہتر ہے۔“ (احمد ترمذی، ابو داؤد) ”اور نسائی“ نے بھی اسی طرح کی روایت عشرین تک نقل کی ہے۔“

تشریح: دس برس کی مدت تحدید کے لئے نہیں ہے بلکہ کثرت کے لئے ہے یعنی اگر اتنے طویل عرصہ تک بھی پانی نہ ملے تو غسل یا وضو کے لئے تیمم کیا جاسکتا ہے اور پھر بعد میں جب بھی اتنا پانی مل جائے جو غسل یا وضو کے لئے کافی ہو اور پینے کی ضرورت سے زیادہ ہو نیز اس کے استعمال پر قادر بھی ہو تو غسل کرنا یا وضو کرنا چاہئے کیونکہ اس صورت میں غسل یا وضو واجب ہو گا تیمم جائز نہیں ہو گا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کا وقت ختم ہو جائے پر تیمم نہیں ٹوٹا بلکہ اس کا حکم وضو کی طرح ہے کہ جس طرح جب تک وضو نہ ٹوٹے ایک وضو سے جتنے فرض یا نفل چاہے پڑھ سکتا ہے اسی طرح ایک تیمم سے بھی کئی وقت کی نماز پڑھی جاسکتی ہیں چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تیمم معذور کے وضو کی طرح ہے کہ جس طرح نماز کا وقت گزر جانے سے معذور کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح نماز کا وقت ختم ہو جانے پر تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مَنَا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهِ فَأَحْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ هَلْ تَجِدُونَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيْمُمِ قَالُوا مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ فَأَغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَهُ بِذَلِكَ قَالَ قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ إِلَّا سَأَلُوا إِذَا لَمْ يَعْلَمُوا فَإِنَّمَا شَفَاءُ الْعَنِيِّ السُّؤَالُ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيُعْصَبَ عَلَى جُزْجِهِ خُزْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ - (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ”ہم سفر میں جارہے تھے کہ ہم میں سے ایک شخص کے پتھر لگا جس نے اس کے سر کو زخمی کر ڈالا (اتفاق سے) اسے نہانے کی حاجت بھی ہو گئی چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے نزدیک (اس صورت میں) میرے لئے تیمم کرنا جائز ہے؟ انھوں نے کہا ”ایسی صورت میں جب کہ تم پانی استعمال کر سکتے ہو ہم تمہارے لئے تیمم کی کوئی وجہ نہیں پاتے۔“ چنانچہ اس شخص نے غسل کیا (جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اس کا انتقال ہو گیا۔ جب ہم (سفر سے واپس ہو کر) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے (انتہائی رنج اور تکلیف کے ساتھ) فرمایا ”لوگوں نے اسے مار دیا، خدا بھی انہیں مارے“ پھر فرمایا کہ ”ان کو جو بات معلوم نہ تھی، اسے انھوں نے دریافت کیوں نہ کر لیا؟ کیونکہ نادانی کی بیماری کا علاج سوال ہے اور اسے تو یہی کافی تھا کہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر ایک پٹی باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور پھر اپنا تمام بدن دھو لیتا۔“ (ابو داؤد) اور ابن ماجہ نے اس روایت کو عطاء ابن رباح سے اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

لہ جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان سے وضو کا تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے اور جن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے ان سے غسل کا تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ”علم الفقہ“ کا مطالعہ کریں۔

تشریح: بسا اوقات کم علمی اور کسی مسئلہ سے عدم واقفیت بڑے اند و ہناک واقعہ کا سبب بن جایا کرتی ہے چنانچہ اس موقع پر یہی ہوا کہ جب اس زخمی شخص نے اپنے عذر کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ آیا ایسے حال میں جب میرے سر پر زخم ہے اور پانی اس زخم کے لئے نقصان دہ ہو سکتا ہے تو ناپاکی دور کرنے کے لئے بجائے غسل کے میں تیمم کر سکتا ہوں؟ تو ساتھیوں نے مسئلہ سے ناواقفیت اور اپنی کم علمی کی بنا پر یہ سمجھ کر آیت تیمم فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا کا مطلب یہ ہے کہ تیمم صرف اسی شکل میں جائز ہوگا جب کہ پانی موجود نہ ہو اگر پانی موجود ہو تو تیمم جائز نہیں ہوگا۔ اس شخص سے کہہ دیا کہ تمہارے لئے تیمم جائز ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے؟ حالانکہ انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ تیمم جائز نہ ہونے کی شکل یہ ہے کہ پانی موجود ہو اور ساتھ ساتھ اس کے استعمال پر قدرت نیز پانی کے استعمال سے کسی نقصان اور ضرر کا خدشہ بھی نہ ہو۔ ان پچارے نے ان لوگوں کے علم و فہم پر اعتماد کیا اور اس حالت میں غسل کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانی نے زخم میں شدت پیدا کر دی اور شدت بھی ایسی کہ وہ خدا کا بندہ اسی وجہ سے اللہ کو پیارا ہو گیا۔

بہر حال یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایسے مواقع پر تیمم بھی کرنا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ تمام بدن کو دھونا بھی چاہئے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں میں سے ایک ہی چیز کافی ہے۔

حنفیہ کی جانب سے شوافع کو جواب دیتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور پھر قیاس کے خلاف بھی ہے کہ اس سے بدل اور مبدل منہ کا جمع لازم آیا ہے۔

الحاصل اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسے مواقع پر اگر کسی شخص کو پانی کے استعمال کرنے کی وجہ سے تلف جان کا خوف ہو تو اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے یہ مسئلہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

اور اگر کسی شخص کو یہ ڈر ہو کہ پانی کے استعمال سے مرض بڑھ جائے گا یا محتیا بی میں تاخیر ہو جائے گی تو ایسی شکل میں بھی حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اسے تیمم کر کے نماز پڑھ لینی جائز ہے اور بعد میں نماز کی قضا ضروری نہیں ہے حضرات شوافع کے یہاں بھی تقریباً یہی مسلک ہے۔

اگر کسی شخص کے کسی عضو میں زخم ہو یا پھوڑا ہو اور اس کی پٹی بندھی ہوئی ہو تو اس صورت میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پٹی اتارنے سے تلف جان کا خطرہ ہو تو اسے چاہئے کہ پٹی پر مسح کرے اور تیمم کرے مگر حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کے بدن کا کچھ حصہ زخمی اور کچھ حصہ اچھا ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ زخمی حصہ کتنا ہے اور اچھا حصہ کتنا ہے اگر زیادہ حصہ اچھا ہے تو اسے دھوئیں گے اور زخم پر مسح کریں اور اگر اکثر حصہ زخمی ہوگا تو تیمم کریں گے اور دھونا ساقط ہو جائے گا۔ امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو حصہ اچھا ہو اسے دھویا جائے اور زخم کے لئے تیمم کیا جائے۔

④ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَيَمَّمَا صَعِيدًا طَيِّبًا فَصَلَّيَا ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ فَأَعَادَا أَحَدُهُمَا الصَّلَاةَ بِوُضُوءٍ وَلَمْ يُعِدَّ الْآخَرُ ثُمَّ اتَّيَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَا ذَلِكَ لِلَّذِي لَمْ يُعِدَّ أَصَبَتِ الشُّنَّةُ وَأَجْزَأُكَ صَلَاتُكَ وَقَالَ لِلَّذِي تَوَضَّأَ وَأَعَادَ لَكَ الْآخِرَ مَرَّتَيْنِ - (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهُ وَقَدْ رَوَى هُوَ أَبُو دَاوُدَ أَيْضًا عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلًا)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ ”دو شخص سفر کو روانہ ہوئے (اشارہ میں) نماز کا وقت ہوا مگر ان کے پاس پانی نہیں تھا چنانچہ دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کیا اور نماز پڑھ لی (آگے چل کر) انہیں پانی مل گیا اور نماز کا وقت بھی باقی تھا لہذا ان میں سے ایک نے وضو کر کے نماز لوٹائی مگر دوسرے نے نہیں لوٹائی۔ جب دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ ذکر کیا، آنحضرت ﷺ نے (پورا واقعہ سن کر) اس شخص سے جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی فرمایا کہ تم نے سنت پر عمل کیا تمہارے لئے وہ نماز کافی ہے اور جس شخص

نے وضو کر کے نماز لوٹائی تھی آپ ﷺ نے اس سے فرمایا ”تمہارے لئے دو گنا اجر ہے۔“ (ابوداؤد، دارمی) اور نسائی نے بھی اسی طرح روایت نقل کی ہے اور نسائی و ابوداؤد نے عطاء بن یسار سے سلا بھی نقل کی ہے۔

تشریح: چونکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں اگر پانی مل جائے اور نماز کا وقت بھی باقی ہو تو اس نماز کو لوٹانا ضروری ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی فرمایا کہ تم نے سنت پر عمل کیا یعنی شریعت کا حکم چونکہ یہی ہے اس لئے تم نے شریعت کے حکم کی پابندی کی ہے کہ تیمم سے نماز پڑھ لینے کے باوجود تم نے نماز نہیں لوٹائی۔ دوسرے شخص کو آپ ﷺ نے دہرے ثواب کا مستحق قرار دیا کہ ایک ثواب تو ادا لے فرض کا اور دوسرا ثواب ادا لے نفل کا۔

اس مسئلہ میں علماء کا متفقہ طور پر فیصلہ ہے کہ تیمم کرنے والا نماز سے فارغ ہو کر اگر پانی دیکھے اور اسے پانی مل جائے تو اس کے لئے نماز کو لوٹانا ضروری نہیں ہے خواہ نماز کا وقت باقی کیوں نہ ہو۔

لیکن صورت اگر یہ ہو کہ ایک شخص تیمم کرنے کے بعد نماز پڑھنی شروع کر دے اور درمیان نماز سے پانی مل جائے تو اب وہ کیا کرے؟ آیا نماز ختم کر کے وضو کر لے اور پھر نماز پڑھے یا اپنی نماز تیمم ہی سے پوری کر لے؟ اس مسئلہ پر علماء کا اختلاف ہے؟ چنانچہ جمہور یعنی اکثر علماء کا مسلک تو یہ ہے کہ اس شخص کو اپنی نماز ختم نہیں کرنی چاہئے بلکہ وہ نماز پوری کر لے، اس کی نماز صحیح ہوگی۔

مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں اس شخص کا تیمم باطل ہو جائے گا، گویا اسے نماز توڑ کر اور پانی سے وضو کر کے دوبارہ نماز شروع کرنی چاہئے۔

الفصل الثالث

⑧ وَعَنْ أَبِي الْجُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصَّبَّامَةِ قَالَ أَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بَيْتِ جَمَلٍ فَلَقِيَهُ زَجَلٌ فَلَسَّ عَلَيْهِ فَلَمْ يَزِدْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ ثُمَّ زَدَ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

(متفق علیہ)

”حضرت ابو جیم ابن حارث ابن صمہؒ راوی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ (مدینہ میں) جمل کے کنوئیں کی طرف سے تشریف لائے آپ ﷺ سے ایک شخص (یعنی خود ابی جیم) ملے اور سلام کیا سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا اور ایک دیوار کے پاس تشریف لائے چنانچہ (پہلے) آپ ﷺ نے منہ اور ہاتھوں کا مسح کیا (یعنی تیمم کیا) پھر سلام کا جواب دیا۔“ (بخاری و مسلم)

⑨ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ أَنَّهُ كَانَتْ يُحَدِّثُ أَنَّهُمْ تَمَسَّحُوا وَهُمْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّعِيدِ لِصَلَاةِ الْفَجْرِ فَصَرَبُوا بِأَكْفِهِمُ الصَّعِيدَ ثُمَّ مَسَحُوا بِوُجُوهِهِمْ مَسْحَةً وَاحِدَةً ثُمَّ عَادُوا فَصَرَبُوا بِأَكْفِهِمُ الصَّعِيدَ مَرَّةً أُخْرَى فَمَسَحُوا بِأَيْدِيهِمْ كُلَّهَا إِلَى الْمَتَاكِيبِ وَالْأَبْطَانِ مِنْ بَطْنِ أَيْدِيهِمْ۔ (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت عمار ابن یاسرؒ یہ بیان کرتے ہیں کہ ”(ایک دفعہ) چند صحابہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے اور (پانی نہ ملنے کی وجہ سے) فجر کی نماز کے لئے انھوں نے پاک مٹی سے (اس طرح) تیمم کیا (کہ پہلے) اپنے ہاتھوں کو مٹی پر مار کر اپنے چہروں پر پھیرا اور دوسری مرتبہ اپنے ہاتھوں کو مٹی پر مار کر اپنے پورے ہاتھوں پر یعنی مونڈھوں تک اور بطنوں کے اندر تک مسح کیا ہاتھوں کے اندر کی طرف سے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ من بطون ایدیہم میں لفظ من ابتدا کے لئے ہے یعنی انہوں نے پہلے ہاتھوں کے اندر کے رخ پر ہاتھ پھیرے نہ کہ ہاتھوں کے اوپر کے رخ پر، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ پہلے ہاتھوں کے اوپر کے رخ پر مسح کرنا مستحب ہے۔ یا پھر اس کے معنی یہ ہوتے کہ ”انھوں نے“ ہتھیلیوں سے تیمم کرنا شروع کیا۔ ”یہی معنی زیادہ مناسب ہیں۔“

صحابہ نے ہاتھوں پر بظلوں اور مونڈھوں تک مسح کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے خیال کیا کہ آیت تیمم میں ”ید“ یعنی ہاتھ کا لفظ مذکور ہے جو مطلق ہے۔ اس آیت سے اور اس لفظ سے یہ بصراحت معلوم نہیں ہوتا کہ ہاتھوں پر مسح کہاں تک کیا جائے لہذا اس اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ ”ید“ یعنی ہاتھ جو انگلیوں سے لے کر بھل اور مونڈھے تک کے حصہ کے لئے بولا جاتا ہے اس پورے حصہ پر مسح کیا جائے اس لئے صحابہ نے ہاتھ کے پورے حصہ پر مسح کر ڈالا۔ اب جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو یہ کہا جائے گا کہ یہ صحابہ کا اپنا اجتہاد تھا کیونکہ جمہور علماء نے تیمم میں ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے اور وضو کے بارے میں قرآن نے صراحت کے ساتھ بتا دیا کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا فرض ہے لہذا جس طرح اصل یعنی وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جاتا ہے۔ وضو کے قائم مقام یعنی تیمم میں بھی ہاتھوں پر مسح وہیں تک کیا جانا چاہئے۔

پھر اس سے پہلے تیمم کے بارے میں کچھ احکام نقل کئے گئے تھے اس حدیث پر چونکہ باب ختم ہو رہا ہے اس لئے مناسب ہے کہ تیمم کے چھ دوسرے احکام و مسائل جو پہلے نقل نہیں کئے گئے ذکر کر دیئے جائیں۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ تیمم ان چیزوں سے کرنا چاہئے جو زمین کی جنس سے ہوں چنانچہ مٹی، ریت، چونا، قلعی، سرمہ، ہر تال، اور پتھر سے تیمم کیا جاسکتا ہے، اسی طرح موٹی اور مونگے کے علاوہ تمام جواہرات سے بھی تیمم کیا جاسکتا ہے۔

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ تیمم کرنے کے لئے ان چیزوں پر جو زمین کی جنس سے ہوں غبار ہونا ضروری نہیں ہے۔ یعنی ان مذکور چیزوں پر غبار نہ ہونے کی صورت میں ان سے تیمم کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر ایسی چیز کے ذریعہ تیمم کیا جائے جو زمین کی جنس سے نہ ہو تو اس پر غبار ہونا ضروری ہے، غبار نہ ہونے کی شکل میں اس کے ذریعہ کیا گیا تیمم جائز نہ ہوگا، مثلاً کسی لکڑی، کپڑے یا سونے اور چاندی وغیرہ پر غبار ہو تو اس سے تیمم جائز ہے۔

تیمم کے جواز کے لئے چار شرائط ہیں۔ ① پانی کے استعمال سے حقیقتاً یا حکماً عاجز ہونا۔ ② جس چیز سے تیمم کیا جائے اس کا پاک ہونا۔ ③ استیعاب یعنی اعضاء تیمم کے ہر حصہ پر اس طرح ہاتھ پھیرنا کہ کوئی جگہ مسح سے باقی نہ رہ جائے۔ ④ نیت اس کے بارے میں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ نماز اسی تیمم سے صحیح ہوگی جس میں حدیث طہارت کی نیت کی جائے۔ اس سلسلہ میں (حدیث یا جنابت کی تعین شرط نہیں ہے) یا اس عبادت مقصودہ کی نیت کی جائے جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہوتی۔ چنانچہ اگر کافر اسلام قبول کرنے کے لئے تیمم کرے یا کوئی شخص مسجد میں جانے کے لئے تیمم کرے اور پھر یہ چاہے کہ اسی تیمم سے نماز بھی پڑھ لے تو نماز اس تیمم سے جائز نہ ہوگی۔ جنبی، محدث، حائضہ اور نفاس والی عورت سب کے لئے تیمم کا ایک ہی طریقہ ہے جو پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

بَابُ الْغُسْلِ الْمَسْنُونِ

غسل مسنون کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ الْجُمُعَةُ فَلْيَغْتَسِلْ۔ (متن علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھنے آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کر لے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: مختار مسلک تو یہ ہے کہ غسل جمعہ کی نماز کے لئے ہے کہ اسی طہارت سے جمعہ اداء کرنا چاہئے لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ غسل

یوم جمعہ کی تعظیم و تکریم کے لئے ہے۔

بہر حال: تمام علماء کے نزدیک نماز جمعہ کے لئے غسل کرنا مستحب مؤکدہ ہے مگر حضرت امام مالکؒ کی ایک راویت یہ ہے کہ نماز جمعہ کے لئے غسل کرنا واجب ہے۔

② وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ۔

(تفق علیہ)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”ہر بالغ پر جمعہ کے روز نہانا واجب ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”واجب“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص جمعہ کے روز غسل نہ کرے تو وہ گنہ گار ہو گا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ ”یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے روز غسل کو ترک کرنا مناسب نہیں ہے۔“ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا ہمارے یہاں عام طور کسی مستحق رعایت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ”فلاں شخص کی رعایت ہم پر واجب ہے۔“

چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ یہاں اسی طرح ایسے دوسرے مواقع پر ”واجب“ کا لفظ استعمال فرمانا دراصل استحباب کے حکم کو مؤکد کرنا ہے۔ اور اس کی وجہ خاص طور پر یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مسجدیں بہت تنگ اور چھوٹی ہوتی تھیں اور مسلمان صوف کا استعمال کرتے تھے نیز محنت و مشقت بہت زیادہ کیا کرتے تھے چنانچہ جب ان کو پسینہ آتا تھا تو اس کی بو کی وجہ سے اس پاس کے لوگ تکلیف محسوس کرتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے اس حکم میں واجب کا لفظ استعمال فرمایا ہے تاکہ لوگ جمعہ کے روز غسل کے اس حکم کو جلدی قبول کر لیں اور اس پر پابندی سے عمل پیرا ہوں۔

③ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَوَّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَتَغَسَّلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيهِ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ۔ (تفق علیہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”ہر (عاقلاً بالغ) مسلمان پر حق ہے (یعنی ثابت اور لازم ہے) یا لائق ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دن (یعنی جمعہ کو) نہائے اور اپنا سارا بدن دھوئے۔“ (بخاری و مسلم)

الْفَصْلُ الثَّانِي

④ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنَعِمَتْ وَمَنْ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و النسائی و الداری)

”حضرت سرہ ابن جندبؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جس نے جمعہ کے روز وضو ہی کر لیا تو اس نے فرض ادا کیا اور یہ بہت اچھا فرض ہے اور جس شخص نے (نماز جمعہ کے لئے) غسل کیا تو یہ بہت اچھا ہے۔“ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی)

تشریح: فَبِهَا وَنَعِمَتْ کا مطلب یہ ہے کہ فبہا بفریضہ اخذ و نعمت الفریضہ یعنی (جس شخص نے نماز کے لئے غسل کیا اس نے فرض ادا کیا اور وہ فرض کیا ہی خوب ہے؟

اس سے پہلے حضرت ابوسعید خدریؓ کی جو روایت گزری ہے اس سے تو معلوم ہوتا تھا کہ جمعہ کے روز غسل کرنا واجب ہے مگر یہ حدیث بصراحت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جمعہ کے روز غسل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ زَادَ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ دَاوُدَ وَ مَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”جس شخص نے مردے کو نہلایا ہو اسے خود بھی نہالینا چاہئے۔“ (ابن ماجہ) اور احمد، ترمذی اور ابوداؤد نے (اس حدیث میں) مزید نقل کیا ہے کہ ”آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص جنازہ کو کاںڈھا دینے کا ارادہ کرے اسے وضو کر لینا چاہئے۔“

تشریح: اس حدیث سے دو چیزیں معلوم ہوتیں۔ اول تو یہ کہ جب کوئی شخص کسی مردے کو نہلائے تو اسے چاہئے کہ غسل میت سے فراغت کے بعد خود بھی نہالے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت اس کے اوپر چھینٹیں وغیرہ پڑ گئی ہوں لہذا پاکی اور صفائی کے لئے نہالینا مناسب ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک غسل میت کے بعد نہانے کا یہ حکم استحباب کے درجہ میں ہے کیونکہ ایک حدیث صحیح میں یہ ارشاد منقول ہے کہ ”اگر تم مردے کو نہلاؤ تو تم پر غسل لازم نہیں ہے۔“

اس حدیث سے دوسری چیز یہ معلوم ہوئی کہ جب کوئی شخص جنازہ کو اٹھانے کا ارادہ کرے تو اسے وضو کر لینا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص با وضو ہو کر جنازہ کو اٹھائے گا تو جب نماز پڑھنے کی جگہ جنازہ رکھا جائے گا اور جنازہ شروع ہوگی تو وہ فوراً نماز میں شریک ہو جائے گا یہ نہیں ہو گا وہ جنازہ رکھ کر وضو کرنے چلا جائے اور ادھر نماز بھی ہو جائے۔ اس حکم کے بارے میں بھی متفقہ طور پر سب کی رائے یہی ہے کہ یہ حکم استحباب کے درجہ میں ہے یعنی جنازہ اٹھانے سے پہلے وضو کر لینا مستحب ہے ضروری اور واجب نہیں ہے۔“

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ أَرْبَعٍ مِنَ الْجَنَابَةِ وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمِنْ الْحِجَامَةِ وَمِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ چار چیزوں کی وجہ سے نہانے کا حکم دیا کرتے تھے۔ ① جنابت یعنی ناپاکی سے ② جمعہ کے واسطے ③ سیکنی کھنچوانے سے ④ مردے کو نہلانے سے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: یَغْتَسِلُ اگر لفظی ترجمہ کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ان چار چیزوں کی وجہ سے غسل فرمایا کرتے تھے۔ ”مگر نبی کریم ﷺ کے بارے میں چونکہ یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی مردے کو نہلایا ہو اس لئے یغتسل کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ ان چار چیزوں کی وجہ سے نہانے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔“

بہر حال: ان چار چیزوں میں جنابت یعنی ناپاکی کا غسل تو فرض ہے باقی سب مستحب ہے۔ سیکنی کھنچوانے یعنی پچھنے لگوانے کے بعد غسل کرنے کا حکم صفائی و ستھرائی کے لئے ہے گویا پچھنے لگوانے کے بعد اس لئے نہالینا چاہئے کہ اس کی وجہ سے جو خون وغیرہ لگ گیا ہو اس سے پاکی و صفائی حاصل ہو جائے۔

⑦ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ أَنَّهُ أَسْلَمَ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَاسِدٍ -

(رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت قیسؓ ابن عاصمؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ جب اسلام کی دولت سے بہرور ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ پانی اور بیری کے پتوں سے نہائیں۔“ (ترمذی و ابوداؤد اور نسائی)

تشریح: اگر کوئی کافر ایسی حالت میں مسلمان ہو کہ وہ حالت جنابت میں تھا تو اس شکل میں اسے غسل کرنا واجب ہے۔ ورنہ تو اسلام لانے کے بعد نہانا مستحب ہے اور اس سلسلہ میں صحیح اور اولیٰ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان ہونا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ پہلے کلمہ شہادت پڑھ لے اس کے بعد نہائے۔ اس طرز اس کے لئے یہ بھی سنت ہے کہ نہانے سے پہلے سر منڈالے۔ آپ ﷺ نے حضرت قیسؓ کو

۱۔ حضرت قیس بن عاصم کی کنیت ابوعلی ہے بن عبد البر

پانی کے ساتھ بیری کے پتوں سے بھی نہانے کا حکم اس لئے دیا تاکہ پاکی اور صفائی پوری طرح حاصل ہو جائے۔

الفصل الثالث

① عَنْ عِكْرَمَةَ قَالَ إِنَّ أَنَسًا مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ جَاءَ وَافَقَالُوا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ أَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبًا قَالَ لَا وَلَكِنَّهُ أَظْهَرُ وَخَيْرٌ لِمَنْ اغْتَسَلَ وَمَنْ لَمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِبٍ وَسَأُخْبِرُكُمْ كَيْفَ بَدْءُ الْغُسْلِ كَانَ النَّاسُ مَجْهُوِّ دِينَ يَلْبَسُونَ الصُّوفَ وَيَعْمَلُونَ عَلَى ظُهُورِهِمْ وَكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيْقًا مَقَارِبِ السَّقْفِ إِنَّمَا هُوَ عَرِيشٌ فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمٍ حَارٍّ وَعَرِقَ النَّاسُ فِي ذَلِكَ الصُّوفِ حَتَّى صَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاخٌ أَدَّى بِذَلِكَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمَّا وَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الرِّيَاخَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا كَانَ هَذَا الْيَوْمُ فَأَغْتَسِلُوا وَلَيْسَ أَحَدُكُمْ أَفْضَلُ مَا يَجِدُ مِنْ ذَهَبٍ وَطَبِيبٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ جَاءَ اللَّهُ بِالْخَيْرِ وَلَيْسُوا عَنِ الصُّوفِ وَكَفُّوا الْعَمَلَ وَوَسَّعَ مَسْجِدَهُمْ وَذَهَبَ بَعْضُ الَّذِي كَانَ يُؤَذَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا مِنَ الْعَرَقِ - (رواه البزاد)

”حضرت عکرمہؓ راوی ہیں کہ عراق کے چند آدمی آئے اور حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کی رائے میں جمعہ کے دن نہانا واجب ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں اگر (جمعہ کے دن نہانا) بہت زیادہ صفائی اور تھرائی ہے اور جو شخص غسل کر لے اس کے لئے بہتر ہے اور جو شخص نہ نہائے اس پر واجب بھی نہیں ہے اور میں تم کو بتاتا ہوں کہ جمعہ کے دن غسل کی ابتداء کیوں کر ہوئی؟ (یعنی جمعہ کے روز غسل کس وجہ سے شروع ہوا تو اصل بات یہ تھی کہ اسلام کے شروع زمانہ میں) بعض نادار صحابہ صوف پہنتے تھے اور پیٹھ پر (بوچھا اٹھانے کا) کام کرتے تھے، ان کی مسجد تنگ تھی جس کی چھت نیچی اور کھجور کی ٹہنیوں کی تھی۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب سخت گرمی کی وجہ سے (صوف کے اندر لوگ پسینہ سے تر ہو گئے، یہاں تک کہ (پسینہ کی) بدبو پھیلی جس سے لوگ آپس میں تکلیف محسوس کرنے لگے۔ جب سرکارِ دو عالم ﷺ کو بدبو کا احساس ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”لوگو! جب جمعہ کا دن ہو تو غسل کر لیا کرو بلکہ تم سے جسے تیل یا خوشبو مثلاً عطر وغیرہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی فراوانی کی تو لوگوں نے صوف چھوڑ کر (عمدہ) کپڑے استعمال کرنے شروع کر دیئے محنت و مشقت کے کام بھی چھوٹ گئے، مسجد بھی وسیع ہو گئی اور پسینہ کی وجہ سے جو لوگوں کو آپس میں تکلیف ہوتی تھی وہ بھی جاتی

ری۔“ (ابوزاد)

تشریح: شروع میں جب کہ اسلام کا ابتدائی دور تھا مسلمانوں کی زندگی محنت و مشقت اور تنگی و ناداری سے بھرپور تھی، ایسے بہت کم صحابہؓ تھے جو مال دار اور خوش حال تھے۔ زیادتی اور کثرت ایسے ہی لوگوں کی تھی جو دن بھر محنت و مشقت کرتے اور جنگوں اور شہروں میں مزدوری کرتے۔ اس طرح وہ حضرات مشکلات و پریشانی کی جکڑ بند یوں میں رہ کر اپنے دین و ایمان کی آبیاری کیا کرتے تھے۔ لیکن تنگی و پریشان حالی کا یہ دور زیادہ عرصہ نہیں رہا جب اسلام کی حقیقت آفریں آواز مکہ اور مدینہ کی گھانٹیوں سے نکل کر عالم کے دوسرے حصوں میں پہنچی اور مسلمانوں کے لشکرِ خدا اور خدا کے رسول کا نام بلند کرنے کے لئے ان تمام سختیوں اور پریشانیوں کو زار و راہ بناتے ہوئے قصیر و کسریٰ جیسے والیان ملک کی حشمت و سطوت اور شان و شوکت سے جا نکر ائے اور جس کے نتیجے میں انہوں نے دنیا کے اکثر حصوں پر اپنی فتح و نصرت کا علم گاڑ دیا تو تنگی و پریشان حالی کا وہ دور خدا نے فراخی و وسعت میں تبدیل کر دیا۔ اب مسلمان نادار اور پریشان حال نہ رہے بلکہ مالدار اور خوش حال ہو گئے اور محنت و مشقت کی جگہ دنیا کی چہان پائی و مسند آرائی نے لے لی۔

اس حدیث میں حضرت ابن عباسؓ نے جمعہ کے روز غسل کے حکم کی وجہ بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کے ان دونوں دور کا ایک ملک اور لطیف خاکہ پیش فرمایا ہے کہ پہلے تو مسلمان اتنے نادار اور تنگ دست تھے کہ نہ تو ان کے پاس ڈھنگ سے پہننے کے کپڑے تھے، نہ معیشت کی دوسری آسانیاں میسر تھیں بلکہ وہ لوگ دن بھر محنت و مزدوری کر کے سوکھا روکھا کھاتے اور صوف پہنا کرتے تھے جس کی وجہ

سے جب سخت گرمی میں ان کو پسینہ آتا تو مسجد میں بیٹھے ہوئے اس پاس کے لوگوں کو پسینہ کی بو سے تکلیف ہوا کرتی تھی۔ مگر جب بعد میں خدا نے ان پر مال و زر کے دروازے کھول دیئے تو وہ بغیر کسی کوشش اور محنت کے مال دار اور خوش حال ہو گئے اور خدا نے ان پر اسباب معیشت کے بے انتہا فراوانی کر دی۔

حدیث کے آخری لفظ بعضاً من العرق میں لفظ من بیان ہے لفظ بعض کا اور یہاں بعض سے مراد اکثر ہے اس طرح اس جملہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اکثر لوگوں کے پسینے جو آپس میں لوگوں کو تکلیف پہنچاتے تھے خوشحالی اور اسباب معیشت کی فراوانی کی وجہ سے ختم ہو گئے۔ بہر حال حضرت ابن عباسؓ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ پسینہ کی بدبو کی کثرت کی وجہ سے ابتداء اسلام میں جمعہ کے روز غسل کرنا واجب تھا مگر جب اسباب معیشت کی فراوانی اور مسلمانوں کی خوشحالی کی وجہ سے یہ چیز کم ہو گئی تو غسل کے وجوب کا حکم منسوخ ہو گیا اور اس کی جگہ سنت کے حکم نے لے لی۔ اس طرح اب جمعہ کے روز غسل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

باب الحيض

حيض کا بیان

نفت میں ”حيض“ کے معنی ”جاری ہونا“ ہیں اور اصطلاح شریعت میں حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو عورت کے رحم سے بغیر کسی بیماری اور ولادت کے جاری ہوتا ہے اور جیسے عرف عام میں ”ماہواری“ یا ایام بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح رحم عورت سے جو خون کسی مرض کی وجہ سے آتا ہے اسے استحاضہ اور جو خون ولادت کے بعد جاری ہوتا ہے اسے ”نفاس“ کہتے ہیں۔

حیض کی مدت کم سے کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے لہذا اس مدت میں خون خالص سفیدی کے علاوہ جس رنگ میں بھی آئے وہ حیض کا خون شمار ہوگا یعنی حیض کے خون کا رنگ سرخ بھی ہوتا ہے اور سیاہ و سبز بھی، نیز زرد اور مٹی کے رنگ جیسا بھی حیض کے خون کا رنگ ہوتا ہے۔ ایام حیض میں نماز، روزہ نہ کرنا چاہئے البتہ ایام گزر جانے کے بعد روزے تو قضاء ادا کئے جائیں مگر نماز کی قضاء نہیں ہوگی۔

مناسب ہے کہ اس موقع پر حیض کے کچھ مسائل و احکام (ماخوذ از علم الفقہ) ذکر کر دیئے جائیں۔

① اگر کوئی عورت سوکر اٹھنے کے بعد خون دیکھے تو اس کا حیض اسی وقت سے شمار ہوگا جب سے وہ بیدار ہوئی ہے اس سے پہلے نہیں اور اگر کوئی حائضہ عورت سوکر اٹھنے کے بعد اپنے کو طاہر پائے تو جب سے سوئی ہے اسی وقت سے طاہر سمجھی جائے گی۔

② حیض و نفاس کی حالت میں عورت کے ناف اور زانوں کے درمیان کے جسم کو دیکھنا یا اس سے اپنے جسم کو ملانا بشرطیکہ کوئی کپڑا درمیان میں نہ ہو مکروہ تحریمی ہے اور جماع کرنا حرام ہے۔

③ حیض والی عورت اگر کسی کو قرآن مجید پڑھاتی ہو تو اس کو ایک ایک الفاظ رک رک کر پڑھانے کی غرض سے کہنا جائز ہے۔ ہاں پوری آیت ایک دم پڑھ لینا اس وقت بھی ناجائز ہے۔

④ حیض و نفاس کی حالت میں عورت کے بوسے لینا، اس کا جھوٹا پانی وغیرہ پینا اور اس سے لپٹ کر سونا اور اس کے ناف اور ناف کے اوپر اور زانوں کے نیچے کے جسم سے اپنے جسم کو ملانا اگرچہ کپڑا درمیان میں نہ ہو اور ناف و زانوں کے درمیان کپڑے کے ساتھ ملانا جائز ہے بلکہ حیض والی عورت سے علیحدہ ہو کر سونا یا اس کے اختلاط سے بچنا مکروہ ہے۔

⑤ جس عورت کا حیض دس دن رات آکر بند ہوا ہو تو اس سے بغیر غسل کے خون بند ہوتے ہی جماع جائز ہے اور جس عورت کا خون دس دن رات سے کم آکر بند ہوا ہو تو اگر اس کی عادت سے بھی کم آکر بند ہوا ہے تو اس سے جماع جائز نہیں۔ جب تک کہ اس کی نہ گزر جلتے اگرچہ غسل بھی کر چکے اور عادت

کے موافق اگر بند ہوا ہے تو جب تک غسل نہ کرے یا ایک نماز کا وقت نہ گزر جائے جماع جائز نہیں۔ نماز کا وقت گزرنے کے بعد بغیر غسل کے بھی جائز ہوگا۔ نماز کا وقت گزرنے سے یہ مقصود ہے کہ اگر شروع وقت میں خون بند ہوا تو باقی وقت سب گزر جائے اور اگر آخر وقت میں خون بند ہوا تو اس قدر وقت ہونا ضروری ہے کہ جس میں غسل کر کے نماز کی نیت کرنے کی گنجائش ہو اور اگر اس سے بھی کم وقت باقی ہو تو پھر اس کا اعتساب نہیں دوسری نماز کا پورا وقت گزرتا ضروری ہے۔ یہی حکم نفاس کا ہے کہ اگر چالیس دن آکر بند ہوا ہو تو خون بند ہوتے ہی بغیر غسل کے اور اگر چالیس دن سے کم آکر بند ہوا ہو تو اور عادت سے بھی کم ہو تو بعد عادت گزر جانے کے اور اگر عادت کے موافق بند ہوا ہو تو غسل کے بعد یا نماز کا وقت گزرنے کے بعد جماع وغیرہ جائز ہے۔ ہاں ان سب صورتوں میں مستحب ہے کہ بغیر غسل کے جماع نہ کیا جائے۔

① جس عورت کا خون دس دن رات سے کم آکر بند ہوا ہو اور عادت مقرر ہو جانے کی شکل میں عادت سے بھی کم ہو تو اس کو نماز کے آخر وقت مستحب تک غسل میں تاخیر کرنا واجب ہے اس خیال سے کہ شاید پھر خون آجائے مثلاً اگر عشاء کے شروع وقت خون بند ہوا ہو تو عشاء کے آخر وقت مستحب یعنی نصف شب کے قریب تک اس کو غسل میں تاخیر کرنا چاہئے اور جس عورت کا حیض دس دن یا عادت مقرر ہونے کی شکل میں عادت کے موافق آکر بند ہوا ہو تو اس کو نماز کے آخر وقت مستحب تک غسل میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔

② اگر کوئی عورت غیر زمانہ حیض میں کوئی ایسی دوا استعمال کرے جس سے خون آجائے تو وہ حیض نہیں مثلاً کسی عورت کو مہینہ میں ایک دفعہ پانچ دن حیض ہو تو اس کے حیض کے پندرہ دن کے بعد کسی دوا کے استعمال سے خون آجائے تو وہ حیض نہیں۔

③ اگر کسی عادت والی عورت کو خون جاری ہو جائے اور برابر جاری رہے اور اس کو یہ یاد نہ رہے کہ مجھے کتنے دن حیض ہوتا تھا یا پھر یہ یاد نہ رہے کہ مہینہ کی کس کس تاریخ سے شروع ہوتا تھا اور کب ختم ہوتا تھا۔ یادوں باتیں یاد نہ رہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے غالب گمان پر عمل کرے یعنی جس زمانہ کو وہ حیض کا زمانہ خیال کرے اس زمانہ میں حیض کے احکام پر عمل کرے اور جس زمانہ کو طہارت کا زمانہ خیال کرے اس زمانہ میں طہارت کے احکام پر عمل کرے اور اگر اس کا گمان کسی طرف نہ ہو تو اس کو ہر نماز کے وقت نیا وضو کر کے نماز پڑھنا چاہئے اور روزہ بھی رکھے مگر جب اس کا یہ مرض رفع ہو جائے روزہ کی قضا کرنی ہوگی اور اگر اس کو شک کی کیفیت ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اس کو کسی زمانہ کی نسبت یہ شک ہو کہ زمانہ حیض کا طہر کا تو اس صورت میں ہر نماز کے وقت نیا وضو کر کے نماز پڑھے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو کسی زمانہ کی نسبت پر شک ہو کہ یہ زمانہ حیض کا ہے یا طہر کا یا حیض سے خارج ہونے کا تو اس صورت میں وہ ہر نماز کے وقت غسل کر کے نماز پڑھا کرے۔

الفصل الأول

① عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّ الْيَهُودَ كَانُوا إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ فِيهِمْ لَمْ يُوَاكِلُوها وَلَمْ يُجَامِعُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ فَسَأَلَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ الْآيَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا التَّكَاحَ فَلَبَّغَ ذَلِكَ الْيَهُودَ فَقَالُوا مَا يُرِيدُ هَذَا الرَّجُلُ أَنْ يَدْعَ مِنْ أَمْرِنَا شَيْئًا إِلَّا خَالَفْنَا فِيهِ فَبَعَاءُ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ وَعَبَّادُ بْنُ بَشْرٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الْيَهُودَ يَقُولُ كَذَا وَكَذَا أَفَلَا نُجَامِعُهُنَّ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى ظَنَّنَا أَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلْنَهُمَا هَدِيَّةً مِنْ لَيْسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَرْسَلَ فِي أَثَارِهِمَا فَسَقَا هُمَا فَعَرَفَا أَنَّهُ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا۔ (رواه مسلم)

”حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ”یہود میں جو کوئی عورت ایام سے ہو جاتی تو وہ لوگ نہ صرف یہ کہ اس کے ساتھ کھاتے پیتے نہ تھے بلکہ گھروں میں سونا بیٹھنا تک چھوڑ دیتے تھے چنانچہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں حکم پوچھا (کہ حائضہ عورتوں کے بارہ میں یہودیوں کا تو یہ عمل ہے ہم کیا کریں؟) جہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ الْآيَةُ (یعنی یہ لوگ

- آپ ﷺ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں الخ "نازل فرمائی (آیت کے نازل ہونے کے بعد) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی عورتوں کے ساتھ جب کہ وہ حائضہ ہوں (سوائے صحبت کے جو چاہے کیا کرو جب یہ خبر یہودیوں کو پہنچی تو انہوں نے کہا یہ شخص یعنی محمد ﷺ ہمارے جس دینی امر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس میں ہماری مخالفت ضرور کرتے ہیں۔" (یہودی کی زبانی یہ سن کر دو صحابہ) حضرت اسید ابن خضیر اور حضرت عباد ابن بشرؓ (دو بار رسالت میں) حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہودی ایسا ایسا کہہ رہے ہیں (یعنی انہوں نے یہودیوں کا کلام نقل کیا اور پھر یہ کہا کہ) اگر اجازت ہو (یہودیوں کی موافقت کے لئے) ہم اپنی عورتوں کا پاس (ایام حیض میں) رہنا سہنا چھوڑ دیں۔" (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کارنگ متغیر ہو گیا اور ہمیں یہ گمان ہو گیا کہ آپ ﷺ ان دونوں پر خفا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں بھی نکل کر چل دیئے۔ ان کے جاتے ہی آنحضرت ﷺ کے پاس کہیں سے تحفہ میں دودھ آگیا، آپ ﷺ نے ان دونوں کے پیچھے (کسی شخص کو بلانے کے لئے) بھیجا (جب وہ آگئے تو) آپ ﷺ نے انہیں دودھ پلا دیا (تاکہ انہیں آنحضرت ﷺ کے لطف و کرم کا احساس ہو جائے) چنانچہ دودھ پینے کے بعد انہوں نے جانا کہ آنحضرت ﷺ ہم سے ناراض نہیں ہیں۔" (مسلم)

تشریح: پوری آیت یہ ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا التَّبَسُّؤَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّى يَظْهَرْنَ-

"اور (اے محمد ﷺ) صحابہؓ حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں سو آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ تو نجاست ہے لہذا ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں اس سے مقابہ نہ کرو۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور ان سے مقابہ نہ کرنے کا حکم دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیویوں سے حیض کی حالت میں جماع نہ کرو، اور اس کے علاوہ تمام چیزیں جائز ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ کھانا، پینا، گھروں میں رہنا سہنا، لیٹنا، بیٹھنا یہاں تک کہ عورت کے ناف کے اوپر کے حصہ سے اپنا بدن ملانا یا ہاتھ لگانا یہ سب چیزیں جائز ہیں۔

لہذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایام حیض میں اگر کوئی شخص جماع کرے گا تو وہ شخص گنہ گار ہو گا کیونکہ یہ حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت سے ایام حیض میں یہ سمجھ کر جماع کرے کہ یہ حلال اور جائز ہے تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس کا حرام ہونا قرآن سے ثابت ہوتا ہے، (دونوں صحابہؓ نے یہودی کی باتیں سن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جو معروضہ پیش کیا تھا اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لیجئے کہ خدا خواستہ ان کے ذہن میں اس حکم کی کوئی اہمیت نہ تھی یا یہ کہ ایک اسلامی حکم کے مقابلہ میں یہودیوں کی بات کا انہیں زیادہ خیال تھا بلکہ ان کا مطلب تو صرف یہ تھا کہ آپ ﷺ اجازت دیں تو ہم عورتوں کے ساتھ ایام حیض میں اٹھنا بیٹھنا ترک کر دیں اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیں، تاکہ یہود جو طعن کرتے ہیں وہ نہ کریں اور ہم آپس میں الفت و یک جہتی کے ساتھ رہا کریں۔

② وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالتَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكِلَانَا جُنُبٌ وَكَانَ يَأْمُرُنِي فَأَتَرُ فَيَتَابِعُنِي وَأَنَا حَائِضٌ وَكَانَ يَخْرُجُ رَأْسُهُ إِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ۔ (متن علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "میں اور نبی کریم ﷺ دونوں جنابت کی حالت میں ایک برتن سے نہالیا کرتے تھے۔ (اور بعض اوقات) میں ایام سے ہوتی تو آپ ﷺ مجھے (تہ بند باندھنے کے واسطے) ارشاد فرماتے جب میں تہ بند باندھ لیتی تو آپ ﷺ مجھ سے (ناف کے اوپر اوپر) اپنے بدن لگا کر لیٹ جایا کرتے تھے اور (بعض مرتبہ) آپ اعتکاف میں ہوتے اور اپنا سر مبارک (مسجد سے) باہر نکال دیتے تو میں اپنے ایام کی حالت میں آپ ﷺ کا سر مبارک دھویا کرتی تھی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: عرب کے قاعدہ اور معمول کے مطابق ایک بڑا برتن جو طشت کے قسم کا ہوتا تھا پانی سے بھرا ہوا آنحضرت ﷺ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان رکھا رہتا اور یہ دونوں اس میں سے چلو بھر بھر کر نہاتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے جسم کے اس حصہ سے فائدہ اٹھانا جو ناف کے نیچے اور زانو کے اوپر ہوتا ہے حرام ہے۔ یعنی وہاں ہاتھ لگانا اور جماع کرنا ممنوع ہے چنانچہ اس کی وضاحت دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے اور یہی مسلک امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا ہے۔

امام محمدؒ، امام احمدؒ اور بعض شوافع حضرات کا مسلک یہ ہے کہ حائضہ عورت سے صرف وہی یعنی شرمگاہ میں دخول کرنا حرام ہے۔ حضرت عائشہؓ کا حجرہ مسجد سے بالکل ملا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کا دروازہ بھی مسجد ہی کی طرف کھلا ہوا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب اعتکاف میں ہوتے تھے تو اپنے سر مبارک اسی دروازے سے حجرے کی طرف نکال دیتے تھے وہاں حضرت عائشہؓ بیٹھ کر آپ ﷺ کا سر مبارک دھو دیتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھا ہو اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو مسجد سے باہر نکالے تو اسے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أَشْرَبُ وَأَنَا حَائِضٌ ثُمَّ أَنَا وَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلَيَّ مَوْضِعَ فَيَشْرَبُ وَأَتَعْرِقُ الْعَرْقَ وَأَنَا حَائِضٌ ثُمَّ أَنَا وَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلَيَّ مَوْضِعَ فَيُشْرَبُ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں حالت ایام میں پانی پی کر (وہ برتن) نبی کریم ﷺ کو دے دیا کرتی تھی آپ ﷺ اسی جگہ سے جہاں میرا منہ لگا تھا منہ لگا کر پی لیتے اور کبھی میں ایام کی حالت میں ہڈی سے گوشت نوح کر کھاتی پھر وہ ہڈی آنحضرت ﷺ کو دے دیتی آپ ﷺ اسی جگہ پر منہ رکھ کر گوشت کو نوچتے جہاں میں نے منہ رکھ کر نوچا تھا۔“ (مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کا یہ عمل دو وجہ سے ہوا کرتا تھا اول تو یہ کہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بے انتہا محبت تھی دوسرے یہ کہ آپ ﷺ کو یہودیوں کی مخالفت منظور ہوتی تھی چنانچہ یہودی تو کہاں حائضہ عورت کے ساتھ گھر میں رہنا اور ان کو ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کرتے تھے اور ادھر یہ معمول تھا کہ حضرت عائشہؓ ایام حیض میں برتن میں جس جگہ سے منہ لگا کر پانی پیا کرتی تھیں آپ ﷺ بھی اسی جگہ منہ لگا کر پانی پیتے اور حضرت عائشہؓ جس جگہ سے منہ لگا کر ہڈی سے گوشت کو نوچا کرتی تھیں آپ ﷺ بھی اسی جگہ منہ لگا کر ہڈی سے گوشت نوچا کرتے تھے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ کھانا پینا اور اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جائز ہے نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے اعضاء بدن نجس و ناپاک نہیں ہوتے۔

(۴) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّكِي فِي حِجْرِي وَأَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ - (متن علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ ”میں ایام کی حالت میں ہوتی اور نبی کریم ﷺ میری گود میں سہارا دے کر بیٹھ جاتے اور قرآن کریم پڑھتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث نے بھی اس بات کی وضاحت کر دی کہ حائضہ عورت ظاہری طور پر ناپاک ہوتی ہے اس کی ناپاکی کا حکم صرف حکما ہے اس لئے اگر حائضہ عورت ظاہر پاک نہ ہوتی اور اس کے بدن کے اعضاء نجس ہوتے تو سرکارِ دو عالم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی گود میں سہارا دے کر جب کہ وہ حالت ایام میں ہوا کرتی تھیں نہ بیٹھتے اور نہ اس طرح بیٹھ کر قرآن کریم پڑھتے۔

(۵) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاولِني الخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُلْتُ إِنِّي حَائِضٌ فَقَالَ إِنَّ حَيْضَتَكَ لَيْسَتْ فِي يَدِكَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ مسجد میں سے چھوٹا بوریا (جانماز) اٹھا کر مجھے دے دو“ (یعنی باہر کھڑی ہو کر اندر ہاتھ ڈال کر بوریا اٹھا لاؤ) میں نے عرض کیا کہ میں تو ایام سے ہوں۔ (اس لئے مسجد میں ہاتھ کیسے داخل کر سکتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”تمہارے ہاتھ میں تو حیض نہیں ہے۔“ مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ مسجد سے باہر کھڑی ہو کر مسجد کے اندر سے کوئی چیز اٹھا لے تو جائز ہے۔ کیونکہ ایام والی عورت کو صرف مسجد کے اندر جانا منع ہے نہ کہ مسجد کے اندر ہاتھ داخل کرنا بھی۔

① وَعَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي مِرْطٍ بَعْضُهُ عَلَيَّ وَبَعْضُهُ عَلَيْهِ وَأَنَا حَائِضٌ - (متن علیہ)

”اور ام المومنین حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ ایک ایسی چادر میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے کہ جس کا کچھ حصہ تو آپ ﷺ کے اوپر ہوتا تھا اور کچھ حصہ مجھ پر ہوتا تھا اور میں ایام سے ہوتی تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ حائضہ کا پورا جسم ناپاک نہیں ہوتا بلکہ اس کی شرم گاہ کے علاوہ تمام بدن پاک ہوتا ہے کیونکہ حائضہ کا پورا بدن اگر ناپاک ہوتا تو ایسی چادر میں نماز جائز نہ ہوتی جس کا بعض حصہ تو نمازی پر پڑا ہو اور بعض حصہ نجاست و ناپاکی پر۔

حضرت سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں کہ ”صاحب تخریج نے لکھا ہے کہ میں نے یہ حدیث یعنی بخاری و مسلم میں ان کے الفاظ کے ساتھ نہیں پائی ہے البتہ ان میں نیز ابوداؤد میں اس مضمون کی احادیث مذکور ہیں۔

الفصل الثانی

② عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَتَى حَائِضًا أَوْ امْرَأَةً فِي ذُبُرِهَا أَوْ كَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ - (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَفِي رِوَايَتِهِمَا فَصَدَقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ وَفِي التِّرْمِذِيِّ لَا نَعْرِفُ هَذَا الْحَدِيثَ إِلَّا مِنْ حَكِيمِ الْأَثَرِ عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے ایام والی عورت سے صحبت کی یا عورت کے پیچھے کی طرف بد فعلی کی۔ یا کسی کاہن کے پاس (غیب کی باتیں پوچھنے) گیا تو اس شخص نے (گویا) محمد ﷺ پر نازل کئے گئے دین کا کفر کیا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) ”ابن ماجہ“ اور دارمیؒ کی روایتوں میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”کاہن کے کہے ہوئے کی اس نے تصدیق بھی کر دی تو وہ کافر ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ ”ہمیں یہ حدیث معلوم نہیں سوائے اس سند کے کہ اسے حکیم اثرم، ابو تیمہ سے نقل کرتے ہیں اور وہ ابو ہریرہؓ سے۔“

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حلال اور جائز سمجھ کر کسی حائضہ سے جماع کرے یا کسی عورت کے پیچھے کی طرف بد فعلی کرے یا کاہن کے پاس جانے اور کاہن اسے غیب کے متعلق جو چیزیں بتائے انہیں وہ سچ جانے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اور اگر یہ شکل ہو کہ کوئی شخص حائضہ عورت سے جماع یا عورت سے لواطت کرے مگر یہ سمجھتا ہو کہ یہ حلال اور جائز نہیں ہے بلکہ حرام اور ناجائز ہے تو کافر نہیں ہوگا بلکہ فاسق ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کاہن کے پاس جائے مگر اس نے جو چیزیں بتائی ہیں اس کو سچ نہ جانے تو بھی فاسق ہوگا۔ اس صورت میں حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ جس شخص نے ایسا کیا گویا اس نے کفر ان نعمت کیا۔“

کاہن ان شخص کو کہتے ہیں جو آئندہ واقعات کی خبر دیتا ہے اور نجومی اسے کہتے ہیں جو ستاروں کی مدد سے خبر دیتا ہے۔ کاہن اور نجومی

دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ جس طرح کاہن کے پاس غیب کی خبریں جاننے کے لئے ممنوع ہے اور اس کی دی ہوئی خبر پر یقین کرنا کفر ہے اسی طرح نجوی کے پاس بھی جانا فق اور اس کی بتائی باتوں کو سچ جانا کفر ہے۔

اس حدیث میں پیچھے کی طرف بد فعلی کرنے کے سلسلہ میں صرف عورت کی جو قید لگائی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مرد سے اغلام کرنا اس سے بھی زیادہ برا ہے۔“

⑧ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا يَحِلُّ لِي مِنْ أَمْرِ أُنْثَى وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ مَا فَوْقَ الْإِزَارِ وَالتَّعَفُّفُ عَنْ ذَلِكَ أَفْضَلُ - (رَوَاهُ رِزْنٌ وَقَالَ مُجِئِي الشَّيْءِ اسْتِثْنَاهُ لَيْسَ بِقَوِيٍّ)

”اور حضرت معاذ ابن جبلؓ کہتے ہیں کہ ”میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ (ﷺ) امیری بیوی کی ایام کی حالت میں میرے واسطے کیا کیا جائز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ چیز جو تہ بند کے اوپر ہو۔ اور اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔“ (رزین اور محی السنۃؒ فرماتے ہیں اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے ایام کی حالت میں اس کی تہ بند کے اوپر ہاتھ وغیرہ لگانا تہ بند کے اوپر اختلاط کرنا اور بوس و کنار کرنا جائز ہے۔ مگر ان چیزوں سے بھی پرہیز کرنے کو زیادہ بہتر اور افضل اس لئے کہا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان امور کی وجہ سے خواہش نفسانی بھڑک اٹھے اور کوئی شخص جذبات سے مغلوب ہو کر جماع کر بیٹھے اس لئے اس حرام فعل سے بچنے کے لئے مناسب ہے کہ ان امور سے بھی اجتناب کیا جائے جو اس کے لئے مہم اور سبب بنتے ہیں۔

اور جہاں تک آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کا سوال ہے کہ آپ ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے تہ بند کے اوپر اور ہاتھ لگاتے تھے اور اختلاط کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے نفس اور جذبات پر قادر تھے۔ اس کے برخلاف دوسرے لوگوں سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی وہ آنحضرت ﷺ کی طرح اپنے جذبات اور نفس پر قابو رکھ سکیں گے۔ بہر حال۔ مسلک کے اعتبار سے یہ حدیث بھی حنفیہ کی ہی تائید کرتی ہے۔

⑨ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ بِأَهْلِهِ وَهِيَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ بِنِصْفِ دِينَارٍ - (رواه الترمذی و البوداؤد و النسائی و الدارمی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”اگر کوئی شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے تو اسے نصف دینار صدقہ کر دینا چاہئے۔“ (ترمذی، البوداؤد، دارمی، ابن ماجہ، نسائی)

تشریح: ایک دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا ہوتا ہے۔ اگر سونا سو روپے تولہ ہو تو ایک دینار چھ روپے کا ہوا اور آدھا دینار تین روپے کا۔ خطابی نے کہا ہے کہ اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کر لے تو اس کا کفارہ صرف استغفار ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے مگر امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی حائضہ عورت سے اس وقت جماع کیا جب کہ خون جاری تھا تو اسے ایک دینار صدقہ کرنا مستحب ہے اسی طرح اگر کسی نے انقطاع خون کے بعد صحبت کی تو اسے بھی نصف دینار صدقہ کرنا مستحب ہے۔

حضرت ابن ہمام حنفیؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے حائضہ بیوی سے یہ سمجھ کر صحبت کرے کہ یہ حلال ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور جس شخص نے اسے حرام سمجھتے ہوئے کیا تو اس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا لہذا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خداوند کریم کی بارگاہ میں اس حرام فعل کے صدور پر شرمسار ہو کر اس سے توبہ و بخشش کا خواست گار ہو اور ایک دینار یا نصف دینار از روئے استحباب صدقہ کر لے۔

محدثینؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابن عباسؓ پر غزل ہے یا موقوف ہے کیونکہ اس حدیث کا آنحضرت ﷺ تک مرفوع متصل ہونا ثابت نہیں ہے۔

(۱۰) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ دِمًا أَحْمَرٌ فَلْيَتَنَازَّوَ إِذَا كَانَ دِمًا أَصْفَرُ فَيَصْفُفْ دِينَارَ -

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”ایام کی حالت میں اگر حیض کا خون سرخ رنگ کا ہو (اور اس حالت میں کوئی صحبت کرے) تو ایک پورا دینار اور اگر خون کا رنگ زرد ہو تو آدھا دینار (صدقہ کرنا لازم ہے)۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حیض کی حالت میں جماع کرنے سے جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جماع کے وقت اگر حیض کے خون کا رنگ سرخ ہو تو ایک دینار صدقہ کرنا ضروری ہے اور اگر حیض کے خون کا رنگ زرد ہو تو آدھا دینار صدقہ کرنا چاہئے چنانچہ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ابتدائے حیض میں صحبت کرنے کی وجہ سے ایک دینار اور حالت انقطاع میں نصف دینار مستحب ہے۔ وہ اس حدیث سے استدلال لال کرتے ہیں کیونکہ ابتداء میں حیض کے خون کا رنگ سرخ ہوتا ہے اور آخر میں زرد ہو جاتا ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۱) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا يَحِلُّ لِي مِنْ أَمْرَاتِي وَهِيَ حَائِضٌ

فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشُدُّ عَلَيْهَا إِذَا رَهَائِمُ شَانِكَ بِأَعْلَاهَا - (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالدَّارِمِيُّ مُزْسَلًا)

”حضرت زید ابن اسلمؓ (بھی) فرماتے ہیں کہ ”ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ میرے لئے میری بیوی سے جب کہ وہ ایام کی حالت

میں ہو تو کیا جائز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس کے جسم پر اس کا تہ بند خوب مضبوط باندھ لو! پھر تہ بند کے اوپر تمہارا کام ہے۔“ (یعنی ناف

سے اوپر تم کو اختلاط مباح ہے اور ناف کے نیچے حرام ہے۔“ (مالکؒ اور دارمیؒ نے اس حدیث کو بطریق ارسال روایت کیا ہے)

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ إِذَا حِضْتُ نَزَلْتُ عَنِ الْمِثَالِ عَلَى الْحَصِيرِ فَلَمْ يَقْرُبْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ وَلَمْ يَنْدُبْ مِنْهُ حَتَّى نَظْهَرَ - (رواہ البوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”جب میں ایام سے ہو جاتی تو بستر سے اتر کر بورے پر آ جاتی تھی، چنانچہ جب تک کہ وہ پاک نہ

ہو جاتی نہ تو نبی کریم ﷺ ان کے نزدیک آتے تھے اور نہ وہ نبی کریم ﷺ کے نزدیک آتی تھیں۔“ (البوداؤد)

تشریح: بظاہر یہ حدیث ان احادیث کے بالکل برعکس ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ایام کی

حالت میں ان کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرتے تھے چنانچہ خود حضرت عائشہؓ ہی سے ایسی احادیث مروی ہیں۔ جن میں انھوں نے بتایا ہے

کہ آنحضرت ﷺ ان سے ایام حیض میں اختلاط کرتے تھے۔

لہذا اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ حدیث ان احادیث سے مسنوخ ہے۔ یا پھر اس حدیث کی توجیہ یہ کی

جائے گی کہ یہاں نزدیک نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ ایام کی حالت میں جماع کے لئے ایک دوسرے کے قریب نہ آتے تھے جیسا کہ قرآن

مجید کی آیت وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّى يَظْهَرْنَ میں ”ان کے نزدیک نہ آؤ جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں“ کا مطلب یہ کیا جاتا ہے کہ ”ان سے

جماع نہ کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔ یہاں حدیث کے الفاظ فَلَمْ يَقْرُبْ میں حرف زبر کے ساتھ اور حرف ر پیش کے ساتھ ہے

اسی طرح لَمْ تَدْنِ حَتَّى تَطْهَرْ دونوں حرفت کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے اکثر صحیح نسخوں میں ایسی طرح یہ الفاظ مذکور ہیں مگر نسخہ سید

جمال الدینؒ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ صحیح اسی طرح فلم تقرب نون اور حرف ر کے زبر کے ساتھ ہے نیز رسول اللہ ﷺ کے لام کو زبر

ہے۔ اسی طرح لم تدن پہلے نون کے زبر اور دوسرے نون کے پیش کے ساتھ ہے اور لفظ نظہر میں بھی نون ہے اور میر شاہؒ نے لکھا ہے کہ ”اصل البوداؤد میں یہ الفاظ اسی طرح ہیں۔“

بَابُ الْمُسْتَحَاضَةِ

مستحاضہ کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي امْرَأَةٌ اسْتَحَاضُ فَلَا أَظْهَرُ أَفَادَعُ الصَّلَاةَ فَقَالَ لَا إِنَّمَا ذَلِكَ عَزَقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكَ فَدَعِي الصَّلَاةَ وَإِذَا أَذْبَرَتْ فَأَغْسِلِي عَنْكَ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّيْ۔ (متفق علیہ)

”حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ ”فاطمہ بنت ابی حبیش نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ میں ایک ایسی عورت ہوں جسے برابر (استحاضہ کا) خون آتا رہتا ہے۔ چنانچہ میں کسی وقت پاک نہیں رہتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”نہیں ایہ تو ایک رگ کا خون ہے، حیض کا خون نہیں ہے لہذا جب تمہیں حیض آنے لگے تو تم نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو ”جسم سے“ خون کو دھو ڈالو (اور نہا کر) نماز پڑھ لو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی عورت مستحاضہ ہو جائے اور وہ ہر وقت استحاضہ کے خون سے ناپاک رہے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ”اگر وہ ایسی عورت ہو جو عتادہ ہو یعنی اس کے حیض کے ایام مقرر ہوں مثلاً اسے ہر ماہ پانچ روز یا چھ روز خون آتا تھا تو جب وہ مستحاضہ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ ان دنوں کو جن میں حیض کا خون آتا تھا ایام حیض قرار دے اور ان دنوں میں نماز وغیرہ چھوڑ دے اور جب وہ دن پورے ہو جائیں تو خون کو دھو کر نہائے اور نماز وغیرہ شروع کر دے۔“

اور اگر وہ مبتدیہ ہو یعنی ایسی عورت ہو کہ پہلا ہی حیض آنے کے بعد وہ مستحاضہ ہو گئی جس کے نتیجہ میں استحاضہ کا خون برابر جاری ہو تو اسے چاہئے کہ وہ حیض کی انتہائی مدت یعنی دس دن کو ایام حیض قرار دے کر ان دنوں میں نماز وغیرہ چھوڑ دے اور بعد میں نہا دھو کر نماز وغیرہ شروع کر دے۔ اس صورت میں دوسرے ائمہ کے نزدیک عمل تمیز پر ہو گا یعنی اگر خون سیاہ رنگ کا ہو تو اسے حیض کا خون قرار دیا جائے گا اور اگر سیاہ رنگ کا نہ ہو تو وہ استحاضہ کا خون کہلائے گا جیسے کہ آگے والی حدیث سے بھی یکی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر حضرت امام اعظمؒ اس حدیث کے بارے میں جو آگے آ رہی ہے اور جو حضرت عروہؒ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دو طرق سے روایت کی گئی ہے ایک تو ان میں سے مرسل ہے اور دوسری مضطرب اور یہ عجیب بات ہے کہ خون کے رنگ میں امتیاز کی بات صرف عروہؒ کی روایت ہی میں مذکور ہے جس کا حال معلوم ہو چکا کہ ایک طریق سے تو وہ مرسل ہے اور دوسرے طریق سے مضطرب لہذا اس حدیث پر کسی مسلک کی بنیاد رکھنا گویا اس مسلک کو کمزور کرنا ہے۔ اور یہ حدیث جو اوپر گزری جس میں دنوں کا اعتبار ہے اور جو ہماری دلیل ہے ”صحیح“ ہے لہذا اس حدیث پر عمل کرنا اولیٰ ہے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاطمہ بنت حبیش جنہوں نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اپنے بارے میں حکم دریافت کیا تھا عتادہ تھیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مستحاضہ کو چاہئے کہ وہ ہر فرض نماز کے لئے اپنی شرم گاہ دھو لیا کرے۔ اور حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ جب نماز کا وقت آئے جب ہی اپنی شرم گاہ دھو لے پھر نہ دھوئے اور لنگوٹا باندھ کر جلدی جلدی وضو کر لے اس کے بعد جو خون

جاری رہے گا اس میں وہ معذور ہوگی لہذا آخر وقت تک وہ جو چاہے پڑھے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

② عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِي حُبَيْشٍ أَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ فَإِذَا كَانَ ذَلِكَ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ فَإِذَا كَانَ الْأَخْرَفُ فَتَوَضَّئِي وَصَلِّي فَإِنَّمَا هُوَ عَرُوقٌ - (ردہ البوداؤد والنسائی)

”حضرت عروہ بن زبیرؓ (تابعی) حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ”انہیں استحاضہ کا خون آتا تھا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ جب حیض کا خون آئے جس کی پہچان یہ ہے کہ وہ سیاہ رنگ کا ہوتا ہے تو اس وقت تم نماز پڑھنے سے رک جایا کرو اور جب استحاضہ کا خون آنے لگے (یعنی خون سیاہ رنگ کے علاوہ اور کسی رنگ کا ہو) تو وضو کر کے نماز پڑھ لیا کرو کیوں کہ (یہ) حیض کا نہیں بلکہ ایک رنگ کا خون ہوتا ہے۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اس حدیث کے بارے میں اس سے پہلے حدیث کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ حدیث ان ائمہ کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ مستحاضہ ایام حیض کے سلسلہ میں تمیز پر عمل کرے کہ اگر خون کا رنگ گاڑھا سیاہ ہو تو اسے حیض کا خون قرار دے کر ان ایام میں نماز وغیرہ ترک کر دے اور رنگ گاڑھا سیاہ نہ ہو تو پھر اسے استحاضہ کا خون سمجھے اور نماز روزہ کرتی رہے چنانچہ اسی جگہ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ حدیث صحیح درجہ کو نہیں پہنچتی اس لئے اس کو کسی ملک کی بنیاد قرار دینا اس مسلک کی کمزوری کو ظاہر کرنے کے مترادف ہے۔

بہر حال۔ یہاں خون کے جو رنگ بتائے گئے ہیں وہ دائمی اور کلی طور پر نہیں ہیں بلکہ آنحضرت ﷺ نے خون کے رنگ اکثر کے اعتبار سے فرمائے ہیں کیونکہ کبھی حیض کا خون سرخ وغیرہ رنگ کا بھی ہوتا ہے۔

حضرات حنفیہ اس حدیث کی وضاحت یہ کرتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا محمول یہ ہو گا کہ ”یہ تمیز عادت کے موافق ہو۔“ یعنی جس عورت کو استحاضہ لاحق ہو اور حیض میں جب خون کا رنگ سیاہ ہو گا تو اسے حیض کا خون قرار دیا جائے گا۔ لہذا جب اس کی عادت کے دن گزر جائیں اور ان ہی دنوں میں خون کا رنگ سیاہ بمائل سرخ وغیرہ ہو تو اس کے بعد حیض کا خون شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کی عادت کے موافق خون کا رنگ اب سیاہ نہیں رہا۔

③ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ إِنَّ أَمْرًا كَانَتْ تَهْوَاهُ الدَّمُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَتْ لَهَا أُمُّ سَلَمَةَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَتَنْظُرِي عَذَدًا لِلْيَالِي وَالْأَيَّامِ الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُ هُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ أَنْ يُصِيبَهَا الَّذِي أَصَابَهَا فَلْتَنْتَرِكِي الصَّلَاةَ قَدْرَ ذَلِكَ مِنَ الشَّهْرِ فَإِذَا خَلَفْتَ ذَلِكَ فَلْتَعْتَسِلِي ثُمَّ لَتَسْتَفْزِي بِتَوْبٍ ثُمَّ لَتَصَلِي - (زَوَاهُ مَالِكٍ وَابْنُ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَزَوَى النَّسَائِيُّ مَعْنَاهُ)

”اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت کو استحاضہ کا خون آتا تھا (اور وہ معتادہ تھی) چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے فتویٰ پوچھا (کہ اس کا کیا حکم ہے؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اسے چاہئے کہ وہ دیکھے کہ اس بیماری کے آنے سے پہلے اسے مہینہ میں حیض کا خون کتنے دن رات آتا تھا (جب یہ معلوم ہو جائے تو) ہر مہینہ اتنے ہی دنوں نماز پڑھنی چھوڑ دے اور جب وہ دن گزر جائیں تو نہالے اور (پاجامہ کے اندر) کپڑے کی لنگوٹی باندھ کر نماز پڑھ لیا کرے۔“ (مالک، ابوداؤد، ترمذی، اور نسائی نے اس روایت کو باطنی نقل کیا ہے۔)

کی (دھارگی) طرح آتا ہے۔ ”آپ ﷺ نے فرمایا ”پھر تو میں تمہیں دو باتوں کا حکم کرتا ہوں ان میں سے تم جس ایک کو بھی اختیار کر لوگی دوسری کی ضرورت نہیں رہے گی اور اگر تمہارے اندر دونوں (پر عمل کرنے) کی طاقت ہوگی تو تم خود ہی دانا ہو (کر بہت بڑا ہار ملے گا لہذا تم اپنی حالت کو دیکھتے ہوئے جو چاہو کرو) چنانچہ آپ ﷺ نے حمنہ سے کہا کہ ”یہ استخاضہ شیطان کی لاتوں میں سے ایک لات مارنا ہے لہذا تم (ہر مہینہ) چھ یا سات روز کیونکہ (غیب کا علم اللہ کو ہے)، حیض کے ایام قرار دو اور پھر (مدت مذکورہ گزر جانے کے بعد) نہاڈالو اور جب تم جان لو کہ میں پاک و صاف ہوگئی ہوں تو تیس دن رات (ایام حیض سات دن قرار دینے کی شکل میں) یا چوبیس دن رات، ایام حیض چھ دن قرار دینے کی شکل میں) نماز پڑھتی رہا کرو، اور اسی طرح مہینے رمضان وغیرہ کے روزے بھی رکھتی رہا کرو چنانچہ جس طرح عورتیں اپنی اپنی مدت پر ایام سے ہوتی ہیں اور پھر وقت پر پاک ہوتی ہیں تم بھی ہر مہینہ اسی طرح کرتی رہا کرو ”کہ چھ دن یا سات دن تو حیض کے ایام قرار دو اور بقیہ دن طہر یعنی پاکی کے ایام قرار دو تمہارے لئے یہ کافی ہوگا۔ اور اگر تمہارے اندر اتنی طاقت ہو کہ وقت اخیر کے اس میں نہاڈالو اور عصر میں جلدی کر کے ان دونوں نمازوں کو اکٹھی پڑھ لو اور پھر مغرب کا وقت اخیر کر کے نہاڈالو اور عشاء میں جلدی کر کے ان دونوں نمازوں کو اکٹھی پڑھ لو اور نماز فجر کے لئے (علیحدہ) نہاڈالو تو اسی طرح کر لیا کرو اور (جن دنوں میں نماز پڑھو ان دنوں میں نفل اور فرض جیسے بھی چاہوں) روزے رکھ لیا کرو اگر تمہارے میں اس کی طاقت ہو تو (اس طرح کرتی رہا کرو) پھر سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ان دنوں باتوں میں سے آخری بات مجھے بہت پسند ہے۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: یوں تو استخاضہ کا خون آنا مرض کی بناء پر ہوتا ہے تاہم آنحضرت ﷺ نے اس کی نسبت شیطان کی طرف فرمائی ہے کہ یہ شیطان کی لاتوں میں سے ایک لات مارنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بہکانے اور عبادت کے اند خلل ڈالنے کے لئے شیطان کو موقع ملتا ہے چنانچہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر پاکی و صفائی اور نماز وغیرہ میں فساد کا بیج بوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے استخاضہ کی حقیقت بیان فرما کر سائل کو دو ایسے حکم دیئے جن پر عمل کرنے سے شیطان اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے آپ ﷺ نے ایک حکم تو یہ دیا کہ فَتَحَ حَيْضِيْ سِتَّةَ اَيَّامٍ اَوْ سَبْعَةَ اَيَّامٍ یعنی چھ روز یا سات روز حیض کے ایام قرار دو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں ہر مہینہ اپنی اوپر عادت کے مطابق چھ دن یا سات دن تک حیض کے احکام جاری رکھ۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائل کا معادہ تھی اور وہ حیض کے ایام بھول گئی تھی لیکن اسے یہ یاد نہیں رہا تھا کہ حیض کا خون ہر مہینہ چھ دن آتا تھا یا سات دن آتا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ تم اپنے یقین و گمان پر عمل کرو اگر تمہارا یقین یہ کہتا ہو کہ عادت چھ دن کی تھی تو اس صورت میں چھ دن حیض کے ایام قرار دو اگر اس بات کا گمان غالب ہو کہ عادت سات دن کی تھی تو پھر سات دن حیض کے ایام قرار دو پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فی علم اللہ فرما کر اس بات کا اشارہ کر دیا کہ تم تو بہر حال اپنے یقین و گمان پر عمل کرو اس بات کا علم بہر صورت اللہ تعالیٰ کو ہے، کہ تمہارا عادت کیا تھی کیونکہ غیب کی باتوں کا جاننے والا تو وہی ہے۔ یا پھر ستہ ایام او سبعة ایام میں او اگر شک کے لئے ہو تو ”فی علم اللہ“ راوی کا قول ہو گا جو اللہ اعلم کے معنی میں ہوگا۔ اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آنحضرت ﷺ نے تو ستہ ایام فرمایا ہے یا سبعة ایام اور خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

آپ ﷺ نے سائل سے جو یہ فرمایا کہ ”جس طرح عورتیں اپنی اپنی مدت پر ایام سے ہوتی ہیں اور پھر وقت پر پاک ہوتی ہیں۔ تم بھی اسی طرح ہر مہینہ کرتی رہا کرو۔“ تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جیسے تمہاری طرح وہ عورتیں جو اپنی عادت کے دن بھول جاتی ہیں اور پھر وہ اپنے ایام ٹھہراتی ہیں تم بھی اسی طرح اپنے ایام قرار دو یعنی اگر ان کے حیض کا وقت اول مہینہ ہے تو ایام حیض قرار دو اور اگر ان کے حیض کا وقت مہینہ کے درمیان میں ہو تو تم بھی ایام حیض درمیان مہینہ کو قرار دو اسی طرح اگر ان کے حیض کا وقت آخر مہینہ میں ہو تو تم آخر مہینہ کو ایام حیض قرار دو۔

بہر حال۔ پہلے حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ تم اپنے حیض کے مدت خواہ وہ سات دن ہو یا چھ دن پوری کر کے اس کے بعد نہاڈالو اور پھر ہر نماز

کے لئے غسل کیا کرو۔

دوسرا حکم آپ ﷺ نے یہ دیا کہ ”دونوں نمازوں کے درمیان ایسے وقت غسل کر لیا کرو کہ ایک نماز کا انتہائی وقت ہو اور دوسری نماز کا ابتدائی وقت پھر اس کے بعد دونوں نمازوں کو اکٹھی پڑھ لیا کرو اس طرح ظہر اور مغرب کو تاخیر کے ساتھ پڑھنے کے لئے جو کہا گیا ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ اول تو اس ”تاخیر“ کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وقت ختم ہونے کے بعد نماز پڑھی جائے مثلاً ظہر اور عصر دونوں وقت کی نماز عصر ہی کے وقت میں پڑھی جائے۔ اسی طرح مغرب کی اور عشاء کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھی جائے جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق مسافر دو نمازوں کو اس طرح جمع کر کے پڑھ سکتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ظہر کی نماز بالکل آخر وقت میں پڑھی جائے اور عصر کی نماز بالکل ابتداء میں پڑھی جائے، اسی طرح مغرب کی نماز بالکل آخر وقت میں پڑھی جائے اور عشاء کی نماز بالکل شروع میں پڑھی جائے جیسا کہ حنفی مسلک میں مسافر کے لئے جمع بین الصلواتین کی یہی تاویل کی جاتی ہے اور اسے جمع صوری کہتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد آنے والی حدیث بھی اسی مقصد و مراد کی وضاحت کر رہی ہے۔ پس اس دوسرے حکم کا حاصل یہ ہے کہ ”روزانہ غسل تو ظہر و عصر کے لئے کیا جائے اور ایک غسل مغرب و عشاء کے لئے اسی طرح ایک غسل فجر کے لئے کیا جائے۔“

یہ بات سمجھ لیجئے کہ پہلے حکم کا خلاصہ کرتے ہوئے جو یہ بتایا گیا ہے کہ ”ہر نماز کے لئے غسل کیا جائے۔“ اس کی صراحت حدیث میں تو نہیں ہے لیکن ارشاد گرامی ان قویۃ علیٰ ان توخرین الخ میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ اس عبارت سے سائلہ کا ہر نماز کے لئے غسل سے عاجز ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے اور یہی مسلک حضرت امیر المؤمنین حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت ابن زبیرؓ وغیرہ کا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کا مسلک یہ ہے کہ دو نمازیں ایک غسل کے ساتھ اکٹھی پڑھی جائیں اور یہی مسلک اس حدیث سے زیادہ قریب اور مطابق ہے کیونکہ اس میں زیادہ آسانی ہے نہ نسبت اس کے کہ ہر نماز کے لئے غسل کیا جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی طرف یہ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے کہ ”ہذا اعجب الامرین الیٰ یعنی دونوں نمازوں کے لئے غسل کرنا مجھے دوسرے امر یعنی ہر نماز کے لئے غسل سے زیادہ پسند ہے۔“ اور اس دوسرے حکم کو پسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ آپ ﷺ امت کے لئے وہی چیز پسند فرماتے تھے جو آسان اور سہل العمل ہو۔

جہاں تک خفیہ کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہے یا یہ کہ دونوں صورتوں میں غسل کا حکم معالجہ پر معمول ہے یعنی آپ ﷺ نے غسل کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ خون کی کثرت اور اس کی شدت ختم ہو جائے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑥ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ اسْتَحْضَيْتَتْ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا فَلَمْ تُصَلِّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللَّهِ إِنَّ هَذَا مِنَ الشَّيْطَانِ لِتَحْلِسَ فِي مَرْكَنٍ فَإِذَا زَأَتْ صَفَاةً فَوْقَ الْمَاءِ فَلْتَغْتَسِلْ لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلًا وَاحِدًا وَتَغْتَسِلْ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ غُسْلًا وَاحِدًا وَتَغْتَسِلْ لِلْفَجْرِ غُسْلًا وَاحِدًا وَتَوَضَّأَ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ رَوَى مُجَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَمَّا اسْتَدَّ عَلَيْهَا الْغُسْلُ أَمَرَهَا أَنْ تَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ)

”حضرت اسماء بنت عُمیسؓ کہتی ہیں کہ ”میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کو (پہلی مرتبہ) اتنی مدت سے استحاضہ آرہا ہے اس لئے وہ (یہ خیال کر کے کہ شاید یہ بھی حیض کے حکم میں ہو) نماز نہیں پڑھ رہی ہیں۔“ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”سبحان اللہ! یہ نماز کا چھوڑنا تو شیطانی اثر ہے؟ اسے چاہئے کہ ایک گن میں پانی ڈال کر بیٹھ جائے جس وقت پانی پر زردی معلوم ہونے لگے تو ظہر

اور عصر کے لئے ایک غسل کرے اور مغرب و عشاء کے لئے ایک غسل کر لے اور فجر کے لئے علیحدہ ایک غسل کرے (اور جب ضرورت ہو تو عصر اور عشاء کے لئے) ان کے درمیان وضو کرے۔ ”(یہ روایت ابو داؤد نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ مجاہدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ”جیب فاطمہؓ کو (ہر نماز کے لئے) غسل کرنا دشوار معلوم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو (ایک غسل سے) دو نمازیں اکٹھی پڑھنے کا حکم دیا۔)

تشریح: جب ظہر وقت بالکل اخیر ہوتا ہے تو آفتاب پر قدرے زردی آجاتی ہے بلکہ زوال کے بعد تغیر ہونا شروع ہو جاتا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے لگن میں دیکھنے کے لئے اس وجہ سے فرمایا کہ وہ زردی پانی پر آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے وہ زردی بڑھتے بڑھتے مغرب کے قریب پوری ہو جاتی ہے اس وقت نماز پڑھنی مکروہ ہے لیکن آپ ﷺ نے جس زردی کے بارے میں فرمایا ہے یہ اس زردی کے علاوہ ہے جو عصر کے بعد ہوتی ہے اور وہ نماز کے لئے کراہت کا وقت ہوتا ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الصلوٰۃ

نماز کا بیان

لغت میں ”صلوٰۃ“ دعا کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں صلوٰۃ چند مخصوص اقوال و افعال کو کہتے ہیں جن کی ابتداء تکبیر سے اور انتہاء سلام پر ہوتی ہے۔ صلوٰۃ کے مادہ اشتقاق کے بارے میں کئی اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

نوویؒ نے مسلم کی شرح میں کہا ہے کہ صلوٰۃ کا مادہ اشتقاق ”صلوین“ ہے جو سوین کی دونوں ہڈیوں کو کہتے ہیں چونکہ نماز میں ان دونوں ہڈیوں کو رکوع و سجود کے وقت زیادہ حرکت ہوتی ہے اس لئے اس مناسبت سے نماز کو صلوٰۃ کہا گیا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں ”صلوٰۃ“ مصلیٰ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ٹیڑھی لکڑی کو آگ سے سینک کر سیدھا کرنا چنانچہ نماز کو صلوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان کے مزاج میں نفس مارہ کی وجہ سے ٹیڑھا پن ہے لہذا جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے۔ تو خداوند قدوس کی عظمت و ہیبت کی گرمی جو اس عبادت میں انتہائی قرب خداوندی کی بناء پر حاصل ہوتی ہے اس کے ٹیڑھے پن کو ختم کر دیتی ہے گویا مصلیٰ یعنی نمازی اس مادہ اشتقاق کی رو سے اپنے نفس مارہ کو عظمت خداوندی اور ہیبت ربانی کی تپش سے سینکنے والا ہوا۔ لہذا جو شخص نماز کی حرارت سے سینکا گیا اور اس کا ٹیڑھا پن نماز کی وجہ سے دور کیا گیا تو اس کو آخرت کی آگ یعنی دوزخ سے سینکنے کی ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ خدا کی ذات سے امید ہے کہ وہ اپنے اس بندے کو جس نے دنیا میں نماز کی پابندی کی اور کوئی ایسا فعل نہ کیا جو عذاب خداوندی کا موجب ہو تو اسے جہنم کی آگ میں نہ ڈالے گا۔

اس اصطلاحی تعریف کے بعد یہ سمجھ لیجئے کہ نماز اسلام کا وہ عظیم رکن اور ستون ہے جس کی اہمیت و عظمت کے بارے میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ اثر منقول ہے کہ:

”جب نماز کا وقت آتا تو ان کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ لوگوں نے پوچھا کہ، امیر المؤمنین! آپؑ کی یہ کیا حالت ہے؟ فرماتے ہیں کہ اب اس امانت کا وقت آگیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، پہاڑوں اور زمین پر پیش فرمایا تھا اور وہ سب اس امانت کے لینے سے ڈر گئے اور انکار کر دیا۔“ (احیاء العلوم)

نماز کی تاکید اور اس کے فضائل سے قرآن مجید کے مبارک صفحات مالا مال ہیں، نماز کو اداء کرنے اور اس کی پابندی کرنے کے لئے جس سختی سے حکم دیا گیا ہے وہ خود اس عبادت کی اہمیت و فضیلت کی دلیل ہے۔ ایمان کے بعد شریعت نے سب سے زیادہ نماز ہی پر زور دیا ہے چنانچہ قرآن کریم کی یہ چند آیتیں ملاحظہ فرمائیے۔

لہ یہ اشارہ ہے اس آیت قرآنی کی طرف: انا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها الخ۔

۱. اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوَّتًا۔

”بے شک ایمان والوں پر نماز فرض ہے وقت وقت سے۔“

۲. حَافِظُوْا عَلٰی الصَّلٰوةِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی۔

”نمازوں کی خصوصاً درمیانی نماز (عصر) کی پابندی کرو۔“

۳. اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔

”بے شک نیکیاں (یعنی نمازیں) برائیوں کو معاف کر دیتی ہیں۔“

۴. اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذٰكُرَ اللّٰهُ اَكْبَرُ۔

”بے شک نماز برے اور خراب کاموں سے انسان کو بچاتی ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ کے ذکر کا بڑا مرتبہ اور بڑا اثر ہے۔“

بہر حال نماز ایک ایسی پسندیدہ اور محبوب عبادت ہے جس کی برکتوں اور سجادتوں سے خداوند کریم نے کسی بھی نبی کی شریعت کو محروم نہیں رکھا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان سرکار دو عالم ﷺ تک تمام رسولوں کی اُمت پر نماز فرض تھی۔ ہاں نماز کی کیفیت اور تعینات میں ہر اُمت کے لئے تغیر ہوتا رہا۔ سرکار دو عالم ﷺ کی اُمت پر ابتداء رسالت میں دو وقت کی نماز فرض تھی ایک آفتاب کے نکلنے سے قبل اور ایک آفتاب ڈوبنے کے قبل۔ ہجرت سے ڈیڑھ برس پہلے جب سرکار دو عالم ﷺ نے معراج میں ذات حق جل مجدہ کی قربت حقیقی کا عظیم و افضل ترین شرف پایا تو اس مقدس اور باسعادت موقعہ پر پانچ وقت کی نماز کا عظیم و اشرف ترین تحفہ بھی عنایت فرمایا گیا۔ چنانچہ فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء ان پانچ وقتوں کی نماز کا فریضہ صرف اِسی اُمت کی امتیازی خصوصیت ہے اگلی امتوں پر صرف فجر کی نماز فرض تھی نیز کسی پر ظہر کی اور کسی پر عصر کی۔

اسلام کی تمام عبادات میں صرف نماز ہی وہ عبادت ہے جس کو سب سے افضل اور اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ چنانچہ اس پر اتفاق ہے کہ نماز اسلام کا رکن اعظم ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اسلام کا دار و مدار اسی عبادت پر ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

ہر مسلمان عاقل بالغ پر ہر روز پانچ وقت نماز فرض عین ہے امیر ہو یا فقیر، تندرست ہو یا مریض اور مقیم ہو یا مسافر ہر ایک کو پانچوں وقت ان آداب و شرائط اور طریقوں کے ساتھ جو خدا اور خدا کے رسول نے نماز کے سلسلہ میں بتائے ہیں خدا کے دربار میں حاضری دینا اور خداوند قدوس کی عظمت و بڑائی اور اپنی نیکی و لاپرواہی اور عجز و انکساری کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے یہاں تک کہ جب میدان کارزار میں جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور عورت سب سے زیادہ اور شدید تکلیف دروزہ میں مبتلا ہو تب بھی نماز کا چھوڑنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کی ادائیگی میں دیر کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کسی عورت کے بچہ کی پیدائش کے وقت بچہ کا کوئی جزو نصف سے کم اس کے خالص حصہ سے باہر آگیا ہو خواہ خون نکلا ہو یا نہ نکلا ہو اس وقت بھی اس کو نماز پڑھنے کا حکم ہے اور نماز میں توقف کرنا جائز نہیں ہے۔

جو شخص نماز کی فرضیت سے انکار کرے وہ کافر ہے اور اس کو ترک کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق و فاجر ہے بلکہ بعض جلیل القدر صحابہ مثلاً حضرت عمر فاروقؓ وغیرہ نماز چھوڑنے والے کو کافر کہتے ہیں امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے امام شافعیؒ و امام مالکؒ نماز چھوڑنے کو گردن زنی قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام اعظمؒ اگرچہ اس کے کفر کے قائل نہیں تاہم ان کے نزدیک بھی نماز چھوڑنے والے کے لئے سخت تعزیر ہے۔

مصنف مشکوٰۃ نے یہاں ”کتاب الصلوٰۃ“ کے نام سے جو عنوان قائم فرمایا ہے اس کے تحت نماز سے متعلق وہ تمام احادیث ذکر کی جا

رہی ہیں جن سے نماز کی اہمیت و عظمت اور اس کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے اور نماز کے جو احکام و فضائل ہیں ان کا استنباط ہوتا ہے۔

الفصل الأول

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانَ إِلَى رَمَضَانَ مَكْفُورَاتٌ لِمَا يَنْتَهِنُ إِذَا اجْتَنِبْتَ الْكِبَائِرَ - (رواه مسلم)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے تو پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک اس کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں جو ان کے درمیان ہوئے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پابندی کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز پڑھے، جمعہ کی نماز پورے آداب کے ساتھ ادا کرے اور اسی طرح رمضان کے روزے رکھے تو ان کے درمیان جو صغیرہ گناہ صادر ہوئے ہیں سب ختم ہو جاتے ہیں البتہ کبیرہ گناہ نہیں بخشے جاتے ہاں اگر خدا چاہے تو وہ کبیرہ گناہ بھی معاف فرما سکتا ہے۔

یہاں ایک ہلکا سا غلبان واقع ہوتا ہے کہ جب ہر روز کی پانچوں وقت کی نمازیں ہی تمام گناہ مٹا دیتی ہیں تو پھر یہ جمعہ وغیرہ کون سے گناہ ختم کرتے ہیں؟ چنانچہ اس غلبان کو رفع کرنے کے لئے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سب میں گناہوں کو مٹانے اور ختم کرنے کی صلاحیت ہے چنانچہ اگر گناہ صغیرہ ہوتے ہیں تو یہ تینوں ان کو مٹا دیتے ہیں ورنہ ان میں سے ہر ایک کے بدلے بے شمار نیکیاں لکھی جاتی ہیں جس کی وجہ سے درجات میں بلندی حاصل ہوتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحقؒ نے فرمایا کہ یہ تینوں صغیرہ گناہوں کے لئے کفارہ ہیں اور ان کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی ایک کسی گناہ کے لئے کفارہ بن سکے تو دوسرا کفارہ ہو جاتا ہے مثلاً نماز میں کسی تقصیر اور نقصان کی وجہ سے اگر وہ نماز گناہوں کے لئے کفارہ نہ ہو سکے تو ان کو جمعہ ختم کر دیتا ہے اور جمعہ میں بھی کسی تقصیر کی وجہ سے کفارہ ہونے کی صلاحیت نہ رہے تو پھر رمضان ان کے لئے کفارہ ہو جاتا ہے اور اگر سب کے سب کفارہ بننے کی صلاحیت رکھیں تو یہ سب مل کر گناہوں کو اچھی طرح مٹا دیتے ہیں اور کفارہ کی زیادتی کا باعث ہوتے ہیں چنانچہ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کئی چراغوں کی۔ اگر کسی مکان میں ایک چراغ ہو گا تو اندھیرا تو ختم ہو جائے گا مگر روشنی کم ہوگی اور اگر چراغ زیادہ ہوں گے تو نور اور روشنی میں اسی حیثیت سے زیادتی ہوگی۔

② وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَنْقَى مِنْ ذَنْبِهِ شَيْءٌ قَالُوا لَا يَنْقَى مِنْ ذَنْبِهِ شَيْءٌ قَالَ فَذَلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللَّهُ بِهِنَ الْخَطَايَا - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، تم بتاؤ کہ جس کے دروازے کے آگے پانی کی نہر چلتی ہو اور وہ روزمرہ اس میں پانچ مرتبہ نہتا ہو تو کیا اس کے بدن پر میل کا کوئی شائبہ بھی رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں ایل بالکل باقی نہیں رہے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا (تم سمجھ لو کہ) پانچوں نمازوں کی کہ اللہ تعالیٰ تمام (صغیرہ) گناہوں کو ان نمازوں کے سبب سے اسی طرح مٹا دیتا ہے (جس طرح پانی میل کو اتار دیتا ہے)۔“ (بخاری و مسلم)

③ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ إِنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنْ امْرَأَةٍ قُبْلَةً فَاتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَأَنزَلَ اللَّهُ تَعَالَى وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَيْ هَذَا قَالَ لِحَمِيصِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ وَفِي رِوَايَةٍ لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ أُمَّتِي - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی (غیر) عورت کا بوسہ لے لیا پھر احساسِ ندامت و شرمندگی کے ساتھ (نبی کریم ﷺ) کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر صورتِ واقعہ کی خبر دی (اور آپ ﷺ سے اس کا حکم پوچھا، آنحضرت ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ وحی کے ذریعہ حکمِ خداوندی کے منظر پر اس اثناء میں اس شخص نے نماز پڑھی) جب ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ اور نماز کو دن کے وقت اول و آخر اور رات کی چند ساعت میں پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں (یعنی نمازیں) برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ آیت کے نازل ہونے کے بعد اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ حکم میرے لئے ہے (یا پوری امت کے لئے؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”(نہیں) یہ حکم میری امت کے لئے ہے۔ ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کا جواب اس طرح مذکور ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) میری امت میں سے جو شخص اس آیت پر عمل کرے اس کے لئے (نیکی) حکم ہے، یعنی جو شخص بھی برائی کے بعد بھلائی کرے گا اسے یہی سعادت حاصل ہوگی کہ اس بھلائی کے نتیجہ میں اس کی برائی ختم ہو جائے گی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جن صاحب کا یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک غیر عورت کا بوسہ لے لیا تھا ان کا نام ابوالیسر تھا۔ ترمذیؒ نے ان کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں وہ خورواوی ہیں کہ، میرے پاس ایک عورت کھجوریں خریدنے کے لئے آئی میں نے اس سے کہا کہ میرے گھر میں اس سے زیادہ اچھی کھجوریں رکھی ہوئی ہیں (اس لئے تم وہاں چل کر دیکھ لو) چنانچہ وہ میرے ہمراہ مکان میں آگئی (وہاں میں شیطان کے بہکانے میں آگیا اور جذبات سے مغلوب ہو کر) اس اجنبی عورت سے بوسہ و کنار کیا۔ اس نے (میرے اس غلط اور نازیبا رویہ پر مجھے تنبیہ کرتے ہوئے) کہا کہ بندہ خدا! اللہ (کے قہر و غضب) سے ڈرو چنانچہ (خوفِ خدا سے) میرا دل تھرا گیا (اور) میں نہایت ہی شرمندہ و شرمسار ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ بارگاہِ رسالت میں ان کے ساتھ جو معاملہ ہوا وہی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

آیت کریمہ میں طرفی النهار یعنی دن کے اول و آخر سے دن کا ابتدائی حصہ اور انتہائی حصہ مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دن کے اول یعنی ابتدائی حصہ سے فجر کی نماز اور آخری حصہ سے ظہر و عصر کی نماز مراد ہے اسی طرح زلفا من اللیل یعنی رات کی چند ساعت سے مغرب و عشاء کا وقت مراد ہے۔ اس طرح اب آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا ”فجر، ظہر، عصر، مغرب، اور عشاء کی نماز پڑھا کرو، کیونکہ نیکیاں (نمازیں) برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔“

③ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَصَبْتُ حَذًّا فَأَقِمُّهُ عَلَيَّ قَالَ وَلَمْ يَسْأَلْهُ عَنْهُ وَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ قَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَصَبْتُ حَذًّا فَأَقِمُّهُ فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ أَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ عَفَاكَ لَكَ ذَنْبُكَ أَوْ حَدَّكَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ”ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جس پر حد واجب ہے اس لئے آپ ﷺ مجھ پر حد جاری فرمائیے“ راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے حد کے متعلق کچھ دریافت نہیں فرمایا اور نماز کا وقت آگیا۔ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو چکے تو وہ شخص کھڑا ہوا اور پھر عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھ سے ایک ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جو مستوجب حد ہے اس لئے آپ ﷺ (میرے بارے میں) خدا کا حکم نافذ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں! پڑھی ہے! آپ ﷺ نے فرمایا خدا نے تمہاری خطا یا فرمایا کہ تمہاری حد بخش دی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہاں یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس شخص کے الفاظ أَصَبْتُ حَذًّا (یعنی مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جس پر حد واجب ہے) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کسی ایسے کبیرہ گناہ مثلاً چوری وغیرہ کا ارتکاب کیا تھا جس پر حد واجب ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے نماز کی وجہ سے

اس کی بخشش کی خوشخبری سنادی لہذا اس سے ثابت ہوا کہ نماز کی وجہ سے کبیرہ گناہ بھی بخش دیئے جاتے ہیں۔

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کوئی ایسا گناہ صغیرہ سرزد ہو گیا تھا جو حقیقت میں تو ایسا نہیں تھا جس پر حد جاری ہوتی لیکن چونکہ وہ شخص ”صحابیت“ جیسے مرتبہ پر فائز تھے جہاں معمولی سا گناہ بھی خوف خداوندی سے دل کو لرزاں کر دیتا ہے اور ایک ہلکی سی معصیت بھی قلب و دماغ کے ہر گوشہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے اس لئے انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ مجھ سے ایک فعل سرزد ہو گیا ہے۔ جس پر از روئے شریعت حد جاری ہو جائے گی لہذا انہوں نے بارگاہ رسالت میں آکر اس طرح ذکر کیا جس سے بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ ان سے واقعی کوئی ایسا بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے جو سخت ترین سزا یعنی حد کا مستوجب بنے۔ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ حد سے ان کی مراد تعزیر تھی۔

آپ ﷺ نے اس شخص سے اس کے گناہ کی حقیقت اس لئے دریافت نہیں فرمائی کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ اس شخص نے کس قسم کا گناہ کیا ہے اسی لئے آپ ﷺ نے اسے اس گناہ کی بخشش کی جو خوشخبری دی تھی اپنی طرف سے نہیں دی تھی بلکہ جب آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے بتادیا کہ اس کا گناہ کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جس پر حد جاری کی جائے بلکہ ایسا گناہ ہے جو نماز کے ذریعہ معاف ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے اسے یہ خوشخبری سنادی۔

⑤ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ قَالَ الصَّلَاةُ لَوْ فَتِهَا قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَلَوْ اسْتَرْذَنَ لَرَأَيْتَنِي - (تقریباً علیہ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”وقت پر نماز پڑھنی“ (یعنی وقت مکروہ میں نماز پڑھی جائے) میں نے کہا کہ پھر کون سا عمل بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ماں باپ کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا“ میں نے عرض کیا کہ پھر کون سا عمل بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا کی راہ میں جہاد کرنا“ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت ﷺ نے یہی باتیں بیان فرمائی تھیں اگر میں کچھ زیادہ پوچھتا تو آپ ﷺ اس سے بھی زیادہ بیان فرماتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اتنی بات معلوم ہو جانی چاہئے کہ بہترین و افضل اعمال کے بارے میں مختلف احادیث منقول ہیں، چنانچہ اس حدیث سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب اعمال یہ تین ہیں مگر دوسری حدیثوں میں مذکور ہے کہ اسلام کے بہترین و افضل اعمال یہ ہیں کہ (غریبوں مسکینوں کو) کھانا کھلایا جائے۔ اسلام کی تبلیغ کی جائے اور رات میں اس وقت جب کہ لوگ آرام سے بتروں میں پڑے خواب شیریں سے ہمکنار ہوں خدا کی عبادت کی جائے اور نماز پڑھی جائے۔

اسی طرح بعض احادیث میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا سب سے بہترین و افضل عمل یہ ہے کہ لوگ تمہاری زبان اور تمہارے ہاتھ (کی انڈیا) سے محفوظ رہیں۔ نیز بعض حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ افضل ترین عمل خدا کا ذکر کرنا ہے۔ بہر حال اسی طرح دوسری احادیث میں دیگر اعمال کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ اعمال بہترین و افضل ہیں۔

تو اب ان تمام احادیث میں تطبیق اسی طرح ہو گی کہ یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے ہر ایک کی رضا و رغبت اور اس کے مزاج کے مطابق جواب دیا ہے یعنی جس نے بہترین عمل کے بارے میں سوال کیا اس کو وہی عمل بتایا جسے اس کے لائق سمجھا اور جو اس کی فطرت و مزاج اور اس کے حال کے مناسب معلوم ہوا۔ چنانچہ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم اکثر کسی خاص چیز کے بارے میں کسی وقت کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ فلاں چیز تو سب سے اچھی ہے حالانکہ دل کے اندر اس کی اچھائی و فضیلت کے بارے میں یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ چیز ہمہ وقت اور ہر حال میں نیز ہر ایک کے لئے سب سے اچھی اور افضل ہو گی بلکہ دل میں یہی خیال ہوتا ہے کہ یہ چیز اس خاص وقت میں اچھی اور بہتر ہے نہ کہ ہمہ وقت مثلاً خاموشی اور سکوت کا معاملہ ہے کہ جہاں مناسب ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ سکوت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے یا خاموشی سے افضل کوئی چیز نہیں ہے غرض آنحضرت ﷺ نے ہر ایک عمل کو حال اور مقام کے مناسب افضل فرمایا ہے۔ مثلاً ابتداء اسلام

میں جہاد ہی لوگوں کے حال مناسب تھا اس لئے جہاد کو فرمایا کہ یہ سب سے بہتر عمل ہے یا اسی طرح کسی شخص کو یا کسی جماعت کو بھوکا نہ دیکھا تو ان کی امداد و اعانت کی خاطر صدقہ و خیرات کی طرف لوگوں کو رغبت دلائی اور فرمایا کہ صدقہ افضل ترین عمل ہے یا نماز کو باری تعالیٰ کے قریب حقیقی کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ اچھا اور بہتر عمل قرار دیا۔ بہر حال۔ ان میں سے ہر ایک عمل کو افضل ترین عمل کہنے کی وجہ اور حیثیات مختلف ہیں۔ ہر ایک کی وجہ اور حیثیت اپنی اپنی جگہ دوسرے سے افضل و اعلیٰ ہے۔

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ - (روہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نماز کا چھوڑنا بندہ مؤمن اور کفر کے درمیان (کی دیوار کو ڈھالتا) ہے۔“ مسلم ۶

تشریح: یہاں لفظ ”بین“ کا متعلق مخدوف ہے یعنی اس حدیث میں یہ عبارت مقدر ہے کہ تَرْكُ الصَّلَاةِ وَصَلَّةُ بَيْنَ الْعَبْدِ الْمُسْلِمِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ جس کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ مؤمن اور کفر کے درمیان نماز بمنزلہ دیوار کے ہے کہ بندہ اس کی وجہ سے کفر تک نہیں پہنچ سکتا مگر جب نماز ترک کر دی گئی تو گویا درمیان کی دیوار اٹھ گئی لہذا نماز چھوڑنا اس بات کا سبب ہو گا کہ نماز چھوڑنے والا مسلمان کفر تک پہنچ جائے گا۔

بہر حال۔ یہ حدیث نماز چھوڑنے والوں کے لئے سخت تہدید ہے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز کا چھوڑنے والا ممکن ہے کہ کافر ہو جائے کیونکہ جب اس نے اسلام کو کفر کے درمیان کی دیوار کو ختم کر دیا تو گویا وہ کفر کی حد تک پہنچ گیا ہے اور جب وہ کفر کی حد تک پہنچ گیا تو ہو سکتا ہے کہ یہی ترک نماز اس کو فسق و فجور اور خدا سے بغاوت و سرکشی میں اس حد تک دلیر کر دے کہ وہ دائرہ کفر میں داخل ہو جائے۔

یہ شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ تارک نماز کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں چنانچہ اصحاب طواہر تو یہ کہتے ہیں کہ تارک صلوٰۃ کافر ہو جاتا ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نماز چھوڑنے والا اگرچہ کافر نہیں ہوتا مگر وہ اس سرکشی و طغیانی کے پیش نظر اس قائل ہے کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص نماز چھوڑ دے اس کو اس وقت تک جب تک کہ نماز نہ پڑھے مارنا اور قید خانہ میں ڈال دینا واجب ہے۔

الفصل الثانی

⑦ عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ أَحْسَنَ وَضَوَّنَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لَوْ قِيَّهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخَشَعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ - (روہ احمد و ابوداؤد و روی مالک و النسائی)

”حضرت عبادہ ابن صامتؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ان پانچ نمازوں کے لئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے (فرائض و مستحبات کی اذانگی کے ساتھ) اچھی طرح وضو کیا اور ان کو وقت پر پڑھا نیز ان میں رکوع و خشوع کیا (یعنی نماز میں جھنجھوری قلب کے ساتھ پڑھیں) تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ پر ذمہ (یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ) یہ ہے کہ وہ اس کے (صغیر) گناہ بخش دے گا اور جس شخص نے ایسا نہ کیا (یعنی اس نے مذکورہ بالا طریقہ سے یا مطلق نماز نہ پڑھی) تو اللہ تعالیٰ اس کا ذمہ دار نہیں ہے چاہے تو بخش دے چاہے اسے عذاب میں مبتلا کرے۔“ (احمد ۱۰، ابوداؤد، مالک، نسائی)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نماز چھوڑنے والا کافر نہیں ہوتا بلکہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ گناہ کبیرہ کے مرتکب کے بارے میں بھی یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ کو عذاب دے بلکہ اس کا دار و مدار سراسر اس کی مرضی پر ہے

کہ اگر وہ چاہے تو عذاب میں مبتلا کرے اور اگر چاہے تو اپنے فضل و کرم سے اسے بخش دے۔
اسی طرح یہ بھی جان لیجئے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہے گا بلکہ خدا کے حکم سے اسے جس مدت کے لئے دوزخ میں ڈالا جائے گا اس کے بعد وہ اپنی سزا پوری کر کے جنت میں داخل ہونے کا مستحق ہو جائے گا۔ چنانچہ اہل سنت و الجماعت کا یہی مسلک ہے۔

⑧ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَادُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ وَأَطِيعُوا إِذَا أَمَرَكُمْ تَذْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔ (رواہ احمد و الترمذی)

”اور حضرت ابی امامہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ (مسلمانوں) پانچوں وقت اپنی نمازیں پڑھو! اپنے (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھو! اپنے مال کی زکوٰۃ دو! اور اپنے سردار کی (جب تک کہ وہ خلاف شرع چیزوں کا حکم نہ کرے) اطاعت کرو! (اگر ایسا کرو گے تو) اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے (یعنی بہشت میں بلند درجات کے حقدار بنو گے)۔“ (احمد، ترمذی)

تشریح: سردار سے مراد بادشاہ، امیر اور حاکم ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے بادشاہ اور امراء کے احکام کی تابعداری اور ان کے فرمان کی اطاعت کریں لیکن اس میں ایک شرط ہے کہ اطاعت و فرمانبرداری کا یہ حکم اسی وقت تک رہے گا۔ جب تک کہ ان کا کوئی حکم حدود و شریعت سے باہر اور خداوند کے رسول کے فرمان کے خلاف نہ ہو، اگر ایسا ہو کہ امراء اور سلاطین حدود و شریعت سے تجاوز کر کے غلط احکام دیں یا ایسے فرمان نافذ کریں جو قرآن و سنت کے خلاف ہوں تو پھر نہ صرف یہ کہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری ضروری نہیں ہے بلکہ ایسے سلاطین و امراء کو راہ راست پر لانے اور ان کو قرآن و سنت کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے اور ملک و قوم کو چلانے کے لئے مجبور کیا جائے۔

یا پھر ”سردار“ سے مراد علماء ہیں کہ قرآن و سنت اور اسلامی شریعت کے علم کے حامل جب مسلمانوں کو کوئی شرعی حکم دیں اور انہیں دین و شریعت کی طرف بلائیں تو ان کی پیروی ہر ایک مسلمان پر ضروری اور لازم ہے اسی طرح ”سردار“ سے ہر وہ شخص مراد ہو سکتا ہے جو کسی کام کے لئے حاکم اور کارساز مقرر کیا گیا ہو یعنی اگر کوئی مسلمان کسی شخص کو اپنے کسی معاملہ میں حاکم اور راہبر مقرر کرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس حاکم یا راہبر کے مشوروں کو مانے اور وہ جو صحیح حکم دے اس کی پابندی کرے۔

⑨ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَنَةٍ وَاصْبِرُوا لَهُمْ عَلَيْهِمْ وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَصَاحِبِ زَوَاهُ أَبُو ذَاوُدَ وَكَذَا زَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَنِ عَنْهُ وَفِي الْمَصَابِيحِ عَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبُدٍ۔

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد مکرم سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے بچے سات برس کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب وہ دس برس کے ہو جائیں (تو نماز چھوڑنے پر) انہیں مارو۔ نیز ان کے بسترے علیحدہ کر دو (ابو داؤد) اسی طرح شرح السنہ میں عمرو سے اور مصابیح میں سبرہ ابن معبد سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔“

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جب ان کے بچے سات برس کے ہو جائیں تو اسی وقت سے ان کو نماز کی تاکید شروع کر دی جائے تاکہ انہیں نماز کی عادت کم سنی سے ہی ہو جائے اور جب وہ بالغ ہونے کے قریب یعنی دس سال کی عمر میں پہنچ جائیں تو اگر وہ کہنے سننے کے باوجود نماز نہ پڑھیں تو انہیں تاکید امار مار کر نماز پڑھانی چاہئے۔ نیز جس طرح ان عمروں میں نماز کی تاکید کرنا ضروری ہے اسی طرح انہیں نماز کی شرائط وغیرہ بھی سکھانی چاہئے تاکہ انہیں ساتھ ساتھ نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ معلوم ہو جائے۔
حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب بچے اس عمر میں پہنچ جائیں تو انہیں علیحدہ علیحدہ سلا چاہئے یعنی اگر دو بھائی بہن یا دو

اجنبی لڑکے لڑکی ایک ہی بستر میں سوتے ہوں تو اس عمر میں ان کے بستر الگ کر دینے چاہئیں تاکہ وہ اکٹھے نہ سو سکیں۔

⑩ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ۔

(رواہ احمد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ہمارے اور منافقوں کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے لہذا جس نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا۔“ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اور منافقین کے درمیان امن و امان کا جو معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم انہیں قتل نہیں کرتے، اور اسلام کے احکام ان پر نافذ نہیں کئے گئے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نماز پڑھنے، جماعت میں حاضر ہونے اور اسلام کے دوسرے ظاہری احکام کی تابعداری کرنے کے سبب سے مسلمانوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں لہذا جس نے نماز کو جو تمام عبادتوں میں افضل ترین ہے ترک کر دیا گویا کہ وہ کافر کچھ برابر ہو گیا۔ لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ نماز ترک کر کے کفر کو ظاہر نہ کریں۔ اس طرح اس جملہ فقہ کفر کے معنی یہ ہونے کے (جس نے نماز چھوڑ دی) اس نے کفر کو ظاہر کر دیا۔

الفصل الثالث

⑪ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي عَالَجْتُ امْرَأَةً فِي أَقْصَى الْبَيْدِيَّةِ وَإِنِّي أَصَبْتُ مِنْهَا مَا دُونَ أَنْ أَمْسُهَا فَأَنَا هَذَا فَأَقْضُ فِي مَا شِئْتَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَقَدْ سَتَرَكَ اللَّهُ لَوْ سَتَرْتَ عَلَى نَفْسِكَ قَالَ وَلَمْ يَرُدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَقَامَ الرَّجُلُ فَانْطَلَقَ فَاتَّبَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَدَعَاهُ وَتَلَا عَلَيْهِ هَذِهِ الْآيَةَ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلَّذِينَ كَانُوا مِنْ الْقَوْمِ يَأْتِيهِمُ اللَّهُ هَذَا لَهُ خَاصَّةٌ فَقَالَ بَلَى لِلنَّاسِ كَافَّةً۔ (رواہ مسلم)

”حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اپنے عہد میں سے ایک عورت کو گھلے لگا کسوائے صحبت کے اور سب کچھ کر لیا ہے، (یعنی صحبت تو نہیں کی لیکن پوس و کنار ہو گیا ہے اس لئے) میں حاضر ہو گیا ہوں جو کچھ آپ ﷺ چاہیں میرے بارے میں حکم فرمائیں۔ (یعنی آپ ﷺ میرے لئے جو سزا بھی تجویز فرمائیں گے مجھے منظور ہوگی) حضرت عمرؓ نے (جو اس وقت مجلس نبوی میں حاضر تھے یہ سن کر) فرمایا خدا نے تو تمہارے عیب کی پردہ پوشی فرمائی تھی اگر تم بھی اپنے عیب کو چھپا لیتے (تو اچھا تھا) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (خدا کے حکم کے انتظار میں) اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چنانچہ وہ شخص کھڑا ہوا اور چلا گیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اسے بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا جو اسے بلا لایا آپ ﷺ نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلَّذِينَ كَانُوا مِنْ الْقَوْمِ يَأْتِيهِمُ اللَّهُ هَذَا لَهُ خَاصَّةٌ فَقَالَ بَلَى لِلنَّاسِ كَافَّةً۔ (رواہ مسلم)

تشریح: اسی باب کی پہلی فصل کی تیسری حدیث میں بھی اس آیت کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ دن کے اوّل سے فجر اور آخر سے ظہر و عصر مراد ہیں اسی طرح، ”رات کی چند ساعت“ سے مراد مغرب و عشاء ہیں۔

حضرت ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ پہلی فصل میں اسی طرح کی جو حدیث نمبر تین گزری ہے وہ تو ایک شخص (ابوالیسرؓ) کا واقعہ ہے اور یہ

حدیث جو یہاں ذکر کی گئی ہے یہ کسی دوسرے صاحب کا واقعہ ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ یہ آیت بھی اس شخص کے لئے دوسری مرتبہ نازل ہوئی ہو۔ مگر محققین نے لکھا ہے کہ تعدد واقعہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت بھی مکرر نازل ہوئی ہو اور نہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے بلکہ آنحضرت ﷺ نے وہی آیت جو پہلے شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی بطور سند کے اس شخص کے سامنے بھی تلاوت فرمادی۔

(۱۲) وَعَنْ أَبِي ذَرَّانَ التَّبَّيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافُ فَآخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذَاكَ الْوَرَقَ يَتَهَافُ قَالَ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَتَبِّكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لِيُصَلِّيَ الصَّلَاةَ يُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ فَتَهَافُ عَنْهُ ذُنُوبُهُ كَمَا تَهَافُ هَذَا الْوَرَقُ عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو ذرؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ جاڑے کے موسم میں جبکہ پتہ جھڑ کا وقت تھا باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑیں۔ راوی کہتے ہیں کہ جس طرح حسب معمول پتہ جھڑ کے موسم میں کسی شاخ کو ہلانے سے پتے بہت زیادہ گرنے لگتے ہیں اسی طرح جب آپ ﷺ نے شاخیں پکڑیں تو ان سے پتے جھڑنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ”ابو ذر!“ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب بندہ مؤمن خالص اللہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ بھی ایسے ہی جھڑتے ہیں جس طرح اس درخت سے یہ پتے جھڑ رہے ہیں۔“ (احمد)

تشریح: خالص اللہ نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کسی کو دکھلانے یا کسی دوسری غرض و مقصد کے لئے نہ پڑھی جائے بلکہ محض اپنے پروردگار کی خوشنودی اور فرمانبرداری اور اس کی رضا کی طلب کے لئے پڑھی جائے۔

(۱۳) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى سَجْدَتَيْنِ لَا يَسْهُو فِيهِمَا غُفِرَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت زید ابن خالد جہنیؓ راوی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا“ جس شخص نے دو رکعت نماز (غافل ہو کر نہیں بلکہ اس درجہ حضوری قلب کے ساتھ) پڑھیں کہ ان میں سہو نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے کچھ گناہوں کو بخش دے گا۔“ (احمد)

(۱۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافِظٌ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نُورًا وَلَا بُرْهَانًا وَلَا نَجَاةٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُورٍ وَفُزْغُونٍ وَهَامَانٍ وَأُتِيَ بِنِ خَلْفٍ۔ (رواہ احمد والدارقطنی والبیہقی فی شعب الایمان)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن عاصؓ راوی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے نماز کا ذکر کیا (یعنی نماز کی فضیلت و اہمیت کو بیان کرنے کا ارادہ فرمایا) چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا، جو شخص نماز پر محافظت کرتا ہے (یعنی ہمیشہ پابندی سے پڑھتا ہے) تو اس کے لئے یہ نماز ایمان کے نور (کی زیادتی کا سبب) اور ایمان کے کمال کی واضح دلیل ہوگی، نیز قیامت کے روز مغفرت کا ذریعہ بنے گی اور جو شخص نماز پر محافظت نہیں کرتا تو اس کے لئے نہ (ایمان کے) نور (کی زیادتی کا سبب بنے گی، نہ (کمال ایمان کی) دلیل اور نہ (قیامت کے روز) مغفرت کا ذریعہ بنے گی بلکہ ایسا شخص قیامت کے روز قارون، فرعون، ہامان اور ابی ابن خلف کے ساتھ (عذاب میں مبتلا) ہوگا۔“ (احمد، دارقطنی، بیہقی)

تشریح: ”نماز کی محافظت“ کا مطلب یہ ہے کہ نماز باقاعدگی اور پوری پابندی سے پڑھی جائے۔ کبھی ناخن نہ ہو، نیز نماز کے تمام فرائض و واجبات سنن اور مستحبات اداء کئے جائیں، اس طرح جب کوئی شخص نماز پڑھے گا تو کہا جائے گا کہ اس نے نماز کی محافظت کی اور یہ مذکورہ ثواب کا حقدار ہوگا اور جو شخص اس کے برعکس عمل اختیار کرے گا کہ نہ تو نماز باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ پڑھے اور نہ نماز کے فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کی رعایت کرے تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ وہ ان چیزوں کو ترک کرنے کی وجہ سے مذکورہ عذاب کا مستحق ہوگا۔

لہذا غور کرنا چاہئے کہ نماز کی محافظت اور اس پر دوام اختیار کرنے کی کس قدر تاکید ہے اس لئے اس میں کوتاہی کرنا دراصل عذاب خداوندی اور اپنی بربادی کو دعوت دینا ہے۔ نیز یہ بھی خیال کرنا چاہئے کہ جب نماز کی محافظت نہ کرنے پر اس قدر وعید ہے کہ ایسے شخص کا حشر مذکورہ لوگوں جیسے لعین و بد بخت کفار کے ساتھ ہونے کی خبر دی جا رہی ہے تو اس شخص کا کیا حال ہو گا جو نماز کو ترک کرتا ہے اور ایک وقت بھی خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوتا؟

قارون و فرعون جیسے مشہور لعین اور بد بختوں کو تو سب ہی جانتے ہیں۔ ہامان فرعون کا وزیر تھا۔ ابی بن خلف وہ مشہور مشرک ہے جو آنحضرت ﷺ کا جانی دشمن تھا اور بنے آنحضرت ﷺ نے جنگ احد میں اپنے دست مبارک سے موت کے گھاٹ اتار کر جہنم رسید کیا تھا چنانچہ اسی وجہ سے اس لعین کو امت کے بد بختوں میں سب سے بڑا بد بخت کہا جاتا ہے۔ آخر میں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص محافظت کرے گا یعنی پورے خلوص اور تمام فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کے ساتھ نماز ہمیشہ پابندی سے پڑھتا رہے گا تو قیامت میں وہ انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صلحاء کے ہمراہ ہو گا۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو نماز کی پابندی اور پورے ذوق و شوق کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم سب اس سعادت سے بہرہ ور ہو سکیں۔

(۱۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرُونَ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَزَكُّهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلَاةِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عبد اللہ ابن شقیق فرماتے ہیں کہ تمام افعال و اعمال میں صرف نماز ہی ایسا عمل تھا جس کے چھوڑنے کو نبی کریم ﷺ کے محترم صحابہ کفر سمجھتے تھے۔“ (ترمذی)

تشریح: یہاں جو حصر کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے کہ صحابہ سوائے نماز کے کسی دوسرے عمل کے چھوڑنے کو کفر نہ سمجھتے تھے تو اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کے نزدیک نہ صرف یہ کہ نماز چھوڑنا بڑے سخت گناہ کی بات تھی بلکہ وہ اسے کفر کے بہت قریب سمجھتے تھے۔

(۱۶) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي أَنْ لَا تُشْرِكَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُطِعَتْ وَحُرِفَتْ وَلَا تُتْرَكْ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرَأَتْ مِنْهُ الدِّمَةُ وَلَا تُشْرَبُ الْخَمْرُ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میرے دوست (نبی کریم ﷺ) نے مجھے یہ وصیت (فرمائی تھی) کہ تم کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کیوں نہ دیا جائے اور جان بوجھ کر فرض نماز نہ چھوڑنا جس نے قصداً نماز چھوڑ دی تو اس سے ذمہ بری ہو گیا نیز کبھی شراب نہ پینا کیونکہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو الدرداءؓ کو افضل بات کی تعلیم دی کہ اگر تم ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا بھی دیے جاؤ تو شرک نہ کرنا، ورنہ توجہ کی حالت میں جب کہ گردن تلوار کی زد میں ہو تو دل میں ایمان و اقیان کی پوری دولت لئے زبان سے کلمہ کفر ادا کر لینا جائز ہے۔ ”ذمہ کے بری“ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے قصداً نماز ترک کر دی تو گویا اس نے اسلام کے ایک بڑے اور بنیادی قانون و حکم سے بغاوت کی جس کی بناء پر اسلام کا عہد اس سے ختم ہو گیا اور وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس مطلب کی وضاحت کرنے کے بعد کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد ازراہ تغلیظ یعنی نماز چھوڑنے والے کے لئے انتہائی تہدید اور تنبیہ ہے۔

یا پھر ”اس سے ذمہ بری ہوا“ کی مراد یہ ہے کہ ایمان لانے اور اسلام کی اطاعت قبول کرنے کی وجہ سے اسلام نے اس کے جان و مال کی حفاظت کی جو ضمانت لی تھی اور اسلامی اسٹیٹ میں اسے جو امان حاصل تھا اب وہ نماز کے ترک کی وجہ سے اسلام کی امان اور ضمانت سے نکل گیا۔ شراب کو تمام برائیوں کی کنجی اس لئے فرمایا گیا ہے کہ شراب بنیادی طور پر انسان کے دل و دماغ اور ذہن و فکر کو بالکل

ماؤف کر دیتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شراب پینے والا شخص جب نشہ کی وجہ سے اپنی عقل سے ہاتھ دھو لیتا ہے تو دنیا بھر کی برائیاں اس سے سرزد ہونے لگتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شراب کو ام النجاست کہا گیا ہے۔

بَابُ الْمَوَاقِیْتِ نماز کے اوقات کا بیان

الفصل الاول

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَظِلِّهِ مَا لَمْ يَخْضُرِ الْعَصْرُ وَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَضْفَرِ الشَّمْسُ وَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ وَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَأَمْسَكَ عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ الشَّيْطَانِ - (رواه مسلم)

”حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ظہر کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت جب تک ہے کہ آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر ہو جائے عصر کے آنے کے وقت تک۔ اور عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک آفتاب زرد نہ ہو جائے اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو جائے اور نماز عشاء کا وقت ٹھیک آدمی رات تک ہے اور نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے اس وقت تک ہے جب تک سورج نہ نکل آئے اور جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہو کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سیگوں کے درمیان نکلتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اس سے پہلے کہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے نماز کے اوقات کے بارے میں عرض کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چند اصطلاحی الفاظ کے معنی بیان کر دیے جائیں جن کو سمجھنے کے بعد مقصد تک پہنچنے میں بڑی آسانی ہو جائے گی۔

زوال.... آفتاب کے ڈھلنے کو کہتے ہیں جسے ہماری عرف میں دوپہر ڈھلنا کہا جاتا ہے۔

سایہ اصلی.... اس سایہ کو کہتے ہیں جو زوال کے وقت باقی رہتا ہے۔ یہ سایہ ہر شہر کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی جگہ بڑا ہوتا ہے، کسی جگہ چھوٹا ہوتا ہے اور کہیں بالکل نہیں ہوتا، جیسے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں۔

زوال اور سایہ اصلی کے پہچاننے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ ایک سیدھی لکڑی، ہموار زمین پر گاڑی جائے اور جہاں تک اس کا سایہ پہنچے اس مقام پر ایک نشان بنا دیا جائے پھر دیکھا جائے کہ وہ سایہ اس نشان کے آگے بڑھتا ہے یا پیچھے ہٹتا ہے۔ اگر آگے بڑھتا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ابھی زوال نہیں ہوا اور اگر پیچھے ہٹے تو زوال ہو گیا۔ اگر یکساں رہے نہ پیچھے ہٹے نہ آگے بڑھے تو ٹھیک دوپہر کا وقت ہے اس کو استواء کہتے ہیں۔

ایک مثل.... سایہ اصلی کے سوا جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے۔

دو مثل.... سایہ اصلی کے سوا جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو جائے۔

ان اصطلاحی تعریفات کو سمجھنے کے بعد اب حدیث کی طرف آئیے: سرکارِ دو عالم ﷺ نے اوقات نماز کے سلسلہ میں سب سے پہلے ظہر کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وقت نماز کی تعلیم کے سلسلہ میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کو یہی نماز پڑھائی تھی، یہی وجہ ہے کہ نماز ظہر کی نماز کو پیشین کہا جاتا ہے۔

نماز ظہر کا اول وقت اسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب کہ آسمان کے درمیان آفتاب مغرب کی طرف تھوڑا سا مائل ہوتا ہے جس کو زوال کہتے ہیں اور اس کا آخری وقت وہ ہوتا ہے جب کہ آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر علاوہ سایہ اصلی کے ہو جاتا ہے۔ سایہ اصلی کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ وہ سایہ ہوتا ہے جو زوال کے وقت ہوتا ہے یعنی اکثر مقامات پر جب کہ آفتاب سمت راس پر نہیں آتا تو وہاں ٹھیک دوپہر کے وقت ہر چیز کا تھوڑا سا سایہ ہوتا ہے اس سایہ کو چھوڑ کر جب تک کسی چیز کے طول کے برابر سایہ رہے گا ظہر کا وقت باقی رہے گا۔

مالم يحضر العصر (عصر کا وقت آنے تک) یہ جملہ دراصل پہلے جملہ کی تاکید ہے کیونکہ جب ایک مثل تک سایہ پہنچ گیا تو وقت ظہر ختم ہو گیا۔ اور عصر کا وقت شروع ہو گیا چونکہ اس جملہ کا مطلب پہلے ہی جملہ سے ادا ہو گیا تھا اس لئے یہی کہا جائے گا کہ یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ ہاں اتنی بات اور کہی جاسکتی ہے کہ یہ جملہ اس چیز کی دلیل ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان وقت مشترک نہیں ہے جیسا کہ امام مالکؒ کا مسلک ہے۔ عصر کے وقت کی ابتداء تو معلوم ہو گئی کہ جب ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا عصر کا وقت شروع ہو جائے گا۔ آخری وقت کی بات یہ ہے کہ جب تک آفتاب زرد نہیں ہو جاتا عصر کا وقت بلا کر اہت باقی رہتا ہے چنانچہ حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے۔ البتہ اس کے بعد غروب آفتاب تک وقت جواز باقی رہتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آفتاب کی زردی سے کیا مراد ہے؟ تو بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آفتاب کے زرد ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب کی نمک تہ متغیر ہو جائے کہ اس کی طرف نظر اٹھانے سے آنکھوں میں خیرگی نہ ہو۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب کی جو شعاعیں دیوار وغیرہ پر پڑتی ہیں اس میں تغیر ہو جائے۔

لگے ہاتھوں اتنی بات اور جانتے چلتے کہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نیز حضرت امام زفرؒ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک باقی رہتا ہے اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے چنانچہ ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کا آخری وقت ایک مثل تک رہتا ہے۔

جہاں تک حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا تعلق ہے تو ایک روایت کے مطابق ان کا بھی وہی مسلک ہے جو جمہور علماء کا ہے بلکہ بعض حضرات نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ امام اعظمؒ کا فتویٰ بھی اسی مسلک پر ہے چنانچہ در مختار میں بہت سی کتابوں کے حوالوں سے اسی مسلک کو ترجیح دی گئی ہے۔ مگر ان کا مشہور مسلک یہ ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے ان کے دلائل ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ بہر حال علماء نے اس سلسلہ میں ایک صاف اور سیدھی راہ نکالی ہے وہ کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ ظہر کی نماز تو ایک ایک مثل کے اندر اندر پڑھ لی جائے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے تاکہ دونوں نمازیں بلا اختلاف ادا ہو جائیں۔

مغرب کا وقت آفتاب چھپنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور شفق غائب ہو جانے کے وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک شفق اس سرخی کو کہتے ہیں جو آفتاب چھپنے کے بعد ظاہر ہوتی ہے چنانچہ اہل لغت کا کہنا بھی یہی ہے۔ مگر حضرت امام اعظمؒ اور علماء کی ایک دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ شفق اس سفیدی کا نام ہے جو سرخی ختم ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے۔

اہل لغت و دیگر ائمہ کے قول کے مطابق حضرت امام اعظمؒ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ شفق سرخی کا نام ہے چنانچہ شرح وقایہ میں فتویٰ اسی قول پر مذکور ہے۔ لہذا احتیاطاً کا تقاضا یہ ہے کہ مغرب کی نماز تو سرخی غائب ہونے سے پہلے پڑھی جائے اور عشاء کی نماز سفیدی غائب ہونے کے بعد پڑھی جائے تاکہ دونوں نمازیں بلا اختلاف ادا ہوں۔

عشاء کے بارے میں مختار مسلک اور فیصلہ یہ ہے کہ اس کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور ٹھیک آدمی رات تک بلا کر اہت باقی رہتا ہے البتہ وقت جواز طلوع فجر سے پہلے تک رہتا ہے۔

فجر کا وقت طلوع صبح صادق کے بعد شروع ہوتا ہے اور طلوع آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔ بظاہر تو حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلوع

صبح صادق کے بعد سے طلوع آفتاب تک تمام وقت نماز فجر کے لئے مختار ہے مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ فجر کی نماز کا وقت مختار اسفار تک ہے اس کے بعد وقت جواز رہتا ہے۔

نماز کے اوقات کی تفصیل جان لینے کے بعد اب حدیث کے آخری جملہ کا مطلب بھی سمجھ لیجئے۔

ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ”جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہو کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے“ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سورج کے نکلنے کی جگہ شیطان کے دونوں سینگ ہیں کہ سورج اس کے اندر سے طلوع ہوتا ہے بلکہ اس کا مطلب خود ایک روایت نے بتا دیا ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت شیطان آفتاب کے سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنا سر آفتاب کے نزدیک کر لیتا ہے اسی طرح غروب آفتاب کے وقت کرتا ہے اس کے اس طرز عمل کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ آفتاب کو پوجتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں ان کفار کے اس طرز عمل کے ذریعہ وہ اپنا گمان یہ رکھتا ہے کہ لوگ میری عبادت کر رہے ہیں اسی طرح وہ اپنے تابعداروں کے ذہن میں یہ بات بٹھاتا ہے کہ یہ لوگ آفتاب کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہیں بلکہ درحقیقت میری عبادت کر رہے ہیں اور میرے سامنے ماتھے ٹیکتے ہیں۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمت کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ ان اوقات میں نماز نہ پڑھا کریں تاکہ مسلمانوں کی عبادت شیطان کو پوجنے والوں کی عبادت کے اوقات میں نہ ہو۔

② وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَهُ صَلِّ مَعَنَا هَذَيْنِ يَغْنِي الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِلَا لَا فَاذْنُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ يَبْضَاءُ نَفِيقَةً ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا أَنْ كَانَ الْيَوْمَ الثَّانِي أَمَرَهُ فَأَبْرَدَ بِالظُّهْرِ فَأَبْرَدَ بِهَا فَانْعَمَ أَنْ يَبْرَدَ بِهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ آخَرَهَا فَوْقَ الَّذِي كَانَ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاسْفَرَوْا بِهَا ثُمَّ قَالَ آيُنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ فَقَالَ الرَّجُلُ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَقْتُ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَا رَأَيْتُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے نماز کا وقت دریافت کیا (کہ نماز کا اول و آخر وقت کیا ہے) آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ان دو دنوں میں تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو (تاکہ میں تمہیں نماز کے اوقات دکھا دوں) چنانچہ جب سورج ڈھل گیا آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو (اذان کا) حکم دیا، حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں (تکبیر کہنے کا) حکم دیا، انہوں نے ظہر کی تکبیر کہی اور آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی (پھر آپ ﷺ نے عصر کی اقامت کا حکم دیا جب کہ سورج بلند اور سفید و صاف تھا (اور عصر کی نماز پڑھائی، پھر مغرب کی اقامت کا حکم دیا جب کہ سورج غروب ہی ہوا تھا، (اور مغرب کی نماز پڑھائی) پھر عشاء کی اقامت کا حکم دیا جب کہ شفق غائب ہوئی تھی اور عشاء کی نماز پڑھائی) پھر فجر نمودار ہوتے ہی آپ ﷺ نے تمام نمازیں اول وقت پڑھا کر دکھادیں کہ نمازوں کا اول وقت یہ ہے) پھر جب دوسرا دن ہوا تو آپ ﷺ نے بلالؓ کو ظہر کو ٹھنڈا کر کے اذان دینے کا حکم دیا اور خوب ٹھنڈا کر کے ظہر کی نماز کو پڑھایا اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ سورج بلند تھا لیکن کل کے وقت سے دیر کر کے نماز پڑھائی اور مغرب کی نماز شفق غائب ہونے سے پہلے (یعنی شفق غائب ہونے کے قریب) پڑھائی اور عشاء کی نماز تہائی رات گزر جانے پر پڑھائی اور فجر کی نماز خوب روشنی ہو جانے پر پڑھائی اور اس کے بعد فرمایا نماز کے اوقات دریافت کرنے والا شخص کہا ہے؟ اس شخص نے سامنے (اگر عرض کیا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں! آپ ﷺ نے فرمایا، تمہاری نماز کے اوقات ان اوقات کے درمیان ہیں جو تم ان دو دنوں میں) دیکھ چکے ہو۔“ (مسلم)

تشریح: سائل کا مطلب یہ تھا کہ نمازوں کے اوقات کے سلسلہ میں یہ بتا دیا جائے کہ نماز کا اول وقت کیا ہوتا ہے اور آخر وقت کون سا ہوتا ہے؟ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسے نمازوں کے اوقات کو زبانی سمجھانے سے زیادہ بہتر یہ سمجھا کہ اسے عملی طور پر دکھایا جائے تاکہ

اوقات اس کے ذہن نشین ہو سکیں اس لئے آپ ﷺ نے اسے نماز کا اول و آخر دونوں وقت بتانے کے لئے پہلے دن تو نماز میں اول وقت پڑھیں اور دوسرے دن آخر وقت میں پڑھیں۔

حدیث میں پہلے ظہر کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ ﷺ نے بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے اذان دی پھر آپ ﷺ نے اقامت کا حکم دیا تو انہوں نے اقامت کہی۔ اس کے بعد عصر کا ذکر کیا گیا ہے لیکن نہ تو عصر کی نماز کا وقت ذکر کیا گیا ہے اور نہ عصر ہی اور نہ اس کے بعد کی اذانوں کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معروف ہے۔ دوسرے دن آپ ﷺ نے ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا یعنی پہلے روز کے مقابلے میں دوسرے دن ظہر کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھی کہ گرمی کی شدت اور تپش کی سختی جاتی رہی تھی۔

عصر کی نماز آپ ﷺ نے پہلے روز کی تاخیر کے مقابلہ میں زیادہ تاخیر سے یعنی دو مثلین کے بعد پڑھی لیکن پہلے روز کی تاخیر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عصر کی نماز میں پہلے روز تاخیر کی گئی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز ظہر سے تاخیر کی گئی تھی۔ دوسرے روز آپ ﷺ نے تمام نمازوں کو تاخیر سے یعنی ان کے آخری اوقات میں ادا کیا جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا۔ مگر آپ ﷺ نے عشاء کو آخر وقت تک مؤخر نہ کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر آپ ﷺ عشاء کو اس کے آخر وقت مختار یعنی آدھی رات تک مؤخر کرتے تو اس سے لوگوں کو دیر تک جانے کی وجہ سے تکلیف اور پریشانی ہوتی اور اگر آپ ﷺ عشاء سے پہلے سو رہتے تو مناسب نہ ہوتا کیونکہ عشاء کی نماز سے پہلے سونا مکروہ ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ان دونوں میں ہمارے ساتھ نماز پڑھ کر یہ دیکھ لیا ہے کہ نمازوں کا اول وقت کیا ہے اور آخری وقت کیا ہے لہذا شروع سے لے کر آخر تک اول وقت بھی ہے اور اوسط بھی اور آخر وقت بھی ہے لہذا اس کے درمیان تم جب چاہو نماز پڑھ سکتے ہو۔ آخر وقت سے مراد وقت مختار ہے نہ کہ وقت جواز۔ اس لئے کہ نمازوں کے جو آخری وقت آپ ﷺ نے بیان فرمائے ہیں ان کے بعد بھی نماز کا وقت باقی رہتا ہے تاہم وہ وقت جواز ہوتا ہے وقت مختار نہیں ہوتا۔

الفصل الثانی

③ عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أَمِنِي جِبْرِيلُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ فَصَلَّى بِي الظُّهْرَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَتْ قَدَرُ الشَّرِّ الْكَ وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ وَصَلَّى بِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمَ رَضِيَ بِي الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلَّى بِي الْفَجْرَ حِينَ حَزَمَ الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ عَلَى الصَّائِمِ فَلَمَّا كَانَ الْعَدُ صَلَّى بِي الظُّهْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ وَصَلَّى بِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمَ وَصَلَّى بِي الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَصَلَّى بِي الْفَجْرَ فَاسْفَرْتُ ثُمَّ التَّفَتُّ إِلَيَّ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ هَذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ مَا بَيْنَ هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ۔ (رواه البوداد و الترمذی)

”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرماتے تھے، حضرت جبریل علیہ السلام نے (نماز کی کیفیت اور اوقات بتانے کے لئے) امام بن کر خانہ کعبہ کے نزدیک مجھے دو مرتبہ (دوروز) نماز پڑھائی ہے چنانچہ (پہلے روز جس وقت سورج ڈھل گیا اور سایہ تسبیح کی مانند تھا تو مجھے ظہر کی نماز پڑھائی اور جس وقت ہر چیز کا سایہ (علاوہ سایہ اصلی کے) اس کے برابر ہو گیا تو مجھے عصر کی نماز پڑھائی اور جس وقت روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے (یعنی سورج چھپنے کے بعد) تو مجھے مغرب کی نماز پڑھائی اور شفق غائب ہونے کے وقت مجھے عشاء کی نماز پڑھائی اور جس وقت روزہ دار کے لئے کھانا پناہ حرام ہو جاتا ہے (یعنی صبح صادق کے بعد) تو مجھے فجر کی نماز پڑھائی۔ اور جب اگلا روزہ ہوا تو انہوں نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ سایہ ایک مثل (کے قریب) ہو گیا اور مجھے عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ روزہ دار افطار کرتا ہے اور مجھے

عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ تہائی رات ہو گئی تھی اور مجھے فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ خوب روشنی ہو گئی تھی اور پھر (جبریل نے) میری طرف متوجہ ہو کر کہا۔ اے محمد (ﷺ) ایہ وقت آپ (ﷺ) سے پہلے کے نبیوں (کی نماز) کا ہے اور نماز انہیں دو وقتوں کے (چنانچہ ہے۔) (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: جگہ اور وقت کے اعتبار سے سایہ اصلی مختلف ہوتا ہے چنانچہ بعض جگہ تو سایہ زیادہ ہوتا ہے اور بعض جگہ کم ہوتا ہے اور بعض وقت سایہ اصلی ہوتا ہی نہیں جیسا کہ مکہ معظمہ میں انیسویں سرطان کو سایہ اصلی نہیں ہوتا۔ اس لئے سرکارِ دو عالم ﷺ نے پہلے روز کی نمازِ ظہر کے وقت کعبہ بارے میں فرمایا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے پہلے دن مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ان دنوں میں مکہ معظمہ میں سایہ اصلی جو توں کے تسموں کی چوڑائی کے برابر تھا گویا وہ ظہر کا اوّل وقت تھا۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

٢٧) عَنْ ابْنِ شَهَابٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخْرَجَ الْعَصْرَ شَيْئًا فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ أَمَا إِنَّ جَبْرِيلَ قَدْ نَزَلَ فَصَلَّى أَمَامَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ أَعْلِمَ مَا تَقُولُ يَا عُرْوَةُ فَقَالَ سَمِعْتُ بِشَيْرِ بْنِ أَبِي مَسْعُودٍ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ نَزَلَ جَبْرِيلُ فَأَمَّنِي فَصَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ يَحْسِبُ بِأَصَابِعِهِ خُمْسَ صَلَوَاتٍ - (متفق عليه)

[illegible]

تشریح: حضرت عروہ کا یہ مقصد تھا کہ حضرت عمر ابن عبد العزیز کو یہ یاد دلائیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی امامت کے بارے میں جو حدیث وارد ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو پہلے دن اول وقت نمازیں پڑھائی تھیں تو اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کو اول وقت پڑھنا افضل ہے اس لئے آپ نے اس وقت نماز میں تاخیر کر کے اگرچہ یہ تاخیر زیادہ نہیں تھی فضیلت کی سعادت کو کیوں ترک کیا؟

حضرت عمرؓ نے جواب میں جو یہ کہا کہ، عروہ! ذرا سوچ سمجھ کر کہو کیا کہتے ہو؟ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی احادیث کو بیان کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک اہم اور عظیم الشان چیز ہے حدیث کو بیان کرنے میں احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے نیز حدیث کو بغیر سند کے بیان نہ کرنا چاہئے اس لئے سوچ سمجھ کر حدیث بیان کرو اور اس سند کے ساتھ بیان کرو۔

حضرت عروہؓ کی جلالت شان اور رفعت علم و فضل کا کو تقاضا تو یہ تھا کہ ان سے اس قسم کی بات نہ کہی جاتی مگر چونکہ روایت حدیث کی عظمت شان پیش نظر تھی اس لئے انہیں اس طرف توجہ دلائی گئی اور پھر عروہؓ نے بھی روایت حدیث کی اسی عظمت کے پیش نظر حضرت عمرؓ کے توجہ دلانے کو نہ صرف یہ کہ اپنے علم و فضل کے منافی نہ سمجھا بلکہ اسے خیر و برکت کا باعث جان کر اس پر متنبہ ہوئے اور حدیث کی پوری سند یوں بیان کر کے اپنی قوت حفظ و ذہانت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بات واضح کر دی کہ میں جو بات کہہ رہا ہوں وہ کوئی معمولی درجہ کی

نہیں ہے بلکہ اس کی صداقت کا یقینی علم رکھتا ہوں کیونکہ یہ وہ روایت ہے جس کو میں نے بشیرؒ سے سنا ہے اور انہوں نے ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابو مسعودؓ سے سنا اور انہوں نے خود آنحضرت ﷺ کی لسان مقدس سے سنا ہے۔

اس حدیث میں راوی نے نماز کے اوقات تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مخاطب کو چونکہ اوقات کی پوری تفصیل معلوم تھی اس لئے یہاں تو صرف صورت واقعہ بیان کی گئی ہے ہاں دوسری روایات میں اوقات کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔

⑤ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى عُمَايَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ أَهَمَّ أُمُورِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةُ مِنْ حِفْظِهَا وَحَافِظِهَا عَلَيْهَا حِفْظَ دِينِهَا وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سَوَّاهَا أَضْيَعُ ثُمَّ كَتَبَ أَنْ صَلُّوا الظُّهْرَ إِذَا كَانَ الْفَيْئُ ذِرَاعًا إِلَى أَنْ يَكُونَ ظِلُّ أَحَدِكُمْ مِثْلَهُ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مَرْتَفِعَةً نَيْصَاءَ نَفْيَةٍ قَدْ رَمَا يَسِيرُ الزَّاكِبُ فَرَسَخَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةَ قَبْلِ مَغِيبِ الشَّمْسِ وَالْمَغْرِبَ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءَ إِذَا غَابَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ فَمَنْ نَامَ فَلَا تَأَمَّتْ عَيْنُهُ وَالصُّبْحَ وَالنُّجُومَ بِأَدْنَى مُشْتَبِكَةٍ۔

(رواہ مالک)

”اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے عاملوں (یعنی اسلامی سلطنت کے حکام) کے پاس یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ تمہارے سب کاموں میں اہم بات ان کام میرے نزدیک نماز کا پڑھنا ہے لہذا جس نے اس کی محافظت کی (یعنی ارکان و شرائط کے ساتھ نماز پڑھی) اور اس پر نگہبانی رکھی (یعنی اسے ہمیشہ ادا کرتا رہا اور ریاء و نمائش کے سبب اسے باطل نہ کیا) تو گویا اس نے اپنے دین (کے) بقیہ امور کی نگہبانی و محافظت کی اور جس نے اسے ضائع کر دیا تو وہ اس چیز کو جو نماز کے علاوہ ہے بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔ پھر یہ لکھا کہ ظہر کی نماز ایک گز سایہ نکال ہونے سے لے کر ایک مثل سایہ تک (علاوہ سایہ اصلی کے) پڑھا کرو اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھا کرو کہ سورج اونچا اور سفید رہے اور سورج ڈوبنے میں (اتنا وقت رہے کہ کوئی سوار سورج ڈوبنے سے پہلے دو یا تین میل طے کر سکے اور مغرب کی نماز سورج ڈوبنے کے بعد پڑھا کرو اور عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے وقت سے تہائی رات تک پڑھا کرو اور جو شخص (عشاء سے پہلے) سو جائے (تو خدا کرے) ان کی آنکھوں کو سونا نصیب نہ ہو (تین مرتبہ یہ دعا کی اور لکھا ہے کہ) صبح کی نماز ایسے وقت پڑھو جب کہ ستارے گنجان چکے ہوئے ہوں (یعنی تاریکی میں پڑھو)۔“ (مالک)

تشریح: چونکہ نماز دین کا ستون اور بنیاد ہے نیز یہی وہ عبادت ہے جو برائیوں سے روکتی اور بھلائی و سعادت کے راستہ پر لگاتی ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس نے نماز کی محافظت کی گویا اس نے دین کے تمام امور کی محافظت کی۔ اسی طرح فرمایا کہ جس نے نماز کو ضائع کیا یعنی نماز یا تو بالکل پڑھی ہی نہیں اور اگر پڑھی تو شرائط و واجبات کا قطعاً لحاظ نہ کیا تو وہ نماز کے علاوہ دیگر واجبات و مستحبات اور نبوی امور کو بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہے کیونکہ نماز ہی عبادات کی اصل ہے جب اس نے اسی کا خیال نہ رکھا تو اس سے دوسرے امور دین کے خیال رکھنے اور ان پر عمل کرنے کی امید کی جاسکتی ہے۔

حضرت عمرؓ کا یہ حکم کہ ظہر کی نماز ایک گز سایہ زوال ہونے کے وقت یعنی اس کے فوراً بعد کہ وہ ظہر کا اول وقت ہوگا، پڑھو۔ ان مقامات کے لئے ہے جہاں سایہ اصلی اسی قدر ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سایہ اصلی مقامات اور وقت کے اعتبار سے ہوتا ہے کہ کہیں تو زیادہ ہوتا ہے اور کہیں کم ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے عشاء سے پہلے سونے والے کے بارے میں تین مرتبہ بددعا تائید و تہدید کے لئے فرمائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عشاء سے پہلے نماز پڑھے بغیر جو شخص سو جائے خدا اس کی آنکھوں کو سونا نصیب نہ کرے وہ بے آرمی و بے قراری میں مبتلا رہے۔

چنانچہ حضرت ابن حجر شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز سے پہلے سونا حرام ہے مگر حقیقہ کے نزدیک یہ حکم تفصیل پر محمول ہے یعنی اگر کوئی نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد نماز پڑھنے سے پہلے سونے اور اسے اس بات کا گمان بھی ہو کہ میں نماز کے آخر وقت تک سوتا ہی رہوں گا تو اس کے لئے یہ سونا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر اسے اپنے اوپر کامل اعتماد ہو کہ میں بغیر جگائے ایسے وقت

اٹھ جاؤں گا کہ وقت کے اندر اندر پوری نماز پڑھ لوں گا تو اس کے لئے سونا جائز ہوگا۔

مذکورہ بالا حکم وقت شروع ہو جانے کے بعد سونے کے سلسلہ میں ہے لیکن وقت شروع ہونے سے پہلے سونے کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے، چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس بارے میں بھی وہی پہلی تفصیل کی جائے گی۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ وقت شروع ہونے سے پہلے سونا مطلق حرام نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی شخص وقت شروع ہونے سے پہلے نماز کے لئے مکلف نہیں ہوتا۔

⑥ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ قَدْ رَضَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي الصَّيْفِ ثَلَاثَةَ أَقْدَامٍ إِلَى خَمْسَةِ أَقْدَامٍ وَفِي الشِّتَاءِ خَمْسَةَ أَقْدَامٍ إِلَى سَبْعَةِ أَقْدَامٍ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی نماز ظہر کا اندازہ گرمیوں میں تین قدم سے پانچ قدم تک اور جاڑوں میں پانچ قدم سے سات قدم تک تھا۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: دونوں موسم میں اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ سردی کے موسم میں سایہ اصلی زیادہ ہوتا ہے اور گرمی کے موسم میں سایہ اصلی کم ہوتا ہے خصوصاً حرمین میں ورنہ یہ دونوں وقت برابر ہیں۔

یہ حدیث بہر صورت زوال کے بعد ظہر کی نماز کو تاخیر کرنے پر دلالت کرتی ہے قدم سے مراد ہر شخص کے قدم کا ساتواں حصہ ہے چنانچہ اس اعتبار سے کہ ہر شخص کے قدم کا طول اس کے سات قدم (یعنی سات پاؤں) کے برابر ہوتا ہے ہر چیز کا طول سات قدم مقرر ہے۔

بَابُ تَعْجِيلِ الصَّلَاةِ جلدی نماز پڑھنے کا بیان

ارشاد ربانی ہے:

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔ — ”یعنی بھلائیوں میں جلدی کرو۔“

آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کے بارے میں اصل یہی ہے کہ اسے جلدی یعنی اول وقت ادا کر لیا جائے لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ آیت کا مفہوم تو یہی ہے کہ بھلائی کے تمام کاموں کو جن میں نماز بھی شامل ہے جلدی کر ڈالنا بہتر اور مناسب ہے مگر جن مواقع کے لئے شارع علیہ السلام نے تاخیر کا حکم فرمایا ہے وہاں تاخیر کرنا ہی اولیٰ و افضل ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تمام نمازوں کو ان کے اول وقت میں اداء کرنا مطلقاً مستحب ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے یہاں کچھ تفصیل ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ سردی کے موسم میں تو ظہر کی نماز اول وقت پڑھ لینی چاہئے مگر گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا چاہئے۔ اسی طرح فجر کی نماز ہر موسم میں اجالے میں پڑھنی چاہئے اور عشاء کی نماز تاخیر کے ساتھ پڑھنی چاہئے نیز عصر کی نماز بھی تاخیر کر کے پڑھنی چاہئے مگر اس میں اتنی تاخیر نہ ہو کہ آفتاب متغیر ہو جائے نمازوں کو جلدی پڑھنے کی حد یہ ہے کہ ان کے اول وقت کے پہلے نصف حصہ میں ادا کی جائیں۔

الفصل الأول

① عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَابْنِي عَلَى ابْنِ بَرَزَةَ الْأَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهُ أَبِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

لہ اس حدیث کی تشریح کے بعد مصنفؒ نے ایک جدول نقل کی ہے جس کو بوجہ طوالت نقل نہیں کیا جاسکتا آج کل اس سے استفادہ ممکن بھی نہیں ۱۲۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَدْعُو الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيتُ مَا قَالُ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْثُرُ النَّوْمُ قَبْلُهَا وَالْحَدِيثُ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَعِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ يَفْرُقُ بِالسَّيْتَيْنِ إِلَى الْمِائَةِ وَفِي رَوَايَةٍ وَلَا يُبَالِي بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلُهَا وَالْحَدِيثُ بَعْدَهَا۔ (متفق عليه)

”حضرت سيار ابن سلام فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد (ہم دونوں) حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میرے والد نے ان سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ فرض نمازیں کس طرح (یعنی کس کس وقت) پڑھتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز جیسے پہلی نماز کہا جاتا ہے سورج ڈھلنے کے وقت پڑھتے تھے اور عصر کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی نماز پڑھ کر مدینہ کے کنارے اپنے مکان پر جا کر سورج روشن ہوتے ہوئے (یعنی اس کے متغیر ہونے سے پہلے) واپس آجاتا تھا۔ سيار کہتے ہیں کہ مغرب کے بارے میں ابوہریرہؓ نے جو کچھ بتایا تھا وہ میں بھول گیا اور (ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ عشاء کی نماز جیسے تم عتمہ کہتے ہو آنحضرت ﷺ تاخیر سے پڑھنے کو بہتر سمجھتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد (دنیاوی) باتیں کرنے کو آپ ﷺ مکروہ سمجھتے تھے اور صبح کو نماز ایسے وقت پڑھ (کر فارغ ہو) لیتے تھے کہ ہر شخص اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا اور (نماز میں) ساٹھ آیتوں سے لے کر سو آیتوں تک پڑھ لیا کرتے تھے، ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ تنہائی رات تک عشاء میں دیر کرنے میں تامل نہ فرماتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہاں ظہر کے بارے میں جو وقت ذکر کیا ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سردی کے موسم میں ظہر کی نماز اول وقت پڑھتے ہوں گے کیونکہ یہ قولاً اور فعلاً ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے۔ عتمہ اس تاریکی کو کہتے ہیں جو شفق غائب ہونے کے بعد ہوتی ہے چنانچہ پہلے عرب میں عتمہ عشاء کو کہتے تھے مگر بعد میں آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو منع کر دیا کہ عشاء کو عتمہ نہ کہا جائے۔ یہاں تاخیر سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز تنہائی رات تک تاخیر کر کے پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ عشاء کی نماز کے بعد دنیا کی باتیں کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اس سے مقصد یہ تھا کہ اعمال کا خاتمہ عبادت اور ذکر اللہ پر ہونا چاہئے کیونکہ نیند بمنزلہ موت ہے۔

شرح السنہ میں منقول ہے کہ عشاء سے پہلے سونے کو اکثر علماء نے مکروہ کہا ہے اور بعض حضرات نے سونے کی اجازت دی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عشاء سے پہلے سوتے اور بعض علماء کے نزدیک صرف رمضان میں عشاء سے پہلے سونا جائز ہے۔ حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر نیند کا غلبہ ہو اور یہ خوف نہ ہو کہ عشاء کی نماز کا وقت سونے کی نذر ہو جائے گا تو سونا مکروہ نہیں ہے۔

عشاء کے بعد باتوں میں مشغول ہونے کو علماء کی ایک جماعت نے مکروہ کہا ہے چنانچہ حضرت سعید ابن مسیبؓ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میرے نزدیک بغیر عشاء کی نماز پڑھے سو رہنا اس سے بہتر ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد کوئی شخص لغو کلام اور دنیاوی باتوں میں مشغول ہو۔

بعض علماء نے عشاء کے بعد علم کی باتیں کرنے کی اجازت دی ہے اسی طرح ضرورت اور حاجت کے سلسلہ میں یا گھروالوں اور مہمان کے ساتھ باتیں کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔ (ملا علی قاری)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں جائز ہیں، یعنی اگر کوئی شخص عشاء کی نماز سے پہلے سستی اور کالمی کو دور کرنے اور نشاط و تازگی حاصل کرنے کے لئے سونا چاہے تو اس کے لئے سونا جائز ہے، اسی طرح عشاء کی نماز کے بعد ایسی باتیں کرنا جو

ضروری ہوں اور بے معنی نہ ہوں جائز ہے۔

② وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةً وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا أَكْثَرَ النَّاسُ عَجَلَ وَإِذَا قَلُّوا آخَرُ وَالصُّبْحَ بَعْلَسَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت محمد بن عمرو ابن حسنؓ ابن علیؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت جابر ابن عبد اللہ سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی نماز دوپہر ڈھلے پڑھتے تھے اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ سورج زناں (یعنی روشن) ہوتا تھا اور مغرب کی نماز آفتاب غروب ہونے کے بعد پڑھتے تھے اور عشاء کی نماز میں جب لوگ زیادہ آجاتے تو جلدی ہی پڑھ لیتے تھے اور جب لوگ کم ہوتے تو تاخیر کر کے پڑھتے تھے اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ لیتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: عشاء کی نماز کے بارے میں یہاں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر لوگ زیادہ آجاتے تو آپ ﷺ نماز جلدی پڑھ لیتے اور اگر کم آتے تو تاخیر کر کے پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جماعت کی کثرت کے پیش نظر نماز کو اول وقت سے تاخیر کر کے پڑھنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین نے اول وقت نماز پڑھنے کا التزام اسی لئے نہیں کیا ہے کہ تاخیر سے نماز پڑھنے میں جماعت میں کثرت ہو جاتی ہے نہ یہ کہ ان حضرات کے نزدیک اول وقت افضل نہیں ہے۔ اول وقت تو بہر صورت افضل ہے لیکن بعض خارجی عوارض جیسے جماعت کی کثرت وغیرہ کی بناء پر تاخیر ہی اولیٰ ہوتی ہے۔

صبح کی نماز تاریکی میں پڑھنے کا سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ صحابہؓ رات بھر سونے کے بجائے ذکر و عبادت میں مشغول رہنے کی وجہ سے صبح سویرے ہی مسجد میں موجود رہتے تھے اس لئے آپ ﷺ جماعت کی کثرت کے پیش نظر جلدی پڑھ لیتے تھے۔ آخر میں اتنی بات سمجھ لیجئے کہ اس حدیث سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ مستقل تاریکی ہی میں فجر کی نماز پڑھتے تھے اور اگر بفرض محال اسے مان بھی لیا جائے تو یہ ثابت ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز روشنی میں پڑھنے کا حکم دیا ہے اور حنفیہ کے نزدیک فعل کے مقابلہ میں امر (یعنی حکم) کو ترجیح دی جاتی ہے۔

③ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظُّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلَى يَدَيْهِمَا اتِّفَاءَ الْحَرِّ -

(متفق علیہ و لفظ للبخاری)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کر لیا کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حنفیہ کے نزدیک چونکہ نمازی اپنے پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کر سکتا ہے اس لئے یہ حضرات اس حدیث کو اپنے مسلک کی دلیل میں پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ نمازی کو پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کرنا درست ہے۔ حضرات شوافع کے نزدیک چونکہ ایسے کپڑے پر جو نمازی کے ہٹنے سے حرکت کرتا ہو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے وہ حضرات اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ صحابہؓ جن کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے وہ ان کے بدن پر نہیں ہوتے تھے بلکہ گرمی سے بچاؤ کی خاطر انہیں علیحدہ فرش پر بچھائے رکھتے تھے۔

اس حدیث کو مصنف مشکوٰۃ نے باب تغیل الصلوٰۃ میں نقل کیا ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ زمین پر گرمی کی پیش اول وقت ہی رہتی ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ گرمی کے موسم میں بھی ظہر کی نماز اول وقت ہی میں پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ بات اس حدیث سے معلوم نہیں ہوتی کیونکہ بسا اوقات بلکہ زیادہ گرمی کے موسم میں اول وقت کی بہ نسبت بعد میں زیادہ گرمی ہو جاتی ہے۔

۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بِالظَّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَاشْتَكَبَ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ أَكُلْ بَعْضِي بَعْضًا فَإِنَّ لَهَا بِنَفْسَيْنِ نَفْسٌ فِي الشِّتَاءِ وَنَفْسٌ فِي الصَّيْفِ أَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ فَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ فَمَنْ سَمُوْهُمَا وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْبَرْدِ فَمَنْ زَمَّهُمَا هَذَا

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب گرمی کی شدت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ابو سعیدؓ سے منقول ہے کہ ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو (یعنی ابو ہریرہؓ کی روایت میں تو بالصلوٰۃ کا لفظ آیا ہے اور ابو سعیدؓ کی روایت میں بالظہر کا لفظ آیا ہے نیز اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ) کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے اور (دوزخ کی) آگ نے اپنے رب سے شکایہ عرض کیا کہ میرے پروردگار! میرے بعض (شعلے) بعض کو کھائے لیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے دوسانس لینے کی اجازت دے دی ہے اب وہ ایک سانس جاڑے میں لیتی ہے اور ایک سانس گرمی میں۔ گرمی میں جس وقت تمہیں زیادہ گرمی معلوم ہوتی ہے اور جاڑے میں جس وقت تمہیں زیادہ سردی معلوم ہوتی ہے (تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ وہ ایک سانس گرمی میں اور ایک سانس سردی میں لیتی ہے)۔ (بخاری و مسلم) اور بخاری کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جس وقت تم گرمی کی شدت محسوس کرتے ہو تو اس کا سبب دوزخ کا گرم سانس ہوتا ہے اور جس وقت تم سردی کی شدت محسوس کرتے ہو تو اس کا سبب دوزخ کا ٹھنڈا سانس ہوتا ہے۔“

تشریح: پروردگار سے دوزخ کی آگ کی یہ شکایت کی کہ، میرے بعض (شعلے) بعض کو کھائے لیتے ہیں۔ کنایہ ہے اجزاء آگ کی کثرت سے اور آپس کے اختلاط سے یعنی آگ کے شعلے اتنے زیادہ ہوتے ہیں اور اس شدت سے بھڑکتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ دوسرے شعلے کو فنا کے گھاٹ اتار کر اس کی جگہ بھی خود لے لے۔ چنانچہ پروردگار نے اسے سانس لینے کی اجازت دے دی یعنی سانس سے مراد شعلہ کو دبانے اور اس کا دوزخ سے باہر نکلنا ہے۔ جس طرح کہ جاندار سانس لیتا ہے تو ہوا باہر نکلتی ہے۔

بہر حال ایسے وقت باوجودیکہ مشقت بہت ہوتی ہے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ایسے سخت وقت میں جب کہ گرمی اپنی شدت پر ہوتی ہے، دل و دماغ تپش کی وجہ سے بے چین ہوتے ہیں نیز خشوع اور سکون و اطمینان حاصل نہیں ہوتا جو نماز کی روح ہیں۔ اس موقع پر عظمیٰ طور پر چند اشکال پیدا ہوتے ہیں ان کی وضاحت کر دینی ضروری ہے۔

پہلا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ گرمی اور سردی کی شدت زمین کی حرکت، عرض البلد اور آفتاب کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے یہاں یہ کیسے کہا گیا کہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے؟۔

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہاں دوزخ کی بھاپ کو گرمی کی شدت کا سبب بتایا گیا ہے نہ کہ اصل گرمی کا۔ اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ گرمی اور سردی کی شدت بھی آفتاب کے قرب و بعد کی بناء پر ہوتی ہے کیونکہ اس کے باوجود ہو سکتا ہے کہ دوزخ کا سانس اس میں مزید شدت پیدا کرتا ہو لہذا اس کا انکار خبر صادق کی خبر کے ہوتے ہوئے طریقہ اسلام کے منافی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اتنی بات تو طے ہے کہ زمین میں حرارت کی علت سورج کا مقابلہ اور اس کی شعاعیں پڑنا ہے اور یہ کہیں ثابت نہیں ہوا ہے کہ سورج دوزخ نہیں ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ ہمارے نظام کی دوزخ یہی ہو جسے ہم سورج کہتے ہیں کیونکہ سورج میں ناریت کا تموج اور اشتعال اس قدر ہے کہ دوزخ کی تمام صفات اس پر منطبق ہوتی ہیں اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ سورج دوزخ نہیں ہے تو یہ بھی بالکل بعید اور ناممکن نہیں ہے کہ دوزخ علیحدہ ہو اور اس کی گرمی کا اثر زمین پر پڑتا ہو۔

دوسرا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوزخ نے شکایت کیسے کی کیونکہ دوزخ بے زبان ہے اور بے زبان اظہار مدعا کیسے کر سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح زبان کے لئے تلفظ ضروری نہیں ہے اسی طرح تلفظ کے لئے زبان بھی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر

جانوروں کے زبان ہوتی ہے مگر وہ تلفظ نہیں کرتے ایسے ہی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے زبان نہیں ہوتی مگر وہ بات کرتی ہیں۔ لہذا یہ اشکال پیدا کرنا کہ بغیر زبان کے بات کرنا ناممکن ہے کم فہمی کی بات ہے۔ کیونکہ اگر کوئی یہ پوچھنے بیٹھ جائے کہ زبان سے بات کیوں کی جاتی ہے اس سننے کا کام کیوں نہیں لیا جاتا؟ آنکھ سے دیکھتے اور کان سے سنتے کیوں ہوا ان سے بات کیوں نہیں کرتے جب کہ یہ سب اعضاء بظاہر ایک ہی مادہ سے بنتے ہیں جو نطفہ ہے تو ہر ایک قوت کی تخصیص کی وجہ ایک خاص چیز سے کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ یہ صانع مطلق کی قدرت ہے کہ بولنا زبان سے مختص کیا، دیکھنا آنکھ سے اور سننا کان سے ورنہ یہ سب اعضاء گوشت کا ایک حصہ ہونے میں برابر ہیں۔ ٹھیک اسی طرح۔ یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ کیا صانع مطلق کی یہ قدرت نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی ایک مخلوق کو گویائی کی قوت دے دے؟ اور جب کہ حکماء کی ایک جماعت تو یہ بھی کہتی ہے کہ اجرام فلکیہ میں نفوس ہیں اور ان میں احساس و ادراک کی قوت ہے تو اس صورت میں بولنا بعید ہے؟

تیسرا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوزخ جاندار نہیں ہے وہ سانس کیسے لیتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دوزخ میں نفس ہونے سے کوئی چیز نافع نہیں ہے اور جب مذکورہ بالا بحث کی رو سے اس سے تکلم ثابت ہو سکتا ہے تو سانس لینے میں کیا اشکال باقی رہ جائے گا۔
چوتھا اشکال یہ ہے کہ آگ کے ٹھنڈا سانس لینے کے کیا معنی؟

اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ آگ سے مراد اس کی جگہ یعنی دوزخ ہے اور اس میں ایک طبقہ زمہر بھی ہے۔ پانچواں اشکال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم کے مطابق تو یہ چاہئے تھا کہ سخت سردی کے موسم میں فجر کو بھی تاخیر سے پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سردی صبح کو سورج نکلنے تک اسی شدت کے ساتھ رہتی ہے اگر طلوع آفتاب تک نماز میں تاخیر کی جاتی ہے تو وہاں سرے سے وقت ہی جاتا رہتا۔

بہر حال۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود صحابہ بھی گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے۔ چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں منقول ہے کہ صحابہ ظہر کی نماز (تاخیر سے) ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے یہاں تک کہ ٹیلوں کے سائے زمین پر پڑنے لگتے تھے۔ اور یہ سب ہی جانتے ہیں کہ ٹیلے چونکہ پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ان کے سائے زمین پر بہت دیر کے بعد پڑتے ہیں بخلاف دراز چیزوں مثلاً میٹرو وغیرہ کے ان کے سائے جلدی ہی پڑنے لگتے ہیں۔

بعض روایتوں میں منقول ہے کہ صحابہ ظہر کی نماز کے لئے دیواروں کے سایہ میں ہو کر جاتے تھے۔ اور دیواروں کے بارے میں تحقیق ہو چکی ہے کہ اس وقت دیواریں عام طور پر سات سات گز کی ہوتی تھیں۔ لہذا ان کے سایہ میں چلنا اس وقت کارآمد ہوتا ہو گا جب کہ سورج کافی نیچے ہوتا ہو۔ بعض حضرات نے تاخیر کی حد آدھا وقت مقرر کی ہے یعنی کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز آدھے وقت تک تاخیر کر کے پڑھنی چاہئے۔ بعض شوافع حضرات حدیث سے ثابت شدہ ابراد (یعنی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا) کا محمل وقت زوال کو بتاتے ہیں یعنی ان کا کہنا یہ ہے کہ اس ابراد کا مقصد نماز ظہر میں اتنی تاخیر نہیں ہے جو حنفیہ بتاتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت استواء کی شدید گرمی سے بچنے کے لئے زوال کے وقت ظہر کی نماز پڑھنی چاہئے۔

ان حضرات کی یہ تاویل نہ صرف یہ کہ بعید از مفہوم ہے بلکہ خلاف مشاہدہ بھی ہے کیونکہ وقت استواء کے مقابلہ میں زوال کے وقت گرمی کی شدت میں کمی آجانے کا خیال تجربہ و مشاہدہ ہے۔

ہدایہ میں مذکور ہے کہ جن شہروں میں گرمی کی شدت آفتاب کے ایک مثل سایہ پہنچنے کے وقت ہوتی ہے وہاں تو ابراد کا مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ نماز ایک مثل سایہ کے بعد پڑھی جائے۔

الحاصل۔ ظہر کی نماز کو ابراد میں یعنی ٹھنڈا کر کے پڑھنے کے بارے میں بہت زیادہ حدیثیں وارد ہیں جن سے متفقہ طور پر یہ ثابت ہوتا

ہے کہ گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈا کر کے پڑھنا ہی افضل و اولیٰ ہے۔ جہاں تک حدیث حبابؓ کا تعلق ہے جس میں مروی ہے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ سے گرمی کے موسم میں دوپہر کی شدت کے بارے میں شکایت کی تو آپ ﷺ نے ہماری درخواست قبول نہیں کی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز کو پورے وقت تک مؤخر کرنے کی درخواست کی تھی اس لئے آپ ﷺ نے اسے قبول نہیں فرمایا کہ اگر اتنی تاخیر کی جائے گی تو نماز کا وقت بھی نکل جائے گا۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابراہم درخصت ہے اور وہ بھی سب کے لئے نہیں بلکہ ان لوگوں کے لئے ہے جو جماعت کے لئے مسجدوں میں جانے کے لئے مشقت و محنت کا سامنا کرتے ہیں۔ جو لوگ تنہا نماز پڑھتے ہوں یا اپنے پڑوس و محلہ کی مسجد میں نماز کے لئے آتے ہوں ان کے لئے میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے کہ وہ اڈل وقت سے تاخیر نہ کریں، یہ قول ظاہر حدیث کے خلاف ہے اس لئے اس کا اتباع نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت امام ترمذیؒ نے ایک حدیث نقل کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر میں بھی باوجودیکہ سب یکجا رہتے تھے ابراہم کا حکم فرمایا کرتے تھے، نیز امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے ظہر کی نماز کو تاخیر سے پڑھنے کے لئے کہتا ہے اس مسلک اتباع سنت کی وجہ سے اولیٰ و افضل ہے۔

(۵) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيُ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُزْتَفِعَةٌ حَتَّىٰ يَذْهَبَ الدَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُزْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِي مِنَ الْمَدِينَةِ عَلَىٰ أَرْبَعَةِ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوَهُ. (متن علیہ)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ سورج اونچا اور زندہ (یعنی روشن) ہوتا تھا اور کوئی نے والا عوالی جاکر واپس آجایا کرتا تھا اور سورج اونچا ہی رہتا تھا اور بعض عوالی مدینہ سے چار میل یا تقریباً چار میل کے فاصلہ پر ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: عوالی عالیہ کی جمع ہے، مدینہ شہر کے باہر بلندی میں جو بستیاں ہیں انہیں عوالی کہا جاتا ہے۔ مسجد بنی قریظہ بھی اسی طرف ہے۔ (۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلَاةُ الْمُتَأَفِّقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتَّىٰ إِذَا أَصْفَرَتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيْ الشَّيْطَانِ قَامَ فَتَقَرَّ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهُ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا. (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ (عصر کی نماز جو آخر وقت میں پڑھی جاتی ہے) منافق کی نماز ہے وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے جب سورج زرد ہو کر شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان (چھپنے کے قریب) ہو جاتا ہے تو جلدی سے اٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور اللہ کا ذکر بھی اس نماز میں قدرے قلیل ہی کرتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”ٹھونگیں مارنے“ کا مطلب یہ ہے وہ بغیر طمانیت و سکون کے اس طرح جلدی جلدی سجدے کرتا ہے جیسے جانور دانہ چمکتا ہے عصر کی نماز میں سجدے اٹھ ہوتے ہیں مگر یہاں چار اس لئے فرمائے گئے ہیں کہ جب اس نے پہلا سجدہ کر کے اچھی طرح سر نہیں اٹھایا تو گویا دونوں سجدے ایک سجدہ کے حکم میں آگئے یا دونوں سجدوں کو ایک ہی رکن اعتبار کرتے ہوئے بجائے اٹھ کے چار کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہاں صرف عصر کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے دوسری نمازوں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز وسطیٰ ہے اور یوں تو سب ہی نمازوں میں ارکان و آداب کا لحاظ نہ کرنا بری بات ہے مگر دوسری نمازوں کی بہ نسبت اس نماز کو دل جمعی اور سکون خاطر کے ساتھ نہ پڑھنا اور اس کے ارکان و آداب کا لحاظ نہ کرنا بہت ہی بری بات ہے۔

مولانا مظہرؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے عصر کی نماز کو سورج کے زرد ہونے تک مؤخر کیا تو اس نے اپنے آپ کو منافقین کے مشابہ ظاہر کیا کیونکہ منافق نماز کی صحت و تکمیل کا کوئی خیال نہیں کرتا وہ تو صرف ظاہری طور پر مسلمان بن کر تلوار سے بچنے کے لئے نماز پڑھتا ہے

اور اسے نماز میں اتنی زیادہ تاخیر کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی کیونکہ اسے اجر و ثواب کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ منافقین کی عمل و فعلاً مخالفت کرتے ہوئے عصر کی نماز وقت مختار میں پڑھ لیا کریں۔

④ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي تَقَوُّنُهُ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وَتَرَأَاهُ وَهَلْهُ.

(تفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کی عصر کی نماز قضا ہوئی تو گویا اس کا مال اور اس کے اہل و عیال سب لٹ گئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی عصر کی نماز قضا ہو جائے تو وہ ایسا ہے جیسے کہ اس کا گھر بار اور مال اولاد سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں یا ان میں کمی واقع ہو جائے لہذا جس طرح کہ کوئی شخص اپنے اہل و عیال کی تباہی و بربادی اور مال و متاع کے نقصان سے ڈرتا رہتا ہے جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے یہاں بھی صرف عصر کی نماز ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے نماز وسطیٰ ہے اس کو چھوڑ دینا دوسری نمازوں کے چھوڑنے کے مقابلہ میں زیادہ سخت گناہ ہے۔

⑤ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ. (رواہ البخاری)

”اور حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی (گویا) اس کے تمام (نیک) اعمال برباد ہو گئے۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے تمام نیک اعمال برباد ہو جائیں گے، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ تمام اعمال کے برباد ہو جانے کی بد بختی تو صرف اس شخص کے حصہ میں آتی ہے جو مرتد مرتا ہے لہذا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی تو اس نماز کی وجہ سے اسے جو اجر و ثواب ملتا اور اس کی نیکیوں میں جو زیادتی ہوتی ہے وہ اس سے محروم رہا یا یہ کہ اس دن کے اعمال میں جو کمال اسے نماز عصر کی بناء پر حاصل ہوتا وہ ضائع ہو گیا جس سے اس کے اعمال میں کمی واقع ہو گئی۔

خفیہ کے نزدیک صرف مرتد ہو جانے سے تمام اعمال باطل ہو جاتے ہیں ان کے نزدیک موت کی قید نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص پر حج واجب تھا اور وہ حج کرنے کے بعد (نعوذ باللہ) مرتد ہو گیا پھر بعد میں خدا نے اسے ہدایت بخشی اور وہ اسلام میں داخل ہو گیا تو اسے حج دوبارہ کرنا ہوگا معتزلہ کے نزدیک کبیرہ گناہوں کے صدور سے بھی اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

⑥ وَعَنْ زَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كُنَّا نَصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيَبْصُرُ مَوَاقِعَ نَبِيلِهِ. (تفق علیہ)

”اور حضرت زافع ابن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کوئی اپنے تیر کے گرنے کی جگہ دیکھ سکتا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ مغرب کی نماز ایسے اول وقت پڑھ لیتے تھے کہ نماز پڑھ کر واپس آنے کے بعد اگر کوئی شخص تیر پھینکتا تو وہ یہ دیکھ لیتا تھا کہ وہ تیر جا کر کہاں گرا ہے۔ بہر حال۔ تمام علماء کے نزدیک بالاتفاق مغرب کی نماز اول وقت پڑھنا مستحب ہے۔

⑦ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوا يُصَلُّونَ الْعَتَمَةَ فَيَمَازِينَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ. (تفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عشاء کی نماز شفق کے غائب ہونے کے بعد

سے اول تہائی رات تک پڑھتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ پہلے عرب میں لوگ عشاء کو عتمہ کہتے تھے مگر آنحضور ﷺ نے جب عشاء کو عتمہ کہنے سے منع کر دیا تو یہ نام ترک کر دیا گیا، مگر یہاں حضرت عائشہؓ نے عشاء کو عتمہ ہی کہا ہے تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس وقت تک حضرت عائشہؓ کو یہ معلوم نہیں ہوا ہو گا کہ آنحضرت ﷺ نے عشاء کو عتمہ کہنے سے منع کر دیا ہے۔

عشاء کے وقت کے سلسلہ میں بھی پہلے بتایا جا چکا ہے کہ تہائی رات تک تو وقت مختار ہے اور طلوع صبح سے پہلے پہلے تک وقت جواز رہتا ہے۔

⑪ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِعَاتٍ بِمُزَوَّطِهِنَّ مَا يُغَوِّفُنَّ مِنَ الْغَلَسِ - (متن علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ (جب) نبی کریم ﷺ صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے تھے تو (وہ) عورتیں (جو آپ کے ہمراہ نماز پڑھتی تھیں) چادروں میں لپٹی ہوئی واپس چلی جاتی تھیں اور اندھیرے کی وجہ سے انہیں کوئی شناخت نہیں کر سکتا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

⑫ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سَحُورِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى فَلَمَّا لَانَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سَحُورِهِمَا وَدُخُولِهِمَا فِي الصَّلَاةِ قَالَ قَدَرُ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِينَ آيَةً - (رواہ البخاری)

”اور حضرت قتادہؓ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت زید ابن ثابتؓ نے (روزہ رکھنے کے لئے) سحری کھائی۔ سحری سے فراغت کے بعد نبی کریم ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھی (قتادہؓ کہتے ہیں کہ) ہم نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ ان دونوں کے سحری سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنے وقت کا وقفہ تھا۔ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ”اتنے وقت کا وقفہ تھا کہ ایک آدمی پچاس (متوسط) آیتیں پڑھ لے۔“ (بخاری)

تشریح: علامہ تور پشٹیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں وقت کا جو اندازہ بیان کیا گیا ہے اس پر عام مسلمانوں کو عمل کرنا جاز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ عمل براہ راست بارگاہ الوہیت سے مطلع ہو جانے کے بعد تھا۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ تو دین کے معاملہ میں معصوم عن الخطا تھے کہ آپ سے کسی دینی معاملہ میں معمولی لغزش کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور ظاہر ہے کہ یہ مرتبہ ہر ایک کو کہاں نصیب!۔

⑬ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَنْتَ إِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ أَمْرَاءُ يُعِمُّنُونَ الصَّلَاةَ أَوْ يُؤَخِّرُونَ نَهَا عَنْ وَفَيْهَا قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِي قَالَ صَلِّ الصَّلَاةَ لَوْ فَيْهَا فَإِنْ أَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ فَصَلِّ فَإِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اس وقت تم کیا کرو گے جب کہ تمہارے امراء (احکام) نماز کو وقت مختار سے ٹال کر، یا وقت مختار سے تاخیر کر کے پڑھیں گے۔ میں نے عرض کیا، ایسے وقت کے لئے آپ ﷺ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اس وقت تم اپنی نماز کو وقت پڑھ لو پھر اگر ان کے ساتھ بھی نماز مل جائے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لو، یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے الفاظ او کانوا یوخرن عن وقتها لفظ او راوی کا شک ہے یعنی حدیث کے کسی راوی کو شک ہوا ہے کہ اس سے پہلے کہ راوی نے لفظ یمیتون کہا ہے یا یوخرن۔ ویسے معنی کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت تم کیا کرو گے جب کہ تم یہ دیکھو گے کہ وہ شخص جو تمہارا حاکم و سردار ہو گا نماز میں سستی و کاہلی کرے گا نماز کو اس کے اول وقت

میں نہ پڑھے گا بلکہ غیر مختار تاخیر کرے گا اور چونکہ وہ تمہارا حاکم ہوگا اس لئے تم اس پر قادر نہیں ہو سکو گے کہ اس کی مخالفت کر کے اسے سیدھی راہ پر لگا دو تمہیں یہ خوف ہوگا کہ اگر نماز اس کے ہمراہ پڑھتے ہو تو اول وقت نماز پڑھنے کی فضیلت ہاتھ سے جاتی ہے اور اگر اس کی مخالفت کرتے ہو تو نہ صرف یہ کہ اس کی طرف سے تکلیف و ایذا پہنچنے کا بلکہ جماعت کی فضیلت سے محروم ہونے کا بھی خدشہ رہے گا۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ نے لگے ہاتھوں ایسے موقع کے لئے حکم بھی پوچھ لیا کہ جب ایسی صورت پیش آئے تو مجھے کیا طریقہ عمل اختیار کرنا چاہئے۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ سیدھا راستہ بتا دیا کہ جب بھی ایسا موقع ہو تو کم سے کم تم اپنی نماز تو صحیح وقت پر ادا کر ہی لینا پھر اس کے بعد اگر تمہیں اتفاق سے ان کی نماز میں بھی شامل ہو جانے کا موقع مل جائے تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لینا تمہاری یہ نماز نفل ہو جائے گی، اس طرح تمہیں دوہرا ثواب مل جائے گا۔

چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی امام نماز میں تاخیر کرے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ اول وقت اپنی نماز ادا کر لیں پھر بعد میں امام کے ساتھ بھی نماز پڑھ لیں تاکہ اس طرح وقت اور جماعت دونوں کی فضیلت پاسکیں لیکن یہ جان لینا چاہئے کہ یہ حکم صرف ظہر اور عشاء کے بارے میں ہے۔ کیونکہ فجر اور عصر میں تو فرض نماز ادا کر لینے کے بعد نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے اور مغرب کی چونکہ تین رکعت فرض ہیں اور تین رکعت نفل مشروع نہیں ہے اس لئے مغرب میں بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

جہاں تک حدیث کے اطلاق کا تعلق ہے اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ ضرورت کی بناء پر ہے کہ امراء و حکام کے ہمراہ چونکہ نماز نہ پڑھنے اور ان کے خلاف کرنے میں فتنہ و فساد میں مبتلا ہونے کا خدشہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے ظہر اور عشاء کی قید نہیں لگائی کہ مکروہات کا ارتکاب اس سے بہتر ہے کہ فتنہ و فساد کو جنم دیا جائے پھر یہ کہ ایسے مواقع پر مکروہات بھی مباح ہو جاتے ہیں۔

آخر میں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے جو یہ فرمایا تھا وہ محض پیش بندی کے طور پر نہیں فرمایا تھا بلکہ دراصل آپ ﷺ نے معجزہ کے طور پر آئندہ پیش آنے والے یقینی حالات کی پیش گوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ بنی امیہ کے دور میں یہ پیش گوئی پوری صداقت کے ساتھ صحیح ہوئی کہ اس زمانہ کے امراء و حکام نماز میں انتہائی سستی و کاہلی کرتے تھے اور نماز کو وقت مختار سے تاخیر کر کے پڑھا کرتے تھے۔

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَذْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَذْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ أَذْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَذْرَكَ الْعَصْرَ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص نے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے صبح کی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے صبح کی نماز کو پالیا اور جس نے آفتاب غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کی نماز کو پالیا (یعنی اس کی نماز ضائع نہیں ہوگی لہذا اسے چاہئے کہ بقیہ رکعتیں پڑھ کر نماز پوری کر لے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص عصر کی نماز بالکل آخری وقت میں پڑھنے کھڑا ہوا، ابھی اس نے ایک ہی رکعت نماز پڑھ پائی تھی۔ کہ سورج ڈوب گیا اسی طرح ایک شخص فجر کی نماز بالکل آخری وقت میں پڑھنے کھڑا ہو کہ ایک رکعت پڑھنے کے بعد سورج نکل آیا تو اس حدیث کی رو سے دونوں کی نمازیں صحیح ہو جائیں گی۔

مگر اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک اس حدیث کے مطابق آفتاب کے طلوع و غروب کی بناء پر فجر، عصر کی نماز باطل نہیں ہوتی لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز میں تو یہ شکل صحیح ہے کہ غروب آفتاب کی بناء پر عصر کی نماز باطل نہیں ہوتی لیکن فجر کے بارے میں معاملہ بالکل مختلف ہوگا بایں طور کہ طلوع آفتاب کے بعد فجر کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس طرح یہ حدیث چونکہ حضرت امام اعظمؒ کے خلاف ہوگی اس لئے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث اور ان احادیث میں

جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت نماز خواہ نفل ہوں یا فرض پڑھنا ممنوع ہے۔ تعارض واقع ہو رہا ہے اس لئے ہم نے اصول فقہ کے اس قاعدہ کے مطابق کہ جب دو آیتوں میں تعارض واقع ہو تو حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو قیاس کا سہارا لینا چاہئے، قیاس پر عمل کیا ہے چنانچہ قیاس نے اس حدیث کے حکم کو تو نماز عصر میں ترجیح دی اور احادیث نبویؐ کو فجر کی نماز میں ترجیح دی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فجر میں طلوع آفتاب تک پورا وقت کامل ہوتا ہے۔ لہذا طلوع آفتاب سے پہلے پہلے جب نماز شروع کی جاتی ہے تو وہ اسی صفت کمال کے ساتھ واجب ہوتی ہے جس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جس طرح ابتداء صفت کمال سے ہوئی ہے اسی طرح اختتام بھی صفت کمال کے ساتھ یعنی وقت کے اندر اندر ہو۔ مگر جب ایک رکعت کے بعد آفتاب طلوع ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے نماز میں نقصان پیدا ہو گیا لہذا یہ نماز جس طرح صفت کمال کے ساتھ واجب ہوئی تھی اس طرح اداء نہیں ہوئی اور جب صفت کمال کے ساتھ ادا نہیں ہوئی تو گویا پوری نماز باطل ہو گئی۔

اس کے برعکس عصر میں دوسری شکل ہے وہ یہ کہ عصر میں غروب آفتاب تک پورا وقت کامل نہیں ہوتا یعنی جب تک کہ آفتاب زرد نہ ہو جائے اس وقت تک تو وقت مختار یا وقت کامل رہتا ہے مگر آفتاب کے زرد ہو جانے کے بعد آخر میں وقت مکروہ ہو جاتا ہے لہذا عصر کی نماز جب بالکل وقت آخر یعنی ناقص میں شروع کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس کی ابتداء چونکہ وقت ناقص میں ہوئی اس لئے اس کا وجوب بھی صفت نقصان کے ساتھ ہو لہذا اس کا اختتام جب غروب آفتاب پر ہو گا تو کہا جائے گا کہ غروب آفتاب سے نماز میں نقصان پیدا ہو جانے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔ کیونکہ جس طرح اس کی ابتداء وقت ناقص میں ہوئی تھی اسی طرح اس کی انتہاء بھی وقت ناقص میں ہوئی گویا جس صفت کے ساتھ نماز واجب ہوئی تھی اسی صفت کے ساتھ یعنی ناقص اداء ہوئی۔

جن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور نصف النہار کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے ان کے بارے میں حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق نوافل کے ساتھ ہے یعنی اگر کوئی شخص ان تینوں اوقات میں نفل نماز پڑھنا چاہئے تو اس کے لئے یہ جائز نہ ہو گا البتہ فرض نماز میں ان تینوں اوقات میں بھی جائز ہوں گی لیکن حدیث کے الفاظ امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید نہیں کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں فرض و نفل کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے بلکہ عمومی طور پر تمام نمازوں کے بارے میں کہا گیا ہے۔ لہذا اگر اس بارے میں کسی نماز کی تخصیص کی جاتی ہے تو یہی کہنا پڑے گا کہ یہ حدیث کے ظاہری منشاء اور مفہوم کے سراسر خلاف ہے۔ ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے طلوع آفتاب سے پہلے صبح کی نماز کی ایک رکعت پالی تو بے شک اس نے نماز کا وقت پایا اگرچہ وہ وقت نماز کے مناسب نہیں تھا لیکن پھر وہ وقت نماز کے مناسب اس لئے ہو گیا کہ ایک رکعت کی مقدار وقت بہر حال باقی رہا تھا لہذا وہ نماز اس شخص کے لئے لازم ہو گئی۔

(۱۵) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيَتِمَّ صَلَاتَهُ وَإِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيَتِمَّ صَلَاتَهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اگر تم میں سے کوئی شخص آفتاب غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز کی ایک رکعت پالے تو اسے نماز پوری کر لینی چاہئے اور اگر آفتاب نکلنے سے پہلے فجر کی نماز کی ایک رکعت پالے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی نماز پوری پڑھے۔“ (بخاری)

تشریح: اسے چاہئے کہ وہ اپنی نماز پوری پڑھے۔ حنفیہ تو اس جملہ کے معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی نماز کا اعادہ کھے یعنی اس کی قضاء پڑھے اور شوافع کے نزدیک وہی معنی ہیں جو اس سے پہلی حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں۔

(۱۶) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا أَنْ يُصَلِّيَهَا إِذَا ذَكَرَهَا وَلَمْ يَرَوْا بِهَا لَكُفَّارَةً لَهَا إِلَّا ذَلِكَ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جو شخص نماز پڑھنی بھول جائے یا نماز کے وقت (غافل) سو جائے (اور وہ نماز رہ جائے) تو اس کا بدل یہی ہے کہ جس وقت یاد آئے پڑھ لے، اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اس نماز کے پڑھ لینے کے سوا اس کا اور کوئی بدل نہیں ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اگر کوئی شخص نماز پڑھنی بھول جائے یا نماز کے وقت ایسا غافل سو جائے کہ نماز کا وقت نکل جائے اور نماز نہ پڑھ سکے تو اس کا کفارہ صرف یہی ہے کہ اسے جب بھی یاد آجائے یا جب بھی سو کر اٹھے نماز قضاء پڑھ لے۔ یہ نہیں کہ جس طرح بغیر عذر کے رمضان کے روزے چھوڑنے کا کفارہ صدقہ وغیرہ ہوتا ہے نماز کے ترک کرنے پر بھی کفارہ کے طور پر کئی نمازیں پڑھنی پڑیں گی یا صدقہ وغیرہ دینا ہوگا۔ ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو نماز پڑھنے سے رہ گئی ہو وہ جب بھی یاد آئے اس کے پڑھنے میں تاخیر نہ کرنی چاہئے۔

(۱۷) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِي التَّوْمِ تَفْرِيطٌ إِنَّمَا التَّفْرِيطُ فِي الْبَيْقِظَةِ فَإِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيَصِلْهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ وَاقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، سوتے میں نماز کا رہ جانا قصور میں شمار نہیں بلکہ قصور تو جاگتے میں (شمار) ہوتا ہے (کہ وہ اس طرح سویا) لہذا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے سے رہ جائے یا نماز کے وقت غافل سو جائے تو جس وقت بھی یاد آئے پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واقم الصلوٰۃ لذكركی (اور مجھے یاد کرنے کے وقت نماز پڑھ لیا کرو)۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز سے پہلے غافل ہو کر سو جائے تو اس حالت میں نماز کی تاخیر کے قصور کی نسبت سونے والے کی طرف نہیں ہوتی کیونکہ وہ سونے کی حالت میں مکلف نہیں ہے بلکہ مجبور ہے البتہ اس کی طرف قصور کی نسبت جاگنے کی حالت میں ہوگی کہ اس نے ایسا طریقہ کیوں اختیار کیا جس کی وجہ سے وہ نماز پڑھے بغیر سو گیا مثلاً وقت سے پہلے سو گیا تو اس میں اس کی خطا ہے ایسے ہی اس نے ایسے کام کئے جو نیند کا سبب ہیں مثلاً لیٹ گیا یا شطرنج کے کھیل یا ایسے دوسرے کاموں میں مشغول رہا جو نسیان و بھول کا باعث ہوتے ہیں تو اس میں اس کا قصور ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ نماز کا یاد کرنا بمنزلہ خدا کے یاد کرنے کے ہے اس لئے نماز یاد کرنے کو خدا نے اپنا یاد کرنا قرار دے کر فرمایا کہ جب مجھے یاد کرو یعنی نماز جب تمہیں یاد آئے کہ وہ میرے یاد کرنے کا سبب ہے تو پڑھ لیا کرو۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ لذكركی کے معنی یہ ہیں کہ میں جب تمہیں نماز یاد دلا دوں اس وقت نماز پڑھ لیا کرو تمہارا کچھ قصور نہیں۔

الفصل الثانی

(۱۸) عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرُهَا أَصَلُوهُ إِذَا آتَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا أَحْضَرَتْ وَالْأَيْمُ إِذَا وَجَدَتْ لَهَا كُفُّوْا۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ راوی ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، علی! تین باتوں کے کرنے میں دیر نہ کیا کرنا۔ ایک تو نماز ادا کرنے میں جب کہ وقت ہو جائے، دوسرے جنازہ میں جب تیار ہو جائے اور تیسرے بے خاوند عورت کے نکاح میں جب کہ اس کا کفو (یعنی ہم قوم مرد) مل جائے۔“ (ترمذی)

تشریح: لسان نبوت سے حضرت علیؓ کو تین کاموں میں تاخیر نہ کرنے کی نصیحت فرمائی جا رہی ہے۔ پہلے تو نماز کے بارے میں فرمایا کہ جب نماز کا وقت مختار ہو جائے تو اس میں تاخیر نہ کرنا چاہئے بلکہ سب سے پہلے نماز پڑھو اس کے بعد کوئی دوسرا کام کرو۔

دوسرے نمبر پر جنازہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ جس وقت جنازہ تیار ہو جائے تو اس کی نماز اور اس تدفین میں قطعاً تاخیر نہ کرنی چاہئے۔ علامہ اشرفؒ کا قول علامہ طیبی شافعی نقل کرتے ہیں کہ، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جنازہ کی نماز اوقات مکروہہ (یعنی آفتاب نکلنے ڈوبنے کے وقت اور نصف النہار کے وقت) میں پڑھنی مکروہ نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ صورت ہو کہ جنازہ ان اوقات سے پہلے آجائے تو پھر ان اوقات میں نماز پڑھنی مکروہ ہوگی۔ یہی سجدہ تلاوت کا حکم ہے۔ بہر حال ان تینوں اوقات مکروہہ کے علاوہ تمام اوقات میں حتیٰ کہ فجر کی نماز سے پہلے و بعد میں اور عصر کی نماز کے بعد بھی یہ دونوں چیزیں یعنی نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت مطلقاً مکروہ نہیں ہیں۔

تیسری چیز آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ بے خاوند عورت کا کفو یعنی ہم قوم مرد جب بھی مل جائے اس کے نکاح میں تاخیر نہ کرنی چاہئے۔

ایم بے خاوند عورت کو کہتے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا مطلقہ بیوہ ہو مگر علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ”ایم“ اس کو کہتے ہیں جس کا زوج (یعنی جوڑہ) نہ ہو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور عورت خواہ شیب ہو یا پاکرہ۔

”کفو“ کا مطلب یہ ہے کہ مرد ان جملہ اوصاف میں عورت کے ہم پلہ و برابر ہو۔ ① نسب۔ ② اسلام۔ ③ حریت۔ ④ دیانت۔ ⑤ مال۔ ⑥ پیشہ۔

اس موقع پر حدیث کی مناسبت سے ایک تکلیف دہ صورت حال کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلا دینا ضروری ہے۔ آج کل یہ عام رواج سا ہوتا جا رہا ہے کہ لڑکیوں کی شادی میں بہت تاخیر کی جاتی ہے اکثر تاخیر تو تہذیب جدید کی اتباع اور رسم و رواج کی پابندی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہ چیز نہ صرف یہ کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے حکم و فرمان کے سراسر خلاف ہے لڑکیوں کی فطرت اور ان کے جذبات کا کلا گھونٹ کر ان پر ظلم کے مترادف بھی ہے چنانچہ اس کے نتائج آج کل جس انداز سے سامنے آرہے ہیں اسے ہر شخص جانتا ہے کہ زنا کی لعنت عام ہو گئی ہے، بے حیائی و بے غیرتی کا دور دورہ ہے اور اخلاق و کردار انتہائی پستیوں میں گرتے جا رہے ہیں۔

پھر نہ صرف یہ کہ کنواری لڑکیوں کی شادی میں تاخیر کی جاتی ہے بلکہ اگر کوئی عورت شوہر کے انتقال یا طلاق کی وجہ سے بیوہ ہو جاتی ہے تو اس کے دوبارہ نکاح کو انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے اس طرح اس بے چاری کے تمام جذبات و خواہشات کو فنا کے گھاٹ اتار کر اس کی پوری زندگی کو حرمان و یاس، رنج و الم اور حسرت و بے کیفی کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔

یہ تو تقریباً سب ہی جانتے ہیں کہ تمام اہل سنت و الجماعت کا متفقہ طور پر یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص کسی معمولی سی سنت کا بھی انکار کرے یا اس کی تحقیر کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور یہ سبھی لوگ جانتے ہی ہیں کہ عورت کا نکاح کرنا پیغمبر اسلام ﷺ کی وہ عظیم و مشہور سنت ہے جس کی تاکید بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمان جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے محبت کا اقرار کرتے ہیں مگر آنحضرت ﷺ کی اس سنت پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے کا کوئی جذبہ نہیں رکھتے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ کوئی شخص تو اپنی مجبور یوں کی آڑ لے کر لڑکیوں کی شادی میں تاخیر کرتا ہے، کوئی تہذیب جدید اور فیشن کا دلدادہ ہو کر اس سعادت سے محروم رہتا ہے اور کوئی شخص طعن و تشنیع کے خوف سے بیوہ کی شادی کرنے سے معذور بنتا ہے گویا وہ لوگوں کے طعن و تشنیع کو آنحضرت ﷺ کے حکم اور آپ ﷺ کی سنت پر ترجیح دیتا ہے حالانکہ دانش مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کے اس طعن و تشنیع کو اپنے لئے باعث سعادت اور قابل فخر جانے کہ انبیاء علیہم السلام اور خدا کے نیک بندوں کے اچھے کاموں پر ہمیشہ ہی لوگوں نے طعن و تشنیع کی ہے مگر ان لوگوں نے خدا کے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری اور نیک کاموں میں کبھی کوتاہی یا قصور نہیں کیا۔

اس موقع پر ایک بزرگ کی دلچسپ حکایت سن لیجئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بزرگ نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے ایک مرید سے جو اس لڑکی

کے مناسب و لائق تھا کر دیا اور اس کی خبر کو کسی نہ کسی طرح اپنی بیوی سے بھی پوشیدہ رکھا۔ بعد میں جب ان کی بیوی کو یہ معلوم ہوا تو جزیر ہوئی اور ان سے کہنے لگی کہ، آپ نے اس کا بھی خیال کیا کہ آپ کے اس طرز عمل سے آپ کی ناک کٹ گئی، اور پھر جیسا کہ ان ناص عقل والدین عورتوں کی عادت ہے ان بے چارے بزرگ کو لاکھ صلواتیں سنائیں۔ وہ بزرگ یہ سمجھ کر کہ عورتوں کے منہ لگنا خواہ مخواہ اپنی عقل خراب کرنا ہے۔ خاموش ہو گئے پھر باہر آکر انہوں نے مریدوں سے پوچھا کہ کیوں بھائیو میرے منہ پر ناک بھی ہے یا نہیں؟ انہوں نے تعجب سے کہا کہ ہاں کیوں نہیں ہے اوہ کہنے لگے کہ میری بیوی تو کہتی ہے کہ میری ناک کٹ گئی۔

اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ آدمی کو چاہئے کہ نیک کام کرنے میں کسی طعن و تشنیع کا خیال نہ کرے کیونکہ حقیقت میں جو بات بری نہیں ہوتی وہ کسی کے کہہ دینے سے بری نہیں ہو جاتی اور نہ اس کام کو کرنے والے کی ذات و شخصیت کو کوئی بڑھ لگتا ہے۔

حضرت مولانا الشاہ عبدالقادرؒ نے آیت وانکحوا الایامی کے ضمن میں اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا، علی التین کاموں میں دیر نہ کرو۔ ① فرض نماز کی ادائیگی میں جب کہ اس کا وقت ہو جائے۔ ② جنازہ میں جب کہ موجود ہو۔ ③ بیوہ عورت (کے نکاح میں) جب کہ اس کی ذات (و مرتبہ) کا مرد مل جائے۔ جو شخص (بیوہ کو) دوسرا خاوند کرنے میں عیب لگائے (تو سمجھو کہ) اس کا ایمان سلامت نہیں ہے اور جو لونڈی و غلام نیک ہوں (یعنی شادی کر دینے کے بعد ان کے مفرور ہو جانے کا خوف نہ ہو اور تمہیں اعتماد ہو کہ یہ نیک بخت ہیں شادی کے بعد ہمارا کام نہیں چھوڑیں گے) تو ان کا بھی نکاح کر دو۔

①۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَقْتُ الْأَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ رِضْوَانُ اللَّهِ وَالْوَقْتُ الْآخِرُ عَفْوُ اللَّهِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، نماز کو اول وقت ادا کرنا خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب ہے اور آخر وقت میں ادا کرنا خدا کی معافی کا سبب ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: اول وقت سے مراد اول وقت مختار ہے اور اس کی قید لگانے کی ضرورت یوں ہوئی کہ حنفیہ کے نزدیک بعض نماز میں تاخیر کی جاتی ہے جیسے فجر کی نماز کو اور گرمی میں ظہر کی نماز کو تاخیر کر کے پڑھنا ہی مستحب ہے لہذا یہ نمازیں مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کا اول وقت مختار نہیں ہے بلکہ ان میں تاخیر ہی مختار ہے۔

”آخر وقت“ سے مراد وقت مکروہ ہے مثلاً عصر کی نماز میں سورج کا حغیر ہو جانا یا عشاء کی نماز میں وقت کا آدھی رات سے زیادہ گزر جانا۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آخر وقت میں نماز کی فرضیت تو ہر حال ادا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس وقت نماز پڑھنے والا ترک نماز کے گناہ سے توفیق ہی جاتا ہے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

②۰ وَعَنْ أُمِّ قُرُوءَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا الْأَعْمَالُ أَفْضَلُ قَالَ الصَّلَاةُ لِأَوَّلِ وَفَتْهَارِ وَأَهْ أَحْمَدُ وَالتَّزْمِيدِيُّ وَابْنُ دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يَرْوَى الْحَدِيثُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ الْغُمَرِيِّ وَهُوَ لَيْسَ بِالْقَوِي عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ۔

”اور حضرت اُمّ قرؤہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ (ثواب کی زیادتی کے اعتبار سے) کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) اور حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت کی جاتی ہے۔ اور وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایمان کے بعد افضل ترین عمل یہی ہے کہ نماز کو اس کے اول وقت میں جماعت کے ساتھ پڑھا جائے۔ کتاب الصلوٰۃ کی حدیث نمبر پانچ کی تشریح کے ضمن میں بتایا جا چکا ہے کہ افضل اعمال کے سلسلہ میں بہت زیادہ حدیثیں وارد ہیں۔ جن میں مختلف

اعمال کو افضل کہا گیا ہے۔ وہاں اس کی بھی وضاحت کر دی گئی تھی کہ جن جن اعمال کو افضل کہا گیا ہے وہ اپنے اپنے موقع و مناسبت کی بناء پر یقیناً افضل ہیں۔

چنانچہ یہاں پھر سمجھ لیجئے کہ دوسری احادیث میں جن اعمال کو افضل کہا گیا ہے وہاں افضلیت اضافی مراد ہے یعنی بعض اعمال بعض حیثیت سے افضل ہیں اور بعض اعمال کو دوسری وجہ اور حیثیت سے دوسرے اعمال پر فضیلت حاصل ہے لیکن نماز علی الاطلاق یعنی بہرہ وجہ ایمان کے بعد تمام اعمال سے افضل و اشرف ہے۔

ترمذیؒ نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے راوی صرف ایک یعنی عبد اللہ ابن عمرؓ عمری ہیں اور وہ بھی محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔ عبد اللہ ابن عمرؓ عمری کے بارے میں غالباً پہلے بھی کسی حدیث کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ حضرت عمر فاروقؓ کے خاندان سے ہیں اس لئے انہیں عمری کہا جاتا ہے ان کا سلسلہ نسب یہ ہے عبد اللہ ابن عمر ابن حفص ابن عامر ابن عمر فاروقؓ۔ بہر حال ترمذیؒ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث مرتبہ صحت کو نہیں پہنچتی حالانکہ دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲۱) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً لَوْ فُتِحَ الْآخِرُ مَرَّتَيْنِ حَتَّى قَبِضَهُ اللَّهُ تَعَالَى - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کوئی نماز آخر وقت میں دو دفعہ بھی نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات دے دی۔“ (ترمذی)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نمازوں کو ان کے مختار اوقات میں پڑھا کرتے تھے۔ مکروہ اوقات میں نہیں پڑھتے تھے۔ صرف ایک مرتبہ بیان جواز کے لئے آپ ﷺ نے نماز آخر وقت میں پڑھی تھی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز کا آخری وقت یہ ہے اور وقت کے اس حصہ تک نماز جائز ہو سکتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس نماز کو شمار نہیں کیا ہے جو آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ہمراہ آخر وقت میں پڑھی تھی کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام سے وقت معلوم کرنے کے لئے آخر وقت نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک سال کو ایک دن اول وقت میں اور ایک دن آخر وقت میں پڑھ کر دکھائی تھی اسے بھی حضرت عائشہؓ نے شمار نہیں کیا ہے اس لئے کہ وہ تعلیم پر محمول ہے۔

(۲۲) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ أُمَيِّي بِخَيْرٍ أَوْ قَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤْخَرْ وَالْمَغْرِبُ إِلَيَّ أَنْ تَشْتَبِكَ الشَّجُومُ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَزَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنِ الْعَبَّاسِ -

”اور حضرت ابوالیوبؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میری امت کے لوگ اگر مغرب کی نماز کو (اس قدر) دیر کر کے نہ پڑھا کریں کہ ستارے جگمگانے لگیں تو ہمیشہ بھلائی میا فرمایا کہ، فطرت (یعنی اسلام کے طریقہ) پر رہیں گے، (ابوداؤدؒ) اور اس روایت کو دارمیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کے وقت میں فقط ستارے نظر آجانے سے کراہت نہیں آتی البتہ ستارے گنجان ہو کر جگمگانے لگتے ہیں تو جب وقت مکروہ ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھی تھی اور وہ بھی بیان جواز کے لئے ورنہ تو آپ ﷺ ہمیشہ اول وقت ہی مغرب کی نماز ادا فرماتے تھے۔

(۲۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا أَنْ أَشَقُّ عَلَى أُمَيِّي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُؤْخَرُوا الْعِشَاءَ

إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ أَوْ نَصْفِهِ - (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر مجھے اپنی اُمت کے لوگوں کی تکلیف کا اندیشہ نہ ہوتا تو انہیں (وجوب کے طریقہ پر) یہ حکم دیتا کہ عشاء کی نماز کو تہائی رات تک یا آدھی رات تک تاخیر کر کے پڑھیں۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

(۲۲) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمُوا بِهَذِهِ الصَّلَاةِ فَإِنَّكُمْ قَدْ فَضَلْتُمْ بِهَا عَلَى سَائِرِ الْأُمَمِ وَلَمْ تُصَلِّهَا أُمَّةٌ قَبْلَكُمْ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت معاذ بن جبلؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تم اس نماز (یعنی عشاء کی نماز) کو دیر کر کے پڑھا کرو کیونکہ تمہیں دوسری امتوں پر اس نماز کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے اور تم سے پہلے کسی اُمت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔“ (ابو داؤد)

تشریح: اس سے پہلے باب المواقیت کی حدیث نمبر تین میں گزر چکا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو پانچوں وقت کی نماز پڑھائی اور کہا کہ ہذا وقت الانبیاء من قبلک اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام بھی عشاء کی نماز پڑھتے تھے مگر جو حدیث یہاں ذکر کی گئی ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عشاء کی نماز صرف اسی اُمت پر فرض ہے پہلی امتوں پر فرض نہیں تھی۔ لہذا محدثین نے ان دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ پہلی امتوں میں عشاء کی نماز صرف پیغمبر و رسول ہی پڑھتے تھے۔ کیونکہ یہ نماز ان کی اُمت پر واجب نہیں تھی بلکہ انہیں پر واجب تھی جیسا کہ بعض علماء کے قول کے مطابق تہجد کی نماز آنحضرت ﷺ پر واجب تھی مگر آپ ﷺ کی اُمت پر واجب نہیں ہے اس لئے حضرت جبریل کے ارشاد ہذا وقت الانبیاء سے پہلی امتوں پر عشاء کا وجوب ثابت نہیں ہوا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ یہ نماز انبیاء ہی پڑھتے تھے اور اس کو حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ تم سے پہلے کسی اُمت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔ تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام بھی عشاء کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ یہ نماز پہلی امتوں کے لوگ نہیں پڑھتے تھے بلکہ یہ نماز اسی اُمت کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس طرح ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہا۔ آخر میں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ ہذا وقت الانبیاء من قبلک میں لفظ ہذا سے فجر کے وقت اسفار کی طرف اشارہ ہے کہ بخلاف دوسرے اوقات کے اس میں تمام انبیاء شریک ہیں۔

(۲۵) وَعَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ أَنَا أَعْلَمُ بِوَقْتِ هَذِهِ الصَّلَاةِ صَلَوةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيُهَا لِسُقُوطِ الْقَمَرِ لِثَلَاثَةِ - (رواہ ابو داؤد و الدارمی)

”اور حضرت ثعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میں اس نماز یعنی دوسری عشاء کے وقت کو خوب جانتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ اس نماز کو تیسری تاریخ کے چاند چھینے کے وقت پڑھا کرتے تھے۔“ (ابو داؤد، دارمی)

تشریح: تیسری تاریخ کی شب میں چاند رات کے تقریباً پانچویں حصہ میں غروب ہوتا ہے، اس طرح یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کی نماز تاخیر ہی سے پڑھنا مستحب ہے۔ عشاء کی نماز کو دوسری عشاء اس لئے کہا گیا ہے کہ بسا اوقات مغرب کو بھی عشاء کہا جاتا ہے اس اعتبار سے یہ دوسری عشاء ہوئی۔

(۲۶) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَفِزُّوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَلَيْسَ عِنْدَ النَّسَائِيِّ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ -

”اور حضرت رافع ابن خدیجؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، فجر کی نماز اجالے میں پڑھو کیونکہ اجالے میں نماز پڑھنے سے بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے اور نسائی کی روایت میں یہ الفاظ فانہ اعظم للاجر (یعنی اجالے میں نماز پڑھنے سے بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے)۔ نہیں ہیں۔“ (ترمذی، ابو داؤد، دارمی، نسائی)

تشریح: اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز اسفار (اجالے) میں شروع کرنی چاہئے چنانچہ حنفیہ کا ظاہری مسلک یہی ہے کہ فجر کی نماز کی ابتداء و اختتام دونوں ہی اسفار میں ہوں۔

مگر حضرت امام طحاویؒ جو حنفی مسلک کے ایک جلیل القدر امام ہیں، فرماتے ہیں کہ ابتداء تو غلّس (اندھیرے) میں ہونی چاہئے اور اختتام اسفار میں، اور اس کا طریقہ یہ ہو کہ قرأت اتنی طویل کی جائے کہ پڑھتے پڑھتے اجالا پھیل جائے۔ چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ امام طحاویؒ کی یہ تاویل اولیٰ اور احسن ہے کیونکہ اس طرح ان تمام احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں سے بعض تو غلّس میں نماز پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسفار میں نماز پڑھنا افضل ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔

ان احادیث میں ایک دوسری تطبیق کی وجہ خود ایک حدیث بھی ہے جو شرح السنہ میں منقول ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں موسم کا اعتبار ہو گا یعنی جاڑے کے موسم میں تو غلّس میں نماز پڑھنا بہتر ہو گا اور گرمی کے موسم میں اسفار کرنا بہتر ہو گا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ مُعَاذُ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ إِذَا كَانَ فِي الشِّتَاءِ فَعَلَّسْ بِالْفَجْرِ وَأَطِلْ الْقِرَاءَةَ قَدْرَ مَا يُطِيقُ النَّاسُ وَلَا تُمَلِّهِمْ وَإِذَا كَانَ فِي الصَّيْفِ فَاسْفِرْ بِالْفَجْرِ فَإِنَّ اللَّيْلَ قَصِيرٌ وَالنَّاسُ نِيَامٌ فَأَمَلْهُمْ حَتَّى أَدْرَكَوا عِنَى الصَّلَاةِ۔

”حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے یمن بھیجا تو یہ (بھی) فرمایا کہ جب سردی کا موسم ہو تو فجر کی نماز غلّس (اندھیرے) میں پڑھنا اور قرأت طویل کرنا (مگر اتنی کہ) لوگوں پر بھاری نہ ہو کہ وہ تنگ ہو جائیں اور جب گرمی کا موسم ہو تو فجر کی نماز اسفار (اجالے) سے پڑھنا کیونکہ (گرمی میں) رات چھوٹی ہونے کی وجہ سے لوگ سوئے رہتے ہیں اس لئے انہیں اتنا موقع دو کہ وہ نماز میں شریک ہو سکیں۔“

بہر حال علماء حنفیہ کے نزدیک اسفار کی حد یہ ہے کہ طلوع آفتاب تک اتنا وقت رہے کہ اس میں قرأت مسنون (جو چالیس سے ساٹھ یا سو آیتوں تک ہے) ترتیل کے ساتھ پڑھی جاسکے۔ اور نماز کے بعد اگر طہاات میں کوئی خلل معلوم ہو تو طلوع آفتاب سے پہلے پہلے وضو اور مذکورہ بالا طریقہ پر نماز کا اعادہ ممکن ہو سکے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(عَنْ زَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كُنَّا نَصَلِّيُ الْعَصْرَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَنَحَّزُ الْجَزُورُ فَتَقْسِمُ عَشْرَ قِسْمٍ ثُمَّ تَطْبَحُ فَتَنُوكُلُ لَحْمًا نَضِيجًا قَبْلَ مَغِيبِ الشَّمْسِ۔ (متفق علیہ)

”حضرت زافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ عصر کی نماز پڑھ کر اونٹوں کو ذبح کیا کرتے تھے اور پھر وہ دس حصوں پر تقسیم کیا جاتا، اس کے بعد اسے پکایا جاتا اور پھر ہم سورج چھپنے سے پہلے اس کے ہونے گوشت کو کھا کر فارغ ہو جایا کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: بظاہر اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عصر کی نماز جلدی یعنی ایک مثل سایہ پہنچنے کے وقت یا اس کے تھوڑی دیر کے بعد پڑھی جاتی ہوگی جیسا کہ آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مسلک ہے اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام اعظمؒ کا بھی یہی مسلک ہے اور بعض حضرات نے فتویٰ بھی اسی روایت پر دیا ہے مگر حضرت امام اعظمؒ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ عصر کا وقت دو مثل سایہ کے بعد ہوتا ہے چنانچہ ان کی طرف سے اس حدیث کی یہ تاویل کی جائے گی کہ ہو سکتا ہے کہ گرمیوں میں ایسا ہوتا ہو کیونکہ اس وقت دن بڑا ہوتا ہے۔ نیز حضرت ابن ہمامؒ نے ہدایہ کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر عصر کی نماز سورج کے مغیر ہونے سے پہلے پڑھی جائے تو غروب آفتاب تک بقیہ وقت میں

حدیث میں مذکور جیسا عمل بڑی آسانی سے کیا جاسکتا ہے چنانچہ جن لوگوں نے امراء و حکام کے ہمراہ کھانا پکانے والے ماہرین کو سفر میں کھانا پکاتے ہوئے دیکھا ہو گا وہ اسے بعید نہیں جانیں گے۔

(۲۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكْنُفًا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَتَنَظَّرُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ فَخَرَجَ الْيَتَا حِينَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ أَوْ بَعْدَهُ فَلَا نَدْرِي أَشَيْءٌ شَغَلَهُ فِي أَهْلِهِ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ فَقَالَ حِينَ خَرَجَ إِنَّكُمْ لَتَنَظُرُونَ صَلَاةَ مَا يَنْتَظَرُهَا أَهْلُ دِينٍ غَيْرِكُمْ وَلَوْ لَا أَنِّي يَنْقُلُ عَلَيَّ أُمِّي لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هَذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ أَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَلَّى - (رواه مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم عشاء کی نماز کے لئے بہت دیر تک بیٹھے ہوئے نبی کریم ﷺ کا انتظار دیکھتے رہے۔ آنحضرت ﷺ تہائی یا اس سے بھی زیادہ رات جانے کے بعد تشریف لائے اور ہمیں معلوم نہیں کہ آپ ﷺ گھر کے کام میں مشغول رہے تھے (کہ عادت کے مطابق سورے نماز پڑھنے تشریف نہیں لائے) یا اس کے علاوہ (آپ ﷺ کی ذات اقدس کو کوئی عذر پیش آگیا تھا) آنحضور ﷺ نے آکر فرمایا، تم لوگ نماز کا انتظار کر رہے تھے (اور تمہارے لئے یہ مناسب بھی تھا کیونکہ نماز کا انتظار تو تم ہی لوگ کیا کرتے ہو۔ تمہارے سوا کسی اور دین والوں نے نماز کا انتظار نہیں کیا۔ اور اگر مجھے اپنی اُمت پر گراں گزرنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس نماز کو ہمیشہ اسی وقت پڑھا کرتا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مؤذن کو (تکبیر کا) حکم دیا اس نے تکبیر کہی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمہارے سوا کسی بھی دین کے لوگ یعنی یہود و نصاریٰ عشاء کی نماز کا انتظار نہیں کرتے ہیں کیونکہ یہ نماز تو صرف اسی اُمت کے ساتھ مخصوص فرمائی گئی ہے اور کسی اُمت کو نصیب نہیں ہوئی ہے لہذا تم اس وقت جب کہ آرام کرنے کا وقت ہے اپنے نفس پر قابو پا کر اور مشقت اٹھا کر نماز کا جتنا زیادہ انتظار کرو گے اتنا ہی زیادہ ثواب پاؤ گے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عشاء کی نماز تہائی رات کے وقت پڑھنا افضل ہے جیسا کہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک ہے مگر جہاں تک آنحضرت ﷺ کے عمل کا تعلق ہے تو یہ بھی ثابت ہے کہ جب صحابہ کی جماعت کا اکثر حصہ اول وقت جمع ہو جاتا تھا تو آپ ﷺ اول وقت ہی نماز پڑھ لیتے تھے اور جو حضرات تاخیر سے جمع ہوتے تھے وہ دیر میں پڑھتے تھے چنانچہ حضرت امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ جو نمازی اول وقت جمع ہو جائیں وہ اول وقت نماز پڑھ لیں اور جو نمازی تاخیر سے جمع ہوں وہ دیر کر کے پڑھیں۔

(۲۹) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصَّلَاةَ نَحْوًا مِنْ صَلَاتِكُمْ وَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَتَمَةَ بَعْدَ صَلَاتِكُمْ شَيْئًا وَكَانَ يُخَفِّفُ الصَّلَاةَ - (رواه مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمرہؓ نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ نبی کریم ﷺ تمہاری نمازوں کے قریب قریب (اوقات میں) نماز پڑھا کرتے تھے مگر عشاء کی نماز تمہاری نماز سے کچھ دیر کر کے پڑھتے تھے اور سب نماز پڑھتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: نبی کے باوجود حضرت جابرؓ نے عشاء کو عتمہ اس لئے کہا ہے کہ شاید اس وقت تک ان کو نبی کا حکم معلوم نہیں ہوا ہو گا یا پھر یہ نام چونکہ اہل عرب میں پہلے سے جانا پہچانا جاتا تھا اس لئے انہوں نے یہ سوچ کر کہ اس نام سے لوگ اس نماز کو اچھی طرح پہچان لیں گے عتمہ ہی کہا۔

بہر حال یہ حدیث بھی اس بات پر بصراحت دلالت کرتی ہے کہ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنا ہی افضل و مستحب ہے۔ ”سب نماز پڑھنے“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے مگر علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتیں اس وقت پڑھتے تھے جب کہ امامت فرماتے اور ضعیف و کمزور لوگوں کی رعایت مد نظر ہوتی۔ اور ویسے بھی یہ بات باعتبار اکثر کے

فرمائی گئی ہے کیونکہ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے مغرب کی دونوں رکعتوں میں سورۃ اعراف بھی پڑھی ہے۔ اور میں تو کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کا اتنی بڑی بڑی سورتیں پڑھنا بھی لوگوں پر گراں نہیں گزرتا تھا۔ یعنی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے میں صحابہ کو ایسا کیف و سرور محسوس ہوتا تھا کہ طویل قرأت بھی انہیں ہلکی ہی معلوم ہوتی تھی اور ازراہ شوق طویل قرأت میں زیادتی کے طالب رہتے تھے اس کے برخلاف دوسرے لوگوں کی امانت میں یہ بات حاصل ہونا مشکل ہے۔

(۴۰) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعَتَمَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتَّى مَضَى نَحْوُ مِائَةِ شَطْرِ اللَّيْلِ فَقَالَ خُذُوا مَقَاعِدَكُمْ فَأَخَذْنَا مَقَاعِدَنَا فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَأَخَذُوا مَضَاجِعَهُمْ وَإِنَّكُمْ لَنْ تَرَوْا لَوْ أَفِي صَلَاةٍ مَا أَنْتَظَرْتُمْ الصَّلَاةَ وَلَوْلَا ضَعْفُ الضَّعِيفِ وَسَقَمُ السَّقِيمِ لَأَخَّرْتُ هَذِهِ الصَّلَاةَ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جماعت سے نماز پڑھنے گئے۔ (اتفاق سے اس روز) آنحضرت ﷺ آدھی رات کے قریب تک تشریف نہ لائے (بعد ازاں اگر ہم سے) ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا، چنانچہ ہم اپنی جگہوں (سے اٹھے نہیں بلکہ وہیں) پر بیٹھے رہے (اس کے بعد) آپ ﷺ نے فرمایا، دوسرے لوگوں نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے بستر سنبھال لئے ہیں اور (تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) جب تک تم نماز کی انتظار میں رہو گے تمہارا یہ سارا وقت نماز ہی میں شمار کیا جائے گا (یعنی تمہیں اس انتظار کی وجہ سے برابر نماز پڑھنے کا ثواب ملتا رہے گا) اور اگر مجھے ضعیفوں کی کمزوری اور بیماروں کی بیماری کا خیال نہ ہوتا تو میں ہمیشہ یہ نماز آدھی رات تک دیر کر کے پڑھا کرتا۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: جیسا کہ پہلے آنحضرت ﷺ کا ارشاد گزر چکا ہے کہ (مسلمانوں کے علاوہ) کسی بھی دوسرے دین کے لوگ عشاء کی نماز کا انتظار نہیں کرتے، لہذا اس ارشاد کی روشنی میں حدیث کے الفاظ دوسرے لوگوں نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے بستر سنبھال لئے ہیں، کی تشریح یہ کی جائے گی کہ دوسرے دین کے لوگ مثلاً یہود و نصاریٰ تو شام کی نماز پڑھ کر یا اپنے مذہب کے مطابق عبادت کر کے اپنے اپنے بستروں پر جا کر نیند کی آغوش میں پہنچ گئے ہیں مگر چونکہ تمہارے نصیب میں اس نماز کی سعادت و فضیلت لکھی ہوئی ہے۔ اس لئے تم اب اس سعادت و فضیلت کی تکمیل کی خاطر نماز کی انتظار میں بیٹھے ہوئے ہو۔ اور چونکہ تم اپنا آرام اپنی نیند اور اپنا پیچھن سب اپنے پروردگار کی عبادت کے انتظار میں لٹا چکے ہو اس لئے تمہارا پروردگار بھی اس محنت و مشقت کا صلہ اس طرح تمہیں دے گا کہ تمہارے اس انتظار کے ایک ایک لمحہ کو سہرا عبادت و باعث سعادت بنا دے گا یاں طور پر کہ تمہارا یہ جتنا وقت انتظار میں گزرا ہے یا جتنا وقت گزرے گا تو سمجھو کہ وہ نماز ہی میں گزرا ہے یا گزرے گا یعنی جتنا ثواب نماز پڑھنے کا ملتا ہے اتنا ہی ثواب اس انتظار کا بھی ملے گا۔

یا پھر اس جملہ کا مطلب یہ ہو گا کہ دوسرے مخلوق کے مسلمان جو اس مسجد میں حاضر نہیں ہیں عشاء کی نماز پڑھ کر سو رہے ہیں اور تم لوگ اب تک نماز عشاء کی انتظار میں یہاں بیٹھے ہو اس طرح ان مسلمانوں کے مقابلہ میں تم زیادہ ثواب و فضیلت کے حقدار بنو گے، یہی معنی اباعد کے الفاظ وانکم لمن تزلوا الخ کے زیادہ قریب اور مناسب ہیں۔

بہر حال۔ یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کی نماز میں آدھی رات تک تاخیر جائز ہے بلکہ عبادت کے سلسلہ میں زیادہ محنت و مشقت اٹھانے کی وجہ سے مستحب اور افضل ہے۔

(۴۱) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ تَعَجُّلاً لِلظُّهْرِ مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ أَشَدَّ تَعَجُّلاً لِلْعَصْرِ مِنْهُ۔ (رواہ احمد و الترمذی)

”اور حضرت ام سلمہؓ نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز (گرمی کے علاوہ دوسرے موسموں میں) تم سے بہت زیادہ جلدی پڑھتے تھے اور تم عصر کی نماز پڑھنے میں آنحضرت ﷺ سے زیادہ جلدی کرتے ہو۔“ (احمد، ترمذی)

تشریح: حضرت اُم سلمہؓ کا مقصد اتباعِ سنت پر لوگوں کو رغبت دلانا اور متوجہ کرنا ہے کہ ہر جگہ اور ہر موقع پر آنحضرت ﷺ کی اتباع کرنے میں ہی بھلائی و سعادت ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عصر کی نماز میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک ہے۔

(۳۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ۔

(رواہ النسائی)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (ظہر کی) نماز گرمی کے موسم میں ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے اور سردی کے موسم میں جلدی پڑھ لیتے تھے۔“ (نسائی)

تشریح: ظہر کے وقت کے سلسلہ میں احادیث میں جو تعارض ہے کہ بعض حدیثوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز تاخیر کر کے پڑھتے تھے اور بعض حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جلدی پڑھ لیتے تھے۔ اس حدیث سے یہ تعارض ختم ہو جاتا ہے بایں طور کہ گرمی کے موسم میں تو آپ ﷺ ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھا کرتے تھے اور سردی کے موسم میں جلدی پڑھتے تھے۔

(۳۳) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا سَتَكُونُ عَلَيْكُمْ بَعْدِي أُمَرَاءُ يَشْغَلُهُمْ أَشْيَاءُ عَنِ الصَّلَاةِ لَوْ فُتِّهَتْ حَتَّى يَذْهَبَ وَقْتُهَا فَصَلُّوا الصَّلَاةَ لَوْ فُتِّهَتْ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَصْلَبِي مَعَهُمْ قَالَ نَعَمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے بعد عنقریب تم پر ایسے (لوگ) حاکم ہوں گے جنہیں دنیا کی چیزیں (یعنی خواہشات نفسانی) وقت (مستحب) پر نماز پڑھنے سے باز رکھیں گی، یہاں تک کہ نماز کا وقت نکل جائے گا (یعنی وقت کراہت آجائے گا) لہذا تم اپنی نمازیں وقت پر پڑھتے رہنا (خواہ تنہا ہی کیوں نہ پڑھنی پڑے) ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا پھر (دوبارہ) ان کے ساتھ بھی نماز پڑھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! (ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرنا تاکہ ثواب بھی زیادہ ملے اور احکام کی مخالفت کرنے کی وجہ سے فتنہ و فساد بھی پیدا نہ ہو)۔“ (ابوداؤد)

(۳۴) وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ مِنْ بَعْدِي يُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ فَهِيَ لَكُمْ وَهِيَ عَلَيْهِمْ فَصَلُّوا مَعَهم مَاصِلُوا الْقِبْلَةَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت قبیصہ ابن وقاصؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میرے بعد تم پر ایسے حاکم ہوں گے جو نماز (وقت مستحب سے) تاخیر کر کے پڑھیں گے اور وہ نماز تمہارے لئے توفائدہ ہوگی اور ان کے لئے وبال ہوگی لہذا جب تک وہ قبلہ (یعنی کعبۃ اللہ) کی طرف نماز پڑھتے رہیں تم بھی ان کے ساتھ نماز پڑھتے رہنا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”فائدہ“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وقت مستحب کی فضیلت حاصل کرنے کی خاطر ان کی نماز سے پہلے نماز پڑھ لی۔ اور پھر اس کے بعد ان کے ساتھ بھی پڑھی تو یہ دوسری نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی جس کی وجہ سے تمہیں بہت زیادہ ثواب ملے گا اور اگر ان کی نماز سے پہلے نماز نہ پڑھی بلکہ ان ہی کے ہمراہ پڑھی تو اس کے لئے تم پر کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا کیونکہ ان کے ساتھ وقت مکروہ میں تمہارا نماز پڑھنا فتنہ کے خوف اور فساد کے دفعیہ کی غرض سے ہوگا۔

اسی طرح ”وبال“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز ان کے لئے مؤاخذہ کا باعث ہوگی کہ جب وہ وقت مختار میں نماز ادا کرنے پر قادر تھے تو وقت سے تاخیر کر کے غیر مطلوب وقت میں نماز کیوں پڑھی اور پھر یہ کہ امور دنیا نے انہیں امور عقبی کی انجام دہی سے باز رکھا جو یقیناً کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں۔

(۳۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ بْنِ الْخِيَارِ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عُثْمَانَ وَهُوَ مُحْضَرٌ فَقَالَ إِنَّكَ إِمَامٌ عَامَّةٌ وَنَزَلَ بِكَ مَا تَرَى وَيُصَلِّي لَنَا إِمَامٌ فَتَنْتَحِرْ فَقَالَ الصَّلَاةُ أَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ فَأَحْسَنُ مَعَهُمْ وَإِذَا أَسَاءُوا فَاجْتَنِبْ إِسَاءَتَهُمْ - (رواه البخاری)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عبد بن خیارؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب کہ وہ اپنی شہادت سے پہلے بغاوت کے ایام میں اپنے مکان کے اندر محصور تھے چنانچہ (عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ سے) میں نے عرض کیا کہ آپ ہم سب کے امام (اور امیر) ہیں اور آپ پر جو کچھ (مصاب و پریشانیاں) نازل ہوئی ہیں وہ آپ بھی دیکھ رہے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں فتنہ و فساد کا ایک امام نماز پڑھاتا ہے (جس کے پیچھے نماز پڑھنا) گناہ سمجھتے ہیں، (یہ سن کر) حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نماز پڑھنا لوگوں کے تمام اعمال سے بہتر و افضل ہے۔ لہذا جب لوگ نیکی و بھلائی کریں تو تم بھی ان کے ساتھ نیکی و بھلائی کرو اور اگر وہ برائی کریں تو تم ان کی برائیوں سے بچو۔“ (بخاری)

تشریح: ”فتنہ و فساد کے امام“ سے مراد باغیوں کا سردار ہے جس کا نام کنانہ ابن بشر تھا۔ حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی نیکیوں میں تو شریک رہو یعنی اگر وہ نیک کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ مل کر وہی نیک کام کرو البتہ ان کی بدی میں شریک نہ رہو۔ اور نماز کا پڑھنا نیک ہی عمل ہے اس لئے باغیوں کے سردار کے پیچھے تم نماز پڑھ سکتے ہو اسے گناہ کی بات نہ سمجھو۔ حضرت عثمانؓ کے اس ارشاد سے ان کے عدل و انصاف اور ان کی علم و بردباری کے عظیم وصف پر روشنی پڑتی ہے کہ انہوں نے ایک ایسے سخت موقع پر جب کہ باغیوں نے اپنے ظلم و ستم کی انتہا کرتے ہوئے انہیں مکان میں محصور کر رکھا تھا اور ان کے اوپر تکالیف و پریشانیوں کے پہاڑ توڑ رہے تھے تو انہوں نے اس وقت بھی ان کی نیکی اور بھلائی کو ازراہ بغض و انتقام برائی سے تعبیر نہیں کیا بلکہ اسے اچھا ہی کہا۔ یہ ارشاد اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ہر نیک و بد شخص کے پیچھے نماز جائز ہو جاتی ہے جیسا کہ اہل سنت و الجماعت کا مسلک ہے۔

بَابُ فَضَائِلِ الصَّلَاةِ

نماز کے فضائل کا بیان

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ عُمَارَةَ بْنِ زُوَيْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَنْ يَلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا يَعْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ - (رواه مسلم)

”حضرت عمارہ ابن زویبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے سورج نکلنے اور چھپنے سے پہلے (دو نمازیں) یعنی فجر اور عصر کی پڑھیں تو وہ دوزخ میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان دونوں نمازوں کو پابندی سے پڑھتا رہے تو وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ بظاہر تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص ان دونوں نمازوں پر مداومت کرے گا، وہ دوسری نمازوں کو چھوڑنے یا دوسرے گناہوں کے صدور کے

۱۔ حضرت عمیرہؓ رویہ کے صاحبزادے اور قبیلہ بنی جشم بن ثقیف سے ہیں اور کوئی ہیں ۱۲۔

سبب وہ رخ میں داخل نہیں کیا جائے گا حالانکہ جمہور علماء کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ نمازیں صغیرہ گناہوں کا کفارہ تو ہو جاتی ہیں، کبیرہ گناہوں کا نہیں ہوتیں۔ چنانچہ علامہ طیبی نے اس حدیث کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ صبح کا وقت عام طور پر آرام کا ہوتا ہے اسی طرح شام کا تجارت وغیرہ کی مشغولیت کا ہوتا ہے لہذا جو شخص ان دونوں موافق کے باوجود نمازوں کی محافظت کرتا ہے تو وہ زبان حال اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ دوسرے اعمال میں بھی کمی زیادتی کرنے والا نہیں ہے جیسے کہ ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاۃِ وَالْمُنْكَرِ (بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے) لہذا اس بناء پر وہ بخشش کی سعادت سے نوازا جائے گا اور دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث سے ان دونوں نمازوں کی فضیلت و عظمت کے بیان میں مبالغہ مراد ہے کہ ان دونوں نمازوں کی فضیلت و عظمت اس بات کی متقاضی ہے کہ ان کی محافظت کرنے والا شخص دوزخ میں داخل نہ کیا جائے گا اور باوجودیکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے ہر عمل پر جزاء و سزا کا ترتیب کرتا ہے مگر وہ چاہے تو ان دونوں نمازوں کے ادا کرنے کے سبب وہ گناہ جو اس سے سرزد ہو سکتے ہیں بخش سکتا ہے (۲) وَعَنْ أَبِي مُوسٰی قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ مَنْ صَلَّی الْبَزْدَیْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جو شخص ٹھنڈے وقت کی دونوں نمازیں (یعنی فجر و عشاء) پڑھتا رہا تو وہ جنت میں جائے گا۔“ (بخاری و مسلم)

(۳) وَعَنْ أَبِي هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فَمَنْ صَلَّی اللَّیْلَ وَاللَّیْلَ وَمَلَائِكَةُ بِاللَّیْلِ وَاللَّیْلِ وَبِجَمْعٍ مَّقُونٍ فَمِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَخْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي فَيَقُولُونَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يَصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يَصَلُّونَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس (آسمان سے) فرشتے رات دن آتے رہتے ہیں (جو تمہارے اعمال لکھتے ہیں اور انہیں بارگاہ الوہیت میں پہنچاتے ہیں) اور فجر و عصر کی نماز میں سب جمع ہوتے ہیں اور جو فرشتے تمہارے پاس رہتے ہیں وہ (جس وقت) آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بندوں کے احوال جاننے کے باوجود ان سے (بندوں کے احوال و اعمال) پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ پروردگار! ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا ہے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تو اس وقت بھی وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے اعمال کو لکھنے اور انہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کے لئے (فرشتوں کی دو جماعتیں بندوں کے ہمراہ رہتی ہیں۔ ایک جماعت تو دن کے اعمال لکھتی ہے اور پھر عصر کے بعد واپس جا کر بارگاہ الوہیت میں اپنی رپورٹ پیش کر دیتی ہے۔ دوسری جماعت رات کے اعمال لکھتی ہے۔ یہ فجر کی نماز کے بعد واپس جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو بندوں کے رات کے اعمال کی رپورٹ دیتی ہے چنانچہ دن اور رات میں دو وقت ایسے ہوتے ہیں جب کہ یہ دونوں جماعتیں جمع ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ تو فجر کے وقت جب کہ رات کے فرشتے واپس جاتے ہیں اور دن کے فرشتے اپنی ڈیوٹی پر آتے ہیں۔ اسی طرح دوسری مرتبہ ان دونوں جماعتوں کا اجتماع عصر کے وقت ہوتا ہے جب کہ دن کے فرشتے اپنی ڈیوٹی پوری کر کے واپس جاتے ہیں اور رات کے فرشتے اپنے کام پر حاضر ہوتے ہیں۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور اس کا علم زمین و آسمان کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ وہ زمین و آسمانوں کے رہنے والوں کے ایک ایک عمل کو جانتا ہے مگر جب فرشتے بندوں کے اعمال کی رپورٹ لے کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ ان سے پوچھتا ہے کہ جب تم اپنی ڈیوٹی پوری کر کے واپس لوٹ رہے تھے تو بتاؤ کہ اس وقت میرے بندے کیا کر رہے تھے؟ اور اس کا یہ پوچھنا (نعوذ باللہ) علم حاصل کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس سوال سے اس کا مقصد فرشتوں کے سامنے اپنی بندوں کی فضیلت و عظمت کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کو بھیجا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تھا تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ پروردگار! کیا تو ایسی مخلوق کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو دنیا میں فساد اور خون ریزی و غارت گری کا بازار سرگرم کرے گی۔ اور پھر انہوں نے اپنی

برتری و بڑائی ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ تیری عبادت کے لئے تو ہم ہی کافی ہیں اور ہم ہی تیری عبادت پرستش کر بھی سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان سے یہ سوال کر کے ان پر ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ دیکھو! جس مخلوق کے بارہ میں تمہارا یہ خیال تھا کہ وہ دنیا میں سوائے فتنہ و فساد پھیلانے کے اور کوئی کام نہیں کرے گی اب تم خود دیکھ آئے ہو کہ وہ میری عبادت اور میری پرستش کس پابندی اور کس ذوق و شوق سے کرتی ہے۔

بہر حال! اس حدیث کے ذریعہ آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو رغبت دلار ہے ہیں کہ ان دونوں اوقات میں ہمیشہ پابندی سے نماز پڑھتے رہو تاکہ وہ فرشتے خدا کے سامنے تمہارے اچھے اور بہتر اعمال ہی پیش کرتے رہیں اور خداوند قدوس تمہاری فضیلت و بڑائی اسی طرح فرشتوں کے سامنے ظاہر کرتا ہے۔

(۴) وَعَنْ جُنْدُبِ الْقَسِرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللَّهِ فَلَا يَظْلُمُنَّكُمُ اللَّهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بَشِيءٌ فَإِنَّهُ مَنْ يَظْلِمُهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بَشِيءٌ يُدْرِكُهُ ثُمَّ يَكْتُبُهُ عَلَى وَجْهِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ زَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيحِ الْقُسَيْرِيُّ بَدَلَ الْقَسِرِيِّ۔

”اور حضرت جندب قسریؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ (دنیا و آخرت میں) اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں ہے لہذا ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے اس عہد میں کچھ مواخذہ کرے کیونکہ جس سے اس نے عہد و امان میں مواخذہ کیا تو (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) اسے پکڑ کر دوزخ کی آگ میں اوندھے منہ ڈال دے گا۔ (مسلم) اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قسری کے بجائے قسیری ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں ہے لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس شخص سے بدسلوکی نہ کریں، اسے قتل نہ کریں۔ اس کا مال نہ چھینیں، اس کی غیبت نہ کریں اور اس کی بے آبروئی نہ کریں۔ اگر کسی شخص نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی یا اس کے ساتھ کوئی ایسا رویہ اختیار کیا جو اس کی جان و مال اور اس کی آبرو کے لئے نقصان دہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں خلل ڈالا لہذا اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے سخت مواخذہ کرے گا اور جس بد نصیب سے اللہ تعالیٰ نے مواخذہ کیا اس کے لئے نجات کا کوئی ذریعہ نہ ہوگا۔

یا پھر ”عہد و امان“ سے مراد نماز ہے کہ صبح کی نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں امن دینے کا وعدہ کر لیا ہے، لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ صبح کی نماز ہرگز قضا نہ کریں ورنہ ان کے اور پروردگار کے درمیان جو عہد ہے وہ ٹوٹ جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ کرے گا اور اس کے مواخذہ سے بچانے کی کوئی ہمت بھی نہیں کر سکتا۔

(۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي التَّيِّدَاءِ وَالصُّفِّ الْأَوَّلِ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهْمُوا عَلَيْهِ لَأَسْتَهْمُوا وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهَجِيرِ لَأَسْتَبَقُوا إِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبَوًّا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اگر لوگوں کو اذان کہنے اور (نماز میں) پہلی صف میں کھڑے ہونے کا ثواب معلوم ہو جائے اور بے قرعہ ڈالے انہیں یہ حاصل نہ ہو سکے تو وہ ضرور قرعہ ہی ڈالیں (یعنی اگر لوگ اذان دینے اور پہلی صف میں کھڑے ہونے کے لئے آپس میں نزاع کریں اور قرعہ ڈال کر دیکھیں کہ کس کا نام لکھا ہے تو یہ مناسب ہے) اور اگر ظہر کی نماز کے لئے جلدی آنے کا ثواب جان لیں تو اس نماز میں ددڑتے ہوئے آیا کریں اور اگر عشاء صبح کی نماز کی فضیلت معلوم ہو جائے (تو قوت نہ ہونے کی حالت میں بھی ان نمازوں کے لئے) سرین کے بل چل کر آئیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اگر تہجیر کے معنی وہی لئے جائیں جو ترجمہ سے ظاہر ہیں یعنی ظہر کی نماز کے لئے جلدی آنا، تو اس فضیلت کا تعلق گرمی کے علاوہ دوسرے موسموں کی ظہر کی نماز سے ہو گا کیونکہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت پڑھنا مستحب ہے۔ یا پھر ”تہجیر کے معنی“ طاعت کی طرف جلدی کرنا، ہوں گے اور بعض حضرات نے اس کے معنی ”نماز جمعہ کے لئے دوپہر میں جانا“ بھی لکھے ہیں۔ واللہ اعلم۔
سریں کے بل چل کر آنے، کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پیروں سے چلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس نماز کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے اس طرح گھسٹا ہوا آئے جس طرح ضعیف و معذور چل کر آتے ہیں۔

⑥ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ صَلَوةُ الْفَقِيرِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَا تَوَهُمَا وَلَوْ حَبَوًّا (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، منافقین پر عشاء اور فجر سے زیادہ بھاری کوئی نماز نہیں۔ اگر دونوں کے ثواب وہ جان لیں تو سریں کے بل چلتے ہوئے آیا کریں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: منافقین کے مزاج میں عبادت کے سلسلہ میں کسل و سستی بہت ہوتی ہے پھر جو نمازیں وہ پڑھتے ہیں وہ بھی محض اپنی جان بچانے اور مسلمانوں کو دکھانے سنانے کے لئے پڑھتے ہیں۔ فجر اور عشاء یہ دو وقت ایسے ہیں جو اول تو آرام و استراحت اور نیند کی لذت حاصل کرنے کے ہیں۔ نیز جاڑوں کے موسم میں سردی کے ہیں دوسرے یہ کہ ان اوقات میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے کوئی کسی کو کم ہی پہچانتا ہے اس لئے یہ دونوں نمازیں ان بد بختوں پر بہت گراں ہوتی ہیں۔ لہذا یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ مخلص و صادق مؤمنین کو چاہئے کہ وہ اس خصلت سے بچیں تاکہ منافقین کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

⑦ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عثمان غنیؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو گویا اس نے نصف رات کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور جس شخص نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو گویا اس نے تمام رات کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔“ (مسلم)

تشریح: اگر حدیث کے ظاہری الفاظ کو دیکھا جائے تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صبح کی نماز کا ثواب عشاء کی نماز کے ثواب سے زیادہ ہے کہ جب ہی تو کہا گیا ہے کہ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھنے والا، نصف رات تک نماز پڑھنے والے کے برابر ہوتا ہے اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے والا پوری رات تک نماز پڑھنے والے کے برابر ہوتا ہے۔

یا پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو اسے آدھی رات تک نماز پڑھنے کا ثواب ملا پھر فجر کی نماز بھی جماعت سے ادا کر لی تو بقیہ نصف رات تک کا ثواب مل گیا اس طرح دونوں نمازوں کے پڑھنے سے پوری رات تک عبادت کرنے والے کے ثواب کا وہ حقدار ہو گیا۔

⑧ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَيَقُولُ الْأَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ وَقَالَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْعِشَاءَ فَإِنَّهَا فِي كِتَابِ اللَّهِ الْعِشَاءُ فَإِنَّهَا تُنْعِمُ بِجَلَابِ الْإِبِلِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، دیہاتی لوگ نماز مغرب کے نام لینے میں تم پر غالب نہ آجائیں راوی کہتے ہیں کہ دیہاتی لوگ (مغرب کو) عشاء کہتے تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ، نماز عشاء کے نام لینے میں بھی دیہاتی لوگ تم پر غالب نہ آجائیں۔ اس نماز کا نام کتاب اللہ میں عشاء ہے (چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَمِنْ بَعْدِ صَلَوةِ الْعِشَاءِ) اور وہ دیہاتی لوگ اونٹنیوں کے دودھ

دوہنے کی وجہ سے اس نماز میں تاخیر کر دیتے تھے۔ ”(مسلم)

تشریح: ”دیہاتی لوگوں“ سے مراد ایام جاہلیت کے دیہاتی لوگ ہیں جو مغرب کو تو عشاء کہتے تھے اور عشاء کو عتمہ، چنانچہ آپ نے صحابہؓ کو منع فرما دیا کہ یہ نام نہ لئے جائیں کیونکہ اس میں ان کا غالب ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ جب ان لوگوں کا رکھنا نام استعمال کیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے ان کی زبان کو اپنا یا جس کی بناء پر وہ تم پر غالب رہے لہذا تم وہی نام استعمال کرو جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں یعنی مغرب اور عشاء۔

لہذا بظاہر تو اس نبی کا تعلق دیہاتی لوگوں سے ہے کہ وہ غالب نہ ہوں لیکن حقیقت میں اس نبی کا تعلق تمام مسلمانوں سے ہے کہ وہ ان نمازوں کے ناموں کے سلسلہ میں دیہاتی لوگوں کی موافقت نہ کریں تاکہ مسلمانوں پر ان کا غالب ہونا لازم نہ آئے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی زبان اور اپنا کلام اصطلاح شریعت کے مطابق درست کریں اور جو باتیں کفار و فجار کی زبان زد ہوں ان سے پرہیز کریں۔

نبی اور ملت نبی بیان فرمانے کے بعد فَانْتَهَابَ خَلَابَ الْاِبِلِ کہہ کر آپ ﷺ نے عشاء کو عتمہ کہنے کی وجہ کی طرف بھی اشارہ فرما دیا ہے۔ ”تعتم“ صحیح روایت میں صیغہ معروف کے ساتھ ہے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ عتمہ تاریکی کو کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دیہاتی لوگ اونٹنیوں کے دودھ دوہنے کی وجہ سے عشاء کو تاریکی میں پڑھتے تھے بایں طور پر کہ وہ شفق غائب ہونے کے بعد دودھ دوہنا شروع کرتے تھے پھر اس کے بعد عشاء پڑھتے۔ ایک دوسری روایت میں یہ لفظ صیغہ مجهول کے ساتھ مذکور ہے جس کے معنی یہ ہوں گے۔ اونٹنیوں کا دودھ دوہنے کی وجہ سے عشاء کی نماز تاریکی میں پڑھی جاتی تھی۔

بہر حال ایام جاہلیت میں عرب کے لوگ عتمہ تاریکی کو کہتے تھے۔ جب اسلام کی مقدس روشنی نے عرب کی سرزمین کو کفر و شرک کے اندھیروں سے صاف کیا اور نمازیں مشروع ہوئیں تو عشاء کی نماز کو دیہاتی لوگ صلوۃ العتمہ کہنے لگے چنانچہ اس نام سے مسلمانوں کو روکا گیا اور اہل جاہلیت سے مشابہت کی بناء پر اس نام کو مکروہ قرار دے دیا گیا۔

یہ پہلے بھی کہی جگہ بتایا جا چکا ہے کہ جن روایتوں میں بجائے عشاء کے عتمہ کا لفظ آیا ہے وہ روایتیں اس نبی سے قبل کی ہوں گی۔

⑨ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَبَسُونَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطَى صَلَاةِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللَّهُ بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ غزوہ خندق کے روز فرماتے تھے کہ (کافروں نے) ہمیں درمیانی نماز یعنی نماز عصر کے پڑھنے سے روکا ہے۔ خداوند تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں میں آگ بھرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: غزوہ خندق کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں جو ۳۴ یا ۳۵ھ میں ہوا تھا۔ اس جنگ کو غزوہ خندق اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسی غزوہ کے موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے دشمنوں سے بچاؤ کی خاطر مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی تھی۔ خندق کھودنے میں تمام مسلمانوں کے ہمراہ خود سرکار دو عالم ﷺ (فداہ ابی وائی) بھی بنفس نفیس شریک تھے۔ جس طرح دیگر مخلص مؤمنین دن بھر بھوکے پیاسے رہ کر اللہ کے دین کی حفاظت اور اپنے محبوب پیغمبر کے مشن کی کامیابی کے لئے اس محنت و مشقت میں مصروف رہتے تھے اسی طرح آقائے نامہ ار سرور کائنات فخر دو عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ بھی بڑی بڑی تکالیف برداشت فرما کر، مصائب و رنج اٹھا کر بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ کر سردی کی شدید پریشانی اور زمین کو کھودنے پتھر اکھاڑنے کی سخت محنت جھیل کر اپنے جانثار رفقاء کے ہمراہ خندق کھودتے تھے۔

اسی جنگ میں بسبب تردد اور تیر اندازی آنحضرت ﷺ کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں کہ انہیں میں عصر کی نماز بھی تھی آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے یہ بددعا فرمائی جس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح ان کفار و مشرکین نے ہماری نمازیں قضا کر

کہ ہمیں سخت روحانی تکلیف و اذیت میں مبتلا کیا ہے، خدا کرے وہ بھی دنیا و آخرت کے شدید عذاب میں مبتلا کئے جائیں۔ ایک معمولی سا خلیجان یہاں واقع ہو سکتا ہے کہ جنگ احد کے موقع پر آپ ﷺ کی ذات اقدس کو جبکہ کفار کی جانب سے بے انتہاء تکلیف پہنچائی گئی تو آپ ﷺ نے وہاں بددعا نہیں کی اور یہاں بددعا فرمائی اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا مختصر ترین جواب یہ ہے کہ جنگ احد میں آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کا معاملہ تھا وہاں آپ ﷺ کی شان رحمت کا تقاضا تھا کہ اپنے نفس کے معاملہ میں کسی کے لئے بددعا نہ کریں مگر یہاں نماز کا سوال تھا جس کا تعلق آپ ﷺ کی ذات سے نہ تھا بلکہ حقوق اللہ سے تھا اس لئے آپ ﷺ نے بددعا فرمائی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ”صلوٰۃ وسطیٰ“ عصر کی نماز ہے چنانچہ صحابہ اور تابعین میں سے اکثر جلیل القدر حضرات، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ وغیرہ کا قول یہی ہے لہذا قرآن شریف کی آیت کریمہ حافظو اعلیٰ الصلوٰۃ و الصلوٰۃ الوسطیٰ (یعنی محافظت کرو تم سب نمازوں کی اور درمیانی نماز کی) میں وسطیٰ سے عصر کی نماز ہی مراد لی جائے گی۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس کے تعین میں اکثر صحابہ اور تابعین کا اختلاف رہا ہے تو اس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت تک ان حضرات تک آنحضرت ﷺ کی وہ حدیث (جو آئندہ فصل میں آ رہی ہے) نہیں پہنچی ہوگی جس سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ ”صلوٰۃ وسطیٰ“ سے عصر کی نماز مراد ہے۔ اس لئے وہ حضرات اپنے اجتہاد اور رائے کی بناء پر اس کے تعین میں اختلاف کرتے ہوں گے چنانچہ اس حدیث کی صحت کے بعد یہ متعین ہو گیا کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ واللہ اعلم۔

الفصل الثانی

⑩ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الْعَصْرِ۔

(رواہ الترمذی)

”حضرت ابن مسعود اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، درمیانی نماز (یعنی قرآن مجید میں جو و الصلوٰۃ الوسطیٰ مذکور ہے وہ) عصر کی نماز ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: صلوٰۃ وسطیٰ (یعنی درمیانی نماز) سے عصر کی نماز اس لئے مراد لی جاتی ہے کہ یہی نمازوں کی دونوں نمازوں (یعنی فجر اور ظہر) اور رات کی دونوں نمازوں (یعنی مغرب و عشاء کے درمیان آتی ہے)۔

⑪ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا قَالَ تَشْهَدُهُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے قول إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا (یعنی فجر کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے) کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ صبح کی نماز میں دن اور رات کے فرشتے حاضر (یعنی جمع) ہوتے ہیں۔“ (ترمذی)

تشریح: إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ لَا یہ کے معنی قرأت قرآن فجر ہیں اور اس سے مراد فجر کی نماز ہے۔ اسے قرآن اس لئے کہا ہے کہ قرأت نماز کا ایک رکن ہے جیسے کہ بعض مقامات پر نماز کو سجدہ یا رکوع کہا گیا ہے۔

بہر حال۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں ”مشہود“ سے مراد یہ ہے کہ بندوں کے دن اور رات کے اعمال لکھنے والے فرشتے اس نماز میں جمع ہوتے ہیں جیسا کہ اسی باب کی حدیث نمبر تین میں اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

الفصل الثالث

(۱۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَعَائِشَةَ قَالَا الصَّلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الظُّهْرِ رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنْهَا تَعْلِيْقًا۔

”حضرت زید ابن ثابتؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ دونوں فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ (یعنی درمیانی نماز) ظہر کی نماز ہے۔ اس روایت کو امام مالکؒ نے صرف حضرت زیدؓ سے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے دونوں (یعنی حضرت زیدؓ و حضرت عائشہؓ) سے بطریق تعلیق یعنی بلا سند روایت کیا ہے۔“

تشریح: حضرت عائشہؓ اور حضرت زید ابن ثابتؓ صلوٰۃ وسطیٰ سے ظہر کی نماز اس لئے مراد لیتے تھے کہ یہ نماز دن کے درمیانی حصہ میں ادا کی جاتی ہے۔

(۱۳) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَلَمْ يَكُنْ يُصَلِّي صَلَاةَ أَشَدَّ عَلَيَّ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا فَتَزَلْتُ حَافِظُوا عَلَيَّ الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةُ الْوُسْطَى وَقَالَ إِنَّ قَبْلَهَا صَلَاتَيْنِ وَبَعْدَهَا صَلَاتَيْنِ۔ (رواہ احمد والبوداؤد)

”اور حضرت زید ابن ثابتؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز سورہ (یعنی دن ڈھلتے ہی) پڑھ لیتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ پر ان تمام نمازوں میں جو وہ پڑھتے تھے ظہر کی نماز سے زیادہ سخت کوئی نماز نہ تھی چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی حَافِظُوا عَلَيَّ الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةُ الْوُسْطَى یعنی اتم سب نمازوں کی خصوصاً درمیانی نماز کی محافظت کرو۔ اور حضرت زید ابن ثابتؓ فرمایا کرتے تھے کہ ظہر کی نماز سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور بعد میں بھی دو نمازیں ہیں۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: حدیث کے آخری جز سے راوی کا مقصد یہ ہے کہ درمیانی نماز سے مراد ظہر کی نماز ہے۔ لہذا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ کا یہ ثابت کرنا کہ درمیانی نماز سے مراد ظہر کی نماز ہے ان کا اپنا ذاتی اجتہاد ہے۔ اس لئے ان کا یہ قول آنحضرت ﷺ کی حدیث سے متعارض نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے تو صراحت کے ساتھ فرمادیا ہے کہ ”درمیانی نماز“ سے مراد عصر کی نماز ہے۔

(۱۴) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَّغَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُولَانِ الصَّلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الصُّبْحِ رَوَاهُ فِي الْمُؤَطَّأِ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ تَعْلِيْقًا۔

”اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت ابن عباسؓ دونوں کہا کرتے تھے کہ درمیانی نماز (سے مراد) صبح کی نماز ہے۔ (موطا امام مالکؒ) اور یہ روایت حضرت امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمرؓ سے بطریق تعلیق نقل کی ہے۔“

تشریح: یہ بھی ان دونوں حضرات کا اپنا اجتہاد ہے کہ ان حضرات تک آنحضرت ﷺ کی حدیث نہ پہنچی ہوگی اس لئے انہوں نے بطریق احتمال کہا کہ درمیانی نماز سے مراد صبح کی نماز ہے۔

بہر حال۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے کہ درمیانی نماز سے مراد صبح کی نماز ہے مگر حضرت امام نوویؒ جو شافعی المسلک ہیں فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں صحیح احادیث منقول ہیں کہ درمیانی نماز سے مراد نماز عصر ہے۔

گو حضرت ماورویؒ نے جو شوافع کے ائمہ میں شمار کئے جاتے ہیں یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے یہ تصریح کر دی ہے کہ صبح کی نماز درمیانی نماز ہے۔ تاہم ان صحیح احادیث کو دیکھتے ہوئے جن سے بصراحت ثابت ہے کہ عصر کی نماز ہی درمیانی نماز ہے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شافعی مسلک بھی یہی ہوگا کیونکہ حضرت امام شافعیؒ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ”اگر تم کوئی ایسی حدیث پاؤ جس کے برخلاف میں نے حکم دے رکھا ہو تو میرا صحیح مسلک وہی سمجھنا جو صحیح حدیث سے ثابت ہو اور میرا پہلا حکم دیوار پر پھینک مارنا۔“

(۱۵) وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ غَدَا إِلَى صَلَاةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَأْيَةِ الْإِيمَانِ وَمَنْ غَدَا إِلَى الشُّوقِ غَدَا بِرَأْيَةِ الْإِبْلِيسَ - (رواه ابن ماجہ)

”اور حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص صبح کی نماز کے لئے جاتا ہے تو گویا وہ ایمان کا جھنڈا لے کر چلتا ہے اور جو شخص صبح بازار جاتا ہے تو گویا وہ شیطان کا جھنڈا لے کر چلتا ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے لشکر اور شیطان کو بیان کرنے کے لئے تمثیل ہے کہ جو شخص فجر کی نماز پڑھنے کے لئے صبح سویرے مسجد کی طرف چلتا ہے تو گویا وہ ایمان کا جھنڈا اٹھا کر شیطان سے جنگ کرنے کے لئے چلتا ہے جس طرح غازی اور مجاہدین دشمنان اسلام سے برسرِ کار ہونے کے لئے اسلامی جھنڈا لے کر چلتے ہیں لہذا صبح سویرے فجر کی نماز کو جانے والا شخص اللہ تعالیٰ کے لشکر کا ایک فرد ہوتا ہے اور جو شخص صبح سویرے حصول دنیا کے چکر میں بازار کی طرف چلتا ہے تو وہ شیطان کے لشکر کا ایک فرد ہوتا ہے۔ ہاں طور کہ وہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نماز کو جانے کی بجائے شیطان کی خواہش پر عمل کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنے دین کو کمزور کر کے شیطان کی پیروی و تابعداری کا جھنڈا اٹھا کر اس کی شان و شوکت بڑھاتا ہے لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ یہ تمثیل اس شخص کے حق میں ہے جو فجر کی نماز و وظائف پڑھے بغیر بازار جاتا ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص نماز و تلاوت اور وظائف سے فارغ ہو کر حلال رزق طلب کرنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے سامان حیثیت کی فراہمی کی خاطر بازار جاتا ہے تو وہ اس تمثیل کی رو سے شیطان کے لشکر کا فرد نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے لشکر کا فرد ہوتا ہے۔

باب الاذان

اذان کا بیان

لغت میں اذان کے معنی ”خبر دینا“ ہیں اور اصطلاح شریعت میں ”چند مخصوص الفاظ کے ساتھ اوقات مخصوصہ میں نماز کا وقت آنے کی خبر دینے“ کو اذان کہتے ہیں۔ اس تعریف سے وہ اذان خارج ہے جو نماز کے علاوہ دیگر امور کے لئے مسنون کی گئی ہے جیسا کہ بچے کی پیدائش کے بعد اس کے دائیں کان میں اذان کے کلمات اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہے جاتے ہیں اور اسی طرح اس شخص کے کان میں اذان کہنا مستحب ہے جو کسی رنج میں مبتلا ہو یا اسے مرگی وغیرہ کا مرض ہو یا وہ غصہ کی حالت میں ہو، یا جس کی عادتیں خراب ہو گئی ہوں خواہ وہ انسان ہو یا جانور۔ چنانچہ حضرت دہلویؒ راوی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ایک دن سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھے غمگین دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن ابی طالب: میں تمہیں غمگین دیکھ رہا ہوں لہذا تم اپنے اہل بیت میں سے کسی کو حکم دو کہ وہ تمہارے کان میں اذان کہے جس سے تمہارا غم ختم ہو جائے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ میں نے آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا تو آپ ﷺ کی بات صحیح ثابت ہوئی نیز اس روایت کو حضرت علیؓ تک نقل کرنے والے ہر راوی نے کہا ہے کہ ہم نے اس طریقہ کو آزمایا تو مجرب ثابت ہوا۔ ایسے ہی حضرت دہلویؒ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جس کی عادتیں خراب ہو گئی ہوں خواہ وہ انسان ہو یا جانور تو اس کے کان میں اذان کہو۔“

بہر حال۔ فرائض نماز کے لئے اذان کہنا سنت مؤکدہ ہے تاکہ لوگ نماز کے وقت مسجد میں جمع ہو جائیں اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں۔ اذان کی مشروعیت کے سلسلہ میں مشہور اور صحیح یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت کی ابتداء عبد اللہ ابن زید انصاری اور حضرت عمر فاروقؓ کا خواب ہے جس کی تفصیل آئندہ احادیث میں آئے گی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اذان کا خواب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی دیکھا تھا۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ دس صحابہ کو

خواب میں اذان کے کلمات کی تعلیم دی گئی تھی بلکہ کچھ حضرات نے تو کہا ہے کہ خواب دیکھنے والے چودہ صحابہؓ ہیں۔ بعض علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت خود آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کے نتیجہ میں ہوئی ہے جس کی طرف شب معراج میں ایک فرشتہ نے راہنمائی کی تھی چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم شب معراج میں جب عرش پر پہنچے اور سربلند عزت تک جو کبریائی حق جل مجدہ کا محل خاص ہے پہنچے تو وہاں سے ایک فرشتہ نکلا آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ فرشتہ کون ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اس خدا کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے تمام مخلوق سے زیادہ قریب ترین درگاہ عزت سے میں ہوں لیکن میں نے پیدائش سے لے کر آج تک اس وقت کے علاوہ اس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا ہے چنانچہ اس فرشتہ نے کہا ”اللہ اکبر اللہ اکبر“ یعنی اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ پردہ کے پیچھے سے آواز آئی کہ میرے بندہ نے سچ کہا انا اکبر انا اکبر (یعنی میں بہت بڑا ہوں میں بہت بڑا ہوں) اس کے بعد اس فرشتہ نے اذان کے باقی کلمات ذکر کئے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اذان کے کلمات صحابہ کے خواب سے بھی بہت پہلے شب معراج میں سن چکے تھے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں محقق فیصلہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اذان کے کلمات شب معراج میں سن تولئے تھے لیکن ان کلمات کو نماز کے لئے اذان میں ادا کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ مکہ میں بغیر اذان کے نماز ادا کرتے رہے یہاں تک کہ مدینہ تشریف لائے اور یہاں صحابہؓ سے مشورہ کیا چنانچہ بعض صحابہؓ نے خواب میں ان کلمات کو سنا اس کے بعد وحی بھی آئی کہ جو کلمات آسمان پر سنے گئے تھے اب وہ زمین پر اذان کے لئے مسنون کر دیے جائیں۔ واللہ اعلم۔

الفصل الأول

① عَنْ أَنَسٍ قَالَ ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّافُوسَ فَذَكَرُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى فَأَمَرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ قَالَ إِسْمَاعِيلُ فَذَكَرْنَاهُ لَا يُؤْبَقُ فَقَالَ إِلَّا الْإِقَامَةَ۔ (تفق علیہ)

”حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ نے (اذان کی مشروعیت سے پہلے نماز کے وقت کا اعلان کرنے کے سلسلے میں) آگ اور ناقوس کا ذکر کیا۔ بعض لوگوں نے یہود و نصاریٰ کا ذکر کیا (کہ ان کی مشابہت ہوگی) پھر سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان کے کلمات جفت کہیں (یعنی اذان کے شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہیں اور باقی کلمات سوائے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ کے جو ایک مرتبہ کہا جاتا ہے وہ دو مرتبہ کہیں) اور تکبیر کے کلمات (سوائے اللہ اکبر کے) ایک ایک مرتبہ کہیں) شیخ اسماعیلؒ (جو اس حدیث کے راوی اور بخاری و مسلم کے استاذ ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر الیوب سے (جو اس حدیث کے راوی ہیں اور جنہوں نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے) کیا تو انہوں نے فرمایا کہ لفظ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ دو مرتبہ کہنا چاہئے (یعنی تکبیر کے اول و آخر میں ”اللہ اکبر“ کے علاوہ بقیہ کلمات ایک ایک مرتبہ ہیں اور لفظ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ دو مرتبہ ہے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور یہاں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور مسجد بنائی گئی تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ نماز کے وقت اعلان کے لئے کوئی ایسی چیز متعین کی جانی چاہئے جس کے ذریعہ تمام لوگوں کو اوقات نماز کی اطلاع ہو جایا کرے تاکہ سب لوگ وقت پر مسجد میں حاضر ہو جائیں اور جماعت سے نماز ہو سکے چنانچہ بعض صحابہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ نماز کے وقت کسی بلند جگہ پر آگ روشن کر دی جایا کرے تاکہ اسے دیکھ کر لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں بعضوں کی رائے ہوئی ناقوس بجانا چاہئے تاکہ اس کی آواز سن کر لوگ مسجد میں حاضر ہو جائیں۔

چند صاحب الرائے صحابہؓ نے ان تجویزوں کے سلسلہ میں عرض کیا کہ آگ تو یہودی اپنی عبادت کے وقت اعلان کے لئے روشن کرتے ہیں، اسی طرح ناقوس نصاریٰ اپنی عبادت کے وقت اعلان کے لئے بجاتے ہیں لہذا ہمیں یہ دونوں طریقے اختیار نہ کرنے چاہئیں

کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
 آؤ نماز کی طرف، آؤ فلاح کی طرف، آؤ فلاح کی طرف، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“
 (مسلم)

تشریح: ”اللہ اکبر“ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس چیز سے بہت بلند و بالا ہے کہ کوئی شخص اس کی کبریائی و عظمت کی حقیقت کو پہچانے۔ یا اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے بہت بڑا ہے کہ اس کی ذات پاک کی طرف ان چیزوں کی نسبت کی جائے جو اس کی عظمت و بزرگی کے مناسب نہیں ہیں، یا پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ، اللہ رب العزت تمام چیزوں سے بہت بڑا ہے۔
 اذان و تکبیر میں اللہ اکبر کی حرف راساکن ہوتی ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ، اور جمہور علماء کے نزدیک یہ کلمہ اذان میں پہلی بار چار مرتبہ کہا جاتا ہے اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک دو مرتبہ کہا جاتا ہے۔
 اس کلمہ کو چار مرتبہ کہنے میں یہ لطیف نکتہ ہے کہ گویا یہ حکم چار دانگ عالم میں جاری و حاوی ہے اور عناصر اربعہ سے مرکب نفس انسانی کی خواہشات کے تزکیہ میں بہت موثر ہے۔

حی علی الفلاح کے معنی یہ ہیں کہ تم ہر مکروہ چیز سے چھٹکارا اور ہر مراد کے ملنے کی طرف آؤ۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ فلاح کے معنی بقاء کے ہیں یعنی اس چیز کی طرف دوڑو جو عذاب سے چھٹکارے کا باعث، ثواب ملنے کا سبب اور آخرت میں بقاء کا ذریعہ ہے اور وہ چیز نماز ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اذان میں ترجیع یعنی شہادتین کو دو مرتبہ کہنا سنت ہے۔ ترجیع کی شکل یہ ہوتی ہے کہ پہلے شہادتین کو دو مرتبہ پست آواز سے کہا جاتا ہے پھر دو مرتبہ بلند آواز سے ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے۔
 علمائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ تکرار حضرت ابو محذورہ کی تعلیم کے لئے تھا نہ کہ تشریع کے لئے۔ یعنی پہلی مرتبہ ابو محذورہ نے جب شہادتین کو پست آواز سے کہا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ان کلمات کو پھر ادا کرو اور بلند آواز سے ادا کرو چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت ابو محذورہ کی جو ایک دوسری روایت منقول ہے اس میں ترجیع نہیں ہے۔

نیز حضرت عبد اللہ ابن زید کی حدیث میں بھی جو اذان کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے ترجیع نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت بلالؓ جو مؤذنوں کے سردار ہیں، نہ ان کی اذان میں اور نہ ابن اُم مکتوم کی اذان میں جو مسجد نبویؐ میں اذان کہتے تھے اور نہ ہی حضرت سعد قرطبی اذان میں جو مسجد قبا کے مؤذن تھے ترجیع منقول ہے۔ پھر یہ کہ اس سلسلہ میں حضرت ابی محذورہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ تکرار شہادتین کی تعلیم کے لئے تھا۔

الفصل الثانی

(۳) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْأَذَانُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ وَالْإِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ - (رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی)

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور تکبیر کے کلمات ایک ایک دفعہ (کہے جاتے) تھے البتہ (تکبیر میں) قد قامت الصلوة بے شک نماز تیار ہے مؤذن دو مرتبہ کہتا تھا۔“ (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: حضرت ابن عمرؓ نے جو یہ فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہے جاتے تھے تو اس سے مراد یہ ہے کہ شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہتے تھے اور آخر میں لا الہ الا اللہ ایک مرتبہ کہتے تھے ان دونوں کلمات کے علاوہ باقی

کلمات دو دو مرتبہ کہے جاتے تھے۔

اقامت میں جس طرح قد قامت الصلوٰۃ کا استثناء کیا گیا ہے اسی طرح تکبیر یعنی اللہ اکبر کو بھی مستثنیٰ کرنا مناسب تھا کیونکہ تکبیر بھی بلا اختلاف اول و آخر میں مکرر ہے۔

(۴) وَعَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْإِذَاْنَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَالْإِقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَالُفِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

”اور حضرت ابو محذورہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے انہیں اذان کے انیس کلمات اور تکبیر کے سترہ کلمات سکھائے تھے۔

(احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

تشریح: حنفی مسلک میں اذان کے پندرہ کلمات ہیں مگر اس حدیث میں انیس ذکر کئے گئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انیس کلمات ترجیح سمیت ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے اور حدیث نمبر دو کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے۔ خفیہ کے نزدیک ترجیح تعلیم پر محمول ہے وہ مشروع نہیں ہے۔

تکبیر کے سترہ کلمات بتائے گئے ہیں بایں طور کہ ترجیح کے چار کلمات الگ کر کے اور دو کلمات قد قامت الصلوٰۃ کے بڑھا کر تکبیر کے کلمات سترہ ہوئے اور حضرت امام اعظمؒ کا مسلک بھی یہی ہے لہذا یہ حدیث اذان کے بارہ میں تو شوافع کے مسلک کی تائید کرتی ہے کہ ان کے یہاں اذان کے کلمات انیس ہوتے ہیں۔ اور تکبیر کے بارہ میں خفیہ کے مسلک کے موافق ہے کہ ان کے یہاں تکبیر کے کلمات سترہ ہوتے ہیں چنانچہ تکبیر کے کلمات تعین میں خفیہ کی جانب سے یہی حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے۔

اس سے پہلے کی حدیث میں جس میں حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق تکبیر کے کلمات کی تعداد گیارہ ثابت ہوتی ہے اگر صحیح ہے تو اس حدیث سے منسوخ ہے۔

(۵) وَعَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ عَلَّمْنِي سُنَّةَ الْإِذَاْنَ قَالَ فَمَسَحَ مَقْدَمَ رَأْسِهِ قَالَ تَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ تَرْفَعُ بِهَا صَوْتَكَ ثُمَّ تَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ تَخْفِضُ بِهَا صَوْتَكَ ثُمَّ تَرْفَعُ صَوْتَكَ بِالشَّهَادَةِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ فَإِنْ كَانَ صَلَاةُ الصُّبْحِ قُلْتَ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابو محذورہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اذان کا طریقہ سکھا دیجئے! راوی کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے ابو محذورہؓ کی بیہوشی پر ہاتھ پھیرا اور پھر فرمایا کہ کہو اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، ان کے ہاتھ آواز بلند کرو، اور پھر کہو، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمد رسول اللہ، اشھد ان محمد رسول اللہ، انہیں آہستہ سے کہہ کر پھر بلند آواز سے شہادت کے کلمات کہو اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمد رسول اللہ، اشھد ان محمد رسول اللہ، جی علی الصلوٰۃ، جی علی الفلاح، جی علی الفلاح۔ اگر صبح کی نماز کے لئے اذان کہنا چاہو تو (اس کے بعد یہ کلمات کہو الصلوٰۃ خیر من النوم، الصلوٰۃ خیر من النوم۔) یعنی نماز نیند سے بہتر ہے، نماز نیند سے بہتر ہے، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ”فممسح مقدم رأسه“ کے معنی یا تو وہی ہیں جو ترجمہ سے ظاہر ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو محذورہؓ کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا تاکہ اس کی برکت ابو محذورہؓ کے دماغ کو پہنچے اور وہ دین کی باتوں کو یاد رکھ سکیں، چنانچہ ایک صحیح نسخہ میں یہ الفاظ اس

طرح ہیں، ”فمصح راسی“ یعنی آپ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا، لہذا یہ الفاظ اس معنی کی تائید کرتے ہیں جو ترجمہ میں کئے گئے ہیں۔ پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اتفاقاً طور پر اپنا دست مبارک خود اپنے سر اقدس پر پھیرا ہوگا۔ راوی نے پورا واقعہ نقل کرنے کی غرض سے اس کا تذکرہ بھی کر دیا۔

بہر حال اس پہلے ترجمہ کی جو توجیہ کی گئی تھی کہ جن احادیث میں اذان میں شہادتین کا ذکر کیا گیا ہے تو تعلیم پر محمول ہے تو وہ توجیہ بظاہر اس حدیث کے منافی ہے لہذا اولیٰ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس سلسلہ میں ہم نے ان کثیر روایتوں کو ترجیح دی ہے جن میں ترجیع کا ذکر نہیں کیا گیا ہے نیز حضرت ابو مخنفہ کی روایت جس سے ترجیع ثابت ہے وہ پہلے کی ہے اور وہ احادیث جن میں ترجیع مذکور نہیں ہے بعد کی ہیں اس لئے ابو مخنفہ کی روایت ان روایتوں سے منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

الصلوة خیر من النوم کا مطلب یہ ہے۔ ارباب ذوق شوق اور عشق خداوندی سے سرشار لوگوں کے نزدیک نماز کی لذت نیند کی لذت سے بدرجہا بہتر ہے۔

⑥ وَعَنْ بِلَالٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَتَوَنَّنَ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَاةِ إِلَّا فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ أَبُو اسْرَائِيلَ الرَّائِي لَيْسَ هُوَ بِذَلِكَ الْقَوِيُّ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ۔

”اور حضرت بلالؓ کہتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ فجر کی نماز کے علاوہ اور کسی نماز میں تثنیہ نہ کرو۔ (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)، اور حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ (اس حدیث کے راوی) ابواسرائیل محدثین کے نزدیک قوی (یعنی قابل اعتبار) نہیں ہیں۔“

تشریح: ”تثنیہ“ وہ اعلان ہوتا ہے جس سے پہلے کوئی اعلان ہو چکا ہو اور اس کی غرض اور اس سے پہلے کے اعلان کی غرض ایک ہو۔ مثلاً پہلے اعلان سے لوگوں کو نماز کے لئے بلانا مقصود ہو تو اس اعلان سے بھی یہی مقصود ہو۔ تثنیہ کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا۔ یہ تثنیہ اس لئے ہے کہ ایک مرتبہ تو وحی علی الصلوٰۃ کہہ کر لوگوں کو نماز کے لئے بلایا گیا پھر دوبارہ الصلوٰۃ خیر من النوم سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا۔ یہ تثنیہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں رائج تھی اور مسنون یہی ہے پھر اس کے بعد کوفہ کے علماء نے اذان و تکبیر کے درمیانی وقفہ میں وحی علی الفلاح کہنا رائج کیا، اس کے بعد ہر فرقہ و طبقہ کے لوگوں نے اپنے اپنے عرف کے مطابق کچھ نہ کچھ طریقہ تثنیہ کے طور پر رائج کیا مگر یہ تمام تثنیہیں فجر کی نماز ہی کے لئے رائج کی گئیں، کیونکہ فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔

پھر آخر میں متاخرین علماء نے تمام نمازوں کے لئے تثنیہ رائج کی اور اسے بظن استحسان دیکھا حالانکہ محدثین کے نزدیک یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ احداث ہے اور بدعت ہے چنانچہ حضرت علیؓ سے بھی اس کا انکار بایں طور منقول ہے کہ ایک شخص تثنیہ کہتا تھا آپ نے اس کے بارہ میں فرمایا کہ اخر جو اهذا المبتدع من المسجد یعنی اس بدعتی شخص کو مسجد سے نکال باہر کروا۔

حضرت عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک دن جب کہ وہ مسجد میں موجود تھے مؤذن کو غیر فجر میں تثنیہ کرتے ہوئے سنا تو مسجد سے باہر نکل آئے اور دوسروں سے بھی کہا کہ اس شخص کے سامنے نہ رہو، باہر نکل آؤ کیونکہ یہ بدعتی ہے۔

⑦ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ إِذَا أَذَنْتَ فَتَرَسَّلْ وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْذَرُوا أَجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَأَقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرَغُ الْأَكْبَلُ مِنْ أَكْلِهِ وَالشَّارِبُ مِنْ شَرْبِهِ وَالْمُعْتَصِرُ إِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ وَلَا تَقْوُمُوا حَتَّى تَرَوْنِي رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الْمُنْعِمِ وَهُوَ اسْتِثْنَاءٌ مَجْهُولٌ۔

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر کہا کرو اور جب تکبیر کہو تو جلدی جلدی کہا کرو اور اذان و تکبیر کے درمیان اتنا وقفہ کیا کرو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے، پینے والا اپنے پینے سے، قضائے حاجت والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے اور اس وقت تک نماز کے لئے کھڑے نہ ہو جب تک مجھے (نماز پڑھانے کے لئے آتا ہوا) نہ دیکھ لو۔ اس حدیث

کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم اس حدیث کو سوائے عبدالعزیزؒ کے اور کسی سے نہیں جانتے اور اس کی سند مجہول ہے۔“
تشریح: اذان کو ٹھہر ٹھہر کر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کلمات کو ایک دوسرے سے جدا جدا کر کے اور خفیف سے سکتہ کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ادا کرو۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے کلمات کی اداسگی میں اتنی ڈھیل کرو کہ کلمات بغیر کھینچے ہوئے تاکہ حد سے تجاوز نہ ہو واضح واضح کہہ سکو۔ اسی وجہ سے مؤذنون کے لئے تاکید ہے کہ وہ اذان کے کلمات کی اداسگی میں احتیاط سے کام لیں اور قواعد کے مطابق اذان کہیں تاکہ غلطیوں کا ارتکاب نہ ہو سکے کیونکہ بعض غلطیاں ایسی ہیں کہ ان کو قصداً کرنے والا کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے جیسے اشہد کے الف کو مد کے ساتھ ادا کرنا کہ یہ استفہام ہو جاتا ہے اور جس کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ کیا میں گواہی دوں اے؟ یا اللہ اکبر میں حرف با کو مد کے ساتھ کھینچ کر (اکبار) پڑھنا کہ یہ لفظ کبر کی جمع ہو جاتی ہے جس کے معنی اس طبلہ کے آتے ہیں جس کا ایک منہ ہوتا ہے اور دائرہ کی شکل میں ہوتا ہے یا اسی طرح لفظ الہ پر وقف کرنا اور اللہ سے ابتداء کرنا۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب مؤذن تکبیر کے لئے کھڑا ہو تو مجھے مسجد میں آتا ہوں نہ دیکھ لو نماز کے لئے کھڑے نہ ہو، کیونکہ امام کی آمد سے پہلے ہی کھڑے ہو جانا خواہ مخواہ کی تکلیف اٹھانا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ غالباً آنحضرت ﷺ نماز پڑھانے کے لئے اپنے حجرہ مبارک سے اس وقت نکلتے ہوں گے جب کہ مؤذن تکبیر شروع کر دیتا ہوگا اور جب مؤذن تکبیر کہتا ہوگا حی علی الصلوٰۃ پر پہنچتا ہوگا تو آپ ﷺ اس وقت محراب میں داخل ہوتے ہوں گے۔ اسی وجہ سے ہمارے ائمہ نے یہ کہا ہے کہ جب مؤذن تکبیر شروع کر دے اور حی علی الصلوٰۃ پر پہنچے تو امام اور مقتدیوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے اور جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ پر پہنچے تو نماز شروع کر دینی چاہئے۔

① وَعَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصَّدَائِيِّ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَذِنَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَأَذَنْتُ فَأَرَادَ بِلَالٌ أَنْ يَقِيمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَاصِدَاءَ قَدْ أَذَنَ وَمَنْ أَذَنَ فَهُوَ يَقِيمُ۔

(رواہ الترمذی والبوداذ و ابن ماجہ)

”حضرت زید ابن حارث صدائیؒ کہتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مجھے فجر کی نماز کے لئے اذان کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے اذان کہی، پھر حضرت بلالؓ نے تکبیر کہنی چاہی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ صدائی کے بھائی نے اذان کہی تھی اور جو اذان کہے اسی کو تکبیر بھی کہنی چاہئے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اخاء صداء یعنی صدائی کے بھائی سے مراد زیاد ابن حارث صدائی ہیں، عرب میں قاعدہ تھا جو شخص جس قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اسے اس قبیلہ کا بھائی کہا جاتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس حدیث کے مطابق غیر مؤذن کو تکبیر کہنا مکروہ ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اکثر و بیشتر حضرت ابن اُمّ کثوم اذان کہتے تھے اور حضرت بلالؓ تکبیر کہتے تھے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ اگر غیر مؤذن تکبیر کہنا چاہے تو مؤذن سے اجازت لے لے۔ اگر مؤذن کو کسی دوسرے کی تکبیر کہنا ناگوار ہو تو پھر غیر مؤذن کو تکبیر کہنا مناسب نہیں ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

② عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْمُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ لِلصَّلَاةِ وَلَيْسَ يَتَدَيُّ بِهَا أَحَدٌ فَتَكَلَّمُوا يَوْمَئِذٍ فِي ذَلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اتَّخِذُوا مِثْلَ نَافُوسِ النَّصَارَى وَقَالَ بَعْضُهُمْ قَرَأْنَا مِثْلَ قُرْنِ الْيَهُودِ فَقَالَ عُمَرُ

أَوْ لَا تَبْعُثُونُ رَجُلًا يَتَذَكَّرُ بِالصَّلَاةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَتَذَكَّرْ بِالصَّلَاةِ - (تسليم علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان مدینہ میں آکر جمع ہو گئے تو نماز کے لئے وقت اور اندازہ معین کرنے لگے (کیونکہ کوئی آدمی نماز کے لئے بلانے والا نہ تھا) ایک روز جب اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو بعضوں نے کہا کہ نصاریٰ کی طرف ناقوس بنالیا جائے اور بعضوں نے کہا کہ یہودی کی طرح سینگ بنالیا جائے (یہ تمام تجاویز سن کر) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کر دیا جائے جو نماز کے لئے (لوگوں کو) بلایا کرے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بلال اکھڑے ہو کر نماز کے لئے منادی دیا کرو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو منادی کرنے کا جو حکم دیا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو کسی بلند جگہ پر کھڑے ہو کر الصلوٰۃ جامعہ کہہ دیا کرو۔ یہ آواز سن کر لوگ نماز کے لئے حاضر ہو جایا کریں گے۔ لہذا ”منادی“ سے مراد نماز کے لئے محض اعلان کرنا ہے نہ کہ اس سے شرعی منادی یعنی اذان مراد ہے۔ اس توجیہ سے پہلی احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے کہ پہلے ایک مجلس میں اس طرح اعلان کرنے کی تجویز پاس ہوئی پھر بعد میں جب دوسری مجلس میں اس پر بحث و مباحثہ ہوا تو حضرت عبداللہ ابن زیدؓ نے اذان کا خواب دیکھا اور آنحضرت ﷺ نے یا تو وحی آجانے کے بعد یا اپنے اجتہاد سے کام لے کر حضرت عبداللہ ابن زیدؓ کے خواب کے مطابق اذان مشروع فرمائی۔

(۱۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ بْنِ عَبْدِ رَبِّهِ قَالَ لَمَّا أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهِ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلَاةِ طَافَ بِي وَأَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوسًا فِي يَدِهِ فَقُلْتُ يَا عَبْدَ اللَّهِ أَتَبِيعُ النَّاقُوسَ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِهِ قُلْتُ نَدْعُو بِهِ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ أَفَلَا أَذْكَ عَلَى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْ ذَلِكَ فَقُلْتُ لَهُ بَلَى قَالَ فَقَالَ تَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ إِلَى آخِرِهِ وَكَذَا الْإِقَامَةُ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا رَأَيْتُ فَقَالَ إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٍّ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَأَلْقَى عَلَيْهِ مَا رَأَيْتُ فَلْيُؤَذِّنْ بِهِ فَإِنَّهُ أَنْذَى صَوْتًا مِنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ أَلْقِيهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهِ قَالَ فَسَمِعَ بِذَلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ يَجُزُّ رِذَاءَهُ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ فَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ مَا أَرَى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرِ الْإِقَامَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ لَكِنَّهُ لَمْ يُصَرِّحْ بِقِصَّةِ النَّاقُوسِ -

”اور حضرت عبداللہ ابن زیدؓ نے فرماتے ہیں کہ جب سرور کائنات ﷺ نے ناقوس بنانے کا حکم دیا تاکہ نماز کی جماعت میں لوگوں کے حاضر ہونے کے لئے اسے بجایا جائے تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ناقوس لئے ہوئے (جاتا) ہے میں نے اس شخص سے کہا کہ بندہ خدا! کیا تم یہ ناقوس بچو گے؟ اس شخص نے کہا کہ تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ ہم اسے بجا کر لوگوں کو نماز کی جماعت کے لئے بلایا کریں گے۔ اس نے کہا کہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں؟ میں نے کہا کہ، ہاں ضرور بتاؤ! اس شخص نے کہا کہ کہو اللہ اکبر تک اس نے اذان بتا کر پھر اسی طرح اقامت بھی بتائی، جب صبح ہوئی تو میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جو کچھ خواب میں دیکھا تھا آپ ﷺ سے بیان کیا، آپ ﷺ نے (خواب سن کر) فرمایا کہ، انشاء اللہ تعالیٰ خواب سچا ہے، اب تم بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر جو کچھ خواب میں دیکھا ہے انہیں بتاتے جاؤ اور وہ اذان کہیں کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ چنانچہ میں بلالؓ کے ساتھ کھڑا ہو کر انہیں سکھاتا گیا اور وہ اذان دیتے رہے۔ راوی کہتے ہیں کہ، حضرت عمر ابن خطابؓ نے جب اپنے مکان میں اذان کی آواز سنی تو (جلدی کی بنا پر) اپنی چادر کھینچتے ہوئے مکان سے باہر نکلے اور یہ کہتے ہوئے (آنحضرت ﷺ کی خدمت میں) حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ الحمد للہ (یعنی سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں) یہ حدیث ابوداؤد، دارمی، اور ابن ماجہؓ نے نقل کی ہے مگر ابن ماجہؓ نے بحیثیت کاذب ذکر نہیں کیا ہے اور ترمذیؓ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن انہوں نے ناقوس کے قصہ کی تصریح نہیں کی ہے۔“

تشریح: حدیث کے پہلے جزء کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ناقوس بجانے کا حکم دے دیا تھا۔ بلکہ یہاں ”حکم“ کا مطلب یہ ہے کہ جب اس سلسلہ میں صحابہؓ سے مشورہ کیا اور کوئی مناسب تجویز ذہن میں نہیں آئی تو آپ ﷺ نے ناقوس بجانے کا حکم دینے کا ارادہ فرمایا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ ابن زیدؓ کے خواب کے ذریعہ اس کی نوبت نہ آنے دی۔

یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کی مؤید ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر اور اذان کے کلمات میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح اذان کے کلمات کو سوائے شروع میں اللہ اکبر اور آخر میں لا الہ الا اللہ کے دو مرتبہ کہا جاتا ہے اسی طرح تکبیر کے کلمات کو بھی دو مرتبہ کہا جاتا ہے البتہ تکبیر میں صرف قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ ہے جو اذان میں نہیں ہے۔

حضرت عبداللہؓ کے خواب کو سن کر آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ یہ ”خواب سچا ہے“ اب اس تصدیق کا تعلق یا تو وحی سے ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس خواب کے سچا ہونے کی خبر دے دی تھی اس لئے آپ ﷺ نے بھی اسے حق کہا یا پھر آپ ﷺ نے اپنے اجتہاد کی بناء پر اس خواب کو سچا مانا۔ اس موقع پر آپ ﷺ کا ”انشاء اللہ“ کہنا برکت اور اظہار طمانیت کے طور پر تھا۔ نہ کہ شک کے لئے۔ اذان کی آواز سن کر حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جو یہ کہا کہ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ بات اس وقت کہی ہو جب انہیں معلوم ہو گیا ہو کہ یہ اذان حضرت عبداللہ ابن زیدؓ کے خواب کے نتیجے میں کہی گئی ہے یا پھر انہیں اس خواب کا علم مکاشفہ کے ذریعہ ہو گیا ہو گا۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ مؤذن کا بلند آواز اور خوش گلوں ہونا مستحب ہے۔

آخر میں اتنی بات اور جان لیجئے کہ اذان کی مشروعیت ۲ھ میں ہوئی ہے مگر کچھ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ اذان ہجرت کے پہلے سال مشروع ہوئی ہے۔

⑪ وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَكَانَ لَا يَمُرُّ بِرَجُلٍ إِلَّا نَادَاهُ بِالصَّلَاةِ أَوْ حَزَنَهُ بِرَجُلِهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ میں سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ صبح کی نماز کے لئے نکلا، آنحضرت ﷺ جس شخص کے پاس سے گزرتے تھے نماز کے لئے یا تو اسے آواز دیتے تھے یا اس کے پاؤں کو حرکت دے دیتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص نماز کے وقت سو رہا ہو تو اس کو نماز کے لئے جگانا جائز ہے خواہ آواز دے کر جگایا جائے خواہ اس کا پاؤں وغیرہ ہلا کر۔

⑫ عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ الْمُؤَذِّنَ جَاءَ عُمَرَ يُؤَذِّنُهُ لِبَلَاةِ الصُّبْحِ فَوَجَدَهُ نَائِمًا فَقَالَ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ فَأَمَرَهُ عُمَرُ أَنْ يَجْعَلَهَا فِي نَدَاءِ الصُّبْحِ۔ (رواہ موطاء)

”اور حضرت امام مالکؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ مؤذن حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آکر صبح کی نماز کے لئے انہیں خبردار کر دیتا تھا چنانچہ (ایک دن) مؤذن نے حضرت عمرؓ کو سوتا ہوا پایا تو کہا کہ الصلوٰۃ خیر من النوم (نماز نیند سے بہتر ہے) حضرت عمرؓ نے مؤذن کو حکم دیا کہ یہ کلمہ صبح کی اذان میں شامل کیا جائے۔“ (موطاء)

تشریح: بظاہر تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا کلمہ حضرت عمرؓ نے اضافہ کیا تھا حالانکہ ایسا انہیں ہے کیونکہ فجر کی اذان میں یہ کلمہ کہنا تو شروع ہی سے مسنون تھا۔ اب اس حدیث کی توجیہات کی گئی ہیں لیکن زیادہ مناسب اور بہترین توجیہ یہ ہے کہ جب مؤذن نے حضرت عمرؓ کو سوتا ہوا دیکھ کر یہ کلمہ کہا تو انہیں ناگوار ہوا اور فرمایا کہ یہ کلمہ صبح کی اذان میں شامل کیا جائے یعنی یہ کلمہ فجر کی اذان ہی میں کہنا سنت ہے اسی موقع پر ہمیں یہ کلمہ کہنا چاہئے اذان کے سوا سوتے ہوئے کو جگانے

کے لئے یہ کلمہ استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِإِلَالَةٍ أَنْ يَجْعَلَ اصْبَغِيهِ فِي أُذُنَيْهِ وَقَالَ إِنَّهُ أَرْفَعُ لَصَوْتِكَ

(رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عبدالرحمن بن سعد بن عمار بن سعد مؤذن رسول خدا ﷺ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد سعدؓ نے اور انہوں نے اپنے والد عمار سے اور انہوں نے سعدؓ کے دادا سے جن کا نام بھی سعد تھا سنا کہ سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ (اذان کہتے وقت) اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں دے لیا کریں کیونکہ اس سے آواز زیادہ بلند ہو جاتی ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: حضرت سعدؓ صحابی ہیں اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے مسجد قبلہ میں مؤذن تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات تک یہ اس مسجد میں اذان کہتے رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ مسجد نبوی میں اذان کہنا چھوڑ کر شام چلے گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے انہیں مسجد قبلہ سے بلا کر مسجد نبوی میں اذان کہنے کی خدمت پر مامور فرمایا اور یہ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اس باسعادت خدمت کو انجام دیتے رہے۔ حضرت سعدؓ کے صاحبزادے حضرت عمار تابعی مقبول ہیں اور ان کے بیٹے یعنی حضرت سعدؓ کے پوتے کا نام بھی سعد ہے اور ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن مسطور ہیں اس طرح عمار کے والد حضرت سعد ان کے لڑکے سعد کے دادا ہوئے۔

چنانچہ یہ حدیث حضرت عبدالرحمن نے اپنے دادا حضرت سعدؓ سے نقل کی ہے اور انہوں نے اپنے والد حضرت عمارؓ سے نقل کی ہے جو تابعی ہیں اور انہوں نے اپنے والد مکرم حضرت سعدؓ سے سنا ہے جو صحابیت کی سعادت سے مشرف ہیں۔ ایہ اور جدہ دونوں کی ضمیریں لفظ ابی کی طرف راجع ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں اس لئے دی جاتی ہیں تاکہ آواز زیادہ سے زیادہ بلند ہو سکے اور اس میں شاید یہ حکمت ہے کہ کانوں میں انگلیاں رکھ لینے سے بلند آواز ہی مؤذن کے کان میں آئے گی اس لئے وہ اس کی کوشش کرے گا کہ جہاں تک ہو سکے۔ پورے زور سے چلا کر اذان کہے۔

بَابُ فَضْلِ الْأَذَانِ وَاجَابَةِ الْمُؤَذِّنِ

اذان اور اذان کا جواب دینے کی فضیلت کا بیان

اذان اللہ تعالیٰ کے اذکار میں ایک بہت بڑے رتبہ کا ذکر ہے اس میں توحید اور رسالت کی شہادت اعلان کے ساتھ ہوتی ہے اس سے اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اذان دینے کی فضیلت اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے چنانچہ اس عنوان کے تحت وہ احادیث ذکر کی جائیں گی جن سے معلوم ہو گا کہ اذان دینا درحقیقت برکت و سعادت سے اپنا دامن بھرنا ہے۔

اب اس میں کلام ہے کہ آیا اذان کہنا زیادہ افضل ہے یا امامت کرنا؟ چنانچہ مختار اور معتمد قول یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو کہ وہ امامت کے پورے حقوق بحال لائے گا تو اس کے لئے امامت کرنا افضل ہو گا ورنہ بصورت دیگر اس کے لئے اذان کہنا ہی افضل ہو گا۔

علماء کا اس معاملہ میں اختلاف ہے کہ آیا آنحضرت ﷺ نے بھی اذان کہی ہے یا نہیں؟ گو ایک حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اذان کہی ہے مگر بعض حضرات نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دے کر اذان کہلائی ہے۔ آپ ﷺ کے اس حکم کو اس طرح تعبیر کیا گیا ہے جیسے کہ محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ نے قلعہ بنایا ہے حالانکہ بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے قلعہ نہیں بناتا بلکہ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس نے حکم دے کر قلعہ بنوایا ہے۔ دارقطنیؒ کی ایک روایت میں اس کی

تصریح بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اذان کہنے کا حکم کیا تھا (نہ کہ خود اذان دی تھی) واللہ اعلم۔

اذان کا جواب دینا واجب ہے اگر کئی آدمی مل کر اذان دیں تو اس شکل میں **اُذُنُ** حرمت اول کے لئے ہوگی یعنی اس کا جواب دینا چاہئے اور اگر کوئی شخص کئی طرف سے یعنی مختلف محلوں کی مساجد سے اذان سنے تو صرف اپنی مسجد کے مؤذن کا جواب دینا واجب ہوگا اور اگر کوئی شخص اذان کے وقت مسجد میں بیٹھا ہو تو اس کے لئے اذان کا جواب واجب نہیں ہے کیونکہ اس شکل میں تو اسے اجابت فعلی حاصل ہی ہے۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ قرآن پڑھنے والا شخص اذان کا جواب دے یا نہ دے! چنانچہ اس سلسلہ میں مختار قول یہ ہے کہ وہ اذان کا جواب نہ دے۔

الفصل الاول

① عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمُؤَذِّنُونَ أَظْلَمُ النَّاسِ اعْتِقَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے روز لوگوں سے زیادہ اونچی گردن والے مؤذن ہوں گے۔“ (مسلم)

تشریح: اونچی گردن کے معنی کے تعین میں مختلف اقوال ہیں چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ دنیا میں اذان دیتے تھے وہ قیامت کے روز بہت زیادہ ثواب والے اور مرتبے والے ہوں گے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ مؤذن قیامت کے روز سردار ہوں گے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں قیامت کے روز مؤذن بہت زیادہ ثواب کے امیدوار ہوں گے کیونکہ جو شخص کسی چیز کے حصول کی امید رکھتا ہے وہ گردن اونچی کر کے اس چیز کو دیکھتا ہے، اسی طرح میدان حشر میں جب کہ تمام لوگ حساب و کتاب کی بناء پر رنج و فکر میں ہوں گے۔ مؤذن آرام و راحت کے ساتھ اس بات کے منتظر ہوں گے کہ اب جنت میں داخلہ کا حکم کیا جائے گا۔ بعض حضرات نے اس کے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ قیامت کے روز مؤذنین کو باری تعالیٰ عزا سہ کی بارگاہ میں مقام قرب و عزت حاصل ہوگا۔

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَذْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضَرَاظًا حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّاذِينَ فَإِذَا قُضِيَ الْبَدَاءُ أَقْبَلَ حَتَّى إِذَا ثَوَّبَ بِالصَّلَاةِ أَذْبَرَ حَتَّى إِذَا قُضِيَ التَّشْرِبُ أَقْبَلَ حَتَّى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ يَقُولُ أَذْكَرُ كَذَا أَذْكَرُ كَذَا إِمَّا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَذْكُرُ كَمْ صَلَّى۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگ کھڑا ہوتا ہے تاکہ اذان نہ سن سکے، جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر آتا ہے اور جس وقت تکبیر ہوتی ہے تو پھر پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے جب تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو واپس آ جاتا ہے تاکہ انسان اور اس کے دل کے درمیان خطرات پیدا کرے چنانچہ (نمازی سے) کہتا ہے کہ فلاں چیز یاد کرو، فلاں بات یاد کرو (اس طرح نماز شروع کرنے سے پہلے مال و اولاد، حساب و کتاب اور خرید و فروخت کے سلسلہ میں) جو باتیں نمازی کو یاد نہیں ہوتیں وہ یاد دلاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی (یعنی نمازی کو) کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: بعض کہتے ہیں کہ شیطان کا گوز مارنا حقیقتہً ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی جسم رکھتا ہے اس لئے ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے چنانچہ جس طرح گدھے پر جب وزن رکھ دیا جاتا ہے تو وہ بوجھ کی زیادتی کی وجہ سے گوز مارتا ہے اسی طرح شیطان پر بھی اذان بہت بھاری ہوتی ہے اور وہ گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ جب اذان شروع ہوتی ہے تو شیطان ایک آواز نکالتا ہے جو کان میں بھر جاتی ہے اور اس سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اذان نہ سن سکے۔ اس آواز کو اس کی برائی و خرابی بیان کرنے کے لئے یہاں گوز مارنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

انسان اور اس کے دل کے درمیان خطرات پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نمازی اور اس کے دل کے درمیان وسوساں و خطرات حائل کر دیتا ہے اور اس کے دل کو دنیا کی باتوں کی طرف لگا دیتا ہے تاکہ نماز میں حضوری قلب کی دولت میسر نہ آ سکے۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ شیطان قرأت قرآن اور عظمت سے تو بھاگتا نہیں مگر اذان سے بھاگتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اذان کے کلمات میں ایسی ہیبت اور عظمت رکھ دی ہے جو شیطان کو خوف و ہراس میں مبتلا کر دیتی ہے۔

③ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ حَنْ وَلَا إِنْشَ وَلَا شَيْءَ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ مؤذن کی انتہائی آواز کو جو بھی سنتا ہے خواہ انسان ہو یا جن اور یا جو بھی چیز وہ سب قیامت کے دن مؤذن (کے ایمان) کی گواہی دیں گے۔“ (بخاری)

تشریح: مدی کے معنی ”انتہا یعنی اخیر“ ہیں۔ آواز کی انتہا یہ ہے کہ اس کی بھٹکان میں آجائے اور یہ نہ معلوم ہو کہ آواز دینے والا کیا کہہ رہا ہے۔ یہاں اگرچہ یہی معنی کافی تھا کہ ”مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے اے“ لیکن مدی بمعنی انتہاء کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ مقصود تھا کہ جن کے کان میں اذان کی محض بھٹکان پڑ جائے گی جب وہ مؤذن کے ایمان کی گواہی دیں گے تو وہ لوگ تو بطریق اولیٰ گواہ ہوں گے جو مؤذن کے قریب ہوں گے اور اذان کو قریب سے سنیں گے۔

علماء لکھتے ہیں کہ درحقیقت اس حدیث سے مؤذن کو ترغیب دلائی مقصود ہے کہ اذان نہایت بلند آواز سے کہا کریں تاکہ ان کے ایمان کی گواہی دینے والے زیادہ سے زیادہ ہوں۔

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ عَلَى صَلَاةٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُّوا اللَّهَ لِي الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِي الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جب تم مؤذن کی آواز سنو تو (اس کے جواب میں) اس کے الفاظ کو دہراؤ اور پھر (اذان کے بعد) مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اس کے بدلہ میں خدا اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے پھر (مجھ پر درود بھیج کر) میرے لئے (خدا سے) وسیلہ کی دعا کرو۔ وسیلہ جنت کا ایک (اعلیٰ) درجہ ہے جو خدا کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھ کو امید ہے کہ وہ بندہ خاص میں ہوں گا لہذا جو شخص میرے لئے وسیلہ کی دعا کرے گا (قیامت کے روز) اس کی سفارش مجھ پر ضروری ہو جائے گی۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب مؤذن اذان کہے تو تم بھی مؤذن کے ساتھ اذان کے کلمات دہراتے جاؤ البتہ چند کلمات ایسے ہیں جن کو بعینہ دہرانا نہیں چاہئے بلکہ ان کے جواب میں دوسرے کلمات کہنے چاہیں جس کی تفصیل آئندہ حدیث میں آرہی ہے چنانچہ فجر کی اذان میں جب مؤذن الصلوٰۃ خیر من النوم کہے تو اس کے جواب میں صَدَقْتَ وَبَرَزْتَ وَبِالْحَقِّ نَطَقْتَ (یعنی تم نے سچ کہا ہے اور خیر کثیر کے مالک ہوئے اور تم نے سچ بات کہی) کہنا چاہئے۔

”وسیلہ“ اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ مطلوبہ چیز کو حاصل کیا جائے اور اس کے سبب سے مطلوبہ چیز کا قرب حاصل ہو چنانچہ جنت کے ایک خاص اور اعلیٰ درجہ کا نام وسیلہ اسی لئے ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہوتا ہے اسے باری تعالیٰ عزا سمہ کا قرب حاصل

ہوتا ہے اور اس کے دیدار کی سعادت میسر آتی ہے نیز جو فضیلت اور بزرگی اس درجہ والے کو ملتی ہے وہ دوسرے درجہ والوں کو نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کا ار جو (یعنی مجھ کو امید ہے) فرمانا عاجزی اور انکساری کے طور پر ہے کیونکہ جب آنحضرت ﷺ تمام مخلوق سے افضل و بہتر ہیں تو یہ درجہ یقیناً آپ ﷺ ہی کے لئے ہے۔ کوئی دوسرا اس درجہ کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟ لہذا اس لفظ کی تاویل یہ کی جائے گی کہ یہ یقین سے کنایہ ہے یعنی مجھے یہ یقین ہے کہ یہ درجہ مجھے ہی حاصل ہوگا۔

⑤ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ فَقَالَ أَحَدُكُمْ اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِنْ قَلْبِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اللہ اکبر کہے، پھر جب مؤذن اشہد ان لا الہ الا اللہ کہے، پھر جب مؤذن اشہد ان محمد رسول اللہ کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اشہد ان محمد رسول اللہ کہے پھر جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے تو تم میں سے ہر شخص لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو تم میں سے ہر شخص لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے، پھر جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم میں سے ہر شخص کہے اللہ اکبر اللہ اکبر پھر جب مؤذن کہے لا الہ الا اللہ تو تم بھی کہو لا الہ الا اللہ جس نے (اذان کے جواب میں یہ کلمات) صدق دل سے کہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔“ (مسلم)

تشریح: یہاں اللہ اکبر اختصار کی وجہ سے دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ سمجھانے کے لئے دو ہی مرتبہ کہنا کافی تھا اس لئے شہادتین یعنی اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمد رسول اللہ کو بھی صرف ایک ایک مرتبہ ہی ذکر کیا گیا ہے۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ کے معنی یہ ہیں، برائی سے بچنے اور نیک کام کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہتا ہے تو وہ لوگوں کو نماز کے لئے بلاتا ہے۔ لہذا اس کے جواب میں یہ کلمہ کہنے والا گویا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک امر عظیم اور زبردست فرض کی ادائیگی کا معاملہ ہے میں ایک عاجز و کمزور بندہ ہوں۔ میری قوت و طاقت کی کیا مجال کہ اس ذمہ داری کی ادائیگی کی تحمل ہو سکے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ہی ہوتی ہے جو ہم اس امر عظیم کو پورا کرتے ہیں اور چونکہ نماز کے لئے آنے کی طاقت اور قوت خدا تعالیٰ ہی کی مدد سے ہوتی ہے لہذا خدا ہماری مدد فرماتا ہے تو ہم نماز کے لئے آتے ہیں۔

نوٹی فرماتے ہیں کہ مؤذن جب اذان کہتا ہے تو اس کے کہے ہوئے کلمات کو اسی طرح دہرانا یعنی اس کا جواب دینا مستحب ہے البتہ حیعتین یعنی حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنا چاہئے۔ بعض مقامات پر کچھ حضرات حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں مَا شَاءَ اللَّهُ كَانَ وَلَمْ يَشَاءَ لَمْ يَكُن کہتے ہیں یہ غلط اور مسنون طریقہ کے خلاف ہے۔

اذان کا جواب ہر سننے والے کو دینا چاہئے خواہ با وضو ہو یا بے وضو اور خواہ جنبی ہو یا حائض، بشرطیکہ جواب دینے میں کوئی چیز مانع نہ ہو مثلاً کوئی پاخانہ میں ہو یا جماع کرتا ہو، یا نماز پڑھ رہا ہو یا ایسے ہی کوئی دوسرا مانع ہو تو وہ اس وقت جواب نہ دے لیکن اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ان امور سے فراغت کے بعد اذان کے کلمات جواب میں کہے۔

”صدق دل سے کہے“ کا تعلق یا تو لا حول ولا قوۃ الا باللہ سے ہے کہ یہ کلمہ صدق دل سے کہا جائے یا پھر اس کا تعلق پوری اذان کے کلمات سے ہے کہ جواب میں تمام کلمات پورے غلو سے اور صدق دل کے ساتھ کہے جائیں اور ظاہری طور پر بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ

اس کا تعلق پوری اذان سے ہے۔

جنت میں تو تمام مسلمان ہی داخل ہوں گے چاہے وہ کسی عذاب کے بغیر داخل ہوں یا عذاب کے بعد داخل ہوں۔ لہذا یہاں جنت میں داخل ہونے سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص جو اذان کا جواب صدق دل سے دیتا ہے یعنی زبان سے تو ان کلمات کو ادا کرتا ہے اور دل میں ان کلمات کی صداقت کا پورا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ نجات پائے ہوئے لوگوں کے ہمراہ جنت میں داخل ہوگا۔

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْبَيِّنَاتِ اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ التَّامَّةُ وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ ابْنَ مُحَمَّدٍ ابْنِ الْوَسِيلَةِ وَالْفَضِيلَةِ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا ابْنِ الْوَسِيلَةِ وَالْفَضِيلَةِ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا ابْنِ الْوَسِيلَةِ وَالْفَضِيلَةِ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص نے اذان سن کر (یعنی اذان ختم ہونے اور اس کا جواب دینے کے بعد) یہ دعا پڑھی تو قیامت کے روز مجھ پر اس کی شفاعت لازم ہوگی۔“ دعا یہ ہے: اَللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ التَّامَّةُ وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ ابْنَ مُحَمَّدٍ ابْنِ الْوَسِيلَةِ وَالْفَضِيلَةِ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا ابْنِ الْوَسِيلَةِ وَالْفَضِيلَةِ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا ابْنِ الْوَسِيلَةِ وَالْفَضِيلَةِ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (اے اللہ مالک اس کامل دعا (اذان) کے اور پروردگار اس نماز قائمہ کے ہمارے سرور محمد رسول اللہ ﷺ کو وسیلہ (جنت کا سب سے خاص و اعلیٰ درجہ) اور بزرگی عنایت فرما اور پہنچا ان کو مقام محمود پر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: اس دعا میں اذان کو ”دعا“ سے تعبیر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان لوگوں کو نماز اور خدا کے ذکر کی طرف بلاتی ہے۔ نماز کو قائمہ اس لئے کہا گیا ہے کہ نماز ہمیشہ قیامت تک قائم و برقرار رہے گی۔ اس دعا میں والفضیلۃ کے بعد والدرجۃ الرفیعة کے الفاظ بھی پڑھے جاتے ہیں مگر یہ کسی روایت میں مذکور نہیں ہیں۔

”مقام محمود“ شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے اور یہ وہ مقام ہوگا جہاں آنحضرت ﷺ قیامت کے روز عاصیوں کے لئے شفاعت کرنے کے لئے کھڑے ہوں گے۔

میدانِ حشر میں جب ہر طرف نفسی نفسی کا عالم ہوگا مخلوق خدا حساب و کتاب کی پریشانیوں میں مبتلا ہوگی اور تمام لوگ وہاں کی سختیوں کی بناء پر حیران و سرگرداں ہوں گے تو یکے بعد دیگرے تمام انبیاء و رسل کے پاس شفاعت کے لئے جائیں گے مگر وہ سب بہت و دشت کی بنا پر شفاعت کی جرأت نہ کر سکیں گے اور کہیں گے کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ کیونکہ ان کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں، وہی مخلوق خدا کی شفاعت کے حقدار ہیں۔ چنانچہ تمام لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے تب آپ ﷺ بارگاہِ احدیت میں حاضر ہو کر لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ ﷺ کی تعریف ہوگی اور حق تعالیٰ بھی آپ ﷺ کی تعریف کرے گا گویا شانِ محمدیت کا پورا پورا ظہور ہوگا۔ اور تمام مخلوق آپ کی اس عظمت و برتری کو رشک کی نگاہوں سے دیکھے گی۔ وعدہ (جس کا تو نے وعدہ کیا ہے) اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا۔

”امید ہے کہ آپ ﷺ کا پروردگار آپ (ﷺ) کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔“

خداوند کریم عنقریب آپ ﷺ کو شافعِ محشر بنا کر مقام محمود میں کھڑا کرنے والا ہے۔ اور جو عزت و کرامت ہے جو بنی آدم میں آپ ﷺ کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں اس لئے کہ سب سے زیادہ آپ ﷺ ہی پر عبادت اور شُب کا سوز و گداز بھی فرض ہوا ہے۔

دلا بسوز کہ سوزے تو کارہا بکند دعائے نیم شبی دفعِ صدمہ بلا بکند

بیہقی کی روایت میں اس دعا میں وعدہ کے بعد اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ (یعنی بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا) بھی مذکور ہے۔ بعض

لوگ اس کے آگے یا اَرْحَمَ الرَّحِمِین بھی پڑھتے ہیں حالانکہ احادیث میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔

④ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُغَيِّرُ إِذَا ظَلَعَ الْفَجْرُ وَكَانَ يُسْمِعُ الْأَذَانَ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَكَ وَلَا أَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلٌ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْفِطْرَةِ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ فَتَنظَرُوا إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ رَاغِبٌ مُغْرِبٌ (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ (جب لشکر لے کر کسی جگہ جاتے تو) فجر ہو جانے پر (دشمن کے اوپر) حملہ کیا کرتے تھے اور فجر ہو جانے پر اذان کا انتظار کیا کرتے تھے (اس آبادی میں سے جس پر حملہ کا ارادہ ہوتا تھا) اگر اذان کی آواز آجاتی تھی تو آپ ﷺ حملہ کرنے سے باز رہتے اور (اذان کی) آواز سنائی نہ دیتی تو حملہ کر دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ دشمن پر حملہ کے لئے جارہے تھے تو ایک مقام پر آپ ﷺ نے ایک شخص کو اللہ اکبر، اللہ اکبر کہتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ، یہ شخص اسلام کے (طریقہ) پر ہے (کیونکہ اذان تو مسلمان ہی کہتا ہے) پھر اس شخص نے کہا اشھد ان لا اله الا اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ تم شرک سے باز آجانے کی وجہ سے دوزخ سے نکل گئے۔ صحابہؓ نے (چاروں طرف دیکھ کر معلوم کرنا چاہا کہ اذان دینے والا کون ہے تو) دیکھا کہ وہ بکوال چرانے والا شخص ہے۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ ﷺ جب دشمنوں پر حملہ کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تو اس کا خیال رکھتے کہ صبح کا وقت ہو، تاکہ اس بات کا اچھی طرح پتہ چل جائے کہ جس آبادی پر حملہ کیا جائے گا اس میں مسلمان ہیں یا کافر ہیں یا کافر رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت انسؓ کے ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ (فجر ہو جانے پر) اذان کا انتظار کیا کرتے تھے چنانچہ جس آبادی پر حملہ مقصود ہوتا اس میں سے اگر اذان کی آواز آجاتی تو یہ جان کر کہ اس آبادی میں مسلمان ہیں آپ ﷺ حملہ سے باز رہتے تھے اور اگر اذان کی آواز نہ آتی تو پھر آپ ﷺ اس آبادی پر حملہ کر دیتے تھے۔ اذان کا انتظار آپ ﷺ اس لئے کرتے تھے کہ مبادا اس آبادی میں مسلمان ہوں اور ان جانے میں وہ اسلامی لشکر کی زد میں آجائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اذان کے ہونے اور نہ ہونے کو ایمان اور کفر کی علامت سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے روایت فقیہہ میں آتا ہے کہ جو لوگ اذان کو ترک کر دیں گے تو باوجودیکہ اذان سنت ہے ایسے لوگ مستحق قتال ہوں گے کیونکہ اذان اسلامی شعار میں سے ہے۔

⑤ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا غُفِرَ لَهُ ذَنْبُهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص مؤذن کی (اذان) کو سن کر یہ کہے کہ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ (اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، محمد ﷺ کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں تو اس کے (صغیرہ) گناہ بخش دئے جائیں گے۔“ (مسلم)

تشریح: اس میں اختیار ہے کہ ان کلمات کو یا تو اس وقت پڑھا جائے جب مؤذن اشھد ان لا اله الا اللہ کہے یا اذان ختم ہو جانے کے

بعد پڑھے۔ مناسب تو یہی ہے کہ اذان ختم ہونے کے بعد یہ کلمات پڑھے جائیں تاکہ اذان کے دوسرے کلمات کے جواب ترک نہ ہوں۔ اور ظاہر تو یہ ہے کہ مذکورہ ثواب اسی وقت ملے گا جبکہ اذان کے کلمات کا جواب دے کر بعد میں ان کلمات کو پڑھا جائے۔
 (۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْ كُلِّ آذَانَيْنِ صَلَاةٍ كُلِّ آذَانَيْنِ صَلَاةٍ ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبداللہ ابن مغفلؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے اور پھر تیسری دفعہ میں یہ فرمایا کہ (یہ نماز) اس شخص کے لئے ہے جو پڑھنا چاہے۔“ (بخاری و مسلم)
 تشریح: ”دو اذانوں“ سے مراد اذان و تکبیر ہیں یعنی اذان اور تکبیر کے درمیان نماز پڑھنی فلاح و سعادت کی بات ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اذان و تکبیر کے درمیان نوافل پڑھنے کی رغبت دلانے کے لئے یہ جملہ مکرر سے مکرر فرمایا کیونکہ اذان و تکبیر کے درمیان کا وقت بہت زیادہ بابرکت اور فضیلت کا حامل ہوتا ہے اس لئے اس وقت نماز پڑھ کر جو دعا مانگی جاتی ہے وہ بارگاہ احدیت سے رد نہیں کی جاتی ہے بلکہ قبولیت کا درجہ پاتی ہے اور پھر یہ کہ بابرکت اور بافضیلت وقت میں عبادت کا ثواب بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ اذان و تکبیر کے درمیان میں نماز پڑھنی سنت ہے مگر آپ نے لمن شاء فرما کر اس طرف اشارہ بھی فرمادیا ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مغرب میں اذان و تکبیر کے درمیان نفل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت بریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ مغرب کے علاوہ (بقیہ اوقات میں) دونوں اذانوں (یعنی اذان و تکبیر) کے درمیان دو رکعتیں (نماز) ہیں۔

الفصل الثانی

(۱۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا الْإِمَامَةَ وَارْزُقْنَا الْمُؤَذِّنِينَ وَارْزُقْنَا الْأَوْدَادَ وَارْزُقْنَا الشَّافِعِيَّ وَفِي أُخْرَى لَهُ بِلَفْظِ الْمَصَابِيحِ۔

”حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، امام ضامن ہوتا ہے اور مؤذن امانت دار ہوتا ہے (پھر آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی) اے اللہ! اماموں کو ہدایت دے (یعنی ان کو نیک علم، صالح عمل اور صلاح و تقویٰ کی توفیق دے) اور مؤذنین (سے) اگر اذان کہنے میں کمی و زیادتی ہو جاوے تو ان کو بخش دے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) اور امام شافعیؒ نے دو معری روایت مصابیح کے ہم لفظ نقل کی ہے۔“

تشریح: ”ضامن“ کا مطلب یہ ہے کہ امام دوسروں کی نماز کا ذمہ دار ہوتا ہے بایں طور پر کہ وہ مقتدیوں کے امور نماز مثلاً قرأت کا اور اگر مقتدی رکوع میں امام کے ساتھ مل جائے تو قیام وغیرہ کا متکفل ہوتا ہے اسی طرح وہ سب کی نمازوں کے افعال و ارکان نیز رکعتوں کی تعداد پر نگاہ رکھتا ہے۔ مؤذنین کے امانت دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے سلسلہ میں اذان کی آوازوں پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہیں۔

(۱۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدَّى سَبْعَ سِنِينَ مُحْتَسِبًا كَتَبَ لَهُ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جو شخص (مزدوری و اجرت کے لالچ کے بغیر) محض ثواب حاصل کرنے کے لئے سات سال تک اذان دے تو اس کے لئے دوزخ سے نجات لکھ دی جاتی ہے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

(۱۲) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْعَجِبُ رَبُّكَ مِنْ رَاغِي غَنَمٍ فِي رَأْسِ شَطِئَةٍ لِلْجَبَلِ يُؤَذِّنُ بِالصَّلَاةِ وَيُصَلِّي فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ أَنْظِرُوا إِلَى عَبْدِي هَذَا يُؤَذِّنُ وَيَقِيمُ الصَّلَاةَ يَخَافُ مِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي وَأَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ (رواه البوداذؤ والنسائي)

”اور حضرت عقبہ ابن عامر راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا تمہارا رب راضی ہوتا ہے پہاڑ کی چوٹی پر بکریاں چرانے والے سے جو نماز کے لئے اذان کہتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ چنانچہ اللہ بزرگ و برتر (ملائکہ اور ارواح مقربین سے) فرماتا ہے۔ میرے اس بندہ کی طرف دیکھو وہ اذان دیتا ہے اور (پابندی کے ساتھ) نماز پڑھتا ہے اور مجھ سے ڈرتا ہے، چنانچہ میں نے بھی اس بندے کے گناہ بخش دیے ہیں اور میں اسے جنت میں داخل کروں گا۔“ (البوداذؤ، نسائی)

تشریح: یعنی وہ چرواہا جو لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے اور دنیا کے علاقے سے دست بردار ہو کر پہاڑ کی چوٹی پر بسر کئے ہوئے ہے، جب نماز کا وقت آتا ہے تو اذان کہہ کر اللہ اور اس کے رسول کا نام بلند کرتا ہے اور پابندی سے نماز ادا کر کے اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرتا ہے۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اذان دینے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی اذان کے ذریعہ ملائکہ اور جنات نماز کے وقت سے مطلع ہو جاتے ہیں، نیز یہ کہ اس کی اذان مخلوقات میں سے جو چیز بھی سنتی ہے قیامت کے روز اس کے ایمان کی گواہی دے گی اور سنت کا اتباع ہوتا ہے اور جماعت کے معاملہ میں اسے مسلمانوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

اذان سے اعلام عام یعنی اذان و تکبیر دونوں مراد ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایسا آدمی جب اذان و تکبیر کہتا ہے تو ملائکہ اس کے ہمراہ نماز میں شامل ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اسے جماعت کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

”مجھ سے ڈرتا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس بندہ کی عبادت کا مقصد نمائش و ریا نہیں ہے بلکہ وہ میرے عذاب سے چونکہ ڈرتا ہے اس لئے اذان بھی کہتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اکیلے شخص کو بھی اذان و تکبیر کہنا مستحب ہے۔

(۱۳) وَعَنْ بِنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ عَلَى كُنْهَانِ الْمَسْكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَبْدٌ أَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَرَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهِ رَاضُونَ وَرَجُلٌ يَتَادَى بِالصَّلَاةِ الْخَمْسِ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، قیامت کے روز تین آدمی مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ (پہلا) وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کر کے اپنے آقا کے حقوق بھی اداء کئے اور (دوسرا) وہ شخص جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے اور لوگ اس سے خوش ہیں اور (تیسرا) وہ شخص جو رات دن (یعنی ہمیشہ) پانچوں وقت کی نماز کے لئے اذان کہتا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ”عبد“ سے مراد مملوک ہے خواہ غلام ہو یا لونڈی۔ امام سے لوگوں کو خوش رہنے کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی اپنے امام سے اس وجہ سے مطمئن و راضی ہوتے ہیں کہ وہ نماز کے احکام و ارکان اور سنن و آداب کی پوری پوری رعایت کرتا ہے۔ اور قرأت اصول و قواعد کے مطابق نیز عمدہ آواز کے ساتھ کرتا ہے لیکن اتنی بات ملحوظ رہے کہ اس سلسلہ میں اعتبار اکثر لوگوں کا ہوگا جو کہ صاحب علم و فراست ہوں۔

بہر حال قیامت کے روز ان تینوں کو مشک کے ٹیلے اس لئے ملیں گے کہ یہ لوگ دنیا میں خواہشات نفسانی لذتوں کو اطاعت الہی اور فرمانبرداری رسول ﷺ کی سختیوں پر قربان کر دیں گے اس لئے پروردگار عالم اس کے صلہ میں انہیں خوشبو کی صورت میں عظیم انعام عطا

فرمائے گا تاکہ دوسرے لوگوں پر ان کی عظمت و بزرگی ظاہر ہو سکے۔

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهُ مَدَى صَوْتِهِ وَيَشْهَدُ لَهُ كُلُّ رُطَبٍ وَيَابِسٍ وَشَاهِدُ الصَّلَاةِ يُكْتَبُ لَهُ خُمُوشٌ وَعِشْرُونَ صَلَاةً وَيُكَفَّرُ عَنْهُ مَا بَيْنَهُمَا زَوْاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ إِلَى قَوْلِهِ كُلُّ رُطَبٍ وَيَابِسٍ وَقَالَ لَهُ مُثَلُّ أَجْرٍ مَنْ صَلَّى۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، اذان دینے والے کی بخشش اس کی آواز کی انتہاء کے مطابق کی جاتی ہے۔ ہر خشک و تر چیز اور نماز میں آنے والے آدمی اس کے (ایمان کے) گواہ ہو جاتے ہیں۔ پچیس نمازوں کا ثواب (اس کے زائد اعمال میں) لکھا جاتا ہے اور نمازوں کے درمیان اس سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں معاف ہو جاتے ہیں۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور نسائی نے اس روایت کو کل رطب و یابس تک نقل کیا ہے، اور یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ وَلَهُ مُثَلُّ أَجْرِ مَنْ صَلَّى یعنی اور اسے نماز پڑھنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔“

تشریح: ”آواز کی انتہاء کے مطابق بخشش“ کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن اذان کہتے وقت جس قدر آواز بلند کرتا ہے اس کی مغفرت اسی قدر ہوتی ہے اور اگر وہ آواز کو انتہائی درجہ تک پہنچا دیتا ہے یعنی اس کی جتنی طاقت ہوتی ہے اتنی ہی آواز بلند کرتا ہے تو مغفرت بھی پوری ہی پاتا ہے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ اگر گناہ کا جسم فرض کیا جائے اور وہ اتنے ہوں کہ مؤذن کی آواز جہاں تک بھی پہنچے وہاں تک سما جائیں تو اس کے وہ سب گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

رطب (تر) سے مراد وہ مخلوق ہیں جن میں نمو ہوتا ہے جیسے انسان اور نباتات وغیرہ اور یابس (خشک) سے جمادات یعنی پتھر اور مٹی وغیرہ مراد ہیں۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ وَشَاهِدُ الصَّلَاةِ لَفْظُ الْمُؤَذِّنِ پر عطف کیا گیا ہے اس طرح پورے جملہ کے معنی یہ ہوں گے ”مغفرت کی جاتی ہے مؤذن کی اور ان لوگوں کی جو جماعت میں حاضر ہوتے ہیں۔“

مگر ملا علی قریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس کا عطف كُلِّ رُطَبٍ پر ہے اور اسے عطف خاص علی عام کہا جاتا ہے یُكْتَبُ لَهُ اور عنہ کی ضمیر یا تو شاہد کی طرف راجع ہے یا پھر مؤذن کی طرف راجع ہوگی۔

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن نمازیوں کا سا ثواب پاتا ہے کیونکہ یہ ان کو نماز کی طرف بلاتا ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص بھلی بات کا باعث ہوتا ہے اسے اس بھلائی کے کرنے والے کی مانند ثواب ملتا ہے۔

(۱۵) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اجْعَلْنِي إِمَامًا قَوْمِي قَالَ أَنْتَ إِمَامُهُمْ وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذْ عَلَيْكَ إِذَا نَبِهَ أَجْرًا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی)

”اور حضرت عثمان بن ابی العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے میری قوم کا امام مقرر فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم ان کے امام ہو (یعنی میں نے تمہیں تمہاری قوم کا امام مقرر کر دیا مگر یہ یاد رکھو کہ نماز پڑھانے میں تم ان میں سے بہت زیادہ ضعیف و ناتواں کی اقتداء کرنا اور ایسا مؤذن مقرر کرنا جو اذان کہنے کی مزدوری نہ لے۔“ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ”ضعیفوں کی اقتداء کرنے“ کا مطلب یہ ہے کہ امامت میں ضعیف و کمزور لوگوں کی رعایت کی جائے یعنی قرأت اتنی لمبی نہ کی جائے اور ارکان نماز اس طرح ادا نہ کئے جائیں کہ وہ لوگ تنگ و پریشان ہو جائیں اور جماعت سے نماز پڑھنا چھوڑ دیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اور مؤذن کے لئے نماز پڑھانے اور اذان دینے کی اجرت حلال نہیں ہے۔ مگر علماء نے یہ لکھا ہے

لے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اذان اقامت، امامت اور تعلیم قرآن کے سلسلہ میں معاوضہ لینا جائز نہیں ہے ۱۲۔

کہ اگر امام اور مؤذن بطور خود اپنی اجرت مقرر نہ کر آئیں بلکہ لوگ ان کے پاس ان کی حاجت کے مطابق روپیہ پیسہ از خود بھیج دیا کریں تو یہ جائز و حلال ہوگا۔ لہذا لوگوں کو چاہئے کہ وہ امام و مؤذن کی خبر گیری کریں اور ان کے پاس از خود اتنا روپیہ اور مال بھجوا دیا کریں جس سے ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ فتاویٰ قاضی خاں میں مرقوم ہے کہ جو مؤذن اوقات نماز وغیرہ کے سلسلہ میں علم نہیں رکھتا اسے اذان کہنے کا ثواب نہیں ملتا، اس لئے جو مؤذن اجرت لے گا اسے تو بطریق اولیٰ ثواب نہیں ملے گا۔

(۱۹) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقُولَ عِنْدَ أَذَانِ الْمَغْرِبِ اللَّهُمَّ هَذَا إِقْبَالُ لَيْلِكَ وَإِذْ بَارَئُ نَهَارِكَ وَأَصْوَاتُ دُعَائِكَ فَاعْفِرْ لِي رَوْاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّبَهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيرِ۔

”اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مجھے سکھایا تھا کہ میں مغرب کی اذان کے وقت یہ دعا پڑھ لیا کروں اللَّهُمَّ هَذَا إِقْبَالُ لَيْلِكَ وَإِذْ بَارَئُ نَهَارِكَ وَأَصْوَاتُ دُعَائِكَ فَاعْفِرْ لِي اے اللہ! یہ وقت تیری رات کے آنے کا اور تیرے دن کے واپس جانے اور تیرے پکارنے والوں (یعنی مؤذنین) کی آوازوں کا لہذا تو میری مغفرت فرما۔“ (ابوداؤد، تبہقی)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا یا تو اذان کا جواب دینے کے دوران پڑھ لی جائے یا پھر جواب سے فارغ ہونے کے بعد پڑھی جائے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اذان کا وقت بارگاہِ احدیت میں دعاء کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے اس لئے ایسے وقت اپنے گناہوں کی معافی اور خیر و بھلائی کے راستہ پر چلنے کی توفیق کی زیادہ سے زیادہ دعا مانگنی چاہئے تاکہ قبولیت کے مرتبہ کو پہنچ سکے۔

(۲۰) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَوْ بَعْضِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ بَلَاءًا أَخَذَ فِي الْإِقَامَةِ فَلَمَّا أَنْ قَالَ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَامَهَا اللَّهُ وَأَدَامَهَا وَقَالَ فِي سَائِرِ الْإِقَامَةِ كُنْخَوْ حَدِيثٌ عُمَرَ فِي الْإِذَانِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوامامہؓ یا سرور کائنات ﷺ کے کوئی اور صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نے تکبیر کہنی شروع کی۔ جب انہوں نے قد قامت الصلوۃ کہا تو آنحضرت ﷺ نے (اس کے جواب میں) فرمایا، أَقَامَهَا اللَّهُ وَأَدَامَهَا یعنی اللہ تعالیٰ نماز کو قائم و دائم رکھے اور تکبیر کے بقیہ کلمات کے جوابات وہی فرمائے جس کا ذکر حضرت عمرؓ کی اذان کی حدیث میں ہو چکا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اسی باب کی حدیث نمبر پانچ میں اذان کے کلمات اور ان کے جواب کو جس طرح ذکر کیا گیا ہے اسی طرح تکبیر کے وقت مؤذن جو کلمات کہتا گیا۔ آپ بھی ویسے ہی کلمات کو دہراتے رہے البتہ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا اور قد قامت الصلوۃ کے جواب میں اقامہا اللہ وادامہا کہا۔

(۲۱) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْإِذَانِ وَالْإِقَامَةِ۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، اذان اور تکبیر کے درمیان دعا رو نہیں کی جاتی۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: یوں تو پروردگار عالم اپنی رحمت و شفقت کے ناطے ہر وقت ہی اپنے بندوں کی دعا قبول کرتا ہے اور ان کے دامن امید کو اپنے فضل و کرم کے موتیوں سے معمور کرتا ہے مگر اس ارشاد کے ذریعہ مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اذان و تکبیر کے درمیان کا وقت اتنا بابرکت و باسعادت ہوتا ہے کہ اس وقت پروردگار عالم کے سامنے بندہ اپنی جس حاجت کے لئے بھی دامن پھیلاتا ہے اس کی مراد یقیناً پوری کی جاتی ہے اور مانگنے والا جو بھی دعا مانگتا ہے وہ ضرور قبول ہوتی ہے لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس وقت اپنی دینی اور دنیاوی فلاح و سعادت اور کامیابی و کامرانی کے لئے ضرور دعا مانگا کریں۔

اس سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ دعا خواہ اذان کے بعد متصلاً ہی مانگی جائے یا کچھ دیر کے بعد، ہر صورت میں قبول ہوگی مگر صحیح اور اولیٰ یہ ہے کہ اذان کے فوراً بعد مانگ لینی چاہئے۔

(۱۹) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ أَوْ قَلَمَا تُرَدَّانِ الدُّعَاءُ عِنْدَ التَّدَايِ وَعِنْدَ النَّاسِ حِينَ يَلْحَمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَفِي رِوَايَةٍ وَتَحْتَ الْمَطَرِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَتَحْتَ الْمَطَرِ۔

”اور حضرت سہل ابن سعدؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ دودعا میں رد نہیں کی جاتیں، یا فرمایا کہ کم رد کی جاتی ہیں۔ ایک تو وہ دعا جو اذان (ہونے کے بعد یا اذان شروع ہونے) کے وقت مانگی جاتی ہے، اور دوسری وہ دعا جو (کفار کے ساتھ) جنگ میں مٹھ بھیر (یعنی آپس میں قتل و قتال) شروع ہو جانے کے وقت مانگی جاتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں (جنگ میں مٹھ بھیر کے بجائے) یہ منقول ہے کہ دوسری وہ دعا جو بارش میں (کھڑے ہو کر) مانگی جائے۔ (ابوداؤد، دارمی) مگر روای کی روایت میں ”تحت المطر“ منقول نہیں ہے۔“

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ إِنَّ الْمُؤَذِّنِينَ يَفْضُلُونَ نَفَقًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ كَمَا يَقُولُونَ فَإِذَا انْتَهَيْتَ فَسَلِّ نَعْظًا۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ ایک صحابیؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اذان دینے والے تو بزرگی میں ہم سے بڑھے جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح وہ کہتے ہیں (ساتھ ساتھ) تم بھی اسی طرح کہتے جاؤ اور جب (اذان کے جواب سے) فارغ ہو جاؤ تو جو چاہو مانگو، دیا جائے گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: صحابی کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ اذان دیتے ہیں وہ تو اذان دینے کی سعادت و برکت کی وجہ سے ہماری بہ نسبت زیادہ ثواب کے حقدار ہوتے ہیں اس لئے ہمیں بھی کوئی ایسا طریقہ بتا دیجئے جس پر چل کر ہم بھی ثواب میں ان کے ہم پلہ ہو جائیں۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ طریقہ بتا دیا کہ جب مؤذن اذان کے کلمات کہے تو تم بھی ان کے ساتھ اذان کے کلمات دہراتے جاؤ (سوائے حی علی الصلوٰۃ و حی علی الفلاح کے کہ ان کے جواب میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہئے) اسی طرح تمہیں بھی ان کے اصل ثواب کی طرح ثواب ملے گا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک دوسری چیز اذان کے جواب سے فراغت کے بعد دعاء مانگنے کو بتا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اگر اذان کا جواب دینے کے بعد دعاء مانگی جائے تو فضیلت و بزرگی میں اور اضافہ ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اذان کے وقت مسجد میں موجود ہو تو اسے بھی اذان کے کلمات کا جواب دینا چاہئے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اذان کے وقت مسجد میں موجود شخص کو اذان کا جواب دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس وقت جب اجابت فعلی حاصل ہے تو اجابت قولی کی کیا ضرورت ہے۔ دل کو لگنے والی بات نہیں ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۲۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ التَّدَايَ بِالصَّلَاةِ ذَهَبَ حَتَّى يَكُونَ مَكَانَ الرَّوَاحِ قَالَ الرَّوَايُ وَالرَّوْحَاءُ مِنَ الْمَدِينَةِ عَلَى سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ مِيلًا۔ (رواہ مسلم)

”حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا، سرور کائنات ﷺ فرماتے تھے کہ جب شیطان نماز کی اذان سنتا ہے تو بھاگتا ہے یہاں تک کہ مقامِ روحتانک پہنچ جاتا ہے۔ روای کہتے ہیں روحتانکہ سے چھتیس کوس کے فاصلے پر ہے۔“ (مسلم)

تشریح: شیطان سے مراد جنس شیطان ہے یعنی اذان سن کر یا تو تمام شیطان بھاگ کھڑے ہوتے ہیں یا ان کا سردار بھاگ جاتا ہے اور صحیح یہی ہے۔ حدیث کے آخر جزو کا مطلب یہ ہے کہ اذان سن کر شیطان نماز پڑھنے والے سے اتنا دور ہو جاتا ہے جتنا درودِ مدینہ سے روحا ہے۔

”راوی“ سے حضرت ابوسفیان نافع ابن طلحہ کی ذات مراد ہے جنہوں نے اس حدیث کو حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔

(۲۲) وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ إِنِّي لَعِنْدَ مُعَاوِيَةَ إِذَا أَدَّيْتُ مُؤَذِّنَهُ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ كَمَا قَالَ مُؤَذِّنُهُ حَتَّى إِذَا قَالَ حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فَلَمَّا قَالَ حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَقَالَ بَعْدَ ذَلِكَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَلِكَ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت علقمہ ابن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں (ایک روز) حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ان کے مؤذن نے اذان دی، چنانچہ مؤذن جس طرح کہتا تھا حضرت معاویہؓ بھی اسی طرح (اس کے ساتھ ساتھ) کہتے رہے، جب مؤذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو حضرت معاویہؓ نے کہا لا حول ولا قوۃ الا باللہ جب مؤذن نے حی علی الفلاح کہا تو حضرت معاویہؓ نے کہا لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور اس کے بعد مؤذن جو کچھ کہتا رہا حضرت معاویہؓ بھی کہتے رہے۔ (پھر فارغ ہو کر) حضرت معاویہؓ نے کہا میں نے سرور کائنات ﷺ کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے۔“ (احمد)

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حی علی الفلاح کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ کے بعد العلی العظیم کا اضافہ مرویات میں نادر ہے۔

(۲۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ بِلَالٌ يَتَادَى فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هَذَا يَقِينًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ تھے کہ حضرت بلالؓ کھڑے ہوئے اور اذان کہنے لگے۔ جب وہ (اذان دے کر) خاموش ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اسی طرح یقیناً (یعنی خلوص دل سے) کہا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔“ (نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص یقین و اعتماد کی پوری قوت اور دل کے پورے خلوص کے ساتھ ان کلمات کو یا تو اذان میں کہے یا اذان کے جواب میں کہے یا مطلقاً کہے تو وہ جنت میں داخل ہونے کا مستحق ہو گا یا نجات پانے والوں کے ہمراہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۲۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَشْهَدُ قَالَ وَأَنَا وَأَنَا۔ (ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب مؤذن کو شہادتین کہتے ہوئے سنتے تو فرماتے اور میں بھی اور میں بھی۔“

(ابوداؤد)

تشریح: یعنی جب مؤذن اذان میں اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمد رسول اللہ کہتا تو آنحضرت ﷺ شہادتین کے جواب میں دو مرتبہ فرماتے وانا وانا (اور میں بھی اور میں بھی) یعنی جس طرح تم خدا کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دے رہے ہو اسی طرح میں بھی وحدانیت الہ اور رسالت محمد کی گواہی دیتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام اُمت کی طرح خود آنحضرت ﷺ بھی اپنی رسالت کی گواہی دینے کے مکلف تھے۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ آیا آپ ﷺ اُمت کے افراد کی طرح اشہد ان محمد رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) یہ کہہ کر گواہی دیتے تھے یا اشہد انی رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) کہہ کر گواہی دیتے تھے؟ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ آپ ﷺ اُمت کے افراد کی طرح اپنی رسالت کی گواہی دیتے تھے جیسا کہ ابھی حدیث نمبر اکیس میں حضرت معاویہؓ کے بارہ میں گزرا ہے کہ انہوں نے اذان کے جواب میں اشہد ان محمد رسول اللہ کہا اور پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اسی طرح فرماتے ہوئے سنا ہے (یعنی آپ ﷺ بھی اذان کے جواب میں اشہد ان محمد رسول اللہ ہی کہتے تھے)۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ کی اس روایت میں اور حضرت معاویہؓ کی روایت میں چونکہ تعارض پیدا ہوتا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ کبھی تو آپ ﷺ اسی طرح فرماتے ہوں گے جیسا کہ حضرت معاویہؓ نے بیان کیا اور کبھی اس طرح فرماتے ہوں گے جیسا کہ حضرت عائشہؓ یہاں بتا رہی ہیں۔

(۲۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَذَّنَ نَشْتَى عَشْرَةَ سَنَةً وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَكُتِبَ لَهُ بِتَأْذِينِهِ فِي كُلِّ يَوْمٍ سِتُّونَ حَسَنَةً وَلِكُلِّ إِقَامَةٍ ثَلَاثُونَ حَسَنَةً۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص بارہ برس تک اذان دے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے اور اس کی اذان کے بدلہ میں (اس کے نامہ اعمال میں) ہر روز (یعنی ہر اذان کے عوض) ساٹھ نیکیاں اور ہر تکبیر کے بدلہ میں تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: اذان کی بہ نسبت تکبیر کا ثواب آدھا غالباً اس لئے ہوتا ہے کہ تکبیر خاص طور پر ان لوگوں کو مطلع کرنے کے لئے ہوتی ہے جو جماعت میں حاضر ہوتے ہیں اور اذان کے ذریعہ عمومی طور پر حاضرین اور غائبین سب ہی کو مطلع کیا جاتا ہے یا پھر اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اذان دینے میں زیادہ محنت برداشت کرنی پڑتی ہے اور اس کی بہ نسبت تکبیر میں کم محنت ہوتی ہے۔

(۲۶) وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نُمُزُّ بِالْدُّعَاءِ عِنْدَ أَذَانِ الْمَغْرِبِ زَوَاهُ النَّبِيِّ هَقِي فِي الدُّعَوَاتِ الْكَبِيرِ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں مغرب کی اذان کے وقت دعاء مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔“ (بیہقی)

تشریح: غالباً یہاں وہی مراد ہے جس کا تذکرہ حضرت اُم سلمہؓ کی حدیث نمبر پانچ میں آچکا ہے یعنی اللھم هذا اقبال لیلک وادبنا ہمارک الخ۔

بَابُ

اذان کے بعض احکام کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

(۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ بِلَا لَا يَتَادَى بَلِيلٌ فَكُلُُّوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَادَى ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ قَالَ وَكَانَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ رَجُلٌ أَعْمَى لَا يَتَادَى حَتَّى يُقَالَ لَهُ أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ۔ (متفق علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، بلال (فجر کی اذان خاص) رات سے دے دیتے ہیں لہذا جب تک ابن اُم مکتوم اذان دیں تم (رمضان میں محرمی) کھاتے پیتے رہا کرو۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ابن اُم مکتوم ایک نابینا آدمی تھے، جب تک ان سے کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ تم نے صبح کر دی، تم نے صبح کر دی، وہ اذان نہ دیتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے دو مؤذن تھے، ایک مؤذن تو فجر کے وقت سے پہلے رات میں اذان دیتا تھا اور دوسرا نماز فجر کا وقت شروع ہونے کے بعد اذان دیتا تھا۔ چنانچہ حضرات شوافع کے یہاں دو مؤذن مقرر کرنا سنت ہے ایک فجر سے پہلے اخیر آدمی رات میں اذان دینے کے لئے اور دوسرا فجر کے اول وقت میں اذان دینے کے لئے۔

حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ پہلا مؤذن سحر کے لئے یا تہجد کے لئے تھا، اس کا تعلق نماز فجر کی اذان سے نہیں تھا کیونکہ ایک روایت

میں خود آنحضرت ﷺ نے صبح کی اذان وقت سے پہلے دینے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ اسی لئے حنفیہ کے یہاں فجر کی نماز کے لئے وقت سے پہلے رات میں اذان دینا جائز نہیں ہے۔

حدیث کے آخری جملہ اصباح اصباح (یعنی تم نے صبح کر دی، تم نے صبح کر دی) سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت ابن اُمّ کلثومؓ صبح ہو جانے کے بعد اذان دیتے تھے تو اس وقت تک سحری کھانا پینا کیسے جائز ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اصباح کے معنی یہ ہیں کہ ”صبح ہوئے والی ہے“ اسی کو بطور مبالغہ اصباح سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۲) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُورِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيلُ وَلَكِنَّ الْفَجْرَ الْمُسْتَطِيلَ فِي الْأَفْقِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلَفْظُهُ لِلتَّيْمِذِيِّ۔

”اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، بلالؓ کی اذان ہمیں تمہاری سحری کھانے سے نہ روکے (کیونکہ وہ رات سے اذان دیتے ہیں) اور نہ فجر دراز (یعنی صبح کاذب) البتہ افق پر پھیلی ہوئی فجر (یعنی صبح صادق نمودار ہو جائے تو کھانا پینا چھوڑ دو) (مسلم) الفاظ ترمذی کے ہیں۔“

(۳) وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ آتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِي فَقَالَ إِذَا سَافَرْتُمَا فَادْنَا وَاقْبِمَا وَلْيُؤْمِكُمَا أَكْبَرُ كَمَا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت مالک ابن حویرثؓ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے چچا کے صاحبزادے (ابن دونوں) سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ، جب تم سفر میں جاؤ تو (نماز کے لئے) اذان و تکبیر کہا کرو اور تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔“ (بخاری)

تشریح: غالباً یہ دونوں حضرات علم و ورع میں ہم پلہ ہوں گے اس لئے آپ ﷺ نے امام بننے کا حقدار اسے قرار دیا جو عمر میں بڑا ہو، یا پھر ”اکبر“ (یعنی بڑے) سے مراد افضل ہے کہ دونوں میں سے جو افضل ہو وہ امامت کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ افضلیت کی شرط اذان میں نہیں ہے، تاہم چاہئے یہی کہ اذان وہ شخص دے جو اقامت نماز کا علم رکھتا ہو، نیک اور دیندار ہو۔ بلند آواز اور خوش گلو ہو اور اذان کے کلمات صحیح صحیح ادا کر سکتا ہو۔

(۴) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ ثُمَّ لْيُؤْمِكُمْ أَكْبَرُ كُمْ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت مالک ابن حویرثؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ تم مجھے جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح تم بھی پڑھا کرو، اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی اذان دے دیا کرے اور جو تم میں بڑا ہو وہ امام بن جایا کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ امامت کا مستحق وہی شخص ہو گا جو علم و فضل میں سب سے بڑھا ہوا ہو اور اگر علم و فضل کے اعتبار سے سب برابر ہوں تو جو شخص عمر میں سب سے بڑا ہو گا وہ امام بنے گا۔

عمر سے مراد وہ عمر ہے جو ایمان و اسلام کی حالت میں گزری ہو یعنی جس شخص کو اسلام قبول کئے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا ہو وہ حکما ان لوگوں سے بڑا قرار دیا جائے گا جو اس کے بعد ایمان و اسلام کی سعادت سے مشرف ہوئے ہیں خواہ وہ عمر میں ان سب سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ پہلے اسلام قبول کرنے والے شخص کو دین و شریعت کا علم بعد میں اسلام کا حلقہ بخش ہونے والوں سے زیادہ ہوتا ہے۔

(۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئَ مِنْ غَزْوَةٍ خَبِيرَ سَارٍ لَيْلَةً حَتَّى إِذَا أَدْرَكَهُ الْكَرَى عَزَسَ وَقَالَ لِبِلَالٍ لَيْلًا فَصَلِّ لَنَا اللَّيْلَ فَصَلَّى بِلَالٌ مَا قَدَّرَ لَهُ وَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ

فَلَمَّا تَقَارَبَ الْفَجْرُ اسْتَنْدَبَ بِلَالٌ إِلَى رَاحِلَتِهِ مَوْجِهَ الْفَجْرِ فَلَعَبَتْ بِلَالًا عَيْنَاهُ وَهُوَ مُسْتَعِدٌّ إِلَى رَاحِلَتِهِ فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا بِلَالٌ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ حَتَّى ضَرَبَتْهُمْ الشَّمْسُ فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَهُمْ اسْتَيْقَظًا فَفَرَّغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيْ بِلَالُ فَقَالَ بِلَالٌ أَخَذَ بِنَفْسِي الَّذِي أَخَذَ بِنَفْسِكَ قَالَ اقْتَاذُوا اقْتَاذُوا رَوَّاجِلَهُمْ شَيْئًا ثُمَّ تَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ بِلَالًا وَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ فَلْيَصِلْهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب غزوہ خیبر سے واپس ہوئے تو رات بھر سفر کرتے رہے یہاں تک کہ (جب) آپ ﷺ پر غنودگی طاری ہونے لگی تو آپ ﷺ آرام کرنے کے لئے آخری رات میں ایک جگہ اتر گئے اور حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ تم ہمارا خیال رکھنا (یعنی صبح ہو جائے تو ہمیں جگا دینا) یہ فرما کر آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ تو سو گئے اور حضرت بلالؓ نے (تہجد کی) نماز جس قدر ہو سکی پڑھی۔ جب صبح صادق ہونے کو ہوئی، تو حضرت بلالؓ اپنے کجاوہ سے تکیہ لگا کر فجر (مشرق) کی جانب منہ کر کے بیٹھ گئے (تاکہ صبح صادق ہو جائے تو آنحضرت ﷺ کو جگا دیں) حضرت بلالؓ کجاوہ سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ (اتفاق سے) ان کو بھی نیند آگئی (چنانچہ صبح صادق کے وقت) آنحضرت ﷺ حضرت بلالؓ اور صحابہؓ میں سے کوئی بھی بیدار نہ ہوا یہاں تک کہ جب ان کے اوپر دھوپ آگئی (اور اس کی گرمی پہنچی) تو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی آنکھ کھلی اور آپ ﷺ نے گھبرا کر فرمایا کہ بلال! یہ کیا ہوا؟ حضرت بلالؓ (بھی گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور انہوں نے) عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بھی اس چیز نے پکڑ لیا جس نے آپ ﷺ کو پکڑ لیا تھا (یعنی نیند نے) آپ ﷺ نے فرمایا، یہاں سے روانہ ہو جاؤ! چنانچہ سب لوگ تھوڑی دور تک اپنی اپنی سواریاں لے کر چلے، پھر آنحضرت ﷺ نے وضو کیا اور حضرت بلالؓ کو تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے نماز کے لئے تکبیر کہی اور آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو صبح کی نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا، جو شخص (نیند وغیرہ کی بناء پر) نماز پڑھنی بھول جائے تو یاد آتے ہی فوراً اسے پڑھ لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اقم الصلوٰۃ لذکرٰی یعنی میرے یاد کرنے کے وقت نماز پڑھ لو۔“ (مسلم)

تشریح: خیبر مدینہ سے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر ہے، بنو نضیر کے یہودی جب مدینہ سے اجڑے تو خیبر جا بے اور پھر خیبر یہودیوں کی سازشوں کا اڈا اور مرکز بن گیا۔ لہذا اسلام کی حفاظت کی خاطر اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ان کے اس شرانگیز رٹھان کو توڑ دیا جائے چنانچہ سات ہجری میں تقریباً سولہ سو مسلمان مجاہدین کا لشکر سرکارِ دو عالم ﷺ کی قیادت میں خیبر روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا گیا۔ یہ محاصرہ تقریباً دس روز تک جاری رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی اور خیبر کے تمام قلعوں پر قبضہ ہو گیا۔ اس غزوہ کی کامیابی کا سہرا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سر رہا اور انہیں ”فاتح خیبر“ کے عظیم لقب سے نوازا گیا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اسلامی لشکر کا جھنڈا انہیں کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اور یہی اسلامی لشکر کی کمائنہ کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ نے ان سے ایک خاص بہادری یہ ظاہر کرائی کہ خیبر کا پھانگ جو شتر آدمیوں سے بھی نہیں اٹھاتا تھا انہوں نے تنہا اسے اکھاڑ پھینکا۔ جب فتح خیبر ہو گیا تو مسلمانوں اور وہاں کے یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کی دو خاص دفعات یہ تھیں۔

① جب تک مسلمان چاہیں گے یہودیوں کو خیبر میں رہنے دیں گے اور جب نکالنا چاہیں گے تو ان کو خیبر سے نکلنا ہوگا۔

② پیداوار کا ایک حصہ مسلمانوں کو دیا جائے گا۔

بہر حال۔ حدیث میں مذکور وہ واقعہ اسی غزوہ سے واپسی کے وقت پیش آیا تھا۔

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد جب آنکھ کھل گئی تھی تو اسی جگہ آنحضرت ﷺ نے قضا نماز کیوں نہ پڑھ لی؟ اور صحابہؓ کو وہاں سے روانہ ہونے کا حکم دینے کا سبب کیا تھا؟ چنانچہ اس سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں حنفی علماء جن کے

نزدیک طلوع آفتاب کے وقت قضا نماز پڑھنا منع ہے، فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس جگہ سے کوچ کرنے کا حکم اس وجہ سے دیا تھا تاکہ آفتاب بلند ہو جائے اور نماز کے لئے وقت مکروہ نکل جائے۔

شافعی علماء جن کے ہاں طلوع آفتاب کے وقت قضا پڑھنی جائز ہے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ وہاں سے قضا نماز پڑھے بغیر فوراً اس لئے روانہ ہوئے کہ وہ جگہ شیاطین کا مسکن تھی جیسا کہ دوسری روایتوں میں اس کی تصریح موجود ہے چنانچہ مسلمؒ ہی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ دھوپ پھیل جانے پر آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا کہ ہر شخص اپنی سواری کی عیال پکڑ لے (اور روانہ ہو جائے) اس لئے کہ اس جگہ ہمارے پاس شیطان آگیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو صرف تکبیر کہنے کا حکم دیا، اذان کے لئے نہیں فرمایا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قضا نماز کے لئے اذان دینا ضروری نہیں ہے جیسا کہ قول جدید کے مطابق حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے۔ لیکن شافعی علماء کے نزدیک قول قدیم کے مطابق صحیح اور معتد مسلک یہی ہے کہ قضا نماز کے لئے بھی اذان کہنی چاہئے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت نماز کے لئے اذان کہی گئی تھی چنانچہ ہدایہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لیلۃ التعلیس (یعنی مذکورہ رات) کی صبح کو نماز فجر کی قضا اذان و تکبیر کے ساتھ پڑھی تھی۔

بخاری ابن الہمامؒ نے اس سلسلہ میں مسلمؒ اور ابوداؤدؒ کی کئی حدیثیں نقل کی ہیں اور فرمایا ہے کہ مسلمؒ کی اس روایت میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو تکبیر کہنے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے تکبیر کہی۔ غیر مرادف نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں صحیح طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت اذان و تکبیر کے ساتھ نماز پڑھی تھی، لہذا اس روایت میں فاقام الصلوٰۃ کے معنی یہ ہیں کہ ”چنانچہ انہوں نے نماز کے لئے اذان کے بعد تکبیر کہی۔“

یہاں ایک ہلکا سا خلجان اور پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل بیدار رہتا ہے۔ تو دل کے جاگتے رہنے کے باوجود اس کی کیا وجہ تھی کہ صبح صادق طلوع ہو جانے پر آپ ﷺ مطلع نہیں ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب کو دیکھنا آنکھوں کا کام ہے دل کا کام نہیں ہے لہذا دل کی بیداری کے باوجود صبح صادق کے طلوع ہو جانے پر آپ ﷺ اس لئے مطلع نہیں ہوئے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں سو رہی تھیں۔

اور اگر کوئی یہ سوال کر بیٹھے کہ، آپ ﷺ کو کشف یا وحی کے ذریعہ اطلاع کیوں نہ دی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف تھا، دوسرے اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ اس طریقہ سے امت کو قضا کے احکام معلوم ہو گئے۔

⑥ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقْرَأُوا حَتَّى تَرَوْنِي قَدْ خَرَجْتُ. (متن علیہ)

”اور حضرت ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب نماز کے لئے تکبیر کہی جائے تو جب تک تم مجھے حجرہ سے نکلتا ہوا نہ دیکھ لو نماز کے لئے کھڑے نہ ہو۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: فقہاء نے لکھا ہے کہ تکبیر کہنے والا جب حی علی الصلوٰۃ کہے تو مقتدیوں کو اس وقت کھڑا ہونا چاہئے چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی اسی وقت اپنے حجرہ سے نکلتے ہوں گے۔

⑦ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوهَا تَسْعُونَ وَأَتُوهَا تَمْشُونَ وَعَلَيْكُمْ السَّكِينَةُ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَإِنْ أَحَدُكُمْ إِذَا كَانَ يَعْمِدُ إِلَى الصَّلَاةِ فَهُوَ فِي الصَّلَاةِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو تم (جماعت میں شامل ہونے کے لئے)

دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ وقار و طہانیت کے ساتھ اپنی چال آؤ، جس قدر نماز تم کو (امام کے ساتھ) مل جائے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے (امام کے سلام کے بعد اٹھ کر) اسے پوری کر لو (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس لئے کہ جب تم میں سے کوئی نماز کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کو (حکماً) نمازی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔"

تشریح: عام طور سے یہ دیکھا گیا ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جاتی ہے تو وہ لوگ جو دیر سے مسجد پہنچتے ہیں نماز میں شامل ہونے کے لئے اور خصوصاً اس وقت جب کہ امام رکوع میں چلا جاتا ہے بہت بے تکلف طریقہ سے بھاگتے ہوئے آتے ہیں اور نماز میں شریک ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اس حدیث سے متنبہ ہونا چاہئے کہ ان کا یہ طریقہ سراسر منشاء شریعت کے خلاف ہے۔ چنانچہ نہ صرف یہ کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جماعت کھڑی ہو جانے پر بھاگ کر آنا جائز نہیں ہے بلکہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر آنا کمزوری عقل اور غفلت کی علامت ہے کیونکہ نماز کے لئے مستعدی اور چستی اس طرح تو شریعت کی نظر میں قابل تعریف ہوگی کہ اگر کسی کو تکبیر اولیٰ کے فوت ہونے یا کسی رکعت کے چھوڑ جانے کا خوف ہو تو وہ پہلے ہی جلدی کر لیا کرے اور جماعت شروع ہونے سے پہلے مسجد پہنچ جایا کرے۔ (حضرت شیخ عبدالحقؒ)۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ علماء کے یہاں اس بارہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی شخص کو تکبیر اولیٰ کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہ دوڑتا ہوا آئے یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ایسا شخص دوڑ کر آ سکتا ہے کیونکہ حضرت عمر فاروقؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ بقیع میں تھے کہ انہوں نے مسجد سے تکبیر کی آواز سنی تو دوڑتے ہوئے مسجد کی طرف آئے۔

اور بعض علماء نے یہ مناسب قرار دیا ہے کہ ایسے شخص کو اس حدیث کے پیش نظر وقار و سکینت کے ساتھ ہی چل کر مسجد آنا چاہئے کیونکہ جو شخص نماز کا ارادہ کرتا ہے تو گویا وہ نمازی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہو گا جو نادانستہ یا کسی مجبوری و معذوری کی بناء پر موخر ہو جائیں ورنہ اگر کوئی شخص دانستہ نماز میں آنے کے لئے دیر کرے تو وہ اس میں شامل نہیں۔

بہر حال اس سلسلہ میں صحیح اور مناسب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تاخیر سے مسجد پہنچے تو اسے چاہئے کہ وہ جماعت میں شریک ہونے کے لئے وقار و طہانیت کے ساتھ تیز تیز چل کر آئے بالکل بے تکلف طریقے سے دوڑتا ہوا نہ آئے تاکہ اس حدیث پر عمل بھی ہو جائے اور تکبیر اولیٰ کا ثواب بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ اسی طرح نماز جمعہ کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر کسی شخص کو مسجد پہنچنے میں دیر ہو جائے اور اس بات کا یقین ہو کہ اگر جلدی نہ کی تو امام سلام پھیر دے گا اور میں نماز سے رہ جاؤں گا تو اسے تیزی سے آکر امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جانا چاہئے۔

وَهَذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِي

اور اس باب میں الفصل الثانی نہیں ہے

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

① عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ عَرَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ بَطْرِيقِ مَكَّةَ وَوَكَّلَ بِلَالًا أَنْ يُوقِظَهُمْ لِلصَّلَاةِ فَرَقَدَ بِلَالٌ وَرَقَدُوا حَتَّى اسْتَيْقَظُوا وَقَدْ طَلَعَتِ عَلَيْهِمُ الشَّمْسُ فَاسْتَيْقَظَ الْقَوْمُ فَقَدَرُوا فَرَعُوا فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْتَكِبُوا حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْ ذَلِكَ الْوَادِي وَقَالَ إِنَّ هَذَا وَادِيهِ شَيْطَانٌ فَرَكِبُوا حَتَّى خَرَجُوا مِنْ ذَلِكَ الْوَادِي ثُمَّ أَمَرَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْزِلُوا وَأَنْ يَتَوَضَّأُوا وَأَمَرَ بِلَالًا أَنْ يَتَأَدَّى لِلصَّلَاةِ

أَوْ يُقِيمَ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ رَأَى مِنْ قَرَعِهِمْ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ قَبِضَ أَرْوَاحَنَا وَلَوْ شَاءَ لَرَدَّهَا إِلَيْنَا فِي حِينٍ غَيْرِ هَذَا فَإِذَا رَقَدَ أَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا ثُمَّ قَرَعَ إِلَيْهَا فَلْيُصَلِّهَا كَمَا يُصَلِّيَهَا فِي وَفَّيْهَا ثُمَّ انْتَفَتَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ فَقَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ أَتَى بِإِلَاءٍ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فَاصْجَعَهُ ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يُهْدِنُهُ كَمَا يُهْدِي الصَّبِيءُ حَتَّى نَامَ ثُمَّ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِلَالٍ فَأَخْبَرَ بِلَالٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ الَّذِي أَخْبَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا۔

”حضرت زید ابن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ مکہ معظمہ کے راستہ میں (آرام کرنے کے لئے) آخر رات میں اٹھ رہے اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ (صبح کی) نماز کے لئے سب کو جگادیں اور جب سب لوگ سو گئے۔ (تھوڑی دیر کے بعد نیند کے غلبہ کی وجہ سے) حضرت بلالؓ کی بھی آنکھ لگ گئی۔ (پہلے تو آنحضرت ﷺ اور ان کے بعد) تمام لوگ اس وقت جاگے جب کہ آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ سب لوگ (نماز قضاء ہو جانے کی وجہ سے) گھبرا گئے۔ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ سوار ہو کر اس جنگل سے باہر نکل چلیں۔ اور فرمایا کہ، یہ ایک ایسا جنگل ہے جس پر شیطان مسلط ہے چنانچہ سب لوگ سوار ہو کر اس جنگل سے نکل آئے۔ (ایک جگہ پہنچ کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (یہاں) اتر جاؤ اور وضو کر لو۔ اور حضرت بلالؓ کو نماز کے لئے اذان و تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ (صبح کی) نماز (قضاء جماعت) پڑھی جب نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کو گھرایا ہوا دیکھا تو (سلی دینے کے لئے) فرمایا کہ لوگو! اللہ تعالیٰ نے (سوئے کے وقت) ہماری روحیں قبض کر لیں تھیں اگر وہ چاہتا تو ہماری رگوں کو دوسرے وقت (یعنی آفتاب طلوع ہونے سے پہلے) واپس کر دیتا۔ لہذا اگر تم میں سے کوئی نماز کے وقت غافل سو جائے یا نماز پڑھنی بھول جائے اور (اس غفلت و نسیان سے) گھبرائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس نماز کو اسی طرح (یعنی اذان و تکبیر اور جماعت کے ساتھ نیز نماز کے تمام شرائط و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے) پڑھ لے جس طرح اسے اس کے وقت میں پڑھتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ بلالؓ گھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ شیطان ان کے پاس آیا اور انہیں (کجاوہ کا) سہارا لینے پر مجبور کر دیا اور جس طرح بچوں کو (سلانے کے لئے) تھپکی دی جاتی ہے شیطان انہیں تھپکتا رہا۔ یہاں تک کہ بلالؓ پر نیند طاری ہو گئی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو بلایا۔ حضرت بلالؓ نے آکر آپ ﷺ سے ویسا ہی بیان کیا جیسے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بیان فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے (حضرت بلالؓ کا بیان سن کر فرمایا) کہ میں اس بات کی (پورے یقین کے ساتھ) گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ خدا کے رسول ہیں۔ (یہ روایت امام مالکؒ نے مرسل نقل کی ہے)۔“

تشریح: اس قسم کا ایک واقعہ حدیث نمبر پانچ میں ذکر کیا جا چکا ہے مگر ظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ پہلے واقعہ سے الگ کوئی دوسرا واقعہ ہے کیونکہ وہ واقعہ تومدینہ اور خیبر کے راستہ میں پیش آیا تھا اور یہ واقعہ جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے مکہ اور مدینہ کے درمیان رونما ہوا تھا۔

حدیث کے الفاظ بنیادی للصلوٰۃ او یقیم میں لفظ او جمع کا مفہوم ادا کر رہا ہے جیسا کہ حرف واو دو چیزوں کو جمع کرنے کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طرح اس کے معنی جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے یہ ہوں گے کہ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان اور تکبیر کہنے کا حکم دیا، پھر لفظ او اپنے حقیقی مفہوم یعنی شک کو ظاہر کر رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان یا تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ مگر صحیح اور اولیٰ پہلے ہی معنی ہیں کیونکہ اس کی تائید البوداؤ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں انہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بلالاً بالاذان والاقامة (آنحضرت ﷺ نے بلالؓ کو اذان و تکبیر کہنے کا حکم دیا)۔

فلیصلھا کما کان یصلیھا فی وقتھا (وہ اس نماز کو اس طرح پڑھ لے جس طرح اسے اس کے وقت میں پڑھتا تھا) یہ الفاظ بظاہر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اگرچہ نماز قضا ہوئی ہو تو اس کی قضا بھی جہزی کے ساتھ پڑھی جائے اور اگر سری نماز قضا ہوئی ہے تو اس

کی قضا بھی سربہ کی ساتھ پڑھی جائے۔ مگر بعض حنفی علماء نے اس سلسلہ میں اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ قضاء نماز کو بہر صورت سر یعنی خاموشی کے ساتھ پڑھنا واجب ہے۔

”اضبیحہ“ اسندہ کے مفہوم میں ہے یعنی شیطان نے بلالؓ کو اس طرح سہارا دیا کہ ان پر غفلت طاری ہو گئی، جیسا کہ پہلے واقعہ کے سلسلہ میں گزر چکا ہے کہ حضرت بلالؓ تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے کجاوہ سے سہارا لگا کر سو گئے تھے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قضاء نماز پڑھنے کے بعد صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے ان اللہ قبض ارواحنا (اللہ تعالیٰ نے ہماری روحمیں قبض کر لی تھیں) فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا تھا کہ ہم سب کا اس موقع پر سوجانا درحقیقت تقدیر الہی کی بناء پر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر اس طرح غفلت کی نیند مسلط کر دی کہ ہم نماز کے وقت جاگ نہ سکے۔ مگر بعد میں آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پیش آمدہ صورت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے نیند کی اس غفلت کی نسبت شیطان کی طرف فرمائی کہ شیطان نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ بلالؓ غافل ہو کر سوتے رہے اور وقت پر نہ اٹھ سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب لوگ سوتے رہے اور نماز قضاء ہو گئی۔ تو اس سے بظاہر دونوں باتوں میں تعارض نظر آتا ہے کہ پہلے تو غفلت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی پھر بعد میں اس غفلت کی نسبت شیطان کی طرف کی؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ خلق افعال سے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اندر نسیان اور غفلت پیدا کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ اس نے شیطان کو اس بات پر قادر کر دیا کہ وہ مذکورہ طریقوں یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تھپکنے وغیرہ سے لوگوں کو غفلت کی نیند میں مبتلا کر دے۔

یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی اعجازی شان کی زبردست غمازی کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے معجزہ کے طور پر حضرت بلالؓ کے سوجانے کی پوری حقیقت و کیفیت بیان کر دی باوجودیکہ آپ ﷺ نے اپنی ظاہری آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ نہیں کیا تھا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اشہد انک رسول اللہ کہہ کر آپ ﷺ کی اسی اعجازی شان کی تصدیق فرمائی۔

⑨ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصَلَتَانِ مُعَلَّقَتَانِ فِي أَعْنَاقِ الْمُؤَذِّنِينَ لِلْمُسْلِمِينَ صَيَافُهُمْ وَصَلَاتُهُمْ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ مسلمانوں کی دو چیزیں مؤذنوں کی گردنوں میں لٹکی ہوئی ہیں۔ ایک تو ان کے روزے اور دوسری ان کی نمازیں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے مسلمانوں کے دو اہم اور بنیادی اعمال ایسے ہیں جو مؤذن پر موقوف ہیں یعنی مؤذن ان اعمال کی صحت و تکمیل کے ذمہ دار ہیں۔ پہلی چیز تو روزہ ہے کہ مسلمان مؤذنوں کی اذان ہی پر اعتبار کرتے ہوئے افطار کرتے ہیں۔ اور دوسری چیز نماز ہے جس کی ادائیگی مؤذنوں کی اذان کے تحت ہوتی ہے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مؤذنوں کو چاہئے کہ وہ اپنی اس عظیم ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے بڑی احتیاط کے ساتھ اور اوقات کی پوری رعایت کرتے ہوئے اذان کہا کریں تاکہ مسلمانوں کے ان دونوں اعمال میں خلل واقع نہ ہو۔

بَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةِ

مساجد اور نماز کے مقامات کا بیان

یہاں نماز کے مقامات سے وہ جگہیں مراد ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ یا غیر مکروہ ہے۔ چنانچہ ایسے مقامات کی وضاحت آئندہ احادیث

میں کی جائے گی۔ مساجد کے فضائل و برکات کے سلسلہ میں بہت زیادہ احادیث منقول ہیں ان میں سے جن احادیث کو صاحب مشکوٰۃ نے منتخب کیا ہے وہ اس عنوان کے تحت نقل کی جائیں گی البتہ وہ احادیث جنہیں صاحب مشکوٰۃ نے نقل نہیں کیا ہے بلکہ حدیث کی دوسری کتابوں میں نقل ہیں حصول سعادت و برکت کی خاطر ان میں بعض کے ترجمے یہاں نقل کئے جاتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے ذہن میں مساجد کی عظمت و فضیلت کا احساس جاگزیں ہو جس کی وجہ سے وہ خدائے تعالیٰ کی عبادت کے لئے مساجد میں جانے کو دینی اور دنیاوی فلاح و کامرانی کا ذریعہ سمجھیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے صاحبزادہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، میرے بیٹے! مسجد تمہارا گھر ہونا چاہئے۔ کیونکہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسجدیں پرہیزگاروں کا گھر ہیں لہذا جس کا گھر مسجد ہو اللہ تعالیٰ اس کی راحت و رحمت کا اور پلصراط سے جنت کی طرف اس کے گزرنے کا ضامن ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا جاتا ہے کہ شیطان سے بچنے کے لئے مسجد ایک مضبوط قلعہ ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ راوی ہیں کہ مساجد زمین کے اوپر اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں اور جس کی زیارت کی گئی ہے اس پر یہ حق ہے کہ وہ اپنی زیارت کرنے والے کا اعزاز و اکرام کرتا ہے یعنی جو شخص مسجد میں جاتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتا ہے۔ اس طرح مسجد میں جانے والا بندہ تو زیارت کرنے والا ہوا اور جس کی زیارت کی گئی وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہوئی۔ لہذا اللہ تعالیٰ مسجد میں آنے والے بندوں کا اعزاز و اکرام کرتا ہے اور انہیں اپنے فضل و کرم کی سعادتوں سے نوازتا ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، جب کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے جگہ پکڑتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت و شفقت کی نظر فرماتا ہے جس طرح اس شخص کے اہل خانہ جو مدت کے بعد اپنے گھر لوٹا ہوا اس کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آتے ہیں اتنی بات سمجھ لیجئے کہ جن احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں جگہ پکڑنا ممنوع ہے تو اس کی شکل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں کسی مخصوص جگہ کو ایسا اختیار کرتا ہے کہ اس جگہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ نہیں بیٹھتا تو یہ ممنوع ہے خواہ اس کا کسی مخصوص جگہ کو اختیار کرنا نماز پڑھنے اور ذکر اللہ ہی کے لئے کیوں نہ ہو کیونکہ اس طرح ریادہ نمائش کا شبہ ہو جانے کا خطرہ ہے۔

اور اس قسم کی وہ احادیث جن سے مسجد میں جگہ پکڑنے کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے اس بات پر محمول ہیں کہ مسجد کو کسی دنیاوی غرض و منفعت سے قطع نظر محض نماز پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنے کی نیت سے جائے قیام قرار دیا جائے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ دَعَا فِي نَوَاحِيهِ كُلِّهَا وَلَمْ يُصَلِّ حَتَّى خَرَجَ مِنْهُ فَلَمَّا خَرَجَ رَكَعَ رَكَعَتَيْنِ فِي قُبُلِ الْكَعْبَةِ وَقَالَ هَذِهِ الْقِبْلَةُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ أَسَاةَ بْنِ زَيْدٍ۔

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے دن) جب سرور کائنات ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس کے چاروں کونوں میں جا کر دعا کی اور بغیر نماز پڑھے باہر نکل آئے اور پھر باہر آکر کعبہ کے سامنے آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا کہ یہی قبلہ ہے۔ (بخاری) مسلم نے اس روایت کو ابن عباسؓ سے اور انہوں نے اسامہ بن زیدؓ سے روایت کیا ہے۔“

تشریح: کعبہ کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمانا کہ ”یہی قبلہ ہے“ اس بات کا اعلان کرنا تھا کہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دائمی طور پر ہو گیا ہے اور یہ قبلہ معین و مقرر ہو چکا ہے جواب کسی حالت میں منسوخ نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ قبلہ اسی اگلی سمت ہے دوسری سمتوں سے اس کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے اور نہ اس کا مطلب یہ تھا کہ صرف باہر کی سمت سے قبلہ کی طرف متوجہ ہونا معتبر ہے اندر کے حصہ میں نماز درست نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قبلہ کے اندر فرض نماز پڑھنا

درست نہیں ہے۔ کعبہ کے اندر نفل پڑھنا متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک جائز ہے کیونکہ آگے آنے والی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث اس کے جواز پر واضح دلیل ہے۔

البتہ فرض پڑھنے کے سلسلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ اکثر علماء کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھنے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں مگر حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کعبہ کے اندر فرض نماز کی ادائیگی سے منع کرتے ہیں۔

(۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ هُوَ وَأَسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ وَبِلَالٌ بْنُ رَبَاحٍ فَأَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيهَا فَسَأَلَتْ بِلَالًا حِينَ خَرَجَ مَاذَا صَنَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جَعَلَ عُمُودًا عَنْ يَسَارِهِ وَعُمُودَيْنِ عَنْ يَمِينِهِ وَثَلَاثَةَ أَعْمِدَةٍ وَرَاءَهُ وَكَانَ الْبَيْتُ يُؤَمِّدُ عَلَى سِتَّةِ أَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلَّى - (تقریباً علیہ)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے روز) سرور کائنات ﷺ، اسامہ ابن زیدؓ، عثمان ابن طلحہؓ جبئیؓ اور بلال ابن رباحؓ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور حضرت بلالؓ یا حضرت عثمانؓ نے اندر سے دروازہ بند کر لیا (تاکہ لوگ جھوم نہ کریں) آنحضرت ﷺ تھوڑی دیر تک اندر (دعا وغیرہ میں مشغول) رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ سے جب کہ وہ یا (آنحضرت ﷺ) خانہ کعبہ سے باہر آئے تو پوچھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ (خانہ کعبہ کے اندر) کیا کر رہے تھے؟ بلالؓ نے کہا کہ آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی ایک ستون آپ کے بائیں طرف تھا، دوداہنی طرف تھے اور تین پیچھے تھے ان دنوں خانہ کعبہ میں چھ ستون تھے (اور اب تین ستون ہیں)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی مگر اس سے پہلے اس مضمون کی حضرت اسامہ ابن زیدؓ سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ جو حدیث گزری ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی تھی۔ لہذا ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اسی طرح ہوگی کہ یہ کہا جائے گا کہ جب آنحضرت ﷺ کے ہمراہ یہ حضرات خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا گیا تو آنحضرت ﷺ کو دعائیں گتے ہوئے دیکھ کر حضرت اسامہؓ بھی کسی دوسرے کونہ میں جا کر دعا میں مشغول ہو گئے، آنحضرت ﷺ جس کونہ میں کھڑے تھے وہاں سے حضرت اسامہؓ تو دور تھے مگر حضرت بلالؓ آپ ﷺ کے قریب ہی تھے اس لئے حضرت بلالؓ نے آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور چونکہ حضرت اسامہؓ اول تو آپ ﷺ سے فاصلہ پر تھے دوسرے وہ خود بھی نماز میں مشغول تھے، پھر یہ کہ آپ ﷺ نے وہ نماز بھی جلد ہی پڑھ لی تھی۔ اس لئے وہ آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

پھر اس کے علاوہ یہ بھی منقول ہے کہ بیت اللہ کی دیواروں سے تصویریں مٹانے کے واسطے آنحضرت ﷺ نے حضرت اسامہؓ کو پانی لانے کے لئے باہر بھیج دیا تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ جس وقت وہ باہر گئے ہوں آنحضرت ﷺ نے اس عرصہ میں نماز پڑھ لی ہو۔ بہر حال حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ دونوں نے اپنے علم و مشاہدہ کے مطابق خبر دی ہے اور ہر صورت ادائیگی نماز کو ثابت کرنا ہی مختار ہے اس کی نفی نہیں۔

(۳) وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيَمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ - (تقریباً علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، میری اس مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مسجد حرام کو مستثنیٰ اس لئے کیا گیا ہے کہ مسجد حرام نہ صرف یہ کہ دوسری مساجد کے مقابلہ میں زیادہ بابرکت ہے بلکہ اپنی عظمت و برکت اور فضیلت کے اعتبار سے مسجد نبوی سے بھی افضل ہے چنانچہ منقول ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہوتا ہے۔

اب اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ حرم شریف میں وہ کون سی جگہ ہے جہاں نماز ادا کرنے پر اتنا ثواب ملتا ہے، چنانچہ پہلا قول یہ ہے کہ وہ کوئی مستثنیٰ جگہ نہیں ہے بلکہ پورا حرام اس فضیلت و برکت کا حامل ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جس جگہ جماعت ہوتی ہے۔ علماء حنفیہ کے اقوال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اسی قول کو بعض شافعی علماء نے بھی اختیار کیا ہے۔ علماء حنفیہ کے نزدیک ثواب کی اس زیادتی کی فضیلت خاص طور پر فرائض سے متعلق ہے نوافل سے نہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ وہ جگہ خانہ کعبہ ہے۔ یہ چوتھا قول ان چاروں اقوال میں سب سے ضعیف ہے۔

(۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَشْدُ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا۔ (تفق علیہ)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، تین مسجدوں کے علاوہ (کسی دوسری جگہ کے لئے) تم اپنے کجاووں کو نہ باندھو (یعنی سفر نہ کرو) مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، (یعنی بیت المقدس اور میری مسجد) (یعنی مسجد نبوی)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث سے ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کہ خدا نے ان کی عظمت و بزرگی کی زیادتی کے سبب انہیں ایک امتیازی شان عطا فرمائی ہے۔ کسی دوسری جگہ کا سفر جائز نہیں ہے لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ اس ممانعت اور نہی کا تعلق تقرب و عبادت سے ہے یعنی تقرب الی اللہ اور عبادت سمجھ کر ان تینوں جگہوں کے علاوہ اور کسی جگہ کا سفر نہ کرنا چاہئے۔

ہاں اگر کسی دوسری جگہ تحصیل علم، ادائے حقوق، تجارت یا ایسی ہی کسی دوسری ضرورت کی بناء پر سفر کرنا ہو تو یہ الگ چیز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ البتہ اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کرنے اور متبرک مقامات پر جانے کے سلسلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے تو اسے مباح قرار دیا ہے اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ حرام ہے یعنی محض اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کرنے اور متبرک مقامات پر پہنچ کر حصول برکت کی خاطر مستقل سفر کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی دوسری جگہ نذر و منت کی نیت سے سفر کا قصد کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی دوسری جگہ پہنچنے کی نذر مانی جائے تو اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس نہی کا تعلق صرف مساجد سے ہے یعنی حصول برکت اور زیارت کے ارادہ سے ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد کے لئے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ لہذا اس حدیث میں مساجد کے علاوہ دیگر مقامات خارج از مفہوم ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان تینوں مقامات کے علاوہ دوسری جگہوں کا سفر کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ اس ارشاد کا مقصد دراصل ان تینوں مساجد کی اہمیت و عظمت اور فضیلت اور ان کے لئے سفر کرنے کی سعادت و خوش بختی کو ظاہر کرنا ہے یعنی آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلق نظریہ ہے کہ مسلمانوں کے ذہن میں یہ احساس پیدا ہونا چاہئے کہ اگر وہ سفر کرنا چاہتے ہیں تو پھر ان تینوں مساجد کی زیارت کے لئے سفر کریں کہ یہ مساجد سب سے زیادہ باعظمت و فضیلت اور متبرک ترین مقامات ہیں۔ ان کے علاوہ کسی دوسری جگہ کا سفر کرنا کوئی فلاح و سعادت کی بات نہیں ہے بلکہ بے فائدہ صعوبت و پریشانیوں کو برداشت کرنا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی مشہور معرکہ الآراء تصنیف حجۃ اللہ بالافقہ میں اس حدیث کی وضاحت کے دوران تحریر فرمایا ہے کہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کچھ مقامات کو اپنے گمان و خیال کے مطابق باعظمت و بابرکت تصور کر کے وہاں کا سفر کرتے تھے اور ان مقامات کی زیارت کرنے کو سعادت و برکت کے حصول کا ذریعہ جانتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح اپنے وہم و گمان

کے مطابق کسی جگہ اور مقام کو باعث برکت و فضیلت سمجھنا اور پھر خاص طور پر اس کی زیارت کے لئے وہاں جانا نہ صرف یہ کہ حقیقت سے انحراف اور عقیدہ اور ذہن و فکر کی کمزوری کی علامت ہے بلکہ فتنہ و فساد کا سبب بھی ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے عقیدہ و عمل کو راہ راست پر قائم رکھنے کی خاطر اس غلط طریقہ کو بند فرمادیا تاکہ اسلامی شعائر کے ساتھ غیر شعائر جمع نہ ہو جائیں اور یہ طریقہ غیر اللہ کی عبادت و پرستش کا سبب نہ بن جائے، چنانچہ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ مزارات اولیاء اللہ کی عبادت کرنے کی جگہیں یہاں تک کہ کوہ طور یہ سب اس سلسلہ میں برابر ہیں کہ خاص طور پر زیارت یا حصول برکت و سعادت کے جذبہ سے ان مقامات کا سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ يَتْنِي وَمَنْبَرِي زَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ وَمَنْبَرِي عَلَى حَوْضِي۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، میرے مکان اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض (یعنی حوض کوثر) کے اوپر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص میرے مکان اور (مسجد نبوی میں) میرے منبر کے درمیان واقع جگہ پر عبادت کرے گا تو اسے اس عظیم سعادت کے صلہ میں جنت کا ایک باغ ملے گا اور جو شخص میرے منبر کے نزدیک عبادت میں مشغول رہے گا تو قیامت کے دن وہ حوض کوثر سے سیراب ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی ہی پر محمول ہے کیونکہ روضہ کے معنی ٹکڑے کے ہیں لہذا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کے مکان و منبر کے درمیان کی جگہ وہ ٹکڑا ہے جو جنت سے زمین پر اس جگہ منتقل کیا گیا ہے اور یہ ٹکڑا زمین کے دوسرے حصوں کی طرح قیامت کے روز فنا نہیں ہوگا بلکہ جوں کا توں جنت میں واپس چلا جائے گا۔

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کے منبر اور حجرہ رسول کے درمیان کی جگہ کو روضہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس جگہ آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت کرنے والے، وہاں کے حاضریاش ملائکہ اور جن و انس ہمیشہ عبادت اور ذکر اللہ میں مشغول رہتے ہیں ایک جماعت جاتی ہے تو دوسری جماعت آجاتی ہے اس طرح لگاتار وہاں عبادت کرنے والوں کے آنے جانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے لہذا اس مناسبت سے اس جگہ کو روضہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے جیسا کہ ذکر کے حلقوں کو ریاض جنت فرمایا گیا ہے۔

⑥ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءَ كُلَّ سَبْتٍ مَا شِئْنَا وَرَأَيْنَا فَيُصَلِّي فِيهِ رَكَعَتَيْنِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ ہر سبت کو بیدل یا سواری پر مسجد قبا تشریف لے جاتے تھے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: قبا ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تین کوس کے فاصلہ پر واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کے وقت مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے قیام فرمایا تھا اور یہیں آپ ﷺ نے ایک مسجد بنائی تھی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد کی فضیلت بہت زیادہ ہے، چنانچہ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا یہ صحیح ارشاد منقول ہے کہ ”مسجد قبا میں نماز پڑھنا عمرہ ادا کر گئے کے مانند ہے۔“

جلیل القدر اور با عظمت صحابی حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں دو مرتبہ حاضری دینے سے زیادہ میں اسے پسند کرتا ہوں کہ مسجد قبا میں نماز پڑھوں اور اگر لوگ جان لیں کہ مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا کتنا ثواب ہے تو وہ پھر کی مصیبت، مشقت

جھیل کر دور دراز سے اس مسجد میں آنے لگیں۔

بہر حال۔ آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ ہر ہفتے کے روز مسجد قبا جاتے تھے اور اس میں دو رکعت تحیۃ المسجد یا کوئی دوسری نماز جو تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوتی ہوگی پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ کے اس مبارک عمل سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ہفتے کے روز علماء و صلحاء اور بزرگوں سے ملاقات کرنا سنت ہے۔

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَيَّ اللَّهُ مَسَاجِدُهَا وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَيَّ اللَّهُ أَسْوَاقُهَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، خدا کے نزدیک تمام شہروں میں محبوب و پسندیدہ مقامات مساجد ہیں اور بدترین و ناپسندیدہ مقامات بازار ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: مسجدیں خدا کی عبادت کرنے کی جگہ ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مساجد محبوب و پسندیدہ مقامات ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں ہوتا ہے خداوند قدوس اس پر اپنی رحمت کا سایہ کرتا ہے اور اسے خیر و بھلائی کی سعادت سے نوازتا ہے اس کے مقابلہ میں بازار وہ جگہ ہے جہاں شیطان کا سب سے زیادہ تسلط رہتا ہے۔ حرص و طمع، خیانت و بددیانتی، جھوٹ اور خدا کی یاد سے غفلت وہ چیزیں ہیں جو بازار کا جزو لاینفک اور شیطان کی خوشی کا ذریعہ ہیں۔ چنانچہ خدا کے نزدیک بازار بدترین و ناپسندیدہ مقامات ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی ناگزیر ضروریات کی تکمیل کے علاوہ محض سیر و تفریح کی غرض سے بازاروں میں رہتا ہے اس پر محرومی و برائی کا سایہ رہتا ہے اور وہ خدا کی رحمت سے دور ہوتا ہے۔

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ بت خانے، شراب خانے، اور چمکے وغیرہ تو بازار سے بھی بدترین ہیں پھر انہیں خدا کے نزدیک ناپسندیدہ اور مبغوض ترین مقامات کیوں نہیں کہا گیا ہے؟ بازار کو کیوں کہا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بازاروں کو قائم کرنے کا حکم شارع کی جانب سے ہے اور یہ چیزیں ایسی ہیں جن کو بنانے اور رکھنے کا حکم شارع کی جانب سے نہیں ہے لہذا ارشاد کا مطلب یہ ہے جن مقامات کو بنانا اور قائم رکھنا جائز ہے ان میں بدترین اور ناپسندیدہ مقام بازار ہے۔

⑤ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ يَتًا فِي الْجَنَّةِ۔ (تفصیل علیہ)

”اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص خدا کے لئے مسجد بناتا ہے تو خدا نے جنت میں جنت میں مکان بنا دیتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: خدا کے لئے مسجد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا حاصل کرنے کے لئے مسجد بناتا ہے، نہ کہ لوگوں کو دکھانے سنانے کے لئے اور اپنا نام پیدا کرنے کے لئے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس شخص کے لئے جنت میں مکان بنا دیتا ہے اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ جو شخص مسجد بنا کر اس پر اپنا نام لکھتا ہے تاکہ شہر کا ذریعہ بنے تو یہ اس کے عدم اخلاص کی دلیل ہے۔

لفظ مسجداً میں تنکیر (عمومیت) ثقیل کے لئے ہے۔ یعنی اگرچہ کوئی شخص مسجد بنتی ہی چھوٹی کیوں نہ بنائے اسے اس کا بدلہ اسی طرح دیا جائے گا۔ جس طرح کسی بڑی اور عالی شان مسجد بنانے والے کو۔ چنانچہ روایت میں یہ الفاظ ہیں اگرچہ وہ مسجد بڑی کے گھونسلہ کی مانند ہو۔

یہ مسجد کی تنگی و اختصار میں مبالغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تو نیت کو دیکھتا ہے اگر کوئی شخص دنیا کی شہرت اور نمائش کے جذبہ سے بالاتر ہو کر محض خدا کی رضا و خوشنودی کی غرض سے اور اپنی نیت کے پورے اخلاص کے ساتھ مسجد بناتا ہے تو وہ جنت میں خدا کی طرف سے ایک مکان کا حقدار ہوگا اگرچہ اس کی بنائی ہوئی مسجد تنگی چھوٹی اور مختصر کیوں نہ ہو۔

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُ نَزْلَةً مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا عَدَا أَوْ رَاحَ - (متفق عليه)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص دن کے اول حصہ میں یا آخری حصہ میں مسجد جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمان نوازی کا سامان تیار کرتا ہے خواہ وہ صبح کو جائے یا شام کو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسجد کو یا خدا کا گھر ہے چنانچہ جو شخص مسجد میں جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی زیارت کرنے والوں کی ضیافت کرتا ہے اور انہیں اپنی رحمت سے محروم نہیں رکھتا۔ مسجد میں جانے کی بہت سی نیتیں ہو سکتی ہیں ان میں سے ایک نیت یہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کی ابتداء میں حدیث انما الاعمال بالنیات کی تشریح کے ضمن میں نیت کے اس مسئلہ اور اس کی اقسام کو مفصل طریقہ سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

⑩ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْظُمِ النَّاسُ أَجْرًا فِي الصَّلَاةِ ابْعُدْهُمْ فَأَبْعُدْهُمْ مِمَّنْشَى وَالَّذِي يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْإِمَامِ اعْظُمِ أَجْرًا مِمَّنْ يَتَأَمَّرُ - (متفق عليه)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، نماز کا سب سے زیادہ اجر اس شخص کو ملتا ہے۔ جو باعتبار مسافت کے سب سے زیادہ دور ہو (یعنی جس شخص کا گھر مسجد سے جتنا دور ہو گا اور وہ گھر سے چل کر نماز کے لئے مسجد آئے گا اسے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا) اور جو شخص نماز کے انتظار میں مسجد کے اندر (بیٹھا) رہتا ہے تاکہ امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کا ثواب اس شخص سے زیادہ ہے جو (تنہا) اپنی نماز پڑھ کر سو جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نماز میں اس لئے تاخیر کرے کہ امام کے ساتھ نماز پڑھ سکے تو اسے اس شخص کے مقابلہ میں جو امام کا انتظار کئے بغیر تنہا نماز پڑھ کر سو جائے اگرچہ وہ وقت مختاری میں نماز کیوں نہ پڑھ لے زیادہ ثواب ملتا ہے اسی طرح ایک شخص تو وہ ہے جو چھوٹی اور مختصر جماعت کے ہمراہ نماز پڑھ لیتا ہے یا کسی امام کے ساتھ نماز ادا کر لیتا ہے جو درحقیقت امام بننے کا حق نہیں رکھتا اور دوسرا وہ شخص ہے جو انتظار کے بعد بڑی جماعت کے ہمراہ نماز پڑھتا ہے یا ایسے امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے جو امامت کا حق رکھتا ہے تو اس دوسرے شخص کو پہلے شخص کے مقابلہ میں خصوصاً جب وہ کسل و جلد بازی کے جذبہ سے ایسا کرتا ہے زیادہ ثواب ملے گا۔

⑪ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَلَّتِ الْبِقَاعُ حَوْلَ الْمَسْجِدِ فَأَرَادَ بَنُو سَلَمَةَ أَنْ يَنْتَقِلُوا قُرْبَ الْمَسْجِدِ فَلَبَّغَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمْ بَلِّغْنِي أَنْكُمْ تَرِيدُونَ أَنْ تَنْتَقِلُوا قُرْبَ الْمَسْجِدِ قَالُوا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ أَرَدْنَا ذَلِكَ فَقَالَ يَا بَنِي سَلَمَةَ دِيَارَكُمْ تَكْتُبُ أَثَارَكُمْ دِيَارَكُمْ تَكْتُبُ أَثَارَكُمْ - (رواه مسلم)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کے قریب کچھ مکان خالی ہوئے تو بنو سلمہ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ مسجد کے قریب آجائیں۔ سرور کائنات ﷺ کو جب ان کے اس ارادہ کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ رکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! ہم نے یہی ارادہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، بنو سلمہ! تم اپنے مکانوں ہی میں رہو تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: بنو سلمہ انصار مدینہ کا ایک خاندان ہے اس خاندان کے افراد مسجد نبوی سے دور رہتے تھے۔ جب مسجد نبوی کے قریب رہنے والوں میں سے کچھ لوگوں کا انتقال ہو جانے یا کسی دوسری جگہ چلے جانے کی وجہ سے ان کے مکانات خالی ہوئے تو بنو سلمہ نے مسجد نبوی کے قریب رہنے کا سعادت حاصل کرنے کی غرض سے ان خالی مکانات میں منتقل ہونے کا ارادہ کیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو ان کے اس ارادہ کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس وقت تم لوگ جہاں آباد ہو وہی جگہ سعادت و بھلائی کے اعتبار سے تمہارے لئے بہتر

ہے کیونکہ تم لوگ مسجد سے جتنا دور رہو گے مسجد آنے کے لئے تمہیں اتنا ہی چلنا پڑے گا اور نماز کے لئے تم جتنے زیادہ قدم اٹھاؤ گے تمہارے نامہ اعمال میں ان کے بدلے اتنا ہی ثواب لکھا جائے گا اس لئے بھلائی و بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی سابق جگہ آباد رہو۔

⑫ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ إِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابَتْ نَشَأُ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَغُودَ إِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّاهُ فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا ففَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، سات شخص ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس روز (یعنی قیامت کے دن) اپنے سایہ میں رکھے گا جس روز خدا کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ① انصاف کرنے والا حاکم۔ ② وہ جوان جو اپنی جوانی کو خدا کی محبت میں صرف کر دے۔ ③ وہ شخص جو مسجد سے نکلتا ہے تو جب تک وہ دوبارہ مسجد میں نہیں چلا جاتا اس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے۔ ④ وہ دو شخص جو محض خدا کے لئے آپس میں محبت رکھتے ہیں اگر یکجا ہوتے ہیں تو خدا کی عبادت میں اور جدا ہوتے ہیں تو خدا کی محبت میں یعنی حاضر و غائب خالص لوجہ اللہ محبت رکھتے ہیں۔ ⑤ وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرتا ہے اور (خوف خدا سے) اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ ⑥ وہ شخص جس کو کسی شریف النسب اور حسین عورت نے (برے ارادہ سے) بلایا ہو اور اس نے (اس کی خواہش کے جواب میں) کہہ دیا ہو کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ ⑦ وہ شخص جس نے اس طرح مخفی طور پر صدقہ دیا ہو کہ اس کے بایں ہاتھ کو بھی نہ معلوم ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہاں ان سات خوش نصیب اشخاص کی وضاحت کی گئی ہے جو اپنے اعمال و کردار کی بناء پر قیامت کے روز میدانِ حشر میں خدا کے سایہ میں ہوں گے یعنی خداوند قدوس ان اشخاص کو اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دے گا اور انہیں آخرت کی نغیتوں سے بچائے گا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ سایہ خداوندی سے مراد عرش کا سایہ ہے۔ یعنی قیامت کے روز جب کہ تمام لوگ پریشان و حیران ہوں گے تو یہ سات اشخاص عرش کے سایہ میں رحمت خداوندی کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوں گے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ساتواں شخص وہ جو خدا کی راہ میں اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال اتنی پوشیدگی سے خرچ کرتا ہے کہ جب وہ اپنے دائیں طرف کے آدمی کو کوئی چیز یعنی روپیہ پیسہ یا مال وغیرہ دیتا ہے تو اس کے بایں طرف بیٹھے ہوئے آدمی کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی اور اس طرح اس کے چھپانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کہیں ریا اور نمائش کا جذبہ نہ پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے ثواب سے محرومی رہے۔

بعض علماء نے اس کے حقیقی معنی ہی مراد لئے ہیں یعنی وہ شخص اتنے مخفی طریقہ سے صدقہ و خیرات کرتا ہے کہ اس کے بایں ہاتھ کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ دائیں ہاتھ نے کس کو کیا دیا ہے؟ اس صورت میں یہ جملہ کمال پوشیدگی کے لئے کنایہ ہوگا۔

⑬ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تَضَعُفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي نَسْفِهِ خَمْسًا وَعِشْرِينَ ضِعْفًا وَذَلِكَ أَنَّهُ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا ذِرَّةٌ وَحُطَّتْ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اللَّهُمَّ أَزْهِمَهُ وَلَا يَزَالْ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انتَظَرَ الصَّلَاةَ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَتْ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ وَزَادَ فِي دُعَاءِ الْمَلَائِكَةِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللَّهُمَّ ثَبِّتْ عَلَيْهِ مَالَهُ يُؤْذِيهِ مَالَهُ يُحْدِثُ فِيهِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جماعت کے ساتھ آدمی کی نماز اس نماز سے جو گھر میں یا (تجارت وغیرہ کی مشغولیت کی بناء پر بازار میں پڑھی جائے) پچیس درجہ فضیلت رکھتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اچھی طرح (یعنی آداب و

شرائط کو ملحوظ رکھ کر وضو کرتا ہے اور کسی غرض کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف نماز ہی کے لئے مسجد آتا ہے تو وہ جو قدم اٹھاتا ہے اس کے ہر قدم کے عوض اس کے ثواب میں ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ کم ہو جاتا ہے (یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے) اور جب تک وہ نماز پڑھ کر اپنے مصلے پر بیٹھا رہتا ہے فرشتے برابر اس کے لئے یہ دعا کرتے رہتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ اَللّٰهُمَّ اَزْ حَقِّهِ اے اللہ! اس کی بخشش کر! اے اللہ! اس پر رحم کر، جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں رہتا ہے تو اس کا وہ وقت نماز ہی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب کوئی مسجد میں گیا اور نماز ہی کی وجہ سے وہاں رک گیا (تو گویا وہ نماز ہی میں ہے) اور فرشتوں کی دعا میں یہ الفاظ زیادہ ہیں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ تَبَّ عَلَیْهِ (یعنی اے اللہ! اس بندہ کی بخشش فرما، اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما) اور (یہ اس وقت تک ہوتا رہتا ہے) جب تک کہ وہ کسی (مسلمان) کو (اپنی زبان یا ہاتھ سے) ایذا نہ پہنچائے اور با وضو رہے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پچیس درجہ زیادہ ثواب کی فضیلت اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ نماز باجماعت کے ساتھ اور مسجد میں پڑھی جائے۔ حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے نماز ہی کے حق میں خدا کی رحمت و برکت کی دعا اس وقت تک کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ مسلمان کو اپنے کسی عمل یا اپنے کسی قول سے ایذا نہیں پہنچاتا۔ گویا فرشتوں کے دعا کرنے کے حق میں یہ حدیث معنوی ہے۔ اس کے بعد حدیث ظاہری کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب تک نماز با وضو رہے یعنی اگر کوئی نماز کسی مسلمان کو ایذا پہنچائے گا یا اس کا وضو ٹوٹ جائے گا تو فرشتے اس کے لئے رحمت و برکت اور مغفرت کی دعا نہیں کریں گے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں کی دعا کی فضیلت اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ نماز نماز پڑھ کر وہیں مصلیٰ پر بیٹھا ہے اگر وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ جا بیٹھے گا تو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

بعض مشائخ اور بزرگ نماز پڑھ کر ریاء و نمائش وغیرہ کے خوف سے مصلیٰ سے اٹھ جاتے ہیں اور کسی گوشہ وغیرہ میں بیٹھ کر ذکر و تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں، گو ان کی نیت صحیح اور ان کا یہ طریقہ قابل جزاء و انعام ہے کہ انہیں ذکر و تسبیح کی فضیلت حاصل ہوتی ہے مگر نماز پڑھ کر مصلیٰ ہی پر بیٹھے رہنے کی جو فضیلت ہے وہ انہیں حاصل نہیں ہوتی۔

(۱۴) وَعَنْ أَبِي أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابواسیدؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو۔ تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ (اے اللہ! اپنی رحمت کے دروازے میرے لئے کھول دے) اور جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ (اے اللہ! میں تیرا ہی فضل چاہتا ہوں)۔“ (مسلم)

تشریح: پہلی دعا کا مطلب تو یہ ہے کہ اے اللہ! اس مقدس و محترم جگہ کی برکت سے یا اس مسجد میں نماز پڑھنے کی توفیق دینے کے سبب سے یا نماز کے حقائق ظاہر کرنے کے سبب سے مجھ پر اپنی رحمتوں، اپنی نوازشوں اور اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دے۔ دوسری دعا میں ”فضل“ سے مراد حلال رزق ہے کیونکہ نماز سے فارغ ہو کر بندہ اسباب مطہشت ہی کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔

(۱۵) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رُكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ۔ (متفق علیہ)

۱۔ حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ کے صاحبزادے اور ساعدی انصاری ہیں، بدری صحابہ میں شامل اور سب سے بعد میں ۶۰ھ میں بصرہ ۷۸ سال وفات پائی ۱۲۔

”اور حضرت ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی دلیل ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ تحیۃ المسجد یعنی مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے اس لئے کہ اس حدیث میں امر و وجوب کے لئے ہے۔ خفیہ کے نزدیک چونکہ تحیۃ المسجد واجب نہیں مستحب ہے اس لئے وہ حضرات کہتے ہیں کہ یہاں امر (حکم) وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے۔

(۱۶) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدُمُ مِنْ سَفَرٍ إِلَّا نَهَارًا فِي الصُّحَىٰ فَإِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّىٰ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيهِ۔ (تفق علیہ)

”اور حضرت کعب ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ (کی عادت تھی کہ) جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو چاشت کے وقت آتے اور سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھ کر (تھوڑی دیر تک) بیٹھے رہتے۔ (پھر مکان میں تشریف لے جاتے)“ (بخاری و مسلم)

تشریح: سفر سے واپسی کے بعد آپ ﷺ مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر وہاں تھوڑی دیر تک اس لئے بیٹھے رہتے تھے تاکہ وہ صحابہ کرام جو آپ ﷺ کی عدم موجودگی کی وجہ سے آپ ﷺ کی صحبت سے محروم رہتے تھے۔ اس موقع پر آپ ﷺ سے شرف ملاقات اور آپ ﷺ کی خدمت کی سعادت حاصل کر سکیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ سفر سے واپس آکر گھر جانے سے پہلے اول مسجد میں آکر نماز پڑھے اور تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھا رہے۔

(۱۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَتَشَدَّدُ صَلَاةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيُفْلِلْ لِأَرَدَهَا اللَّهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهَذَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص یہ سنے (یاد کیجئے) کہ کوئی شخص مسجد میں اپنی کوئی گم شدہ چیز تلاش کر رہا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ خدا کرے تیری گم شدہ چیز تجھے نہ ملے۔ اس لئے کہ مسجدوں کو اس لئے نہیں بنایا گیا ہے (کہ ان میں جا کر گم شدہ چیزوں کو تلاش یا دریافت کیا جائے)۔“ (مسلم)

تشریح: اس سلسلہ میں بظاہر تو مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر یہ کلمات اس شخص کی تنبیہ و توجیح کے لئے صرف زبان سے ادا کئے جائیں دل سے بددعا نہ کی جائے اور نہ درحقیقت یہ خواہش ہو کہ ایک مسلمان کی گمشدہ چیز اسے واپس نہ ملے۔ اور اگر کوئی شخص درحقیقت دلی خواہش یہی رکھتا ہے کہ ایسے شخص کو اس کی گم شدہ چیز نہ ملے تاکہ آئندہ کے لئے اسے عبرت ہو اور اپنے اس نامناسب فعل کی سزا پائے اور یہ کہ پھر آئندہ وہ ایسی حرکت نہ کرنے پائے تو ایک حد تک یہ بھی صحیح ہوگا۔

اس سلسلہ میں مسجد کی عظمت و تقدس کا تقاضا تو یہ ہے کہ صرف گم شدہ چیز تلاش کرنے ہی کی تخصیص نہیں بلکہ ہر وہ چیز ممنوع ہے جس کو اختیار کرنا مسجد کی بناء و غرض کے منافی ہو جیسے خرید و فروخت وغیرہ۔ چنانچہ عہد سلف کے بعض علماء اسی بناء پر کہ مسجدیں صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے ہیں اور کسی مقصد کی تکمیل کے لئے نہیں مسجد میں کسی سال کو صدقہ وغیرہ دینا بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

(۱۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُتَنَبِّئَةِ فَلَا يَقْرُبَنَّ مَسْجِدَنَا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذَّى مِنْهَا يَتَأَذَّى مِنْهُ الْإِنْسُ۔ (تفق علیہ)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص کہ اس بدبودار درخت (یعنی پیاز، لہسن وغیرہ) میں سے کچھ کھائے تو

ہمارے مسجد کے قریب بھی نہ آئے کیونکہ جس (بدبو) سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح بدبودار چیزوں سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح فرشتے بھی ان سے تکلیف محسوس کرتے ہیں لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ پیاز و لہسن وغیرہ کھا کر مسجدوں میں نہ آئیں کیونکہ مسجد میں فرشتوں کے حاضر ہونے کی جگہیں ہیں اس لئے انہیں تکلیف ہوگی اس حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو بدبودار ہو اس کا تعلق خواہ کھانے پینے سے ہو یا رہن سہن سے مثلاً منہ غلاظت و بدبو، بغل وغیرہ کی گندگی و تعفن وغیرہ وغیرہ۔ پھر مسجد ہی کی طرح ان دوسری جگہوں کا بھی یہی حکم ہے جہاں مجالس عبادت و وعظ منعقد ہوتی ہوں یا جہاں قرآن و حدیث کی تعلیم ہوتی ہو یا جہاں ذکر و تسبیح کے حلقے ہوتے ہوں کہ ان مقامات پر بھی بدبودار چیزوں کے ہمراہ نہ جانا چاہئے۔

(۱۹) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبُزْأُ فِي الْمَسْجِدِ حَظِيئَةٌ وَكَفَّارُ نَهْأٍ دَفْنُهَا - (تفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس تھوک کو زمین میں دبا دیا جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مسجد کے تقدس و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں تھوک کر گندگی و غلاظت نہ پھیلائی جائے اور اگر اتفاقاً ایسی غلطی کا ارتکاب ہو جائے تو اس گناہ کے دفعیہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس تھوک کو زمین دوز کے اسے دور کر دیا جائے۔

(۲۰) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَرَضْتُ عَلَى أَعْمَالِ أُمْتِي حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا الْأَذَى يُعَاطَى عَنِ الطَّرِيقِ وَوَجَدْتُ فِي مَسَاوِي أَعْمَالِهَا الشُّخَاعَةَ تَكُونُ فِي الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ذرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ میرے سامنے میری امت کے اچھے برے اعمال پیش کئے گئے میں نے اس کے نیک اعمال میں تو راستہ سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کر دینا پایا اور برے اعمال میں مسجد کے اندر تھوکنا دیکھا جس کو دبایا نہ گیا ہو۔“ (مسلم)

(۲۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَبْصُقُ أَمَامَهُ فَإِنَّمَا يَسَاجِرُ اللَّهَ مَا دَامَ فِي مَصَلَاةٍ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ فَإِنْ عَنْ يَمِينِهِ مَلَكًا وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ فَيَدْفِنُهَا - وَفِي رِوَايَةِ أَبِي سَعِيدٍ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى - (تفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے اس لئے کہ وہ جب تک نماز کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات (سرگوشی) کرتا ہے اور اسے اپنے دائیں طرف بھی نہ تھوکنا چاہئے کیونکہ دائیں طرف ایک فرشتہ ہوتا ہے ہاں بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوک لے اور پھر اسے زمین میں دبا دے۔ ابو سعید کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بلکہ اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوک لے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں نمازی کو اس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہو کر اس سے سرگوشی کرتا ہے لہذا جس طرح اس موقع پر وہ شخص اپنے مالک کی عزت و احترام کے تمام آداب کو ملحوظ رکھتا ہے اسی طرح نمازی کے لئے بھی واجب ہے کہ جب وہ اپنے پروردگار حقیقی کے سامنے نماز کے لئے کھڑا ہو تو حضوری کے تمام شرائط و آداب کا پورا پورا خیال رکھے۔ اور اس سلسلہ میں ایک اہم ادب یہ ہے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے، گو خداوند قدوس کی ذات پاک جہت و سمعت کی قیود سے پاک ہے تاہم سامنے نہ تھوکے کی قید لگا کر

آداب حضوری کے راستہ سے روشناس کرایا جا رہا ہے کہ پروردگار عالم کے دربار میں حاضری کے وقت ایسا کوئی طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔
جورب و زوالجلال کی شان عظمت و کبریائی کے منافی ہو۔

”فرشتہ“ سے مراد یا کرائٹا کاتبین کے علاوہ وہ فرشتہ ہے جو خاص طور پر نماز کے وقت نمازی کی تائید اور اس کی رہبری اور اس کی دعا پر آمین کہنے کے لئے حاضر ہوتا ہے، لہذا نمازی پر واجب ہے کہ اس فرشتے کی مہمانی کا خیال کرتے ہوئے کرائٹا کاتبین سے زیادہ اس کا اکرام و احترام کرے کیونکہ کرائٹا کاتبین تو ہر وقت ہی ساتھ رہتے ہیں اور اس کے اکرام و احترام کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ دوران نماز اپنی دائیں طرف نہ تھوکے کہ یہ فرشتہ اسی سمت رہتا ہے۔

یا پھر ”فرشتہ“ سے مراد کرائٹا کاتبین ہے کہ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے صرف دائیں طرف تھوکنے سے اس لئے منع فرمایا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ دائیں طرف کا فرشتہ جو بندہ کے نیک اعمال لکھنے پر مقرر ہے بائیں طرف کے فرشتہ سے جو بندہ کے برے اعمال لکھنے پر متعین ہے رتبہ کے اعتبار سے زیادہ افضل ہے جس طرح کہ دائیں سمت بائیں سمت سے افضل ہوتی ہے یا رحمت کا فرشتہ عذاب کے فرشتہ سے زیادہ افضل ہوتا ہے۔

(۲۲) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے اس بیماری میں جس سے اٹھ نہ سکے (یعنی مرض وفات میں) فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: سرکار دو عالم ﷺ کا بیاناں حیات جب لبریز ہونے لگا اور آپ ﷺ کو یقین ہو گیا کہ اب اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آگیا ہے تو آپ ﷺ نے اس خوف سے کہ مبادا میری امت کے لوگ بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنائیں اس فعل شنیع کی ممانعت کا اظہار یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ ان امتوں کے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں پر سجدہ کیا کرتے ہیں۔

قبروں کو سجدہ گاہ بنانا دو طریقوں سے ہوتا ہے ایک تو یہ کہ صاحب قبر یا محض اپنی قبر کی عبادت و پرستش کے مقصد سے قبروں پر سجدہ کیا جائے جیسا کہ بت پرست بتوں کو پوجتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سجدہ تو قبر کو کیا جائے مگر اس سے مقصد خدا تعالیٰ ہی کی عبادت و پرستش ہو اور یہ اعتقاد ہو کہ اس طرح قبر کی طرف نماز پڑھنا اور سجدہ کرنا درحقیقت پروردگار تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے اور یہ کہ اس طریقہ سے پروردگار کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور اس کا قرب میسر ہوتا ہے۔ یہ دونوں طریقے غیر مشروع اور خدا و رسول کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں۔ پہلا طریقہ تو صریحاً کفر و شرک ہے۔ دوسرا طریقہ بھی حرام ہے کیونکہ اس میں خدا کی پرستش و عبادت میں دوسرے کو شریک کرنا لازم آتا ہے اگرچہ شرک خفی ہے یہ دونوں طریقے خدا کی لعنت کا سبب ہیں۔

یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ نبی کی قبر یا کسی بزرگ ولی کی قبر کی طرف ازراہ بزرگ و عظیم نماز پڑھنا حرام ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۲۳) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَمَوَاطِئَ مَسَاجِدَ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جندبؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ آگاہ رہو! تم سے پہلے (یعنی دوسری امتوں کے) لوگوں نے اپنے انبیاء اور اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ لہذا خبردار! تم لوگ قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔“ (مسلم)

(۲۴) وَعَنْ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا هَاقِبُورًا۔

(تفصیل)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ تم کچھ نمازیں اپنے گھروں میں بھی پڑھ لیا کرو اور گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: ”گھروں کو قبریں نہ بنانے“ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں میں قبریں نہ بناؤ اور اپنے کسی مردہ کو گھر کے اندر دفن نہ کر دیا کرو اس سے یہ مراد ہے کہ قبروں کو گھڑکی مانند نہ سمجھو یعنی جس طرح کسی حاجت و ضرورت کے وقت لوگ اپنے گھروں ہی کا رخ کرتے ہیں تاکہ اس حاجت و ضرورت کو پوری کر سکیں۔ اسی طرح اگر کسی کو کوئی حاجت و ضرورت درپیش ہو تو وہ قبروں پر دوڑا ہوا نہ چلا جائے اور صاحب قبر سے مرادیں نہ مانگنے لگے بلکہ جب کوئی حاجت و ضرورت درپیش ہو تو خدا ہی سے مانگے اور اسی کے سامنے دست سوال دراز کرے کہ سب اسی کے محتاج ہیں یہاں تک کہ جس پیرو صاحب قبر کو حاجت روا اور مرادیں پوری کرنے والا سمجھا جاتا ہے وہ بھی خدا ہی کے رحم و کرم اور اس کے فضل کا محتاج ہے۔ یا پھر اس سے یہ مراد ہے کہ جس طرح مقبروں میں نماز نہیں پڑھی جاتی اسی طرح اپنے گھروں کو بھی بے ذکر الہی نہ چھوڑو بلکہ اپنے گھروں میں بھی نمازیں پڑھا کر و تاکہ نماز اور ذکر الہی کی برکت سے گھر میں رحمت خداوندی کا نزول ہو۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ سوائے فرض نماز کے سنت و نوافل وغیرہ مسجد کی بہ نسبت گھروں میں پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

الفصل الثانی

(۲۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قَبِيلَةٌ۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث کا تعلق مدینہ منورہ کے باشندوں سے ہے کیونکہ مدینہ منورہ سے قبلہ جانب جنوب واقع ہے نیز اس حدیث کا تعلق ان اطراف کے لوگوں سے بھی ہے جن کا قبلہ مدینہ کے موافق جانب جنوب واقع ہے لہذا اس اعتبار سے ان لوگوں کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہوا۔

(۲۶) وَعَنْ ظَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ خَرَجْنَا وَفَدَّا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَاحْتَبَزْنَاهُ أَنْ بَارِزَنَا يَبْعَةً لَنَا فَاسْتَوْهَنَاهُ مِنْ فَضْلِ طَهُورِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وَتَمَضَّمْضَمَضَ ثُمَّ صَبَّهَ لَنَا فِي إِدَاوَةٍ وَأَمَرَنَا فَقَالَ اخْرُجُوا فَإِذَا أَتَيْتُمْ أَرْضَكُمْ فَاكْسِرُوا بَيْعَتَكُمْ وَانْصَحُوا مَكَانَهَا بِهَذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوا هَاقِبُورًا مَسْجِدًا قُلْنَا إِنَّ الْبَلَدَ بَعِيدٌ وَالْحَرَّ شَدِيدٌ وَالْمَاءُ يَنْشَفُ فَقَالَ مَدُّوهُ مِنَ الْمَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُهُ إِلَّا طَيِّبًا۔ (رواہ النسائي)

”اور حضرت طلق بن علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک جماعت کی شکل میں سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم سب نے آپ ﷺ سے (اسلام کی) بیعت کر کے آپ ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی اور پھر یہ بھی عرض کر دیا کہ ہماری سرزمین پر ہمارا ایک گرجا بنا ہوا ہے (اس کو کیا کریں؟) اس کے بعد ہم نے آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی مانگا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور وضو کیا اور (وضو کے بعد بقیہ پانی سے) کھلی کی اور اس کھلی کا پانی ہماری چھال میں ڈال دیا اور فرمایا کہ جاؤ اور جب تم اپنے ملک میں پہنچو تو اس گرجے کو توڑ کر اس کی جگہ یہ پانی چھڑک دینا (تاکہ دین و اسلام کے انوار و برکات وہاں پھیل جائیں) اور پھر وہاں مسجد بنالینا۔ ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر تو بہت دور ہے اور گرمی سخت ہے لہذا یہ پانی (وہاں پہنچنے پہنچتے) خشک ہو جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس میں اور پانی ملا لینا اس سے اس کی پاکیزگی و برکت ہی میں اضافہ ہوگا۔“ (نسائی)

تشریح: ”بیعة“ نصاریٰ کے عبادت خانہ کو کہتے ہیں جسے ہمارے یہاں گرجا کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تھے نصاریٰ قوم سے تھے چنانچہ جب یہ لوگ ایمان و اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہو گئے تو ان کی خواہش ہوئی کہ اپنے گرجا کو جو پہلے مذہب کی یادگار عبادت گاہ ہے تو زڈالیں اور اس جگہ برکت حاصل کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے وضو کا بچا ہو اوحان مقدس سے نکلا ہوا متبرک پانی چھڑک ڈالیں تاکہ اس جگہ ایک دوسرے مذہب کی عبادت گاہ ہونے کی وجہ سے وہاں کفر و شرک کے جو جرائم پیدا ہو گئے ہیں وہ اس پانی کی برکت سے ختم ہو جائیں اور وہاں دین اسلام کے فیوض و برکات پھیل جائیں۔ چنانچہ لفظ فاستوہبناہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر دھوپ و گرمی کی شدت اور طویل مسافت کی وجہ سے یہ پانی خشک ہونے لگے اور تمہیں اس بات کا خدشہ ہو کہ منزل مقصود تک پہنچتے پہنچتے پانی بالکل ہی خشک ہو جائے گا تو اس پانی میں دوسرا پانی ملا لینا لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ اور پانی ملا لینے سے اس پانی کی برکت و فضیلت ختم ہو گئی ہے یا کم ہو گئی ہے بلکہ یہ تو پہلا پانی جو چھاگل میں تھا بعد میں ڈالے جانے والے اس پانی میں خیر و برکت کی زیادتی کرے گا یا پھر بعد میں ڈالے جانے والے اس دوسرے پانی میں مناجات اللہ یہ شرف و فضیلت پیدا ہو جائے گی کہ اس پانی کی وجہ سے چھاگل میں موجود پہلے پانی میں مزید خیر و برکت ہو جائے گی اور حاصل یہ کہ مزید پانی ملا لینے سے خیر و برکت زیادہ ہی ہوگی کم نہ ہوگی یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آب زم زم کو باعث خیر و برکت جاننا اور پھر اسے بطور تبرک دوسری جگہ لے جانا جائز ہے۔

نیز اس پر قیاس کیا جاتا ہے کہ علماء و مشائخ اور اولیاء اللہ کے جھوٹے کھانے اور پانی یا ان کے بدن کے اترے ہوئے کپڑوں کو خیر و برکت کا باعث جاننا اور انہیں متبرک سمجھ کر استعمال کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں حدود شرع سے تجاوز نہ ہو یعنی ان چیزوں کو متبرک و مقدس سمجھ کر ان کی حدیث سے زیادہ تعظیم و تکریم یا نعوذ باللہ ان کی پرستش نہ ہونے لگے۔

(۲۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِي الدُّورِ وَأَنْ يُنْظَفَ وَيُطَيَّبَ۔

(رواہ ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے محلوں میں مسجد بنانے کا حکم فرمایا ہے اور یہ کہ (وہ مسجدیں) پاک و صاف رکھی جائیں اور ان میں خوشبوئیں رکھی جائیں۔“ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محلوں میں مسجدیں بنانا اشد ضروری ہیں کیونکہ مسجدوں کا قیام نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی دینی و مذہبی حیثیت اور قوی و ملی بیداری کا ثبوت ہے بلکہ ان کی وجہ سے اہل محلہ پر خدا کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ مسجدوں کو محض بنا ڈالنا ہی ایمانی حرارت اور دینی و مذہبی بیداری کا ثبوت نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ مسجدوں کو آباد بھی رکھا جائے۔ وہاں کسی قسم کی کوئی غلاظت و گندگی نہ ڈالی جائے اور نہ وہاں رہنے دی جائے اور اگر جی وغیرہ خوشبوؤں کے ذریعہ انہیں معطر رکھا جائے۔ اور اگر ان چیزوں کے کرنے کے وقت اس مقدس و محترم جگہ کی تعظیم و تکریم کی نیت کی جائے اور یہ نیت بھی کی جائے کہ پاک و صفائی اور خوشبو کی وجہ سے مسجد میں آنے والے فرشتے اور مسلمان بھائی خوش ہوں گے تو ثواب میں بہت زیادتی ہوگی۔

(۲۸) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَمْزَتْ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ

لَتَرْخِفَنَّهَا كَمَا رَخِفَتْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ مجھ کو مسجدوں کے بلند کرنے اور آراستہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جس طرح یہود و نصاریٰ (اپنے عبادت خانوں کی) زینت کرتے ہیں اسی طرح تم بھی (مساجد کی) زینت کرو

گے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: زخرف کہتے ہیں علما کا اور کسی چیز کی کمال خوبی کو حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں نقش و نگار کریں گے اور ان کے در و دیوار پر سونا چڑھائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول آنحضرت ﷺ کے بعد حسب عادت، انسانی لوگوں کے افعال کی خبر دینے کے مترادف ہے یعنی آئندہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو مسجدوں کو نقش و مزیں کریں گے، اور ان کے در و دیوار پر سونا چڑھائیں گے حالانکہ ان کا یہ طریقہ خلاف سنت ہو گا کیونکہ اسلام کی سادگی پسند فطرت اس قسم کی چیزوں کی تحمل نہیں ہوسکتی۔ دوسرے یہ کہ اس طریقہ سے یہود و نصاریٰ کی مشابہت ہوتی ہے۔

متاخرین علماء نے مساجد کی زیب و زینت اور ان میں نقش و نگار کی اجازت دی ہے اور کہا ہے کہ لوگ اپنے مکانوں کو بلند و مطلق بناتے ہیں اور انہیں نقش و مزیں کرتے ہیں اگر مسلمان اپنی مسجدوں کو لکڑی و مٹی سے بالکل سادہ بنائیں تو ہو سکتا ہے کہ عوام کی نظروں میں ان کی وقعت و عظمت نہ ہو اس لئے مسجدوں کو ایسے ڈھنگ سے بنانے کی اجازت دے دی گئی ہے جو موجودہ زمانہ کے معیار پر درج و معترم سمجھی جائیں۔

مسجد نبوی زمانہ رسول اللہ ﷺ بالکل سادہ اور کچی تھی دیواریں اینٹوں کی اور چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی اور اس کے ستون کھجور کی لکڑی کے تھے، پھر جب حضرت عمرؓ نے اس کو دوبارہ بنوایا تو انہوں نے بھی اسی طرح مسجد کو سادہ رکھا۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دور خلافت میں اس مسجد کو از سر نو نئے طرز پر تعمیر کروایا چنانچہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ مسجد کو وسیع تر بنادیا بلکہ اس کی دیواروں میں نقش پتھر اور چھت میں سال استعمال کیا اس طرح مسجد نبوی آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے مقابلہ میں بہت بڑی اور خوبصورت ہو گئی۔

(۲۹) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ۔

(رواہ ابوداؤد، والنسائی و الدارمی وابن ماجہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ مساجد کے بارہ میں فخر کیا کریں گے۔“ (ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرب قیامت میں لوگ بڑی بڑی مسجدیں بنائیں گے اور انہیں آراستہ کریں گے اور اس سے ان لوگوں کا مقصد خدا کی رضا و خوشنودی اور ان کی نیت خالصۃ اللہ نہیں ہوگی بلکہ ان کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ بڑے فخر و مباہات کے ساتھ اپنے اس کارنامے کو دنیا کے سامنے پیش کر سکیں اور دنیا والے ان کی تعریف و بڑائی میں زمین و آسمان کی قلابے ملا دیں۔

(۳۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ أَجُوزُ أُمَّتِي حَتَّى الْقَدَافَةُ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَعُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوبُ أُمَّتِي فَلَمْ أَرِ ذَنْبًا أَعْظَمَ مِنْ سُورَةِ مِنَ الْقُرْآنِ أَوْ آيَةٍ أَوْ نَبِيٍّ رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ میری امت کے ثواب میرے سامنے پیش کئے گئے۔ یہاں تک کہ اس کو زے اور خاک کا ثواب بھی (پیش کیا گیا) جسے کسی آدمی نے مسجد سے (جھاڑ دے کر نکالا ہو، نیز میرے سامنے میری امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے۔ ان گناہوں میں مجھ کو اس سے بڑا کوئی گناہ نظر نہیں آیا کہ کسی کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد ہو پھر اس نے اس کو بھلا دیا

ہو۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: کسی کو قرآن کی سورت یا آیت کا یاد ہو جانا خدا کی بڑی نعمت ہے اور جس نے یاد کر کے اسے بھلا دیا گویا اس شخص نے اس نعمت کی سخت بے قدری و ناشکری کی اور اس کی قدر نہ جانی لہذا ایسا شخص سخت گناہ گار ہوگا۔

(۳۱) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشِّرِ الْمَشَائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ النَّامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ زَوَاهِ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَأَنَسٍ -

”اور حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جو لوگ اندھیرے میں مسجدوں کی طرف جاتے ہیں انہیں یہ خوشخبری پہنچا دو کہ قیامت کے دن (اس کے سبب سے) ان کو کامل روشنی نصیب ہوگی۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس ارشاد گرامی میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَيَا أَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا آتِنَا نُورًا۔ (التحریم ۶۶: ۸)

”ان کا نور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا (اور) یوں دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے اس نور کو اخیر تک رکھے۔“

(۳۲) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ -

(رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارقطنی)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم کسی شخص کو مسجد کی خبر گیری کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے۔ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اللہ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم اگر کسی ایسے شخص کو دیکھو جو اللہ کے گھر کی خبر گیری کرتا ہو یعنی اس کی حفاظت و مرمت کرتا ہے اس میں جھار و وغیرہ دے کر اس کی صفائی و ستھرائی رکھتا ہے اس میں نماز پڑھتا ہے اور عبادت کرتا ہے اور اس میں دینی علوم کے درس و تدریس میں مشغول رہتا ہے تو تم اس کے حق میں گواہی دو کہ وہ مرد مؤمن اور خدا و رسول کا اطاعت شعار و فرمانبردار بندہ ہے۔

(۳۳) وَعَنْ عَثْمَانَ بْنِ مِظْعُونٍ قَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ ائْذَنْ لَنَا فِي الْإِخْتِصَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصَصِي وَلَا أَخْتَصِي إِنْ خِصَّاءُ أُمَّتِي الصِّيَامُ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِي السِّيَاحَةِ فَقَالَ إِنْ سِيَاحَةُ أُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِي التَّرَهُّبِ فَقَالَ إِنْ تَرَهَّبَ أُمَّتِي الْخُلُوسُ فِي الْمَسَاجِدِ أَنْتَظَارَ الصَّلَاةِ - (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت عثمانؓ ابن مظعونؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھ کو خصی (نامرد) ہونے کی اجازت دیجئے (تاکہ زنا میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ رہے) آپ ﷺ نے فرمایا۔ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہماری امت کے راستہ سے ہٹا ہوا ہے) جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی ہو جائے (بلکہ) میری امت کے لئے خصی ہونا روزہ رکھنا ہے (کیونکہ روزہ رکھنے سے شہوت جاتی رہتی ہے) حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ پھر مجھے سیر و سیاحت کی اجازت عنایت فرمائی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میری امت کی سیاحت یہی ہے کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کیا جائے۔ انہوں نے پھر عرض کیا کہ اچھا تو پھر مجھے راہب بننے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کا راہب بننا یہی ہے کہ مسجدوں میں نمازوں کے انتظار میں بیٹھا جائے۔“ (شرح السنہ)

تشریح: حضرت عثمانؓ ابن مظعونؓ کی خواہش یہ تھی کہ وہ ایسے طریقے اختیار کریں کہ جس سے دنیا کی لذتوں، نفسانی خواہشات اور شیطانی حرکات میں نہ مبتلا ہو سکیں تاکہ خدا کی رضا و خوشنودی حاصل ہو، چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس بات کی

لے آگم گرامی عثمان بن مظعون اور کنیت ابوساب ہے۔ طویل القدر صحابی اور چودھویں مرد مسلمان ہیں۔ ہجرت حبشہ میں وہ اور ان کے صاحبزادے سائبؓ شامل تھے اور ہجرت مدینہ میں شریک ہوئے مہاجرین میں سے پہلے صحابی ہیں جنہوں نے مدینہ میں ۲۷ وفات پائی، آنحضرتؐ نے آپ کی نعش کو بوسہ دیا تھا۔

اجازت طلب کی کہ وہ اپنی قوتِ مردی کو ختم کر کے بالکل نامرد بن جائیں تاکہ زنا جیسے بڑے گناہ میں ملوث ہونے کا خدشہ نہ رہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی اس خواہش کو انسانی فطرت اور اسلامی روح کے منافی سمجھتے ہوئے انہیں اس فعل سے باز رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تم یہی چاہتے ہو کہ نفسانی خواہشات ختم ہو جائیں اور روحانی و عرفانی جذبات غالب رہیں تو اس کا آسان علاج یہ ہے کہ روزہ رکھا کرو کیونکہ روزہ شہوت کو ختم کرتا ہے اور تعلق مع اللہ کے جذبات کو جلا بخشتا ہے۔ پھر انہوں نے سیر و سیاحت کی اجازت طلب کی تاکہ اس مشغلہ سے نفسانی خواہشات میں کمی آجائے۔ آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ کیونکہ زمین پر گھومنا پھرنا اور دور دراز کا سفر اختیار کرنا صرف جہاد فی سبیل اللہ میں مطلوب و محمود ہے، محض سیر و سیاحت کی خاطر خواہ خواہ دنیا کے چکر کاٹنا جیسا کہ بعض فقیر قسم کے لوگ کرتے ہیں کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے کوئی اخروی منفعت و بھلائی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے راہب بن جانے کی خواہش ظاہر کی جیسا کہ اہل کتاب میں وہ لوگ جو دیندار اور مذہبی قسم کے ہوتے ہیں دنیاوی علاقے سے گوشہ نشینی اختیار کر لیتے ہیں اور دنیا کی تمام لذتوں اور مشغولیات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ نہ عورتوں کے پاس جاتے ہیں اور نہ دوسرے لوگوں سے ملتے جلتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی اس خواہش کو بھی رد کر دیا کیونکہ رہبانیت اہل کتاب کا شیوہ ہے یہ اسلام کی تعلیمات اور اسلام کی فطرت کے بالکل منافی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہماری امت میں رہبانیت صرف اسی قدر ہے کہ مسجدوں میں نمازوں کے انتظار میں بیٹھا جائے کیونکہ اس طرح تمام لوگوں اور دنیا کی تمام چیزوں سے منہ پھیر کر پروردگار کی طرف توجہ ہوتی ہے اور اس پر بے شمار اجر و انعام ملتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اہل کتاب کی جورِ رہبانیت ہے وہ بالکل بے فائدہ اور بے کار محض ہے کہ اس کا انجام دینی اور دنیوی اعتبار سے اچھا نہیں ہوتا۔

(۳۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ قَالَ فِيمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَيَّ قُلْتُ أَنْتَ أَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيْ فَوْجَدَتْ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيْ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَتَلَا وَكَذَلِكَ نَرَى ابْنَاهُمْ مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونُ مِنَ الْمُؤَقِّنِينَ زَوَاهِ الدَّارِ مِئْ مَرَسَلًا وَلِلَّتِي مَدَى نَحْوَهُ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَزَادَ فِيهِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِي فِيمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَيَّ قُلْتُ نَعَمْ فِي الْكُفَّارَاتِ وَالْكُفَّارَاتِ الْمُكْتَفَى فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَالْمَشْيِ عَلَى الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ وَابْنِ الْأَغِ الْوُضُوءِ فِي الْمَكَارِهِ وَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ وَكَانَ مِنْ خَطِيئَتِهِ كَيْدُومٌ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِذَا صَلَّيْتَ فَقُلْ اَللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ فَإِذَا أَرَدْتَ بَعْدَ ذَلِكَ فِتْنَةً فَأَقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ قَالَ وَالذَّرَجَاتِ إِفْشَاءَ السَّلَامِ وَاطْعَامِ الطَّعَامِ وَالصَّلَاةِ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسِ نِيَامٌ وَلَفْظُ هَذَا الْحَدِيثِ كَمَا فِي الْمَصَابِيحِ لَمْ أَجِدْهُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِلَّا فِي شَرْحِ الشُّنَّةِ.

”اور حضرت عبدالرحمن بن عائشؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، میں نے اپنے پروردگار بزرگ و برتر کو (خواب میں) بہت ہی اچھی صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ مقررین فرشتے کس معاملہ میں بحث کر رہے ہیں میں نے عرض کیا پروردگار! تو ہی بہتر جانتا ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ (یہ سن کر) اللہ تعالیٰ نے میرے موندھوں کے درمیان اپنا ہاتھ دکھا جس کی ٹھنڈک مجھے اپنے سینہ پر محسوس ہوئی (اور اس کی وجہ سے) میں زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو جان گیا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ وَكَذَلِكَ نَرَى ابْنَاهُمْ مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونُ مِنَ الْمُؤَقِّنِينَ ترجمہ: اور اس طرح ہم نے ابراہیم کو زمین و آسمانوں کا تصرف دکھایا تاکہ وہ یقین کرنے والے لوگوں میں شامل ہو جائے۔ (دارمی مرسل) اور ترمذی نے یہ بھی روایت بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ عبدالرحمن ابن عائشؓ، ابن عباسؓ اور معاذ ابن جبلؓ سے نقل کی ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (یعنی آپ کو زمین و آسمانوں کا علم دینے کے بعد سوال فرمایا، کہ اے محمد ﷺ) آپ کو معلوم ہے کہ مقررین فرشتے کس معاملہ میں بحث کر رہے

ہیں؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، ہاں! میں جانتا ہوں کفار (یعنی گناہوں کو ختم کرنے والی چیزوں) کے بارہ میں گفتگو کر رہے ہیں اور وہ کفارات (یہ) ہیں کہ نمازوں کے بعد مسجدوں میں (دوسرے وقت کی نماز کے انتظار میں یا ذکر و تسبیح کے لئے) بیٹھا جائے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے پیدل چلا جائے اور سختی کے وقت (مثلاً بیماری یا سردی میں اعضاء وضو پر) وضو کا پانی اچھی طرح پہنچایا جائے (لہذا) جس نے یہ کیا (یعنی مذکورہ اعمال کئے) وہ بھلائی پر زندہ رہے گا اور بھلائی ہی پر مرے گا اور گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا گویا اس کی ماں نے آج ہی سے اس کو جنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمد! جب آپ ﷺ (نماز سے فارغ ہوئیں تو یہ دعا پڑھ لیا کیجئے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَغْفِرُكَ فَعَلْتُ الْخَيْرَاتِ وَتَرَكْتُ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبُّ الْمَسْكِينِ فَإِذَا أَرَدْتُ بِعِبَادِكَ فَنَسَنُ فَأَقْبِضْ بِي إِلَيْكَ غَيْرَ مُفْتُونٍ

یعنی اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے چھوڑنے اور مسکینوں کی دوستی کا سوال کرتا ہوں اور جب تو بندوں میں گمراہی ڈالنے (یا انہیں سزا دینے) کا ارادہ کرے تو مجھے بغیر گمراہی کے اٹھا لیجئے۔ اور اللہ تعالیٰ (آنحضرت ﷺ کی تعلیم میں زیادتی کے لئے) فرماتا ہے (یا خود آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں) کہ درجات (یعنی وہ اعمال جن سے بندہ کے درجات بارگاہ حق میں بلند ہوتے ہیں) یہ ہیں کہ (ہر مسلمان کو خواہ وہ آشنا ہو یا نا آشنا) سلام کیا جائے۔ (خدا کی راہ میں مسکینوں کو) کھانا کھلایا جائے اور رات میں اس وقت جب کہ لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھی جائے۔ (صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ جیسا کہ مصابیح میں عبد الرحمن سے منقول ہے سوائے شرح السنہ کے اور کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔“

تشریح: اگر آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تھا جیسا کہ ایک دوسری روایت میں اس کی وضاحت ہے۔ تو اس میں کچھ اشکال نہیں ہے کیونکہ انسان خواب میں بسا اوقات شکل دار چیز کو بغیر شکل دیکھتا ہے اور کبھی غیر شکل دار کو شکل دار صورت میں دیکھتا ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ نے عالم بیداری میں دیکھا تھا تو پھر اس کی تاویل کرنا ضروری ہوگی۔ اور تاویل یہ ہوگی کہ صورت سے مراد صفت ہے کہ حق تعالیٰ جل مجدہ نے صفت جمال اور لطف و کرم کے ساتھ کھلی فرمائی۔ یہ تاویل حقیقت و محاورہ سے بالکل قریب ہے کیونکہ اکثر و بیشتر صورت کا اطلاق صفت پر ہوتا ہے جیسا کہ روزمرہ کی بول چال میں کسی چیز کی حقیقت و کیفیت کے بیان کے وقت کہا جاتا ہے کہ ”صورت حال یہ ہے“ یا اس مسئلہ کی صورت یہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ بھی بہتر ہے کہ ”صورت“ کے معنی کا محمول آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہی کو قرار دیا جائے۔ اس طرح آپ ﷺ کے ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ میں نے اپنے ”رب کو دیکھا اور اس وقت میں اچھی صورت میں تھا۔“

آنحضرت ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ مقررین فرشتے کون سے اعمال کی فضیلت و عظمت کے بارہ میں بحث کر رہے ہیں؟ یا یہ کہ وہ کون سے اعمال ہیں جن کو مقام قبولیت تک پہنچانے میں فرشتے آپس میں تنازعہ کر رہے ہیں۔ بایں طور کہ ایک فرشتہ تو کہتا ہے کہ اس عمل کو مقام قبولیت تک پہلے میں پہنچاؤں اور دوسرا کہتا ہے کہ پہلے میں لے کر جاؤں۔

آنحضرت ﷺ کے موندھوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کا ہاتھ رکھنا حقیقی معنی میں نہیں ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے موندھوں کے درمیان رکھا تھا کیونکہ ذات خداوندی ظاہری اجسام کی ثقالت سے پاک و صاف ہے بلکہ دراصل یہ اس چیز سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اپنے فضل و کرم اور جزاء و انعام کی زیادتی و کثرت کے ساتھ خاص کیا جیسا کہ دنیاوی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی بادشاہ یا امیر اپنے کسی خاص خادم پر بہت زیادہ مہربان ہوتا ہے اور اس سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے تو وہ اس خادم کی بیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہے یا اس کی گردن میں باہیں ڈال دیتا ہے۔ یہ اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ اس خادم سے بہت زیادہ خوش ہے اور اس پر انعام و اکرام کی بارش کرنے والا ہے۔

”سینے میں سردی محسوس ہونا“ فیض ربانی کا اثر پہنچنے سے کنایہ ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب فیض ربانی سینہ میں پہنچا تو زمین و آسمان کے تمام پردے اٹھ گئے اور تمام چیزوں کا علم مجھے حاصل ہو گیا چنانچہ آپ نے اس موقعہ و حال کی مناسبت اور اس کے

امکان پر گواہی دینے کے ارادہ سے مذکورہ آیت پڑھی جس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! جس طرح ہم نے آپ ﷺ کے سامنے سے زمین و آسمانوں کے پردے اٹھا دیے جس کے نتیجے میں آپ ﷺ کو تمام چیزوں کا علم حاصل ہو گیا ہے اسی طرح ہم نے اپنے جلیل القدر پیغمبر و خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی دو عالم ربوبیت و الوہیت کی حقیقتوں کو واضح کر دیا تھا اور انہیں زمین و آسمانوں کی تمام چیزوں کا مشاہدہ کرا دیا تھا تاکہ وہ خدا کی ربوبیت و الوہیت پر یقین کامل کرنے والوں میں سے ہو جائیں اس طرح آیت کے آخری الفاظ ولیکون من الموقنین کا معطوف علیہ محذوف ہو گا اور پوری عبارت یوں ہو گی کہ ہم نے ابراہیم کو عالم ربوبیت و الوہیت دکھلا دیئے تھے تاکہ وہ اس کے ذریعہ ہماری ذات کے وجود کے بارہ میں دلیل پکڑ سکے اور یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ غرور و تکبر کی بری عادتوں سے یکسر ہٹ کر اپنے اندر تواضع و انکساری جوہ و بخشش اور عبادت و ریاضت کے جذبات و اوصاف پیدا کرے اور ان عرفانی اصولوں کی روشنی سے پہلے دل و دماغ کو منور کر کے نہ صرف یہ کہ خدا کا حقیقی بندہ بن جائے بلکہ پوری انسانیت کے لئے باعث رحمت و راحت ہو جائے۔

شرفِ مردے جو دست و کرامت بجزو ہر کہ اس ہر دو ندارد عدش بہ ز وجود

(۳۵) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ رَجُلٌ خَرَجَ غَارِبًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُ فَيُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يُزَيِّدَهُ بِمَنْأَلٍ مِنْ آخِرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ وَرَجُلٌ رَاحَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ وَرَجُلٌ دَخَلَ بَيْتَهُ بِسَلَامٍ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ تین شخص ایسے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ (اس بات کے لئے) ذمہ دار ہے کہ وہ انہیں دنیا و آخرت کی آفات و مصیبتوں سے محفوظ رکھے گا) ایک تو وہ شخص جو خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلا چنانچہ وہ خدا کی ذمہ داری میں ہے کہ یا تو اسے موت (یعنی شہادت کا درجہ) دے کر جنت میں پہنچا دے یا اس کو ثواب و مال غنیمت دے کر گھر واپس پہنچا دے (چنانچہ پہلی اور دوسری صورت یعنی شہادت و ثواب میں تو اسے دین کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور تیسری یعنی مال غنیمت میں دنیا کی سعادت و بھلائی ملتی ہے) اور دوسرا وہ شخص ہے جو (نماز کے لئے) مسجد جائے تو اللہ اس کا بھی ضامن ہے (کہ عبادت کے لئے اس کی کوشش اور اس کا ثواب ضائع نہ کرے گا) اور تیسرا وہ شخص ہے جو اپنے گھر میں سلام کرتا ہو داخل ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اللہ تعالیٰ پر پہلے شخص کے لئے جو ذمہ ہے اسے تو بیان کر دیا گیا ہے کہ اسے دین اور دنیا دونوں جگہ کیا کیا انعامات ملیں گے لیکن دوسرے اور تیسرے شخص کے لئے جو ذمہ اللہ پر ہے چونکہ وہ ظاہر تھا اس لئے اس کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ”گھر میں سلام کرتا ہوا“ داخل ہو“ اس کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرے، چنانچہ اس صورت میں اس کے لئے اللہ پر یہ ذمہ ہے کہ اس کو اور اس کے گھر والوں کو خیر و برکت سے نوازے گا اور ان پر اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے دروازے کھول دے گا دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب گھر میں داخل ہو جائے تو لوگوں کی محبت سے امن و سلامتی حاصل کرنے کے لئے گھر ہی میں رہنا اپنے اوپر لازم کر لے اور گھر سے باہر نہ نکلے چنانچہ اس صورت میں اس کے لئے اللہ پر یہ ذمہ ہے کہ وہ اسے مصائب و آفات سے محفوظ و سلامت رکھے گا۔

(۳۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مُتَطَهِّرًا إِلَى صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ فَأَجْزُهُ كَأَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرَمِ وَمَنْ خَرَجَ إِلَى تَسْبِيحِ الضُّحَى لَا يَنْصِبُهُ إِلَّا آيَةً فَأَجْزُهُ كَأَجْرِ الْمُعْتَمِرِ وَصَلَاةٌ عَلَى الْإِثْرِ صَلَاةٌ لَا لَفْوَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِي عِلْيَيْنَ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص وضو کر کے گھر سے نکلے۔ اور فرض نماز ادا کرنے کے لئے مسجد

جائے تو اس کو اتنا ثواب ملے گا جتنا احرام باندھ کر حج کرنے (جانے) والے کو ملتا ہے اور جو شخص چاشت کی (نفل) نماز ہی کے لئے تکلیف اٹھا کر (گھر سے) نکلے (یعنی بغیر کسی غرض اور ریا کے محض چاشت کی نماز پڑھنے ہی کے قصد سے گھر سے نکلے) تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہے۔ اور (ایک) نماز کے بعد (دوسری) نماز پڑھنا اور ان دونوں نمازوں کے درمیانی وقت میں نگوہیہ بودہ باتیں نہ کرنا ایسا عمل ہے جو علیین میں لکھا جاتا ہے۔ ”(احمد، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں وضو کو احرام سے اور نماز کو حج سے مشابہت دی گئی ہے اور دونوں میں تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح حاجی حج کے ارادہ سے گھر سے نکلتا ہے اور احرام باندھ کر حج کو جاتا ہے تو جس وقت وہ گھر سے نکلتا ہے اسی وقت سے اسے ثواب ملنا شروع ہو جاتا ہے اور اس کے ثواب کا سلسلہ اس کے واپس آ جانے تک جاری رہتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص محض نماز کے ارادہ سے نکلتا ہے تو وہ جس وقت گھر سے نکلتا ہے اسے بھی اسی وقت سے ثواب ملنا شروع ہو جاتا ہے اور جب تک وہ نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر گھر واپس نہیں آ جاتا اسے ثواب برابر ملتا ہے لیکن اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ نماز اور حاجی کے ثواب میں یہ برابری ہمہ وجہ نہیں ہے ورنہ توجہ کرنے کے کوئی معنی نہیں رہ جائیں گے۔ یعنی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ثواب میں دونوں بالکل برابر ہیں کیونکہ حاجی کا ثواب نماز کے ثواب سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حج کی بہ نسبت عمرہ کو وہی حیثیت حاصل ہے جو فرض نماز کی بہ نسبت نفل نماز کو حاصل ہے۔ کتاب فی علیین سے حدیث کے آخری جزو کا مطلب کنایہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص نماز کی مداومت و محافظت کرے یعنی تمام نمازوں کو پابندی سے ادا کرتا رہے اور نماز کو اس کی تمام شرائط و آداب کا لحاظ کرتے ہوئے اس طرح پڑھتا رہے کہ اس کے اس عمل اور نیت میں نماز کے منافی کسی چیز کا دخل نہ ہو تو یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے اعلیٰ اور بہتر کوئی عمل نہیں ہے۔ جو فرشتے نیکیاں لکھنے پر مامور ہیں ان کے دفتر کا نام علیین ہے کہ تمام نیک اعمال وہیں جمع ہوتے ہیں۔

(۳۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَرَزْتُمْ بَرِيَاضَ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا قَبْلَ يَارَسُؤْلِ اللَّهِ وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ الْمَسَاجِدُ قَبْلَ وَمَا الرِّتْعُ يَارَسُؤْلِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم جنت کے باغوں میں جایا کرو تو وہاں میوہ کھایا کرو، آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ، یا رسول اللہ! دنیا میں جنت کے باغ کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجدیں (جنت کے باغ ہیں) پھر پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! میوہ کھانا کیا ہے (یعنی ان میں میوہ کس طرح کھایا کریں؟) آپ ﷺ نے فرمایا سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ (مسجدوں میں ان کلمات کا ورد رکھنا میوہ کھانا ہے۔)“ (ترمذی)

تشریح: مساجد کو جنت کے باغ اس لئے کہا گیا ہے کہ ان میں عبادت کرنا اور نماز پڑھنا جنت کے باغوں کے حاصل ہونے کا سبب ہے۔ رفع دراصل اسے کہتے ہیں کہ باغ میں جا کر اچھی طرح میوے اور لذیذ چیزیں کھائی جائیں اور نہرو وغیرہ کی سیر کی جائے جیسا کہ باغوں میں جانے والے لوگ یہ کیا کرتے ہیں۔ پھر یہ لفظ ثواب عظیم کے مرتبہ پر پہنچنے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بہر حال۔ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب تم مسجدوں میں جاؤ تو نہ کوہ تسبیحات پڑھا کرو کیونکہ اس سے بہت زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔

(۳۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ آتَى الْمَسْجِدَ لِشَيْءٍ فَهُوَ حَظُّهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص (دین یا دنیا کے) جس کام کے لئے مسجد میں آئے گا اسے اسی میں

سے حصہ ملے گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں تعرض سے آئے گا وہی اس کا نصیب ہوگا۔ یعنی اگر عبادت کے لئے آئے گا تو اسے ثواب ملے گا اور اگر کسی دنیوی زندگی کی غرض سے آئے گا تو گرفتار وبال ہوگا۔ گویا یہ حدیث مضمون کے اعتبار سے نیت کی مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات کا ایک جزو ہے۔

(۳۹) وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ عَنْ جَدَّتِهَا فَاطِمَةَ الْكُبْرَى قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي رَوَايَتِهِمَا قَالَتْ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَكَذَا إِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ بَدَلَ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ لَمْ تُدْرِكْ فَاطِمَةَ الْكُبْرَى۔

”حضرت فاطمہ بنت حسینؑ اپنی دادی فاطمہ کبریٰ (زہراؑ) سے روایت کرتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب مسجد میں تشریف لاتے تو محمد ﷺ پر درود و سلام بھیجتے، یعنی یہ الفاظ فرماتے صلی اللہ علی محمد یا فرماتے اللھم صل علی محمد و سلم اور پھر یہ دعا پڑھتے رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ یعنی اے میرے پروردگار، میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور جب مسجد سے باہر آتے تو پھر محمد ﷺ پر درود و سلام بھیج کر یہ دعا پڑھتے۔ رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ یعنی اے میرے پروردگار! میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔ یہ روایت ترمذی، احمد، ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور احمد و ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (حضرت فاطمہ فرماتی ہیں کہ) آنحضرت ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے اور اسی طرح جب باہر نکلتے تو صل علی محمد و سلم کے بجائے یہ الفاظ فرماتے بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ یعنی میں اللہ کے نام کے ساتھ داخل ہوتا ہوں اور نکلتا ہوں اور سلامتی ہو رسول پر۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ حضرت حسینؑ کی دختر فاطمہؑ نے حضرت فاطمہ زہراؑ بنت رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا ہے اور (ان سے نہیں ملی ہیں)۔“

تشریح: آپ ﷺ نے درود و سلام وغیرہ کے الفاظ اس طرح نہیں فرمائے کہ اللھم صل علی یا اللھم اغفر لمحمد کیونکہ درود و سلام کے ساتھ اسم شریف کو مناسبت ہے اسی طرح رَبِّ اغْفِرْ لِي ارشاد فرمانے میں آپ ﷺ کی تواضع و انکساری کا اظہار ہوتا ہے یا پھر کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے یہ الفاظ امت کی تعلیم کے لئے فرمائے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ درود و سلام کن الفاظ کے ذریعہ بھیجا جاتا ہے۔

فاطمہ صغریٰ جو اس حدیث کی راوی اور حضرت امام حسینؑ کی صاحبزادی ہیں انہوں نے اپنی دادی حضرت فاطمہ زہراؑ بنت رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا ہے کیونکہ ان کے وقت میں حضرت امام حسینؑ کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی لہذا اس حدیث کی سند متصل نہیں ہوئی کیونکہ درمیان کا ایک راوی متروک ہے۔

(۴۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَنَاشُدِ الْأَشْعَارِ فِي الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَيْعِ وَالْإِسْتِزَاءِ فِيهِ وَأَنْ يَتَخَلَّقَ النَّاسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ، سرور کائنات ﷺ مسجد میں اشعار پڑھنے، خرید و فروخت کرنے اور جمعہ کے روز نماز سے پہلے لوگوں کو حلقہ باندھ کر بیٹھنے سے (خواہ حلقہ باندھ کر بیٹھنا مذکورہ علم اور ذکر و تسبیح کے لئے کیوں

نہ ہو منع فرمایا ہے۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: اشعار سے مراد ایسے اشعار ہیں جن میں جھوٹ اور لغو باتیں ذکر کی گئی ہوں کیونکہ مسجد خدا کی عبادت کرنے کی جگہ ہے وہاں خلاف شرع اور جھوٹ و لغو باتوں کو بیان کرنا ناجائز ہے البتہ ایسے اشعار جن میں خدا کی توحید و مناجات اور آنحضرت ﷺ کی یا آپ ﷺ کے مخلص متبعین اور فرمانبردار امتیوں کی تعریف و توصیف، دین و مذہب اور اخلاق و کردار کو جلا بخشنے والی باتوں کا ذکر ہو تو ان کا پڑھنا ہر جگہ جائز اور مستحسن ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ شاعر اسلام حضرت حسانؓ کے لئے جو اپنے اشعار کے ذریعہ آپ ﷺ کی نعت اور کفار کی بھوبیان کیا کرتے تھے مسجد نبوی میں منبر پچھواتے تھے اور حضرت حسانؓ اس منبر پر کھڑے ہو کر اس قسم کے پاکیزہ اشعار پڑھا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت جبرئیل حسانؓ کی تائید کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے اشعار کے ذریعہ پیغمبر خدا کی جانب سے کفار سے مقابلہ کرتے ہیں۔

مسجد میں جس طرح خرید و فروخت ممنوع ہے اسی طرح وہاں دنیا کے دوسرے معاملات کرنا منع ہیں۔

جمعہ کے روز نماز پڑھنے سے پہلے مسجد میں حلقہ باندھ کر بیٹھنے کو آپ ﷺ نے جو منع فرمایا ہے علماء اس کے مختلف وجوہ بیان کرتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ حلقہ باندھ کر بیٹھنا نمازیوں کی ہیئت اجتماعی کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ جمعہ کے روز نماز جمعہ کے لئے مسجد میں جمع ہونا خود ایک مستقل اور عظیم الشان کام ہے جب تک اس کام یعنی نماز جمعہ سے فارغ نہ ہو لیں، دوسرے کام میں مشغول ہونا مناسب نہیں ہے۔ نیز یہ کہ حلقہ باندھ کر بیٹھنا غفلت کا سبب ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اس نبی کا تعلق خاص طور پر خطبہ کے وقت سے نہیں ہوگا۔

تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ وقت خاموش اور چپ رہنے کا ہے اور نہایت توجہ کے ساتھ امام کا خطبہ سننے کا ہے، اور چونکہ حلقہ باندھ کر بیٹھنے سے امام کے خطبہ کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے لہذا یہ درست نہیں ہے۔ اس صورت میں اس ممانعت کا تعلق صرف خطبہ کے وقت سے ہوگا۔ لہذا پہلی اور دوسری توجیہ کی صورت میں یہ نبی تشریحی ہوگی اور تیسری توجیہ کی صورت میں نبی تحریمی ہوگی۔

(۴۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَأَيْتُمْ مَنْ يَبْتَغِ أَوْ يَتَّبِعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُولُوا لَا أَرْبَحَ اللَّهُ بِجَارَتِكَ وَإِذَا أَرَأَيْتُمْ مَنْ يَنْشُدُ فِيهِ ضَالَّةً فَقُولُوا لَا رَدَّهَا اللَّهُ عَلَيْكَ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم مسجد میں کسی شخص کو خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ خدا کرے تیری سوداگری میں نفع نہ ہو اور جب تم (مسجد میں) کسی شخص کو بلند آواز سے گشہ چیر ڈھونڈتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ ”خدا کرے تیری چیز نہ ملے۔“ (ترمذی، دارمی)

(۴۲) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حَزَامٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُسْتَقَادَ فِي الْمَسْجِدِ وَأَنْ يُنْشَدَ فِيهِ الْأَشْعَارُ وَأَنْ تُقَامَ فِيهِ الْحُدُودُ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ فِي سُنَنِهِ وَصَاحِبُ جَامِعِ الْأُصُولِ فِيهِ عَنْ حَكِيمٍ وَفِي الْمَصَابِيحِ عَنْ جَابِرٍ۔

”اور حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مسجد میں قصاص لینے (یعنی قاتل کا خون بہانے) اور اشعار پڑھنے اور (زنا کرنے، شراب پینے وغیرہ کی) حدود قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد) اور اس روایت کو صاحب جامع الاصول نے (اپنی کتاب) جامع الاصول میں حکیم سے (یعنی بغیر لفظ ابن حزام کے) روایت کیا ہے۔ نیز یہ روایت مصابیح میں جابرؓ سے منقول ہے (اور یہ اصول میں موجود نہیں ہے)۔“

(۴۳) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ يَعْنِي الْبَصَلَ وَالْثُومَ وَقَالَ مَنْ أَكَلَهُمَا فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا وَقَالَ إِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ أَكْلِيهِمَا فَلَا يَمِشُّوهُمَا طَبْخًا۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت معاویہ ابن قرظؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے دو درختوں یعنی پیاز، لہسن کے کھانے سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ جو شخص ان کو کھائے وہ ہماری (یعنی مسلمانوں کی) مسجدوں کے قریب نہ آئے نیز فرمایا کہ اگر تم انہیں کھانا ضروری ہی سمجھو تو انہیں پکا کر ان کی بدبودار کرد (اور کھاؤ)۔“ (ابوداؤد)

تشریح: جملہ من اکلہما پہلے جملہ کا بیان ہے۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ جو شخص ان کو کھائے۔ وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے۔ پیاز و لہسن کھا کر مسجد میں داخلہ کی ممانعت کو مبالغہ کے طور پر بیان کرنا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان بدبودار چیزوں کو کھائے اسے چاہئے کہ وہ مسجد کی عظمت و احترام کے پیش نظر مسجد کے نزدیک بھی نہ آئے چہ جائیکہ مسجد میں داخل ہو۔ یا پھر قریب نہ آئے۔ کتایہ ہے مسجد میں داخل نہ ہونے سے کہ جو شخص پیاز و لہسن کھائے ہوئے ہو وہ مسجد میں داخل نہ ہو۔

(۴۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْمُقْبِرَةُ وَالْحِمَامُ۔

(رواہ ابوداؤد و الترمذی و الدارمی)

”اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، مقبرہ اور حمام کے علاوہ ساری زمین مسجد ہے۔ کہ (ہر جگہ نماز پڑھی جاسکتی ہے)۔“ (ترمذی، دارمی)

(۴۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلِّيَ فِي سَبْعَةِ مَوَاطِنَ فِي الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْرَزَةِ وَالْمَقْبِرَةِ وَقَارِعَةِ الظَّرِيقِ وَفِي الْحِمَامِ وَفِي مَعَاطِنِ الْأَيْلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ نَيْتِ اللَّهِ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے سات مقامات پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ ① جہاں ناپاک چیزیں ڈالی جاتی ہوں۔ (یعنی کوڑی)۔ ② جہاں جانور ذبح کئے جاتے ہوں۔ ③ راستہ کے درمیان۔ ④ مقبرہ۔ ⑤ حمام کے اندر۔ ⑥ اونٹوں کے بندھنے کی جگہ۔ ⑦ خانہ کعبہ کی چھت پر۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: بعض علماء سلف توحید کے ظاہری الفاظ کو دیکھتے ہوئے یہی فرماتے ہیں کہ مقبرہ کے اندر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک مقبرہ میں نماز پڑھنا جائز ہے لیکن قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک حرام ہے مزیلہ اور مجرزہ (یعنی کوڑی اور ذبح) میں نماز پڑھنا اس لئے مکروہ ہے کہ ان دونوں جگہوں میں نجاست و گندگی پھیلی رہتی ہے۔ چنانچہ ان مقامات میں اگر کسی ایسی جگہ نماز پڑھی جائے جو صاف ہو مگر اس کے قریب ہی نجاست بھی پڑی ہو یا نجاست ہی پر مصلیٰ چھا کر نماز پڑھی جائے۔ یہ مکروہ ہے اس سے دین کی حقارت و بے وقعتی ظاہر ہوتی ہے اور نماز کی رفعت شان اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے بالکل پاک و صاف جگہ ادا کیا جائے نہ کہ ایسی جگہ جہاں گندگی و نجاست پھیلی ہوئی ہو۔

راستہ کے درمیان نماز پڑھنا اسلئے ممنوع ہے کہ وہاں لوگوں کے آنے جانے کی وجہ سے دھیان بٹتا ہے اور یکسوئی حاصل نہیں ہوتی نیز اس سے لوگوں کو آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے۔ پھر دوسرے یہ کہ عام گزرگاہ ہونے کی وجہ سے اگر لوگ مجبوری کی بناء پر نماز کی آگے سے گزریں گے تو ان کے گزرنے سے نمازی گناہگار ہوگا اور اگر لوگ بے ضرورت ہی گزریں گے۔ تو وہ گناہگار ہوں گے۔

حمام میں نماز پڑھنا اس لئے مکروہ ہے کہ وہ ستر کھلنے اور شیطان مگر رہنے کی جگہ ہے کعبہ کی چھت پر بھی نماز پڑھنا اس لئے مکروہ ہے کہ اس سے کعبۃ اللہ کی بے ادبی ہوتی ہے۔ اب علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ ان ساتوں جگہ نماز پڑھنے کو مکروہ کہا گیا ہے تو آیا یہ مکروہ تنزیہی ہے یا مکروہ تحریمی؟ چنانچہ بعض علماء کے نزدیک تو ان ساتوں جگہ نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ مکروہ تحریمی ہے۔

۱۔ کعبۃ اللہ کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ ہے البتہ ضرورت کے لئے چھت پر چڑھنا جائز ہے۔ ۱۲۔

(۴۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا فِي مَوَاضِعِ الْغَنَمِ وَلَا تَصَلُّوا فِي أَعْطَانِ الْإِبِلِ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ بکریوں کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھو، البتہ ایتلوں کے بندھنے کی جگہ مت پڑھو۔“ (ترمذی)

تشریح: اونٹوں کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ اونٹوں کے پاس نماز پڑھنے میں یہ اندیشہ ہے کہ ہمیں وہ کھل کر نمازی کولات وغیرہ نہ مار دیں اس سے نہ صرف یہ کہ نمازی کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہے بلکہ اس طرح نماز اجتماعی اور سکون خاطر سے ادا نہیں ہو سکتی البتہ بکریوں سے چونکہ اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا اس لئے ان کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

(۴۷) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَخَذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالشُّرُجَ - (رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو مسجد بنالینے (یعنی قبروں پر سجدہ کرنے والوں) اور قبروں پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔“ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے ابتداء اسلام میں قبروں کی زیارت کرنے سے منع فرمایا تھا پھر بعد میں آپ ﷺ نے اس کی اجازت دے دی تھی، چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں دونوں کے حق میں تھی لہذا عورتوں کو پہلے تو قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں تھی مگر اب اس عام اجازت کے پیش نظر درست و جائز ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس اجازت کا تعلق صرف مردوں سے ہے عورتوں کے حق میں وہ نہیں اب بھی باقی ہے اور وجہ اس کی یہ بیان کرتے ہیں کہ عورتیں چونکہ کمزور دل اور غیر صابر ہوتی ہیں نیز ان کے اندر جزع و فزع کی عادت ہوتی ہے اس لئے ان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ قبروں پر جائیں۔ چنانچہ یہ حدیث بھی بظاہر ان ہی علماء کی تائید کرتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت جمہور علماء کے نزدیک اس حکم سے مستثنیٰ ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت مرد ہو یا عورت سب کے لئے جائز ہے۔ قبر پر چراغ جلانا اس لئے حرام ہے کہ اس سے بے جا اسراف اور مال کا ضیاع ہوتا ہے۔ البتہ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر قبر کے پاس کوئی گزر گاہ ہو تو راہ گیروں کی آسانی کے لئے چراغ جلانا یا وہاں روشنی میں کوئی کام کرنے کے لئے چراغ جلانا جائز ہے کیونکہ اس سے قبر پر چراغ جلانا مقصود نہیں ہو گا بلکہ دوسری ضرورت و حاجت پیش نظر ہوگی۔

مولانا محمد اسحق محدث دہلویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صحیح اور معتمد قول کے مطابق عورتوں کو قبر کی زیارت کرنا مکروہ تحریمی ہے چنانچہ مستحکم میں لکھا ہوا ہے کہ قبروں کی زیارت مردوں کے لئے مستحب ہے اور عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔

کتاب مجالس واعظیہ میں مذکور ہے کہ عورتوں کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ قبروں پر جائیں کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لعن ذوارات القبور یعنی آنحضرت ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

نصاب الاقتساب میں منقول ہے کہ عورتوں کے قبروں پر جانے کے جواز اور اس کی خرابی و قباحت کے بارہ میں فاضلؒ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کا جواز اور اس کا فساد نہ پوچھو بلکہ یہ پوچھو کہ اس پر جو لعنت و پھینکار برسی ہے اس کی مقدار کیا ہے؟ چنانچہ (جان لوا کہ جب عورت قبر پر جانے کا ارادہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی لعنت میں گرفتار ہو جاتی ہے اور جب وہ قبر پر جانے لگتی ہے تو اس کو ہر طرف سے شیاطین چست جاتے ہیں اور جب قبر پر پہنچ جاتی ہے تو مردہ کی روح اس پر لعنت بھیجتی ہے اور جب قبر سے واپس ہوتی ہے

تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گرفتار ہوتی ہے۔

حدیث میں وارد ہے کہ جو عورت مقبرہ پر جاتی ہے ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت میں مقبرہ کا راستہ طے کرتی ہے اور جو عورت اپنے گھر میں بیٹھ کر میت کے لئے دعائے خیر کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو حج اور عمرہ کا ثواب دیتا ہے۔

حضرت سلمان اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ مسجد سے نکل کر اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے تھے کہ (باہر سے) حضرت فاطمہ زہراءؓ آئیں آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کہاں سے آرہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں عورت کا انتقال ہو گیا ہے اس کے مکان پر گئی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم اس کی قبر پر بھی گئی تھیں؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا معاذ اللہ کیا میں اس عمل کو کر سکتی ہوں جس (کی ممانعت) کے بارہ میں آپ ﷺ سے میں سن چکی ہوں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا (تم نے یہ اچھائی کیا کہ اس کی قبر پر نہ گئیں کیونکہ) اگر تم اس کی قبر پر چلی جاتیں تو تمہیں جنت کی بو (بھی) میسر نہ ہوتی۔

حضرت قاضی شاہ اللہ پانی پتیؒ نے اپنی کتاب مالا بد منہ میں لکھا ہے کہ ”زیارت قبور مردواں راجا زراست نہ زناں را“ یعنی قبروں کی زیارت مردوں کے لئے تو جائز ہے عورتوں کے لئے نہیں۔

(۴۸) وَعَنْ لَبِيْ اُمَامَةَ قَالَتْ اِنَّ جَبْرِيْلًا مِنَ الْيَهُودِ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِّي الْبِقَاعِ خَيْرٌ فَسَكَتَ عَنْهُ وَقَالَ اَسْأَلُكَ حَتّٰى يَجْعَلَنِيْ جَبْرِيْلٌ فَسَكَتَ وَجَاءَ جَبْرِيْلٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَأَلَ فَقَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلَكِنْ اَسْأَلُ رَبِّيْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ثُمَّ قَالَ جَبْرِيْلُ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ ذَنْوْتُ مِنَ اللّٰهِ ذَنْوًا ذَنْوْتُ مِنْهُ فَقَطْ قَالَ وَكَيْفَ كَانَ يَا جَبْرِيْلُ قَالَ كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ سَبْعُوْنَ اَلْفَ حَبَابٍ مِنْ نُورٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَفُهَا وَخَيْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا زَوَاهُ حَبَانٌ فِيْ صَحِيْحِهِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ۔

”اور حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) ایک یہودی عالم نے سرور کائنات ﷺ سے پوچھا کہ بہترین جگہ کون سی ہے؟ آنحضرت ﷺ اس کے جواب میں خاموش رہے اور فرمایا کہ جب تک جبرئیل علیہ السلام نہیں آجائیں گے میں خاموش رہوں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ خاموش رہے۔ جب حضرت جبرئیل آگئے تو آپ ﷺ نے ان سے (یہودی عالم کے سوال کا جواب) پوچھا حضرت جبرئیل نے کہا کہ، اس معاملہ میں آپ ﷺ سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا، البتہ میں اپنے پروردگار بزرگ و برتر سے اس کے بارہ میں پوچھوں گا (چنانچہ) پھر حضرت جبرئیل (نے آکر) فرمایا، اے عمرؓ! آج میں اللہ تعالیٰ سے اس قدر قریب ہو گیا تھا کہ کبھی بھی اتنا قریب نہیں ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اے جبرئیل! اس قدر (فاصلہ دونوں کے درمیان رہ گیا تھا۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا، میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان شہزاد نور کے پردے باقی رہ گئے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے (اس سوال کے جواب میں) فرمایا، کہ بدترین مقامات بازار ہیں اور بہترین مقامات مساجد ہیں۔ (یہ روایت ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمرؓ سے نقل کی ہے۔“

تشریح: یہ ”پردے“ مخلوق کی نسبت سے ہیں حق تعالیٰ جل شانہ کی نسبت سے نہیں ہیں کیونکہ خداوند قدوس پردے میں نہیں ہے بلکہ مخلوق خدا پردے میں ہے اور وہ جسمانی و نفسانی پردے ہیں اس کی مثال کسی اندھے کے لئے پردہ آفتاب کی سی ہے کہ جس طرح آفتاب پردہ میں نہیں ہوتا بلکہ خود اندھے کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے کہ وہ آفتاب کو نہیں دیکھ سکتا اور آفتاب اس کو دیکھتا ہے یعنی اپنی روشنی ڈالتا ہے۔

سائل نے تو صرف ”بہتر جگہ“ کے بارہ میں سوال کیا تھا لیکن جواب میں مقابلہ کے طور پر بہترین اور بدترین دونوں مقامات کو بتلا دیا گیا تاکہ رحمان اور شیطان دونوں کے گھر معلوم ہو جائیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا مسئلہ دریافت کیا گیا جو اسے پوری طرح معلوم نہیں ہے تو اسے چاہئے کہ

جواب دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ جس کے بارہ میں جانتا ہو کہ وہ اس سوال کا جواب اچھی طرح جانتا ہے اس سے پوچھ لے اور اپنے سے زیادہ علم والے سے پوچھنے میں کوئی شرم محسوس نہ کرے کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سنت ہے۔ مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں لفظ رواہ کے بعد جگہ خالی ہے کیونکہ مصنف مشکوٰۃ کو اس کتاب کا نام معلوم نہیں تھا جس سے یہ روایت نقل کی گئی ہے بعد میں بعض علماء نے کتاب کا مذکورہ نام لکھ دیا ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۴۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ جَاءَ هَسْجِدِي هَذَا لَمْ يَأْتِ إِلَّا خَيْرٍ يَتَعَلَّمُهُ أَوْ يَعْلَمُهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَنْ جَاءَ لِغَيْرِ ذَلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى مَتَاعٍ غَيْرِهِ۔

(رواہ ابن ماجہ وابیہقی فی شعب الایمان)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص میری اس مسجد میں محض اس غرض سے آئے کہ نیک کام سیکھے اور سکھائے تو وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے ہم رتبہ ہے اور جو شخص اس غرض سے نہ آئے (یعنی کسی برے کام مثلاً ہوا و لعب کی نیت سے آئے) تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو دوسرے کے اسباب (کو حسرت کی نگاہوں سے) دیکھتا ہے۔“

(ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح: آپ ﷺ نے اپنی مسجد یعنی مسجد نبوی کی تخصیص کر کے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چونکہ میری مسجد اپنی عظمت و فضیلت کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اور دوسری مسجدیں چونکہ اس کے تابع ہیں اس لئے مذکورہ حکم تمام مساجد کے لئے یکساں ہے۔ نیک کام کو سیکھنے اور سکھانے کی تخصیص صرف ان کی فضیلت و اہمیت کے اظہار کے طور پر ہے ورنہ تو نماز، اعتکاف اور تلاوت و ذکر سب کا یہی حکم ہے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں نیک مقصد کے تحت نہیں آئے گا اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی تو وہ اس چیز کو کسی دوسرے کے پاس دیکھ کر حسرت و افسوس کا اظہار کرتا ہے چنانچہ یہ شخص بھی جب آخرت میں اس شخص کے ثواب کو جو نیک مقصد اور نیک نیت کے ساتھ مسجد آیا تھا دیکھے گا اور اسے معلوم ہو جائے گا کہ مسجد تو سعادت و بھلائی کے حصول کی جگہ تھی تو وہ انتہائی رنج و حسرت میں مبتلا ہو جائے گا کہ میں کیوں اس دولت سے محروم رہا۔

یا پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح کسی غیر آدمی کے پاس کوئی چیز دیکھ کر اسے بری نگاہ سے (یعنی اچکھ لینے کی نیت سے) دیکھنا منع ہے اس طرح مسجد میں بغیر نیک کام کی نیت کے آنا بھی منع ہے۔

(۵۰) وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُونُ حَدِيثُهُمْ فِي مَسَاجِدِهِمْ فِي أَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تَجَالِسُوهُمْ فَلَيْسَ لِلَّهِ فِيهِمْ حَاجَةٌ وَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت حسن بصریؒ سے مرسل روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر عقیب ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ اپنی دنیا داری کی باتیں مسجدوں میں کیا کریں گے لہذا تم ان کے پاس بھی نہ بیٹھنا (اگرچہ تم ان کی گفتگو میں شریک نہ ہونا کہ ان کے شریک کہلاؤ) کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔“ (بیہقی)

تشریح: یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بیزار ہے اور وہ خدا کی پناہ اور اس کی رحمت سے خارج ہیں۔ نیز اس بات سے بھی کنایہ ہے کہ خدا کی بارگاہ میں ان کی اطاعت و عبادت قبولیت کا درجہ نہیں پائے گی۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسجد میں دنیاوی امور کی باتیں کرنا مکروہ ہے چنانچہ اور بہت سی احادیث میں بھی مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے اور دنیاوی باتوں سے مراد ایسی باتیں ہیں جو عبث، بے فائدہ اور حد سے زیادہ ہوں اور اگر دنیاوی باتیں صرف ایک دو کلمہ تک رہیں یا اس درجہ کی نہ ہوں تو وہ اس حکم میں داخل نہیں۔

(۵۱) وَعَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنْتُ نَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ أَذْهَبَ فَأَتِينِي بِهِذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا فَقَالَ مِمَّنْ أَنْتُمَا أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا قَالَ مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَا وَجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ میں (ایک روز) مسجد میں پڑا سو رہا تھا کہ کسی شخص نے میرے نگراری ماری میں نے دیکھا کہ وہ حضرت عمر ابن خطابؓ ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم جا کر ان دونوں اشخاص کو میرے پاس لاؤ۔ (جو مسجد میں بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے) میں ان کو بلا لایا حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کون ہو؟ یا فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں! حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا (یعنی مارتا)۔ لیکن چونکہ تم لوگ یہاں کے رہنے والے نہیں ہو اور آداب مسجد سے واقف نہیں ہو یا یہ کہ مسافر ہو اس لئے غفو و شفقت کے مستحق ہو اور فرمایا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم لوگ رسول خدا ﷺ کی مسجد میں زور زور سے باتیں کر رہے ہو۔“ (بخاری)

تشریح: جملہ اَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا میں لفظ اَوْ شک کے لئے ہے یعنی راوی کو شک واقع ہو رہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ ”تم کون ہو؟“ یا یہ فرمایا کہ ”تم کہاں کے رہنے والے ہو۔“ بہر حال مسجد میں بلند آواز سے باتیں کرنا مکروہ ہے اگرچہ موضوع سخن علم ہی کیوں نہ ہو۔

(۵۲) وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ بَنَى عُمَرُ رَحْبَةً فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ تُسَمَّى الْبُظْيَحَاءَ وَقَالَ مَنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَلْفِظَ أَوْ يُنْشِدَ شِعْرًا أَوْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ فَلْيُخْرِجْ إِلَى هَذِهِ الرَّحْبَةِ - (رواہ فی النوٹا)

”اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد کے ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بنوایا تھا جس کا نام بطیح تھا اور لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ جو شخص لغو باتیں کرنا چاہے یا اشعار پڑھنا چاہے یا (کسی وجہ سے) بلند آواز (سے باتیں) کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ (مسجد سے نکل کر) اس چبوترہ پر آجائے۔“ (نوٹا)

(۵۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ حَتَّى رُئِيَ فِي وَجْهِهِ فَقَامَ فَحَلَلَهُ بِيَدِهِ فَقَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يَتَأَجَّجِي رَبَّهُ وَأَنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْدُقَنَّ أَحَدَكُمْ قَبْلَ قِبْلَتِهِ وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَصَّقَ فِيهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ فَقَالَ أَوْ يَفْعَلْ هَكَذَا -

(رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (مسجد میں) قبلہ کی طرف ریشم پڑا ہوا دیکھا تو آپ کو بہت ناگوار ہوا یہاں تک کہ اس ناگواری کا اثر آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہو رہا تھا۔ چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور اسے خود اپنے دست مبارک سے کھرچ کر پھینکا اور فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے اور اس وقت اس کا پروردگار اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے لہذا ہر ایک کو چاہئے کہ قبلہ کی طرف ہرگز نہ تھو کے بلکہ اپنے بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوک لے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اپنی چادر مبارک کا ایک کونہ لیا اور اس میں کچھ تھوکا اور پھر کپڑے کو آپس میں رگڑ کر فرمایا کہ ”اس طرح کر لیا کرو۔“ (بخاری)

تشریح: اس کا پروردگار اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے اور اس کے قرب کا ارادہ کرتا ہے لہذا چونکہ اس کا مطلوب اور مقصود اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے اس لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ قبلہ کی سمت کو تھوک سے بچایا جائے۔

بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوکنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص مسجد میں نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ مسجد میں نماز پڑھنے کی صورت میں بائیں طرف اور قدموں کے نیچے بھی تھوکرنا نہیں چاہئے کہ اس سے مسجد کے آداب و احترام میں فرق آتا ہے بلکہ اس صورت میں اگر تھوکنے کی ضرورت محسوس ہو تو کسی کپڑے میں تھوک لیا جائے پھر اسے رگڑ کر صاف کر لیا جائے۔

۵۴) وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَادٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا أَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْمِهِ حِينَ فَرَغَ لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ فَإِذَا بَعْدَ ذَلِكَ أَنْ يُصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنْعُوهُ فَأَخْبَرُوهُ بِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ كَرِهُتُمْ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَحَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ إِنَّكَ قَدْ أَذَيْتَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت سائب ابن خلاد نے جو آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی ہیں فرمایا، ایک شخص جماعت کو نماز پڑھا رہا تھا اور اس نے قبلہ کی طرف تھوک دیا (اتفاق سے) آنحضرت ﷺ (اس کی طرف) دیکھ رہے تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس کے مقتدیوں سے فرمایا کہ ”آئندہ سے یہ شخص تمہیں نماز نہ پڑھائے“ اس کے بعد اس شخص نے جب ان کو نماز پڑھانی چاہی تو ان لوگوں نے اسے (امامت سے) روک دیا اور اس سے آنحضرت ﷺ کا ارشاد بیان کر دیا وہ شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں نے ہی لوگوں سے تمہیں امام نہ بنانے کے لئے کہا تھا، اور راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے اس شخص سے (امامت سے) روک دینے کا سبب بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ، تم نے (اس ممنوع فعل کا ارتکاب کر کے) اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچائی ہے۔“ (ابو داؤد)

۵۵) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اخْتَبَسَ عَنَّا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ عَنِ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى كِدْنَا نَنَازِلُ عَيْنَ الشَّمْسِ فَخَرَجَ سَرِيعًا فَتَوَرَّبَ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَجَوَّزَ فِي صَلَاتِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهِ فَقَالَ لَنَا عَلَى مَصَافِكُمْ كَمَا أَنْتُمْ ثُمَّ انْقَلَبَ إِلَيْنَا ثُمَّ قَالَ أَمَا إِنِّي سَأَحْدِثُكُمْ مَا حَسِبْنِي عَنْكُمْ الْغَدَاةَ إِنِّي قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَوَضَّأْتُ وَصَلَّيْتُ مَا قَدَّرْتُ لِي فَتَغَسَّسْتُ فِي صَلَاتِي حَتَّى اسْتَنْقَلْتُ فَإِذَا أَنَا بِرَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى قُلْتُ لَا أَذْرِي قَالَتْهَا ثَلَاثًا قَالَ فَرَأَيْتَهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيْ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيْ فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى قُلْتُ فِي الْكُفَّارَاتِ قَالَ مَا هُنَّ قُلْتُ مَشْيُ الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ وَالْجُلُوسُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَاسْتِبَاحُ الْوُضُوءِ حِينَ الْكَرْبَاهَاتِ قَالَ ثُمَّ فِيمَ قُلْتُ فِي الدَّرَجَاتِ قَالَ وَمَا هُنَّ قُلْتُ إِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلَبْسُ الْكَلَامِ وَالصَّلَاةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ قَالَ سَلِّ قُلْتُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكُ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسْكِينِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي وَإِذَا أَرَدْتُ فِتْنَةً فِي قَوْمٍ فَتَوَفِّيْ غَيْرَ مُفْتُونٍ وَأَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يَقْرُبَنِي إِلَى حُبِّكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا حَقٌّ فَأَذْرُسُهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوهَا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ ابْنَ إِسْمَاعِيلَ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کائنات ﷺ نے صبح کی نماز میں تشریف لانے میں (خلافت عادت اتنی تاخیر فرمائی

کہ قریب تھا کہ سورج نکل آئے، اتنے میں آنحضرت ﷺ جھپٹے ہوئے تشریف لائے چنانچہ نماز کے لئے تکبیر کہی گئی اور آپ ﷺ نے (صحابہؓ کے ہمراہ) نماز پڑھی (اس طرح کہ) نماز میں تخفیف کی (یعنی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد ہم سے باوازی بلند فرمایا کہ ”جس طرح تم لوگ بیٹھے ہو اسی طرح اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا“ پھر آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہوشیار! میں آج صبح کی نماز میں دیر سے آنے کی وجہ بیان کرتا ہوں (اور وہ یہ ہے کہ) میں نے آج رات (تہجد کی نماز کے لئے) اٹھ کر وضو کیا اور جو کچھ میرے مقدّر میں نماز تھی پڑھی اور نماز ہی میں مجھے اونگھ اُٹھی یہاں تک کہ نیند مجھ پر غالب آگئی (اس وقت) ناگہاں میں نے اپنے پروردگار بزرگ و برتر کو اچھی صورت میں (یعنی اچھی صفت کے ساتھ) دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا، ”اے محمد!“ میں نے عرض کیا ”پروردگار! میں حاضر ہوں!“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (انہیں معلوم ہے) مقربین فرشتے کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ”پروردگار! میں نہیں جانتا“۔ اللہ تعالیٰ نے تین مرتبہ اسی طرح پوچھا (اور میں یکی جواب دیتا رہا)۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ، میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے مونڈھے کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا یہاں تک کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینہ پر محسوس کی (جس کا اثر یہ ہوا کہ) میرے سامنے ہر شے ظاہر ہو گئی اور میں تمام باتیں جان گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اے محمد (ﷺ)!“ میں نے عرض کیا کہ ”پروردگار! میں حاضر ہوں“ فرمایا (اب بتائی) مقربین فرشتے کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ گناہوں کو مٹانے والی چیزوں کے بارہ میں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وہ کون سی چیزیں ہیں؟“ میں نے عرض کیا کہ جماعتوں کے واسطے (مسجدوں میں) آجانا اور نماز پڑھ کر (اور دعا وغیرہ کے لئے) مسجد میں بیٹھے رہنا، اور سختی کے ساتھ (جس وقت کہ سردی یا بیماری کی وجہ سے پانی کو استعمال کرنا تکلیف دہ معلوم ہو) اچھی طرح وضو کرنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور کس چیز سے بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ درجات کے بارہ میں! ”فرمایا“ وہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ (غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھانا، نرم لہجہ میں بات کرنا اور رات میں اس وقت (یعنی تہجد کی) نماز پڑھنا جب کہ لوگ سوئے ہوں۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اچھا اب اپنے لئے جو چاہو دعا کرو۔ چنانچہ میں نے دعا کی کہ اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے، برائیوں کے چھوڑنے، مسکینوں کی دوستی، اپنی بخشش اور تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں اور جب تو کسی قوم میں گمراہی ڈالنا چاہے تو مجھے بغیر گمراہی کے اٹھالے اور میں تجھ سے تیری محبت (یعنی یہ کہ میں تجھے دوست رکھوں یا تو مجھے دوست رکھے) اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت کرتا ہے، (یعنی یہ کہ میں اسے دوست رکھوں یا وہ مجھے دوست رکھے) اور ایسے عمل کی محبت کا جو تیری محبت سے نزدیک کر دے سوال کرتا ہوں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے (ہم سے) فرمایا کہ ”یہ خواب بالکل سچ ہے لہذا تم اسے یاد کرو اور پھر لوگوں کو سکھلاؤ“ (احمد، ترمذی، اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسلمؒ سے اس حدیث کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔)

تشریح: اس حدیث کی وضاحت اسی باب کی حدیث نمبر ۴۴ کی تشریح میں کی جا چکی ہے اس لئے یہاں اب مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے تاہم اتنی بات سمجھ لیجئے کہ اس حدیث سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تھا اور یہ سوال و جواب حالت خواب ہی میں ہوئے تھے۔

۵۶) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ أَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ قَالَ فَاذًا قَالَ ذَلِكَ قَالَ الشَّيْطَانُ حُفِظَ مِنِّي سَائِرَ الْيَوْمِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن عاصؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ اَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ یعنی میں اللہ عظیمت والے بزرگ ذات والے اور ہمیشہ کی سلطنت والے کے ساتھ شیطان مردود سے پناہ مانگتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہونے کے وقت یہ دعا

پڑھتا ہے تو شیطان (اس شخص کے بارہ میں) کہتا ہے کہ یہ بندہ تمام دن میرے شر سے محفوظ رہا۔“ (ابوداؤد)

(۵۷) وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔ (رواہ مالک مرسلًا)

”اور حضرت عطاء ابن یسارؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا (یعنی یہ دعا فرمائی) اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ یعنی: اے اللہ امیری قبر کو بت نہ بنا کہ لوگ اس کی عبادت کرنے لگیں۔ (اور آپ ﷺ نے فرمایا) جن لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ان پر اللہ تعالیٰ کا شدید غضب (نازل) ہوا۔“ (مالک رحمہ اللہ مرسلًا)

تشریح: آپ کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار! تو میری قبر کو اس معاملہ میں بتوں کی مانند نہ کر کہ میری اُمت کے لوگ میری قبر کی خلاف شرع تعظیم کرنے لگیں یا بار بار زیارت کے لئے میلہ کے طور پر آنے لگیں، یا میری قبر کو سجدہ گاہ قرار دے کر اپنی پیشانیوں کو جو صرف تیری ہی چوکھٹ پر جھکنے کی سزاوار ہے اس پر جھکانے لگیں اور سجدے کرنے لگیں۔

اس حدیث کو اور اس دعا کو بار بار پڑھے اور ذرا آج کے حالات پر اس کو منطبق کیجئے پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کی اس دعا کا تعلق آنے والے زمانہ سے تھا چنانچہ آپ ﷺ کی عرفانی نگاہوں نے اس وقت دیکھ لیا تھا کہ وہ وقت آنے والا ہے۔ کہ جب کہ میری قبر تو الگ رہی اولیاء اللہ کے مزارات پر سجدہ ریزی ہوگی مقبروں پر میلے لگیں گے وہاں عرس قوالیاں ہوں گی، قبروں پر چادریں اور پھولوں کا چڑھاوا چڑھے گا۔ غرض کہ جس طرح ایک بت پرست قوم خدا کی عبادت و فرمانبرداری سے سرکشی اور تمرد اختیار کر کے بتوں کے ساتھ معاملہ کرتی ہے میری اُمت کے بد قسمت اور بد نصیب لوگ جو میرے نام کے شیدائی کہلائیں گے، میری محبت سے سرشاری کا دعویٰ کریں گے۔ میری لائی ہوئی پاک و صاف شریعت کی آڑ میں میرے دین کے نام پر وہی معاملہ قبروں کے ساتھ کریں گے لہذا آپ نے دعا فرمائی کہ اے پروردگار! تو میری اُمت کو ایسی گمراہی میں مبتلا نہ کیجئے کہ وہ میری قبر کو پوجنے لگیں۔

جملہ اشتدت غضب الخ کا تعلق دعا سے نہیں ہے بلکہ یہ جملہ متانفہ یعنی ایک الگ جملہ ہے گویا جب آپ ﷺ نے یہ دعا کی تو لوگوں نے پوچھا کہ یہ دعا آپ ﷺ کیوں کر رہے ہیں تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا اشتدت الخ یعنی میں اپنی اُمت پر انتہائی شفقت و مہربانی کے لئے یہ دعا کر رہا ہوں کہ مبادا یہ بھی اس لعنت میں مبتلا نہ ہو جائیں جس طرح کہ یہود و غیرہ اس لعنت میں مبتلا ہو کر خدائے ذوالجلال کے غضب میں گرفتار ہوئے۔

(۵۸) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الصَّلَاةَ فِي الْحَيْضَانِ قَالَ بَعْضُ رَوَاتِهِ يُعْنَى الْبَسَاتِينَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْحَسَنِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ قَدْ ضَعَفَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَغَيْرُهُ۔

”اور حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ ”حیطان“ میں نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا ہے کہ حیطان سے مراد بساتین (یعنی باغات) ہیں۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے (کیونکہ) یہ روایت بجز حسن بن ابی جعفر کی سند کے اور کسی سند سے منقول نہیں ہے اور انہیں بھی ابی ابن سعد وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(۵۹) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ بِصَلَاةٍ وَصَلَاةُ فِي مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ صَلَاةً وَصَلَاةُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُجْمَعُ فِيهِ بِخَمْسِمِائَةِ صَلَاةٍ وَصَلَاةُ فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى بِخَمْسِينَ أَلْفَ صَلَاةً وَصَلَاةُ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِينَ أَلْفَ صَلَاةً وَصَلَاةُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت انس ابن مالکؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، آدمی کی نماز اپنے گھر میں ایک ہی نماز کے برابر اور محلہ کی مسجد میں اس کی پچیس نمازوں کے برابر اور اس مسجد میں جہاں جمع ہوتا ہے (یعنی جامع مسجد میں) اس کی نماز پانچ سو نمازوں کے برابر اور مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس میں) اور میری مسجد (مسجد نبوی ﷺ میں) اس کی نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں اس کی نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ مساجد کے مراتب اور ان میں نماز پڑھنے کے ثواب کے فرق و درجات کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ سب سے کم تردد و رجوع تو خود کسی کے گھر کا ہے یعنی اگر کوئی شخص مسجد کے بجائے اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے تو اسے صرف اسی ایک نماز کا ثواب ملتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنے محلہ کی مسجد میں نماز ادا کرتا ہے تو اسے پچیس نمازوں کا ثواب دیا جاتا ہے اسی طرح جامع مسجد میں نماز پڑھنے والے کو پانچ سو اور بیت المقدس و مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھنے والے کو اس کی ایک نماز کے بدلہ میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب دیا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرے پھر تو اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں یعنی اسے ایک نماز کے عوض ایک لاکھ نمازوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔

۹۰) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ مَسْجِدٍ وَضِعَ فِي الْأَرْضِ أَوَّلُ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ ثُمَّ الْمَسْجِدُ الْأَقْصَى قُلْتُ كَمْ بَيْنَهُمَا قَالَ أَرْبَعُونَ عَامًا ثُمَّ الْأَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ فَحَيْثُ مَا أَدْرَكَكَ الصَّلَاةُ فَصَلِّ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! زمین کے اوپر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”مسجد حرام“ میں نے عرض کی کہ پھر اس کے بعد؟ فرمایا، ”مسجد اقصیٰ“ (یعنی بیت المقدس) پھر میں نے پوچھا کہ ان دونوں مسجدوں (کی بناء) کے درمیان کتنا فرق تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”چالیس سال“ پھر اس کے بعد فرمایا، اب تو ساری زمین تمہارے لئے مسجد ہے (یعنی اس کا ہر حصہ مسجد کا حکم رکھتا ہے کہ) جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لو۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کعبۃ اللہ کو بنانے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بیت المقدس کی بناء رکھنے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک ہزار برس سے زیادہ کافری ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے یہ کس اعتبار سے فرمایا کہ کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کی بناء کے درمیان صرف چالیس سال کافری ہے۔ اس کے جواب میں علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ:

”اس حدیث کے ذریعہ ان دونوں مسجدوں کی بناء اول کی طرف اشارہ ہے اور یہ ثابت ہے کہ کعبہ کے بانی اول حضرت ابراہیم علیہ السلام نہیں ہیں۔ اسی طرح بیت المقدس کے بھی بانی اول حضرت سلیمان علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ کعبہ کی بناء سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی ہے پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد تمام روئے زمین پر پھیل گئی۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ ان کی اولاد میں سے کسی نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی ہو اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کافری رہا ہو۔ پھر اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو بنایا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

مجھے اس حدیث کی توثیق علامہ ابن ہشامؒ کے اس مقولہ سے معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے کتاب التبیحات میں لکھا ہے کہ:

”جب حضرت آدم علیہ السلام کعبۃ اللہ کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب بیت المقدس کی سیر کر کے اسے بناؤ چنانچہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل میں بیت المقدس بنایا اور اس میں عبادت کی۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کی بناء میں چالیس سال

کے عرصہ کافرق ہوگا۔“

بعض علماء سے اس حدیث کی توجیہ یہ منقول ہے کہ:

”جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنایا تو مسجد کی حد مقرر کر دی تھی اسی طرح بیت المقدس کی بھی حد مقرر کر دی ہوگی۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ ان کی حدود کو مقرر کرنے کا دور میانی وقفہ چالیس سال کا ہو۔“

بَابُ السَّتْرِ ستر ڈھانکنے کا بیان

نماز صحیح طور پر ادا ہونے کی جہاں اور بہت سی شرائط ہیں ان ہی میں ایک شرط ستر یعنی شرم گاہ کا چھپانا بھی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے مصنفؒ اس باب میں اسی سلسلہ کی حدیثیں بیان کریں گے اس کے علاوہ اس باب میں مصنفؒ ان لباسوں کے بارہ میں بھی احادیث نقل کریں گے جن میں آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ نے نماز میں پڑھی ہیں۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِهِ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ وَاضِعًا ظَرْفِيهِ عَلَى عَاتِقِيهِ۔ (متفق علیہ)

”حضرت عمر ابن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت اُم سلمہؓ کے مکان میں آپ ﷺ اس کپڑے کو اپنے جسم سے اس طرح لپیٹے ہوئے تھے کہ اس کے دونوں کنارے آپ ﷺ کے مونڈھوں پر تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”اشتمال“ اسے کہتے ہیں کہ کپڑے کا وہ کنارہ جو داہنے مونڈھے پر ہے بائیں ہاتھ کے نیچے سے نکالا جائے اور پھر وہ کنارے لے کر جو دائیں ہاتھ کے نیچے سے بائیں ہاتھ پر ڈالا گیا ہے دونوں کو ملا کر سینہ پر گرہ لگائی جائے لیکن گرہ لگانے کی ضرورت صرف اس صورت میں ہوتی ہے جب کہ کپڑے کے کنارے لمبے نہ ہوں اور ان کے کھل جانے کا خوف ہو، اگر کنارے لمبے ہوں تو پھر گرہ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ یمن کے سفیروں کے لباس سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض شارحین کی عبارتوں میں گرہ لگانے کی قید ذکر نہیں کی گئی ہے۔

ان احادیث میں ”مشمول“ متوشع اور مخالف بین طرفہ کے جو الفاظ آئے ہیں سب کے ایک ہی معنی ہیں اور سب کی ایک ہی مذکور بالا صورت ہوتی ہے۔

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقِيهِ مِنْهُ شَيْءٌ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں (اس طرح) نماز نہ پڑھے کہ اس کے کپڑے کا کچھ حصہ مونڈھوں پر نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اشتمال کی صورت میں تو نماز پڑھنے کی اجازت ہے کیونکہ اس میں کپڑے کا کچھ حصہ مونڈھوں پر ہوتا ہے اور اگر مونڈھے پر کپڑے کا کچھ حصہ بھی نہ ہو تو اس صورت میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہوگی اور اس کی حکمت علماء یہ لکھتے ہیں کہ صرف

ایک ہی کپڑا اگر ہو اور اسی کا تہ بند کر لیا جائے اور اس کا کچھ حصہ مونڈھوں پر ڈالانہ جائے تو اس صورت میں ستر کھل جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور پھر یہ کہ رب ذوالجلال کے دربار میں حاضری کا وقت ہونے کی وجہ سے یہ بے ادبی کی شکل ہے۔

حضرت امام اعظمؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے۔ چنانچہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صرف ایک کپڑے میں اس طرح نماز پڑھے کہ اس کے کپڑے کا کچھ حصہ مونڈھوں پر نہ ہو مگر ستر چھپا ہوا ہو تو اس کی نماز ہو جائے گی لیکن کراہت کے ساتھ ہوگی۔ حضرت امام احمد اور دوسرے علماء سلف ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اس شخص کی نماز نہیں ہوگی۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلَيْتَ خَالِفَ بَيْنَ ظَرْفَيْهِ۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ اس کپڑے کی دونوں طرفوں میں مخالفت رکھے (یعنی اشتمال کی جو صورت بیان کی گئی ہے وہی اختیار کرے)۔“ (بخاری)

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خِمِصَةٍ لَهَا أَعْلَامٌ فَتَنَظَرُ إِلَى أَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اذْهَبُوا بِخِمِصَتِي هَذِهِ إِلَى أَبِي جَهْمٍ وَأَتُونِي بِأَبِي جَهْمٍ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي أَنْفَعًا عَنْ صَلَاتِي مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ كُنْتُ أَنْظُرُ إِلَى عِلْمِهَا وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ فَأَخَافُ أَنْ يَفْتِنَنِي۔

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے ایک ایسی چادر میں نماز پڑھی جس کے کنارے دوسرے رنگ کے تھے یا اس کے کناروں پر کچھ کام کیا ہوا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے اس پر کئے ہوئے کام کو دیکھا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اس چادر کو ابی جہم کے پاس لے جاؤ (اور اسے اس کے حوالہ کر کے) ابی جہم کی انجانیہ لے آؤ کیونکہ اس چادر نے مجھے میری نماز میں حضوری قلب کی دولت سے باز رکھا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور بخاریؒ کی ایک روایت میں (یہ بھی منقول ہے کہ) آپ ﷺ نے فرمایا ”میں نماز کے دوران اس چادر کے نقش و نگار کی طرف دیکھنے لگا اور مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ میری نماز خراب نہ کر دے۔“

تشریح: خمیصہ ایک چادر کو کہتے ہیں جو خزئی یا صوف کی ہوتی ہے جس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور دھاری دار ہوتی ہے لہذا جملہ ”لہا اعلام“ یا تو خمیصہ کی تاکید ہے یا اس کا بیان ہے۔ یہ چادر ایک صحابی حضرت ابو جہم تحفہ کے طور پر آپ ﷺ کی خدمت میں لائے تھے آپ ﷺ نے جب اس کو اوڑھ کر نماز پڑھی اور نماز کے آداب کے دوران آپ ﷺ کی نظر اس کی دھاریوں پر پڑی تو قلب مبارک میں کچھ فرق محسوس ہوا، چنانچہ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو صحابہؓ سے فرمایا کہ اسے ابو جہم کو واپس کر آؤ، چونکہ آپ ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ اس چادر کو واپس کر دینے سے ایک مخلص صحابی کی دل شکنی ہو اس لئے آپ ﷺ نے یہ فرمادیا کہ اس کے بدلہ میں ان سے انجانیہ لے آؤ۔ انجان ایک شہر کا نام ہے اس شہر کی بنی ہوئی چادریں بالکل سیاہ ہوتی تھیں۔ اس شہر کی مناسبت سے چادر کو انجانیہ کہا جاتا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظاہری نقش و نگار پاک نفوس اور صاف قلوب کو بھی متاثر کرتے ہیں اور یہ تاثیر قلب کی انتہائی صفائی اور لطافت کی بناء پر ہوتی ہے جیسے کہ کسی صاف و شفاف اور سفید چادر پر ایک معمولی سا سیاہ نقطہ بھی پڑ جاتا ہے تو فوراً ظاہر ہو جاتا ہے اور ناگوار محسوس ہوتا ہے اور چادر جتنی زیادہ سفید ہوتی ہے وہ سیاہ نقطہ اتنا ہی زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ یہی حال ان نفوس قدسیہ کا ہے جن کے قلب و دماغ تعلق مع اللہ اور ریاضت و مجاہدہ کی بناء پر اتنے پاک و صاف ہو جاتے ہیں کہ گناہ و معصیت تو الگ ہے کسی معمولی مباح شے کا ادنیٰ سا تصور بھی قلب و دماغ پر اثر انداز ہو جاتا ہے لیکن ان کے مقابلہ پر آلودگان تیرہ باطن بھی ہوتے ہیں جن کے دل و دماغ پر بڑے بڑے گناہ کا بھی اثر نہیں ہوتا۔

ہمارا خیال ہے کہ اس حدیث کے ذریعہ اصل اُمت کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ نماز کے سلسلہ میں ایسی چیزوں سے احتیاط رکھنی چاہئے جو نماز میں دھیان بنانے کا سبب بنتی ہوں۔

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكَ هَذَا فَإِنَّهُ لَا يَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ فِينَا صَلَاتِنَا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے مکان کے ایک حصہ میں ایک پردہ ڈال رکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اس پردہ کو ہمارے سامنے سے ہٹا لو کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں برابر میرے سامنے رہتی ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پردہ حضرت عائشہؓ نے دیوارگیری کے طور پر دیوار پر لگا رکھا ہو گا مگر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ پردہ چھپر کھٹ کے طریقہ پر تھا۔ بہر حال حضرت عائشہؓ نے یہ پردہ اسی وقت سے لگا رکھا ہو گا جب تک کہ انہیں حدیث بھی معلوم نہیں ہوئی ہوگی۔ جب آنحضرت ﷺ نے انہیں منع فرمادیا تو انہوں نے وہ پردہ اتار ڈالا۔

⑥ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ أَهْدَى لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرْجُ حَرِيرٍ فَلَبَسَهُ ثُمَّ صَلَّى فِيهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهُ نَزْعًا شَدِيدًا كَالْكَارِهِ لَهُ ثُمَّ قَالَ لَا يَنْبَغِي هَذَا لِلْمُتَّقِينَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں کسی نے ایک ریشمی قبا تحفہ کے طور پر بھیجی چنانچہ آپ ﷺ نے اسے پہن کر نماز پڑھ لی نماز پڑھنے کے بعد آپ ﷺ نے اس قبا کو اس طرح اتار پھینکا جیسے کوئی بہت برا جانتا ہو پھر فرمایا کہ (ریشمی کپڑے شرک و کفر سے) بچنے والوں کے لائق نہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”قروج“ اس قبا کو کہتے ہیں جس میں پیچھے کی طرف چاک ہوتا ہے۔ یہ قروج آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اکیدر بادشاہ رومہ یا بادشاہ اسکندریہ نے تحفہ بھیجی تھی۔ چونکہ اس وقت مردوں کو ریشمی کپڑا پہننا حرام نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ نے اسے زیب تن فرمایا اور اس میں نماز پڑھ لی مگر یہ سوچ کر کہ ریشمی کپڑا پہننے سے رعوت پائی جاتی ہے آپ ﷺ نے اسے ناپسند فرما کر اتار دیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے اپنے اس عمل سے یہ ظاہر فرمادیا کہ اگرچہ اس کا پہننا مباح ہے لیکن خدا کے نیک بندے اور متقی و پرہیزگار لوگ چونکہ عزیمت پر عمل کرتے ہیں اس لئے ان کے لئے یہ مناسب اور بہترین نہیں ہے کہ وہ ریشمی کپڑا پہنیں۔ پھر بعد میں ریشم کا پہننا تمام مسلمان مردوں کے لئے خواہ متقی ہوں یا غیر متقی، حرام ہو گیا۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ یہ بھی اس حالت میں ہوئی ہو تو اس صورت میں متقی عن الشرک مراد ہو گا یعنی مسلمانوں کو یہ پہننا چاہئے۔

الفصل الثانی

⑦ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَخْوَعِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي رَجُلٌ أَصِيدُ فَأَصْلِي فِي الْقَمِيصِ الْوَاحِدِ قَالَ نَعَمْ وَأُزِرُّهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ۔ (رواہ البوداذ وروی النسائی نحوه)

”اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایک شکاری آدمی ہوں، کیا میں ایک ہی کرتے میں نماز پڑھ لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں (پڑھ لیا کرو) لیکن اسے باندھ لیا کرو خواہ اسے کانٹے ہی سے کیوں نہ لگا لیا جائے۔“ (البوداذ و نسائی)

تشریح: چونکہ شکاری لوگ شکار میں کم کپڑے پہنتے ہیں اور زیادہ کپڑے پہننے سے شکار کرنے میں رکاوٹ ہوتی ہے اس لئے ان صحابی کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ میں چونکہ شکار کھیلنے والا آدمی ہوں اور شکار کے وقت عموماً صرف ایک کرتہ ہی پہنے ہوئے ہوتا ہوں اس کے نیچے لنگی بھی نہیں ہوتی تاکہ شکار کے پیچھے دوڑنے میں آسانی رہے تو کیا میں صرف ایک کرتہ ہی میں نماز پڑھ لیا کروں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ایک کرتے ہی میں نماز پڑھ سکتے ہو لیکن اس کرتے کا چاک اگر اتنا کھلا ہوا ہو کہ رکوع و سجود کے وقت ستر کھلنے کا اندیشہ رہے تو اس کے چاک کو باندھ لیا کرو۔ اگر اس وقت چاک بند کرنے کی کوئی چیز موجود نہ ہو تو اس میں کانٹا لگا کر ہی اسے بند کر لیا کرو تاکہ ستر نہ کھلے۔

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يُصَلِّي مُسْبِلٌ إِزَارَهُ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اذْهَبْ فَتَوَضَّأْ فَذَهَبَ وَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لَكَ اللَّهُ مَا لَكَ أَنْ تَتَوَضَّأَ قَالَ إِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ مُسْبِلٌ إِزَارَهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ صَلَاةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ إِزَارَهُ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا سرور کائنات ﷺ نے (یہ دیکھ کر) اس سے فرمایا کہ، ”جاؤ اور وضو کرو“ وہ شخص جا کر وضو کر آیا۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے اس شخص کو وضو کرنے کے لئے کیوں فرمایا؟ (حالانکہ وہ با وضو تھا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ، وہ شخص اپنا ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور جو شخص ازار لٹکائے ہوئے ہو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ”اسبال“ اسے کہتے ہیں کہ کوئی بھی کپڑا اتنا لہبا پہنا جائے کہ وہ ناز و تکبر کے طور پر نیچے زمین تک لٹکا ہوا ہو۔ گو یہ ازار ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے لیکن اس کا اشتمال اکثر و بیشتر ازار ہی کے لئے ہوتا ہے۔ لہذا پانجامہ، لنگی اور کرتا وغیرہ غرور و تکبر کی بناء پر ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مکروہ ہے، یہی وجہ ہے جب آپ ﷺ نے اس شخص کو ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ جو شخص ازار لٹکائے ہوئے ہو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز کا کمال قبول نہیں کرتا اور ثواب نہیں دیتا اگرچہ اصل نماز ہو جاتی ہے۔

باوجودیکہ وہ شخص با وضو تھا مگر آپ ﷺ نے اسے وضو کرنے کا حکم اس حکمت کی بناء پر دیا تاکہ وہ شخص اس کا سبب معلوم کرنے میں غور فکر کرے اور پھر اسے اس فعل شیع کی برائی کا احساس ہو، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور ظاہری طہارت یعنی وضو کی وجہ سے اس کا باطن غرور و تکبر کی آلائش سے پاک و صاف کر دے کیونکہ ظاہری طہارت باطنی صفائی و پاکیزگی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

⑨ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْبَلُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا بِحِمَامٍ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، بالغہ عورت کی نماز بغیر دوشہ کے (یعنی سر ڈھانکے بغیر) نہیں ہوتی۔“ (ابو داؤد، ترمذی)

تشریح: ”حائض“ سے مراد بالغہ عورت ہے جو حیض کی عمر کو پہنچ جائے خواہ اسے حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کا سر اور اس کے بال ستر میں شامل ہیں لہذا اگر کوئی عورت ننگے سر نماز پڑھے گی تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر عورت اتنا باریک کپڑا اوڑھ کر نماز پڑھے کہ اس کپڑے میں سے بال یا بدن کا رنگ دکھائی دیتا ہو تو اس کی نماز بھی نہیں ہوتی۔ لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ یہ حکم آزاد عورت کا ہے لونڈی اس حکم میں داخل نہیں ہے اس کی نماز ننگے سر بھی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا سر ستر نہیں اس کا سر مرد کی طرح ناف کے نیچے سے زانو کے نیچے تک نیرہنیت، پیچھے اور پہلو بھی۔

⑩ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّصَلَى الْمَرْأَةُ فِي دِنْعٍ وَمَا لَيْسَ عَلَيْهَا إِزَارٌ قَالَ إِذَا كَانَ الدِّنْعُ سَابِغًا يَغْطِي ظَهْرَ قَدَمَيْهَا۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَذَكَرَ جَمَاعَةٌ وَقَفَّوْهُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ۔

”اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے پوچھا کہ اگر عورت کے پاس تہم (یعنی پانجامہ وغیرہ) نہ ہو اور وہ صرف

دوپہ اور کرتہ میں نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا (ہاں ہو جائے گی) بشرطیکہ کرتہ اتنا لمبا ہو کہ اس کے پاؤں کی پشت چھپ جاتی ہو۔ (ابوداؤد) اور ابوداؤد نے کہا کہ ایک جماعت نے اس روایت کو اتم سلمہ پر موقوف کر دیا ہے یعنی انہوں نے کہا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے بلکہ حضرت اتم سلمہ کا قول ہے۔

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کے پاؤں کی پشت بھی ستر میں شامل ہے اس کو نماز میں ڈھانکنا واجب ہے۔
 (۱۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَّ يُعْطِيَ الرَّجُلُ فَاهُ۔

(رواہ ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے نماز میں سدل کرنے اور مرد کو منہ ڈھانکنے سے منع فرمایا ہے۔“

(ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: ”سدل“ کے معنی یہ ہیں کہ کپڑے کو اپنے سر یا مونڈھے پر ڈال کر دونوں طرف سے اسے لٹکادیا جائے چنانچہ کپڑا استعمال کرنے کا یہ طریقہ مطلقاً ممنوع ہے کیونکہ اس سے غرور و تکبر کی شان پیدا ہوتی ہے اور نماز میں تو یہ طریقہ بہت ہی برا ہے۔ اس طرح نماز پڑھنے سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ ”سدل“ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کپڑا اوڑھ کر اپنا ہاتھ اس کے اندر کرے اور اسی طرح رکوع و سجدہ کرتا رہے۔ چونکہ یہ طریقہ یہودیوں کا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

عرب میں پگڑی کے کونہ سے منہ پر ڈھانا باندھ لیتے تھے جس سے دہانہ چھپ جاتا تھا آپ ﷺ نے نماز میں اس سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اس طرح نہ تو قرأت اچھی طرح ہوتی ہے اور نہ سجدہ پورے طور پر ہوتا ہے۔ ہاں اگر نماز میں کسی کو ڈکار آئے یا منہ سے بدبو آئے تو اسے ہاتھ سے منہ ڈھانک لیا مستحب ہے۔

(۱۲) وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْيَهُودَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّونَ فِي نَعَالِهِمْ وَلَا خِفَافِهِمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت شداد ابن اوسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، (جو تے اور موزے پہن کر نماز پڑھنے میں) یہودیوں کی مخالفت کرو کیونکہ وہ لوگ جو تے اور موزے پہن کر نماز نہیں پڑھتے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: یہودی جو تے اور موزے پہن کر نماز نہیں پڑھتے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ یہودیوں کی مخالفت کرو اور جو تے پہن کر (اگر وہ پاک و صاف ہوں) اور موزے پہن کر نماز پڑھ لیا کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گمراہ لوگوں کی مخالفت ظاہر کرنے کی غرض سے کسی مباح چیز پر عمل کرنا بہتر ہے اور وجہ یہ ہے کہ اس طرح چونکہ گمراہ لوگوں کی مخالفت لازم آتی ہے اس لئے وہ مباح چیز بھی عزیمت یعنی اولویت کا حکم پیدا کر دیتی ہے۔

(۱۳) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ يَتِمَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ إِذْ خَلَعَ نَعْلَيْهِ فَوَضَعَهُمَا عَنْ يَسَارِهِ فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ الْقَوْمُ أَلْقَوْا نَعَالَهُمْ فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ قَالَ مَا حَمَلَكُمْ عَلَى الْقَائِكُمْ نَعَالَكُمْ قَالُوا رَأَيْنَاكَ أَلْقَيْتَ نَعْلَيْكَ فَالْقَيْنَا نَعَالَنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ جِبْرِيلَ أَتَانِي فَأَخْبَرَنِي أَنَّ فِيهِمَا قَدْرًا إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ قَدْرًا فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا۔

(رواہ ابوداؤد و الدارمی)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ سرور کائنات ﷺ اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے اچانک اپنے

جوتے اتار کر اپنی بائیں طرف (دور ہٹا کر) رکھ لئے جب لوگوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار ڈالے۔ آنحضرت ﷺ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ تمہیں جوتے اتارنے پر کس چیز نے مجبور کر دیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنے جوتے اتار ڈالے ہیں اس لئے ہم نے بھی اپنے جوتے اتار ڈالے آپ ﷺ نے فرمایا کہ (میں نے تو جوتے اس لئے اتار دیئے تھے کہ) میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے خبر دی کہ میرے جوتوں میں نجاست لگی ہوئی ہے (اس لئے میں نے جوتے نکال دیئے تھے) تم میں سے جو شخص مسجد میں آئے تو پہلے وہ اپنے جوتے دیکھ لیا کرے۔ اگر ان میں نجاست لگی ہوئی معلوم ہو تو انہیں صاف کر لے (اور انہیں پہنے ہی پہنے نماز پڑھ لے۔) (ابوداؤد، دارمی)

تشریح: "قدّر" (قاف کے زبر اور دال معجم کے ساتھ) اس چیز کو کہتے ہیں جسے طبیعت مکروہ رکھے لہذا اس لفظ سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے جوتے میں ایسی نجاست نہیں لگی ہوگی جس سے نماز درست نہ ہوتی ہو بلکہ کوئی گھناؤنی چیز جسے رینٹھ وغیرہ لگی ہوگی کیونکہ اگر نجاست لگی ہوتی تو آپ ﷺ از سر نو نماز پڑھتے حالانکہ آپ ﷺ نے جتنی نماز پڑھ لی تھی نہ تو آپ ﷺ نے اس کا اعادہ کیا اور نہ از سر نو نماز پڑھی۔ حضرت جبریل کا خبر دینا اور پھر اس خبر کی بناء پر آپ ﷺ کا جوتوں کو اتار دینا اس لئے تھا کہ آپ ﷺ کے مزاج اقدس میں چونکہ صفائی اور ستھرائی بہت زیادہ تھی اس لئے جوتوں پر اس گھناؤنی چیز کا لگا رہنا آپ ﷺ کے مزاج کے مناسب نہیں تھا اور بعض شوافع حضرات کہتے ہیں کہ اگر کسی نمازی کے کپڑے وغیرہ پر نجاست لگی ہوئی ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو تو نماز ہو جاتی ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کا یہ قول قدیم ہے۔

بہر حال۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متابعت واجب ہے کیونکہ صحابہؓ نے کوئی سبب پوچھے بغیر محض آپ ﷺ کو جوتے اتارتے دیکھ کر اپنے جوتے فوراً اتار ڈالے اور پھر آنحضرت ﷺ نے بھی اسے جائز رکھا۔

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَضَعُ نَعْلَيْهِ عَنْ يَمِينِهِ وَلَا عَنْ يَسَارِهِ فَتَكُونُ عَنْ يَمِينٍ غَيْرِهِ إِلَّا أَنْ لَا يَكُونَ عَلَى يَسَارِهِ أَحَدٌ وَلِيَضَعَهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ أَوْ لِيُصَلَّ فِيهِمَا۔

(رواہ ابو داؤد و روی ابن ماجہ، مستاہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو اپنے جوتے کو نہ اپنی دائیں طرف رکھے اور نہ بائیں طرف ہی رکھے کیونکہ اوہر دوسرے آدمی کی دائیں جانب ہوگی۔ ہاں اگر کوئی بائیں جانب نہ ہو تو اوہر رکھ لے (ورنہ) اسے چاہئے انہیں اپنے دونوں پیروں کے درمیان (یعنی اپنے آگے پیروں کے پاس) رکھ لے اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یا ”(اگر جوتے پاک ہوں تو ان کو اتارنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ) انہیں پہنے ہی پہنے نماز پڑھ لے۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نماز کے دوران جوتے اپنی دائیں طرف نہ رکھے جائیں اور بائیں طرف بھی اس لئے نہ رکھے جائیں کہ جو شخص اس کے بائیں طرف کھڑا ہو گا یہ جوتا جو اپنے بائیں طرف رکھا گیا ہے اس شخص کے دائیں طرف پڑے گا۔ لہذا جب اپنی دائیں طرف جوتا رکھنا پسند نہ کیا تو اس جوتے کو دوسرے شخص کے دائیں طرف کیوں رکھا جائے کیونکہ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے اپنے ساتھی کے لئے بھی اس چیز کو پسند کرے اور جس چیز کو اپنے لئے پسند کرتا ہے اسے اپنے ساتھی کے لئے بھی پسند کرے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَافَيْتُهُ يُصَلِّي عَلَى حَصِيرٍ يَسْجُدُ عَلَيْهِ قَالَ وَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ میں سرور کائنات کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ ایک بوریہ پر نماز پڑھ رہے ہیں اور اسی پر سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ایک کپڑا اوڑھے ہوئے جو آپ ﷺ کے جسم پر لپٹا ہوا تھا نماز پڑھ رہے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز ہر اس چیز پر جائز ہے جو نمازی اور زمین کے درمیان حائل ہو خواہ وہ چیز بوریہ وغیرہ کی قسم سے ہو یا کپڑے اور صوف وغیرہ کی قسم سے۔ گو اس حدیث میں صرف بوریہ کا ذکر کیا گیا ہے لیکن علماء کے پاس اور دلائل ایسے ہیں جن کی رو سے وہ بوریہ کے علاوہ کپڑے وغیرہ پر نماز پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ بغیر کچھ بچھائے ہوئے زمین پر نماز پڑھنا افضل ہے اس لئے کہ خشوع و خضوع نمازی اصل و روح ہے اور یہ چیزیں زمین پر نماز پڑھنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ ہاں اگر کوئی مجبوری ہو مثلاً سردی یا گرمی کی وجہ سے بغیر کچھ بچھائے ہوئے زمین پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر کچھ بچھالینا ہی بہتر ہوگا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ جو چیزیں زمین سے اگی ہوئی نہ ہوں اس پر نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے یعنی بوری وغیرہ پر نماز پڑھنا تو افضل و بہتر ہے اور کپڑے وغیرہ پر نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے۔

(۱۶) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي حَافِيًا وَمُتَّعِلًا۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے واد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو کبھی ننگے پاؤں اور کبھی جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔“ (ابوداؤد)

(۱۷) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلَّى بِنَا جَابِرٍ فِي إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قَبْلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهُ مَوْضُوعَةٌ عَلَى الْمَشْجَبِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ تُصَلِّي فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذَلِكَ لِئَرَانِي أَحْمَقُ مِثْلَكَ وَإِنَّا كُنَّا لَهُ ثَوْبَانِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت محمد ابن منکدر فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ نے صرف تہ بند باندھ کر جسے انہوں نے اپنی گدی کی طرف باندھ رکھا تھا نماز پڑھی حالانکہ ان کے کپڑے کھوٹی پر لٹکے ہوئے تھے ان سے کسی کہنے والے نے کہا کہ، آپ نے صرف تہ بند میں نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ، میں نے یہ اس واسطے کیا تاکہ تم جیسا احمق مجھے دیکھے بھلا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم میں سے وہ کون تھا جس کے پاس دو کپڑے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: ”مشجب“ کا عام فہم معنی کھوٹی ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ مشجب اس چیز کو کہتے ہیں جس پر کپڑے لٹکائے یا رکھے جاتے ہیں یا اس چیز کو کہتے ہیں جس پر کبھی کبھی پانی ٹھنڈا ہونے کے لئے مشک لٹکادی جاتی تھی۔

بہر حال حضرت جابرؓ نے اپنے کپڑے اس پر رکھ دئے تھے اور نماز صرف ایک کپڑے میں اس طرح پڑھ رہے تھے کہ اس کپڑے کا تہ بند کر رکھا تھا اور اس کے کونے اوپر کے گلے میں باندھ رکھے تھے چنانچہ ایک شخص نے اس طریقہ کو خلاف سنت سمجھتے ہوئے برا خیال کیا اور حضرت جابرؓ سے پوچھا کہ آپ اتنے سارے کپڑوں کی موجودگی میں بھی صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے ہیں تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں صرف ایک کپڑے میں نماز اس لئے پڑھ رہا ہوں تاکہ تم جیسا کہ علم مجھے دیکھے اور جان لے کہ نماز صرف ایک کپڑے میں بھی پڑھی جاسکتی ہے یہ خلاف سنت نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے اسی مقصد کے تحت اسے ڈانٹا اور کہا کہ احمق تو اسے برا کیوں سمجھ رہا ہے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہم میں سے وہ کون تھا جس کے پاس دو کپڑے تھے، ہمارے پاس تو صرف

ایک ایک کپڑا ہوتا تھا اسی میں ہم نماز پڑھتے تھے اور اسی کو دوسری ضرورتوں کے لئے استعمال کرتے تھے۔

اس بارہ میں علماء کا اجماع ہے کہ دو کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل ہے واجب نہیں ہے کیونکہ اس میں تنگی ہے اور آنحضرت ﷺ نیز آپ ﷺ کے صحابہؓ نے ایک کپڑے میں نماز بھی تو اس لئے پڑھی کہ ان کے پاس کپڑا ہی صرف ایک تھا اور کبھی بیان جواز کی خاطر ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ لی۔

الحاصل اگر کوئی شخص ایک ہی کپڑے میں نماز اس لئے پڑھتا ہے کہ اس کے پاس دوسرا کپڑا موجود نہیں ہے یا بیان جواز کی خاطر پڑھتا ہے تو جائز ہے۔ اور اگر کوئی شخص سستی و کاہلی اور بہ نیت حقارت پڑھے گا تو یہ مناسب نہیں ہوگا۔

حضرت جابرؓ کے ارشاد سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ کسی کو صحابہؓ کے ترک سنت پر لعن و طعن کرنا نہ چاہئے اور ان کے بارہ میں نیک گمان ہی رکھنا چاہئے۔ یعنی اگر کسی صحابی سے کوئی ایسا فعل صادر نظر آئے جو بظاہر خلاف سنت معلوم ہوتا ہے تو اس بارہ میں نیک گمان ہی رکھنا چاہئے کہ یہ بیان جواز کے لئے ہے یا پھر اس میں کوئی عذر ہوگا۔

(۱۸) وَعَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ الصَّلَاةُ فِي الثُّوبِ الْوَاحِدِ سُنَّةٌ كُنَّا نَفْعَلُهُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَعْابُ عَلَيْنَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ إِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ إِذْ كَانَ فِي الثِّيَابِ قِلَّةً فَمَا إِذَا وَسَّعَ اللَّهُ فَالصَّلَاةُ فِي الثَّوْبَيْنِ أَزْكَى - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت ہے کیونکہ سرور کائنات ﷺ کے زمانہ میں ہم اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور ہمیں کوئی برا نہیں کہتا تھا۔ اس پر حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ (یعنی ایک کپڑے میں نماز پڑھنا) اسی وقت تھا جب کہ کپڑوں کی قلت تھی اب کہ اللہ تعالیٰ نے کپڑوں کے بارہ میں وسعت بخش دی تو دو کپڑوں میں ہی نماز پڑھنا بہتر ہے۔“ (احمد)

بَابُ الشُّتْرَةِ

سترہ کا بیان

یہاں سترہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے نمازی کے سامنے کھڑا کیا جائے جیسے دیوار، ستون، یا لکڑی لوہا وغیرہ۔ نمازی کے آگے سترہ اس لئے کھڑا کیا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے سجود کی جگہ متمیز ہو جائے اور نمازی کے آگے سے گزرنے والا شخص گنہگار نہ ہو۔ سترہ کی لمبائی کم سے کم ایک ہاتھ اور موٹائی کم از کم ایک انگشت ہونا ضروری ہے۔

مقتدیوں کے لئے امام کا سترہ کافی ہے یعنی اگر امام کے آگے سترہ کھڑا ہو تو مقتدیوں کے آگے سے گزرنا جائز ہے اگرچہ ان کے سامنے کوئی چیز حائل نہ ہو۔

امام اور سترہ کے درمیان سے گزر جانا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر ایسی صورت ہو کہ کوئی نمازی پیچھے سے پہلی صف میں خالی جگہ دیکھے تو اس کے لئے جائز ہے کہ کچھلی صفوں کے سامنے سے گزرتا ہوا پہلی صف میں خالی جگہ پہنچ کر کھڑا ہو جائے کیونکہ یہ کچھلی صف والوں کا قصور ہے کہ انہوں نے آگے بڑھ کر پہلی صف میں جگہ کو پر کیوں نہ کیا۔ سترہ کے مفصل احکام آگے احادیث کی تشریح کے ضمن میں آئیں گے۔

سترہ کے بارہ میں آنحضور ﷺ کا معمول

الْفُضْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْدُو إِلَى الْمُصَلَّى وَالْغَزَاةَ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ

بِالْمُصَلِّي يَنْ يَدِيهِ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا۔ (رواہ البخاری)

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ صبح کے وقت عید گاہ تشریف لے جاتے اور آپ ﷺ کے آگے ایک نیزہ (بھی) لے جایا جاتا جو عید گاہ میں آپ ﷺ کے آگے کھڑا کر دیا جاتا تھا اور آپ ﷺ اس کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھ لیتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: معمول یہ تھا کہ سترہ کرنے اور ڈھیلے وغیرہ توڑنے کے لئے اکثر اوقات خدام آپ ﷺ کے ہمراہ ایک نیزہ لے کر چلتے تھے۔ چنانچہ عید گاہ میں سامنے چونکہ کوئی دیوار وغیرہ نہیں تھی بلکہ میدان ہی میدان تھا اس لئے وہاں بھی آپ ﷺ کے ساتھ نیزہ جاتا تھا جسے آپ ﷺ اپنے سامنے کھڑا کر دیتے تھے۔

اللہ کی تعریف اور سترہ کے سامنے گزرنے کا حکم

② وَعَنْ أَبِي جَحْفَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْأَبْطَحِ فِي قُبَّةِ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوءَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَتَّبِعُونَ ذَلِكَ الْوَضُوءَ فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَصِبْ مِنْهُ أَخَذَ مِنْ بَلَلٍ يَدِ سَاحِبِهِ ثُمَّ رَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ عَنزَةً فَرَكَّهَا وَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خَلَّةٍ حَمْرَاءَ فَشَمَّرَ أَصْلَى إِلَى الْعَنزَةِ بِالنَّاسِ رَكَعَتَيْنِ وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالذَّوَابَّ يَمْشُونَ بَيْنَ يَدَيِ الْعَنزَةِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ابطح کے مقام پر آقائے نامدار ﷺ کو سرخ چمڑے کے ایک خیمہ میں دیکھا اور میں نے حضرت بلالؓ کو آنحضرت ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی لیتے ہوئے دیکھا اور دوسرے لوگوں کو (بھی) میں نے دیکھا کہ وہ پانی حاصل کرنے میں بڑی عجلت کر رہے تھے۔ چنانچہ جس شخص کو اس پانی میں سے کچھ مل گیا اس نے (برکت حاصل کرنے کے لئے) اسے (اپنے بدن اور منہ پر) مل لیا اور جس شخص کو کچھ نہ ملا اس نے ساتھ والے کے ہاتھ کی تری (بی) لے کر مل لی پھر میں نے بلالؓ کو دیکھا کہ انہوں نے نیزہ لے کر اسے گاڑ دیا۔ آنحضرت ﷺ سرخ دھاریدار جوڑا پہنے اور دامن اٹھائے (خیمہ سے) نکلے اور نیزہ کی طرف کھڑے ہو کر صحابہؓ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور میں دیکھ رہا تھا کہ آدمی اور چوپائے نیزہ کے سامنے آ جا رہے تھے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: ”ابطح“ ایک نالہ کا نام ہے جو منہ کے راستہ میں مکہ کے قریب ہی واقع ہے اس نالہ کو محصب اور بطحا بھی کہتے ہیں۔ ابطح کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس نالہ میں سنگریزے ہیں۔

”خلہ“ دو کپڑوں یعنی لنگی اور چادر کو کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جو خلہ زیب تن فرما رکھا تھا وہ سرخ دھاری دار تھا پورا کپڑا سرخ نہیں تھا جو مردوں کو پہننا مکروہ تحریمی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ سترہ کے سامنے آدمیوں اور چوپاؤں کا گزر نادرست ہے۔

سواری کے جانور اور کجاوہ کی پچھلی لکڑی کو سترہ بنا کر نماز پڑھنا

③ وَعَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْرُضُ رَاحِلَتَهُ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ قُلْتُ أَفَرَأَيْتَ إِذَا هَبَّتِ الرِّكَابُ قَالَ كَانَ يَأْخُذُ الرَّحْلَ فَيَعْدِلُهُ فَيُصَلِّي إِلَى آخِرِهِ۔

”اور حضرت نافعؓ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ اپنی سواری کا اونٹ سامنے بٹھا کر اس کی طرف نماز پڑھ لیتے تھے۔ (بخاری و مسلم) اور بخاری نے یہ مزید نقل کیا ہے (نافع کہتے ہیں کہ) میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ جب اونٹ چرنے اور پانی پینے چلے جاتے تھے تو آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے (یعنی ایسی شکل میں آپ ﷺ سترہ کس چیز کو قرار دیتے تھے؟) ابن عمرؓ نے فرمایا (ایسے موقع پر) آپ ﷺ کجاوہ کو ٹھیک کر کے سامنے رکھ لیتے تھے اور اس کی پچھلی لکڑی کی طرف (جو بلند ہونے کی وجہ سے سترہ کا کام دیتی

تھی) نماز پڑھ لیتے تھے۔“

④ وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَضَعَ أَحَدُكُمْ يَدَيْهِ مِثْلَ مَوْخَرَةِ الرِّخْلِ فَلْيُصَلِّ وَلَا يَسْأَلِ مَنْ مَرَّوَرَاءَ ذَلِكَ۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت طلحہ ابن عبید اللہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی کجاوہ کی پچھلی لکڑی کی مانند (کسی چیز کو) سترہ بنا کر رکھ لے تو اسے چاہئے کہ وہ نماز پڑھ لے اور اس (سترہ) کے سامنے سے کوئی گزرے تو اس کی پرواہ نہ کرے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب نمازی سترہ کے قابل کسی چیز کو اپنے سامنے رکھ کر نماز پڑھے اور سترہ کے سامنے سے کوئی گزرے تو اس کا خیال نہ کرے کیونکہ سترہ کی موجودگی میں سامنے سے کسی کا گزرنا نماز کے خشوع و خضوع پر اثر انداز نہیں ہوگا۔ یا ”پرواہ نہ کرے“ کا تعلق گزرنے والے سے ہوگا۔ یعنی اگر نمازی کے آگے سترہ ہو تو اس کے سامنے گزرنے والا شخص کچھ پرواہ نہ کرے کیونکہ سترہ کی موجودگی میں نمازی کے سامنے سے گزرنے کی وجہ سے وہ گنہ گار نہیں ہوگا۔

نمازی کے آگے سے گزر جانا بہت بڑا گناہ ہے

⑤ وَعَنْ أَبِي جُهَيْنِمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنَّى يَقِفُ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لِمَنَ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ أَبُو النَّضْرِ لَا أَذْرِي قَالَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا أَوْ سَنَةً۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو جہیمؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس کی کیا سزا ہے تو وہ نمازی کے آگے سے گزرنے کے بجائے چالیس تک کھڑے رہنے کو بہتر خیال کرے۔ (اس حدیث کے ایک راوی) حضرت ابو نضر کہتے ہیں کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال کہا گیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت امام طحاویؒ نے ”مشکل الآثار“ میں فرمایا ہے کہ، یہاں چالیس سال مراد ہے نہ کہ چالیس مہینے یا چالیس دن۔ اور انہوں نے یہ بات حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے ثابت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ شخص جو اپنے بھائی کے آگے سے اس حال میں گزرتا ہے کہ وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے (یعنی نماز پڑھتا ہے) اور وہ (اس کا گناہ) جان لے تو اس کے لئے اپنی جگہ پر ایک سو برس تک کھڑے رہنا قدام اٹھا کر رکھنے سے بہتر ہوگا۔

بہر حال ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کے آگے سے گزرنے کا بہت بڑا گناہ ہے جس کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے کا بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا کتنی سخت ہے۔ تو وہ چالیس برس یا حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق ایک سو برس تک اپنی جگہ پر مستقلاً کھڑے رہنا زیادہ بہتر سمجھے گا بہ نسبت اس کے کہ وہ نمازی کے آگے سے گزرے۔

سترہ اور نمازی کے درمیان سے گزرنے والے کو زبردستی روکنے کا حکم

⑥ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتَوِرُهُ مِنَ النَّاسِ فَارَادَ أَحَدًا أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ هَذَا الْفَقْهُ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ۔

”اور حضرت ابو سعیدؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسی چیز (یعنی سترہ) کی طرف نماز پڑھے جو اس کے اور لوگوں کے درمیان حائل رہے اور کوئی شخص اس کے آگے سے (یعنی نمازی اور سترہ کے درمیان) سے گزرنے کا ارادہ کرے تو اسے روک دینا چاہئے اگر وہ مانے تو اسے قتل کر دینا چاہئے کیونکہ وہ (ایسی صورت میں) شیطان ہے۔ (حدیث کے الفاظ بخاری کے ہیں

اور مسلم نے اس روایت کو بالعمی نقل کیا ہے۔“

تشریح: ”قتل“ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقۃً ایسے شخص کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہئے بلکہ قتل سے مراد یہ ہے کہ چونکہ نمازی کے آگے سے گزرنا بہت برا ہے اس لئے اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے تو اسے پوری طاقت و قوت کے ساتھ گزرنے سے روک کر اسے اتنی بڑی غلطی کے ارتکاب سے بچایا جائے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو کسی ایسی چیز کے ذریعہ روکا جائے جس کا استعمال اس روکنے کے سلسلہ میں جائز ہو اور اس روک تھام میں اگر گزرنے والا شخص مرجائے تو علماء کے نزدیک متفقہ طور پر اس کا قصاص نہیں ہوگا۔ ہاں دیت کے واجب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ ایسی شکل میں دیت واجب ہوگی اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ واجب نہیں ہوگی۔

حدیث میں ایسے شخص کو شیطان کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے چونکہ اس شخص کو بہکا کر اس غلط کام کو کرنے پر مجبور کیا لہذا وہ شخص اس شیطانی کام کے کرنے کی بناء پر بمنزلہ شیطان کے ہوا۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا غلط کام کرنے والا شخص انسانوں کا شیطان ہے اس لئے کہ شیطان کے معنی سرکش کے ہیں خواہ انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے ہو اسی لئے شریر انفس آدمی کو شیطان انس کہا جاتا ہے۔

سترہ نماز کی محافظت کرتا ہے

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْطَعُ الصَّلَاةُ الْمَرْأَةَ وَالْحِمَارَ وَالْكَلْبَ وَيَقْبِي ذَلِكَ مِثْلَ مُؤَخَّرَةِ الرَّحْلِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا، عورت، گدھا اور کتا (نمازی کے آگے سے گزرنے کی صورت میں) نماز کو باطل کر دیتے ہیں اور کجاوہ کی پچھلی لکڑی کی مانند کسی چیز کو (نمازی کے آگے سترہ بنا کر) رکھ لینا (نماز کے) اس باطل کر دینے کو بچا لیتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: نمازی کے آگے سے گزرنا نماز کو باطل نہیں کرتا: جمہور علمائے صحابہ و غیر ہم کا یہ مذہب ہے کہ کوئی چیز یا کوئی شخص اگر نمازی کے آگے سے گزر جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی خواہ مذکورہ بالا تینوں چیزیں ہوں یا ان کے علاوہ کچھ اور ہوں۔ جہاں تک اس حدیث یا اسی طرح کی دوسری احادیث کا تعلق ہے سب دراصل نمازی کے سامنے سترہ کھڑا کرنے کی اہمیت اور تاکید بیان کرنے میں مبالغہ کے طریقہ پر ہیں۔ یا اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جو اگر نمازی کے آگے سے گزریں تو نماز میں خشوع و خضوع اور حضوری قلب کو کھودیتی ہیں جو درحقیقت نماز کی اصل اور روح ہیں۔ یا پھر اس سے یہ مراد بھی لی جاسکتی ہے کہ نمازی کے آگے سے ان چیزوں کے گزرنے سے چونکہ نماز کا دل ان کی طرف ہٹ جاتا ہے اور اس کا دل ان چیزوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس لئے نماز بھی بطلان کے قریب پہنچ جاتی ہے۔

عورت، گدھے اور کتے کی تخصیص کی وجہ: حدیث سے بظاہر تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نمازی کے آگے سے صرف ان تین چیزوں کے گزر جانے سے نماز پر اثر پڑ سکتا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر چیزوں کے گزرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان مذکورہ تین چیزوں کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ ان کی طرف دل بہت زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے چنانچہ عورت کی حیثیت تو ظاہر ہی ہے گدھے کا معاملہ بھی یہ ہے کہ گدھے کے ساتھ چونکہ اکثر و بیشتر شیاطین رہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کے چیخنے کے وقت اعوذ پڑھنا مستحب ہے اس لئے جب گدھا نمازی کے آگے سے گزرے گا تو نماز کا دل اس احساس کی بناء پر کہ اس کے ہمراہ شیاطین ہوں گے گدھے کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ یا ایسے ہی کتانہ صرف یہ کہ نجس عین ہوتا ہے بلکہ اس سے تکلیف پہنچنے کا بھی خطرہ رہتا ہے اس لئے اس کے گزرنے کی

صورت میں بھی ذہن پوری تیزی کے ساتھ اس کی طرف بھٹک جاتا ہے۔

نمازی کے آگے عورت کے آجانے سے نماز باطل نہیں ہوتی

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَأَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ كَاعْتَرَضَ الْجَنَازَةَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ رات میں نماز پڑھتے رہتے تھے اور میں آپ ﷺ کے اور قبلہ کے درمیان (یعنی آپ ﷺ کے سامنے) اس طرح پڑی رہتی تھی۔ جیسے جنازہ نمازیوں کے آگے رکھا ہوتا ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: جنازہ کی مثال دے کر اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول ہوتے تھے میں اس وقت آپ ﷺ کے سامنے کسی گوشہ وغیرہ میں نہیں پڑی رہتی تھی بلکہ آپ ﷺ کے سامنے پوری طرح لیٹی رہتی تھی اور اس کے باوجود آپ ﷺ نماز پڑھتے رہتے تھے۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں نمازی کے آگے عورت کے آجانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

نمازی کے آگے سے گدھی وغیرہ کا گزرنا نماز کو باطل نہیں کرتا

⑨ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى آتَانٍ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْإِخْلَامَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ بِمَنْىَ إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَزْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَتَزَلْتُ وَأَرْسَلْتُ الْآتَانَ تَزَوَّعَ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذَلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن جب کہ میں بالغ ہونے کے قریب تھا گدھی پر بیٹھا ہوا آیا اور آقائے نامدار ﷺ منیٰ میں لوگوں کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے اور (آپ ﷺ کے) آگے کوئی دیوار نہیں تھی (یعنی آپ ﷺ نے کوئی سترہ نہیں کھڑا کر رکھا تھا، میں بعض صف کے سامنے سے گزرا، پھر گدھی سے اتر کر اسے چھوڑ دیا وہ چرنے لگی اور میں صف میں داخل ہو گیا اور مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس واقعہ کو بیان کرنے سے حضرت ابن عباسؓ کا یہ بتانا مقصود ہے کہ نمازیوں کے آگے سے گدھی کے گزر جانے سے نماز باطل نہیں ہوئی۔ اس وقت حضرت ابن عباسؓ چونکہ بالغ نہیں تھے اس لئے جب وہ نمازیوں کے آگے سے گزرے تو انہیں کسی نے روکا نہیں۔

الفصل الثانی

عصا کو سترہ کے طور پر گاڑنے کے بجائے سامنے رکھ لینے میں علماء کا اختلاف

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتَ أَخَذْتُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ شَيْئًا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصَاهُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ عَصَا فَلْيَخُطِّطْ خَطًّا لَمْ لَا يَضُرُّهُ مَا مَرَّ أَمَامَهُ - (رواه البوراء و ابن ماجہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنا چاہے تو اپنے منہ کے سامنے کچھ (مثلاً دیوار و ستون وغیرہ) کر لے اور اگر کچھ نہ ملے تو اپنا عصا (ہی) کھڑا کر لیا کرے اور اگر اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو ایک لکیر ہی کھینچ لیا کرے پھر اس کے آگے کوئی گزر جائے تو کچھ نقصان نہ ہوگا (یعنی خشوع و خضوع میں خلل نہیں پڑے گا۔“ (البوراء و ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی اجازت دے رہی ہے کہ اگر کسی نمازی کو کوئی ایسی چیز دستیاب نہ ہو جو سترہ کے طور پر کام دے سکے تو وہ اپنے عصا کو اپنے سامنے سترہ بنا کر کھڑا کر لے۔ اب اس سلسلہ میں اتنی اور سہولت دی گئی ہے کہ اگر زمین نرم ہو تو عصا کو زمین میں گاڑ دیا جائے اور اگر زمین سخت ہو کہ عصا کو گاڑنا مشکل ہو تو پھر اس شکل میں عصا کو گاڑنے کے بجائے اپنے سامنے طولاً رکھ لیا جاوے تاکہ گاڑنے کی مشابہت حاصل ہو جائے۔

فقہ کی کتاب شرح منہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی اپنے عصا کو سترہ کے طور پر بجائے زمین میں گاڑنے کے اپنے سامنے رکھ لے تو بعض علماء کے نزدیک تو اس کے لئے یہ سترہ کے طور پر کافی ہو جائے گا۔ یعنی سترہ کا حکم پورا ہو جائے گا مگر بعض علماء کے نزدیک یہ سترہ کے طور پر کافی نہیں ہوگا۔

کفایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی سترہ کے طور پر عصا کو بجائے گاڑنے کے سامنے رکھنا چاہے تو اسے عصا کو طولاً رکھنا چاہئے نہ کہ عرضاً۔

سترہ کے لئے کوئی بھی چیز موجود نہ ہونے کی شکل میں سامنے صرف لکیر کھینچ لینے میں علماء کا اختلاف: اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہو رہی ہے کہ اگر کسی نمازی کو سترہ بنانے کے لئے کوئی چیز نہ ملے یہاں تک کہ اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو وہ اپنے سامنے صرف لکیر کھینچ کر نماز پڑھ لے اس کے لئے یہی لکیر سترہ بن جائے گی۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے بلکہ حنفیہ میں بھی بعد کے بعض علماء نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

حنفیہ کے اکثر علماء اور حضرت امام مالکؒ اس کے قائل نہیں ہیں کیونکہ ان کے نزدیک لکیر کھینچ لینا معتبر نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے بھی قول جدید میں اپنے پہلے مسلک کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے وہ ضعیف اور مضطرب ہے۔ نیز یہ کہ نمازی اور سامنے سے گزرنے والے کے درمیان سترہ کے طور پر صرف لکیر کا حائل ہونا نہ صرف یہ کہ کوئی اعتبار نہیں رکھتا بلکہ دور سے معلوم و میسر بھی نہیں ہوتا۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔ حضرت شیخ ابن الہمامؒ کے قول کا مفہوم بھی یہی ہے کہ لکیر کھینچنے کے بجائے سترہ کھڑا کرنا ہی اتباع سنت کی بناء پر اولیٰ اور بہتر ہے کیونکہ سامنے کھڑا ہوا سترہ پوری طرح ظاہر ہونے کی وجہ سے امتیاز بھی رکھتا ہے اور نمازی کے دل کو شکوک و شبہات سے نکال کر سکون خاطر اور اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے۔

اس کے بعد علماء نے وصف خط میں بھی اختلاف کیا ہے کہ لکیر کس طرح کھینچی جائے چنانچہ بعض علماء کے نزدیک لکیر شکل ہلال کھینچی چاہئے۔ اور بعض حضرات نے جانب قبلہ طولاً کھینچنے کو لکھا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ لکیر عرضاً دائیں طرف سے بائیں طرف کو کھینچی جائے اور مختار طولاً ہی کھینچنا ہے۔

سترہ کو قریب کھڑا کرنا چاہئے

⑪ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَفْصَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتَ أَحَدَكُمْ إِلَى سِتْرَةٍ فَلْيُذِنْ مِنْهَا لَا يَفْطَحُ الشَّيْطَانُ صَلَاتَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت سہل ابن حشمہؒ کہتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص سترہ کی طرف نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ سترہ کے قریب رہے تاکہ شیطان اس کی نماز نہ توڑے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”سترہ کے قریب“ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ سترہ اتنے نزدیک کھڑا کیا جائے کہ سجدہ اس کے پاس ہو سکے تاکہ شیطان اس کی نماز میں کوئی خلل نہ ڈال سکے کیونکہ نمازی اگر سترہ سے دور کھڑا ہوگا تو اس کے سامنے سے کسی کے گزرنے کا احتمال ہوگا۔ چنانچہ شیطان ایسی صورت میں اس کے دل میں وسوساں و شبہات کے بیج بوئے گا جس سے حضوری قلب میں فرق آجائے گا۔ اور نماز میں حضوری قلب کی

دولت میسر نہیں رہی تو گویا اس کی نماز ٹوٹ گئی اس لئے کہ نماز کا کمال اور ثواب بغیر حضوری قلب کے حاصل نہیں ہوتا لہذا سترہ کے قریب کھڑا ہونے کی وجہ سے اس آفت سے حفاظت حاصل ہوگی۔

سترہ پیشانی کے عین سامنے نہ کھڑا کرنا چاہئے

(۱۲) وَعَنِ الْمُقَدَّادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ مَارَ أَيْتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي إِلَى عُودٍ وَلَا عُمُودٍ وَلَا شَجَرَةٍ إِلَّا جَعَلَهُ عَلَى حَاجِبِهِ لَا يَمْنُ وَلَا يَسْرُ وَلَا يَضْمُدُ لَهُ صَمْدًا۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت مقداد ابن اسودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ لکڑی، ستون یا درخت کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھتے ہوں اور یہ چیزیں ٹھیک آپ ﷺ کے سامنے کھڑی ہوں بلکہ وہ آپ ﷺ کی دائیں یا بائیں بھوؤں (اہروں کے سامنے ہوتی تھیں اور آپ ﷺ ان کی سیدھ کا قصد نہ کرتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ سترہ کھڑا کرتے تھے تو اس بات کا بطور خاص خیال رکھتے تھے کہ سترہ پیشانی کے عین سامنے نہ ہو بلکہ آپ ﷺ سترہ کو دائیں یا بائیں بھوؤں کے سامنے کھڑا کرتے تھے اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ بت پرستی کی مشابہت نہ ہو۔

نمازی کے سامنے سے کتے اور گدھے وغیرہ کا گزرنا نماز کو باطل نہیں کرتا

(۱۳) وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ آتَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي بَادِيَةٍ لَنَا وَمَعَهُ عَبَّاسٌ فَصَلَّى فِي صَحْوَاءٍ لَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ سِتْرَةٌ وَحِمَارَةٌ لَنَا وَكَلْبَةٌ تَغْبِثَانِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَا بَالِي بِذَلِكَ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی نموہ)

”اور فضل ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ (ایک دن) ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ ہم اپنے جنگل میں (خیمہ زن) تھے حضرت عباسؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے چنانچہ آپ ﷺ نے جنگل میں نماز (اس طرح) پڑھی کہ آپ ﷺ کے سامنے سترہ نہیں تھا۔ ہماری گدھی اور کتیا آپ ﷺ کے سامنے کھیل رہی تھیں مگر آپ ﷺ نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ لوگ چند دنوں کے لئے جنگل میں خیمہ زن ہو کر جایا کرتے تھے اور وہاں رہا کرتے تھے۔ ہر جماعت کا اپنا اپنا متعین جنگل ہوتا تھا چنانچہ حضرت عباسؓ کا بھی ایک جنگل تھا۔ جن ایام میں وہ اپنے جنگل میں خیمہ زن تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے راوی وہیں کا بیان کر رہے ہیں۔

اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے سامنے سے اگر گدھے اور کتے وغیرہ گزر جائیں تو نماز باطل نہیں ہوتی، وہیں یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ گزر گاہ پر نماز پڑھنے کی شکل میں نمازی کو اپنے آگے سترہ کھڑا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

نمازی کے سامنے سے کسی کے گزرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی

(۱۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ وَأَذْرَأُ وَأَمَّا اسْتَطَعْتُمْ فَأَنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ نمازی کے آگے سے گزرنے والی کوئی بھی چیز نماز کو نہیں توڑتی (تاہم اگر کوئی نمازی کے آگے سے گزرے تو نماز میں خشوع و خضوع برقرار رکھنے کی خاطر، تم حتی الامکان اسے روکو کیونکہ وہ گزرنے والا شیطان ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث نے بھی بصراحت اس کو واضح کر دیا کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والی کوئی بھی چیز نماز کو باطل نہیں کرتی چاہے وہ عورت، کتا، اور گدھا ہی کیوں نہ ہو۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۷)۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَنَا مَبْنِيَّ يَدِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجُلَايَ فِي قِبْلَتِهِ فَإِذَا سَجَدَ عَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجْلِي وَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهَا قَالَتْ وَالْبَيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحٌ - (متفق عليه)

”حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں آقائے نامدار ﷺ کے سامنے (اس طرح سوئی رہتی تھی کہ) میرے دونوں پیر آپ ﷺ کے قبلہ کی طرف (یعنی آپ ﷺ کے سجدہ کرنے کی جگہ) ہوتے تھے۔ جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تھے تو مجھے (یعنی پیروں کو) دبا دیتے تھے میں پیروں کو سمیٹ لیتی تھی اور جب آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے تھے تو میں پھر پیر پھیلا دیتی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان دنوں میں گھر کے اندر چراغ نہیں تھے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ سے حضرت عائشہؓ اپنا یہ عذر بیان کرنا چاہتی ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے سجدہ کرنے کی جگہ پیر اس لئے پھیلائے رکھتی تھی کہ چراغ نہ ہونے کی وجہ سے مجھے کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔ جہاں تک حضرت عائشہؓ کے اس عمل کا تعلق ہے کہ جب آپ ﷺ ان کا پیر دبا دیتے تھے تو وہ اپنا پیر سمیٹ لیتی تھیں اور جب آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے تھے تو وہ اپنے پیر پھیلا دیتی تھیں تو یہ آنحضرت ﷺ کی تقریر یعنی ان کے اس عمل پر آنحضرت ﷺ کی جانب سے نکیہ نہ ہونے کی بناء پر تھا۔

نمازی کے آگے سے گزرنا جرم عظیم ہے

(۱۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُكُمْ مَالَهُ فِي أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيِ أَخِيهِ مُعْتَرِضًا فِي الصَّلَاةِ كَانَ لَأَنْ يَقْتُلَهُ مِائَةَ عَامٍ خَيْرٌ لَهُ مِنَ الْخَطْوَةِ الَّتِي خَطَا - (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا، اگر تم میں سے کوئی یہ جان لے کہ اپنے مسلمان بھائی کے سامنے سے جب کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو عرضاً گزرنا کتنا برا گناہ ہے تو اس کے لئے سو برس تک کھڑے رہنا ایک قدم آگے بڑھانے سے بہتر معلوم ہو۔“

(ابن ماجہ)

(۱۷) وَعَنْ كَعْبِ الْأَحْبَارِ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يُخَسَفَ بِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى عَنْهُ - (رواہ مالک)

”اور حضرت کعب احبارؓ فرماتے ہیں کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ (اس کے اس جرم کی) سزا کیا ہے تو اس کو اپنا زمین میں دھنسیا جانا نمازی کے آگے سے گزرنے سے زیادہ بہتر معلوم ہو۔ اور ایک روایت میں بجائے ”بہتر“ کے ”زیادہ آسان“ کا لفظ ہے۔“ (مالک)

نمازی کے آگے سے کتنی دوری پر گزرنا چاہئے

(۱۸) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّي أَحَدُكُمْ إِلَى غَيْرِ الشُّعْرَةِ فَإِنَّهُ يَقْطَعُ صَلَاتَهُ الْجِمَارَ وَالْخَنْزِيرَ وَالْيَهُودِيَّ وَالْمَجُوسِيَّ وَالْمَزَاةَ وَتُجْزَى عَنْهُ إِذَا مَرَّ وَابْنُ بَدِيهٍ عَلَى قَدْفَةٍ بِحَجْرٍ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا، تم میں سے جو شخص بغیر سترہ کے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز اس کے

سامنے سے گدھے، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت کے گزرنے سے ٹوٹ جائے گی ہاں اگر یہ ایک پتھر پھینکنے کی مسافت کے فاصلہ سے گزریں تو کچھ حرج نہیں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ پھینکنے کے بعد پتھر جتنی دور جا کر گرتا ہے اتنے فاصلہ کے بعد سے یہ مذکورہ چیزیں اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزریں تو کچھ حرج نہیں ہے یعنی نماز میں کوئی خلل و قصور نہیں آتا۔

علماء نے لکھا ہے کہ پتھر پھینکنے سے مراد حج میں رمی جمار ہے یعنی حج میں مناروں پر جو کنکر اور جس فاصلہ سے مارے جاتے ہیں اور جس کی مقدار تین ہاتھ لکھی ہے وہی یہاں مراد ہے۔

اس حدیث کی تاویل بھی وہی ہوگی جو اسی باب کی حدیث نمبر سات کی تشریح کے ضمن میں کی جا چکی ہے کہ نماز ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟

بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ

صفت نماز کا بیان

اس باب کے ذیل میں وہ احادیث نقل کی جا رہی ہیں جن سے نماز پڑھنے کی ترکیب معلوم ہوگی کہ نماز کس طرح پڑھی جائے؟ اور نماز کے ارکان و اجزاء کیا ہیں؟

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ازْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ازْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِي الثَّلَاثَةِ أَوْ فِي الْبَعْدِهَا عَلَّمَنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تيسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَظْمِنَ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَظْمِنَ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَظْمِنَ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَظْمِنَ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا۔ (بخاری علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ (پہلے) اس نے نماز پڑھی، اس طرح کہ تعدیل ارکان اور قومہ و جلسہ کی رعایت نہیں کی۔ پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا ”جاؤ اور پھر نماز پڑھو اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی“ وہ چلا گیا اور جس طرح پہلے نماز پڑھی تھی اسی طرح پھر نماز پڑھی اور آپ ﷺ کی خدمت میں آکر سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب دے کر پھر اس سے فرمایا کہ ”جاؤ نماز پڑھو اس لئے کہ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں“ (اس طرح تین مرتبہ ہوا) تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ اس شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے سکھلا دیجئے (کہ نماز کس طرح پڑھوں) آپ ﷺ نے فرمایا۔ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو (پہلے) اچھی طرح وضو کر لو۔ پھر قبلہ

کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر تکبیر کہو پھر قرآن کی جو (سورت وغیرہ) تمہیں آسان معلوم ہو اسے پڑھو پھر طہانیت کے ساتھ رکوع کرو پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر طہانیت کے ساتھ سجدہ کرو پھر سر اٹھاؤ اور طہانیت کے ساتھ بیٹھ جاؤ پھر طہانیت کے ساتھ (دوسرا) سجدہ کرو پھر سر اٹھاؤ اور طہانیت کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”پھر سر اٹھاؤ اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ (اس روایت میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں) پھر اپنی تمام نماز اسی طرح ادا کرو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: طہانیت کا مطلب یہ ہے کہ رکوع و سجود وغیرہ میں اس طرح پوری دلچسپی اور سکون خاطر کے ساتھ ٹھہرا جائے کہ بدن کے تمام جواز اپنی جگہ اختیار کر لیں اور ان ارکان میں جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں وہ پورے اطمینان کے ساتھ پڑھی جائیں۔

رکوع و سجود وغیرہ میں طہانیت فرض ہے یا واجب؟: حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ، اور حضرت امام ابو یوسفؒ اس حدیث کے پیش نظر رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ میں طہانیت کی فرضیت کے قائل ہیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے طہانیت کے فقدان کی بناء پر نماز کی نفی فرمائی ہے اور یہ چیز فرضیت کی علامت ہے کہ ایک فعل اس کے نہ ہونے سے منتفی اور باطل ہو جائے لہذا یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ارکان میں طہانیت اختیار نہیں کی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی جس کا اعادہ ضروری ہو گا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک رکوع و سجود میں طہانیت واجب ہے اور قومہ و جلسہ میں سنت ہے یہ حضرات اس حدیث کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ یہاں نماز کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ نماز کے کمال کی نفی مراد ہے کیونکہ اس حدیث کے آخری الفاظ جو ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں منقول ہیں یہ ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ ”اگر تم نے اسے (یعنی طہانیت کو) پورا کیا تو تمہاری نماز مکمل ہوئی اور اس میں سے تم نے جو کچھ کم کیا تو تم نے اپنی نماز ناقص کی۔ لہذا اس طرح کا حکم وجوب اور سنت کی علامت ہے کہ اس کے بغیر فعل ناقص و ناتمام ہوتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو نماز کا اعادہ کرنے کا حکم اس لئے نہیں دیا تھا کہ اس کی نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں تھی بلکہ اس اعادہ کے حکم کا مطلب یہ تھا کہ نماز پورے کمال اور بغیر کسی کراہیت و نقصان کے ادا ہونی چاہئے۔ اور اگر طہانیت فرض ہوتی تو آپ ﷺ اس کو شروع ہی میں منع کر کے نماز پڑھنے سے روک دیتے اور اس کو بغیر فرائض کے نماز نہ پڑھنے دیتے۔

اس حدیث سے چند باتوں کی طرف اشارہ ملتا ہے پہلی چیز تو یہ کہ عالم اور صالح کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ کسی جاہل اور غلط کام کرنے والے کو نہایت نرمی اور اخلاق کے ساتھ سمجھائے اور اس کے ساتھ نصیحت کا ایسا نرم معاملہ کرے کہ وہ شخص اس کی بات کو ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے پر خود مجبور ہو جائے کیونکہ بسا اوقات نصیحت کے معاملہ میں بد اخلاقی و ترش روئی اصلاح و سد صار پیدا کرنے کی بجائے اور زیادہ ضد و ہٹ دھرمی اور گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔ دوسری چیز یہ ثابت ہوتی ہے کہ ملاقات کے وقت اگرچہ وہ مکرر اور تھوڑی دیر کے بعد ہی ہو سلام کرنا مستحب ہے۔ تیسری چیز یہ ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی نماز کے واجبات میں کچھ خلل و نقصان پیدا کرے تو اس کی نماز صحیح ادا نہیں ہوتی اور وہ حقیقی معنی میں نمازی نہیں کہلاتا بلکہ اس کے بارہ میں یہی کہا جائے گا کہ اس شخص نے نماز نہیں پڑھی۔ پہلی روایت میں جلسہ استراحت یعنی پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے اٹھ کر بیٹھنے کا بھی ذکر کیا گیا ہے چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک جلسہ استراحت سنت ہے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک سنت نہیں ہے اس کی مفصل تحقیق انشاء اللہ آگے آئے گی۔

آنحضرت ﷺ کی نماز کا طریقہ

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يَشْخِصْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلَكِنْ يَبْنِي ذَلِكَ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَسْجُدْ

حَتَّى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُولُ فِي كُلِّ رُكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْرُشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى وَكَانَ يَنْهَى عَنْ غَفْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهَى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ أَفْتَرِاشَ الشَّعْبِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيمِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آگائے نامدار ﷺ نماز تو تکبیر سے اور قرأت الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے اور آپ جب رکوع کرتے تھے تو اپنا سر مبارک نہ تو (بہت زیادہ) بلند کرتے تھے اور نہ (بہت زیادہ) پست بلکہ درمیان درمیان رکھتے تھے (یعنی پیٹھ اور گردن برابر رکھتے تھے) اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بغیر سیدھا کھڑے ہوئے سجدہ میں نہ جاتے تھے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو بغیر سیدھا بیٹھے ہوئے (دوسرے) سجدہ میں نہ جاتے تھے اور ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات پڑھتے تھے اور (اور بیٹھنے کے لئے) اپنا بایاں پیر بچھاتے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے اور آپ عقبہ شیطان (یعنی شیطان کی بیٹھک) سے منع فرماتے تھے اور مرد کو دونوں ہاتھ سجدہ میں اس طرح بچھانے سے بھی منع کرتے تھے جس طرح درندے بچھالتے ہیں اور آپ ﷺ نماز کو سلام پر ختم فرماتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ آنحضرت ﷺ نماز تو تکبیر سے شروع فرماتے تھے اور قرأت الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے۔ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ ﷺ بسم اللہ آہستہ سے پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔

قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ اور اس میں ائمہ کا اختلاف: وکان یفرش رِجلہ الیسری وینصب رِجلہ الیمنی (یعنی آپ ﷺ بیٹھنے کے لئے اپنا بایاں پیر بچھاتے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے) اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ دونوں قعدوں میں اسی طرح بیٹھتے تھے چنانچہ حضرت امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے کہ دونوں قعدوں میں اسی طرح بیٹھنا چاہئے۔

آئندہ آنے والی حدیث جو حضرت ابو حمید ساعدیؓ سے منقول ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پہلے قعدہ میں افتراش (یعنی پاؤں بچھانا ہی اختیار کرتے تھے مگر دوسرے قعدہ میں تورک یعنی (کولہوں پر بیٹھنا) اختیار فرماتے تھے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے کہ پہلے قعدہ میں تو افتراش ہونا چاہئے اور دوسرے قعدہ میں تورک۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورک ہی ہے اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس نماز میں دو تشہد ہوں تو اس کے آخری تشہد میں تورک ہونا چاہئے اور جس نماز میں ایک ہی تشہد ہے اس میں افتراش ہونا چاہئے۔

امام اعظمؒ کے مسلک کی دلیل: بنیادی طور پر حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے نہ صرف یہی حدیث بلکہ اور بہت سی احادیث وارد ہیں جن میں مطلقاً پاؤں کے بچھانے کا ذکر ہے۔ نیز یہ بھی وارد ہے کہ تشہد میں سنت یہی ہے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ بغیر پہلے اور دوسرے قعدہ کی قید کے تشہد میں اسی طرح بیٹھا کرتے تھے۔ پھر دوسری چیز یہ بھی ہے کہ تشہد میں بیٹھنے کا جو طریقہ امام اعظمؒ نے اختیار کیا ہے وہ دوسرے طریقوں کے مقابلہ میں زیادہ بامشقت اور مشکل ہے اور احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ اعمال میں زیادہ افضل و اعلیٰ عمل وہی ہے جس کے کرنے میں مشقت اور دشواری زیادہ برداشت کرنی پڑے۔

جن احادیث میں آنحضرت ﷺ کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ دوسرے قعدہ میں کولہوں پر بیٹھتے تھے۔ جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ آنحضرت ﷺ حالت ضعف اور کبر سن میں اس طرح بیٹھتے تھے کیونکہ دوسرے قعدہ میں زیادہ دیر تک بیٹھنا ہوتا ہے اور کولہوں پر بیٹھنا زیادہ آسان ہے۔

عقبہ شیطان کا مطلب: عقبہ شیطان دراصل ایک خاص طریقہ سے بیٹھنے کا نام ہے جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ دونوں کولہ زمین پر ٹیک کر دونوں پنڈلیاں کھڑی کر لی جائیں پھر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر بیٹھا جائے جس طرح کہ کتے بیٹھا کرتے ہیں۔ قعدہ میں بیٹھنے کا یہ طریقہ اختیار کرنا متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔ علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ عقبہ شیطان کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کولہ

دونوں ایڑیوں پر رکھے جائیں۔ یہ معنی لفظ عقبہ کی رعایت سے زیادہ مناسب ہیں۔
 آپ ﷺ نے مرد کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ سجدہ کی حالت میں زمین میں اپنے دونوں ہاتھ اس طرح بچھائے جس طرح درندے یعنی کتے وغیرہ بچھاتے ہیں اس سلسلہ میں مرد کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ کے وقت عورتوں کو اس طرح ہی دونوں ہاتھ بچھانے چاہیں کیونکہ اس طرح عورت کے جسم کی نمائش نہیں ہوتی۔
 حدیث کے آخری جملہ کا مطلب بالکل صاف ہے کہ آپ ﷺ نماز کا اختتام سلام پر فرماتے تھے۔ مگر اتنی بات سن لیجئے کہ نماز میں سلام پھیرنا حنفیہ کے نزدیک تو واجب ہے مگر حضرات شوافع کے نزدیک فرض ہے۔

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے؟

③ وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَخْفَظُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُهُ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ هَذَا مِنْكِبَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ أَمَكَّنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَضَرَ ظَهْرَهُ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوَى حَتَّى يَغُودَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرَشٍ وَلَا قَابِضَهُمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَظْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقَبْلَةَ فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْآخِرَى وَقَعَدَ عَلَى مَقْعَدَتِهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو حمید ساعدیؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت میں فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ نماز کو تم میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب آپ ﷺ تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع میں جاتے تھے تو اپنے دونوں زانو ہاتھوں سے مضبوط پکڑتے تھے اور اپنی پیٹھ جھکا دیتے تھے (تاکہ گردن کے برابر ہو جائے) اور جب اپنا سر (رکوع سے) اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ سارے جوڑا اپنی جگہ پر آ جاتے تھے اور جب سجدہ میں جاتے تو دونوں ہاتھ زمین پر (منہ کے بل) رکھ دیتے تھے اور انہیں نہ پھیلاتے تھے اور نہ (پہلو کی طرف) بیٹھتے تھے اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف سامنے رکھتے تھے اور جب دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے اور جب آخری رکعت پڑھ کر بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں کو آگے نکال دیتے اور دوسرے (یعنی دائیں) پاؤں کو کھڑا کر کے کولھے پر بیٹھ جاتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جب تکبیر کہتے تھے تو اپنے ہاتھ اپنے مونڈھوں کے برابر اٹھاتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کانوں کی لو کے مقابل تک اٹھانا چاہئے کیونکہ دیگر احادیث میں اسی طرح مروی ہے اور چونکہ بعض روایات میں ان دونوں سے الگ ایک تیسرا طریقہ یعنی ہاتھوں کو کانوں کی اوپر کی جانب تک اٹھانا بھی آیا ہے۔ اس لئے امام اعظمؒ نے نہ تو کانوں کے نیچے یعنی مونڈھوں تک اٹھانے کے طریقہ کو اختیار کیا اور نہ کانوں کے اوپر کی جانب تک اٹھانے کے طریقہ کو اختیار کیا بلکہ درمیانی طریقہ اختیار کیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے ان روایات کی تطبیق کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اس طرح اٹھانا چاہئے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں تو کاندھوں کے مقابل رہیں انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل اور انگلیوں کے سرے کان کے اوپر کے حصے پر رکھے جائیں تاکہ اس طریقہ سے تمام احادیث پر عمل ممکن ہو جائے اور روایتوں میں کوئی اختلاف کی گنجائش نہ رہ جائے۔ ان احادیث میں ایک دوسری تطبیق یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ احادیث مختلف اوقات سے متعلق ہیں یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت بھی تو آپ ﷺ اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہوں گے

اور کبھی اس طرح۔

آپ ﷺ کے رکوع کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ دونوں ہاتھوں سے دونوں زانو مضبوطی سے پکڑ لیتے تھے اور انگلیوں کو کشادہ رکھتے تھے اور پھر گردن مبارک کو جھکا کر بالکل پیٹھ کے برابر کر دیتے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ رکوع میں تو انگلیاں کشادہ رکھنی چاہئیں اور سجدہ میں ملی ہوں نیز تکبیر تحریمہ اور تشهد میں ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہئے۔

سجدہ میں زمین پر ہاتھ رکھنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کی حالت میں انگلیاں اور ہتھیلیاں زمین پر پھیلا دینی چاہئیں اور پینچے اٹھے ہوئے اور پہلو اس طرح الگ رکھنے چاہئیں کہ اگر بکری کا بچہ چاہے تو پینچے سے گزر جائے۔ اس حدیث میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ قومہ سے سجدہ میں جانے کے وقت زمین پر پہلے زانو رکھے جائیں یا ہاتھ تو اس سلسلہ میں صحیح مسئلہ یہ ہے کہ درست تو دونوں طریقے ہیں لیکن اکثر ائمہ کے نزدیک افضل اور مختار یہی ہے کہ زمین پر پہلے زانو رکھا جائے۔

رفع یدین

④ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا كَثُرَ لِلرُّكُوعِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذَلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ۔ (تفصیل علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آقاؐ نے انداز ﷺ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے نیز جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی اسی طرح دونوں ہاتھ (مونڈھوں تک) اٹھاتے اور (رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے) کہتے سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ۔ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ (اللہ نے اس شخص کو سن لیا یعنی اس کی تعریف قبول کر لی جس نے اس کی حمد بیان کی۔ اے ہمارے پروردگار تعریف تو تیرے ہی لئے ہے) اور آنحضرت ﷺ سجدوں میں ایسا نہیں کرتے تھے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کا مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار دنیا کی تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی کسی شخص کی تعریف کرتا ہے تو وہ درحقیقت تیری ہی تعریف کرتا ہے کیونکہ سب کو پیدا کرنے والا تو ہی تو ہے اس لئے مصنوع کی تعریف دراصل صانع ہی کی تعریف ہوتی ہے۔

حدیث کے اس جزو سے معلوم ہوا کہ ہر نماز پڑھنے والے کو سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ دونوں کلمات کہنے چاہئیں، مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اسے یہ دونوں کلمات کہنے چاہئیں مگر جماعت کی صورت میں امام صرف سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے اور مقتدی رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہیں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ امام کو دونوں کلمات کہنے چاہئیں اسی قول کو امام طحاوی نے بھی اختیار کیا ہے۔ بلکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی قول کی تائید میں منقول ہے مقتدی کے بارہ میں ان کی رائے بھی یہی ہے کہ وہ صرف رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہیں۔

وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ (یعنی آپ ﷺ سجدوں میں ایسا نہیں کرتے تھے) کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تکبیر تحریمہ کے بعد آپ ﷺ رکوع میں جانے سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس طرح جب سجدے میں جاتے یا سجدہ سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرات شوافع کا مختار مسلک یہی ہے کہ ان اوقات میں رفع یدین نہیں کرنا چاہئے۔ ان حضرات کے نزدیک رفع یدین کی جو صورت ہے وہ یہی ہے کہ رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ، رکوع میں جانے کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت کرنا چاہئے۔ ان تینوں موقعوں کے علاوہ اور کسی موقع پر رفع یدین کو یہ حضرات صحیح نہیں مانتے۔

⑤ وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَثُرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَالِ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ

حَمْدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذَلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت نافعؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع میں جاتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سجدہ میں جاتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ اس حدیث کو آنحضرت ﷺ تک پہنچی ہوئی نقل کرتے تھے (یعنی وہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی طرح کیا ہے)۔“ (بخاری)

رفع یدین کے مسئلہ میں حنفیہ کی مستدل احادیث و آثار

① وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَثُرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَادِثَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ فَقَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَّ مِثْلَ ذَلِكَ وَفِي رِوَايَةٍ حَتَّى يُحَادِثَ بِهِمَا فُرُوعَ أُذُنَيْهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت مالک ابن حویرثؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ کو اتار اٹھاتے کہ انہیں کانوں کی سیدھ تک لے جاتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ میں جاتے تھے (یعنی دونوں ہاتھ کانوں کی سیدھ تک لے جاتے تھے) اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں کے اوپر کی جانب لے جاتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین یعنی ہاتھوں کو اٹھانے میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ تمام علماء وائمہ اس بات پر متفق ہیں۔ کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا چاہئے۔ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواقع پر رفع یدین کا مسئلہ حنفیہ و شوافع کے درمیان ایک معرکہ الاراء مسئلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا چاہئے اور شوافع کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین کرنا چاہئے۔

حق تو یہ ہے کہ دونوں طرف دلائل کے انبار ہیں اور احادیث و آثار کے ذخائر ہیں جن کی بنیادوں پر طرفین اپنے اپنے مسلک کی عمارت کھڑی کرتے ہیں۔ علماء حنفیہ نے تمام احادیث میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ان حضرات کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی تو رفع یدین کرتے ہوں اور کبھی نہ کرتے ہوں، یا یہ کہ پہلے تو آپ ﷺ رفع یدین کرتے تھے لیکن بعد میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواقع کے لئے رفع یدین منسوخ قرار دے دیا گیا۔

حنفیہ کے پاس اپنے مسلک کی تائید میں بہت زیادہ احادیث و آثار ہیں انہیں یہاں ذکر کیا جاتا ہے تاکہ حنفی مسلک پوری طرح واضح ہو جائے۔

امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی میں دو باب قائم کئے ہیں۔ پہلا باب تورکوع کے وقت رفع یدین کا ہے۔ اس کے ضمن میں امام ترمذی نے ابن عمرؓ کی حدیث نقل کی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ دوسرا باب یہ ہے کہ ”ہاتھ اٹھانا صرف نماز کی ابتداء کے وقت دیکھا گیا ہے“ اس باب کے ضمن میں امام ترمذی نے حضرت علقمہ کی وہ حدیث جو ابن مسعودؓ سے مروی ہے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”حضرت ابن مسعودؓ نے اپنے رفقاء سے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ آنحضرت ﷺ کی نماز ادا کرتا ہوں“ چنانچہ ابن مسعودؓ نے نماز ادا کی اور انہوں نے صرف پہلی مرتبہ ہی (یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت) ہاتھ اٹھائے۔ اسی باب میں امام ترمذی نے براء بن عازبؓ سے بھی اسی طرح منقول ہونا ثابت کیا ہے۔ نیز امام موصوف نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث حسن ہے اور صحابہ و تابعین میں سے اکثر اہل علم اس کے قائل ہیں اور سفیان ثوری و اہل کوفہ کا قول بھی یہی ہے۔

جامع الاصول میں حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کو ابی داؤدؒ و نسائی کے حوالہ سے اور براء ابن عازبؓ کی حدیث کو بھی ابوداؤد کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا“ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز شروع فرماتے تھے تو (تکبیر تحریمہ کے وقت) دونوں ہاتھ اپنے دونوں مونڈھوں کے قریب تک اٹھاتے تھے اور ایسا دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ ”پھر دوبارہ ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو جاتے تھے۔“

اس موقع پر اتنی سی بات اور سنتے چلے کہ اس حدیث کے بارہ میں ابوداؤد نے جو یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک صحیح نہ ہونے سے مراد یہ ہو کہ اس خاص سند و طریق سے صحیح ثابت نہیں ہے لہذا ایک خاص سند و طریق سے صحیح ثابت نہ ہونا اصل حدیث کی صحت پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتا۔ یا پھر یہ احتمال ہے کہ ابوداؤدؒ کا مقصد اس حدیث کو حسن ثابت کرنا ہو جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے لہذا اس صورت میں کہا جائے گا تمام ائمہ و محدثین کے نزدیک حدیث حسن قابل استدلال ہوتی ہے۔

حضرت امام محمدؒ اپنی کتاب ”موطا“ میں حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت کو جس سے رکوع اور رکوع سے سراٹھانے کے وقت رفع یدین ثابت ہوتا ہے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔ یہ سنت ہے کہ ہر مرتبہ جھکنے اور اٹھنے کے وقت تکبیر کہی جائے لیکن رفع یدین سوائے ایک مرتبہ یعنی تحریمہ کے وقت دوسرے مواقع پر نہ ہو اور یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور اس سلسلہ میں بہت زیادہ آثار وارد ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد عام ابن کلیب خری کی ایک روایت جسے عام نے اپنے والد مکرم سے جو حضرت علیؓ کے تابعین میں سے ہیں روایت نقل کی ہے کہ ”حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سوائے تکبیر اولی کے رفع یدین نہیں کرتے تھے۔“

عبدالعزیزؒ ابن حکیم کی روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ”میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا وہ ابتداء نماز میں پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے علاوہ اور کسی موقع پر رفع یدین نہیں کرتے تھے۔“

مجاہدؒ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے چنانچہ وہ صرف تکبیر اولی میں رفع یدین کرتے تھے۔ اسودؒ سے منقول ہے کہ ”میں نے حضرت عمر ابن خطابؓ کو دیکھا کہ وہ صرف تکبیر اولی میں رفع یدین کرتے تھے۔“ لہذا جب حضرت عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، اور حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابہ جو آنحضرت ﷺ سے نہایت قرب رکھتے تھے ترک رفع یدین پر عمل کرتے تھے تو وہ عمل جو اس کے برخلاف ہے قبول کرنے کے سلسلہ میں اولی اور بہتر نہیں ہوگا۔

شرح ابن ہمام میں ایک روایت دارقطنیؒ اور ابن عدیؒ سے نقل کی گئی ہے جسے انہوں نے محمد ابن جابرؒ سے انہوں نے حمادؒ ابن سلیمان سے انہوں نے ابراہیمؒ سے انہوں نے علقمہؒ سے اور انہوں نے عبد اللہ سے روایت کیا ہے۔ عبد اللہؒ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ہمراہ نماز پڑھی ہے چنانچہ انہوں نے سوائے تکبیر اولی کے اور کسی موقع پر رفع یدین نہیں کیا۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ مکہ کے دارالخطین میں جمع ہوئے۔ امام اوزاعیؒ نے امام صاحبؒ سے پوچھا کہ آپ ﷺ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سراٹھاتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ حضرت امام صاحبؒ نے جواب دیا اس لئے کہ آقائے نامدار ﷺ سے اس سلسلہ میں کچھ صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے! امام اوزاعیؒ نے فرمایا کہ مجھے زہریؒ نے حضرت سالمؒ کی یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے اپنے والد حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ تکبیر اولی کے وقت، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سراٹھاتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔“ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ مجھ سے حمادؒ نے ان سے ابراہیمؒ نے اور ان سے علقمہؒ اور اسودؒ نے اور ان دونوں نے حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ”آنحضرت ﷺ صرف ابتداء نماز میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور دوبارہ ایسا نہیں کرتے تھے۔“ یہ روایت سن کر امام اوزاعیؒ نے کہا

کہ میں نے تو زہریؒ سے نقل کیا اور انہوں نے سالمؒ سے اور انہوں نے اپنے باپ حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے اور آپ اس کے مقابلہ میں حمادؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابراہیمؒ سے اور انہوں نے علقمہؒ سے نقل کیا ہے یعنی میری بیان کردہ سند آپ کی بیان کردہ سند سے عالی اور افضل ہے۔

حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا کہ ”اگر یہی بات ہے تو پھر سنو کہ حمادؒ، زہریؒ سے زیادہ فقیہ ہیں اور ابراہیمؒ سالمؒ سے زیادہ فقیہ ہیں اور اسی طرح علقمہؒ بھی حضرت ابن عمرؓ کے مقابلہ میں فقہ میں کم نہیں ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کی رفاقت و صحابیت کا شرف حاصل ہے۔ نیز اسودؒ کو بھی بہت زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ اور عبد اللہ تو خود عبد اللہ ہیں۔ یعنی عبد اللہ ابن مسعودؓ کی تعریف و توصیف کیا کی جائے کہ علم فقہ میں اپنی عظمت شان اور آنحضرت ﷺ کی رفاقت و صحبت کی سعادت و شرف کی وجہ سے مشہور ہیں۔“

گویا۔ امام اوزاعیؒ نے تو اسناد کے عالی ہونے کی حیثیت سے حدیث کو ترجیح دی اور حضرت امام اعظمؒ نے راویان حدیث کے فقیہ ہونے کے اعتبار سے حدیث کو ترجیح دی۔ چنانچہ حضرت امام اعظمؒ کا اصول یہی ہے کہ وہ فقیہ راویوں کو غیر فقیہ راویوں پر ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

نہایت شرح ہدایہ میں ”عبد اللہ ابن زبیرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جو رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کر رہا تھا، انہوں نے اس شخص سے کہا کہ ایسا مت کرو کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے پہلے اختیار کیا تھا اور بعد میں اسے ترک کر دیا یعنی ان مواقع پر رفع یدین کا حکم پہلے تھا اب منسوخ ہو گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رفع یدین کیا تو ہم نے بھی رفع یدین کیا اور جب آنحضرت ﷺ نے اسے ترک کر دیا تو ہم نے بھی ترک کر دیا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”عشرہ مبشرہ (یعنی وہ دس خوش نصیب صحابہ جن کو آنحضرت ﷺ نے ان کی زندگی ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی) صرف ابتداء نماز ہی میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔“

حضرت مجاہدؒ حضرت ابن عمرؓ کا معمول نقل کرتے ہیں کہ ”میں نے حضرت ابن عمرؓ کے پیچھے ساہا سال نماز ادا کی ہے مگر میں نے ان کو سوائے ابتداء نماز کے اور کسی موقع پر رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ حالانکہ حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت گزر چکی ہے۔ جس سے تینوں مواقع پر رفع یدین کا اثبات ہوتا ہے اور جو شوافع کی سب سے اہم دلیل ہے۔ لہذا اصول حدیث کا چونکہ قاعدہ ہے کہ راوی کا عمل اگر خود اس کی روایت کے خلاف ہو تو روایت پر عمل نہیں کیا جاتا اس لئے حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت ساقط العمل قرار دی جائے گی۔

بہر حال۔ ان روایات و آثار سے معلوم ہوا کہ رفع یدین دونوں کے اثبات میں احادیث و آثار وارد ہیں اور صحابہ کی ایک جماعت خصوصاً حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ اور ان کے تابعین رفع یدین نہ کرنے ہی کے حق میں ہیں۔ لہذا۔ ان تمام موافق و مخالف احادیث کا محمول یہی ہو سکتا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ آنحضرت ﷺ سے اوقات مختلفہ میں دونوں طریقے وجود میں آئے ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے علم فقہ اور ان کی اسناد کا نقطہ منہا حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ اور ان کے تابعین کی ذات گرامی ہے اور چونکہ ان کا رجحان عدم رفع یدین کی طرف ہے اس لئے امام اعظم ابو حنیفہؒ نے ترک رفع یدین کے مسلک ہی کو اختیار کیا ہے اور اب تمام حنفیہ اسی مسلک کے حامی اور اس مسلک پر عامل ہیں۔

علمائے حنفیہ صرف اسی قدر نہیں کہتے بلکہ ان حضرات کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع پر رفع یدین کا حکم منسوخ ہے کیونکہ جب حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد یہ ترک رفع یدین ہی اختیار کرتے تھے باوجودیکہ رفع یدین کی

حدیث کے راوی یکی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے تو رفع یدین کا حکم دہا ہوا مگر بعد میں یہ حکم باوجود کثرت احادیث و آثار کے منسوخ ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس مسئلہ کی پوری تفصیل اپنی کتاب شرح سفر السعاده میں نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔ ان کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ ان کے نزدیک رفع یدین اور عدم رفع یدین دونوں ہی سنت ہیں مگر رفع یدین نہ کرنا ہی اولیٰ اور راجح ہے البتہ دیگر علماء حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ رفع یدین کا حکم اور طریقہ منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

جلسہ استراحت کا مسئلہ

④ وَعَنْهُ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَإِذَا كَانَ فِي وَتُرْمِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعًا۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت مالک ابن حورثؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے چنانچہ آپ ﷺ جب اپنی نماز کی طاق رکعت (یعنی پہلی یا تیسری) میں ہوتے تو جب تک سیدھے بیٹھ نہ لیتے اٹھتے نہ تھے۔“ (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھتے اور پہلی یا تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو پہلے بیٹھتے تھے اس کے بعد اگلی رکعت کے لئے اٹھتے تھے اسی کو جلسہ استراحت کہا جاتا ہے۔

جلسہ استراحت سنت ہے یا نہیں؟: حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جلسہ استراحت سنت ہے اور اس کا طریقہ وہی ہے جو پہلے قعدہ میں بیٹھنے کا ہے۔ نیز یہ کہ بیٹھنے کے بعد دونوں ہاتھوں سے زمین کا سہارا لے کر اٹھنا چاہئے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کا مختار قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جلسہ استراحت کرنا چونکہ کبرنی اور ضعف کی وجہ سے تھا اس لئے جس شخص کو جلسہ استراحت کی حاجت نہ ہو اس کے لئے یہ سنت نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی مستدل یکی حدیث ہے اور حضرت امام اعظمؒ کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جس کو ترمذیؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ (پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے) پشت قدم پر یعنی بغیر میٹھے ہوئے اٹھتے تھے“ اگرچہ اس حدیث کے بعض طرق ضعیف ہیں لیکن حدیث صحیح الاصل ہے۔

حضرت ابن ابی شیبہ، حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں نقل کرتے ہیں کہ ”وہ اپنے پشت قدم پر بغیر میٹھے ہوئے اٹھتے تھے“ نیز انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کے بارہ میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور حضرت نعمان ابن ابی عباس کے بارہ میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”میں نے بہت سے صحابہؓ کو دیکھا ہے کہ وہ جب پہلی اور تیسری رکعت میں سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو جس حالت میں ہوتے تھے اسی حالت میں بغیر میٹھے ہوئے اٹھ جاتے تھے۔

بہر حال۔ اس سلسلہ میں بہت زیادہ احادیث و آثار وارد ہیں اور جو احادیث اس کے برعکس وارد ہیں ان کا محمول کبرنی اور ضعف ہے جیسا کہ اس حدیث کے بارہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کبرنی اور ضعف کی وجہ سے جلسہ استراحت اختیار فرماتے تھے۔

تکبیر تحریمہ کے بعد دونوں ہاتھ کہاں اور کس طرح رکھنے چاہئیں

⑤ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُبَيْرٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَثَرُ ثُمَّ أَلْتَحَفَ بِشَوْبِهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ أَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثُّوبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا وَكَثَرُ فَلَمَّا قَالَ سَبِّحَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ كَفَّيْهِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت واکل ابن حجرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر کی پھر ہاتھ کپڑے کے اندر کر لئے اور داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا۔ پھر جب رکوع میں جانے کا ارادہ کیا تو دونوں ہاتھ کپڑے سے نکال کر ان کو اٹھایا اور تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے گئے اور جب (رکوع سے اٹھتے وقت) سمع اللہ لمن حمد کہا تو اس وقت بھی ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے درمیان کیا (یعنی اپنا سر مبارک دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا۔“

(مسلم)

تشریح: بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کے بعد اپنے دونوں دست مبارک چادر میں ڈھانک لئے اور نیت باندھ لی مگر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے چادر میں ہاتھ نہیں ڈھانکے بلکہ اپنی آستینوں میں چھپائے۔ بہر حال علماء لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کپڑوں میں جو چھپائے تھے تو اس کی وجہ غالباً سردی کی شدت ہوگی۔

تکبیر تحریمہ کے بعد داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا یوں تو تمام ائمہ کے نزدیک ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن حضرت امام مالکؒ کے نزدیک چھوڑے رکھنا اولیٰ ہے اور باندھنا بھی جائز ہے۔

اس بارہ میں ائمہ کے یہاں اختلاف ہے کہ ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھ کو ناف کے نیچے باندھنا چاہئے اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سینے کے قریب یعنی ناف کے اوپر باندھنے چاہئیں۔ دونوں حضرات کے مطابق حدیثیں وارد ہیں چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں حکم یہی ہے کہ جہاں چاہے ہاتھ باندھ لیا جائے درست ہو گا لیکن اتنی بات جان لینی چاہئے کہ اس مسئلہ میں کوئی خاص طریقہ چونکہ احادیث کے ذریعہ متعین نہیں تھا یعنی نہ تو ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کا طریقہ خاص طور پر ثابت ہے اور نہ ناف کے نیچے بلکہ دونوں طریقہ احادیث کے ذریعہ ثابت ہیں تو حضرت امام اعظمؒ نے ان دونوں صورتوں میں اس صورت کو اختیار کیا جو ادب اور تعظیم کے سلسلہ میں مقرر و متعارف ہے اور وہ ناف کے نیچے باندھنا ہے کیونکہ انتہائی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام کے موقع پر ہاتھ ناف کے نیچے ہی باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر کہنے اور رفع یدین کے وقت ہاتھوں کو کپڑے کے اندر سے نکال لینا چاہئے۔

⑨ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَمَنِيَّ عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت سہل ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ ”لوگوں کو حکم کیا جاتا تھا کہ نمازی کو نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھنا چاہئے۔“

(بخاری)

تشریح: اس حدیث سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ اعظم انامکین اور پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہونے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ ادب و احترام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے بلکہ انتہائی ادب و احترام کے ساتھ کھڑا رہے جس کا طریقہ یہ ہو کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے رکھا رہے اور سر جھکا رہے جیسا کہ بادشاہوں کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُولُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ حِينَ يَرْفَعُ صَلْبَهُ مِنَ الرُّكْعَةِ ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَهْوِي ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ثُمَّ يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا حَتَّى

حضرت واکل بن حجرؓ ہیں۔ حضرموت کے شمار کردہ ریسوں میں سے ہیں۔ جب یہ اپنے قبیلے کی طرف سے ایچی بن کر آپ کے پاس آئے تو آپ نے اپنی چادر مبارک زمین پر بچھادی اور ان کو اس پر بٹھایا۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کیا۔ علقمہ اور عبد الجبار ان کے صاحبزادے ہیں۔

يَقْضِيهَا وَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ التَّيْنَتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوسِ - (تفصیل علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہونے کے وقت تکبیر تحریمہ کہتے پھر رکوع میں جانے کے وقت تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع سے اپنی پشت اٹھاتے تو سبح اللہ لمن حمدہ کہتے پھر کھڑے ہی کھڑے ”ربنا لک الحمد“ کہتے پھر جب (سجدہ کے لئے) جھکتے تو تکبیر کہتے اور (سجدہ سے) سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے۔ پھر نماز پوری کرنے تک ساری نماز میں یہی کرتے تھے اور جب دو رکعتیں پڑھنے کے بعد اٹھتے تھے تو تکبیر کہتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں تکبیر تحریمہ اور رکوع و سجود کے مواقع پر صرف تکبیرات کا ذکر کیا گیا ہے ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

افضل نماز کون سی ہے؟

⑪ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ طَوِيلُ الْقُنُوتِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ ”سب سے بہتر نماز وہ ہے جس میں قیام طویل ہو۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں طویل قیام کرنا یعنی زیادہ دیر تک کھڑے رہنا اور لمبی سورتیں پڑھنا افضل اور اعلیٰ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے مشقت و محنت زیادہ ہوتی ہے اور جذبہ خدمت و اطاعت کا اظہار ہوتا ہے جو عبادت کی روح ہے۔

نماز میں قیام افضل ہے یا سجود؟ علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ نماز میں آیا قیام افضل ہے یا سجود؟ چنانچہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ نماز میں سجود افضل ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قیام ہی افضل ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قیام میں قرآن پڑھا جاتا ہے اور سجدہ میں تسبیح پڑھی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن تسبیح سے افضل ہے۔ خفیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

الْفَضْلُ الثَّانِي

آنحضرت ﷺ کی نماز کا طریقہ

⑫ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ فِي عَشْرَةِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا فَأَعْرَضَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَأْسَهُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَعْتَدِلُ فَلَا يُصْبِي رَأْسَهُ وَلَا يَقْنِعُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَيَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ ثُمَّ يَهْوِي إِلَى الْأَرْضِ سَاجِدًا فَيُحَافِي يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَيَفْتَحُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَنْشِي رِجْلَهُ الْيُسْرَى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتَّى يَرْجِعَ كُلَّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَسْجُدُ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَيَرْفَعُ وَيَنْشِي رِجْلَهُ الْيُسْرَى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتَّى يَرْجِعَ كُلَّ عَظْمٍ إِلَى مَوْضِعِهِ ثُمَّ يَنْهَضُ ثُمَّ يَضَعُ فِي الرُّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرُّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ثُمَّ يَضَعُ ذَلِكَ فِي بَقِيَّةِ صَلَاتِهِ حَتَّى إِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ الَّتِي فِيهَا التَّسْلِيمُ أَخْرَجَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلَى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالُوا صَدَقْتَ هَكَذَا كَانَ يُصَلِّي رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَزَوَى التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ مُعْتَمَدًا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي رِوَايَةِ لَأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي حُمَيْدٍ ثُمَّ

رَكَعَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ كَأَنَّهُ قَابِضٌ عَلَيْهَا وَوَتَرْتَدِيهِ فَتَحَاهُمَا عَنْ جَنْبَيْهِ وَقَالَ ثُمَّ سَجَدَ فَأَمَكَّنَ أَنْفَهُ وَجَبْهَتَهُ الْأَرْضَ وَنَشَى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوِ مَنْكَبَيْهِ وَفَرَجَ بَيْنَ فِجْذَيْهِ غَيْرَ حَامِلٍ بَطْنَهُ عَلَى شَيْءٍ مِنْ فِجْذَيْهِ حَتَّى فَرَغَ ثُمَّ جَلَسَ فَأَقْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَأَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنَى عَلَى قِبْلَتِهِ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى عَلَى رُكْبَتَيْهِ الْيُمْنَى وَكَفَّهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتَيْهِ الْيُسْرَى وَأَشَارَ بِأَصْبُعِهِ يَمِينِ السَّبَابَةِ فِي أُخْرَى لَهُ وَإِذَا قَعَدَ فِي الرُّكْعَتَيْنِ قَعَدَ عَلَى بَطْنِ قَدَمِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى وَإِذَا كَانَ فِي الرَّابِعَةِ أَقْضَى بِوَرَكِهِ الْيُسْرَى إِلَى الْأَرْضِ وَأَخْرَجَ قَدَمَيْهِ مِنْ نَاحِيَةِ وَاحِدَةٍ۔

”حضرت ابو حمید ساعدیؒ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کے دس صحابہ کی جماعت سے کہا کہ میں رسول خدا ﷺ کی نماز (کے طریقہ) کو تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں صحابہ کی جماعت نے کہا کہ اچھا بیان کیجئے۔“ انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر مونڈھوں کے برابر لے جاتے اور تکبیر کہتے پھر قرأت کرتے۔ اس کے بعد تکبیر کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے اور رکوع میں جا کر دونوں ہتھیلیاں اپنے گھٹنے پر رکھتے اور کمر سیدھی کر لیتے اور سر کو نہ نیچا کرتے تھے اور نہ بلند کرتے تھے (یعنی پیٹھ اور سر برابر رکھتے تھے) پھر سر اٹھاتے وقت سمع اللہ لمن حمد کہتے اور دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے اور سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے زمین کی طرف جھکتے اور سجدہ کرتے اور (سجدہ میں) اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے اور اپنے پیروں کی انگلیوں کو موڑ کر (ان کے رخ قبلہ کی طرف) رکھتے تھے پھر سجدہ سے سر اٹھاتے اور بایاں پیر موڑ کر (یعنی بچھا کر) اس پر سیدھے بیٹھ جاتے تھے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی جگہ پر برابر آجاتا تھا۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے (دوسرے) سجدہ میں چلے جاتے اور پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے (سجدہ سے) اٹھتے اور بایاں پیر موڑ کر اس اطمینان سے بیٹھتے (یعنی جلسہ استراحت کرتے) یہاں تک کہ بدن کا ہر عضو اپنی جگہ پر آجاتا تھا پھر دوسری رکعت میں بھی (سوائے ابتداء رکعت میں سبحانک اللہم اور اعوذ باللہ) پڑھنے کے اسی طرح کرتے تھے۔ اور جب دور رکعت پڑھنے (یعنی تشہد) کے بعد کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے جیسے کہ نماز کو شروع کرنے کے وقت تکبیر کہتے تھے پھر باقی نماز اسی طرح پڑھتے تھے اور جب وہ سجدہ (یعنی آخری رکعت کا دوسرا سجدہ) کر چکے جس کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے تو اپنا بایاں پیر یا ہر نکالتے اور بائیں طرف کو لھے پر بیٹھ جاتے اور پھر (تشہد وغیرہ پڑھنے کے بعد) سلام پھیرتے تھے۔ (یہ سن کر وہ سب صحابہ بولے کہ ”بے شک تم نے سچ کہا آنحضرت ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔“ (البوداؤد، دارمی، ترمذی اور ابن ماجہ) نے اس روایت کو بالعمی نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ البوداؤد کی ایک روایت جو ابو حمیدؒ سے مروی ہے۔ یہ الفاظ ہیں ”پھر رکوع میں جا کر دونوں ہاتھ زانو پر اس طرح رکھے جیسے انہیں مضبوطی سے پکڑے ہوں اور اپنے ہاتھوں کو (کمان کے) چل کی طرح رکھا اور کہیں کو اپنے دونوں پہلوؤں سے دور رکھا (گویا کہ) کہنیاں چلہ کے مشابہ تھیں اور پہلو کمان کے مشابہ“ اور راوی کہتے ہیں کہ ”پھر سجدہ میں گئے تو اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھا اور ہاتھوں کو پہلوؤں سے جدا رکھا اور دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کی سیدھ میں اور دونوں رانوں کو کشادہ رکھا اور اپنے پیٹ کو دونوں سے الگ رکھا یہاں تک کہ سجدہ سے فارغ ہوئے اور پھر اس طرح بیٹھے گلیاں پیر تو بچھالیا اور داہنے پیر کی پشت قبلہ کی طرف کی اور داہنا ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھ لیا اور (تشہد ان لا الہ الا اللہ کہنے کے وقت) اپنی انگلی یعنی سبابہ سے اشارہ کیا۔ اور البوداؤد ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”جب دور رکعتیں پڑھ کر بیٹھے تو بائیں پیر کے تلوے پر بیٹھے اور دائیں پیر کو کھڑا کر لیتے تھے اور جب چوتھی رکعت پڑھ کر بیٹھے تو بائیں کو لھے کو زمین سے ملاتے اور دونوں پاؤں کو ایک طرف نکال دیتے تھے۔“

تشریح: انا اعلمکم بصلوة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے طریقہ کو تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں) ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی خاص مصلحت و ضرورت کی بناء پر غیر کسی غرور و تکبر اور نفسانیت کے

انظار حقیقت کے طور پر اپنے علم کی زیادتی کا دعویٰ کرے تو جائز ہے۔

تکبیر تحریمہ سے پہلے ہاتھ اٹھانے چاہئیں: حدیث کے الفاظ رفع یدہ حتیٰ یحاذی بہما منکبہ ثم یکبر سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے رفع یدین کرتے اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہتے چنانچہ امام اعظمؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہی جائے۔

سجدہ کی تکمیل زمین پر ناک اور پیشانی دونوں رکھنے سے ہوتی ہے: فامکن انفہ وجہتہ الارض سے معلوم ہوا کہ سجدہ پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر رکھ کر کرنا چاہئے کیونکہ آنحضرت ﷺ مستقل طور پر سجدہ اسی طرح کرتے تھے اور احادیث بھی اسی کے موافق وارد ہیں لہذا سجدہ مکمل تو جب ہی ہوتا ہے کہ ناک اور پیشانی دونوں کو زمین پر رکھا جائے۔ اگر کسی مجبوری اور عذر کی بناء پر سجدہ میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو زمین پر نہیں رکھا تو مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر بغیر کسی عذر اور مجبوری کے ایسا کیا تو اس میں یہ صورت ہوگی کہ اگر زمین پر پیشانی رکھی ہے ناک نہیں رکھی تو یہ متفقہ طور پر جائز ہوگا البتہ سجدہ مکروہ ہوگا اور اگر پیشانی نہیں رکھی بلکہ ناک رکھی تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہ بھی بکراہت جائز ہے مگر حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

سبابہ کی تحقیق: سبابہ شہادت کی انگلی کو کہتے ہیں۔ ”سب“ کے لغوی معنی گالی کے ہیں ایام جاہلیت میں اہل عرب جب کسی کو گالی دیتے تھے اس انگلی کو اٹھاتے تھے اس مناسبت سے اس انگلی کا نام اسی وقت سے سبابہ رائج ہو گیا پھر بعد میں اس انگلی کا اسلامی نام مسجد اور سباحہ ہو گیا کیونکہ تسبیح و توحید کے وقت اس انگلی کو اٹھاتے ہیں۔

بہر حال۔ حدیث کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے التحیات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت اس انگلی سے اس طرح اشارہ کیا کہ نفی یعنی اشمذ ان لا الہ کہتے وقت انگلی اٹھائی اور اثبات یعنی لا الہ اللہ کہتے وقت انگلی رکھ دی۔

تکبیر تحریمہ اور ہاتھ اٹھانے کا طریقہ

(۱۳) وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ ابْصَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتْمَا بِجِجَالِ مَنْكَبَيْهِ وَحَازَى ابْهَامَيْهِ أَذُنَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ وَاهُ أَبُو ذَاوُدَ وَفِي رَوَايَةٍ لَهُ يَرْفَعُ لَهُ ابْهَامَيْهِ إِلَى شَحْمَةِ أُذُنَيْهِ۔

”اور حضرت وائل ابن حجرؒ راوی ہیں کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے کہ مونڈھوں کے برابر پہنچ گئے اور دونوں انگوٹھوں کو کانوں تک لے گئے پھر تکبیر کہی۔ (ابوداؤد) اور ابوداؤدؒ ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ آپ ﷺ انگوٹھوں کو کانوں کی لوتیک اٹھاتے تھے۔“

تشریح: یہ حدیث بھی حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کی تائید کر رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ ہاتھ اٹھانے کے بعد تکبیر کہتے تھے اور انگوٹھوں کو کانوں کی لوتیک اٹھاتے تھے۔

ہاتھ باندھنے کا طریقہ

(۱۴) وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هَلْبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِنَا فَيَاخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”حضرت قبیصہ ابن ہلبؒ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ ہم لوگوں کو نماز پڑھاتے تو (قیام میں) اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑتے تھے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تعدیل ارکان کی تعلیم

(۱۵) وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعِدْ صَلَاتَكَ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ عَلِمْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ أَصَلِّي قَالَ إِذَا تَوَجَّهْتَ إِلَى الْقِبْلَةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِأَمِّ الْقُرْآنِ وَمَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَقْرَأَ فَإِذَا رَكَعْتَ فَاجْعَلْ رَاخَتِكَ عَلَى رُكْبَتِكَ وَمَكِّنْ رُكُوعَكَ وَأَمْدُدْ ظَهْرَكَ فَإِذَا رَفَعْتَ فَأَقِمْ صُلْبَكَ وَارْفَعْ رَأْسَكَ حَتَّى تَرْجِعَ الْعِظَامَ إِلَى مَفَاصِلِهَا فَإِذَا سَجَدْتَ فَمَكِّنِ السُّجُودَ فَإِذَا رَفَعْتَ فَاجْلِسْ عَلَى فَحْذِكَ الْيُسْرَى ثُمَّ اصْنَعْ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكَعَةٍ وَسَجْدَةٍ حَتَّى تَظْمِنَ هَذَا الْفَرْقَ الْمَصَابِيحَ وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ مَعَ تَغْيِيرٍ يَسِيرٍ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَنُّيُّ مَعْنَاهُ وَفِي رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ قَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَتَوَضَّأْ كَمَا أَمَرَكَ اللَّهُ بِهِ ثُمَّ تَشَهَّدْ فَأَقِمْ فَإِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ أَوْ لَا فَاحْمَدِ اللَّهَ وَكَبِّرْ وَهَلِّلْهُ ثُمَّ اذْكَعْ۔

”اور حضرت رفاعہ ابن رافعؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور نماز پڑھی، پھر آقائے نامدار ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے (سلام کا جواب دے کر) فرمایا کہ۔ ”اپنی نماز دوبارہ پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی“ اس شخص نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ! آپ ﷺ مجھے نماز پڑھنے کا طریقہ بتادیجئے کہ نماز کس طرح پڑھوں؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جب تم قبلہ کی طرف متوجہ ہو تو اللہ اکبر (یعنی تکبیر تحریمہ) کہو پھر سورۃ فاتحہ اور جو کچھ خدا چاہے پڑھو (یعنی سورۃ فاتحہ کے ساتھ جو سورت چاہو پڑھو) اور جب تم رکوع میں جاؤ تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے زانوؤں پر رکھ کر رکوع میں (اطمینان سے) قائم رہو اور اپنی پشت کو ہموار رکھو اور جب تم (رکوع سے) سر اٹھاؤ تو اپنی پشت کو سیدھا کرو اور سر اٹھاؤ (یعنی بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ) یہاں تک کہ تمام ہڈیاں اپنی اپنی جگہ آجائیں اور جب سجدہ کرو تو اچھی طرح سجدہ کرو اور جب تم سجدہ سے سر اٹھاؤ تو اپنی بائیں ران پر بیٹھ جاؤ پھر اسی طرح ہر ایک رکوع و سجدہ میں کرو، یہاں تک کہ رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ گویا ہر ایک رکن کی صحیح ادائیگی پر تمہیں اطمینان ہو جائے۔ حدیث کے یہ الفاظ مصابیح کے ہیں اور ابوداؤدؒ نے اسے تھوڑے سے تغیر و تبدل کے ساتھ نقل کیا ہے نیز ترمذیؒ اور نسائیؒ نے بھی اس روایت کو بالبعنی نقل کیا ہے اور ترمذیؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اس طرح وضو کرو جیسا کہ خدا نے تمہیں حکم دیا ہے پھر کلمہ شہادت پڑھو (جیسا کہ وارد ہے کہ وضو کے بعد کلمہ شہادت پڑھنا بڑی فضیلت کی بات ہے یا یہ کہ کلمہ شہادت سے مراد اذان ہے) پھر اچھی طرح نماز ادا کرو (یا قائم کا مطلب یہ ہے کہ تکبیر کہو) اور قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہو اس کو پڑھو اور کچھ یاد نہ ہو تو الحمد للہ، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہو۔ پھر رکوع کرو۔“

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس شخص کو قرآن کی کوئی سورۃ و آیت یاد نہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ قرأت کی جگہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھ لیا کرے۔ چنانچہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز کا وقت آنے تک قرآن کی کم سے کم اتنی آیتیں جس کا پڑھنا نماز میں فرض ہے یاد کر لے۔ اگر اس عرصہ میں اسے کچھ بھی یاد نہ ہو سکے تو وہ قرأت کی جگہ ذکر اور تسبیح و تہلیل کر لیا کرے اس کی نماز ادا ہو جائے گی۔

نماز کے بعد دعا مانگنی چاہئے

(۱۶) وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةُ مَثْنَى مَثْنَى تَشْهَدُ فِي كُلِّ رَكَعَتَيْنِ وَتَخْشَعُ وَتَضَعُ وَتَمْسُكُنْ ثُمَّ تَقْنَعُ بِذَلِكَ يَقُولُ قَدْ ارْفَعَهُمَا إِلَى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلًا يَبْطُورُهُمَا وَجْهَكَ وَتَقُولُ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَهُوَ كَذَّاءٌ وَكَذَّاءُ فِي رِوَايَةٍ فَهُوَ خِدَاجٌ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت فضل ابن عباسؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ (نفل) نماز دو رکعت ہے اور ہر دو رکعت میں التحیات ہے اور

(نماز کی روح) خشوع، عاجزی اور اظہار غریبی ہے پھر (نماز پڑھنے کے بعد) اپنے پروردگار کی طرف دونوں ہاتھ اٹھاؤ، (حضرت فضل کہتے ہیں کہ ثم تنقع یدیک سے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ نماز پڑھنے کے بعد تم) اپنے پروردگار کی طرف اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھاؤ کہ ہاتھوں کی دونوں ہتھیلیاں منہ کی جانب ہوں (جو دعا کا طریقہ ہے) اور یہ کہو کہ ”اے میرے رب! اے میرے رب!“ اور جو شخص ایسا نہ کرے (یعنی مذکورہ بالا طریقہ پر عمل نہ کرے اور دعا نہ مانگے) تو اس کی نماز ایسی ہے، ویسی ہے (یعنی ناقص ہے) اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ، اس کی نماز ناقص ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے تین چیزوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ یعنی پہلی چیز تو یہ ہے کہ نفل نماز دو رکعت پڑھی جائے خواہ دن ہو یا رات۔ یعنی ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا جائے چار رکعتوں کے بعد سلام نہ پھیرا جائے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ نے اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہا ہے کہ نفل نماز دو دو رکعت کر کے ہی پڑھنا افضل ہے۔

حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ چاہے رات ہو چاہے دن، نفل نماز چار چار رکعتیں کر کے پڑھنا ہی افضل ہے، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک رات میں دو دو اور دن میں چار چار رکعتیں کر کے پڑھنا افضل ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل تو یہی حدیث ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے تراویح پر قیاس کرتے ہوئے یہ حکم دیا ہے اور حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ اپنی دلیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ عشاء کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے، نیز ظہر کی نماز میں آپ ﷺ سے چار رکعتیں پڑھنا ثابت ہے۔ پھر اس کے علاوہ ایک چیز یہ بھی ہے کہ چار چار رکعت پڑھنے میں تحریم کے اندر زیادہ دیر تک رہنے کی وجہ سے زیادہ مشقت و محنت برداشت کرنی پڑتی ہے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ جس عبادت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے وہ افضل ہوتی ہے۔ امام اعظمؒ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد الصلوۃ منشی منشی کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ نفل نماز طاق نہیں ہے بلکہ اولیٰ درجہ دو رکعتیں ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ نماز کی روح اور نماز کی معراج خشوع و تضرع اور اظہار عاجزی ہے، بندہ نماز کے اندر جس قدر خشوع کرے گا تضرع سے کام لے گا اور پروردگار کے سامنے کھڑا ہو کر اس کی بڑائی و عظمت اور اپنی انتہائی بے چارگی و محتاجی کا اظہار کرے گا نماز اسی قدر مقبولیت کے درجات کو پہنچے گی۔ خشوع کا مطلب یہ ہے کہ باطن میں بندہ اپنے عجز کا احساس کرے، اپنے نفس کو عاجزی و انکساری کے راستہ پر لگائے رہے گویا خشوع عجز باطنی کا نام ہے اور تضرع کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ظاہری طور پر اپنے ہر عمل اور ہر ہر زاویہ سے اپنے عجز و انکساری کا اظہار کرے گویا تضرع عجز ظاہری کا نام ہے۔

تیسری چیز یہ کہ نماز کے بعد دعا مانگی چاہئے۔ یعنی جب بندہ خدا کے دربار میں حاضری دے اور نماز پڑھ کر اپنی عبودیت و فرمانبرداری کا اظہار کر دے تو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ نماز کے بعد خدا کی درگاہ میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا دے اور اپنی محتاجی و لاچارگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی دینی و دنیوی بھلائی میں خدا کی مدد و نصرت کا طلب گار ہو۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

امام تکبیرات باواز بلند کہے

(۱۷) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ صَلَّى لَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيرِ حِينَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ

السُّجُودِ وَحِينَ سَجَدَ وَحِينَ رَفَعَ مِنَ الرَّكَعَتَيْنِ وَقَالَ هَكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت سعید ابن حارث ابن معلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدریؒ نے ہمیں نماز پڑھائی چنانچہ جب انہوں نے سجدہ سے اپنا سر اٹھایا

اور جب سجدہ میں گئے نیز جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھے تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو اسی طرح (آواز بلند تکبیرات کہتے) دیکھا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ امام کو چاہئے کہ وہ درمیان نماز تمام تکبیرات آواز بلند کہے۔ یہاں صرف ان تینوں موقعوں کی تکبیرات کا ذکر کیا تو اتفاقاً کیا گیا ہے یا پھر کچھ لوگوں نے ان اوقات کی تکبیرات کا انکار کیا ہوگا اس لئے راوی نے صرف انہیں تکبیرات کو ذکر کیا۔ ویسے استیعیل کی روایت میں بقیہ تکبیرات کا ذکر بھی موجود ہے چنانچہ ان کی روایت کے ابتداء میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ ”حضرت ابو ہریرہؓ بیمار ہو گئے تھے یا کہیں چلے گئے تھے تو (ان کی عدم موجودگی میں) حضرت ابوسعیدؓ نے نماز پڑھائی چنانچہ انہوں نے نماز شروع ہونے اور رکوع میں جانے کے وقت تکبیرات آواز بلند کہیں“ اس کے بعد بقیہ حدیث بیان کی گئی ہے۔

(۱۸) وَعَنْ عِكْرَمَةَ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِينَ تَكْبِيرًا فَقُلْتُ لَابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّهُ أَحْمَقُ فَقَالَ لِكُلِّكَ أَفْئُتُكَ سَنَةُ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ایک بوڑھے شخص (یعنی حضرت ابو ہریرہؓ) کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے نماز میں بائیس (مرتبہ) تکبیرات کہیں چنانچہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ (معلوم ایسا ہوتا ہے کہ) یہ شخص احمق ہے (جو اتنی زیادہ تکبیریں کہتا ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ”تیری ماں تجھے روئے یہ طریقہ تو حضرت ابوالقاسم محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: چار رکعتوں میں مع تکبیر تحریمہ کے بائیس تکبیرات ہوتی ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں مردان اور بنی امیہ نے نماز میں تکبیریں آواز بلند کہنی چھوڑ دی تھیں اس لئے جب حضرت ابو ہریرہؓ نے تکبیرات آواز بلند کہیں تو حضرت عکرمہؓ کو سخت تعجب ہوا۔

(۱۹) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ مَوْلَا قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الصَّلَاةِ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَلَمْ تَزَلْ تَبْلُغْ صَلَاتَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت علی بن حسین بطریق مرسل روایت فرماتے ہیں کہ۔ آقائے نامدار ﷺ نماز میں جب جھکتے (یعنی رکوع و سجود میں جاتے) اور جب (قوم، جلسہ اور قیام کے وقت) اٹھتے تو تکبیر کہتے۔ آپ ﷺ ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے ملاقات فرمائی (یعنی وفات پائی)۔“ (مالک)

رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے

(۲۰) وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ أَلَّا أَصَلِّيَ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّيْتُ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً مَعَ تَكْبِيرِ الْإِفْتِيحِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَنُّيُّ وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ لَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ عَلَى هَذَا الْمَعْنَى۔

”اور حضرت علقمہؓ راوی ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ہم سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں آقائے نامدار ﷺ کی سی نماز نہ پڑھاؤں؟ چنانچہ ابن مسعودؓ نے ہمیں (آنحضرت ﷺ کے طریقے کے مطابق) نماز پڑھائی اور صرف تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اور ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث اس طرح صحیح نہیں ہے۔“

تشریح: امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں رفع یدین کے مسئلہ سے متعلق دو باب قائم کئے ہیں۔ ایک باب تو رفع یدین کے اثبات میں اور دوسرا باب عدم رفع یدین کے اثبات میں۔ اسی دوسرے باب میں امام موصوف نے یہ حدیث نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس سلسلہ میں

لے آپ حضرت عبد اللہ بن عباس کے آژاد کردہ غلام تھے نام عکرمہ اور کنیت ابو عبد اللہ تھے ۱۰۵ھ میں ہجر ۸۰ سال آپ کا انتقال ہوا۔

براء ابن عازبؓ سے بھی حدیث منقول ہے اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث حسن ہے اس کے تابع صحابہؓ اور تابعینؓ کی ایک جماعت ہے۔ نیز سفیان ثوریؓ اور اہل کوفہ کا مسلک بھی اسی حدیث کے مطابق ہے۔

البتہ امام موصوف نے پہلے باب میں عبد اللہ ابن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رفع یدین کی حدیث ثابت ہے اور عدم رفع یدین کے سلسلہ میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی حدیث جو حنفیہ کی مستدل ہے ثابت نہیں ہے۔

بہر حال اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حنفیہ کے مسلک عدم رفع یدین کے اثبات میں اس حدیث کے علاوہ اور بہت احادیث و آثار وارد ہیں جن کو پہلے ذکر بھی کیا جا چکا ہے۔

(۲۱) وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو حمید الساعدیؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو (پہلے) قبلہ کی طرف متوجہ ہوتے (پھر) دونوں ہاتھ اٹھاتے اور (اس کے بعد) اللہ اکبر کہتے۔“ (ابن ماجہ)

آنحضرت ﷺ کا اپنے پیچھے کی چیزوں کا معجزہ کے طور پر دیکھنا

(۲۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَفِي مُؤَخَّرِ الصُّفُوفِ رَجُلٌ فَاسَاءَ الصَّلَاةَ فَلَمَّا سَلَّمَ نَادَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا فُلَانُ أَلَا تَتَقَى اللَّهَ أَلَا تَرَى كَيْفَ تُصَلِّي إِنَّكَ تَزُولُ أَنَّهُ يَخْفَى عَلَيَّ شَيْءٌ مِمَّا تَصْنَعُونَ وَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَى مِنْ خَلْفِي كَمَا أَرَى مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے (ایک مرتبہ) ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ آخر صف میں ایک شخص کھڑا تھا جس نے ٹھیک طرح نماز نہیں پڑھی۔ جب اس شخص نے سلام پھیرا تو آنحضرت ﷺ نے اسے آواز دے فرمایا کہ، اے فلاں! کیا اللہ بزرگ و برتر سے نہیں ڈرتے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم نے نماز کس طرح پڑھی ہے؟ تم تو یہ جانتے ہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو مجھے معلوم نہیں ہوتا حالانکہ خدا کی قسم جس طرح میں اپنے سامنے کی چیزیں دیکھتا ہوں اسی طرح اپنے پیچھے کی چیزیں بھی دیکھ لیتا ہوں۔“ (احمد)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم ﷺ کو اس دنیا میں شریعت حق دے کر مبعوث فرمایا تو جہاں آپ ﷺ کی رسالت و نبوت کے دلائل و شواہد میں بہت ساری چیزیں دیں وہیں آپ ﷺ کو کچھ معجزات بھی عنایت فرمائے تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کے ذہن و فکر پر آنحضرت ﷺ کی عظمت و برتری اور آپ ﷺ کی سچائی و صداقت عیاں ہو سکے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ ﷺ جس طرح اپنے سامنے اور آگے کی چیزوں کو دیکھ لیتے تھے ایسے ہی اپنے پیچھے کی چیزوں کو بھی دیکھنے پر قادر تھے اور یہ دیکھنا خرق عادت یعنی معجزہ کے طور پر ہوتا تھا جس کی راہنمائی وحی الہام کے ذریعہ ہوتی تھی۔

مگر اتنی بات یاد رکھ لیجئے کہ اس معجزہ سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ آپ ﷺ کو علم غیب حاصل تھا کیونکہ اول تو یہ بتایا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ کو یہ خصوصیت صرف معجزہ کے طور پر حاصل تھی۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ اس وصف پر از خود قادر نہ تھے بلکہ اس سلسلہ میں وحی الہام کے ذریعہ آپ ﷺ کی راہنمائی کی جاتی تھی۔ پھر یہ کہ آپ ﷺ کو یہ وصف ہمیشہ حاصل نہیں رہتا تھا بلکہ کبھی ایسا ہو جاتا تھا۔ اگر آپ ﷺ کو علم غیب حاصل ہوتا تو نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ وحی و الہام کی راہنمائی کے بغیر از خود اس وصف پر قادر ہوتے بلکہ یہ وصف آپ ﷺ کو ہمیشہ ہمیشہ حاصل ہوتا چنانچہ اس کی تائید خود ایک روایت سے ہوتی ہے کہ:

”غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کہیں غائب ہو گئی، جب بہت زیادہ تلاش کے بعد بھی اس کا کہیں پتہ نہ چلا تو منافقین نے کہنا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) تو یہ کہتے ہیں کہ میں آسمان کی باتیں تم تک پہنچاتا ہوں تو کیا وہ اتنا بھی نہیں جان سکتے کہ ان کی اونٹنی کہاں

ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”خدا کی قسم! میں تو صرف انہیں چیزوں کو جان سکتا ہوں جن کے بارہ میں میرا خدا مجھے علم دے! اور اب میرے خدا نے مجھے (بتا دیا اور) دکھا دیا ہے کہ میری اونٹنی فلاں جگہ ہے اور اس کی مہار ایک درخت کی شاخ میں انگی ہوئی ہے۔“

اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ ”میں انسان ہوں، میں تو (اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر) یہ بھی نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے؟۔“

شیخ سعدیؒ نے اس حقیقت کی ترجمانی اس طرح کی ہے ۔

گئے بر طارم اعلیٰ نشینم گئے بر پشت پائے خود نہ بینم

بہر حال۔ آنحضرت ﷺ کی حالت نماز آپ ﷺ کی دوسری حالتوں کے مقابلہ میں زیادہ افضل و اعلیٰ ہوتی تھی اس لئے دوسرے مواقع کی بہ نسبت آپ ﷺ پر حالت نماز میں کائنات کی چیزوں کی حقیقت و معرفت کامل طور پر واضح و ظاہر ہوتی تھی۔ پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ کا نماز میں خدا کے سامنے حاضر ہونا اور متوجہ الی اللہ ہونے کے یہ معنی نہیں تھے کہ آپ ﷺ کائنات سے بے خبر ہو جاتے تھے بلکہ نماز کی حالت میں آپ ﷺ اشیاء کائنات سے پوری پوری طرح باخبر رہتے تھے اور آپ ﷺ کا احساس و شعور پوری قوت سے اشیاء عالم کا اور اک کرتا تھا، چنانچہ خدا کے وہ نیک و فرمانبردار بندے بھی جو ریاضت و مجاہدہ اور تعلق مع اللہ کی بناء پر کاملین کے درجہ میں ہوتے ہیں حالت نماز میں کائنات کی اشیاء سے باخبر رہتے ہیں۔ اگر ایک طرف ان کے قلوب بارگاہ خداوندی میں پوری طرح حاضر رہتے ہیں تو دوسری طرف ان کے احساس و شعور دنیا کی چیزوں سے بھی مطلع رہتے ہیں اسی وجہ سے مشائخ کہتے ہیں کہ نماز مقام کشف و حضور ہے نہ محل غیبت اور استغراق!۔

بعض حضرات نے ان تمام مباحث سے ہٹ کر یہ بھی کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دو سوراخ تھے جن کے ذریعہ آپ ﷺ پیچھے کی جانب دیکھتے تھے۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی ثبوت ہے بلکہ کسی ذہن کی افتراء محض ہے۔

بَابُ مَا يَقْرَأُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ

تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جانے والی چیزوں کا بیان

نماز کے شروع میں جن دعاؤں اور اذکار کا پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً انی وجہت الخ یا سبحانک اللہم الخ یا ان کے علاوہ دیگر دعائیں ان سب کو یا بعض کو فرائض و نوافل میں پڑھنا امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے، امام اعظمؒ، امام مالکؒ، اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ صرف سبحانک اللہم الخ پڑھا جائے اور اس کے علاوہ جو دعائیں ثابت ہیں وہ سب نوافل پر محمول ہیں یعنی آنحضرت ﷺ ان دعاؤں کو نفلوں میں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سبحانک اللہم الخ اور انی وجہت الخ دونوں دعاؤں کو پڑھنا چاہئے۔ امام طحاویؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ان دونوں دعاؤں کی ترتیب میں نمازی کو اختیار ہے خواہ وہ پہلے سبحانک اللہم پڑھے یا انی وجہت کو پہلے پڑھے ویسے مشہور یہی ہے کہ انی وجہت، سبحانک اللہم کے بعد پڑھا جائے۔

تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان آنحضرت ﷺ کی دعا

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ إِسْكَاتَهُ فَقُلْتُ

يَا بَنِي آدَمَ إِنَّكَ وَمَا تَقُولُ قَالَ أَقُولُ اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ
كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ اللَّهُمَّ اغْسِلْ
خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالطَّلْحِ وَالْبَرْدِ - (متن علیہ)

”حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان مکمل خاموشی اختیار کرتے تھے (یعنی آواز بلند نہ
پڑھتے تھے) چنانچہ میں نے (ایک دن) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، آپ ﷺ تکبیر تحریمہ اور
قرأت کے درمیان خاموش رہتے ہوئے کیا پڑھا کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں یہ (دعا) پڑھا کرتا ہوں۔ اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ
خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ اللَّهُمَّ
اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالطَّلْحِ وَالْبَرْدِ“ اے اللہ! مجھ میں اور میرے گناہوں میں اتنا بعد پیدا کر دے جیسا کہ تو نے مشرق و مغرب
کے درمیان بعد پیدا کر رکھا ہے (یعنی میرے گناہوں کو کمال بخشش عطا کر) اے اللہ! مجھے گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جیسے سفید
کپڑے سے میل دور کیا جاتا ہے (یعنی مجھے گناہوں سے کمال پاک عطا کر) اے اللہ! میرے گناہ پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: دعا کے آخر جملہ (اے اللہ میرے گناہ پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال) سے یہ مراد ہے کہ الہ العالمین! میرے گناہوں کو
اپنے فضل و کرم کے مختلف طریقوں سے بخش دے۔ ”گویا یہاں بخشش میں مبالغہ مقصود ہے نہ کہ حقیقتہً ان چیزوں سے گناہوں کو
دھونا۔“

آنحضرت ﷺ کس کس موقع پر کون کون سی دعائیں پڑھتے تھے

② وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ ثُمَّ
قَالَ وَجْهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ
وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْتَ رَبِّي
وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذُنُوبِي فَاعْفِرْ لِي ذُنُوبِي جَمِيعًا إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ وَاهْدِنِي لِحَسَنِ
الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِحَسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ لَبِّكَ وَسَعْدِكَ وَالْخَيْرُ
كُلُّهُ فِي يَدِكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ أَنَا بِكَ وَالْيَك تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ اسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ وَإِذَا رَكَعَ قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ
رَكَعْتُ وَبِكَ أَمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِي وَبَصَرِي وَمَخِي وَعَظْمِي وَعَصْبِي فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَالَ اللَّهُمَّ
رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلَا مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدَ وَإِذَا سَجَدَ قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ
وَبِكَ أَمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ سَجَدْتُ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ تَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ثُمَّ
يَكُونُ مِنْ آخِرِ مَا يَقُولُهُ بَيْنَ التَّسْلِيمِ وَاللَّحْدِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا
أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لِلشَّافِعِيِّ وَالشَّرِّ
لَيْسَ إِلَيْكَ وَالْمَهْدِيُّ مَنْ هَدَيْتَ أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ لَا مُنْجَا مِنْكَ وَلَا مُلْجَأَ إِلَّا إِلَيْكَ تَبَارَكْتَ۔

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ، جب نماز
شروع کرتے تو (پہلے) تکبیر (تحریمہ) کہتے۔ پھر یہ دعا پڑھتے۔ اِنِّیْ وَجْهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا
مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ

تشریح: وَالشَّرَّائِيسَ..... اَلَيْكَ (یعنی برائی تیری طرف منسوب نہیں ہے) کا مطلب یہ ہے کہ ازراہ ادب و تعظیم برائی کی نسبت تیری طرف نہیں کی جاتی اگرچہ برائی و بھلائی کا خالق تو ہی ہے اگر تو نے ایک طرف بھلائی کو پیدا کیا ہے تو دوسری طرف برائی کی بھی تخلیق کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ نے برائی کو پیدا کیا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ اس میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ اگر کوئی قباحت و برائی ہے تو وہ بندہ کے ارتکاب میں ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ مِّنْ شَرِّ مَا خَلَقَ یعنی میں مخلوق کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ وَالشَّرَّائِيسَ اَلَيْكَ کے معنی یہ ہیں کہ برائی وہ چیز ہے جو تیرے تقرب اور تیری خوشنودی کے حصول کا ذریعہ نہیں ہے۔ یا یہ کہ برائی تیری طرف صعود نہیں کرتی یعنی تیری بارگاہ میں قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ بھلائی کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اَلِيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ یعنی (اس پروردگار کی طرف نیک و پاکیزہ باتیں صعود کرتی ہیں یعنی مقبولیت کا درجہ پاتی ہیں)۔

(۳) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ فَدَخَلَ الصَّفَّ وَقَدْ حَفَزَهُ النَّفْسُ فَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ قَالَ أَيُّكُمْ الْمُتَكَلِّمُ بِالْكَلِمَاتِ فَارَمَ الْقَوْمُ فَقَالَ أَيُّكُمْ الْمُتَكَلِّمُ بِالْكَلِمَاتِ فَارَمَ الْقَوْمُ فَقَالَ أَيُّكُمْ الْمُتَكَلِّمُ بِهَا فَإِنَّهُ لَمْ يَقُلْ بَأْسًا فَقَالَ رَجُلٌ جَنَّتْ وَقَدْ حَفَزَنِي النَّفْسُ فَقُلْتُهَا فَقَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ اثْنَيْ عَشَرَ مَلَكًا يَتَنَدَّرُونَ بِهَا أَيُّهُمْ يَرْفَعُهَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص آیا اور نماز کی صف میں شامل ہو گیا۔ اس کا سانس چڑھا ہوا تھا اس نے کہا اللہ اکبر، الحمد للہ حمدًا طیبًا مبارکًا فیہ (یعنی اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں ایسی تعریفیں جو بہت زیادہ پاکیزہ اور بابرکت ہیں) جب آنحضرت ﷺ نماز پڑھ چکے تو پوچھا کہ تم میں سے یہ کلمات کس نے کہے تھے؟ سب لوگ (جو نماز میں حاضر تھے اس خوف سے کہ شاید ہم سے کوئی خطا سرزد ہوگئی ہے جس کی وجہ سے ناراضگی کا اظہار ہے) خاموش رہے، آپ نے پھر فرمایا کہ تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے تھے؟ پھر بھی کسی نے جواب نہیں دیا، آپ ﷺ نے پھر (تیسری مرتبہ) فرمایا کہ، تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے تھے (اور خوف نہ کرو کیونکہ) جس نے یہ کلمات کہے ہیں اس نے کوئی بری بات نہیں کہی ہے۔ ”ایک شخص نے عرض کیا“ یا رسول اللہ! جب میں آیا تو میرا سانس چڑھا ہوا تھا میں نے ہی یہ کلمات کہے تھے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ”میں نے دیکھا کہ بارہ فرشتے جلدی کر رہے تھے کہ ان ملکوں کو (پروردگار کی بارگاہ میں) پہلے کون لے جائے۔“ (مسلم)

تشریح: اس شخص نے آنحضرت ﷺ کے استفسار پر جو یہ کہا کہ جب میں آیا تو میرا سانس چڑھا ہوا تھا اور میں نے یہ کلمات کہے تھے تو اس کا یہ کہنا بیان حقیقت اور اظہار واقعہ کے طور پر تھا۔ ان کلمات کے کہنے کے سلسلہ میں کسی عذر کا بیان کرنا مقصود نہیں تھا۔

الفصل الثانی

تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعا

(۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَارِثَةَ وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ مِنْ قَبْلِ حِفْظِهِ۔

”حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز شروع کرتے تو (تکبیر تحریمہ کے بعد) یہ پڑھا کرتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ اے اللہ تو پاک ہے اور ہم تیری پاکی تیری تعریف کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بلند و برتر ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کی ہے نیز ابن ماجہ نے (بھی) اس روایت کو ابوسعید نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ہم سوائے (بواسطہ) حارثہ راوی کے نہیں جانتے اور اس میں قوت حافظہ کے فقدان کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔“

تشریح: علامہ طبری شافعی نے اس حدیث کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن مشہور ہے اور اس حدیث پر خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر فاروقؓ نے عمل کیا ہے نیز یہ حدیث مسلم میں بھی منقول ہے۔ اس موقع پر علامہ موصوف نے اس حدیث کی تقویت کے بارہ میں بہت لمبی چوڑی بحث کی ہے جسے اہل علم و نظر ان کی کتاب میں دیکھ سکتے ہیں۔

⑤ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّهَ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلَاةً قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ كَثِيرًا اللَّهُ أَكْبَرُ كَثِيرًا اللَّهُ أَكْبَرُ كَثِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا وَسُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ثَلَاثًا أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ نَفْخِهِ وَنَفْسِهِ وَهَمَزِهِ وَوَاوِ ابْنِ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا وَذَكَرَ فِي آخِرِهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَقَالَ عُمَرُ نَفْخُهُ الْكَبِيرُ وَنَفْسُهُ الشَّعْوُ وَهَمَزُهُ الْمُؤَنَّةُ۔

”اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے چنانچہ آپ (بحکیم تحریمہ کے بعد) کہتے تھے اللَّهُ أَكْبَرُ كَثِيرًا اللَّهُ أَكْبَرُ كَثِيرًا اللَّهُ أَكْبَرُ كَثِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا وَسُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (یعنی اللہ بہت بڑا اور تر ہے، اللہ بہت بڑا اور تر ہے، اللہ کے واسطے بہت تعریف ہے۔ اللہ کے واسطے بہت تعریف ہے اور پاکی بیان کرتا ہوں اللہ کی صبح و شام، تین مرتبہ یعنی پہلے کلمات کی طرح وَسُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا کو بھی تین مرتبہ کہتے تھے اور پھر اس کے بعد یہ کہتے تھے) أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ نَفْخِهِ وَنَفْسِهِ وَهَمَزِهِ (یعنی میں شیطان کے تکبر، اس کے شعروں اور اس کے دوسوسوں سے پناہ مانگتا ہوں، اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے البتہ ابن ماجہ نے وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا ذکر نہیں کیا ہے اور آخر میں مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ذکر کیا ہے۔

نیز حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ شیطان کے نفخ سے تکبر، اس کے نفث سے شعر اور اس کے ہمز سے جنون مراد ہے۔“

تشریح: ”نفخ شیطان“ سے مراد تکبر و خود پسندی ہے جس میں شیطان آدمی کو اس طرح پھنساتا ہے کہ اس کو خود اس کی نظر میں اس حیثیت سے دکھاتا ہے کہ وہ آدمی اپنے آپ کو اچھا اور اعلیٰ سمجھ کر تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اس طرح شیطان آدمی سے تکبر کا ارتکاب کراتا ہے۔ گویا نفخ شیطان کا مطلب یہ ہوا کہ شیطان آدمی میں تکبر کی لہر پھونک دیتا ہے۔

نفث سے جس کے معنی دم کرنے یعنی پھونکنے کے ہیں سحر مراد لیا گیا ہے جو شیطان آدمی پر کرتا ہے یا آدمی سے کسی دوسرے پہ کراتا ہے یہ معنی ارشاد ربانی وَمِنْ شَرِّ النَّفَثِ فِي الْعُقَدِ کی مناسبت سے زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں نَفَثٌ سے مراد سحر کرنے والی عورتیں ہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ”نفث“ سے مراد غیر سنجیدہ اور برے مضمون کے اشعار ہیں جنہیں شیطان آدمی کے تخیل میں ڈالتا ہے اور پھر انہیں اس کی زبان سے صادر کراتا ہے جیسے برے متریاہ غلط اشعار جن میں مسلمانوں کی جو اور کفر و فسق کے الفاظ ہوتے ہیں۔ ”ہمز“ سے مراد غیبت کرنا اور لعن و طعن کرنا ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ہمز شیطان سے اس کا وسوسہ مراد ہے جیسا کہ اس آیت أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ میں ہمزات سے مراد شیطان کے وسوسے لئے گئے ہیں۔

بہر حال یہ معانی اسی وقت مراد لئے جائیں گے جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ حدیث میں حضرت عمرؓ سے ان تینوں الفاظ کی جو توضیح نقل کی گئی ہے وہ حضرت عمرؓ کا قول نہیں ہے بلکہ کسی راوی کا ہے۔ اگر یہ توضیح صحیح طور پر حضرت عمرؓ سے ثابت ہو تو پھر وہی معنی مراد ہوں گے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہیں ان کے علاوہ دوسرے معنی مراد نہیں لئے جائیں گے۔

آنحضرت ﷺ نماز میں دو جگہ خاموشی اختیار کرتے تھے

① وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ حَفْظَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكَتَيْنِ سَكَنَةً إِذَا كَثُرَ وَسَكَنَةً إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَصَدَّقَهُ أَنَسُ بْنُ كَعْبٍ - (رواه البهؤاد ووردی الترمذی وابن ماجہ والدارمی نحوه)

”اور حضرت سمرۃ ابن جندبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ سے دو سکتے (یعنی چپ رہنا) یاد رکھے ہیں۔ ایک سکتہ تو تکبیر تحریمہ کہہ لینے کے بعد اور ایک سکتہ آپ ﷺ اس وقت کرتے تھے جب غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھ کر فارغ ہوتے تھے۔“ (حضرت ابی ابن کعبؓ نے (بھی سرہ کے) اس قول کی تصدیق کی ہے۔“ (البهؤاد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: تکبیر تحریمہ کے بعد خاموشی اختیار کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ اس وقت باواز بلند نہیں پڑھتے تھے چنانچہ اس موقع پر دعائے استفتاح (یعنی سبحانک اللہم الخ) پڑھنے کے لئے خاموشی اختیار کرنا تمام ائمہ کے نزدیک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ دوسری جگہ یعنی سورۃ فاتحہ ختم کرنے کے بعد خاموشی اختیار کرنا حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک شکت ہے تاکہ مقتدی اس عرصہ میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں اور امام کے ساتھ منازعت لازم نہ آئے جو ممنوع ہے خفیہ اور مالکیہ مسلک میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد خاموشی اختیار کرنا مکروہ ہے۔

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَحَصَ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلَمْ يَسْكُتْ هَكَذَا فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ وَذَكَرَهُ الْحُمَيْدِيُّ فِي أَفْرَادِهِ وَكَذَا صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنْ مُسْلِمٍ وَخَدَهُ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب دوسری رکعت پڑھنے کے بعد اٹھتے تو الحمد للہ رب العالمین شروع کر دیتے تھے اور خاموش نہ رہتے تھے۔ (مسلم) اس روایت کو حمیدی نے اپنی کتاب افراد میں ذکر کیا ہے۔ نیز صاحب جامع الاصول نے بھی اس روایت کو مسلمؒ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: چونکہ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ دوسری رکعت کے بعد دوسرا شفعہ شروع ہونے کے وقت شاید سبحانک اللہم پڑھنے کے لئے خاموشی اختیار کرتے ہوں اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کی وضاحت کر دی کہ جب آپ ﷺ دوسری رکعت کے بعد دوسرے شفعہ کے لئے اٹھتے تھے تو سبحانک اللہم نہیں پڑھتے تھے بلکہ الحمد للہ رب العالمین شروع کر دیتے تھے۔ یہ بھی محتمل ہے کہ اس کے متقی یہ ہوں کہ جب آپ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تھے الحمد للہ رب العالمین شروع کر دیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

الفصل الثالث

تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعا

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ اهْدِنِي لَأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ وَأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لَأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَقَبِي سَبِي الْأَعْمَالِ وَسَبِي الْأَخْلَاقِ لَا يَقْنِي سَبِيَّهَا إِلَّا أَنْتَ - (رواه النسائي)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز شروع کرتے تو (پہلے) تکبیر تحریمہ (یعنی اللہ اکبر) کہتے پھر یہ دعا پڑھتے إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ اهْدِنِي لَأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ وَأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لَأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَقَبِي سَبِي الْأَعْمَالِ وَسَبِي الْأَخْلَاقِ لَا يَقْنِي سَبِيَّهَا إِلَّا أَنْتَ

اَنْتَ میری نماز میری عبادت میری زندگی اور میری موت (سب کچھ) پروردگار عالم ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان (یعنی فرمانبردار) ہوں۔ اے اللہ انیک اعمال اور حسن اخلاق کی طرف میری راہنمائی کر کیونکہ بہترین اعمال و اخلاق کی طرف تو ہی راہنمائی کر سکتا ہے اور مجھے برے اعمال و بد اخلاق سے بچا کیونکہ برے اعمال و اخلاق سے تو ہی بچا سکتا ہے۔“ (نسائی)

تشریح: اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (یعنی میں سب سے پہلا مسلمان ہوں) کی تشریح میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ خصوصیت صرف آنحضرت ﷺ کو ہی حاصل ہے کہ سب سے پہلا اسلام آپ ﷺ کا ہے کیونکہ پیغمبر اپنی امت میں سب سے پہلا مسلمان ہوتا ہے چونکہ قرآن میں آنحضرت ﷺ کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ اس طرح کہیں اس لئے آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے یہ بات کہ وہ انا اول المسلمین کہے درست نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا جھوٹ ہوگا، چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں اس طرح کہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن اس سلسلہ میں صحیح یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان الفاظ کو آیت قرآنی کی تلاوت کی نیت سے، نہ کہ اپنی حالت کی خبر دینے کی نیت سے ادا کرے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اس مسئلہ میں ایک خیال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس جملہ کو ”خبر“ قرار نہ دے بلکہ اس کا مقصد تجدید ایمان و اسلام کی انشاء اور اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ امراء و سلاطین کے تابعدار لوگ کسی حکم کے صادر ہونے کے وقت کہتے ہیں کہ ”جو بھی حکم ہو اس کی اطاعت پہلے جو کرے گا وہ میں ہوں گا۔“ گویا اس طرح اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

⑨ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ يُصَلِّي تَطَوُّعًا قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ وَجَهْتُ وَجْهِي لِلذِّئْنِ فَطَرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَذَكَرَ الْحَدِيثُ مِثْلَ حَدِيثِ جَابِرٍ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ وَ أَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ثُمَّ يَقْرَأُ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت محمد بن مسلمہ کہتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز نفل پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو یہ کہتے اللہ اکبر و جہت و جہی للذین فطر السموات والأرض حنیفاً وما أنا من المشركين۔ میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے درحالیکہ میں توحید کرنے والا ہوں اور مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ (اس کے بعد راوی نے) حضرت جابرؓ (کی مذکورہ بالا حدیث) کی مانند حدیث بیان کی ہے لیکن محمدؓ نے (و انا اول المسلمین کی جگہ) و انا من المسلمین کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ یہ کہتے ہیں اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ اے اللہ! تو ہی بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے اور تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ اس کے بعد (اعوذو بسمہ پڑھ کر) قرأت کرتے تھے۔“ (نسائی)

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں قراءت کا بیان

کتنی رکعتوں میں قراءت فرض ہے: نماز میں قراءت یعنی قرآن کریم پڑھنا تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر فرض ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کتنی رکعتوں میں پڑھنا فرض ہے؟ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پوری نماز میں قراءت فرض ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے ہاں لاکھ حکم الکمل (اکثر کل کے حکم میں ہے) کے کلیہ کے مطابق تین رکعت میں فرض ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ حضرت امام احمدؒ کا مسلک قول مشہور ہے کہ مطابق امام شافعیؒ کے مسلک کے

موافق ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت زفر کے نزدیک صرف ایک رکعت میں قراءت فرض ہے۔

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا بیان

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ - (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَصَاعِدًا)

”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آگے نامدار ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے (نماز میں) سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز پوری نہیں ہوئی۔“ (بخاری، مسلم) ”اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ”اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ اور اس کے بعد قرآن سے کچھ نہ پڑھے۔“

تشریح: مسلم کی آخری روایت کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن کی کوئی اور سورہ یا اور کچھ آیتیں پڑھنا بھی ضروری ہے

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے مسئلہ میں ائمہ کے مسلک: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اگر کوئی شخص سورہ فاتحہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ چنانچہ اسی حدیث سے امام شافعیؒ نے اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کیونکہ حدیث نے صراحت کے ساتھ ایسے شخص کی نماز کی نفی کی ہے جس نے نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔

حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔ اس حدیث کے بارہ میں امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہاں نفی کمال مراد ہے یعنی بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ادا تو ہو جاتی ہیں مگر مکمل طور پر ادا نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے فَاقْرَأْ وَامَّا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (یعنی قرآن میں سے جو پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو، اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ مطلق قرآن کی کوئی بھی سورہ یا آیتیں پڑھنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ خود آنحضرت ﷺ نے بھی ایک اعرابی کی نماز کے سلسلہ میں یہ تعلیم فرمائی تھی کہ فَاقْرَأْ وَامَّا تيسَّرَ مِنْكَ مِنَ الْقُرْآنِ (یعنی تمہارے لئے قرآن میں سے جو کچھ پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو) بہر حال۔ حنفیہ مسلک کے مطابق نماز میں فرض کہ جس کے بغیر نماز ادا نہیں ہوتی قرآن کی ایک آیت یا تین آیتوں کا پڑھنا ہے خواہ سورہ فاتحہ ہو یا دوسری کوئی سورہ و آیت اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اس کے بغیر نماز ناقص ادا ہوتی ہے۔

سورہ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ناقص ادا ہوتی ہے

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرَ تَمَامٍ فَقِيلَ لِي يَا هُرَيْرَةُ إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ قَالَ إِفْرَأُهَا فِي نَفْسِكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي بَصْفَيْنِ وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى حَمْدِي عَبْدِي وَإِذَا قَالَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ائْتِنِي عَلَى عَبْدِي وَإِذَا قَالَ مُلِكُ يَوْمِ الدِّينِ قَالَ مَجْدُنِي عَبْدِي وَإِذَا قَالَ ائِيَّاكَ تَعْبُدُ وَإِيَّاكَ تَسْتَعِينُ قَالَ هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ هَذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آگے نامدار ﷺ نے فرمایا ”جو شخص نماز پڑھے اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی وہ نماز ناقص

ہے (آپ ﷺ نے یہ) تین مرتبہ (فرمایا کہ وہ نماز ناقص ہے) حضرت ابو ہریرہؓ سے (یہ سن کر) کسی نے پوچھا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں (تو اس وقت بھی پڑھیں؟) انھوں نے کہا کہ (ہاں اگر) اپنے دل میں آہستہ سے پڑھو کہ بس تم ہی سن سکو اس لئے کہ میں آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ میں نے نماز (یعنی سورۃ فاتحہ) اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کی ہے۔ (اس طرح کہ حمد و ثنا تو میرے لئے ہے اور دعا: بندے کے لئے) اور بندہ جو کچھ مانگے وہ اسے دیا جائے گا چنانچہ جب بندہ کہتا ہے کہ ”الحمد لله رب العالمین“ (یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہاں کا پروردگار ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہے کہ میرے بندہ نے میری تعریف بیان کی، جب بندہ کہتا ہے الرحمن الرحیم (یعنی اللہ بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہے ”میرے بندہ نے میری ثناء بیان کی، جب بندہ کہتا ہے ملک یوم الدین (یعنی اللہ) انصاف (قیامت) کے دن کا حاکم ہے۔ تو پروردگار فرماتا ہے میرے بندہ نے میری تعظیم کا اظہار کیا ہے جب بندہ کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین (یعنی اے پروردگار! ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے (یعنی عبادت اللہ کے لئے ہیں اور مدد مانگنا بندہ کے لئے ہے) اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اسے ملے گا۔ جب بندہ کہتا ہے اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین (یعنی اے پروردگار! ہم کو سیدھے راستے پر چلا ان لوگوں کے راستے جن پر تیرا فضل و کرم رہا ہے نہ کہ ان کے راستے جن پر تیرا غضب رہا ہے اور نہ گمراہوں کے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”یہ میرے بندے کے لئے ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور بندہ جو مانگے گا وہ اسے ملے گا۔“ (مسلم)

تشریح: قسمت الصلوۃ یعنی وہ تین عبدی نصفین (میں نے نماز اپنے اور بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کی ہے) میں نے نماز سے مراد سورۃ فاتحہ ہے جیسے کہ ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے یہی وجہ سے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے مقتدی کو بھی سورۃ فاتحہ پڑھنے کے لئے کہا اور ابجد کی حدیث سے استدلال کیا کہ جب سورۃ فاتحہ ایسی فضیلت ہے تو مقتدی کو بھی سورۃ فاتحہ پڑھنا چاہئے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں۔ تین آیتیں یعنی الحمد سے ملک یوم الدین تک تو خالص اللہ تعالیٰ کی مدح و ثنائیں ہیں اور ایک آیت یعنی ایاک نعبد و ایاک نستعین خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہے کہ آدھی آیت یعنی ایاک نعبد میں خدا کی عبادت و بندگی کا قرار ہے اور آدھی آیت یعنی و ایاک نستعین میں بندہ کی جانب سے حاجت کی طلب اور مدد کی درخواست ہے اور بعد کی جو تین آیتیں ہیں صرف بندہ کی دعا پر مشتمل ہیں۔

بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جزء نہیں ہے:

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بسم اللہ (یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم) داخل فاتحہ اور اس کا جزء نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے کیونکہ اگر بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جزء قرار دے کر بجائے سات کے آٹھ آیتیں شمار کی جائیں تو تقسیم صحیح نہیں ہوگی اور ایک طرف تو ساڑھے چار آیتیں ہو جائیں گی اور ایک طرف ساڑھے تین رہ جائیں گی لہذا اس صورت میں نصف نصف تقسیم صحیح نہیں رہے گی۔ نیز یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سورۃ فاتحہ کی سات آیتوں میں سے ”صراط الذین انعمت علیہم“ بھی ایک آیت ہے۔

سورۃ فاتحہ کے سلسلہ میں اس باب کی پہلی حدیث کی تشریح کے ضمن میں آئمہ کے مذاہب کو نقل کیا گیا تھا اور حنفی مسلک کی وضاحت کی گئی تھی لیکن اس موقع پر یہ بحث کچھ تشنہ رہ گئی تھی اس لئے ہم یہاں کچھ وضاحت کے ساتھ اس بحث کو پیش کرتے ہیں۔

مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟: سورۃ فاتحہ کے سلسلہ میں آئمہ کے یہاں دو بحثیں چلتی ہیں اول تو یہ کہ مطلقاً سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس بحث کی توضیح پہلے کی جا چکی ہے کہ امام شافعی کے نزدیک سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور امام اعظمؒ کے

نزدیک واجب ہے۔ دوسری بحث یہ ہے کہ سورہ فاتحہ مقتدی کو پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

حضرت ابو ہریرہؓ کے اس قول سے تو یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا چاہئے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ سے صحیح روایت میں منقول ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے خواہ بلند آواز کی نماز ہو یا آہستہ آواز کی۔ اور یہی حضرت امام احمدؒ کا بھی مسلک ہے، امام مالکؒ کے نزدیک فرض نہیں مگر آہستہ آواز کی نماز میں مستحب ہے ہمارے امام اعظم ابو حنیفہؒ اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف و امام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ آہستہ آواز اور بلند آواز دونوں قسم کی نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا مقتدی پر فرض نہیں ہے بلکہ حنفی فقہاء تو اس کو مکروہ تحریمی لکھتے ہیں۔

امام محمدؒ کے مسلک کی تحقیق: ابھی ہم نے اوپر لکھا ہے کہ حضرت امام اعظمؒ اور صاحبین کا متفقہ طور پر یہ مسلک ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے مگر اس سلسلہ میں کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے جس کی بنیاد پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام محمدؒ کا مسلک امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ سے کچھ مختلف ہے چنانچہ ملا علی قاریؒ نے مرقاة شرح مشکوٰۃ میں اور کچھ دوسرے علماء نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ اس کے قائل ہیں کہ آہستہ آواز کی نماز میں مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ امام محمدؒ کی طرف اس قول کی نسبت کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کیونکہ امام محمدؒ کی کتابوں سے بالکل صاف طریقہ پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں شیخین یعنی امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ سے بالکل متفق ہیں۔ چنانچہ امام محمدؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

لا قرأ خلف الامام فيما جهر فيه ولا فيما لم يجهر بذلك جاءت عامة الاثار وهو قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

”نماز خواہ بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی کسی حال میں بھی امام کے پیچھے قراءت نہیں ہے اسی کے مطابق ہمیں بہت سے احادیث پہنچی ہیں اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔“

نیز امام موصوف نے اپنی دوسری تصنیف کتاب الاثار میں قراءت خلف الامام کے عدم اثبات میں احادیث و آثار کو نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

وبہ ناخذ لانری القراءۃ خلف الامام شیء من الصلوۃ یجہر فیہ او لا یجہر فیہ۔

”اور یہی (یعنی عدم قراءت خلف الامام) ہمارا بھی مسلک ہے ہم قراءت خلف الامام کو کسی بھی نماز میں خواہ وہ بلند آواز کی نماز ہو یا آہستہ آواز کی نماز روا نہیں رکھتے۔“

بہر حال مذکورہ بالا مذہب کو دیکھتے ہو یہ بات ظاہر ہوئی کہ سورہ فاتحہ کے سلسلہ میں حنفیہ دو چیزوں کے قائل ہیں۔ اول تو یہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا کسی بھی حال میں فرض نہیں خواہ وہ نماز بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی اور دوسرے یہ کہ اگر کوئی مقتدی سورہ فاتحہ پڑھتا ہے تو گویا وہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس موقع پر ہم صرف اتنی بات صاف کریں گے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض کیوں نہیں ہے اور اس کے دلائل کیا ہیں۔

تو جانتا ہے کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے ان کی سب سے بڑی دلیل اس باب کی پہلی حدیث ہے یعنی لا صلوة الا بفتح الکتاب ان حضرات کے نزدیک امام کا پڑھنا مقتدی کے حق میں کافی نہیں بلکہ ہر ایک شخص کو بطور خود پڑھنا ضروری ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ امام کا پڑھنا مقتدی کے لئے کافی ہے۔ جب امام نے پڑھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پوری جماعت نے پڑھا، چنانچہ وہ اپنے اس قول کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں من کان لہ امام فقراء لا امام قراءۃ لہ (یعنی جو شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ تو اس امام کی قراءت اس (مقتدی) کی بھی قراءت سمجھی جائے گی) گو بعض علماء نے اگرچہ اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے۔ مگر

حقیقت میں ان کا کلام صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث بہت سی اسناد سے ثابت ہے جن میں سے بعض اسناد تو اس درجہ کی صحیح و سالم ہیں کہ اس میں کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں۔

بہر حال اس حدیث سے یہ بات بصراحت ثابت ہوتی ہے کہ مقتدی کو قراءت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ تو سورہ فاتحہ کی اور نہ کسی اور سورہ کی۔ اس موقع پر یہ احتمال بھی پیدا نہیں کیا جاسکتا کہ شاید اس حدیث کا تعلق بلند آواز کی نماز سے ہو کیونکہ یہ بات بھی صحیح طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد عصر کی نماز کے وقت تھا، جو آہستہ آواز کی نماز ہے اور جب آہستہ آواز کی نماز میں یہ حکم ہے تو بلند آواز کی نماز میں تو بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہوگا۔

بسم اللہ باواز بلند پڑھنا چاہئے یا آہستہ

③ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ وَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ كَانُوا يَقْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (ردہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آقاء نامدار ﷺ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نماز الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: بظاہر تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز شروع کرتے وقت سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے لیکن سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا تمام ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کیونکہ دوسری احادیث سے بسم اللہ کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے خواہ بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کا جزء مانا جائے جیسا کہ شوافع کہتے ہیں خواہ نہ مانا جائے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں الحمد للہ رب العالمین سے مراد سورہ فاتحہ ہے یعنی آپ ﷺ سورہ فاتحہ سے نماز شروع کرتے تھے جیسا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص نے الم پڑھا تو اس سے مراد سورہ بقرہ ہی لی جاتی ہے اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بسم اللہ سورہ کا جزء ہے لہذا اس قول سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ آپ ﷺ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔

حنفیہ کی جانب سے اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہاں طلق نفی مراد نہیں ہے بلکہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ بسم اللہ باواز بلند نہیں پڑھتے تھے بلکہ آہستہ سے پڑھتے تھے اور باواز بلند نماز کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے کیونکہ یہ بات پوری صحت کی ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ، خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بسم اللہ باواز بلند نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ باواز بلند پڑھی جانے والی نماز میں بھی آہستہ سے پڑھتے تھے۔

حضرت شیخ ابن ہمامؒ نے بعض حفاظ حدیث (یعنی وہ لوگ جن کو بہت زیادہ احادیث زبانی یاد رہتی تھیں) سے نقل کیا ہے کہ کوئی بھی ایسی حدیث ثابت نہیں ہے جس میں بسم اللہ کا باواز بلند پڑھنا بصراحت ثابت ہوتا ہو یا اگر کوئی ایسی حدیث ثابت بھی ہے کہ جس سے بسم اللہ باواز بلند پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو اس کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت سے بسم اللہ باواز آہستہ پڑھنا بکثرت منقول ہے اور اگر اتفاق طور پر کسی کے بارہ میں باواز بلند پڑھنا ثابت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو انہوں نے لوگوں کی تعلیم کے لئے بسم اللہ باواز بلند پڑھی ہوگی یا پھر یہ ان مقتدیوں کی روایت ہے جو ان کے بالکل قریب نماز میں کھڑے ہوتے تھے کہ اگر وہ، بسم اللہ آہستہ سے بھی پڑھتے تھے تو مقتدی سن لیتے تھے اور اسی کو انہوں نے باواز بلند پڑھنے سے تعبیر کیا۔

امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں اس مسئلہ سے متعلق دو باب قائم کئے ہیں ایک باب میں تو ان احادیث کو نقل کیا ہے جن سے بسم اللہ باواز بلند پڑھنا ثابت ہے اور دوسرے باب میں وہ احادیث نقل کی ہیں جو آہستہ آواز سے پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور امام

موصوف نے ترجیح انہیں احادیث کو دی ہے جن سے باوازاہستہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور کہا ہے کہ اس طرف (یعنی بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے مسلک کے حق میں) اکثر اہل علم مثلاً صحابہ میں سے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور تابعین وغیرہ ہیں۔

آمین کہنے کا حکم

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آمَنَ الْإِمَامُ فَأَمْتُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَامِيثُهُ تَامِيْنِ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ هَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهُ وَفِي أُخْرَى لِلْبُخَارِيِّ قَالَ إِذَا آمَنَ الْقَارِئُ فَأَمْتُوا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَوَمَّنُ فَمَنْ وَافَقَ تَامِيثُهُ تَامِيْنِ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا ”جب امام (سورہ فاتحہ کی قراءت کے بعد) آمین کہے تو (چونکہ اس وقت فرشتے آمین کہتے ہیں اس لئے) تم بھی آمین کہو۔ کیونکہ جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے۔“ (بخاری، مسلم) ”ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو کیونکہ جس شخص کا (آمین) کہنا فرشتوں کے (آمین) کہنے سے مل جاتا ہے اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں مسلم کی حدیث کے الفاظ بھی اس کے مشابہ ہیں۔“

اور بخاری کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”آپ نے فرمایا جب قرآن کا پڑھنے والا (یعنی) امام یا کوئی بھی مطلقاً پڑھنے والا آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ (اس وقت) فرشتے آمین کہتے ہیں اور جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے تو اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔“

تشریح: آمین کے معنی یہ ہیں کہ ”اے اللہ! میری دعا قبول کر!“ چنانچہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ آمین کہیں۔

آمین کہنے والے فرشتوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اعمال کو لکھتے ہیں لیکن بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں ان کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں۔

مقتدی کی نماز کا طریقہ

⑤ وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ لِيُوْثِقْكُمْ أَحَدُكُمْ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَالَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ يُحْبِبُكُمُ اللَّهُ فَإِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ فَكَبِّرُوا وَارْكَعُوا فَإِنَّ الْإِمَامَ يَرَكُّعَ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَلِكْ بَيْتُكَ قَالَ وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ يَسْمَعُ اللَّهُ لَكُمْ زَوَاهِ مُسْلِمٍ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَقْتَادَةَ وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا۔

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا ”جب تم (باجماعت) نماز پڑھو تو (پہلے) اپنی صفوں کو سیدھی کرو پھر (تم میں سے) ایک شخص تمہارا امام بنے، چنانچہ جب وہ امام تکبیر تحریمہ (یعنی) اللہ اکبر کہے تو تم (بھی اللہ اکبر) کہو، جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے گا اور جب امام (رکوع میں جانے کے لئے) اللہ اکبر کہے اور رکوع میں جائے تم بھی اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں چلے جاؤ اور امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے سر اٹھاتا ہے۔ چنانچہ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ امام کا پہلے سر اٹھانا پہلے رکوع کرنے کا بدلہ ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ”جب امام سح اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللہم ربنا لک الحمد کہو خدا تمہاری تعریف سنتا ہے۔ اور مسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے الفاظ ”فسلک بتلک“ یعنی امام سے پہلے سر اٹھانا پہلے رکوع کرنے کا بدلہ ہے۔ ”کا مطلب یہ ہے کہ امام مقتدی سے پہلے رکوع سے سر اس لئے اٹھاتا ہے تاکہ امام اور مقتدی کے رکوع کی مقدار برابر ہو جائے۔ گویا آپ ﷺ کا یہ ارشاد واضح طور پر یوں ہے کہ ”جب امام رکوع میں تم سے پہلے گیا تو گویا اس وقت تمہارے اور امام کی رکوع کی مقدار برابر نہ رہی مگر جب امام نے رکوع سے تم سے پہلے سر اٹھالیا اور تم نے اس کے بعد سر اٹھایا تو گویا تمہاری اس تاخیر سے وہ لمحہ پورا ہو گیا جس میں امام نے رکوع میں جانے میں تم سے پہل کی تھی اور جس طرح تم رکوع میں امام کے بعد گئے اسی طرح رکوع سے اٹھے بھی امام کے بعد ہی لہذا امام اور مقتدی دونوں کے رکوع کی مقدار پوری ہو گئی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب امام سح اللہ لمن حمد کہے تو مقتدی اللہم ربنا لک الحمد کہیں مگر ایک دوسری روایت میں ربنا ولک الحمد (واؤ کے ساتھ) کے الفاظ مروی ہیں۔ نیز ایک روایت میں اللہم ربنا ولک الحمد بھی مروی ہے۔

یہ حدیث حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اس مسئلہ میں مستدل ہے کہ امام رکوع سے اٹھتے ہوئے صرف سح اللہ لمن حمد کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہیں حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک امام، مقتدی اور مفرد تینوں ہی کو یہ دونوں کلمات کہنے چاہئیں صاحبین سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے لیکن اس قید کے ساتھ کہ امام ربنا لک الحمد آہستہ آواز سے کہے۔

مفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والے شخص کے بارہ میں متفقہ طور پر یہ حکم ہے کہ وہ دونوں کلمات کہے اگرچہ صرف ایک پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اکتفاء ربنا لک الحمد پر کیا جائے۔ دونوں کلمات کہنے کی صورت میں سح اللہ اٹھتے ہوئے اور ربنا لک الحمد حالت قیام میں کہا جائے۔

حدیث کا آخری جملہ واذا قرأنا نصتو (یعنی جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو) حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک کی دلیل ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا چاہئے قراءت نہ کرنی چاہئے خواہ نماز بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی۔

نماز میں قراءت کا طریقہ

① وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْأَوَّلِينَ بِأَمِّ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ وَفِي الرَّكَعَتَيْنِ الْأَخْرَتَيْنِ بِأَمِّ الْكِتَابِ وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا وَيَطْوِلُ فِي الرَّكَعَةِ الْأُولَى مَا لَا يُطِيلُ فِي الرَّكَعَةِ الثَّانِيَةِ وَهَكَذَا فِي الْعَصْرِ وَهَكَذَا فِي الصُّبْحِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ ظہر کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں (یعنی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک سورہ) پڑھتے تھے اور بعد کی دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں (بھی) کوئی آیت سنایا کرتے تھے اور دوسری رکعت کی بہ نسبت پہلی رکعت کو زیادہ طویل کرتے تھے اسی طرح عصر اور فجر کی نماز میں بھی کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ظہر کی نماز میں یوں تو قراءت سری (یعنی آہستہ آواز سے) سے ہوتی ہے اور اسی طرح آنحضرت ﷺ بھی پڑھتے تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بسا اوقات ظہر کی نماز میں کوئی آیت یا سورہٴ بآواز بلند بھی پڑھ دیا کرتے تھے اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لوگ جان لیں کہ سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ یا کوئی آیت بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ یا لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ آپ ﷺ فلاں

سورت کی قراءت کر رہے ہیں۔ اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ یہاں ظہر کی تخصیص تنقیدی نہیں ہے بلکہ اتفاقی ہے۔ یعنی آپ ﷺ ہر نماز میں ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

پہلی رکعت کو طویل کرنے کا مسئلہ: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی رکعت کو دو سری رکعتوں سے زیادہ طویل کرنا چاہئے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دو سری رکعت کی بہ نسبت زیادہ طویل کرنا چاہئے۔ حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کا بھی مسلک یہی ہے، ان حضرات نے ظہر، عصر اور صبح کی نمازوں میں پہلی رکعت کو طویل کرنے کے مسئلہ کو احادیث سے ثابت کیا ہے اور مغرب و عشاء کو ان تینوں پر قیاس کیا ہے۔ عبدالرزاقؒ نے اس حدیث کے آخر میں معمرؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ”ہمارا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلی رکعت کو اس لئے طویل کرتے تھے کہ لوگ پہلی رکعت پالیں، امام ابو داؤد اور ابن خزیمہؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پہلی رکعت کو طویل کرنا صرف فجر کی نماز کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ وقت نیند و غفلت کا ہوتا ہے۔ ورنہ تو دونوں رکعتیں چونکہ استحقاق قراءت میں برابر ہیں۔ اس لئے مقدار قراءت میں بھی برابر ہونی چاہئیں چنانچہ ایک حدیث میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر رکعت میں تیس آیتوں کی مقدار قراءت کیا کرتے تھے۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ جس سے پہلی رکعت کو طویل کرنے کا اثبات ہوتا ہے تو یہ اس بات پر محمول ہے کہ چونکہ پہلی رکعت میں دعا کے استفتاح (یعنی سبحانک الہم اور اعوذ باللہ و بسم اللہ پڑھی جاتی ہے اس لئے پہلی رکعت طویل معلوم ہوتی تھی نیز یہ کہ طوالت تین آیتوں سے بھی کم کی مقدار میں ہوتی تھی۔

خلاصہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام محمدؒ کا مسلک احب یعنی اچھا ہے۔

نماز میں آنحضرت ﷺ کے قیام کی مقدار

⑤ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرَ نَاقِيَامَهُ فِي الرُّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ قِرَاءَتِهِ أَلَمْ تَنْزِيلِ السَّجْدَةِ وَفِي رِوَايَةٍ فِي كُلِّ رُكْعَةٍ قَدْرَ ثَلَاثِينَ آيَةً وَحَزَرَ نَاقِيَامَهُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ قَدْرَ التَّصْفِ مِنْ ذَلِكَ وَحَزَرَ نَاقِيَامَهُ فِي الرُّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى قَدْرِ قِيَامِهِ فِي الْأُخْرَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى التَّصْفِ مِنْ ذَلِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوسعید خدریؒ فرماتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر کی نماز میں آتے نامدار ﷺ کے قیام (کی مقدار) کا اندازہ کرتے، چنانچہ ہم نے اندازہ کیا کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں الم تنزیل السجدہ پڑھنے کے بقدر قیام کرتے تھے اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”ہر رکعت میں تیس آیتیں پڑھنے کے بقدر قیام کرتے تھے اور (ظہر کی) آخری دو رکعتوں میں ہم نے اس سے نصف کا اندازہ کیا۔ اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی آخری دو رکعتوں کی بقدر قیام کا اور عصر کی آخری دو رکعتوں میں اس کے نصف کی بقدر قیام کا ہم نے اندازہ کیا۔“ (مسلم)

تشریح: الم تنزیل السجدہ کے بقدر کا مطلب یہ ہے کہ دونوں رکعتوں میں آپ ﷺ کے مجموعی قیام کی مقدار سورہ الم تنزیل السجدہ ہوتی تھی یا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ ہر رکعت میں الم السجدہ پڑھنے کے بقدر قراءت کرتے تھے اس آخری مطلب کی تائید دوسری روایت بھی کرتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر رکعت میں تیس آیتوں کے بقدر قراءت کرتے تھے اور الم تنزیل السجدہ میں انیس آیتیں ہیں، اگر پہلے مطلب کو صحیح مانا جائے تو یہ دوسری روایت کے خلاف ہو گا لہذا بہتر یہی ہو گا کہ یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ ہر رکعت میں سورہ الم تنزیل السجدہ کی بقدر قراءت کرتے تھے۔

آخری رکعتوں میں قراءت کا مسئلہ: حدیث کے ان الفاظ وحزر ناقیامہ فی الاخرین یعنی (ظہر کی آخری دو رکعتوں میں اس سے نصف کا ہم نے اندازہ کیا۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی آخری دونوں رکعتوں میں بھی سورہ فاتحہ کی ساتھ کوئی دوسری سورت جو پہلی دونوں رکعتوں کی سورتوں سے مختصر ہوتی تھی پڑھتے تھے چنانچہ امام شافعیؒ کا مسلک قول جدید کے مطابق یہی ہے لیکن ان کے یہاں فتوے ان کے قول قدیم پر ہے جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

لہذا اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فعل سنت پر محمول نہیں بلکہ بیان جواز پر محمول ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کبھی کبھی کوئی اور سورہ بھی ملا کر قراءت کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس طرح پڑھنا بھی جائز ہے لیکن اتنی بات جان لینی چاہئے کہ تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ آخری دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا ہی سنت ہے بلکہ حنفیہ کا کہنا تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سورہ فاتحہ بھی نہ پڑھے بلکہ صرف تسبیح (یعنی سبحان اللہ وغیرہ کہہ لے تو بھی جائز ہے لیکن قراءت افضل ہے، امام نخعیؒ، امام ثوریؒ اور کوفہ کے تمام علماء کا قول بھی یہی ہے۔

محیط میں یہ لکھا کہ اگر کوئی شخص آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بجائے قصداً سکوت اختیار کرے تو یہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے ایک غلط فعل ہوگا۔ حسن بن زیاؤؒ نے حضرت امام اعظمؒ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں قراءت کرنا واجب ہے۔ ابن شیبہؒ نے حضرت علیؒ اور حضرت مسعودؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ پہلی دونوں رکعتوں میں قراءت کرو اور آخری دونوں رکعتوں میں تسبیح پر اکتفاء کرو۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورہ بھی پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔ اور یہی صحیح بھی ہے کیونکہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورہ بھی پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا اور یہی صحیح بھی ہے کیونکہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے اور کسی دوسری سورت کا ترک کرنا واجب نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ سجدہ سہو کسی واجب کو چھوڑ دینے یا واجب پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے۔

حضرت امام احمدؒ کے ہاں اولیٰ اور صحیح یہ ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورہ کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ ﷺ آخری دونوں رکعتوں میں کبھی کبھی سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی سورہ یا کچھ آیتیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے لیکن سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورہ کا نہ پڑھنا ہی مستحب ہے۔

ظہر کی نماز کی قراءت

① وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ وَفِي رِوَايَةٍ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ وَفِي الْعَصْرِ نَحْوَ ذَلِكَ وَفِي الصُّبْحِ أَظْلَوْلَ مِنْ ذَلِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمرہؒ فرماتے ہیں کہ آقا نے نماز ظہر کی نماز میں سورہ واللیل اذایغشی پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سورہ سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرتے تھے اور عصر کی نماز میں بھی اسی قدر (کوئی آیت یا سورہ) پڑھتے تھے اور صبح کی نماز میں اس سے لمبی قراءت کرتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: جس طرح دیگر احادیث میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ فلاں نماز میں فلاں سورہ پڑھتے تھے اور اس کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ وہ سورہ پہلی رکعت میں پڑھتے تھے یا دوسری میں۔ یا ایک رکعت میں بغیر پہلی دوسری کے پڑھتے تھے۔ اس طرح اس حدیث میں بھی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز میں سورہ واللیل اذایغشی کس رکعت میں پڑھتے تھے آیا پہلی

رکعت میں یا دوسری میں؟

اس سلسلہ میں دو ہی احتمال ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ آپ ﷺ ایک ہی سورۃ کو دونوں رکعتوں میں پڑھتے تھے یا یہ کہ ایک سورۃ کا کچھ حصہ پہلی رکعت میں پڑھتے تھے اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں پہلے احتمال میں تکرار لازم آئے گا اور دوسرے میں تبیض (یعنی کسی ایک سورۃ کا کچھ حصہ پہلی رکعت میں اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں پڑھنا لازم آئے گا، اور یہ دونوں یعنی تکرار و تبیض غیر اولیٰ ہیں اگرچہ جائز ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ سے تکرار تبیض ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک رکعت میں پوری سورۃ پڑھنا اگرچہ وہ چھوٹی ہو افضل ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک رکعت میں کسی سورۃ کا کچھ حصہ پڑھا جائے اگرچہ وہ سورت طویل ہو۔ ہاں اس مسئلہ میں تراویح مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں تو پورا قرآن سارے مہینہ میں ختم کرنا افضل ہے لہذا ان سے دونوں احتمالات اور ان میں پیدا شدہ اشکالات کو دیکھتے ہوئے کوئی ایسا تیسرا احتمال پیدا کیا جائے گا جو حدیث کے منشاء کے مطابق اور اس سے مناسب ہو اور وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ مذکورہ سورۃ کے علاوہ کوئی دوسری سورۃ بھی پڑھتے تھے خواہ پہلی رکعت میں پڑھتے ہوں یا دوسری میں۔

مغرب کی نماز کی قراءت

⑨ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ - (بخاری، مسلم)

”اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔“

(بخاری، مسلم)

فقہاء کی جانب سے نمازوں میں تعین قراءت کی دلیل

⑩ وَعَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ غُرْفًا - (بخاری، مسلم)

”اور حضرت ام الفضل بنت حارثؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورہ مرسلات عرفا پڑھتے ہوئے سنا ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: یہ احادیث اور وہ حدیث جس میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ مغرب کی نماز میں سورہ اعراف، سورہ انفال اور سورہ دخان پڑھتے تھے یا اسی قسم کی دوسری احادیث سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نمازوں میں کسی خاص اور متعین سورۃ کا پڑھنا ضروری نہیں ہے بلکہ نمازی کی آسانی و سہولت پر موقوف ہے کہ وہ جس نماز میں جو بھی سورۃ چاہے پڑھ سکتا ہے۔ فقہاء جو یہ لکھتے ہیں کہ فجر و ظہر میں طویل مفضل، عصر و عشاء میں اوسط مفضل اور مغرب میں قصار مفضل پڑھنا چاہئے تو ان کے تعین قراءت کی اصلی دلیل یہ ہے کہ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو اس زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے ایک خط لکھا تھا اس میں یہ مذکورہ تفصیل لکھی تھی اس کے مطابق نمازوں میں قراءت کا اس طرح تعین قرار پایا۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ اقدس میں طویل و قصار کے سلسلہ میں قراءت کا مسئلہ اختلاف احوال و اوقات اور مصلحت جواز کے ساتھ مختلف تھا پھر بعد میں حضرت عمرؓ کے اس مکتوب گرامی کی روشنی میں قراءت کا ایک نسخہ اور اصول مقرر کیا گیا جس کو فقہاء کی اصطلاح میں طویل مفضل، اور اوسط مفضل اور قصار مفضل کا نام دیا گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت عمر فاروقؓ کو کوئی دلیل براہ راست آنحضرت ﷺ کے کسی قول و فعل سے ہاتھ لگی ہو اور

۱۔ ”طویل مفضل“ سورہ حجرات سے سورہ النساء ذات البروج تک اور ”اوسط مفضل“ سورہ النساء ذات البروج سے سورہ لم یکن تک اور ”قصار مفضل“ سورہ لم یکن کے بعد سے سورہ الناس تک کی سورتوں کو کہا جاتا ہے ۱۲۔

آنحضرت ﷺ اسی طریقہ کے مطابق کبھی کبھی قراءت کرتے ہوں جس کو حضرت عمرؓ نے اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا ہے اور کبھی کبھی اس کے برعکس آپ ﷺ کا وہی معمول رہتا ہو جو ان احادیث میں مذکور ہے۔ بہر حال ہم تو سمجھتے ہیں کہ فقہاء کے مقرر کردہ اس اصول کے لئے حضرت عمرؓ کا یہ قول ہی دلیل کے لئے کافی ہے؟

فرض نماز پڑھنے والے کو نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے یا نہیں؟

⑪ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي فَيُؤَمُّ قَوْمَهُ فَصَلَّى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتَى قَوْمَهُ فَأَمَّهُمْ فَأَفْتَحَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلَّى وَخِذَهُ وَانْصَرَفَ فَقَالَ الْوَالَهُ نَافَقْتُ يَا فُلَانُ قَالَ لَا وَاللَّهِ وَلَا يَتَيْنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا خَيْرَ لَهُ فَإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا أَصْحَابُ نَوَاضِحٍ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَإِنْ مُعَاذًا صَلَّيْ مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتَى قَوْمَهُ فَأَفْتَحَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مُعَاذٍ فَقَالَ يَا مُعَاذُ أَفَتَأْتِي أَنْتَ أَقْرَأَ وَالشَّمْسُ وَضَحَاهَا وَاللَّيْلُ إِذَا بَغَشَى وَسَبِّحَ اسْمُ رَبِّكَ الْأَعْلَى - (بخاری)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ آقاؐ کے ساتھ نماز پڑھ کر آتے اور پھر اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتے تھے چنانچہ (ایک دن) انھوں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ عشا کی نماز پڑھی اور پھر اگر اپنی قوم کی امامت کی اور (نماز میں) سورہ بقرہ شروع کر دی (جب قراءت طویل ہوئی تو) ایک شخص سلام پھیر کر جماعت سے نکل آیا اور تنہا نماز پڑھ کر چلا گیا لوگوں نے (جب یہ دیکھا تو اس سے کہا کہ ”فلانے کیا تو منافق ہو گیا ہے کیونکہ جماعت سے جان بچا کر نکل بھاگتا تو منافقوں ہی کا کام ہے) اس نے کہا ”نہیں خدا کی قسم (میں منافق نہیں ہوا ہوں) میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حقیقت حال بیان کروں گا“ چنانچہ وہ شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ہم اونٹوں والے ہیں، دن کو کام کرتے ہیں (یعنی) اونٹوں کے ذریعہ پانی کھینچ کر درختوں کی آبپاشی کرتے ہیں اور دن بھر محنت و مشقت میں لگے رہتے ہیں) معاذؓ رات کو آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر آئے اور ہمیں نماز پڑھائی اور سورہ بقرہ شروع کر دی (جیسی قراءت ہونے اور اپنے تھکے ہوئے ہونے کی وجہ سے میں بددل ہو گیا) یہ سن کر آنحضرت ﷺ حضرت معاذؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ”معاذ! کیا تم قنہ پیدا کرنے والے ہو (یعنی کیا تم لوگوں سے جماعت ترک کر کر انہیں دین سے بیزار اور قنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ بہتر یہ ہے کہ تم سورہ والشمس وضحہا سورہ والضحیٰ سورہ واللیل اذا بغشى اور سورہ سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرو۔“ (بخاری، ”مسلم“)

تشریح: یہ شخص نعوذ باللہ جماعت یا نماز سے متفر نہیں ہوا تھا بلکہ چونکہ دن بھر کی محنت و مشقت کی وجہ سے تھکا ماندہ تھا اس لئے جب قراءت لمبی ہوئی اور نماز نے طوالت اختیار کی تو یہ مجبور ہو کر جماعت سے نکل آیا اور اپنی نماز تنہا پڑھ لی۔ اسی وجہ سے جماعت سے نکلتے ہوئے باوجودیکہ سلام پھیرنے کا کوئی موقعہ و محل نہ تھا اس نے سلام پھیرا کیونکہ اس نے سوچا کہ نماز سے سلام پھیر کر نکلے تاکہ کم سے کم نماز پوری ہونے کی مشابہت تو ہو ہی جائے۔

ایک دوسری روایت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ کے بعد کچھ اور سورتیں بھی ذکر کی گئی ہیں مثلاً اذا السماء انفطرت اذا السماء انشقت اور سورہ بروج و طارق۔

حضرات شوافع نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ فرض نماز پڑھنے والے کو نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے اس لئے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ جب آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے تو ان کی فرض نماز ادا ہو جاتی تھی اور اپنی جماعت کے ساتھ جو نماز پڑھتے تھے وہ نفل رہتی تھی اور ان کے مقتدیوں کی نماز فرض ہوتی تھی اور آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کے اس عمل کو جائز رکھا

انہیں اس عمل سے منع نہیں کیا۔

علماء حنفیہ کے نزدیک چونکہ فرض نماز پڑھنے والے کو نفل نماز پڑھنے والے کی امامت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اس لئے حضرات شوافع کو جواب دیا جاتا ہے کہ ”نیت ایک ایسی شے ہے جس پر کوئی دوسرا شخص مطلع نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ خود نیت کرنے والا یہ نہ بتائے کہ اس نے کیا نیت کی تھی۔ لہذا یہ غالب ہے کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ بہ نیت فرض نہیں بلکہ آپ ﷺ سے طریقہ نماز سیکھنے اور آپ کی نماز کی برکت و فضیلت حاصل کرنے نیز تہمت نفاق سے بچنے کی خاطر نہ نیت نفل نماز پڑھتے ہوں پھر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں فرض نماز پڑھاتے ہوں گے تاکہ دونوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں۔ لہذا حضرت معاذؓ کے اس عمل کو اس صورت پر محمول کرنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ شکل تو بالاتفاق سب علماء کے نزدیک جائز ہے بخلاف پہلی شکل کے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

امام کو مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہئے: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام کو ضعیف و کمزور مقتدیوں کی رعایت کے پیش نظر نماز میں تخفیف کرنا سنت ہے اگر اسے اس بات کا احساس ہو کہ پیچھے مقتدی ضعیف و کمزور ہیں یا دن بھر کی محنت و مشقت سے تھکے ماندے ہیں یا انہیں کوئی دوسری مجبوری و تکلیف لاحق ہے تو اسے نماز ہلکی پھلکی پڑھانی چاہے اتنی لمبی قراءت نہ کرنی چاہئے جس سے ضعیف و کمزور لوگ تکلیف و پریشانی محسوس کریں اور اس بناء پر جماعت کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

نماز عشاء کی قراءت

⑫ وَعَنِ النَّبَا قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ وَالتَّيْنِ وَالزَّيْتُونِ وَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ۔ (تفصیل علیہ)

”اور حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورہ التین و الزیتون پڑھتے ہوئے سنا اور میں نے آنحضرت ﷺ کی آواز سے اچھی کوئی آواز نہیں سنی۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: سرکارِ دو عالم ﷺ جس طرح باطنی طور پر دنیا کے سب سے مکمل و اکمل انسان تھے اسی طرح مبداء فیاض نے آپ ﷺ کو ظاہری جسمانی حسن و خوبصورتی کے بھی سب سے اعلیٰ و ارفع مرتبہ پر فائز کیا تھا پھر یہ کہ جس طرح خدا نے آپ ﷺ کو حسن صورت کا سب سے اعلیٰ نمونہ بنایا تھا اسی طرح آپ ﷺ کو حسن آواز میں بھی سب سے امتیازی درجہ عنایت فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت براء ابن عازب کی یہ شہادت کہ میں نے آپ ﷺ کی آواز سے زیادہ کوئی اچھی آواز نہیں سنی محض ایک جذباتی عقیدت کا تاثر یا مبالغہ آرائی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی حقیقت کی شہادت ہے جس کی صداقت کو اپنے توالگ رہے کبھی ریگانوں نے بھی چیلنج کرنے کی جرات نہیں کی۔ جیسا کہ ابھی حدیث نمبر ۸ کی تشریح کے ضمن میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہاں بھی اس حدیث جس کی یہی وضاحت ہے کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز میں سورہ التین و الزیتون ایک رکعت میں پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں کسی دوسری سورہ کی قراءت فرماتے تھے۔

نماز فجر کی قراءت

⑬ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ الْقُرْآنَ الْمَجِيدَ وَنَحْوَهَا وَكَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدَ تَخْفِيفٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمرةؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ فجر کی نماز میں سورہ حق و القرآن المجید یا ایسی ہی (طویل) کوئی دوسری سورہ پڑھتے تھے اور آپ ﷺ فجر کی نماز کے بعد کسی دوسری نماز ہلکی پڑھتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ فجر کی نماز کے علاوہ اوقات کی نماز میں زیادہ لمبی نہیں پڑھتے تھے اور فجر کی نماز

میں طویل قراءت کیا کرتے تھے کیونکہ ہنگام صبح گا ہی بارگاہ الوہیت میں دعاؤں کے قبول ہونے اور برکت و سعادت حاصل ہونے کا وقت ہوتا ہے۔

(۱۴) وَعَنْ عُمَرُو ابْنِ حُرَيْثٍ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسَعَسَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عمر و ابن حریثؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انھوں نے آقائے نامدار ﷺ کو فجر کی نماز میں واللیل اذا عسعس (یعنی سورۃ اذا الشمس کورت) پڑھتے سنا ہے۔“ (مسلم)

(۱۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمَسَائِبِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُورَةَ الْمُؤْمِنِينَ حَتَّى جَاءَ ذِكْرُ مُوسَى وَهَارُونَ أَوْ ذِكْرُ عِيسَى أَخَذَتِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُغْلَةً فَرَكَعَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسائبؓ فرماتے ہیں کہ (فح مکہ کے بعد ایک مرتبہ) آقائے نامدار ﷺ نے ہمیں مکہ میں فجر کی نماز پڑھائی اور سورہ مؤمن یعنی قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ شروع کی جب آپ ﷺ موسیٰ و ہارون یا عیسیٰ کے ذکر پر پہنچے تو آپ ﷺ کو کھانسی اٹھی (جسی کی وجہ سے سورہ پوری کے بغیر) آپ ﷺ رکوع میں چلے گئے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قراءت میں سورۃ قد افلح المؤمنون شروع کی اور جب آپ ﷺ اس آیت ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِرُكْنٍ مِّنْ دُونِ السَّامِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ کا ذکر ہے یا اس آیت وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً پر کہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے پہنچے تو ان جلیل القدر پیغمبروں کے ذکر سے آپ ﷺ کا دل بھرا آیا اور رونے لگے جس کی وجہ سے کھانسی کا غلبہ ہو گیا چنانچہ آپ ﷺ اس گریہ و کھانسی کی وجہ سے سورہ پوری نہ کر سکے اور اس آیت پر قراءت ختم کر کے رکوع میں چلے گئے۔

جمعہ کے روز نماز فجر کی قراءت

(۱۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِآلَمِ تَنْزِيلِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَىٰ وَفِي الثَّانِيَةِ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں آلم تنزیل اور دوسری رکعت میں هل اتی علی الانسان پڑھتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرات شوافع اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جمعہ کے روز نماز فجر میں حدیث میں مذکورہ سورتیں ہی پڑھنی چاہئیں مگر حنفیہ چونکہ تعین سورۃ سے منع کرتے ہیں اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اولیٰ نہیں ہے کہ کسی خاص سورۃ کو کسی خاص نماز کے ساتھ اس طرح متعین کر لیا جائے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری سورت پڑھی نہ جائے۔ ان حضرات کے نزدیک تعین قراءت و سورۃ کی ممانعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ اگر کسی خاص نماز کے ساتھ کسی خاص سورۃ کو متعین کر دیا جائے گا تو لوگ اسی ایک سورۃ کو لازم و واجب سمجھ کر پڑھیں گے اور اس کے علاوہ دوسری سورتوں کو پڑھنا مکروہ سمجھیں گے۔

ہاں اگر کوئی شخص مثلاً اس حدیث کے مطابق جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں آلم تنزیل سورۃ السجدہ اور دوسری رکعت میں هل اتی علی الانسان (سورۃ دہر) حضرت ﷺ کی قراءت کی برکت حاصل کرنے اور اتباع سنت کے جذبہ سے پڑھا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان سورتوں کے علاوہ کبھی کبھی کوئی دوسری سورت بھی پڑھ لیا کرے تاکہ کم علم اور عوام یہ نہ سمجھیں کہ ان سورتوں کے علاوہ کوئی دوسری سورت پڑھنی جائز نہیں ہے۔

اس کے علاوہ حنفیہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس عمل پر آنحضرت ﷺ کا دوام ثابت نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کبھی کبھی یہ سورتیں

پڑھا کرتے تھے لہذا کبھی کبھی پڑھنا تو ہر شخص کے لئے افضل ہے۔

اس موقع پر یہ مسئلہ بھی سن لیجئے کہ اگر کوئی شخص صبح کی نماز میں سورۃ سجدہ پڑھے تو اسے سجدہ تلاوت بھی کرنا چاہئے اگرچہ شوافع کے کچھ علماء نے بعض ایام میں امام کے لئے اس کو ترک کرنا ہی اولیٰ قرار دیا ہے لیکن آنحضرت ﷺ سے سجدہ تلاوت کرنا ہی ثابت ہے۔

نماز جمعہ کی قراءت

(۱۷) وَعَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ أَبَاهُ زَيْدَةَ عَلَى الْمَدِينَةِ وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَأَ سُورَةَ الْجُمُعَةِ فِي السَّجْدَةِ الْأُولَىٰ وَفِي الْآخِرَةِ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبید اللہ ابن رافع فرماتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابوہریرہؓ کو مدینہ میں خلیفہ (یعنی اپنا قائم مقام گورنر) مقرر کیا اور خود مکہ چلا گیا چنانچہ (اس کی عدم موجودگی میں) حضرت ابوہریرہؓ نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی اور انھوں نے پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ اذا جاءك المنافقون پڑھی اور فرمایا کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو جمعہ کے روز (یعنی نماز جمعہ میں) ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔“ (مسلم)

نماز عیدین و جمعہ کی قراءت

(۱۸) وَعَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ قَالَ وَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيدُ وَالْجُمُعَةُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِي الصَّلَاتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ثعمان ابن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ عید و بقر عید و جمعہ کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ اور هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ (کی سورتیں) پڑھا کرتے تھے۔ اور حضرت نعمان کہتے ہیں کہ ”جب عید اور جمعہ ایک دن جمع ہو جاتے تو آپ ﷺ (عید و جمعہ کی) دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ عیدین اور جمعہ کی نماز میں ان دونوں سورتوں کا پڑھنا مستحب مؤکدہ ہے وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ نماز جمعہ میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے۔

(۱۹) وَعَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَقْدٍ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَضْحَىٰ وَالْفِطْرِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَأُ فِيهِمَا بَقِيَّةَ الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبید اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو واقد لیثیؓ سے پوچھا کہ ”آقائے نامدار ﷺ عید اور بقر عید کی نماز میں کیا پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ ان دونوں نمازوں میں سورہ ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ اور سورہ اقتربت الساعة پڑھا کرتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت عمر فاروقؓ آنحضرت ﷺ سے کمال قرب رکھتے تھے اور آپ ﷺ کے احوال و کوائف سے بخوبی واقف تھے اس لئے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے حضرت ابو واقد لیثیؓ سے یہ سوال اس لئے کیا تھا تاکہ ان نمازوں میں آنحضرت ﷺ کی قراءت کے بارہ میں جان سکیں البتہ یہ کہا جائے گا کہ اس سوال سے ان کا مقصد یہ تھا کہ حاضرین اس سوال و جواب سے آنحضرت ﷺ کی قراءت کا علم بخوبی حاصل کر سکیں اور اس واقعیت کو اپنے ذہن میں قائم رکھ سکیں۔

فجر کی نماز سنت کی قراءت

(۲۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ بَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ فجر کی دونوں سنت رکعتوں میں سورہ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور سورہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھتے تھے۔“ (مسلم)

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَلِلَّهِ فِي آلِ عِمْرَانَ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ فجر کی دونوں سنت رکعتوں میں سورہ بقرہ کی یہ آیت قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا اور (سورہ آل عمران کی) یہ آیت قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ پڑھتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: پہلی آیت جو سورہ بقرہ کی ہے پورے طور پر یوں ہے۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ۔ (البقرہ: ۱۳۶)

” (مسلمانو!) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفہ) ابراہیم علیہ السلام اور اسحق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو دیگر پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان سب پر (ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (خدا واحد) کے فرمانبردار ہیں۔“

دوسری آیت جو سورہ آل عمران میں ہے پوری یہ ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔ (آل عمران: ۶۴)

” (اے محمد ﷺ) فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب (یہودیو اور عیسائیو جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم) کی گئی ہے اس کی طرف آؤ۔ وہ یہ ہے کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کار ساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو نہ مانیں تو) (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ ہو کہ ہم (خدا کے) فرمانبردار ہیں۔“

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ فجر کی سنتوں میں کبھی کبھی تو یہ دونوں آیتیں پڑھتے ہوں گے اور اکثر بیشتر قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھتے ہوں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں سورت کا کچھ حصہ خاص طور سے سورۃ کے درمیان سے پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

الفصل الثانی

ابتداء نماز میں بسم اللہ پڑھنا

(۲۲) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلَاتَهُ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ رَوَاهُ

التَّوَمُّدِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ۔

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں آقائے نامدارؓ اپنی نماز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرتے تھے اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے۔“

تشریح: بسم اللہ سے نماز شروع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ ابتدا نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ آواز سے پڑھتے اس کے بعد قراءت شروع کرتے تھے۔ آہستہ آواز کی قید اس لئے لگائی ہے تاکہ یہ حدیث پہلے گزرنے والی احادیث کے خلاف نہ رہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ اپنی نماز کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے فرمایا کرتے تھے۔ میرک شاہ نے کہا ہے کہ امام ترمذی کا اس کو ضعیف الاسناد کہنا محل غور ہے کیونکہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کی اسناد بالکل صحیح ہے۔

آمین باواز بلند کہی جائے یا آہستہ

(۲۳) وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ۔ (رواہ الترمذی والبوداؤ، والداری وابن ماجہ)

”اور حضرت وائل ابن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدارؓ کو سنا کہ آپؐ نے (نماز میں) غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھا اور پھر دراز آواز سے آمین کہی۔“ (البوداؤ، واری، ترمذی)

تشریح: ”دراز آواز سے آمین کہنے“ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ آپؐ نے آمین باواز بلند کہی یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے لفظ آمین میں الف کو مد کے ساتھ یعنی کھینچ کر کہا۔

آمین کہنے کا مسئلہ بھی ائمہ کے یہاں بحث فیہ ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بات جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں تو سب ائمہ متفق ہیں کہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا ہر نمازی کے لئے سنت ہے خواہ منفرد ہو یا امام، اسی طرح مقتدی کو بھی آمین کہنا سنت ہے خواہ امام کہے یا نہ کہے۔ اب اختلاف اس چیز میں ہے کہ آیا آمین باواز بلند کہی جائے یا آہستہ آواز سے؟ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک آمین باواز بلند کہنی چاہئے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آمین آہستہ آواز سے کہنی چاہئے چنانچہ وہ ان احادیث کے بارہ میں جن سے آمین باواز بلند کہنا ثابت ہے اور جو شافعی وغیرہ کی مستدل ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام احادیث اس بات پر محمول ہیں کہ ابتداء اسلام میں آپؐ تعلیم کی خاطر آمین باواز بلند کہتے تھے تاکہ صحابہؓ یہ جان لیں کہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا چاہئے۔ صحابہ جب یہ سیکھ گئے تو آپؐ آمین آہستہ آواز سے کہنے لگے چنانچہ حضرت ابن ہمامؒ نے کہا ہے کہ احمدؒ، ابویعلیٰؒ، طبرانیؒ، دارمیؒ، اور حاکمؒ نے شعبہؒ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

”علقمہ ابن وائل اپنے والد مکرم حضرت وائل سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے (یعنی وائلؓ) نے آنحضرتؐ کے ہمراہ نماز پڑھی چنانچہ آنحضرتؐ جب ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ پر پہنچے تو آہستہ آواز سے آمین کہی۔“

حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ”چار چیزیں ایسی ہیں جنہیں امام کو آہستہ آواز سے پڑھنا چاہئے۔“

① اعوذ باللہ ② بسم اللہ ③ سبحانک اللہم ④ آمین

حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ بھی آمین آہستہ آواز سے کہتے تھے اس کے علاوہ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ کلمات دعا کو آہستہ آواز سے پڑھنا ہی اولیٰ اور صحیح ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اذْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّوْا وَخُفْيَةُۤ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَیْسَ بِہٖۤ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ اور چپکے سے کرو۔“

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آمین بھی دعائی ہے لہذا آمین کو آہستہ سے کہنا اس آیت پر عمل کرنا ہے۔ نیز یہ کہ اس بات پر اجماع

ہے کہ آمین قرآن کا لفظ نہیں ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ اس کی آواز قرآن کے الفاظ کی آواز سے ہم آہنگ نہ ہو جس طرح کہ مصحف (یعنی اوراق قرآن) میں لکھنا جائز نہیں ہے۔

آمین کی برکت

(۲۳) وَعَنْ أَبِي زُهَيْرِ الثَّمَيْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ قَدْ أَلْحَ فِي الْمَسْأَلَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْجِبْ إِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ بَايَ شَيْءٍ يَخْتِمُ قَالَ بِآمِينَ۔

(رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابی زہیر ثمریؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات کو ہم آقائے نامدار ﷺ کے ہمراہ (باہر) نکلے اور ایک ایسے شخص کے پاس آئے جو دعا کرنے میں از حد زاری کر رہا تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”واجب کیا اگر ختم کیا“ ایک شخص نے پوچھا کہ (یا رسول اللہ ﷺ) کس چیز کے ساتھ ختم کرے؟ فرمایا ”آمین کے ساتھ۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”واجب کیا اگر ختم کیا“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ شخص اپنی دعا پر آمین کہہ کر مہر لگا دے یا آمین پر ختم کر دے تو اس کے لئے جنت و مغفرت واجب ہوگی یعنی یہ جنت و مغفرت کا حق دار ہو گیا یا اس کی دعا قبول ہوگی۔

”ختم“ کے دو معنی نقل کئے گئے ہیں مہر لگانا یا ختم کرنا۔ پہلے معنی اس حدیث امین خاتم رب العالمین کی مناسبت سے زیادہ اولیٰ و بہتر ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آمین اللہ رب العالمین کی مہر ہے اس کی وجہ سے آفات و بلائیں ختم ہوتی ہیں جس طرح سے کہ مہر سے خط محفوظ رہتا ہے یا وہ چیزیں قابلِ اعتماد ہوتی ہیں جن پر مہر لگی ہوئی ہوتی ہے۔ لہذا آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے پروردگار سے دعا مانگے تو اس کو چاہئے کہ دعائیہ کلمات کہنے کے بعد آمین بھی کہے تاکہ اس کی برکت کی وجہ سے وہ بارگاہِ قاضی الحاجات میں مقبولیت کے مرتبہ سے نوازی جائے اور وہ دعا کامل رہے کیونکہ آمین بمنزلہ مہر کے ہے۔

آنحضرت ﷺ مغرب میں طویل قراءت بھی کرتے تھے

(۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُورَةِ الْأَعْرَافِ فَرَقَّهَا فِي رَكْعَتَيْنِ۔

(رواہ النسائی)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورہ اعراف (اس طرح) پڑھی کہ اسے دونوں رکعتوں میں تقسیم کر دیا۔“ (نسائی)

تشریح: یوں تو آنحضرت ﷺ مغرب کی نماز میں قراءت مختصر کرتے تھے مگر کبھی کبھی آپ ﷺ بیان جواز کے لئے طویل قراءت بھی کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مغرب میں نماز میں طویل قراءت کرنا جائز ہے۔ چنانچہ مغرب کی نماز میں سورہ اعراف پڑھنا اسی مقصد کے تحت تھا جہاں تک تنگی وقت کا تعلق ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مغرب کا وقت طویل قراءت کی گنجائش رکھتا ہے خصوصاً جب شفق کا اطلاق سفیدی پر کیا جائے۔

”دونوں رکعتوں میں تقسیم“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس سورہ کا کچھ حصہ تو پہلی رکعت میں پڑھا اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں۔ اس طرح پوری سورہ کو دونوں رکعتوں میں ختم کیا۔

معوزتین کی فضیلت

(۲۶) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كُنْتُ أَقُودُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَتَهُ فِي السَّفَرِ فَقَالَ لِي يَا عُقْبَةُ أَلَا أَعْلَمُكَ

خَيْرَ سُورَتَيْنِ قَرَأْنَا فَعَلَمْنِي قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ قَالَ فَلَمْ يَرْنِي سُورَتُ بِهِمَا جَدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ صَلَّى بِهِمَا صَلَاةَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ التَّفَتَّ اِلَيَّ فَقَالَ يَا عَقِبَةُ كَيْفَ رَأَيْتَ-

(رواہ احمد والہوداؤد والنسائی)

”اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں آٹائے نامدار ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے چل رہا تھا کہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”عقبہ! کیا میں تمہیں دو بہترین سورتیں جو پڑھی گئی ہیں (یعنی مجھ پر نازل کی گئی ہیں) نہ بتلا دوں؟ چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے (معوذتین یعنی) قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سکھائیں۔ عقبہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے ان دونوں سورتوں سے زیادہ خوش نہیں دیکھا۔ پھر جب آپ ﷺ صبح کی نماز پڑھنے کے لئے اترے تو لوگوں کو نماز میں بیکی دونوں سورتیں پڑھائیں۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ”عقبہ! تم نے (ان کی فضیلت کو) دیکھا؟۔“ (احمد، الہوداؤد، نسائی)

تشریح: ”بہترین سورتوں“ کا مطلب یہ ہے کہ شیطان مردود کے مکرو فریب اور نفس کی گمراہی سے خدا کی پناہ مانگنے کے سلسلہ میں معوذتین بہترین سورتیں ہیں

آنحضرت ﷺ نے حضرت عقبہؓ کو یہ سورتیں سکھانے کے بعد جب دیکھا کہ وہ ان سورتوں کو دیکھ کر کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئے کیونکہ دوسری سورتوں کی طرح ان سورتوں میں خدا کی وحدانیت اور پاکیزگی کا بیان نہیں ہے تو آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز میں انہیں سورتوں کو پڑھ کر فرمایا کہ عقبہ! تم نے ان سورتوں کی فضیلت دیکھی کہ میں نے ان کو فجر کی نماز میں جو تمام نمازوں سے افضل نماز ہے اور جس میں طویل قراءت کرنا مستحب ہے پڑھا۔

جمعہ کے روز نماز مغرب کی قراءت

(۲۷) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ-

”اور حضرت جابر ابن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ آٹائے نامدار ﷺ جمعہ کے روز مغرب کی نماز میں قل یا ایہا الکافرون اور قل هو اللہ پڑھا کرتے تھے یہ حدیث شرح السنہ میں منقول ہے اور ابن ماجہؒ نے یہ حدیث ابن عمرؓ سے نقل کی ہے لیکن اس میں ”لیلۃ الجمعة“ کے الفاظ نہیں ہیں۔“

تشریح: نماز میں مغرب سے مغرب کی فرض نماز مراد ہے یعنی آپ جمعہ کے روز مغرب کی فرض نماز میں یہ دونوں سورتیں پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ نماز مغرب سے مغرب کی سنتیں مراد ہوں۔ واللہ اعلم

ابن حبان نے قل هو اللہ کے الفاظ کے بعد یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ وفي العشاء سورة الجمعة والمنافقون یعنی شب جمعہ میں آپ ﷺ عشاء کی نماز میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون پڑھا کرتے تھے۔

ابن مالکؒ نے کہا ہے کہ ”یہ حدیث یا اسی قسم کی دوسری احادیث دوام پر محمول نہیں ہیں یعنی آپ ﷺ کا یہ ہمیشہ کا معمول نہیں تھا۔ بلکہ کبھی آپ دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے اور کبھی ان سورتوں کی قراءت کرتے تھے تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ ہر ایک سورہ کو پڑھنا جائز ہے۔ کسی خاص سورہ کو پڑھنا ضروری نہیں ہے۔“

(۲۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ مَا أُحْصِي مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَفِي الرَّكَعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ يَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ بَعْدَ الْمَغْرِبِ-

”اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ آقائے نامدار ﷺ کی مغرب کی نماز کے بعد اور فجر کی نماز سے پہلے دونوں سنتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل هو اللہ احد پڑھتے سنا ہے اس حدیث کو ابن ماجہؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا مگر ان کی روایت میں ”بعد المغرب“ کے الفاظ نہیں ہیں۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دونوں سنتوں اور فجر کی دونوں سنتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل هو اللہ احد دونوں سوتیں اتنی کثرت سے پڑھا کرتے تھے کہ میں ان کا شمار نہیں کر سکتا۔

(۲۹) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَحَدٍ أَشْبَهَ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَلَانٍ قَالَ سُلَيْمَانُ صَلَّيْتُ خَلْفَهُ فَكَانَ يُطِيلُ الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْآخِرَتَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفْضِلِ وَيَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بَوَسْطِ الْمُفْضِلِ وَيَقْرَأُ فِي الصُّبْحِ بِطَوَالِ الْمُفْضِلِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ إِلَى وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ۔

”اور حضرت سلیمان ابن یسارؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی شخص کے پیچھے آقائے نامدار ﷺ کی نماز کے مشابہ نماز نہیں پڑھی مگر فلاں شخص کے پیچھے سلیمانؒ کہتے ہیں کہ میں نے بھی اس شخص کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ وہ ظہر کی پہلی دونوں رکعتوں کو طویل پڑھتے تھے اور آخری دونوں رکعتوں کو ہلکی پڑھتے تھے، عصر کی نماز میں تخفیف کرتے تھے۔ مغرب کی نماز میں قصار مفصل اور عشاء میں اوسط مفصل اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھا کرتے تھے۔ اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے مگر ان کی روایت صرف ”ويخفف العصر“ تک ہے“ (نسائی)

تشریح: ”فلاں شخص“ کے تعین کے سلسلہ میں بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات مراد ہے اور بعض حضرات کی رائے ہے ”فلاں شخص“ سے مراد وہ شخص ہے جس کو خلیفہ مروان نے مدینہ میں حاکم مقرر کر رکھا تھا۔

اس حدیث میں ظہر اور عصر کی قراءت کا اجمالی طور پر ذکر کیا ہے یہ نہیں کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز میں طوال مفصل پڑھتے تھے۔ بلکہ صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ ظہر کی نماز میں طویل قراءت کرتے تھے۔ اسی طرح عصر کی نماز میں بھی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ اس میں قصار مفصل پڑھتے تھے یا اوسط مفصل؟ صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ عصر کی نماز میں تخفیف کرتے تھے۔

بہر حال نمازوں کی قراءت کے سلسلہ میں فقہاء نے ایک اصول وضع کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ نمازوں میں قراءت کرنے کے سلسلہ میں عملی طور پر کوئی خلیجان واقع نہیں ہو اور وہ یہ کہ فجر و ظہر کی نماز میں طوال مفصل، عصر و عشاء میں اوسط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھی جائیں۔ اس مسئلہ کی وضاحت اس سے پہلے بھی ایک حدیث کی تشریح کے ضمن میں کی جا چکی ہے اور وہاں اس کے اصطلاحی ناموں کی تعریف بھی کی گئی ہے چنانچہ ایک مرتبہ پھر سمجھ لیجئے کہ فقہاء کی اصطلاح میں ”مفصل“ سے سورہ حجرات سے سورہ والناس تک کی سورتیں مراد ہیں ان سورتوں کو مفصل اس لئے کہا گیا ہے کہ

سورہ حجرات سے ان چھوٹی چھوٹی سورتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو ایک دوسرے سے درمیان میں بسم اللہ ہونے کی وجہ سے جدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ پھر مفصل یعنی سورہ حجرات سے سورہ والناس تک کی سورتوں کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

① چھوٹی سورتیں۔ ② متوسط سورتیں ③ بڑی سورتیں۔

سورہ حجرات سے سورہ بروج تک کو طوال مفصل یعنی مفصل کی بڑی سورتیں کہتے ہیں۔

سورہ بروج سے سورہ لم یکن (البینہ) تک کو اوسط مفصل یعنی مفصل کی متوسط سورتیں کہتے ہیں۔

اور سورہ لم یکن سے سورہ والناس تک کو قصار مفصل یعنی مفصل کی چھوٹی سورتیں کہتے ہیں۔

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا بیان

(۳۰) وَعَنْ عَبْدِ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ افْتَقَلْتُ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةَ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَهْلِكُمْ تَقْرَأُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ فَلَمَّا نَعِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّبَسَاتِيُّ مَعْنَاهُ وَفِي رِوَايَةٍ لِابْنِ دَاوُدَ قَالَ وَأَنَا أَقُولُ مَا لِي يَتَارِعُنِي الْقُرْآنُ فَلَا تَقْرَأُوا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَزْتُ إِلَّا بِأَمِّ الْقُرْآنِ-

”اور حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم لوگ فجر کی نماز میں آقائے نامدار ﷺ کے پیچھے تھے آپ ﷺ نے جب قراءت شروع کی تو آپ ﷺ کو پڑھانا بھاری ہو گیا۔ پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ”شاید تم لوگ امام کے پیچھے قراءت کیا کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا ”جی ہاں یا رسول اللہ (ﷺ)“ آپ ﷺ نے فرمایا ”سوائے سورہ فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو اس لئے کہ جو شخص یہ سورہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے یہ روایت بالعمی نقل کی ہے اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”آپ ﷺ نے (صحابہؓ کا جواب سن کر) فرمایا جب ہی تو میں (اپنے دل میں) کہتا تھا کہ یہ کیا ہو گیا جو قراءت مجھ پر بہا کر رہی ہے، جب میں باوازی بلند پڑھا کروں تو تم لوگ بجز سورہ فاتحہ کے اور کچھ مت پڑھا کرو۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ نماز میں باوازی بلند قراءت کر رہے تھے، آپ ﷺ کے پیچھے مقتدی صحابہؓ بجائے اس کے کہ خاموشی اختیار کر کے آپ ﷺ کی قراءت سننے خود بھی قراءت کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقتدیوں کی قراءت آنحضرت ﷺ کی قراءت میں اثر انداز ہوئی اور آپ ﷺ کی نماز میں خربطہ پیدا ہوا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے لئے قراءت کرنا مشکل ہو گیا کیونکہ بسا اوقات کامل چیز پر ناقص چیز بھی اثر انداز ہو جاتی ہے جیسا کہ کتاب الطہارت کی ایک حدیث میں گذر چکا ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز میں قراءت شروع کی اور پھر اچانک رک گئے اور پھر اس رکے کا سبب یہ بیان کیا کہ کچھ ایسے لوگ میرے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں جو ٹھیک طرح سے وضو نہیں کرتے یعنی ان کا وضو ناقص رہ جاتا ہے جو میری نماز و قراءت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے لیکن جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے ائمہ کے یہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ امام اور منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے مگر مقتدی کے لئے واجب نہیں ہے خواہ نماز بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی۔ اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

وَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا-

”(نماز میں) جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموشی اختیار کرو۔“

امام صاحبؒ اس حدیث کو ابتداء پر محمول کرتے ہیں یعنی یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر بعد میں منسوخ ہو گیا۔

(۳۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْصَرَفَ مِنْ صَلَاةٍ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَأَ مَعِيَ أَحَدٌ مِنْكُمْ إِنِّي أَقُولُ مَا لِي رَسُولُ اللَّهِ قَالَ إِنِّي أَقُولُ مَا لِي أَتَارِعُ الْقُرْآنَ قَالَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ بِالْقِرَاءَةِ مِنْ الصَّلَوَاتِ حِينَ سَمِعُوا ذَلِكَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ مالک و احمد و ابو داؤد و الترمذی و النسائی و روی ابن ماجہ نحوہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) آقائے نامدار ﷺ (جبری) نماز سے جس میں قراءت باوازی بلند کی جاتی ہے فارغ ہوئے (اور نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر) فرمایا ”ابھی تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قراءت کی ہے؟“ ایک شخص نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! آنحضرت ﷺ نے فرمایا (میں جیسی تو دل میں) کہتا تھا کہ کیا ہو گیا جو میں قرآن پڑھنے میں الجھتا ہوں“ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب

لوگوں نے یہ سنا تو ان نمازوں میں جن میں آنحضرت ﷺ قراءت باواز بلند کرتے تھے آپ کے ساتھ قراءت کرنے سے رک گئے۔“
(مالک، احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے بصراحت سے معلوم ہو گیا کہ صحابہ جہری نماز میں امام کے پیچھے مطلقاً کچھ نہیں پڑھتے تھے نہ تو سورہ فاتحہ کی قراءت کرتے تھے اور نہ کسی دوسری سورت و آیت کی لہذا حنفیہ کا مسلک ثابت ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو قراءت کرنا جائز نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث اس سے پہلے گزرنے والی حدیث کے لئے ناخ ہو جس میں کہا گیا ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا چاہئے کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ بعد میں اسلام لائے ہیں اس لئے ان کی روایت کردہ حدیث بھی اس حدیث کے بعد کی ہوگی اور ظاہر ہے کہ بعد کا حکم پہلے حکم کے لئے ناخ ہوا کرتا ہے۔

(۳۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُصَلِّيَ يَتَجَاوِزُ رَبَّهُ فَلْيَنْظُرْ مَا يَتَجَاوِزُ وَلَا يَجْهَرْ بِغَضِّكُمْ عَلَى بَعْضِ الْقُرْآنِ - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا ”نمازی اپنے پروردگار سے (حالت نماز میں) مناجات کرتا ہے لہذا اسے چاہئے کہ جو مناجات وہ کرتا ہے اس میں غور کرے (یعنی ذکر و قراءت حضور قلب اور خشوع و خضوع کے ساتھ کرے) اور قرآن کو پڑھنے میں تم میں سے کوئی ایک دوسرے پر اونچی آواز نہ کرے۔“ (احمد)

تشریح: حدیث کا آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص قرآن پڑھے خواہ نماز میں پڑھے یا نماز کے علاوہ پڑھے تو اسے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس کی آواز دوسرے نمازی یا دوسرے قاری کی آواز پر اونچی نہ ہو۔ اس طرح کسی ذکر کرنے والے یا سونے والے کے سامنے بھی اونچی آواز سے نہ پڑھے تاکہ ان لوگوں کو اس کی وجہ سے تکلیف نہ پہنچے۔

امام کی متابعت ضروری ہے

(۳۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَثُرَ فَكْثُرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا - (رواہ ابوداؤد والنسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا ”امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، لہذا جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔“ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: فاذا کبر فکبروا کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ مقتدی تکبیر، امام کے تکبیر کہنے کے بعد کہیں۔ نہ تو اس کے ساتھ ساتھ کہیں اور نہ اس سے پہلے کہیں اور یہ حکم تکبیر تحریمہ میں تو واجب ہے البتہ دوسری تکبیرات میں مستحب ہے۔ حدیث کے دوسرے جزء فاذا قرأ سے مراد مطلق قراءت ہے یعنی خواہ امام باواز بلند قراءت کرے یا آہستہ سے پڑھے۔ دونوں صورتوں میں مقتدیوں کو خاموشی سے اس کی قراءت سننا چاہئے اس کے لئے آپ ﷺ نے ”فانصتوا“ یعنی چپ رہو فرمایا۔ فاستمعوا یعنی سنو نہیں فرمایا ارشاد ربانی ہے۔

وَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا -

”یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو بلند آواز سے پڑھنے کی صورت میں (اے سنو اور (آہستہ آواز سے پڑھنے کی صورت میں) خاموش رہو۔“

لہذا معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو کچھ پڑھنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ نماز جہری (باواز بلند ہو یا سری باواز آہستہ)

سورہ فاتحہ کی قراءت میں ائمہ کے مسلک: حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا خواہ نماز جہری ہو یا سری

واجب ہے اور سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی سورۃ وغیرہ پڑھنا جائز ہے۔

حضرت امام احمدؒ، حضرت امام مالکؒ، اور ایک قول کے مطابق خود حضرت امام شافعیؒ کا بھی مسلک یہ ہے کہ مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا صرف سری نماز میں واجب ہے جہری نماز میں محض امام کی قراءت سننا کافی ہے۔
حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں خواہ نماز سری ہو یا جہری دونوں صورتوں میں مطلقاً قراءت مقتدی کے لئے ممنوع ہے نیز صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک بھی مقتدی کو پڑھنا مکروہ ہے۔
حضرت امام محمدؒ جو حضرت امام اعظمؒ کے جلیل القدر شاگرد اور فقہ حنفیہ کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ ”صحابہؓ کی ایک جماعت کے قول کے مطابق امام کے پیچھے مقتدی اگر سورہ فاتحہ کی قراءت کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لہذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ عمل اس دلیل پر کیا جائے جو زیادہ قوی اور مضبوط ہو، چنانچہ حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔

مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ قِرَاءَةٌ لَهُ۔

”یعنی (نماز میں) جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہوگی۔“

یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ بخاریؒ و مسلمؒ کے علاوہ سب ہی نے اسے نقل کیا ہے اور ہدایہ میں تو یہاں تک مذکور ہے علیہ اجماع الصحابہ یعنی اسی پر صحابہؓ کا اجماع و اتفاق تھا۔

جو شخص قراءت پر قادر نہ ہو وہ کیا پڑھے

﴿۳۳﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَخْذَمَ الْقُرْآنَ شَيْئًا فَعَلَّمَنِي مَا يُعْجِزُنِي قَالَ قُلْ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا اللَّهُ فَمَاذَا لِي قَالَ قُلْ اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَعَافِنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي فَقَالَ هَكَذَا يَبْدِيهِ وَقَبَضَهُمَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا هَذَا فَقَدْ مَلَكَ يَدَيْهِ مِنَ الْخَيْرِ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَانْتَهَتْ رِوَايَةُ النَّسَائِيِّ عَنْهُ قَوْلُهُ إِلَّا بِاللَّهِ۔

”اور حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آقائے نامدار ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں (فوری طور پر) قرآن میں سے کچھ یاد کر لینے پر قادر نہیں ہو سکتا اس لئے آپ ﷺ مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیجئے جو میرے لئے کافی ہو۔“ آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ پڑھ لیا کرو سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ یعنی اللہ پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ بہت بڑا ہے، گناہوں سے بچنے کی توفیق اور عبادت کرنے کی طاقت صرف خدا ہی کی طرف سے ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو خدا کے لئے ہے میرے لئے کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا (اپنے لئے) تم یہ پڑھ لیا کرو۔ اللہم ارْحَمْنِي وَعَافِنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي یعنی اے پروردگار مجھ پر رحم فرما، مجھ کو عافیت سے رکھ! میری ہدایت کر! اور مجھے رزق دے“ پھر اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کیا اور ان کو بند کیا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھ نیکی سے بھر لئے۔“ (نسائی کی روایت الا باللہ تک ختم ہو گئی ہے۔)

تشریح: حدیث کے آخری جملوں کا مطلب یہ ہے کہ جب سائل نے قراءت کا کوئی بدل دریافت کیا اور آنحضرت ﷺ نے اسے بتا دیا تو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا اور ان کو بند کیا اور اپنے اس عمل سے گویا اس بات کا اقرار کیا کہ آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے میں نے اسے سچ و برحق جانا اور اسے یقین و اعتماد کے ساتھ اپنے دل و دماغ میں جاگزین کر لیا ہے جس طرح کہ جب کسی شخص کو کوئی

قیمتی واعلیٰ چیز تھ لگتی ہے تو وہ اس چیز کو اپنی مٹھی میں بند کر لیتا ہے۔

مصنف مشکوٰۃ علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کو باب القراءة میں نقل کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سائل قرآن میں سے اتنا بھی یاد نہ کر سکتا تھا جس سے اس کی نماز درست ہو جاتی۔ مگر یہاں ایک اشکال واقع ہوتا ہے اور وہ یہ کہ بات کچھ بعید ہی معلوم ہوتی ہے کہ ایک شخص جو عربی زبان سے پوری طرح واقف تھا کیا اتنا بھی یاد نہ کر سکتا تھا کہ وہ نماز میں پڑھ سکے۔ پھر یہ کہ جتنے کلمات اسے بتائے گئے ہیں۔ اگر وہ ان کلمات کی بقدر بھی قرآن میں سے کچھ یاد کر لیتا تو اس کی نماز کی ادائیگی کے لئے کافی تھا۔

اس اشکال کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ سائل اسی وقت مسلمان ہوا تھا کہ نماز کا وقت آگیا اور چونکہ وہ فوری طور پر اس پر قادر نہیں ہو سکتا تھا کہ قرآن میں سے کچھ یاد کر سکے اس لئے آسانی و سہولت کے پیش نظر یہ کلمات سکھا دیئے گئے۔ یا پھر اس حدیث کو ابتداء اسلام پر محمول کیا جائے گا کہ ان دنوں احکام و مسائل کے نفاذ کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ آسانی و سہولت کو پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ یہ توجیہ زیادہ اولیٰ ہے۔

احکام الہی پر آنحضرت ﷺ کے عمل کی ایک مثال

(۳۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَرَأَ سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ۔

(رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب (کسی نماز میں) سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ پڑھا کرتے تھے تو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ کہتے تھے۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ احکام الہی پر کس قدر عمل کرتے تھے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے آپ ﷺ کی زندگی کا بنیادی اصول یہی تھا کہ پڑھو گار عالم جو حکم دے فوراً اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور اس کے بعد اس حکم پر اپنے متبعین کو بھی عمل کرائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ جب بھی نماز میں سورہ اعلیٰ پڑھا کرتے تھے چونکہ اس سورہ کے ابتدائی الفاظ سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ کا مطلب ہے کہ ”اپنے پروردگار کی پاکی بیان کرو جو بلند مرتبہ ہے“ اس لئے آپ اس حکم کی بجا آواری یہ کہہ کر کیا کرتے تھے کہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ میں اپنے پروردگار کی پاکی بیان کرتا ہوں جو بلند مرتبہ ہے۔

نماز میں کن آیتوں کی قراءت کے بعد کیا کہنا چاہئے؟

(۳۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ وَالتَّيْنِ وَالزَّيْتُونِ فَأَنْتَهَىٰ إِلَىٰ الْيَسِّ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ فَلْيَقُلْ بَلَىٰ وَآنَا عَلَىٰ ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ وَمَنْ قَرَأَ لَا أَقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَأَنْتَهَىٰ إِلَىٰ الْيَسِّ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْبِيَ الْمُؤْتَىٰ فَلْيَقُلْ بَلَىٰ وَمَنْ قَرَأَ الْمُرْسَلَاتِ فَلْيَقُلْ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ فَلْيَقُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ إِلَىٰ قَوْلِهِ وَآنَا عَلَىٰ ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا کہ ”تم میں سے جو شخص سورہ التین والتین والزیتون پڑھے، اور (اس آیت) الْيَسِّ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ یعنی کیا خدا سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ پر پہنچے تو یہ الفاظ کہا کرے بَلَىٰ وَآنَا عَلَىٰ ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ (یعنی ہاں! اور میں اس پر شہادت دینے والوں میں سے ہوں) اور جو شخص سورہ لَا أَقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ پڑھے اور (اس آیت) الْيَسِّ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ (یعنی کیا اس خدا) کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مردوں کو جلا اٹھائے) پر پہنچے تو کہے ”بَلَىٰ“ (یعنی ہاں وہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے) اور جو شخص سورہ المرسلات پڑھے اور (اس آیت) فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ یعنی

اس کے بعد یہ کون سی بات پر ایمان لائیں گے تو کہے اَمَّا بِاللّٰهِ (یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے) ابوداؤد اور ترمذی نے اس روایت کو وائتین کی آیت (وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ تِك نَقْل کیا ہے۔“

تشریح: ان آیتوں یا اس قسم کی دوسری آیتوں کے جواب دینے کے سلسلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خواہ یہ آیتیں نماز میں پڑھی جائیں یا نماز سے باہر پڑھی جائیں بہر صورت ان کے جواب میں مذکورہ الفاظ کہنے چاہئیں اور نماز خواہ نفل ہو یا فرض۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نماز سے باہر پڑھنے اور نفل نمازوں میں قراءت کرنے کی شکل میں تو جواب دینا چاہئے فرض نمازوں میں نہیں!

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف نماز سے باہر پڑھنے کی صورت میں جواب دیا جائے نماز میں نہیں، خواہ فرض ہو یا نفل، تاکہ یہ وہم نہ ہو جائے کہ یہ الفاظ بھی قرآن ہی کے ہیں۔

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حدیث کے ظاہر و اطلاق پر نظر کرتے ہوئے کہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم تو نمازی کے بارہ میں ہے (لہذا چاہئے کہ یہ جواب نماز میں بھی دیئے جائیں) تو ہم کہیں گے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم نفل نمازوں کے بارہ میں ہو، فرض نمازوں کے بارہ میں نہ ہو۔ کیونکہ خود آقائے نامدار ﷺ کے بارہ میں حضرت حذیفہؓ کی یہ روایت منقول ہے کہ آنحضرت رات (یعنی تہجد، کی نماز میں جب کسی آیت پر پہنچتے جس میں رحمت خداوندی کا ذکر ہوتا تھا تو آپ ﷺ اس جگہ قراءت روک کر پروردگار سے طلب رحمت کی درخواست کیا کرتے تھے اور جب کسی آیت پر پہنچتے جس میں عذاب الہی کا ذکر ہوتا تھا تو آپ ﷺ اس جگہ قراءت روک کر پروردگار کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے“ نیز یہ کہ آپ ﷺ کے اس معمول یا حکم کو کسی صحابی نے بھی جبری فرائض نماز کے سلسلہ میں روایت نہیں کیا ہے۔

(۳۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَرَأَ عَلَيْهِمْ سُورَةَ الرَّحْمَنِ مِنْ أَوَّلِهَا إِلَى آخِرِهَا فَسَكَتُوا فَقَالَ لَقَدْ قَرَأْتُهَا عَلَى الْجَنِّ لَيْلَةَ الْجَنِّ فَكَانُوا أَحْسَنَ مَزْدُودًا مِنْكُمْ كُنْتُ كُلَّمَا آتَيْتُ عَلَى قَوْلِهِ فَبَايَ الْآءِ رَبِّكُمْ تُكَذِّبِينَ قَالُوا لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعْمِكَ رَبَّنَا نَكْذِبُ فَلَكَ الْحَمْدُ زَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) آقائے نامدار ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے سورہ رحمن اول تا آخر پڑھی صحابہ خاموشی اختیار کئے رہے۔ آپ ﷺ نے (جب سورہ ختم کر لی تو) فرمایا کہ ”یہ سورہ میں نے جنات کے سامنے اس رات میں پڑھی تھی جبکہ وہ اسلام قبول کرنے اور قرآن سننے کے لئے جمع ہوئے تھے اور وہ جواب دینے میں تم سے بہتر تھے چنانچہ جب میں اس آیت فَبَايَ الْآءِ رَبِّكُمْ تُكَذِّبِينَ (یعنی خدا کی کون سے نعمتوں کو تم جھٹلاتے ہو؟) پر پہنچتا تو وہ یہ جواب دیتے لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعْمِكَ رَبَّنَا نَكْذِبُ فَلَكَ الْحَمْدُ (یعنی اسے پروردگار اہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے ہیں اور تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں“ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

دونوں رکعتوں میں ایک سورہ پڑھنا

(۳۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْجُهَنِيِّ قَالَ إِنَّ رَجُلًا مِنْ جُهَيْنَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الصُّبْحِ إِذَا زُلْزِلَتْ فِي الرُّكْعَتَيْنِ كُلْتَيْهِمَا فَلَا أَدْرِي أُنْسِي أَمْ قَرَأَ ذَلِكَ عَمْدًا۔ (ابوداؤد)

”حضرت معاذ بن عبد اللہ جہنیؓ (تابعی) فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ اس نے آٹا کے نامدار ﷺ کو فجر کی دونوں رکعتوں میں سورہ اذان لزلت الارض پڑھتے سنا ہے اور میں نہیں جانتا کہ آنحضرت ﷺ نے قصداً ایسا کیا تھا یا آپ ﷺ بھول گئے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ فجر کی دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورہ اذان لزلت الارض اس طرح پڑھی کی پہلی رکعت میں پوری سورت پڑھی پھر دوسری رکعت میں بھی وہی سورہ پوری پڑھی اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایسا قصداً بیان جواز کے لئے کیا تھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اصل سنت اس طرح بھی ادا ہو جاتی ہے۔ وپسے جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو بات یہی ہے کہ افضل عدم تکرار ہے۔ یعنی ایک ہی سورہ دور رکعتوں میں مکرر نہ پڑھی جائے اور خصوصاً فرض میں تو اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

(۳۹) وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ صَلَّى الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيهِمَا بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرُّكْعَتَيْنِ كُلْتَيْهِمَا۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت عروہ ابن زبیرؓ (تابعی) فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فجر کی نماز پڑھی اور دونوں رکعتوں میں سورہ بقرہ پڑھی۔“ (مالک)

تشریح: دونوں رکعتوں میں سورہ بقرہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سورہ کا کچھ حصہ تو آپؐ نے ایک رکعت میں پڑھا اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں اور یہ بھی بیان جواز کے لئے کیا کیونکہ آنحضرت ﷺ سے اس پر مداومت ثابت نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ اکثر ایک رکعت میں پوری سورہ ہی پڑھتے تھے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورہ اس طرح متفرق طور پر پڑھنا نادر ہے۔

حضرت عثمانؓ نماز فجر میں سورہ یوسف کثرت سے پڑھتے تھے

(۴۰) وَعَنْ الْفَرَاغِصَةِ بْنِ عُمَيْرٍ الْحَنْفِيِّ قَالَ مَا أَخَذْتُ سُورَةَ يُوسُفَ إِلَّا مِنْ قِرَاءَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ إِنَّا هَا فِي الصُّبْحِ مِنْ كَثْرَةِ مَا كَانَ يَرِدُّهَا۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت فرافصہ ابن عمیر حنفیؓ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے سورہ یوسف، حضرت عثمان بن عفانؓ سے (سن سن کر) یاد کی ہے کیونکہ وہ اس سورت کو فجر کی نماز میں کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔“ (مالک)

تشریح: اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ علماء تو نمازوں میں کسی خاص متعین سورت پر مداومت کرنے کو مکروہ لکھتے ہیں تاکہ قرآن کی بقیہ سورتوں کو ترک کرنا لازم نہ آئے حالانکہ حضرت عثمانؓ کا یہ معمول اس کے منافی ہے تو اس کا جواب ہو گا کہ علماء جو مکروہ لکھتے ہیں اس کی مداومت نماز میں کسی سورت پر مداومت کرنا ہے اور حضرت عثمانؓ کا یہ معمول ثابت ہے وہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ تو صرف فجر کی نماز ہی میں سورہ یوسف بہت کثرت سے پڑھتے تھے تمام نمازوں میں نہیں بعض علماء نے سورہ یوسف کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ سورہ یوسف کے پڑھنے پر مداومت کرنا شہادت کی سعادت حاصل ہونے کا سبب ہے جس کا واضح ثبوت خود حضرت عثمانؓ کی ذات گرامی ہے کہ آپ شہید ہوئے۔

(۴۱) وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ صَلَّيْنَا وَرَاءَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيهِمَا بِسُورَةِ يُوسُفَ وَسُورَةِ الْحَجِّ قِرَاءَةً بَطِيئَةً قِيلَ لَهُ إِذَا لَقَدْ كَانَ يَقُومُ حِينَ يَظْلُعُ الْفَجْرُ قَالَ أَجَلٌ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت عامر ابن ربیعہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی۔ انھوں نے دونوں رکعتوں میں سورہ یوسف اور سورہ حج کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا۔ کسی نے حضرت عامرؓ سے پوچھا کہ حضرت عمرؓ فجر کے طلوع ہوتے ہی (نماز کے

لے فرافصہؓ مدینہ طیبہ کے رہنے والے اور مشہور تابعی ہیں۔ آپ قبیلہ بنی حنیفہ کی طرف نسبت کی وجہ سے حنفی کہے جاتے ہیں۔

۲۔ حضرت عامرؓ آل خطاب کے حلیف تھے۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے آپ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک رہے اور ۳۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

لئے) کھڑے ہو جاتے ہوں گے؟ (یعنی وہ اول وقت میں نماز شروع کر دیتے ہوں گے کیونکہ اتنی طویل قراءت جب ہی ممکن ہے) انہوں نے فرمایا کہ ”ہاں۔“ (مالک)

تشریح: فجر کی نماز کے لئے اول وقت کھڑے ہو جانا متفقہ طور پر سب کے نزدیک جائز ہے لہذا یہ حدیث جواز پر محمول ہے مختار یعنی اولیت پر نہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث سے کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمرؓ ہمیشہ اول وقت کھڑے ہوتے تھے۔

(۲۲) وَعَنْ عُمَرَو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ مَا مِنْ الْمُفْضَلِ سُورَةٍ صَغِيرَةٍ وَلَا كَبِيرَةٍ إِلَّا قَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ بِهَا النَّاسَ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور اپنے دادا (حضرت عبداللہؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ مفصل کی کوئی بھی چھوٹی بڑی سورت ایسی نہیں ہے جو میں نے آقائے نامدار ﷺ سے لوگوں کو فرض نماز پڑھاتے وقت نہ سنی ہو۔“ (مالک)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے بیان جواز کے طور پر مفصل کی سورتیں مختلف اوقات میں نمازوں میں پڑھ کر لوگوں کو بتادیا کہ نماز میں ہر سورت کا پڑھنا جائز ہے۔

(۲۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَةَ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ بِحُمِ الدُّخَانِ زَوَاهِ النَّسَائِيِّ مُرْسَلًا۔

”اور حضرت عبداللہ ابن عتبہ ابن مسعودؓ (تابعی) فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورہ حم دھان پڑھی ہے اس روایت کو نسائی سے مرسل نقل کیا ہے (کیونکہ عبداللہ ابن عتبہ تابعی ہیں)۔“

تشریح: یہاں دونوں ہی احتمال ہیں کہ یا تو آپ ﷺ نے مغرب کی دونوں رکعتوں میں حم دھان پوری سورہ پڑھی یا پھر یہ کہ اس کا کچھ حصہ تھوڑا تھوڑا دونوں رکعتوں میں پڑھا۔ واللہ اعلم

بَابُ الرُّكُوعِ رکوع کا بیان

لغت میں رکوع ”کے معنی جھکنا“ ہیں اور اصطلاح شریعت میں یہ نماز کا ایک رکن ہے یعنی وہ حالت ہے جب کہ قیام میں قراءت سے فارغ ہو کہ جھکتے ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس بارہ میں یہ امتیاز امت محمدیہ کو ہی حاصل ہے کہ رکوع صرف اسی امت کی نماز میں مشروع ہے دوسری امتوں کی نمازوں میں مشروع نہیں تھا۔“

رکوع و سجود ٹھیک طریقہ سے ادا کرنا چاہئے

① عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقِيمُوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ فَوَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِي۔

(متفق علیہ)

”حضرت انسؓ راوی ہیں کہ آقا نامدار ﷺ نے فرمایا ”مسلمانو! رکوع اور سجود ٹھیک طریقہ سے کیا کرو، خدا کی قسم میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھ لیا کرتا ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اقیمو الرکوع و السجود کا مطلب یہ ہے کہ رکوع و سجود (قاعدہ کے مطابق اور ٹھہر ٹھہر کر نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ کیا کرو۔ ان ارکان کو جلدی جلدی ادا نہ کیا کرو کہ جس سے نہ رکوع ہی پوری طرح ادا ہو اور نہ سجدہ ہی حقیقی معنی میں کہلانے کا مستحق ہو۔

”اپنے پیچھے سے دیکھنے“ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم لوگ میرے سامنے ہونے کی صورت میں نظر آتے ہو اسی طرح ازراہ معجزہ تم لوگ میرے پیچھے رہنے کی حالت میں بھی میری نظروں میں رہتے ہو اور تمہاری حرکات و سکنات سب پر میری نظر رہتی ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت اچھے طریقہ پر باب صفۃ الصلوۃ کی تیسری فصل میں کی جا چکی ہے۔

(۲) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُودُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُودَ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت براء ابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ قیام و قعود کے علاوہ آقائے نامدار ﷺ کا رکوع، سجدہ، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع سے سر اٹھانا یہ چاروں چیزیں مقدار میں تقریباً برابر ہوتی تھیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے ارکان نماز کی مقدار اس طرح بیان کی جا رہی ہے کہ چار ارکان یعنی رکوع، قومہ، سجدہ، اور جلسہ سب آپس میں تقریباً برابر ہوتے تھے البتہ قیام میں چونکہ قراءت کرتے تھے اور قعود میں التیمات پڑھتے تھے اس لئے یہ دونوں ارکان بقیہ ارکان کے مقابلہ میں طویل ہوتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کا قومہ و سجدہ

(۳) وَعَنِ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَامَ حَتَّى يَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتَّى يَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب سبح اللہ لمن حمدہ کہہ کر (رکوع سے) کھڑے ہوتے تو اتنی دیر تک ٹھہرے رہتے کہ ہم (اپنے دل میں) کہنے لگتے کہ آنحضرتؐ نے ایک رکعت چھوڑ دی پھر آپ سجدہ میں جاتے اور دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھے رہتے کہ ہم (اپنے دل میں) کہتے کہ آپ ﷺ نے یہ سجدہ چھوڑ دیا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت انسؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ رکوع سے سر اٹھاتے تو قومہ میں کافی دیر تک کھڑے رہا کرتے تھے یہاں تک کہ بے اوقات آپ ﷺ کا اتنی دیر تک قومہ میں رہنا ہمیں اس گمان میں مبتلا کر دیتا تھا کہ شاید آنحضرت ﷺ نے اس رکعت کو کہ جس کے رکوع سے آپ ﷺ فارغ ہوئے ہیں ختم کر دیا ہے اور اب از سر نو نماز شروع کر دی ہے اس طرح آپ ﷺ سجدہ سے اٹھ کر دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں اتنی دیر تک بیٹھے رہتے کہ ہمیں خیال گزرتا کہ شاید آنحضرت ﷺ نے اس سے پہلے سجدہ کو کہ جس سے ابھی آپ ﷺ نے سر اٹھایا ہے ختم کر دیا ہے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ قومہ و جلسہ میں اتنی طوالت نفل نمازوں میں کرتے ہوں گے اور یہ بھی امکان ہے کہ بیان جواز کی خاطر فرض نمازوں میں بھی کبھی کبھی کر لیتے ہوں گے۔

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْثُرُ أَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ قرآن کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے رکوع و سجدوں میں یہ دعا بہت کثرت سے پڑھتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي اے اللہ تو پاک ہے، اے ہمارے پروردگار! میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں، اے اللہ تو میرے گناہ بخش دے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرآن میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ یعنی اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرو اور اس سے مغفرت مانگو اس لئے آنحضرت ﷺ کے اس حکم کی بجا آوری کے لئے رکوع و سجدوں میں اپنے پروردگار کی

تسبیح و تعریف کرتے اور اس سے مغفرت مانگتے تھے کیونکہ خشوع و خضوع کے تمام مواقع و احوال میں رکوع و سجود ہی افضل ترین مواقع و محل ہیں۔ بعض دوسری احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رکوع و سجود کے علاوہ بھی اس دعا کا ورد رکھتے تھے چنانچہ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ سورہ اذا جاءک جس میں یہ آیت مذکور ہے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کا آخر عمر میں یہی ذکر تھا۔

⑤ وَعَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبُوحٌ قُدُّوْهُ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ۔ (رداء مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ اپنے رکوع و سجود میں یہ کہا کرتے تھے۔ سُبُوحٌ قُدُّوْهُ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ فرشتوں اور روح (یعنی جبریل علیہ السلام) کا پروردگار بہت پاک ہے اور نہایت پاک ہے۔“ (مسلم)

رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے کی ممانعت

⑥ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا إِنِّي نَهَيْتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ زَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا فَأَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظُمُوا فِيهِ الرَّبُّ وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ فَقَعِمْنِ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ۔ (رداء مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا ”لوگو! خبردار ہوا مجھے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ میں اس حالت میں رکوع یا حالت سجود میں قرآن پڑھوں! لہذا تم رکوع میں اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو اور سجود میں دعا کی پوری پوری کوشش کیا کرو۔ مناسب ہے کہ یہ دعا تمہارے لئے قبول کی جائے۔“ (مسلم)

تشریح: بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ بیہ نظریہ ہی ہے اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہی تحریمی ہے اور قیاس بھی یہی کہتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی تمام حالتوں (ہیئتوں) میں سے ہر حالت و ہیئت کو ذکر کی انواع میں سے ہر ایک نوع ذکر کے لئے مقرر کیا ہے مثلاً قیام کو جو کہ نماز کی تمام حالتوں و ہیئتوں میں سب سے زیادہ افضل اور رکن اعظم ہے قرآن پڑھنے کے لئے مقرر کیا ہے جو تمام اذکار میں سے سب سے افضل و اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی جانب سے حالت قیام کو صرف قرآن پڑھنے کے لئے مقرر کرنے کے بعد کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اس کے خلاف کیا جائے اور اگر کوئی اس کا خلاف کرے گا تو وہ یا فعل حرام کا مرتکب ہو گیا اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا۔ اسی طرح دوسرے ارکان کے بارہ میں قیاس کیا جاسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ میں رکوع و سجود میں قرآن پڑھوں کیونکہ رکوع و سجود اس لئے مقرر کئے گئے ہیں کہ ان میں پروردگار عالم کی بڑائی بیان کی جائے اور دعا مانگی جائے۔“

”رکوع میں بڑائی بیان کرنے“ کا مطلب یہ ہے کہ سب جان ربی العظیم پڑھو۔

سجدہ میں دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے تو سمجھ لیجئے کہ دعا کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ دعا کی ایک قسم تو یہ ہوتی ہے کہ پروردگار سے اپنے مطلب و مراد کے لئے درخواست کی جائے اور دعا کی دوسری قسم یہ ہوتی ہے کہ پروردگار کی حمد و ثناء اور تحسین کی جائے اور اس کے ذکر میں مشغول رہا جائے کیونکہ رحیم و کریم کی تعریف وغیرہ بیان کرنا اور اس کے ذکر میں مشغول رہنا بھی حقیقت میں دعا ہی ہے۔ لہذا سجدہ میں کثرت سے دعا کرنے کا جو حکم فرمایا گیا ہے وہ دونوں قسم کی دعاؤں پر شامل ہے اس سے معلوم ہوا کہ حقیقہ کا ذکر پر اکتفا کرنا اور صریحاً دعا سے منع کرنا بھی دعا کے حکم میں عین بجا آوری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ مَسْئَلَتِيْ اعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَا اَعْطَى السَّائِلِينَ (یعنی جس شخص کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے روکا (اس طرح کہ وہ شخص میرے ذکر میں مشغول ہونے کی وجہ سے مجھ سے سوال نہ کر سکا) تو میں اس شخص کو اس چیز سے کہ جو مانگنے والوں کو دیتا ہوں (بہتر چیز) بخشا ہوں۔“ مگر شرط یہ ہے کہ وہ شخص اس وقت پروردگار کے ذکر میں خلوص دل سے مشغول رہے۔

بعض محققین حنفیہ نے ان دونوں چیزوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ نوافل میں تو صریح دعا مانگنی چاہئے اور فرائض میں صرف تسبیحات پر اکتفاء کرنا چاہئے۔

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلَهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ جب امام (رکوع سے اٹھتے ہوئے) سمع اللہ لمن حمد کہے تو تم اللہم لک الحمد کہو کیونکہ جس شخص کا یہ کہنا فرشتوں کے کہنے کے ہم آہنگ ہو جائے تو اس کے پہلے کئے ہوئے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس موضوع سے متعلق باب القرائۃ کی پہلی فصل میں اچھی طرح وضاحت کی جا چکی ہے۔ حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ عمل اختیار کرے گا تو انشاء اللہ اس وعدہ کے مطابق اس کے تمام صغیرہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ کبیرہ گناہوں کا معاملہ یہ ہے کہ اگر خدا چاہے گا تو انہیں بھی ازراہ فضل و کرم بخش دے گا کیونکہ اس کی ذات بڑی رحیم و کریم اور غفور ہے۔

قومہ کی دعا

⑤ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ ظَهْرَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلَا السَّمَوَاتِ وَمِلَا الْأَرْضِ وَمِلَا مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ ابن ابی اوفیؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب رکوع سے اپنی پشت مبارک اٹھاتے تو یہ کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اس شخص کی حمد کو جس نے اس کی حمد و ثنا کی۔ اے اللہ اور اے ہمارے پروردگار اتیرے ہی لئے تمام تعریف ہے آسمانوں بھر، زمین بھر اور بقدر بھرنے اس چیز کو جس کو تو آسمانوں اور زمینوں کے بعد پیدا کرنا چاہئے۔“ (مسلم)

تشریح: حنفیہ کہتے ہیں کہ حدیث میں مذکورہ کلمات میں ربنا لک الحمد کے بعد کے کلمات یعنی ملا السموات سے آخر تک صرف نفل نمازوں میں پڑھنے چاہئیں۔ فرائض میں نہیں۔

⑥ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ ظَهْرَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلَا السَّمَوَاتِ وَمِلَا الْأَرْضِ وَمِلَا مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ أَهْلُ النَّشْأَةِ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالِ الْعَبْدُ وَكُنَّا لَكَ عَبْدًا اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ کہتے تھے ”اے اللہ اور اے ہمارے پروردگار اتیرے ہی لئے تمام تعریف ہے آسمانوں بھر زمین بھر اور اس چیز کے بھرنے کے بقدر جس کو تو آسمانوں اور زمین

کے بعد پیدا کرنا چاہے۔ اے ہر قسم کی تعریف اور بزرگی کے تحت تیری ذات اس تعریف سے بالاتر ہے جو بندہ کرتا ہے ہم سب تیرے ہی بندے ہیں۔ اے اللہ! تو نے جو چیز عطا فرمادی ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو تو نے دینے سے روک دیا اس کو کوئی دینے والا نہیں اور دو تمندی تیرے عذاب سے کوئی نفع نہیں دیتی (یعنی عذاب سے نہیں بچا سکتی)۔“ (مسلم)

⑦ وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا نَصَلِّيهِ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا أَطْلَبُ مَبَارَكًا فِيهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مِنَ الْمُتَكَلِّمِ إِنَّمَا قَالَ رَأَيْتُ بَضْعَةً وَثَلَاثِينَ مَلَكًا يَتَنَدَّرُونَ بِهَا أَنَّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت رفاعہ ابن رافعؓ فرماتے ہیں کہ ہم آقائے نامدارؓ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ آپؐ جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے توسبح اللہ لمن حمد (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی حمد و ثنا کو قبول کیا جس نے اس کی حمد و ثنا کی) کہتے (ایک دن آپؐ نے جب رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے یہ کلمات کہے تو) ایک شخص نے جو آپؐ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا کہا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ (یعنی اے ہمارے پروردگار اتیرے لئے ہی تعریف اور بہت تعریف ہے (ایسی تعریف) جو) شرک و ریا کی آمیزش سے پاک اور (کثرت اخلاص و حضوری قلب کی وجہ سے) بابرکت ہے۔ آنحضرتؐ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ابھی (ان کلمات کو) کون پڑھ رہا تھا؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میں تھا آپؐ نے فرمایا ”میں نے کچھ اوپر تیس فرشتوں کو دیکھا جو آپس میں اس بات میں جلدی کر رہے تھے کہ ان کلمات کے ثواب کو پہلے کون لکھے۔“ (بخاری)

الْفَصْلُ الثَّانِي

تعدیل ارکان کا حکم اور رائے کے مسلک

⑪ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجْزِي صَلَاةَ الرَّجُلِ حَتَّى يَقِيمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَنُّيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدارؓ نے فرمایا ”کسی شخص کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ رکوع اور سجدہ میں اپنی کمر کو سیدھا نہ کرے۔“ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

تشریح: شرح حنیۃ البصلیٰ میں لکھا ہے کہ تعدیل ارکان یعنی رکوع و سجدہ میں اتنا ٹھہرنا کہ جسم کے تمام اعضاء جوڑ اپنی جگہ آجائیں۔ اس حدیث کی بنا پر حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالک، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فرض ہے اور اس کی ادنیٰ مقدار ایک تسبیح کے بقدر ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے۔ پھر حنیۃ البصلیٰ میں یہ بھی لکھا ہے کہ رکوع سے اٹھ کر کھڑے ہونا یعنی قومہ اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا یعنی جلسہ اور طمانینت یہ سب چیزیں بھی حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فرض اور حضرت امام ابو حنیفہؒ و حضرت امام محمدؒ کے نزدیک سنت ہیں۔ علامہ ابن ہمامؒ کی رائے یہ ہے کہ قومہ اور جلسہ کے بارہ میں مناسب اور بہتر یہ ہے کہ ان دونوں کو واجب کہا جائے۔ واللہ اعلم

رکوع و سجدہ کی تسبیحات

⑫ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوا هَافِي رُكُوعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى قَالَ اجْعَلُوا هَافِي سُجُودِكُمْ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت ”فسبح باسم ربك العظيم“ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم لوگ اس کو (سبحان ربی العظيم کی صورت میں) اپنے رکوع میں شامل کر لو اور جب یہ آیت ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو (سبحان ربی الاعلیٰ کی صورت میں) اپنے سجدوں میں داخل کر لو۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

⑬ وَعَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ بَنِي مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَقَالَ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُكُوعُهُ وَذَلِكَ أَذْنَاهُ وَإِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ

الْأَعْلَى ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُودُهُ وَذَلِكَ أَذْنَاهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِأَنَّهُ عَزَّ وَتَعَالَى يَلْقَى ابْنَ مَسْعُودٍ۔

”اور حضرت عون ابن عبد اللہ حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اس رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہنا چاہئے اس کا رکوع پورا ہوگا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے اور جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اسے سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ تین مرتبہ کہنا چاہئے اس کا سجدہ پورا ہوگا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس روایت کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ عونؓ کی ملاقات ابن مسعودؓ سے ثابت نہیں ہے۔“

تشریح: رکوع و سجود میں اس تسبیحات کو تین مرتبہ کہنا ادنیٰ درجہ کمال شنت کا ہے ورنہ تو اصل شنت ایک مرتبہ میں ادا ہو جاتی ہے اور کمال شنت کا اوسط درجہ پانچ مرتبہ ہے اور اعلیٰ درجہ سات مرتبہ کہنا ہے اور انتہائے کمال کی کوئی حد نہیں ہے گو بعض حضرات نے دس مرتبہ کہا ہے اور بعض حضرات نے تو تقریباً قیام کی مقدار تک کہا ہے لیکن بہر صورت امام کو مقتدیوں کی رعایت لازم ہوگی۔ فنی طور پر اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ حدیث منقطع کو مستدل بنانا غلط نہیں ہے کیونکہ متفقہ طور پر سب کے نزدیک فضائل اعمال کے سلسلہ میں حدیث منقطع پر بھی عمل کرنا جائز ہے۔

①۲ وَعَنْ حَدِيقَةَ أَنَّهُ صَلَّيَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَفِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى وَمَا أَتَى عَلَى آيَةِ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ وَسَأَلَ وَمَا أَتَى عَلَى آيَةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ وَتَعَوَّذَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَى قَوْلِهِ الْأَعْلَى وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت حدیقہؓ راوی ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی چنانچہ آپ ﷺ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے تھے اور جب بھی آپ ﷺ (قراءت میں) کسی آیت رحمت پر پہنچتے تو وہاں رک جاتے اور طلب رحمت کی دعا کرتے اور جب کسی آیت عذاب پر پہنچتے تو وہاں رک جاتے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی، نسائی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو سبحان ربی الاعلیٰ تک نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

تشریح: علماء خفیہ اور علماء مالکیہ اس حدیث کو آنحضرت ﷺ کی نقل نماز پر محمول کرتے ہیں کیونکہ ان حضرات کے نزدیک فرض نماز میں درمیان قراءت دعا مانگی اور پناہ مانگی جائز نہیں ہے لیکن اس حدیث کو جواز پر حمل کرنا بھی ممکن ہے کیونکہ ہو سکتا ہے آنحضرت ﷺ نے کبھی بیان جواز کی خاطر فرض نماز میں بھی ایسا کیا ہو۔ شیخ جزریؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو مسلمؒ نے بھی نقل کیا ہے لہذا مؤلف مشکوٰۃ کو یہ حدیث دوسری فصل کی بجائے پہلی فصل میں نقل کرنا چاہئے تھا۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

①۵ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُمْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَكَعَ مَكَثَ قَدْرَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ وَيَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبَرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ۔ (رواه النسائي)

”اور حضرت عوف ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی چنانچہ جب آپ رکوع میں گئے تو بقدر سورہ بقرہ پڑھنے کے بقدر ٹھہرے اور (رکوع میں) یہ کہتے جاتے تھے۔ ”تہر و بادشاہت اور بڑائی و بزرگی کا مالک (خدا) پاک ہے۔“ (نسائی)

تشریح: یہ فرض نماز کا ذکر نہیں ہے بلکہ بعض حضرات کے قول کے مطابق یہ تہجد کی نماز تھی اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ نماز کسوف تھا۔

①۶ وَعَنِ ابْنِ جُبَيْنِرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَحَدٍ يَغْدُرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَشْبَهُ صَلَاةَ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هَذَا الْفَتَى يَعْنِي عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ قَالَ فَحَرَرْنَا زَكُوعَهُ عَشْرَ تَسْبِيحَاتٍ وَسُجُودَهُ عَشْرَ تَسْبِيحَاتٍ - (رواه البوداؤد والنسائي)

”اور حضرت ابن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ابن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ”میں نے آقائے نامدار ﷺ کی وفات کے بعد اس نوجوان یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے علاوہ کسی کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو آنحضرت ﷺ کی نماز کے مشابہ ہو۔“ راوی کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے فرمایا ”ہم نے ان کے (یعنی آنحضرت ﷺ) کے حضرت عمرؓ کے، رکوع کا دس تسبیحات (کے بقدر) اور سجدہ کا دس تسبیحات (کے بقدر) اندازہ کیا۔“ (البوداؤد، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جتنی دیر میں وہ رکوع یا سجدہ کرتے تھے ہم دس تسبیحیں پڑھ لیا کرتے تھے لہذا وہ بھی دس یا دس سے کم و بیش تسبیحات پڑھتے ہوں گے۔

(۱۷) وَعَنْ شَقِيقٍ قَالَ إِنَّ حَذِيفَةَ رَأَى رَجُلًا لَا يَتِمُّ زَكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ حَذِيفَةُ مَا صَلَّيْتَ قَالَ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَلَوْ مَتُّ عَلَى غَيْرِ الْفِطْرَةِ لَتَنَى فَطَرَ اللَّهِ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (بخاری)

”اور حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ (نماز میں) اپنے رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کر رہا تھا چنانچہ جب وہ نماز پڑھ چکا تو حضرت حذیفہؓ نے اسے بلایا اور کہا کہ تم نے پوری (طرح) نماز نہیں پڑھی۔“ حضرت شقیق کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے اس شخص سے یہ بھی کہا کہ اگر تم (ایسی نماز سے بغیر توبہ کئے ہوئے) مرجاؤ تو تم غیر فطرت پر (یعنی اس طریقہ اسلام کے خلاف) مرو گے جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پیدا کیا۔“ (بخاری)

(۱۸) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَةُ الَّذِي يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ لَا يَتِمُّ زَكُوعُهَا وَلَا سُجُودُهَا - (رواه احمد)

”اور حضرت ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا چوری کرنے کے اعتبار سے سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرے۔“ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! نماز کی چوری کیسے ہوتی ہے؟“ فرمایا ”رکوع و سجود کا پورا نہ کرنا۔“ (احمد)

تشریح: مال کی چوری کرنے والے سے نماز کی چوری کرنے والا شخص اس لئے برا ہے کہ مال چرانے والا کم سے کم چوری مال سے دنیا میں فائدہ تو اٹھا لیتا ہے اور پھر یہ کہ مالک سے معاف کرنے کے بعد یا سزا کے طور پر (اسلامی قانون کے مطابق) اپنے ہاتھ کٹوا کر وہ مؤاخذہ آخرت سے بچ جاتا ہے لیکن اس کے برخلاف نماز کی چوری کرنے والا شخص ثواب کے معاملہ میں خود اپنے نفس کا حق مارتا ہے اور اس کے بدلہ میں عذاب آخرت کو لے لیتا ہے لیکن اس نقصان و خسران کے علاوہ اس کے ہاتھ اور کچھ نہیں لگتا۔“

(۱۹) وَعَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ مُرَّةٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا تَرَوْنَ فِي الشَّارِبِ وَالزَّانِي وَالسَّارِقِ وَذَلِكَ قَبْلَ أَنْ تَنْزِلَ فِيهِمُ الْحُدُودُ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ هُنَّ فَوَاحِشٌ وَفِيهِنَّ عِقَابٌ وَأَسْوَأُ السَّرِقَةِ الَّذِي يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ قَالُوا وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَا يَتِمُّ زَكُوعُهَا وَلَا سُجُودُهَا - (رواه مالک و احمد و روى داری نحو)

”حضرت نعمان ابن مرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے (صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا ”شراب پینے والے، زنا کرنے والے، اور چوری کرنے والے کے بارہ میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے (کہ وہ کس قدر گناہ گار ہیں؟) آپ ﷺ نے یہ سوال حدود نازل ہونے سے پہلے کیا تھا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ گناہ کبیرہ ہیں جن کی سزا بھی ہے اور بدترین چوری وہ چوری ہے جو انسان اپنی نماز میں کرتا ہے۔“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! انسان اپنی نماز میں چوری کیسے کرتا ہے؟ فرمایا ”وہ رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کرتا۔“ (مالک، داری)

تشریح: نقل کردہ روایت میں لفظ ترون تا کے زبر کے ساتھ ہے جس کی معنی یہ ہیں کہ تم کیا اعتقاد کرتے ہو؟ لیکن ایک نسخہ میں تا کے پیش کے ساتھ بھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ راوی کے الفاظ میں یہ سوال حدود نازل ہونے سے پہلے کیا تھا۔ وجہ سوال کو ظاہر کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ سوال صحابہؓ سے اس وقت کیا تھا جب کہ ان افعال کی برائی صحابہؓ کو اچھی طرح معلوم نہ تھی جب ان افعال بد کی حدود (سزائیں) متعین ہو گئیں تو پھر سب کے ذہن میں ان کی برائی راسخ ہو گئی اور ان میں کوئی شبہ نہ رہا۔

بَابُ السُّجُودِ وَفَضْلِهِ

سجدہ کی کیفیت اور اس کی فضیلت کا بیان

”زمین پر سر ٹیکنا اور عاجزی کا اظہار کرنا“ سجدہ کے لغوی معنی ہیں۔ اصطلاح شریعت میں سجدہ کہتے ہیں ”خدا کے سامنے اپنی عبودیت اور کمال عجز و انکساری کے اظہار کے طور پر بندہ کا اپنے سر کو زمین پر ٹیک دینا۔“

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

اعضاء سجدہ

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الْجَنَّةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَظْوَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفُفُ الْيَتَابَ وَلَا الشَّعْرَ - (مشق علیہ)

”حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”مجھے (جسم کی) سات ہڈیوں یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، گھٹنے اور دونوں پیروں کے بچوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ ممنوع ہے کہ ہم کپڑوں اور بالوں کو میٹیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ سجدہ میں جسم کے کس کس عضو کو زمین پر ٹیکنا چاہئے چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ سجدہ کے وقت پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پیروں کے بچوں کو زمین پر ٹیکنا چاہئے۔

اکثر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ سجدہ ناک اور پیشانی دونوں سے کرنا چاہئے بغیر ان دونوں کو زمین پر ٹیکے ہوئے سجدہ جائز نہیں ہوتا مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور صاحبین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر محض پیشانی ہی ٹیک کر سجدہ کر لیا جائے تو جائز ہے البتہ بغیر کسی عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک محض ناک کو زمین پر ٹیک کر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی ایسا عذر پیش ہو کہ پیشانی کو زمین پر ٹیکنا ممکن نہ ہو تو جائز ہے، اس سلسلہ میں حضرت امام اعظمؒ کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔

سجدہ میں دونوں پیروں کو زمین پر رکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص سجدہ میں دونوں پیروں سے اٹھالے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور ایک پیر اٹھالے گا تو سجدہ مکروہ ہوگا۔ سجدہ میں پیروں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف رکھنا فرض ہے خواہ ایک ہی انگلی رکھی جائے۔ اگر انگلیاں قبلہ کی سمت نہ ہوں گی تو جائز نہیں ہوگا۔

در مختار میں ایک جگہ مذکور ہے کہ ”پیشانی اور دونوں پیروں کے ساتھ سجدہ کرنا فرض ہے اور دونوں پیروں میں کم سے کم ایک انگلی زمین پر رکھنا شرط ہے اور ہاتھوں اور زانوؤں کو زمین پر رکھنا سنت ہے، حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک یہی ہے۔“

سجدہ میں بال اور کپڑے کو ہٹانے اور سمیٹنے کی ممانعت: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے بالوں

اور کپڑوں کو اس غرض سے سمیٹنا اور ہٹانا تاکہ وہ خاک آلود اور گندے نہ ہوں ممنوع ہے، ویسے بھی بغیر اس مقصد کے یوں ہی کپڑوں اور بالوں کو سمیٹنا یا دامن وغیرہ کا باندھ لینا ممنوع ہے۔

بالوں کو سمیٹنے کا مطلب یہ ہے کہ سر کے بالوں کو جمع کر کے دستار وغیرہ کے اندر کر لیا جائے تاکہ سجدہ میں لٹکنے نہ پائیں۔ اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اس کا سکہ یہ ہے کہ بالوں کو ایسے ہی چھوڑ دینا چاہئے تاکہ وہ بھی سجدہ کریں۔

سجدہ میں طمانینت کا حکم

② وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكُلْبِ - (متن علیہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”سجدہ میں (اطمینان سے) ٹھہرو! اور تم میں سے کوئی شخص (سجدہ میں) اپنے دونوں ہاتھوں کو کتے کی طرح نہ پھیلائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ میں ”اعتدال“ یعنی ٹھہرنے سے مراد یہ ہے کہ سجدہ میں طمانینت یعنی خاطر جمعی سے ٹھہرا جائے اور سجدہ میں جو تسبیح پڑھی جاتی ہے اسے اطمینان سے پڑھا جائے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ”سجدہ میں اعتدال سے مراد یہ ہے کہ پشت کو ہموار رکھا جائے، دونوں ہاتھ زمین پر رکھے جائیں، کہنیاں زمین سے اوپر اٹھی رہیں اور پیٹ زانوؤں سے الگ رہے۔“

سجدہ میں ہاتھوں اور کہنیوں کو رکھنے کا طریقہ

③ وَعَنِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدْتَ فَصَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت براء ابن عازبؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جب تم سجدہ کرو تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھو اور کہنیوں کو زمین سے اونچا رکھو۔“ (مسلم)

تشریح: سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین پر کانوں کے سامنے رکھی رہیں، انگلیاں آپس میں ملی ہوں، اور یہ کہ ہاتھ کھلے رہیں کسی کپڑے وغیرہ کے اندر انہیں چھپانا مکروہ ہے۔

”کہنیوں کو اونچا رکھنے“ کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ دونوں کہنیاں زمین سے اونچی رہیں یا پھر یہ کہ دونوں پہلوؤں سے اونچی رہیں۔ بہر صورت یہ حکم خاص طور پر مردوں کے لئے ہے عورتوں اس حکم میں شامل نہیں ہیں کیونکہ عورتوں کو تو سجدہ میں کہنیوں کو زمین پر پہلوؤں سے ملی ہوئی رکھنے کا حکم ہے اس لئے کہ اس طرح جسم کی نمائش نہیں ہوتی اور پردہ اچھی طرح ہوتا ہے۔

④ وَعَنْ مِمْوْنَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ جَافِي يَتَيْنِ يَدَيْهِ حَتَّى لَوْ أَنَّ بَهْمَةً أَرَادَتْ أَنْ تَمُرَّ تَحْتَ يَدَيْهِ مَرَّتْ هَذَا الْفَظُّ أَبِي دَاوُدَ كَمَا صَرَّخَ فِي شَرْحِ السُّنَنِ بِإِسْنَادِهِ وَلِمُسْلِمٍ بِمَعْنَاهُ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ لَوْ شَاءَتْ بَهْمَةٌ أَنْ تَمُرَّ يَتَيْنِ يَدَيْهِ لَمَرَّتْ -

”اور اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان اتنا فرق رکھتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ آپ ﷺ کے ہاتھوں کے نیچے سے گزرنا چاہے تو گزر سکتا تھا۔“ یہ الفاظ ابو داؤد کے ہیں جیسا کہ خود بغوی نے شرح السنۃ میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور مسلمؒ نے یہ حدیث بالمعنی نقل کی ہے (جس کے الفاظ یہ ہیں) کہ حضرت میمونہؓ نے فرمایا۔

”آنحضرت ﷺ (اس طرح) سجدہ کرتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ آپ ﷺ کے ہاتھوں میں سے نکلنا چاہتا تو نکل جاتا۔“

تشریح: ہاتھوں کے درمیان فرق رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سجدہ میں اپنے دونوں بازو پہلو سے اور پیٹ اور ران سے الگ رکھتے تھے۔

حدیث میں بکری کے بچہ کے لئے ”بہمۃ“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ بہمۃ بکری کے اس بچہ کو کہتے ہیں جو بڑا ہو کر اپنے پیروں چلنے لگتا ہے اور جب بکری کے بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت اسے ”سخلۃ“ کہتے ہیں۔

”ہذا لفظ الی داؤد“ سے مصنف مشکوٰۃ کا مقصد صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا ہے کہ اس حدیث کو جس کے الفاظ ابو داؤد کے ہیں۔ پہلی فصل میں نقل کرنا نہیں چاہئے تھا کیونکہ پہلی فصل میں تو صرف یحییٰ بن یحییٰ کی روایت کردہ احادیث ہی نقل کی جاتی ہیں۔

⑤ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ فَرَجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْدُوَ بِيَاضِ إِبْطَيْهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مالک ابن بحینہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کو اتنا کشادہ رکھتے تھے کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: بحینہ حضرت عبد اللہ کی والدہ کا نام ہے اور مالک ابن کے والد کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مالک اور ابن کے درمیان کے الف کو باقی رکھ کر مالک کو تین کے ساتھ پڑھتے ہیں تاکہ لوگوں کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ مالک بحینہ کے بیٹے کا نام ہے بلکہ یہ جانیں کہ بحینہ کے لڑکے حضرت عبد اللہ ہی ہیں اور ابن مالک و ابن بحینہ دونوں نسبتیں انہیں کی ہیں۔

بہر حال۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہؓ نے آنحضرت ﷺ کو جب نماز پڑھتے دیکھا تھا اس وقت آپ ﷺ کے بدن مبارک پر کپڑا نہ تھا، یا ان کی مراد یہ ہوگی کہ آپ ﷺ کی بغل کی جگہ معلوم ہوتی تھی اور ”بغلوں کی سفیدی“ اس لئے کہا ہے کہ آپ ﷺ کی بغل مبارک بالکل سفید اور صاف و شفاف تھی جیسا کہ آپ ﷺ کا پورا بدن ہی آئینہ کی طرح سفید اور صاف و شفاف تھا، دوسرے لوگوں کی طرح آپ ﷺ کی بغلیں سیاح اور مکدر نہ تھیں۔

سجدہ میں آنحضرت ﷺ کی دعا

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّةً وَجُلَّةً وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَانِيَةً وَسِرَّةً۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ اپنے سجدہ میں یہ کہتے تھے، اللہم اغفر لی ذنبی کلہ دقۃً و جلۃً و اولہ و آخرہ و علانیۃً و سیرۃً اے اللہ! میرے تمام چھوٹے بڑے، پہلے پچھلے، کھلے ہوئے اور چھپے ہوئے گناہ بخش دے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سجدہ میں کبھی کبھی یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے۔ پھر یہ احتمال بھی ہے کہ یا تو آپ ﷺ اس دعا کو تسبیح یعنی سبحان ربی الاعلیٰ کے ساتھ پڑھتے ہوں گے یا بغیر تسبیح کے صرف اس دعا پر اکتفاء فرماتے ہوں گے۔

”چھپے ہوئے گناہوں“ سے مراد وہ گناہ ہیں جو انسان کی نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں ورنہ تو خدا کے نزدیک چھپے ہوئے کھلے ہوئے گناہ دونوں یکساں ہیں۔ یَعْلَمُ السِّرَّ وَ الْخَفَى یعنی وہ (خدا) پوشیدہ سے پوشیدہ چیزوں کو بھی جانتا ہے۔

⑦ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْفَوَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدَيَّ عَلَى نَظَنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے رحمت عالم ﷺ کو بستر پر موجود نہ پایا، میں آپ ﷺ کو تلاش کر رہی تھی کہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے پیروں کو جا لگا (چنانچہ میں نے دیکھا کہ) آپ ﷺ بارگاہ الہی میں سجدہ ریز تھے اور آپ ﷺ کے دونوں پیر مبارک کھڑے ہوئے تھے اور آپ ﷺ یہ کہہ رہے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبِكَ اِنَّكَ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءَ عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ اے اللہ! میں تیری خوشنودی کے ذریعہ تیرے غیظ و غضب سے (یعنی ان افعال سے جو مجھ پر یا میری امت پر تیرے غضب کا ذریعہ بنیں پناہ مانگتا ہوں، تیری معافی کے ذریعہ تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے (یعنی تیری رحمت کے ذریعہ تیرے) پناہ کا طلبگار ہوں۔ میں تیری تعریف کا شمار و احاطہ نہیں کر سکتا۔ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ خود تو نے اپنی تعریف کی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے چھونے سے مرد کا وضو نہیں ٹوٹتا جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے کہ عورت کو چھونا ناقص وضو نہیں ہے۔

لا احصى ثناء عليك كما اثنيت على نفسك اے اللہ! میں اتنی طاقت و قوت نہیں ہے کہ تیری ایسی تعریف کر سکوں جو تیری شان کے لائق ہو، تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف میں یہ کہا ہے کہ۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔
”تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا، پروردگار جہانوں کا ہے اور زمین و آسمانوں میں اسی کے لئے بڑائی و بزرگی ہے اور وہ غالب و دانا ہے۔“ (قرآن)

سجدہ پروردگار سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”بندہ کا خدا سے قریب ترین ہونا اس وقت شمار ہوتا ہے جب کہ وہ سجدہ میں ہو اس لئے تم (سجدہ میں) بہت زیادہ دعا کیا کرو۔“ (مسلم)

تشریح: یوں تو خداوند قدوس ہر وقت اور ہر حال میں اپنے بندوں سے نزدیک رہتا ہے مگر سب سے زیادہ نزدیک اس وقت ہوتا ہے جب بندہ سجدہ میں ہوتا ہے یعنی سجدہ کی حالت میں خدا بندہ سے راضی ہوتا ہے اور دعا قبول کرتا ہے اسی لئے آپ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ سجدہ میں کثرت سے دعا مانگنی چاہئے تاکہ وہ قبولیت کے درجہ کو پہنچے۔

سجدہ تلاوت کے وقت شیطان کی آہ و بکاہ

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اغْتَرَزَ الشَّيْطَانُ بَيْنَكَ يَقُولُ يَا وَيْلَتَى أَمَرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَأُمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَأَيْتَنَ فَلِيَ النَّارُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جب ابن آدم (یعنی بندہ مؤمن) سجدہ کی آیت پڑھتا ہے اور (پڑھنے والا یا سننے والا) سجدہ کرتا ہے تو اس وقت شیطان لعین روتا ہوا ایک طرف ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ”وا حسرتا! ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا اور (اس کے بدلہ میں) وہ جنت کا حقدار ہے اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے (سجدہ نہ کر کے پروردگار کی) نافرمانی کی چنانچہ (اس کے نتیجہ میں) مجھے آگ ملی۔“ (مسلم)

کثرت سجدہ جنت میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا ذریعہ ہے

⑩ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ أَيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوءِهِ وَحَاجَتِهِ فَقَالَ لِي سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مَوْافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوْغَيْرَ ذَلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَلِكَ قَالَ فَأَعْتَبِي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ربیعہ ابن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں رات میں رحمت عالم ﷺ کے ساتھ رہا کرتا تھا اور وضو کا پانی دوسری ضروریات (مثلاً مسواک، جانے نماز وغیرہ) پیش کیا کرتا تھا (ایک روز) سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ”(دین و دنیا کی بھلائیوں میں سے جو کچھ مانگنا چاہتے ہو) مانگو“ میں نے عرض کیا ”میری درخواست تو صرف یہ ہے کہ جنت میں مجھ کو آپ ﷺ کی رفاقت نصیب ہو۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ”(جس مرتبہ کو تم پہنچنا چاہتے ہو یہ تو بہت عظیم ہے اس کے سوا) کچھ اور مانگو۔“ میں نے عرض کیا ”میری درخواست تو بس یہی ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”سو اس مرتبہ کو حاصل کرنے کے لئے تم کثرت سے سجدہ کے ذریعہ اپنی ذات سے میری مدد کرو۔“ (مسلم)

تشریح: ربیعہؓ چونکہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی ضروریات پیش کرنے پر معمور تھے۔ اس لئے ان کی اس خدمت اور جذبہ اطاعت و فرمانبرداری کے صلہ میں آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم دین و دنیا کی جو بھی بھلائی چاہتے ہو مانگ لو۔ ظاہر ہے کہ ایک وفادار خادم اور جاں قربان کرنے والا غلام اس سے بڑی اور کیا تمنا رکھ سکتا ہے کہ اس کا وہ آقا جس کی خدمت نے اس کو دین و دنیا کی عظیم سعادتوں سے نوازا رکھا ہے جنت میں بھی اس کی رفاقت کی سعادت حاصل ہو جائے چنانچہ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میری سب سے بڑی تمنا اور سب سے بڑی خواہش تو بس یہی ہے کہ جس طرح آپ ﷺ نے اس دنیا میں اپنے قدموں میں جگہ دے رکھی ہے اسی طرح جنت کی پر سعادت فضا میں بھی آپ ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہو جائے، پہلے تو آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ یہ اس کے علاوہ کچھ اور مانگ لیں مگر جب دیکھا کہ انہیں اپنی اس خواہش پر اصرار ہے تو فرمایا کہ ”اس عظیم مرتبے اور اس بڑی سعادت کو حاصل کرنے کے لئے تم کثرت سجدہ کے ذریعہ اپنی ذات سے میری مدد کرو۔ یعنی اگر تمہارا یہی اصرار ہے اور تم اسی خواہش کی تکمیل چاہتے ہو تو پھر آؤ تم کو میں ایک ایسا راستہ بتا دیتا ہوں جو تمہاری منزل مقصود تک جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہارا اپنا تو کام یہ ہونا چاہئے کہ نماز پڑھتے رہو اور بارگاہِ خداوندی میں کثرت سے سجدہ کر کے اپنی معزوبے چارگی کا اظہار کیا کرو اور سجدہ میں دعا کرتے رہا کرو، ادھر میں بھی تمہارے لئے دعا کرتا ہوں اور حصول مقصد اور تمہاری اس خواہش کی تکمیل کے لئے کوشش کرتا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ میں تمہیں جو بتاؤں یعنی جو حکم دوں اس پر پورا پورا عمل کرتے رہو کہ راہ سعادت حاصل ہونے کی تدبیر یہی ہے اور انشاء اللہ اس کے بعد تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔

فتح قفل ارچہ کلید است اے عزیز جنبش از دست توی خواہمند نیز

یعنی: عزیز من! قفل اگرچہ کنجی ہی سے کھلتا ہے لیکن تمہارے ہاتھ کی حرکت بھی تو ضروری ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خدمت کرنا اور ان کی رضا و شنودی کو پوری کرنا درحقیقت فضیلت و سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے خاص طور پر سرکارِ دو عالم ﷺ کی رضا کو مد نظر رکھنا تو دین و دنیا کی سب سے بڑی سعادت و بھلائی ہے۔

اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ بھی ہے کہ طالب صادق کو چاہئے کہ اس کا مطلوب صرف آخرت کی نعمتیں ہوں کہ جن کو دوام و بقاء حاصل ہے دنیا کی لذتوں کی طرف التفات نہ کرے کہ جو فانی اور ختم ہو جانے والی ہیں۔ لیکن شرط یہ بھی ہے کہ بندگی میں اپنی طرف

۱۔ حضرت ربیعہ بن کعب نام اور ابو فراس کنیت ہے۔ آپ سفر و حضر میں حضورؐ کے ساتھ رہے اور ۶۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

سے کوئی تصور نہ ہو کیونکہ محض آرزو اور تمنا ہی منزل مقصود تک نہیں پہنچاتی بلکہ اس میں اپنی طرف سے کوشش و سعی کو بھی دخل ہوتا ہے جیسا کہ بڑوں نے کہا ہے کہ ”کسی تمنا اور آرزو کے ہوتے ہوئے کوشش و سعی نہ کرنا بلکہ بیکار بیٹھنا ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا ہے۔“

کارکن کار گزرا گفتر کاندیس راہ کار دار دکار

یعنی عمل کرو، زبانی جمع خرچ سے بچو، کیونکہ اس راستہ میں تو صرف عمل ہی عمل ہے۔

⑪ وَعَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ لَقِيتُ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ أَعْمَلُهُ يُدْخِلُنِي اللَّهُ بِهِ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَقَالَ فَقَالَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السَّجْدِ لِلَّهِ فَإِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلَّهِ سَجْدَةً إِلَّا رَفَعَكَ اللَّهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَظَّ عَنْكَ بِهَا حَظِيبَةٌ قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِيتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لِي مِثْلَ مَا قَالَ لِي ثَوْبَانُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت معدان بن طلحہؓ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ سے ملاقات کی اور ان سے عرض کیا کہ ”مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے کہ اس کے کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے۔“ ثوبانؓ (میرا سوال سن کر) خاموش رہے، میں نے دوبارہ عرض کیا وہ پھر بھی خاموش رہے جب میں نے تیسری مرتبہ عرض کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ”یہی سوال میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے کیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے (میرے سوال کے جواب میں) فرمایا تھا کہ ”تم کثرت سے بارگاہِ خداوندی میں سجدہ کیا کرو، تم ایک سجدہ خدا کے حضور میں کرو گے تو اس کی وجہ سے خدا تمہارا ایک درجہ بلند کر دے گا اور اس کی وجہ سے ایک گناہ کم کر دے گا۔“ معدانؓ کہتے ہیں کہ میں نے پھر حضرت ابوذرؓ سے ملاقات کی اور ان سے بھی وہی سوال کیا (جو ثوبانؓ سے کیا تھا) چنانچہ انھوں نے بھی مجھے وہی جواب دیا جو ثوبانؓ نے دیا تھا۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت معدان کے دو مرتبہ سوال کرنے پر بھی حضرت ثوبانؓ نے جواب اس لئے نہیں دیا کہ سائل کو رغبت زیادہ ہو، اور آتش شوق بھڑک کر جواب کی اہمیت و عظمت کا احساس کر سکے اور عملی قوت پوری طرح بیدار ہو جائے۔ سجدوں سے مراد کوئی خاص سجدے نہیں ہیں بلکہ نماز کے سجدے بھی مراد ہو سکتے ہیں اور سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر بھی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

الفصل الثانی

سجدہ کرنے کا طریقہ

⑫ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی)

”حضرت وائل ابن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ سجدہ کرنے کا ارادہ کرتے تو پہلے اپنے دونوں گھٹنے (زمین پر) ٹیکتے اور پھر دونوں ہاتھ رکھتے اور جب سجدہ سے اٹھنے کا ارادہ کرتے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر دونوں گھٹنے اٹھاتے۔“ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ سجدہ کرتے وقت پہلے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکنے چاہئیں اس کے بعد دونوں ہاتھ رکھے جائیں اسی طرح سجدہ سے اٹھتے وقت پہلے دونوں ہاتھ اور پھر دونوں گھٹنے اٹھانے چاہئیں ابو داؤدؒ کی ایک روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ (سجدہ سے) گھٹنوں کے بل اٹھتے تھے اور اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر ٹیکتے تھے۔“

علماء نے اعضاء سجدہ کو زمین پر رکھنے کے سلسلہ میں ایک اصول متعین کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اعضاء سجدہ کو زمین پر ٹیکنا زمین کے قرب کے اعتبار سے ہے یعنی جو عضو میں سے زیادہ قریب ہو اسے پہلے زمین پر رکھا جائے اسی ترتیب سے تمام غصور رکھے جائیں اور سجدہ سے اٹھتے وقت اس کا عکس ہونا چاہئے۔ یعنی جو عضو زمین سے سب سے زیادہ قریب ہو اسے سب سے بعد میں اٹھانا چاہئے۔

زمین پر ناک اور پیشانی ٹیکنے کے سلسلہ میں مسئلہ تو یہ ہے کہ ناک اور پیشانی یہ دونوں عضو کے حکم ہیں کہ دونوں عضو ایک ساتھ زمین پر ٹیکنے چاہئیں لیکن بعض حضرات کا قول یہ بھی ہے کہ ناک زمین سے زیادہ قریب ہے اس لئے پہلے ناک رکھی جائے اس کے بعد پیشانی ٹیکی جائے۔

علامہ شمشیٰ نے فرمایا ہے کہ ”سجدہ میں جاتے وقت اگر کسی عذر مثلاً موزہ وغیرہ کی بناء پر گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے پہلے رکھنا دشوار ہو تو پہلے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک لئے جائیں اس کے بعد دونوں گھٹنے رکھے جائیں۔“

(۱۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْزُكُ كَمَا يَبْزُكُ الْبَعْجُ وَلَا يَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ قَالَ أَبُو سَلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ حَدِيثٌ وَائِلُ بْنُ حُجْرٍ أَثْبَتَ مِنْ هَذَا وَقِيلَ هَذَا مَنْسُوخٌ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی جب سجدہ کرے تو وہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے بلکہ اسے چاہئے کہ اپنے دونوں گھٹنے سے پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔“ (ابوداؤد، نسائی، دارمی) اور ابو سلیمان خطابیؒ نے کہا ہے کہ حضرت واکل ابن جرجہؓ کی حدیث اس حدیث سے زیادہ (صحیح) ثابت ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔“

تشریح: اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اونٹ زمین پر بیٹھنے کے وقت اپنے دونوں گھٹنے زمین پر پہلے رکھتا ہے۔ اس طرح سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے زمین پر نہ ٹیکے جائیں۔

آپؐ نے اونٹ کی بیٹھک سے مشابہت دی ہے باوجود یہ کہ اونٹ بیٹھتے وقت زمین پر پاؤں رکھنے سے پہلے ہاتھ رکھتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا گھٹنا پاؤں میں ہوتا ہے اور جانور کا گھٹنا ہاتھ میں ہوتا ہے لہذا جب کوئی شخص سجدہ میں جاتے وقت زمین پر پہلے گھٹنے رکھے گا تو اونٹ کے بیٹھنے سے مشابہت ہوگی۔

بہر حال۔ یہ حدیث اوپر کی حدیث کی مخالف ہے کیونکہ پہلی حدیث تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پہلے گھٹنے زمین پر ٹیکے جائیں اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہاتھ زمین پر رکھے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کا یہاں بھی اختلاف ہے چنانچہ جیسا اوپر کی حدیث کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے جمہور علماء حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اوپر کی حدیث پر جو حضرت واکل ابن جرجہؓ سے مروی ہے عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکے جائیں۔

حضرت امام مالکؒ، اوزاعیؒ، اور کچھ دوسرے علماء حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے زمین پر دونوں ہاتھ ٹیکے جائیں۔

ان دونوں احادیث کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت سے حضرت واکل ابن جرجہؓ کی اوپر والی حدیث زیادہ صحیح، قوی تر اور مشہور تر ہے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس حدیث کو مرتبہ صحت پر پہنچا کر اسے ترجیح دی ہے اور فن حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ جب دو حدیثیں ایک دوسرے کے مخالف ہوتی ہیں تو عمل قوی تر اور صحیح تر پر کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کو حضرت واکل کی روایت سے منسوخ قرار دیا ہے۔

نیز ایک روایت میں حضرت ابن خزیمہؒ سے بھی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب سجدہ میں جاتے تھے تو (سجدہ کی) ابتدا گھٹنے سے

کرتے تھے یعنی پہلے گھٹنوں کو زمین پر ٹیکتے تھے۔ انہی وجوہات کی طرف مؤلف مشکوٰۃ نے قال ابوسلمان الخ کہا کر اشارہ کیا ہے۔

دونوں سجدوں کے درمیان آنحضرت ﷺ کی دعا

(۱۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَعَافِنِي وَارْزُقْنِي۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ کہا کرتے تھے کہ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَعَافِنِي وَارْزُقْنِي اے اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر، مجھے ہدایت فرما (دونوں جہاں کی بلاؤں اور امراض ظاہر و باطن سے) مجھے محفوظ رکھ اور مجھے رزق عطا فرما۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

(۱۵) وَعَنْ حُدَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ رَبِّ اغْفِرْ لِي۔ (رواہ النسائی والدارمی)

”اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ کہا کرتے تھے کہ رَبِّ اغْفِرْ لِي اے میرے پروردگار مجھے بخش دے۔“ (نسائی، دارمی)

تشریح: اس روایت کو ابن ماجہؒ نے بھی نقل کیا ہے مگر ان کی روایت میں یہ دعائیہ کلمات تین مرتبہ مذکور ہیں یعنی آپ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعائیں مرتبہ پڑھتے تھے۔

الفصل الثالث

جلدی جلدی سجدہ کرنے کی ممانعت

(۱۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ شُبَلٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَقَرَةِ الْغُرَابِ وَافْتِرَاشِ السَّنْبَعِ وَأَنْ يُوَقِّلَنَّ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَقِّلَنَّ الْبَيْعُزُّ۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی و الدارمی)

”حضرت عبدالرحمن ابن شبلؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے کوئے کی طرح ٹھونگ مارنے اور درندوں کی طرح (ہاتھوں کو) بچھانے سے منع فرمایا ہے اور (اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ) کوئی شخص مسجد میں جگہ مقرر کرے جیسا کہ اونٹ مقرر کرتا ہے۔

(ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: اس حدیث میں تین چیزوں سے منع کیا جا رہا ہے پہلی تو یہ کہ جس طرح کو ازمین سے دانہ چگنے کے لئے جلدی جلدی چوچ زمین پر مار کر دانہ اٹھاتا ہے اس طرح سجدہ سے سر جلدی جلدی نہ اٹھایا جائے۔ دوسری چیز یہ کہ جانور مثلاً کتے اور بھڑیئے وغیرہ جس طرح اپنے پنچے زمین پر بچھا کر بیٹھتے ہیں اس طرح سجدہ کے وقت پنچے زمین پر نہ بچھادیئے جائیں۔ تیسری چیز یہ کہ جس طرح اونٹ اپنے بیٹھنے کی ایک جگہ متعین و مقرر کر لیتا ہے کہ اس کے علاوہ دوسرا اونٹ اس جگہ نہیں بیٹھ سکتا اسی طرح مسجد میں کوئی جگہ متعین نہ کی جائے کہ اس جگہ کسی دوسرے کو نہ بیٹھنے دیا جائے کیونکہ مسجد سب کے لئے ہے جو جہاں چاہے بیٹھ سکتا ہے اپنے لئے کسی ایک جگہ کو متعین و مقرر کر کے وہاں دوسرے کو بیٹھنے سے روکنا مکروہ و ممنوع ہے۔

علامہ حلوانیؒ لکھتے ہیں کہ ”ہمارے علماء کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ مسجد میں کسی خاص کپڑے کو اس لئے متعین کر لیا جائے کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کپڑے میں نماز پڑھی ہی نہ جائے کیونکہ اس طرح عبادت اس خاص کپڑے کے ساتھ عادت بن جاتی ہے کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کپڑے میں نماز پڑھنا دشواری و گرائی کا باعث بنتا ہے حالانکہ عبادت جب عادت ہو جاتی ہے تو اسے ترک کر دینا

چاہئے چنانچہ اسی وجہ سے ہمیشہ روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ لہذا اس مسئلہ پر اس کو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مسجد میں کسی جگہ کو اپنے لئے متعین کر لینا اور اس جگہ کسی دوسرے کو بیٹھنے سے روکنا شریعت کی نظر میں کوئی تحسن فعل نہیں ہو سکتا جب کہ اس سے مقصد بھی کوئی اچھا نہ ہو۔

دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء ممنوع ہے

(۱۷) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ إِنِّي أَحْبَبْتُ لَكَ مَا أَحْبَبْتُ لِنَفْسِي وَأَكْرَهُ لَكَ مَا أَكْرَهُ لِنَفْسِي لَا تَفْعَلْ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”اے علی! جو چیز میں اپنے لئے محبوب رکھتا ہوں وہ چیز تمہارے لئے بھی محبوب رکھتا ہوں اور جو چیز اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں وہ چیز تمہارے لئے بھی ناپسند کرتا ہوں، دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء نہ کرو۔“ (ترمذی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس یوں تو پورے عالم ہی کے لئے سراپا رحمت و شفقت تھی مگر آپ ﷺ اپنی امت کے لوگوں کے لئے تو بے انتہا شفیق تھے۔ آپ ﷺ کی شفقت و محبت ہی کا یہ اثر تھا کہ آپ ﷺ جس چیز کو اپنے لئے پسند فرماتے تھے۔ وہی چیز اپنی امت کے افراد کے لئے بھی پسند فرماتے تھے اور جس چیز کو اپنے لئے ناپسند سمجھتے اسے اپنی امت کے لوگوں کے لئے بھی ناپسند سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے اسی جذبہ کا اظہار حضرت علیؓ سے فرمایا اور یہ ظاہر کر دیا کہ چونکہ میں دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا اس لئے تمہارے اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی مجھے یہ چیز پسند نہیں ہے اس لئے اس سے بچو۔

اقعاء کی تحقیق: اقعاء کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح بیٹھا جائے کہ کوہے زمین پر لگے ہوئے ہوں اور رانیں اور پنڈلیاں کھڑی ہوں اور ہاتھ زمین پر رکھے ہوں جس طرح کتابتازین پر بیٹھتا ہے۔ اقعاء کے صحیح معنی تو یہی ہیں البتہ بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ کہا ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان پیر کے پنجوں کو کھڑا کر کے ایڑیوں پر بیٹھا جائے۔ ان کے علاوہ علماء نے اور بھی کئی معنی لکھے ہیں۔ بہر حال اقعاء کی جو بھی شکل اختیار کی جائے۔ دونوں سجدوں کے درمیان اسے اختیار کرنا منفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔

رکوع میں کمر سیدھی کرنا چاہئے

(۱۸) وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ الْحَنْفِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَى صَلَاةِ عَبْدٍ لَا يُقِيمُ فِيهَا ضَلْبَةً بَيْنَ خُشُوعِهَا وَتُسْجُودِهَا - (رواہ احمد)

”اور حضرت طلق ابن علی حنفیؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا ”اللہ بزرگ و برتر اس بندہ کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو اپنی نماز کے سجود و رکوع میں اپنی کمر سیدھی نہیں کرتا۔“ (احمد)

تشریح: بارگاہ خداوندی میں وہی نماز مقبولیت کے درجہ کو پہنچتی ہے جس کے تمام ارکان پوری طرح ادا کئے جاویں اگر کوئی رکن اپنے قواعد و آداب کے مطابق درست نہیں ہوتا تو نماز قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچتی چنانچہ رکوع و سجود چونکہ نماز کے اہم ترین رکن ہیں اس لئے ان میں اگر نقص رہ جاتا ہے تو گویا پوری نماز ناقص رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ نماز اتمام و کمال کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی لہذا اس حدیث کے ذریعہ تنبیہ کیا جا رہا ہے کہ رکوع و سجود (کو پوری) احتیاط کے ساتھ ادا کرنا چاہئے یعنی پہلے رکوع و سجود سے اٹھنے کے بعد کمر کو اچھی طرح سیدھا کر لینا چاہئے اس کے بعد دوسرا رکوع و سجدہ کیا جائے اگر ایسا نہیں کیا جائے گا بلکہ پہلے رکوع و سجدہ سے اٹھ کر کمر کو سیدھی کئے بغیر دوسرے رکوع و سجدہ میں جلدی جلدی جائے گا تو وہ رکوع و سجود ادا کہلانے کا حق نہیں ہو گا جس کا نتیجہ یہ ہو گا اس کی نماز کی طرف خداوندی قدوس نظر بھی نہیں کرے گا یعنی اسے قبول نہیں کرے گا۔

دونوں ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں

(۱۹) وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ مَنْ وَضَعَ جَبْهَتَهُ بِالْأَرْضِ فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ عَلَى الذِّئْنِ وَضَعَ عَلَيْهِ جَبْهَتَهُ ثُمَّ إِذَا رَفَعَ فَيَرْفَعُهُمَا فَإِنَّ الْيَدَيْنِ تَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوُجْهُ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت نافعؓ راوی ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”جو شخص اپنی پیشانی زمین پر رکھے (یعنی سجدہ کرے) تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر وہیں رکھے جہاں پیشانی رکھی ہے پھر جب (سجدہ سے) اٹھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی اٹھائے کیونکہ جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے اسی طرح دونوں ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں۔“ (مالک)

تشریح: نمازی جب سجدہ میں جاتا ہے تو صرف اس کی پیشانی اور ناک ہی سجدہ میں نہیں جاتی بلکہ اس کا ہر عضو بارگاہ خداوندی میں جھکتا ہے اور سجدہ کرتا ہے اسی لئے فرمایا جا رہا ہے کہ سجدہ کے وقت ہاتھوں کو بھی زمین پر پیشانی رکھنے کی جگہ یعنی پیشانی کے برابر رکھنے چاہئیں تاکہ ہاتھوں کا سجدہ بھی پورا ہو جائے۔

سجدہ میں دونوں ہاتھ کہاں رکھے جائیں؟ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو پیشانی کے برابر رکھا جائے۔ چنانچہ حنفیہ کا مختار مسلک بھی یہ ہے شوافع کا مختار مسلک یہ ہے کہ سجدہ میں دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر رکھے جائیں۔ حدیث کے الفاظ فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ عَلَى الذِّئْنِ الخ کا مطلب صحیح طور پر تو یہی ہے کہ دونوں ہاتھ پیشانی کے برابر رکھے جائیں لیکن اس کے یہ معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر اسی طرح رکھے جس طرح پیشانی رکھی ہے یعنی قبلہ رخ رکھے۔ واللہ اعلم

بَابُ التَّشْهَدِ

تشہد کا بیان

شہادت کے معنی گواہی دینا اور ایسی سچی خبر دینا کہ اس میں دل زبان کے ساتھ ہو یعنی جو خبر زبان سے دی جائے وہی دل میں بھی ہو۔ ”تشہد“ کہتے ہیں گواہ ہونے کو اُس علم کے اظہار کرنے کو جو دل میں ہے۔ اصطلاح شریعت میں تشہد اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدًا رسول اللہ کو اور اس ذکر کو جو قعدہ نماز میں پڑھا جاتا ہے کہتے ہیں۔ گویا التحیات کو تشہد اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس میں شہادتین کا کلمہ بھی پڑھا جاتا ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

التحیات میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ

(۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ فِي التَّشْهَدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُمْنَى وَعَقَدَ ثَلَاثَةً وَخَمْسِينَ وَأَشَارَ بِالسَّبَابَةِ وَفِي رَوَايَةٍ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ أَصْبَعَهُ الْيُمْنَى الَّتِي تَلَى الْإِبْهَامَ يَدَ غُوبِهَا وَيَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتَيْهِ بِأَسْطَافِهَا عَلَيْهِمَا۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب تشہد (یعنی التحیات) میں بیٹھتے تو اپنا بائیں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنا داہنا ہاتھ اپنے داہنے گھٹنے پر رکھتے تھے اور اپنا (داہنا) ہاتھ مثل عدد درتین کے بند کر کے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جب آپ ﷺ نماز (کے قعدہ) میں بیٹھتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور داہنے ہاتھ کی اس انگلی کو جو انگوٹھے کے قریب ہے (یعنی شہادت کی انگلی کو) اٹھاتے اور اس کے ساتھ دعا مانگتے (یعنی) اس کو اٹھا کر اشارہ وحدایت کرتے) اور بائیں ہاتھ اپنے زانو پر کھلا ہوا رکھتے۔“ (مسلم)

تشریح: ”مثل عدد ترپین“ کا مطلب یہ ہے کہ اہل حساب گنتی کے وقت انگلیوں کے جس طرح بند کرتے جاتے ہیں کہ انہوں نے ہر انگلی کو ایک عدد متعین کے لئے مقرر کیا ہوا ہے کہ انہیں اکائیوں کے لئے یہاں رکھا جائے اور دائی، سیکڑہ اور ہزار کے لئے فلاں فلاں جگہ۔ لہذا راوی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شہادت کی انگلی کو اشارہ کے لئے اٹھاتے وقت بقیہ انگلیوں کو اس طرح بند کیا جس طرح ترپین کے عدد کے لئے انگلیوں کو بند کرتے ہیں اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ چھنگلیاں، اس کے قریب والی انگلی اور بیچ کی انگلی کو بند کر لیا جائے۔ شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے اور انگوٹھے کے سرے کو شہادت کی انگلی کی جڑ میں رکھا جائے۔ یہ عدد ترپین (۵۳) کہلاتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک شہادت کی انگلی اٹھانے کا طریقہ: ابھی آپ نے عقد ترپین کی وضاحت پڑھی اسی طرح ایک عدد وتسعین (۹۰) ہوتا ہے اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ چھنگلیاں اور اس کے قریب والی انگلی کو بند کر لیا جائے اور شہادت کی انگلی کو کھول دیا جائے اور انگوٹھے کا سرانج کی انگلی کے سرے پر رکھ کر حلقہ کی شکل دے دی جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شہادت کی انگلی اٹھانے کے لئے یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اور حضرت امام احمدؒ کا ایک قول بھی یہی ہے نیز حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے اور یہی طریقہ آگے آنے والی مسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے جو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے مروی ہے۔ اسی طرح احمدؒ، ابو داؤدؒ نے بھی حضرت وائل ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی تمام انگلیاں بند کر لی جائیں اور شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے۔ بعض احادیث میں انگلیوں کو بند کئے بغیر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا بھی ثابت ہے چنانچہ بعض حنفی علماء کا مختار مسلک یہی ہے، اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ کا عمل بھی مختلف رہا ہو گا کہ آپ ﷺ کبھی تو اشارہ بغیر عقد کے کرتے ہوں گے اور کبھی عقد کے ساتھ کرتے ہوں گے۔ اسی بنا پر ان مختلف احادیث کی توجیہ کہ جن سے یہ دونوں طریقے ثابت ہوتے ہیں یہی کی جاتی ہے۔

ماوراء النہر (یعنی بخارا و سمرقند وغیرہ) اور ہندوستان کے حنفیہ نے اس عمل عقد و اشارت (یعنی داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو بند کر کے شہادت کی انگلی کو اٹھانے) کو ترک کیا ہے، گو متقدمین کے یہاں یہ عمل جاری تھا مگر متاخرین نے اس میں اختلاف کیا ہے لیکن حرمین اور عرب کے دوسرے شہروں کے علماء کے نزدیک مختار مسلک عمل عقد و اشارت کرنا ہی ہے۔

علامہ شیخ ابن الہمامؒ نے جن کا شمار محققین حنفیہ میں ہوتا ہے فرمایا ہے کہ ”اول تشہد (التحیات) میں شہادتیں تک تو ہاتھ کھلا رکھنا چاہئے اور تہلیل کے وقت انگلیوں کو بند کر لینا چاہئے نیز (شہادت کی انگلی سے) اشارہ کرنا چاہئے۔“ ”موصوف لکھتے ہیں کہ“ اشارہ کرنے کو منع کرنا روایت اور روایت کے خلاف ہے۔“

محیط مذکور ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اٹھانا حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک سنت ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے بھی اسی طرح ثابت ہے۔ علامہ نجم الدین زاہدیؒ فرماتے ہیں کہ ”ہمارے علماء کا متفقہ طور پر یہ قول ہے کہ عمل اشارت سنت ہے۔“

لہذا جب صحابہ کرام تابعین، ائمہ دین، محدثین عظام، فقہائے امت اور علماء کوفہ و مدینہ سب ہی کا مذہب و مسلک یہ ہے کہ التحیات

مل ممکن ہے کہ صاحب مظاہر حق علامہ نواب قلب الدین کے زمانہ میں عمل عقد و اشارت کے ترک کے قائل ہوں مگر اب تو سب حنفی اس کے قائل ہیں۔

میں شہادتین کے وقت دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اٹھانا یعنی اشارہ وحدانیت کرنا چاہئے اور یہ کہ اس کے ثبوت میں بہت زیادہ احادیث اور اقوال صحابہؓ وارد ہیں تو پھر اس پر عمل کرنا ہی اولیٰ و ارجح ہوگا۔

اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کلمہ شہادت پر پہنچے تو شافیہ کے نزدیک الا اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلی اٹھالی جائے اور خفیہ کے نزدیک جس وقت لا الہ کہے تو انگلی اٹھائے اور جب الا اللہ کہے تو انگلی رکھ دے۔ اس سلسلہ میں اتنی بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ انگلی سے اوپر کی جانب اشارہ نہ کیا جائے تاکہ جہت کا وہم پیدا نہ ہو جائے۔

حدیث کے الفاظ ”یدعو بہا“ (اس کے ساتھ دعا مانگتے) کا مطلب یہی ہے کہ: آپ ﷺ شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ وحدانیت کرتے جس کی طرف ترجمہ میں یہ بھی اشارہ کر دیا گیا ہے یا پھر دعا سے مراد ذکر ہے کہ ذکر کو دعا بھی کہتے ہیں کیونکہ ذکر کرنے والا بھی مستحق انعام و اکرام ہوتا ہے۔

حدیث کے آخری جملہ ”بایاں ہاتھ اپنے زانو پر کھلا ہوا رکھتے تھے“ کا مطلب یہ ہے کہ بایں ہاتھ کو زانو کے قریب یعنی ران پر کھلا ہوا قبلہ رخ رکھتے تھے۔

(۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ يَذْغُو وَضَعُ يَدَهُ الِئْمَنَى عَلَى فَخِذِهِ الِئْمَنَى وَيَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُسْرَى وَأَشَارَ بِأَصْبَعِهِ السَّبَابَةِ وَوَضَعَ إِنْهَامَهُ عَلَى أَصْبَعِهِ الْوُسْطَى وَيَلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرَى رُكْبَتَهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب (نماز میں) التحیات پڑھنے کے لئے بیٹھتے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی دائیں ران پر اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنی بائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اپنے انگوٹھے کو اپنی بیچ کی انگلی پر رکھتے (یعنی اس طرح حلقہ بنا لیتے تھے) اور آپ ﷺ (بھی) اپنے بائیں ہاتھ سے بایاں گھٹنا پکڑ لیتے۔“ (مسلم)

تشریح: جیسا کہ ابھی پہلے بتایا جا چکا ہے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ التحیات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اٹھاتے وقت یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ چھنگلیاں اور اس کے قریب والی انگلی کو بند کر لیا جائے اور انگوٹھے کے سرے کو بیچ کی انگلی کے سرے پر رکھ کر حلقہ بنا لیا جائے اور شہادت کی انگلی اٹھالی جائے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک التحیات پڑھنے کے لئے بیٹھتے وقت ہی اس طرح حلقہ بنا لیا چاہئے لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ حلقہ انگلی اٹھاتے وقت ہی بنانا چاہئے۔

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا السَّلَامَ عَلَى اللَّهِ قَبْلَ عِبَادِهِ السَّلَامَ عَلَى جِبْرِيلَ السَّلَامَ عَلَى مِيكَائِيلَ السَّلَامَ عَلَى فَلَانٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بَوَّحُهُ قَالَ لَا تَقْرَأُوا السَّلَامَ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامَ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ فَإِنَّهُ إِذَا قَالَ ذَلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ثُمَّ لَيْسَ خَيْرٌ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَذْغُوهُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تو (قعدہ میں) التحیات کی بجائے یہ پڑھا کرتے تھے۔ السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ قَبْلَ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ السَّلَامُ عَلَى مِيكَائِيلَ السَّلَامُ عَلَى فَلَانٍ السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ پر سلام ہے، اس کے بعدوں پر سلام بھیجنے سے پہلے، جبریل پر سلام ہے میکائیل پر سلام ہے اور فلاں (یعنی فرشتوں میں سے کسی فرشتے پر یا انبیاء میں سے کسی نبی پر سلام ہے۔“ چنانچہ (ایک دن) جب آنحضرت ﷺ (نماز پڑھ کر) فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ”اللہ پر سلام“

نہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ (تو خود) سلام ہے (یعنی پرکونگار کی ذات تمام آفات و نقصانات سے محفوظ و سالم ہے وہ بندوں کو تمام ظاہری و باطنی آفات و نقصانات سے سلامتی دیتا ہے اور چونکہ اس کے لئے اور اس کی طرف سے سلامتی ثابت ہے اس لئے سلامتی کے لئے دعا تو اس کے لئے کرنی چاہئے جس کو نقصانات و آفات کا خوف ہو اور جو اس کی سلامتی کا محتاج ہو) لہذا جب تم میں سے کوئی نماز (کے قعدہ) میں بیٹھے تو یہ کہے **التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ** سب تعریفیں اور بدنی عبادتیں (یعنی نماز وغیرہ اور مالی عبادتیں (یعنی زکوٰۃ وغیرہ) اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی ﷺ تم پر سلام اور اللہ کی برکتیں ہوں۔ ہم پر بھی سلام اور اللہ کے سب نیک بندوں پر سلام۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص ان کلمات کو کہتا ہے تو اس کی برکت زمین و آسمان کے ہر نیک بندے کو پہنچتی ہے۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کلمات کو شہادتیں پر ختم فرمایا جو تمام اعمال کی اصل اور خلاصہ ہے۔ چنانچہ فرمایا)۔ ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔“ (پھر فرمایا) اس کے بعد بندہ کو جو دعا اچھی لگے اسے اختیار کرے اور خدا کے سامنے دست سوال دراز کرے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کو معراج حاصل ہوئی اور آپ ﷺ بارگاہ خداوندی میں باریاب ہوئے تو اللہ جل شانہ کی تعریف میں آپ ﷺ نے یہ کلمات فرمائے:

التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ۔

”تمام تعریفیں اور مالی و بدنی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔“

اس کے جواب میں بارگاہ الوہیت سے فرمایا گیا۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

”اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی برکتیں و رحمتیں!“

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔

”ہم پر بھی سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام۔“

تب جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

”میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔“

بہر حال السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین میں ”نیک بندوں“ کی قید لگا کر اس طرح اشارہ کر دیا گیا ہے کہ بد بخت و بدکار بندوں پر سلام بھیجنا یا ان کو سلام کہنا مناسب نہیں ہے۔ اس کی سعادت کے حقدار اور لائق تو وہی بندے ہیں جو اپنے عقیدہ و فکر اور اعمال و کردار کے اعتبار سے خدا اور خدا کے رسول کی نظر میں پسندیدہ ہیں جنہیں ”صالح“ کہا جاتا ہے اور ”بندہ صالح“ وہی ہے جو حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں کی رعایت کو مد نظر رکھتا ہے اور دونوں کو پورا کرتا ہے۔“

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ ”صلاح“ دراصل اس حالت کا نام ہے جس میں بندہ کے ذاتی و نفسانی ارادے و خواہشات موت کے گھاٹ اتر جائیں اور اللہ تعالیٰ کی مراد و مقصد پر قائم رہے (جس کی وجہ سے وہ بندہ صالح کہلانے کا مستحق ہو) لہذا بندہ کو

چاہئے کہ وہ پروردگار کی رضا و خواہش پر اس کیفیت کے ساتھ راہی اور اپنے تمام امور کو خداوند عالم کی طرف اس طرح سوچنے والا ہو جائے جیسا کہ نومولود بچہ ادایہ کے ہاتھ میں یا میت نہلانے والوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ ”جب بندہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے اور اس کا جذبہ بندگی و اطاعت اس قدر لطیف و پاکیزہ ہو جاتا ہے تو وہ یقینی طور پر تمام دنیاوی و جسمانی اور نفسانی آفات اور بلاؤں سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

آخر میں۔ اتنی بات اور سمجھتے چلئے کہ التحیات کو دونوں قعدوں میں پڑھنا چاہئے اور یہ کہ درمیان کا قعدہ (یعنی جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے ہیں) واجب ہے اور آخری قعدہ (جس میں سلام پھیرا جاتا ہے) فرض ہے۔

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ فَكَانَ يَقُولُ التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَآهَ مُسْلِمٌ وَلَمْ أَجِدْ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَلَا فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّحِيحَيْنِ سَلَامٌ عَلَيْكَ وَسَلَامٌ عَلَيْنَا بِغَيْرِ الْفِ وَلَا مَ وَلَكِنْ رَوَاهُ صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنِ التِّرْمِذِيِّ۔

”اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جس طرح ہمیں قرآن کی کوئی سورۃ سکھاتے تھے اسی طرح تشہد سکھایا کرتے تھے چنانچہ کہا کرتے تھے کہ التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ تمام بارکات تعریفیں اور تمام مالی و بدنی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اے نبی ﷺ تم پر سلام اور اللہ کی برکت و رحمتیں ”ہم پر بھی سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔“ (مسلم)

اور مؤلف مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ میں نے نہ تو صحیحین (یعنی بخاری و مسلم میں) اور نہ جمع بین صحیحین میں لفظ ”سلام علیک“ اور ”سلام علینا“ بغیر الف لام کے پایا ہے البتہ اس طرح اس کو صاحب جامع الاصول نے ترمذی (کے حوالہ) سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے تشہد یعنی التحیات کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں اس پر حضرات شافعیہ عمل کرتے ہیں اور التحیات میں انہیں الفاظ کو پڑھتے ہیں لیکن حنفیہ حضرات کے یہاں حضرت ابن مسعودؓ کے روایت کردہ تشہد کے الفاظ پر جو اس سے پہلے روایت میں گذرے ہیں عمل کیا جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کے روایت کردہ تشہد کے بارہ میں محدثین صراحت کرتے ہیں کہ یہ صحیح تر ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ ابن حجر شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ”تشہد کے سلسلہ میں جتنی احادیث مروی ہیں ان سب میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی روایت کردہ حدیث سب سے زیادہ صحیح تر ہے۔

حضرت امام احمدؒ بھی ابن مسعودؓ کی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور صحابہ و تابعین میں اکثر اہل علم کا معمول بھی انہیں کی حدیث کے مطابق تھا۔ پھر یہ کہ خود آنحضرت ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ابن مسعودؓ کے روایت کردہ تشہد کے لئے حکم فرمایا تھا کہ اسے لوگوں کو سکھایا جائے، چنانچہ مسند امام احمد ابن حنبلؒ میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن مسعودؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ اسی تشہد کو لوگوں کو سکھائیں۔

ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ”آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آپ ﷺ جس طرح مجھے قرآن کی تعلیم دیتے تھے اسی طرح آپ ﷺ نے مجھے (یہ) تشہد سکھایا۔

پھر حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ کی روایتوں میں یہ بھی بڑا فرق ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کو تو بخاری و مسلم دونوں نے نقل کیا ہے جبکہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو صرف مسلم نے نقل کیا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے وہ تشہد اختیار فرمایا ہے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے یعنی التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ الذَّاكِيَّاتُ لِلَّهِ الطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ الْخ۔

بہر حال علماء لکھتے ہیں کہ یہ پوری بحث صرف اولیت و افضلیت سے متعلق ہے یعنی حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک حضرت ابن مسعودؓ سے مروی تشہد پڑھنا افضل ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے ہاں حضرت ابن عباسؓ سے مروی تشہد پڑھنا افضل ہے۔ لیکن جہاں تک جواز کا سوال ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ ان میں سے جو تشہد بھی چاہے پڑھ لیا جائے جائز ہوگا۔

روایت کے آخری الفاظ ولم اجد الخ سے دراصل مولف مشکوٰۃ، صاحب مصابح پر ایک اعتراض کر رہے ہیں وہ یہ کہ صاحب مصابح نے ابن عباسؓ سے مروی تشہد میں ”سلام علیک“ اور ”سلام علینا“ کو بغیر الف لام کے ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اس طرح یہ روایت بخاری و مسلم میں منقول نہیں لہذا صاحب مصابح کا اس روایت کو پہلی فصل میں ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

الفصل الثانی

اشارہ کے وقت شہادت کی انگلی کو متحرک رکھنا

⑤ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ جَلَسَ فَأَقْرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى فَرْجِهِ الْيُسْرَى وَحَدَّ مِزْفَقَهُ الْيُمْنَى عَلَى فَرْجِهِ الْيُمْنَى وَقَبَضَ ثُنْتَيْنِ وَحَلَقَ حَلَقَةً ثُمَّ رَفَعَ اصْبَعَهُ فَرَأَيْتُهُ يُحَوِّكُهَا يَدْعُو بِهَا۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

”حضرت وائل ابن حجرؓ فرماتے ہیں کہ ”پھر سرور کائنات ﷺ (مجہد سے سرائحاً کز اس طرح) بیٹھے (کہ) اپنا بایاں پیر تو بچھالیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور دائیں ران پر دائیں کہنی الگ رکھی (یعنی کہنی کو ران پر رکھتے وقت اسے پہلو سے نہیں ملایا) اور دونوں انگلیاں (یعنی چھٹکیاں) اور اس کے قریب والی انگلی (بند کر کے) خفیہ کے مسلک کے مطابق درمیان کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنایا پھر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اٹھائی اور میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس انگلی کو حرکت دیتے تھے اور اس سے اشارہ (توجہ) کرتے تھے۔“ (ابوداؤد، دارمی)

تشریح: یہ حدیث ایک مسلسل حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی تمام نماز کی تفصیل ذکر کی گئی ہے چونکہ اس موقع پر موضوع کی رعایت کے پیش نظر جلسہ کی کیفیت ذکر کرنی مقصود تھی اس لئے ثُمَّ جَلَسَ سے اس ٹکڑے کو ذکر کیا گیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ شہادت کی انگلی کو اٹھا کر اسے متحرک رکھنا چاہئے چنانچہ حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہی ہے کہ اشارہ کے وقت گلی کو ہلاتے رہنا چاہئے مگر حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کے یہاں انگلی کو متحرک نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ اس کے بعد کی حدیث نے لایتحرک کہا کہہ کر صراحت کے ساتھ اس فعل سے منع کر دیا ہے۔

جہاں تک اس حدیث کے الفاظ کا تعلق ہے تو کہا جائے گا کہ یہاں ”یتحرک کہا“ یعنی حرکت دینے سے مراد انگلی کا اٹھانا ہی ہے کیونکہ انگلی کو اٹھانے میں بھی بہر حال حرکت ہوتی ہے اس توجیہ سے اس حدیث میں اور مابعد کی حدیث میں تطبیق بھی ہو جائے گی۔

اشارہ کے وقت انگلی کو متحرک نہ رکھنا چاہئے

⑥ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيرُ بِاصْبَعِهِ إِذَا دَعَا وَلَا يُحَوِّكُهَا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَنُّهُ، وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ لَا يُجَاوِزُ بَصَرَهُ إِشَارَتَهُ۔

”اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب (قعدہ میں) دعا کرتے (یعنی کلمہ شہادت پڑھتے تھے) تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے لیکن اس کو ہلاتے نہ تھے (ابوداؤد نسائی) اور ابوداؤدؒ نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”اور آپ ﷺ کی نظر اشارہ کی انگلی سے تجاوز نہ کرتی تھی۔“

تشریح: ابوداؤدؒ کے روایت کردہ آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ انگلی اٹھانے کے وقت آپ ﷺ کی نظر انگلی ہی پر رہتی تھی دوسری طرف نہیں دیکھتے تھے تاکہ خیالات کی رود و سری طرف نہ جائے بلکہ مضمون توحید دل میں رہے اور خشوع و خضوع حاصل رہے۔

اشارہ صرف ایک انگلی سے کرنا چاہئے

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ أَحَدَ

(رواہ الترمذی والنسائی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

”اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص تشہد میں (شہادت کی) دونوں انگلیوں سے اشارہ کرتا تھا چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”ایک انگلی سے اشارہ کرو۔ ایک ہی انگلی سے اشارہ کرو۔“ (ترمذی، نسائی، بیہقی)

تشریح: جیسا کہ ابوداؤدؒ و نسائیؒ نے صراحت کی ہے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ قعدہ میں کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں سے اشارہ وحدانیت کرتے تھے جب آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھا تو انہیں اس طریقہ سے منع فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ قاعدہ کے مطابق صرف ایک ہی انگلی یعنی داہنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرو۔

قعدہ میں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر نہ بیٹھنا چاہئے

⑦ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَجْلِسَ الرَّجُلُ فِي الصَّلَاةِ وَهُوَ مُعْتَمِدٌ عَلَى يَدِهِ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ فِي رِوَايَةٍ لَهُ نَهَى أَنْ يَعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلَى يَدَيْهِ إِذَا نَهَضَ فِي الصَّلَاةِ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص نماز میں اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے (احمد، ابوداؤد) اور ابوداؤدؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص نماز میں اٹھتے ہوئے ہاتھوں پر سہارا دے۔“

تشریح: حدیث کے پہلے جزء کا مطلب تو یہ ہے کہ جب کوئی شخص قعدہ میں بیٹھے یا قعدہ سے کھڑا ہونے لگے تو اسے چاہئے کہ ہاتھ پر ٹیک نہ لگائے۔

دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ ”سجدہ وغیرہ سے اٹھتے وقت بھی ہاتھوں کا سہارا نہ لیا جائے یعنی ہاتھوں کو زمین پر ٹیکے بغیر گھسنے کی طاقت سے اٹھا جائے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا عمل اسی حدیث پر ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے یہاں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر ہی سجدہ وغیرہ سے اٹھتے ہیں۔ ان کی مستدل وہ حدیث ہے جس سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سجدہ وغیرہ سے اٹھتے وقت ہاتھوں کو زمین پر ٹیکا تھا حنفیہ اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ عمل ضعف اور کبرئی پر محمول ہوگا کہ اس وقت چونکہ ضعف و کمزوری کی وجہ سے آپ ﷺ کے لئے بغیر ہاتھوں کو ٹیکے ہوئے اٹھنا ممکن نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ ہاتھوں کو سہارا دے کر اٹھے ورنہ تو آپ ﷺ بغیر ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر نہیں اٹھتے تھے۔

قعدہ کی مقدار میں فرق

⑧ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرُّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ كَأَنَّهُ عَلَى الرَّصْفِ حَتَّى

يَقُومُ۔ (رواہ الترمذی والبوداؤد والنسائی)

”اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ پہلی دو رکعتوں میں (یعنی پہلے قعدہ میں) تشہد کے لئے اس قدر بیٹھے تھے گویا آپ ﷺ گرم پتھر بیٹھے ہیں اور (جلد ہی) کھڑے ہو جاتے تھے۔“ (ترمذی، البوداؤد، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص گرم پتھر پر زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکتا بلکہ جلد ہی اٹھ کھڑا ہوتا ہے اسی طرح آپ ﷺ پہلے قعدہ میں چونکہ صرف التحیات پڑھتے تھے دیگر دعا و درود وغیرہ نہیں پڑھتے تھے اس لئے التحیات پڑھتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے اس کے برعکس آخری قعدہ میں چونکہ التحیات کے ساتھ درود اور دوسری دعائیں بھی پڑھی جاتی ہیں اس لئے اس میں بیٹھنے کی مقدار پہلے قعدہ میں بیٹھنے کی مقدار سے زیادہ ہوتی تھی۔

الفصل الثالث

⑩ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُنَا التَّشَهُدَ كَمَا يَعْلَمُنَا الشُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ بِسْمِ اللَّهِ بِاللَّهِ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَسْأَلُ اللَّهَ الْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ النَّارِ۔

(رواہ النسائی)

”حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جس طرح قرآن کی کوئی سورۃ سکھاتے تھے اسی طرح تشہد بھی سکھاتے تھے (یعنی جس طرح باعتبار قرأت قرآن کے الفاظ مختلف ہیں اسی طرح تشہد کے الفاظ بھی مختلف ہیں چنانچہ اس روایت میں تشہد کے الفاظ اس طرح ہیں) بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَسْأَلُ اللَّهَ الْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ النَّارِ یعنی اللہ کے نام اور اللہ کی توفیق کے ساتھ شروع کرتا ہوں اور تمام تعریفیں اور تمام مافی البدنی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی ﷺ تم پر سلام ہو اور اللہ کی برکت و رحمتیں! اور ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں خدا سے جنت کی درخواست کرتا ہوں اور دوزخ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔“ (نسائی)

شہادت کی انگلی شیطان کے لئے باعث تکلیف ہے

⑪ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَأَشَارَ بِإصْبَعِهِ وَاتَّبَعَهَا بَصَرُهُ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهَايْ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيدِ يَعْني السَّبَّابَةُ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت نافعؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب نماز یعنی قعدہ میں بیٹھے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے اور (شہادت کی) انگلی سے اشارہ (وحدانیت) فرماتے اور نظر انگلی پر رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا یہ (یہ شہادت کی انگلی) شیطان پر لوہے سے زیادہ سخت ہے“ یعنی شہادت کی انگلی سے اشارہ وحدانیت کرنا شیطان پر نیزہ وغیرہ بھیجنے سے زیادہ سخت ہے۔“ (احمد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ شیطان کی آرزو اور تمنا تو یہ ہے کہ ہر شخص ضلالت و گمراہی اور کفر و شرک میں مبتلا ہو جائے لیکن جب وہ ایک نمازی کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کی تمنا و آرزو کے برخلاف کفر و شرک سے اظہار بیزاری کرتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے خدا کی وحدانیت کا اظہار کر رہا ہے تو اس کی امیدوں پر اس پڑ جاتی ہے اور اس وقت اسے اتنی ہی شدید تکلیف پہنچتی ہے جتنی کہ اس کے نیزہ

وغیرہ مارنے سے پہنچ سکتی ہے۔

التحیات آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ كَانَ يَقُولُ مِنَ السَّنَةِ اخْفَاءَ الشَّهْدِ زَوَاهُ ابْنُ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ”تہجد (یعنی التحیات) آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: جب کوئی صحابی کسی فعل کے بارہ میں یہ کہے کہ ”یہ سنت ہے“ تو اس کا یہ قول ”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ کے حکم میں ہو گا یعنی وہ حدیث مرفوع ہوگی۔ چنانچہ ابن مسعودؓ کی اس حدیث کے پیش نظر جمہور محدثین اور فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ تہجد یعنی التحیات آہستہ آواز سے پڑھنا چاہئے۔

بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَضْلِهَا آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے اور اس کی فضیلت کا بیان

لغوی طور پر ”صلوٰۃ“ کے معنی دعا، رحمت اور استغفار ہیں اور درود کا مطلب ہے بندوں کی جانب سے آنحضرت ﷺ کے لئے اللہ جل شانہ کی ایسی رحمت کو طلب کرنا جو دنیا و آخرت کی بھلائی کو شامل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام یعنی درود بھیجنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

”اے ایمان والو! ان (یعنی آنحضرت ﷺ) پر سلام و رحمت بھیجو۔“

علماء اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم و وجوب کے لئے ہے چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جتنی مرتبہ بھی آنحضرت ﷺ کا نام مبارک سنا جائے ہر بار درود بھیجا جائے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جس طرح پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دینی فرض ہے اسی طرح پوری عمر میں صرف ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے۔ اس کے بعد زیادہ سے زیادہ درود بھیجنا مستحب و مسنون اور شعار اسلام میں سے ہے جس پر بیحد و حساب اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔

حضرت قاضی ابوبکرؒ تو فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر فرض کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر درود و سلام بھیجا جائے اور چونکہ اس سلسلہ میں کوئی خاص وقت متعین نہیں کیا ہے اس لئے واجب ہے کہ درود و سلام زیادہ سے زیادہ بھیجا جائے اور اس میں غفلت نہ برتی جائے“ لیکن بعض حضرات نے حضرت قاضی ابوبکرؒ کے اس قول کے مقابلہ میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

التحیات میں درود پڑھنا فرض ہے یا سنت: حضرت امام شافعیؒ نے التحیات میں درود پڑھنے کو فرض کہا ہے لیکن علماء نے صراحت کی ہے کہ امام شافعی کا یہ قول شاذ ہے اس مسئلہ میں امام شافعی کا موافق کوئی عالم نہیں ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا معتمد مفتی بہ قول یہ ہے کہ کوئی شخص اگر ایک ہی مجلس میں سرور کائنات ﷺ کا نام مبارک کئی مرتبہ سنے تو اس پر صرف ایک مرتبہ درود بھیجنا واجب ہے اور ہر مرتبہ بھیجنا مستحب ہے اور التحیات میں درود پڑھنا سنت ہے۔

صلوٰۃ و سلام کے الفاظ کا استعمال غیر انبیاء کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ انبیاء کے

علاوہ دوسرے لوگوں کے ناموں سے ساتھ صلوٰۃ و سلام کے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ ﷺ یا دوسرے انبیاء کے اسماء کے ساتھ علیہ السلام کے الفاظ بولے اور لکھے جاتے ہیں تو اس طرح انبیاء کے علاوہ کسی دوسری شخص کے نام کے ساتھ ان الفاظ کا استعمال جائز ہو گا یا نہیں؟ چنانچہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ”ان الفاظ کا استعمال صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے لئے ان الفاظ کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے البتہ دوسرے لوگوں کے اسماء کے ساتھ غفر اللہ، رحمہ اللہ اور رضی اللہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔

علامہ طیبی نے نقل کیا ہے کہ انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگوں پر درود بھیجنے خلاف اولیٰ ہے۔ بعض حضرات نے حرام اور مکروہ بھی کہا ہے اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ ”غیر انبیاء اور ملائکہ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا ابتدا اور مستقلاً مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے البتہ انبیاء کے ساتھ ان پر بھیجنا جائز ہے مثلاً اس طرح کہا جاسکتا ہے صلی اللہ علی محمد و علی الو واصحابہ وسلم یعنی محمد ﷺ پر اور آپ کی آل اولاد پر اور آپ ﷺ کے صحابہ پر اللہ کی رحمت و برکت: واللہ اعلم

الفصل الاول

التحیات میں درود پڑھنے کا طریقہ

① وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ لَقِيتُنِي كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ لَا أَهْدِي لَكَ هَذِيئَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلَى فَاهْدِهَا لِي فَقَالَ سَأَلْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ قَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّ مُسْلِمًا لَمْ يَذْكُرْ عَلَى إِبْرَاهِيمَ فِي الْمَوْضِعَيْنِ۔

”حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت کعب ابن عجرہ (صحابی) سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ چیز بطور ہدیہ پیش نہ کروں جسے میں نے رحمت عالم ﷺ سے سنا ہے؟ میں نے عرض کیا ”جی ہاں! مجھے وہ ہدیہ ضرور عنایت فرمائیے“ انہوں نے فرمایا کہ ”ہم چند صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اور اہل بیت نبوت پر ہم درود کس طرح بھیجیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ تو بتا دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کس طرح بھیجا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح کہوا! اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اے اللہ! محمد پر اور آل محمد پر رحمت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔ اے اللہ! محمد پر اور آل محمد پر رحمت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل کی، بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: صحابہؓ کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ پر درود اور سلام بھیجیں تو سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیں سکھایا ہے کہ التحیات میں ہم ”السلام علیک ایہا النبی“ کہا کریں۔ اب یہ بھی بتا دیجئے کہ درود کس طرح بھیجیں؟

صحابہ کے قول ”اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتادیا ہے کہ آپ ﷺ پر سلام کس طرح بھیجیں“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی لسان اقدس کے ذریعہ ہمیں سلام بھیجنے کی تعلیم دی۔ اے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعلیم اس لئے کہا گیا ہے کہ حقیقت میں آنحضرت ﷺ کی تعلیم اللہ تعالیٰ ہی کی تعلیم ہے کیونکہ آپ ﷺ نے جو بھی احکام بیان فرمائے ہیں وہ از خود اور اپنے ذہن و فکر سے نہیں بیان فرمائے ہیں بلکہ وہ احکام بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ کو دیئے گئے اس کو آپ ﷺ نے اپنی لسان اقدس کے ذریعہ نافذ فرمایا۔

آل کی تعریف و تحقیق: اہل وعیال کو کہتے ہیں اس کے معنی ”تابعدار“ بھی مراد لئے جاتے ہیں چنانچہ ”وعلی آل محمد“ میں آل کے تعین کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”آل محمد“ سے مراد صرف آپ ﷺ کے اہل و عیال ہیں۔ کچھ حضرات نے کہا ہے کہ آل سے مراد تابعدار مراد ہیں، بعض علماء کی رائے ہے کہ ہر مؤمن آل محمد میں سے ہے کسی نے کہا ہے کہ ہر متقی مؤمن آل محمد میں شامل ہے یہ سب علماء کے اقوال ہیں لیکن بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث میں آل سے مراد تابعدار ہیں۔ گو بعض علماء نے تو ”آل“ کی تفسیر ”اہل بیت“ سے کی ہے یعنی ان حضرات کے نزدیک ”آل محمد“ سے اہل بیت یعنی وہ لوگ مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور ”جنہیں بنی ہاشم“ کہا جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ ”اہل بیت“ میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور اولاد شامل ہیں اور چونکہ صحابی کا ربط بھی ان سب سے حضرت فاطمہ کی وجہ سے بہت زیادہ تھا اس لئے وہ بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔

”کما صلیت علی ابراہیم“ میں صرف حضرت ابراہیم کی تخصیص کی گئی ہے اور کسی نبی کو ذکر نہیں کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو حضرت ابراہیم علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے جد امجد ہیں، دوسرے یہ کہ اصول دین میں شریعت محمدی ان کے تابع ہے۔

”اے اللہ محمد ﷺ پر برکت نازل کر“ کا مطلب یہ ہے کہ ”خداوند قدوس! تو نے ہمارے سرکار و سردار رحمت عالم ﷺ کو جو شرف و فضیلت عطا فرمایا اور آپ ﷺ کو جو بزرگی و بڑائی دی ہے اس کو ہمیشہ اور باقی رکھ!)

روایت کے آخری الفاظ الا ان مسلما لم یذکر الخ کا مطلب یہ ہے کہ مسلم نے جو روایت نقل کی ہے اس کے پہلے اور دوسرے دونوں ہی درود میں ”علی ابراہیم“ کے الفاظ نہیں ہیں یعنی اس کے الفاظ اس طرح ہیں ”کما صلیت علی آل ابراہیم“ اور ”کما بارکت علی آل ابراہیم“

(۲) وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُولُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِلٰى اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو حمید ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ ”صحابہ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ ﷺ پر درود کس طرح بھیجیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ کہو؟“ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِلٰى اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اے اللہ احمد ﷺ پر، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر اور آپ ﷺ کی اولاد پر رحمت نازل فرمایا جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی اور محمد ﷺ پر، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر اور آپ ﷺ کی اولاد پر برکت نازل فرمایا جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو بزرگ و برتر ہے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: درود کے الفاظ مختلف طریقہ سے وارد ہوئے ہیں جیسا کہ ابھی آپ نے دیکھا۔ پہلی حدیث میں درود کے الفاظ کچھ اور ہیں اور اس حدیث کے الفاظ کچھ اور چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ پہلی حدیث میں جو درود ذکر کیا گیا ہے وہ پڑھ لینا کافی ہے بعض روایتوں میں وَاَزْوَاجِهِ

کَمَا زِحْمَتٌ وَتَرَحُّمَتٌ کے الفاظ بھی مذکور ہیں مگر یہ الفاظ صحیح طور پر ثابت نہیں ہیں۔

بعض محدثین نے وضاحت کی ہے کہ جس حدیث میں ان الفاظ **وَيَرْحَمُ عَلَى مُحَمَّدٍ** وَاٰلِ مُحَمَّدٍ **كَمَا تَرْحَمُ عَلَى اَبْرَاهِيْمَ** وَاٰلِ اَبْرَاهِيْمَ کا بھی اضافہ ہے وہ حدیث حسن ہے۔ واللہ اعلم

درود بھیجنے کی فضیلت

﴿٣﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَى وَاحِدَةٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا.

(رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدرا ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمت نازل فرمائے گا۔“ (مسلم)

تشریح: چونکہ ارشاد ربانی ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مِثَالِهَا یعنی جو شخص ایک نیکی کرتا ہے تو اس کے لئے اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ہے اس لئے جو شخص آں حضرت ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بشارت کے مطابق اس شخص پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔

الفصل الثاني

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَى صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيئَاتٍ وَزُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ - (رواه النسائي)

”حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس (مرتبہ) رحمتیں نازل فرمائے گا، اس کے دس گناہوں کو معاف کرے گا اور (تقرب الی اللہ کے سلسلہ میں) اس کے دس درجے بلند کرے گا۔“ (نسائیؒ)

⑤ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَى النَّاسِ بِیَ یَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَى صَلَاةٍ.

(رواه الترمذی)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر اکثر درود پڑھنے والے ہیں۔“ (ترمذی)

تشریح: ابن حبانؒ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اور آپ ﷺ کی یہ بشارت عظمیٰ محدثین کرام پر زیادہ صادق آتی ہے چونکہ کوئی جماعت محدثین سے زیادہ درود نہیں بھیجتی اس لئے قیامت کے دن تمام لوگوں میں سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ سے قریب یہی مقدس طبقہ ہوگا۔

فرشتے اقیوں کے سلام آنحضرت ﷺ تک پہنچاتے ہیں

⑥ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ يَبْلُغُونِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ.

(رواه النسائي و الدارمي)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے جو زمین پر سیاحت کرنے والے ہیں میری اُمت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں۔“ (نسائی، داری)

تشریح: اس حدیث کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو روضہ اقدس سے دور رہتے ہیں اور انہیں روضہ مقدس پر حاضری کا شرف حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ ایسے لوگ جب آنحضرت ﷺ پر قلیل یا کثیر تعداد میں سلام بھیجتے ہیں تو فرشتے ان کا سلام بارگاہ نبوت میں بصد عقیدت و احترام پیش کرتے ہیں۔

البتہ وہ حضرات جنہیں خدا نے اپنے محبوب کے روضہ اقدس پر حاضری کی سعادت سے نوازا رکھا ہے جب وہ بارگاہ نبوت میں سلام پیش کرتے ہیں تو آنحضرت ﷺ تک پہنچانے کے لئے فرشتوں کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کے سلام آنحضور ﷺ خود سنتے ہیں۔

اس حدیث سے چند باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اول یہ کہ آنحضرت ﷺ کو حیات جسمانی حاصل ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کو اس دنیا میں زندگی حاصل تھی اس طرح آپ ﷺ کو قبر میں بھی زندگی حاصل ہے۔ دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ کی امت کے لوگ جب آپ ﷺ پر سلام بھیجتے ہیں تو آپ ﷺ خوش ہوتے ہیں جو سلام بھیجنے والے کے حق میں انتہائی سعادت و خوش بختی کی بات ہے۔

سوم یہ کہ جب فرشتے کسی امتی کا سلام بارگاہ نبوت میں پیش کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سلام قبولیت کے درجہ کو پہنچ گیا ہے۔ اور اگلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ۔ آپ ﷺ سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں نیز ایک روایت میں مذکور ہے کہ ”جب فرشتے سلام لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے ہیں تو سلام بھیجنے والے کا نام بھی لیتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں۔ یا رسول اللہ (ﷺ)! مولانا محمد قطب الدین محی الدین آپ کی خدمت بابرکت میں سلام عرض کرتے ہیں۔ یا آپ کا ایک ادنی غلام عبد اللہ جاوید ابن مولانا محمد عبدالحق خدمت اقدس میں نذرانہ سلام پیش کرتا ہے۔ یا فقیر محمد اصغر خدمت عالیہ میں سلام عرض کرتا ہے۔

جاں می دہم در آرزو والے قاصد آخر باز گو در مجلس آں ناز میں خرنے کہ ازما می رود

آنحضرت ﷺ سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی فی الدعوات الکبیر)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: اہل سنت والجماعت کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ آقائے نامدار فخر و عالم ﷺ (فداہ الی وائی) عالم برزخ میں زندہ ہیں مگر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ عالم برزخ میں زندہ نہیں ہیں بلکہ جب کوئی شخص آپ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہے تو اس وقت آپ ﷺ کی روح مبارک جسم پاک میں لوٹ آتی ہے پھر آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ ”روح لوٹانے“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ روح مبارک آپ ﷺ کے مقدس بدن میں ہمہ وقت موجود نہیں رہتی صرف سلام بھیجنے کے وقت اسے کچھ وقت کے لئے بدن میں واپس کر دیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ۔ آپ ﷺ کی روح مبارک چونکہ ہمہ وقت مشاہدہ رب العزت میں مستغرق رہتی ہے اس لئے اس کو حالت استغراق و مشاہدہ سے ہٹا کر اس عالم کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے تاکہ آپ ﷺ اپنے اقیوں کے درود و سلام سنیں اور اس کا جواب دیں۔ چنانچہ روح

مبارک کے اسی متوجہ کرنے اور آگاہ کرنے کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے“ ورنہ تو تمام انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اب سوال یہ رہ گیا کہ حدیث میں مذکورہ فضیلت خاص طور پر ان لوگوں سے متعلق ہے جو روضہ اقدس پر حاضری دیتے ہیں اور اس کی زیارت کرتے ہیں یا عمومی طور پر سب لوگوں کے لئے ہے؟ تو نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فضیلت کا تعلق عمومی طور پر ہے۔ یعنی خواہ کوئی شخص آپ ﷺ کے مزار اقدس پر حاضر ہو کر سلام پیش کرے یا کسی دور دراز علاقہ سے سلام بھیجے۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ جو شخص روضہ اقدس پر حاضری کا شرف حاصل نہیں کر سکتا آپ ﷺ ان کا سلام فرشتوں کے واسطے سے سنتے ہیں جیسا کہ تیسری فصل میں حضرت ابو ہریرہؓ کی آنے والی حدیث سے بھی معلوم ہو جائے گا۔

گھروں کو قبر نہ بنایا جائے

⑧ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَلَا تَجْعَلُوا قُبُورِي عَيْنًا وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”اپنے گھروں کو قبروں کی طرح نہ رکھو اور میری قبر پر عید (کی طرح میلہ) نہ مقرر کرو۔ تم مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود میرے پاس پہنچتا ہے۔“ (نسائی)

تشریح: حدیث کے پہلے جز کے تین مطلب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ اپنے گھروں کو قبروں کی طرح نہ سمجھ لو کہ جس طرح مردے اپنی قبر میں پڑے رہتے ہیں تم بھی اپنے گھروں میں مردوں کی طرح پڑے رہو ان میں نہ عبادت کرو اور نہ کچھ نمازیں پڑھو بلکہ اسی طرح گھروں میں بھی عبادت کرو اور کچھ نمازیں پڑھو تاکہ اس کے انوار و برکات گھر اور گھروالوں کو پہنچیں اور اسکی شکل یہ ہونی چاہئے کہ فرض نمازیں تو مساجد میں ادا کرو اور سنن نوافل اپنے گھر آکر پڑھو کیونکہ نوافل مساجد کی بہ نسبت گھر میں ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ۔ اپنے گھروں میں مردے دفن نہ کرو۔ اس موقع پر یہ اشکال پیدا نہ کیجئے کہ خود آنحضرت ﷺ تو اپنے گھر ہی زیر زمین آرام فرما ہیں۔ کیونکہ یہ صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ہے کسی دوسرے کو ایسا نہ کرنا چاہئے۔

تیسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ قبروں کو سکونت کی جگہ قرار نہ دو جیسا کہ آجکل اولیاء اللہ کے مزارات اور قبرستانوں پر ان کے خدام مجاوروں نے سکونت اختیار کر رکھی ہے، تاکہ دل کی نرمی اور طبیعت و مزاج کی شفقت و رحمت ختم نہ ہو جائے بلکہ ایسا کرنا چاہئے کہ قبروں کی زیارت کر کے اور ان پر فاتحہ وغیرہ پڑھ کر اپنے گھروں کو واپس آجاؤ۔

حدیث کے دوسرے جز ”میری قبر کو عید (کی طرح) قرار نہ دو“ کا مطلب یہ ہے کہ میری قبر کو عید گاہ کی طرح نہ سمجھو کہ وہاں جمع ہو کر زیب و زینت اور لہو و لعب کے ساتھ خوشیاں مناؤ اور اس سے لطف و سرور حاصل کرو۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء کی قبروں پر اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں۔

حدیث کے اس جزء سے آج کل کے ان نام نہاد ملاؤں اور بدعت پرستوں کو یہ سبق حاصل کرنا چاہئے جنہوں نے اولیاء اللہ کے مزارات کو اپنی نفسانی خواہشات اور دنیاوی اغراض کا منبع و مرجع بنا رکھا ہے اور ان مقدس بزرگوں کے مزارات پر عرس کے نام سے دنیا کی وہ خرافات اور ہنگامہ آرائیاں کرتے ہیں جن پر کفر و شرک بھی خند زن ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ ان کے حلوے مانندوں، نذر و نیاز اور لذت پیٹ و دہن نے ان کی عقل پر نفس پرستی اور ہوس کاریوں کے وہ موٹے پردے چڑھا دیئے ہیں جن کی موجودگی میں نہ انہیں نعوذ باللہ قرآنی احکام کی ضرورت ہے اور نہ انہیں کسی حدیث کی حاجت۔ اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے۔ آمین۔

بعض علماء نے اس جزء کی تشریح یہ کی ہے کہ عید کی طرح سال میں صرف ایک دو مرتبہ ہی میری قبر کی زیارت کے لئے نہ آیا کرو بلکہ

اکثر و بیشتر حاضر ہوا کرو۔ اس صورت میں آپ ﷺ نے اپنی قبر کی زیادہ سے زیادہ زیارت اور اس محیط علم و عرفان اور منبع امن و سکون پر اکثر و بیشتر حاضری پر امت کے لوگوں کو ترغیب دلائی ہے۔

حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجو، اگر کوئی شخص میرے روضہ سے دور ہے اور بعد مسافت اختیار کئے ہوئے ہے تو اس کو اس کا خیال نہ کرنا چاہئے بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اپنی جگہ بیٹھا ہوا ہی مجھ پر درود بھیجتا رہے کیونکہ جہاں سے بھی درود بھیجا جائے گا میرے پاس پہنچ جائے گا۔ اس طرح آپ ﷺ نے ان مشتاقان زیارت کی جنہیں روضہ اقدس پر حاضری کی سعادت حاصل نہیں ہو سکی، تسلی فرمائی ہے کہ اگرچہ مجبور یوں کی بناء پر تم مجھ سے دور ہو لیکن تمہیں چاہئے کہ توجہ اور حضور قلب سے غافل نہ رہو کہ

قرب جانے چوں بود بعد مکانے سهل ست

درود نہ بھیجنے پر وعید

⑨ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرَتْ عَنْهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَى وَرْغِمَ أَنْفِ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَفْرَكَ عَنْهُ آبَاؤُهُ الْكَبِيرُ أَوْ أَحَدُهُمَا فَلَمْ يَدْخُلَاهُ الْجَنَّةَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”خاک آلود ہو اس شخص کی ناک کہ اس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا، خاک آلود ہو اس شخص کی ناک کہ اس پر رمضان آیا اور اس کی بخشش سے پہلے گذر گیا اور خاک آلود ہو اس شخص کی ناک کہ اس کے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک نے اس کے سامنے بڑھاپا پایا اور انھوں نے اسے جنت میں داخل نہیں کیا۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں تین قسم کے لوگوں کے لئے وعید بیان کی جارہی ہے، سب سے پہلے ان لوگوں کے بارہ میں کہا گیا ہے۔ جن کے سامنے سرور کائنات فخر و عالم ﷺ کا نام نای ام گرامی لیا جائے یا آپ ﷺ کا ذکر مبارک کیا جائے اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجیں کہ ان کی ناک خاک آلود ہو یعنی وہ ذلیل و خوار ہوں اور ہلاک ہوں۔

بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مجلس میں جب بھی آپ ﷺ کا ام گرامی لیا جائے ہر مرتبہ درود بھیجنا یعنی ﷺ کہنا واجب ہوتا ہے کیونکہ اس کے ترک پر اتنی شدت کے ساتھ وعید بیان فرمائی جارہی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ پچھلے صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ ہر مرتبہ درود بھیجنا واجب نہیں ہے صرف ایک مرتبہ درود بھیجنا واجب ہے البتہ ہر مرتبہ درود بھیجنا مستحب و افضل ہے اب اس حدیث کی توجیہ یہ کی جائے گی کہ وجوب کی دلیل آخرت کی وعید ہوتی ہے اور چونکہ اس وعید کا تعلق آخرت سے نہیں ہے اس لئے اس کا انتہائی امر یہ ہے کہ یہ وعید ہر مرتبہ درود بھیجنے کے استحباب و افضلیت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ وجوب پر۔

دوسرے قسم کے لوگ جن کے لئے وعید بیان کی جارہی ہے وہ ہیں جو رمضان کے حقوق ادا نہیں کرتے نہ تو روزہ ہی ٹھیک سے رکھتے ہیں اور نہ رمضان میں عبادتیں ہی پورے ذوق شوق سے کرتے ہیں اور چونکہ یہ تمام چیزیں مغفرت اور بخشش کا ذریعہ ہیں اس لئے فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے لئے تباہی و ہلاکت ہو جو رمضان میں اس مقدس مہینہ کے فضل و شرف سے محروم رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس مہینہ میں بخشش کی سعادت سے نوازے بھی نہیں جاتے اور یہ مہینہ اپنی تمام سعادتوں کے ساتھ گذر جاتا ہے۔

تیسری قسم کے لوگ جن سے اس نوعیت کا تعلق ہے وہ ہیں جو اپنے ماں باپ کے اطاعت گزار و فرمانبردار نہیں ہیں۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا، ان کے حقوق ادا نہ کئے، اس کی رضامندی و خوشنودی کا خیال نہیں رکھا اور خاص طور پر ان کی کبرئی میں ان کی خدمت اور دیکھ بھال نہیں کی وہ درحقیقت بڑے بد نصیب ہیں کیونکہ انھوں نے ان

چیزوں کو ترک کر کے آخرت کا عذاب اور نقصان مول لیا ہے کہ یہ چیزیں جنت میں داخل ہونے کا سبب اور ذریعہ ہیں۔

درود و سلام کی فضیلت

⑩ وَعَنْ أَبِي ظَلْحَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبُشَيْرِي وَجْهَهُ فَقَالَ إِنَّهُ جَاءَنِي جَبْرِئِيلُ فَقَالَ إِنَّ رَبَّكَ يَقُولُ أَمَّا بِرُضْنِكَ يَا مُحَمَّدُ أَنْ لَا يَصَلِّيَ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔ (رواہ النسائی والداری)

”اور حضرت ابو ظلمہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رحمت عالم ﷺ (صحابہؓ کے پاس) تشریف لائے اور اس وقت آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر بشارت کھیل رہی تھی، آپ ﷺ نے (صحابہؓ کے دریافت کرنے کے بعد یاد ریافت کرنے سے پہلے ہی) فرمایا۔ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے تھے، وہ کہتے تھے کہ پروردگار فرماتا ہے، کہ اے محمد ﷺ! کیا آپ (ﷺ) اس بات سے راضی نہیں ہیں کہ آپ (ﷺ) کی اُمت میں سے جو کوئی آپ ﷺ پر درود بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کروں گا اور آپ (ﷺ) کی اُمت میں سے جو کوئی آپ ﷺ پر سلام بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔“ (نسائی، دارمی)

تشریح: آنحضرت ﷺ چونکہ اپنی اُمت کے حق میں انتہائی مشفق و مہربان تھے اور اُمت کے لئے خیر کی طلب آپ ﷺ کی انتہائی غرض و خواہش تھی اس لئے جب آپ ﷺ کو حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ یہ عظیم بشارت دی گئی تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی و مسرت سے کھل اٹھا اور آپ ﷺ نے یہ عظیم بشارت صحابہؓ اور ان کے واسطے سے پوری اُمت تک پہنچادی۔

درود و سلام بھیجنے کی کوئی مقررہ حد نہیں ہے

⑪ وَعَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِي فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرَّبْعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ التَّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ فَالْثَلَاثِينَ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا قَالَ إِذَا تَكْفَى هَمَّكَ وَيُكَفِّرُ لَكَ ذَنْبَكَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابی ابن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں (یعنی کثرت سے درود بھیجنا چاہتا ہوں اب آپ ﷺ بتلا دیجئے کہ) اپنے لئے دعا کے واسطے جو وقت میں نے مقرر کیا ہے اس میں سے کتنا وقت آپ پر درود بھیجنے کے لئے مخصوص کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس قدر تمہارا جی چاہے!“ میں نے عرض کیا ”کیا چوتھا؟“ (وقت مقرر کروں؟) فرمایا ”جتنا تمہارا جی چاہے اور اگر زیادہ مقرر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے“ میں نے عرض کیا ”تو پھر دو تہائی مقرر کروں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس قدر تمہارا جی چاہے اور اگر زیادہ مقرر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے“ میں نے عرض کیا ”اچھا تو پھر میں اپنی دعا کا سارا وقت ہی آپ ﷺ کے درود کے واسطے مقرر کئے دیتا ہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ تمہیں کفایت کرے گا، تمہارے دین و دنیا کے مقاصد کو پورا کرے گا اور تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔“ (ترمذی)

تشریح: اجعل لك من صلواتي میں لفظ ”صلوة“ سے مراد دعا ہے۔ حضرت ابن کعبؓ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میری خواہش ہے کہ آپ ﷺ پر بہت زیادہ درود بھیجوں۔ چونکہ میں نے اپنے اوقات میں سے ایک خاص وقت کو اس لئے مقرر کر رکھا ہے کہ میں اس وقت اپنے نفس کے لئے دعا کیا کرتا ہوں، اب میں چاہتا ہوں کہ اسی وقت میں آپ ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجا کروں لہذا آپ ﷺ ہی مقرر فرمادیجئے کہ اس وقت کا کتنا حصہ میں درود بھیجنے میں صرف کروں؟

آنحضرت ﷺ نے ان کی اس درخواست پر درود بھیجنے کے لئے اس وقت کا کوئی حصہ مقرر نہیں فرمایا بلکہ اسے ان کے اختیار پر چھوڑ

دیا اور فرمادیا کہ تم تو خود ہی جانتے ہو کہ درود بھیجنے کی کتنی فضیلت ہے اور اس کے کیا فضائل و برکات ہیں اس مقدس کام کے لئے تہہ ناز سے عبادت جتنا وقت چاہے مقرر کر لو، تاہم یہ سمجھ لو کہ تم اس کام کے لئے جتنا زیادہ سے زیادہ وقت دو گے اسی قدر تمہارے حق میں بہتر ہوتا۔ چنانچہ جب انھوں نے اپنے اس پورے وقت کو درود بھیجنے پر صرف کرنے کا اظہار کیا تو آنحضرت ﷺ نے اظہار اطمینان و خوشنودی فرمایا اور فرمایا کہ تم نے ایک مستقل وقت کو اس مقدس عمل کے لئے متعین کر کے در حقیقت دنیا اور آخرت کی بھلائی اور مقاصد کو حاصل کر لیا ہے کیونکہ جب بندہ اپنی طلب اور رغبت کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور محبوب چیز میں خرچ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو اپنی خواہشات اور اپنے مطالب پر قدم رکھتا ہے تو خداوند اقدس اس کے تمام امور و مہمات میں اس کا مددگار و حامی ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے تمام دنیوی و دینی مقاصد پورے ہو جاتے ہیں مَنْ كَانَ لِلَّهِ كَانَ لِلَّهِ یعنی جو اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف کی یہ برکت و فضیلت ہے کہ جو شخص اس کا درود رکھے اور اسے اپنی زندگی کا ایک ضروری جزء بنالے تو اس کے لئے دین و دنیا دونوں جگہ آسانیاں اور سہولتیں فراہم ہو جاتی ہیں اور اس کے تمام مقاصد خیر پورے ہو جاتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ”جب میرے شیخ بزرگوار حضرت عبدالوہاب مہدیؒ نے مجھے مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے رخصت فرمایا تو یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ جاؤ اور یاد رکھو کہ اس راہ میں اداء فرض کے بعد کوئی عبادت آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کا مماثل نہیں ہے لہذا (ادائے فرض کے بعد) تم اپنے اوقات کو اسی مقدس مشغلہ میں صرف کرنا اور کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہونا“

حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ”اس کے لئے کوئی عدد مقرر فرمادیا جائے (کہ میں اتنی تعداد میں درود پڑھ لیا کروں)“ شیخ عبدالوہابؒ نے فرمایا ”اس سلسلہ میں کسی عدد کا تعین کرنا شرط نہیں ہے بلکہ درود شریف اتنی کثرت کے ساتھ پڑھنا کہ اس کے ساتھ رطب اللسان ہو جاؤ اور اسی کے رنگ میں رنگیں ہو جاؤ اور اسی میں مستغرق ہو جاؤ“

حصن حصین کے مصنف علام نے مفتاح میں لکھا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کے بے شمار فوائد ہیں، اور دنیا اور آخرت میں اس کے لئے بے انتہا ثمرات مرتب ہوتے ہیں خصوصاً نیک و پریشانی، کسی خاص ہم، فکرات اور مطلب برآری کے سلسلہ میں اس کا بارہا تجربہ ہوا ہے چنانچہ خود میرا تجربہ ہے کہ میں اکثر خوف و ہلاکت کی جگہ گھر گیا اور مجھے وہاں سے اگر نجات ملی تو آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کے صدقہ میں۔

درود کے بعد مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے

⑫ وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدًا إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى فَقَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَلْتُ أَيُّهَا الْمُصَلِّي إِذَا صَلَّيْتَ فَقَعْدْتَ فَاحْمَدِ اللَّهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ وَصَلِّ عَلَى نَمِ اذْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلِّ رَجُلٌ آخَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا الْمُصَلِّي اذْعُ تُحِبُّ - (رواہ الترمذی درودی البوداؤد والنسائی نحوہ)

”اور حضرت فضالہ ابن عبیدؒ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) جبکہ رحمت عالم ﷺ میٹھے ہوتے تھے اچانک ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی اور پھر یہ دعا مانگی۔ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے تم نے (دعا کی ترکیب ترک کر کے) جلدی کی“ اور پھر فرمایا کہ (جب تم نماز پڑھو تو نماز کے بعد دعا کے لئے بیٹھو اور خدا کی تعریف کہ جس تعریف کے وہ لائق ہے بیان کرو اور مجھ پر درود بھیجو، پھر تم جو چاہو خدا سے مانگو) گویا آپ ﷺ نے اسے دعا کے یہ آداب

و طریقے سمجھئے، حضرت فضالہؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے نماز پڑھی (آخر میں) اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بھی بیان کی اور آنحضرت ﷺ پر درود بھی بھیجا (مگر اس نے دعا نہیں مانگی) آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”اے نماز پڑھنے والے، دعا بھی مانگو قبول کی جائے گی۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنْتُ أَصَلِّي وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاضِرًا وَأَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ مَعَهُ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالنَّسَاءِ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى ثُمَّ الصَّلَاةَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَهُ سَلْ تُعْطَهُ۔ (رواه الترمذی)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں نماز پڑھ رہا تھا رحمت عالم ﷺ (بھی وہیں) تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے پاس حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ بھی حاضر تھے، چنانچہ (نماز کے بعد) جب میں بیٹھا تو اللہ جل شانہ، کی تعریف بیان کرنا شروع کی اور پھر آنحضرت ﷺ پر درود بھیجا، اس کے بعد میں اپنے (دینی و دنیاوی مقاصد کے) لئے مانگنے لگا (یہ دیکھ کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”مانگو! دیئے جاؤ گے، مانگو دیئے جاؤ گے“ (یعنی دعا مانگو ضرور قبول ہوگی)۔“ (ترمذی)

الفصل الثالث

امی کی تحقیق

(۱۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُكْتَمَلَ بِالْمَكِيلِ الْأَوْفَى إِذَا صَلَّى عَلَيْنَا أَهْلَ الْبَيْتِ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَأَزْوَاجِهِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔ (رواه ابوداؤد)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کو یہ پسند ہو (یعنی اس کی خواہش ہو) کہ اسے بھرپور (اور زیادہ سے زیادہ) ثواب ملے تو اسے چاہئے کہ ہم اہل بیت پر اس طرح درود بھیجے اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَأَزْوَاجِهِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اے بار خدایا! محمد ﷺ پر جو نبی امی ہیں، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر جو سب مومنوں کی مائیں ہیں اور آپ ﷺ کی اولاد و اہل بیت پر رحمت نازل فرما جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: سرکارِ دو عالم ﷺ کے جہاں اور بہت سے اسماء ہیں کہ جو آپ ﷺ کی مختلف خصوصیات و صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ وہیں آپ ﷺ کا ایک خاص اور عظیم لقب امی بھی ہے، آپ ﷺ کا یہ لقب توریت و انجیل اور آسمان سے اتری ہوئی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔

”امی“ لغت میں اس شخص کو کہتے ہیں جو نہ تو لکھنا جانتا ہو اور نہ لکھے ہوئے کو پڑھنا جانتا ہو اور نہ کبھی مکتب و مدرسہ گیا ہو اور نہ کسی سے تعلیم حاصل کی ہو اور چونکہ امی منسوب ہے ام یعنی ماں کی طرف لہذا اس مناسبت سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچہ کی طرح ہے اسے کسی نے نہ لکھنے کی تعلیم دی ہے اور نہ پڑھنے کی۔

چنانچہ جب آنحضرت ﷺ اس دنیا میں آخری نبی کی حیثیت سے مبعوث فرمائے گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کسی استاد، کسی مکتب اور کسی معلم کا محتاج نہیں رکھا بلکہ خود آپ ﷺ کو دین و دنیا کے تمام علوم سے پوری طرح مکمل کر کے اس دنیا میں بھیجا چنانچہ اس دنیا میں نہ تو آپ ﷺ نے کسی مکتب میں قدم رکھا اور نہ کسی استاد کی شاگردی کی بلکہ بظاہر نہ تو آپ ﷺ لکھتے تھے اور نہ لکھے ہوئے کو

پڑھتے تھے اس وجہ سے آپ ﷺ کو امی کہا گیا ۔

نگار من کہ بہ کتب نہ رفت و خط نہ نوشت
تیمی کہ ناکرہ قرآن درست
بہ تعلیم و ادب اور اچہ نسبت
بغزہ مسئلہ آموز صد مدس شد
کتب خانہ چند ملت بشت
کہ خود ز آغاز او آمد مودب

بعض حضرات کہتے ہیں کہ امی دراصل ام القریٰ یعنی مکہ کی طرف منسوب ہے جو تمام زمین کی اصل ہے۔

درود نہ بھیجنے والا بخیل ہے

⑤ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَخِيلُ الَّذِي مَنْ ذُكِرَتْ عَنْدهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَى رِوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنِ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا (یعنی میرا نام لیا گیا) اور اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا (ترمذی)“ اس حدیث کو امام احمدؒ نے حسین ابن علیؒ سے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث سن صحیح غریب ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایک بخیل تو مال کا ہوتا ہے کہ وہ مال کی خواہش کی وجہ سے اپنی جبلت طبعی کے تقاضہ پر بخل کرتا ہے کہ کسی کو اپنا مال نہیں دیتا مگر بڑا بخیل وہ شخص ہے جو اپنی طبعی کسل و غفلت اور سستی کے غلط تقاضہ کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے نام پر اپنی زبان اور اپنے دل سے درود کا ایک کلمہ نہیں نکالتا اور اس طرح وہ اداء حق اور شکر نعمت کا لحاظ بھی نہیں کرتا حالانکہ آنحضرت ﷺ کا اُمت پر وہ احسان و انعام ہے کہ اگر امت کے لوگ آپ ﷺ کے نام پر اپنی جانیں بھی قربان کر دیں تو کم ہے چہ جائیکہ مجلس میں آپ ﷺ کا مبارک ذکر ہو اور آپ ﷺ کا نام لیا جائے اور اس شخص کی زبان سے اور اس سے دل سے درود کے چند الفاظ بھی نہ نکلیں؟

مرجا اے بیک مشتاقان پیغام دوست
تا کنم جال از سر رغبت فرائے نام دوست

درود آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچتے ہیں

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَىَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَىَّ نَائِيًا أَلْبَغْتُهُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص میری قبر کے پاس ”کھڑا ہو کر“ مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر بھیجتا ہے وہ میرے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔“ (بیہقی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو میری قبر کی زیارت کی سعادت میسر آتی ہے اور وہ وہاں حاضر ہو کر سلام بھیجتا ہے تو میں بغیر کسی واسطہ کے اس کے سلام کو سنتا ہوں اور جس کو یہ سعادت میسر نہیں آتی بلکہ وہ جہاں کہیں سے بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اس کا سلام ملائکہ سیاحین میرے پاس پہنچا دیتے ہیں اور سلام کا جواب میں دونوں صورتوں میں دیتا ہوں۔

اس حدیث سے اندازہ لگانا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ پر سلام بھیجنے کی فضیلت و سعادت ہے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ سلام بھیجنے والے کو اور خاص طور پر اس شخص کو جو برابر اور کثرت سے آپ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے کیا شرف و مرتبہ حاصل ہے؟ اگر کسی کے ایک سلام کا جواب بھی بارگاہ نبوت سے حاصل ہو جائے تو بہت بڑی سعادت ہے چہ جائیکہ برابر اور ہر سلام کا جواب ملتا ہے۔

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آن لب کہ صد سلام بس یکے جواب از تو

درود کی فضیلت

(۱۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَنْ صَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَلَأَ بَكْتُهُ سَبْعِينَ صَلَاةً - (رواہ احمد)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ”جو شخص رحمت عالم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اس پر اللہ اور اس کے فرشتے ستر مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔“ (احمد)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ درود بھیجنے کا یہ ثواب جمعہ کے دن سے متعلق ہے اس لئے کہ یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے روز اعمال کا ثواب ستر گنا زیادہ ملتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حج اکبر (جو جمعہ کو ہوتا ہے) شریعت کے برابر ہوتا ہے۔ اگر یہ حدیث موقوف ہے یعنی حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کا قول ہے لیکن پھر بھی مرفوع (آنحضرت ﷺ) کا ارشاد کے حکم میں ہے کیونکہ کوئی بھی صحابی اعمال کا ثواب از خود بیان نہیں کر سکتا جب تک وہ اسے آنحضرت ﷺ سے سن نہ لے اس لئے یقینی بات ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے یہ مضمون آنحضرت ﷺ سے سنا ہوگا۔

(۱۸) وَعَنْ زُوَيْفِعٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَقَالَ اللَّهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي - (رواہ احمد)

”اور حضرت زوفیؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص محمد ﷺ پر درود بھیجے اور (درود بھیجنے کے بعد یہ بھی) کہے اللَّهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اے پروردگار! محمد ﷺ کو اس مقام پر جگہ دے جو تیرے نزدیک مقرب ہے قیامت کے دن تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔“ (احمد)

تشریح: ”مقام مقرب“ سے مراد مقام محمود ہے جہاں قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کھڑے ہو کر اللہ جل شانہ کی ثناء و تعریف بیان فرمائیں گے اور بندوں کے حق میں شفاعت کریں گے۔

یوں تو آنحضرت ﷺ کی شفاعت تمام مسلمانوں کے لئے ثابت ہے کہ آپ ﷺ ہر امتی کے لئے شفاعت فرمائیں گے یہ نہیں ہوگا کہ کسی امتی کے لئے شفاعت فرمائیں اور کسی کے لئے نہیں پھر بھی اس شخص کو جو درود کے بعد مذکورہ دعا پڑھتا ہے ایک خاص درجہ حاصل ہوگا کہ اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی شفاعت واجب ہوگی۔ یا اس کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس ارشاد سے درحقیقت ایسے شخص کے خاتمہ بالخیر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ شخص حسن خاتمہ کی دولت سے نوازا جائے گا۔

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ حَتَّى خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ تَعَالَى قَدْ تَوَفَّاهُ قَالَ فَجِئْتُ أَنْظُرُ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ مَالِكَ فَذَكَرْتُ لَهُ ذَلِكَ قَالَ فَقَالَ إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِي أَلَا أَبَشِّرُكَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ لَكَ مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ صَلَاةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ - (رواہ احمد)

”اور حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رحمت عالم ﷺ (مسجد سے یا مکان سے) نکل کر بھجوروں کے ایک باغ میں داخل ہو گئے اور وہاں (بارگاہ خداوندی میں) سجدہ ریز ہو گئے اور سجدہ میں آپ ﷺ نے اتنا طول کیا کہ میں ڈرا کہ (خدا نخواستہ) کہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات تو نہیں دے دی، چنانچہ میں آپ ﷺ کو دیکھنے کے لئے آیا کہ آیا آپ ﷺ زندہ ہیں یا داصل جی ہو چکے ہیں، آپ ﷺ نے (میری آہستہ پا کر) اپنا سر مبارک (زمین سے) اٹھایا اور فرمایا کہ ”کیا ہوا.....؟“ (یعنی ایسی کیا بات پیش آئی جو تم پر

اس قدر گہرا ہٹ اور غم کی علامت طاری ہے) تب میں نے صورت حال ذکر کی (کہ نصیب دشمنان میں تو آپ ﷺ کی طرف سے ذریعہ گہرا ہٹ (تھا) راوی کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا ہے کہ کیا آپ ﷺ کو یہ خوش خبری نہ سناؤں کہ اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ جو شخص آپ ﷺ پر درود بھیجے میں اس پر رحمت بھیجوں گا اور جو شخص آپ ﷺ پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجوں گا۔“ (احمد)

تشریح: امام احمدؒ نے اپنی دوسری روایات میں آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور سجدہ شکر کے سلسلہ میں اس سے زیادہ صحیح حدیث میری نظر میں نہیں ہے اور یہ روایت متعدد طریق سے مروی ہے۔

قبولیت دعا درود پر موقوف ہوتی ہے

(۲۰) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت امیر المومنین حضرت عمر ابن خطابؓ فرماتے ہیں کہ ”دعا اس وقت تک آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہے اور اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی جب تک کہ تم اپنے نبی پر درود نہ بھیجو“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دعا کی قبولیت درود پر موقوف ہے کیونکہ درود خود مقبول ہے اس لئے اس کے توسط اور وسیلہ سے دعا بھی مقبول ہوتی ہے۔

مور مسکین ہو سے داشت کہ در کعبہ رسد دست در پائے کبوتر زوہ ناگاہ رسید

حصن حصین میں مقبول ہے کہ حضرت شیخ ابوسلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”جب تم اللہ کے سامنے اپنی کسی حاجت کی تکمیل کے لئے دست دعا دراز کرو تو ابتداءً آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے سے کرو اس کے بعد تم جو کچھ چاہتے ہو اس کے لئے دعا مانگو اور دعا کو درود پر ختم کرو (یعنی دعا سے پہلے بھی آنحضرت ﷺ پر درود بھیجو اور دعا کے بعد بھی) کیونکہ اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے دونوں درودوں کو قبول کرتا ہے اور وہ اس چیز سے بزرگ و برتر ہے کہ اس دعا کو چھوڑ دے جو ان دونوں درودوں کے درمیان ہے (یعنی اللہ کے رحم و کرم سے یہ بات بعید ہے کہ وہ دونوں درودوں کو تو قبول کرے ان کے درمیان مانگی جانے والی دعا کو قبول نہ کرے)

علامہ طبریؒ اس حدیث کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ ”یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خود حضرت عمرؓ کا ارشاد گرامی ہو اس شکل میں یہ حدیث موقوف ہوگی اور یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہو اس صورت میں یہ حدیث مرفوع ہوگی اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے یعنی حضرت عمرؓ کا ہی ارشاد ہے۔

لیکن محققین علماء حدیث فرماتے ہیں کہ ”اس قسم کی بات کوئی راوی اپنی طرف سے کہہ نہیں سکتا (جیسا کہ اسی باب کی حدیث نمبر ۷ کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے) اس لئے یہ حدیث روایتاً تو موقوف ہی ہے لیکن حکماً مرفوع ہے۔“

بَابُ الدُّعَاءِ فِي التَّشَهُّدِ

تشہد میں دعا پڑھنے کا بیان

آخری قعدہ میں التہیات اور درود کے بعد دعا مانگنا سنت ہے، فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نمازی التہیات اور درود پڑھنے کے بعد اپنی خواہش و پسند کے مطابق دعا مانگے لیکن دعا عام لوگوں کے کلام کے مشابہ نہ ہو جیسے کہ کوئی دعا مانگنے لگے ”یا اللہ! مجھے روٹی دے مجھے

کپڑا دے وغیرہ وغیرہ“ اس قسم کی دعا مانگنی ذرا مناسب نہیں ہے۔

ابھی باب التَّشْهَد میں بھی آپ نے وہ حدیث پڑھی! جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے اس میں بھی یہ الفاظ منقول ہیں کہ انہیں آنحضرت ﷺ نے التحیات کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”پھر ان دعاؤں کو اختیار کرو جو تمہیں پسند ہوں۔“ اور چونکہ تشہد میں آنحضرت ﷺ سے خاص دعائیں منقول ہیں کہ آپ تشہد میں وہ دعائیں پڑھا کرتے تھے۔ لہذا ”پسندیدہ“ سے مراد آنحضرت ﷺ سے وہی منقول دعائیں ہو سکتی ہیں۔

بہر حال۔ حاصل یہ ہے کہ تشہد میں انہیں دعاؤں کو پڑھنا جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں زیادہ اولیٰ اور افضل ہے کیونکہ وہ دعائیں دنیا اور آخرت دونوں کے مقاصد کو جامع ہیں چنانچہ اس باب کے تحت وہ دعائیں نقل کی جائیں گی جنہیں آنحضرت ﷺ تشہد میں پڑھا کرتے تھے یا جن کی تعلیم آپ ﷺ دوسرے لوگوں کو فرمایا کرتے تھے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

تشہد میں آنحضرت کی دعا

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْغُوفِي الصَّلَاةَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثِمِ وَالْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ مَا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِينُ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ۔ (متفق علیہ)

”ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز میں (تشہد کے بعد) یہ دعا مانگتے تھے: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثِمِ وَالْمَغْرَمِ اے اللہ میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور کانے دجال کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور زندگی کے فتنوں اور موت کے فتنوں سے تیری پناہ کا مطلب گار ہوں اے پروردگار! میں تجھ سے گناہوں سے اور قرض سے پناہ چاہتا ہوں۔

(راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی یہ دعا سن کر کسی کہنے والے نے کہا کہ ”آپ ﷺ کا قرض سے پناہ مانگنا بڑے تعجب کی بات ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب آدمی قرضدار ہوتا ہے تو باتیں بناتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: دجال آخر زمانہ میں قیامت کے قریب پیدا ہوگا جو خدائی کا دعویٰ کرے گا اور لوگوں کو اپنے مکرو فریب اور شعبدہ بازیوں سے گمراہ کرے گا۔ اس کا مفصل ذکر انشاء اللہ مشکوٰۃ کے آخری ابواب میں آئے گا۔

دجال کو مسیح کیوں کہتے ہیں: دجال کو مسیح اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی ایک آنکھ ملی ہوئی ہوگی یعنی وہ کانٹا ہوگا یا کہ وہ چونکہ مسح ہوگا اسلئے اس مناسبت سے اسے مسیح کہا جاتا ہے۔ مسح کا مطلب ہے ”تمام بھلائیوں، نیکیوں اور خیر و برکت کی باتوں سے بالکل بعید، نا آشنا اور ایسا کہ جیسے اس پر کبھی ان چیزوں کا سایہ بھی نہ پڑا ہوگا۔“ اور ظاہر ہے کہ اتنی بری خصلتوں کا حامل دجال کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔؟

حضرت عیسیٰ کو مسیح کہنے کی وجہ: اسی کے ساتھ حضرت عیسیٰ ﷺ کا لقب بھی ”مسیح“ ہے جس کی اصل مسیح ہے اور مسیح عبرانی زبان میں ”مبارک“ کو کہتے ہیں یا یہ کہ مسیح کے معنی ہیں ”بہت سیر کرنے والا“ چونکہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ ﷺ اس دنیا میں آسمان سے اتارے جائیں گے اور دنیا سے گمراہی و ضلالت اور برائیوں کی جڑ اکھاڑنے اور پھر تمام عالم پر خدا کے خلیفہ کی حیثیت سے حکمرانی

کرنے پر مامور فرمائے جائیں گے اور اس سلسلے میں آپ ﷺ کو امور مملکت کی دیکھ بھال کرنے اور خدا کے دین کو عالم میں پھیلانے اور کانے دجال کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے تقریباً پوری دنیا میں پھرنا پڑے گا۔ اس لئے اس مناسبت سے مسیح آپ ﷺ کا لقب قرار پایا ہے۔

بہر حال لفظ مسیح کا اطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال ملعون دونوں پر ہوتا ہے اور دونوں کے درمیان امتیازی فرق یہ ہے کہ جب صرف ”مسیح“ لکھا اور بولا جاتا ہے تو اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی مراد لی جاتی ہے اور جب دجال ملعون مراد ہوتا ہے تو لفظ مسیح کو دجال کے ساتھ قید کر دیتے ہیں یعنی ”مسیح دجال“ لکھتے اور بولتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اس دعا میں چھ چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے ① عذاب قبر۔ ② قنند دجال ③ قنند زندگی۔ ④ قنند موت ⑤ گناہ ⑥ قرض۔ یہ چھ چیزیں اپنی ہیبت و ہلاکت اور دینی و دنیاوی خسران و نقصان کے باعث بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ان چیزوں سے اگر خداوند تعالیٰ نے نجات دی اور اپنا فضل و کرم فرمادیا تو دینی و دنیاوی دونوں زندگیاں کامیابی و کامرانی سے اور رحمت و سعادت کی ہم آغوش ہوگی اور اگر خدا نخواستہ کہیں کسی بد نصیب ان میں سے کسی ایک سے بھی پالا پڑ گیا تو جانے کہ اس کی دنیا بھی تباہ و برباد ہو جائے گی اور آخرت کی تمام سہولتیں و آسانیاں اور وہاں کی رحمتیں و سعادتیں بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیں گی اور وہ عذاب خداوندی کا مستحق ہو گا اسی لئے آنحضرت ﷺ نے خود ان چیزوں سے پناہ مانگ کر امت کے لئے تعلیم کا دروازہ کھولا ہے کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے پروڈگار سے ان سخت و ہیبت ناک چیزوں سے پناہ مانگتا رہے تاکہ پروڈگار اس کو ان سے محفوظ و مومن رکھے۔

عذاب قبر اور قنند دجال یہ تو بالکل ظاہر ہیں ان کی کسی تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں ہے البتہ ”قنند زندگی“ یہ ہے کہ صبر و رضا کے فقدان کی وجہ سے زندگی کی مصیبتوں اور بلاؤں میں گرفتار ہو اور نفس ان چیزوں میں مشغول و متفرق ہو جائے جو راہ ہدایت اور راہ حق سے ہٹا دیتی ہوں اور زندگی کو گمراہیوں و ضلالتوں کی کھائی میں پھینک دیتی ہوں۔

”قنند موت“ کا مطلب یہ ہے کہ ”شیطان لعین حالت نزع میں اپنے مکرو فریب کا جال پھینکنے اور مرنے والے کے دل میں وسوساں و شبہات کے بیج بکرا کر اس کے آخری لمحوں کو جس پر دائمی نجات و عذاب کا دار و مدار ہے برائی و گمراہی کی بھیئت چڑا دے تاکہ اس دنیا سے رخصت ہونے والا نعوذ باللہ ایمان و یقین کے ساتھ نہیں بلکہ کفر و تشکیک کے ساتھ فوت ہو جائے (العیاذ باللہ) اسی طرح منکر نکیر کے سوالات کی سختی، عذاب قبر کی شدت اور عذاب عقبیٰ میں گرفتاری بھی موت کے قنند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے ہر مسلمان کو محفوظ و مامون رکھے۔ آمین“

لفظ ”ثم“ یا تو مصدر ہے یعنی گناہ کرنا، یا اس سے مراد وہ چیز ہے جو گناہ کا باعث ہے۔

بہر حال اس کا مطلب یہ ہے کہ ان گناہوں سے خدا کی پناہ، جس کے نتیجہ میں بندہ عذاب آخرت اور خدا کی ناراضگی مول لیتا ہے۔ یا ان چیزوں سے خدا کی پناہ جو گناہ صادر ہونے کا ذریعہ ہیں، یا جن کو اختیار کر کے بندہ راہ راست سے ہٹ جاتا ہے اور ضلالت و گمراہی کی راہ پر پڑ جاتا ہے۔

قرض سے پناہ مانگنے کی وجہ: قرض سے پناہ مانگنے پر ایک صحابی کو تعجب ہوا کہ قرض میں ایسی کوئی برائی ہے جس سے پناہ مانگی جا رہی ہے بلکہ اس سے تو بہت سے ضرورت مندوں کے کام پورے ہوتے ہیں اور دنیاوی حالات میں اس سے بڑی حد تک مدد ملتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی قباحت اور برائی کی جس کی بنیادی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے وہ یقیناً ایسی ہی ہے کہ اس سے پناہ مانگی جانی چاہئے۔ اول تو دنیاوی اعتبار سے بھی کسی کا قرض دار ہونا کوئی اچھی بات نہیں ہے پھر دین و آخرت کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کی وجہ سے ایسی چیزوں کا ارتکاب ہوتا ہے جو شریعت کی نظر میں نہ صرف یہ کہ معیوب بلکہ عذاب آخرت کا سبب بنتی ہیں۔ مثلاً جب کوئی شخص کسی سے قرض مانگنے جاتا ہے تو پہلا مرحلہ یہی ہوتا ہے جب وہ گنہ گار ہوتا ہے کیونکہ بے اوقات قرض مانگنے والا سیکڑوں پہانے تراشتا ہے،

سیکڑوں غلط باتیں بناتا ہے اور مقصد بر آری کے لئے بڑے سے بڑا جھوٹ بولنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ قرض کی ادائیگی کا آتا ہے کہ قرض دار قرض لیتے وقت ایک وقت و عرصہ متعین کرتا ہے جس میں وہ قرض کی ادائیگی کا وعدہ کرتا ہے مگر تجربہ شاہد ہے کہ کوئی ایک آدھ ہی قرضدار ایسا ہوگا جو وقت معینہ پر ادائیگی کر دیتا ہو گا ورنہ اکثر و بیشتر وعدہ خلافی کرتے ہیں اس موقع پر بھی نہ صرف یہ کہ وعدہ خلافی ہوتی ہے بلکہ عدم ادائیگی کے عذر میں ہر طرح کا جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ اس طرح قرضدار وعدہ خلافی اور جھوٹ کا ارتکاب کر کے گناہ گار ہوتا ہے۔ پھر عدم ادائیگی کا یہ عذر ایک دو مرتبہ ہی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جو بہت دنوں تک چلتا رہتا ہے اس طرح قرضدار مسلسل جھوٹ پر جھوٹ بولتا ہے، ہر مرتبہ وعدہ خلافیاں کرتا ہے اور اس طرح وہ گناہوں کی پوٹ اپنے اوپر لا داتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں عذاب خداوندی اور مواخذہ آخرت کا سبب ہیں اس لئے ایسی غلط چیز سے پناہ مانگی گئی ہے۔

نماز میں کن چیزوں سے پناہ مانگنی چاہئے

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْآخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْ أَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ روای ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص (نماز میں) آخری تشہد (یعنی التحيات) سے فارغ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کا طلب گار ہو۔ ① عذاب دوزخ، ② عذاب قبر، ③ فتنہ زندگی و موت۔ ④ مسیح دجال کی برائی۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ تعدہ آخر میں تشہد سے فراغت کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ -

”اے اللہ! میں دوزخ کے عذاب، قبر کے عذاب، زندگی اور موت کے فتنوں، اور مسیح دجال کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“

③ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْلَمُهُمْ هَذَا الدُّعَاءَ كَمَا يَعْلَمُهُمُ السُّورَةُ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ قُولُوا اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ روای ہیں کہ رحمت عالم ﷺ ہم صحابہؓ اور اہل بیت کو یہ دعا اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح آپ ﷺ ہمیں قرآن کی کوئی سورہ سکھایا کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ (کہ دعا اس طرح پڑھو اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ اے اللہ! میں عذاب جہنم سے تیری پناہ مانگتا ہوں، عذاب قبر سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں، مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی و موت کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔“ (مسلم)

تشہد و درود کے بعد کی دعا

④ وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ عَلَّمَنِي دُعَاءَ أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي قَالَ قُلْ اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاعْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْعَفُورُ الرَّحِيمُ - (مشفق علیہ)

”اور امیر المؤمنین حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ سے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا بتائیے کہ جسے میں اپنی نماز میں (تشہد و درود کے بعد) پڑھ لیا کروں“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ پڑھ لیا کرو: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاعْفِرْ لِنِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَاَرْحَمِنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَفُوْرُ الرَّحِیْمُ اے پروردگار! بیشک میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے علاوہ کوئی دوسرا گناہوں کو نہیں بخش سکتا لہذا تو مجھے بخش دے خاص طور سے بخشا، اور مجھ پر رحم فرما، بیشک تو بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس روایت میں لفظ کثیر اثناء مثلاً کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور مسلمؒ کی بعض روایات میں باء موحده کے ساتھ یعنی کثیر اذکر کیا گیا ہے لہذا اس دعا کو دونوں الفاظ کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے یعنی کسی بھی کثیر ا پڑھا جائے اور کبھی کبھی ا پڑھ لیا ہے۔

سلام پھیرنے کا بیان

⑤ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنْتُ أَرَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتَّى أَرَى بَيَاضَ خَدَيْهِ - (رواه مسلم)

”اور حضرت عامر ابن سعد (تابعیؒ) اپنے والد مکرم (حضرت سعد ابن وقاصؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی حضرت سعدؓ نے) فرمایا کہ میں دیکھتا تھا کہ رحمت عالم ﷺ اپنے دائیں اور بائیں (اس طرح) سلام پھیرتے تھے کہ میں آپ کے رخساروں کی پیدی دیکھ لیتا تھا۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے وقت اپنا چہرہ مبارک اتنا پھیرتے تھے کہ آپ ﷺ کا منور رخسار نظر آنے لگتا تھا۔

قربان جائے حضرت سعدؓ کی اس سعادت پر کہ ان کو نماز میں رحمت عالم سرور کائنات ﷺ کا پہلوئے مبارک نصیب ہوتا تھا۔
کاش کے اندر غلام جاشود پہلوئے تو تابہ تقریب سلام افتد نظر بروئے تو

نماز کے بعد امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے

⑥ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بَوَّجْهٍ -

(رواه البخاری)

”اور حضرت سرہ امین جندبؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے تھے تو ہماری طرح اپنا مبارک منہ متوجہ کر کے بیٹھتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب جماعت ختم ہو جاتی اور آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو لیتے تھے تو اپنا روئے اقدس مقتدیوں کی طرف متوجہ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔

⑦ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهِ - (رواه مسلم)

اے آپ کا نام عبد اللہ اور کنیت ابوبکر ہے لقب آپ کا صدیق و متقی ہے۔ بعض محققین کے مطابق آپ کا اصل نام عبد الکعبہ تھا پھر آپ نے ان کا نام عبد اللہ رکھا۔ آپ کے والد عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھی۔ سب مسلمان مردوں میں آپ پہلے ایمان لائے اور ہجرت میں یار غار تھے حضورؐ کے وصال کے بعد آپ کو خلیفہ بنایا گیا ۱۳ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور روضہ اطہر میں مدفون ہوئے۔

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد (کبھی) اپنی دائیں طرف پھیر کے بیٹھتے تھے۔“ (مسلم)

⑧ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِهِ يَرَى أَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ لَا يَنْصَرِفَ إِلَّا عَنْ يَمِينِهِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيرًا كَثِيرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے (یعنی) اس چیز کو لازم جانے کہ (نماز کے بعد) دائیں جانب ہی سے پھرے، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ رحمت عالم ﷺ اکثر بائیں جانب سے پھرا کرتے تھے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد کبھی تو دائیں جانب سے پھرتے تھے اور بائیں طرف بیٹھتے تھے، اور بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ آپ ﷺ سلام پھیر کر دعا مانگتے اور اپنے حجرہ شریف کی جانب جو بائیں طرف تھا تشریف لے جاتے تو کبھی اس کے برعکس کرتے تھے بائیں طرف سے پھر کر دائیں طرف بیٹھ جاتے تھے۔

پہلے طریقہ کو عزیمت یعنی اولیت پر حمل کیا گیا ہے کیونکہ اس میں دائیں طرف سے ابتداء ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ کا فعل اکثر اسی طرح ہوتا تھا، لیکن حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دوسری صورت یعنی بائیں طرف سے پھرنا اگرچہ رخصت یعنی جائز ہے اور اس صورت کو کم ہی اختیار بھی کیا جاتا تھا لیکن سنت کو واجب کا درجہ دینا چونکہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے صرف پہلی صورت یعنی دائیں طرف سے پھرنے کو لازم و واجب قرار نہ دیا جائے اور شارع کی جانب سے دی گئی رخصت (یعنی اجازت) کو کہ وہ دوسری صورت ہے ناقابل اختیار نہ جانا جائے اس لئے کہ حدیث شریف میں وارد ہے ”حق تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی جانب سے عنایت کی گئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ عزیمتوں پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے۔“

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ چیز پسندیدہ اور محبوب ہے کہ اس عمل کو اختیار کیا جائے جس میں عزیمت یعنی اولیت ہے، اسی طرح اس کے نزدیک یہ چیز بھی قابل قبول اور پسندیدہ ہے کہ ان اعمال کو بھی اختیار کیا جائے جن کو حق تعالیٰ نے اولیٰ و افضل نہ سہی بہر حال جائز مقرر کر رکھا ہے۔

حضرات شوافعؒ نے ان احادیث سے مصلیٰ کے لئے یہ درمیانی طریقہ اختیار کیا ہے کہ واپسی ضرور و سہولت جس طرف دیکھے، اسی طرف پھرے یعنی اگر اس کا مکان وغیرہ اس کے دائیں جانب ہے تو اسے دائیں طرف پھرنا چاہئے اور اگر بائیں طرف ہو تو اسے بائیں طرف پھرنا چاہئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی منقول ہے کہ ”رحمت عالم ﷺ کبھی مقتدیوں کی طرف بھی منہ کر کے اور پشت قبلہ کی طرف کر کے بیٹھتے تھے“ جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گذرا۔

”نماز میں شیطان کا حصہ“ اس لئے کہا گیا ہے کہ جب کوئی شخص ایک غیر لازم چیز کو اپنے اوپر واجب و لازم ہونے کا اعتقاد کرے گا تو گویا وہ شیطان کا تابع ہو لہذا اس کی نماز کا کمال جاتا رہے گا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ”اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ جس شخص نے کسی امر مستحب کو مستقل طریقہ سے اختیار کئے رکھا اور اسے لازم کا درجہ دے دیا اور رخصت (یعنی جواز) پر عمل نہ کیا تو سمجھو کہ شیطان اسے گمراہ کرنے کے لئے اس کے پاس پہنچ گیا ہے۔“

کاش کہ۔ اہل بدعت اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ انہوں نے امر مستحب کو کجا خلاف شرع چیزوں اور بدعات کو اپنے اوپر لازم و واجب گردان کر اپنے آپ کو ضلالت و گمراہی کی کس وادی میں پھینک رکھا ہے اور اپنے اوپر شیطان کو کتنا مسلط کر رکھا ہے۔

یہ چاروں حدیثیں یعنی حدیث عامرؓ، حدیث ثمرہؓ، حدیث انسؓ اور حدیث عبد اللہؓ اس باب کے موضوع سے متعلق تو نہیں ہیں البتہ اس کے تعلقات سے ہیں۔

نماز کے بعد کی دعا

⑨ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْبَبْنَا أَنْ نَكُونَ عَنْ يَمِينِهِ يُقْبَلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ قَالَ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعُثُ أَوْ تَجْمَعُ عِبَادَكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم رحمت عالم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو اسے پسند کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب ہوں تاکہ آپ ﷺ (سلام کے وقت سب سے پہلے) ہماری طرف متوجہ ہوں، براءؓ کہتے ہیں کہ ”میں نے آنحضرت ﷺ کو (سلام کے بعد دعا کے طور پر) یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعُثُ أَوْ تَجْمَعُ عِبَادَكَ اے پروردگار! مجھے اپنے عذاب سے بچا اس روز جب کہ تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا یا جمع کرے گا۔“ (مسلم)

تشریح: یا تو آپ ﷺ یہ دعا ازراہ تواضع اور انکسار فرماتے ہوں گے یا اس سے آپ ﷺ کا مقصد اُمت کو تعلیم دینا تھا کہ لوگ نماز کے بعد اس دعا کو پڑھا کریں۔

”تبعت“ اور ”تجمع“ میں راوی کو شک واقع ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یا تو ”یوم تبعث“ فرمایا ہے یا ”یوم تجمع“ فرمایا ہے۔ بہر حال اس دعا کو ان دونوں الفاظ کے ساتھ کسی بھی ایک لفظ کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے۔

نماز کے بعد مقتدیوں کا امام سے پہلے اٹھ جانا غیر مستحب ہے

⑩ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ إِنَّ النَّسَاءَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ قُمْنَ وَتَبَتِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلَّى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللَّهُ فَإِذَا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ الرِّجَالُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ کے زمانہ مبارک میں عورتیں (جب مردوں کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھتی تھیں تو، فرض نماز کا سلام پھیر کر فوراً اٹھ جاتی تھیں اور اپنے گھروں کو چلی جاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ اور مردوں میں سے جو لوگ نماز میں شامل ہوتے تھے جتنی دیر اللہ کو منظور ہوتا بیٹھے رہتے تھے، پھر جب آنحضرت ﷺ کھڑے ہوتے تو سب مرد کھڑے ہو جاتے (اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے)۔“ (بخاری)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں جب کہ عورتیں بھی مردوں کے ساتھ ہی آپ ﷺ کے پیچھے نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتیں تھیں اس وقت عورتوں کا یہ دستور ہوتا تھا کہ جو ہی آنحضرت ﷺ سلام پھیر کر فارغ ہوتے وہ اس وجہ سے کہ راستہ میں مردوں سے مدبھرنہ ہو اور ان کے ساتھ راستہ میں چلنا نہ پڑے فوراً اٹھ جاتیں اور اپنے گھروں کو چل دیتیں تھیں۔

نماز کے بعد آنحضرت ﷺ کے بیٹھنے کے بارے میں کوئی دائمی معمول مذکور نہیں کہ آپ تمام نمازوں کے بعد ہمیشہ اتنی دیر تک بیٹھتے تھے بلکہ اسکا انحصار اختلاف اوقات پر ہوتا تھا چنانچہ آپ ﷺ سلام پھیر کر کبھی تو اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ پڑھنے تک بیٹھتے تھے اور کبھی آپ ﷺ اتنا بیٹھتے تھے کہ دعا وغیرہ سے فارغ ہو کر قرآن کریم پڑھتے اور صحابہؓ کو احکام الہی کی تعلیم دیتے اور کبھی آپ ﷺ فجر کی نماز میں مصلیٰ پر طلوع آفتاب تک بیٹھے رہتے تھے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امام کے لئے اس قسم کی ضرورت کے وقت نماز کے بعد مصلیٰ پر کچھ دیر تک بیٹھے رہنا مستحب ہے۔ نیز مقتدیوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ جب تک امام مصلیٰ سے نہ اٹھے وہ بھی نہ اٹھیں۔

وَسَنَدُ كُزَّ حَدِيثَ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ فِي بَابِ الصَّحْحِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

اور جابر ابن سمرہ کی (وہ) حدیث جس میں نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک آنحضرت ﷺ کا بیٹھنا مذکور ہے اور جسے صاحب مصابح نے یہاں نقل کیا تھا، ہم انشاء اللہ باب الضحک میں نقل کریں گے۔

الفصل الثانی

نماز کے بعد کی دعا

⑪ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ أَخَذَ بِيَدِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي لَأُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَأَنَا أُحِبُّكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَلَا تَدْعُ أَنْ تَقُولَ فِي ذِكْرِ كُلِّ صَلَاةٍ رَبِّ اعْنِي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ إِلَّا أَنَّ أَبَادًا أَوْ ذَلِمَ يَذْكُرُ قَالَ مُعَاذٌ وَأَنَا أُحِبُّكَ۔

”حضرت معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رحمت عالم ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا کہ: معاذ! میں تمہیں دوست رکھتا ہوں۔“ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں بھی آپ ﷺ کو دوست رکھتا ہوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”(جب تم مجھے دوست رکھتے ہو تو) کسی بھی نماز کے بعد اس دعا کو پڑھنا ترک نہ کرو رَبِّ اعْنِي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ“ اسے پروردگار! تو اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت میں میری مدد کر۔“

اس روایت کو احمدؒ، ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے نقل کیا ہے مگر ابوداؤدؒ نے معاذؓ کے یہ الفاظ وَأَنَا أُحِبُّكَ نقل نہیں کئے ہیں۔“

تشریح: ”اچھی عبادت“ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی عبادت ہو خواہ بدنی ہو یا مالی، پورے کمال اور حضور قلب کی اس کیفیت کے ساتھ کی جائے گویا کہ عبادت کرنے والا اللہ جل شانہ، کو دیکھ رہا ہے اور اس کی عبادت کر رہا ہے۔ کتاب الایمان کی بھی ایک حدیث میں ”اچھی عبادت“ کا یہی مطلب بیان کیا گیا ہے وہاں اس کی وضاحت اچھی طرح کی جا چکی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنی دوستی اور محبت کا اظہار اس سے کر دے۔

یہ حدیث اس فعل وقول اخذ بیدی وبقول انا احبک کے ساتھ مسلسل ہے۔ اس اصطلاح کی تعریف علماء و محدثین بخوبی سمجھتے ہیں چونکہ عوام سے اس کا تعلق نہیں ہے اس لئے ان کے سامنے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

سلام پھیرنے کا طریقہ

⑫ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ حَتَّى يَرَى بَيَاضَ خَدِّهِ الْأَيْمَنِ وَعَنْ يَسَارِهِ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ حَتَّى يَرَى بَيَاضَ خَدِّهِ الْأَيْسَرِ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّنَائِي وَلَمْ يَذْكُرِ التِّرْمِذِيُّ حَتَّى يَرَى بَيَاضَ خَدِّهِ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ اپنی دائیں جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ (یعنی تم پر اللہ کی سلامتی اور اللہ کی رحمت) کہتے ہوئے سلام پھیرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دائیں رخسار کی سفیدی نظر آتی اور اپنی بائیں جانب بھی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بائیں رخسار کی سفیدی نظر آتی۔“ (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ)

ترمذی نے اپنی روایت میں حتیٰ یروی بیاض خدہ کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو عمارؓ ابن یاسرؓ سے

نقل کیا ہے۔

تشریح: ابو داؤد اور نسائی نے تو اس روایت کو انہیں الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مگر امام ترمذیؒ نے اپنی روایت میں حتیٰ یری بیاض خدہ (یہاں تک کہ آپ کے رخسار کی سفیدی نظر آئی) نقل کیا ہے بلکہ انہوں نے صرف اس قدر نقل کیا ہے کہ کان یسلم عن یمینہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وعن یسارہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن ماجہؒ نے عمار ابن یاسرؓ سے یہ حدیث پوری اسی طرح نقل کی ہے نہ کہ ترمذیؒ کی طرح اس کا کچھ حصہ نقل کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نماز کے بعد اکثر بائیں جانب پھر کر بیٹھتے تھے

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ أَكْثَرُ انْصِرَافِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهِ إِلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ إِلَى حُجْرَتِهِ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

”حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز کے بعد اکثر بائیں جانب اپنے حجرہ کی طرف پھر جاتے تھے۔“ (شرح السنۃ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک کا دروازہ مسجد میں بائیں محراب کی طرف تھا۔ اس لیے جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو جاتے تھے تو اکثر و بیشتر بائیں جانب پھرتے تھے اور اپنے حجرہ میں تشریف لے جاتے تھے۔

فرض کے بعد سنتیں پڑھنے کے لیے جگہ بدل لینی چاہیے

(۱۴) عَنْ عَطَاءِ الْخُرَّاسَانِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيُ الْإِمَامُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ حَتَّى يَتَحَوَّلَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ عَطَاءُ الْخُرَّاسَانِيُّ لَمْ يَذْكُرِ الْمُغِيرَةُ۔

”حضرت عطاء خراسانیؒ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، امام اس جگہ نماز نہ پڑھے جہاں نماز پڑھ چکا ہے بلکہ وہاں سے سرک جائے اس روایت کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ عطاء خراسانی کی ملاقات حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے (ثابت) نہیں ہے (لہذا یہ حدیث منقطع ہے)۔“

تشریح: یہاں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جس جگہ فرض نماز پڑھی گئی ہے اسی جگہ سنتیں نہ پڑھی جائیں بلکہ اس جگہ سے ذرا ہٹ کر اور جگہ بدل کر دوسری جگہ سنتیں پڑھی جائیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات جان لیجئے کہ اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم خاص طور پر امام ہی کے لئے ہے مقتدی اس میں شامل نہیں ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ حکم مجموعی طور پر امام اور مقتدی سب کے لئے ہے۔

فرض اور سنتیں دونوں ایک ہی جگہ پڑھنے سے منع یا تو اس لئے کیا گیا ہے کہ کوئی آنے والا یہ گمان نہ کرے کہ نمازی ابھی فرض نماز ہی پڑھ رہا ہے یا اس لئے کہ دونوں جگہیں قیامت کے روز پروردگار کے سامنے نمازی کی اطاعت گزاری کی گواہی دیں جس سے اس کے مرتبہ میں اضافہ ہو۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ حکم ان فرض نمازوں کے بارے میں ہے جن کے بعد سنت ماکدہ ہیں اور جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں نہیں پڑھی جاتیں جیسے فجر و عصر تو ان کے بارے میں یہ حکم نہیں ہے مگر بعض علماء کی یہی رائے ہے کہ یہ حکم تمام نمازوں کے بارے میں یکساں طور پر ہے۔

(۱۵) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَضَّهُمْ عَلَى الصَّلَاةِ وَنَهَا هُمْ أَنْ يَنْصَرِفُوا قَبْلَ انْصِرَافِهِ مِنْ

(رواہ البوداؤد)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ صحابہ کرامؓ نماز پڑھنے کی رغبت دلاتے تھے اور ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے کہ وہ نماز کے بعد آپ ﷺ کے اٹھنے سے پہلے اٹھیں۔“ (البوداؤد)

تشریح: حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ یا تو آپ ﷺ صحابہؓ کو مطلقاً نماز پڑھنے کی تاکید فرماتے تھے یا انہیں اس بات کی رغبت دلاتے تھے کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں۔

آپ ﷺ کے ارشاد کے دوسرے جزو کا مطلب یہ کہ جب نماز ختم ہو جائے اور دعاء وغیرہ سے فارغ ہو جائے تو جب تک میں نہ اٹھ جاؤں مقتدی نہ اٹھیں تاکہ راستہ میں مرد عورتوں سے مل نہ جائیں جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ نماز کے بعد آنحضرت ﷺ اور دوسرے لوگ بیٹھے رہتے تھے یہاں تک کہ جب عورتیں اٹھ کر چلی جاتی تھیں تو پہلے آپ ﷺ اٹھتے تھے اس کے بعد دوسرے لوگ اٹھ کر اپنے گھروں کو چل دیتے تھے۔ اس صورت میں یہ بھی تنزیہی ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں ”پہلے اٹھنے“ سے مراد مسبوق کا اٹھ کھڑا ہونا ہے۔ اس صورت میں اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تک امام سلام نہ پھیرے اس وقت تک مسبوق اپنی بقیہ رکعتیں پڑھنے کے لئے کھڑا نہ ہو بلکہ جب امام سلام پھیر لے تب مسبوق کھڑا ہو۔ اس سلسلہ میں اتنی بات جان لیجئے کہ یہ شکل یعنی مسبوق کا امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اٹھ کھڑا ہونا حنفیہ کے نزدیک حرام ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

تشہد کے بعد آنحضرت کی دعا

(۱۶) وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي صَلَاتِهِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْأَمْرِ وَالْعَزِيمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَأَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَأَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرٍ مَا تَعْلَمُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ زَوَاةُ النَّسَائِيِّ وَزَوَى أَحْمَدُ نَحْوَهُ۔

”حضرت شداد ابن اوسؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ اپنی نماز میں (تشہد کے بعد) یہ دعا پڑھا کرتے تھے اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْأَمْرِ وَالْعَزِيمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَأَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَأَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرٍ مَا تَعْلَمُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ اے پروردگار! میں تجھ سے دین میں ثابت قدمی اور راہ راست کے قصد کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے تیری نعمت کے شکر اور تیری عبادت کے حسن کی درخواست کرتا ہوں اور تجھ سے قلب سلیم اور سچی زبان مانگتا ہوں اور تجھ سے وہ بھلائی چاہتا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور اس برائی سے پناہ مانگتا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور معافی چاہتا ہوں ان گناہوں سے جن کو تو جانتا ہے۔“ (نسائی، احمد)

تشریح: یہ دعا بھی آنحضرت ﷺ کی لسان مقدس سے تعلیم اُمت کے پیش نظر ارشاد ہوئی ہے کہ اُمت کے لوگ اس طرح دعا مانگا کریں۔ ورنہ تو جہاں تک آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کا تعلق ہے آپ ﷺ کو یہ تمام بھلائیاں اور سعادتیں حاصل تھیں جن کی طرف اس دعا میں اشارہ کیا گیا ہے اور تمام گناہوں سے آپ محفوظ تھے، نیز آپ ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخشے جا چکے تھے۔

”راہ راست کے قصد“ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے اس بات کی توفیق عنایت فرما کہ تو نے ہدایت کا جو راستہ دکھلایا ہے اس پر ہمیشہ ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہوں اور ہدایت کو اپنی زندگی کے لئے لازم پکڑوں۔

۱۔ مسبوق اس شخص کو کہتے ہیں جو جماعت میں ایک رکعت یا اس سے زیادہ ہو جانے کے بعد اگر شریک ہوا ہو۔

”تجھ سے تیری نعمت کے شکر اور تیری عبادت کے حسن کی درخواست کرتا ہوں“ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے اس بات کی توفیق عنایت فرما کہ تیری ان نعمتوں کو جن سے تو نے مجھے سرفراز فرمایا ہے تیری اطاعت و فرمانبرداری میں اس طرح صرف کروں کہ تیرے احکام و فرمان کا پابند رہوں اور جن چیزوں سے تو نے منع کیا ہے ان سے بچتا رہوں اور تیری عبادت کو اس کے پورے شرائط و آداب اور پورے ارکان کے ساتھ ادا کروں۔

”قلب سلیم“ اس دل کو کہتے ہیں جو برے عقائد، کمزور خیالات اور غلط اعتقادات و نظریات سے پاک و صاف ہو اور خواہشات نفسانی کی طرف اس کا میلان نہ ہو نیز یہ کہ وہ ماسوی اللہ سے خالی ہو۔

دعا کے جملہ وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ میں لفظ مامو صولہ ہے یا موصوفہ اور عائد محذوف ہے۔ اسی طرح اس جملہ میں لفظ من زائد ہے یہ بیانیہ اور مبین محذوف ہے۔ گویا اصل میں یہ عبارت اس طرح ہے اسالک شیاہو خیر ما تعلم یعنی میں تجھ سے اس اچھی چیز کی درخواست کرتا ہوں جس کے بارے میں تو جانتا ہے کہ وہ اچھی ہے یعنی میں ایسی چیز کی درخواست نہیں کرتا جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ اچھی چیز ہے۔ کیونکہ بندہ تو کسی چیز کو اچھی سمجھ لیتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اچھی نہیں ہوتی۔ اس لئے میں وہی چیز مانگتا ہوں جو تیرے نزدیک اچھی ہے۔ اسی طرح واعوذہک من شر ما تعلم کا مطلب بھی یہی ہے کہ میں اس بری چیز سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے نزدیک بری ہے اور جس کے بارے میں تیرا فیصلہ ہے کہ یہ بندہ کے حق میں برائی کا باعث ہے۔

(۱۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي صَلَاتِهِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ أَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللَّهِ وَأَحْسَنُ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ النسائی)

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں التعمیات کے بعد فرماتے تھے: بہترین کلاموں کا کلام اللہ کا ہے اور بہت بہترین طریقوں کا طریقہ محمد ﷺ کا ہے روایت کیا اس کو نسائی نے۔“

آنحضرت ﷺ کے سلام کا طریقہ

(۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ تَسْلِيمَةً تَلْقَاءُ وَجْهَهُ ثُمَّ يَمِيلُ إِلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ شَيْئًا۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز میں ایک سلام پھیرتے تھے سامنے کے رخ پھر تھوڑا سامنے کو دائیں جانب پھیرتے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ سلام پورا فرماتے تھے۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ سلام پھیرتے تھے تو یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے کہ سلام کی ابتدا قبلہ رخ کرتے تھے درمیان میں دائیں جانب اس قدر چہرہ مبارک پھیرتے تھے کہ رخسار مبارک کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی جیسا کہ پہلی روایتوں میں گذر چکا ہے۔ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نماز میں صرف ایک ہی سلام دائیں جانب پھیرتے تھے چنانچہ حضرت امام مالکؒ اسی حدیث کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ نماز میں صرف ایک ہی سلام مشروع ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے یہاں متفقہ طور پر نماز میں دو سلام یعنی دائیں اور بائیں دونوں جانب مشروع ہیں، کیونکہ اس سلسلہ میں بہت زیادہ احادیث وارد ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام پھیرنا چاہئے۔

اب اس حدیث کی تاویل ان ائمہ ثلاثہ کی جانب سے یہ کی جاتی ہے کہ ایک سلام تو آپ ﷺ بلند آواز سے کہتے تھے اور دوسرا سلام آہستہ آواز سے، اس لئے حضرت عائشہؓ نے یہاں بلند آواز سے کہے جانے والے سلام کا اعتبار کیا اور صرف اسی ایک کو ذکر کیا۔

سلام پھیرتے وقت جواب کی نیت

(۱۹) وَعَنْ سَمُرَةَ قَالَ أَمَرَ نَارِسُ بْنُ سُلَيْمٍ أَن تَرُدَّ عَلَى الْإِمَامِ وَتَتَحَابَّ وَأَنْ يُسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ - (رواہ البوداذ)

”اور حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم سلام پھیرتے وقت امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں، ہم آپس میں محبت رکھیں اور ایک دوسرے کو سلام کریں۔“ (البوداذ)

تشریح: پہلے حکم کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی جب سلام پھیریں تو اس وقت وہ یہ نیت کریں کہ ہم امام کے سلام کا جواب دے رہے، اس کی شکل یہ ہوگی جو مقتدی امام کے دائیں جانب ہوں وہ تو دوسرے سلام میں، جو مقتدی بائیں جانب ہوں وہ پہلے سلام میں اور جو مقتدی امام کے مقابل ہوں وہ دونوں سلام میں امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب امام سلام پھیرے تو وہ بھی اس وقت یہ نیت کرے کہ میں مقتدیوں کو سلام کر رہا ہوں۔

دوسرے حکم کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان آپس میں یعنی نمازیوں اور اللہ کے تمام بندوں سے محبت کریں، ان کے ساتھ خوش خلقی، مروت اور اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔

تیسرے حکم کا مطلب یہ ہے کہ ”جس طرح امام سلام پھیرتے وقت مقتدیوں پر سلام کی اور مقتدی سلام پھیرتے وقت امام کے سلام کے جواب کی نیت کرتے ہیں اسی طرح تمام مقتدی نماز میں سلام پھیرتے وقت آپس میں ایک دوسرے کے سلام کی نیت کریں۔ اس طرح کہ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت دائیں جانب کے مقتدیوں کی نیت کریں اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں جانب کے مقتدیوں کی نیت کرنی چاہئے۔ اور ہر نمازی کو چاہئے کہ وہ دونوں سلام میں ملائکہ کی بھی نیت کرے کیونکہ احادیث میں اس کا حکم بھی دیا گیا ہے اور حنفیہ کے بعض علماء نے تو کہا ہے کہ یہ سنت ہے گو دوسرے حضرات نے اسے ترک کیا ہے۔

بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

نماز کے بعد کے ذکر کا بیان

اس باب کے تحت وہ احادیث ذکر کی جائیں گی جن سے نماز کے بعد دعا اور دیگر اوراد و وظائف کے پڑھنے کی اہمیت اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے، یہاں ”ذکر“ کا لفظ عام ہے جو دعا اور اوراد و وظائف سب پر حاوی ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے بعد نمازی دعا اور اوراد و وظائف کے لئے کتنی دیر تک بیٹھ سکتا ہے، چنانچہ در مختار میں لکھا ہے کہ فرض نماز پڑھ لینے کے بعد سنتوں کے پڑھنے میں تاخیر کرنا مکروہ ہے البتہ اللہم انت السلام (آخر تک) کے بعد ردعا وغیرہ پڑھنے کے لئے کچھ دیر بیٹھنا ثابت ہے۔

علامہ حلوانیؒ کا قول یہ ہے کہ اوراد و وظائف پڑھنے کی غرض سے فرض و سنتوں کے درمیان وقفہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اسی قول کو کمالؒ نے بھی اختیار کیا ہے۔

علامہ حلیؒ نے ان دونوں اقوال میں تطبیق یوں پیدا کی ہے کہ اگر یہاں مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی نہ لیا جائے بلکہ مکروہ تنزیہی مراد لیا جائے تو ان دونوں اقوال میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہے گا کیونکہ پہلے قول کا مطلب پھر یہ ہوگا کہ اوراد و وظائف پڑھنے کے لئے سنتوں کے پڑھنے میں تاخیر کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے البتہ مکروہ تنزیہی ہے یعنی اگر تاخیر نہ کی جائے تو بہتر ہوگا۔ اسی طرح علامہ حلوانیؒ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ فرض نماز پڑھنے کے بعد اوراد و وظائف پڑھنے کے لئے سنتوں میں تاخیر کرنے میں اگرچہ کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن

مناسب یہی ہے کہ تاخیر نہ کی جائے، اس طرح یہ دونوں قول اپنی اپنی جگہ صحیح رہے اور دونوں میں کوئی تضاد بھی باقی نہیں رہا۔ صاحب در مختار کے ایک قول کا مفہوم یہ ہے کہ ”یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرض و سنت کے درمیان دعا اور اوراد و وظائف پڑھے جائیں تو تعارض دور ہو جاتا ہے۔“

اس کے بعد موصوف فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ نماز کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ پڑھا جائے، آیتہ الکرسی اور معوذات (یعنی سورہ قل ہو اللہ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) پڑھی جائے اور سبحان اللہ، الحمد للہ، اور اللہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھے جائیں اور پھر ایک مرتبہ تہلیل (لا الہ الا اللہ وحده لا شریک الخ) پڑھ کر سو کے عدد کو پورا کیا جائے پھر اس کے بعد دعا مانگی جائے اور دعا کو اس جملہ پر ختم کیا جائے سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

جماعت ختم ہو جانے کے بعد جب سنتیں پڑھی جائیں تو مقتدیوں کو چاہئے کہ صفوں کو توڑ دیں یعنی سنت پڑھنے کے لئے صف بندی کے ساتھ کھڑے نہ ہوں بلکہ آگے پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوں۔ اور امام کو بھی چاہئے کہ وہ بھی امامت کے مصلے سے ہٹ کر آگے پیچھے یا دائیں بائیں ہو جائے تاکہ بعد میں آنے والے نمازیوں کو یہ خیال نہ ہو کہ ہنوز جماعت کھڑی ہے اور کوئی نمازی اسی خیال میں امام کی اقتدا کر کے نماز کے لئے کھڑا ہو جائے اور پھر اس کی اقتداء فاسد ہو۔

اس چیز میں بھی اختلاف ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دعا اور اوراد وغیرہ پڑھنے کے لئے امام کے لئے دائیں طرف گھوم کر بیٹھنا افضل ہے یا بائیں طرف؟ چنانچہ صحیح قول یہ ہے کہ اسے اختیار ہے چاہے دائیں طرف گھوم کر بیٹھے اور چاہے بائیں طرف لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ بائیں طرف گھوم کر بیٹھنا ہی متفقہ طور پر سب کے نزدیک افضل ہے کیونکہ حجرہ شریف اسی سمت ہے۔

اگر کوئی شخص فرض نماز کے بعد سنتیں پڑھ لے اور اس کے بعد احادیث میں مذکورہ اوراد و وظائف پڑھے تو یہ اس بعدیت کے منافی نہیں ہوگا جو احادیث میں مذکور ہیں (یعنی احادیث میں مذکور ہے کہ نماز کے بعد فلاں فلاں دعا یا وظیفہ پڑھا جائے تو اگر کوئی شخص فرض نماز پڑھ کر پہلے سنتیں پڑھے اور پھر اس کے بعد مذکورہ اوراد و وظائف پڑھے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اس فضیلت سے محروم رہا۔ کیونکہ حدیث کا مقصد تو یہ ہے کہ یہ اوراد و وظائف نماز کے بعد پڑھے جائیں خواہ سنتوں کے بعد بلکہ سنتوں کے بعد ہی پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔ اس طرح صحیح احادیث سے چونکہ یہ ثابت ہے کہ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ دس مرتبہ پڑھا جائے، یا ان نمازوں کے بعد آیتہ الکرسی پڑھنا احادیث سے ثابت ہے تو اگر کوئی شخص مغرب کی فرض نماز کے بعد پہلے سنتیں پڑھ لے اور پھر اس کے بعد آیتہ الکرسی یا مذکورہ بالا تہلیل پڑھے تو حدیث کے مطابق اسے وہی فضیلت حاصل ہوگی جو فرض نماز کے بعد انہیں پڑھنے پر حاصل ہوتی۔

بعض لوگ یہ سوچ کر کہ جلدی بھی ہو جائے اور مذکورہ بالا چیزوں کو پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے، مغرب کی سنتوں میں آیتہ الکرسی پڑھ لیتے ہیں یہ محض وہم ہے کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ مغرب کی سنتوں میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھا کرتے تھے۔

الفصل الأول

نماز کے اختتام پر اللہ اکبر کہنا

① وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ أَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيرِ - (تشن علیہ)

۱۔ جن نمازوں میں سنتیں نہیں پڑھی جاتیں ان میں فرض کے بعد اور جن کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان میں سنتوں کے بعد یہ اوراد پڑھے جائیں ۱۲۔

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں رحمت عالم ﷺ کی نماز کے ختم ہونے کو آپ ﷺ کے اللہ اکبر کہنے سے پہچان لیتا تھا۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: نماز کے اختتام پر ”اللہ اکبر“ کہنے کی مراد کے تعین میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں، چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے سے مراد ”ذکر“ ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں فرض نماز سے فراغت کے وقت لوگوں کے لئے باوازی بلند ذکر مقرر تھا۔ پھر حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں، کہ میں نماز کے اختتام کو اسی کے ذریعہ پہچانتا تھا (یعنی جب لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے تھے تو میں جان لیتا تھا کہ نماز ہو چکی ہے)۔ ابن عباسؓ کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام بخاریؒ نے پھر ابن عباسؓ کی اس روایت کو نقل کیا ہے جو یہاں ذکر کی گئی ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر سے مراد مطلق ”ذکر“ ہے۔

لیکن اتنی بات بھی سمجھتے چلے کہ حضرت امام شافعیؒ نے آنحضرت ﷺ کے اس ذکر بالجہر کو تعلیم امت پر محمول کیا ہے چنانچہ یہی وغیرہ نے آہستہ آواز سے ذکر کرنے پر صحیحین کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہؓ کو اس بات کا حکم دیا کرتے تھے کہ وہ تحلیل و تکبیر بلند آواز سے نہ کریں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو، وہ (یعنی خدا) تو تمہارے ساتھ ہے اور قریب ہے“

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں ”تکبیر“ سے مراد وہ تکبیر ہے جو نماز کے بعد تسبیح و تحمید کے ساتھ دس مرتبہ یا تیس مرتبہ پڑھتے ہیں۔ کچھ محققین کی رائے ہے کہ ”آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نماز کے بعد ایک بار یا تین بار تکبیر کہی جاتی تھی۔“

بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا تعلق ایام منی سے ہے کہ وہاں تشریق کی تکبیرات کہتے تھے، بہر حال۔ ان تمام اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے بھی سب سے بڑا اشکال حضرت ابن عباسؓ کے اس قول پر یہ وارد ہوتا ہے کہ یہ کیا وجہ ہے کہ ابن عباسؓ سلام سے تو نماز کے اختتام کو نہ جانتے تھے اور تکبیر سے جانتے تھے کہ نماز ہو چکی ہے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس وقت صغیر السن تھے اس لئے ممکن ہے کہ وہ ہمیشہ جماعت میں شریک نہ ہوتے ہوں گے، یا پھر یہ احتمال ہے کہ وہ جماعت میں شریک تو ہوتے ہوں گے لیکن پچھلی صف میں کھڑے ہوتے ہوں گے اس لئے وہاں تک آنحضرت ﷺ کی آواز نہ پہنچنے کے سبب وہ سلام پر نماز کے اختتام کو نہ پہچانتے ہوں گے بلکہ جب مقتدی باوازی بلند تکبیر کہتے ہوں گے تو وہ جان لیتے ہوں گے کہ نماز ختم ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

فرض کے بعد آنحضرت ﷺ کے بیٹھنے کی مقدار

② وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُولُ اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (رواہ مسلم)

”اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب (فرض نماز کا) سلام پھیر لیتے تھے تو صرف اس دعا کے بقدر بیٹھتے تھے اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اے اللہ! تو سلام ہے (یعنی تمام عیوب سے پاک ہے) اور تجھی سے (بندوں کی تمام آفات سے) سلامتی ہے۔ اے بزرگی و بخشش والے تو برتر ہے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے سلام کے بعد آنحضرت ﷺ صرف اسی قدر بیٹھتے تھے کہ یہ دعا پڑھ لیں۔ لیکن جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں جیسے فجر، عصر، ان کے سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ کا اس سے زیادہ بیٹھنا بھی ثابت ہے، چنانچہ اسی بناء پر علماء لکھتے ہیں کہ ان نمازوں کے بعد طلوع آفتاب و غروب آفتاب تک

ذکر میں مشغول رہنا مستحب ہے۔

سلام کے بعد ”نہ بیٹھنے“ کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ آپ ﷺ بیت نماز میں صرف اتنی ہی دیر تک بیٹھے رہتے کہ یہ دعا پڑھ لیں یا یہ کہ آپ اکثر و بیشتر صرف اسی قدر بیٹھتے تھے۔

یہاں جو دعا ذکر کی گئی ہے اس میں یہ الفاظ بھی پڑھے جاتے ہیں وَالْيَكْبَرُ جَعَلَ السَّلَامَ فَحَيْتَارَ بِنَا بِالسَّلَامِ وَأَدْخَلْنَا دَارَ السَّلَامِ حالانکہ یہ الفاظ احادیث سے ثابت نہیں ہیں بلکہ بعد میں ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

(۳) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جو اپنی نماز سے فارغ ہو لیتے تو (پہلے) تین مرتبہ استغفار کرتے اور (پھر) یہ دعا پڑھتے اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ سلام پھیر لیتے تھے تو پہلے تین مرتبہ استغفار کرتے یعنی استغفر اللہ تین مرتبہ کہتے اس کے بعد مذکورہ بالا دعا پڑھتے۔

بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ استغفار کے لئے تین مرتبہ اس طرح کہتے تھے اسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَاتُّوبُ إِلَيْهِ۔

فرض نماز کے بعد کی دعا

(۴) وَعَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو چیز تو نے عطا کی ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جس چیز کو تو نے روک دیا ہے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور دولت مند کو اس کی دولت تیرے عذاب سے بچانے والی نہیں ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ یہ دعا اور دیگر دعائیں و کلمات اذکار جو مختلف احادیث میں مذکور ہیں نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بعض اوقات تو سلام پھیرنے کے بعد بغیر کچھ پڑھے ہوئے کھڑے ہوتے تھے اور بعض اوقات مذکور دعا و اذکار میں سے کچھ یا سب پڑھا کرتے تھے۔

چونکہ احادیث سے نماز کے بعد پڑھنے کے لئے مختلف دعائیں ثابت ہیں اس لئے بعض علماء نے ان کے پڑھنے کی ترتیب اس طرح قائم کی ہے کہ اول تو استغفار کیا جائے اس کے بعد اللہم انت السلام آخر تک پڑھا جائے پھر اس کے بعد لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ آخر تک پڑھا جائے۔ ان دعاؤں کے علاوہ اور بہت سی دعائیں بھی احادیث میں مذکور ہیں جن کے بارے میں ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ انہیں نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ ”بعد“ سے یہ مراد نہیں کہ یہ دعائیں فرض نماز کے بعد متصلاً ہی پڑھنی چاہئیں بلکہ اگر سنتوں کے بعد بھی یہ

دعائیں پڑھی جائیں گی تو ”نماز کے بعد“ پڑھنا ہی کہلائے گا۔

⑤ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهِ يَقُولُ بِصَوْتِهِ الْأَعْلَى لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ التَّعَمُّدُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الشَّاءُ الْحَسَنُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب اپنی نماز سے سلام پھیرتے تھے تو (سلام کے بعد) بلند آواز سے یہ کلمات پڑھا کرتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ التَّعَمُّدُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الشَّاءُ الْحَسَنُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، گناہوں سے باز رہنے اور عبادت کرنے کی قوت صرف خدا ہی کی مدد سے ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں، خدا ہی کے لئے اس کی بندگی کو خالص کرنے والے ہیں اگرچہ کافرا سے برا سمجھیں۔“ (مسلم)

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان کلمات دعا کو بھی تعلیم امت کے پیش نظر بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ امام نوویؒ نے کتاب مہذب میں لکھا کہ ”اس دعا کو اور اس کے علاوہ دیگر دعاؤں کو آہستہ آواز سے پڑھنا افضل ہے خواہ امام ہو یا منفرد، ہاں اگر اس بات کی ضرورت ہو کہ کوئی دعا کسی کو سکھانا ہے تو اس کو بلند آواز سے پڑھ لینا چاہئے، چنانچہ اس دعا کو آنحضرت ﷺ کے بلند آواز سے پڑھنے کو اسی پر محمول کیا گیا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کا مقصد، صحابہؓ کو یہ دعا سکھانا تھا اس لئے آپ ﷺ بلند آواز سے پڑھتے تھے اور جب لوگوں کو دعا یاد ہوگئی تو اسے آہستہ آواز سے پڑھنا ہی افضل ہوا۔

نماز کے بعد کن چیزوں سے پناہ مانگنی چاہئے

⑥ وَعَنْ سَعْدِ أَنَّهُ كَانَ يُعَلِّمُ بَيْنَهُ هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالْقَلَمَاتِ وَيَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِمْ ذُبُرَ الصَّلَاةِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَرَذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت سعدؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو کلمات دعا کے یہ الفاظ سکھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ رحمت عالم ﷺ اپنی نماز کے بعد انہیں الفاظ کے ذریعے پناہ مانگا کرتے تھے۔ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَرَذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ اے اللہ! میں نامرادی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، بخل سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں، ناکارہ عمر سے تیری پناہ کا خواستگار ہوں۔ اور فتنہ دنیا و عذاب قبر سے (یعنی ان چیزوں سے جو عذاب قبر کا سبب ہیں) تیری پناہ مانگتا ہوں۔“ (بخاری)

تشریح: یہاں ”جبن“ سے مراد ”طاعت کی جرات نہ کرنا“ ہے اور ”بخل“ سے مراد یہ ہے کہ کسی غیر کو مال علم اور خیر خواہی سے فائدہ نہ پہنچایا جائے۔ ”ناکارہ عمر“ کا مطلب یہ ہے کہ انسان زندگی کے اس شیخ پر پہنچ جائے جہاں عقل میں خلل آجاتا ہے اعضا ضعیف ہو جاتے ہیں طاقت و قوت یکسر جواب دے دیتی ہے اور ایسا شخص بالکل اپناج و معذور ہو کر دین و دنیا کے کاموں کے لئے ناکارہ بن جاتا ہے۔ اسی عمر سے پناہ مانگنی چاہئے۔ کیونکہ انسانی زندگی کا حاصل اور مقصود تو صرف یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا جائے اس کی نعمتوں کا اچھی طرح شکر ادا کیا جاتا رہے اور ظاہر ہے کہ ایسا ناکارہ عمر میں کوئی شخص نہ پوری طرح عبادت کر سکتا ہے اور نہ اداء شکر میں مشغول رہ سکتا ہے۔ اس طرح زندگی اور عمر کا جو اصل مقصد ہے وہ فوت ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ناکارہ زندگی سے

بچائے۔

نماز کے بعد کی تسبیح اور اس کی فضیلت

﴿وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ فَقْرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ أَتَوْا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا قَدْ ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالذَّرَجَاتِ الْعُلَى وَالتَّعْنِيمِ الْمُقِيمِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا يَصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي وَيُصُومُونَ كَمَا نَصُومُ وَيَتَصَدَّقُونَ وَلَا تَتَصَدَّقُ وَيُعْتِقُونَ وَلَا نَعْتِقُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَلَا أَعَلِمَكُمْ شَيْئًا تَذَرُكَونَ بِهِ مِنْ سَبَقِكُمْ وَتَسْبِقُونَ بِهِ مَنْ بَعْدَكُمْ وَلَا يَكُونُ أَحَدٌ أَفْضَلَ مِنْكُمْ إِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ تُسَبِّحُونَ وَتُكَبِّرُونَ وَتَحْمَدُونَ ذُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ مَرَّةً قَالَ أَبُو صَالِحٍ فَرَجَعَ فَقَرَأَ الْمُهَاجِرِينَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا سَمِعَ إِخْوَانَنَا أَهْلَ الْأَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوا مِثْلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَيْسَ قَوْلُ أَبِي صَالِحٍ إِلَى الْآخِرِهِ إِلَّا عِنْدَ مُسْلِمٍ وَفِي الْبُخَارِيِّ تُسَبِّحُونَ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا وَتَحْمَدُونَ عَشْرًا وَتُكَبِّرُونَ عَشْرًا بَدَلًا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ لِلْبُخَارِيِّ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن فقراء مہاجرین رحمت عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! دولت مند لوگ بلند درجات (یعنی ثواب، قرب الہی اور رضائے حق) اور دائمی نعمت (یعنی بہشت کی نعمت کو حاصل کرنے میں ہم سے سبقت) لے گئے (یعنی وہ اپنے مال و دولت کی وجہ سے بڑا ثواب حاصل کرتے ہیں اور بہشت کی نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں اور ہم تو اپنی غربت و افلاس کی وجہ سے بلندی درجات میں ان سے پیچھے رہ جاتے ہیں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ کیسے؟ انہوں نے عرض کیا وہ اسی طرح نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور وہ اسی طرح روزہ رکھتے ہیں جس طرح ہم رکھتے ہیں (ان اعمال میں تو وہ اور ہم برابر ہیں لیکن مال و زر کی وجہ سے) وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور (غربت و افلاس کی وجہ سے) ہم صدقہ و خیرات کر نہیں سکتے، وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے (اس طرح وہ ان اعمال کے ثواب کے حق دار ہو جاتے ہیں اور ہم محروم رہتے ہیں) (یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”کیا میں تم لوگوں کو ایسی بات نہ بتا دوں کہ اس پر عمل کر کے تم ان لوگوں کے درجات کو پہنچ جاؤ جو تم سے پہلے اسلام لائے ہیں اور ان لوگوں کے مرتبہ سے بڑھ جاؤ جو تمہارے بعد کے ہیں (یعنی تمہارے بعد اسلام لائے ہیں یا تمہارے بعد پیدا ہوں گے) اور (مال دار لوگوں میں سے) کوئی شخص تم سے بہتر نہ ہو گا بجز اس شخص کے جو تم ہی جیسا عمل کرے (یعنی اگر مالدار لوگوں نے میری بتائی ہوئی بات پر تمہاری طرح عمل کیا تو پھر مرتبہ کے اعتبار سے وہی تم سے بہتر ہوں گے) فقراء نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! بہتر ہے، فرمائیے (وہ کیا بات ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”تم لوگ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ تینتیس مرتبہ پڑھ لیا کرو۔“

(حدیث کے ایک راوی) ابو صالحؓ فرماتے ہیں کہ (کچھ دنوں کے بعد) فقراء مہاجرین (پھر) آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے دولت مند بھائیوں نے ہمارے عمل کا حال سنا اور وہ بھی وہی کرنے لگے جو ہم کرتے ہیں (اس طرح پھر وہی لوگ ہم سے افضل ہوئے) آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور روایت کے آخری الفاظ جو ابو صالحؓ کا قول ہے صرف مسلم ہی نے نقل کئے ہیں۔ نیز بخاری کی ایک روایت میں تینتیس مرتبہ پڑھنے کے بجائے یہ ہے کہ ”ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ تینتیس مرتبہ پڑھو“ تو اس میں تین احتمال

تشریح: پہلی روایت میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ”ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ تینتیس مرتبہ پڑھو“ تو اس میں تین احتمال ہیں اول تو یہ کہ ان تینوں کلمات کو مجموعی طور سے تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھا جائے چنانچہ مشائخ کا عمل اسی پر ہے اور دوسری افضل بھی اور یہ کہ اس کی صراحت بھی بعض روایت میں تو موجود ہے۔ سوم یہ کہ ان تینوں کلمات کو ملا کر تینتیس مرتبہ پڑھا جائے، اس طرح ان میں سے ہر

ایک کو بھی تینتیس مرتبہ پڑھنا ہو جائے گا۔

شکر کرنے والا امیر صبر کرنے والے غریب سے افضل ہے: حدیث کے آخری لفظ ذلک فضل اللہ الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر خدا نے دولت مند لوگوں کو تم پر فضیلت دی ہے تو یہ محض اس کا فضل و کرم ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے نواز کر اس کے قدموں میں مال و دولت کے ڈھیر ڈال دیتا ہے لہذا تمہیں چاہئے کہ اس معاملہ میں صبر کا دامن پکڑے رہو اور تقدیر الہی پر راضی رہو کہ اس نے بعض بندوں کو بعض بندوں پر فضیلت و بزرگی عطا فرمادی ہے۔

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ شکر کرنے والا دولت مند صبر کرنے والے غریب سے افضل ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی اتنی بات بھی ہے کہ دولت مند اپنے مال و دولت کے معاملہ میں مختلف قسم کے گناہ کے خوف سے خالی نہیں ہوتا جب کہ فقیر و غریب ان گناہوں کے خوف سے جو مال و دولت کی بناء پر صادر ہوتے ہیں اس میں رہتا ہے۔

امام غزالیؒ اہل العلوم میں فرماتے ہیں کہ علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے چنانچہ حضرت جنیدؒ اور دیگر اکثر اہل اللہؒ فضیلت فقر کے قائل ہیں اور ابن عطاءؒ کا قول ہے کہ شاکر دولت مند جو دولت کا حق ادا کرتا ہو صابر غریب سے افضل ہے۔

⑧ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَقِّبَاتٌ لَا يَحِثُّ قَائِلُهُنَّ أَوْ فَاعِلُهُنَّ ذُبُرٌ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ ثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ تَسْبِيحَةً وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ تَحْمِيدَةً وَارْبَعٌ وَثَلَاثُونَ تَكْبِيرَةً۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عجرہؒ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کے چند کلمات ہیں جن کا کہنے والے، یا فرمایا کہ کرنے والے (حصولِ ثواب سے) محروم نہیں رہ سکتا (اور وہ کلمات یہ ہیں) سبحان اللہ تینتیس بار، الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار کہنا۔“ (مسلم)

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللَّهَ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَحَمِدَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَكَبَّرَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ فَلَيْتَكَ تَسْعَةُ وَتَسْعُونَ وَقَالَ تَمَامُ الْمِائَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد سبحان اللہ تینتیس مرتبہ، الحمد للہ تینتیس مرتبہ اللہ اکبر تینتیس مرتبہ کہے جن کا مجموعی عدد دنانوے ہو اور سو کے عدد کو پورا کرنے کے لئے ایک مرتبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کہے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر (یعنی بہت زیادہ) ہوں۔“ (مسلم)

تشریح: بعض روایات میں ولہ الحمد کے بعد یحیٰ ویمیت اور بعض میں بیدہ الخیر کے الفاظ بھی منقول ہیں، مذکورہ بالا کلمات جو نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں ان کے مختلف عدد منقول ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ خود بھی انہیں مختلف عدد کے ساتھ پڑھتے تھے اس لئے ان کلمات کو احادیث میں مذکور اعداد میں سے جس عدد کے ساتھ بھی پڑھا جائے گا۔ اصل سنت ادا ہو جائے گی۔ حافظ زین عراقیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام اعداد بہتر ہیں اور جو عدد سب سے بڑا ہے وہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

ان تسبیحات کے ورد کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ انہیں داپنے ہاتھ کی انگلیوں پر پڑھتے تھے اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ انہیں انگلیوں پر شمار کرو کیونکہ قیامت کے روز انگلیوں سے (بندہ کے اعمال

لے اس دار الفناء میں جتنے ازم پیدا ہوئے وہ قانی ہیں صحیح اور باقی رہنے والی بات یہی ہے کہ انسانی جدوجہد اور تدابیر تقدیر الہی سے پابستہ زنجیر ہیں ۱۲۔

کے سلسلہ میں) سوال کیا جائے گا اور (جواب کے لئے) انہیں گویائی کی قوت دی جائے گی۔ صحابہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ انہیں کھجور کی گٹھلیوں پر پڑھتے تھے۔ بہر حال ان تسبیحات کو انگلیوں پر پڑھنا ہی افضل ہے اور گٹھلیوں وغیرہ پر پڑھنا بھی جائز ہے۔

الفصل الثانی

قبولیت دعا کا وقت

(۱۰) وَعَنْ أَبِي أَمَامَةَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الْأَخِيرِ وَذُبُرُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوباتِ۔

(رواہ الترمذی)

”حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کس وقت دعا بہت زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا رات کے آخری حصہ میں (یعنی حجر کے وقت) اور فرض نمازوں کے بعد۔“ (ترمذی)

ہر نماز کے بعد معوذات پڑھنے کا حکم

(۱۱) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقْرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ۔

(رواہ احمد والبوداؤد والنسائی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

”اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذات پڑھوں۔“

(احمدؓ والبوداؤدؓ، نسائیؓ، بیہقیؓ)

تشریح: معوذات قرآن کی ان سورتوں کو کہتے ہیں جن کی ابتداء میں ”اعوذ“ کا لفظ ہے یعنی قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ یہاں ان دونوں سورتوں کے لئے ”معوذات“ جمع کا صیغہ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ اقل جمع دو ہیں اور بعض علماء نے کہا ہے کہ قُلْ هُوَ اللَّهُ اور قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ بھی معوذات میں تغلیفاً داخل ہیں یعنی قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ کو امتیاز دے کر سب کو معوذات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان دونوں سورتوں کی ابتداء میں ”اعوذ“ کا لفظ نہیں ہے۔ گویا اس قول کے مطابق آپ نے چار سورتوں یعنی قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ، قُلْ هُوَ اللَّهُ اور قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ کے پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

طلوع و غروب آفتاب تک ذکر میں مشغول رہنے کی فضیلت

(۱۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَنْ أَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُونَ اللَّهَ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُعْطِيَ أَرْبَعَةٌ مِنْ وَلَدٍ إِسْمَاعِيلَ وَلَأَنْ أَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُونَ اللَّهَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُعْطِيَ أَرْبَعَةٌ۔ (رواہ البوداؤد)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسی جماعت کے ساتھ میرا بیٹنا جو نماز فجر سے طلوع آفتاب تک خدا کے ذکر میں مشغول ہو میرے نزدیک حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک ایسے لوگوں میں میرا بیٹنا جو خدا کے ذکر میں مشغول ہوں میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں چار غلام آزاد کروں۔“ (البوداؤد)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے آخری الفاظ میں بھی چار غلام سے مراد حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے چار غلام ہوں اور یہ بھی

احتمال ہے کہ یہاں چار غلام مطلق مراد ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کی تخصیص آپ ﷺ نے اس لئے کی کہ وہ افضل عرب ہیں اور خود آنحضرت ﷺ ان کی اولاد میں سے ہیں۔

(۱۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللَّهَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَامَّةٌ تَامَّةٌ تَامَّةٌ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص فجر کی نماز جماعت سے پڑھے اور طلوع آفتاب تک اللہ کی یاد میں مشغول رہے اور پھر دو رکعت نماز پڑھے تو اسے حج و عمرہ کی مانند ثواب ملے گا راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پورے حج و عمرہ کا پورے حج و عمرہ کا پورے حج و عمرہ کا (ثواب اسے ملے گا)۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص فجر کی نماز جماعت سے پڑھ کر اسی مسجد میں اور اسی مصلیٰ پر طلوع آفتاب تک ذکر خداوندی میں مسلسل مشغول رہے اور پھر اس کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھے تو اسے اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ ایک پورے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے اور اگر کوئی شخص حالت ذکر میں طواف کے لئے یا طلب علم کے لئے اور یا مسجد ہی میں مجلس وعظ میں جانے کے لئے مصلے سے اٹھایا اسی طرح کوئی شخص وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر چلا آئے مگر ذکر خداوندی میں برابر مشغول بھی رہے تو اسے بھی مذکورہ ثواب ملے گا۔

ذکر سے فارغ ہو کر طلوع آفتاب کے بعد دو رکعت نماز سورج کے ایک نیزہ کے بقدر بلند ہو جانے کے بعد پڑھنی چاہئے تاکہ وقت کراہت ختم ہو جائے اس نماز کو نماز اشراق کہتے ہیں اور اکثر احادیث میں اس کا نام صلوٰۃ الصبح بھی مقول ہے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں جن کے الگ الگ یہ دو نام ہیں۔ اس کا ابتدائی وقت آفتاب کے بلند ہو جانے کے بعد شروع ہو جاتا ہے اور انتہائی وقت سورج ڈھلنے سے پہلے پہلے ہے۔ ابتدائی وقت میں پڑھی جانے والی نماز کو ”نماز اشراق“ کہتے ہیں اور انتہائی وقت میں پڑھی جانے والی نماز ”نماز چاشت“ کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے۔

فرمایا گیا ہے کہ ایسے شخص کو حج و عمرہ دونوں کا ثواب تو فرض نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی بناء پر ملتا ہے اور عمرہ کا ثواب نفل نماز (یعنی نماز اشراق) پڑھنے کی وجہ سے ملتا ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

دو نمازوں کے درمیان وقفہ کرنا چاہئے

(۱۴) وَعَنْ الْأَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ صَلَّيْنَا بِنَا إِمَامًا لَنَا يَكْنَى أَبَا رَمْثَةَ قَالَ صَلَّيْتُ هَذِهِ الصَّلَاةَ أَوْ مِثْلَ هَذِهِ الصَّلَاةِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُومَانِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ عَنْ يَمِينِهِ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ شَهِدَ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ فَصَلَّى نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتَّى رَأَيْنَا بَيَاضَ خَدَّيْهِ ثُمَّ انْقَلَبَ كَأَنَّهُ قَاتِلٌ إِبْرَاهِيمَ رَمْثَةُ يَعْنِي نَفْسَهُ فَقَامَ الرَّجُلُ الَّذِي أَدْرَكَ مَعَهُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ يَشْفَعُ فَوَلَّبَ عُمَرُ فَأَخَذَ بِمَنْكَبِيهِ فَهَزَّهٗ ثُمَّ قَالَ اجْلِسْ فَإِنَّهُ لَنْ يَهْلِكَ أَهْلُ الْكِتَابِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَتَيْنِ صَلَاتِهِمْ فَضَّلَ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهُ فَقَالَ أَصَابَ اللَّهُ بِلَيْتِ بْنِ الْخَطَّابِ۔ (رواہ ابو داؤد)

”حضرت ازرق ابن قیس کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہمارے امام نے کہ جن کی کنیت ابو رمثہ تھی ہمیں نماز پڑھائی اور (نماز کے بعد) انہوں نے فرمایا کہ ”میں نے (ایک روز) یہ نماز یا اس کی مانند نماز رحمت عالم ﷺ کے ہمراہ پڑھی، حضرت ابو رمثہ کہتے تھے کہ (اس نماز میں) حضرت

ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی آنحضرت ﷺ کی دائیں طرف پہلی صف میں کھڑے تھے، ایک شخص (پیچھے سے آکر) نماز کی تکبیر اولیٰ میں شریک ہوا، آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی اور سلام (کے وقت آپ ﷺ نے اپنے چہرہ مبارک کو اتنا پھیرا کہ ہم نے آپ ﷺ کے مبارک رخساروں کی سفیدی دیکھ لی، پھر آپ ﷺ ابورمثہؓ کی یعنی میری طرح پھر کر بیٹھ گئے وہ شخص جو تکبیر اولیٰ میں شریک تھا کھڑا ہو گیا اور دو رکعت نماز پڑھنے لگا، حضرت عمرؓ (یہ دیکھ کر) فوراً اٹھے اور اس شخص کے دونوں مونڈھے پکڑ کر ہلائے اور فرمایا کہ بیٹھ جاؤ! کیونکہ اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) اسی لئے ہلاکت کی وادی میں جا گرے کہ اپنی نمازوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے، حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر آنحضرت ﷺ نے نظر مبارک اوپر اٹھائی اور فرمایا کہ اے خطاب کے بیٹے! اللہ نے تمہیں راہ حق پر پہنچایا (یعنی تم نے حج کیا)۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ابتداء حدیث میں حضرت ابورمثہؓ نے اپنے قول ”یہ نماز“ سے اس نماز کی طرف اشارہ کیا تھا جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پڑھی تھی اور وہ ظہر یا عصر کی نماز تھی۔

الفاظ او مثلی هذه الصلوة (یا اس کی مانند نماز) میں حرف الراوی کے شک کو ظاہر کر رہا ہے، یعنی اس روایت کے روای کو شک ہے کہ حضرت ابورمثہؓ نے ہذہ الصلوة فرمایا تھا یا مثل ہذہ الصلوة۔

فرمایا گیا ہے کہ ”ایک شخص (پیچھے سے آکر) نماز کی تکبیر اولیٰ میں شریک ہوا یہاں“ ”تکبیر اولیٰ“ کی قید اس مقصد کے تحت لگائی گئی ہے کہ تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ شخص مسبوق نہیں تھا کہ اپنی بقیہ نماز پوری کرنے کے لئے سلام کے بعد اٹھا تھا بلکہ وہ جماعت کے ساتھ پہلی ہی رکعت میں شامل ہو گیا تھا اور وہ سلام کے بعد سنت مودکہ پڑھنے کے لئے اٹھ گیا تھا۔

”فرق“ سے مراد یا تو سلام پھیرنے کے ساتھ فرق کرنا ہے یا جگہ بدل کر فرق کرنا مراد ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں منقول ہے کہ ”تم میں سے جو شخص نماز اداء کرتا ہے اسے کیا دشواری ہے کہ وہ آگے بڑھ جائے یا پیچھے ہٹ جائے یا دائیں طرف ہٹ کر کھڑا ہو جائے (یعنی ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز پڑھنے کے لئے پہلی جگہ سے ہٹ جانا چاہئے) یا گفتگو کرنے اور مسجد سے نکلنے کے ساتھ فرق کرنا مراد ہے جیسا کہ مسلم کی ایک روایت میں حضرت سائبؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا ”ہمیں سرکارِ دو عالم ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ ہم (دو نماز کے درمیان وصل نہ کریں تا وقتیکہ کوئی گفتگو کریں یا باہر نکلیں) اور اس طرح دونوں نمازوں کے درمیان وقفہ کریں۔“

اس حدیث کو مصنف کتاب نے اس باب یعنی باب الذکر بعد الصلوة میں ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ”فرق“ سے مراد نماز فرض کے بعد ذکر کا ترک کرنا ہے یعنی فرض نماز کے بعد چاہئے کہ ذکر کیا جائے جو کہ (اس موقع کے لئے دعاؤں کی شکل میں) احادیث میں مذکور ہے۔ اس کے بعد اٹھ کر سنتیں پڑھی جائیں۔

نیز یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز فرض کے ساتھ نفل نماز کو ملانا نہیں چاہئے یعنی دونوں نمازوں کے درمیان اتنا توقف کرنا چاہئے کہ دونوں میں کوئی اشتباہ نہ ہو۔

نماز کے بعد کی تسبیح

(۱۵) وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ قَالَ أَمَرْنَا أَنْ نُسَبِّحَ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَنَحْمَدُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَنَكْتَبِرُ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ فَاتَى رَجُلٌ فِي الْمَتَامِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقِيلَ لَهُ أَمَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَسْبِّحُوا فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ كَذَا وَكَذَا قَالَ الْأَنْصَارِيُّ فِي مَتَامِهِ نَعَمْ قَالَ فَاجْعَلُوهَا خَمْسًا وَعِشْرِينَ وَاجْعَلُوا فِيهَا التَّهْلِيلَ فَلَمَّا أَصْبَحَ عَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْعَلُوا۔

(رواہ احمد والنسائی والدارمی)

”اور حضرت زید ابن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ہر نماز کے بعد سبحان اللہ تینتیس مرتبہ الحمد للہ تینتیس مرتبہ اللہ اکبر چونتیس مرتبہ کہیں (حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن) ایک انصاری نے ایک فرشتہ خواب میں دیکھا فرشتہ نے اس انصاری سے کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم ہر نماز کے بعد اتنی اتنی تسبیح پڑھو؟ اس انصاری نے کہا کہ ہاں فرشتہ نے کہا کہ ”ان تینوں کلمات (کے پڑھنے) کی تعداد چونتیس چونتیس مقرر کرو اور اس کے ساتھ لا الہ الا اللہ بھی چونتیس مرتبہ مقرر کرو (تاکہ سوا کا عدد پورا ہو جا) جب صبح ہوئی تو انصاری آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے خواب سے آگاہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس پر عمل کرو۔“ (احمد، نسائی، دارمی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ”اس پر عمل کرو“ کی مراد غالباً یہ ہوگی کہ جس طرح تمہیں تسبیح پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس طرح بھی پڑھو اور جس طرح فرشتہ نے خواب میں بتایا ہے اس طرح بھی پڑھ لیا کرو اور یہ بھی چونکہ ذکر ایک طریقہ ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی توثیق فرمادی، اگر آنحضرت ﷺ تقریر یعنی توثیق نہ فرماتے تو محض خواب اس سلسلہ میں حجت نہ ہوتا۔

آیۃ الکرسی کی فضیلت

(۱۶) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَعْوَادِ هَذَا الْمِنْبَرِ يَقُولُ مِنْ قِرَاءَةِ آيَةِ الْكُرْسِيِّ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِ الْجَنَّةِ إِلَّا الْمَوْتُ وَمَنْ قَرَأَهَا حِينَ يَأْخُذُ مَضْجَعَهُ أَمِنَهُ اللَّهُ عَلَى دَارِهِ وَدَارِ جَارِهِ وَأَهْلِ دُورَاتِ حَوْلِهِ رَوَاهُ التَّبَهَقُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَقَالَ اسْنَادُهُ ضَعِيفٌ۔

”اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو لکڑی کے اس منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اسے بہشت میں جانے سے سوائے موت کے اور کوئی چیز نہیں روک سکتی اور جو شخص (آیت الکرسی کو) اپنی خواب گاہ میں جاتے وقت (یعنی سونے کے وقت) پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مکان میں اور اس کے ہمسایہ میں (یعنی جو مکانات اس کے مکان سے ملے ہوئے ہوں) اور اس کے گرد و مکانات میں (جو اگرچہ اس کے مکان سے متصل نہ ہوں) امن دیتا ہے“ اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

تشریح: حدیث کے ابتدائی جملوں سے ایک خلجان واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ موت دخول جنت سے مانع نہیں ہے بلکہ موت تو خود جنت میں جانے کا ذریعہ ہے لہذا چاہئے تو یہ تھا کہ بجائے اس کے یہ فرمایا جائے کہ لم یمنعه من دخول الجنة الا الموت (یعنی اس کے بہشت میں جانے سے سوائے موت کے اور کوئی چیز نہیں روک سکتی) یہ فرمایا جاتا کہ لم یمنعه من دخول الجنة الا الحیوة (یعنی اس کے بہشت میں جانے سے سوائے حیات کے اور کوئی چیز نہیں روک سکتی، کیونکہ انسان اس دنیا میں حیات کے جال میں پھنسا ہوا ہے جب زندگی ختم ہوگی اور موت آئے گی جنت میں اس وقت ہی دخول ممکن ہو گا لہذا دخول جنت کی مانع موت نہیں بلکہ حیات ہے۔

اس کا مختصر جواب علامہ طہیؒ نے یہ دیا ہے کہ بندہ اور جنت کے درمیان موت ایک پردہ ہے کہ ایک طرف تو حیات ہے، اور دوسری طرف جنت ہے جب یہ پردہ ہٹے گا یعنی بندہ کو موت آئے گی تو فوراً جنت میں داخل ہو جائے گا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ”یہاں“ موت سے مراد بندہ کا قیامت کے روز قبر سے اٹھنے سے پیشتر قبر میں بند رہنا ہے چنانچہ جب بندہ قبر سے اٹھے گا فوراً جنت میں داخل ہو جائے گا۔

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے فضائل اعمال کے سلسلہ میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا جائز ہے حدیث کے پہلے جزو کونساؒ ابن حبانؒ اور طبرانیؒ نے بھی نقل کیا ہے ایک روایت میں آیت الکرسی کے ساتھ قل ہو اللہ پڑھنا بھی مذکور ہے۔

نماز فجر و مغرب کے بعد ذکر کی فضیلت

①۷ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ غَنَمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ قَبْلَ أَنْ يَنْصَرِفَ وَيُثْنِيَ رَجُلِيهِ مِنْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالصُّبْحِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُخَيَّرُ وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ كُتِبَ لَهُ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمُحِيتُ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَزُفِعَ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَكَانَتْ لَهُ حِزْرًا مِنْ كُلِّ مَكْرُوهٍ وَحِزْرًا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَلَمْ يَحِلَّ لِدَنْبٍ أَنْ يُذْرِكُهُ إِلَّا الشِّرْكَ وَكَانَ مِنْ أَفْضَلِ النَّاسِ عَمَلًا إِلَّا رَجُلًا يَفْضُلُهُ يَقُولُ أَفْضَلُ مِمَّا قَالَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ عَنْ أَبِي ذَرٍّ إِلَى قَوْلِهِ إِلَّا الشِّرْكَ وَلَمْ يَذْكُرْ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَلَا بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت عبد الرحمن ابن غنم روای ہیں کہ ”رحمت عالم ﷺ فرماتے تھے ”جو شخص فجر اور مغرب کے بعد (نماز کی) جگہ سے اٹھنے سے پیشتر اور پاؤں موڑنے سے پہلے (یعنی جس طرح التحیات کے لئے بیٹھتا ہے اس ہیئت کے ساتھ) ان کلمات کو پڑھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُخَيَّرُ وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے واسطے تمام تعزیریں ہیں اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے، وہی (جسے چاہتا ہے) زندہ رکھتا ہے اور جسے چاہتا ہے موت دے دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے تو اس کے لئے ہر ایک بار کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے دس گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور اس کے (مرتبہ کے) دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں اور یہ کلمات اس کے لئے ہر بری چیز اور شیطان مردود سے امان کا باعث بن جاتے ہیں (یعنی نہ تو اس پر کسی دینی دنیاوی آفت و بلا کا اثر ہوتا ہے اور نہ مردود شیطان اس پر حاوی ہوتا ہے۔ اور شرک کے علاوہ کوئی گناہ (توفیق استغفار اور رحمت پروردگار کی وجہ سے) اسے ہلاکت میں نہیں ڈالتا (یعنی اگر شرک میں مبتلا ہو جائے گا تو پھر اس عظیم عمل کی وجہ سے بھی بخشش نہیں ہوگی) اور وہ شخص عمل کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے بہتر ہوگا سوائے اس شخص کے جو اس سے زیادہ افضل عمل کرے گا (یعنی یہ اس شخص سے تو افضل نہیں ہو سکتا جس نے یہ کلمات) اس سے زیادہ کہے ہوں۔“ (احمد) اس روایت کو امام ترمذی نے بھی ابودرّ سے صرف الا شرک تک نقل کی ہے نیز ان کی روایت میں صلوة المغرب اور بیدہ الخیر کے الفاظ بھی منقول نہیں ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

نماز فجر کے بعد ذکر کی فضیلت

①۸ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا بَعَثَ قَبْلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوا غَنَائِمَ كَثِيرَةً وَاسْرَعُوا الرَّجْعَةَ فَقَالَ رَجُلٌ مِمَّنْ لَمْ يَخْرُجْ مَا رَأَيْنَا بَعْثًا اسْرَعُ رَجْعَةً وَلَا أَفْضَلَ غَنِيمَةً مِنْ هَذَا الْبَعْثِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ أَذْلكُمْ عَلَى قَوْمٍ أَفْضَلَ غَنِيمَةً وَأَفْضَلَ رَجْعَةً قَوْمًا شَهِدُوا صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ جَلَسُوا يَذْكُرُونَ اللَّهَ حَتَّى ظَلَعَتِ الشَّمْسُ فَأُولَئِكَ اسْرَعُ رَجْعَةً وَأَفْضَلَ غَنِيمَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَحَمَّادُ ابْنِ أَبِي حَمْدٍ الزَّوَّارِيُّ هُوَ ضَعِيفٌ فِي الْحَدِيثِ۔

”اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ (ایک موقع) رحمت عالم ﷺ نے ایک لشکر نجد کی طرف بھیجا چنانچہ وہ لشکر فتح و کامیابی کے بعد بہت زیادہ مال غنیمت لے کر بہت جلد (مدینہ) واپس لوٹ آیا، ہم میں سے ایک شخص نے جو لشکر کے ساتھ نہیں گیا تھا کہا کہ ”ہم نے تو ایسا کوئی لشکر نہیں دیکھا جو اس لشکر کی طرح اتنی جلدی واپس آیا ہو اور اپنے ساتھ اتنا مال غنیمت بھی لایا ہو!“ (یہ سن کر) سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ”کیا میں تمہیں ایک ایسی جماعت کے بارے میں نہ بتاؤں جو مال غنیمت میں اور جلد واپسی میں اس لشکر سے بھی بڑھی ہوئی ہے (تو سنو) وہ جماعت وہ ہے جو فجر کی نماز (کی جماعت) میں حاضر ہوئی ہو اور پھر سورج نکلنے تک بیٹھی ہوئی خدا کا ذکر کرتی رہی ہو،

یہی وہ لوگ ہیں جو جلد واپس آنے اور مال غنیمت لانے میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔“ (یہ روایت ترمذیؒ نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی حماد ابن ابو حمید ضعیف ہیں)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس لشکر کے لوگوں کو صرف دنیا کی دولت ملی جو فانی ہے اور اس جماعت کے لوگوں کو تھوڑی سی دیر میں بہت زیادہ ثواب ملا جو باقی رہنے والا ہے جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ۔

”جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے اور جو کچھ اللہ جل شانہ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔“

لہذا اس جماعت کے لوگ نہ صرف یہ کہ مال غنیمت کے اعتبار سے اس لشکر کے لوگوں سے افضل ثابت ہوئے بلکہ جلد واپس لوٹنے میں بھی ان سے بڑھے رہے۔

بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ وَمَا يُبَاحُ مِنْهُ

نماز میں جائز اور ناجائز چیزوں کا بیان

اس باب میں ان چیزوں کا ذکر کیا جائے گا جن کو نماز میں اختیار کرنا جائز ہے نیز ایسی چیزوں کو بھی ذکر کیا جائے گا جن کو نماز میں اختیار کرنا حرام، مکروہ اور مباح ہے اور جن سے نماز پر کسی بھی حیثیت سے اثر پڑتا ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

نماز میں چھینک کے جواب میں یہ حکم اللہ کہنا مفید نماز ہے

① عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ بَيْنَا أَنَا أَصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ بِرَحْمَتِكَ اللَّهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاتَّكِلْ أَيْمَانَهُ مَا شَأْنُكُمْ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ فَجَعَلُوا يَضْرِبُونَ بِأَيْدِيهِمْ عَلَى أَفْجَادِهِمْ فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يَضْمَتُونَنِي لَكِنِّي سَكَتُ فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبَا بَيْنِي هُوَ وَأَمِي مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ فَوَاللَّهِ مَا كَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي قَالَ إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يُضْلِحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ إِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي حَدِيثٌ عَهْدٌ بِجَاهِلِيَّةٍ وَقَدْ جَاءَنَا اللَّهُ بِالْإِسْلَامِ وَإِنْ مَنَّا رَجُلًا لَا يَأْتُونَ الْكُفَّانَ قَالَ فَلَا تَأْتِيهِمْ قُلْتُ وَمَنَّا رَجُلًا يَتَطَيَّرُونَ قَالَ ذَلِكَ شَيْءٌ يَجُوزُ فِيهِ صُدُورُهُمْ فَلَا يَضُدُّهُمْ قَالَ قُلْتُ وَمَنَّا رَجُلٌ يَخْطُونَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخْطُ فَمَنْ وَافَقَ خَطُّهُ فَذَكَرَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلُهُ لَكِنِّي سَكَتُ هَكَذَا وَجَدْتُ فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ وَكِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَصَحَّحَ فِي جَامِعِ الْأُصُولِ بِلَفْظِهِ كَذَا أَفَوْقَ لَكِنِّي۔

”حضرت معاویہؓ ابن حکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ کے ہمراہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ (درمیان نماز) اچانک جماعت میں سے ایک شخص کو چھینک آئی میں نے جواب میں یہ حکم اللہ کہا (یہ سن کر لوگوں نے مجھ کو گھورنا شروع کیا) کہ نماز میں چھینک کا جواب دیتے ہو) میں نے کہا کہ ”تمہاری ماں تمہیں گم کر دے تم لوگ مجھے کیوں گھور رہے ہو لوگوں نے (میری گفتگو سن کر مجھے چپ کرانے اور اظہار تعجب کے لئے) اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ مارنے شروع کئے (جب) میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں (تو

مجھے بہت غصہ آیا کیونکہ مجھے اپنے اس فعل کی برائی کا علم نہ تھا لیکن میں خاموش رہا جب نبی کریم ﷺ نماز پڑھا چکے (تو کیا کہوں) میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان میں نے تو ایسا اچھا تعلیم دینے والا نہ آپ ﷺ سے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا خدا کی قسم! نہ تو آپ ﷺ نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا، اور نہ برا بھلا کہا۔ (ہاں اتنا) فرمایا کہ ”نماز میں انسان کی بات مناسب نہیں ہے، نماز تو تسبیح و تکبیر اور قرآن پڑھنے کا نام ہے“ ”یا اپنے اس کے مانند کچھ اور فرمایا (یعنی راوی کو شک ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہی الفاظ فرمائے تھے یا اس کے مانند دوسرے الفاظ تھے میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ) میں ایک نو مسلم ہوں (ابھی تک دین کے تمام احکام مجھے معلوم نہیں تھے ہاں) (اب) خدا نے ہمیں اسلام کی دولت سے مشرف فرمایا ہے، (تو دین کے تمام احکام سیکھ لوں گا پھر میں نے عرض کیا کہ) ہم میں سے بہت لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں (اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟) فرمایا ”تم ان کے پاس ہرگز نہ جایا کرو“ میں نے عرض کیا ہم میں سے بہت لوگ بدفالی (بھی) لیتے ہیں۔ فرمایا ”یہ ایک ایسی چیز ہے جسے وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں (یعنی یہ ان کا محض وہم اور ذہن کی اختراع ہے جو کاموں کے نفع و نقصان میں کوئی اثر نہیں رکھتا) انہیں اپنے کام سے رکنا نہیں چاہئے معاویہؓ کہتے ہیں میں نے پھر عرض کیا ”ہم میں سے بعض لوگ خط کھینچتے ہیں اور اس کے ذریعہ وہ غیب کی کچھ باتیں بتاتے ہیں (فرمایا انبیاء میں سے ایک نبی تھے جو خط کھینچتے تھے لہذا جس شخص کا خط کھینچنا اس نبی کے خط کھینچنے کے موافق ہو وہ اس بات کو حاصل کر لیتا ہے۔“ ”مسلم“ مؤلف مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ لکھتی سکتی کو صحیح مسلم اور کتاب حمیدی میں اسی طرح دیکھا ہے (البتہ) صاحب جامع الاصول نے لفظ ”لکھتی“ کے اوپر لفظ ”لکھا“ لکھ کر اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تشریح: وَ اِنْ كُنْ اَمِيَّاهُ (یعنی تمہاری ماں تمہیں گم کرے) ان الفاظ کی تشریح پہلے بھی کسی موقع پر کی جا چکی ہے چنانچہ وہاں بتایا جا چکا ہے کہ اہل عرب کے یہاں یہ الفاظ ایسے موقع پر استعمال کئے جاتے تھے جب کہ مخاطب کی کوئی بات یا اس کا کوئی فعل قابلِ تعجب ہوتا تھا۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں چھینکنے والے نے الحمد للہ کہا ہو گا اس کے جواب میں حضرت معاویہؓ نے یہو حکم اللہ کہا۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں چھینک کے جواب میں یہ حکم اللہ کہنا حرام ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اب اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے ایک مفسد نماز فعل کا ارتکاب کیا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم کیوں نہیں دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ نو مسلم تھے اسلام قبول کئے ہوئے انہیں زیادہ دن نہیں گزرے تھے اس لئے انہیں معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ نماز میں گفتگو کرنا منسوخ ہو چکا ہے اب گفتگو کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس کی ناواقفیت کی بناء پر انہیں نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ”اگر کوئی شخص نماز میں یہ حکم اللہ کہے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں دوسرے شخص کو خطاب کرنا پایا جاتا ہے اور اگر کوئی ”یرحمہ اللہ“ کہے تو نماز اس کی باطل نہیں ہوتی

حضرت ابن ہمامؒ کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نفس کے لئے یہ حکم اللہ کہے تو نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ یہو حمی اللہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

ارشاد نبوت ان ہذہ الصلوٰۃ لا یصلح فیہا شئی من کلام الناس (نماز میں انسان کی بات مناسب نہیں ہے) میں ”کلام الناس“ اس لئے فرمایا گیا ہے تاکہ اس حکم سے وہ تسبیحات و اذکار نکل جائیں جو نماز میں پڑھے جاتے ہیں جو اگرچہ انسان کا کلام ہی ہیں لیکن ان سے انسانوں کو خطاب کرنے یا ان کو سمجھانے کا ارادہ نہیں ہوتا لہذا یہاں ”کلام الناس“ (انسان کی بات) سے مراد وہ کلام ہے جس میں لوگوں کو خطاب کیا گیا ہو یا خود مخاطب بننے کا ارادہ ہو۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ ”اگر کوئی شخص کسی نمازی سے حالت نماز میں پوچھے کہ ”تمہارے پاس کیا اور کسی قسم کا مال ہے؟“ اور وہ نمازی جواب میں یہ آیت پڑھے الخیل والبغال والحمیر (گھوڑے، خیر اور گدھے) یا کسی نماز پڑھنے والے کے آگے کوئی کتاب رکھی ہو اور

ایک شخص یحییٰ نامی سامنے کھڑا ہوا اور وہ اس شخص کو خطاب کرنے کی نیت سے یہ آیت پڑھے یَحْيٰی خُذِ الْكِتٰبَ (اے یحییٰ یہ کتاب لے لو) تو ان صورتوں میں نمازی نے اگرچہ قرآن کی آیتیں پڑھی ہیں لیکن یہ پڑھنا چونکہ ایک دوسرے شخص کو خطاب کرنے کے ارادہ سے ہے اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔ ہاں اگر خطاب کا ارادہ نہ کرے بلکہ قرات کے ارادہ سے پڑھے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

کاہن کی تعریف: عرب میں کاہن ان لوگوں کو کہتے ہیں جو جنات، شیاطین اور ارواح خبیثہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، اور شیاطین جھوٹ سچ خبریں ان کو بتاتے تھے، اس طرح وہ لوگ علم غیب کا دعویٰ کر کے شیاطین و جنات کی پہنچائی ہوئی انہی باتوں کو غیب کی بات کہہ کر دوسرے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ ایسے لوگوں کے پاس جانے سے آنحضرت ﷺ نے روکا ہے چنانچہ ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی عراف یا کاہن کے پاس جائے اور ان کی بتائی ہوئی باتوں کو سچ جانے تو اس نے بیشک محمد ﷺ پر اتاری گئی چیز (یعنی قرآن) سے کفر کیا۔“ اس روایت کو امام احمدؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

عراف کسے کہتے ہیں: کاہن کی تعریف تو معلوم ہوگئی، اب یہ بھی جان لیجئے عراف کسے کہتے ہیں۔ عراف اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی عمل یا جادو و منتر کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت بیان کرتا ہے، چوری کی چیزوں کا پتہ بتاتا ہے اور مکان کی کسی گم شدہ چیز کا حال بتاتا ہے ان کے پاس بھی جانے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

عمل رمل: جن طرح جنات و شیاطین کے ذریعہ یا علم نجوم کے ذریعہ غیب کی باتوں کا پتہ لگانے کی کچھ لوگ کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح رمل کے ذریعہ بھی کچھ لوگ غیب کی باتوں تک پہنچنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ رمل اس علم کا نام ہے جس میں خطوط کھینچ کر اور ان کے ذریعہ حساب لگا کر پوشیدہ باتوں کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حدیث کے الفاظ سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رمل کے بارے میں ایک ایسا کلیہ بیان فرما دیا ہے جس سے کسی نہ کسی حد تک علم رمل کا جواز نکلتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ وہ نبی جو علم رمل جانتے تھے اور خط کھینچتے تھے حضرت ادریسؑ یا حضرت دانیالؑ تھے اس کے بعد حدیث کی طرف آئیے، آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے علم رمل کا جواز معلوم نہیں ہوتا کیونکہ بقول خطائیؒ یہاں آنحضرت ﷺ نے تعلق بالحال کی ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ اَزْهَرَ جَزْراً فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے کا خط کھینچنا اس نبی ﷺ کے خط کھینچنے کے موافق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو ان نبی کا معجزہ تھا اور معجزہ صرف نبی کی ذات تک محدود رہتا ہے اور پھر یہ کہ اگر کوئی شخص خط کھینچے اور کہے کہ یہ اس نبی کے خط کھینچنے کے موافق ہے تو یہ غلط ہوگا۔ اس لئے کہ خط کی موافقت صحیح طور سے تو اترا یا نص سے ثابت ہو سکتی ہے جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہو۔ جب کہ آنحضرت ﷺ سے یہ منقول نہیں۔ لہذا ارشاد نبوت سے حاصل یہ نکلا کہ جب کسی رمال (علم رمل جاننے والا) اور اس نبی کے خط میں موافقت نہیں ہو سکتی عمل رمل کو اختیار کرنا بھی درست نہیں۔

اسی طرح کے دو اور سلسلے ہیں ان کا مدار حساب پر ہے جنہیں اصطلاحی طور پر عمل تکبیر اور عمل تریخ سے موسوم کیا جاتا ہے ان کے بارے میں بھی محققین علماء اور مشائخ کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ اعمال بھی شرعاً جائز نہیں ہیں اور ان کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ آخر عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ”کذا“ علامت صحت ہے یعنی اگر یہ ضرورت محسوس ہو کہ عبارت میں کسی ایسے لفظ پر کہ جس کے بارے میں عدم صحت کا گمان ہو گیا ہے کوئی ایسی علامت لگا دی جائے جس کے ذریعہ سے اس لفظ کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو اس موقع پر اس لفظ پر ”کذا“ لکھ دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ اسی طرح صحیح ہے، چونکہ اس حدیث کا لفظ ”لکنی“ اصول میں ہے، مگر مصباح میں نہیں ہے، اس صورت میں یہ ممکن تھا کہ اس لفظ کے عدم صحت کا گمان ہو جاتا۔ اس لئے صاحب جامع الاصول نے اس لفظ پر ”کذا“ لکھ کر اس بات کی تصحیح کر دی ہے کہ یہ لفظ اصول میں یوں ہی ہے اور یہ صحیح ہے۔

نماز میں سلام کا جواب دینا حرام ہے

② وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فِي الصَّلَاةِ فَتَرُدُّ عَلَيْنَا فَقَالَ إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا - (متفق عليه)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونینؐ نماز میں ہوتے اور ہم آپؐ کو سلام کرتے تو آپؐ ہمارے سلام کا جواب دیتے تھے پھر کچھ دنوں کے بعد جب ہم نجاشی کے یہاں سے واپس آئے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپؐ نماز پڑھ رہے تھے (حسب معمول) ہم نے آپؐ کو سلام کیا آپؐ نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا جب آپؐ نماز پڑھ چکے تو ہم نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ہم آپؐ کو نماز میں سلام کرتے تھے آپؐ جواب دیتے تھے آج آپؐ نے جواب کیوں نہیں دیا؟“ آنحضرتؐ نے فرمایا نماز خود ایک بڑا شغل ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت ملک حبشہ کا بادشاہ ایک عیسائی تھاجس کا لقب نجاشی تھا چونکہ یہ ایک عالم تھا اس لئے جب توریت و انجیل کے ذریعہ آنحضرتؐ کے نبی برحق ہونا معلوم ہوا تو وہ آنحضرتؐ کی رسالت پر ایمان لا کر خدا کے اطاعت گزار بندوں میں شامل ہو گئے، جب ۹ھ میں ان کا انتقال ہوا تو آنحضرتؐ کو بہت افسوس ہوا اور آپؐ نے صحابہ کرام کے ہمراہ کھڑے ہو کر ان کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھی۔

چونکہ انہیں آنحضرتؐ سے بہت زیادہ عقیدت تھی اس لئے جب مسلمان مکہ میں کفار کے ہاتھوں بڑی اذیت ناک تکالیف میں مبتلا ہو گئے اور ان کی جانوں کے لالے پڑ گئے تو اکثر صحابہؓ آنحضرتؐ کے ایماء پر ان کے ملک کو ہجرت کر گئے انہوں نے اپنے ملک میں صحابہؓ کی آمد کو اپنے لئے دین و دنیا کی بہت بڑی سعادت سمجھ کر صحابہؓ کی بہت زیادہ خدمت کی اور ان کے ساتھ بہت زیادہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے بعد میں جب صحابہؓ کو علم ہو گیا کہ آنحضرتؐ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے جا چکے ہیں تو وہ بھی مدینہ چلے آئے۔

چنانچہ اسی وقت کا واقعہ حضرت ابن مسعودؓ بیان فرما رہے ہیں کہ حبشہ سے واپس آنے والے قافلہ میں میں بھی شریک تھا جب ہم لوگ مدینہ پہنچ کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرتؐ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے ہم نے حسب معمول آپؐ کو سلام کیا مگر آپؐ نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے ہمارے استفسار پر فرمایا کہ نماز خود ایک بہت بڑا شغل ہے یعنی نماز میں قرآن و تسبیحات اور دعا و مناجات پڑھنے کا شغل ہی اتنی اہمیت و عظمت کا حامل ہے کہ ایسی صورت میں کسی دوسرے شخص سے سلام و کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے یہاں پر نماز کا فرض ہے کہ نماز میں پورے انہماک کے ساتھ مشغول رہے اور جو کچھ نماز میں پڑھے اس پر غور کرے اور نماز کے سوا کسی دوسری جانب خیال کو متوجہ نہ ہونے دے اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں کسی کے سلام کا جواب دینا یا کسی سے گفتگو کرنا حرام ہے کیونکہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

سریا ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا مفید نماز نہیں: شرح فیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی کسی کے سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دے یا اسی طرح کوئی شخص نمازی سے کسی چیز کو طلب کرے اور وہ سریا ہاتھوں سے ہاں یا نہیں اشارہ کرے تو اس کی نماز فاسد تو نہیں البتہ مکروہ ہو جائے گی۔

نماز میں زمین کو برابر کرنے کا مسئلہ

③ وَعَنْ مُعَيْقِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي الثُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ قَالَ إِنْ كُنْتَ فَاعِلًا

فَوَاحِدَةً۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت معقیبؑ سرور کونینؑ سے اس شخص کے بارے میں روایت کرتے ہیں جس نے اپنے بارے میں آپ ﷺ سے پوچھا تھا کہ (نماز میں) سجدہ کی جگہ سے مٹی برابر کرتا ہوں اس کا کیا حکم ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم برابر کرنا ضروری نہی سمجھو تو صرف ایک مرتبہ ایسا کر لیا کرو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شرح فیہ میں لکھا ہے کہ حالت نماز میں سجدہ کی جگہ سے کنکر وغیرہ ہٹانا یا زمین برابر کرنا مکروہ ہے ہاں اگر صورت یہ ہو کہ سجدہ کی جگہ سے کنکر ہٹائے بغیر نشیب و فراز کی وجہ سے زمین برابر کئے بغیر اس جگہ سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ہاں سے کنکر ہٹالیا جائے یا زمین برابر کر لی جائے مگر ایسا صرف ایک مرتبہ یا زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ کیا جاسکتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔

نماز میں خصر ممنوع ہے

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَبَرِ فِي الصَّلَاةِ۔

(مشق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونینؑ نے نماز میں خصر (کوٹھ پر ہاتھ رکھنے) سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس روایت میں لفظ خصر ہے بعض روایتوں میں نہی عن الاختصار اور اَنْ يُصَلِّيَ مختصراً کے الفاظ بھی مقول ہیں۔ خصر کی تعریف: لغت میں خصر انسان کی کمر اور کوٹھ کو کہتے ہیں، علماء کے یہاں ”خصر و اختصار“ کی تعریف ”کمر یا کوٹھ پر ہاتھ رکھنا“ کی جاتی ہے حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں کوئی شخص اپنی کوٹھ یعنی پہلو پر ہاتھ رکھ کر کھڑا نہ ہو۔

نماز میں خصر ممنوع کیوں ہے: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نماز میں کوٹھ پر ہاتھ رکھنے سے منع کیوں فرمایا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اس کی مختلف وجوہ ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا سماجی حیثیت سے کوئی اچھی بات نہیں سمجھی جاتی جاننے والے جانتے ہیں کہ اکثر و بیشتر کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونا یا چلتا دینا کے ان بد نصیب لوگوں کا شیوہ ہے جنہیں دنیا و سماج کے ہر طبقہ میں انتہائی ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے یعنی ”ثرنخے اور ہجرے“

اس کے علاوہ ایک دوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ اس کی توجیہ یہ فرمائی گئی ہے کہ اختصار اہل نار کی حالت آرام کا ایک ذریعہ ہے جس کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ قیامت کے روز میدان حشر میں جب تمام لوگ حساب کتاب کے انتظار میں کھڑے ہوں گے تو اس وقت کثرت مشقت اور لعب کی وجہ سے وہ لوگ جن کے حصہ میں دوزخ کی آگ ہوگی اپنی کوٹھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوں گے تاکہ اس طرح کچھ دیر کے لئے آرام مل جائے جیسا کہ عام طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص ایک طویل عرصہ تک کھڑا کھڑا تھک جاتا ہے تو ایک ٹانگ پر پورے بدن کا بوجھ ڈال کر اور کوٹھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے یا یہ کہ اس حدیث میں اہل نار سے مراد یہودی ہیں کہ ان کی عادت اچھی کھڑے ہونے کی ہے۔

تیسری توجیہ ایک روایت کی روشنی میں یہ ہے کہ جس وقت شیطان مردود کو زمین پر اتار آگیا اور اسے ملعون قرار دیا گیا اس وقت وہ اپنی کوٹھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا تھا۔

لہذا ان تمام توجیہات کو پیش نظر کوٹھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونا چونکہ اہل نار اور شیطان ملعون کی صفت ہے اس لئے ان کی مشابہت

حضرت معقیب سعید ابن ابوالعاصی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ انہوں نے ہر نبوت کو بوسہ دیا تھا۔ بیت المال کی خدمت پر مامور رہے ۴۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے نہ ہوں نہی عن الخصر کا صحیح مطلب اور تشریح جو صحابہؓ اور علماء سلف سے منقول ہیں مذکورہ بالا ہے لیکن بعض حضرات نے اس حدیث کی تشریح یہ بھی کی ہے کہ خصر (مختصر) کے معنی میں ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں عصا پر ٹیک لگا کر کھڑا نہ ہونا چاہئے اس کے علاوہ دیگر تشریحات بھی کی گئی ہیں مگر جیسا کہ بتایا گیا ہے صحیح تشریح اور توضیح وہی ہے جو پہلے ذکر کی گئی۔ (اشعۃ اللمعات)

نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْإِنْفَاتِ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ۔ (ترمذی علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سرور کوئین ﷺ سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا کہ آیا یہ مفسد نماز ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اچک لینا ہے کہ شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص نماز میں پوری توجہ اور پورے آداب کی ساتھ بیٹھ کر ہاتھ بالکہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو شیطان مردود ایسے نماز کی نماز کے کمال کو اچک لیتا ہے یعنی اس طرح نماز کا کمال باقی نہیں رہتا یہاں ادھر ادھر دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ نماز میں کوئی شخص گردن گھما کر ادھر ادھر اس طرح دیکھے کہ منہ قبلہ کی طرف سے پھر جائے تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ ایسے شخص کی نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص نماز میں ادھر ادھر اس طرح دیکھے کہ منہ کے ساتھ ساتھ سینہ بھی قبلہ کی طرف سے بالکل پھر جائے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کن انکھوں سے ادھر ادھر دیکھنے سے نہ تو نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ مکروہ ہوتی ہے البتہ یہ بھی خلاف اولیٰ ہے۔

نماز میں دعا کے وقت نگاہ آسمان کی طرف نہ اٹھانی چاہئے

⑥ وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ أَبْصَارِهِمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ إِلَى السَّمَاءِ أَوْ لَتَخَطُفَنَّ أَبْصَارُهُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کوئین ﷺ نے فرمایا۔ لوگ نماز میں دعا کے وقت اپنی نگاہوں کو آسمان کی طرف اٹھانے سے باز رہیں ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے ازراہ زہریہ فرمایا ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ نماز میں دعا مانگنے کے وقت اپنی نگاہوں کو آسمان کی طرف نہ اٹھائیں ورنہ ان کی مینائی چھن لی جائے گی۔

اس سلسلہ میں یہ مسئلہ ہے کہ یوں تو نماز میں مطلقاً اور خاص طور پر دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانی مکروہ ہے کیونکہ اس طرح اس بات کا وہم پیدا ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسمان میں مکان متعین ہے کہ وہ صرف آسمان ہی پر موجود ہے حالانکہ وہ مکانیت سے پاک ہے وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔

نماز کے علاوہ دوسرے مواقع پر آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے کے بارے میں اختلاف ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ بھی مکروہ ہے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جائز ہے مگر صحیح یہ ہے کہ نماز کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی دعا کے وقت نگاہ اوپر نہ اٹھانی چاہئے۔

ایک روایت میں منقول ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نماز میں اپنی نظر مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے مگر جب یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ تو آنحضرت ﷺ اپنی نگاہ مبارک نیچے رکھنے لگے۔

آنحضرت کا اپنی نواہی کو نماز میں کاندھے پر بٹھانا

④ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّاسِ وَأَمَامَهُ بَنْتُ أَبِي الْعَاصِ عَلَى عَاتِقِهِ فَإِذَا رَكَعَ وَضَعَهَا وَإِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُودِ أَعَادَهَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ سرور کونین ﷺ (ایک روز) لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے (اور آپ ﷺ کی نواہی) امامہ بنت ابوالعاصؓ آپ ﷺ کے مبارک کاندھے پر بیٹھی تھیں جب آپ ﷺ رکوع کرتے امامہ کو (اشارہ سے نیچے) بٹھادیتے اور جب سجدے سے اٹھتے تو ان کو اپنے کاندھے پر بٹھالیتے تھے۔“ (بخاری مسلم)

تشریح: ابوالعاصؓ سرکارِ دو عالم ﷺ کے داماد تھے جن کی شادی آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ سے ہوئی تھی انہیں کی بیٹی کا نام امامہ تھا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب: یہاں یہ ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ نماز میں آنحضرت ﷺ کا امامہ کو اٹھانا اور نیچے بٹھانا اور پھر اٹھا کر کاندھے پر رکھنا فعل کثیر ہوا اور اگر فعل کثیر نہ بھی ہو تو قلیل فعل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اس لئے حالت نماز میں یہ فعل مکروہ ضرور تھا لہذا سمجھ میں نہیں آتا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟

خطابیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ کا امامہ کو اٹھانا اور بٹھانا قصدانہ تھا چونکہ امامہ حضرت ﷺ سے بہت زیادہ مانوس تھیں اور آپ ﷺ کے مبارک کاندھے پر چڑھ کر بیٹھ جاتی تھیں اور پھر رکوع کے وقت کاندھے سے گر پڑتی تھیں گویا اس طرح آنحضرت ﷺ انہیں اتارتے تھے لہذا ان کو کاندھے سے اتارنا یا کاندھے پر بٹھانا آنحضرت ﷺ کا فعل نہیں ہو بلکہ اس فعل کی نسبت آپ ﷺ کی طرف مجاز کر دی گئی اس توجیہ کے پیش نظر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ فعل کثیر تھا کیونکہ فعل کثیر تو اس فعل کو کہتے ہیں جو پے در پے کیا جائے اور یہاں پے در پے نہیں پایا جاتا۔

ایک توجیہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ عمل اس وقت کا ہے جب نماز میں فعل کثیر حرام نہیں ہوا تھا یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا۔

نماز میں جمائی کے وقت منہ بند کر لینا چاہئے

⑤ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَنَاءَبَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَكْظُمْ مَا اسْتَطَاعَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِي رَوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ إِذَا تَنَاءَبَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَكْظُمْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا يَقُلْ هَا فَإِنَّمَا ذَلِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ يَضْحَكُ مِنْهُ)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو اسے چاہئے کہ وہ حتی الامکان اسے روکے کیونکہ (جمائی کے وقت) شیطان (منہ میں) گھس جاتا ہے۔“ (مسلم)

اور بخاری کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ”جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو حتی الامکان اسے روکنا چاہئے اور“ اور ”ہا“ نہ کہے (جیسا کہ جمائی کے وقت بے اختیار منہ سے یہ لفظ نکل جاتا ہے) اس لئے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور وہ اس سے بڑتا ہے۔

تشریح: پیٹ بھرنے خواہ اس کی کدورت اور بدن کے ثقل کی وجہ سے جمائی آتی ہے اور یہ عبادت میں کسل و سستی کا باعث بنتی ہے اس لئے اس کی نسبت شیطان کی طرف فرمائی گئی ہے کہ جمائی لیتے وقت شیطان منہ میں گھس جاتا ہے یعنی ایسی حالت میں اس کے لئے نماز کو

لے فعل کثیر وہ ہے جو بار بار کیا جائے اور خصوصاً دونوں ہاتھوں سے کیا جائے۔

بہکانے اور عبادت سے روکنے کا موقعہ بہت اچھی طرح میسر آتا ہے اور اس کے ہنسنے سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی حالت میں نمازی کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ اس سے عبادت میں کسل اور سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو شیطان کا عین منشا ہے۔

لہذا فرمایا گیا ہے کہ نماز میں جب کسی کو جمائی آئے تو اسے چاہئے کہ حق الامکان جمائی کو روکے اور ایسی صورت میں منہ بند کرے اور منہ بند کرنے کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ ہونٹ بھینچ لئے جائیں اور نچلا ہونٹ دانتوں میں پکڑ لیا جائے یا جب جمائی آئے تو بائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھ لی جائے۔

بعض فرماتے ہیں کہ جمائی روکنے کی سب سے بہتر ترکیب یہ ہے کہ جب جمائی آئے تو فوراً دل میں یہ خیال پیدا کر لینا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کو کبھی جمائی نہیں آئی۔ محض اس خیال سے جمائی رک جائے گی کہا جاتا ہے کہ یہ طریقہ مجرب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جن کے ساتھ ایک واقعہ

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ عَفْرِيَّتَنَا مِنَ الْجِنَّ تَقْلَبُ الْبَارِحَةَ لِيَقْطَعَ عَلَيَّ صَلَاتِي فَأَمْكُنِي اللَّهُ مِنْهُ فَأَخَذْتُ فَأَرَدْتُ أَنْ أَرْبِطَهُ عَلَى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتَّى تَنْظُرُوا إِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَلَمَّ كَثُرَ دَعْوَةُ أَخِي سُلَيْمَانَ رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَخِي مِنْ بَعْدِي فَوَرَدَتْهُ خَاسِئًا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے فرمایا آج رات جنوں میں ایک دیو (یعنی ایک سرکش شیطان) چھٹ کر میرے پاس آیا تاکہ میری نماز میں خلل ڈالے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر حاوی کر دیا چنانچہ میں نے اسے پکڑ لیا اور چاہا کہ مسجد (نبوی) کے ستونوں میں سے کسی ستون سے اسے باندھ دوں تاکہ تم سب لوگ اسے دیکھ لو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آگئی رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَخِي مِنْ بَعْدِي اے پروردگار مجھے اسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لئے مناسب نہ ہو چنانچہ میں نے اسے ذیل بنا کر چھوڑ دیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعائیں بادشاہت سے مراد جنات و شیاطین کو مسخر کرنا اور ان پر تصرف حاصل کرنا ہے چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا اپنے لئے کی تھی اور یہ مرتبہ صرف اپنے لئے ہی چاہا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں چاہا کہ اس شیطان کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ کر ایسا طریقہ اختیار کریں کہ جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس خصوصیت پر کچھ اثر پڑے اور اپنے تصرف کا ظہار ہو ورنہ تو آنحضرت ﷺ کو خود بھی یہ خصوصیت اور مرتبہ اور شیاطین و جنات پر تصرف کی قدرت حضرت سلیمان علیہ السلام سے زیادہ حاصل تھی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شیطان کو چھونا نماز کو نہیں توڑتا۔

نماز میں کسی خاص موقعہ پر اشارہ کیا جاسکتا ہے

⑩ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَافَثَ شَيْئًا فِي صَلَاتِهِ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ فَإِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جس شخص کو نماز میں کوئی بات پیش آئے تو اسے چاہئے کہ وہ سبحان اللہ کہے اور دستک دینا یعنی تالی بجانا عورتوں کے لئے مخصوص ہے اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ فرمایا سبحان اللہ کہنا مردوں کے لئے مخصوص ہے اور تالی بجانا عورتوں کے لئے (مخصوص) ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حالت نماز میں اگر کوئی خاص واقعہ پیش آجائے مثلاً کوئی شخص گھر میں نماز پڑھ رہا ہے اور باہر دروازہ پر اسے کسی

نے آواز دی یا کسی نے گھر میں آنے کی اجازت طلب کی اور اسے معلوم نہیں کہ صاحب خانہ نماز پڑھ رہا ہے اور باہر دروازہ پر اسے کسی نے آواز دی پھر یہ کہ گھر میں کوئی دوسرا شخص ایسا موجود نہیں ہے جو باہر کی آواز کا جواب دے تو ایسی صورت میں مرد نمازی کو چاہئے کہ وہ باوازیلند ”سبحان اللہ“ کہہ کر نماز میں مشغول ہونے کا اشارہ کر دے۔

اسی طرح اگر کوئی عورت نماز پڑھ رہی ہو تو مذکورہ بالا صورت میں اس کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ سبحان اللہ نہ کہے بلکہ تالی بجاوے تاکہ باہر سے آواز دینے والا سمجھ لے کہ گھر میں صرف عورت موجود ہے اور وہ بھی نماز پڑھ رہی ہے۔ عورتوں کو سبحان اللہ کہنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ جس طرح وہ خود غیر مردوں کے سامنے نہیں آسکتی اسی طرح وہ اپنی آواز بھی غیر مرد کو نہیں سناسکتی۔ اور ایسے موقع پر عورتوں کے لئے تالی بجانے کا بھی ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ دائیں ہاتھ کی پھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر ماری جائے۔ ایک ہاتھ کھینچی کو دوسرے ہاتھ کی پھیلی پر نہ مارا جائے جیسا کہ گانے والیاں تالی بجاتی ہیں کیونکہ اس طرح تالی بجانے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

الفصل الثانی

نماز میں سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے

⑪ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ كُنَّا نَسْلِمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ قَبْلَ أَنْ نَأْتِيَ أَرْضَ الْحَبَشَةِ فَيُزِدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ أَرْضِ الْحَبَشَةِ أَتَيْتُهُ فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَزِدْ عَلَيَّ حَتَّى إِذَا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ إِنَّ اللَّهَ يُخْبِرُ مِنْ أَمْرِهِ مَا يَشَاءُ وَإِنْ مِمَّا أَحَدٌ أَنْ لَا تَتَكَلَّمُوا فِي الصَّلَاةِ فَرَدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ وَقَالَ إِنَّمَا الصَّلَاةُ لِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللَّهِ فَإِذَا كُنْتُ فِيهَا فَلْيَكُنْ ذَاكَ شَانِكَ۔ (رواہ ابو داؤد)

”حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ملک حبشہ سے واپسی سے قبل ہم سرور کونینؐ کو جب کہ آپؐ نماز میں ہوتے تھے سلام کرتے تھے اور آپؐ ہمارے سلام کا جواب دے دیا کرتے تھے پھر جب ہم ملک حبشہ سے واپس ہوئے تو میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت میں نے آپؐ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا میں نے آپؐ کو سلام کیا مگر آپؐ نے جواب نہیں دیا جب آپؐ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا ”خداوند تعالیٰ اپنے جس حکم کو چاہتا ہے ظاہر کرتا ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اب یہ حکم ظاہر کیا ہے کہ نماز میں بات چیت نہ کیا کرو“ پھر آپؐ نے میرے سلام کا جواب دیا اور اس کے بعد فرمایا نماز صرف قرآن پڑھنے اور خدا کا ذکر کرنے کے لئے ہے لہذا جب تم نماز کی حالت میں ہو تو تمہارا بھی یہی حال ہونا چاہئے یعنی صرف قرآن پڑھو اور خدا کا ذکر کرو۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد سلام کا جواب دینا مستحب ہے۔ اسی طرح اگر کوئی استنجا کرتا ہوا ہو یا قرآن پڑھتا ہوا ہو اور کوئی دوسرا شخص اسی حالت میں اسے سلام کرے تو اس کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ ان امور سے فراغت کے بعد سلام کا جواب دے۔

نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینے کا مسئلہ

⑫ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قُلْتُ لِبَلَالٍ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِدُّ عَلَيْهِمْ حِينَ كَانُوا يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ كَانَ يُشِيرُ بِيَدِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي رَوَايَةِ النَّسَائِيِّ نَحْوُهُ وَعَوْضُ بِلَالٍ صُهْبٌ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ جب سرور کونینؓ حالت نماز میں ہوتے تھے اور اس وقت کوئی آپؓ کو سلام کرتا تھا تو آپؓ کو سلام کا جواب کس طرح دیتے تھے؟ حضرت بلالؓ نے فرمایا آپؓ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دیا کرتے تھے۔“ (ترمذی) اور نسائی میں ایک روایت بجائے ابن عمرؓ کے صہیب سے اچھی طرح منقول ہے (یعنی ترمذی کی روایت میں تو یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت بلالؓ سے یہ سوال کیا اور نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت صہیبؓ نے حضرت بلالؓ سے یہ سوال کیا تھا)۔

تشریح: آنحضرتؐ اگر حالت نماز میں ہوتے اور اس وقت کوئی آپؐ کو سلام کرتا تو آپؐ اس کے سلام کا جواب اپنے ہاتھ کے اشارہ سے دیا کرتے تھے اور اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ہاتھ کا پنجہ کھول کر پھیلی کوزمین کی طرف لے جاتے تھے جیسا کہ ابو داؤد وغیرہ کی روایت میں اس کی صراحت بھی کی گئی ہے اور آپؐ صرف انگلی سے اشارہ کر لینے پر اکتفا کر لیا کرتے تھے۔ نماز میں سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا مکروہ ہے: فتاویٰ ظہیریہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص حالت نماز میں کسی کے سلام کے جواب میں ہاتھ یا سر کے اشارہ کرے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

خلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص سر یا ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دے گا۔ تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ صحیح اور مفتی بہ قول جو شرح منیہ اور شامی وغیرہ میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ نمازی کو کسی کے سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا مکروہ شریکی ہے لہذا اب اس صیث کی توجیہ یہ کی جائے گی کہ آنحضرتؐ حالت نماز میں سلام کا جواب ہاتھ کے اشارہ سے اس وقت دیا کرتے تھے جب نماز میں بات چیت ممنوع نہیں قرار دیا گیا تھا جب نماز میں کسی قسم کی کوئی بھی گفتگو ممنوع قرار دے دی گئی تو سلام کا جواب بھی زبان یا اشارہ سے دینا منسوخ ہو گیا کیونکہ اشارہ کرنا بھی ایک طرح کلام ہی کے معنی میں ہے۔

نماز میں چھینکنے کے بعد حمد کرنا

⑬ وَعَنْ رِفَاعَةَ ابْنِ رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا أَطِيبًا مُبَارَكًا مُمَارًا عَلَيْهِ فِيهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضَى فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ فَقَالَ مَنْ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّلَاثَةَ فَقَالَ رِفَاعَةُ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ ابْتَدَرَهَا بِضْعَةٌ وَثَلَاثُونَ مَلَكًا أَيُّهُمْ يَصْعَدُ بِهَا۔ (رواہ الترمذی و ابو داؤد و النسائی)

”اور حضرت رفاعہ ابن رافعؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے سرور کونینؓ کے پیچھے نماز پڑھی نماز کے درمیان مجھے چھینک آگئی میں نے یہ کلمات حمد کہے الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا أَطِيبًا مُبَارَكًا مُمَارًا عَلَيْهِ فِيهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضَى تمام تعریف خدا کے لئے ہے بہت زیادہ تعریف بہت پاکیزہ یعنی خالص بابرکت اور برکت کی گئی جیسی (تعریف) کہ دوست رکھتا ہے ہمارا رب اور پسند کرتا ہے۔ آنحضرتؐ جب نماز پڑھ چکے تھے (ہماری طرف) متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ نماز میں باتیں کرنے والا کون ہے؟ آنحضرتؐ کی ناراضگی کے خوف سے کوئی نہیں بولا پھر آپؐ نے دوسری مرتبہ یہی فرمایا جب بھی کوئی نہیں بولا جب تیسری مرتبہ آپؐ نے یہی فرمایا تو رفاعہ نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) میں ہوں آنحضرتؐ نے فرمایا ”اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے (میں نے دیکھا) کہ تیس سے زیادہ فرشتے ان کلمات کو لے جانے میں جلدی کر رہے تھے کہ ان میں سے کون پہلے اس کو لے جائے۔“ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی)

تشریح: ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں چھینکنے والے کو حمد کرنا جائز ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ حمد دل سے کہے یا خلاف اولیٰ سے بچنے کی خاطر چھینک کے بعد سکوت اختیار کرے جیسا کہ شرح منیہ میں مذکور ہے۔

جمائی شیطانی اثر ہے

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّائِبُ فِي الصَّلَاةِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَنَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظُمْ مَا اسْتَظَاعَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي أُخْرَى لَهُ وَلَا بِنِ مَاجَةٍ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى فِئِهِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”نماز میں جمائی لینا شیطان (کے اثر) سے ہے لہذا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو اسے حتی الامکان روکنا چاہئے۔ ترمذیؒ کی ایک دوسری روایت اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں (کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ نماز میں جسے جمائی آئے تو اسے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لینا چاہئے۔“ (ترمذیؒ)

تشریح: پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ جمائی کا آنا شیطانی اثر کی وجہ سے ہے کیونکہ جمائی عبادت میں کسل و سستی اور نیند و غفلت کا باعث بنتی ہے اور شیطان ان چیزوں سے خوش ہوتا ہے اس لئے جمائی کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

نماز کے راستہ میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرنے کا حکم

(۱۵) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَأَحْسَنَ وُضُوئَهُ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يُشَبِّكَنَّ بَيْنَ أَصَابِعِهِ فَإِنَّهُ فِي الصَّلَاةِ۔ (رواه احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و الدارمی)

”اور حضرت کعب ابن عجرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو اچھی طرح وضو کرے پھر نماز کا ارادہ کر کے مسجد کی طرف چلے (اور اسے چاہئے کہ راستہ میں) انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے کیونکہ وہ اس وقت سے گویا نماز میں ہے۔“ (احمدؒ، ترمذیؒ، ابو داؤدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: حدیث کے پہلے جز کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص وضو کرے تو اسے چاہئے کہ وہ وضو کے تمام شرائط و آداب کو ملحوظ رکھے اور حضور قلب کے ساتھ وضو کرے تاکہ وضو پورے کمال اور حسن کے ساتھ ادا ہو۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ جس قدر توجہ اور حضور قلب وضو میں حاصل ہوگا اسی قدر نماز میں خشوع و خضوع اور توجہ پیدا ہوگی۔

تشبیک کیا ہے؟ حدیث کے دوسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی وضو کے بعد نماز کے ارادہ سے مسجد کی طرف چلے تو راستہ میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر کھیلتا ہو انہ چلے کیونکہ جب وہ نماز کی نیت سے گھر سے نکلا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہے اور خشوع و خضوع کے منافی ہونے کی وجہ سے تشبیک چونکہ نماز میں ممنوع ہے اس لئے نماز کے راستے میں یہ بھی ممنوع ہے اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جو چیز نماز میں ممنوع ہے وہ نماز کے لئے مسجد آتے ہوئے راستہ میں بھی ممنوع ہوگی۔

اس حدیث سے اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ بندہ کو چاہئے کہ وہ نماز کے راستہ میں حضور اور خشوع و ادب اور وقار کے ساتھ چلے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ایک باب ”مسجد میں تشبیک“ کے موضوع پر قائم کیا ہے جس کے تحت انہوں نے دو حدیثیں نقل کی ہیں ”دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسجد میں انگلیوں کے درمیان تشبیک جائز ہے لہذا علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے ثابت شدہ ممانعت کی تعلق اس صورت سے ہے کہ جب کوئی شخص انگلیوں کے درمیان تشبیک محض کھیل اور تفریح طبع کی خاطر کرے اور کوئی شخص بطریق تمثیل کرے تو جائز ہے یا پھر بخاریؒ کی روایت کردہ احادیث کی یہ توجیہ بھی کی جاسکتی ہے کہ ان احادیث کا تعلق اس وقت سے ہے جب کہ انگلیوں کے درمیان تشبیک کی ممانعت کا حکم نہیں ہوا تھا۔ واللہ اعلم

نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے

(۱۶) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ اللَّهُ تَعَالَى عَزَّ وَجَلَّ مُقْبِلًا عَلَى الْعَبْدِ وَهُوَ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ فَإِذَا التَّفَتَ انْصَرَفَ عَنْهُ - (رواه احمد والبوداذ والنسائي والداري)

”اور حضرت ابو ذرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب کوئی بندہ نماز میں ہوتا ہے تو اللہ عزوجل اس بندہ کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر (گردن پھیر کر) نہیں دیکھتا چنانچہ جب بندہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔“ (احمد، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: ابن ملکؒ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منہ پھیرنے سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی نمازی حالت نماز میں گردن پھیر کر ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اس کے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔

امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ سے ایک صحیح روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ تو پروردگار اپنی بزرگ و برتر ذات کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوتا ہے (مگر جب وہ بندہ (نماز میں) ادھر ادھر دیکھتا ہے اور اپنی نظر کو غیر کی طرف متوجہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم تو کس کی طرف دیکھ رہا ہے کیا تیرے لئے مجھ سے بھی کوئی بہتر ہے کہ جس کی طرف تیری نظر متوجہ ہو رہی ہے؟ میری طرف اپنا منہ پھیر جب بندہ دوبارہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو پروردگار پھر بھی فرماتا ہے اور جب تیری مرتبہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ جل شانہ اپنے روئے مبارک جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے اس بندہ کی طرف سے پھیر لیتا ہے۔

نماز میں نظر سجدہ کی جگہ رکھنی چاہئے

(۱۷) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَنَسُ اجْعَلْ بَصْرَكَ حَيْثُ تَسْجُدُ رَوَاهُ السَّيِّهَقِيُّ فِي سُنَنِ الْكَبِيرِ مِنْ طَرِيقِ الْحَسَنِ عَنْ أَنَسٍ يَرْفَعُهُ الْحِزْرِيُّ -

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ انسؓ نماز میں تم اپنی نگاہ وہاں رکھو جہاں سجدہ کرتے ہو اس روایت کو بیہقی نے سنن کبیر میں حضرت انسؓ سے بطریق حسن نقل کیا ہے جس کو جزری نے مرفوع کہا ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری نماز میں نظر سجدہ کی جگہ رکھنی چاہئے چنانچہ شوافع کا عمل اسی پر ہے مگر علامہ طہیٰ نے فرمایا ہے ”کہ مستحب یہ ہے کہ حالت قیام میں نظر سجدہ کی جگہ، رکوع میں پشت قدم پر، سجدہ میں ناک کی طرف اور بیٹھنے کی حالت میں زانو پر رکھنی چاہئے یہی مسلک حنفیہ کا بھی اتنے اضافہ کے ساتھ ہے کہ سلام کے وقت نظر کاندھوں پر رکھنی چاہئے بعض علماء کا یہ بھی قول ہے کہ حرم شریف میں نماز پڑھتے ہوئے نظر کعبہ پر رکھنی چاہئے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نماز میں آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے اصل مشکوٰۃ میں روایت کے بعد جگہ خالی ہے بعد میں کسی شارح نے ”السیہقی“ سے آخر تک کی عبارت کا اضافہ کیا ہے۔

نماز میں ادھر ادھر دیکھنے پر وعید

(۱۸) وَعَنْهُ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بَنِي إِسْرَءِيلَ وَالْإِنْفَتَاتُ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ الْإِنْفَتَاتُ فِي الصَّلَاةِ هَلَكَةٌ فَإِنْ كَانَ لَأَنْدَفَقِي التَّطَوُّعَ لَا فِي الْفَرِيضَةِ - (رواه الترمذی)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے بچو کیونکہ نماز میں (گردن پھیر کر) ادھر ادھر دیکھنا (آخرت میں) ہلاکت کا سبب ہے اور اگر دیکھنا ضروری ہو تو نفلوں میں (تو خیر مضائقہ نہیں) مگر فرضوں میں

(ہرگز نہیں)۔ (ترمذی)

تشریح: نماز میں گردن ادھر ادھر پھیر کر دیکھنا آخرت میں ہلاکت کا سبب اس لئے ہے کہ ایسا کرنے والا اصل شیطان کی اطاعت کرتا ہے کیونکہ شیطان کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ بندہ نماز میں پوری توجہ اور لگن کے ساتھ نہ رہے بلکہ ان کی نظر اور اس کا ادھر ادھر بھٹکتا رہے۔

حدیث کے الفاظ فَاِنْ كَانَ لَا بَدَّ كَامَطْلَبِ یہ ہے کہ اگر تمہارا احساس و شعور اور تمہاری سعادت اس بات سے متاثر نہیں ہوتی کہ تمہاری نماز میں نقصان ہو جائے یا نماز کا کمال ختم ہو جائے تو کم از کم فرض نماز میں تو ایسا نہ کرو کہ ادھر ادھر دیکھ کر اس نماز کے کمال کو ختم کرو ہاں نفل نماز میں تو کسی نہ کسی حد تک انگیز بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ نفل نماز فرض نماز کے مقابلہ میں کچھ سہل ہے کہ فرض نماز کے لئے بہت زیادہ اور کامل اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے اور اس میں ذرا سا بھی نقصان اخروی حیثیت سے تباہی و ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے اور عقلمندی اور سعادت کا تقاضا تو یہ ہونا چاہئے کہ ادھر ادھر دیکھ کر نفل نماز میں بھی کوئی نقصان نہ پیدا کرنا چاہئے حقیقت میں نفل نماز کا نقصان فرض نماز کے نقصان کا باعث ہے اس لئے کہ نوافل در حقیقت فرائض کی تکمیل کرنے والے ہیں لہذا حدیث کے اس جملہ سے مطلب اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ نفل نماز میں ادھر ادھر دیکھنا مکروہ نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اس بات کی طرف رغبت دلاتا ہے کہ فرض نماز اپنی عظمت و اہمیت کے اعتبار سے اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی کہ اس قسم کے افعال کا ارتکاب کر کے نماز میں نقصان پیدا کیا جائے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کی کراہت فرض نماز کی بہ نسبت نفل نماز میں کم ہے۔

نماز میں کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھنا مکروہ نہیں ہے

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْحَظُ فِي الصَّلَاةِ يَمِينَهُ شِمَالًا وَيَلْوِي عُنُقَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نماز میں کن انکھیوں سے دائیں بائیں دیکھتے تھے مگر پیچھے ہٹ کر طرف اپنی گردن کبھی نہیں موڑتے تھے۔“ (ترمذی، نسائی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نماز میں دائیں بائیں کن انکھیوں سے یا تو اس لئے دیکھتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز میں اس طرح دیکھنا نماز کو باطل نہیں کرتا یا پھر اپنے پیچھے کھڑے ہوئے مقتدیوں کے احوال دیکھنے کے لئے آپ ﷺ اس طرح دیکھا کرتے تھے۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھنا تو مکروہ ہے مگر کن انکھیوں سے اس طرح دیکھنا کہ گردن کا رخ تبدیل نہ ہو مکروہ نہیں ہے اگرچہ اس طرح نہ دیکھنا بھی اولیٰ ہے۔

نماز میں شیطانی اثرات

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَفَعَهُ قَالَ أَلْعَطَاسُ وَالتَّعَاسُ وَالتَّشَاؤُثُ فِي الصَّلَاةِ وَالْحَيْضُ وَالْقَيْءُ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عدی ابن ثابتؓ اپنے والد کرم سے اور وہ اپنے والد یعنی عدی کے دادا سے جنہوں نے اس حدیث کو آنحضرت ﷺ تک پہنچایا ہے نقل کرتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”نماز میں چھینکا، اونگھنا، جمائی کا آنا اور حیض کا آنا اور قے کا ہونا اور نکسیر کا پھوٹنا شیطان کے (اثر) سے ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں جب نماز میں پیدا ہوتی ہیں تو شیطان بہت زیادہ خوش ہوتا ہے کیونکہ ان چیزوں سے نماز پر اثر پڑتا ہے۔ یہاں چھینک سے مراد بکثرت چھینکنا ہے لہذا یہ حدیث اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ چھینکنے کو پسند کرتا ہے کیونکہ اس چھینکنے سے مراد معتدل طریقے پر چھینکنا ہے اور معتدل کا اطلاق تین سے کم پر ہوتا ہے۔ ان دونوں احادیث کے درمیان ظاہری وجہ تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ ”نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں چھینکنے کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور مکروہ چھینک وہ ہے جو نماز میں آئے۔“

ان چیزوں سے شیطان اس لئے خوش ہوتا ہے کہ چھینکنا قرأت و حضور کے لئے مانع ہے اور اوگھ اور جمائی عبادت میں کسل و سستی کا باعث ہیں اور حیض و نکسیر و قے مفسد صلوة ہیں۔

حدیث میں پہلے تین چیزوں (چھینک، اوگھ، جمائی) کے ذکر کے بعد ”فی الصلوة“ ذکر کر کے آخر کی تین چیزیں (یعنی حیض، قے، نکسیر) کو جدا کر دیا گیا ہے اور اس سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ پہلی تین چیزیں مفسد صلوة نہیں ہیں بلکہ مکروہ ہیں جب کہ آخری تینوں چیزیں مفسد صلوة ہیں یعنی ان سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی

(۲۱) وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشَّخِيرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي وَلِيَجُوفِهِ أَزِيْرُ كَاذِبُ الْمِزْجَلِ يَغْنِي يَنْكِي وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي صَدْرِهِ أَزِيْرُ كَاذِبُ الزُّخَى مِنَ الْبُكَاءِ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَرَوَى التَّسَانِي الرِّوَايَةُ الْأُولَى وَأَبُو دَاوُدَ الثَّانِيَةَ۔

”اور حضرت مطرف ابن عبد اللہ بن شخیر اپنے والد کرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں ایک روز سرور کو نین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، اور آپ ﷺ کے اندر سے دیگ کے جوش جیسی آواز آرہی تھی یعنی آنحضرت ﷺ رو رہے تھے“ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس وقت آپ ﷺ کے سینہ سے بچی کی سی رونے کی آواز آرہی تھی۔“ (احمد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی ہدایہ میں اس مسئلہ کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں بہت روئے اور دوزخ یا عذاب وغیرہ کے ذکر اور یاد سے متاثر ہو کر آہ کرے یا آواز بلند روئے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی اور اگر کوئی شخص کسی جسمانی درد اور تکلیف کی شدت کی وجہ سے آہ کرے یا آواز بلند روئے تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

نماز میں کنکریاں نہ ہٹانے کا حکم

(۲۲) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحُ الْحَصَا فَإِنَّ الرِّجْمَةَ تَوَاجَهُهُ۔ (رواہ احمد والترمذی والبوداؤد والتسانی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ذرؓ راوی ہیں کہ سرور کو نین ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو جائے تو اسے ہاتھ سے کنکری نہ ہٹانا چاہئے گویا رحمت سامنے ہوتی ہے۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: رحمت سامنے ہوتی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص دنیا سے منہ موڑ کر نماز کی حالت میں اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے سامنے رحمت الہی کا نزول ہوتا ہے اس لئے ایسے مقدس و با عظمت موقع پر نمازی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کنکریوں سے کھیل کرے یا اس قسم کا کوئی دوسرا فعل کر کے بے ادبی کا معاملہ کرے کہ جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے انوار فضل و رحمت

سے محروم ہو جائے۔

سجدہ کی جگہ صاف کرنے کے لئے پھونک نہ ماری جائے

(۲۳) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا لَنَا يُقَالُ لَهُ أَفْلَحُ إِذَا سَجَدَ نَفَخَ فَقَالَ يَا أَفْلَحُ تَرَبَّ وَجْهَكَ - (رواہ الترمذی)

”اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ہمارے ایک غلام جس کا نام افلح تھا دیکھا کہ وہ جب سجدہ کرتا ہے تو سجدہ کی جگہ صاف کرنے کے لئے پھونک مارتا ہے تاکہ منہ خاک آلود نہ ہو جائے آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”افلح“ اپنے منہ پر مٹی لگنے دو۔“ (ترمذی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ سجدہ کی جگہ کو پھونک مار کر صاف نہ کرو بلکہ اپنے منہ کو خاک آلود ہو جانے دو کیونکہ بارگاہ خداوندی میں حاضری کے وقت اظہار عجز و بے کسی کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔ اور اس سے بہت زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔

کوکھ پر ہاتھ رکھنا دوزخیوں کے آرام لینے کی صورت ہے

(۲۴) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِخْتِصَارُ فِي الصَّلَاةِ رَاحَةٌ أَهْلِ النَّارِ - (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا نماز میں اختصار (یعنی کوکھ پر ہاتھ رکھنا) دوزخیوں کے آرام لینے کی صورت ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس باب کی حدیث نمبر ۴ کی تشریح کے ضمن میں خصر و اختصار کی وضاحت کی جا چکی ہے وہاں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ میدان حشر میں جب دوزخی کھڑے کھڑے بہت زیادہ تکلیف محسوس کریں گے تو وہ اپنے کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جائیں گے اور اس طرح وہ کچھ دیر کے لئے آرام اور سکون کی خواہش کریں گے اس لئے آنحضرت ﷺ نے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونے کو منع فرمایا ہے کہ دوزخیوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

نماز میں سانپ و بچھو مارنے کا مسئلہ

(۲۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ الْحَيَّةَ وَالْعَقْرَبَ - (رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و النسائی معناه)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”نماز میں دو کالوں یعنی سانپ اور بچھو کو مار ڈالو۔“ (احمد، ترمذی اور نسائی)

تشریح: ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے سانپ یا بچھو سامنے آجائے تو ان کو ایک چوٹ یا دو چوٹ کے ساتھ مارنا چاہئے اس سے زیادہ چوٹ نہ ماری جائے کیونکہ یہ عمل کثیر ہو جائے گا جس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ شرح نیلہ میں بعض مشائخ کا قول مذکور ہے کہ یہ (یعنی نماز میں سانپ، بچھو مارنے کا حکم) اس صورت میں ہے جب کہ نمازی کو بہت زیادہ یعنی تین قدم پے درپے چلنا نہ پڑے اور نہ زیادہ مشغولیت ہو یعنی تین چوٹ پے درپے مارنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور اگر کوئی نمازی سانپ یا بچھو مارنے کی غرض سے پے درپے تین قدم چلے گا یا پے درپے تین چوٹیں مارے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اتنا زیادہ چلنا یا اتنی مقدار مشغولیت

اختیار کرنا عمل کثیر ہے۔ سرخسی نے اسے مبسوط میں ذکر کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں یہ فرق نہ کیا جائے کہ تین قدم چلنے سے یا تین چوٹیں مارنے سے نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ جس طرح حدیث پیش آجائے (یعنی وضو ٹوٹ جانے کی شکل میں زیادہ چلنے کی سہولت دی گئی ہے اسی طرح اس مسئلہ میں بھی سہولت دی گئی ہے لیکن تحقیقی طور پر صحیح بات یہی ہے کہ تین قدم چلنے یا تین چوٹ مارنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے

البتہ اتنی سہولت ہے کہ ایسے موقع پر جب کہ سانپ یا بچھو نماز میں سامنے آجائے اور اس کا مارنا ضروری ہو تو ایسی صورت میں ان کو ہانکنے کے لئے نماز توڑ دینا مباح ہے جیسا کہ کسی مظلوم کی فریاد ری یا کسی کو ڈوبنے اور ہلاکت سے بچانے کی خاطر نماز توڑ دینا مباح ہے یعنی اگر کسی چھت سے گر جائے یا ہگ میں جل جائے یا کنویں وغیرہ میں ڈوب جائے کا قوی خطرہ ہو اور قریب ہی ایک شخص نماز میں ہو تو ایسی صورت میں اس نمازی کو چاہئے کہ نماز کو توڑ دے اور انہیں بچانے کی کوشش کرے یا اسی طرح کسی نمازی کو حالت نماز میں اپنی یا غیر کی کسی چیز کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو اور اس کی قیمت ایک درہم تک ہو تو اسے اس چیز کو بچانے کے لئے نماز توڑ دینا جائز ہے۔

اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف کالے سانپ ہی کو مارا جاسکتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حدیث میں کالے سانپ کی تخصیص محض تغلیب کی گئی ہے چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ ہر قسم کے سانپوں کو مارنا جائز ہے کالے سانپ ہی کی تخصیص نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ نماز کی حالت میں دروازہ کھولتے تھے

(۲۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي تَطَوُّعًا وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ حَتَّى فَاَسْتَفْتَحَتْ فَمَشَى فَفَتَحَ لِي ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مُصَلَّاهُ وَذَكَرْتُ أَنَّ الْبَابَ كَانَ فِي الْقِبْلَةِ۔

(رواہ احمد، ابوداؤد، الترمذی والنسائی رحمہم)

”اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ گھر میں نفل نماز میں مشغول ہوتے اور دروازہ بند رہا کرتا تھا میں (گھر میں آئی تو دروازہ کھولتی اور آپ ﷺ چل کر میرے لئے دروازہ کھول دیا کرتے تھے پھر مصلے پر واپس آجاتے) اور اپنی نماز میں مشغول ہو جاتے) اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا۔“ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دروازہ چونکہ قبلہ کی طرف تھا اس لئے آنحضرت ﷺ دروازہ کھولنے کے لئے تشریف لاتے تھے تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک قبلہ کی طرف سے پھرتا نہیں تھا کیونکہ قبلہ سامنے ہی ہوتا تھا پھر جب مصلے پر واپس تشریف لاتے تو پچھلے پاؤں ہٹ کر آتے تھے تاکہ پشت قبلہ کی طرف نہ ہو۔

علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا حجرہ مبارک زیادہ وسیع و عریض نہیں بلکہ بہت تنگ تھا اس لئے ایک دو قدم سے زیادہ چلنا نہیں پڑتا تھا کہ عمل کثیر ہوتا لیکن اس کے باوجود ایک اشکال پھر بھی واقع ہوتا ہے کہ دو قدم چلنا دروازہ کھولنا اور پھر مصلے پر واپس آنا یہ سب مل کر تو عمل کثیر ہو جاتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ افعال پے درپے نہیں ہوتے تھے کہ عمل کثیر ہو سکیں۔

نماز میں وضو ٹوٹ جانے کا مسئلہ

(۲۷) وَعَنْ طَلْحِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِيدِ الصَّلَاةَ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مَعَ زِيَادَةٍ وَتَقْصَانٍ۔

”اور حضرت طلحہ ابن علیؓ نے فرمایا ”نماز کی حالت میں جب تم میں سے کسی کی بغیر آواز کے ریح خارج ہو تو اسے چاہئے کہ جاکر وضو کرے اور نماز کو دوبارہ پڑھے۔ اس روایت کو ترمذی نے بھی کچھ کمی زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نماز کی حالت میں کسی کی ریح خود بخود خارج ہو جائے تو اسے وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھنا افضل ہے لیکن فقہی شرائط کے مطابق اگر کوئی شخص وضو کر کے نماز از سر نو شروع نہ کرے بلکہ جہاں سے نماز چھوڑی تھی اتنی ہی پر بقیہ نماز کی بناء کرے تو جائز ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے اور انہوں نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

یہ مسئلہ تو خود بخود ریح خارج ہونے کا ہے، اگر کوئی شخص حالت نماز میں قصد ریح خارج کرے تو اس کے لئے دوبارہ وضو کر کے از سر نو نماز پڑھنا واجب ہے۔

(۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَا خُذْ بِنَافِهِ ثُمَّ لِيَنْصُرْ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کا وضو حالت نماز میں ٹوٹ جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی ناک پکڑ کر نماز سے نکل آئے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر حالت نماز میں کسی شخص کی ریح خارج ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ ناک پکڑ کر وضو کے لئے چلا جائے تاکہ لوگ یہ گمان کریں کہ نکسیر پھوٹی ہے۔ ناک پکڑ کر نماز سے نکلنے کا حکم اس لئے فرمایا گیا تاکہ ایسا شخص ایسے موقعہ پر شرمندگی و ندامت سے بچ جائے۔ کیونکہ ظاہر ہونا کہ اس شخص کی ریح خارج ہوئی ہے عام طور پر شرمندگی و ندامت کا باعث بنتا ہے پھر یہ لوگ اس کے بارے میں کوئی چہ میگوئی نہ کریں گے بلکہ یہ جائیں گے کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی ہے جس کی وجہ سے وہ نماز سے نکل گیا ہے۔

اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو لوگوں کی نظروں میں معیوب اور محل اعتراض بنتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اس فعل کو پوشیدہ رکھے اور لوگوں پر ظاہر نہ کرے تاکہ لوگ نہ اس کی بے آبروئی کے درپے ہوں اور نہ کھلم کھلا اس کی طرف وہ عیب منسوب کیا جائے جسے وہ چھپائے رکھنا چاہتا ہے اور اس کا یہ فعل چھپانا جھوٹ میں شمار نہیں ہو گا بلکہ معاریض کی قسم سے ہو گا۔

(۲۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحَدُكُمْ وَقَدْ جَلَسَ فِي آخِرِ صَلَاتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ فَقَدْ جَارَتْ صَلَوَتُهُ زَوَاهِ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَوِيٍّ وَقَدْ اضْطَرَبُوا فِي إِسْنَادِهِ۔

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”اگر تم میں سے کسی کا وضو اس وقت ٹوٹے جب کہ وہ اپنی نماز کے آخری قعدہ میں (بمقدار تشہد بیٹھ چکا) ہو اور سلام نہ پھیرا ہو تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔ ترمذی نے اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی اسناد مضبوط نہیں ہے اور انہوں نے اس کی اسناد میں اضطراب کیا ہے۔“

تشریح: حدیث کی مذکورہ میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قصد وضو توڑے گا تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی کیونکہ ان کے نزدیک نماز کی اپنے کسی بھی فعل کے ذریعہ نماز سے نکلنا فرض ہے یعنی اگر کوئی شخص نماز کے پورے ارکان ادا کرنے کے بعد نماز کو مکمل طور ختم کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسا فعل اختیار کرے جو نماز کے خاتمہ کا ذریعہ بن جائے جیسا کہ سلام پھیرنا۔

چنانچہ اتنی بات سمجھ لیجئے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک نماز کو محض سلام کے ذریعہ ہی ختم کرنا فرض نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص نماز کے ارکان کے بعد بجائے سلام پھیرنے کے کوئی ایسا دوسرا فعل اختیار کرے جو نماز کے منافی ہو تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ امام

عظیم" فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص آخری قعدہ میں تشہد وغیرہ پڑھنے کے بعد قصد اپنی وضو توڑ ڈالے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی کیونکہ اس نے نماز کے ارکان پورے کرنے کے بعد ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جو نماز کے خاتمہ کا ذریعہ بن گیا ہے اگرچہ وہ ترک واجب کا گنہ گار ہو گا مگر فرض ادا ہو جائے گا کیونکہ امام اعظمؒ کے نزدیک سلام کے ذریعہ نماز کو پورا کرنا واجب ہے۔ صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک قصد وضو توڑنے کی شرط نہیں ہے بلکہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا صورت میں کسی کی وضو خود بخود ٹوٹ جائے تو جب بھی اس کی نماز تمام ہو جائے گی یعنی فرض پورا ہو جائے گا۔

لہذا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ حدیث قصد وضو توڑنے پر محمول ہے اور صاحبین کے نزدیک مطلق ہے خواہ کوئی قصد وضو توڑ دے یا اس کی وضو خود بخود ٹوٹ جائے۔ چنانچہ یہ حدیث حنفیہ خصوصاً صاحبین کے مسلک کی مؤید ہے بخلاف حضرت امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک نماز کو صرف سلام کے ذریعہ پورا کرنا فرض ہے۔

حدیث مضطرب وہ حدیث کہلاتی ہے جو مختلف الفاظ اور مختلف وجوہ سے نقل کی گئی ہو اور یہ چیز حدیث کے ضعف کی علامت ہوتی ہے کیونکہ حدیث کا اس طرح مروی ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ روایان حدیث کو حدیث پوری طرح یاد نہیں رہی۔ ملا علی قاری نے اس حدیث کو مضطرب و ضعیف تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے جن کو امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے اور اصول حدیث میں یہ بات مسلم ہے کہ کسی حدیث ضعیف کا متعدد طرق سے مروی ہونا اسے حسن کے قرب کر دیتا ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ کا ایک واقعہ

(۳۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَمَّا كَثُرَ انْصَرَفَ وَأَوْمَأَ إِلَيْهِمْ أَنْ كَمَا كُنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَأَغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فُصِّلِي بِهِمْ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَتَسَيَّتُ أَنْ أَعْتَسِلَ زَوَّاهُ أَحْمَدُ وَزَوَى مَالِكٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ مَرْسَلًا۔

"حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ نماز کے لئے (مسجد میں) تشریف لائے، جب تکبیر کہنے کا ازاہ کیا گیا تو آپ ﷺ پیچھے مڑے اور صحابہ کو یہ اشارہ کر کے کہ تم اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو، مسجد سے باہر نکلے، چنانچہ آپ ﷺ نے غسل کیا اور اس حال میں واپس تشریف لائے کہ آپ ﷺ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، پھر آپ ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ "مجھے غسل کی حاجت تھی مگر میں غسل کرنا بھول گیا تھا۔" (احمد) امام مالک نے بھی اس حدیث کو عطاء ابن یسارؓ سے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

سجدہ کی جگہ کو گرمی سے بچانے کے لئے حضرت جابرؓ کا طریقہ

(۳۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ أَصَلِّي الظُّهْرَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ قُبْضَةً مِنَ الْحَصَى لِيَتَبَرَّدَ فِي كَفِّي أَصْغَهَا لِيَجْهَنِّي أَنْسَجُدَ عَلَيْهَا لِشِدَّةِ الْحَرِّ۔ (رواہ ابوداؤد وروی النسائی نحوہ)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں ظہر کی نماز سرور کونین ﷺ کے ہمراہ پڑھا کرتا تھا اور ایک مٹھی میں کنکریاں لے لیتا تھا کہ وہ میرے ہاتھ میں ٹھنڈی ہو جائیں۔ چنانچہ (سجدہ کی جگہ کی) شدت گرمی سے بچنے کی خاطر میں ان کنکریوں کو سجدہ کے وقت اپنی پیشانی کے نیچے رکھ لیتا تھا۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نماز میں اس قدر فعل اختیار کرنا معاف ہے اور اتنا فعل عمل کثیر بھی نہیں ہے۔

نماز میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شیطان کا ایک عجیب معاملہ

(۳۲) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَسَمِعْنَاهُ يَقُولُ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ أَلْعَنَكَ بَلْعَنَةُ اللَّهِ ثَلَاثًا وَبَسَطَ يَدَهُ كَأَنَّهُ يَتَنَاوَلُ شَيْئًا فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ سَمِعْنَاكَ تَقُولُ فِي الصَّلَاةِ شَيْئًا لَمْ نَسْمَعْكَ تَقُولُهُ قَبْلَ ذَلِكَ وَرَأَيْنَاكَ بَسَطْتَ يَدَكَ قَالَ إِنَّ عَدُوَّ اللَّهِ ابْلِيسَ جَاءَ بِشَهَابٍ مِنْ نَارٍ لِيَجْعَلَهُ فِي وَجْهِهِ فَقُلْتُ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قُلْتُ أَلْعَنَكَ بَلْعَنَةُ اللَّهِ الثَّامَةَ فَلَمْ يَسْتَأْخِرْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ أَرَدْتُ أَنْ أَخْذَهُ وَاللَّهِ لَوْ لَا دَعْوَةُ أَحِبَّتِنَا سُلَيْمَانَ لَا صَبَحَ مُؤْتَقًا يَلْعَبُ بِهِ وَلَدَانِ أَهْلُ الْمَدِينَةِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کوئین ﷺ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے (نماز کے درمیان) میں نے سنا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں ”تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں“ پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ فرمایا کہ ”تجھ پر لعنت کرتا ہوں، خدا کی لعنت“ اور (یہ فرماتے ہوئے) آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک اس طرح پھیلائے گویا آپ ﷺ کسی چیز کو پکڑ رہے ہوں، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو ہم نے کہا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے آج آپ ﷺ کو نماز میں ایسی بات کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس سے پہلے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو _____ یہ کہتے نہیں سنا اور آج ہم نے آپ ﷺ کو ہاتھ پھیلاتے ہوئے بھی دیکھا ہے؟“ آپ ﷺ نے یہ فرمایا اللہ کا دشمن ابلیس ملعون آگ کا شعلہ لے کر آیا تھا تاکہ اسے میرے منہ میں ڈالے چنانچہ میں نے تین مرتبہ یہ کہا کہ ”میں تجھ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں“ پھر میں نے کہا کہ ”میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں اللہ کی پوری لعنت، وہ نہیں ہٹا تو میں نے (یہ الفاظ) تین مرتبہ کہے، جب وہ پھر بھی نہ ہٹا تو میں نے (اپنے ہاتھ پھیلا کر) اسے پکڑنا چاہا لیکن خدا کی قسم! اگر ہمارے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو وہ (مسجد کے ستون سے) صبح تک بندھا رہتا اور مدینہ کے بچے اس کے ساتھ کھیلتے۔“ (مسلم)

تشریح: اسی باب کی حدیث نمبر ۷ کے ضمن میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے تابع ہونے اور ان پر تصرف کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی جو قبول ہوئی اور جنات ان کے فرمانبردار ہو گئے چنانچہ یہ سوچ کر کہ اس معاملہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی امتیازی حیثیت پر اثر پڑے گا آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنا تابع کرنا نہیں چاہا اس حدیث سے یہ بات پوری قوت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ ابلیس یقیناً جنات کی قوم سے ہے۔

نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینے کا مسئلہ

(۳۳) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ وَهُوَ يُصَلِّي فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ الرَّجُلُ كَلَامًا فَرَجَعَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ لَهُ إِذَا سَلَّمَ عَلَى أَحَدِكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلَا تَنْكَلِمُوهُ وَلْيَسِرْ بِيَدِهِ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت نافعؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کا گذر ایک شخص پر ایسی حالت میں ہوا کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت عبد اللہ نے اس شخص کو سلام کیا اور اس نے حضرت عبد اللہؓ کے سلام کا جواب زبان سے دیا، حضرت عبد اللہ اس کی طرف لوٹے اور فرمایا کہ ”جب تم میں سے کسی کو نماز پڑھنے کی حالت میں سلام کیا جائے تو اس سے بولنا نہیں چاہئے بلکہ اسے چاہئے کہ وہ (سلام کا جواب دینے کے لئے) اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دے۔“ (مالک)

تشریح: اسی باب میں حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت (نمبر ۱۲) گذر چکی ہے۔ اس کی تشریح کے ضمن میں نماز کی حالت میں ہاتھ یا سر کے اشارہ سے سلام کا جواب دینے کا مسئلہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ حکم پہلے تھا پھر بعد میں اشارہ سے بھی سلام کا جواب دینا منسوخ ہو گیا۔

بَابُ السَّهْوِ سجدہ سہو کا بیان

نماز کے سنن و مستحبات اگر ترک ہو جائیں تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی یعنی نماز صحیح ہو جاتی ہے اور نماز کے فرائض میں سے کوئی چیز اگر سہو یا عمدہ اچھوٹ جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے جس کا کوئی تدارک نہیں جس کی وجہ سے نماز کا اعادہ ضروری ہوتا ہے۔ نماز کے واجبات میں سے اگر کوئی چیز عمدہ یا چھوڑ دی جائے تو اس کا بھی تدارک نہیں ہو سکتا اور نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر نماز کے واجبات میں سے کوئی چیز عمدہ انہیں بلکہ سہو یا چھوڑ دی جائے تو اس کا تدارک ہو سکتا ہے اور وہ تدارک یہ ہے کہ قعدہ اخیر میں التحیات پڑھنے کے بعد داہنی طرف ایک سلام پھیر کر دو سجدے کر لئے جائیں اور سجدہ کے بعد پھر قعدہ کیا جائے اور التحیات دو در شریف اور دعا حسب معمول پڑھ کر سلام پھیرا جائے انہیں سجدوں کو سجدہ سہو کہا جاتا ہے۔

اتنی بات سمجھ لیجئے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال میں جو شرعی چیزوں کی خبر دینے اور دینی احکام کے بیان سے متعلق ہیں نہ تو کبھی سہو یا عمدہ اور نہ یہ ممکن ہے ہاں آپ کے افعال میں سہو ہوتا تھا وہ بھی اس حکمت و مصلحت کے پیش نظر تاکہ امت کے لوگ اس طرح سہو کے مسائل سے کھلیں۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

رکعتوں کی تعداد بھول جانے کی صورت میں سجدہ سہو کا حکم

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّي جَاءَهُ الشَّيْطَانُ فَلَبَسَ عَلَيْهِ حَتَّى لَا يَذْكُرَ كَيْفَ صَلَّى فَإِذَا وَجَدَ ذَلِكَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ - (شفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اسے شک و شبہ میں مبتلا کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس (نمازی) کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، لہذا تم میں سے کسی کو اگر یہ صورت پیش آئے تو اسے چاہئے کہ وہ آخری قعدہ میں بیٹھ کر دو سجدے کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث میں جو صورت بیان کی گئی ہے وہ سہو سے متعلق نہیں ہے بلکہ شک کی صورت ہے اور شک و سہو کے درمیان فرق یہ ہے کہ سہو میں ایک جانب کا یقین ہوتا ہے (کہ فلاں چیز بھول گیا) اور شک میں تردد ہوتا ہے کہ آیا یہ صحیح ہے یا وہ اور شیطان ملعون کی کیا مجال تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کو شک و شبہ میں مبتلا کر دیتا۔ ہاں غلبہ استغراق اور آخرت کی طرف بے انتہا توجہ کی بناء پر آپ ﷺ کو سہو ہو جاتا تھا۔ سجدہ سہو واجب ہونے کے سلسلہ میں شک اور سہو دونوں کا یکساں حکم ہے، اس مسئلہ کی پوری وضاحت آئندہ حدیث کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیے۔

② وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَّارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَذْكُرْ كَيْفَ صَلَّى ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا فَلْيُطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى مَا اسْتَيْقَنَ ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى اِتِّمَامًا لِأَرْبَعٍ كَانَتْ تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ عَطَاءٍ مَرْسَلًا وَفِي رَوَايَتِهِ شَفَعَهَا بِهَاتَيْنِ السَّجْدَتَيْنِ -

”اور حضرت عطاء ابن یسار حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص درمیان نماز شک میں مبتلا ہو جائے اور اسے یاد نہ رہے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا شک دور کرے اور جس عدد پر اسے یقین ہو اس پر بناء کرے (یعنی کسی ایک عدد کا یقین کر کے نماز پوری کر لے) اور پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے۔ اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ پانچ رکعتیں ان دو سجدوں کے ذریعہ اس کی نماز کو جفت کر دیں گی اور اگر اس نے پوری چار رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بنیں گے“ مسلم اور امام مالک نے اس روایت کو عطاء سے بطریق ارسال

نقل کیا ہے نیز امام مالکؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ”کہ نمازی ان دونوں سجدوں کے ذریعہ پانچ رکعتوں کو جفت کر دے گا۔“

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے درمیان نماز وہ شک و شبہ میں مبتلا ہو گیا یعنی اسے یہ یاد نہیں رہا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اسے چاہئے کہ وہ کتر عدد کا تعین کرے اور اسی کا گمان غالب کر کے نماز پڑھ لے مثلاً اسے یہ شبہ ہو کہ نہ معلوم میں نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اس صورت میں اسے تین رکعتوں کا تعین کر کے نماز پوری کرنی چاہئے اور پھر آخری قعدہ میں التحیات پڑھنے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے داہنی طرف سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کرنا چاہئے۔ بخاری کی روایت میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کرنے کی قید نہیں ہے چنانچہ اسی وجہ سے ائمہ کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ سجدہ سلام پھیرنے سے پہلے کرنا چاہئے یا سلام پھیرنے کے بعد۔ اس مسئلہ کی تفصیل ہم آئندہ کسی حدیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کریں گے۔

حدیث میں سہو کے دونوں سجدوں کا فائدہ بھی بتایا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے مذکورہ صورت میں تین رکعت کا تعین کر کے ایک رکعت اور پڑھ لی حالانکہ حقیقت میں وہ چار رکعتیں پہلے پڑھ چکا تھا اس طرح اس کی پانچ رکعتیں ہو گئی تو یہ پانچ رکعتیں اس دونوں سجدوں کی وجہ سے اس کی نماز کو شفع (جفت کر دیں گی کیونکہ وہ دونوں سجدے ایک رکعت کے حکم میں ہیں یعنی یہ پانچ رکعتیں ان دونوں سجدوں سے مل کر چھ رکعت کے حکم میں ہو جائیں گی اور اگر اس نے حقیقت میں تین ہی رکعتیں پڑھی تھیں اور سہو کی صورت میں اس نے تین ہی کا تعین کر کے ایک رکعت اور پڑھی اور اس کی چار رکعتیں پوری ہو گئیں تو اس کے وہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بن جائیں گے۔ یعنی اس صورت میں جب کہ اس شخص نے چار ہی رکعتیں پڑھی ہیں تو دونوں سجدے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ نماز کو جفت کر دیں جیسا کہ پہلی صورت (پانچ رکعتیں پڑھنے کی صورت) میں ان دونوں سجدوں کی ضرورت تھی لیکن ان دونوں سجدوں کا جو بظاہر زائد معلوم ہوتے ہیں یہ فائدہ ہوا کہ ان سے شیطان کی ذلت و ناکامی ہوئی۔ کیونکہ شیطان کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ نمازی کو شک و شبہ میں مبتلا کر کے اسے عبادت سے باز رکھے حالانکہ نمازی نے اس کے برعکس دو سجدے اور کر کے عبادت چھوڑنے کے بجائے اس میں اور زیادتی کی جو یقینی بات ہے کہ شیطان کی ناکامی و نامرادی کا باعث ہے۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شک کی صورت میں اقل (کتر) کو اختیار کرنا چاہئے تحری (غالب گمان) پر عمل نہ کیا جائے چنانچہ جمہور ائمہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام ترمذیؒ کا قول یہ ہے کہ اہل علم میں سے بعض حضرات کا مسلک یہ ہے کہ شک کی صورت میں نماز کا اعادہ کرنا چاہئے یعنی اگر کسی کو درمیان نماز رکعتوں کی تعداد کے بارے میں شک ہو جائے تو اسے چاہئے کہ نماز کو از سر نو پڑھے۔

اس مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک کا حاصل یہ ہے کہ ”اگر کسی شخص کو نماز میں شک ہو جائے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اگر اس شخص کی عادت شک کرنے کی نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ پھر سے سرے سے نماز پڑھے اور اگر اس کو شک ہونے کی عادت ہو تو اپنے غالب گمان پر عمل کرے یعنی جتنی رکعتیں اس کو غالب گمان سے یاد پڑیں تو اسی قدر رکعتیں سمجھے کہ پڑھ چکا ہے اور اگر غالب گمان کسی طرف نہ ہو تو کتر عدد کو اختیار کرے مثلاً کسی کو ظہر کی نماز میں شک ہوا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور غالب گمان کسی طرف نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ تین رکعتیں شمار کرے اور ایک رکعت اور پڑھ کر نماز پوری کر لے پھر سجدہ سہو کر لے۔

اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ غالب گمان پر عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں غالب گمان کو اختیار کرنے کی اصل موجود ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ نماز پڑھنا چاہے جہاں اسے قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو سکے تو اس کے لئے حکم ہے کہ وہ جس سمت کے بارے میں غالب گمان رکھے کہ ادر قبلہ ہے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے اس کی نماز ہو جائے گی۔ غالب گمان کو اختیار کرنے کے سلسلہ میں احادیث بھی مروی ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح رائے قائم کرے (یعنی کسی ایک پہلو پر غالب گمان کر کے) نماز

پوری کر لے۔ اس حدیث کشنی نے بھی شرح تقایہ میں نقل کیا ہے نیز جامع الاصول میں بھی نسائی سے ایک حدیث تحری (غالب گمان) پر نقل کرنے کے صحیح ہونے کے بارے میں منقول ہے۔

امام محمدؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں تحری کی افادیت کے سلسلہ میں یہ کہتے ہوئے کہ ”تحری کے سلسلہ میں بہت آثار وارد ہیں“ بڑی اچھی بات یہ کہی ہے کہ ”اگر ایسا نہ کیا جائے یعنی تحری کو قابل قبول نہ قرار دیا جائے تو شک اور سہو سے نجات ملنی بڑی مشکل ہوگی اور ہر شک و شبہ کی صورت میں اعادہ بڑی پریشانی کا باعث بن جائے گا۔“

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس موقع پر مسئلہ مذکورہ کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”اس موقع پر حاصل کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں تین احادیث منقول ہیں۔ پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں جب بھی کسی کو شک واقع ہو جائے تو وہ نماز کو از سر نو پڑھے۔ دوسری حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ”جب کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح بات کو حاصل کرنے کے لئے تحری کرے یعنی غالب گمان پر عمل کرے۔ تیسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ”جب نماز میں شک واقع ہو تو یقین پر عمل کرنا چاہئے یعنی جس پہلو پر یقین ہو اسی پر عمل کیا جائے“

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ان تینوں حدیثوں کو اپنے مسلک میں جمع کر دیا ہے اس طرح کہ انہوں نے پہلی حدیث کو تو مرتبہ شک واقع ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے، دوسری حدیث کو کسی ایک پہلو پر غالب گمان ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے اور تیسری حدیث کو کسی بھی پہلو پر غالب گمان نہ ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ ”حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کے کمال جامعیت اور انتہائی محقق ہونے کی دلیل ہے۔“

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيلَ لَهُ أَرَأَيْتَ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنَسَى كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيَنْتِمْ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيَسْلَمْ ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھ لی، چنانچہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ”کیا نماز میں کچھ زیادتی ہو گئی ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کیا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں“ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے سلام پھیر لینے کے بعد دو سجدے کئے۔ اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں انسان ہی تو ہوں، جس طرح تم بھولتے تو اس طرح میں بھی بھول جاتا ہوں جب میں کچھ بھول جایا کروں، مجھے یاد دلایا کرو، اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح رائے قائم کرے اور اس رائے کی بنیاد پر نماز پوری کر لے اور پھر سلام پھیر کر دو سجدے کر لے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں کتر پھیل کرنے کو نہیں کہا گیا ہے گو مراد یہی ہے کہ اگر تحری فائدہ نہ دے یعنی کسی بھی عدد کے بارے میں غالب گمان نہ ہو سکے تو کتر عدد کو اختیار کر کے نماز پوری کر لی جائے چونکہ حضرات شوافع تحری کے قائل نہیں ہیں اس لئے وہ بھی اس حدیث کے الفاظ فلیتحر الصواب سے مراد ”کتر عدد کو اختیار کرنا“ لیتے ہیں۔

حنفیہ کے ہاں پانچ رکعت ادا کر لینے کی صورت میں مسئلہ کی کچھ تفصیل ہے۔ چنانچہ ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اسے یاد آجائے تو اسے چاہئے کہ فوراً بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کر لے۔ اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا ہو تو پھر نہیں بیٹھ سکتا۔ اور اس کی یہ نماز اگر فرض کی نیت سے پڑھا تھا تو فرض ادا نہیں ہوگا بلکہ نفل ہو جائے گی۔ اور اس کو اختیار ہوگا کہ ایک رکعت کے ساتھ دوسری رکعت اور صلائے تاکہ یہ رکعت بھی ضائع نہ ہو اور دوسری رکعتیں یہ بھی نفل ہو جائیں مگر عصر اور فجر میں یہ واقعہ پیش آئے تب بھی دوسری رکعت ملا سکتا ہے اس لئے کہ عصر و فجر

کے فرض کے بعد نفل مکروہ ہے اور یہ رکعتیں فرض نہیں رہیں بلکہ نفل ہو گئی ہیں پس گویا فرض سے پہلے نفل پڑھی گئی ہیں اور اس میں کچھ کراہت نہیں۔ مغرب کے فرض میں صرف یہی رکعت کافی ہے دوسری رکعت نہ ملائی جائے، ورنہ پانچ رکعتیں ہو جائیں گی اور نفل میں طاق رکعتیں منقول نہیں اور اس صورت میں سجدہ سہو کی ضرورت نہ ہوگی۔

یہ شکل تو قعدہ اخیرہ میں بیٹھے بغیر رکعت کے لئے اٹھ جانے کی تھی۔ اگر کوئی شخص قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کے بعد ریٹھ کر سلام پھیرنے سے پہلے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو اگر وہ پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کر چکا ہو تو فوراً بیٹھ جائے اور چونکہ سلام کے ادا کرنے میں جو واجب تھا تاخیر ہو گئی اس لئے سجدہ سہو کر لے اگر پانچوں رکعت کا سجدہ کر نیکی بعد یاد آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ اب نہ بیٹھے بلکہ ایک رکعت اور ملا دے تاکہ یہ پانچویں رکعت ضائع نہ ہو اور اگر رکعت نہ ملائے بلکہ پانچویں رکعت کے بعد سلام پھیر دے تب بھی جائز ہے مگر ملا دینا بہتر ہے۔ اس صورت میں اس کی وہ رکعتیں اگر فرض نیت کی تھیں تو فرض ادا ہوں گی نفل نہ ہوں گی۔ عصر اور فجر کے فرض میں بھی دوسری رکعت ملا سکتا ہے اس لئے کہ عصر اور فجر کے فرض کے بعد قصد نفل پڑھنا مکروہ ہے اور اگر سہواً پڑھ بھی لیا جائے تو کچھ کراہت نہیں۔ اس صورت میں فرض کے بعد جو رکعتیں پڑھی گئیں ہیں یہ ان مؤکدہ سنتوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں جو فرض کے بعد ظہر و مغرب اور عشاء کے وقت مسنون ہیں کیونکہ ان سنتوں کا تحریمہ سے ادا کرنا آنحضرت ﷺ سے منقول ہے۔

یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ آنحضرت ﷺ چار رکعت کے بعد قعدہ اخیرہ میں بیٹھ کر پھر بعد میں رکعت کے لئے اٹھ گئے تھے چونکہ اس حدیث سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پانچویں رکعت کے ساتھ چھٹی رکعت نہیں ملائی تھی اور صرف سہو پر اکتفاء کیا جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے اس لئے کہا جائے گا کہ یہاں یہ احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیان جواز کی خاطر ایسا کیا ہوگا۔

④ وَعَنْ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى صَلَاتِي الْعِشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيرِينَ قَدْ سَمَعَهَا أَبُو هُرَيْرَةَ وَلَكِنْ نَسِيتُ أَنَا قَالَ فَصَلَّى بِنَا كَعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ إِلَى خَشَبَةٍ مَغْرُوضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا كَأَنَّهُ غَضَبَانٌ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ وَوَضَعَ خَدَهُ الْاَيْمَنَ عَلَى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى وَخَرَجَتْ سُرْعَانِ الْقَوْمُ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوا أَقْصَرَتِ الصَّلَاةُ وَفِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَغُمَرُ فَهَابَهُ أَنْ يَكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِي يَدَيْهِ طَوْلٌ يُقَالُ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ قَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ أَنْسَيْتَ أَمْ أَقْصَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَالَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصِرْ فَقَالَ اكْمَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالُوا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى مَا تَرَكَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَفِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَغُمَرُ فَهَابَهُ أَنْ يَكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِي يَدَيْهِ طَوْلٌ يُقَالُ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ أَنْسَيْتَ أَمْ أَقْصَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَالَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصِرْ كُلُّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ قَدْ كَانَ بَعْضُ ذَلِكَ بَارَسُولَ اللَّهِ.

”اور حضرت ابن سیرینؒ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ”(ایک دن) سرور کونین ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز جس کا نام ابوہریرہؓ نے تو بتایا تھا مگر میں بھول گیا، ہمیں پڑھائی۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمارے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور تیسری رکعت کے لئے اٹھنے کی بجائے سلام پھیر لیا، پھر اس بکڑی کے سہارے جو مسجد میں عرضاً کھڑی تھی کھڑے ہو گئے اور (محسوس ایسا ہوتا تھا) گویا آپ ﷺ غصہ کی حالت میں ہیں، آپ ﷺ نے اپنا دایا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور انگلیوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنا بائیں رخسار مبارک اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا۔ جلد باز لوگ (جو نماز کی ادائیگی کے بعد ذکر اور دعا وغیرہ کے لئے

ﷺ آپ کا ام گرامی محمد اور کنیت ابو بکر ہے حضرت انس بن مالکؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کے تیس بچے تھے جو آپ کی زندگی ہی میں ایک سو دو فاطمہ پائے صرف ایک صاحبزادے عبداللہ بن محمد بن سیرین بقید حیات تھے۔ تتر سال کی عمر میں ۱۱۰ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

نہیں ٹھہرتے تھے) مسجد کے دروازوں سے جانے لگے، صحابہؓ کہنے لگے کہ کیا نماز میں کمی ہو گئی ہے؟ (کہ آنحضرت ﷺ نے چار رکعت کے بجائے دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں؟) صحابہؓ کے درمیان (جو مسجد میں باقی رہ گئے تھے) حضرت ابو بکر و حضرت عمرؓ بھی موجود تھے مگر خوف کی وجہ سے ان کو آنحضرت ﷺ سے کلام کرنے کی جرات نہ ہوئی صحابہؓ میں ایک اور شخص (بھی) تھے جن کے ہاتھ لپسے تھے اور جنہیں (اسی وجہ سے) ذوالیدین (یعنی ہاتھوں والا کے لقب سے) پکارا جاتا تھا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! کیا آپ (ﷺ) بھول گئے ہیں یا نماز میں کمی ہو گئی ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے“ پھر (صحابہؓ سے مخاطب ہوئے اور) فرمایا ”کیا تم بھی یہی کہتے ہو جو ذوالیدینؓ کہہ رہے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”جی ہاں یہی بات ہے“ (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ آگے آئے اور جو نماز (یعنی دو رکعت) چھوٹ گئی تھی اسے پڑھا اور سلام پھیر کر تکبیر کہی اور حسب معمول سجدوں جیسا یا ان سے بھی کچھ طویل سجدہ کیا اور پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھایا ”لوگ ابن سیرینؒ سے پوچھنے لگے کہ ”پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے سلام پھیر دیا ہو گا؟“ انہوں نے کہا کہ مجھے عمران بن حصینؓ سے یہ خبر ملی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ”پھر آنحضرت ﷺ نے سلام پھیر دیا“ اس روایت کو بخاری و مسلمؒ نے نقل کیا ہے مگر الفاظ بخاری کے ہیں۔

اور بخاری و مسلمؒ ہی کی ایک اور روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (ذوالیدینؓ کے جواب میں) لم انس ولم تقصرو (یعنی نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے) کے بجائے یہ فرمایا کہ ”جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے“ انہوں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ (ﷺ) اس میں سے کچھ تو ضرور ہوا ہے۔“

تشریح: فتح الباری میں اس حدیث کی بہت لمبی چوڑی شرح کی گئی ہے اگر اس کو یہاں نقل کی جائے تو بات بڑی لمبی ہو جائے گی البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ اس حدیث کے بارے میں دو اشکال پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا اشکال تو یہ ہے کہ علماء کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ خبر میں تو آنحضرت ﷺ کو سہو ہونا ناممکن ہے اور افعال میں بھی اختلاف ہے مگر آنحضرت ﷺ نے یہاں ذوالیدین کے جواب میں جو یہ فرمایا کہ نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے ”کیا خلاف واقعہ نہیں ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو خبر میں بھی سہو ہو سکتا تھا۔

اس کا جواب مختصر طریقہ پر یہ ہے کہ ”آنحضرت ﷺ سے سہو ہونا ان خبروں میں ناممکن ہے جو تبلیغ شرائع، دینی علم اور وحی الہی سے متعلق ہیں نہ کہ تمام خبروں میں۔“

دوسرا یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ سے افعال بھی سرزد ہوئے اور آپ ﷺ نے گفتگو بھی کی مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے از سر نو نماز نہیں پڑھی بلکہ جو رکعتیں باقی رہ گئی تھیں انہیں کو پورا کر لیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ مفسد نماز وہ کلام و افعال ہیں جو قصد اواقع ہوئے ہوں نہ کہ وہ کلام و افعال جو سہو آہو گئے ہوں جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ لیکن چونکہ یہ جواب نہ صرف یہ کہ خود اپنے اندر جھول رکھتا ہے بلکہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق بھی نہیں ہے کیونکہ ان کے ہاں مطلقاً کلام مفسد صلوة ہے خواہ قصداً صادر ہوا ہو یا سہو آہو۔ اس لئے علماء حنفیہ کے نزدیک اس اشکال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ نماز میں کلام اور افعال کا جواز منسوخ نہیں ہوا تھا۔

حضرت امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ نماز میں کلام مطلقاً مفسد صلوة ہے خواہ قصداً ہو یا سہو آہو مگر ان کے یہاں اتنی گنجائش بھی ہے کہ نماز میں جو کلام امام یا مقتدی سے نماز کی کسی مصلحت کے پیش نظر صادر ہوا ہو گا وہ مفسد نماز نہیں ہو گا جیسا کہ محدثانہ میں پیشینہ صورت ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو جب حضرت ابن سیرینؒ لوگوں کے سامنے بیان کر چکے تو ان سے بطریق استقہام اکثر لوگوں نے پوچھا کہ کیا ابو ہریرہؓ نے تم سلمؓ بھی کہا تھا گویا ان لوگوں کے پوچھنے کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے سہو ہوا سلام کے بعد کیا تھا یا یہ کہ تھا اس کے جواب میں ابن سیرینؓ نے کہا کہ یہ حدیث ابو ہریرہؓ کی روایت میں تو یہ الفاظ مجھے یاد نہیں پڑتے، ہاں حضرت عمران بن حصینؓ نے یہی حدیث مجھ

سے روایت کی ہے ان کی روایت میں **ثُمَّ سَلَّمَ** کے الفاظ موجود ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سجدہ سہو سلام کے بعد کیا تھا اور میں نے ابو ہریرہؓ کی روایت میں **ثُمَّ سَلَّمَ** کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ عمران ابن حصینؓ ہی کی روایت سے اس جگہ لایا ہوں۔

سجدہ سہو سلام پھر کر کرنا چاہئے یا اس کے بغیر؟

⑤ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُحَيْنَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمُ الظُّهْرَ فَقَامَ فِي الرَّكَعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ حَتَّى إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيمَهُ كَثُرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَةً ثِنْتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ - (مشق علیہ)

”اور حضرت عبداللہ ابن بھینہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے صحابہؓ کو ظہر کی نماز پڑھائی، اور پہلی دو رکعتیں پڑھ کر (پہلے) قعدہ میں بیٹھ کر بغیر تیسری رکعت کے (لے) کھڑے ہو گئے، دوسرے لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ جب نماز پڑھ چکے اور (آخری قعدہ میں) لوگ سلام پھیرنے کے منتظر تھے کہ آپ ﷺ نے بیٹھے بیٹھے تکبیر کی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے اور اس کے بعد سلام پھیرا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں اس حدیث کے مطابق سجدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے ہی کیا جاتا ہے لیکن دوسری روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد ہی سجدہ سہو کیا ہے نیز حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں بھی ثابت ہوا ہے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد ہی سجدہ سہو کیا کرتے تھے لہذا حضرت عمرؓ کا عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

الفصل الثانی

دورود دعا سجدہ سہو سے پہلے پڑھنی چاہئے یا بعد میں

⑥ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ فَسَهَا فَسَجَدَ سَجْدَةً ثِنْتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے (ایک روز) لوگوں کو نماز پڑھائی (درمیان نماز) آپ ﷺ کو سہو ہو گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے (سلام پھر کر) دو سجدے کئے اس کے بعد آپ ﷺ نے التحیات پڑھی اور سلام پھیرا امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: حضرت عمران کا قول **فَسَجَدَ سَجْدَةً ثِنْتَيْنِ** کا مطلب یہی ہے کہ آپ ﷺ نے سلام پھر کر سہو کے دونوں سجدے کئے جیسا کہ تیسری فصل کی پہلی حدیث سے جو انہیں سے مروی ہے بصراحت معلوم ہو جائے گا۔

اس حدیث میں نماز کا وہ رکن ذکر نہیں کیا گیا ہے جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو سہو ہو گیا اور آپ ﷺ اس کی ادائیگی کو بھول گئے تھے نیز اس حدیث میں سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ دوسری روایتوں میں تشہد کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت عمرانؓ کی اس روایت کی روشنی میں جو تیسری فصل میں آ رہی ہے یہ حدیث خفیہ کے مسلک کی دلیل ہے کہ پہلے سلام پھر کر سجدہ سہو کرنا چاہئے۔ اسی طرح امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے بلکہ شوافع و مالکیہ کے بعض حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ دورود دعا جو التحیات میں پڑھی جاتی ہیں اس تشہد میں پڑھنا چاہئے جو سجدہ سہو سے پہلے پڑھا جائے سہو کے بعد کے تشہد میں پڑھنا چاہئے؟ چنانچہ امام کرنیؒ نے تو یہ اختیار کیا ہے کہ دورود دعا سجدہ سہو کے بعد کے تشہد میں

پڑھے جائیں اور ہدایہ میں بھی اسی کو صحیح کہا گیا ہے۔ البتہ ہدایہ کی بعض شروح میں یہ کہا گیا ہے کہ سجدہ سہو سے پہلے تشہد میں پڑھنا بہتر ہے۔ امام طحاویؒ کا قول یہ ہے کہ دونوں تشہد میں پڑھنا چاہئے۔ شیخ ابن ہمامؒ نے بھی امام طحاویؒ کے قول کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے۔

حنفیہ کا معمول پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ ”التحیات پڑھنے کے بعد دائیں طرف سلام پھیرا جائے اس کے بعد سہو کے دو سجدے کئے جائیں اس کے بعد دوبارہ التحیات اور پھر درود و دعا پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے۔“

④ وَعَنِ الْمُغِيرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقَامَ الْإِمَامُ فِي الرَّكَعَتَيْنِ فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَإِنْ اسْتَوَى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَلَيْسَ جُذْ سَجْدَتَيْنِ السَّهْوُ۔ (رواہ ابو داؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؒ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جب امام دو رکعت پڑھ کر (پہلے قعدہ میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لئے) کھڑا ہو جائے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے اسے یاد آجائے تو اسے چاہئے کہ وہ (قعدہ کے لئے) بیٹھ جائے اور اگر وہ سیدھا کھڑا ہو چکا ہو (اور اس کے بعد اسے یاد آئے) تو وہ (اب) نہ بیٹھے اور (آخری قعدہ میں) سہو کے دو سجدے کر لے۔“ (ابو داؤدؒ وابن ماجہؒ)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صورت مذکورہ میں معتبر پوزی طرح کھڑا ہونا یا پوری طرح کھڑا نہ ہونا ہے۔ اس سلسلہ میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسا شخص اگر بیٹھنے کے قریب تر ہو جائے تو التحیات پڑھے اور اگر کھڑے ہونے کے قریب تر ہو تو نہ بیٹھے بلکہ اپنی بقیہ دونوں رکعتیں پوری کر لے۔

”قریب تر بیٹھنے“ کا مطلب یہ ہے کہ اٹھتے وقت اس کے نیچے کا بدن (مثلاً ٹانگیں وغیرہ) سیدھا نہ ہو جائے، اور اگر نیچے کا بدن سیدھا ہو جائے تو کھڑے ہونے کے قریب تر ہو گا۔

شیخ ابن الہمامؒ نے کہا ہے کہ اقربیت کے سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ کی بھی ایک روایت ہے جس کو بخاری کے مشائخ نے اختیار کیا ہے مگر جیسا کہ اوپر بتایا گیا صحیح مسلک یہی ہے کہ جب تک پورا کھڑا نہ ہو جائے بیٹھا جاسکتا ہے پورا کھڑا ہو جانے کی صورت میں بیٹھنا نہیں چاہئے، یہی قول صحیح ہے اور اس کی تائید یہ حدیث بھی کرتی ہے۔

اگر کوئی شخص کھڑا ہونے سے پہلے قعدہ کے لئے بیٹھ جائے گا تو اس کے لئے سجدہ سہو کی ضرورت نہ ہوگی۔ ہاں جو شخص پورا کھڑا ہو جائے گا اور پہلا قعدہ چھوٹ جائے گا تو اس کو سجدہ سہو کرنا ہو گا۔

اس سلسلہ میں اتنی بات اور جان لیجئے، جب کوئی شخص پہلے قعدہ میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لئے پوری طرح کھڑا ہو جائے تو اس کو بیٹھنا نہیں چاہئے کیونکہ اگر وہ بیٹھ جائے گا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑤ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ وَسَلَّمَ فِي فَلَاثٍ وَرَكَعَاتٍ ثُمَّ دَخَلَ مَنْزِلَهُ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْخَزْبَانِيُّ وَكَانَ فِي يَدَيْهِ طَوَلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَذَكَرَ لَهُ صَنِيعَهُ فَخَرَجَ غَضَبًا يَجُورُ رِذَاءَهُ حَتَّى انْتَهَى إِلَى النَّاسِ فَقَالَ أَصَدَقَ هَذَا قَالُوا نَعَمْ فَصَلَّى رَكَعَةً ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت عمران ابن حصینؒ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور تین رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اور گھر میں تشریف لے گئے۔ ایک شخص نے کہ جس کا نام خزبان تھا اور اس کے ہاتھ کچھ لمبے تھے (یعنی ذوالیدین) کھڑے ہو کر غرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ“ اور انہوں نے (یعنی ذوالیدین) نے واقعہ بیان کیا (یعنی تین رکعت پڑھ کر سلام پھیرنے کے بارے میں ذکر کیا یہ سن کر: آنحضرت ﷺ غصہ میں اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے باہر نکلے اور لوگوں کے پاس (مسجد میں) پہنچے اور فرمایا کہ ”کہ کیا ذوالیدین ٹھیک کہہ

رہے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”جی ہاں“ اچنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک رکعت پڑھی، پھر سلام پھیرا اور سہو کے دو سجدے کر کے سلام پھیر دیا۔ ”(مسلم)“

تشریح: آنحضرت ﷺ تین رکعت کے بعد سلام پھیر کر گھر تشریف لے گئے اور وہاں سے تشریف لائے، اس عرصہ میں قبلہ کی جانب سے منہ بھی پھرا، گفتگو بھی ہوئی اور بہت زیادہ چلنا ہوا، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے از سر نو نماز نہیں پڑھی بلکہ صرف ایک رکعت جو پڑھنے سے رہ گئی تھی پڑھی، لہذا یہ افعال سہو اہونے کے باوجود (بھی حنفیہ کے مسلک میں چونکہ مفید نماز ہیں اس لئے حنفیہ کی جانب سے اس حدیث کی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ نماز میں گفتگو کی طرح یہ بھی منسوخ ہے یعنی یہ افعال و کلام پہلے نماز میں جائز تھے پھر بعد میں منسوخ ہو گئے۔ اور یہ واقعہ جواز کے منسوخ ہونے سے پہلے کا ہے۔

”خرباق“ انہیں ذوالیدینؒ کا نام ہے جن کی حدیث اس سے پہلے (نمبر ۴) گزر چکی ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور وہ واقعہ جو حدیث نمبر ۴ میں ذکر کیا گیا ہے دونوں ایک ہی ہیں لیکن اس حدیث اور حدیث نمبر ۴ میں چونکہ بعض باتوں میں باہم تضاد ہے اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ دونوں ایک ہی واقعہ نہیں ہیں بلکہ الگ الگ واقعات ہیں اور دونوں واقعوں میں آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرنے والے حضرت ذوالیدینؒ ہی تھے۔

اس حدیث کے آخری جملوں سے یہ بات بصراحت معلوم ہو گئی کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے سلام پھیرا پھر سجدہ سہو کیا، اس کے بعد سلام پھیر کر نماز پوری کی، چنانچہ علامہ طیبیؒ نے کہا ہے کہ یہی مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہے کہ ان کے یہاں سلام کے بعد سہو کے دو سجدے زیادتی اور نقصان کے پیش نظر کئے جاتے ہیں اس کے بعد تشہد پڑھا جاتا ہے اور سلام پھیرا جاتا ہے۔

نماز میں کمی کا شک واقع ہو جانے کی صورت میں کیا کیا جائے

⑨ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ صَلَّى صَلَاةً يَشْكُ فِي التَّقْصَانِ فَلْيَصِلْ حَتَّى يَشْكُ فِي الزِّيَادَةِ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جس شخص کو نماز پڑھتے ہوئے کمی کا شک ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اور پڑھ لے تاکہ زیادتی کا شک ہو جائے۔“ (احمد)“

تشریح: مطلب یہی ہے کہ شک واقع ہو جانے کی صورت میں اگر کسی ایک جانب غالب گمان نہ ہو اور شک بھی کمی میں واقع ہو مثلاً چار رکعت والی نماز میں شک ہو جائے کہ نہ معلوم تین پڑھی ہیں یا چار تو ایسے شخص کو چاہئے کہ زیادتی میں شک کرے یعنی کم تردد کو اختیار کرے جیسے صورت مذکورہ میں تین رکعت کو اختیار کر کے ایک رکعت اور پڑھ لے تاکہ اب کمی کے شک کے بجائے زیادتی کا شک ہو جائے کہ نہ معلوم چار رکعتیں پڑھی ہیں یا پانچ رکعتیں۔

آنحضرت ﷺ سے نماز میں کتنی جگہوں پر سہو ہوا تھا: نماز میں آنحضرت ﷺ سے چند مواقع پر سہو ہوا تھا۔ ایک تعدد اول میں سہو ہوا تھا جیسا کہ عبداللہ ابن بجنہؓ کی روایت نمبر ۵ میں مذکور ہوا۔ دوسرا سہو آخری دونوں رکعتوں میں ہوا تھا۔ جیسا کہ حضرت ذوالیدینؒ کے واقعہ حدیث نمبر ۴ سے معلوم ہوا۔ تیسرا سہو آخری رکعت میں ہوا تھا جیسا کہ خرباقؒ والی حدیث نمبر ۸ میں گذرا اور چوتھا سہو آپ ﷺ کو پانچویں رکعت کی زیادتی میں ہوا تھا جیسا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث نمبر ۳ سے معلوم ہوا۔ لہذا علماء مجتہدین نے آنحضرت ﷺ کے عمل پر قیاس کرتے ہوئے یہ کلیہ بنایا کہ اگر نماز میں کسی شخص سے نماز کے واجبات میں سے کسی واجب میں سہو

لے نام عبدالرحمن اور کنیت ابو محمد ہے قریش کی ایک شاخ بنو زہرہ میں پیدا ہوئے جن دس صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی ان میں ایک ہیں۔ غزوہ تبوک میں حضورؐ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی ۳۲ میں بہتر سال کی عمر میں وفات پائی ۱۲۔

ہو جائے تو اس پر سہو کا سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں جتنی احادیث گزری ہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے سہو ہو جانے کی صورت میں بعض موقعوں پر توجہ سہو سلام سے پہلے کیا اور بعض مواقع پر سلام پھیرنے کے بعد کیا۔ لہذا آنحضرت ﷺ کا عمل چونکہ دونوں طرح تھا اس لئے یہی کہا جائے گا کہ دونوں طریقے جائز ہیں لیکن ائمہ نے اس سلسلہ میں اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق الگ الگ صورت کو مقرر کر دیا ہے۔ سجدہ سہو کے وقت کے بارے میں ائمہ کے مسلک: چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ہر موقع پر سجدہ سہو سلام سے پہلے کرنا چاہئے۔ اس طرح وہ ان احادیث کو کہ جن سے سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنا ثابت ہوتا ہے ان احادیث پر کہ جن سے سلام کے بعد سجدہ سہو کرنا ثابت ہوتا ہے ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ تمام مواقع پر سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا چاہئے کیونکہ اس کے ثبوت میں بہت زیادہ صحیح احادیث وارد ہیں۔ نیز یکہ ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد، اور عبد الرزاق نے ثوبانؓ کی یہ روایت نقل کی ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ہر سہو کے لئے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے ہیں“ لہذا جب آنحضرت ﷺ کا عمل متضاد مروی ہے کہ کبھی تو آپ ﷺ نے سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کیا ہے اور کبھی سلام پھیرنے کے بعد۔ تو ایسی صورت میں امام اعظمؒ نے آنحضرت ﷺ کے قول کو بطور دلیل اختیار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک فعل سے قوی ہے جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس موقع پر آنحضرت ﷺ نے سلام سے پہلے سجدہ کیا ہے اس موقع پر سلام سے پہلے ہی سجدہ کرنا چاہئے اور جس موقع پر آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ کیا ہے اس موقع پر سلام پھیر کر ہی سجدہ کیا جائے علماء لکھتے ہیں کہ حضرت امام احمدؒ کا یہ قول سب سے قوی اور بہتر ہے۔

اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ سجدہ سہو کے بارے میں یہ تمام اختلافات کہ سجدہ سلام کے بعد کرنا چاہئے یا پہلے محض فضیلت سے متعلق ہیں یعنی بعض ائمہ کے نزدیک سلام کے بعد سجدہ کرنا زیادہ افضل ہے اور بعض کے نزدیک سلام سے پہلے افضل ہے لیکن جہاں تک جواز کا تعلق ہے تو جیسا کہ ائمہ اربعہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے اس بات پر سب متفق ہیں کہ جائز دونوں طرح ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ ”صحیح تر یہ ہے کہ دونوں طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا چاہئے۔“

بَابُ سُجُودِ الْقُرْآنِ

قرآن کے سجدوں کا بیان

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق قرآن مجید میں چودہ آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے خواہ سنا قصد آنہ ہو ایک سجدہ واجب ہوتا ہے۔ ان آیتوں کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔ دیگر ائمہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ سجدہ تلاوت صرف ایک مرتبہ دو تکبیروں کے درمیان (یعنی ایک تکبیر سجدہ میں جاتے وقت اور دوسری تکبیر سجدہ سے اٹھتے وقت) کیا جاتا ہے اس سجدہ کے لئے رفع یدین، تشهد اور سلام کی ضرورت نہیں پڑتی۔

سجدہ تلاوت صحیح ہونے کی وہی سب شرطیں ہیں جو نماز کے صحیح ہونے کی ہیں یعنی طہارت، ستر کی پردہ پوشی، نیت، اور استقبال قبلہ تحریمہ اس میں شرط نہیں۔ اس کی نیت میں آیت کی تعین شرط نہیں ہے کہ یہ سجدہ فلاں آیت کے سبب سے ہے۔ اور اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھی جائے اور فوراً سجدہ کیا جائے تو نیت بھی شرط نہیں۔

الفصل الاول

سورہ نجم کا سجدہ

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ - (رواہ البخاری)

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”سرور کونین ﷺ نے سورہ نجم میں سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں جنوں اور سب آدمیوں نے (بھی) سجدہ کیا۔“ (بخاری)

تشریح: آنحضرت ﷺ سورہ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ ”فَاسْجُدْ لِلَّهِ وَاعْبُدْهُ“ ”سجدہ کرو اللہ کا اور عبادت کرو۔“ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی فرمانبرداری کی غرض سے سجدہ کیا جب آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو تمام مسلمانوں نے بھی آپ ﷺ کی متابعت میں سجدہ کیا، اسی طرح مشرکین نے بھی جب اپنے بتوں یعنی لات و منات اور عزی کے نام سے تو انہوں نے بھی سجدہ کیا، یا پھر مشرکوں کے سجدہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ مکہ میں مسجد الحرام کے اندر جب سورہ نجم کی ان آیاتوں۔

أَفْرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ أَلَكُمُ الذَّكْرُ وَاللَّهُ الْأُنثَىٰ-

”یعنی: بھلا تم لوگوں نے لات و عزی کو دیکھا اور تیسرے منات کو (کہ یہ بت کہیں خدا ہو سکتے ہیں مشرکوں!) کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور خدا کے لئے بیٹیاں۔“

کو پڑھنے لگے تو شیطان ملعون نے اپنی آواز کو آنحضرت ﷺ کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ پڑھا

تِلْكَ الْغَوَايِئُ الْغَلِيَّةُ وَإِنْ شَفَاعَتَهُنَّ لَتَرْجُلِي-

”یعنی: یہ بت بلند مرغابیاں ہیں اور بیشک ان کی شفاعت امیر بخش ہے۔“

مشرکین یہ سمجھے کہ (نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ نے ہمارے بتوں کی تعریف کی ہے اس سے وہ بہت زیادہ خوش ہوئے چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی سجدہ کر ڈالا۔“

بعض مفسرین نے اس موقع پر یہ تفسیر کی ہے کہ یہ الفاظ شیطان نے ادا نہیں کئے تھے بلکہ نعوذ باللہ خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سہواً نکل گئے تھے۔ یہ قول بالکل غلط اور محض ذہنی اختراع ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ شیطان ملعون نے اپنی آواز کو آنحضرت ﷺ کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ الفاظ ادا کر دیئے جس سے مشرکین یہ سمجھ بیٹھے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ الفاظ ادا کر رہے ہیں۔

حدیث میں ”مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور سب آدمیوں“ سے مراد وہ ہیں جو آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت موجود تھے۔ لفظ ”انْس“ تعمیم بعد تخصیص ہے۔

سورہ الشقاق اور سورہ علق کے سجدے

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ وَأَقْرَأَ بِاسْمِ رَبِّكَ-

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے سرور کونین ﷺ کے ساتھ (سورۃ الشقاق یعنی إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ اور (سورۃ علق یعنی) اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ) میں سجدہ کیا۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا رد ہوتا ہے کہ مفصل میں سجدہ نہیں ہے

سجدہ تلاوت واجب ہے

(۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ فَنَزِدْجُمُ حَتَّى مَا يَجِدُ أَحَدَنَا لِبُجْهَتِهِ مَوْضِعًا يَسْجُدُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ سجدہ (کی کوئی آیت) پڑھتے اور ہم آپ ﷺ کے قریب ہوتے تھے تو جب آنحضرت ﷺ سجدہ کرتے ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے اور (اس وقت) ہم لوگوں کا اس قدر اثر و حام ہوتا تھا کہ ہم میں سے بعض کو تو اپنی پیشانی نیک کر سجدہ کرنے کی جگہ بھی نہیں ملتی تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سجدہ کی کوئی آیت تلاوت فرماتے تو اس موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کے لئے اتنے زیادہ لوگوں کا جوم ہو جاتا تھا کہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے بعض لوگوں کو تو آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنا بھی نصیب نہ ہوتا تھا اور وہ پھر بعد میں سجدہ کرتے تھے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سجدہ تلاوت واجب ہے کیونکہ تلاوت کا سجدہ واجب نہ ہوتا تو لوگ اتنا زیادہ اہتمام اثر و حام کیوں کرتے۔

ایسے موقع پر جب کہ تلاوت کرنے والے کچھ لوگ بیٹھے ہوں اور اس کی تلاوت سن رہے ہوں تو سجدہ کی کوئی آیت پڑھنے کے بعد سجدہ کرنے کے سلسلے میں سنت یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا شخص آگے ہو جائے اور تلاوت سننے والے اس کے پیچھے ہو کر صف باندھیں اس طرح سب لوگ سجدہ کر لیں۔ یہ اقتداء ضرورۃً ہے حقیقۃً اقتداء نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کا سورۃ نجم میں سجدہ نہ کرنا

(۴) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت زید ابن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کے سامنے سورۃ نجم تلاوت کی اور آپ ﷺ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کی جانب سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر سورۃ نجم میں سجدہ بیان جواز کے لئے نہیں کیا، حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ مفصل میں سجدہ نہیں ہے اس لئے آپ ﷺ نے سجدہ نہیں کیا اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی طرف سے اس حدیث کی توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر سجدہ یا تو اس لئے نہیں کیا کہ اس وقت آپ ﷺ با وضو نہیں تھے، یا یہ کہ وہ وقت کراہت تھا، یا پھر آپ ﷺ نے سجدہ اس لئے ترک کیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سجدہ تلاوت فرض نہیں ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ سجدہ تلاوت فی الفور واجب نہیں ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت تو سجدہ نہ کیا ہو البتہ بعد میں کسی وقت کر لیا ہو۔ لہذا اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ سورۃ نجم کا سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ گزر چکا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے اور دوسرے لوگوں نے بھی سورۃ نجم کا سجدہ کیا تھا۔

سورہ ص کا سجدہ

⑤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجْدَةُ صَ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيهَا وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ مُجَاهِدٌ قُلْتُ لَا بِنِ عَبَّاسٍ أَسْجُدُ فِي صَ فَقَرَأَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدُ وَسَلِيمَانُ حَتَّى أَتَى فِيهِدَاهُمْ اِقْتَدِهِ فَقَالَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ أَمَرَ أَنْ يَقْتَدَى بِهِمْ - (رواه البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ”سورہ ص کا سجدہ بہت تاکیدیں سجدوں میں سے نہیں ہے اور میں نے سرور کونین ﷺ کو اس سورہ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔“

”ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت مجاہدؒ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ”کیا میں سورہ ص میں سجدہ کروں“ حضرت ابن عباسؓ نے آیت وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدُ وَسَلِيمَانُ سے فِيهِدَاهُمْ اِقْتَدِهِ پڑھی اور فرمایا ”تمہارے نبی ﷺ بھی انھی لوگوں میں سے ہیں جنہیں پہلے نبیوں کی اتباع کا حکم تھا۔“ (بخاری)

تشریح: لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ بہت تاکیدیں سجدوں میں سے نہیں) کا مطلب فقہ حنفی کی رو سے یہ ہے کہ یہ سجدہ فرائض میں سے نہیں ہے بلکہ واجبات تلاوت میں سے ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ سوئس میں آنحضرت ﷺ کا سجدہ کرنا حضرت داؤد علیہ السلام کی موافقت اور ان کی توبہ کی قبولیت کے شکر کے طور پر تھا۔

حضرت ابن عباسؓ نے حضرت مجاہدؒ کے سوال کے جواب میں پہلے آیت پڑھی جس سے اس بات کی دلیل دینا مقصود تھا کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں میں سے ہیں کہ جنہیں سابقہ انبیاء کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا حضرت ابن عباسؓ کے جواب کے مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے تو تمہیں بطریق اولیٰ ان کی پیروی کرنی چاہئے یعنی جب حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا اور آنحضرت ﷺ نے بھی ان کی موافقت و پیروی میں سجدہ کیا تو ہم کو چاہئے کہ ہم بھی سجدہ کریں۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

قرآن میں کل کتنے سجدے ہیں؟

⑥ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ أَقْرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِي الْقُرْآنِ مِنْهَا ثَلَاثٌ فِي الْمُفْصَلِ وَفِي سُورَةِ الْحَجِّ سَجْدَةٌ تَحِيٍّ - (رواه ابو داؤد وابن ماجہ)

”حضرت عمرو ابن العاصؓ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے انہیں (یعنی عمرو ابن العاصؓ کو) قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے ان میں سے تین تو مفصل (سورتوں میں ہیں اور دو سجدے سورہ حج میں ہیں۔“ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں لفظ اقراء کے بجائے لفظ اقراء فی ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے سامنے پڑھوں۔ اس حدیث کے مطابق قرآن کریم کی پندرہ آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے ایک سجدہ واجب ہوتا ہے۔ آیتوں کی تفصیل یہ ہے:

① سورہ اعراف کے آخر میں یہ آیت:

إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَبِخُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ۔

”بیٹھ کر جو لوگ (یعنی فرشتے) تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے غرور اور انکار نہیں کرتے اور اس کا سجدہ کرتے ہیں۔“

۴ سورہ رعد کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلًا لَّهُمْ بِالْغَدُوِّ وَالْاَصَالِ-

”وہ تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں خوشی سے، کوئی ناخوشی سے اور ان کے سایہ صبح و شام۔“

۵ سورہ نحل کے پانچویں رکوع کے آخر کی یہ آیت:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ، يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ-

”اور تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب خدا کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی، اور وہ ذرا بھی غرور نہیں کرتے اور اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں نیز انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔“

۶ سورہ بنی اسرائیل کے بارہویں رکوع میں یہ آیت:

وَيَخْرُجُوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَسْكُوْنَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوْعًا-

”اور وہ منہ کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور اس سے ان کو اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے (یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو آنحضرت ﷺ سے پہلے ایماندار لوگ تھے)۔“

۷ سورہ مریم کے چوتھے رکوع میں یہ آیت:

وَ اِذَا تَنٰثَلٰ عَلَيْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَبُكِيًّا-

”جب ۵ پڑھی جاتی ہیں ان پر رحمن کی آیتیں تو گرتے ہیں وہ سجدہ کرنے کے لئے روتے ہوئے (یہ انبیاء اور ان کے اصحاب کا حال بیان کیا گیا ہے)۔“

۸ سورہ حج کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقٌّ عَلَيْهِ الْعِذَابُ وَمَنْ يُهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ-

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے آدمی ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے اور جس شخص کو خدا ذلیل کرے اس کو کوئی

۱۔ اس آیت میں ولہ یسجدون پر سجدہ ہے۔

۲۔ اس آیت میں بالغدو والاصال پر سجدہ ہے۔

۳۔ اس آیت میں ویفعلون مایؤمرون پر سجدہ ہے۔

۴۔ اس آیت میں ویزیدہم خشوعا پر سجدہ ہے۔

۵۔ اس آیت میں سجدوا بکیا پر سجدہ ہے۔

۶۔ اس آیت میں یسجدلہ پر سجدہ ہے مگر پوری آیت پڑھنے کے بعد سجدہ ہے۔

عزت دینے والا نہیں، بے شک خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

۷ سورہ حج کے آخری رکوع کی یہ آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ، وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

”اے ایمان والو! رکوع کرتے اور سجدہ کرتے اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہو اور نیک کام کرو تاکہ فلاح پاؤ۔“

۸ سورہ فرقان کے پانچویں رکوع کی یہ آیت:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالَوْا مَا الرَّحْمَنُ أَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا۔

”اور جب ان (عرب کے کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ سجدہ کرو رحمن کا تو کہتے ہیں کہ رحمن کیا چیز ہے۔ کیا ہم سجدہ کر لیں اس کو جس کو تم کہتے ہو اور ہم کو نفرت بڑھتی ہے۔“

۹ سورہ نمل کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

أَلَا يَسْجُدُ لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۚ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ۔

”اور تمہیں سمجھتے کہ خدا کو جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور تمہارے پوشیدہ و ظاہر اعمال کو جانتا ہے کیوں سجدہ نہ کریں؟ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔“

۱۰ سورہ الم تنزیل السجدہ کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ۔

”ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں کہ جب انہیں وہ آیتیں یاد دلائی جائیں تو سجدہ کرنے کے لئے گر جائیں اور اللہ کی حمد و ثنایاں کریں اور یہ لوگ غرور نہیں کرتے۔“

۱۱ سورہ صٰہ کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآبٍ۔

”اور (داؤد علیہ السلام) گر پڑے سجدہ کے لئے اور توبہ کی۔ پس ہم نے ان کو بخش دیا اور بے شک ہمارے یہاں ان کا تقرب ہے اور عمدہ مقام ہے۔“

۱۲ سورہ حم سجدہ کے پانچویں رکوع میں یہ آیت:

فَإِنْ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ۔

۱۔ اس آیت میں لعلکم تفلحون پر سجدہ ہے۔

۲۔ اس آیت میں وزادہم نفورا پر سجدہ ہے۔

۳۔ اس آیت میں حضرت سلیمان کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور یہاں رب العرش العظیم اور بعض کے نزدیک لعلکم تفلحون پر سجدہ ہے۔

۴۔ اس آیت میں لایسکتبرون پر سجدہ ہے۔

۵۔ اس آیت میں وحسن مآب پر سجدہ ہے۔

”اگر یہ لوگ سرکشی کریں تو (خدا کو بھی ان کی پرواہ نہیں) جو (فرشتے) تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور کبھی تھکتے ہی نہیں۔“

۱۲ سورہ نجم کے آخر میں یہ آیت:

فَاسْجُدْ لِلَّهِ وَاعْبُدْهُ

”سجدہ کرو اللہ کا اور عبادت کرو۔“

۱۳ سورہ انشقت میں یہ آیت:

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ

”تو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔“

۱۴ سورہ اقرآ میں یہ آیت:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

”(اے محمد!) سجدہ کیجئے اور اللہ سے نزدیک ہو جائیے۔“

ائمہ کے ہاں سجدوں کی تعداد: ائمہ کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں کل کتنی آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے یا سننے سے ایک سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت امام احمدؒ نے اس حدیث کے مطابق کہا ہے کہ ایسی آیتیں پندرہ ہیں جن کی تفصیل اوپر کی گئی چنانچہ انہوں نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے یہاں آیت سجدہ کی تعداد چودہ ہے۔ اس طرح کہ سورہ حج میں تو دو سجدے ہیں اور سورہ ہص میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے یہاں آیت سجدہ کی تعداد گیارہ ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ سورہ ہص، سورہ نجم، سورہ انشقت اور سورہ اقرآ میں سجدہ نہیں ہے حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کل سجدوں کی تعداد چودہ ہے اس طرح کہ سورہ حج میں دو سجدے ہیں بلکہ ایک ہی سجدہ ہے جو دو سرے رکوع میں ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو ابن العاصؓ کی یہ حدیث جس سے سجدوں کی تعداد پندرہ ثابت ہوتی ہے ضعیف ہے اور اس کو دلیل بنانا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اس کے بعض راوی مجہول ہیں۔

نماز میں بھی سجدہ تلاوت کرنا چاہئے: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز فرض اور نماز نفل میں اگر کوئی آیت سجدہ کی قرأت کی جائے تو نماز ہی میں سجدہ کیا جائے یعنی جو سجدہ تلاوت نماز میں واجب ہو اسے خارج نماز میں ادا نہ کیا جائے۔ آیت سجدہ اگر فرض نماز میں پڑھی جائے تو اس کے سجدہ میں نماز کے سجدہ کی طرح سبحان ربی الاعلیٰ کہنا ہی بہتر ہے اور اگر نفل نماز میں یا خارج نماز میں پڑھی جائے تو اس کے سجدہ میں اختیار ہے کہ سبحان ربی الاعلیٰ کہا جائے یا اور تسبیحیں جو احادیث میں وارد ہوئی پڑھی جائیں مثلاً یہ تسبیح:

۱۔ اس آیت میں لایسنمون پر سجدہ ہے یا تعبدون پر ہے۔

۲۔ اس آیت میں واعبدوا پر سجدہ ہے۔

۳۔ اس آیت میں لایسجدون پر سجدہ ہے۔

۴۔ اس آیت میں واقترِب پر سجدہ ہے۔

سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔

”میرے منہ نے اس ذات کا سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا جس نے اسی کو بنایا اور اس میں کان و آنکھ پیدا کیں اپنی طاقت اور قوت سے پس بزرگ ہے اللہ اچھا پیدا کرنے والا ہے۔“

نماز میں آخر سورۃ میں سجدہ کی آیت آجانے کا مسئلہ: بعض علماء کا یہ قول ہے کہ نماز میں سجدہ کی جو آیت آخر سورۃ میں آجائے تو رکوع کرنا ہی سجدہ کے لئے کافی ہو جاتا ہے یعنی رکوع کرنے میں سجدہ تلاوت بھی ادا ہو جاتا ہے۔ یہ قول حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ہے اور یہی مسلک حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ اگر آیت سجدہ نماز میں پڑھی جائے اور فوراً رکوع کیا جائے یا آیت سجدہ کے بعد دو تین آیتیں پڑھ کر رکوع کر لیا جائے اور اس رکوع میں جھکے وقت سجدہ تلاوت کی بھی نیت کر لی جائے تو سجدہ ادا ہو جائے گا اور اگر اسی طرح آیت سجدہ پڑھنے کے بعد نماز کا سجدہ کیا تب بھی سجدہ ادا ہو جائے گا اور اس میں نیت کی بھی ضرورت نہ ہوگی مگر شرط یہی ہے کہ ہر دو صورت میں آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ قرأت نہ کی گئی ہو کیونکہ تین آیتوں کے پڑھنے میں تو اختلاف بھی ہے مگر یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ تین سے زیادہ آیتیں پڑھنے کی صورت میں نماز کے رکوع یا سجود میں سجدہ تلاوت ادا نہیں ہو گا بلکہ الگ سے سجدہ تلاوت کرنا ضروری ہو گا۔

دو سجدوں کی وجہ سے سورۃ حج کی فضیلت

④ وَعَنْ عَقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَضَّلْتَ سُورَةَ الْحَجِّ بَانَ فِيهَا سَجْدَتَيْنِ قَالَ نَعَمْ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَأْهُمَا زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيٍّ وَفِي الْمَصَابِيحِ فَلَا يَقْرَأُهَا كَمَا فِي شَرْحِ السَّنَةِ۔ (رواہ ابوداؤد، والترمذی)

”اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! سورۃ حج کو اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! جو شخص دونوں سجدے نہ کرے تو وہ ان دونوں سجدوں کی آیتوں کو نہ پڑھے۔“ (ابوداؤد ترمذی) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے اور مصابیح میں مثل شرح السنۃ کے فلا یقرأھا (تو وہ دونوں سجدوں کی آیتوں کو نہ پڑھے) کے بجائے فَلَا يَقْرَأُهَا (تو وہ اس سورۃ کو نہ پڑھے) کے الفاظ ہیں۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص سجدے کی ان دونوں آیتوں کو نہ پڑھے تو اسے وہ آیتیں ہی نہ پڑھنی چاہیں تاکہ وہ ترک واجب کا گنہگار نہ ہو یعنی قرآن کریم پڑھنے والے کے حق میں سجدہ کی آیت کی تلاوت کی وجہ سے ایک سجدہ مشروع ہوا ہے اور سجدہ تلاوت کرنا تلاوت کے حقوق میں سے ہے لہذا اگر کوئی شخص سجدہ تلاوت کو ترک کرنے کے درپے ہو تو اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ ان آیتوں ہی کو نہ پڑھے جن کی وجہ سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے کیونکہ سجدہ واجب ہے اور اس کو چھوڑنے والا گنہگار ہوتا ہے اس لئے ترک سجدہ سے ترک تلاوت اولیٰ ہے۔

مشکوٰۃ کے ایک دوسرے صحیح نسخہ میں بجائے فَلَا يَقْرَأُهَا کے فَلَمْ يَقْرَأْهَا کے الفاظ ہیں اس طرح آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ جس نے وہ دونوں سجدے نہ کئے گویا اس نے انہیں پڑھائی نہیں یعنی جب اس نے اس آیت کے تقاضا پر عمل نہ کیا تو اس کا پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سورۃ حج کا دوسرا سجدہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ سجدہ نماز کا ہے کیونکہ وہاں لفظ ”اگرعوا“ کا مذکور ہونا اس بات کا قرینہ ہے۔

امام ترمذیؒ نے آخر میں ہذا حدیث لیس استنادہ بالقوی کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

سورۃ الم تنزیل السجدہ کا سجدہ

⑧ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِي صَلَوةِ الظُّهْرِ ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ فَرَأَوْا أَنَّهَ قَرَأَ تَنْزِيلَ السَّجْدَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کونین ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا اور کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا اور لوگوں کو یہ گمان تھا کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ الم تنزیل السجدہ پڑھی ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: صحابہؓ نے محض سجدے سے معلوم نہیں کیا تھا کہ آپ ﷺ نے سورۃ الم تنزیل السجدہ پڑھی ہے بلکہ سورت کی ایک آیت آنحضرت ﷺ سے سنی ہوگی اس سے انہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ آپ ﷺ یہ سورہ پڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ (آہستہ آواز سے پڑھی جانے والی نمازوں میں) کبھی کبھی ایک ایک آیت باوازی بلند بھی پڑھ دیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں سورۃ کی قرأت ہو رہی ہے یا یہ کہ انتہائی شوق اور حضور قلب کی وجہ سے بے اختیار آپ ﷺ کی لسان مقدس سے کوئی آیت باوازی بلند جاری ہو جاتی تھی۔

بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے آیت سجدہ پڑھ کر جب سجدہ کیا اور سجدہ سے اٹھے تو بقیہ سورۃ پوری نہیں کی بلکہ رکوع میں چلے گئے چنانچہ یہ جائز ہے اگرچہ افضل یہی ہے کہ سجدے سے اٹھ کر بقیہ سورۃ پوری کی جائے اس کے بعد رکوع کیا جائے لہذا یہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا بیان جواز کی خاطر کیا ہو باوجودیکہ نص سے بصراحت تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے بقیہ سورہ پوری نہیں کی اور رکوع میں چلے گئے تاہم ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے محض رکوع پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مستقلاً سجدہ کیا جیسا کہ خفیہ کے یہاں ایسی صورت میں رکوع ہی میں سجدہ ادا ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ افضل اور اولیٰ چونکہ سجدہ کر لینا ہی ہے اس لیے آپ ﷺ نے افضل طریقہ کو اختیار فرمایا۔

سجدہ تلاوت قاری اور سامع دونوں پر واجب ہوتا ہے

⑨ وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ فَاذْمَرْنَا بِالسَّجْدَةِ كَثِيرًا وَسَجَدْنَا مَعَهُ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ ہمارے سامنے قرآن کریم پڑھتے اور جب آیت سجدہ کی کسی آیت پر پہنچتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہو گئی کہ سجدہ تلاوت قاری (یعنی قرآن کریم پڑھنے والے) اور سامع (یعنی تلاوت سننے والے) دونوں پر واجب ہے۔

صرف سجدہ کے وقت تکبیر کہنی چاہئے: یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سجدہ تلاوت کے لئے تکبیر صرف سجدہ میں جاتے وقت کہنی چاہئے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا اسی پر عمل ہے۔

البتہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ مسئلہ ہے کہ جب کوئی شخص سجدہ تلاوت کرے تو اسے پہلے ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہنی چاہئے اس کے بعد سجدہ کے لئے دوسری تکبیر کہے حضرت عائشہؓ کی ایک روایت کی روشنی میں یہ ثابت ہے کہ سجدہ تلاوت کے وقت پہلے کھڑے ہونا اور اس کے بعد سجدہ میں جانا مستحب ہے۔

⑩ وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَامَ الْفَتْحِ سَجْدَةً فَسَجَدَ النَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْهُمْ الرَّاكِبُ وَالسَّاجِدُ عَلَى الْأَرْضِ حَتَّى أَنَّ الرَّاكِبَ لَيَسْجُدُ عَلَى يَدِهِ - (رواه البوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فتح مکہ کے سال (کوئی) آیت سجدہ پڑھی چنانچہ تمام لوگوں نے (آنحضرت ﷺ کے ساتھ) سجدہ تلاوت کیا سجدہ کرنے والوں میں بعض تو سوار یوں پر تھے اور بعض زمین پر تھے سوار یوں والے اپنے ہاتھ ہی پر سجدہ کرتے تھے۔“ (البوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے یا تو آیت سجدہ کے ساتھ کچھ اور آیتیں بھی ملا کر پڑھی ہوں گی یا پھر محض آیت سجدہ بیان جواز کے لئے پڑھی ہوگی، کیونکہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق صرف آیت سجدہ کی تلاوت کرنا خلاف استحباب ہے۔

”سوار یوں والے اپنے ہاتھ ہی پر سجدہ کرتے تھے“ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی سوار یوں مثلاً گھوڑے وغیرہ پر بیٹھے ہوئے تھے وہ اپنے ہاتھوں کو زمین وغیرہ پر رکھ کر ان پر سجدہ کرتے تھے اس طرح انہیں حالت سجدہ میں زمین کی سی سختی حاصل ہو جاتی تھی۔

حضرت ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص گردن جھکا کر اپنے ہاتھوں پر سجدہ کرے تو اس کا سجدہ جائز ہو جائے گا اور یہی قول حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ہے البتہ حضرت امام شافعیؒ کا یہ قول نہیں ہے۔

ابن ملکؒ نے حضرت امام اعظمؒ کا جو یہ قول ذکر کیا ہے یہ ان کے مسلک میں غیر مشہور ہے چنانچہ شرح منیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص جوم واژدہام کی وجہ سے اپنی ران پر سجدہ کر لے تو جائز ہوگا اسی طرح ران کے علاوہ کسی دوسرے عضو پر بھی سجدہ کرنا جائز ہے جب کہ اسے کوئی ایسا عذر پیش ہو جو سجدہ کرنے سے مانع ہو، بغیر عذر ایسا کرنا جائز نہ ہو گا نیز اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ زمین پر رکھ کر اس پر سجدہ کر لے تو اگرچہ اسے کوئی عذر نہ ہو یہ جائز ہے مگر مکروہ ہوگا۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو سجدہ کی کوئی آیت پڑھے اور سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے سجدہ کا اشارہ کر لینا کافی ہوگا۔

آنحضرت کا مفصل سورتوں میں سجدہ نہ کرنا

⑪ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْجُدْ فِي شَيْءٍ مِنَ الْمَفْصَلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ إِلَى الْمَدِينَةِ -

(رواه البوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ مدینہ تشریف لانے کے بعد مفصل سورتوں میں سے کسی سورۃ میں سجدہ نہیں کیا۔“ (البوداؤد)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے سے پہلے مکہ میں تو مفصل سورتوں میں سجدہ تلاوت کیا اور ان کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی کیا مگر جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو یہاں مفصل سورتوں میں سجدہ تلاوت نہیں کیا۔

ابو ہریرہؓ کی حدیث سے تعارض: اس حدیث سے تو بصراحت یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں مفصل سورتوں میں سجدہ تلاوت نہیں کیا حالانکہ اس سے پہلے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نمبر ایک گزر چکی ہے کہ جس میں ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ اور إِفْرَأْ أَبَاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي میں سجدہ کیا ہے لہذا اب جب کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض پیدا ہو گیا تو ان میں سے کسی ایک کو راجح قرار دینا ہوگا اور راجح حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہوگی کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ مدینہ میں سات ہجری میں اسلام لائے اور ظاہر ہے کہ ان کی روایت کا تعلق مدینہ ہی سے ہے اور فنی طور پر بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت صحیح تر ہے پھر یہ کہ ان کے علاوہ بہت زیادہ صحابہؓ کی روایت ہے کہ مفصل سورتوں میں سجدہ ہے نیز اصول ہے کہ مثبت پہلو پر فہلویہ فہلویہ رکھنا

ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے منفی پہلو ثابت ہوتا ہے جب کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت مثبت پہلو کو ظاہر کر رہی ہے۔
لہذا حاصل یہ نکلا کہ مفصل سورتوں میں آنحضرت ﷺ کا سجدہ کرنا ثابت ہے اس لئے ان سورتوں میں سجدہ کی جو آیتیں ہیں ان کی تلاوت یا سماعت پر سجدہ کرنا چاہئے۔

مفصل چھوٹی سورتوں کو کہتے ہیں کہ وہ سورہ حجرات سے آخر تک ہیں۔

سجدہ تلاوت کی تسبیح

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ سَجْدًا وَجْهِي لِلدَّيْنِ خَلْقُهُ وَشَقَّ سَمْعُهُ وَبَصَرُهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتُهُ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ رات کو قرآن کے سجدوں میں یہ تسبیح پڑھتے تھے۔ سَجْدًا وَجْهِي لِلدَّيْنِ خَلْقُهُ وَشَقَّ سَمْعُهُ وَبَصَرُهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتُهُ میرے منہ نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا اور اپنی قوت و قدرت سے کان اور آنکھیں بنائیں (ابوداؤد ترمذی، نسائی) اور حضرت امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ ”حدیث حسن صحیح ہے۔“

تشریح: رات کی قید اتفاقی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ تسبیح رات ہی میں سنی ہوگی چنانچہ اسی کو بیان کیا ورنہ تو رات یا دن کی قید کے بغیر مطلقاً طور پر بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ تسبیح سجدہ تلاوت میں پڑھتے تھے نیز بعض روایات میں یہ تسبیح بھی منقول ہے۔

رَبِّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی فَاغْفِرْ لِی۔

”میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا مجھے بخش دے۔“

خفیہ کا صحیح مسلک یہ ہے سجدہ تلاوت میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنا کافی ہے جیسا کہ نماز کے سجدوں میں پڑھتے ہیں لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ سجدہ تلاوت کے جو تسبیحیں ثابت ہوئی ہیں ان کا پڑھنا اولیٰ ہے۔

(۱۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَأَيْتُنِي اللَّيْلَةَ وَأَنَا نَائِمٌ كَانَتْ أَرْضِي خَلْفَ شَجَرَةٍ فَسَجَدْتُ فَسَجَدَتِ الشَّجَرَةُ لِسُجُودِي فَسَمِعْتُهَا تَقُولُ اللَّهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا وَضَعْ عَنِّي بِهَا وَزْرًا وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ زُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجْدَةً ثُمَّ سَجَدَ فَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يَقُولُ مِثْلَ مَا أَخْبَرَهُ الرَّجُلُ عَنْ قَوْلِ الشَّجَرَةِ زَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَتَقَبَّلْهَا كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔ (ترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک شخص سرور کونین ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے آج رات خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ گویا ایک درخت کے نیچے میں نماز پڑھ رہا ہوں اور یہ بھی دیکھا کہ جب میں نے سجدہ تلاوت کیا تو اس درخت نے بھی میرے ساتھ سجدے کے وقت سجدہ کیا تو میں نے یہ سنا کہ وہ درخت یہ دعا پڑھتا تھا۔ اللَّهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا وَضَعْ عَنِّي بِهَا وَزْرًا وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ زُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ اے اللہ! میرے لئے اس سجدے کا ثواب اپنے پاس رکھ اور اس کی وجہ سے میرے گناہ معاف فرما اور اس سجدے کو میرے واسطے خیر بنا کر اپنے پاس رکھ اور میرے اس سجدہ کو ایسا قبول کر جیسا اپنے بندے داؤد سے قبول کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دعا پڑھنے کی غرض سے اسی مجلس میں یا بعد میں سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ تلاوت کیا اور میں نے آپ ﷺ کو (دعا کے) وہی کلمات کہتے ہوئے

نے جو اس آدمی نے درخت سے نقل کئے تھے یعنی آپ ﷺ نے وہی دعا پڑھی۔ ”(ترمذی)

اس روایت کو ابن ماجہؒ نے بھی نقل کیا ہے مگر ان کی روایت میں وَتَقْبَلُهَا مِنِّي كَمَا تَقْبَلُهَا مِنِّي عَبْدُكَ دَاوُدُ کے الفاظ نہیں ہیں نیز امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے سورہ صٰ کے سجدہ کی آیت پڑھی ہوگی اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں ہے کہ آپ ﷺ نے بھی یا تو سورہ صٰ ہی کے سجدہ کی آیت پڑھی ہوگی یا پھر سورہ سجدہ کی تلاوت کی ہوگی۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

سورہ وانجم کا سجدہ

(۱۴) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ وَالنَّجْمَ فَسَجَدَ فِيهَا وَسَجَدَ مَنْ كَانَ مَعَهُ غَيْرَ أَنَّ شَيْخًا مِنْ قُرَيْشٍ أَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصَى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى جَنْبِهِ وَقَالَ يَكْفِينِي هَذَا قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَلَقَدْ زَايَنَهُ بَعْدَ فَعِلٍ كَافِرًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِي رِوَايَةٍ وَهُوَ أَمِيَّةُ بْنُ خَلْفٍ۔

”حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ایک روز سورہ وانجم کی تلاوت فرمائی اور اس میں سجدہ کیا آپ ﷺ کے پاس جو لوگ تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا۔ مگر قریش کے ایک بوڑھے نے نکریاں یا مٹی کی ایک مٹھی لے کر اپنی پیشانی پر لگائی اور بولا کہ میرے لئے یہی کافی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس واقعہ کے بعد دیکھا کہ وہ شخص کفر کی حالت میں مارا گیا۔“ (بخاری) و”مسلم“ اور بخاریؒ نے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”وہ بوڑھا امیہ بن خلف تھا۔“

تشریح: یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے امیہ بن خلف قریش کا ایک معزز سردار اور ذی اثر فرد تھا اسلام اور آنحضرت ﷺ کے خلاف کی جانے والی تمام سازشوں میں اس کا پارٹ بڑا اہم ہوتا تھا اسے اپنی بڑائی پر بڑا ناز تھا، چنانچہ اس موقع پر جب کہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ مجلس میں موجود تمام ہی اشخاص نے کیا مسلمان اور کیا کفار جب آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سجدہ کیا تو اس شخص نے ازراہ غرور و تکبر سجدہ نہیں کیا بلکہ یہ حرکت کی کہ نکری یا مٹی کی ایک مٹھی لے کر اسے پیشانی سے لگایا۔

سورہ صٰ کا سجدہ

(۱۵) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِي صٰ وَقَالَ سَجَدَ هَذَا دَاوُدُ تَوْبَةً وَنَسَجَدُ هَذَا شُكْرًا۔

(رواہ النسائی)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے سورہ صٰ میں سجدہ کیا اور فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سورہ صٰ کا یہ سجدہ توبہ کی قبولیت کے لئے کیا تھا (جس کی تفصیل سورہ صٰ میں مذکور ہے) اور ہم یہ سجدہ (ان کی قبولیت پر) شکر گزاری کے لئے کرتے ہیں۔“ (نسائی)

بَابُ أَوْقَاتِ النَّهْيِ

ان اوقات کا بیان جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے

اس باب کے تحت وہ احادیث نقل کی جائیں گی جو اوقات نہی کو ظاہر کرتی ہیں یعنی جن اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ لہذا یہ باب

ان تینوں اوقات کو شامل ہے جن میں نماز حرام ہے جیسے طلوع آفتاب کا وقت، غروب آفتاب کا وقت اور استواء کا وقت یعنی نصف النہار کا وقت اور ان اوقات کو بھی شامل ہے جیسے فجر اور عصر کی نماز کے بعد کا وقت۔

حنفیہ کے مسلک میں یہ بھی فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے چنانچہ پہلے تینوں اوقات یعنی طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور استواء کے وقت نماز جائز نہیں ہے خواہ ادا ہو یا قضا البتہ اسی دن کے عصر کی نماز جائز ہے اسی طرح نہ جنازہ کی نماز جائز اور نہ تلاوت کا سجدہ جائز ہے ہاں اس جنازہ کی نماز جائز ہوگی اگر انہیں اوقات میں لایا گیا ہو اسی طرح وہ سجدہ تلاوت جائز ہوگی آیت سجدہ انہیں اوقات میں پڑھی گئی ہو۔ تاہم ان اوقات سے مؤخر کرنا اولیٰ ہوگا۔

نماز جنازہ سجدہ تلاوت اور قضا نماز فجر کے پورے وقت میں اور عصر کی نماز کے بعد بھی جائز ہے نفل نماز ان اوقات میں بھی مکروہ ہے اگر کوئی شخص ان اوقات میں نفل نماز شروع کر دے گا وہ لازم ہو جائے گی یعنی اس وقت سے اسے نماز توڑ دینی چاہئے اور پھر وقت مکروہ کے نکل جانے کے بعد اس کی قضا پڑھنی چاہئے اور اگر کوئی شخص نماز توڑے نہیں بلکہ اسی وقت پوری کرے تو وہ اس سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے مگر نماز توڑ دینا ہی افضل ہے۔

حضرت امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ان اوقات میں قضا نماز اور اس جنازہ کی نماز جو اسی وقت لایا گیا ہو جائز ہے نیز تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنی بھی جائز ہے اگر اتفاق سے مسجد میں داخل ہو جائے اور اگر کوئی شخص قصد تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنے کی خاطر مسجد میں ان اوقات میں آئے یا قضا نماز میں تاخیر اس مقصد سے کرے کہ انہیں اوقات میں پڑھے تو اس صورت میں جائز نہیں کیونکہ ان اوقات میں قصد ایہ نمازیں پڑھنا حدیث کے بموجب ممنوع ہے اسی طرح ان کے نزدیک ان اوقات میں کسوف کی نماز وضو کے بعد کی دور رکعت نماز اور احرام و طواف کی دور رکعت نماز نیز سجدہ تلاوت جس کی آیت انہیں اوقات میں پڑھی جائے جائز ہے۔

ان اوقات میں نماز پڑھنے کی کراہت حنفیہ کے نزدیک ہر زمانہ اور ہر جگہ ہے لیکن حضرت امام شافعی اور ان علماء کے نزدیک جو حضرت امام شافعی کے ساتھ ہیں جمعہ کے روز استواء یعنی نصف النہار کے وقت نماز جائز ہے نیز ان اوقات میں مکہ معظمہ میں بھی نماز جائز ہے۔

اتنی بات سمجھ لیجئے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک اس سلسلہ میں احوط (یعنی احتیاط پسندی پر مبنی) ہے کیونکہ جب کسی چیز کے بارے میں مباح اور حرام دونوں کے دلائل متعارض ہوں تو حرمت کے پہلو کو ترجیح دی جاتی ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

طلوع وغروب آفتاب کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَحَرَّيْ أَحَدُكُمْ فَيَصَلِّيَ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَبْزُغَ فَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَغِيبَ وَلَا تَحْتِثُوا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبِهَا فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ الشَّيْطَانِ - (مشق علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص آفتاب کے نکلنے اور ڈوبنے کے وقت نماز پڑھنے کا قصد نہ کرے۔ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو نماز چھوڑ دو یہاں تک کہ سورج خوب

۱۔ طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک فجر کے پورے وقت میں فجر کی دو سنتوں کے علاوہ دوسرے نوافل مکروہ ہیں البتہ فرض و واجب کی قضا پڑھی جاسکتی ہے مگر عصر کا پورا وقت مکروہ نہیں بلکہ فرض نماز کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے البتہ فرض و واجب کی قضا فرض عصر کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ظاہر ہو جائے یعنی (ایک نیزہ کے بقدر بلند ہو جائے) نیز جب سورج کا کنارہ ڈوب جائے تو مطلقاً کوئی بھی نماز خواہ فرض ہو یا نفل چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ بالکل غروب ہو جائے اور آفتاب کے طلوع ہونے و غروب ہونے کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرو اس لئے کہ سورج شیطان کے دونوں سیگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے الفاظ ”قصد نہ کرے“ سے حضرت امام شافعیؒ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان اوقات میں قصد تہیۃ المسجد اور قضا کی نماز پڑھے گا تو اس حدیث کی رو سے خلاف کرے گا ہاں اگر کوئی شخص اتفاقاً پڑھے تو جائز ہو گا لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ حدیث کا مقصد مطلق طور پر ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کرنا ہے اس میں قصد آیا اتفاقاً کی قید لگانا حدیث کے منشاء کے خلاف ہے۔

شیطان کے دونوں سیگوں کے درمیان آفتاب نکلنے کا مطلب: شیطان کے دونوں سیگوں کے درمیان آفتاب نکلنے کا مطلب اس کے سر کے دونوں جانبوں کے درمیان آفتاب کا نکلنا ہے یعنی شیطان طلوع آفتاب کے وقت آفتاب کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ آفتاب اس کے سر کے دونوں جانبوں کے درمیان نکلے اور اس حرکت سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ آفتاب کو پوجتے ہیں شیطان ان کا قبلہ بن جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے تاکہ خدا کے ان باغیوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

وہ تین اوقات جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے

② وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيهِنَّ أَوْ نَقْبُرَ فِيهِنَّ مَوَاتَانَا حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَارِغَةً حَتَّى تَرْتَفِعَ وَحِينَ يَقُومُ قَائِمُ الظُّهَيْرَةِ حَتَّى تَمِيلَ الشَّمْسُ وَحِينَ تَصِيفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ تین وقتوں میں نماز پڑھنے اور اپنے مردوں کو دفن کرنے سے منع فرماتے تھے۔ اول آفتاب نکلنے کے وقت یہاں تک کہ بلند ہو جائے، دوسرے دوپہر کا سایہ قائم ہونے ”یعنی نصف النہار“ کے وقت یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جائے اور تیسرے اس وقت جبکہ آفتاب ڈوبنے لگے یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔“ (مسلم)

تشریح: ”مردوں کو دفن کرنے“ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان اوقات میں مردے دفن نہ کئے جائیں بلکہ اس کا مطلب جنازہ کی نماز سے منع کرنا ہے کیونکہ مردے ہر وقت دفن کئے جاسکتے ہیں۔

فجر و عصر کے بعد کوئی نماز نہ پڑھنی چاہئے

③ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا صبح (کی نماز) کے بعد اس وقت تک کہ (بقدر نیزہ) آفتاب بلند نہ ہو جائے کوئی نماز نہیں اور عصر کی نماز کے بعد اس وقت تک کہ آفتاب چھپ نہ جائے کوئی نماز نہیں۔“ (مسلم)

تشریح: یہاں نفی سے مراد نماز کے کمال کی نفی ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنا حرام نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔

نماز کے اوقات

④ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ فَقَدِمَتْ الْمَدِينَةُ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ صَلِّ صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حِينَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ الشَّيْطَانِ وَحِينَ يَسْجُدُ

لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتَّى يَسْتَقِيلَ الظِّلُّ بِالرُّمَحِ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ حَيْثُ نَسَجَتْ جَهَنَّمُ فَإِذَا أَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتَّى تَصْلِيَ الْعَصْرَ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَإِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَحَيْثُ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ قَالَوْهُ حَتَّى يَنْبِي عَنْهُ قَالَ مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ يَغْرِبُ وَضَوْءُهُ فَيَمْتَضِي وَيَسْتَنْشِقُ فَيَسْتَنْشِقُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهِ وَفِيهِ وَخِيَا شَيْعِمِهِ ثُمَّ إِذَا غَسَلَ وَجْهَهُ كَمَا أَمَرَهُ اللَّهُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهِ مِنْ أَظْرَافِ لَحْيَيْهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ مِنْ أَنَامِلِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَمْسَحُ رَأْسَهُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهِ مِنْ أَظْرَافِ شَعْرِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رِجْلَيْهِ مِنْ أَنَامِلِهِ مَعَ الْمَاءِ فَإِنْ هُوَ قَامَ فَصَلَّى فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَمَجَّدَهُ بِالَّذِي هُوَ لَهُ أَهْلٌ وَفَرَّغَ قَلْبَهُ لِلَّهِ إِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِيئَتِهِ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت عمرو ابن عبسہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کو میںؓ مدینہ تشریف لائے تو میں بھی مدینہ آیا اور آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یہ یا رسول اللہ مجھے نماز کے اوقات بتادیجئے۔ آپؐ نے فرمایا ”صبح کی نماز پڑھو اور پھر نماز سے رک جاؤ جب تک کہ آفتاب طلوع ہو کر بلند نہ ہو جائے اس لئے کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے اور اس وقت کافر (یعنی سورج کو پوجنے والے) اس کو سجدہ کرتے ہیں پھر (اشراق کی) نماز پڑھو کیونکہ اس وقت کی نماز مشہودہ ہے (یعنی فرشتے نمازی کی گواہی دیتے ہیں) اور اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں یہاں تک کہ (جب) سایہ نیزہ پر چڑھ جائے اور زمین پر نہ پڑے (یعنی ٹھیک دوپہر ہو جائے) تو نماز سے رک جاؤ کیونکہ اس وقت دوزخ جھوٹی جاتی ہے، پھر جب سایہ ڈھل جائے تو (ظہر کے فرض اور چوپا ہو نفل) نماز پڑھو کیونکہ یہ وقت فرشتوں کے شہادت دینے اور حاضری کا ہے یہاں تک کہ تم عصر کی نماز پڑھو پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے کیونکہ آفتاب شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کفار (یعنی آفتاب کو پوجنے والے) اس کی طرف سجدہ کرتے ہیں“ حضرت عمرو ابن عبسہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (پھر) عرض کیا یا رسول اللہؐ (وضو کی فضیلت) کے متعلق (بھی) بتادیجئے آپؐ نے فرمایا ”تم میں سے جو شخص وضو کا پانی لے اور (نیت کرنے) اور بسم اللہ پڑھنے اور دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھونے کے بعد) کلی کرے اور ناک میں پانی دے کر اس کے چہرے (کے اندر) کے منہ کے اور ناک کے تھنوں کے (صغیرہ) گناہ جھڑ جاتے ہیں پھر جب وہ اپنے چہرے کو خدا کے حکم کے مطابق دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے گناہ اس کی داڑھی کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور جب وہ اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھوں کے گناہ اس کی انگلیوں کے سرے سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ اس کے بالوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور جب وہ اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوتا ہے تو اس کے دونوں پیروں کے گناہ اس کی انگلیوں کے سرے سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور پھر (وضو سے فارغ ہو کر) جب وہ کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے نیز (نماز کے بعد) اللہ کی تعریف کرتا ہے شایان کرتا ہے (یعنی ذکر اللہ بہت زیادہ کرتا ہے) اور اسے اس بزرگی کے ساتھ جس کا وہ لائق ہے یاد کرتا ہے اور اپنے دل کو اللہ کے لئے فارغ (یعنی اس کی طرف متوجہ) کرتا ہے تو وہ (نماز کے بعد) گناہوں سے ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے گویا اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے الفاظ ”جب سایہ نیزہ پر چڑھ جائے اور زمین پر نہ پڑے“ کا تعلق مکہ و مدینہ اور ان کے گرد و نواح سے ہے کیونکہ ان مقامات پر بڑے دنوں میں عین نصف النہار کے وقت سایہ زمین پر بالکل نہیں پڑتا۔

حدیث کے آخری الفاظ سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ صغیرہ اور کبیرہ دونوں گناہ بخش دئے جاتے ہیں تو اس سلسلہ میں تحقیق بات یہ ہے کہ صغیرہ گناہ تو ضروری بخش دیتے ہیں البتہ کبیرہ گناہوں کی بخشش کا انحصار حق تعالیٰ کی مشیت اور اس کی مرضی پر ہے کہ چاہے تو وہ کبیرہ گناہ بھی اپنے فضل و کرم سے بخش سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا

⑤ وَعَنْ كُرَيْبٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَالْمُسَوِّزِينَ مَخْرُومَةً وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَزْهَرِ أَرْسَلُوهُ إِلَى عَائِشَةَ فَقَالُوا اقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ وَسَلِّمْ عَنْ الرُّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَالَ قَدْ خَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَلَبَّغْتُهَا مَا أَرْسَلُونِي فَقَالَتْ سَلِّ أُمِّ سَلَمَةَ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِنَّ فَرَدُّونِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ أُمِّ سَلَمَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْهُمَا ثُمَّ رَأَيْتُهُ يُصَلِّيهِمَا ثُمَّ دَخَلَ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ قُولِي لَهُ تَقُولُ أُمِّ سَلَمَةَ يَا رَسُولَ اللَّهِ سَمِعْتُكَ تَنْهَى عَنْ هَاتَيْنِ الرُّكْعَتَيْنِ وَأَرَاكَ تُصَلِّيهِمَا قَالَ يَا ابْنَتُ أَبِي أُمَيَّةَ سَأَلْتُ عَنِ الرُّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَإِنَّهُ أَتَانِي نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُونِي عَنِ الرُّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ - (متفق عليه)

”اور حضرت کربؓ (حضرت ابن عباسؓ کے خادم) راوی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ، مسور ابن مخرمہ اور عبد الرحمن ابن ازہرؓ نے انہیں (یعنی کربؓ کو) حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا اور ان سے ان تینوں نے کہا کہ (ہماری طرف سے) حضرت عائشہؓ کی خدمت میں سلام پیش کر کے ان سے عصر کے بعد دو رکعت نماز کے بارے میں پوچھنا کربؓ کہتے ہیں کہ ”میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان تینوں نے جس پیغام کو پہنچانے کے لئے مجھے بھیجا تھا میں نے وہ پیغام ان تک پہنچا دیا“ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ”حضرت ام سلمہؓ (کے پاس جاؤ اور ان) سے پوچھو“ میں (یہ جواب سن کر) ان تینوں صحابہؓ کے پاس واپس لوٹ آیا، انہوں نے مجھے (پھر) حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا، حضرت ام سلمہؓ نے (میرا سوال سن کر) فرمایا کہ ”میں نے سرور کوئین ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ ان دونوں رکعتوں (کے پڑھنے) سے منع فرمایا کرتے تھے۔ پھر میں نے (ایک دن) دیکھا کہ آپ ﷺ ان دونوں رکعتوں کو پڑھتے ہیں۔ جب آپ ﷺ (ان دونوں رکعتوں کو مسجد میں پڑھ کر گھر میں آیا ہر محن میں پڑھ کر مکان کے اندرونی حصہ میں داخل ہوئے تو میں نے خادمہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور اس سے کہا کہ تم آنحضرت ﷺ سے جا کر کہو کہ ام سلمہؓ کہتی ہے کہ یا رسول اللہ میں نے آپ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ ان دونوں رکعتوں (کے پڑھنے) سے منع فرماتے تھے اور (اب) میں نے آپ ﷺ کو دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے (اس کی کیا وجہ ہے؟) آنحضرت ﷺ نے (خادمہ سے کہا کہ) ام سلمہؓ سے جا کر کہو کہ (ابی امیہ کی بیٹی ام نے عصر کے بعد دو رکعتوں کے پڑھنے کے بارے میں پوچھا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ قبیلہ عبد القیس کے کچھ لوگ (اسلامی تعلیمات اور احکام کیلئے غرض سے) میرے پاس آئے تھے چنانچہ (انہیں دینی احکامات بتانے کی مشغولیت میں) ظہر کے بعد کی میری دونوں رکعتیں رہ گئیں انہیں کو میں نے عصر کے بعد پڑھا ہے۔“

(متفق علیہ)

تشریح: سائلین کا مطلب یہ تھا کہ جب آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز کے بعد نفل وغیرہ پڑھنے سے منع فرمایا تھا تو خود عصر کے بعد دو رکعت نماز کیوں پڑھی تھی چنانچہ انہوں نے حضرت کربؓ کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا تاکہ وہ اس کی تحقیق کریں اور حضرت عائشہؓ سے حقیقت حال معلوم کریں حضرت عائشہؓ نے حضرت کربؓ کو حضرت ام سلمہؓ کا حوالہ دیا کہ ان سے معلوم کیا جائے، کیونکہ حضرت ام سلمہؓ اس بارے میں پوری طرح واقفیت رکھتی تھیں اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے آپ ﷺ کے اس عمل کے بارے میں پہلے ہی تحقیق کر لی تھی، حضرت عائشہؓ نے جب حضرت کربؓ کو حضرت ام سلمہؓ کے پاس جانے کو کہا تو انھیں قاعدہ میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس ہی جانا چاہئے تھا لیکن وہ پاس ادب پہلے ان تینوں صحابیوں کے پاس آئے جن کے پیغامبر بن کر وہ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے تھے، جب ان صحابیوں نے انہیں حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا تب وہ ان کے پاس گئے اور ان تینوں صحابیوں کا پیغام انہیں پہنچا کر حقیقت حال سے مطلع ہوئے۔

حضرت ام سلمہؓ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ عصر کے بعد جو دو رکعتوں سے منع فرماتے تھے تو ان دو رکعتوں سے

آپ کی مراد مطلقاً نفل نماز پڑھنا تھا اور اسی کے ضمن میں ان دونوں رکعتوں کی بھی شامل تھی۔ لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں رکعتوں ہی کے پڑھنے سے منع فرمایا ہو۔

ابو امیہ حضرت ام سلمہ کے والد کا نام تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے خادمہ سے فرمایا کہ ام سلمہؓ سے اس سوال کا جواب اس طرح دینا یا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے براہ راست حضرت ام سلمہؓ کو جواب دیتے ہوئے ابو امیہ کی بیٹی اگر کہہ کر مخاطب فرمایا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم دین کی تعلیم احکام شریعت کی تبلیغ اور مخلوق خدا کی ہدایت کرنا نماز نفل پر مقدم ہے اگرچہ سنت غیر مؤکدہ ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی فرض نماز کے بعد کی سنتوں کو موخر کیا اور پہلے وفد عبدالقیس کو دینی مسائل اور احکام شریعت کی تعلیم دی۔

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اگر نوافل و قیہ فوت ہو جائیں تو انہیں دوسرے وقت قضا پڑھ لینا چاہئے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک میں نوافل و قیہ کو صرف انہیں کے اوقات میں پڑھنا چاہئے غیر وقت میں ان کی قضا نہیں ہے چنانچہ ان کی جانب سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی فرض نماز کے بعد ہی سنت کی دونوں رکعتیں پڑھنی شروع کر دی گئی ہوں گی مگر وفد عبدالقیس کو علم دین کی تعلیم دینے کی ضرورت کی وجہ سے آپ ﷺ نے نماز توڑ دی ہوگی اس وجہ سے آپ ﷺ نے ان دونوں رکعتوں کی قضا عصر کی نماز کے بعد پڑھی۔

اس موقع پر اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ نے عصر کے بعد جو دو رکعت نماز پڑھی تھی وہ دراصل ظہر کے فرض کے بعد کی سنتیں تھیں جو وفد عبدالقیس کے ساتھ تعلیم دین کی مشغولی کی بناء پر پڑھنے سے رہ گئی تھیں لیکن ان احادیث کا کیا جواب ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ تو ہمیشہ ہی عصر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ”اس خدا کی قسم جس نے آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے اٹھایا آپ ﷺ نے عصر کے بعد کی دو رکعتیں پڑھنا نہ چھوڑیں یہاں تک کہ آپ ﷺ نے پروردگار سے ملاقات کی۔“ اس قسم کی دیگر روایتیں بھی منقول ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ عصر کی فرض نماز کے بعد دوسری نماز پڑھنا مکروہ ہے چنانچہ جمہور علماء کی بھی یہی رائے نیز امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں بھی ثابت ہے کہ وہ عصر کی فرض نماز کے بعد دوسری نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ ایسے لوگوں کو مارتے بھی تھے جو عصر کے بعد نفل وغیرہ پڑھتے تھے۔

لہذا۔ اب یہی کہا جائے گا کہ اس ممانعت کے باوجود آنحضرت ﷺ کا عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا دراصل آپ ﷺ کے خصائص میں سے تھا جیسا کہ آپ ﷺ صوم وصال (پے در پے روزے) رکھتے تھے مگر دوسروں کو اس سے منع فرماتے تھے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

فجر کی سنتوں کی قضا کا مسئلہ

⑥ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّي بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَكُفَّتَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الصُّبْحِ وَكُفَّتَيْنِ رَكَعَتَيْنِ فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي لَمْ أَكُنْ صَلَّيْتُ الرُّكَعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا فَصَلَّيْتُهُمَا الْآنَ فَسَكَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ وَقَالَ اسْنَادُ هَذَا الْحَدِيثِ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِأَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو وَفِي شَرْحِ السُّنَنِ وَنُسَخِ الْمَصَابِيحِ عَنْ قَيْسِ بْنِ قَهْدٍ نَحْوُهُ۔

”حضرت محمد ابن ابراہیم، قیس ابن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) سرور کونین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ فجر کی فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھ رہا ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا کہ ”صبح کی نماز دو رکعت (پھر فرمایا کہ دو رکعت ہی پڑھو)“ اس شخص نے عرض کیا کہ ”فجر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں (سنت) میں نے نہیں پڑھی تھیں انہیں کو میں نے اس وقت پڑھا ہے۔“ آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ (یہ سن کر) خاموش ہو گئے۔ (ابوداؤد) امام ترمذی نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد متصل نہیں ہے کیونکہ محمد بن ابراہیم کا قیس ابن عمرو سے سننا ثابت نہیں ہے، نیز شرح السنہ اور مصابح کے بعض نسخوں میں قیس ابن قہد سے اسی طرح منقول ہے۔“

تشریح: حدیث کے جملہ **بَلَّوْهُ الصُّبْحَ وَكَعْتَيْنِ** سے پہلے ایک لفظ مقدر ہے یعنی یہ عبارت پوری طرح یوں ہے **اجْعَلُوا صَلَوةَ الصُّبْحِ وَكَعْتَيْنِ**۔ لفظ **وَکَعْتَيْنِ** نفی زیادتی کی تاکید کے لئے مکرر فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فجر کی فرض دو ہی رکعتیں پڑھو اس کے بعد اور کوئی نماز نہ پڑھو۔

آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ نمازی کا جواب سن کر خاموش رہے۔ محدثین کی اصطلاح میں اس خاموشی کو تقریر کہا جاتا ہے آنحضرت کے لئے کوئی عمل کیا گیا اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا گویا آپ اس عمل سے راضی ہوئے۔ لہذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر فجر کی فرض نماز سے پہلے کی دو سنتیں نہ پڑھی جاسکیں تو فرض پڑھنے کے بعد ان کی قضا پڑھنی چاہئے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ فجر کی سنتوں کی قضا نہ تو طلوع آفتاب سے پہلے ہے اور نہ طلوع آفتاب کے بعد ہے لیکن سنتیں اگر فرض کے ساتھ فوت ہوں گی تو وہ بھی فرض کے ساتھ زوال آفتاب سے پہلے پہلے قضا پڑھی جائیں گی۔

حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ محض سنتوں کی بھی قضا ہو سکتی ہے مگر طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب تک۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ سنتوں میں اصل عدم قضا ہے اور قضا واجب کے ساتھ مخصوص ہے اور حدیث جو سنتوں کے قضا کے اثبات میں وارد ہے وہ ان سنتوں کے بارے میں ہے جو فرض کے ساتھ فوت ہو گئی ہوں بقیہ سنتیں اپنی اصل (عدم قضا) پر رہیں گی یعنی ان کی قضا نہیں کی جائے گی جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو محمد ابن ابراہیم کی یہ حدیث چونکہ ضعیف ہے اس لئے اسے کسی مسلک کی بنیاد اور دلیل بنانا ٹھیک نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے اوقات کی سنتوں کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ وقت کے بعد تنہا ان کی قضا نہ کی جائے البتہ وہ سنتیں جو فرض کے ساتھ فوت ہو گئی ہوں فرض کے ساتھ ان کی قضا کے بارے میں اختلاف ہے۔

خانہ کعبہ کا طواف ہر وقت کیا جاسکتا ہے

⑤ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ وَصَلَّى آيَةً سَاعَةً شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ راوی ہیں کہ سرور کونین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”اے عبد مناف کی اولاد! کسی کو اس گھر (خانہ کعبہ) کا طواف کرنے سے نہ روکو اور رات دن میں جس وقت کوئی چاہے اسے نماز پڑھنے دو۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: خانہ کعبہ کی خدمت عبد مناف کی اولاد کے سپرد تھی اور وہاں کے انتظامات و نگرانی انہیں کے ذمہ تھی چنانچہ آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں حکم فرمایا کہ رات و دن کے کسی بھی حصہ میں کوئی خانہ کعبہ کا طواف کرنا چاہے تو اسے نہ روکو بلکہ اسے طواف کرنے دو، چنانچہ رات

ودن کے ہر حصہ میں خواہ آفتاب کے طلوع کا وقت ہو یا استواء (نصف النہار) کا وقت ہو تمام علماء کے نزدیک خانہ کعبہ کا طواف کیا جاسکتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

خانہ کعبہ میں ہر وقت نماز پڑھنے کا مسئلہ: البتہ اس بارے میں علماء کا یہاں اختلاف ہے کہ خانہ کعبہ میں رات و دن کے کسی بھی حصہ میں خواہ اوقات مکروہہ کیوں نہ ہوں نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس حدیث کی بناء پر خانہ کعبہ میں ہر وقت کوئی بھی نماز خواہ وہ طواف کی دور کعتیں ہوں یا دوسری نماز ہو پڑھی جاسکتی ہے۔

حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں صرف طواف کی دور کعتیں کسی وقت بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک خانہ کعبہ کے اندر اوقات مکروہہ میں کوئی بھی نماز جائز نہیں ہے اوقات کی حرمت اور کراہت کے سلسلے میں مکہ کا حکم بھی دیگر شہروں کی طرح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اوقات کی حرمت و کراہت کا حکم اور ان میں نماز پڑھنے کی ممانعت کے سلسلہ میں جو احادیث منقول ہیں وہ سب عام ہیں ان میں کسی جگہ اور کسی شہر کی کوئی تخصیص نہیں ہے کہ فلاں جگہ تو ان اوقات میں نماز پڑھنی جائز ہے اور فلاں جگہ نا جائز ہے۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں جس وقت چاہے نماز پڑھی جاسکتی البتہ اوقات مکروہہ میں وہاں بھی نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ اس تاویل سے تمام احادیث میں موافقت اور مطابقت بھی ہو جاتی ہے جو ایک ضروری چیز ہے۔

جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کا مسئلہ

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بِنِصْفِ النَّهَارِ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ الشافعی)

”اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک کہ آفتاب ڈھل نہ جائے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے البتہ جمعہ کے دن (جائز ہے)۔“ (شافعی)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کا تو یہی مسلک ہے کہ جمعہ کے روز ٹھیک دوپہر کے وقت بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے روز بھی نصف النہار کے وقت نماز پڑھنی درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ احادیث جن میں مطلقاً یہی ثابت ہے اس حدیث کے مقابلہ میں زیادہ مشہور ہیں اور یہ حدیث ضعیف ہے جو ان احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی یا پھر یہ کہا جائے گا کہ قاعدہ کے مطابق کسی چیز کے بارے میں حرام اور مباح دونوں کے دلائل ہوں تو حرام کے دلائل کو ترجیح دی جائے گی۔

⑨ وَعَنْ أَبِي الْخَلِيلِ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرِهَ الصَّلَاةَ بِنِصْفِ النَّهَارِ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ إِنَّ جَهَنَّمَ تُسَجَّرُ الْيَوْمَ الْجُمُعَةَ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ أَبُو الْخَلِيلِ لَمْ يَلْقَ أَبَا قَتَادَةَ۔

”اور حضرت ابو الخلیلؓ حضرت ابو قتادہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ”سرور کونین ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک کہ سورج نہ ڈھل جائے نماز پڑھنے کو مکروہہ سمجھتے تھے علاوہ جمعہ کے دن کے۔ نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”علاوہ جمعہ“ کے دن کے روزانہ (دوپہر کے وقت) دوزخ جھونکی جاتی ہے۔“ (اسی روایت کو امام ابو داؤدؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت ابو قتادہؓ سے ابو الخلیلؓ کی ملاقات ثابت نہیں ہے (لہذا اس حدیث کی اسناد متصل نہیں ہے)۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

اوقات مکروہہ

⑩ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ الصَّنَابِجِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّمْسَ تَظْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَإِذَا ارْتَفَعَتْ فَارْقَهَا ثُمَّ إِذَا اسْتَوَتْ فَارْقَهَا فَإِذَا زَالَتْ فَارْقَهَا فَإِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوبِ فَارْقَهَا فَإِذَا غَرَبَتْ فَارْقَهَا وَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي تِلْكَ السَّاعَاتِ - (رواه مالک و احمد والنسائی)

”حضرت عبداللہ صابجیؒ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کا سینگ ہوتا ہے پھر جب وہ بلند ہو جاتا ہے تو وہ الگ ہو جاتا ہے پھر جب دوپہر ہوتی ہے تو شیطان آفتاب کے قریب آ جاتا ہے اور جب آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو شیطان اس کے قریب آ جاتا ہے اور جب آفتاب غائب (یعنی غروب) ہو جاتا ہے تو شیطان اس سے جدا ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان اوقات میں (یعنی آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت اور ٹھیک دوپہر کے وقت) نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے نماز خواہ حقیقہً ہو یا حکماً جیسے نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت اور امام مالکؒ نے باوجودیکہ یہ روایت خود نقل کی ہے مگر وہ ٹھیک دوپہر کے وقت نماز کے حرام ہونے کے قائل نہیں ہیں بلکہ انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ ”ہم نے اہل فضل کو دیکھا ہے کہ وہ کوشش کرتے تھے اور دوپہر میں نماز ادا کرتے تھے۔“

نماز عصر کے بعد کوئی نماز جائز نہیں

⑪ وَعَنْ أَبِي بَصْرَةَ الْغَفَارِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَارِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَحْمَصِ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ صَلَاةَ غُرُوبٍ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيِّعُوهَا فَمَنْ حَافِظٌ عَلَيْهَا كَانَ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَهَا حَتَّى يَظْلُعَ الشَّاهِدُ وَالشَّاهِدُ النَّجْمُ - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابوبصرہ غفاریؒ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ نے مقام محمص میں ہمیں عصری نماز پڑھائی اور پھر فرمایا کہ یہ نماز تم سے پہلے لوگوں پر لازم کی گئی تھی لیکن انہوں نے ضائع کر دیا (یعنی نہ تو انہوں نے اس کی مداومت کی اور نہ اس کے حقوق ادا کئے) لہذا جو شخص اس نماز کی حفاظت کرے گا (یعنی اس کو ہمیشہ پڑھتا اور اس کے حقوق ادا کرتا رہے گا) اس کو دو گنا ثواب ملے گا اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ عصر کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ شاہد نہ نکلے اور شاہد ستارہ ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”دو گنا ثواب“ کا مطلب یہ ہے کہ ایک ثواب تو اس لئے ملے گا کہ یہ (یعنی نماز پڑھنا) نیک عمل ہے اور ہر نیک عمل پر ثواب ملتا ہے اور دوسرا ثواب اس نماز کی محافظت کرنے کی وجہ سے ملے گا برخلاف پچھلی قوموں کے کہ انہوں نے اس کی محافظت نہیں کی، اس لئے وہ مستحق عذاب ہوئے۔

ستارہ کو شاہد اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ رات کو حاضر ہوتا ہے یعنی طلوع ہوتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک غروب نہ ہو جائے عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔

عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کی ممانعت

⑫ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ إِنَّكُمْ لَتُصَلُّونَ صَلَاةً لَقَدْ صَحَّبْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَبَّنَا يُصَلِّيْنَهَا وَلَقَدْ

نَهَى عَنْهُمَا يَغْنَى الزَّكَّاتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت معاویہؓ نے، (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ تم لوگ نماز پڑھتے ہو اور ہم سرور کونینؓ کی صحبت میں رہے لیکن ہم نے آپ کو یہ دور کعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ آپ نے تو ان کو یعنی عصر کے بعد دور کعتیں پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: دیگر روایات میں تو صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ آنحضرتؐ عصر کے بعد دور کعت نماز پڑھتے تھے لیکن یہاں حضرت معاویہؓ اس سے انکار کر رہے ہیں لہذا اس حدیث کی تاویل یہ کی جائے گی کہ حضرت معاویہؓ کے ارشاد کی مراد آپؐ یہ دور کعتیں باہر لوگوں کے سامنے تو پڑھتے نہیں تھے۔ البتہ گھر میں عام لوگوں کی نگاہوں سے الگ ہو کر پڑھتے ہوں گے تاکہ دوسرے لوگ اس سلسلہ میں آپؐ کی پیروی نہ کریں کیونکہ عصر کے بعد یہ دور کعتیں صرف آنحضرتؐ ہی کو پڑھنی درست تھیں دوسرے لوگوں کے لئے جائز نہیں تھیں۔ حضرت امام طحاویؒ اس مسئلہ میں کہ آیا عصر کے بعد دور کعتیں پڑھنا جائز ہیں یا نہیں؟ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ سے متواتر احادیث ثابت ہیں کہ آپؐ نے عصر کی فرض نماز پڑھ لینے کے بعد کوئی دوسری نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے نیز صحابہؓ کا عمل بھی اسی پر رہا ہے اس واسطے یہ کسی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کا خلاف کرے یعنی عصر کے بعد نماز پڑھنے کو جائز قرار دے۔

(۱۳) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ وَقَدْ صَعِدَ عَلَى دَرَجَةِ الْكَعْبَةِ مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ يَعْرِفَنِي فَأَنَا جُنْدُبٌ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ إِلَّا بِمَكَّةَ إِلَّا بِمَكَّةَ - (رواہ احمد وریزین)

”اور حضرت ابو ذرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے کعبہ کے زینے پر چڑھ کر فرمایا کہ جس شخص نے مجھے پہچانا (یعنی میرا نام جان لیا) اس نے مجھے (یعنی میری سچائی کو) پہچان لیا اور جس نے مجھ کو نہیں پہچانا تو میں اس کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ”میں جندبؓ ہوں“ میں نے سرور کونینؓ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد جب تک آفتاب طلوع نہ ہو جائے کوئی نماز نہیں ہے اور نہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز ہے جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے مگر مکہ میں“ مگر مکہ میں۔“ (احمد، ریزین)

تشریح: خانہ کعبہ کا دروازہ چونکہ بلند ہے اس لئے اس پر چڑھنے کے لئے زینہ تھا، چنانچہ اب بھی ایک چوبی زینہ منبر کی شکل میں ہے، جو خانہ کعبہ کے سامنے چاہ زمزم کے پاس رکھا رہتا ہے جب خانہ کعبہ کے اندر داخلہ ہوتا ہے تو اس کو دروازہ کے سامنے لگا دیتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس زینہ کو وہاں سے ہٹا کر اپنی جگہ رکھ دیتے ہیں لہذا احتمال ہے کہ اس وقت بھی اس قسم کا یا کسی دوسری طرح کا زینہ ہو گا جس کے ذریعہ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوتے ہوں گے۔

بہر حال حضرت ابو ذرؓ نے کہ جن کا نام جندبؓ تھا۔ خانہ کعبہ کے زینہ پر چڑھ کر یہ بات کہی تاکہ لوگ ان کی صداقت شعری اور سچائی کی بناء پر حدیث کو صحیح جانیں۔ اس طرح حضرت ابو ذرؓ نے گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ آنحضرتؐ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ ابو ذرؓ سے زیادہ کسی راست گو اور سچے انسان پر نہ تو آسمان نے سایہ کیا اور نہ زمین نے اپنے اوپر اٹھایا۔

مکہ مکرمہ میں اوقات مکروہہ میں نماز کے جائز ہونے کے مسئلہ کو اس سے پہلے حدیث نمبر سات میں بتایا جا چکا ہے اس موقع پر تو صرف اتنی بات جان لیجئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

بَابُ الْجَمَاعَةِ وَفَضْلِهَا

جماعت اور اس کی فضیلت کا بیان

جماعت کی فضیلت اور تاکید میں صحیح احادیث اس کثرت سے وارد ہیں کہ اگر سب کو یکجا کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے اس باب

کے تحت اسی قسم کی احادیث نقل کی جائیں گی جن سے جماعت کی فضیلت و تاکید اور اس کے احکام و مسائل کا علم حاصل ہو گا۔ ان احادیث کو دیکھنے کے بعد یقینی طور پر آپ یہی نتیجہ اخذ کریں گے کہ جماعت نماز کی تکمیل میں ایک اعلیٰ درجہ کی شرط ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کبھی جماعت کو ترک نہیں فرمایا حتیٰ کہ حالت مرض میں جبکہ آپ ﷺ کے لئے خود چل کر مسجد میں پہنچنا ممکن نہ تھا دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد تشریف کے گئے اور جماعت سے نماز پڑھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت محمدیہ میں جماعت کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ نماز جیسی عظیم عبادت کی شان اسی کی متقاضی تھی کہ جس چیز سے اس کی تکمیل ہو اسے اعلیٰ درجہ پر پہنچایا جائے۔

جماعت فرض و واجب ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ آیا جماعت سنت ہے یا واجب اور یا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ چنانچہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جماعت فرض عین ہے الا کسی عذر کی وجہ سے، یہ قول امام احمد، داؤد، عطاء، اور ابو ثور کا ہے بعض علماء کا قول یہ ہے کہ جو کوئی نماز کے لئے اذان سنے اور مسجد میں حاضر نہ ہو تو اس کی نماز درست نہیں، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جماعت فرض کفایہ ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین کا مسلک یہ ہے کہ جماعت سنت مؤکدہ واجب کے قریب ہے لیکن فقہ کی کتابوں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جماعت کے بارے میں حنفی فقہاء کے دو قول ہیں، بعض کتابوں میں جماعت کو واجب لکھا گیا ہے اور بعض میں سنت مؤکدہ اور وجوب ہی کا قول راجح اور اکثر محققین حنفیہ کا مسلک بیان کیا گیا ہے چنانچہ مشہور محقق حضرت ابن ہمام لکھتے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ کا مسلک یہی ہے جماعت واجب ہے لیکن اس کو سنت کس لئے کہا جاتا ہے کہ جماعت کا ثبوت سنت یعنی حدیث سے ہے نہ یہ کہ خود جماعت سنت ہے جیسا کہ نماز عیدین، وہ واجب ہے مگر اسے سنت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے۔

جماعت کے احکام و مسائل: کتاب بدائع میں لکھا ہے کہ جماعت کے لئے مسجد میں حاضر ہونا ہر عاقل بالغ غیر معذور پر واجب اور اگر ایک مسجد میں جماعت نہ ملے تو دوسری مسجدوں میں پھر نا واجب نہیں ہے البتہ جماعت کی سعادت حاصل کرنے کی خاطر اگر دوسری مسجدوں میں جائے تو یہ اچھی ہی بات ہوگی، قدوری نے لکھا ہے کہ اس صورت میں کہ اگر مسجد میں جماعت نہ ملے، تو چاہئے کہ اہل وعیال کو جمع کر کے گھر ہی میں جماعت سے نماز پڑھ لی جائے۔

اس مسئلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ محلہ کی مسجد میں جماعت افضل ہے یا جامع مسجد میں، اگر ایک محلہ میں دو مسجدیں ہوں تو ان میں سے قدیم مسجد کو اختیار کرنا چاہئے اور اگر دونوں برابر ہوں تو پھر جو مسجد قریب ہو اسے اختیار کیا جائے، جماعت نماز تراویح میں اگرچہ ایک قرآن مجید جماعت کے ساتھ ہو چکا ہو اور نماز کسوف کے لئے سنت مؤکدہ ہے، رمضان کے وتر میں جماعت مستحب ہے رمضان کے علاوہ اور کسی زمانہ کے وتر میں جماعت مکروہ تنزیہی ہے مگر اس کے مکروہ ہونے میں یہ شرط ہے کہ مواظبت کی جائے اگر مواظبت نہ کی جائے بلکہ کبھی کبھی دو تین آدمی جماعت سے پڑھ لیں تو مکروہ نہیں۔

نماز خسوف میں اور تمام نوافل میں جماعت مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ نوافل اس اہتمام سے ادا کئے جائیں جس اہتمام سے فرائض کی جماعت ہوتی ہے یعنی اذان و اقامت کے ساتھ یا کسی اور طریقہ سے لوگوں کو جمع کر کے، ہاں اگر بے اذان و اقامت کے اور بے بلائے ہوئے دو تین آدمی جمع ہو کر کسی نفل کو جماعت سے پڑھ لیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

جماعت کی حکمتیں اور فائدے: جماعت کی حکمتیں کیا ہیں؟ اور اس کے فائدے مرتب ہوتے ہیں، اس موضوع پر علماء نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس سلسلہ میں امام الکبیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے جو لطیف و جامع بات کہی ہے وہ کہیں نظر نہیں آتی چنانچہ اس موقع پر انہیں کی تقریر نقل کی جاتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

① کوئی چیز اس سے زیادہ سودمند نہیں کہ کوئی عبادت اس طرح رسم عام کر دی جائے کہ وہ عبادت ایک ضروری عادت ہو جائے کہ اس کو

چھوڑنا کسی عادت کو ترک کرنے کی طرح ناممکن ہو جائے اور تمام عبادتوں میں نماز سے زیادہ عظیم دشمنانہ کوئی عبادت نہیں کہ اس کے ساتھ یہ خالص اہتمام کیا جائے۔

۲ مذہب میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں جاہل بھی عالم بھی، لہذا یہ بڑی مصلحت کی بات ہے کہ سب لوگ جمع ہو کر ایک دوسرے کے سامنے اس عبادت کو ادا کریں کہ اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو دوسرا اسے بتا دے گویا اللہ کی عبادت ایک زیور ہوئی کہ تمام پر کھنے والے اسے دیکھتے ہیں جو خرابی اس میں ہوتی بتا دیتے ہیں اور جو عمدگی ہوتی ہے اسے پسند کرتے ہیں پس نماز کی تکمیل کا یہ ایک ذریعہ ہو گا۔

۳ جو لوگ بے نمازی ہوں گے ان کا بھی اس سے حال کھل جائے گا اور ان کے وعظ و نصیحت کا موقع ملے گا۔

۴ چند مسلمانوں کا مل کر اللہ کی عبادت کرنا اور اس سے دعا مانگنا حق تعالیٰ کی رحمت کے نزول اور قبولیت کے لئے ایک عجیب خاصیت رکھتا ہے۔

۵ اس امت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا یہ مقصود ہے کہ اس کے نام کا کلمہ بلند ہو اور کلمہ کفر پست ہو اور روئے زمین پر کوئی اسلام سے غالب نہ رہے اور یہ بات جب ہی ہو سکتی ہے کہ یہ طریقہ مقرر کیا جائے کہ تمام مسلمان خواہ وہ کسی درجہ اور کسی طبقہ کے ہوں، عام و خاص مسافر اور مقیم، چھوٹے اور بڑے سب ہی اپنی کسی بڑی اور مشہور عبادت کے لئے جمع ہوں اور اسلام کی شان و شوکت اور اس کی ترغیب دی گئی اور اس کے چھوڑنے کی ممانعت کی گئی۔ (حجۃ اللہ الباقیہ)

۶ جماعت میں یہ فائدہ بھی ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حال پر اطلاع ہوتی رہے گی، اور ایک کے درد و مصیبت میں شریک ہو سکیں گے جس سے دینی اخوت اور ایمانی محبت کا پورا اظہار و استحکام ہو گا جو اس شریعت کا ایک بڑا مقصود ہے اور جس کی تاکید و فضیلت جا بجا قرآن عظیم اور احادیث نبی کریم ﷺ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ (علم الفقہ)

موجودہ زمانہ کی نظریاتی ددڑ کے مطابق دیکھا جائے تو جماعت اسلام کے نظریہ مساوات کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے دن میں پانچ مرتبہ خدا کے تمام بندے جو دنیاوی اعتبار سے کسی بھی منصب و مرتبہ کے ہوتے ہیں اپنی تمام برتری و فوقیت اور اپنے دنیاوی جاہ و جلال کو بالائے طاق رکھ کر خدا کے حضور میں تمام عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر سر بسجود ہو جاتے ہیں اور زبان حال سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز ترک جماعت کے عذر: جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ہر عاقل بالغ غیر معذور پر جماعت واجب ہے لیکن اگر ایسا کوئی شخص ہو یعنی اسے ایسا عذر لاحق ہو جس کی وجہ سے وہ مسجد میں جا کر جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا تو اس کے لئے جماعت واجب نہیں رہتی، چنانچہ فقہاء نے ترک جماعت کے پندرہ عذر (ماخوذ از علم الفقہ) بیان کئے ہیں۔

۱ نماز کے صحیح ہونے کی شرط مثلاً طہارت یا تر عورت وغیرہ کا نہ پایا جانا۔

۲ پانی کا بہت زوروں کے ساتھ برسا، اس سلسلہ میں حضرت امام محمدؒ نے اپنی کتاب موطا میں لکھا ہے کہ اگرچہ شدید بارش کی صورت میں جماعت کے لئے نہ جانا جائز ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ جا کر جماعت سے نماز پڑھی جائے۔

۳ مسجد کے راستہ میں سخت کچھڑ کا ہونا۔

۴ سردی اتنی سخت ہو کہ باہر نکلنے میں یا مسجد تک جانے میں کسی بیماری کے پیدا ہو جانے یا بڑھ جانے کا خوف ہو۔

۵ مسجد تک جانے میں مال و اسباب کے چوری ہو جانے کا خوف ہو۔

۶ مسجد جانے میں کسی دشمن کے مل جانے کا خوف ہو۔

۷ مسجد جانے میں کسی قرض خواہ کے ملنے کا اور اس سے تکلیف پہنچنے کا خوف ہو بشرطیکہ اس کے قرض کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اگر قادر

ہو تو وہ ظالم سمجھا جائے گا اور اس کو ترک جماعت کی اجازت نہ ہوگی۔

۸ رات اس قدر اندھیری ہو کہ راستہ نہ دکھائی دیتا ہو ایسی حالت میں یہ ضروری نہیں کہ لائین وغیرہ ساتھ لے کر جائے۔

۹ رات کا وقت ہو اور آندھی بہت سخت چلتی ہو۔

۱۰ کسی مریض کی تیمارداری کرنا ہو کہ اس کے جماعت میں چلے جانے سے اس مریض کی تکلیف یا وحشت کا خوف ہو۔

۱۱ پیشاب یا پاخانہ معلوم ہوتا ہو۔

۱۲ سفر کا ارادہ رکھتا ہو اور خوف ہو کہ جماعت سے نماز پڑھنے میں دیر ہو جائے گی اور قافلہ نکل جائے گا، ریل کا مسئلہ بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے مگر فرق اس قدر کہ وہاں ایک قافلہ کے بعد دوسرا قافلہ بہت دنوں کے بعد ملتا ہے اور یہاں ریل ایک دن میں کئی بار جاتی ہے اگر ایک وقت کی ریل نہ ملی تو دوسرے وقت جاسکتا ہے ہاں اگر ایسا ہی سخت حرج ہو تو جماعت چھوڑ دینے میں مضائقہ نہیں۔

۱۳ فقہ وغیرہ پڑھنے یا پڑھانے میں ایسا مشغول رہتا ہو کہ بالکل فرصت نہ ملتی ہو۔

۱۴ کوئی ایسی بیماری مثلاً فالج وغیرہ ہو یا اتنا ضعیف ہو کہ چلنے پر قادر نہ ہو یا نا بینا ہو اگرچہ اس کو مسجد تک پہنچا دینے والا کوئی مل سکے یا نکلنا ہو یا دونوں طرف سے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں۔

۱۵ کھانا تیار یا تیار کی کے قریب ہو اور ایسی بھوک لگی ہو کہ نماز میں جی نہ لگنے کا خوف ہو۔

الفصل الاول

جماعت کی نماز کا ثواب

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعَشْرِينَ دَرَجَةً۔ (متفق علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جماعت کی نماز تنہا نماز سے (ثواب میں) ستائیس درجہ زیادہ ہوتی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت سے تو جماعت کی نماز کے ثواب کی زیادتی ستائیس درجہ معلوم ہوتی ہے مگر دوسری روایتوں میں پچیس درجہ زیادتی مذکور ہے چنانچہ علماء محدثین لکھتے ہیں کہ اکثر روایتوں میں یہی ثابت ہے کہ جماعت کی نماز کا ثواب تنہا نماز کے ثواب سے پچیس درجہ زیادہ ہوتا ہے حضرت عمرؓ ہی کی ایک ایسی روایت ہے کہ جس میں ستائیس درجہ کا ذکر کیا گیا ہے، لہذا اس حدیث اور ان احادیث میں یہ تطبیق پیدا کی جائے گی کہ پہلے وحی کے ذریعہ پچیس ہی درجہ ثواب کی زیادتی معلوم ہوئی ہوگی پھر بعد میں حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ستائیس درجہ ثواب کی زیادتی کا اعلان فرمایا ہوگا۔

یا تطبیق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ یہ کہا جائے کہ درجات کا اختلاف نمازی کے احوال کے تفاوت کی بناء پر ہے یعنی کسی نمازی کے جماعت کی نماز کا ثواب اس کے اپنے احوال کی بناء پر ستائیس گنا ملتا ہے اور کسی نمازی کے جماعت کی نماز کا ثواب اس کے اپنے احوال کی بناء پر پچیس گنا ملتا ہے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ ثواب کی زیادتی کی یہ فضیلت اس جماعت کی نماز کے ساتھ مختص ہے جو مسجد میں ادا کی جائے گی یا اس جماعت کی نماز کے لئے بھی ہے جو مسجد میں نہیں بلکہ گھر وغیرہ میں ادا کی جائے چنانچہ کچھ علماء کے رائے تو یہ ہے کہ یہ فضیلت مسجد کی جماعت کے ساتھ مختص ہے مگر دوسرے بعض علماء کا قول ہے کہ یہ فضیلت عمومی طور پر ہر جماعت کی نماز کے لئے ہے خواہ مسجد میں ادا کی

جانے والی جماعت ہو یا مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ۔

ترک جماعت پر وعید

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أُمَرَ بِحَطَبٍ فَيَحْطَبُ ثُمَّ أُمَرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ أُمَرَ رَجُلًا فَيُؤَمُّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفُ إِلَى رَجُلٍ وَفِي رِوَايَةٍ لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ فَأَحْرِقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَزْقًا سَمِينًا أَوْ مِزْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ۔ (رواہ البخاری و مسلم نحوہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے ارادہ کیا کہ (کسی خادم کو) لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں اور جب لکڑیاں جمع ہو جائیں تو (عشاء) کی نماز کے لئے اذان کہنے کا حکم دوں اور جب اذان ہو جائے تو لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے کسی شخص کو مامور کروں اور پھر میں ان لوگوں کی طرف جاؤں (جو بغیر کسی عذر کے نماز کے لئے جماعت میں نہیں آتے اور ان کو اچانک پکڑوں) ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ (آپ ﷺ نے یہ فرمایا) ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو جلا دیا اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے (جو لوگ نماز کے لئے جماعت میں شریک نہیں ہوتے ان میں سے) اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ (مسجد میں) گوشت کی فروہ ہڈی بلکہ گائے یا بکری کے دو اچھے کھرل جائیں گے تو عشاء کی نماز میں حاضر ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے جماعت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ جماعت کے لئے مسجدوں میں نہیں آتے ان لوگوں کو عذاب خداوندی میں گرفتار ہونے کی وعید کس مبالغہ کے ساتھ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بذات خود ارادہ فرمایا کہ جماعت ترک کر دیں اور ان لوگوں کو جماعت میں حاضر نہ ہونے کے جرم کی سزا دیں۔

آخر حدیث میں ایسے لوگوں کی ذہنی افتاد اور طبعی کمزوری کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ انہیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مسجد میں دنیا کی ایسی حقیر شئی بھی مل جائے گی تو وہ نماز میں شریک ہونے کے لئے بھاگے ہوئے آئیں مگر آخر کی سعادت و ثواب اور حق جل شانہ، کا قرب عظیم و غیر فانی چیز کے حصول کی طرف ان کا میلان نہیں ہوتا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی عذر کی بناء پر کسی کو اپنا قائم مقام بنادے اور خود اپنی ضرورت کی وجہ سے چلا جائے۔

نایب شخص کو بھی جماعت میں شریک ہونے کی تاکید

③ وَعَنْهُ قَالَ آتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ أَعْمَى فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ لَيْسَ لِي قَائِدٌ يَقُودُنِي إِلَى الْمَسْجِدِ فَسَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرَخَّصَ لَهُ فَيُصَلِّيَ فِي بَيْتِهِ فَرَخَّصَ لَهُ فَلَمَّا وَلَّى دَعَاَهُ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ التَّيْدَاءَ بِالصَّلَاةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَجَبَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک نایب شخص (حضرت عبداللہ ابن مکتومؓ) سرور کونین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے لئے ایسا کوئی راہبر نہیں ہے جو مجھے مسجد میں لے جائے۔ پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں گھر میں نماز پڑھ لینے کی رخصت (یعنی اجازت) دے دی جائے، آنحضرت ﷺ نے انہیں اجازت دے دی (اس کے بعد) جب وہ (مجلس نبوی ﷺ سے) واپس لوٹے تو آنحضرت ﷺ نے انہیں (پھر) بلایا اور ان سے فرمایا کہ کیا تم نماز کی اذان سنتے ہو؟ انہوں نے کہا

کہ ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے مسجد میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ ”(مسلم)

تشریح: صحیحین کی حدیث میں منقول ہے کہ ”جب حضرت عثمان ابن مالکؓ نے اپنی بیانی کا شکوہ کیا (کہ اس کی وجہ سے میں مسجد میں حاضری سے معذور ہوں) تو آنحضرت ﷺ نے انہیں اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کریں۔“ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ نابینا شخص کو جماعت چھوڑنے کی اجازت ہے مگر جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مکتوم کو جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں دی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فضلاء مہاجرین میں سے تھے ان کی شان کے لائق یہی بات تھی کہ وہ اولیٰ پر عمل کریں یعنی جماعت میں حاضر ہوا کریں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے انہیں پہلے تو اجازت دے دی مگر پھر وحی آجائے یا اجتہاد کے بدل جانے کی وجہ سے آپ ﷺ نے اجازت واپس لی، اس حدیث میں اذان سننے کے بعد مسجد میں حاضری کی ضرورت و اہمیت کو کمال مبالغہ کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

سخت سردی و بارش کی وجہ سے جماعت چھوڑ دینا جائز ہے

④ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أَذَّنَ بِالصَّلَاةِ فِي لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرَبِحَ ثُمَّ قَالَ أَلَا صَلُّوا فِي الرَّحَالِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتِ بَرْدٍ وَمَطَرٍ يَقُولُ أَلَا صَلُّوا فِي الرَّحَالِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے ایک رات میں جبکہ (سخت) سردی اور ہوا تھی نماز کے لئے اذان دی، اور (اذان سے فارغ ہو کر لوگوں سے) کہا کہ خبردار! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو ”پھر فرمایا کہ سرور کوئین ﷺ اس رات میں جبکہ (سخت) سردی اور بارش ہوتی موذن کو حکم دیتے تھے۔ کہ وہ (اذان سننے کے بعد لوگوں سے) پکار کر یہ (بھی) کہہ دے کہ ”خبردار! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سخت سردی اور بارش بھی ترک جماعت کے لئے عذر ہے ایسے اوقات میں جماعت چھوڑ کر اپنے گھر میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

حضرت ابن ہمامؒ حضرت ابو یوسفؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ؟ میں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے پوچھا کہ کچھ وغیرہ کی حالت میں جماعت کے لئے آپ کیا حکم دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ”جماعت کو چھوڑ دینا مجھے پسند نہیں۔“

کھانا سامنے آجائے تو کھانے سے فارغ ہو کر نماز پڑھنی چاہئے

⑤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَضَعَ عَشَاءُ أَحَدُكُمْ وَأَقْبَمَتِ الصَّلَاةُ فَأَبْدَوْا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتَّى يَفْزَغَ مِنْهُ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوَضِّعُ لَهُ الطَّعَامَ وَتَقَامُ الصَّلَاةُ فَلَا يَأْتِيهَا حَتَّى يَفْزَغَ مِنْهُ وَأَنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کوئین ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کے سامنے رات کا کھانا رکھا جائے اور (اسی وقت) نماز کی تکبیر کہی جائے تو وہ کھانا شروع کر دے اور کھانا کھانے میں جلدی نہ کرے بلکہ اس سے اطمینان کے ساتھ فارغ ہو۔“ اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور نماز شروع ہو جاتی تو نماز کے لئے اس وقت تک نہ آتے جب تک کہ کھانے سے فارغ نہ ہو لیتے اور امام کی قرأت سنتے رہتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ظاہر ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ نماز پڑھنے والا بھوکا ہو اور وہ جانتا ہو کہ اس بھوک کی حالت میں نماز پڑھوں گا تو دھیان کھانے ہی میں لگا رہے گا اور نماز دل جمعی اور سکون کے ساتھ ادا نہیں کر سکوں گا تو اس کے لئے یہی اولیٰ ہو گا کہ وہ پہلے کھانا کھائے

اس کے بعد نماز پڑھے بشرطیکہ وقت میں وسعت ہو یعنی اتنا وقت ہو کہ وہ کھانے سے فراغت کے بعد باطمینان نماز پڑھ سکتا ہو۔“

بول برازی کی حاجت کے وقت نماز نہ پڑھنی چاہئے

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا هُوَ يَذِيقُهُ إِلَّا خَبَثَانِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کھانا سامنے ہونے کی صورت میں نماز کامل نہیں ہوتی اور نہ اس حالت میں (نماز پوری ہوتی ہے) جب کہ دو خبیث (یعنی پیشاب و پاخانہ) اس (کی نماز میں حضوری قلب) کو ختم کریں۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے سامنے کھانا آگیا ہو یا اسے پیشاب و پاخانہ کی حاجت ہو تو اسے اس وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ بلکہ وہ ان چیزوں سے فارغ ہو کر نماز پڑھے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ ”جب کسی کے سامنے کھانا آجائے اور اسے کھانے کی خواہش ہو یا اسی طرح بول و براز کا تقاضا ہو تو ایسی صورت میں اسے نماز پڑھنی مکروہ ہے اور رتق و قے بھی اسی حکم میں ہے یعنی ان کو روک کر نماز پڑھے کیونکہ ان کی وجہ سے نماز میں حضوری قلب اور خشوع و خضوع باقی نہ رہے گا جس کی وجہ سے نماز کامل طور پر ادا نہ ہوگی۔ مگر ان سب صورتوں میں وسعت وقت کی شرط ہے اگر وقت تنگ ہو تو بہر صورت نماز پہلے پڑھنی چاہئے۔

فرض نماز کی تکبیر ہو جانے پر دوسری نماز نہیں پڑھنی چاہئے

⑦ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْبَمْتَ الصَّلَاةَ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جب نماز کھڑی ہو جائے (یعنی فرض نماز کے لئے تکبیر کہی جائے) تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہ پڑھنی چاہئے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مؤذن کے تکبیر کہنے کے بعد فجر کی سنتیں بھی نہ پڑھنی چاہئیں بلکہ امام کے ساتھ فرض نماز میں شریک ہو جانا چاہئے چنانچہ امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر فجر کی سنتیں پڑھنے میں فرض کی ایک رکعت بھی ہاتھ لگ جانے کا یقین ہو تو سنتیں پڑھ لی جائیں اس کے بعد جماعت میں شریک ہو جائے تاکہ سنتوں کا ثواب بھی ہاتھ سے نہ جائے اور جماعت کا ثواب بھی مل جائے۔ لیکن اس صورت میں سنتیں صف سے الگ ایک طرف پڑھنی چاہئیں ہاں اگر سنتیں پڑھنے میں فرض نماز کی دونوں رکعتیں فوت ہو جانے کا خوف ہو تو پھر اس صورت میں سنتیں چھوڑ دیں۔

حضرت ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ ”اس حدیث میں جو حکم ذکر کیا گیا ہے فجر کی سنتیں اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد

ہے:

صلوہا وان طردتکم الخیل۔

”فجر کی سنتیں (ضرور) پڑھو اگرچہ تمہیں لشکر ہائے۔“

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ فجر کی سنتوں کو پڑھنے کی بڑی تاکید ہے انہیں چھوڑنا نہیں چاہئے۔

حضرت علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ”فجر کی سنتیں تمام سنتوں میں سب سے زیادہ اہم اور قوی ترین یہاں تک کہ حسن کی

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے یہ روایت ہے کہ ”فجر کی سنتوں کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔“

عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت

⑧ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَأْذَنْتِ امْرَأَةٌ أَحَدَكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعَنَّهَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو اس کو منع مت کرو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ ”یہ نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہے اور حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کو مسجد میں جانا جائز ہیں لیکن موجودہ دور میں فتنہ کے خوف سے عورتوں کو مسجد میں جانا مکروہ ہے چنانچہ اس کی مؤید بخاری و مسلم کی یہ روایت ہے کہ ”حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ”اگر آنحضرت ﷺ اس چیز کو دیکھتے جو عورتوں نے پیدا کی ہے تو بے شک آپ ﷺ ان کو (مسجد جانے سے) منع کر دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔“

نیز حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے عورتوں کو (مسجد میں) جانے سے منع فرمایا مگر بوڑھی عورتوں کو (اجازت دی وہ بھی) کار و بار کے (یعنی میلے اور پرانے) کپڑوں میں۔“

اس کا حال یہ ہے کہ اگر بوڑھی عورتیں بغیر بناؤ سنگار اور خوشبو لگائے بغیر مسجد میں جانا چاہیں تو ان کے لئے ایک حد تک اجازت ہے۔ مگر جوان عورتوں کو تو مسجد میں جانے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ پھر یہ کہ اس زمانہ میں عورتیں مسجدوں میں دینی مسائل و احکام سیکھنے کی خاطر جایا کرتی تھیں لیکن اب تو اس کی بھی احتیاج نہیں کیوں کہ دینی مسائل و احکام اتنے مشہور و واضح ہو چکے ہیں کہ گھر میں بیٹھی عورتوں کو آسانی معلوم ہو جاتے ہیں۔“

عورتیں خوشبو لگا کر مسجد میں نہ جائیں

⑨ وَعَنْ زَيْنَبِ امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَهِدْتَ إِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمْسِ طِبِيًّا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی زوجہ مطہرہ حضرت زینبؓ کہتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ ”جب تم میں سے کوئی (عورت) مسجد میں جائے تو وہ خوشبو نہ لگائے۔“ (مسلم)

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بِخُورٍ فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جو عورت بخور (یعنی خوشبو) لگائے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو۔“ (مسلم)

تشریح: خوشبودار چیز کا دھواں لینے کو بخور کہتے ہیں جیسے اگر وغیرہ۔ اس حدیث میں خاص طور پر عشاء کے وقت کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ اندھیرے کا وقت ہوتا ہے اس میں کسی فتنہ و شر کے پیدا ہونے کا زیادہ خوف رہتا ہے۔ ویسے اوپر والی حدیث میں گزر ہی چکا ہے کہ آپ ﷺ نے مطلقاً خوشبو لگا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

عورتوں کو گھر ہی میں نماز پڑھنا بہتر ہے

⑪ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمْ الْمَسَاجِدَ وَيُؤْتِيَهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ - (رواہ البوراذ)

”حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”تم اپنی عورتوں کو مسجدوں (میں آنے) سے نہ روکو لیکن (نماز پڑھنے کے لئے) ان کی گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔“ (البوراذ)

عورت کو کس جگہ نماز پڑھنا افضل ہے

⑫ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي خُجْرَتِهَا وَصَلَاتِهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا - (رواہ البوراذ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”عورت کا گھر کے اندر (یعنی دالان میں) نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھری میں نماز پڑھنا کھلے ہوئے مکان میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔“ (البوراذ)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورت جتنا پوشیدہ اور باپردہ ہو کر نماز پڑھے اس کے لئے افضل اور بہتر ہے کیونکہ اس کا سارا دارو مدار پردہ کے اوپر ہے، یہی وجہ ہے کہ عورتوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ نِعْمَ الصَّهْرُ الْقَتِيْرُ (یعنی اچھی سسرال قبر ہے۔) بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو نماز پڑھنے کے لئے جس قدر پردہ زیادہ ہو بہتر ہے۔

خوشبو لگا کر مسجد میں جانے والی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی

⑬ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنِّي سَمِعْتُ جَبِيَّ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ امْرَأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِلْمَسْجِدِ حَتَّى تَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَى أَحْمَدُ وَالتَّشَائِي نَحْوَهُ -

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”اس عورت کی نماز قبول نہیں کی جاتی جو مسجد جانے کے لئے خوشبو لگائے یہاں تک کہ وہ اگر خوشبو لگائے ہوئے ہو تو اچھی طرح غسل نہ کرے جیسا کہ ناپاکی کا غسل کیا جاتا ہے۔“ (البوراذ، احمد، نسائی)

تشریح: اس حدیث میں بھی اسی بات سے شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے کہ کوئی عورت خوشبو لگا کر مسجد میں جانے کی جرأت نہ کرے یہاں تک کہ اگر کسی نے خوشبو لگا رکھی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ مسجد جاتے وقت غسل کر لے یعنی اگر اس نے پورے بدن پر خوشبو لگا رکھی ہے تو سارا بدن پانی سے دھو ڈالے تاکہ اس کے بدن سے خوشبو جاتی رہے اور اگر بدن کے کسی خاص حصہ پر خوشبو لگی ہوئی ہو تو صرف اسی حصہ کو دھو ڈالے اور اگر خوشبو کپڑوں پر لگی ہوئی ہو تو اس صورت میں وہ کپڑے تبدیل کر دیئے جائیں۔

خوشبو لگے ہوئے بدن کو دھونے یا کپڑے کو بدلنے کا یہ حکم اسی صورت میں ہے جب کہ مسجد میں جانے کا ارادہ کر لے۔ اگر مسجد میں جانے کا ارادہ نہ ہو بلکہ گھر ہی میں نماز پڑھتی ہو تو پھر اس حکم پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔

حضرت ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم خوشبو لگا کر مسجد جانے والی عورتوں کو زجر میں مبالغہ کے طور پر ہے کیونکہ اس صورت میں فتنہ و شر زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ عورت کی طرف لوگوں کی رغبت زیادہ ہوتی ہے۔

خوشبو لگا کر باہر نکلنے والی عورتوں کے بارے میں وعید

(۱۴) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَإِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا اسْتَعْظَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَّاءٌ وَكَذَا يَعْنِي زَانِيَةٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَلَا يَبْنِي دَاوُدُ وَالتَّسَانِي نَحْوُهُ۔

”اور حضرت ابو موسیٰؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”ہر آنکھ زنا کرنے والی ہے (جب کہ وہ کسی غیر عورت کی طرف بری نظر سے دیکھے کیونکہ اجنبی عورت کی طرف بری نظر سے دیکھنا آنکھ کا زنا ہے) اور جو عورت خوشبو لگا کر (مردوں کی) مجلس سے گزرے (اور چاہے کہ لوگ اس کی طرف دیکھیں تو وہ ایسی ہے ایسی ہے یعنی زانیہ ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: جس عورت نے خوشبو لگا کر مردوں کی مجلس میں اپنے آپ کو جلوہ گاہ بنایا تو وہ زانیہ ہے کیونکہ اس نے خوشبو لگا کر غیر مردوں کو اس بات کی رغبت دلائی کہ وہ اس کی طرف دیکھیں اور جب انہوں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ آنکھوں کے زنا میں مبتلا ہوئے اور چونکہ یہ عورت اس فتنہ کا خود باعث بنی اس لئے گواہی نے زنا کے فعل کا ارتکاب کیا۔

فجر اور عشاء کی نمازوں کی فضیلت

(۱۵) وَعَنْ أَبِي كَعْبٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الصُّبْحِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ أَشَاهِدُ فَلَانٌ قَالُوا لَا قَالَ أَشَاهِدُ فَلَانٌ قَالُوا لَا قَالَ إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ أَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُتَّقِينَ وَلَوْ تَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَيْتُمُوهُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكْبِ وَإِنَّ الصَّفَّ الْأَوَّلَ عَلَى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيلَتُهُ لَأَبْتَدَرْتُمُوهُ وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَجَدَهُ وَالرَّجُلِينَ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ۔ (رواه ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کونین ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی جب آپ ﷺ سلام پھیر چکے تو (ایک شخص کا نام لے کر اس کے بارے میں) فرمایا کہ فلاں شخص حاضر ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں! آپ ﷺ نے (ایک دوسرے شخص کا نام لے کر اس کے بارے میں) فرمایا کہ فلاں شخص حاضر ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں! (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا ”تمام نمازوں میں یہ دونوں (یعنی فجر و عشاء کی) نمازیں منافقین پر بہت گراں گزرتی ہیں، اگر تم جان لیتے کہ ان دونوں نمازوں کا کتنا ثواب ہے، تو تم (دوڑ کر اور) گھٹنوں کے بل (یعنی افاق و خیزاں) آتے اور (ثواب و فضیلت نیز تقرب الی اللہ کے سلسلہ میں) پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح ہے اگر تم پہلی صف کی فضیلت جان لو تو اس میں شامل ہونے کے لئے جلدی پہنچنے کی کوشش کرنے لگو اور آدمی کا اکیلے نماز پڑھنے سے دوسرے آدمی کے ساتھ مل کر پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہے اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب کا باعث ہے اور جس قدر زیادہ (نمازیں ایک ساتھ یعنی جماعت سے نماز پڑھتے) ہوں اللہ کے نزدیک یہ سب سے محبوب ہے۔“

(ابوداؤد، نسائی)

تشریح: منافق کا ہر عمل ریا پر مبنی ہوتا ہے اور اس کی ہر عبادت نمائش کی خاطر ہوتی ہے چنانچہ فجر و عشاء کے علاوہ دوسری نمازیں تو منافقین پر زیادہ گراں نہیں گزرتیں کیونکہ ان نمازوں میں نہ صرف یہ کہ زیادہ کسل و سستی نہیں ہوتی بلکہ ریا و نمائش بھی خوب ہو جاتی ہے برخلاف اس کے کہ فجر و عشاء کی نماز میں چونکہ محنت زیادہ پڑتی ہے، کسل بھی ہوتا ہے اور پھر یہ ہے کہ ریا و نمائش کا زیادہ موقع نہیں ملتا اس لئے یہ دونوں نمازیں ان پر بڑی گراں گزرتی ہیں۔ اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ فرمایا گیا ہے اور اس کے بعد ان دونوں نمازوں کی فضیلت کو ظاہر کر دیا گیا ہے تاکہ مخلص و صادق مسلمان ان نمازوں کی سعادت سے کسی بھی وجہ سے محروم نہ رہیں۔

جماعت سے نماز پڑھنے والوں پر شیطان غالب نہیں ہوتا

(۱۶) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَائِمٌ ثَلَاثَةٌ فِي قَرْيَةٍ وَلَا يَبْذُلُونَ ثَقَامَ فِيهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدْ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذَّنْبُ الْقَاصِيَةَ - (رواه احمد والبوداؤد والنسائي)

”اور حضرت البودراءؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جس بستی اور جنگل میں تین آدمی ہوں اور جماعت سے نماز نہ پڑھتے ہوں تو ان پر شیطان غالب رہتا ہے لہذا تم جماعت کو اپنے اوپر لازم کر لو کیونکہ اس بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو (کر تنہا رہ) جاتی ہے۔“ (احمد، البوداؤد، نسائی)

تشریح: اجتماعیت میں فلاح و کامیابی ہے اور انفرادیت میں خسران و ناکامی، چنانچہ اسلام اپنے قبیعین کو اجتماعیت کی تعلیم بڑی اہمیت کے ساتھ دیتا ہے اور اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ اگر اپنی قوم و ملی شان و شوکت کو برقرار رکھنا ہے اور اپنی امتیازی حیثیت کو پوری طاقت کے ساتھ دنیا سے منوانا ہے تو پھر اجتماعیت کے راستہ سے کبھی انحراف نہ کرنا، یہی وجہ ہے کہ اسلام کی اکثر و بیشتر عبادات شان اجتماعیت کی حامل ہیں۔

یہ تو دنیا کی دیکھی بات ہے کہ جو شخص تنہا رہتا ہے نہ تو اس کی کوئی حیثیت و وقعت ہوتی ہے اور نہ اس کی کسی بات میں کوئی طاقت ہوتی ہے جب کوئی چاہتا ہے بڑی آسانی کے ساتھ اس پر قابو پالیتا ہے لیکن جو افراد اجتماعیت کے ساتھ رہتے ہیں نہ صرف یہ کہ ان کی ہر بات میں ایک وزن ہوتا ہے بلکہ ان کی قوت و طاقت سے سب ہی لوگ مرعوب رہتے ہیں۔ یہی حالت شیطان کی ہے کہ کسی تنہا مسلمان پر اس کا اثر بہت جلدی ہو جاتا ہے مگر اس کے برخلاف مسلمانوں کی کسی جماعت پر اس کے مکر و فریب کا جادو نہیں چلتا۔

چنانچہ اس حدیث میں یہی بتایا جا رہا ہے کہ اگر کسی بستی یا کسی جنگل میں تین اشخاص رہتے ہوں اور اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ جس طرح ایک بھیڑیا بکریوں کے کسی ریوڑ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا مگر جب کوئی بکری ریوڑ سے الگ ہو کر بالکل تنہا رہ جاتی ہے تو بھیڑیا اسے آن و احد میں اپنی غذا بنا لیتا ہے۔

بغیر عذر جماعت میں شریک نہ ہونے والے نمازی کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۱۷) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ الْمُتَأَذِّيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ اتِّبَاعِهِ عَذْرٌ قَالُوا وَمَا الْعَذْرُ قَالَ خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّى - (رواه البوداؤد والدارقطنی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اذان کہنے والے (یعنی مؤذن) کی اذان سنے اور مؤذن کی تابعداری (یعنی مسجد پہنچ کر جماعت میں شریک ہونے) سے اسے کوئی عذر نہ روکے، لوگوں نے پوچھا کہ عذر کیا ہے؟ فرمایا کہ ”(دشمن سے) ڈرنا، بیماری“ تو اس کی نماز جو بغیر جماعت (اگرچہ مسجد ہی میں) پڑھے قبول نہیں کی جاتی۔“ (البوداؤد، دارقطنی)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ یہ حدیث بیان فرما رہے تھے کہ لوگوں نے درمیان میں پوچھا کہ وہ کیا عذر ہے جو جماعت سے روک سکتا ہے تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ڈر، خواہ کسی دشمن سے جان کا ہو یا مال و آبرو کا، یا کوئی سخت بیماری ہو ”حضرت ابن مالکؓ نے ”ڈر“ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ڈر خواہ تو کسی کے ظلم کا شکار ہو جانے کا ہو یا ڈر کسی قرضدار کا ہو ایسی صورت میں کہ وہ اپنی مفلسی کی وجہ سے قرض ادا کرنے پر قادر نہ ہو۔ ان اعذار کے علاوہ اس سے پہلے بقیہ عذر ذکر کئے جا چکے ہیں مثلاً سخت سردی و بارش یا کھانا سامنے آچکا ہو، یا اتنبجہ کی حاجت ہو یہ سب چیزیں ترک جماعت کے حق میں معقول عذر ہیں۔ اسی طرح بیماری بھی عذر ہے، مگر ایسی بیماری جس کی وجہ سے مسجد میں پہنچنا ممکن نہ ہو۔

بہر حال اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص مؤذن کی اذان سے اور پھر مؤذن کی تابعداری کرے یعنی جماعت میں بلاعذر شریک نہ ہو تو اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی عذر کی بنا پر جماعت میں شریک نہ ہو تو اس کی نماز قبول ہو جائے گی لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ یہاں ”قبول نہ ہونے“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی نماز سرے سے ادا نہیں ہوگی بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ اس کے ذمہ سے نماز کی فرضیت تو ساقط ہو جائے گی مگر اسے نماز کا ثواب نہیں ملے گا۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص غصب کی گئی زمین پر نماز پڑھے تو اس کے ذمہ سے نماز کی فرضیت تو ساقط ہو جاتی ہے مگر اسے نماز کا ثواب نہیں ملتا یا اسی طرح اگر کوئی شخص حرام مال سے حج کرے تو اس کے ذمہ سے فرض تو اتر جاتا ہے مگر اسے ثواب نہیں ملتا۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث اور اس سے پہلے گزرنے والی حدیث کے پیش نظر کسی شخص کے لئے قصدًا بلاعذر جماعت ترک کرنے کی مطلقاً اجازت نہیں ہے۔

جماعت کھڑی ہو جائے اور استنحی کی حاجت ہو تو پہلے استنحی سے فارغ ہو جانا چاہئے

(۱۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَقْبَمْتَ الصَّلَاةَ وَوَجَدَ أَحَدَكُمْ الْخَلَاءَ فَلْيَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ - (رواہ الترمذی وروی مالک و ابو داؤد و النسائی نحوہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”اگر نماز (کے لئے) جماعت کھڑی ہو جائے اور تم میں سے کسی کو پاخانہ کی حاجت ہو تو اسے چاہئے کہ وہ پہلے پاخانہ کو چلا جائے (اگرچہ جماعت ترک ہو جائے)۔“

(ترمذی، مالک، ابو داؤد، نسائی)

تین چیزوں کی ممانعت

(۱۹) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَفْعَلَهُنَّ لَا يُؤْمَنُ رَجُلٌ قَوْمًا فَيُخَصُّ نَفْسَهُ بِاللَّعَاءِ دُونَهُمْ فَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يُنْظَرُ فِي فَعْرِ يَتَّبِ قَبْلَ أَنْ يَسْتَأْذِنَ فَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يُصَلِّ وَهُوَ حَقِيقٌ حَتَّى يَتَخَفَّفَ - (رواہ ابو داؤد و الترمذی نحوہ)

”اور حضرت ثوبان راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”تین چیزیں ایسی ہیں جن کا کرنا کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔ اول تو یہ کہ کوئی شخص کسی جماعت کا امام بنے اور دعاء میں جماعت کو شریک کئے بغیر اپنی ذات کو مخصوص کرے اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے جماعت کے ساتھ خیانت کی۔

دوم یہ کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں اجازت حاصل کئے بغیر نظر نہ ڈالے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے گھر والوں کے ساتھ خیانت کی۔ سوم یہ کہ کوئی شخص ایسی حالت میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب یا پاخانہ تو کئے ہوئے ہو یہاں تک کہ وہ (استنحی سے فارغ ہو کر) ہلکا ہو جائے۔“ (ابو داؤد، ترمذی)

کھانے کی وجہ سے نماز میں تاخیر کی ممانعت

(۲۰) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَوْخَرُوا الصَّلَاةَ لِبَطْعَامٍ وَلَا لِبَعْزٍ - (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے (صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ ”کھانے کے لئے یا کسی اور وجہ سے نماز کو (اس کے وقت سے) مؤخر نہ کرو۔“ (شرح السنہ)

تشریح: اس سے پہلے ایک حدیث نمبر ۶۸۷ گزر چکی ہے جس سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ (جب کھانا سامنے آجائے تو) پہلے کھا لیا جائے اور

اس کے بعد نماز پڑھی جائے اور یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ کھانے وغیرہ کی خاطر نماز کو مؤخر نہ کیا جائے، چونکہ ان دونوں احادیث میں تعارض واضح ہو رہا ہے اس لئے سمجھ لیجئے کہ یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ اگر کھانا کھانے کی صورت میں نماز کا وقت ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو پھر یہی حکم ہے کہ نماز کو مؤخر نہ کیا جائے۔

اور حدیث نمبر ۷ کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ وقت میں وسعت ہو اور کھانا سامنے آچکا ہو نیز کھانے کی خواہش بھی ہو تو یہ حکم ہو گا کہ پہلے کھانا کھالیا جائے اس کے بعد نماز پڑھی جائے۔ اس تشریح سے دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہا۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

جماعت سے نماز پڑھنے کی تاکید

(۲۱) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُتَافِقٌ قَدْ عَلِمَ نِفَاقَهُ أَوْ مَرِيضٌ إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لَيَمْسِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتَّى يَأْتِيَ الصَّلَاةَ وَقَالَ إِنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِمْنَا سُنَنَ الْهُدَى وَإِنْ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلَاةُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤَدُّ فِيهِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَلْقَى اللَّهَ غَدًا مُسْلِمًا فَلْيَحَافِظْ عَلَى هَذِهِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ حَيْثُ يَنَادِي بَيْنَ فَإِنَّ اللَّهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدَى وَإِنَّهُمْ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا يَصَلِّي هَذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَنْتَهَرُ فِيْهِ خَيْرٌ مِنَ الظُّهُورِ ثُمَّ يَغْمِذُ إِلَى مَسْجِدٍ مِنْ هَذِهِ الْمَسَاجِدِ إِلَّا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَخْطُوهَا حَسَنَةً وَرَفَعَهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَقَّ عَنْهُ بِهَا سِتَّةٌ وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُتَافِقٌ مَعْلُومُ التَّفَاقِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتَى بِهَا يُهَادَى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتَّى يَقَامَ فِي الصَّفِّ - (رواه مسلم)

”حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا ہے کہ نماز باجماعت سے صرف وہی منافق لوگ پیچھے رہ جاتے تھے جن کا اتفاق معلوم اور کھلا ہوا تھا (یعنی جن لوگوں کا اتفاق پوشیدہ تھا وہ بھی جماعت میں حاضر ہوتے تھے) یا بیمار رہ جاتے تھے (یعنی جس مریض کو مسجد آنے کی کچھ نہ کچھ طاقت ہوتی تھی وہ بھی جماعت میں آتا تھا چنانچہ ”جو مریض دو آدمیوں کے درمیان (یعنی ان کے سہارے سے) چل سکتا تھا وہ بھی نماز میں آتا تھا۔ (اس کے بعد) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ”بے شک سرور کوئین ﷺ نے ہمیں ہدایت کے طریقے سکھائے ہیں اور ہدایت کے ان طریقوں میں سے (ایک طریقہ) اس مسجد میں (جماعت سے) نماز پڑھنا ہے جس میں اذان دی جاتی ہو۔“ ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ”جس شخص کے لئے یہ بات خوش کن ہو کہ وہ کل کے دن خدا سے کامل مسلمان کی حیثیت سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ وہ ان پانچوں نمازوں کی اس جگہ حفاظت کرے جہاں ان نمازوں کے لئے اذان دی جاتی ہو (یعنی مسجد میں ان پانچوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ پابندی سے ادا کرتا رہے) کیونکہ اللہ جل شانہ نے تمہارے نبی کریم ﷺ کے لئے ہدایت کے (تمام) طریقے مقرر کر دیئے تھے اور ان پانچوں نمازوں کو جماعت سے پڑھنا بھی ہدایت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ اگر تم اپنی نماز کو اپنے گھر میں (اگرچہ جماعت سے) پڑھو گے جیسا کہ یہ پیچھے رہنے والا (یعنی منافق) نماز پڑھتا ہے تو ”سمجھ لو کہ“ تم اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑنے والے ہو گے اور اگر اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑ دو گے تو بیشک گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور جو شخص پاک ہو کر اچھی طرح وضو کرتا ہے (یعنی وضو کے پورے حقوق و آداب کا لحاظ رکھتا ہے) اور اس کے تمام واجبات و سنن کو ادا کرتا ہے اور پھر ان مساجد میں سے کسی مسجد میں جاتا ہے تو خداوند قدوس اس کے ہر قدم کے بدلہ جوہ (مسجد کی راہ میں) رکھتا ہے ایک نیکی لکھتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک برائی کو اس سے دور کر دیتا ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ کھلے ہوئے منافق کے علاوہ کوئی

شخص جماعت سے پیچھے نہ رہتا تھا (یعنی جماعت ترک نہ کرتا تھا) یہاں تک کہ بیمار آدمی اس حالت میں نماز میں لایا جاتا کہ وہ (انتہائی ضعف و کمزوری کی وجہ سے دو آدمیوں کا سہارا لئے ہوئے ہوتا اور اس کو صف میں لاکھڑا کر دیا جاتا تھا۔ ”مسلم“)

تشریح: سنن الہدی (ہدایت کے طریقے) ان طریقوں اور راستوں کو کہتے ہیں جن پر عمل کرنا ہدایت کا موجب اور حق تعالیٰ جل شانہ کے قرب اور اس کی رضا کا باعث ہو۔

آنحضرت ﷺ کے افعال کی قسمیں! آنحضرت ﷺ کے افعال دو نوعیت کے ہوتے تھے! ایک قسم کے افعال تو وہ تھے جنہیں آنحضرت ﷺ بطور عبادت کرتے تھے۔ دوسرے قسم کے افعال وہ تھے جو آپ ﷺ بطریق عادت کرتے تھے۔ جن افعال کو آپ ﷺ بطریق عادت کرتے تھے انہیں ”سنن زوائد“ کہا جاتا ہے اور جن افعال کو آپ ﷺ بطریق عبادت کرتے تھے انہیں ”سنن ہدی“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

پھر سنن ہدی کی دو قسمیں ہیں ① سنن مؤکدہ۔ ② سنن غیر مؤکدہ۔

سنن مؤکدہ۔ وہ افعال ہیں جنہیں آپ ﷺ نے بطریق مواظبت کے کیا اور لوگوں کو ان افعال کے کرنے کی تاکید فرمائی۔

سنن غیر مؤکدہ۔ وہ افعال ہیں جو نہ تو آپ ﷺ سے بطریق مواظبت کے صادر ہوتے تھے اور نہ ان پر عمل کرنے کے لئے لوگوں کو

تاکید فرماتے تھے۔

اس حدیث میں جس سنن ہدی کا ذکر فرمایا گیا ہے اس سے مراد ”سنن مؤکدہ“ ہیں۔ جو حضرات جماعت کو واجب قرار دیتے ہیں یہ تعریف ان کے نقطہ نظر کے بھی منافی نہیں ہے کیونکہ لفظ واجب بھی سنن ہدی کی تعریف میں داخل ہے۔

احمد اور طبرانی نے آنحضرت ﷺ سے مرفوعاً یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ظلم پورا ظلم، کفر اور نفاق (کا حامل) وہ (شخص) ہے کہ اللہ کے پکارنے والے کو سنا کہ وہ مسجد کی طرف (نماز کی جماعت میں شریک ہونے کے لئے) پکارتا ہے مگر اس (شخص نے) جواب نہیں دیا (یعنی مسجد میں پہنچ کر جماعت میں شریک نہیں ہوا) اس روایت کی روشنی میں معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے بارے میں جو مسجد میں ہونے والی جماعت کو ترک کرتے ہیں آنحضرت ﷺ کی یہ سخت ترین وعید ہے۔

کما یصلیٰ هذا المتخلف فی بیتہ (جیسا کہ یہ پیچھے رہنے والا شخص اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے) بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی خاص شخص تھا جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتا تھا چنانچہ ابن مسعودؓ نے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح یہ شخص جماعت کی سعادت سے اپنے آپ کو محروم کر کے گھر میں نماز پڑھ لیتا، اسی طرح اگر تم لوگ بھی اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے تو یہ سمجھ لو کہ اس شخص کی طرح تمہارا بھی یہ فعل آنحضرت ﷺ کی سنت کو چھوڑنے کے مرادف ہوگا اور ظاہر ہے کہ سنت کو ترک کرنے والا شخص ضلالت و گمراہی کی تباہ کن کھائی میں گرتا ہے۔

جماعت کو چھوڑنے والا سخت گناہ گار ہوتا ہے

(۲۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ لَا مَافِي الْبُيُوتِ مِنَ التَّسَاءِ وَالذَّنْبِ أَقَمْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَأَمَرْتُ فِتْنَانِي يُخَوِّفُونِ مَافِي الْبُيُوتِ بِالنَّارِ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”اگر گھر میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز قائم کر کے خادموں کو حکم دیتا کہ (جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوئے ان کے) گھر بار آگ میں جلا دیئے جائیں۔“ (احمد)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کے لئے جماعت سے نماز پڑھنا چونکہ واجب نہیں ہے اس لئے ان کو بچانے کا خیال ضروری ہے کہ یہ بے خطا و سروں کی سزا میں تکلیف نہ پاجائیں۔ اگر عورتیں اور بچے گھروں میں نہ ہوتے تو عشاء کی نماز قائم کرنے

کا حکم دیتا اور صحابہؓ سے کہتا کہ جو لوگ جماعت میں حاضر نہیں ہوئے ہیں ان کو ان کے گھر کے اسباب کو آگ کے شعلوں میں جھونک دیا جائے تاکہ انہیں احساس ہو کہ جماعت کو ترک کرنے کی سزا کیا ہے؟
اس سے معلوم ہوا کہ جماعت چھوڑنے والا سخت گناہ گار ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسے جلائے کا قصد فرمایا۔

اذان ہو جانے کے بعد بغیر نماز پڑھے مسجد سے نہ نکلنے کا حکم

(۲۳) وَعَنْهُ قَالَ أَمَرْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَنُودِيَ بِالصَّلَاةِ فَلَا يَخْرُجُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُصَلِّيَ - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ تم مسجد میں موجود ہو اور نماز کے لئے اذان ہو جائے تو تم میں سے کوئی شخص بغیر نماز پڑھے مسجد سے نہ نکلے۔“ (احمد)

تشریح: علماء حنفیہ کے نزدیک اذان کے بعد مسجد سے نہ نکلنے کا یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو کسی دوسری جماعت کا منظم نہ ہو یعنی اگر کوئی شخص کسی دوسری مسجد کا امام ہو تو اذان کے بعد مسجد سے جاسکتا ہے اگر کوئی شخص دوسری مسجد کا امام نہ ہو یا جا کر واپس آنے کا قصد نہ کرے تو اس کو اذان سن کر مسجد سے نکلنا جائز نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص نماز پڑھ چکا ہے تو اس کے لئے مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں لیکن ظہر اور عشاء میں نماز میں اگر مؤذن تکبیر کہنی شروع کر دے تو اسے بھی نماز پڑھ لینے کے باوجود جماعت میں شریک ہونا چاہئے تاکہ ترک جماعت کا الزام نہ آئے دوسرے آئمہ کے نزدیک ایسی صورت میں ہر نماز میں شریک ہو جانا چاہئے۔ ان کے یہاں ظہر و عشاء کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

(۲۴) وَعَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ قَالَ خَرَجَ رَجُلٌ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ مَا أُذِّنَ فِيهِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَمَا هَذَا فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو الشعثاءؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) اذان ہو جانے کے بعد ایک شخص مسجد سے نکلا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ”اس شخص نے ابو القاسم (یعنی رسول اللہ ﷺ) کی نافرمانی کی۔“ (مسلم)

(۲۵) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَذْرَكَ الْأَذَانَ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيدُ الرِّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ - (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عثمان ابن عفانؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے پھر وہ بغیر کسی ضرورت کے مسجد سے چلا جائے اور (جماعت میں شریک ہونے کے لئے) واپس آنے کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: اگر کوئی شخص مسجد میں موجود ہو اور اذان ہو جائے اور پھر وہ جماعت کی سعادت سے منہ موڑ کر مسجد سے چلا جائے تو یہ بڑی بد بختی کی بات ہے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ ایسا شخص ترک جماعت کا گناہ گار ہونے کی وجہ سے منافق کی طرح ہوتا ہے۔

زبان و عمل سے اذان کا جواب نہ دینے والے کی نماز کامل نہیں ہوتی

(۲۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَمِعَ التَّيْدَاءَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عَذْرِ -

(رواہ الدارقطنی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے اذان سنی اور اس کا جواب نہ دیا تو اس کی نماز (کامل یا قبول نہیں ہوتی مگر کسی عذر کی وجہ سے) (ایسا کیا تو مضائقہ نہیں۔“ (دارقطنی)

تشریح: اذان کا جواب دینا ایک تو زبان سے ہوتا ہے جیسے مؤذن کلمات اذان کہے تو سننے والا ان کلمات کو دہرائے اور ایک جواب عمل سے ہوتا ہے چنانچہ جو شخص مؤذن کی اذان سن کر مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے آتا ہے وہ اپنے عمل سے مؤذن کی اذان کا جواب دیتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زبان و عمل دونوں کے جواب پر نماز کی قبولیت اور نماز کی تکمیل موقوف ہے یعنی جس شخص نے اذان سن کر اس کا جواب نہ تو زبان سے دیا اور نہ مسجد میں آکر عمل سے دیا تو اس کی نماز پائے تکمیل اور باب قبولیت کو نہیں پہنچتی اتنی بات سمجھ لیجئے کہ اصل جواب عمل یعنی مسجد میں آنا ہی ہے اور اس کی زیادہ تاکید ہے۔

نابینا شخص کو بھی جماعت نہ چھوڑنی چاہئے

(۲۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ قَالَ يَارَ سَوْفَ اللَّهِ إِنَّ الْمَدِينَةَ كَثِيرَةُ الْهَوَامِ وَالتَّبَاعِ وَأَنَا صَرِيْرُ الْبَصَرِ فَهَلْ تَجِدُنِي مِنْ رُخْصَةٍ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَحَتَّى هَلَا وَلَمْ يَزِرْ خُصًّا

(رواہ البوداذو والنسائی)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مکتومؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مدینہ میں موذی جانور اور درندے بہت ہیں اور میں نابینا ہوں (اس عذر کی وجہ سے) کیا آپ ﷺ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں جماعت میں نہ آؤں اور اپنی نماز گھر پڑھ لوں) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کیا تم حجتی علی الصلوٰۃ اور حجتی علی الفلاح سنتے ہو؟ میں نے عرض کیا ”جی ہاں“ افرمایا ”جماعت میں آیا کرو“ اور انہیں جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔“ (البوداذو، نسائی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے خاص طور پر حجتی علی الصلوٰۃ اور حجتی علی الفلاح کا ذکر کیا کیونکہ ان الفاظ میں نماز کی طرف بلانا اور ترغیب ہے۔

(۲۸) وَعَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَهُوَ مُغَضَّبٌ فَقُلْتُ مَا أَغَضَبَكَ قَالَ وَاللَّهِ مَا أَعْرِفُ مِنْ أَمْرِ أُمَّةٍ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا إِلَّا أَنَّهُمْ يُصَلُّونَ جَمِيعًا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ام درداءؓ فرماتی ہیں کہ (ایک روز میرے خاوند) حضرت ابودرداءؓ میرے پاس غصہ میں بھرے ہوئے آئے (ان کی حالت دیکھ کر) میں نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو غضبناک بنایا؟ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! سرور کونین ﷺ کی امت کے بارے میں (پہلی جیسی) ایک یکی بات جانتا تھا کہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں (مگر اب اسے بھی چھوڑ دیتے ہیں)۔“ (بخاری)

فجر کی نماز جماعت سے پڑھنا رات بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے

(۲۹) وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَتْمَةَ قَالَ إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَدْ سَلِمَانَ بْنَ أَبِي حَتْمَةَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ وَإِنَّ عُمَرَ غَدَا لَ السُّوقِ وَمَسْكَنُ سُلَيْمَانَ بَيْنَ الْمَسْجِدِ وَالسُّوقِ فَمَرَّ عَلَى الشِّفَاءِ أُمِّ سُلَيْمَانَ فَقَالَ لَهَا لَمْ أَرِ سُلَيْمَانَ فِي الصُّبْحِ فَقَالَتْ إِنَّهُ بَاتَ يُصَلِّيُ فَعَلَبَنَهُ عَيْنَاهُ فَقَالَ عُمَرُ لَأَنْ أَشْهَدَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي جَمَاعَةٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَقُومَ لَيْلَةً۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت ابوبکر ابن سلیمان ابن ابی حتمہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) حضرت عمر فاروقؓ نے فجر کی نماز میں (میرے والد) حضرت سلیمان ابن ابی حتمہؓ کو نہیں پایا۔ حضرت عمرؓ جب صبح کو بازار جانے لگے تو سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا اس لئے وہ سلیمان کی والدہ شفاء کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ ”کیا بات ہے؟ آج میں نے سلیمان کو فجر کی نماز میں نہیں دیکھا؟ سلیمان کی والدہ کہنے لگیں کہ (کہ بات یہ ہوئی) کہ سلیمان نے آج پوری رات نماز پڑھنے میں گزاری اور (صبح ہوتے ہوئے) ان کی آنکھ لگ گئی (اس لئے وہ نماز فجر میں حاضر نہ

ہو سکے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ”میں صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لینا رات بھر (عبادت کے لئے) کھڑے رہنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔“ (مالک)
 تشریح: اس حدیث سے نماز فجر یا جماعت پڑھنے کی اہمیت اور فضیلت کا اندازہ لگائیے کہ حضرت سلیمانؑ رات بھر عبادت خداوندی میں مصروف رہے اور نماز پڑھتے رہے مگر صبح ہوتے آگے لگ جانے کی وجہ سے چونکہ وہ فجر کی جماعت میں شریک نہ ہو سکے تو حضرت عمرؓ نے ان کی والدہ سے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ افضل نہیں ہے کہ رات بھر عبادت کی جائے مگر فجر کی جماعت چھوڑ دی جائے اگر کوئی شخص رات بھر عبادت خداوندی میں مشغول رہنے کے باوجود فجر کی جماعت میں شامل ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے افضل کوئی بات ہی نہیں ہے۔ مگر ایات بھر عبادت خداوندی میں مصروف رہنے اور پھر بعد میں بقاضائے بشریت آگے وغیرہ لگ جانے کی وجہ سے فجر کی جماعت ترک ہو جائے تو میں اسے اچھا نہیں سمجھتا۔ یہ بہتر ہے کہ رات بھر آرام کیا جائے اور فجر کی جماعت میں پابندی سے شرکت کی جائے۔
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات میں عبادت کرنے اور تہجد کی نماز پڑھنے سے فجر کی جماعت میں شریک ہونا زیادہ فضیلت کی بات ہے۔

دو آدمیوں کی جماعت ہو جاتی ہے

(۳۰) وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”دو شخص ہوں یا دو سے زیادہ ہوں، ان سے جماعت (ہو سکتی) ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جماعت کے انعقاد کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ بہت بڑی تعداد میں لوگ ہوں یا کم سے کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے بلکہ اگر صرف دو آدمی ہوں اور ان میں سے ایک امام بن جائے اور دوسرا مقتدی، اس طرح دونوں مل کر نماز پڑھ لیں تو جماعت ہو جاتی ہے اور دونوں کو جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔

عورتوں کے مسجد جانے کا مسئلہ

(۳۱) وَعَنْ بِلَالِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ حُظُوظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ إِذَا سَأَلَتْكُمْ فَقَالَ بِلَالٌ وَاللَّهِ لَتَمْنَعَهُنَّ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللَّهِ أَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَهْوُلُ أَنْتَ لَتَمْنَعَهُنَّ وَفِي رِوَايَةٍ سَالِمٌ عَنْ أَبِيهِ قَالَ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ فَسَبَّهَ سَبًّا مَا سَمِعْتُ سَبًّا مِثْلَهُ قَطُّ وَقَالَ أَخْبِرْنَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُولُ وَاللَّهِ لَتَمْنَعَهُنَّ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت بلال ابن عبد اللہؓ اپنے والد کرم (حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (ایک روز) کہا کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا کہ ”جب عورتیں تم سے مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو تم انہیں (روک کر) ان کو مساجد کے حصہ سے محروم نہ کرو (یعنی مسجد میں جانے کا ثواب انہیں ملتا ہے تو انہیں مسجدوں میں جانے سے روک کر اس ثواب کے حاصل کرنے سے نہ روکو) بلالؓ نے کہا کہ ”خدا کی قسم ہم تو انہیں ضرور منع کریں گے“ حضرت عبد اللہؓ نے بلالؓ سے فرمایا کہ ”میں تو کہہ رہا ہوں کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے اور تم کہتے ہو کہ ہم تو انہیں ضرور منع کریں گے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت سالمؓ نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ ”پھر (اس کے بعد) حضرت عبد اللہؓ بلالؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اس قدر برا بھلا کہا کہ میں نے تو کبھی حضرت عبد اللہؓ کی زبان سے انہیں اس قدر برا بھلا کہتے نہیں سنا اور پھر کہا کہ ”میں تو کہتا ہوں یہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اور تم کہتے ہو کہ ہم انہیں ضرور منع کریں گے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے اس لئے ناراض ہوئے اور انہیں برا بھلا کہا کہ انہوں نے بظاہر ایسے الفاظ سے جواب دیا جن سے اپنی رائے کے ساتھ حدیث کا مقابلہ کرنا معلوم ہوتا تھا۔ اگر بلالؓ اس کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے کہتے کہ اب اس زمانہ میں عورتوں کا مسجد میں جانا مناسب نہیں ہے تو حضرت عبداللہؓ ناراض نہ ہوتے، یہی وجہ ہے کہ علماء نے ماحول کی نزاکت کے پیش نظر عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ ”ہمارے زمانہ میں امام عورتوں کی نیت نہ کرے۔“

اس سلسلہ میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ موجودہ دور کے تمام علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اب اس زمانہ میں جب کہ فتنہ و شر کا دور دورہ ہے عورتوں کے لئے مسجد میں جانا مکروہ ہے۔

(۳۲) وَعَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلٌ أَهْلَهُ أَنْ يَأْتُوا الْمَسَاجِدَ فَقَالَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ فَإِنَّا نَمْنَعُهُمْ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ أَحَدُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُولُ هَذَا قَالَ فَمَا كَلِمَةُ عَبْدِ اللَّهِ حَتَّى مَاتَ۔ (رواہ احمد)

”حضرت مجاہد حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”کوئی شخص اپنے اہل (یعنی اپنی بیوی) کو مساجد میں جانے سے منع نہ کرے۔“ (یہ سن کر حضرت عبداللہؓ کے ایک صاحبزادہ (بلال) نے کہا کہ ”ہم تو انہیں منع کریں گے۔“ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ ”میں تو آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم یہ کہہ رہے ہو۔“ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت عبداللہؓ نے اپنے بیٹے سے (آخر عمر تک) گفتگو نہیں کی یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔“ (احمد)

تشریح: اس حدیث کی وضاحت وہی ہے جو پہلے کی جا چکی ہے کہ اپنے صاحبزادے سے حضرت عبداللہؓ کی اس قدر شدید ناراضگی کہ آخر عمر تک ان سے گفتگو نہیں کی محض اس بناء پر تھی کہ ان کے صاحب زادے نے اپنے مافی الضمیر کو اس انداز سے ظاہر کیا جو حدیث نبوی کے مقابل معلوم ہوتا تھا۔ بہر حال اس حدیث سے اتنی بات معلوم ہوئی کہ اگر کسی شخص کی اولاد سنت کو ترک کر دے یا سنت کے خلاف اپنی رائے کو غلط انداز میں پیش کرے تو اس سے ترک کلام کیا جاسکتا ہے۔

اس باب کی چونکہ یہ آخری حدیث ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے حاصل کرنے کے بعض طریقے اور مسائل جن کا جاننا ضروری ہے نقل کر دیئے جائیں۔

جماعت کے بعض مسائل

اگر کوئی شخص اپنے محلہ یا مکان کے قریب مسجد میں ایسے وقت پر پہنچا کہ وہاں جماعت ہو چکی تھی تو اس کو مستحب ہے کہ دوسری مسجد میں دوبارے جماعت کے لئے جائے اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے گھر واپس آکر آدمیوں کو جمع کر کے جماعت کر لے۔

اگر کوئی شخص نفل نماز شروع کر چکا ہو اور فرض جماعت ہونے لگے تو اس کو چاہئے کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اگرچہ چار رکعت نفل کی نیت کی ہو۔ یہی حکم ظہر اور جمعہ کی سنت مؤکدہ کا ہے کہ اگر شروع کر چکا ہو اور فرض ہونے لگے تو دو ہی رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر ان سنتوں کو فرض کے بعد پڑھ لے۔ ظہر کی سنتیں ان سنتوں کے بعد پڑھی جائیں جو فرض کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔

اگر فرض نماز ہو رہی ہو تو پھر سنت وغیرہ شروع نہ کی جائے بشرطیکہ کسی رکعت کے چلے جانے کا خوف ہو یا اگر یقین یا گمان غالب ہو کہ کوئی رکعت نہ جانے پائے گی تو پڑھ لے۔ مثلاً ظہر کے وقت جب فرض شروع ہو جائے اور خوف ہو کہ سنت پڑھنے سے کوئی رکعت جاتی رہے گی تو پھر مؤکدہ سنتیں جو فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں چھوڑ دے اور فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھ کر ان سنتوں کو پڑھ لے مگر فجر کی سنتیں چونکہ زیادہ مؤکدہ ہیں لہذا ان کے لئے حکم ہے کہ اگر فرض شروع ہو چکا ہو تب بھی ادا کر لی جائیں، بشرطیکہ قعدہ اخیرہ

مل جانے کی امید ہو اور اگر قعدہ اخیرہ کے بھی نہ ملنے کا خوف ہو تو پھر نہ پڑھے۔

اگر یہ خوف ہو کہ فجر کی سنت اگر نمازینین و مستحبات وغیرہ کی پابندی سے ادا کی جائے تو جماعت نہ ملے گی تو ایسی حالت میں چاہئے کہ صرف فرائض اور واجبات پر اختصار کرے اور سنن وغیرہ چھوڑ دے۔ فرض شروع ہو جانے کی صورت میں جو سنتیں پڑھی جائیں خواہ فجر کی ہوں یا کسی اور وقت کی تو وہ ایسے مقام پر پڑھی جائیں جو مسجد سے علیحدہ ہو اس لئے کہ جہاں فرض نماز ہوتی ہو تو پھر کوئی دوسری نماز وہاں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ ملے تو صف سے علیحدہ مسجد کے کسی گوشہ میں پڑھ لے اور یہ بھی نہ ہو تو نہ پڑھے۔ اگر جماعت کا قعدہ مل جائے اور رکعتیں نہ ملیں تب بھی جماعت کا ثواب مل جائے گا اگرچہ اصطلاح فقہاء میں اس کو جماعت کی نماز نہیں کہتے۔ جماعت سے ادا کرنا جب ہی کہا جائے گا کہ جب کل رکعتیں مل جائیں۔ یا اکثر رکعتیں مل جائیں مثلاً چار رکعت والی نماز کی تین رکعت سے مل جائیں یا تین رکعت والی نماز کی دو رکعت سے مل جائیں اگرچہ بعض فقہاء کے نزدیک جب تک کل رکعتیں نہ ملیں جماعت میں شام نہیں ہوتا۔ جس رکعت کا رکوع امام کے ساتھ مل جائے گا تو سمجھا جائے گا کہ وہ رکعت مل گئی۔ ہاں اگر رکوع نہ ملے تو پھر اس رکعت کا شمار ملنے میں نہ ہوگا۔

بَابُ تَسْوِيَةِ الصَّفِّ

صفوں کے برابر کرنے کا بیان

صفوں کو برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ نماز کے لئے جماعت میں کھڑے ہوں تو صف بندی اس طرح کریں کہ آپس میں بالکل مل کر کھڑے ہوں تاکہ ایک دوسرے کے درمیان خلا نہ رہے اور آگے پیچھے ہٹ کر کھڑے نہ ہوں بلکہ برابر کھڑے رہیں اگر کسی صف میں ہوں تو وہ اس طرح قائم کی جائیں کہ ایک دوسری صف کے درمیان شروع سے لے کر آخر تک یکساں فرق رہے ایسا نہ ہو کہ کسی جگہ سے تو دونوں صفوں کا درمیانی فاصلہ کم ہو اور کسی جگہ سے زیادہ۔ اس باب کے تحت جو احادیث نقل کی جائیں گی ان سے صفوں کو برابر کرنے کی اہمیت و تاکید معلوم ہوگی اور صف بندی کے جو مسائل و احکام ہیں وہ واضح ہوں گے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

صف برابر رکھنے کا حکم

① عَنْ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بَهَا الْقِدَاحِ حَتَّى رَأَى أَنَا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتَّى كَادَ أَنْ يُكْتَبَ فَرَأَى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللَّهِ لَتَسَوْنَ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَكُمْ وَجُوهَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت نعمان ابن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہماری صفیں (اس طرح) برابر (سیدھی) کیا کرتے تھے کہ گویا تیر بھی ان صفوں سے سیدھا کیا جاسکتا تھا یہاں تک کہ ہم بھی آپ ﷺ سے (صفوں کی برابر کرنے کی اہمیت) سمجھ گئے۔ ایک دن آنحضرت ﷺ (مکان سے نکل کر) تشریف لائے اور (نماز کے لئے) کھڑے ہو گئے اور تکبیر (تحریمہ) کہنے ہی کو تھے کہ ایک آدمی کا سینہ صف سے کچھ نکلا ہوا آپ ﷺ نے دیکھ لیا چنانچہ (یہ دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں سیدھی کر دو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔“ (مسلم)

تشریح: ب میں تیری ہمواری اور سیدھا پن اس قدر مشہور تھا کہ دوسری چیزوں کے سیدھے پن اور ہمواری کو بھی تیر سے تشبیہ دیا

کرتے تھے اس طرح گویا تیر بھی ان صفوں سے سیدھا کیا جاتا تھا۔ "یہ جملہ کسی چیز کی ہمواری اور سیدھے پن کے لئے مثل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ تیروں کے ذریعہ دوسری چیزوں کو سیدھا اور برابر کرتے ہیں اور یہاں یہ مبالغہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے کہ صفیں اس قدر سیدھی اور ہموار ہوتی تھیں کہ تیر بھی ان کے ذریعہ سیدھے کئے جاسکتے تھے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ عبارت اپنے عکس پر محمول ہے لہذا اس کا مطلب یہ ہے کہ گویا صفیں تیروں کے ذریعہ برابر کرتے تھے "حدیث کے آخری جملہ کا مطلب مولانا مظہر نے یہ بیان کیا ہے کہ ظاہری ادب و فرمانبرداری نہیں کرو گے تو تمہاری یہ ظاہری نافرمانی تمہارے باطن یعنی دلوں کے اختلاف کی طرف تمہیں پہنچائے گی۔ جو آگے چل کر آپس کے بغض و عناد اور کدورت و عداوت کا سبب بن جائے گی اور پھر قلوب کے یہ اختلاف اور یہ باطنی بری خصلتیں تمہاری ظاہری زندگی میں بھی اس طرح سرایت کر جائیں گی کہ تمہارے درمیان بغض و عداوت پیدا ہو جائے گی چنانچہ تم میں سے ہر شخص ایک دوسرے سے اعراض کرے گا اور کسی کے دل میں کسی کے لئے ہمدردی کا کوئی جذبہ باقی نہ رہ جائے گا بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صفوں کو سیدھا اور ہموار رکھنے کی بڑی اہمیت ہے جب جماعت کھڑی ہو تو ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو صف کے برابر کر لے اور ایک دوسرے سے آگے پیچھے نہ کھڑا ہونا چاہئے، اگر صف کو سیدھا کرنے کے اس حکم کی پیروی نہیں کی جائے گی تو جان لو کہ خداوند قدوس اس کی سزا تمہیں یہ دے گا کہ تمہارے درمیان بغض و نفرت پیدا ہو جائے گی جس سے تمہاری معاشرتی و سماجی امن و سکون کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔

جب تک ایک صف پوری نہ ہو دوسری صف قائم نہ کی جائے

(۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ أَقِيَمَتِ الصَّلَاةَ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ أَقِيْمُوا أَصْفُوفَكُمْ وَتَرَاَصُّوا فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي زَوَاهِ الْبُخَارِيِّ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قَالَ أَتِمُّوا الصَّفُوفَ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي۔

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز جب) نماز کھڑی ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "اپنی صفیں سیدھی کرو، اور آپس میں مل کر کھڑے ہو، بیشک میں اپنی پشت کے پیچھے سے بھی تمہیں دیکھ سکتا ہوں (یعنی نماز کی حالت میں مکاشفہ کے ذریعہ نمازیوں کے احوال پر مطلع رہتا ہوں) اس روایت کو بخاری نے نقل کیا ہے اور بخاری و مسلم دونوں کی روایت یہ ہے کہ "(آنحضرت نے فرمایا) "صفوں کو پورا کر لیا کرو، میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔"

تشریح: دوسری روایت کے الفاظ "صفوں کو پورا کر لیا کرو" کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ایک صف پوری نہ ہو جائے دوسری صف قائم نہ کرو ایسا نہ ہونا چاہئے کہ آگے کی صف میں جگہ خالی ہو اور اس میں مزید نمازیوں کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہو لیکن اس کے باوجود پیچھے دوسری صف قائم کر لی جائے ایسا کرنا غلط ہے۔

صف برابر رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوا أَصْفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ۔

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی صفوں کو برابر رکھا کرو کیونکہ صفوں کو برابر رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے۔" (بخاری) مسلم کی روایت من اقامة الصلوة کے بجائے من تمام الصلوة کے الفاظ ہیں)

تشریح: قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے اقيموا الصلوة یعنی نماز تعدیل ارکان، سنن و آداب کی رعایت کے ساتھ پڑھو لہذا یہاں حدیث میں

الفاظ اقامۃ الصلوۃ سے اسی آیت کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ صفوں کو برابر کرنا بھی اقامۃ الصلوۃ کے حکم میں داخل ہے۔

صف برابر رکھنے سے قلوب میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے

(۴) وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مَنَاكِبَ فِي الصَّلَاةِ وَيَقُولُ اسْتَوُوا وَلَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ لِيَلْبِسَ مِنْكُمْ أَوْلُو الْأَحْلَامِ وَالتَّهْيِ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ فَأَنْشَدُ الْيَوْمَ أَشَدُّ اخْتِلَافًا - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (جب نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو) ہمارے مونڈھوں پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرماتے تھے کہ ”برابر برابر ہو مختلف (یعنی آگے پیچھے کھڑے) نہ ہو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور تم میں سے جو لوگ عاقل و بالغ ہوں وہ میرے قریب رہیں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں اور پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں۔“ حضرت ابو مسعودؓ نے (لوگوں کے سامنے یہ حدیث بیان کر کے) فرمایا کہ آج تم لوگوں میں اختلاف بہت زیادہ ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”مختلف نہ ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ جب صف بندی کر کے نماز کے لئے کھڑے ہو تو اس بات کا بطور خاص خیال رکھو کہ سب کے بدن برابر رہیں ایک دوسرے سے آگے پیچھے ہو کر کھڑے نہ ہو اور اپنے بدن کا کوئی عضو صف سے باہر نہ نکالو اور اگر تم لوگ صف میں اپنے بدن کے ظاہری اعضاء کو غیر برابر اور ناہموار رکھو گے تو اس کا اثر باطنی طور پر یہ ہو گا کہ تمہارے قلوب میں اختلاف پیدا ہو جائے گا کیونکہ بدن کے ظاہری اعضاء اور قلب کے درمیان بڑا لطیف تعلق ہے اور ایک دوسرے کی تاثیر بڑی عجیب ہے اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جیسے ظاہری اعضاء کی ٹھنڈک باطنی اعضاء پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور باطنی اعضاء کی ٹھنڈک ظاہری اعضاء کو متاثر کرتی ہے اسی طرح صف میں ظاہری بدن کو غیر برابر رکھنا قلوب پر اثر انداز ہوتا ہے جس کا خاصہ ہے کہ دلوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

صف کی ترتیب

حدیث کے دوسرے جزو میں صف کی ترتیب یہ بتائی گئی ہے کہ میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو صاحب عقل فہم اور بالغ ہوں، یعنی پہلی صف میں ان لوگوں کو کھڑا ہونا چاہئے جو بالغ اور عقل و فہم کے مالک ہوں تاکہ وہ نماز کی کیفیت اور اس کے احکام دیکھیں اور یاد کریں اور پھر امت کے دوسرے لوگوں کو ان کی تعلیم دیں، پھر دوسری صف میں وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں یعنی مراہق (جو بالغ ہونے کے قریب ہوں) اور لڑکے، اور پھر تیسری صف میں وہ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں یعنی غنث (جن میں مرد و عورت و دونوں کی علامتیں پائی جائیں) پھر ان سب کے بعد آخر میں عورتوں کی صف قائم کی جائے یہاں حدیث میں عورتوں کی صف کے بارے میں ذکر نہیں کیا گیا ہے کیونکہ یہ متعین ہے آخر میں عورتوں ہی کی صف ہوتی ہے۔

آخر میں حضرت ابو مسعودؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ”آج تمہارے اندر افتراق و انتشار پیدا ہو گیا ہے اور آپس میں تم لوگ جو اختلاف کرتے ہو نیز فتنوں کی جو بھربھار ہو رہی ہے ان سب کی وجہ یہی ہے کہ تم لوگ اگر ان فتنوں اور اختلاف سے بچنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے ظاہری اختلاف کو ختم کر ڈالو یعنی صفوں کو برابر رکھو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے باطنی اختلاف کو بھی ختم کر دے گا۔

مساجد میں شور و غل نہ مچانا چاہئے

(۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَلْبِسَ مِنْكُمْ أَوْلُو الْأَحْلَامِ وَالتَّهْيِ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثَلَاثًا وَإِنَّا كُمْ وَهَيْشَاتِ الْأَسْوَاقِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے جو لوگ صاحب عقل اور بالغ ہوں وہ (نماز میں) میرے

قریب کھڑے ہوں پھر وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں۔“ یہ الفاظ آپ ﷺ نے تین بار فرمائے اور تم (مساجد میں) بازاروں کی طرح شور و غل مچانے سے بچو۔“ (مسلم)

تشریح: پہلی حدیث میں عورتوں کی صف کا ذکر نہ پیش نظر تھا اس لئے وہاں ثم الذین یلونہم کے الفاظ دو مرتبہ ذکر فرمائے گئے اور یہاں چونکہ عورتوں کی صف کا ذکر بھی پیش نظر تھا اس لئے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے گئے اس طرح صف کے چار درجے ہو گئے، یعنی پہلی صف میں بالغ اور صاحب عقل و فہم لوگ کھڑے ہوں اس کے بعد کی صفوں میں مراہق اور لڑکے کھڑے ہوں۔ اس کے بعد صفوں میں مخت کھڑے ہوں اور پھر آخر میں عورتوں کی صف قائم کی جائے۔

⑥ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَصْحَابِهِ تَأَخُّرًا فَقَالَ لَهُمْ تَقَدَّمُوا وَانْتَمُوا إِلَيْنَا تَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُونَ حَتَّى يُؤَخَّرَهُمُ اللَّهُ۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (جب) دیکھا کہ صحابہ (پہلی صف میں آنے میں) تاخیر کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”آگے بڑھو اور میری اقتداء کرو تاکہ وہ لوگ جو تمہارے پیچھے کھڑے ہوں تمہاری اقتداء کریں (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) ایک جماعت ہمیشہ (پہلی صف میں کھڑے ہونے میں) تاخیر کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بھی (اپنی فضل اور رحمت میں) انہیں پیچھے ڈال دے گا۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جب صحابہ کو دیکھا کہ وہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کی کوشش نہیں کرتے تو ان سے فرمایا کہ آگے بڑھو اور پہلی صف میں کھڑے ہو کر میری اقتداء کرو یعنی میرے پیچھے مجھ سے قریب ہو کر کھڑے رہو تاکہ میرے افعال دیکھتے رہو اسی طرح جو لوگ تم سے پیچھے کھڑے ہوں وہ تمہاری متابعت کریں کیونکہ پچھلی صف کے لوگ اگلی صف کے لوگوں کی متابعت بائیں طور کرتے ہیں کہ نماز کے جو افعال اگلی صف والے کرتے ہیں وہی افعال پچھلی صف والے کرتے رہتے ہیں لہذا یہ متابعت اور اقتداء ظاہر کے اعتبار سے ہے ورنہ تو حقیقت میں سب نمازی امام ہی کے تابع ہوتے ہیں۔

صفیں پوری اور برابر رکھنی چاہئیں

⑦ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَانَا حَلَفًا فَقَالَ مَا لِي أَرَاكُمْ عِزِينَ ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا قَالَ يُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْأُولَى وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے اور ہمیں مختلف حلقوں میں بیٹھے دیکھ کر فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی صورت میں (بیٹھے ہوئے) دیکھ رہا ہوں (یعنی اس طرح الگ الگ جماعت کر کے نہ بیٹھا کرو کیونکہ یہ نا اتفاقی اور انتشار کی علامت ہے) پھر اسی طرح (ایک روز) آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے اور فرمایا کہ تم لوگ (نماز میں) اس طرح صف کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے خدا کے حضور میں (بندگی کے لئے کھڑے ہونے کے واسطے) صف باندھتے ہیں۔“ ہم نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ فرشتے اپنے پروردگار کے حضور میں کس طرح صف باندھتے ہیں؟“ فرمایا ”پہلی صفوں کو پوری کرتے ہیں اور صف میں بالکل برابر برابر کھڑے ہوتے ہیں۔“ (مسلم)

مرد اور عورت کی بہترین صف کون سی ہے؟

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ صُفُوفٍ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَيْرُ

صُفُوفِ النِّسَاءِ أَخْبَرَهَا وَشَرَّهَا أَوْلَهَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور بدترین صف پچھلی صف ہے عورتوں کی بہترین صف پچھلی صف ہے اور بدترین صف پہلی صف ہے۔“ (مسلم)

تشریح: بہترین سے مراد ثواب کی زیادتی ہے یعنی پہلی صف والے دوسری صف والوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ثواب کے حق دار ہوتے ہیں۔

مردوں کے لئے بہترین صف پہلی صف کو اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ اس صورت میں وہ امام سے قریب ہوتے ہیں اور عورتوں سے دور اور پچھلی صف بدترین اس لئے ہوتی ہے کہ اس شکل میں امام سے دوری ہو جاتی ہے اور عورتوں سے نزدیکی۔ اس طرح عورتوں کے لئے پہلی صف اس لئے بدترین ہے کہ وہ پہلی صف میں کھڑی ہونے سے مردوں سے نزدیک ہو جاتی ہیں پچھلی صف ان کے لئے اس وجہ سے بہترین ہے کہ اس صورت میں وہ مردوں سے دور رہتی ہیں۔

بہر حال حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو تو پہلی صف میں کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہئے اور عورتوں کو آخری صف میں شامل ہونے کی سعی کرنی چاہئے۔

الفصل الثانی

صفوں میں خلاء رکھنا چاہئے

⑨ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَضُوا صُفُوفَكُمْ وَقَارِبُوا بَيْنَهَا وَحَادُوا بِأَلْعُنَاقِ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَا رَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا الْحَذَفُ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اپنی صفیں مل کر رکھو (یعنی آپس میں خوب مل کر کھڑے ہو) اور صفوں کے درمیان قرب رکھو (یعنی آپس میں خوب مل کر کھڑے ہو) اور صفوں کے درمیان قرب رکھو (یعنی دو صفوں کے درمیان اس قدر فاصلہ نہ ہو کہ ایک صف اور کھڑی ہو سکے) نیز اپنی گردنیں برابر رکھو (یعنی صف میں تم میں سے کوئی بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو بلکہ ہموار جگہ پر کھڑا ہوتا کہ سب کی گردنیں برابر رہیں) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں شیطان کو بکری کے کالے بچہ کی طرح تمہاری صفوں کی کشادگی میں گھستے دیکھتا ہوں۔“ (ابو داؤد)

صفیں پوری کرو

⑩ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمُ ثُمَّ الَّذِي يَلِيهِ فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْيَكُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”پہلی صف کو پوری کرو پھر جس کے قریب (یعنی اس کے بعد) ہوا سے پوری کرو اور صف میں جو کمی رہے تو وہ سب سے پچھلی صف میں ہونی چاہئے۔“ (ابو داؤد)

پہلی صفوں کی فضیلت

⑪ وَعَنْ التَّوَّابِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الَّذِينَ يَلُونِ الصُّفُوفِ الْأُولَى وَمَا مِنْ خُطْوَةٍ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ مِنْ خُطْوَةٍ يَمْشِيهَا يَصِلُ بِهَا صَفًّا۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت براء ابن عازبؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جو لوگ پہلی صفوں کے قریب ہوتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدم سے زیادہ محبوب کوئی قدم نہیں ہے جو چل کر صف میں ملے (یعنی اگر صف میں جگہ خالی رہ گئی ہو تو وہاں جا کر کھڑا ہو جائے)۔“ (ابوداؤد)

تشریح: چونکہ دوسری صف کو بھی ان صفوں پر جو اس کے بعد ہوتی ہیں فضیلت حاصل ہے اس لئے جب آنحضرت ﷺ نے پہلی صف کی بہت زیادہ فضیلت بیان فرمائی تو ”پہلی صفوں“ کے اور دوسری صف کی فضیلت کی طرف بھی اشارہ فرمایا۔

صف میں دائیں طرف کھڑا ہونا افضل ہے

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى مِثَامِنِ الصَّفْوَفِ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”صفوں کے دائیں طرف والے لوگوں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ صف میں امام کے دائیں طرف کھڑا ہونا خواہ امام سے دور ہی کیوں نہ ہو بائیں طرف کھڑے ہونے سے خواہ امام سے کتنا ہی نزدیک کیوں نہ ہو افضل ہے ہاں اگر صف میں بائیں طرف جگہ خالی ہو تو پھر صف کی دونوں جانب کو برابر کرنے کے پیش نظر بائیں طرف ہی کھڑا ہونا افضل ہوگا۔

آنحضرت ﷺ صفوں کو برابر کرنے کے بعد نماز شروع کرتے تھے

(۱۳) وَعَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صَفُوفَنَا إِذَا أُقِيمَتِ إِلَى الصَّلَاةِ فَإِذَا اسْتَوَيْنَا كَبَّرَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ثعمان ابن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ ”جب ہم لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو (پہلے) نبی کریم ﷺ ہماری صفوں کو (زبان یا ہاتھ سے) برابر فرماتے چنانچہ جب صفیں برابر ہو جاتیں تو آپ تکبیر تحریمہ کہتے۔“ (ابوداؤد)

(۱۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَنْ يَمِينِهِ اعْتَدِلُوا اسْتَوُوا صَفُوفَكُمْ وَعَنْ يَسَارِهِ اعْتَدِلُوا اسْتَوُوا صَفُوفَكُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (جب نماز شروع کرتے تو پہلے) اپنے دائیں طرف (متوجہ ہو کر) فرمایا کرتے تھے ”سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اپنی صفیں برابر کر لو“ پھر بائیں طرف (بھی متوجہ ہو کر یہی) فرماتے تھے کہ ”سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اپنی صفیں برابر کر لو۔“ (ابوداؤد)

نماز میں نرم مونڈھے والے بہتر ہیں

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيَاؤُكُمْ أَلْيَنُكُمْ مَتَاكِبُ فِي الصَّلَاةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جن کے مونڈھے نماز میں بہت نرم رہیں۔“

(ابوداؤد)

تشریح: نماز نرم مونڈھے کو توضیح و تشریح میں علماء نے بہت کچھ لکھا ہے اس کے کئی معنی ہیں چنانچہ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ”اگر کوئی

شخص جماعت میں اس طرح کھڑا ہو کہ صف برابر نہ ہوئی ہو اور پیچھے سے آکر کوئی شخص اس کا مونڈھا پکڑ کر اسے سیدھا کھڑا ہو جانے کے لئے کہے تو وہ ضد و ہٹ دھرمی اور تکبر نہ کرے بلکہ اس شخص کا کہنا مان لے اور سیدھا کھڑا ہو کر صف برابر کر لے۔
دوسرے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص صف میں آکر کھڑا ہونا چاہے اور جبکہ صف میں جگہ بھی ہو تو اسے منع نہ کرے صف میں کھڑا ہو جانے دے، اس کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ ”مونڈھوں کو نرم رکھنا“ نماز میں خشوع و خضوع اور سکون و وقار کے لئے کنایہ ہے۔ یعنی نماز میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو نہایت خاطر جمعی، حضوری قلب اور اطمینان و وقار کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔

الفصل الثالث

(۱۶) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اسْتَوْوُا اسْتَوْوُا اسْتَوْوُا اسْتَوْوُوا فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِي كَمَا أَرَاكُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ۔ (رواہ البورادور)

”حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ تم (نماز میں) برابر کھڑے ہوا کرو، برابر کھڑے ہوا کرو برابر کھڑے ہوا کرو اور قسم ہے اس ذات کی جس قبضہ میں میری جان ہے میں جس طرح اپنے سامنے سے تمہیں دیکھتا ہوں اسی طرح (مشاہدہ اور مکاشفہ کے ذریعہ) اپنے پیچھے سے بھی تمہیں دیکھتا ہوں۔“ (البورادور)

پہلی صف کے مقابلہ میں دوسری صف کی فضیلت کم ہے

(۱۷) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعَلَى الثَّانِي قَالَ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعَلَى الثَّانِي قَالَ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعَلَى الثَّانِي قَالَ وَعَلَى الثَّانِي وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوا صُفُوفَكُمْ وَحَاذُوا بَيْنَ مَنَاكِبِكُمْ وَلِيَتَوَفَّى أَيْدِي إِخْوَانِكُمْ وَسَدُّوا الْخَلَلَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَخْلُ فِي مَا بَيْنَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْحَذَفِ يَعْنِي أَوْلَادَ الصَّانِ الصَّغَارِ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف (والوں) پر رحمت بھیجتے ہیں“ (یہ سن کر صحابہؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! دوسری صف (والوں) پھر بھی (یعنی اس طرح فرمائیے کہ پہلی اور دوسری صف پر رحمت بھیجتے ہیں مگر آنحضرت ﷺ نے (اس مرتبہ بھی دوسری صف کا ذکر نہیں کیا بلکہ) فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اور دوسری صف پر بھی فرمائیے آنحضرت ﷺ نے (پھر یہی) فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں۔“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اور دوسری صف پر بھی فرمائیے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا اور دوسری صف پر بھی (اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں) پھر آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ”اپنی صفوں کو برابر کرو، اپنے مونڈھوں کو ہموار رکھو (یعنی ایک سطح اور ہموار جگہ پر کھڑے ہو اور اونچا نیچا ہو کر مت کھڑے ہو) اور اپنے بھائیوں کے ہاتھ کے آگے نرم رہو۔ (یعنی اگر کوئی شخص مونڈھے پر ہاتھ رکھ کر تمہیں صف میں برابر کرے تو اس سے انکار نہ کرو بلکہ برابر ہو جاؤ، نیز صفوں میں غلامیہ نہ کرو کیونکہ شیطان خذف یعنی بھیر کا چھوٹا بچہ بن کر تمہارے درمیان گھس جاتا ہے۔“ (احمد)

تشریح: صحابہؓ کے قول و علی الثانی میں جو عطف ہے اسے عطف تلتیق کہتے ہیں یعنی صحابہؓ کا مطلب یہ تھا کہ پہلی صف کی فضیلت تو آپ ﷺ نے بیان فرمادی دوسری صف کی فضیلت بھی بیان فرمادی تھی کہ دوسری صف پر بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تیسری مرتبہ دوسری صف کو بھی پہلی صف کی صفت مذکورہ میں شامل فرمادیا جس سے معلوم ہو کہ فضیلت

کے اعتبار سے دوسری صف کا درجہ پہلی صف سے کم تر ہے۔

(۱۸) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبِمُوا الصُّفُوفَ وَحَادُوا بَيْنَ الْمَنَاجِبِ وَسَدُّوا الْخَلَلَ وَلْيَتَوَبَّأَيْدِي إِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذَرُوا فُرُجَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ وَصَلَ صَفًا وَصَلَهُ اللَّهُ وَمَنْ قَطَعَهُ قَطَعَهُ اللَّهُ۔ (رواهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مِنْهُ قَوْلُهُ مَنْ وَصَلَ صَفًا إِلَى آخِرِهِ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”صفوں کو سیدھی کرو، اپنے مونڈھوں کے درمیان ہمواری رکھو صفوں کے خلاء کو پر کرو، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو (یعنی اگر کوئی شخص تمہیں ہاتھوں سے پکڑ کر صف میں برابر کرے تو اس کو کہنا مانو) اور صفوں میں شیطان کے لئے فحاشی نہ چھوڑو اور (فرمایا) جس شخص نے صف کو ملایا (یعنی صف میں خالی جگہ پر جا کھڑا ہو گیا) تو اللہ تعالیٰ اسے (اپنے فضل اور اپنی رحمت سے) ملادے گا اور (یاد رکھو) جو شخص صف کو توڑے گا تو اللہ تعالیٰ اسے توڑ ڈالے گا (یعنی مقام قرب سے دور پھینک دے گا)۔“ (ابوداؤد) نسائی نے اس حدیث کو من وصل صفا سے آخر تک نقل کیا ہے (یعنی نسائی کی روایت میں من وصل صفا سے پہلے عبارت نہیں ہے)

امام کو بیچ میں کھڑا ہونا چاہیے

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَسَّطُوا الْإِمَامَ وَسَدُّوا الْخَلَلَ۔ (رواهُ أَبُو دَاوُدَ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”امام کو بیچ میں رکھو (یعنی صف بندی اس طرح کرو کہ امام دائیں اور بائیں آدمی برابر ہوں) اور (صف کے خلاء کو بند کرو۔“ (ابوداؤد)

پہلی صف میں شمولیت نہ کرنے پر وعید

(۲۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُونَ عَنِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ حَتَّى يُوَخَّزَهُمُ اللَّهُ فِي النَّارِ۔ (رواهُ أَبُو دَاوُدَ)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”کچھ لوگ ہمیشہ پہلی صف سے پیچھے ہٹتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ میں پیچھے رہنے والا کرے گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حبی یوحنا اللہ فی النار کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ ”(جو لوگ پہلی صف میں شامل ہونے کی کوشش نہیں کریں گے اور برابر پیچھے کی صفوں میں شامل ہوتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں آخر الامر دوزخ میں داخل کرے گا یا دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ میں پیچھے رہنے والا کرے گا۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ پہلی صف میں شامل ہونے کی کوشش کرتے مگر انہوں نے چونکہ اپنی تساہلی اور کاہلی کی بناء پر ہمیشہ پیچلی صفوں میں کھڑا کر اپنے آپ کو اس ثواب سے محروم رکھا اس لئے اس کے بدلہ میں وہ یہ سزا پائیں گے۔

صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہونے والے کا حکم

(۲۱) وَعَنْ وَابِصَةَ ابْنِ مَعْبُدٍ قَالَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَصَلِّي خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

”اور حضرت وابصہ ابن معبدؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا

تھا چنانچہ آپ ﷺ نے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ ”(ابوداؤد ترمذی)“ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔
 تشریح: چونکہ پہلی صف میں جگہ خالی تھی اس کے باوجود وہ شخص صف کے پیچھے تنہا کھڑا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسے بطور
 استحباب دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔
 اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا یعنی پچھلی صف میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا نمازی
 نہیں ہوگا۔ تو امام احمدؒ کے مسلک کے مطابق اس کی نماز نہیں ہوگی۔ مگر حضرت امام اعظمؒ، حضرت امام شافعیؒ، اور حضرت امام مالکؒ ان
 تینوں ائمہ کے نزدیک صف کے پیچھے تنہا پڑھنے والے کی نماز ہو جاتی ہے۔ تاہم ان حضرات کا قول بھی یہ ہے کہ صف کے پیچھے تنہا نماز
 نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

بَابُ الْمَوْقِفِ امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ کا بیان الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَثُّ فِي نَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَقُمْتُ
 عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِيَدِي مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهِ فَقَالَ لَنِي كَذَلِكَ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهِ إِلَى الشَّقِ الْأَيْمَنِ - (متن علیہ)
 ”حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے یہاں رات گزاری چنانچہ (جب)
 نبی کریم ﷺ (تہجد نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آپ ﷺ کے بائیں طرف جا کر کھڑے ہو گیا آنحضرت ﷺ نے اپنے پیچھے سے
 میرا ہاتھ پکڑ کر اس طرح پھیرا کہ) مجھے اپنے پیچھے کی جانب سے لاکر دائیں طرف کھڑا کر لیا۔“ (بخاری و مسلم)
 تشریح: شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے کئی مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔
 ① نفل نماز جماعت سے پڑھنا جائز ہے۔ ② اگر جماعت صرف دو آدمیوں کی ہو یعنی ایک امام ہو اور ایک مقتدی۔ تو مقتدی کو امام
 کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے۔ ③ نماز میں تھوڑا سا عمل جائز ہے۔ ④ مقتدی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ امام سے آگے ہو کیونکہ
 آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کو آگے کی جانب سے پھیرنے کی بجائے اپنے پیچھے سے پھیر کر دائیں طرف لاکھڑا کیا۔ ⑤ ایسے
 شخص کے پیچھے اقتداء جائز ہے جس نے شروع سے امام کی نیت نہ کر رکھی ہو۔
 ہدایہ میں لکھا ہے کہ ”صورت مذکورہ میں اگر تنہا مقتدی امام کے پیچھے یا دائیں طرف نماز پڑھے تو جائز ہے لیکن مناسب نہیں ہے۔“

تین آدمیوں کی جماعت

② وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ فَجَنُتُ حَتَّى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِيَدِي
 فَأَذَانِي حَتَّى أَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ بِيَدِنَا
 جَمِيعًا فَدَفَعَنَا حَتَّى أَقَامَنَا خَلْفَهُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آکر آپ ﷺ کے بائیں طرف کھڑا ہو
 گیا آنحضرت ﷺ نے (اپنے پیچھے سے) میرا (دایہا) ہاتھ پکڑا اور (اپنے پیچھے کی جانب سے مجھے لاکر) اپنے دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ پھر

جبار بن صخر آئے اور آنحضرت ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے آنحضرت ﷺ نے ہمارے دونوں کے ہاتھ اکٹھا پکڑے (یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے ایک گایاں ہاتھ پکڑا اور اپنے بائیں ہاتھ سے دوسرے کا دایاں ہاتھ پکڑا) اور ہمیں (اپنی اپنی جگہ سے) ہٹا کر اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقتدی ایک تودہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہو جائے اور اگر ایک سے زیادہ مقتدی ہوں تو پھر سب امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔
قاضیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھوں کو ایک مرتبہ یا بغیر وقفہ سے دو مرتبہ حرکت میں لانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

مقتدی مرد و عورت کس طرح کھڑے ہوں

(۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ أَنَا وَبَيْنِي خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے مکان میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز (جماعت سے) پڑھی اور ام سلمہؓ ہمارے پیچھے تھیں۔“ (مسلم)

تشریح: ام سلمہؓ حضرت انسؓ کی والدہ محترمہ کا نام تھا اور یتیم ان کے بھائی کا نام تھا۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یتیم ہی ان کا نام تھا لیکن کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ ان کا نام ضمیمہ تھا۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر امام کے پیچھے مرد و عورت دونوں مقتدی کی حیثیت سے نماز میں شامل ہوں تو مردوں کو اپنی صف آگے قائم کرنی چاہئے۔ اور عورتوں کی صف پیچھے رکھنی چاہئے۔

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِ وَبِأَمِّهِ أَوْ خَالَتِهِ قَالَ فَأَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ وَأَقَامَ الْمَرْأَةُ خَلْفَنَا۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے ان کے (یعنی حضرت انسؓ کے) اور ان کی والدہ (ام سلمہؓ) یا ان کی خالہ کے ہمراہ نماز پڑھی حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (اس موقع پر) آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اپنے دائیں طرف اور عورت (یعنی ان کی والدہ یا خالہ) کو اپنے پیچھے کھڑا کیا۔“ (مسلم)

(۵) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ ثُمَّ مَشَى إِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللَّهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ (ایک مرتبہ نماز میں شامل ہونے کے لئے) آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت پہنچے جب کہ آپ ﷺ رکوع میں تھے وہ (اس بات کے پیش نظر کہ رکوع ہاتھ سے چلائے جائے نیت اور تکبیر تحریمہ کے بعد) صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے پھر آہستہ آہستہ چل کر صف میں شامل ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ (اطاعت اور نیک کام کے بارہ میں) تمہاری حرص اور زیادہ کرے۔ لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا۔“ (بخاری)

تشریح: جس وقت حضرت ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور آپ ﷺ رکوع میں جا چکے تھے یہ بجائے اس کے کہ صف میں شامل ہو کر نیت اور تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع میں جاتے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی نیت اور تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع میں چلے گئے اور پھر وہاں سے دو قدموں کے برابر یا دو قدموں سے بھی زیادہ مگر غیر متوالیہ یعنی قدم پے در پے رکھتے

ہوئے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر قدم رکھتے ہوئے چلے اور صف میں شامل ہو گئے چنانچہ دو ایک قدم چلنے سے نماز کا اعادہ لازم نہیں آتا لیکن اولیٰ یہی ہے کہ اس سے بھی احتراز کیا جائے۔

حدیث کے آخری لفظ ”لا تعد“ کئی طرح منقول ہے ① ایک تو اسی طرح جیسا کہ یہاں حدیث میں نقل کیا گیا ہے کہ یعنی تاکہ زبر اور عین کے پیش کے ساتھ جو عود سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں آئندہ ایسا نہ کرنا۔ ② دوسرے عین کے سکون اور دال کے پیش کے ساتھ لا تعد جو عود و دوڑنا سے ماخوذ ہے۔ اس طرح اس لفظ کا مطلب یہ ہو گا کہ آئندہ نماز کے لئے چلنے میں اس طرح جلد نہ کرنا بلکہ صبر و سکون اور اطمینان و وقار کے ساتھ چلو۔ یہاں تک کہ صف میں شامل ہو جاؤ پھر اس کے بعد نماز شروع کرو ③ تیسرے تاکہ پیش اور عین کے زبر کے ساتھ یعنی لا تعد جو اعادہ (لوٹنا) سے ماخوذ ہے۔ اس شکل میں حدیث کے معنی یہ ہوں گے ”جو نماز تم پڑھ چکے ہو اسے لوٹاؤ نہیں۔“

بہر حال: ان سب میں پہلا قول یعنی لا تعد (آئندہ نہ کرنا) ہی عقل و نقل کی روشنی میں سب سے زیادہ صحیح اور اولیٰ ہے یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونا نماز کو باطل نہیں کرتا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے نماز لوٹانے کے لئے نہیں فرمایا۔ ہاں کراہت بلاشبہ ہے۔

الفصل الثانی

تین آدمیوں کی جماعت ہو تو ان میں سے ایک امام بن جائے

① عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنَّا ثَلَاثَةً أَنْ يَتَقَدَّمَ مِنَّا أَحَدُنَا۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت سمرۃ ابن جندبؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ جب ہم تین آدمی (نماز پڑھنے والے) ہوں تو ہم میں سے ایک آدمی (جو ہم میں بہتر ہو) ہمارے آگے ہو جائے (یعنی ہمارا امام بن جائے)۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے تو تین آدمیوں کی جماعت کے بارہ میں معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک آدمی جو امامت کا مستحق ہو۔ آگے ہو جائے اور امامت کا فریضہ انجام دے۔ یہی حکم دو آدمیوں کی جماعت کا بھی ہے کہ ایک آدمی امام بن جائے اور دوسرا مقتدی، مگر دو آدمیوں کی جماعت کی صورت میں امام آگے نہیں ہو گا بلکہ دونوں برابر برابر کھڑے ہوں گے یعنی امام بائیں جانب رہے اور مقتدی دائیں طرف۔

امام کے لئے تنہا جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ ہے

② وَعَنْ عَمَّارٍ أَنَّهُ أَمَّ النَّاسَ بِالْمَدَائِنِ وَقَامَ عَلَيْهِ دُكَّانٌ يُصَلِّي وَالنَّاسُ اسْفَلَ مِنْهُ فَتَقَدَّمَ حُذَيْفَةُ فَلَمَّا فَزَعَ عَمَّارٌ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ أَلَمْ تَسْمَعْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَمَّ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَلَا يَقُمْ فِي مَقَامٍ أَرْفَعَ مِنْ مَقَامِهِمْ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِدَلِيلِكَ أَتَبْعُكَ حِينَ أَخَذْتَ عَلَى يَدِي۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عمارؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے (ایک روز) مدائن میں (جو کوفہ کے نزدیک ایک شہر ہے) لوگوں کی امامت کی چنانچہ وہ نماز پڑھنے کے لئے ایک چبوترہ پر کھڑے ہوئے۔ مقتدی ان سے نیچے کھڑے تھے (یہ دیکھ کر) حضرت حذیفہؓ ”صف سے نکل کر“ آگے بڑھے اور عمار کے دونوں ہاتھ پکڑے (اور انہیں نیچے کی طرف کھینچا تاکہ وہ چبوترہ سے اتر کر مقتدوں کے برابر کھڑے ہوں) حضرت عمارؓ نے حضرت حذیفہؓ سے کوئی تعارض نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت حذیفہؓ نے انہیں (چبوترہ سے) نیچے اتار لیا۔ حضرت عمارؓ جب نماز پڑھ کر فارغ ہو چکے تو حضرت حذیفہؓ نے ان سے کہا کہ ”کیا آپ نے یہ نہیں سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی جماعت کا امام بنے تو وہ اس جگہ پر نہ کھڑا ہو جو مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ سے بلند ہو۔“ یا اس کے مانند الفاظ فرمائے حضرت عمارؓ نے جواب

دیا کہ ”اسی لئے توجہ آپ نے میرے ہاتھ پکڑے تو میں نے آپ کا اتباع کیا۔ (اور کوئی تعارض نہیں کیا یعنی آپ کا کہنا مان کر نیچے اتر آیا۔“

(البوراد)

تشریح: صورت مذکورہ میں مسئلہ یہ ہے کہ امام تنہا بلند مقام پر اس طرح کھڑا ہو کہ کچھ مقتدی تو اس کے ساتھ اسی بلند جگہ پر ہوں اور کچھ نیچے ہوں تو یہ مکروہ نہیں ہے البتہ اگر امام تنہا بلند مقام پر کھڑا ہو اور تمام مقتدی نیچے ہوں تو یہ مکروہ ہو گا چنانچہ حضرت عمارؓ اس طرح کھڑے ہوئے کہ وہ تنہا بلند جگہ پر تھے ان کے ساتھ کچھ مقتدی نہیں تھے اور اس لئے حضرت حذیفہؓ نے انہیں نیچے اتار کر کھڑا کیا۔

اگر امام نیچے اور مقتدی بلند جگہ پر ہوں تو کیا حکم ہے

صورت تو یہ ہے کہ امام بلند جگہ پر ہو اور مقتدی نیچے ہو، اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی امام تو نیچے کھڑا ہو اور مقتدی بلند مقام پر ہوں تو مسئلہ میں مشائخ کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ اس طرح اہل کتاب (یعنی غیر مسلموں) کے ساتھ مشابہت نہیں ہوتی کیونکہ ان کے یہاں امام کو بطور خاص بلند جگہ پر کھڑا کیا جاتا تھا لہذا امام کو تنہا بلند جگہ پر کھڑا ہونا تو ان کی مشابہت کے پیش نظر مکروہ ہو سکتا ہے لیکن امام کا نیچے جگہ پر اور مقتدیوں کا اونچی جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہو سکتا ہے۔

لیکن جب تک ظاہری روایات اور عقلی تقاضہ کا تعلق ہے تو یہ بھی مکروہ ہے کیونکہ اس طرح امام کی حقارت لازم آتی ہے اور اس کی عظمت پر حرف آتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس بلندی پر امام کو تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے اس کی حد کیا ہے؟ یعنی وہ کتنی بلند جگہ ہو کہ اس پر امام تنہا کھڑا نہ ہو؟ چنانچہ اس سلسلہ میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ بقدر قد آدمی بلندی پر امام کے لئے تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے لیکن دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ بلندی کی حد ایک ہاتھ ہے یعنی اگر ایک ہاتھ اونچی جگہ پر بھی امام کھڑا ہو گا تو یہ مکروہ ہو گا اور اسی قول پر فتویٰ ہے یہ تو مسئلہ کی وضاحت تھی اب حدیث کی طرف آئیے!

حدیث کے الفاظ وقام علی دکان یصلی سے ظاہری طور پر یہ کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ جس وقت حضرت حذیفہؓ نے حضرت عمارؓ کو ٹوکا اور انہیں نیچے اتارا اس وقت حضرت عمارؓ حقیقۃً نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے تھے یعنی نیت باندھ چکے تھے یا انہوں نے صرف نماز پڑھنے کا ارادہ ہی کیا تھا اور کھڑے ہی ہو رہے تھے کہ حضرت حذیفہؓ نے انہیں نیچے اتارا؟ ظاہری طور پر یہی ہے کہ حضرت عمارؓ نے اس وقت تک نیت نہیں باندھی تھی بلکہ نماز کے لئے کھڑے ہوئی رہے تھے اور نیت باندھنے والے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا۔

اَوْ نَحْوَ ذَٰلِكَ حضرت حذیفہؓ نے آنحضرت ﷺ کی حدیث جب بیان فرمائی تو آخر میں یہ الفاظ فرمائے کیونکہ انہیں حدیث کے الفاظ بعینہ یاد نہیں رہے تھے۔ لہذا انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے یا تو بعینہ یہی الفاظ فرمائے تھے یا اس کے مانند دوسرے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمارؓ کو یہ مسئلہ معلوم تھا اور وہ آنحضرت ﷺ سے یہ سن چکے تھے کہ امام کو تنہا بلند جگہ پر نہ کھڑا ہونا چاہئے، لہذا یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب حضرت عمارؓ ارشاد نبوت پر مطلع تھے اور انہیں یہ مسئلہ معلوم تھا تو انہوں نے اس کے خلاف کیوں کیا؟

اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ حضرت عمارؓ کو یہ مسئلہ معلوم تھا اور وہ آنحضرت ﷺ سے اس کی ممانعت سن بھی چکے تھے مگر اس وقت ان کے ذہن میں نہ یہ حدیث رہی اور نہ انہیں یہ مسئلہ یاد آیا۔ ہاں جب حضرت حذیفہؓ نے تعارض کیا اور انہیں نیچے اتارا تو یہ

مسئلہ ان کو یاد آیا اور ایک صادق سچے فرمانبردار ہونے کے ناطے انہوں نے فوراً اس پر عمل کیا۔

تعلیم کے پیش نظر امام تنہا اونچی جگہ کھڑا ہو سکتا ہے

⑧ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ مِنْ أَبِي شَيْبَةَ الْمِنْبَرِيِّ فَقَالَ هُوَ مِنْ أَثَلِ الْعَابَةِ عَمِلَهُ فَلَانٌ مَوْلَى فَلَانَةٍ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ عَمِلَ وَوَضَعَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَكَثَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهُ فَقَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى فَسَجَدَ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ عَادَ إِلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى حَتَّى سَجَدَ بِالْأَرْضِ هَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ نَحْوُهُ وَقَالَ فِي أَخْبَرِهِ فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا صَنَعْتُ هَذَا لِنَا تَمْوَابِي وَلِتَعْلَمُوا صَلَاتِي۔

”اور حضرت سہل ابن سعد ساعدیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے (ایک روز) پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ کا منبر کس چیز (یعنی کس لکڑی) کا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ ”وہ جنگلی جھاڑ کی لکڑی کا تھا۔ جسے فلاں شخص نے جو فلاں عورت کا آزاد کردہ غلام تھا۔ آنحضرت ﷺ کے لئے بنایا تھا۔ چنانچہ جب وہ تیار ہو گیا اور (مسجد میں) رکھا گیا تو آنحضرت ﷺ (اس پر کھڑے ہوئے اور) قبلہ رو ہو کر (نماز کے لئے) تکبیر تحریمہ کی اور سب لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے آنحضرت ﷺ نے ”منبر پر قرائت فرمائی اور رکوع کیا، اور دوسرے لوگوں نے بھی آنحضرت ﷺ کے پیچھے رکوع کیا، پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے سر مبارک رکوع سے اٹھایا اور پچھلے پاؤں ہٹ کر (یعنی منبر سے اتر کر) زمین پر سجدہ کیا۔“ یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور بخاری و مسلم کی متفقہ روایت بھی اسی طرح ہے اس حدیث کے راوی نے حدیث کے آخر میں یہ (بھی) کہا ہے کہ ”(جب نماز سے) آنحضرت ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ”یہ میں نے اس لئے کیا ہے تاکہ تم لوگ میری پیروی کرو اور میری نماز کی کیفیات اور اس کے احکام و مسائل سیکھ لو۔“

تشریح: مدینہ منورہ سے نوکوس کے فاصلہ پر ایک جنگل ہے وہاں درخت بہت کثرت سے تھے وہیں کے جھاڑ کی لکڑی سے آنحضرت ﷺ کے لئے منبر بنایا گیا تھا۔

فلاں شخص سے مراد ”یا قوم روی“ ہیں اور ”فلاں عورت سے عائشہ انصاریہ“ کی ذات مراد ہے۔ مولانا مظہر نے لکھا ہے کہ ”اس منبر پر چڑھنے اترنے کے لئے تین سیڑھیاں تھیں جو بہت قریب قریب بنائی گئی تھیں ان کے ذریعہ سے منبر پر ایک یا دو قدم کے ساتھ چڑھنا بہت آسان تھا۔ لہذا اس وجہ سے فعل کثیر لازم نہیں آیا کہ آپ ﷺ کی نماز باطل ہوتی۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر امام اس بات کا ارادہ کرے کہ اس کی نماز کی حرکات و سکنات اور اس کی کیفیات کو دور و نزدیک کھڑے ہوئے سب ہی نمازی دیکھیں اور اس کے ذریعہ نماز کے احکام و مسائل سیکھیں تو اس کے لئے بلند جگہ پر تنہا کھڑا ہونا جائز ہے۔

ہذا لفظ البخاری (یہ الفاظ بخاری کے ہیں) کہ الفاظ اور اس کے بعد عبارت نقل کر کے مصنف مشکوٰۃ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث چونکہ بخاری و مسلم دونوں ہی نے نقل کی ہے اس لئے اس کو پہلی فصل میں ذکر کرنا چاہئے تھا لیکن اس حدیث کو اس فصل میں اس لئے نقل کیا گیا ہے کہ صاحب مصابیح نے اس کو حسان میں (بخاری و مسلم کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث کی روایتوں کے ساتھ) نقل کیا تھا اس لئے صاحب مصابیح کی اتباع میں ہم نے بھی اس فصل میں نقل کرنا مناسب سمجھا۔

اعتکاف میں آنحضرت ﷺ کی امامت

⑨ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حُجْرَتِهِ وَالنَّاسُ يَأْتُمُونَ بِهِ مِنْ وَرَاءِ الْحُجْرَةِ۔

”اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے اپنے حجرہ کے اندر نماز پڑھی اور لوگوں نے حجرہ کے باہر آپ ﷺ کی اقتدا کی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا تعلق رمضان شریف سے ہے آنحضرت ﷺ نے مسجد کے ایک حصہ میں اعتکاف کے لئے بوریہ کا ایک حجرہ سا بنالیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس حجرہ میں چند شب تراویح کی نماز پڑھی چنانچہ صحابہ اس موقع پر حجرہ سے باہر کھڑے ہو کر آپ ﷺ کی اقتدا کرتے تھے۔

الفصل الثالث

صف بندی کا طریقہ

⑩ وَعَنْ أَبِي مَالِكٍ بْنِ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ أَلَا أَحَدٌ تَكُمُ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَفَّ الرِّجَالَ وَصَفَّ خَلْفَهُمُ الْعِلْمَانُ ثُمَّ صَلَّى بِهِمْ فَذَكَرَ صَلَاتَهُ ثُمَّ قَالَ هَكَذَا صَلَوَةُ قَالَ عَبْدُ الْأَعْلَى لَا أَحْسِبُهُ إِلَّا قَالَ أُمْتِي - (رواه ابوداؤد)

”حضرت ابومالک اشعریؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے (لوگوں سے) کہا کہ ”کیا میں تمہیں نبی کریم ﷺ کی نماز (کی کیفیت) سے آگاہ نہ کروں؟ (تو سنو کہ) آنحضرت ﷺ نے نماز (کے لئے) لوگوں کو کھڑا کر کے (اول) مردوں کی صف قائم کی پھر ان کے پیچھے لڑکوں کی صف باندھی اور انہیں نماز پڑھائی۔“ ابومالکؓ نے آنحضرت ﷺ کی نماز (کی کیفیت) بیان کی (اور کہا کہ) آنحضرت ﷺ نے (نماز پڑھ کر) فرمایا ”نماز اسی طرح پڑھنی چاہئے۔ عبد الاعلیٰ (جنہوں نے یہ روایت ابومالک سے نقل کی ہے) کہتے ہیں کہ ”میرا خیال ہے کہ ابومالکؓ نے ”میری امت کی“ (بھی) کہا ہے یعنی ابومالکؓ نے حدیث کے آخری الفاظ اس طرح نقل کئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہکذا صَلَوَةُ أُمْتِي (یعنی میری) امت کی نماز اسی طرح ہونی چاہئے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ ”میرا امت کے لوگوں کو چاہئے کہ نماز کی جو کیفیت مجھ سے نقل کی گئی ہے اسی طرح نمازیں پڑھیں نیز اس سے یہ تنبیہ بھی مقصود ہے کہ جو لوگ اس طریقہ سے یعنی سنت نبوی کے مطابق نماز نہیں پڑھیں گے وہ اپنے اس عمل سے یہ ظاہر کریں گے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی تابعدار امت میں سے نہیں ہیں۔

⑪ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ بَيْنَا أَنَا فِي الْمَسْجِدِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ فَجَبَدَنِي رَجُلٌ مِنْ خَلْفِي جَبْدَةً فَتَحَانِي وَقَامَ مَقَامِي فَوَاللَّهِ مَا عَقَلْتُ صَلَاتِي فَلَمَّا انْصَرَفَ إِذَا هُوَ أَنِيٌّ بِنُ كَعْبٍ فَقَالَ يَا فَتَى لَا يَسُوكَ اللَّهُ إِنَّ هَذَا عَهْدٌ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْنَا أَنْ نَلْبِيَهُ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَقَالَ هَلْكَ أَهْلُ الْعَقْدِ وَزَبَّ الْكُعْبَةُ فَلَا تَأْتُمْ قَالَ وَاللَّهِ مَا عَلَيْهِمْ أَسَى وَلَكِنْ أَسَى عَلَى مَنْ أَصْلَحُوا قُلْتُ يَا أَبَا يَعْقُوبَ مَا تَعْنِي بِأَهْلِ الْعَقْدِ قَالَ الْأَمْرَاءُ - (رواه النسائي)

”اور حضرت قیس ابن عبادؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں مسجد میں پہلی صف میں کھڑا (نماز پڑھ رہا) تھا۔ ایک شخص نے پیچھے سے مجھے کھینچا اور مجھ کو ایک طرف کر کے خود میری جگہ کھڑا ہو گیا خدا کی قسم! (اس غصہ کی وجہ سے کہ اس نے مجھے پہلی صف سے جو افضل ہے کھینچ لیا باوجودیکہ میں وہاں پہلے سے کھڑا تھا) مجھے اپنی نماز کا بھی ہوش نہ رہا۔ (کہ میں نماز کس طرح ادا کر رہا ہوں اور کتنی رکعتیں پڑھ رہا ہوں) جب وہ شخص نماز پڑھ چکا (اور میں نے بھی نماز پڑھنے کے بعد دیکھا) تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابی بن کعبؓ تھے (مجھے غصہ کی حالت میں دیکھ کر) انہوں نے فرمایا کہ ”اے جوان (اس وقت میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں عذبتیں نہ کرے۔ (چونکہ) ہمارے لئے آنحضرت ﷺ کی یہ وصیت ہے کہ ہم آپ کے پاس کھڑے ہوا کریں (اس لئے آپ کے بعد اب ہم امام کے قریب

کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں) پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ فرمایا ”رب کعبہ کی قسم! اہل عقد (یعنی سردار) ہلاک ہو گئے! اور فرمایا خدا کی قسم! مجھے سرداروں کا کوئی غم نہیں ہے، غم تو ان لوگوں (یعنی رعایا) کا ہے جنہیں سردار گمراہ کرتے ہیں (بائیں طور کہ جو کام سردار کرتے ہیں وہی کام ان کی رعایا کرتی ہے) قیس ابن عباد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی ابن کعب سے عرض کیا کہ ”ابو یعقوب! اہل عقد سے آپ کی کیا مراد ہے؟“ فرمایا ”امراء (یعنی سردار و حکام)۔“ (نسائی)

تشریح: حضرت ابن بن کعب کے الفاظ اِنْ هَذَا عَهْدُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخ سے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔

لِيَلْبِسِي مِنْكُمْ أَوْلُو الْأَحْلَامِ وَالنَّهْيِ۔

”یعنی (نماز میں) تم میں سے صاحب عقل و بالغ میرے نزدیک کھڑے ہوا کریں۔“

اس ارشاد کا حاصل چونکہ یہ تھا کہ جو لوگ صاحب عقل و فہم اور بالغ ہوں وہ امام کے قریب کھڑے ہوا کریں اور قیس ابن عباد اس زمرہ میں آتے نہیں تھے۔ اس لئے حضرت ابی بن کعبؓ نے انہیں وہاں سے ہٹا دیا اور خود وہاں کھڑے ہو گئے۔

هَلَكَ أَهْلُ الْعَقْدِ (اہل عقد یعنی سردار و حکام ہلاک ہو گئے) اس کا مطلب یہ ہے کہ رعایا کے اعمال و کردار اور ان کے دینی و دنیاوی احکام و افعال یہاں تک صف بندی کی رعایت اور نگہداشت حکام و سرداروں کے ذمہ ہے لیکن وہ حکام و سردار جو اپنی رعایا کے دینی و دنیوی کاموں کے نگہبان و سربراہ ہونے کی حیثیت سے لوگوں کے افعال و کردار پر نظر رکھتے تھے اور انہیں سنت نبویؐ پر چلاتے تھے ختم ہو گئے۔ اس لئے نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کا دینی کاموں میں سست رفتاری بے راہ روی، اور غلط انداز عمل و انداز فکر پیدا ہو گیا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت کعبؓ نے اپنے زمانہ کے حاکم پر طعن کیا ہے مگر حضرت کعبؓ کا انتقال چونکہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں ہوا ہے اس لئے یہ کہا جائے گا کہ ان الفاظ کا محمل خود خلیفہ کی ذات نہیں ہے بلکہ حضرت کعبؓ کے پیش نظر حضرت عثمانؓ کے وہ بعض حکام ہوں گے جو اپنے فرائض کو پورے طور سے انجام نہیں دیتے تھے۔

بَابُ الْإِمَامَةِ

امامت کا بیان

شریعت میں نماز کی امامت کا بڑا اہم اور عظیم الشان کام ہے تمام مقتدیوں کی نمازوں کا ذمہ دار ہونے کی وجہ سے امام مقرر کرنے کے سلسلہ میں شریعت نے کچھ شرائط مقرر کی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ اس اہم اور عظیم الشان منصب کا حامل کون شخص ہو سکتا ہے، اس باب کے تحت اس قسم کی احادیث نقل کی جائیں گی جن سے معلوم ہو گا کہ امام مقرر کرنے کے وقت کن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور یہ کہ امامت کا استحقاق کن لوگوں کو حاصل ہے۔

اس سلسلہ میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ مقتدیوں کے چاہنے کے حاضر نمازیوں میں جس شخص میں امامت کے لائق زیادہ اوصاف ہوں اس کو امام بنائیں اگر کئی شخص ایسے ہوں جن میں امامت کی لیاقت ہو تو کثرت رائے پر عمل کیا جائے یعنی جس شخص کی طرف زیادہ لوگوں کی رائیں ہوں اسی کو امام بنایا جائے اگر کسی ایسے شخص کی موجودگی میں جو امامت کا مستحق اور لائق ہو کسی غیر مستحق اور نالائق شخص کو امام بنایا جائے گا تو سب نمازی ترک سنت کے فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔

① امامت کا سب سے زیادہ متعلق اس شخص کو ہے جو نماز کے مسائل خوب جانتا ہو بشرطیکہ ظاہری طور پر اس میں کوئی فتنہ وغیرہ نہ ہو اور کم سے کم بقدر قراءت مسنونہ اسے قرآن یاد ہو۔ ② پھر وہ شخص جو قرآن مجید اچھا یعنی عمدہ آواز سے قراءت کے قاعدہ کے موافق پڑھتا

ہو۔ ۲) پھر وہ شخص جو سب سے زیادہ خوبصورت ہو ۳) پھر وہ شخص جو سب میں عمر زیادہ رکھتا ہو ۴) پھر وہ شخص جو سب میں زیادہ خلیق ہو ۵) پھر وہ شخص جو سب سے زیادہ بڑا ہو ۶) پھر وہ شخص جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو ۷) پھر وہ شخص جو سب میں عمدہ لباس پہنے ہو ۸) پھر وہ شخص جس کا سر سب سے زیادہ بڑا ہو ۹) پھر وہ شخص جو یتیم ہو بہ نسبت مسافروں کے ۱۰) پھر وہ شخص جو اصلی آزاد ہو ۱۱) پھر وہ شخص جس نے حدیث اصغر سے یتیم کیا ہو نسبت اس شخص کے جس نے حدیث اکبر سے یتیم کیا ہو۔

جس شخص میں دو صف پائے جائیں وہ امامت کا زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اس شخص کے جس میں ایک ہی وصف پایا جاتا ہو۔ مثلاً وہ شخص جو نماز کے مسائل بھی جانتا ہو اور قرآن مجید بھی اچھی طرح پڑھتا ہو امامت کا زیادہ مستحق اور اہل ہے بہ نسبت اس شخص کے جو صرف نماز کے مسائل جانتا ہو قرآن مجید اچھی طرح نہ پڑھتا ہو۔

الفصل الاول

امامت کا مستحق کون ہے؟

① عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْقَوْمِ أَقْرَأَهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوا فِي الْهَجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِنًا وَلَا يُؤَمِّنُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَقْعُدُ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِيمِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ وَلَا يُؤَمِّنُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي أَهْلِهِ۔

”حضرت ابو مسعودؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قوم کی امامت وہ شخص کرے جو ”نماز کے احکام و مسائل جاننے کے ساتھ“ قرآن مجید سب سے اچھا پڑھتا ہو (یعنی تجوید سے واقف ہو۔ اور حاضرین میں سب سے اچھا قاری ہو) اگر قرآن مجید اچھا پڑھنے میں سب برابر ہوں۔ تو وہ شخص امامت کرے جو (قرأت مسنونہ اچھی طرح پڑھنے کے ساتھ) سنت کا علم سب سے زیادہ جانتا ہو۔ اگر (قرآن مجید اچھی پڑھنے اور) سنت کا علم جاننے میں سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو (مدینہ میں) سب سے پہلے ہجرت کر کے آیا ہو اگر (علم قرأت اور) ہجرت میں سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو عمر میں سب سے بڑا ہو اور کوئی دوسرے کے علاقہ میں امامت نہ کرے (یعنی دوسرے مقررہ امام کی جگہ امامت نہ کرے) اور کسی کے گھر میں اس کی مسند پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ “مسلم” اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص دوسرے کے گھر میں (اس کی اجازت کے بغیر اگرچہ وہ صاحب خانہ سے افضل ہی کیوں نہ ہو) امامت نہ کرے۔“

تشریح: علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ میں سنت سے مراد آنحضرت ﷺ کی احادیث ہیں عہد صحابہؓ میں جو شخص احادیث زیادہ جانتا تھا وہ بڑا فقیہ مانا جاتا تھا حضرت امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا عمل اسی حدیث پر ہے، یعنی ان حضرات کے نزدیک امامت کے سلسلہ میں قاری عالم پر مقدم ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ حضرت امام محمدؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ زیادہ علم جاننے والا اور فقیہ امامت کے سلسلہ میں بڑے قاری پر مقدم ہے کیونکہ علم قرأت کی ضرورت تو نماز کے صرف ایک ہی رکن میں (یعنی قرأت کے وقت ہوتی ہے، برخلاف اس کے کہ علم کی ضرورت نماز کے تمام ارکان میں پڑتی ہے)

جن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم پر سب سے اچھا قرآن پڑھنے والا مقدم ہے اس کا جواب ان حضرات کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو لوگ قاری ہوتے تھے وہی سب سے زیادہ علم والے بھی ہوتے تھے کیونکہ وہ لوگ

قرآن کریم مع احکام کے سیکھتے تھے اسی وجہ سے احادیث میں قاری کو عالم پر مقدم رکھا گیا ہے، اور اب ہمارے زمانہ میں چونکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اکثر قاری مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لئے ہم عالم کو قاری پر مقدم رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان حضرات کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرض الموت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے لوگوں کو نماز پڑھوائی باوجودیکہ وہ قاری نہ تھے بلکہ سب سے زیادہ علم والے تھے حالانکہ اس وقت ان سے زیادہ بڑے بڑے موجود تھے۔ فاقدم ہم ہجرت کے بارے میں ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آج کل ہجرت چونکہ متروک ہے اس لئے اب یہاں حقیقی ہجرت کے بجائے معنوی ہجرت (یعنی گناہوں اور برائیوں سے ترک) کا اعتبار ہو گا یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے علم اور قرأت میں برابری کے بعد پرہیزگار کو مقدم رکھا ہے یعنی اگر دو شخص ایسے جمع ہوں جو عالم بھی ہوں اور قاری بھی ہوں تو ان دونوں میں امامت کا مستحق وہ شخص ہو گا جو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ پرہیزگاری کے وصف کے حامل ہو۔

اس حدیث میں امامت کے صرف اتنے ہی مراتب ذکر کئے گئے ہیں لیکن علماء نے کچھ اور مراتب ذکر کئے ہیں چنانچہ اگر عمر میں بھی سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو اگر اخلاق میں بھی سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو اچھے چہرے والا ہو یعنی خوبصورت ہو اگر خوبصورتی میں بھی سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو سب سے عمدہ لباس پہنے ہوئے ہو یا سب سے زیادہ شریف النسب ہو اگر تمام اوصاف میں سب برابر ہوں تو اس صورت میں بہتر شکل یہ ہے کہ قرعہ ڈالی جائے جس کا نام نکل آئے وہ امامت کرے یا پھر قوم جے چاہئے اپنا امام مقرر کرے اور اس کے پیچھے نماز پڑھے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی سلطنت و علاقہ میں امامت نہ کرے اسی طرح ایسی جگہ بھی امامت نہ کرے جس کا مالک کوئی دوسرا شخص ہو جیسا کہ دوسری روایت کے الفاظ فی اہلہ سے ثابت ہوا۔

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مقام پر حاکم وقت امامت کرتا ہے یا حاکم وقت کی جانب سے مقرر شدہ اسی کا نائب جو امیر اور خلیفہ کے ہی حکم میں ہوتا ہے امامت کے فرائض انجام دیتا ہے تو کسی دوسرے شخص کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ سبقت کر کے امامت کرے خاص طور پر عیدین اور جمعہ کی نماز میں تو یہ بالکل ہی مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح جس مسجد میں امام مقرر ہو یا کسی مکان میں صاحب خانہ کی موجودگی میں مقررہ امام اور صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر امامت کی طرف سبقت کرنا کسی دوسرے شخص کا حق نہیں ہے کیونکہ اس طرح امور سلطنت میں انحطاط آپس میں بغض و عناد ترک ملاقات، افتراق و اختلاف اور فتنہ فساد کا دروازہ کھلتا ہے اور جب کہ جماعت کی مشروریت ہی انہیں غیر اخلاقی چیزوں کے سدباب کے لئے ہوئی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ کا یہ رویہ قابل تقلید ہے کہ وہ اپنے فضل و شرف اور علم و تقویٰ کے باوجود حجاج بن یوسف جیسے ظالم و فاسق کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

(۲) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً فَلْيُؤْمَرْهُمْ أَحَدُهُمْ وَأَحْفَقُهُمْ بِالْإِمَامَةِ أَقْبَرُ لَهُمْ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم (نماز پڑھنے کے لئے) تین آدمی (جمع) ہوں تو ان میں سے ایک امام بن جائے اور ان میں امامت کا زیادہ مستحق وہ ہے جو زیادہ تعلیم یافتہ ہو۔“ (مسلم)

تشریح: ”تین آدمیوں“ کی قید اتفاقی ہے تین سے کم یا زیادہ ہونے کی شکل میں بھی یہی حکم ہے کہ ان میں سے ایک امام بن جائے اور باقی مقتدی علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ کے اکثر صحابہؓ عمر کا ایک بڑا حصہ طے کر چکے تھے جب اسلام کی سعادت سے مشرف ہوئے اس وجہ سے وہ لوگ قرآن پڑھنے سے پہلے علم دین سیکھتے تھے لیکن بعد میں یہ صورت نہ رہی بلکہ اب تو لوگ عمر کے ابتدائی حصہ ہی میں علم دین حاصل کرنے سے پہلے قرآن کریم پڑھنا سیکھ لیتے ہیں۔“

بہر حال۔ امامت کے سلسلہ میں اچھے قاری پر اس فقیہ اور عالم کو اولیت حاصل ہوگی جو نماز کے احکام و مسائل کا علم جانتا ہو معاملات کا زیادہ علم رکھنے والا قاری پر مقدم نہیں ہو سکتا۔

وَذِكْرُ حَدِيثِ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ فِي بَابِ فَضْلِ الْإِذَانِ اور مالک بن حویرث کی روایت باب فضل الاذان کے بعد کباب میں ذکر کیا جا چکی ہے (یعنی اس حدیث کو صاحب مصابح نے یہاں ذکر کیا تھا مگر ہم نے اسے وہاں نقل کر دیا ہے۔

الفصل الثانی

(۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُوْذُنْ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَلِيُوْءُكُمْ قُؤَاءُكُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو لوگ بہترین انہیں اذان دینی چاہئے اور تم میں جو لوگ خوب تعلیم یافتہ ہوں انہیں تمہاری امامت کرنی چاہئے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: نماز روزہ کے اوقات کی ذمہ داری مؤذنوں پر ہی ہوتی ہے نیز جب مؤذن بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اذان دیتا ہے تو بسا اوقات اس کی نظر لوگوں کے گھروں پر پڑتی ہے لہذا مؤذن اگر صاحب دیانت اور دیندار متقی ہوگا تو وہ نماز روزہ کے اوقات کی بھی رعایت کرے گا اور اپنی نظر کو نامحرم پر پڑنے سے بھی بچائے گا۔

(۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ يَأْتِينَا إِلَى مُصَلَّاتِنَا يَتَحَدَّثُ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ يَوْمًا قَالَ أَبُو عَظِيَّةٍ فَقُلْنَا لَهُ تَقْدَمُ فَصَلِّهِ قَالَ لَنَا قَدْ مُوَارِجَلًا مِنْكُمْ يُصَلِّي بِكُمْ وَسَأَحْدُثُكُمْ لِمَ لَا أَصَلِّي بِكُمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا يُؤْمِنُهُمْ وَلِيُوْءُ مَهُمْ رَجُلٌ مِنْهُمْ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ إِلَّا أَنَّهُ اقْتَصَرَ عَلَى لَفْظِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

”اور حضرت ابو عظیہ عقیلیؓ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت مالک ابن حویرثؓ (صحابی) ہماری مسجد میں آیا کرتے تھے اور (ہمارے سامنے آنحضرت ﷺ کی) حدیث بیان کرتے (اور بات چیت کرتے رہتے) تھے ایک دن (جب کہ وہ ہمارے درمیان مسجد میں موجود تھے) نماز کا وقت ہو گیا۔ ابو عظیہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے مالکؓ سے (ان کی شان صحابیت کی عظمت و فضیلت کے پیش نظر) کہا کہ آگے ہو جائیے اور ہمیں نماز پڑھائیے حضرت مالکؓ نے فرمایا کہ ”تم اپنے ہی میں سے کسی کو آگے کرو تاکہ وہ تمہیں نماز پڑھائے اور میں تمہیں بتاؤں کہ میں نماز کیوں نہیں پڑھاتا (تو سنو کہ) میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ”جو شخص کسی قوم سے ملاقات کرے تو وہ ان کی امامت نہ کرے (بلکہ) ان میں سے کسی شخص کو ان کی امامت کرنی چاہئے۔“ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے مگر انہوں نے صرف آنحضرت ﷺ ذکر نہیں کیا بلکہ صرف آنحضرت ﷺ کے الفاظ پر اکتفاء کیا ہے یعنی انہوں نے اپنی روایت میں حضرت مالکؓ کے مسجد میں آنے کا واقعہ اور ان کا امامت سے انکار کرنا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف آنحضرت ﷺ کے الفاظ ”من زاد“ سے آخر تک نقل کیا ہے)

تشریح: حضرت مالکؓ نے اپنی فضیلت و بڑائی اور ان لوگوں کی اجازت کے باوجود امامت کا فریضہ انجام نہیں دیا کیونکہ ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کا یہ اشارہ تھا کہ انہوں نے بظاہر حدیث پر عمل کرنا ہی اپنے حق میں بہتر سمجھا۔

نامینا کی امامت جائز ہے

(۵) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ يَوْمَ النَّاسِ وَهُوَ أَعْمَى۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور وہ

نابینا تھا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نابینا کی امامت بلا کراہت جائز ہے اس سلسلہ میں حنفی مسلک میں یہ فقہی روایتیں بھی وارد ہیں کہ اگر نابینا قوم کا سردار ہو تو اس کی امامت جائز ہے بلکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر نابینا بہت زیادہ علم کا حامل ہو تو امامت کے سلسلہ میں وہ اولیٰ ہے۔ (شرح کنز، اشباہ والنظائر)

ناپسندیدہ امام کی نماز قبول نہیں ہوتی

① وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ أَذَانَهُمُ الْعَبْدُ الْأَبْقَى حَتَّى يَرْجِعَ وَأَمْرًا ثَابِتًا وَرَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَإِمَامٌ قَوْمٌ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز ان کے کانوں سے بلند نہیں ہوتی (یعنی درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی) ایک تو اپنے مالک کے یہاں سے بھاگا ہوا غلام جب تک کہ وہ (اپنے مالک کے پاس) واپس نہ آجائے دوسرے وہ عورت جو اس حالت میں رات گزار دے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو تیسرے وہ امام جسے اس کی قوم پسند نہ کرتی ہو۔“ (امام ترمذی) نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے

تشریح: غلام کے حکم میں باندی بھی داخل ہے یعنی اگر باندی بھی اپنے آقا کے یہاں سے بھاگ جائے تو اس کا بھی یہی حال ہو گا کہ جب تک وہ اپنے آقا کے پاس واپس نہ آجائے گی اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

عورت کے بارہ میں جو فرمایا گیا ہے تو یہ اس شکل میں ہے جب کہ عورت بد خلق ہو اور اس کا خاوند اس کی بد خلقی، نافرمانی و داری اور بے ادبی کی وجہ سے اس سے ناراض ہو، اور اگر خاوند ہی بد خلق ہو اور اپنی بیوی سے ناحق ناراض و خفا رہے تو عورت گنہگار نہیں ہوگی بلکہ مرد ہی گنہگار ہو گا۔

امام کے بارہ میں حضرت ابن ملکؓ فرماتے ہیں کہ امام پر یہ گناہ اس وقت ہو گا جب کہ اس کی بدعت اور اس کے فسق یا اس کے جہل کی وجہ سے اس کے مقتدی اس سے ناراض ہوں اور اگر مقتدی کسی دینی غرض کے تحت اس سے کراہت و عداوت رکھتے ہوں تو امام مطلقاً گنہگار نہیں ہو گا اور نہ ایسے امام کے حق میں حدیث کا مذکورہ بالا حکم ہے بلکہ مقتدی ہی گنہگار ہوں گے۔

اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ حدیث میں مذکورہ امام سے نماز کا امام بھی ہے اور حاکم و خلیفہ بھی یعنی اگر کسی حاکم اور خلیفہ سے اس کی رعایا اس کی بد اعمالیوں اور غلط کاریوں کی وجہ سے ناخوش ہوگی تو وہ بھی ایسا ہی گنہگار ہو گا۔

تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی

② وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ صَلَاتُهُمْ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ وَرَجُلٌ أَتَى الصَّلَاةَ دُبَارًا وَالدُّبَارُ أَنْ يَأْتِيَهَا بَعْدَ أَنْ تَقُوتَهُ وَرَجُلٌ اعْتَبَدَ مُحَرَّرَةً۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی (یعنی انہیں نماز کا ثواب نہیں ملتا) ایک تو وہ شخص جو کسی قوم کا امام ہو اور قوم اس سے خوش نہ ہو دوسرا شخص جو نماز میں پیچھے آئے اور پیچھے کا مطلب یہ ہے کہ نمازوں کا (مستحب) وقت نکل جانے کے بعد آئے، اور تیسرا وہ شخص جو آزاد کو غلام سمجھے۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اعتبد محصورہ (آباد کو غلام سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ غلام کو آزاد کر دے اور پھر بعد میں زبردستی اس سے خدمت لینے لگے، یا غلام کو آزاد کر دیا مگر اس کی آزادی کو خود اس غلام سے چھپائے یا کسی آزاد شخص کے بارہ میں دعویٰ کرے کہ یہ میرا غلام ہے اور اس کے

ساتھ غلاموں جیسا سلوک بھی کرے۔ یا بردہ (غلام) مول لے کر اس پر مالکانہ تصرف کرنے مگر حقیقت میں اس کی خریداری شرعی طور نہ ہوئی ہو جیسا کہ لوگ غیر شرعی طور پر غلام اور لونڈی مول لیتے ہیں۔

شرعی غلام اور لونڈی کی تفصیل فقہاء اس طرح لکھتے ہیں کہ ”اگر مسلمانوں کی جماعت دارالاسلام سے دارالحرب جاکر غلبہ حاصل کرے اور زبردستی حربی کافر کو خواہ مرد ہوں یا عورت یا خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے غلام اور لونڈی بنا کر دارالاسلام میں لائے یا۔ اسی طرح کسی ملک کے حربی کفار دوسرے ملک کے حربی کفار پر غلبہ حاصل کر کے انہیں زبردستی لے آئیں تو ان دونوں صورتوں میں غلام اور لونڈی بنانے والے خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر ان غلام اور لونڈیوں کے مالک ہوتے ہیں ان غلام اور لونڈیوں کی خرید و فروخت کرنا ان کو رہن رکھنا ان کا ہبہ کرنا۔ لونڈیوں کے ساتھ بغیر نکاح کے ہم بستری کرنا اور اسی طرح ان پر تمام مالکانہ تصرفات کرنے جائز ہیں نیز اس صورت میں لونڈی کی اولاد بھی ان ہی کا حکم رکھتی ہے بشرطیکہ وہ مالک یا ذی رحم مالک سے پیدا نہ ہو اور اگر ان میں سے کسی سے پیدا ہوگی تو وہ آزاد ہوگی بہر حال فقہاء نے بردے کی یہ دونوں قسمیں لکھ کر مزید قسمیں بھی لکھی ہیں اور ان میں سے بعض کے بارے میں کہا ہے کہ ان صورتوں میں شرعی بردے نہیں ہوتے اور بعض کے بارے میں اختلاف کیا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ مذکورہ بالا دونوں قسموں کے علاوہ اور کسی صورت میں شرعی بردے نہیں ہوتے اور نہ ان کی خرید و فروخت شرعی طور پر جائز ہوتی ہے۔

لہذا مسلمان کو چاہئے کہ وہ غلام اور لونڈی کے بارے میں احتیاط سے کام لیں اگر شرعی لونڈی ہو تو اسے خدمت میں لائیں ورنہ ایسا نہ کریں کہ جس پر بھی لونڈی ہو جانے کا داغ لگ جائے اگر وہ شرعی لونڈی نہ ہو جانوروں کی طرح اندھا دھند اس سے صحبت نہ کرنے لگیں کہ درحقیقت ایسا کرنا حرام کاری اور زنا میں مبتلا ہونا ہے اسی طرح اس کے ساتھ دیگر مالکانہ تصرفات بھی نہ کئے جائیں۔

امامت سے عام گریز قیامت کی علامت ہے

⑧ وَعَنْ سَلَامَةَ بِنْتِ الْحَزَرِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَذَافَعَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ لَا يَجِدُونَ إِمَامًا يُصَلِّي بِهِمْ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت سلامہ بنت حزّ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے (ایک علامت یہ ہے کہ مسجد کے لوگ امامت کو دفع کریں گے یعنی امام بننے سے گریز کریں گے) اور کوئی نماز پڑھانے والا ان کو نہ ملے گا۔“ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: یہ دراصل آخری زمانہ کے عام جہل و فسق سے کنایہ ہے کہ قیامت کے قریب جہل و فسق عمومی طور پر اس طرح پھیل جائے گا۔ اور لوگ اتنے جاہل و نااہل پیدا ہوں گے کہ کوئی شخص امامت کا اہل نہیں ہوگا تمام لوگ اپنی نااہلی و جہالت کے پیش نظر امامت سے گریز کرنے لگیں گے اور اس پاس میں ایک دوسرے سے نماز پڑھانے کے لئے کہیں گے مگر ہر شخص امام بننے سے انکار کرے گا۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی کو اپنے سے افضل سمجھ کر خود امامت سے گریز کرے اور اس سے نماز پڑھانے کے لئے کہے تو اس کا تعلق اس حدیث سے نہیں ہوگا کیونکہ دوسرے کو افضل اور اپنے سے بہتر سمجھ کر خود کو امامت سے گریز کرنا اور اس افضل کو امامت کے لئے کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فاسق کی امامت جائز ہے

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ إِمَامٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ وَإِنْ عَمِلَ الْكِبَائِرَ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ وَإِنْ عَمِلَ الْكِبَائِرَ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ وَإِنْ عَمِلَ الْكِبَائِرَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے اوپر جہاد ہر سردار کے ہمراہ خواہ وہ نیک ہو یا بد واجب ہے اگرچہ وہ (سردار) گناہ کبیرہ کرتا ہو اور تم پر نماز ہر مسلمان کے پیچھے واجب ہے خواہ وہ (نماز پڑھانے والا) نیک ہو یا بد واجب ہے اگرچہ گناہ کبیرہ کرتا ہو اور نماز جنازہ ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ نیک ہو یا بد اگرچہ گناہ کبیرہ کرتا ہو۔“ (ابوداؤد)

تشریح: جہاد واجب ہے کا مطلب یہ ہے کہ بعض صورتوں میں تو جہاد فرض عین ہے اور بعض صورتوں میں فرض کفایہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ اس کا فسق کفر کی حد تک نہ پہنچ چکا ہو فاسق کے پیچھے نماز ادا تو ہو جاتی ہے لیکن اس کے پیچھے نماز پڑھنا بہر حال مکروہ ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ نیک بخت کی موجودگی میں فاسق کو امامت نہ کرنی چاہئے۔

”نماز جنازہ کے واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان پر جنازہ کی نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

نابالغ کی امامت کا مسئلہ

⑩ عَنْ عُمَرَ وَ ابْنِ سَلَمَةَ قَالَ كُنَّا بِمَاءِ مَمَرِ النَّاسِ يَمْشِي بِنَا الرُّكْبَانُ نَسْأَلُهُمْ مَا لِلنَّاسِ؟ مَا لِهَذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُونَ يَزْعُمُ أَنَّ اللَّهَ أَرْسَلَهُ أَوْ حَى إِلَيْهِ أَوْ حَى إِلَيْهِ كَذَا فَكُنْتُ أَحْفَظُ ذَلِكَ الْكَلَامَ فَكَأَنَّمَا يَنْغَرِي فِي صَدْرِي وَكَانَتِ الْعَرَبُ تَلُومُ بِإِسْلَامِهِمُ الْفُتُوحَ فَيَقُولُونَ أَتُرْكُوهُ وَقَوْمُهُ فَإِنَّهُ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقَعَةُ الْفُتُوحِ بَادَرُ كُلُّ قَوْمٍ بِإِسْلَامِهِمْ وَبَدَرَ ابْنُ قَوْمِي بِإِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَاللَّهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي جَنِينَ كَذَا وَصَلَاةَ كَذَا فِي جَنِينَ كَذَا فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤْذِنُوا أَحَدَكُمْ فَلْيُؤْذِنُوا مَكْمَكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا فَتَطْرُقُوا فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَكْثَرَ قُرْآنًا مِنِّي لِمَا كُنْتُ أَتْلُقِي مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدْ مُؤْنِي بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَأَنَا ابْنُ سَبْتٍ أَوْ سَبْعِ سِنِينَ وَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصْتُ عَنِّي فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الْحَيِّ لَا تَغْطُونَ عَنَّا إِسْتِ قَارِئِكُمْ فَاسْتَرَوْا فَتَقَطَعُوا لِي قِمِيصًا فَمَا فَرَحْتُهُ بِشَيْءٍ فَرَحَنِي بِذَلِكَ الْقِمِيصِ - (رواه البخاری)

”حضرت عمرو ابن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ ہم پانی کے کنارے رہتے تھے جو لوگوں کی گزر گاہ تھا قافلے ہمارے پاس سے گزرتے ہم ان سے پوچھتے تھے کہ لوگوں کے واسطے (ایک شخص یعنی آنحضرت ﷺ نے جو دین نکالا ہے وہ) کیا ہے؟ اور اس شخص (یعنی حضرت محمد ﷺ) کی صفات کیا ہیں؟ وہ لوگ ہم سے بیان کرتے کہ وہ (رسول ﷺ) دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں (اپنا نبی برحق بنا کر) بھیجا ہے اور (قافلہ کے لوگ قرآن کی آیتیں سنا کر کہا کرتے تھے کہ یہ) ان کے پاس وحی آتی ہے (اس طرح) ان کے پاس وحی آتی ہے چنانچہ میں (آنحضرت ﷺ) کے اوصاف کو جو قافلے والے بیان کرتے تھے اور کلام کو (یعنی قافلے والے جو آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے ان کو اس طرح یاد کر لیتا تھا گویا وہ میرے سینے میں جم جاتی تھیں) (یعنی قرآن کی آیتیں مجھے خود یاد ہو جایا کرتی تھیں) اہل عرب (آنحضرت ﷺ) کی جماعت کے علاوہ) اسلام لانے کے سلسلہ میں مکہ کے فتح ہونے کا انتظار کر رہے تھے (یعنی یہ کہتے تھے کہ اگر مکہ فتح ہو گیا تو ہم اسلام لائیں گے اور یہ) کہا کرتے تھے کہا ان (رسول ﷺ) کو ان کی قوم پر چھوڑ دو اگر وہ اپنے لوگوں پر غالب آگئے (اور مکہ کو فتح کر لیا) تو سمجھو کہ وہ سچے نبی ہیں (کیونکہ ان کی اس ظاہری بے سرو سامانی اور مادی کمزوری کے باوجود اہل عرب پر غالب آجانا اور مکہ کو فتح کر لینا ان کا معجزہ ہو گا اور معجزہ صرف سچے نبی ہی سے صادر ہو سکتا ہے چنانچہ جب خدا نے اپنے دین کا بول بالا کیا اور مکہ فتح ہو گیا تو لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے میرے والد نے اپنی قوم پر پھیل کی اور (سب سے پہلے) اسلام لے آئے جب وہ (یعنی میرے والد) لوٹ کر آئے تو اپنی قوم سے کہنے

لگے کہ ”خدا کی قسم! میں سچے نبی (ﷺ) کے پاس سے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فلاں وقت میں ایسی (اور اتنی) نماز پڑھو اور فلاں وقت میں ایسی (اور اتنی) نماز پڑھو (یعنی آپ نے نماز کی کیفیات اور اوقات بیان کئے) اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور تم میں جو شخص قرآن سب سے زیادہ جاننے والا ہو وہ تمہاری امامت کرے چنانچہ جب نماز کا وقت آیا اور جماعت کی تیاری ہوئی تو لوگوں نے آپس میں دیکھا (کہ امام کے بنایا جائے!) مجھ سے زیادہ کوئی قرآن کا جاننے والا نہیں تھا کیونکہ میں (تو پہلے ہی سے) قافلہ والوں سے قرآن سیکھ رہا تھا چنانچہ لوگوں نے مجھے آگے کر دیا (اور نماز میں میری اقتداء کی) اس وقت میری عمر چھ یا سات سال کی تھی اور میرے بدن پر فقط ایک چادر تھی چنانچہ جب میں سجدہ کرتا تو وہ چادر میرے بدن سے سرک جاتی تھی (اور کو لھے کھل جاتے تھے) قوم میں سے ایک عورت نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ ہمارے سامنے سے تم لوگ اپنے امام کی شرم گاہ کیوں نہیں ڈھانکتے؟ تب قوم نے کپڑا خریدا اور میرے لئے کرتہ بنوایا دیا اس کرتہ کی وجہ سے مجھے جیسی خوشی ہوئی ایسی خوشی کبھی نہیں ہوئی تھی۔“ (بخاری)

تشریح: عام طور پر ”سلمہ“ (لام کے زبر کے ساتھ ہے مگر یہ عمرو جو قوم کے امام بنے تھے ان کے والد کے نام ”سلمہ“ میں لام نہ کے ساتھ ہے۔ اس کے بارہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ عمرو ابن سلمہ بھی اپنے والد کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے گئے یا نہیں؟ اسی وجہ سے اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ آیا صحابی ہیں یا نہیں؟ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد تنہا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گئے تھے یہ ان کے ساتھ نہیں گئے تھے۔

حضرت امام شافعیؒ لڑکے کی امامت کے جواز میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ لڑکے کی امامت جائز ہے البتہ جمعہ کی نماز میں نابالغ لڑکے کی امامت کے سلسلہ میں امام شافعی کے دو قول ہیں ایک قول سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جمعہ کی نماز میں بھی لڑکے کی امامت کے جواز کے قائل ہیں اور دوسرے قول سے عدم جواز کا اثبات ہوتا ہے۔

حضرت امام اعظمؒ حنفیہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمدؒ کہتے ہیں کہ نابالغ کی امامت جائز نہیں ہے البتہ نفل نماز کے سلسلہ میں علماء حنفیہ کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ پنج کے مشائخ نماز میں نابالغ لڑکے کی امامت کے جواز کے قائل ہیں اور اسی پر ان کا عمل ہے نیز مصر اور شام میں بھی اس پر عمل کیا جاتا ہے ان کے علاوہ دیگر علماء نے نفل نماز میں بھی نابالغ لڑکے کی امامت کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ علماء ماوراء النہر کا عمل اسی پر ہے۔

زیلعیؒ نے شرح کنز میں اس مسئلہ کے متعلق کہا ہے کہ ”امام شافعیؒ نے اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکے کی امامت جائز ہے حضرت عمرو ابن سلمہ کے اس قول فقہ مونی الخ سے استدلال کیا ہے لیکن ہمارے (یعنی حنفیہ کے) نزدیک حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول کی روشنی میں کہ ”وہ لڑکا جس پر حدود واجب نہیں ہوئی ہیں امامت نہ کرے“ نابالغ لڑکے کی امامت جائز نہیں ہے اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی یہی ہے کہ ”لڑکا جب تک محکم (یعنی بالغ) نہ ہو جائے امامت نہ کرے۔“

لہذا یہ جائز نہیں ہے کہ فرض نماز پڑھنے والا نابالغ لڑکے کی اقتداء کرے جہاں تک عمرو ابن سلمہ کی امامت کا تعلق ہے تو اس کے بارہ میں یہ کہا جائے گا کہ ان کی امامت آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی بنا پر نہیں تھی بلکہ یہ ان کی قوم کے لوگوں کا اپنے اجتہاد تھا کہ عمرو چونکہ قافلہ کے لوگوں سے قرآن کریم سیکھ چکے تھے اس لئے ان کو امام بنادیا۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ حضرات شوافع حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال سے تو استدلال نہیں کرتے۔ ایک نابالغ لڑکے (عمرو ابن سلمہ) کے فعل کو مستدل بناتے ہیں۔

آزاد کردہ غلام کی امامت

⑪ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ الْأَوَّلُونَ الْمَدِينَةَ كَانَ يُؤْتُهُمْ مَوْلَى أَبِي حَذِيفَةَ وَفِيهِمْ عُمَرُ

وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الْأَسَدِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں پہلے آنے والے مہاجرین آئے تو ابی حذیفہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ انہیں نماز پڑھاتے تھے اور ان (مقتدیوں) میں حضرت عمرؓ، حضرت ابو سلمہؓ ابن عبد الاسد (بھی) ہوتے تھے۔۔۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت سالمؓ حذیفہ کے آزاد کردہ غلام اور بہت اچھے قاری تھے ان کا شمار نہایت بزرگ اور اونچے درجہ کے قراء صحابہ میں ہوتا تھا آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ ”قرآن کریم چار لوگوں سے حاصل کرو اور ان چار لوگوں میں حضرت سالمؓ کا نام بھی شمار کیا تھا۔

حضرت عمرؓ حضرت ابو سلمہ ابن عبد الاسد اور ان جیسے دوسرے جلیل القدر اور با عظمت و فضیلت صحابہؓ کی موجودگی میں حضرت سالمؓ کے امام مقرر ہونے کی وجہ یا تو یہ تھی کہ یہ بہت اچھے قاری تھے یا پھر اس میں کوئی اور مصلحت ہوگی۔

وہ لوگ جن کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۱۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تَرْفَعُ لَهُمْ صَلَاتُهُمْ فَوْقَ رُءُوسِهِمْ شَبْرًا زَجَلًا أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ وَأَمْرًا بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَأَخْوَانٌ مُتَصَارِمَانِ - (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین لوگ ایسے ہیں جن کی نماز ان کے سرے بالشت بھر (بھی) بلند نہیں ہوتی (یعنی درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی) ایک تو وہ شخص جو قوم کا امام ہو اور قوم اس سے (دینی امور میں) ناخوش ہو۔ دوسرے وہ عورت جو اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا خاوند (اس کی نافرمانی یا اس کی جانب سے اپنے حق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے) خفا ہو تیسرے ایسے دو بھائی جو آپس میں ناخوش ہوں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ ایسے دو بھائیوں کی بھی نماز قبول نہیں ہوتی جو آپس میں ناخوش و ناراض ہوں اور تین دن سے زیادہ سلام وغیرہ ترک کئے رہیں۔

باب ما علی الامام

امام پر لازم چیزوں کا بیان

اس باب کے تحت وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ مقتدیوں کی رعایت کے سلسلہ میں امام کے لئے کیا چیزیں ضروری ہیں۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

نماز کو بھاری نہ بنانا چاہئے

(۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَاصِلَتِي وَرَأَى إِمَامًا قَطَّ صَلَاةَ وَلَا أَتَمَّ صَلَاةَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ كَانَ لِيَسْمَعَ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مُحَافَةً أَنْ تُفْتَنَ أُمُّهُ - (متن علیہ)

”حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی نماز سے زیادہ ہلکی اور کامل نماز کسی امام کے پیچھے نہیں پڑھی اور آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ جب آپ (نماز میں) کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو اس اندیشہ سے کہ اس کی ماں کہیں فکر مند نہ ہو جائے نماز کو ہلکا کر دیتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے اول جز کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نماز باوجود پورے کمال و اتمام کے بہت ہلکی ہوتی تھی اور ہلکی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ قرأت اور تسبیحات حد سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور قرأت میں بے محل مد و شد نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کی قرأت بے تکلف اور تریل کے ساتھ ہوتی تھی اور یہ تو آنحضرت ﷺ کی قرأت کی خاصیت تھی کہ اگرچہ وہ طویل ہوتی تھی مگر لوگوں کو ہلکی معلوم ہوتی تھی۔

حاصل یہ کہ آپ ﷺ کی قرأت ہلکی ہوتی تھی اور رکوع و سجود نیز تعدیل ارکان وغیرہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔
حنفی مسلک میں یہ مسئلہ ہے کہ امام کے لئے مناسب نہیں ہے کہ تسبیحات وغیرہ کو اتنا طویل کرے کہ لوگ ملول ہوں کیونکہ نماز کو زیادہ طویل کرنا نماز کی طرف سے لوگوں کو بے توجہ بناتا ہے اور یہ مکروہ ہے ہاں اگر مقتدیوں ہی کی یہ خواہش ہو کہ قرأت و تسبیحات وغیرہ طویل ہوں تو پھر ان میں امام زیادتی کر سکتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس طرح امام کو یہ بھی نہ چاہئے کہ مقتدیوں کو خوش کرنے کی غرض سے قرأت اور تسبیحات میں اس درجہ سے بھی کمی کر دے جو سب سے کم مسنون درجہ ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز میں کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتے تو نماز ہلکی کر دیا کرتے تھے۔ تاکہ اس بچے کی ماں جو جماعت میں شامل ہوتی، بچے کی طرف سے فکر میں نہ پڑ جائے اور جس کی وجہ سے اس کی نماز کا حضور اور خشوع و خضوع ختم ہو جائے۔

خطابیؒ نے اس جملہ کی تشریح میں کہا ہے کہ ”اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ امام رکوع میں ہونے کی حالت میں اگر آہٹ پائے کہ کوئی شخص نماز میں شریک ہونے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ رکوع میں اس شخص کا انتظار کرے تاکہ وہ شخص رکعت حاصل کرے مگر بعض حضرات نے اسے مکروہ قرار دیا ہے بلکہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ ایسا کرنے والے کے بارے میں یہ خوف ہے کہ وہ کہیں شرک کی حد تک پہنچ جائے گا۔ چنانچہ یہی مسلک حضرت امام مالک کا بھی ہے۔ حنفی مسلک یہ ہے کہ امام اگر رکوع کو تقرب الی اللہ کی نیت سے نہیں بلکہ اس مقصد سے طویل کرے گا کہ کوئی آنے والا شخص رکوع میں شامل ہو کر رکعت پالے تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی بڑے گناہ کبیرہ کا احتمال ہو سکتا ہے تاہم کفر و شرک کی حد تک نہیں پہنچے گا کیونکہ اس سے اس کی نیت غیر اللہ کی عبادت بہر حال نہیں ہوگی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر امام آنے والے کو پہچانتا نہیں ہے تو اس شکل میں رکوع کو طویل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ اس کا ترک اولیٰ ہے ہاں اگر کوئی امام تقرب الی اللہ کی نیت سے رکوع کو طویل کرے اور اس پاک جذبہ کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ ایسی حالت کا ہونا چونکہ نادر ہے اور پھر یہ کہ اس مسئلہ کا نام ہی ”مسئلہ الریا“ ہے اس لئے اس سلسلہ میں کمال احتیاط ہی اولیٰ ہے۔

(۲) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطَالَتَهَا فَاسْتَمِعْ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزْ فِي صَلَاتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدٍ أَمَّهُ مِنْ بُكَائِهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت قتادہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نماز میں داخل ہوتا ہوں تو نماز کو طویل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر جب بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو یہ جان کر کہ بچے کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں سخت فکر مند ہوگی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں۔“ (بخاری)

(۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْ أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ السَّقِيمَ وَالضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَإِذَا صَلَّي أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيَطْوِلْ مَا شَاءَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہئے کہ نماز کو ہلکی کرے کیوں کہ مقتدیوں میں بیمار کمزور اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں (اور ان کی رعایت ضروری ہے) اور جب تم میں سے کوئی شخص تنہا اپنی نماز پڑھے تو اسے اختیار ہے کہ جس قدر چاہے نماز کو طویل کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں امام کے لئے یہ ہدایت دے دی گئی ہے کہ وہ نماز پڑھاتے وقت مقتدیوں کی رعایت ضرور کرے اس بات کا لحاظ رکھے کہ مقتدیوں میں بیمار بوڑھے اور کمزور لاغر لوگ بھی ہوں گے جو نماز کی طوالت سے تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ پریشانی اور تکلیف سے بچنے کی خاطر جماعت میں شریک ہونا ہی چھوڑ دیں اس لئے ان کی رعایت کے پیش نظر نماز ہلکی سی پڑھانی چاہئے ہاں اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اسے اختیار ہے کہ جس قدر چاہے طویل نماز پڑھے۔

اسی طرح اگر تمام مقتدی حضور قلب کے حامل ہوں اور نماز کی طوالت سے گھبراتے نہ ہوں نیز مذکورہ بالا لوگوں میں سے یعنی بیمار و ضعیف وغیرہ نہ ہوں تو اس شکل میں بھی امام جس قدر چاہے طویل نماز پڑھائے۔

④ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللَّهِ يَارَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَا تَأْخُذُ عَن صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فَلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا فَأَمَّا زَيْتٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا فَهُنَا يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ إِنَّ مِنْكُمْ مُنْفِرِينَ فَأَتَيْنَكُمْ مَا صَلَّيْتُ بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزُوا فِيهِمْ الضَّعِيفُ وَالْكَبِيرُ وَذَلِكَ حَاجَةٌ - (مشق علیہ)

”اور حضرت قیس ابن ابی حازم کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے مجھ سے فرمایا کہ (ایک دن) ایک شخص نے (نبی کریم ﷺ) کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ! میں صبح کی نماز سے اس لئے پیچھے رہ جاتا ہوں کہ فلاں آدمی ہمیں بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے ابو مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو نصیحت کرنے کے بارہ میں اس دن جیسا غصہ میں بھرے ہوئے کبھی نہیں دیکھا چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم میں سے بعض لوگ (طویل نماز پڑھا کر جماعت سے) لوگوں کو نفرت دلانے والے ہیں (خبردار) تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہئے کہ وہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور، بوڑھے اور حاجت مند لوگ بھی ہوتے ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

غلط نماز پڑھانے والا امام اپنی غلطی کا خمیازہ خود بھگتے گا

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلُّونَ لَكُمْ فَإِنْ أَصَابُوا فَلَكُمْ وَإِنْ أَخْطَأُوا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہیں امام نماز پڑھائیں گے چنانچہ اگر وہ نماز اچھی پڑھائیں گے تو اس کا فائدہ تمہارے لئے ہے (اور ان کے لئے بھی ہے) اور اگر انہوں نے خطا کی (بے طرح نماز پڑھائی) تو تمہیں (پھر بھی) ثواب ملے گا اور اس کا گناہ ان پر ہوگا۔“ (بخاری)

تشریح: اگر امام اچھی طرح اور شرعی و مسنون طریقہ سے پڑھائے گا تو ظاہر ہے کہ اس کا ثواب امام اور مقتدی دونوں ہی کو ملے گا اور اگر امام نماز بے قاعدہ اور غیر شرعی و غیر مسنون طریقہ سے پڑھائے گا تو اس کی ذمہ داری مقتدیوں پر نہیں ہے مقتدیوں کو تو اس صورت میں بھی ثواب ملے گا کیونکہ انہوں نے تو نماز اچھی طرح ادا کی اور جماعت میں شریک ہونے کی نیت کی البتہ امام اپنی غلطی اور خطا کا خمیازہ خود بھگتے گا کیونکہ اس نے نماز پڑھانے میں تقصیر کی ہے۔

اس حدیث کے ذریعہ دراصل آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو وصیت فرمائی ہے کہ بعد میں جب برے اور غلط کار حاکم پیدا ہوں گے اور امامت کریں گے تو وہ امامت کی ادائیگی میں احکام و آداب کی رعایت نہیں کریں گے۔ لہذا اس وقت تم کو چاہئے کہ اپنی نماز درست اور صحیح طریقہ پر ادا کرو۔ اگر امام اچھی طرح نماز پڑھائے گا تو اس کا فائدہ امام اور مقتدی دونوں کو ہو گا ورنہ غلط نماز پڑھانے کی شکل میں مقتدیوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا غلط نماز پڑھانے کی ذمہ داری تنہا امام پر ہوگی اور نقصان اسی کو ہو گیا۔

وَهَذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَضْلِ الثَّانِي

اور اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

بوڑھے اور بیمار مقتدیوں کی رعایت امام کے لئے ضروری ہے

⑥ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ أَخْرَجَ مَا عَاهَدَ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَمْتَ قَوْمًا فَاخْفَ بِهِمُ الصَّلَاةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رَوَايَةٍ لَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ أُمُّ قَوْمِكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَجِدُ فِي نَفْسِي شَيْئًا قَالَ أَدْنُهُ فَأَجْلِسْنِي بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهُ فِي صَدْرِي بَيْنَ ثَدْيَيْ ثُمَّ قَالَ تَحَوَّلْ فَوَضَعَ فِي ظَهْرِي بَيْنَ كَتِفَيْ ثُمَّ قَالَ أُمُّ قَوْمِكَ وَمَنْ أُمُّ قَوْمًا فَلْيَخَفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْكِبِيرَ وَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَإِنَّ فِيهِمُ ذَا الْحَاجَةِ فَإِذَا صَلَّى أَخَذَكُمْ وَحْدَهُ فَلْيَصِلْ كَيْفَ شَاءَ۔

”حضرت عثمان ابن ابی العاصؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے جو آخری وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ ”جب تم لوگوں کی امامت کرو تو انہیں ہلکی نماز پڑھاؤ۔“ (مسلم) ”مسلم کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت کرو۔“ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اپنے دل میں کچھ کھٹک محسوس ہوتی ہے آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔“ (جب میں آپ ﷺ کے قریب آگیا تو) آپ ﷺ نے مجھے اپنے آگے بٹھایا اور میرے سینہ پر دونوں چھاتیوں کے درمیان اپنا دست مبارک رکھا پھر فرمایا کہ پشت پھیرو (میں نے اپنی پشت آپ کی جانب کر دی) چنانچہ آپ ﷺ نے میری پشت پر دونوں منڈھوں کے درمیان اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا کہ ”جاؤ اور اپنی قوم کی امامت کرو اور (یہ یاد رکھو کہ) جب کوئی شخص کسی قوم کا امام بنے تو اسے چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ ان میں بوڑھے بھی ہیں اور بیمار بھی ان میں کمزور لوگ بھی ہوتے ہیں اور حاجتمند بھی ہاں جب کوئی تنہا نماز پڑھے تو اسے اختیار جس طرح چاہئے پڑھے۔“

تشریح: حضرت عثمانؓ کے ارشاد انی اجد فی نفسی شئیا (یعنی مجھے اپنے دل میں کچھ کھٹک محسوس ہوتی ہے) کا مطلب یہ تھا کہ میں امامت کے حقوق کی ادائیگی سے اپنے آپ کو عاجز یا ناتاہوں یا کچھ وسوسے اور شبہات ہیں جو دل میں آتے ہیں یا یہ کہ امامت کے وقت میرے دل کے اندر ایک قسم کی برتری اور غرور کی سی کیفیت محسوس ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کیفیات کے دفعیہ کے لئے ان کے سینے اور پشت پر اپنا دست مبارک پھیرا جس کی برکت سے ان کے دل کی وہ کھٹک جاتی رہی جس کی موجودگی انہیں امامت پر آمادہ نہ ہونے دیتی تھی۔

فاذا صلی احدکم الخ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تنہا نماز پڑھنے والا اپنی نماز کے معاملہ میں مختار ہے چاہے تو وہ طویل نماز پڑھے چاہے مختصر لیکن علماء لکھتے ہیں کہ تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ طویل نماز پڑھے۔

اس زمانہ کے ائمہ کا معاملہ بڑا عجیب ہے جب وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں تو بہت زیادہ طوالت سے کام لیتے ہیں مگر جب تنہا نماز پڑھتے ہیں تو صرف اتنے ہی اختصار پر اکتفا کرتے ہیں جس سے نماز ادا ہو جائے۔ ائمہ کو اس طریق کار کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

⑦ وَعَنِ ابْنِ عُثْمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا بِالْتَّخْفِيفِ وَيُؤْمِنُنَا بِالصَّافَاتِ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ ہمیں ہلکی نماز (پڑھانے) کا حکم دیا کرتے تھے اور آپ ہمیں نماز پڑھاتے تو سورہ صافات کی قرأت کرتے۔“ (نسائی)

تشریح: حدیث کے دونوں جزیں میں بظاہر تو تعارض نظر آتا ہے کہ ایک طرف تو آپ ہلکی نماز پڑھانے کا حکم دیتے تھے اور دوسری طرف خود امامت کرتے وقت سورہ صافات کی قرأت فرماتے جو ایک طویل سورت ہے، اس تعارض کو دفع کرنے کے لئے علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ لمبی لمبی سورتیں اور بہت زیادہ آیتیں بہت کم عرصہ میں پڑھ لیتے تھے جس سے لوگوں کو کوئی گرائی اور اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی اور یہ خصوصیت دوسروں کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس طرح دونوں جزیں کوئی تعارض نہیں رہا۔

بَابُ مَا عَلَى الْمَأْمُومِ مِنَ الْمَتَابِعَةِ وَحُكْمُ الْمَسْبُوقِ

مقتدی کے لئے امام کی تابعداری کے لزوم اور مسبوق کا بیان

اس باب کے تحت وہ احادیث ذکر کی جائیں گی جن سے معلوم ہو گا کہ مقتدی کی تابعداری کتنی ضروری اور لازم ہے اور یہ کہ مقتدی کو امام کی متابعت کن چیزوں میں اور کس طرح کرنی چاہئے۔

نیز اس باب میں وہ احادیث بھی نقل کی جائیں گی جن سے مسبوق کا حکم معلوم ہو گا کہ وہ اپنی نماز کس طرح پوری کرے اور اسے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ گذشتہ صفحات میں کسی موقع پر مسبوق کی تعریف کی جا چکی ہے یعنی مسبوق اس نمازی کو کہتے ہیں جو ابتداء سے جماعت میں شریک نہ ہو بلکہ ایک رکعت یا اس سے زیادہ ہو جانے کے بعد جماعت میں آکر شریک ہوا ہو۔

امام کی متابعت کے سلسلہ میں آنے والی احادیث کے ضمن میں حسب موقع مسائل کی وضاحت کی جائے گی تاہم اس موقع پر اجمالی طور پر اتنی بات جانتے چلئے کہ نماز کے ان ارکان میں جو فرض یا واجب ہیں تمام مقتدیوں کو امام کی متابعت و موافقت کرنا واجب ہے ہاں ان ارکان میں جو سنت و غیرہ ہیں مقتدیوں کے لئے امام کی متابعت ضروری نہیں چنانچہ اگر امام، شافعی المذہب ہو اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرے یعنی دونوں ہاتھوں کو اٹھائے تو حنفی مقتدی کو ہاتھوں کا اٹھانا ضروری نہیں ہے کیونکہ ان دونوں موقعوں پر رفع یدین ان کے نزدیک محکمت ہے اس طرح فجر کی نماز میں شافعی المذہب امام قنوت پڑھے تو حنفی مقتدیوں کے لئے قنوت پڑھنا واجب نہیں ہاں رات میں قنوت پڑھنا واجب ہے لہذا اسی طرح شافعی المذہب امام اگر اپنے مذہب کے موافق قنوت رکوع کے بعد پڑھے تو حنفی مقتدیوں کو بھی امام کی متابعت و موافقت کے پیش نظر رکوع کے بعد ہی قنوت پڑھنا چاہئے۔ (علم الفقہ)

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

امام کی متابعت

① عَنْ بَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا نَصَلِّيْ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَخْنُ أَحَدٌ مِّنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَصْغِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنْبَهُتَهُ عَلَى الْأَرْضِ - (متن علیہ)

”حضرت براء ابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ آپ جب سبح اللہ لمن حمدہ کہتے توجہ تک آنحضرت ﷺ (سجدہ کیلئے) اپنی جبین مبارک زمین پر نہیں رکھتے تھے ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ جھکا تا (بھی) نہیں تھا“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت براءؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہم رکوع سے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی سجدہ میں نہیں چلے جاتے تھے بلکہ کھڑے رہتے تھے اور جب آنحضرت ﷺ زمین پر اپنی پیشانی رکھ لیتے تو ہم سجدہ میں جاتے۔ مولانا مظہرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مقتدی کے لئے یہ سنت ہے کہ وہ اپنی نماز کے ارکان امام کی نماز کے ارکان کے اس قدر بعد ادا کرے اور اگر

امام کے افعال و صلوة اور مقتدی کے افعال صلوة کے درمیان ادائیگی کا اتنا وقفہ نہ ہو تو بھی جائز ہے مگر تکبیر تحریمہ کے وقت مقتدی کے لئے اتنا توقف کرنا ضروری ہے کہ جب امام تکبیر تحریمہ کہہ کر فارغ ہو تو مقتدی تکبیر تحریمہ کہیں۔

مگر حنفی فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ مقتدی کے لئے امام کی متابعت بطریق مواصلت واجب ہے یعنی مقتدیوں کو ہر رکن امام کے ساتھ ہی بلا تاخیر ادا کرنا چاہئے، تحریمہ بھی امام کی تحریمہ کے ساتھ کریں، رکوع بھی امام کے رکوع کے ساتھ، قومہ بھی امام کے قومہ کے ساتھ، سجدہ بھی امام کے سجدہ کے ساتھ غرض کہ ہر فعل امام کے ہر فعل کے ساتھ کریں۔ ہاں اگر قعدہ اولیٰ میں امام اس سے پہلے کھڑا ہو جائے کہ مقتدی التحیات پوری کریں تو مقتدیوں کو چاہئے کہ التحیات پوری کر کے سلام پھیریں۔ ہاں رکوع و سجود میں اگر مقتدیوں نے تسبیح تین مرتبہ بھی نہ پڑھی ہوں اور امام سر اٹھائے تو صحیح مسئلہ یہی ہے کہ مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ تسبیح پڑھے بغیر ہی امام کے ساتھ کھڑے ہو جائیں، اگر مقتدی رکوع یا سجدہ سے اپنے سر امام کے سر اٹھانے سے پہلے اٹھائیں تو ان کو چاہئے کہ وہ دوبارہ رکوع یا سجدہ میں چلے جائیں اور پھر امام کے ساتھ ہی اپنا سر اٹھائیں اس طرح یہ رکوع یا سجدہ دو نہیں ہوں گے بلکہ ایک ہی شمار ہوں گے۔

مقتدی امام سے پہلے کوئی رکن ادا نہ کریں

(۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بَوَّاحُهُ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي إِمَامُكُمْ فَلَا تَسْبِقُونِي بِالرُّكُوعِ وَلَا بِالسُّجُودِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالْإِصْرَافِ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ أَمَامِي وَمِنْ خَلْفِي۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی جب آپ نماز پڑھا چکے تو اپنا چہرہ مبارک ہمارے ہی متوجہ کیا اور فرمایا کہ لوگو! میں تمہارا امام ہوں لہذا تم رکوع کرنے، سجدہ کرنے کھڑے ہونے اور پھرنے (یعنی نماز سے فارغ ہونے) میں مجھ سے جلدی نہ کیا کرو میں تمہیں اپنے آگے اور (بذریعہ مکاشفہ یا بطور معجزہ یا بذریعہ شاہدہ) اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔“ (مسلم)

(۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبَادِرُوا الْأَمَامَ إِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِسْنَ حَمِيدِهِ فَقُولُوا اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّ الْبُخَارِيَّ لَمْ يَذْكُرْ وَإِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّينَ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم اپنے امام پر پہل نہ کیا کرو۔ جب امام تکبیر کہے تو تم (بھی اس کے ساتھ ہی) تکبیر کہو جب امام ولا الضالین کہے تو تم رکوع میں جاؤ اور جب امام سمع اللہ لمن حمد کہے تو تم اللہم ربنا لک الحمد (اے اللہ اے ہمارے رب تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں) کہو۔“ اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے مگر بخاری نے اپنی روایات میں وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّينَ کے الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔“

تشریح: ”فقولوا آمین“ کہہ کر اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جب امام سورہ فاتحہ پڑھے تو مقتدی خاموش کھڑے رہ کر اسے سنیں اور سورہ فاتحہ کی قرأت نہ کریں۔

حدیث کے آخری جزو سے یہ معلوم ہوا کہ امام جب رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمد کہے تو مقتدی ربنا لک الحمد کہیں جیسا کہ امام عظمؒ کا مسئلہ ہے۔

امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں یا کھڑے ہو کر

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا فَصَرَاعَتْهُ فَبَجَحَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ فَصَلَّى صَلَاةً

مِنَ الصَّلَاةِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَأَاهُ فَعُوذًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا قَرَأَ فَارْكَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ۔ قَالَ الْحَمِيدِيُّ: قَوْلُهُ إِذَا صَلَّى جُلُوسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا هُوَ فِي مَرْصِئِهِ الْقَدِيمِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامًا لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُودِ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرِ فَلَا خَيْرَ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَاتَّفَقَ مُسْلِمٌ إِلَى أَجْمَعُونَ وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا۔

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ”ایک مرتبہ کسی سفر کے دورانؓ نبی کریمؐ گھوڑے پر سوار تھے کہ (اتفاقاً) آپؐ نیچے گر پڑے اس کی وجہ سے آپؐ کی داہنی کروٹ (ایسی) چھل گئی کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر آپؐ قادر نہ رہے چنانچہ آپؐ نے (ان پانچ فرض) نمازوں میں سے کوئی نماز ہمیں بیٹھ کر پڑھائی ہم نے آپؐ کے پیچھے بیٹھ کر (ہی) نماز پڑھی۔ جب آپؐ نماز پڑھ کر فارغ ہو گئے تو (ہم سے) مخاطب ہو کر فرمایا کہ امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا جب امام کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو جب وہ رکوع کرے تو تم (بھی) رکوع کرو اور جب وہ رکوع سے اٹھے تو تم (بھی) رکوع سے اٹھو، جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرے اور جب وہ رکوع کرے تو تم سجدہ کرے اور جب وہ رکوع کرے تو تم سجدہ کرے۔“

تشریح: اس روایت کے آخر میں جن حمیدی کا قول نقل کیا گیا ہے یہ وہ حمیدی نہیں جو جمع بین الصحیحین کے مولف ہیں بلکہ یہ بخاریؒ کے استاد حمیدی ہیں بہر حال اکثر ائمہ کا مسلک حمیدی کے قول کے مطابق ہی ہے کہ اگر امام کسی عذر کی بناء پر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر پڑھیں انہیں بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

آنحضرت کی علالت اور حضرت ابوبکرؓ کی امامت کا واقعہ

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا أَتَقَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ بِلَالٌ يُؤَدِّئُهُ بِالصَّلَاةِ فَقَالَ مَرُّوا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ تِلْكَ الْأَيَّامَ ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ خَفَةً فَقَامَ لِيَهَادِيَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرَجُلَةٍ تَخْطَانِ فِي الْأَرْضِ حَتَّى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمَّا سَمِعَ أَبُو بَكْرٍ حِسَّهُ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا يَتَأَخَّرَ فَجَاءَ حَتَّى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي قَائِمًا وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَاعِدًا يَفْتَدِي أَبُو بَكْرٍ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يَفْتَدُونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ فَتَّفَقَ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَهَا مَسْمُوعٌ أَبُو بَكْرٍ النَّاسَ التَّكْبِيرَ۔

”اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریمؐ بہت زیادہ بیمار تھے تو (ایک دن) حضرت بلالؓ آپؐ کو نماز کے لئے بلانے آئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو ان

دنوں میں سترہ نماز پڑھائیں پھر جب (ایک دن) آنحضرت ﷺ نے اپنی طبیعت کچھ ہلکی محسوس فرمائی تو آپ ﷺ (نماز کے لئے مسجد کو) دو آدمیوں کا سہارا لے کر (اس طرح) آئے کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے صحابہؓ کے مونڈھوں پر ٹیک رکھے ہوئے تھے اور (ضعف و کمزوری کے سبب) آپ ﷺ کے پیر مبارک زمین پر گھسٹتے جاتے تھے جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کی آمد کی آہٹ محسوس کی اور پیچھے ہٹنا شروع کیا (تا کہ آنحضرت ﷺ ان کی جگہ کھڑے ہو جائیں اور امامت کریں) آنحضرت ﷺ نے (یہ دیکھ کر) حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کیا کہ پیچھے نہ ہٹو پھر آپ ﷺ (آگے) بڑھے اور حضرت ابوبکرؓ کے بائیں طرف بیٹھ گئے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہے اور آنحضرت ﷺ ”ضعف و کمزوری کی بناء پر“ بیٹھ کر نماز پڑھتے رہے حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی نماز کی اقتدا کرتے تھے۔ “بخاری و مسلم“

تشریح: شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد ”ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت ﷺ کے بعد تمام لوگوں میں افضل ہیں نیز یہ کہ تمام لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ ہی آنحضرت ﷺ کی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق اور سب سے اول ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کی جانب سے حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے اس عظیم اور سب سے اہم منصب کا اہل و اولیٰ قرار دیئے جانے کی پیش نظری جلیل القدر صحابہ کا یہ ارشاد بالکل حقیقت پسندانہ اور منشاء رسالت کے عین مطابق تھا کہ ”آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو ہمارے دین (کی پیشوائی) کے لئے پسند فرمایا تو کیا ہم انہیں اپنی دنیا (کی رہبری) کے لئے پسند نہ کریں؟ یعنی جب آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنی زندگی میں دین کا سب سے بڑا اور اہم منصب امامت عنایت فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا تھا کہ میرے بعد ابوبکرؓ ہی کی وہ شخصیت ہو سکتی ہے جو مسلمانوں کی دینی پیشوائی اور رہبری کو انجام دے سکے تو حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کی دینی رہبری اور پیشوائی کے بدرجہ اولیٰ مستحق ہوئے لہذا خلافت جیسے عظیم الشان منصب کے سب سے زیادہ اہل و ہی ہیں۔

زجلین (دو صحابہؓ) سے مراد حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی ذات گرامی ہے یعنی آپ ﷺ اپنی کمزوری و ناتوانی کے سبب حجرہ مبارک سے مسجد نبویؐ تک ان دونوں جلیل القدر صحابہؓ کے مونڈھوں پر سہارا دیکر تشریف لائے۔

حدیث کے الفاظ والناس یقتدون بصلوۃ ابی بکرؓ (اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے) کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چونکہ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے پہلوئے مبارک میں کھڑے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ جو فعل کرتے حضرت ابوبکرؓ بھی اسی طرح کرتے تھے اور جو فعل حضرت ابوبکرؓ کرتے تھے دوسرے مقتدی بھی اسی طرح کرتے جاتے تھے۔ لہذا یہاں اقتداء کے یہی معنی ہیں یہ معنی مراد نہیں ہیں کہ آنحضرت ﷺ تو حضرت ابوبکرؓ کے امام تھے اور حضرت ابوبکرؓ دوسرے مقتدیوں کے امام تھے کیونکہ مقتدی کی اقتداء کرنا جائز نہیں۔

بہر حال اہل بیتؑ کہ امام آنحضرت ﷺ ہی تھے حضرت ابوبکرؓ بھی آپ ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے اور دوسرے لوگ بھی آپ ﷺ ہی کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔

کیا نماز کے دوران امامت میں تغیر جائز ہے

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نماز کے دوران امامت میں تغیر جائز ہے؟ یعنی نماز شروع ہو چکی ہے ایک امام لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہے ایک دوسرا شخص آتا ہے اور شروع سے نماز پڑھانے والے امام کی جگہ کھڑا ہوتا ہے اور امامت شروع کر دیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ جیسا کہ واقعہ مذکورہ میں صورت پیش آئی کہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو نماز پڑھانی شروع کر دی تھی کہ آنحضرت ﷺ بعد میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ کی جگہ لوگوں کی امامت شروع فرمادی! تو اس سلسلہ میں علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارہ میں

اجماع ہے کہ صورت مذکور میں آنحضرت ﷺ کا یہ فعل آپ ﷺ کے خصائص میں تھا، یعنی دوسروں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس طرح امامت میں تغیر کیا جائے۔

لیکن حضرت امام شافعیؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ مذکورہ بالا صورت کی طرح امامت اور اقتداء جائز ہے (ملاحظہ فرمائیے مرقاة شرح مشکوٰۃ)

اس سلسلہ میں بعض علماء حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ حضرت ابوبکرؓ نماز شروع کر چکے تھے یعنی حضرت ابوبکرؓ نے اس وقت نماز شروع نہیں کی تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور امامت شروع فرمادی۔ واللہ اعلم اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی صاف ہو گیا کہ اگر امام کسی عذر کی بناء پر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھیں چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جائے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ، عیدین، نیز زیادہ نمازی ہونے کی صورت میں عام نمازوں میں بھی مؤذنوں کے لئے جائز ہے کہ وہ امام کے ساتھ تکبیرات باوازلہ بلند کہتے جائیں تاکہ جو مقتدی امام سے فاصلہ پر ہوں وہ بھی تکبیرات سن لیں۔

امام سے پہلے سر اٹھانے پر وعید

① وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا يَخْشَى الذِّينَ يَرْفَعُونَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يَحُولَ اللَّهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ - (تفصیل علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جو امام سے پہلے (رکوع و سجود سے) سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ جل شانہ اس کے سر کو بدل کر گدھے جیسا سر کر دے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جو شخص نماز کے ارکان امام کے ساتھ ادا نہیں کرتا بلکہ امام سے پہلے ہی ادا کر لیتا ہے مثلاً رکوع و سجود سے امام کے سر اٹھانے سے پہلے اپنا سر اٹھا لیتا ہے تو ایسے شخص کے بارہ میں مذکورہ بالا حدیث سخت ترین وعید ہے۔

گو علماء لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے گدھے کے مانند کم فہم و عقل کر دے گا کیونکہ تمام جانوروں میں گدھا ہی سب سے زیادہ کم فہم ہوتا ہے لہذا یہ مسخ حقیقی نہیں ہو گا بلکہ مسخ معنوی ہو گا۔ تاہم علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کو اپنے حقیقی معنی پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس امت میں بھی مسخ ممکن ہے جیسا کہ ”باب اشراط الساعة“ میں مذکور ہے اور اس کے مؤید ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ان يحول الله صوره حمار یعنی اللہ تعالیٰ اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کی صورت کو گدھے جیسی صورت کر دے۔

خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ”اس امت میں بھی مسخ جائز ہے لہذا اس حدیث کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کرنا جائز ہے۔ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسخ خاص ہے اور امت کے لئے جو مسخ متنع ہے وہ مسخ عام ہے چنانچہ احادیث صحیحہ سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔“

مسخ صورت کی ایک عبرت ناک مثال

علامہ ابن حجرؒ کے مذکورہ بالا قول کی تائید ایک عبرت ناک واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو ایک جلیل القدر محدث سے منقول ہے کہ وہ طلب علم اور حصول حدیث کی خاطر دمشق کے ایک عالم کے پاس پہنچے جو اپنے علم و فضل کی بناء پر بہت مشہور تھا انہوں نے اس عالم سے درس لینا شروع کیا مگر حصول علم کے دوران یہ واقعہ طالب علم کے لئے بڑا حیرت ناک بنا رہا کہ استاد پوری مدت میں کبھی بھی ان کے سامنے نہیں آیا درس کے وقت استاد اور شاگرد کے درمیان ایک پردہ حائل رہتا تھا، ان کو اس کی بڑی خواہش تھی کہ کم سے کم ایک مرتبہ اپنے استاد کے

چہرے کی زیارت تو کریں، چنانچہ جب انہیں اس عالم کی خدمت میں رہتے ہوئے بہت کافی عرصہ گزر گیا تو اس نے یہ محسوس کر لیا کہ طالب علم حصول حدیث کے شوق اور تعلق شیخ کے بھرپور جذبات کا پوری طرح حامل ہے تو استاد نے ایک دن درمیان میں حاکم پرودہ کو اٹھایا ان کے حیرت اور تعجب کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ جو جلیل القدر عالم اور ان کا استاد جس کے علم و فضل کی شہرت چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اپنے انسانی چہرے سے محروم ہے بلکہ اس کا منہ گدھے جیسا ہے استاد نے شاگرد کی حیرت اور تعجب کو دیکھتے ہوئے جو بات کہی اسے سنئے اور اس سے عبرت حاصل کیجئے۔ اس نے کہا:

اے میرے بیٹے! نماز کے ارکان ادا کرنے کے سلسلہ میں امام پر پہل کرنے سے بچنا میں نے جب یہ حدیث سنی کہ ”کیا وہ شخص جو امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ جل شانہ اس کے سر کو بدل کر گدھے جیسا سر کر دے گا۔“ تو مجھے بہت تعجب ہوا اور میں نے اسے بعد ازاں مکان تصور کیا چنانچہ (یہ میری بد قسمتی کہ میں نے تجربہ کے طور پر) نماز کے ارکان ادا کرنے کے سلسلہ میں امام پر پہل کی جس کا نتیجہ میرے بیٹے اس وقت تمہارے سامنے ہے کہ میرا چہرہ واقعی گدھے کے چہرے جیسا ہو گیا۔

بہر حال ملا علی قاری اس کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد دراصل شدید تہدید اور انتہائی وعید کے طور پر ہے یا یہ کہ ایسے شخص کو برزخ یا دوزخ میں اس عذاب کے اندر مبتلا کیا جائے گا۔“

الفصل الثانی

امام کی موافقت کرنے کا حکم

④ وَعَنْ عَلِيٍّ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آتَى أَحَدُكُمْ الصَّلَاةَ وَالْإِمَامُ عَلَى حَالٍ فَلْيُصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ زَوَاهِ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”حضرت علی اور حضرت معاذ ابن جبلؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص (جماعت میں شریک ہونے کے لئے) نماز میں آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو جو کچھ امام کر رہا ہے وہی اسے کرنا چاہئے۔“ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ افعال نماز میں اس شخص کو امام کی اقتداء کرنی چاہئے اور اسے ارکان نماز کی ادائیگی کے سلسلہ میں امام سے مقدم یا مؤخر نہ ہونا چاہئے۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام جس حالت میں بھی ہو اس کی موافقت اسے کرنی چاہئے، یعنی جماعت شروع ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص بعد میں شریک ہونے کے لئے آئے تو امام جس حالت میں ہو اسے اس کی موافقت کرنی چاہئے اگر امام حالت قیام میں ہو تو اسے بھی وہی حالت اختیار کرنی چاہئے اگر وہ رکوع میں ہو تو اسے بھی رکوع میں چلے جانا چاہئے اگر سجدہ میں ہو تو اسے بھی سجدہ میں چلے جانا چاہئے دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ جماعت شروع ہو جانے کے بعد یوں ہی کھڑے رہتے ہیں یا باتوں میں مصروف رہتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں کہ جب امام رکوع میں جائے تو جا کر نماز میں شریک ہوں یہ طریقہ بہت غلط اور غیر شرعی ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے تاہم علماء کا اس حدیث پر عمل ہے اور نوویؒ نے بھی کہا ہے کہ حدیث کی اسناد ضعیف ہے لیکن جس حدیث پر علماء کا عمل ہوتا تھا اسے امام ترمذیؒ صحیح قرار دیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ حدیث کی صحت علماء کے عمل سے ثابت ہو جائے جیسا کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث پہنچی کہ جو شخص لا الہ الا اللہ ستر

ہزار مرتبہ پڑھے تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اسی طرح جس شخص کے لئے پڑھا جائے اس کی بھی مغفرت کر دی جاتی ہے چنانچہ میں اس کلمہ کو روایت کر وہ عدد کے مطابق خاص طور سے کسی کے لئے نیت کے بغیر پڑھا کرتا تھا اتفاق سے ایک دن میں ایک جگہ دعوت میں گیا وہاں میرے چند رفیق بھی تھے ان میں سے ایک شخص جو ان تھا جو کشف کے سلسلے میں بہت مشہور تھا کھانے کے دوران اچانک وہ رونے لگا میں نے حیرت زدہ ہو کر اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں (کشف کے ذریعہ) دیکھ رہا ہوں کہ میری ماں عذاب میں مبتلا ہے یہ سنتے ہی میں نے کلمہ مذکورہ کا ثواب دل ہی دل میں اس کی ماں کے لئے بخش دیا اب وہ ہنسنے لگا اور اس نے کہا کہ ”اب میں اپنی ماں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔“

اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد شخص محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا کہ اس شخص کے کشف کے صحیح ہونے سے میں نے اس حدیث کو صحیح جانا اور اس حدیث کے صحیح ہونے سے اس شخص کے کشف کو صحیح مانا۔“

رکوع میں شریک ہو جانے سے پوری رکعت ہو جاتی ہے

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَنَحْنُ سُجُودٌ فَاسْجُدُوا وَلَا تَعُدُّوهُ شَيْئًا وَمَنْ أَذْرَكَ رُكْعَةً فَقَدْ أَذْرَكَ الصَّلَاةَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم جماعت میں شریک ہونے کے لئے نماز میں آؤ اور مجھے سجدہ کی حالت میں پاؤ تو تم بھی سجدہ میں چلے جاؤ اور اس سجدہ کو کسی حساب میں نہ لگاؤ، ہاں جس شخص نے (امام کے ساتھ) رکوع پالیا تو اس نے پوری رکعت پالی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت میں آکر اس حال میں شریک ہو کہ امام سجدہ میں ہو اور وہ بھی سجدہ میں چلا جائے تو اس کی پوری رکعت نہیں ہوتی ہاں اگر کوئی شخص اس حال میں شریک ہو کہ امام رکوع میں ہو اور اسے رکوع مل جائے تو اس کی پوری رکعت ادا ہو جاتی ہے چنانچہ اس حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت میں اس وقت شریک ہو جب امام سجدہ میں ہو تو وہ سجدہ میں چلا جائے۔ مگر اس سجدہ کی وجہ سے وہ اس رکعت کا ادا کرنا نہ سمجھے کیونکہ جس طرح رکوع میں شریک ہو جانے سے پوری رکعت مل جاتی ہے اسی طرح سجدہ میں شریک ہونے سے پوری رکعت نہیں ملتی۔

دوسرے جزو کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں ① حدیث میں لفظ ”رکعة“ سے رکوع مراد ہے اور ”صلوۃ“ سے رکعت یعنی جس نے امام کو رکوع میں پایا اور وہ رکوع اس نے بھی پالیا تو اس کو پوری رکعت مل گئی ② رکعة اور صلوۃ دونوں اپنے حقیقی معنی میں استعمال کئے گئے ہیں اس طرح حدیث کے اس جزء کا مطلب یہ ہو گا کہ جس شخص نے جماعت میں ایک رکعت بھی پالی تو اس نے امام کے ساتھ پوری نماز کو پالیا لہذا اسے نماز باجماعت کا ثواب بھی ملے گا اور جماعت کی فضیلت بھی حاصل ہوگی۔

چالیس روز تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنے والے کے لئے بشارت

⑨ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى لِلَّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُذْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى كَيْبَ لَهُ تَبْرَأَتَانِ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ التَّفَاقُ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص چالیس روز تک اللہ تعالیٰ کے لئے جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ وہ تکبیر اولیٰ بھی پائے تو اس کے لئے دو قسم کی نجات لکھی جاتی ہے ایک تو دوزخ سے نجات اور دوسری تفاق سے نجات۔“

(ترمذی)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو مسلسل چالیس روز تک یہ سعادت حاصل ہو جائے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کی خاطر جماعت سے نماز اس طرح پڑھے کہ اس کی تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو یعنی وہ ابتداء سے نماز میں شریک رہے کہ جب امام تکبیر تحریمہ کہے تو وہ بھی تکبیر کہے یا بعض علماء کے قول کے مطابق زیادہ سے زیادہ امام کے سبحانک الہم پڑھنے تک جماعت میں شریک ہو جائے تو اس کے لئے بارگاہ رب العزت سے دو چیزوں سے نجات کا پروانہ عنایت فرمادیا جاتا ہے ایک تو دوزخ سے کہ اسے انشاء اللہ دوزخ کی آگ دیکھنا نصیب نہیں ہوگی اور دوسرے نفاق سے۔

نفاق سے نجات کا مطلب

نفاق سے نجات کا پروانہ دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مرد مؤمن کو اس بات سے اپنے حفظ و امان میں رکھے گا اس سے منافقوں جیسے عمل سرزد ہوں جیسے نماز میں کسل و سستی اور ریا، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی وغیرہ وغیرہ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اہل حق اور اہل اخلاص کے سے عمل کرنے کی توفیق دے گا اور آخرت میں اسے اس عذاب سے کہ جس میں منافقین کو مبتلا کیا جائے گا۔ بچائے گا نیز میدان حشر میں اس کے بارے میں یہ گواہی دی جائے گی کہ یہ بندہ منافق نہیں ہے بلکہ بندہ مؤمن و صادق ہے اور رحم و کرم کی یہ بارشیں محض اس وجہ سے ہوں گی کہ یہ شخص نماز میں اس قدر پہلے آیا کہ تکبیر اولیٰ میں شریک ہو سکے نیز دل کے پورے خلوص اور انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ نماز میں کھڑے ہو کر اپنے رب کی خوشنودی اور رضامندی کو حاصل کیا۔ حق تعالیٰ ہم سب کو اس سعادت سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین۔

جماعت کی نیت سے مسجد میں جانے والے کو جماعت نہ ملنے کی صورت میں بھی ثواب ملتا ہے

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وَضُوئَهُ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا أَعْطَاهُ اللَّهُ مِثْلَ أَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَ هَا لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أَجْوَرِهِمْ شَيْئًا۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے وضو کیا اور اچھا (یعنی پورے شرائط و آداب اور حضور دل کے ساتھ) وضو کیا اور پھر (مسجد میں) گیا اور وہاں دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے اس نمازی کے برابر ثواب عنایت فرماتا ہے جس نے وہاں جماعت میں حاضر ہو کر نماز پڑھی تھی اور اس کا ثواب دینے سے دوسرے (یعنی جماعت میں حاضر ہونے والوں) کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرتا۔“ (ابوداؤد و نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت میں شریک ہونے کی نیت سے مسجد میں آئے اور اتفاق سے اسے جماعت نہ مل سکے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے جماعت میں شریک ہونے والوں کے برابر ہی ثواب عنایت فرماتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ قصد ادیر کر کے جماعت میں شریک ہونے سے نہ رہ جائے بلکہ اتفاقاً کسی عذر کی بناء پر اس کی جماعت جاتی رہے اگر کوئی شخص قصداً جماعت کے وقت حاضر نہ ہو بلکہ جماعت ہو جانے کے بعد آئے تو اسے یہ ثواب نہیں ملے گا۔

حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ اسے یہ ثواب ان نمازیوں کے ثواب میں سے جو جماعت میں حاضر تھے کم کر کے نہیں ملے گا کہ جس کی وجہ سے ان کے ثواب میں کمی ہو جائے بلکہ ان نمازیوں کو تو اپنے فعل یعنی جماعت میں شریک ہونے کا بھرپور اجر ملے گا اور اسے جماعت کی نیت اور جماعت کے حاصل کرنے کے غلبہ شوق کی بناء پر ثواب دیا جائے گا۔

جماعت کی فضیلت

⑪ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَقَدِ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلَيَّ هَذَا

فَيَصْلِي مَعَهُ فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلَّى مَعَهُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز مسجد میں) ایک شخص ایسے وقت پہنچا جب کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھ چکے تھے آپ نے (اس شخص کو دیکھ کر) فرمایا کہ ”کیا کوئی شخص ایسا نہیں جو اسے خدا کی راہ میں دے۔“ چنانچہ ایک شخص (آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) کھڑا ہوا اور اس نے اس شخص کے ساتھ نماز پڑھی۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: يتصدق (خدا کی راہ میں دے) کا مطلب یہ تھا کہ کیا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس شخص کے ساتھ باہم طور احسان کرے کہ وہ اس کے ساتھ نماز پڑھے تاکہ اسے جماعت کا ثواب حاصل ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو نیک راہ بتائے یا اس کے نیک راستہ اختیار کرنے کا باعث بنے تو اسے وہی اجر و ثواب ملے گا جو خدا کی راہ میں بخشش کا ثواب ملتا ہے۔

مولانا مظہرؒ فرماتے ہیں کہ آنے والے شخص کے ساتھ نماز پڑھنے کو صدقہ (خدا کی راہ میں دینے) سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ اس شخص کے ساتھ نماز پڑھنے والے نے اس کو چھبیس گنا زیادہ ثواب صدقہ کیا کیونکہ اگر وہ اس شخص کے ساتھ نماز پڑھتا تو جماعت نہ ہونے اور تنہا نماز پڑھنے کی وجہ سے ایک ہی نماز کا ثواب ملتا اور اس شخص کے باعث جماعت حاصل ہونے کی وجہ سے اسے ستائیس نمازوں کا ثواب ملا۔

الفصل الثالث

آنحضرت ﷺ کے مرض موت میں ابوبکرؓ کی امامت کا واقعہ

(۱۲) عَنْ عُثَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَقُلْتُ أَلَا تُحَدِّثُنِي عَنْ مَرَضِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بَلَى ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَصَلَّى النَّاسُ فَقُلْنَا لَا يَارَسُولَ اللَّهِ وَهُمْ يَنْتَظِرُونَكَ فَقَالَ ضَعُو إِلَيَّ مَاءً فِي الْمِخْصَبِ قَالَتْ فَفَعَلْنَا فَأَغْتَسَلَ فَذَهَبَ لِيَتَوَضَّعَ فَأَغْمَى عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ أَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَارَسُولَ اللَّهِ قَالَ ضَعُو إِلَيَّ مَاءً فِي الْمِخْصَبِ قَالَتْ فَفَعَلْنَا فَأَغْتَسَلَ ثُمَّ دَهَبَ لِيَتَوَضَّعَ فَأَغْمَى عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ أَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَارَسُولَ اللَّهِ وَالنَّاسُ عَكُوفٌ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُونَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْأَخْرَى فَارْسَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ بَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فَأَتَاهُ الرَّسُولُ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَكَانَ رَجُلًا رَقِيقًا يَأْغُمِرُ صُلَّ بِالنَّاسِ فَقَالَ لَهُ عُمَرَاءُ أَهْلُ بَيْتِهِ بِذَلِكَ فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ تِلْكَ الْيَامَ ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ خَفَةً وَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ وَابْنُ بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فَلَمَّا رَأَاهُ أَبُو بَكْرٍ دَهَبَ لِيَتَأَخَّرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَانَ لَا يَتَأَخَّرُ قَالَ أَجْلَسَانِي إِلَى جَنْبِهِ فَأَجْلَسَاهُ إِلَى جَنْبِ أَبِي بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ وَقَالَ عُثَيْدُ اللَّهِ فَدَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهُ أَلَا أَعْرِضُ عَلَيْكَ مَا حَدَّثَنِي عَائِشَةُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَاتِ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَدِيثَهَا فَمَا أَنْكَرَ مِنْهُ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ أَسَمَّيْتُ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِي كَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلِيٌّ۔ (متفق عليه)

”حضرت عبید اللہ ابن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ ”کیا آپ مجھ سے نبی کریم ﷺ کی بیماری کا حال (کہ جس میں آپ آخری مرتبہ نماز پڑھانے کے لئے مسجد تشریف لے گئے تھے) بیان فرمائیں گی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ”ہاں (کیوں نہیں اتو سنو کہ جب) آنحضرت ﷺ زیادہ بیمار ہوئے تو (نماز کے وقت) پوچھا کہ ”کیا

لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟“ ہم نے کہا کہ ”ابھی نہیں یا رسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“ (یہ سن کر) آپؐ نے فرمایا کہ ”(اچھا) میرے لئے لگن (طشت) میں پانی رکھو۔“ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”ہم نے لگن میں پانی رکھ دیا“ چنانچہ آپؐ نے غسل کیا اور چاہا کہ کھڑے ہوں مگر ”کثرت کی وجہ سے آپؐ کو غش آگیا اور بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو پھر فرمایا کہ ”کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟“ ہم نے کہا کہ ”ابھی نہیں، لوگ آپؐ کے منتظر ہیں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا ”لگن میں پانی رکھ۔“ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (جب ہم لگن میں پانی رکھ دیا تو) آپؐ نے غسل فرمایا اور چاہا کہ کھڑے ہوں مگر بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو پھر پوچھا کہ ”کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟“ ہم نے عرض کیا کہ ابھی نہیں لوگ آپؐ کے منتظر ہیں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا ”لگن میں پانی رکھو۔“ (جب ہم نے پانی رکھ دیا تو) آپؐ میٹھے اور غسل کیا اور پھر جب اٹھنا چاہا تو بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو فرمایا کہ ”کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟“ ہم نے عرض کیا کہ ”نہیں لوگ آپؐ (ﷺ) کے منتظر ہیں یا رسول اللہ! اور لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے عشاء کی نماز کے لئے آنحضرت ﷺ کا انتظار کر رہے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے کسی کو (یعنی حضرت بلالؓ کو) حضرت ابوبکرؓ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں، چنانچہ قاصد (یعنی حضرت بلالؓ) ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپؐ کے لئے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ آپؐ لوگوں کو نماز پڑھائیں! حضرت ابوبکرؓ ایک نرم دل آدمی تھے (یہ سن کر) حضرت عمرؓ سے کہنے لگے کہ عمرؓ تم ہی لوگوں کو نماز پڑھا دو (کیونکہ میں تو آنحضرت ﷺ کی جگہ کھڑے ہونے کا تحمل نہیں ہو سکتا) لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”اس عظیم مرتبہ کے سب سے زیادہ اہل آپؐ ہیں! چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ان دنوں میں (یعنی آنحضرت کے ایام مرض میں سترہ نمازیں لوگوں کو پڑھائیں۔“ جب (ایک روز) آنحضرت ﷺ اپنے مرض میں کچھ تخفیف محسوس فرمائی تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر ان میں سے ایک حضرت عباسؓ تھے نماز طہر کے لئے (مسجد میں) تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا، لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں اشارہ کے ذریعہ پیچھے ہٹنے سے منع فرمادیا اور ان دونوں سے (جن کا سہارا لے کر آپؐ مسجد آئے تھے) فرمایا کہ ”مجھے ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھا دو!“ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھا دیا اور آپؐ میٹھے (نماز پڑھاتے) رہے حضرت عبداللہؓ (اس حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ میں (حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سن کر) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ کیا میں آپؐ سے وہ حدیث نہ بیان کر دوں جو میں نے حضرت عائشہؓ سے آنحضرت ﷺ کی بیماری کے بارہ میں سنی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ”ہاں بیان کرو! چنانچہ میں نے ان کے سامنے حضرت عائشہؓ کی حدیث بیان کی حضرت ابن عباسؓ نے اس میں سے کسی بات کا انکار نہیں کیا البتہ یہ فرمایا کہ کیا حضرت عائشہؓ نے تم سے اس شخص کا نام بیان کیا ہے جو حضرت عباسؓ کے ساتھ تھے؟ میں نے کہا کہ نہیں ”حضرت ابن عباسؓ“ نے فرمایا کہ وہ حضرت علیؓ تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عائشہؓ نے حضرت عباسؓ کا نام تو لے لیا مگر دوسرے شخص کا نام نہیں لیا جو ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو سہارا دے کر مسجد لے گئے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کے ایک طرف تو حضرت عباسؓ مستقل طور آپؐ کو سہارا دیئے ہوئے تھے مگر دوسری طرف ایک ہی شخص مقرر نہ تھا بلکہ نوبت بہ نوبت بدلتے جاتے تھے کبھی تو حضرت علیؓ سہارا دیتے کبھی حضرت اسامہؓ یا فضل ابن عباسؓ یہی وجہ ہے کہ ایک دوسری طرف روایت میں حضرت عائشہؓ کے الفاظ کچھ اس طرح منقول ہیں جو بطریق احتمال سب ناموں کو شامل ہیں چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں کہ ”آپؐ (ﷺ) کے دوسری طرف اہل بیت میں سے ایک شخص (سہارا دیئے ہوئے) تھے۔“

سورہ فاتحہ نہ پڑھنے سے ادھورا ثواب ملتا ہے

(۱۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ مَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ السَّجْدَةَ وَمَنْ فَاتَتْهُ قِرَاءَةُ أَمِ الْقُرْآنِ فَقَدْ فَاتَتْهُ خَيْرٌ

كثِيرٌ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے جس نے رکوع پایا اسے پوری رکعت مل گئی اور جو شخص سورہ فاتحہ پڑھنے سے رہ گیا وہ بہت سارے ثواب سے (بھی محروم) رہ گیا۔“ (مالک)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس نے نماز میں سورہ فاتحہ پڑھی تو چونکہ وہ اس وجہ سے بہت زیادہ ثواب سے محروم رہ گیا اس لئے اس کی نماز کا ثواب ناقص ہے۔
اس حدیث سے بین طریقہ پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے کیونکہ اگر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ سے کمی و نقصان نہیں ہوتا بلکہ نماز نہ ہونے کی وجہ سے سرے سے ثواب ملتا ہی نہیں۔

امام پر پہل کرنے کی وعید

(۱۴) وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَخْفِضُهُ قَبْلَ الْإِمَامِ فَإِنَّمَا نَاصِبُهُ بَيْنَ الشَّيْطَانِ - (رواہ مالک)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ (یہ بھی) فرماتے تھے کہ ”جو شخص (رکوع و سجود میں) اپنے سر کو امام سے پہلے اٹھائے یا جھکائے تو (جھو کہ) اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔“ (مالک)

بَابُ مَنْ صَلَّى صَلَوةً مَرَّتَيْنِ

دو مرتبہ نماز پڑھنے والے شخص کا بیان

اگر کوئی شخص ایک ہی نماز دو مرتبہ خواہ حقیقہ خواہ صورۃ پڑھتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا دونوں مرتبہ کی نمازیں ایک ہی قسم سے ادا ہوں گی یا ان کی حیثیت میں فرق ہو جائے گا؟ یعنی دونوں مرتبہ فرض ادا ہوں گے یا ایک مرتبہ فرض اور دوسری مرتبہ نفل؟ یہی باتیں بتانے کے لئے یہ باب قائم کیا گیا ہے اور انہیں مضامین پر مشتمل احادیث اس باب کے تحت نقل کی جائیں گی۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

حضرت معاذؓ کے دو مرتبہ نماز پڑھنے کی حقیقت

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ - (متفق علیہ)

”حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ (پہلے تو) نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے اور پھر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں نماز پڑھاتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت معاذ ابن جبلؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ عشاء کی سنتیں یا نفل آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پڑھتے تھے تاکہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ اور مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے کی فضیلت و سعادت حاصل ہو جائے اور آنحضرت ﷺ سے نماز پڑھنے کا طریقہ بھی معلوم ہو جائے پھر وہاں سے اپنی قوم میں آکر لوگوں کو فرض نماز پڑھایا کرتے تھے۔

② وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى قَوْمِهِ فَيُصَلِّي بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ لَهُ نَافِلَةٌ - (رواہ ابوداؤد و البخاری)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ عشاء کی نماز (پہلے تو) نبی کریم ﷺ کے ہمراہ پڑھتے تھے پھر اپنی قوم کو بلاتے اور ان کو

عشاء کی نماز پڑھاتے اور وہ ان کے لئے نفل ہوتی۔“

تشریح: حضرت معاذؓ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پہلے تو عشاء کی نماز پڑھتے وقت عشاء کی سنت کی نیت کرتے ہوں گے یا نفل نماز کی نیت کر لیتے ہوں گے پھر اپنی قوم کے پاس آکر ان کی امامت کرتے اور اس وقت فرض نماز پڑھتے تھے۔

حدیث کے آخری الفاظ وَهِيَ لَكُمْ نَافِلَةٌ کا مطلب سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ دو مرتبہ نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ ایک شخص نے اپنے مکان میں تنہا یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اس کے بعد مسجد آیا تو دیکھا کہ وہاں اسی نماز کی جماعت ہو رہی ہے جو پہلے پڑھ چکا ہے۔ وہ مسجد میں جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے جماعت میں شریک ہو کر دوبارہ نماز پڑھ لیتا ہے اس صورت میں فرض نماز کی ادائیگی چونکہ پہلے ہو چکی ہے اس لئے یہ جماعت کی نماز اس کے لئے نفل ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے وہ اپنی مسجد میں نماز پڑھانے سے پہلے کسی خاص موقع پر یا کسی خاص شخص کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے بہ نیت نفل نماز پڑھ لیتا ہے پھر اس کے بعد اپنی مسجد میں آکر لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے ایسی صورت میں بعد کی نماز فرض ادا ہوگی اور پہلی نماز نفل ہو جائے گی۔

اس تفصیل کو سمجھنے کے بعد اس جملہ کا مطلب آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے اور یہ کہ وہ دوسری نماز جو جماعت کے ساتھ فرض یا نفل ادا ہوتی ہے یا پہلی نماز دو مرتبہ پڑھنے والے کے حق میں نافلہ یعنی خیر و بھلائی کی زیادتی اور ثواب کی کثرت کا باعث ہوتی ہے۔

جن لوگوں نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ”وہ دوسری نماز جو حضرت معاذؓ قوم کے ہمراہ پڑھتے تھے حضرت معاذؓ کی نفل نماز اور ان کی قوم کی عشاء کی فرض نماز ہوتی تھی۔“ حقیقت سے دور ہے کیونکہ یہ بات تو اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب کی اس مطلب کو بیان کرنے والے حضرت معاذؓ کا کوئی ایسا قول بھی پیش کریں جس میں حضرت معاذؓ خود یہ بتائیں کہ ان کی نیت دو نفلوں مرتبہ کیا ہوتی تھی کیونکہ نیت کی حقیقت تو اس وقت تک معلوم نہیں ہوتی جب تک کی نیت کرنے والا اپنی نیت کے بارے میں خود نہ بتائے کہ اس کی نیت کیا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت معاذؓ نماز پڑھتے وقت نیت دل میں کرتے ہوں گے زبان سے اظہار نہیں کرتے ہوں گے جیسا کہ ابن ہمامؒ نے نقل کیا ہے کہ زبان سے نیت کرنا بدعت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ زبان سے نیت کرتے تھے پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہ جملہ ”وہی نافلہ“ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ اضافہ ہے جو صحیح روایتوں میں موجود نہیں ہے چنانچہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے اپنے اجتہاد و مسلک کے مطابق اس کا اضافہ کیا ہے پھر یہ مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں یہ جگہ خالی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ نے سنن کے کسی بھی طریق سے یہ جملہ نہیں پایا۔

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ ”علماء حدیث کا یہ قول ہے کہ ”وہی لکم نافلة“ حدیث جابرؓ میں غیر محفوظ ہے۔“

نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا جو اختلاف ہے اسے پوری وضاحت کے ساتھ مظاہر حق جدید کی قسط ۹ میں ”باب القراءۃ فی الصلوٰۃ“ کی حدیث نمبر ۱ کی تشریح کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

جماعت کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم

(۳) عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّتَهُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ وَانْحَرَفَ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِي آخِرِ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّا مَعَهُ قَالَ عَلَيَّ بِهِمَا فَجِئَا بِهِمَا تَزْعُدُ فَوَائِصَهُمَا فَقَالَ مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا فَقَالَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ كُنَّا قَدْ صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا قَالَ فَلَا تَفْعَلَا إِذَا

صَلَّيْتُمَا فِي رِحَالِكُمَا ثُمَّ أَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلَّيَا مَعَهُمْ فَإِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ۔ (رواہ الترمذی و ابو داؤد و النسائی)

”حضرت یزید ابن اسودؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ حج (جنتہ الوداع) میں شریک تھا چنانچہ (اس موقع پر ایک دن میں نے آپ ﷺ کے ہمراہ مسجد خیف میں صبح کی نماز پڑھی جب آپ ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو شخص جماعت کے آخر میں بیٹھے ہوئے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی آنحضرت ﷺ نے (انہیں دیکھ کر لوگوں سے) فرمایا کہ ”ان دونوں کو میرے پاس لاؤ“ وہ دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس حال میں حاضر کئے گئے کہ (آنحضرت ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے) ان کے مونڈھوں کا گوشت تھر تھرا ہوا تھا آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روک دیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے مکان میں نماز پڑھ چکے تھے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”آئندہ ایسا نہ کرنا، اگر تم اپنے مکان میں نماز پڑھ چکو اور اس مسجد میں آؤ جہاں جماعت ہو رہی ہو تو لوگوں کے ساتھ (مجھے) نماز پڑھ لو، یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔“

(ابو داؤد، نسائی)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آخر میں پڑھی جانے والی نماز نفل ہو جائے گی خواہ پہلی نماز جماعت سے پڑھی ہو یا تنہا پڑھی ہو۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

④ عَنْ بُسْرِ بْنِ مِجْنَحٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ فِي مَجْلِسٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذِنَ بِالصَّلَاةِ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى وَرَجَعَ وَمِجْنَحٌ فِي مَجْلِسِهِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ أَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ فَقَالَ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلَكِنِّي كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِي أَهْلِي فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جِئْتَ الْمَسْجِدَ وَكُنْتُ قَدْ صَلَّيْتَ فَأَقِمْ الصَّلَاةَ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ وَإِنْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ۔ (رواہ مالک و النسائی)

”حضرت بسر ابن مجنحؓ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ان کے والد محترم حضرت مجنح) ایک مجلس میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ نماز کیلئے اذان ہو گئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے نماز پڑھ کر جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو دیکھا مجنحؓ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تمہیں کس چیز نے روک دیا تھا کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہاں میں مسلمان ہوں لیکن (بات یہ ہوئی کہ) میں اپنے گھر والوں کے ساتھ نماز پڑھ چکا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تم مسجد میں آؤ اور نماز (اپنے گھر میں) پڑھ چکے ہو اور مسجد میں جماعت کھڑی ہو تو لوگوں کے ساتھ (دوبارہ) نماز پڑھ لو اگرچہ تم نماز پڑھ چکے ہو۔“ (مالک، نسائی)

دوبارہ نماز پڑھنا باعث ثواب ہے

⑤ وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ أَسَدِ بْنِ خُرَيْمَةَ أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ يُصَلِّي أَحَدُنَا فِي مَنْزِلِهِ الصَّلَاةَ ثُمَّ يَأْتِي الْمَسْجِدَ وَتَقَامُ الصَّلَاةُ فَاصْلَى مَعَهُمْ فَأَجِدُ فِي نَفْسِي شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَقَالَ أَبُو أَيُّوبَ سَأَلْتَا عَنْ ذَلِكَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذَلِكَ لَهُ سَهْمٌ جَمْعٌ۔ (رواہ مالک و ابو داؤد)

”اور قبیلہ اسد ابن خزیمہ کے ایک شخص کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے حضرت ابوالایوب انصاریؓ سے پوچھا کہ ”ہم میں سے کوئی شخص (اپنے گھر میں) نماز پڑھ لیتا ہے پھر وہ مسجد میں آتا ہے اور (دیکھتا ہے کہ) وہاں نماز پڑھی جا رہی ہے تو کیا میں نے ان کے ساتھ (دوبارہ)

نماز پڑھ لو؟ میں اپنے دل میں ایک کھٹک محسوس کرتا ہوں (یعنی میرے دل میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا دوبارہ نماز پڑھنا میرے لئے بہتر ہے یا نہیں؟) حضرت ابوالیوب انصاریؓ نے فرمایا کہ ”میں نے (بھی اس مسئلہ کو) آنحضرت ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”یہ (دوبارہ نماز پڑھنا) اس کے لئے جماعت کا نصیب ہے۔“ (مالک، ابوداؤد)

تشریح: فلذک لہ سهم جمع کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ مکان میں فرض نماز پڑھ لینے کے بعد پھر دوبارہ مسجد میں جماعت کے ساتھ وہی نماز پڑھتا ہے تو اس کے حق میں سراسر سعادت کی بات ہے کیونکہ اس طرح اسے جماعت کی فضیلت اور اس کا ثواب ہاتھ لگتا ہے لہذا اس سلسلہ میں دل کے اندر کوئی وسوسہ و شبہ پیدا نہ کرنا چاہئے۔

دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم

① وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ جِئْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَجَلَسْتُ وَلَمْ أَذْخُلْ مَعَهُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ جَالِسًا فَقَالَ أَلَمْ تُسَلِّمْ يَا يَزِيدُ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ أَسْلَمْتُ قَالَ وَمَا مَنَعَكَ أَنْ تَدْخُلَ مَعَ النَّاسِ فِي صَلَاتِهِمْ قَالَ إِنِّي كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِي مَنْزِلِي أَحْسَبُ أَنْ قَدْ صَلَّيْتُمْ فَقَالَ إِذَا جِئْتَ الصَّلَاةَ فَوَجَدْتَ النَّاسَ يُصَلُّونَ فَصَلِّ مَعَهُمْ وَإِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ تَكُنْ لَكَ نَافِلَةٌ وَهَذِهِ مَكْتُوبَةٌ۔ (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت یزید ابن عامرؓ فرماتے ہیں (ایک روز) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور آپ ﷺ اس وقت (لوگوں کے ہمراہ) نماز پڑھ رہے تھے میں (ایک طرف) بیٹھ گیا اور ان لوگوں کے ساتھ جماعت میں شامل نہیں ہوا جب آنحضرت ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے اور مجھے (ایک طرف) بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ ”یزید کیا تم مسلمان نہیں ہو کہ نماز نہیں پڑھی؟ میں نے عرض کیا ”ہاں رسول اللہ! بیشک میں مسلمان ہوں!“ آپؐ نے فرمایا تو پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہونے سے تمہیں کس چیز نے روک دیا تھا؟ میں نے عرض میں اپنے مکان میں نماز پڑھ چکا تھا اور (اب آتے وقت) یہ خیال تھا کہ آپ (ﷺ) بھی نماز سے فارغ ہو چکے ہوں گے پھر فرمایا۔ ”جب تم نماز کو آؤ اور لوگوں کو (نماز پڑھتے ہوئے) پایاؤ تو تم بھی ان کے ہمراہ نماز میں شامل ہو جاؤ اگرچہ تم (پہلے وہ) نماز پڑھ چکے ہو اور یہ (دوسری مرتبہ) کی نماز تمہارے لئے نفل جو جائے گی اور وہ (پہلی نماز) فرض ادا ہو گئی۔“ (ابوداؤد)

② وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ فَقَالَ إِنِّي أَصَلَّيْتُ فِي بَيْتِي ثُمَّ أَذْرُكَ الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الْإِمَامِ أَفَأَصَلِّي مَعَهُ قَالَ لَهُ نَعَمْ قَالَ الرَّجُلُ أَيَّتَهُمَا أَجْعَلْ صَلَاتِي قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَذَلِكَ إِلَيْكَ إِنَّمَا ذَلِكَ إِلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ يَجْعَلُ أَيَّتَهُمَا شَاءَ۔ (رواه مالک)

”اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا ”میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہوں پھر مسجد میں (ایسے وقت پہنچتا ہوں کہ) لوگ امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے ہیں تو کیا میں بھی اس امام کے پیچھے نماز پڑھوں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”ہاں! پھر اس شخص نے پوچھا کہ (ان میں سے) اپنی (فرض) نماز کے قرار دوں؟ (پہلی یا دوسری کو) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا (کیا یہ تمہارا کام ہے؟) (یعنی) ان میں سے کسی ایک کو فرض نماز مقرر کرنا تمہارا کام نہیں ہے (یہ تو اللہ بزرگ و برتر کے اختیار میں ہے کہ وہ جسے چاہے تمہاری (فرض) نماز قرار دے۔“ (مالک)

تشریح: یہ حدیث بعض شواہد اور غزالیؒ کے اس قول کی تائید کرتی ہے کہ ان دونوں نمازوں میں ایک نماز بلا تعین فرض ادا ہوتی ہے خواہ پہلی نماز ہو یا دوسری۔

لیکن اکثر احادیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں میں پہلی نماز فرض ادا ہوتی ہے اور دوسری نماز نفل ہو جاتی ہے

اور یہی بات قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ کوئی شخص کسی ایسے کام کو جو اس کے لئے ایک وقت میں ایک مرتبہ کرنا ضروری ہو اگر دو مرتبہ کرے تو ظاہر ہے کہ وہ بری الذمہ پہلی مرتبہ ہوتا ہے نہ کہ دوسری مرتبہ، اسی طرح نماز فرض کی ادائیگی پہلی مرتبہ ہوتی ہے اور دوسری مرتبہ کی نماز اس کے حق میں نفل کی صورت میں فضیلت و سعادت کا سرمایہ بن جاتی ہے۔

ایک نماز کو دوبارہ نہ پڑھنے کا حکم

⑧ وَعَنْ سُلَيْمَانَ مَوْلَى مَيْمُونَةَ قَالَ أَتَيْنَا ابْنَ عُمَرَ عَلَى الْبِلَاطِ وَهُمْ يُصَلُّونَ فَقُلْتُ أَلَا تُصَلِّيَ مَعَهُمْ قَالَ قَدْ صَلَّيْتُ وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُصَلُّوا صَلَاةً فِي يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ - (رواہ احمد والبوداؤد والنسائی)

”اور اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت سلیمانؓ فرماتے ہیں کہ ”ایک روز ہم حضرت ابن عمرؓ کے پاس مقام بلاط میں آئے لوگ اس وقت (مسجد میں) نماز پڑھ رہے تھے میں نے ابن عمرؓ سے عرض کیا کہ آپ لوگوں کے ہمراہ نماز نہیں پڑھتے؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ”میں نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”تم ایک دن (یعنی ایک وقت میں) ایک نماز دو مرتبہ نہ پڑھو۔“ (البوداؤد، نسائی، احمد)“

تشریح: ”بلاط“ مدینہ منورہ میں ایک جگہ کا نام ہے جسے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد سے باہر اس مقصد کے لئے بنایا تھا کہ لوگوں کو باتیں وغیرہ کرنی ہوں تو مسجد سے باہر اس جگہ کیا کریں اور مسجد میں دنیاوی امور پر مشتمل بات چیت نہ ہو۔“

دوبارہ نماز پڑھنے کے حکم کی تطبیق گزشتہ احادیث سے

بظاہر یہ حدیث گزشتہ احادیث سے متعارض نظر آتی ہے جو ایک نماز کو دوبارہ پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں لہذا اس حدیث کے حکم و گزشتہ احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ دراصل اس حدیث کے حکم کا تعلق اس شخص سے ہے جو پہلی مرتبہ جماعت سے نماز پڑھ چکا ہو اور گزشتہ احادیث مرتبہ نماز جماعت سے نہیں بلکہ تنہا پڑھی ہو جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ یا۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دوسری مرتبہ نماز بطریق فرضیت نہ پڑھو یعنی دوسری نماز اگر نفل جان کر اور نفل کی نیت سے پڑھو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس وضاحت کی روشنی میں حضرت ابن عمرؓ کے الفاظ قد صلیت (میں نماز پڑھ چکا ہوں) کی یہ تشریح کی جائے گی کہ حضرت ابن عمرؓ شاید جماعت سے نماز پڑھ چکے ہوں گے اس لئے وہ دوبارہ نماز میں شریک نہیں ہوئے یا یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے۔ وہ فجر یا عصر و مغرب کا وقت ہو گا۔ کہ ان اوقات میں دوبارہ نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

آخر میں اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ اس سلسلہ میں اکثر حدیثیں عام ہیں یعنی ان احادیث سے بظاہر معلوم یہی ہوتا ہے کہ یہ حکم کہ اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ کر مسجد میں آئے اور وہاں جماعت ہو رہی ہو تو وہ جماعت میں شریک ہو جائے اور دوبارہ نماز پڑھ لے تمام اوقات کی نمازوں سے متعلق ہے لیکن مجتہدین اور علماء نے ان احادیث پر بھی نظر رکھی ہے جن سے بعض اوقات میں دوبارہ نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا گیا ہے لہذا ان احادیث کے پیش نظر انہوں نے ان اوقات کو متعین کر دیا ہے جن میں دوبارہ نماز پڑھ لینی چاہئے اور ان اوقات کو بھی مختص کر دیا ہے جن میں دوبارہ نماز نہ پڑھنی چاہئے چنانچہ اگلی حدیث میں تخصیص مذکور ہے۔

وہ اوقات جن میں دوبارہ نماز پڑھنا ممنوع ہے

⑨ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ أَوْ الصُّبْحَ ثُمَّ أَدْرَكَهُمَا مَعَ الْإِمَامِ فَلَا يَغْدُ لَهُمَا - (رواہ مالک)

”اور حضرت تافعؓ راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے مغرب یا فجر کی نماز (تہا) پڑھ لی اور پھر ان نمازوں کو امام کے ساتھ پایا (یعنی جہاں جماعت ہو رہی تھی وہاں پہنچ گیا) تو وہ ان کو دوبارہ نہ پڑھے۔“ (مالک)

تشریح: یہ حدیث حضرت امام مالکؒ کے مسلک کی تائید کرتی ہے کیونکہ ان کے یہاں صرف مغرب اور فجر کی نمازوں کا اعادہ ممنوع ہے مگر حنفیہ کے یہاں عصر کی نماز بھی اس حکم میں ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تمام نمازوں میں اعادہ ہو سکتا ہے اس حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا حکم اس شخص کے بارہ میں ہے جس نے پہلی مرتبہ جماعت سے نہیں بلکہ تنہا پڑھی ہو لہذا پہلی مرتبہ جماعت سے نماز پڑھ لینے کی شکل میں تو بطریق اولیٰ دوبارہ نماز پڑھنی چاہئے۔

بَابُ السُّنَنِ وَفَضَائِلِهَا سنتوں اور اس کی فضیلتوں کا بیان

شریعت اسلامی میں نماز چونکہ سب سے عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے نیز دوسری عبادتوں کے مقابلہ میں اس کی بڑی اہمیت اور خداوند قدوس کی بارگاہ میں سب سے زیادہ محبوب ہے اس لئے اس عبادت میں جتنی زیادہ کثرت اور زیادتی اختیار کی جاتی ہے اسی قدر نہ صرف یہ کہ بندہ کی سعادت و بھلائی بے پناہ رفعتیں اور عروج پائی ہیں بلکہ وہ اپنی پوری پوری عبودیت اور خداوند عالم کی حاکمیت و کبریائی کا اظہار بھی کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت میں دوسری عبادتوں کو جہاں صرف فرائض تک محدود رکھا ہے وہاں اس عبادت کو فرائض و واجبات کے علاوہ سنن سے بھی نواز اے چنانچہ ہر فرض نماز کی ساتھ کچھ سنتیں بھی مقرر کی گئی ہیں تاکہ نہ صرف یہ کہ وہ فرض کے ساتھ آسانی سے ادا ہو جائیں بلکہ فرض نماز کی ادائیگی میں جو نقصان و کوتاہی واقع ہو گئی ہو وہ پوری ہو جائے۔

سنتیں یعنی وہ نماز جو دن و رات میں فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

① رواتب یہ وہ سنت نمازیں کہلاتی ہیں جن پر آنحضرت ﷺ نے مداومت اختیار فرمائی۔

② غیر رواتب یہ وہ سنت نمازیں کہلاتی ہیں جن پر آنحضرت ﷺ نے مداومت اختیار نہیں فرمائی جیسے عصر کے وقت کی سنتیں۔

سنتیں پڑھنے کا بھی وہی طریقہ ہے جو فرض نماز پڑھنے کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ فرض نماز کی صرف دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت بھی پڑھنے کا حکم ہے اور سنت نماز کی سب رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت بھی پڑھی جاتی ہے اور سنت نماز کی رکعتوں میں جو سورتیں پڑھی جاتی ہیں ان کا برابر نہ ہوتا خلاف سنت نہیں ہے نیز سنت نمازیں دن میں دو رکعت تک اور رات میں چار رکعت تک ایک ہی سلام سے پڑھی جاسکتی ہیں مگر دو رکعت کے بعد التحیات پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ (علم الفقہ)

یہ بات بھی جان لیجئے کہ سنت نفل تقویٰ، مندوب، مستحب، مرغوب نہ اور حسن یہ تمام الفاظ مترادف ہیں ان سب کے معنی ایک ہی ہیں۔ یعنی وہ نماز جس کے پڑھنے کو شارع نے نہ پڑھنے پر ترجیح دی ہے اگرچہ ان نمازوں میں بعض ایسی ہیں جو دوسرے بعض کے مقابلہ میں سنت ہو کہ وہ ہیں۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

سنتوں کی تعداد اور ان کی پڑھنے کی فضیلت

(۱) عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثَلَاثِينَ عَشْرَةَ رُكْعَةً لَبِثْتُ لَهُ يَوْمٌ

فِي الْجَنَّةِ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكَعَتَيْنِ بَعْدَ هَاوٍ وَرَكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكَعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَوةِ الْفَجْرِ (زَوَاهِ التِّرْمِذِيُّ) وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّيَ لِلَّهِ كُلَّ يَوْمٍ عَشْرَةَ رَكَعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيضَةٍ اِلَّا ابْنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اَوْ اِلَّا ابْنَى لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔

”حضرت ام حبیبہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص دن و رات میں بارہ رکعتیں نماز پڑھے تو اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے (اور وہ بارہ رکعتیں یہ ہیں) چار رکعت ظہر کی فرض نماز سے پہلے (اور دو رکعت اس کے بعد، دو رکعت مغرب کی فرض نماز کے بعد، دو رکعت عشاء کی فرض نماز کے بعد اور دو رکعت فجر کی فرض نماز سے پہلے۔“ (ترمذی)

”اور مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ام حبیبہ نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بندہ مسلمان ہر دن میں اللہ جل شانہ کے لئے فرض نمازوں کے علاوہ بارہ رکعتیں (سنت) پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے ایسا فرمایا کہ ”اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے۔“

تشریح: حدیث میں دن و رات کی سنتوں کی جو تعداد مذکورہ تفصیل کے ساتھ بتائی گئی ہے وہ تمام سنتیں مؤکدہ ہیں اور فجر کی دونوں سنت رکعتیں سب سے زیادہ مؤکدہ ہیں حتیٰ کہ حضرت امام حسن بصریؒ اور بعض خفیہ حضرات نے ان کو واجب تک کہا ہے امام حسنؒ نے تو مغرب کی دونوں سنتوں کو بھی واجب کہا ہے لیکن اس حدیث کے پیش نظر ان کے قول کی تردید کی گئی ہے کہ وہ واجب نہیں بلکہ سنت ہیں۔

(۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكَعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكَعَتَيْنِ بَعْدَ هَاوٍ وَرَكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ وَرَكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ قَالَ وَحَدَّثَنِي حَفْصَةُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي رَكَعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”میں نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ظہر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں، اس کے بعد دو رکعتیں اور آپ ﷺ کے گھر (یعنی حضرت حفصہؓ جو ابن عمرؓ کی بہن تھیں کے حجرہ) میں مغرب کی فرض نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھی ہیں نیز حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت حفصہؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ دو ہلکی رکعتیں اس وقت پڑھا کرتے تھے جب فجر طوع ہوتی تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت ابن عمرؓ نے ظہر سے پہلے کی سنتوں کے لئے ”رکعتین“ کا استعمال فرمایا ہے جس کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں لیکن اہل علم کا قول ہے کہ تشبیہ (دو) جمع (چار) کے منافی نہیں ہے یعنی اگر یہاں ”رکعتین“ کے معنی بجائے دو رکعت کے چار رکعت مراد لئے جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس توجیہ کے ذریعہ اس حدیث میں اور اس حدیث میں کہ جس سے ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت سنتیں ثابت ہوتی ہیں تطبیق ہو جاتی ہیں۔ (ملاحظہ فرمائی)

حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کی مستدل ہے کیونکہ ان کے نزدیک ظہر کی نماز فرض ہے پہلے سنت دو رکعتیں مگر خفیہ کے نزدیک چار رکعتیں ہیں خفیہ مسلک کی مستدل بھی بہت سی احادیث مروی ہیں جو حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ وغیرہ سے منقول ہیں نیز حضرت امام ترمذیؒ نے خفیہ مسلک کے حق میں فرمایا ہے کہ اسی مسلک پر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ میں سے اکثر اہل علم کا عمل ہے اور یہی قول سفیان ثوریؒ، ابن المبارکؒ اور اسحاق کا بھی ہے نیز حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا قول بھی چار رکعتوں ہی کے بارہ میں منقول ہے لیکن اس طرح کہ چار رکعتیں دو سلام کے ساتھ پڑھی جائیں حضرت

ابن عمرؓ کے اس ارشاد کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی چار رکعت سنتیں گھر میں پڑھا کرتے تھے لہذا ازواج مطہرات نے چار رکعتوں ہی کے بارہ میں ذکر کیا اور جب آپ ﷺ فرض نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تو وہاں تہیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھتے تھے اس لئے تہیۃ المسجد کی دو رکعتوں کو حضرت ابن عمرؓ نے ظہر کی سنتیں سمجھ کر فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کے ہمراہ ظہر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعت سنت پڑھی ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے یہاں ظہر، مغرب، اور عشاء کی سنتوں کا تذکرہ کیا ہے فجر کی سنتوں کا تذکرہ نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صبح کے وقت آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز نہیں پڑھتے تھے اس لئے فجر کی سنتیں خود ذکر نہیں کیں بلکہ حضرت حفصہؓ کی روایت کر دی تاکہ ان نمازوں کے ساتھ فجر کی سنتیں بھی معلوم ہو جائیں۔

جمعہ کی سنتیں

(۳) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ۔ (تفصیل علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ (گھر میں) واپس تشریف لاتے اور مکان میں دو رکعتیں پڑھتے۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں رکعتیں سے جمعہ کی سنتیں مراد ہیں چنانچہ ایک قول کے مطابق حضرت امام شافعیؒ کا عمل اسی حدیث پر ہے کہ جمعہ کی سنت ظہر ہی کی سنت کی طرح یعنی دو رکعتیں ہیں دیگر صحیح احادیث میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز سے پہلے بھی اور جمعہ کی نماز کے بعد بھی چار چار رکعت سنتیں پڑھتے تھے چنانچہ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد چھ رکعتیں سنت پڑھنی چاہئیں۔

جیسا کہ پہلے کسی موقع پر بتایا جا چکا ہے کہ نوافل نماز گھر میں پڑھنی افضل ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ جمعہ کے بعد کی سنتیں گھر میں پڑھا کرتے تھے۔

آنحضرت کے نوافل کی تعداد

(۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهِ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّي فِي بَيْتِهِ قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّي بِالنَّاسِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْخُلُ بَيْتَهُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ فِيهِنَّ الْوُتْرُ وَكَانَ يُصَلِّي لَيْلًا طَوِيلًا قَائِمًا وَلَيْلًا طَوِيلًا قَاعِدًا وَكَانَ إِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَاعِدٌ وَكَانَ إِذَا ظَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّي بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْفَجْرِ۔

”اور حضرت عبداللہ ابن شقیقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نبی کریم ﷺ کی نفل نمازوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ”آنحضرت ﷺ پہلے میرے گھر میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھتے پھر (مسجد) تشریف لے جاتے (اور وہاں) لوگوں کے ہمراہ (ظہر کی فرض) نماز پڑھتے پھر آپ ﷺ (گھر میں) تشریف لاتے اور دو رکعتیں نماز پڑھتے۔ (اسی طرح) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز لوگوں کے ہمراہ (مسجد میں) ادا فرماتے اور پھر (گھر میں) تشریف لا کر دو رکعتیں نماز پڑھتے۔ نیز آپ ﷺ عشاء کی نماز لوگوں کے ہمراہ (مسجد میں) پڑھتے اور پھر میرے گھر تشریف لا کر دو رکعتیں نماز پڑھتے اور آپ ﷺ رات میں (تہجد کی نماز) بھی (نور رکعت پڑھا کرتے تھے ان میں وتر (کی نماز بھی) شامل ہوتی اور رات میں دیر تک کھڑے ہو کر اور دیر تک بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے اور جس وقت آپ ﷺ

کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تو کھڑے ہی کھڑے رکوع و سجود میں چلے جایا کرتے تھے اور جب بیٹھ کر نماز پڑھتے تو بیٹھے ہی ہوئے رکوع و سجود میں جایا کرتے تھے اور جب صبح صادق ہوتی تو دو رکعت فجر کی سنت پڑھ لیتے تھے۔ ”مسلم“ (ابوداؤد) نے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ ”(فجر کی دو سنتیں پڑھ کر) پھر آپ ﷺ (مسجد تشریف لے جاتے اور وہاں لوگوں کے ہمراہ فجر کی فرض نماز ادا فرماتے۔“

تشریح: یہ حدیث اس بات کی صریح طور پر دلیل ہے کہ سنتیں گھر میں ہی پڑھنا افضل ہیں ”فِيهِنَّ الْوُثُو“ کا مطلب یہ ہے ”جب آنحضرت ﷺ تہجد کی نماز ادا فرماتے تو اس کے ساتھ وتر بھی تین رکعت (جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے) یا ایک رکعت (جیسا دیگر ائمہ کا مسلک ہے) پڑھ لیا کرتے تھے۔“

رات میں آنحضرت ﷺ کی نماز پڑھنے کے سلسلہ میں مختلف روایتیں منقول ہیں کہ کبھی رکعتیں پڑھتے کبھی آٹھ اور کبھی نو اسی طرح کبھی دس کبھی گیارہ اور کبھی تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

رُكْعٌ وَسَجْدٌ وَهُوَ قَائِمٌ کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت آپ ﷺ تہجد کی نماز کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے تو آپ حالت قیام ہی سے رکوع و سجود میں جایا کرتے تھے یہ نہیں ہوتا تھا کہ قرأت تو کھڑے ہو کر کرتے ہوں اور رکوع و سجدہ بیٹھ کر کرتے ہوں اسی طرح جب آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے تو رکوع و سجود بھی بیٹھے ہی کرتے تھے تاہم اس صورت کے بارہ میں یہ بھی منقول ہے کہ آپ رکوع و سجود میں کھڑے ہو کر جایا کرتے تھے یعنی قرأت تو بیٹھ کر کرتے پھر کھڑے ہوتے اور تھوڑی سی قرأت کر کے تب رکوع و سجود میں جاتے تھے۔ بہر حال تمام احادیث کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ تہجد کی نماز تین طرح سے پڑھتے تھے۔

① پوری نماز کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔

② پوری نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

③ قرأت بیٹھ کر کرتے پھر کھڑے ہوتے اور رکوع و سجود میں جاتے۔

اس تیسری صورت کا عکس نہیں فرماتے تھے۔ یعنی اس طرح نماز نہیں پڑھتے تھے کہ قرأت تو کھڑے ہو کر کرتے ہوں اور پھر بیٹھ کر رکوع و سجود میں جاتے ہوں جیسا کہ یہ حدیث اس کی نفی کر رہی ہے۔

فجر کی سنتوں کی تاکید

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مِنَ التَّوَاتُلِ أَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلَى رُكْعَتَيْ الْفَجْرِ - (متفق علیہ)

”اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے تواتل کے پڑھنے میں کسی کی ایسی محافظت اور مداومت نہیں فرماتے تھے جیسی کہ فجر کی (سنت کی) دو رکعت کے پڑھنے پر مداومت اور محافظت فرماتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ فجر اس کی سنتیں اتنی زیادہ اہم اور مؤکدہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ کسی بھی حال میں خواہ سفر میں ہوتے یا حضر میں انہیں پڑھنا نہیں چھوڑتے تھے۔

فجر کی سنتوں کی اہمیت و عظمت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ بغیر کسی عذر کے فجر کی سنتوں کو بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں ہے۔

فجر کی سنتوں کی فضیلت

⑥ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا - (رواہ مسلم)

”اور اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا فجر کی سنتوں کی دو رکعتیں دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ بہتر ہے۔“ (مسلم)

تشریح: فجر کی سنتوں کو دنیا اور دنیا کی چیزوں پر یہ فضیلت اس صورت میں دی گئی ہے کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دی جائیں تب بھی فجر کی سنتیں ہی افضل ہوں گی کیونکہ دنیا کی چیزوں میں بخل کرنے اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے میں اچھائی کب ہے کہ فجر کی سنتوں کو ان سے افضل کہا جاتا۔

علماء نے لکھا ہے کہ سب سے زیادہ مؤکدہ سنتیں فجر کی ہیں اس کے بعد مغرب کی سنتیں اور اس کے بعد ظہر کی فرض نماز کے بعد کی سنتیں اس کے بعد عشاء کی فرض نماز کے بعد کی سنتیں اور پھر سب کے بعد ظہر کی فرض نماز سے پہلے کی سنتیں۔

مغرب کی فرض نماز سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا حکم

(۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ رَكَعَتَيْنِ صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ رَكَعَتَيْنِ قَالَ فِي الثَّلَاثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةً أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مغفلؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”مغرب کی فرض نماز سے پہلے (دو رکعتیں) نماز پڑھو (آپ نے یہ الفاظ دو مرتبہ فرمائے اور پھر) بوجہ اس بات کے مکروہ سمجھنے کے کہ لوگ انہیں سنت نہ قرار دے دیں تیسری مرتبہ یہ فرمایا کہ ”جو چاہے (پڑھ لیا کرے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: دو مرتبہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ مغرب کی فرض نماز پڑھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھ لیا کرو مگر پھر یہ جان لو کہ لوگ دونوں رکعتوں کو سنت مؤکدہ کا درجہ دے دیں گے ”لمن شاء“ (جو چاہے) کہہ کر اس بات کی آگاہی دے دی کہ یہ دو رکعتیں سنت نہیں ہیں بلکہ ان کا درجہ زیادہ سے زیادہ استحباب تک ہے اگر کوئی شخص انہیں پڑھ لے گا تو اسے ثواب ملے گا۔ اور جو شخص نہیں پڑھے گا اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

مغرب کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں نفل پڑھنے کے سلسلہ میں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اکثر فقہاء نے انہیں پڑھنے سے منع کیا ہے چنانچہ باب ”فضل الاذان“ کی حدیث نمبر ۷ کے ضمن میں اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے اور اس باب کی تیسری فصل میں بھی اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جائے گی۔

جمعہ کے بعد چار رکعت سنتیں پڑھنی چاہئے

(۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي أُخْرَى لَهُ قَالَ إِذَا صَلَّيْتَ أَحَدَكُمْ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے جو شخص جمعہ (کی فرض نماز) کے بعد نماز پڑھے والا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ چار رکعت پڑھے۔ مسلم“ اور مسلم ہی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کی نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے بعد چار رکعت سنتیں بھی پڑھے۔“

الْفَصْلُ الثَّانِي

ظہر کی سنتیں پڑھنے کی فضیلت

(۹) عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ

أَرْبَعٌ بَعْدَ هَاجَرَمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ - (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ)

”حضرت اُمّ حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ظہر (کی فرض نماز) سے پہلے چار رکعت اور اس کے بعد چار رکعت کی محافظت کرتا ہے (یعنی انہیں پابندی سے بلا تاخیر پڑھتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس پر (دوزخ کی) آگ حرام کر دیتا ہے (بایں طور کہ اس کو مطلقاً دوزخ میں نہیں ڈالے گا) یہ کہ اسے دوزخ میں ابدی طور پر نہیں رکھے گا۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: اس روایت سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کے بعد چار رکعت نماز ایک ہی سلام سے پڑھی جائے جب کہ دوسری روایت میں منقول ہے کہ ظہر کے بعد کی چار رکعتیں دو سلام کے ساتھ ادا کی جائیں، بہر حال اس موقع پر یہ بحث ہے کہ ظہر کی یہ چار رکعتیں جن کے بارہ میں حدیث میں ذکر کیا جا رہا ہے آیا سنت کی دو رکعتوں کے علاوہ ہیں یا سنت کی وہ دونوں رکعتیں بھی اس میں شامل ہیں۔ تو ظاہری طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ چار رکعتیں سنت کی ان دونوں رکعتوں کے علاوہ ہیں جو فرض کے بعد پڑھی جاتی ہیں لیکن ملا علی قاریؒ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چار رکعتوں میں سنت کی وہ دونوں رکعتیں بھی شامل ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ان چار رکعتوں میں ۴ رکعت سنت مؤکدہ ہیں اور دو رکعت مستحب اور اولیٰ یہ ہے کہ یہ چار رکعت دو سلام کے ساتھ ادا کی جائیں۔

ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھنے کی فضیلت

⑩ وَعَنْ أَبِي أَنُوبٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيْهِنَّ تَسْلِيمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ أَبْوَابُ السَّمَاءِ - (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوالیوب انصاریؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ظہر سے پہلے کی وہ چار رکعتیں کہ جن (کے درمیان) میں سلام نہیں پھیرا جاتا (یعنی ان چار رکعتوں کے پڑھنے کے سلسلہ میں افضل یہی ہے کہ چار رکعتیں پوری کر کے آخر میں سلام پھیرا جائے) ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ظہر سے پہلے پڑھی جانے والی چار رکعتوں کی فضیلت ظاہر فرمائی جا رہی ہے کہ جب وہ پڑھی جاتی ہیں تو ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں یعنی وہ بارگاہ رب العزت میں پہنچ کر قبولیت کا درجہ پاتی ہیں اور ان کے سبب سے رحمت الہی کے انوار نازل ہوتے ہیں۔

ان چار رکعتوں کے بارہ میں بھی اختلاف ہے آیا ان سے مراد سنت راتبہ کی وہی چار رکعتیں ہیں جو ظہر کے فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں یا ان کے علاوہ ہیں جن کو نماز فی الزوال کہتے ہیں۔ چنانچہ مختار قول یہی ہے کہ یہ غیر راتبہ یعنی فجر کے فرض سے پہلے کی سنت مؤکدہ کے علاوہ نماز فی الزوال کی چار رکعتیں ہیں۔

نماز فی الزوال کی فضیلت

⑪ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي أَرْبَعًا بَعْدَ أَنْ تَزُولَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ إِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيْهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ فَأُحِبُّ أَنْ يُصْعَدَ لِي فِيْهَا عَمَلٌ صَالِحٌ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عبداللہ ابن سائبؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سورج ڈھلنے کے بعد اور ظہر سے پہلے (فی الزوال کی) چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ”یہ ایسا وقت ہے جس میں (نیک اعمال کے) اوپر جانے کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں لہذا میں اسے محبوب رکھتا ہوں کہ اس وقت میرا نیک عمل اوپر جائے۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج ڈھلنے کے بعد کا وقت ساعتِ قیامت اس وقت جو بھی نیک عمل کیا جائے گا وہ بارگاہ رب

العترت میں مقبولیت کا درجہ پائے گا اور ظاہر ہے کہ تمام نیک اعمال میں نماز سب سے افضل ہے اس لئے اس وقت نماز پڑھنا افضل ہوگا۔

عصر کی سنتیں

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللَّهُ أَمْرًا صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا۔

(رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت نازل فرمائے جو عصر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتا ہے۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

عصر کی سنتیں دو رکعت ہیں یا چار رکعت

(۱۳) وَعَنِ عَلِيِّ بْنِ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِالسَّلَامِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اور ان کے درمیان مقرب فرشتوں اور ان کے بعد میں جو مسلمان اور مؤمنین ہیں سب پر سلام بھیج کر فرق کرتے تھے۔“ (ترمذی)

تشریح: یہاں ”تسلیم“ (سلام بھیجنے) سے مراد التحیات پڑھنا ہے، یعنی آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد التحیات پڑھتے تھے اور پھر پاد رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے۔

عصر کی سنتیں دو ہیں یا چار ہیں

(۱۴) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعَصْرِ رَكَعَتَيْنِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: عصر کی سنتوں کے بارہ میں متعدد روایتیں منقول ہیں بعض سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ عصر سے پہلے دو رکعتیں سنت کی پڑھا کرتے تھے اور بعض روایتوں سے چار رکعت کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ نماز کا اختیار ہے چاہے تو وہ دو رکعت پڑھے اور چاہے تو چار رکعت، تاہم افضل چار ہی رکعت پڑھنا ہے۔

صلوۃ الاوابین کی فضیلت

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ لَمْ يَنْكَلَمْ فِيْهَا يَنْتَهَنَ بِسُوءِ عَدْلٍ لَهُ بِعِبَادَةِ ثَلَاثِي عَشْرَةِ سَنَةٍ رَوَاهُ ابْنُ أَبِي حَتْمٍ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عُمَرَ بْنِ أَبِي حَتْمٍ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يَقُولُ هُوَ مِنْ كَثَرِ الْحَدِيثِ وَضَعْفُهُ جَدًّا۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص مغرب کی نماز پڑھ کر چھ رکعت (نفل اس طرح) پڑھے کے ان کے درمیان کوئی نقش گھنگو نہ کرے تو ان رکعتوں کا ثواب اس کے لئے بارہ سال کی عبادت کے ثواب کے برابر ہو جائے گا۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ہم یہ حدیث صرف عمر ابن خطابؓ کی سند کے (اور کسی سند سے) نہیں جانتے اور میں نے محمد ابن اسعیل بخاریؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ یہ (عمر ابن خطابؓ) مکر الحدیث ہے نیز انہوں نے اس حدیث کو بہت ضعیف کہا ہے۔“

تشریح: مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعت نماز نفل تین سلام کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اسے صلوٰۃ الاولائین کہتے ہیں یہ نماز سنت ہے اور اس نماز کا نام ”صلوٰۃ الاولائین“ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اس نماز کی بہت زیادہ فضیلت ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔

حدیث سے بظاہر تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مغرب کے بعد جو دو رکعت معمولی سنت پڑھی جاتی ہے وہ بھی ان چھ رکعتوں میں شامل ہے، نیز اگلی حدیث میں صلوٰۃ الاولائین کی چوبیس رکعتیں ذکر کی جارہی ہیں ان میں بھی یہ دونوں رکعتیں داخل ہیں۔ علامہ یحییٰؒ نے فرمایا ہے کہ ”پہلے دو رکعتیں سنت کی الگ سے پڑھ لی جائیں اس کے بعد میں اختیار ہے کہ چاہے کوئی چاروں رکعت پڑھ لے، چاہے دو ہی پڑھے۔

اس حدیث کو اگرچہ امام ترمذی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے مگر فضائل اعمال کے سلسلہ میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا جائز ہے پھر اس کے علاوہ اس حدیث کو ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں اور ابن ماجہؒ نے بھی نقل کیا ہے، نیز میرکؒ کا قول یہ ہے کہ حضرت عمار ابن یاسرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے نیز انہوں نے فرمایا ہے کہ ”میں نے اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتا ہے اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ (گناہ) دریا کے جھاگ کے مانند ہوں۔ (طبرانی)

حضرت مولانا شاہ اسحق محدث دہلوی کا قول ہے کہ ”ہماری تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث میں صلوٰۃ الاولائین کی جو چھ رکعت ذکر کی گئی ہیں یا اسی طرح اگلی حدیث میں جو بیس رکعتیں ذکر کی جائیں گے یہ دونوں تعداد مغرب کے بعد کی سنت مؤکدہ کی دو رکعت کے علاوہ ہے۔

صلوٰۃ الاولائین کی انتہائی تعداد بیس رکعت ہے

(۱۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ عِشْرِينَ رَكْعَةً بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص مغرب کے بعد بیس رکعتیں (صلوٰۃ الاولائین) کی پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہشت میں گھر بناتا ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: جو محدثین نے اس حدیث کو بھی ضعیف قرار دیا ہے لیکن علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں ایک حدیث اور منقول ہے کہ ”نبی کریم ﷺ اس نماز کی بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے یہ صلوٰۃ الاولائین ہے لہذا جس شخص نے یہ نماز پڑھی تو (بھوکہ) اس کی مغفرت کر دی گئی۔“ چنانچہ اکثر علماء سلف اور صلحائے امت اسے پڑھنا اپنی سعادت جو خوش بختی تصور کرتے تھے اور اسے پڑھتے تھے۔

علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ صلوٰۃ الاولائین کی رکعت کی تعداد کے سلسلے میں مختلف احادیث منقول ہیں چنانچہ ایک حدیث تو اس سے پہلے ہی گزر چکی ہے جس میں چھ رکعت ذکر کی گئی ہے ایک حدیث یہ ہے جس میں بیس رکعت منقول ہے اسی طرح بعض روایتوں میں دو رکعت اور بعض روایتوں میں چار رکعت بھی منقول ہے۔ لہذا ان تمام احادیث کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ صلوٰۃ الاولائین کی کم سے کم دو رکعت ہے اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعت جو شخص دو سے لے کر بیس تک جتنی زیادہ رکعتیں پڑھ گا اس کے حق میں اسی قدر بہتری و بھلائی ہوگی۔

عشاء کی سنتیں

(۱۷) وَعَنْهَا قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ صَلَّيْ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ أَوْ سِتًّا

رُكْعَاتِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ جب بھی (مسجد میں) عشاء کی فرض نماز پڑھ کر میرے پاس آتے تھے تو (سنت کی) چار رکعت یا چھ رکعت ضرور پڑھتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: عشاء کے بعد سنتوں کے سلسلہ میں جتنی بھی مشہور روایتیں منقول ہیں ان میں یا تو دو رکعت پڑھنا منقول ہے یا چار رکعت، صرف یہی ایک ایسی حدیث ہے جس میں چھ رکعت پڑھنے کا ذکر کیا جا رہا ہے جن احادیث میں دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے ان میں سے کچھ پہلے بھی گزر چکی ہیں جن روایتوں سے چار رکعت پڑھنا معلوم ہوتا ہے ان میں سے منجملہ ایک حدیث یہ بھی ہے جس کو سعید ابن منصور نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس شخص نے عشاء سے پہلے چار رکعت نماز پڑھی تو گویا اس نے اس رات میں تہجد کی نماز پڑھی اور جس شخص نے عشاء کے بعد چار رکعت نماز پڑھی تو گویا اس نے لیلۃ القدر میں چار رکعت نماز پڑھی۔ بہر حال۔ اس روایت کی وضاحت یہ ہے کہ آپ عشاء کے بعد جو چار رکعتیں پڑھتے تھے اس میں سے دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہوتی تھیں اور دو رکعت مستحب۔ البتہ اوست رکعات میں حرف او کے بارہ میں دو احتمال ہیں یا تو یہ شک کے لئے ہے یا پھر توجیع کے لئے ہے۔

ارشادی باری ادبار النجوم اور ادبار السجود سے فجر اور مغرب کی سنتیں مراد ہیں

(۱۸) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَارَ النُّجُومُ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَإِذَا بَارَ السُّجُودُ الرَّكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (صبح) اور ادبار النجوم سے فجر سے پہلے کی دو رکعتیں (یعنی فجر کی سنتیں) مراد ہیں اور (صبح) ادبار السجود سے مغرب کے بعد کی دو رکعتیں (یعنی مغرب کی سنتیں) مراد ہیں۔“ (ترمذی)

تشریح: قرآن کریم کی سورہ طور کے آخر میں یہ آیت ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۖ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ۝ (الطور ۵۲: ۳۹)

”جب تم اٹھا کرو تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کیا کرو اور رات کے بعض اوقات میں بھی اور ستاروں کے پٹھ پھرنے (یعنی ڈوبنے) کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کرو۔“

اس آیت کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ادبار النجوم ستاروں کے پٹھ پھرنے کے وقت پروردگار کی پاکی بیان کرنے سے فجر کی سنتیں پڑھنی مراد ہیں کہ وہ ستاروں کے چھپنے کے وقت یعنی صبح صادق کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔ اس طرح قرآن کریم کی سورہ ق کی یہ آیت ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۖ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ۝ (ق ۵۰: ۳۹-۴۰)

”اور آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرو اور رات کے بعض اوقات میں بھی اور سجود کے بعد بھی اس کی پاکی بیان کرو۔“

حدیث کے دوسرے جزء میں آنحضرت ﷺ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ ”اس میں ”سجود“ سے مراد مغرب کی تین رکعت فرض ہیں اور ”ادبار السجود“ یعنی سجود کے بعد پاکی بیان کرنے سے مغرب کے فرض کے بعد کی دو رکعت سنتیں پڑھنی مراد ہیں۔“

الفصل الثالث

ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھنے کا ثواب

(۱۹) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ تُحْسَبُ بِمِثْلِهِنَّ فِي صَلَاةِ السَّحَرِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا وَهُوَ يُسَبِّحُ اللَّهَ تِلْكَ السَّاعَةَ ثُمَّ قَرَأَ يَتَفَتَّحُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجْدًا لِلَّهِ وَهُمْ ذَاخِرُونَ زَوَاهِ التَّوْحِيدِ وَالْيَهْقِي فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ -

”امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ظہر سے پہلے اور سورج ڈھلنے کے بعد (ظہر کی سنت یا الزوال کی) چار رکعت نماز (ثواب اور فضیلت میں) تہجد کے وقت چار رکعت نماز پڑھنے کے برابر ہوتی ہیں اور اس وقت (یعنی ظہر سے پہلے اور سورج ڈھلنے کے بعد) تمام چیزیں اللہ رب العزت کی پاکی کی تسبیح کرتی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”يَتَفَتَّحُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجْدًا لِلَّهِ وَهُمْ ذَاخِرُونَ“ ”تمام چیزوں کے سائے دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے اللہ جل شانہ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے جھکتے ہیں اور وہ سب حقیر ہیں۔“ (ترمذی، بیہقی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس وقت نماز پڑھنے کی ترغیب دلانے کے لئے اپنے ارشاد کی دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی آیت میں سجدے سے مراد تابعداری ہے خواہ وہ طبعاً ہو یا اختیاریاً۔ اور اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں جس چیز کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اس مقصد کی تکمیل ہی اور حقیقت پروردگار کی تابعداری ہے۔

عصر کے بعد دو رکعت نماز کا ذکر

(۲۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِي قَطُّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَتْ وَالَّذِي ذَهَبَ بِهِ مَا تَرَكَهُمَا حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ -

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی میرے نزدیک (یعنی میرے گھر میں) عصر کے بعد دو رکعت (نماز پڑھنی) نہیں چھوڑی۔ (بخاری و مسلم) اور بخاریؒ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم ہے اس پاک ذات کی جس نے رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک قبض کی، آپ ﷺ نے یہ دو رکعتیں کبھی نہ چھوڑیں یہاں تک کہ وصال حق فرمایا۔

تشریح: گذشتہ صفحات میں کسی موقع پر عصر کے بعد نماز پڑھنے کی سلسلہ میں بتایا جا چکا ہے یہ دو رکعت پڑھنی آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی اور صرف آنحضرت ﷺ کے لئے جائز تھی، دوسرے لوگوں کو عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اس کی مخالفت میں بہت زیادہ احادیث منقول ہیں۔

غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے نفل نماز پڑھنے کا مسئلہ

(۲۱) وَعَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ النَّظْوَعِ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ كَانَ عُمَرُ يَضْرِبُ الْإِيدَى عَلَى صَلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكُنَّا نَصَلِّي عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْتُ لَهُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهِمَا قَالَ كَانَ يَرَانَا يُصَلِّيهِمَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا -

(رواہ مسلم)

”اور حضرت مختار ابن فلفلؓ نے میں نے (ایک دن) حضرت انسؓ سے عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کے بارہ پوچھا تو انہوں نے

فرمایا کہ (اس معاملہ میں) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ (کا تو اتنا سخت رویہ تھا کہ وہ) عصر کے بعد نفل نماز کی نیت باندھنے والے کے ہاتھ پر مارتے تھے (یعنی انتہائی سختی اور شدت سے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے) اور ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں آفتاب غروب ہونے کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں (نفل نماز کی) پڑھا کرتے تھے۔ (یہ سن کر) میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ کیا آنحضرت ﷺ بھی یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا آپ ﷺ ہمیں نماز پڑھتے دیکھتے تھے لیکن ہمیں اس کے پڑھنے کا نہ تو حکم ہی دیتے تھے اور نہ ہمیں اس کے پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔ "مسلم"

تشریح: حضرت انسؓ نے اپنے قول نہ تو ہمیں حکم ہی دیتے تھے اور نہ منع فرماتے تھے، سے آنحضرت ﷺ کی تقریر ثابت کی یعنی آپ ﷺ اس وقت نماز پڑھنے کو درست سمجھتے تھے کیونکہ اگر آپ ﷺ کے نزدیک اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہوتا تو آپ ﷺ اس سے ضرور منع فرماتے، لیکن خلفائے راشدین کے بارہ میں ثابت ہے کہ وہ حضرات اس وقت نماز پڑھنے کو درست نہیں سمجھتے تھے لہذا اس سلسلہ میں خلفائے راشدین کی اقتداء کافی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء نے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں مغرب کی نماز کی تاخیر لازم آتی ہے۔

(۲۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا بِالْمَدِينَةِ فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ ابْتَدَأُوا السَّوَارِيَ فَرَكَعُوا رَكْعَتَيْنِ حَتَّىٰ إِنَّ الرَّجُلَ الْغَرِيبَ لَيَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فَيُحْسِبُ أَنَّ الصَّلَاةَ قَدْ صَلَّيَتْ مِنْ كَثَرَةِ مَنْ يُصَلِّيْنَهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے (اس وقت یہ حال تھا کہ) جب موزن مغرب کی اذان دیتا تو (بعض صحابہؓ "پتا بعین") مسجد کے ستونوں کی طرف دوڑتے اور دو رکعت نماز پڑھنے لگتے، یہاں تک کہ کوئی مسافر شخص اگر مسجد میں آتا تو اکثر لوگوں کو (تنہا تنہا) دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر یہ گمان کرتا کہ نماز ہو چکی ہے (اور اب لوگ سنتیں پڑھ رہے ہیں)۔" (مسلم)

تشریح: علامہ طیبی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز کے اثبات کی یہ حدیث ظاہری دلیل ہے۔ اس سلسلہ میں ملا علی قاری حنفیؒ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ حدیث اس وجہ سے ان دونوں رکعتوں کے اثبات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ اس طریقہ کے نادر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ عمومی طور پر مغرب کی نماز کی ادائیگی میں جلدی فرماتے تھے جب کہ ان دونوں رکعتوں کے پڑھنے سے نہ صرف یہ کہ مغرب کی ادائیگی میں تاخیر لازم آتی ہے بلکہ بعض علماء کے قول کے مطابق تو نماز کا اپنے وقت سے خروج ہی لازم آجاتا ہے۔

لہذا اس حدیث کی تاویل یا تویہ کی جائے گی کہ حضرت انسؓ یہ ہمیشہ کا طریقہ نقل نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی ایک دن بعض لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا ہو کہ مغرب کی اذان سنتے ہی مسجد آگئے ہوں اور وہاں نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھ لی ہو یا پھر اس کی سب سے بہتر تاویل جیسا کہ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ پہلے یہ نماز پڑھی جاتی تھی مگر پھر بعد میں اسے چھوڑ دیا گیا، لہذا اب اس نماز کا پڑھنا مکروہ ہے۔

(۲۳) وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ آتَيْتُ عُقْبَةَ الْجُثَيْنِيِّ فَقُلْتُ أَلَا أَعَجِبُكَ مِنْ أَبِي تَمِيمٍ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقَالَ عُقْبَةُ إِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ فَمَا يَمْنَعُكَ الْآنَ قَالَ الشُّغْلُ۔

(رواہ البخاری)

"اور حضرت مرثد ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عقبہ جثنیؓ (صحابی) کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ کیا میں آپ کو ابو تیم (تابعی) کا ایک تعجب انگیز فعل نہ بتا دوں؟ (وہ یہ کہ) ابو تیمؓ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز (نفل) پڑھتے ہیں؟ حضرت عقبہؓ نے فرمایا کہ یہ نماز تو ہم (میں سے بعض صحابہؓ کبھی کبھی) آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی پڑھا کرتے تھے، جب میں نے پوچھا کہ پھر یہ نماز

پڑھنے سے آپ کو کس چیز نے روک رکھا ہے؟ تو فرمایا کہ دنیا کی مشغولیت نے۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے کم سے کم اتنی بات تو ثابت ہو ہی گئی کہ یہ نماز سنت نہیں ہے بلکہ مباح ہے کیونکہ اگر مسنون ہوتی تو حضرت عقبہؓ کو جو صحابیت جیسے عظیم مرتبہ پر فائز تھے دنیا کی مشغولیت سنت کی ادائیگی یعنی اس نماز کے پڑھنے سے نہ روکتی۔

نوافل گھروں میں ادا کئے جائیں

(۲۲) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى مَسْجِدَ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ فِيهِ الْمَغْرِبُ فَلَمَّا قَضَوْا صَلَاتَهُمْ رَأَوْهُمْ يَسْتَحُونَ بَعْدَهَا فَقَالَ هَذِهِ صَلَاةُ الْيَتُوبِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ قَامَ نَاسٌ يُصَلُّونَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِهَذِهِ الصَّلَاةِ فِي الْيَتُوبِ۔

”اور حضرت کعب ابن عجرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) نبی کریم ﷺ (انصار کے ایک قبیلہ) بنی عبد الاشہل کی مسجد میں تشریف لائے اور وہاں مغرب کی (فرض اور سنت) نماز پڑھی، جب (بعض) لوگ (اپنی فرض) نماز پڑھ چکے تو آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ وہ فرض نماز ادا کرنے کے بعد نفل نماز (یعنی مغرب کی سنتیں بھی وہیں) پڑھ رہے ہیں آنحضرت ﷺ نے (دیکھ کر) فرمایا کہ یہ (یعنی مغرب کی سنت یا مطلقاً نفل نماز) گھر میں پڑھنے کی ہے۔“ (ابوداؤد) ترمذی و نسائی کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب لوگ (فرض نماز کے بعد) نفل پڑھنے کھڑے ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم پر لازم ہے کہ یہ نماز (اپنے اپنے) گھروں میں پڑھو۔

تشریح: حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ نفل نماز خواہ وہ سنت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ گھر میں پڑھنی افضل ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ گھر میں نوافل نماز پڑھنے والا زیادہ نمائش سے دور اور اخلاص و صدق کے قریب تر ہوتا ہے بلکہ اس سے گھروں میں رحمت خداوندی اور برکت کا نزول ہوتا ہے۔

ویسے جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر مسجد میں نفل نماز پڑھنی مکروہ نہیں ہے مسجد اور گھر کے پڑھنے میں صرف افضلیت اور غیر افضلیت کا فرق ہے۔

لیکن اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ گھروں میں نفل نماز پڑھنے کا یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو فرض نماز کی ادائیگی کے بعد گھروں کو واپس ہونے کا ارادہ رکھتے ہوں جو لوگ فرض کی ادائیگی کے بعد گھر نہیں جاتے جیسے مسجد کے اندر اعتکاف میں بیٹھنے والے تو وہ مسجد ہی میں نوافل پڑھ لیں۔

بہر حال فرض نماز کے علاوہ نفل نمازیں گھر جا کر پڑھنی افضل ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کا معمول یہی تھا کہ آپ فرض مسجد میں پڑھ کر حجرہ مبارک میں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں نوافل پڑھتے تھے۔ ہاں کسی خاص عذر اور سبب کی بات تو الگ ہے کہ ایسے موقع پر مسجد ہی میں نوافل بھی پڑھ لیتے تھے۔ پھر بھی مغرب کی سنتیں گھر میں پڑھنے کا اہتمام تو آپ ﷺ بطور خاص فرماتے تھے اور اکثر گھر ہی میں پڑھتے تھے یہی وجہ ہے کہ مغرب کی سنتوں کے بارہ میں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مغرب کی نماز سنت مسجد میں پڑھے تو وہ مسنون ادا نہیں ہوتی بلکہ بعض علماء تو یہاں تک کہتے ہیں کہ مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھنے والا گنہگار ہوتا ہے۔ مگر جمہور علماء کی رائے ہے کہ گنہگار نہیں ہوتا کیونکہ انہیں گھر میں ادا کرنے کا حکم امر و جوبی نہیں ہے بلکہ امر استحبابی ہے۔

ہدایہ کے حاشیہ میں جامع صغیر سے منقول ہے کہ کوئی شخص مغرب کی نماز مسجد میں پڑھے اور اس کو یہ خوف ہو کہ اگر گھر میں گیا تو کسی مشغولیت کی بناء پر سنت وہاں نہیں پڑھ سکوں گا تو اسے چاہیے کہ وہ مغرب کی سنت بھی مسجد کے صحن میں پڑھ لے اور اگر گھر پہنچ کر کسی

۱۔ مشغولیت زیادہ ہو تو نوافل کو دوسرے وقت پر چھوڑا جاسکتا ہے۔

کام میں مشغول ہو جانے کا خوف نہ ہو تو افضل یہی ہے کہ وہ گھر جا کر نماز سنت پڑھے۔

مغرب کی سنتوں میں طویل قرأت

(۲۵) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيلُ الْقِرَاءَةَ فِي الرَّكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ حَتَّى يَنْفَرِقَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مغرب (کی فرض نماز) کے بعد دو رکعت (سنت میں کبھی اتنی) طویل قرأت فرماتے تھے کہ مسجد کے لوگ (اپنی اپنی نمازوں سے فارغ ہو کر) چلے جاتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھتے تھے لہذا اس سلسلہ میں کئی احتمال ہیں اول تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کو کوئی ایسا عذر پیش آگیا ہو گا جس کی وجہ سے وہ حجرہ مبارک میں تشریف نہیں لے جاسکے ہوں گے اس لئے سنتیں مسجد ہی میں پڑھ لیں۔

دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ اس وقت اعتکاف میں ہوں گے اس لئے سنتیں پڑھنے کے لئے حجرہ مبارک میں نہیں گئے۔ چہارم احتمال یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سنتیں مسجد میں پڑھی ہی نہ ہوں بلکہ اپنے حجرہ مبارک میں پڑھی ہوں جو مسجد سے بالکل ملا ہوا تھا اور اس کا دروازہ بھی مسجد ہی کی طرف تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے سامنے سے آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہو اور اسی کو یہاں بیان کیا ہو۔

جہاں تک حدیث کے اس جزء کا تعلق ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مغرب کی سنتوں میں طویل قرأت کی تو اس کے بارہ میں بھی ظاہری احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کسی دن اتنی طویل قرأت کی ہوگی ورنہ تو مغرب کی سنتوں میں آپ ﷺ اکثر چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے چنانچہ یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ مغرب کی سنت میں قل یا ایہا الکافرون اور قل هو اللہ کی قرأت کیا کرتے تھے۔

مغرب کے بعد نفل پڑھنے کی فضیلت

(۲۶) وَعَنْ مَكْحُولٍ يُبْلَغُ بِهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ قَبْلَ أَنْ يَتَكَلَّمَ رَكَعَتَيْنِ وَفِي زَوَايِةِ أَرْبَعٍ رَكَعَاتٍ رُفِعَتْ صَلَاتُهُ فِي عِلِّيِّينَ مُرْسَلًا -

”اور حضرت مکحولؓ (تابعی) اس روایت کو آنحضرت ﷺ تک پہنچاتے ہیں (یعنی آنحضرت سے بطریق ارسال روایت کرتے ہیں) کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص مغرب (کی فرض یا سنت مؤکدہ) نماز پڑھ کر (دنیاوی) گفتگو کرنے سے پہلے دو رکعت اور ایک روایت میں ہے کہ چار رکعت نماز پڑھے تو اس کی یہ نماز علیین میں پہنچائی جاتی ہے۔“

تشریح: ”دو رکعت“ سے سنت بھی مراد ہو سکتی ہے اور اس کے علاوہ بھی اسی طرح چار رکعت میں دو رکعت سنت اور دو رکعت اس کے علاوہ یا چاروں کی چاروں ہی سنت کے علاوہ مراد لی جاسکتی ہیں۔

بہر حال یہ دو رکعت یا چار رکعت جو سنت کے علاوہ ہوں صلوٰۃ الاوائین کہی جاتی ہیں اس نماز کی فضیلت اس سے پہلے بھی نقل کی جا چکی ہے یہاں بھی اس کی فضیلت و عظمت بیان کی جا رہی ہے کہ اس نفل نماز کے پڑھنے والے شخص کی یہ نماز یا اس نماز کے ساتھ اس کی فرض نماز بھی مقام علیین میں پہنچائی جاتی ہے یعنی اس کی نماز میں قبولیت کے انتہائی مرتبہ پر پہنچتی ہیں اور اس شخص کو بے پناہ اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے۔

علیین کیا ہے؟

ساتویں آسمان پر ایک مقام کا نام علیین ہے جہاں مومنین کی روحیں پہنچائی جاتی ہیں اور وہاں ان کے عمل لکھے جاتے ہیں۔
 (۲۷) وَعَنْ حَدِيثِهِ نَحْوَهُ وَزَادَ فَكَانَ يَقُولُ عَجَلُوا الرَّكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فَإِنَّهُمَا تَرْفَعَانِ مَعَ الْمَكْتُوبَةِ زَوَاهِمًا زَيْنًا وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ الزِّيَادَةَ عَنْهُ نَحْوَهَا فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت حذیفہؓ سے (بھی) اسی طرح (یعنی اوپر والی حدیث) مروی ہے لیکن ان کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ تم لوگ مغرب کے بعد دو رکعت (سنتیں) جلدی پڑھ لیا کرو کیونکہ وہ (دونوں رکعتیں) فرضوں کے ساتھ اوپر (علیین میں) پہنچائی جاتی ہیں، یہ دونوں روایتیں رزینؒ نے نقل کی ہیں اور بیہقیؒ نے حذیفہؓ کے زائد الفاظ کو اسی طرح شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں رکعتیں چونکہ فرض نماز کے ساتھ مقام علیین میں پہنچائی جاتی ہیں اس لئے ان کو فرض نماز کے بعد زیادہ تاخیر کر کے نہ پڑھو تاکہ وہ فرشتے جو اعمال کو علیین تک پہنچاتے ہیں منتظر نہ رہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ ان اور اودو اذکار کو جنہیں فرض کے بعد جلدی پڑھنا ثابت ہو چکا ہے ان دونوں رکعتوں کے بعد پڑھنا اس تجل (جو احادیث میں فرض کے فوراً بعد اور اودو اذکار کے پڑھنے کے سلسلہ میں ثابت ہے) کے منافی نہیں ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ ان اور اودو اذکار کو ان دونوں کے رکعتوں کے بعد پڑھنا بعدیت (یعنی حدیث کے اس حکم کہ فرض نماز کے بعد اور اودو اذکار پڑھے جائیں) کا منافی نہیں ہے اس بات کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ پیچھے باب الذکر بعد الصلوۃ میں وہ احادیث گزر چکی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فرض نماز کے فوراً بعد اور اودو اذکار (جن کی تفصیل ان احادیث میں مذکور ہے) پڑھے جائیں۔

تو اب اگر ان اور اودو اذکار کو فرض نماز کے بعد پڑھنے کے بجائے اس حدیث کی فضیلت کے پیش نظر دو رکعت سنتوں کے بعد پڑھے جائیں تو ان احادیث سے ثابت شدہ تجل و بعدیت (یعنی اور اودو اذکار کو فرض نماز کے فوراً بعد پڑھنے کے حکم) کے خلاف نہیں ہوگا۔ لیکن اس بات کے علاوہ یہاں ایک اور اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ ان دونوں رکعتوں کو گھر میں پڑھنے کی فضیلت بھی احادیث ہی سے ثابت ہے لہذا اگر کوئی شخص ان دونوں رکعتوں کو گھر میں پڑھے اور اس کا گھر بھی مسجد سے دور ہو تو ظاہر ہے کہ اس حدیث کے پیش نظر ان دونوں رکعتوں کے پڑھنے میں جلدی نہیں ہو سکتی۔ تو اس صورت میں کیا کیا جائے۔ آیا ان احادیث کے پیش نظر ان دونوں رکعتوں کو گھر ہی جا کر پڑھا جائے تاکہ گھر میں پڑھنے کی فضیلت حاصل ہو۔ یا اس حدیث کے پیش نظر مسجد ہی میں پڑھا جائے تاکہ ان کو جلدی پڑھ لینے کی فضیلت حاصل ہو جائے؟

اس سلسلہ میں علماء لکھتے ہیں کہ نوافل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت چونکہ بہت زیادہ ہے اور پھر یہ کہ اس کی تاکید بھی بہت زیادہ کی گئی ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ سنتوں کو گھر ہی میں پڑھا جائے۔ واللہ اعلم۔

فرض و نوافل کے درمیان فرق کرنا چاہیے

(۲۸) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ إِنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ أَرْسَلَهُ إِلَى السَّائِبِ يَسْأَلُهُ عَنْ شَيْءٍ رَأَاهُ مِنْهُ مُعَاوِيَةَ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ نَعَمْ صَلَّيْتُ مَعَ الْجُمُعَةِ فِي الْمَقْصُورَةِ فَلَمَّا سَلَّمَ أَلَامًا قُمْتُ فِي مَقَامِي فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا دَخَلَ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَقَالَ لَا تَعْدُ لِمَا فَعَلْتَ إِذْ صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلَاةٍ حَتَّى تَتَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا بِذَلِكَ أَنْ لَا نُؤْصِلَ بِصَلَاةٍ حَتَّى تَتَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عمرو ابن عطاءؓ (تابعی) کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں (یعنی عمرو) کو حضرت نافع ابن جبیرؓ (تابعی) نے حضرت سائبؓ

(صحابی) کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان سے وہ چیزیں پوچھیں جو حضرت امیر معاویہؓ نے انہیں نماز میں کرتے ہوئے دیکھا تھا اور اس سے انہیں منع کیا تھا چنانچہ حضرت عمرو حضرت سائب کے پاس گئے اور ان سے اس چیز کی تفصیل معلوم کی تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں (ایک مرتبہ) میں نے حضرت امیر معاویہؓ کے ہمراہ مقصورہ میں جمعہ کی نماز پڑھی جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی جگہ (جہاں جمعہ کی نماز پڑھی تھی) کھڑا ہو گیا اور (فرض و سنت میں کوئی امتیاز کے بغیر جمعہ کی سنت) نماز پڑھنے لگا، جب حضرت امیر معاویہؓ (نماز سے فراغت کے بعد) اپنے مکان پر چلے گئے تو میرے پاس ایک شخص کو یہ کہلا بھیجا کہ اس وقت تم نے جو کچھ کیا ہے آئندہ ایسا نہ کرنا، (یعنی جس جگہ نماز پڑھو اسی جگہ امتیاز پیدا کئے بغیر نفل نماز نہ پڑھنا چنانچہ) جب تم جمعہ کی نماز پڑھو تو اس (جمعہ کی فرض نماز) کو کسی (دوسری یعنی نفل یا قضا) نماز سے نہ ملاؤ تاوقتیکہ تم کوئی گفتگو نہ کر لو یا (مسجد سے) باہر نہ نکل جاؤ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ نہ ملائیں تاوقتیکہ (درمیان میں) بات چیت نہ کر لیں یا (مسجد سے) باہر نہ چلے جائیں۔“ (مسلم)

تشریح: پچھلے زمانہ میں جب کہ سلاطین و امراء نمازیں پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے تھے تو ان کی امتیازی حیثیت و شان کے پیش نظر ان کے لئے مسجد کے اندر ایک مخصوص جگہ بنا دی جاتی تھی جے مقصورہ کہا جاتا تھا، بادشاہ یا خلیفہ مسجد میں آکر اسی جگہ نماز پڑھتا تھا۔ حدیث کے الفاظ اذاصلیت الجمعة میں جمعہ کی قید اتفاقی اور مثال کے طور پر ہے کیونکہ جمعہ کے علاوہ بھی تمام نمازوں کا یہی حکم ہے کہ فرض کے ساتھ نوافل نماز ملا کر نہ پڑھی جائیں چنانچہ اس کی تائید حضرت امیر معاویہؓ کی روایت کردہ حدیث کر رہی ہے جس میں کسی خاص نماز کے بارہ میں نہیں فرمایا گیا ہے بلکہ ہر نماز کے متعلق یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب فرض نماز پڑھ لی جائے تو نوافل پڑھنے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے فرض اور نوافل میں فرق و امتیاز پیدا ہو جائے مثلاً جس جگہ فرض نماز پڑھی گئی ہے اسی جگہ (خواہ سنت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ) نہ پڑھی جائے بلکہ اس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ کھڑے ہو کر پڑھی جائے تاکہ دونوں نمازوں کے درمیان امتیاز پیدا ہو سکے اور اس سے فرض و نفل کے درمیان التباس پیدا نہ ہو۔

چنانچہ حدیث کے الفاظ اوخرج سے اسی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے اب اوخرج سے مسجد سے حقیقۃً نکلنا بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی فرض پڑھ کر مسجد سے نکل کر گھر وغیرہ آجائے اور وہاں نوافل پڑھے جائیں اور حکماً نکلنا بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی جس جگہ فرض نماز پڑھی ہے اس جگہ سے ہٹ کر نوافل دوسری جگہ پڑھے جائیں۔

فرض و نوافل کے درمیان نمازوں کے درمیان فرق و امتیاز پیدا کرنے کی ایک اور صورت ہے اور وہ یہ کہ جب فرض نماز پڑھ لی جائے تو اس کے بعد کسی دوسرے شخص سے کوئی گفتگو کر لی جائے تاکہ اس سے ان دونوں نمازوں کے درمیان فرق و امتیاز پیدا ہو جائے چنانچہ حتیٰ تکلم سے یہی بتایا جا رہا ہے۔

اتنی بات ملحوظ رہے کہ فرض و نوافل کے درمیان جس فرق و امتیاز کے لئے کہا جا رہا ہے وہ دنیاوی بات چیت اور گفتگو ہی سے حاصل ہوتا ہے ذکر اللہ وغیرہ سے وہ فرق حاصل نہیں ہوتا۔

(۲۹) وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى الْجُمُعَةَ بِمَكَّةَ تَقَدَّمَ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيُصَلِّي أَرْبَعًا وَإِذَا كَانَ بِالْمَدِينَةِ صَلَّى الْجُمُعَةَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى بَيْتِهِ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ فِي الْمَسْجِدِ فَقِيلَ لَهُ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ زَوْاهُ أَبُو دَاوُدَ وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ صَلَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ أَرْبَعًا۔

”اور حضرت عطاءؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب مکہ میں جمعہ کی نماز پڑھ چکے تو (جس جگہ فرض نماز پڑھتے اس سے) آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھتے اس کے بعد پھر آگے بڑھتے اور چار رکعت نماز پڑھتے اور جب آپ مدینہ میں ہوا کرتے تو (یہ معمول تھا کہ) جمعہ کی (فرض) نماز پڑھ کر اپنے مکان تشریف لاتے اور گھر میں دو رکعت نماز پڑھتے مسجد میں (فرض کے علاوہ کوئی نماز) نہیں پڑھتے تھے، جب ان سے

اس گھر میں پڑھنے اور مسجد میں نہ پڑھنے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ (اس لئے کہ) نبی کریم ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ ”(البوداؤد) اور ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عطاء نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا ہے کہ وہ جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھ کر پھر چار رکعت پڑھتے تھے۔

تشریح: حضرت ابن عمرؓ کا فرض پڑھ کر سنت پڑھنے کے لئے آگے بڑھ جانا بمنزلہ مسجد سے نکلنے کے تھا جیسا کہ حضرت امیر معاویہؓ کے ارشاد میں مذکور ہوا۔

علماء نے لکھا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے معمول کے درمیان فرق غالباً اس لئے تھا کہ مدینہ میں حضرت ابن عمرؓ کا مکان مسجد کے قریب تھا اور مکہ میں چونکہ مسافر ہوتے تھے اور قیام گاہ حرم سے فاصلہ پر ہوتی تھی اس لئے مدینہ میں تو آپ کا معمول یہ ہوتا تھا کہ فرض پڑھ کر مکان پر تشریف لے جاتے تھے اور وہاں سنتیں پڑھتے تھے مگر مکہ میں مکان کے دور ہونے کی وجہ سے سنتیں بھی مسجد ہی میں پڑھ لیتے تھے مگر جگہ بدل کر دونوں نمازوں کے درمیان فرق کرتے رہتے تھے۔ اور اس طرح آگے بڑھنے کو گھر کے قائم مقام کر لیتے تھے۔

مکہ اور مدینہ کے معمول کے درمیان دوسرا فرق یہ تھا کہ مکہ میں تو آپ جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھا کرتے تھے اور مدینہ میں دو ہی رکعت پڑھتے تھے چنانچہ مکہ میں اس زیادتی کی وجہ یہ تھی کہ حرم میں چونکہ نماز پڑھنے کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے اس لئے وہاں زیادہ نماز پڑھتے تھے۔

چونکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد سنتیں چار رکعت ہیں اس لئے ملا علی قاریؒ نے حدیث کے الفاظ کہ حضرت ابن عمرؓ جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھتے پھر اس کے بعد (آگے بڑھ کر) چار رکعت پڑھتے تھے کا مطلب یہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ پہلے جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اس کے بعد انہوں نے چار رکعتیں پڑھنی شروع کر دیں یعنی ان دو رکعتوں میں جو ان کے نزدیک احادیث سے ثابت تھیں اور جنہیں آپ پہلے پڑھا کرتے تھے دو رکعتوں کا اور اضافہ کر دیا اس طرح بعد میں چار رکعت پڑھنے لگے۔

صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد سنتیں چھ رکعتیں ہی ہیں یعنی وہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی فرض نماز پڑھ کر پہلے چار رکعت سنت پڑھی جائے پھر اس کے بعد دو رکعت سنت اور پڑھی جائے۔

فقہ حنفیہ میں سنتوں کی تفصیلی تعداد

چونکہ یہ بات ختم ہو رہی ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس موقع پر تمام نمازوں کی سنتوں کی تفصیلی تعداد ذکر کر دی جائے تاکہ وہ ذہن میں محفوظ رہیں۔ فجر کے وقت فرض سے پہلے دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں ان کی تاکید تمام مؤکدہ سنتوں سے زیادہ ہے یہاں تک کہ بعض روایات میں امام ابوحنیفہؒ سے ان کا وجوب منقول ہے اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کے انکار سے کفر کا خوف رہتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ فجر کی سنتیں نہ چھوڑو چاہے تمہیں گھوڑے کچل ڈالیں یعنی جان جانے کا خوف ہو تب بھی نہ چھوڑو، اس سے مقصود صرف تاکید اور ترغیب ہے ورنہ جان کے خوف سے تو فرائض کا چھوڑنا بھی جائز ہے۔

ظہر کے وقت فرض سے پہلے چار رکعت ایک سلام سے اور فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔

جمعہ کے وقت فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے سنت مؤکدہ ہیں اور فرض کے بعد بھی ایک ہی سلام سے چار رکعتیں سنت ہیں۔

عصر کے وقت کوئی سنت مؤکدہ نہیں، ہاں فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے مستحب ہیں۔

مغرب کے وقت فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔

عشاء کے وقت فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں اور فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے مستحب ہیں۔

وتر کے بعد بھی دو رکعتیں نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں لہذا وتر کے بعد دو رکعت مستحب ہیں۔

بَابُ صَلَوةِ اللَّيْلِ

رات کی نماز کا بیان

”رات کی نماز“ یعنی تہجد وغیرہ کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے جو روایات ان کے پڑھنے کے طریقے وغیرہ کے بارے میں منقول ہیں وہ اس باب کے تحت نقل کی جائیں گی۔

رات میں نماز پڑھنے کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے مختلف روایتیں منقول ہیں ان میں سے جس روایت کے مطابق بھی نماز پڑھی جائے گی اتباع نبوی کی تفصیل اور سنت کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوگی ہاں اگر تمام روایات کی اتباع کے پیش نظر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ کبھی تو کسی روایت کے مطابق پڑھی جائے اور کبھی کسی روایت کے مطابق، تو یہ طریقہ نہ صرف یہ کہ انتہائی مناسب اور بہتر بلکہ سنت کے عین مطابق ہوگا۔

رات میں آنحضرت ﷺ کی نماز کی رکعتوں کی تعداد بارہ میں مختلف روایتیں منقول ہیں، چنانچہ تیرہ، گیارہ، نو، اور سات رکعتیں منقول ہیں، بعض علماء نے پانچ رکعتیں بھی روایت کی ہیں، تاہم تیرہ سے زیادہ ثابت نہیں ہے، پھر یہ کہ بعض علماء نے یہ تعداد فجر کی سنت کے ساتھ ذکر کی ہے اور بعض نے فجر کی سنت کے علاوہ اور صحیح قول یہی ہے، اسی طرح وتر کی تعداد کے بارہ میں بھی مختلف روایتیں ہیں، بعض روایتوں میں تو وتر ایک رکعت کے ساتھ منقول ہے اور بعض میں تین رکعتوں کے ساتھ، نیز بعض روایات میں وتر کی رکعت کو بھی نماز تہجد کی رکعتوں میں شامل کر کے انہیں شمار کیا گیا ہے اور بعض روایات میں وتر کی رکعتوں کو ان سے الگ شمار کیا گیا ہے اسی طرح بعض روایات میں وتر کا اطلاق ایک رکعت پر کیا گیا ہے اور بعض میں تین، پانچ اور سات تک پر کیا گیا ہے بلکہ بعض روایات میں تو رات کی تمام نماز کو وتر کہا گیا ہے، انہیں تمام روایات کو آپ تفصیل کے ساتھ اس باب میں پڑھیں گے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

عشاء و فجر کے درمیان گیارہ رکعت

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَقْرَأَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى الْفَجْرِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُؤْتِي بِوَاحِدَةٍ فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذَلِكَ قَدْ رَأَى مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ وَأَسْهَ فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى نَاحِيهِ الْأَيْمَنِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْإِقَامَةِ فَيُخْرُجُ۔ (متفق علیہ)

”ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نماز عشاء سے فارغ ہو کر نماز فجر تک (اکثر) گیارہ رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور (پھر آخر میں) ایک رکعت کے ساتھ وتر کر لیا کرتے تھے اور اس رکعت میں اتنا طویل سجدہ کرتے جتنی دیر میں کوئی شخص اپنا سر اٹھانے سے پہلے پچاس آیتیں پڑھ لے پھر جب مؤذن فجر کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا اور فجر طلوع ہو جاتی یعنی صبح کی روشنی پھیلنے لگتی تو آپ ﷺ کھڑے ہوتے اور دو رکعتیں (یعنی فجر کی سنتیں) پڑھتے اور (اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے) اپنی داہنی کروت پر لیٹ جاتے تھے یہاں تک کہ مؤذن تکبیر کے لئے (یعنی تکبیر کہنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے) آپ ﷺ کے پاس آتا تو آپ ﷺ نماز کے لئے (مسجد) تشریف لے جاتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے الفاظ دیو تر بواحدہ کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ﷺ وتر کے لئے ایک رکعت علیحدہ پڑھتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے

کہ آپ ﷺ گیارہ رکعتیں اس طرح پڑھا کرتے تھے کہ آخری دونوں رکعتوں یعنی نویں اور دسویں کے ساتھ ایک رکعت بڑھا کر تینوں کو وتر بنادیا کرتے تھے۔

ابن حجر شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، اول یہ کہ وتر کی کم سے کم ایک رکعت ہے یعنی وتر کی ایک رکعت علیحدہ سے پڑھی جاسکتی ہے، دوم یہ کہ تہجد کی نماز میں ہر دو رکعت پر سلام پھیر دینا چاہیے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔

فیسجد السجدة الخ سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر رکعت کا سجدہ بقدر مذکورہ طویل کرتے تھے لیکن اس کا مفہوم یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ صرف وتر کے سجدوں میں سے ایک سجدہ یا وتر کے سب سجدے بقدر مذکور طویل کرتے تھے۔ بعض مقامات پر کچھ لوگ وتر کے بعد کیفیت معروفہ کے ساتھ دو سجدے کرتے ہیں اور بعض ضعیف فقہی روایات میں ان کی فضیلت بھی مذکور ہے تو سمجھ لینا چاہے کہ احادیث سے ان دونوں سجدوں کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ فقہ کی وہ روایت جو مستند و مختار ہیں ان میں ان کا کوئی ذکر ہے۔ نیز حرمین شریفین بلکہ پورے عرب میں کہیں بھی یہ سجدے نہیں کئے جاتے۔

اس سلسلہ میں ایک حدیث بھی منقول ہے جس میں ان سجدوں کو ”اختراع محض“ کا درجہ دیا گیا ہے پھر یہ کہ چاروں ائمہ میں سے کوئی بھی امام اس کے نہ مسنون ہونے کا قائل ہے اور نہ ہی مستحب ہونے کا بلکہ بلاد عرب کے اکثر خفیہ تو اسے جانتے بھی نہیں اور بعض علماء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، بہر حال اگر کسی جگہ یہ طریقہ رائج ہے تو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

دو رکعتیں خفیفین یعنی فجر کی سنتیں ہلکی پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سنت کی دونوں رکعتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ پڑھا کرتے تھے اور یہی مستحب ہے مگر لازم نہیں ہے۔

فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے آپ ﷺ اس لئے لیٹ جاتے تھے تاکہ تمام رات عبادت خداوندی اور نماز میں مشغول رہنے کی وجہ سے جو تکلیف و غیرہ پیدا ہو جاتا تھا وہ تھوڑی دیر آرام کر لینے سے ختم ہو جائے اور فرض پوری چستی اور بشارت کے ساتھ ادا ہوں، لہذا مختاریہ ہے کہ جو شخص رات میں عبادت الہی اور ذکر اللہ وغیرہ میں مشغول رہے اس کے لئے فجر کی سنتیں پڑھ کر تھوڑی دیر کے لئے بغرض استراحت لیٹ جانا مستحب ہے۔

فجر کی فرض نماز اور سنتوں کے درمیان بات چیت کرنا

② وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَكَعَتِي الْفَجْرِ فَإِنْ كُنْتُ مُسْتَقِظَةً حَدَّثَنِي وَالْأَصْطَلَجُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تو اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے بات چیت میں مشغول ہو جاتے اور اگر میں سوتی ہوئی ہوتی تو (آپ ﷺ بھی) لیٹ جاتے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ فجر کی فرض نماز اور سنتوں کے درمیان فرق کرنا جائز ہے نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس وقت (یعنی فجر کی فرض نماز اور سنتوں کے درمیان) اپنے اہل خانہ سے بات چیت میں مشغول ہونا مستحب ہے، گویا حضرت ابن مالکؒ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ”فرض اور سنت نمازوں کے درمیان گفتگو کرنا نماز کو یا اس کے ثواب کو ختم کر دیتا ہے“ یہ قول غلط ہے لیکن پھر بھی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کا محور دنیا نہیں ہوتی تھی بلکہ آپ ﷺ کی گفتگو دینی اور اخروی موضوع سے متعلق ہوتی تھی، اس لئے اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ فرض و سنت نمازوں کے درمیان دنیاوی گفتگو میں مشغول ہونا خلاف ادلی ہے۔ کیونکہ سنت نمازوں کی مشرور عیت کی حکمت ہی یہ ہے کہ فرض نماز پڑھنے والا شخص

پہلے سے کچھ نمازیں پڑھ کر ”حالت کمال“ کے لئے تیار ہو اور اس سے غفلت و سستی دور ہو جائے تاکہ فرض نماز میں پورے خشوع و خضوع کمال حضور اور عبادت خداوندی کے حقیقی و پر لطف جذبہ کے ساتھ شامل ہو سکے اور اس کا دل و دماغ دنیا سے پوری طرح یکسو ہو کر توجہ الی اللہ میں پوری طرح مستغرق ہو جائے، برخلاف اس کے سنت نماز پڑھ کر فرض شروع کرنے سے پہلے دنیاوی گفتگو میں مشغول ہونا اس حکمت کے خلاف ہے کیونکہ اس طرح دل و دماغ شوق و حضوری سے الگ ہو کر دنیا کی باتوں کے چکر میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ صحابہ و غیرہ میں سے بعض علماء نے طلوع فجر کے بعد نماز فجر ادا کرنے سے پہلے کسی دنیاوی گفتگو میں مشغول ہونے کو مکروہ کہا ہے ہاں ذکر اللہ یا ایسا دنیاوی کلام جس کی حقیقت میں اس وقت ضرورت ہو اس سے مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ احمدؒ، اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

لہذا اس حدیث کے بارہ میں کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ فجر کی سنت پڑھ کر حضرت عائشہؓ سے جو کلام کرتے تھے یا تو وہ دینی اور اخروی ہوتا تھا یا پھر کسی حاجت اور ضرورت کی بنا پر آپ ﷺ ان سے گفتگو میں مشغول ہوتے تھے، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ اِنْ كَانَتْ لَهُ اِلَى حَاجَةٍ كَلَمْنِي (اگر آپ ﷺ کو کوئی ضرورت مجھ سے متعلق ہوتی تو آپ ﷺ مجھ سے گفتگو کرتے) بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

فجر کی سنتوں کے بعد استراحت!

③ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَكَعَتِي الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِيهِ الْأَيْمَنِ - (متفق علیہ)
”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ فجر کی دو رکعت سنتیں پڑھ کر اپنی دائیں کروٹ پر (یعنی رو قبلہ) لیٹ جاتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

④ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوُتُورُ رَكَعَتَا الْفَجْرِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں نماز پڑھتے تھے ان میں وتر کی تین رکعتیں اور فجر کی سنت کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتیں۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ رات میں جو تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے ان میں وتر کی تین رکعتیں اور فجر کی سنت کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں، گو حدیث کے الفاظ میں وتر کے ساتھ ”تین رکعت“ کا ذکر نہیں ہے لیکن تمام علماء کے نزدیک چونکہ وتر کی تین رکعتیں ہی پڑھنا افضل ہے اس لئے ”تین رکعت“ کی قید لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ پھر یہ کہ دوسری روایات میں تین رکعت کی صراحت بھی ہے۔ چنانچہ ترمذیؒ نے شامل میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ثم یصلی ثلثا (پھر آپ ﷺ تین رکعتیں پڑھتے تھے) اسی طرح مسلمؒ کی روایت ثم اَوْتَرْتُ بِثَلَاثٍ (یعنی پھر آپ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے) کے الفاظ منقول ہیں۔ اس حدیث میں ”رکعتوں کی تعداد“ تیرہ اس طرح نقل کی گئی ہے کہ فجر کی سنت کی دو رکعتوں کو بھی ان میں شمار کیا گیا ہے ورنہ تو آنحضرت ﷺ رات میں مع وتر کے کل گیارہ رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے جیسا کہ دوسری روایتوں میں مذکور ہے چونکہ تہجد کی نماز پڑھنے اور فجر کی سنتیں پڑھنے کا درمیانی وقفہ زیادہ نہیں ہوتا تھا بلکہ تقریباً دونوں نمازیں ساتھ ہی پڑھتے تھے اس لئے ان دونوں رکعتوں کو بھی ان میں شمار کر لیا گیا ہے۔

⑤ وَعَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَآخِذِي عَشْرَةَ رَكْعَةً سَوَى رَكَعَتِي الْفَجْرِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت مسروقؒ کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سرور کائنات کی رات کی نماز کے بارہ میں دریافت کیا کہ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ کبھی تو آپ ﷺ سات رکعتیں پڑھتے تھے کبھی نور کتیں اور کبھی گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے علاوہ فجر کی سنتوں کے۔“ (بخاری)

تشریح: ظاہر یہ ہے کہ ”علاوہ فجر کی سنتوں کے“ کا تعلق احدى عشرہ رکعۃ (گیارہ رکعتوں سے) ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جن روایات میں تیرہ رکعتیں منقول ہیں ان میں دو رکعت فجر کی سنت کی بھی شامل ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں جو یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے رات میں پندرہ رکعتیں بھی پڑھی ہیں تو اس کا محمول یہ ہے کہ پندرہ میں فجر کی سنت کی دو رکعتیں بھی شامل کی گئی ہیں، یعنی تیرہ رکعت تہجد کی اور دو رکعت فجر کی سنت کی لیکن اس احتمال سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ بارہ رکعتیں تو آپ ﷺ نے تہجد کی پڑھی ہوں اور تین رکعتیں وتر کی۔ چنانچہ اس کی دلیل ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ جس روز آنحضرت ﷺ پر نیند کا غلبہ ہو جاتا تھا اور آپ ﷺ تہجد پڑھے بغیر سو جاتے تھے تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔

تہجد کی ابتدائی دو رکعتوں کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ افْتَتَحَ صَلَاتَهُ بِرُكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب رات میں (تہجد کی) نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو اپنی نماز کی ابتداء دو ہلکی رکعتوں سے فرماتے تھے۔“

تشریح: ”کتاب اہزار“ میں لکھا ہے کہ ”دو ہلکی رکعتیں“ وضو کی دو رکعتیں ہیں کہ ان میں تخفیف یعنی ان کو مختصر پڑھنا ہی مستحب ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں رکعتیں تہجد کی ہوتی تھیں جو تہجد الوضو کے قائم مقام تھیں اور آپ ﷺ اس وقت وضو کے لئے علیحدہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔

⑦ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَحِ الصَّلَاةَ بِرُكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص رات میں (نماز پڑھنے کے لئے نیند سے اٹھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی نماز کی ابتداء دو ہلکی رکعتوں سے کرے)۔“ (مسلم)

⑧ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتْ بَثُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ لَيْلَةٌ وَالتَّيْبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فَتَحَدَّثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَهْلِهِ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْأَخِيرِ أَوْ بَعْضُهُ قَعَدَ فَتَنَظَّرَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَرَأَ أَنْ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَا يَبْتَ لَوْلَى الْأَلْبَابِ حَتَّى خَتَمَ السُّورَةَ ثُمَّ قَامَ إِلَى الْقُرْبَةِ فَأُطْلِقَ شِقَاقُهَا ثُمَّ صَبَّ فِي الْجَنَفَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَضُوءَ حَسَنَيْنِ الْوُضُوءَيْنِ لَمْ يَكْثُرْ وَقَدْ أَبْلَغَ فِقَامَ فَصَلَّى فَقُمْتُ وَتَوَضَّأْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بَأُذُنِي فَأَذَانِي عَنْ يَمِينِهِ فَتَنَامَتْ صَلَاتُهُ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رُكْعَةً ثُمَّ اصْطَبَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ فَإِذَا نَفَخَ بِاللَّيْلِ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَكَانَ فِي دُعَائِهِ اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَفِي يَمِينِي نُورًا وَفِي يَسَارِي نُورًا وَفَوْقِي نُورًا وَتَحْتِي نُورًا وَأَمَامِي نُورًا وَخَلْفِي نُورًا وَاجْعَلْ لِي نُورًا وَزَادَ بَعْضُهُمْ وَفِي لِسَانِي نُورًا وَذَكَرَ وَعَصْبِي وَلَحْمِي وَدَمِي وَشَعْرِي وَبَشْرِي۔ مَثَّقَ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لُهُمَا

و اجعل فی نفسی نُورًا وَاَعْظِمْ لِي نُورًا وَفِيْ اُخْرٰی لِمُسْلِمٍ اَللّٰهُمَّ اَعْظِنِيْ نُورًا۔

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے اپنی خالہ اُم المؤمنین حضرت میمونہؓ کے یہاں ایک رات گزاری، آنحضرت ﷺ (بھی اس رات کو) انہیں کے یہاں تھے (یعنی اس رات کو حضرت میمونہ کے یہاں کی باری تھی) کچھ رات گئے تک آپ ﷺ اپنی زوجہ (حضرت میمونہؓ) سے باتیں کرتے رہے پھر سو گئے، جب تہائی یا اس سے بھی کچھ رات باقی رہ گئی تو آپ ﷺ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ وَاِخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَا یَتَّوَلٰی اَلْاَلْبَابُ (آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات و دن کے اختلاف (یعنی کبھی) اندھیرا، کبھی اجالا، کبھی گرمی، کبھی جازا، کبھی درازی، کبھی کمی) میں بے شک عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں) آپ ﷺ نے پوری سورۃ پڑھی، پھر اٹھ کر مشک کے پاس گئے اور اس کا بند کھول کر پیالہ میں پانی ڈالا، پھر اچھا درمیانہ وضو کیا (یعنی نہ تو پانی اتنا زیادہ بہایا کہ حد اسراف کو پہنچ جاتا اور نہ اتنا کم ڈالا کہ عشاء وضو بھی تر نہ ہوتے، بلکہ درمیانہ درجہ کا اچھا وضو کیا چنانچہ حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ درمیانہ وضو کا مطلب یہ ہے کہ بہت زیادہ پانی نہیں بہایا بلکہ (جن اعضاء کا دھونا فرض ہے) پانی ان اعضاء تک پہنچایا، پھر آپ ﷺ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے (یہ دیکھ کر) میں بھی اٹھا اور (جس طرح آنحضرت ﷺ نے وضو کیا تھا) میں بھی اسی طرح وضو کر کے آنحضرت کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آنحضرت ﷺ نے میرا کان پکڑ کر اپنی بائیں طرف سے مجھے گھا کر اپنی دائیں طرف مجھے کھڑا کر دیا جب آپ ﷺ کی تیرہ رکعت نماز پوری ہو گئی تو لیٹ گئے، چونکہ آپ ﷺ سوتے وقت خرائے لیتے تھے اس لئے سو کر خرائے لینے لگے، اتنے میں حضرت بلالؓ نے آکر نماز کا وقت شروع ہو جانے اور جماعت کے تیار ہونے کی اطلاع کی، چنانچہ آپ ﷺ نے وضو کے بغیر (سنت) نماز پڑھی اور آپ ﷺ (فرض و سنت کے درمیان) دعائیں یہ پڑھتے تھے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُورًا وَفِیْ بَصْرِیْ نُورًا وَفِیْ سَمْعِیْ نُورًا وَعَنْ یَمِیْنِیْ نُورًا وَعَنْ یَسَارِیْ نُورًا وَفَوْقِیْ نُورًا وَتَحْتِیْ نُورًا وَاَمَامِیْ نُورًا وَخَلْفِیْ نُورًا وَاجْعَلْ لِّیْ نُورًا (اے اللہ! میرے دل میں، میری آنکھوں میں، میرے کانوں میں، میرے دائیں، میرے بائیں، میرے اوپر، میرے نیچے، میرے آگے، میرے پیچھے، نور عطا کر اور میرے لئے نور ہی نور پیدا کر دے) اور بعض راویوں نے یہ الفاظ بھی نقل کئے وَفِیْ لِسَانِیْ نُورًا (یعنی میری زبان میں نور پیدا کر دے) بعض راویوں نے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں۔ وَعَصْبِیْ وَلَحْمِیْ وَذِمِّیْ وَشَعْرِیْ وَبَشْرِیْ (یعنی میرے اعصاب میں، میرے گوشت میں، میرے خون میں، میرے بالوں میں، اور میری جلد میں نور پیدا کر دے) (بخاری و مسلم) اور بخاری و مسلم ہی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں وَاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُورًا وَاعْظِمْ لِّیْ نُورًا (یعنی اے اللہ! میری جان میں نور پیدا کر دے اور میرے لئے نور میں بڑائی دے۔ مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے اَللّٰهُمَّ اَعْظِنِیْ نُورًا (یعنی اے اللہ! مجھے نور عطا فرما۔“

تشریح: جب حضرت بلالؓ نے آکر آنحضرت ﷺ کو نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع دی اور آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے۔ تو بغیر وضو کئے ہی فجر کی سنتیں پڑھ لیں اس موقع پر یہ اشکال پیدا نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے وضو کئے بغیر نماز کیسے پڑھ لی؟ کیونکہ علماء لکھتے ہیں کہ سو جانے کے باوجود آنحضرت ﷺ نے وضو اس لئے نہیں کیا کہ فقط سو جانے سے وضو نہیں ٹوٹا بلکہ نیند سے بیداری کے بعد نماز پڑھنے کے لئے وضو اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ نیند میں وضو ٹوٹ جانے کا احتمال رہتا ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کا دل چونکہ ہمیشہ بیدار رہتا تھا یہاں تک کہ نیند کی حالت میں بھی آپ ﷺ کے دل پر کوئی غفلت طاری نہیں ہوتی تھی اس لئے آپ ﷺ کے سونے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ آپ ﷺ کا وضو ٹوٹ گیا ہو، اور آپ ﷺ کو معلوم نہ ہوا ہو۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد ایسی بات چیت جس کا موضوع دین و آخرت اور وعظ و نصیحت ہو یا اپنے اہل خانہ سے بطریق اختلاط ہو تو وہ مکروہ نہیں ہے۔

یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی گزشتہ حدیث کے مخالف نظر آتی ہے کیونکہ یہاں حضرت ابن عباسؓ کے قول سے تو معلوم ہوتا ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے رات میں جو تیرہ رکعتیں پڑھیں ان میں وتر کی تین رکعت تو شامل تھیں لیکن فجر کی سنت کی دو رکعتیں ان میں شامل نہیں تھیں۔ جب کہ عائشہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرہ رکعتوں میں وتر کے ساتھ ساتھ فجر کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔

لہذا ان دونوں حدیثوں میں اس تاویل سے مطابقت پیدا کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی تو تیرہ رکعت اس طرح پڑھتے تھے کہ ان میں فجر کی دو سنتیں بھی شامل ہوتی تھیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے ذکر کیا ہے اور کبھی اس طرح پڑھتے تھے کہ ان میں فجر کی دو سنتیں شامل نہیں ہوتی تھیں جیسے کہ یہاں حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ سے مفہوم ہوا۔

حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نیند کی حالت میں خرائے لیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ خرائے لینا سانس کی نالیوں کی کشادگی اور قوائے جسمانی کی صفائی اور صحت کی علامت ہے اور اس سے کئے انکار ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نہ صرف یہ کہ روحانی اور باطنی طور پر کامل و اکمل تھے بلکہ جسمانی طور پر بھی انتہائی صحت مند، قوی اور مضبوط و صاف اعضاء جسم کے مالک تھے۔

حدیث میں مذکورہ دعاء ”دعائے طویل“ کہلاتی ہے یہ دعا اکثر مشائخ کے معمول میں داخل ہے اسے تہجد کے بعد بھی پڑھنا ثابت ہے۔ اس دعا کی بڑی عظمت و فضیلت اور برکت ہے چنانچہ حضرت شیخ امام شہاب الدین سہروردیؒ نے ”عوراف“ میں لکھا ہے کہ جس شخص کو بھی میں نے اس دعا پر مواظبت و مداومت کرتے دیکھا ہے اس کے پاس ایک برکت محسوس ہوئی ہے۔

وتر کی تین رکعتیں ہیں

⑨ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ رَفَعَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَيْقِظَ وَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُولُ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى خَتَمَ السُّورَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ أَطَالَ فِيهِمَا الْقِيَامَ وَالزُّكُوفَ وَالسُّجُودَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بَسَتْ رَكَعَاتٍ كُلُّ ذَلِكَ يَسْتَاكَ وَتَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هَؤُلَاءِ الْآيَاتِ ثُمَّ أَوْتِرَ بِثَلَاثٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ (ایک رات) سرور کائنات ﷺ کے ہاں سوئے چنانچہ (انہوں نے بیان کیا کہ) آپ ﷺ رات میں بیدار ہوئے، مسواک کی اور وضو کیا پھر یہ آیت پڑھی اِنِّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ آخِرُ سُورَةٍ تَكُنْ، اس کے بعد آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی جس میں قیام، رکوع اور سجود کو طویل کیا پھر (دو رکعت نماز سے) فارغ ہو کر سو گئے اور خرائے لینے لگے، تین مرتبہ آپ ﷺ نے اسی طرح کیا (یعنی دو رکعت مذکورہ طریقہ پر پڑھ کر لیٹ جاتے پھر اٹھ کر دو رکعت پڑھتے اور پھر لیٹ جاتے) اس طرح آپ ﷺ نے تین مرتبہ میں چھ رکعتیں پڑھیں اور تینوں مرتبہ میں سے ہر بار آپ ﷺ مسواک بھی کرتے وضو بھی کرتے اور آیتیں بھی پڑھتے تھے۔ پھر آخر میں آپ ﷺ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھیں۔“ (مسلم)

تشریح: یہ حدیث بصراحت اس بات کی دلیل ہے کہ وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہی ہے۔ گو حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک وتر کی ایک ہی رکعت ہو سکتی ہے لیکن اس حد تک تو وہ بھی حنفیہ ہی کے ساتھ ہیں کہ ان کے نزدیک بھی وتر کے لئے صرف ایک رکعت پڑھنا مکروہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کی نماز تہجد کی کیفیت

⑩ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ لَا زَهْفَنَ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَةَ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ أَوْتِرَ فَذَلِكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكَعَةً

رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلُهُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا ذُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا اَرْبَعُ مَرَّاتٍ هَكَذَا فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ وَافْرَادُهُ مِنْ كِتَابِ الْحَمْدِ بِيَدِي وَمَوْطَأًا مَالِكٍ وَسَنَنِ ابْنِ دَاوُدَ وَجَامِعِ الْاَصُولِ۔

”اور حضرت زید بن خالد جہنیؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ میں نے ارادہ کیا کہ) میں آج کی رات سرور کائنات ﷺ کی نماز کو دیکھتا رہوں گا چنانچہ (میں نے دیکھا کہ) پہلے آپ ﷺ نے دو رکعتیں ہلکی پڑھیں پھر دو رکعتیں طویل طویل پڑھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں جو ان دونوں رکعتوں سے کم (طویل) تھیں جو آپ ﷺ نے ان سے پہلے پڑھی تھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں جو پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں سے کم (طویل) تھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں جو پہلے پڑھی جانے والی دونوں رکعتوں سے کم (طویل) تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے وتر پڑھے اور یہ سب تیرہ رکعتیں ہو گئیں (مسلم) اور زید کا یہ قول کہ پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں سے کم تھیں، صحیح مسلم میں حمیدی کی کتاب میں کہ جس میں انہوں نے فقط مسلم کی ہی روایتیں نقل کی ہیں اور موطا امام مالکؒ، سنن ابی داؤدؒ، نیز جامع الاصول سب میں چار مرتبہ منقول ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے صریحی طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھی تھیں یا ایک ہی رکعت پڑھی تھی، کیونکہ اگر دو رکعتیں ہلکی اس نماز میں شمار نہ کی جائیں تو وتر کی تین رکعتیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر ان دونوں رکعتوں کو بھی اس نماز میں شامل کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وتر کی ایک ہی رکعت پڑھی گئی تھی۔ تاہم صحیح اور ظاہری یہ ہے کہ دونوں ہلکی رکعتیں اس نماز میں شامل نہیں تھیں اس طرح آپ ﷺ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھیں۔

حمیدی کی کتاب ”جمع بین الصحیحین“ میں تین قسم کی احادیث منقول ہیں۔ ① متفق علیہ یعنی بخاری و مسلم دونوں کی روایتیں۔ ② افراد بخاری یعنی وہ روایتیں جنہیں صرف بخاری نے نقل کیا ہے۔ ③ افراد مسلم۔ یعنی وہ روایتیں جنہیں صرف مسلم نے نقل کیا ہے۔ لہذا روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا ذُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا متن صحیح مسلم میں چار مرتبہ منقول ہے اسی طرح کتاب حمیدی کہ جس میں صرف مسلم کی روایات منقول ہیں۔ موطا، امام مالکؒ، سنن ابی داؤدؒ اور جامع الاصول میں بھی چار ہی مرتبہ منقول ہے۔ مؤلف مشکوٰۃ نے اس چیز کو یہاں اتنی شد و مد اور مبالغہ کے ساتھ اس لئے بیان کیا ہے کہ صاحب مصابح کا رد ہو جائے کہ انہوں نے اس عبارت کو تین مرتبہ نقل کیا ہے جس کی بنا پر رکعتوں کی تعداد گیارہ رہ جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ آخر عمر میں نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے

⑪ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَدَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَقُلَ كَانَ أَكْثَرَ صَلَاتِهِ جَالِسًا۔ (متفق علیہ)

”اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب عمر کے آخری حصہ میں پہنچے اور (بڑھاپے کی وجہ سے) بدن بخاری ہو گیا تو آپ ﷺ اکثر نفل نمازیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

نماز تہجد میں آنحضرت ﷺ کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے؟

⑫ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بَيْنَهُنَّ فَذَكَرَ عَشْرِينَ سُورَةً مِنْ أَوَّلِ الْمَفْصَلِ عَلَى تَالِيفِ ابْنِ مَسْعُودٍ سُورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ أُخْرَاهُنَّ حَمْدُ الدَّخَانِ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو سورتیں آپس میں ہم مثل ہیں اور سرور کائنات ﷺ جنہیں جمع کرتے تھے میں انہیں جانتا ہوں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی ترتیب کے مطابق بیس سورتیں جو مفضل کے اول میں ہیں گن کر بتائیں۔ آنحضرت ﷺ ان

سورتوں کو اس طرح جمع کرتے تھے کہ ایک ایک رکعت میں دو دو سورتیں پڑھا کرتے تھے اور (ان بیس سورتوں میں) آخر کی دو سورتیں ختم اللہ خان اور عم یتساءلون ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”آپس میں ہم مثل سورتوں“ سے مراد وہ سورتیں ہیں جو طوالت و اختصار میں آپس میں برابر ہیں۔ مفصل کا مطلب باب القراءۃ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ قول مشہور کے مطابق سورۃ حجرات سے آخر تک کی سورتوں کو ”مفصل“ کہتے ہیں۔ وہ سورتیں جو آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترتیب کے مطابق کہ جنہوں نے کلام اللہ کو جمع کیا تھا، یکجا کیا تھا، ان میں سورتوں کی تفصیل البوداؤد میں اس طرح مذکور ہے:

آنحضرت ﷺ ایک ایک رکعت میں دو، دو سورتیں (اس طرح) پڑھا کرتے تھے کہ سورۃ رحمن اور سورۃ نجم ایک رکعت میں، اقتربت الساعة اور الحاقہ ایک رکعت میں، طور اور ذاریات ایک رکعت میں، اذا وقعت الواقعة اور سورۃ نون ایک رکعت میں، سال سائل اور والنازعات ایک رکعت میں، ویل للمطففین اور ہمیں ایک رکعت میں، مدثر اور مزل ایک رکعت میں، هل اتی اور لا اقسام بیوم القيامة ایک رکعت میں، عم یتساءلون اور مرسلات ایک رکعت میں، دخان اور اذا الشمس کورت ایک رکعت میں، البوداؤد نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ ترتیب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جمع کرنے کے مطابق ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ طریقہ کے مطابق آنحضرت ﷺ سورۃ دخان اور عم یتساءلون ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں سورتیں نہ صرف یہ کہ ہم مثل اور آپس میں برابر نہیں ہیں بلکہ اس طرح حدیث کے اس آخری جزاء اور حدیث کے ظاہری معنی و مفہوم میں مطابقت نہیں رہے گی، چنانچہ اس جزء کی توضیح یہ کی جائے گی کہ حدیث کے ان الفاظ کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ ”ان بیس سورتوں میں کی آخری سورتیں حم الدخان اور اس کے ہم مثل یعنی اذا الشمس کورت اور عم یتساءلون اور اس کے ہم مثل یعنی والمرسلات ہیں۔“ اس کا مطلب اب یہ ہو جائے گا کہ آپ ﷺ ایک رکعت میں حم الدخان اور اذا الشمس کورت پڑھتے تھے جو ہم مثل اور برابر کی سورتیں ہیں اسی طرح ایک رکعت میں عم یتساءلون اور والمرسلات پڑھتے تھے جو ہم مثل اور برابر کی سورتیں ہیں۔

قرآن پڑھنے کی ترتیب: علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ قرآن کریم اسی ترتیب کے مطابق پڑھا جائے جو اب مروج ہے کسی دوسری ترتیب کے مطابق نہ پڑھا جائے، ہاں بچوں کو ضرورتاً یعنی تعلیم وغیرہ کی وجہ سے آخر کی طرف سے بھی پڑھا دینا جائز ہے اور اگر نماز میں خلاف ترتیب قرآن پڑھا جائے گا تو یہ خلاف اولیٰ ہو گا بلکہ بعض علماء کے نزدیک تو یہ مکروہ ہے چنانچہ حضرت امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے۔

پہلی رکعت میں سورۃ والناس پڑھ لینے کا مسئلہ: اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی رکعت میں سورۃ والناس پڑھ لے تو دوسری میں کیا پڑھے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس شکل میں دوسری رکعت میں بھی سورۃ والناس ہی پڑھنی چاہیے، لیکن حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر پہلی رکعت میں سورۃ والناس پڑھی گئی ہے تو دوسری رکعت میں سورۃ بقرہ شروع کر دی جائے اس طرح کہ آتم سے لے کر مفلحون تک کی آیتیں پڑھی جائیں، ایک روایت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی یہی منقول ہے بلکہ یہی قول زیادہ اولیٰ ہے۔

الفصل الثانی

آنحضرت ﷺ کی نماز تہجد کی کیفیت

(۱۳) عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ فَلَا تَأْذُوا الْمَلَائِكَةَ

وَالْجَبْرُوتَ وَالْكَبَرِيَاءَ وَالْعِظْمَةَ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَأَ الْبَقْرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوعُهُ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ
سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِّنْ رُكُوعِهِ يَقُولُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ
سُجُودُهُ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ وَكَانَ يَقَعُدُ فَيَمْنَيْنِ
السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِّنْ سُجُودِهِ وَكَانَ يَقُولُ رَبِّ اغْفِرْ لِي رَبِّ اغْفِرْ لِي فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيهِنَّ الْبَقْرَةَ وَالْ
عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ أَوْ لَا نَعَامَ شَكَ شُعْبَةَ - (رواہ ابو داؤد)

”حضرت حذیفہؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے سرور کائنات ﷺ کو رات میں (تہجد کی) نماز پڑھتے دیکھا ہے چنانچہ (ان کا بیان ہے کہ) آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر یہ کہا ذوالملکوت والجبوت والکبرياء والعظمة (اللہ تعالیٰ، ملک، غلبہ، بڑائی اور بزرگی کا مالک ہے) اس کے بعد آپ ﷺ نے سبحانک الہم پڑھ کر سورہ بقرہ کی قرأت فرمائی اور اس کے بعد رکوع کیا آپ ﷺ کا رکوع (تقریباً) قیام کے برابر تھا، رکوع میں آپ نے سبحان ربی العظیم کہا پھر رکوع سے سر اٹھایا اور آپ ﷺ کا کھڑا ہونا یعنی قومہ (تقریباً) آپ ﷺ کے رکوع کے برابر تھا اور (رکوع سے اٹھ کر سبحان اللہ لمن حمد کہنے کے بعد) آپ ﷺ کہتے لِرَبِّيَ الْحَمْدُ (میرے پروردگار ہی کے لئے ساری تعریف ہے) پھر سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے سجدہ کی مقدار آپ کے قومہ کے برابر تھی اور سجدہ میں آپ ﷺ کہتے سبحان ربی الاعلیٰ پھر آپ ﷺ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور آپ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان (یعنی جلسہ میں) اپنے سجدے کے برابر بیٹھے اور یہ کہتے رب اغفر لی رب اغفر لی (اے میرے رب میری بخشش کر اے میرے رب مجھے بخش دے) اسی طرح آپ ﷺ نے چار رکعتیں پڑھیں۔ اور ان (چاروں رکعتوں میں) سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء اور سورہ مائدہ یا سورہ انعام پڑھیں (حدیث کے راوی) شعبہؓ کو شک واقع ہو گیا ہے (کہ حدیث میں آخری سورہ مائدہ کا ذکر کیا گیا تھا یا انعام کا)۔“

تشریح: ”آپ کا رکوع قیام کے برابر تھا“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حقیقتہً آپ ﷺ کا رکوع تقریباً قیام کے برابر تھا، یا یہ کہ آپ ﷺ رکوع میں اتنی ہی دیر تک رہتے تھے جتنی دیر تک قیام کرتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ نے معمول سے کچھ زیادہ قیام کو طویل کیا تھا اسی طرح رکوع کو بھی مقدار معمول سے زیادہ دراز کیا، ہاں کبھی دونوں یعنی قیام اور رکوع برابر بھی ہوتے تھے جیسا کہ نسائیؒ نے حضرت عوف بن مالکؓ کی روایت نقل کی ہے۔

”رب اغفر لی“ دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اس سلسلہ میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ ﷺ رب اغفر لی دو مرتبہ کہتے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے احتمال دو سے زائد بہت مرتبہ کہنا ہو۔ واللہ اعلم۔

نماز تہجد میں زیادہ قیام کی فضیلت

(۱۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَامَ بِعَشْرِ آيَاتٍ لَمْ يَكْتَسِبْ مِنَ الْغَافِلِينَ وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَائِمِينَ وَمَنْ قَامَ بِأَلْفِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقْنَطَرِينَ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص دس آیتوں کے (پڑھنے کے) ساتھ قیام کرے تو وہ غافلین میں شمار نہیں کیا جاتا یعنی اس کا نام صحیفہ غافلین میں نہیں لکھا جاتا) اور جو شخص سو آیتوں کے (پڑھنے کے) ساتھ قیام کرے تو اس کا نام فرمانبرداروں میں لکھا جاتا ہے اور جو شخص ہزار آیتوں کے (پڑھنے کے) ساتھ قیام کرے تو اس کا نام بہت زیادہ ثواب پانے والوں میں لکھا جاتا ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص تہجد کی نماز میں دس، سو یا ہزار آیتوں کی قراءت ترتیل اور اطمینان کے ساتھ کرے تو اسے مذکورہ بالا ثواب اور سعادت کی فضیلت حاصل ہوگی اور اگر کوئی شخص اپنی نماز میں دس آیتیں پڑھے گا تو فضیلت و ثواب کے اعتبار سے وہ آدمی اس

سے کمتر ہو گا جو سو آیتیں اپنی نماز میں پڑھے گا، اسی طرح جو شخص سو آیتیں اپنی نماز میں پڑھے گا تو وہ فضیلت و سعادت کے اعتبار سے اس شخص سے کم تر ہو گا جو اپنی نماز میں ایک ہزار آیتوں کی قراءت کرے گا۔

اس موقع پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں، اول تو یہ کہ آیتوں کی مذکورہ تعداد ایک رکعت میں پڑھنے کا اعتبار ہو گا یا ایک سے زائد رکعت میں یہ تعداد پڑھی جائے۔

دوم یہ کہ یہ تعداد سورۃ فاتحہ کی آیتوں کو شامل ہے یا اس کے علاوہ ہے۔

پہلے سوال کے متعلق علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ آیتوں کی مذکورہ تعداد دو یا دو سے زیادہ رکعتوں میں پڑھی جائے۔

دوسرے سوال کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ تو یہی مراد بتاتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ دس آیتیں ہوں لیکن صحیح اور ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں مذکورہ ثواب اس شکل میں بھی حاصل ہوتا ہے کہ مذکورہ تعداد سورۃ فاتحہ کو شامل کر کے پڑھی جائے یا اس طور کہ سات آیتیں تو سورۃ فاتحہ کی ہو جائیں گی اور تین آیتیں مزید کہ جو نماز کی قراءت کا ادنیٰ درجہ ہے۔

قاتنین کے معنی ہیں اطاعت پر مواظبت اور مداومت کرنے والے یا عبادت خداوندی میں قیام (یعنی کھڑے ہونے) کو طویل کرنے والے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نماز میں سو آیتیں پڑھتے ہیں ان کا نام اطاعت خداوندی پر مواظبت و مداومت کرنے والوں میں لکھا جاتا ہے۔ یا عبادت خداوندی میں قیام کو طویل کرنے والوں کی جماعت میں لکھا جاتا ہے جو انتہائی سعادت اور خوش بختی کی بات ہے۔ علامہ طبری کے الفاظ سے جو اس حدیث کی تشریح میں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے، دن یا رات کے ساتھ مقید نہیں ہے یعنی خواہ کوئی کسی بھی نماز ہو، دن کی ہو یا رات کی ہو جس نماز میں بھی آیتوں کی مذکورہ تعداد پڑھی جائے گی، ثواب حاصل ہو گا، تاہم علامہ بغوی نے اس حدیث کو کامل ترین موقع پر یعنی باب ”صلۃ اللیل“ میں نقل کر کے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ رات میں یعنی تہجد کی نماز میں مذکورہ تعداد میں جو آیتیں پڑھی جائیں گی تو اس کا ثواب بہت زیادہ حاصل ہو گا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ”قیام کرنا“ اس بات سے کہنا ہے کہ مذکورہ تعداد میں آیتیں یا دیکھیں اور انہیں ہر وقت پڑھا جائے نیز یہ کہ ان کے معنی و مقاصد میں غور و فکر اور ان پر عمل کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

نماز تہجد میں آنحضرت ﷺ کی قراءت کا طریقہ

(۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا وَيَخْفِضُ طَوْرًا - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رات کی نماز میں سرور کائنات ﷺ کی قراءت مختلف ہوتی تھی۔ کبھی تو آپ ﷺ بلند آواز سے

قراءت فرماتے اور کبھی پست آواز سے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جیسا وقت اور موقع دیکھتے اسی کے مطابق قراءت فرماتے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر آپ ﷺ تنہا ہوتے، اور دوسروں کی نیند خراب ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ بازا بلند قراءت فرماتے تھے اور اگر اس پاس کوئی سویا ہوا ہوتا تو پھر آپ ﷺ اس کی نیند اچاٹ ہونے کے خوف سے قراءت پست آواز سے فرماتے تھے۔

(۱۶) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَدَرِ مَا يَسْمَعُهُ مَنْ فِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِي

الْبَيْتِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ اتنی آواز سے قراءت فرماتے تھے کہ اگر آپ ﷺ حجرہ کے اندر پڑھتے ہوتے

تو باہر محن میں موجود شخص سن لیتا تھا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: یعنی نہ تو آپ بہت زیادہ بلند آواز سے قراءت کرتے تھے اور نہ بالکل ہی پست آواز سے کہ کوئی سن بھی نہ سکے، بلکہ اتنی آواز سے

پڑھا کرتے تھے کہ اگر آپ ﷺ حجرہ کے اندر نماز پڑھتے ہوئے ہوتے تو وہ لوگ جو باہر صحن میں موجود ہوتے تھے آپ ﷺ کی قراءت سن لیتے تھے۔

اتنی بات جان لیجئے کہ قراءت کے سلسلے میں یہ جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے اس کا تعلق رات یعنی تہجد کی نماز سے ہے کیونکہ جب آپ ﷺ مسجد میں نماز پڑھتے تھے تو رات کی نماز کی بہ نسبت زیادہ بلند آواز سے قراءت فرماتے تھے۔

تہجد کی قراءت میں البوکرؓ و عمرؓ کا طریقہ

(۱۷) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً فَإِذَا هُوَ بِأَيِّ بُكْرٍ يُصَلِّي وَيَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهِ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّي رَافِعًا صَوْتَهُ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ مَرَزْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ أَسْمَعْتُ مَنْ نَأَجِنْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَزْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْقِظْ الْوَسْطَانِ وَأَطْرُدِ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا بَكْرٍ ازْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا۔ (رواہ ابو داؤد و ردی الترمذی نمبر ۷۰۸)

”اور حضرت ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرور کائنات ﷺ رات میں باہر نکلے تو ناگہاں حضرت ابو بکرؓ کے پاس سے گزرے جو نماز میں پست آواز سے (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے، پھر آپ ﷺ حضرت عمرؓ کے پاس سے گزرے جو نماز میں بلند آواز سے (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے، ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ جب (صبح کو) حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یکجا (حاضر) ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ، ابو بکرؓ! (آج کی رات) ہم تمہارے پاس سے گزرے تو تم نماز میں پست آواز سے (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے؟ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! میں جس سے مناجات کر رہا تھا اسے ہی سنا رہا تھا (یعنی میں اپنے پروردگار کی مناجات میں مشغول تھا اور وہ سننے کے لئے بلند آواز کا محتاج نہیں ہے وہ ہر طرح سے سنتا ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ، عمرؓ! (آج کی رات) ہم تمہارے پاس سے (بھی) گزرے تھے تم نماز میں باوازا بلند (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں (باوازا بلند قرآن کریم پڑھ کر ان) سوئے ہوئے لوگوں کو جگاتا تھا (جو عبادت خداوندی یعنی تہجد کے وقت اٹھنا تو چاہتے ہیں مگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے ان کی آنکھیں کھل نہیں پاتیں) اور شیطان کو بھگاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے (دونوں کی باتیں سن کر حضرت ابو بکرؓ سے) فرمایا کہ، ابو بکر! تم اپنی آواز کو کچھ اور بلند کرو اور (حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ) عمر! تم اپنی آواز کو پست کرو یعنی اس طرح آنحضرت ﷺ نے حد اعتدال کی طرف دونوں کی راہنمائی فرمائی۔“ (ابو داؤد، ترمذی)

آنحضرت ﷺ ایک آیت پڑھتے ہوئے تمام رات کھڑے رہے

(۱۸) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَصْبَحَ بِأَيَّةِ وَالْآيَةِ إِنَّ نَعْدَهُ لَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرَ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (رواہ النسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک رات نماز تہجد میں) سرور کائنات ﷺ صبح تک کھڑے رہے اور یہ آیت پڑھتے رہے۔ اِنْ نَعْدَهُ لَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرَ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اگر تو انہیں بخش دے تو بڑا حکمت والا ہے۔“ (نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اباری تعالیٰ کے حضور اپنی اُمت کے حق میں یہ آیت عرض کریں گے اور رحمت دو عالم شافع محشر، سرکار دو عالم ﷺ نے تہجد کے وقت اپنی اُمت کے حسب حال یہ آیت پڑھی یعنی پروردگار کے حضور آپ ﷺ نے اپنی

اُمت کا حال عرض کیا اور خدا کی بخشش کے طلب گار ہوئے، صدقہ جائے سرکار ﷺ کے (آپ ﷺ پر میری جان قربان) کہ نماز تہجد میں کھڑے ہونے کے وقت سے لے کر صبح تک بار بار یہی دعا آپ ﷺ پڑھتے اور اپنی اُمت کی مغفرت و بخشش چاہتے رہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم الف الف صلوة۔

فجر کی سنتیں پڑھ کر دہنی کروٹ پر لیٹنا چاہئے

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ رَكَعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُضْطَجِعْ عَلَى

يَمِينِهِ۔ (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص فجر کی سنت کی دو رکعتیں پڑھ لے تو اسے چاہئے کہ جماعت شروع ہونے تک اپنی دہنی کروٹ پر لیٹ رہے۔“ (ترمذی و ابو داؤد)

تشریح: فجر کی سنتیں پڑھ کر جماعت شروع ہونے تک دہنی کروٹ پر لیٹ رہنے کی توجیہ بعض حنفی علماء نے یہ بیان کی ہے کہ نماز تہجد اور رات میں عبادت خداوندی میں مشغول رہنے کی وجہ سے چونکہ سستی اور طبیعت میں گرائی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے فجر کی سنتیں پڑھ کر تھوڑی دیر لیٹ رہنے کا حکم دیا تاکہ کسل و سستی ختم ہو جائے اور کچھ راحت و سکون حاصل ہو جائے جس کی وجہ سے فرض نماز اطمینان و سکون اور قلب و دماغ کی بشارت و فرحت کے ساتھ ادا ہو۔

ابن مالک فرماتے ہیں کہ جو شخص رات میں خدا کی عبادت میں مشغول رہتا ہے اور نماز تہجد پڑھتا ہے اس شخص کے حق میں یہ (یعنی فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد دہنی کروٹ پر لیٹ جانے کا حکم) امر استحباب ہے۔

حضرت سید زکریاؒ جن کا شمار حنفیہ کے یہاں علم حدیث کے مشائخ میں ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ لائق اور بہتر یہ ہے کہ یہ طریقہ (یعنی سنت پڑھ کر دہنی کروٹ پر لیٹنا) پوشیدہ طور پر اختیار کرے یعنی گھر میں ایسا کرے۔ مسجد میں لوگوں کے سامنے نہ کرے، نیز یہ کہ یہ لیٹنا محض لیٹنے کی حد تک رہے اور اپنے آپ کو نیند سے بچائے، ایسا نہ ہو کہ لیٹ کر سو جائے اور اٹھ کر جماعت میں شریک ہو اور اس طرح فرض نماز بغیر وضو پڑھ لے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

مداومت عمل

(۲۰) عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أُمِّي الْعَمَلُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ الدَّائِمُ قُلْتُ

فَأَجَبْتَنِي كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَتْ كَانَ يَقُومُ إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت مسروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین عائشہؓ سے دریافت کیا کہ سرور کونین ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون سا عمل تھا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مداومت عمل۔ میں نے پھر (یہ) پوچھا کہ رات میں تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے آپ ﷺ کس وقت کھڑے ہوتے تھے؟ فرمایا کہ آپ ﷺ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مرغ کی آواز سنتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”مداومت عمل“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیک اور با مقصد عمل جس کو کرنے والا ہمیشہ پابندی کے ساتھ کرتا رہے اور جیسا کہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ اگرچہ وہ عمل قلیل ہی کیوں نہ ہو۔

ہمارے اطراف میں تو عام طور پر مرغ رات کے بالکل آخری حصہ یعنی صبح کے قریب بولتے ہیں مگر عرب میں عمومی طور پر آدمی رات

کے بعد مرغ بولتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ مرغ کے بولنے کی آواز سن کر اٹھتے تھے اور اس وقت تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کارات کا معمول

(۲۱) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا كُنَّا نَشَاءُ أَنْ نَرَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْنَاهُ وَلَا نَشَاءُ أَنْ نَرَاهُ فَلَمَّا رَأَيْنَاهُ (رواه النسائي)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں، اگر ہم چاہتے کہ سرور کونین ﷺ کورات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں تو آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے ہی دیکھتے تھے اور اگر یہ چاہتے کہ آنحضرت ﷺ کو سوتے ہوئے دیکھیں تو آپ ﷺ کو سوتے ہوئے ہی دیکھتے تھے۔“ (نسائی)

تشریح: حضرت انسؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ رات میں تہجد وغیرہ پڑھنے کے سلسلہ میں معتدل رویہ اختیار فرماتے تھے، نہ تو تمام رات تہجد وغیرہ ہی میں گزار دیتے تھے اور نہ تمام رات سوتے ہی رہتے تھے بلکہ آپ ﷺ ہر رات میں سوتے بھی تھے اور تہجد وغیرہ کی نماز بھی پڑھتے تھے۔

لہذا آپ ﷺ چونکہ نماز تہجد وغیرہ کے لئے نہ تو تمام رات بیدار ہی رہتے تھے اور نہ تمام رات سوتے ہی رہتے تھے اس لئے آپ ﷺ رات میں نماز تہجد وغیرہ میں مشغول بھی دیکھے جاتے تھے اور سوتے ہوئے بھی آپ ﷺ کو دیکھا جاتا تھا۔

(۲۲) وَعَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ إِنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ وَأَنَا فِي سَفَرٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ لَا زَقَيْنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلَاةِ حَتَّى أَرَى فِعْلَهُ فَلَمَّا صَلَّى صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَهِيَ الْعَتَمَةُ اضْطَجَعَ هَوِيًّا مِنَ اللَّيْلِ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَتَنَظَّرَ فِي الْأَفْقِ فَقَالَ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا حَتَّى بَلَغَ إِلَى إِنْكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ثُمَّ أَهْوَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى فِرَاشِهِ فَاسْتَلَّ مِنْهُ سِوَاكًا ثُمَّ أَفْرَغَ فِي قَدَحٍ مِنْ إِدَاوَةٍ عِنْدَهُ مَاءً فَاسْتَنْثَنَ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى حَتَّى قُلْتُ قَدْ صَلَّى قَدْ رَمَانَا ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى قُلْتُ قَدْ نَامَ قَدْ رَمَا صَلَّيْتُ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ كَمَا فَعَلَ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ فَفَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ الْفَجْرِ - (رواه النسائي)

”اور حضرت حمید بن عبد الرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ کے ایک صحابی نے بیان کیا کہ (ایک مرتبہ) جب کہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھا تو (اپنے دل میں یا اپنے بعض احباب سے) کہا کہ خدا کی قسم! آنحضرت ﷺ (جب تہجد کے لئے اٹھیں گے تو آپ ﷺ کو) میں نماز کے وقت دیکھتا ہوں گا تاکہ میں آپ ﷺ کے افعال دیکھوں (اور پھر اسی کے مطابق عمل کروں) چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے عشاء کی نماز کے جیسے عزمہ کہتے ہیں پڑھ لی تو لیٹ گئے (اور کچھ دیر آرام کیا، پھر آپ ﷺ بیدار ہوئے اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہ آیت رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا حَتَّى بَلَغَ إِلَى إِنْكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ پڑھی یہاں تک کہ آپ ﷺ اس آیت تک پہنچے اِنْكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ بے شک تو وعدہ سے پھرا نہیں کرتا۔ پھر آپ ﷺ اپنے بستر کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں سے مسواک نکالی، اس کے بعد ایک چھاگل میں سے جو آپ ﷺ کے پاس رکھی ہوئی تھی (وضو کرنے یا مسواک ترک کرنے کے لئے) پیالہ میں پانی نکالا پھر مسواک کرنے کے بعد (وضو کر کے) پہلے کے وضو کے ساتھ نماز پڑھنے) کھڑے ہو گئے اور (جب) آپ ﷺ نے نماز پڑھ لی، میں نے (دل میں) کہا کہ جتنی دیر آپ سوتے تھے اتنی ہی دیر اب آپ ﷺ نے نماز پڑھی پھر آپ ﷺ لیٹ گئے اور میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ جتنی دیر آپ ﷺ نے نماز پڑھی تھی اتنی ہی دیر سوتے پھر آپ ﷺ بیدار ہوئے اور جو کچھ پہلے کیا تھا وہی اب کیا یعنی مسواک وغیرہ کی اور جو کچھ (یعنی آیت مذکورہ) پہلے پڑھا تھا وہی اب پڑھا، آنحضرت ﷺ نے نماز فجر سے پہلے اسی طرح تین مرتبہ کیا۔“ (نسائی)

تشریح: آیت پڑھنے کے سلسلہ میں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس رات میں مذکورہ آیت اِنْكَ لَا تُخْلِفُ

المیعاد تک ہی پڑھی ہو۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ نے یہ آیتیں آخر سورہ تک پڑھی ہوں گی مگر سننے والے نے انک لا تخلف الميعاد کے بعد کی آیتیں نہیں سنی ہوں گی۔

اسی طرح اس حدیث میں اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث نمبر آٹھ میں تطبیق بھی پیدا ہو جائے گی جس سے معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آخر سورۃ تک تلاوت کی تھی۔

(۲۳) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُمْلَكٍ أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَاتِهِ فَقَالَتْ وَمَا لَكُمْ وَصَلَاتِهِ كَانَ يُصَلِّي ثُمَّ يَتَامُ قَدْرَ مَا صَلَّى ثُمَّ يَصَلِّي قَدْرَ مَا تَامَ ثُمَّ يَتَامُ قَدْرَ مَا صَلَّى ثُمَّ يَصَلِّي قَدْرَ مَا تَامَ ثُمَّ يَتَامُ قَدْرَ مَا صَلَّى حَتَّى يُصْبِحَ ثُمَّ نَعَتْ قِرَاءَةَ إِذْ أَهَمِي نَعْتُ قِرَاءَةَ مَفْسُورَةً حَرْفًا حَرْفًا۔

(رواہ البوداؤد والترمذی والنسائی)

”اور حضرت یحییٰ بن مملک کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) حضرت ام سلمہؓ زوجہ مطہرہ سرور کونین ﷺ سے آنحضرت ﷺ کی قراءت اور نماز کے بارہ میں پوچھا (جو آپ ﷺ رات میں پڑھتے تھے) انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی نماز (اور قراءت بیان کرنے) سے تمہیں کیا (حاصل ہو گا) تم میں اتنی قوت کہاں کہ آپ ﷺ کے برابر قراءت کر سکو اور آپ ﷺ کی طرح نماز پڑھ سکو، اور اگر سننا ہی چاہتے ہو تو سنو کہ) آپ نماز پڑھتے، پھر جتنی دیر تک آپ ﷺ نماز پڑھتے اتنی ہی دیر تک سوتے، پھر (اٹھ کر) اتنی ہی دیر تک نماز پڑھتے جتنی دیر تک سوچے ہوتے پھر جتنی دیر تک آپ ﷺ نماز پڑھتے اتنی ہی دیر تک سوتے یہاں تک کہ (یہ سلسلہ جاری رہتا اور) صبح ہو جاتی، اس کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے آپ ﷺ کی قراءت بیان کی یہاں تک کہ انہوں نے خوب واضح اور ایک ایک حرف قراءت کا بیان کیا۔“ (البوداؤد، ترمذی، نسائی)

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ

آنحضرت ﷺ رات کی نماز میں جو کچھ پڑھتے تھے اس کا بیان

الفصل الأول

نماز تہجد میں آنحضرت ﷺ کی دعا

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْغَنِيُّ وَالْغَنِيُّ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالتَّيِّبُونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ أَمْنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أُنَبِّتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاعْفُ زِلِّي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔ (متن علیہ)

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب رات میں تہجد (کی نماز) پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو یہ (دعا) پڑھتے اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ

وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اس کے لئے بادشاہت ہے اور اس کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور پاک ہے اللہ، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے اور گناہوں سے بچتا اور عبادت کی قوت اللہ کی مدد سے ہے) اور اس کے بعد یہ کہے رَبِّ اغْفِرْ لِي (اے میرے رب بخش دے) یا فرمایا کہ پھر دعا کرے (یعنی راوی کو شک واقع ہو گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خاص طور پر رَبِّ اغْفِرْ لِي پڑھنے کو فرمایا یہ فرمایا کہ جو دعا چاہے پڑھے) اس کی دعا قبول کی جائے گی، پھر اگر وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔ (بخاری)

تشریح: "تعار" کے معنی بعض نے نیند سے بیدار ہونے اور بعض نے کروٹ لینے کے لکھے ہیں اور ابن مالکؒ نے اس کے معنی آواز کے ساتھ جانگنے کے لکھے ہیں جیسا کہ بیدار ہونے کے وقت منہ سے آواز نکلتی ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے اسے پسند اور بہتر قرار دیا ہے کہ جانگنے کے بعد جو آواز منہ سے نکلے وہ تسبیح وغیرہ کی آواز ہو چنانچہ اللہ سے تعلق رکھنے والے جب نیند سے بیدار ہوتے ہیں تو ان کے منہ سے کلمہ یا اسی قسم کی تسبیح و دعا کی آواز نکلتی ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس دعا کو جو نیند سے بیدار ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے "درہم الکیس" کہتے ہیں یعنی جس طرح کوئی شخص درہم و روپیہ تھیلی میں رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے اس میں سے نکالتا ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اسی طرح یہ دعا ہے جو مومن کے قلب و دماغ میں محفوظ رہتی ہے جب وہ نیند سے بیدار ہوتا ہے اور یہ دعا اس کے منہ سے نکلتی ہے تو وہ بارگاہ رب العزت میں قبولیت کا درجہ پاتی ہے۔

الفصل الثانی

جانگنے کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِي وَأَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ اللَّهُمَّ زِدْنِي عِلْمًا وَلَا تُرْغِ قَلْبِي بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِي وَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (رواہ ابو داؤد)

"ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب رات میں (نیند سے) بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِي وَأَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ اللَّهُمَّ زِدْنِي عِلْمًا وَلَا تُرْغِ قَلْبِي بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِي وَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، اے اللہ! میں تیری تعریف کے ساتھ تیری تسبیح کرتا ہوں، اپنے گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا طلبگار ہوں۔ اے اللہ! میرے علم میں زیادتی عطا فرما اور مجھے ہدایت یافتہ بنانے کے بعد (حق سے باطل کی طرف) میرے دل میں کجروی پیدا نہ ہونے دے اور اپنے پاس سے میرے لئے (ایمان و ہدایت پر ثابت قدمی اور دینی توفیق کی) رحمت عطا فرما بے شک تو ہی بخشنے والا ہے۔"

رات میں بیداری کے بعد ذکر اللہ کی فضیلت

(۵) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيتُ عَلَى ذِكْرِ طَاهِرٍ أَوْ يَتَعَارَّ مِنْ اللَّيْلِ فَيَسْأَلُ اللَّهَ خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ إِيَّاهُ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد)

"اور حضرت معاذ بن جبلؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا، جو بھی مسلمان رات میں پاکی کی حالت میں (یعنی وضو یا تیمم کر کے) ذکر

اللہ کرتا ہوا سو جائے اور پھر رات میں بیدار ہونے کے بعد خدا سے بھلائی کی دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے (دنیا یا آخرت میں ضرور ہی) بھلائی دیتا ہے۔“ (احمد: ابوداؤد)

نماز تہجد سے پہلے آنحضرت ﷺ کی تسبیح و دعا

⑥ وَعَنْ شَرِيقِ الْهَوْزِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَسَأَلْتُهَا بِمَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ إِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَتْ سَأَلْتَنِي عَنْ شَيْءٍ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَحَدٌ قَبْلَكَ كَانَ إِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ عَشْرًا وَحَمِدَ اللَّهَ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ عَشْرًا وَاسْتَغْفَرَ اللَّهَ عَشْرًا وَهَلَّلَ اللَّهَ عَشْرًا ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضَيْقِ الدُّنْيَا وَضَيْقِ الْآخِرَةِ وَضَيْقِ الْقِيَامَةِ عَشْرًا ثُمَّ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ۔ (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت شریق الہوزی فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ان سے پوچھا کہ سرور کونین ﷺ رات میں بیدار ہونے کے بعد (عبادت) کس چیز سے شروع کرتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ تم، نے مجھے سے (آج) وہ چیز پوچھی ہے جو تم سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھی (تو سنو کہ) آنحضرت ﷺ جب رات میں بیدار ہوتے تو (پہلے) اللہ اکبر دس مرتبہ الحمد للہ دس مرتبہ، سبحان اللہ و بحمدہ دس مرتبہ، سبحان الملک القدوس دس مرتبہ کہتے، دس مرتبہ استغفار کرتے، لا الہ الا اللہ دس مرتبہ کہتے اور دس مرتبہ یہ کہتے: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضَيْقِ الدُّنْيَا وَضَيْقِ الْآخِرَةِ وَضَيْقِ الْقِيَامَةِ (اے پروردگار! میں تجھ سے دنیا کی تنگی (یعنی سختیوں) اور آخرت کی تنگی سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نماز تہجد شروع فرماتے)“ (ابوداؤد)

تشریح: صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے یہاں دس تسبیحات ہیں جو سات مرتبہ پڑھی جاتی ہیں اور جنہیں ان کی اصطلاح میں ”مسیبعت عشرہ“ کہتے ہیں، اس حدیث میں سات تسبیحات ہیں جنہیں دس دس مرتبہ پڑھنا ذکر کیا گیا۔ چنانچہ صوفیاء کی اصطلاح ”مسیبعت عشرہ“ کے مقابلہ میں محدثین کرام رحمہم اللہ کے یہاں اس حدیث میں مذکورہ تسبیحات اور ان کے اعداد کو ”معشرات سبعہ“ کہتے ہیں۔

الفصل الثالث

⑦ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُولُ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا ثُمَّ يَقُولُ أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمَزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ، رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتَّيْسَانِيُّ وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ وَبَعْدَ قَوْلِهِ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثَلَاثًا وَفِي آخِرِ الْحَدِيثِ ثُمَّ يَقْرَأُ۔

”حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب رات میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر یہ پڑھتے۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ (اے اللہ تو پاک ہے ہم تیری حمد کرتے ہیں تیرا نام بابرکت ہے تیری بزرگی بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے) پھر اللہ اکبر کہہ کر (اللہ بہت بڑا ہے) کہتے اور یہ دعا پڑھتے۔ أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمَزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ (میں اللہ سننے والے، جاننے والے کی شیطان مردود سے، اس کے وسوسے سے، اس کے تکبر سے اور اس کے برے شعر کھانے سے پناہ مانگتا ہوں، (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) ابوداؤد نے اپنی روایت میں حدیث کے الفاظ ولا الہ غیرک کے بعد یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ پھر آپ ﷺ لا الہ الا اللہ تین مرتبہ کہتے اور آخر حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ پھر پڑھتے۔ یعنی أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ الخ پڑھنے کے بعد قراءت فرماتے۔“

⑧ وَعَنْ زَيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ كُنْتُ آيْتُ عِنْدَ حُجْرَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ إِذَا قَامَ

مِنَ اللَّيْلِ يَقُولُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعَالَمِينَ الْهُوَ ثُمَّ يَقُولُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ الْهُوَ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ
نَحْوَهُ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ -

”اور حضرت ربیع بن کعب السمیؓ فرماتے ہیں کہ میں سرور کوئین ﷺ کے حجرہ مبارک کے قریب ہی رات بسر کیا کرتا تھا، چنانچہ میں آپ ﷺ کی آواز سنا کرتا تھا کہ جب آپ ﷺ رات میں (تہجد کی) نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دیر تک سُبْحَانَ رَبِّ الْعَالَمِينَ (تمام عالم کا پروردگار پاک ہے) کہا کرتے تھے، پھر دیر تک کہتے سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ (اللہ پاک ہے میں اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہوں) (نسائی) (ترمذی) نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

بَابُ التَّحْرِيطِ عَلَى قِيَامِ اللَّيْلِ رات کے قیام پر رعبیت دلانے کا بیان

قیام اللیل (رات کا قیام) کا مطلب ہے ”رات میں عبادت خداوندی مثلاً نماز تہجد اور ذکر اللہ وغیرہ میں مشغول رہنا“ اسی مناسبت سے ”قائم اللیل“ ان خوش نصیب اور باسعادت لوگوں کو کہا جاتا ہے جو راتوں کو اٹھ کر اپنے پروردگار کی عبادت اور اس کے ذکر و یاد میں مشغول رہتے ہیں۔

الفصل الأول

رات میں عبادت خداوندی سے روکنے کے لئے شیطان کی مکاریاں

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْفِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ غَفَدٍ يَضْرِبُ عَلَى كُلِّ غَفَدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ فَإِنْ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللَّهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَإِنْ صَلَّى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَلِبَ النَّفْسِ وَالْأَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسَلَانَ - (متفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کوئین ﷺ نے فرمایا۔ ”جب تم میں سے کوئی شخص (رات میں) سوتا ہے تو شیطان مردود اس کے سر کی گدی پر تین گرہ لگاتا ہے۔ ہر گرہ پر (یہ کہہ کر) مارتا ہے (یعنی اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے) کہ ”ابھی بہت رات باقی ہے سوتا رہے“ لہذا اگر کوئی شخص (شیطان کے اس کمر میں نہیں آتا اور عبادت الہی کے لئے) جاگتا ہے اور (دل میں ہی یا زبان سے) اللہ کو یاد کرتا ہے تو غفلت و سستی کی ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر جب وہ وضو کرتا ہے تو (نجاست کی) دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اس کے بعد جب نماز پڑھتا ہے تو (کسالت و بطالت کی) تیسری گرہ (بھی) کھل جاتی ہے چنانچہ ایسا شخص شادماں اور پاک نفس صبح کرتا ہے ورنہ تو (جو شخص نہ جاگتا ہے نہ ذکر کرتا ہے اور نہ وضو کر کے نماز پڑھتا ہے تو وہ) کال اور بلید نفس صبح کر دیتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”گرہ“ کے معنی و مراد کے تعین میں اختلاف ہے ابن مالکؒ کا قول یہ ہے کہ ”گرہ“ سے مراد ”کسل و سستی کی گرہ“ ہے یعنی شیطان اپنی مکاریوں کے ساتھ رات میں عبادت خداوندی کے لئے اٹھنے والوں کے کسل و سستی کا باعث ہوتا ہے۔

میرکؒ کے قول کے مطابق بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ”یہ حقیقت پر محمول ہے یعنی شیطان مردود واقعی سونے والے کی گدی پر گرہ لگا دیتا ہے جیسا کہ جادوگر جادو کرتے وقت کسی پر گرہ لگاتے ہیں اس کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جو مرقات میں منقول ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ جادوگر پر محمول ہے، گویا گرہ لگانا جادوگر کا فعل ہے کہ وہ اس کے ذریعہ صحور کو اس کی مراد سے روک دیتا ہے

اس کے ساتھ سونے والے کو رات میں نماز پڑھنے اور ذکر اللہ میں مشغول ہونے سے شیطان کے روکنے کو مشابہت دی گئی ہے۔ یعنی جس طرح ایک ساحر سحر کے وقت کسی پر گرہ لگا کر اس کو اس کے مقاصد سے روک دیتے ہیں بایں طور کہ مسح کی عملی قوتیں مفلوج ہو جاتی ہیں اسی طرح شیطان بھی رات میں سونے والوں کو اپنی مکاریوں کے ذریعہ ذکر اللہ اور نماز میں مشغول ہونے کے لئے اٹھنے سے روک دیتا ہے۔

کچھ علماء کا قول یہ ہے کہ ”اس سے مراد دل کی گرہ اور شیطان کی طرف سے سونے والے کو ایک چیز پر مصمم اور قائم کرنا ہے یعنی شیطان سونے والے کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے اور اس بات کا اسے یقین دلاتا ہے کہ ابھی رات بہت باقی ہے، سوتا رہ، لہذا شیطان کی فریب کاریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پیدا ہو کر نماز پڑھنے سے رک جاتا ہے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص رات میں شیطان کے مکر و فریب میں نہیں پھنستا اور اس کے بہکاوے میں نہیں آتا بلکہ وہ وقت پر اٹھ کر نماز تہجد اور ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس کے لئے صبح اپنی جلو میں شادمانی و خوش نصیبی اور پاک نفسی و پاکیزگی کی سعادتیں لئے ہوئے آتی ہے جس کی وجہ سے وہ تمام دن خدا کی رحمتوں کے سایہ میں رہتا ہے اور اس کے دل و دماغ ہر قسم کے خوف و خطر سے لاپرواہ ہو کر دین و دنیا کے امور میں اطمینان سے لگا رہتا ہے۔

اس کے برخلاف جو شخص رات میں شیطان کی عیاریوں کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے مکر کے جال میں پھنس جاتا ہے جس کی وجہ سے نہ تو وہ رات میں اٹھ کر ذکر اللہ کرتا ہے اور نہ ہی نماز تہجد میں مشغول ہوتا ہے بلکہ سویا رہتا ہے تو اس کے لئے صبح اپنے دامن میں کسالت و بطالت و غفلت و پلید نفسی کے غلیظ ڈھیر لے کر آتی ہے جس کی وجہ سے وہ تمام دن پلید نفس، غمگین دل، متفکر اور اپنے امور کی انجام دہی میں حیران و پریشان اور کسل مند رہتا ہے یعنی سستی و غفلت کی وجہ سے وہ اپنے جس کام کو بھی کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس میں ناکام اور بدول رہتا ہے کیونکہ وہ شیطان کے مکر و فریب کے جال میں مقید اور قرب خداوندی کی رحمتوں سے دور ہوتا ہے۔

آنحضرت کی کثرت عبادت اداء شکر کے لئے ہوتی تھی

(۲) وَعَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَزَّعَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ لِمَ تَصْنَعُ هَذَا وَقَدْ غَفِرَ لَكَ مَا تَقْدَمُ مِنْ ذَلِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے رات میں (نماز پڑھنے کے لئے) اس قدر قیام کیا (یعنی اتنی دیر تک کھڑے رہے) کہ آپ ﷺ کے مبارک پاؤں پر درم آگیا یہ حال دیکھ کر آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں آپ ﷺ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”کیا میں اللہ کا شکر ادا کرنے والا بندہ نہ ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے تمام گناہ بخش دیئے ہیں اور مجھے دین و دنیا کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز کیا ہے تو کیا میرا حق یہی ہے کہ میں عبادت کی محنت و مشقت اٹھا کر اس خدا کا جس نے مجھے اپنی بیشمار رحمتوں اور نعمتوں سے سرفراز کیا ہے شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ نہیں بلکہ خدا نے مغفرت و بخشش کی جو نعمت مجھے عطا فرمائی ہے۔ اور اپنی جس لامحدود بے انتہا نعمتوں سے مجھے نوازا ہے اس کے پیش نظر میرا فرض ہے کہ میں اس کی خوشنودی و رضا حاصل کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ محنت و مشقت اٹھاؤں اور زیادہ سے زیادہ عبادت کروں تاکہ اس کا شکر ادا کرنے والا بندہ بن جاؤں۔

عبادت کے بارہ میں حضرت علیؓ کا مقولہ: حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی ذات علم و فضل، ذہانت و فراست اور عقل و دانش کے اعتبار سے پوری اُمت میں امتیازی مقام کی حامل ہے عبادت کے بارہ میں انہوں نے جو تجزیہ فرمایا ہے اور جو رائے قائم کی ہے اسے سنئے اور اپنے

لئے مشعل راہ قرار دیجئے فرمایا:

”جن لوگوں نے (نعمتوں کی) طلب (یعنی جنت کی آرزو اور ثواب کی تمنا) میں عبادت کی تو ایسی عبادت سوداگروں کی عبادت ہے۔“

”جن لوگوں نے (عذاب خداوندی اور دوزخ کے) ڈر سے عبادت کی تو وہ غلاموں کی عبادت ہے۔“

اور ”جن لوگوں نے اپنے مولیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی ادائیگی شکر کے لئے عبادت کی تو وہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے“ (اور یہی عبادت سب سے اونچے درجے کی عبادت ہے)

رات میں خداوند کی عبادت کے لئے نہ اٹھنے والے کی برائی

③ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ ذَكَرْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَقِيلَ لَهُ مَا زَالَ نَائِمًا حَتَّى أَصْبَحَ مَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ ذَلِكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أَذُنِهِ أَوْ قَالَ فِي أُذُنَيْهِ۔ (ترمذی علیہ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ کے سامنے ایک شخص کا ذکر آیا، چنانچہ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ وہ شخص صبح تک سویا رہتا ہے نماز کے لئے نہیں اٹھتا“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ ایسا شخص ہے کہ اس کے کان میں یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے دونوں کانوں میں شیطان پیشاب کرتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”نماز“ سے مراد تہجد کی نماز بھی ہو سکتی ہے اور فجر کی نماز بھی یعنی یا تو یہ شخص تہجد کی نماز کے لئے نہیں اٹھتا ہو گا یا یہ کہ فجر کی نماز اس کی قضا ہو جاتی ہوگی۔

بہر حال شیطان کے پیشاب کرنے کے بارہ میں بعض علماء نے کہا ہے کہ حقیقتہً ایسا ہوتا ہے چنانچہ بعض صالحین کے بارہ میں منقول ہے کہ (کسی دن) ان کی آنکھ نہ کھلی جس کی وجہ سے (تہجد یا فجر کی فرض) نماز وہ نہ پڑھ سکے چنانچہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص جو سیاہ رنگ کا تھا آیا اور اس نے اپنا پیر اٹھا کر ان کے کان میں پیشاب کر دیا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”شیطان کا پیشاب کرنا“ اس بات سے کنایہ ہے کہ شیطان ایسے آدمی کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کو حقیر و کمتر سمجھتا ہے تو اس پر پیشاب کر دیتا ہے۔

عورتوں کے لئے نماز تہجد کا ذکر

④ وَعَنِ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اسْتَيْقِظَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَرَعَا يَقُولُ سُبْحَانَ اللَّهِ مَا ذَا أَنْزَلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَا ذَا أَنْزَلَ مِنَ الْفِتَنِ مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُرِيدُ أَنْزَوَاجَهُ لِكَيْ يُصَلِّيَنَّ رَبُّنَا كَاسِيَةً فِي الدُّنْيَا عَارِيَةً فِي الْآخِرَةِ۔ (رواہ البخاری)

”اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز رات میں سرور کونین ﷺ گھبرا کر یہ کہتے ہوئے بیدار ہو گئے کہ سبحان اللہ! آج کی رات کس قدر خزانے اتارے گئے ہیں اور کس قدر فتنے نازل کئے گئے ہیں، ہے کوئی جو ان حجروں والیوں کو اٹھا دے، آپ ﷺ کی مراد ازدواجِ مطہرات سے تھی کہ وہ (اٹھ کر) نماز پڑھیں (تاکہ رحمت خداوندی حاصل کر سکیں اور عذاب و فتنوں سے بچ سکیں کیونکہ) اکثر عورتیں دنیا میں (تو) کپڑے پہننے والی ہیں لیکن آخرت میں ننگی ہوگی۔“ (بخاری)

تشریح: حدیث کے پہلے جز کا مطلب یہ ہے کہ جو خزانے اور مال آنحضرت ﷺ کی امت میں مقدر ہو چکے تھے کہ کس امتی کو کتنا مال و زر ملے گا اور کسی امتی کی قسمت میں کتنی دولت لکھی ہے اس رات میں ان کا اترنا آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا اس طرح اس رات میں جتنے فتنے مقدر ہو چکے تھے وہ بھی اس رات میں آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی سے معلوم ہو گئے تھے۔

ملا علی قاریؒ اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ حدیث میں ”خزانے“ سے مراد رحمت خداوندی اور ”فتنے“ سے مراد اس کا عذاب ہے۔

عورتوں کے لئے وعید: حدیث کے آخری جز کے کئی مطلب ہیں اول یہ کہ اکثر عورتیں دنیا میں تو طرح طرح کے اور عمدہ سے عمدہ کپڑے پہنیں اور ان پر خرم و مہابت کریں گی حالانکہ ان کی حالت یہ ہوگی کہ حکم خداوندی کو نہ ماننے کی وجہ سے وہ آخرت میں نیک اور اچھے اعمال سے خالی ہوں گی۔ دوم یہ کہ اکثر عورتیں دنیا میں نیند کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی یعنی نیند کی غفلت کی وجہ سے خدا کی یاد سے غافل ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت میں اچھے درجات اور بڑائیوں سے خالی ہوں گی، سوم یہ کہ اکثر عورتیں جسم کو ظاہر کرنے والے ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی کہ وہ دنیا میں لباس پوش ہوں گی مگر آخرت کے حکم کے اعتبار سے تنگی ہوں گی، یعنی جو کپڑے دیکھنے میں عمدہ خوبصورت اور باریک معلوم ہوتے ہیں کہ جیسے جالی اور نائیلون وغیرہ کے کپڑے کہ جن کا عورتوں کے لئے استعمال کرنا از روئے شرع ممنوع ہے ایسے کپڑے والی عورتیں آخرت میں تنگی ہوں گی۔

اس حدیث سے ان عورتوں کو خاص طور پر عبرت حاصل کرنی چاہئے جو آج کے فیشن زدہ دور میں کپڑوں کے معاملہ میں انتہائی بے راہ روی اور غیر شرعی طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور ایسے ایسے کپڑے استعمال کرتی ہیں جو خدا اور خدا کے رسول کی مرضی کے خلاف اور آخرت کے عذاب کا موجب ہیں۔

مائیں اور بہنیں کان کھول کر سن لیں کہ دنیا چاہے جتنی فیشن زدہ ہو جائے، تہذیب و تمدن چاہے جتنے عروج پر پہنچ جائیں اور انسان کی ذہنی و فکری اور عملی جولانیاں چاہے چاند کو مسخر کر لیں، اسلام اور پیغمبر اسلام کے وہ فرمان جو آج سے چودہ سو سال پہلے جاری ہوئے تھے آج بھی پوری طرح موجود ہیں، ان کی اہمیت اور ان پر عمل کرنے کی شدت کسی حال میں بھی ختم نہیں ہو سکتی، اسلامی اور شرعی احکام کا دقیانوسیت کے الفاظ سے مذاق اڑا کر، فیشن کا نام لے کر آج بھلے کوئی عورت اپنی ظاہری زندگی کو اور دنیا کی نظروں میں جاذب نظر دیدہ زیب اور ماڈرن معزز بنالے مگر اسے یاد رکھ لینا چاہئے کہ دنیا کی اس چند روزہ زندگی اور موجودہ فیشن کے فانی رنگ و روپ کو ختم کر کے ایک دن اسے اس خدا کی بارگاہ میں پہنچنا ہے جو غفار رحیم ہونے کے ساتھ ساتھ جبار و قہار بھی ہے اور پھر انہیں وہاں اپنی بد عملیوں کا جواب دینا ہوگا۔

رحمت خداوندی کے نزول کا وقت

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَنْفُخُ ثُلُثَ اللَّيْلِ الْآخِرِ وَيَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبُ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيهِ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرُ لَهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ ثُمَّ يَنْسُطُ يَدَيْهِ يَقُولُ مَنْ يَقْرَأُ غَيْرَ عَذْوَمٍ وَلَا ظَلْمٍ حَتَّى يَنْفَجِرَ الْفَجْرُ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”ہر رات میں آخر تہائی رات کے وقت ہمارا بزرگ و برتر پروردگار دنیا کے آسمان (یعنی نیچے کے آسمان) پر نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اسے قبولیت بخشوں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت کا طلبگار ہو اور میں اسے بخشوں؟ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر اللہ جل شانہ اپنے (طف و رحمت کے) دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور کہتا ہے کہ کون ہے جو ایسے فرض دے جو نہ فقیر ہے اور نہ ظلم کرنے والا ہے اور صبح تک یہی فرماتا رہتا ہے۔“

تشریح: یَنْزِلُ رَبُّنَا (ہمارا رب نزول فرماتا ہے) کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ جل شانہ خود آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے کیونکہ وہ جسم کی ثلث و کثافت سے پاک و صاف ہے اور ایسا نور ہے جو ہمہ وقت کائنات کے ذرہ ذرہ پر محیط و حاوی ہے اور کسی خاص مقام و کسی وقت کا پابند نہیں ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہر شب میں ایک گھڑی ضرور آتی ہے جو قبولیت کی بشارت اپنے دامن میں لئے ہوئی آتی ہے جس باسعادت و خوش نصیب مسلمان کو وہ ساعت اور وہ گھڑی نصیب ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس میں جل شانہ کے سامنے اپنی جس دنیاوی انخروی بھلائی کے لئے درخواست پیش کرتا ہے بامراد و کامیاب ہوتا ہے اور اس کی درخواست بارگاہ رب العزت سے قبولیت کا درجہ پاتی ہے ہاں وہ قبولیت اللہ جل شانہ کی طرف سے عطا و بخشش حکماً بھی ہو سکتی ہے اور حقیقتہً بھی۔

ساعت قبولیت کے تعین کے بارہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ ساعت مبہم ہے جیسے لیلۃ القدر اور ساعت جمعہ کہ ان میں کسی خاص وقت کے بارہ میں تعین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ ساعت فلاں وقت اور فلاں ٹائم آتی ہے اسی طرح ہر رات میں بھی قبولیت کی ساعت کا کوئی خاص وقت اور ٹائم مقرر نہیں ہے بلکہ کسی بھی وقت آ جاتی ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ نصف شب کا وقت ساعت قبولیت ہے واللہ اعلم۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اور روزے

⑥ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللَّهِ صَلَاةُ دَاوُدَ وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللَّهِ صِيَامُ دَاوُدَ كَانَ يَتِمُّ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَتِمُّ سُدُسَهُ وَيَتَصَوَّمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کو تمام نمازوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز زیادہ پسند اور تمام روزوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے زیادہ پسند ہیں (ان کی نماز کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ) وہ آدھی رات سوتے اور تہائی رات قیام کرتے (یعنی نماز پڑھتے) اور پھر رات کے چھٹے حصہ میں سوتے اور وہ (روزہ اس طرح رکھتے تھے کہ) ایک دن تو روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اور ان کے روزے کا یہ طریقہ بہت پسند تھا اس لئے اس طریقہ کے مطابق پڑھی جانے والی نفل نماز اور رکھے جانے والے نفل روزے اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ مذکورہ بالا طریقہ سے رات میں پڑھی جانے والی نماز اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب اس لئے ہے کہ جب کوئی شخص رات کے دو تہائی حصے سوئے گا اور اس کا نفس اتنی دیر تک آرام کر لے گا تو اس کی عبادت پوری فرحت و بشارت اور قلب و دماغ کے پورے نشاط کے ساتھ ادا ہوگی۔

اس طرح مذکورہ بالا طریقہ سے رکھے جانے والے روزے بھی اس لئے پسندیدہ ہیں کہ اس میں نفس کو بہت زیادہ محنت و مشقت ہوتی ہے جو حاصل عبادت ہے۔

رات کی عبادت میں آنحضرت ﷺ کا معمول

⑦ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ تَعْنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتِمُّ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَيُخَيِّبُ آخِرَهُ ثُمَّ إِنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ إِلَى أَهْلِهِ قَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ يَتِمُّ فَإِنْ كَانَ عِنْدَ الْبَدَأِ الْأَوَّلِ جُنُبًا وَثَبَ فَأَقَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ جُنُبًا تَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ۔ (متفق علیہ)

”اور اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ (رات اس طرح بسر کرتے تھے کہ) آپ ﷺ رات کے ابتدائی حصہ میں تو سوتے تھے اور رات کے آخری حصہ کو زندہ رکھتے (یعنی بیدار رہتے اور عبادت کرتے) تھے پھر اگر آپ کو اپنی زوجہ مطہرہ سے (ہم بستری کی) ضرورت ہوتی تو اپنی ضرورت پوری کرتے اور سو جاتے، چنانچہ اگر آپ (فجر کی) پہلی اذان کے وقت حالت ناپاکی میں ہوتے تو اٹھتے اور

اپنے بدن پر پانی ڈالتے (یعنی نہاتے) اور اگر ناپاکی کی حالت میں نہ سوتے تو نماز کے لئے وضو کرتے اور پھر فجر کی سنت کی دو رکعتیں پڑھتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شامل میں حضرت عائشہؓ سے یہ روایت تفصیلی طور پر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا ”آنحضرت ﷺ رات کے ابتدائی حصہ میں (یعنی عشاء کی نماز کے بعد سے آدھی رات تک) سوتے پھر سدس رابع و خامس یعنی چوتھے و پانچویں و چھٹے حصہ میں تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے جب سحر کا وقت ہوتا تو وتر پڑھتے پھر بستر پر آرام فرمانے کے لئے (تشریف لے آتے) کیونکہ نماز تہجد وغیرہ سے فراغت کے بعد اور نماز فجر سے پہلے کچھ دیر تک آرام کرنا مستحب ہے تاکہ فجر کی نماز اور اس کے بعد کے اور ادو وظائف کی ادائیگی کے لئے بکاشت و قوت حاصل ہو سکے) پھر اگر (کسی دن) آپ کو اپنی زوجہ مطہرہ سے ہم بستری کی ضرورت ہوتی تو اسے پوری کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ (فجر کی) اذان سن کر اٹھتے اور اگر حالت ناپاکی میں ہوتے تو اپنے بدن پر پانی ڈالتے (یعنی نہاتے) اور اگر حالت ناپاکی میں نہ ہوتے تو وضو کرتے اور (فجر کی) سنت کی دونوں رکعتیں گھری میں پڑھ کر نماز کے لئے باہر (مسجد میں) تشریف لے جاتے۔

اس تفصیل کی روشنی میں حدیث بالا کے ابتدائی جز ”رات کے ابتدائی حصہ میں سوتے اور رات کے آخری حصہ کو زندہ رکھتے تھے“ کے معنی واضح ہو گئے ہیں۔

بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ وظیفہ زوجیت سے فراغت کے بعد وضو کرتے ہوں گے، اس کے بعد پھر سوتے ہوں گے۔

”ندا اول“ (پہلی اذان) سے مراد اذان متعارف ہے اور ”دوسری اذان“ تکبیر کو کہتے ہیں۔

حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ آدھی رات تو سوتے تھے اور آدھی رات اپنے پروردگار کی عبادت میں گزارتے تھے، کیونکہ اول سدس یعنی رات کے ابتدائی چھٹے حصہ میں عشاء تک جاگتے تھے پھر عشاء کے بعد دوسرے تیسرے سدس میں آرام فرماتے تھے پھر چوتھے اور پانچویں سدس میں بیدار رہتے اور چھٹے سدس میں سو جاتے اس طرح تین سدس تو آپ ﷺ سوتے اور تین سدس بیدار رہتے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

الفصل الثانی

نماز تہجد پڑھنے کی تاکید و فضیلت

⑨ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ وَمُكَفِّرَةٌ لِلْسَّيِّئَاتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْإِثْمِ۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”قیام لیل (یعنی نماز تہجد پڑھنے کو) ضروری جانو کیونکہ (اول تو) یہ طریقہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا ہے اور پھر (دوسرے یہ کہ) قیام لیل تمہارے لئے پروردگار کی نزدیکی اور گناہوں کے دور ہونے کا سبب ہے، نیز یہ کہ تمہیں گناہوں سے باز رکھنے والا ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: ”نیک لوگوں“ سے مراد پہلے زمانے کے انبیاء اور اولیاء ہیں گویا اس طرح آنحضرت ﷺ اپنی امت کے لوگوں کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ تمہیں تو یہ نماز بطریق اولیٰ پڑھنی چاہئے کیونکہ تم تو پہلے کی تمام امتوں سے بہتر اور اعلیٰ ہو۔

یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ جو لوگ تمام فرائض کی نماز تو پڑھتے ہیں لیکن تہجد کی نماز نہیں پڑھتے تو وہ صالحین کاملین کے زمرہ میں داخل نہیں ہیں بلکہ ان کا درجہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ظاہری طور پر زکوٰۃ دینے والوں کا درجہ ہوتا ہے ان لوگوں کے مقابلہ پر جو پوشیدہ

طور پر زکوٰۃ دیتے ہیں۔

نماز تہجد پڑھنے والوں کی خوش بختی

⑩ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ يُصْحَكُ اللَّهُ إِلَيْهِمُ الرَّجُلُ إِذَا قَامَ بِاللَّيْلِ يُصَلِّي وَالْقَوْمُ إِذَا صَفَّوْا فِي الصَّلَاةِ وَالْقَوْمُ إِذَا صَفَّوْا فِي قِتَالِ الْعَدُوِّ - (رواہ فی شرح السنۃ)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”تین (قسم کے) لوگ ایسے ہیں جن کی طرف (یکھ کر) اللہ جل شانہ ہنستا ہے (یعنی ان سے بے حد خوش ہوتا ہے اور ان کی طرف اپنی رحمت و عنایت کی نظر فرماتا ہے) ① وہ شخص جو رات میں تہجد کی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے ② وہ لوگ جو نماز پڑھنے کے لئے اپنی صفوں کو درست کرتے ہیں ③ وہ لوگ جو دشمنوں سے لڑنے کے لئے (یعنی جہاد کے وقت) صف بندی کرتے ہیں۔“ (شرح السنۃ)

آخری شب میں ذکر کی فضیلت

⑪ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ الْآخِرِ فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَكُونَ مِمَّنْ يَذْكُرُ اللَّهَ فِي تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ زَوَاهِ التَّيْمِ مَذْيُ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ إِسْنَادًا -

”اور حضرت عمرو بن عبسہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”پروردگار اپنے بندہ سے سب سے زیادہ قریب آخری شب میں ہوتا ہے لہذا اگر تم بھی اس وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں ہو سکتے ہو تو ضرور ہو (یعنی اس بات کی کوشش کرو کہ تم بھی ان خوش نصیب مسلمانوں میں شمار کئے جاؤ جو اس وقت اپنے پروردگار کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اور سعادت و خوش بختی کے خزانے اپنے دامن میں سمیٹ کر پروردگار کی رضا و خوشنودی کو اپنے قریب تریاتے ہیں) امام ترمذیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور سند کی وجہ سے غریب ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کا آخری حصہ بایں طور افضل و اشرف ہے کہ وہ اپنے دامن میں پروردگار کی رحمتوں اور اس کی عنایتوں کے خزانے سمیٹے ہوئے ہوتا ہے، اب یہ قسمت اور مقدر والوں کی بات ہے کہ کون اس خزانے سے مستفید ہوتا ہے اور کون محروم رہ جاتا ہے۔

چنانچہ جن کی طبیعت سعادت مند ہوتی ہے وہ رات کے اس حصہ میں اٹھ کر رحمت خداوندی کے خزانے سے اپنے دامن کو بھرتے ہیں اور جو رحماں نصیب ہوتے ہیں وہ شیطان کی لوریاں کھا کھا کر نہ صرف اپنے دل و دماغ اور جسم کو نیند کے حوالے کئے ہوتے ہیں بلکہ ان کی سعادت اور ان کی خوش بختی بھی غفلت و سستی کی نذر ہو جاتی ہے۔

بہر حال پروردگار کا اپنے بندہ سے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی رضا و خوشنودی بندہ سے قریب تر ہوتی ہے اور اس کی رحمتوں کا سایہ بندہ کے اوپر ہوتا ہے

آخری نصف رات سے رات کا وہ حصہ مراد ہے جس کی ابتداء ثلث آخر (یعنی آخری تہائی) سے ہوتی ہے اور وہی وقت تہجد کی نماز کے لئے اٹھنے کا ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن عبسہؓ جنہیں لسان نبوت سے حدیث میں مذکورہ سعادت حاصل کرنے کے لئے فرمایا جا رہا ہے حضرت حق جل مجدہ کی درگاہ کبریائی کے ایک مجذوب اور دربار رسالت (ﷺ) کے ایک مقرب اور ذی شان خادم تھے ان کی بہت زیادہ عظمت اور فضیلت ہے

ابتداء ظہور نبوت میں جبکہ آنحضرت ﷺ مکہ میں کفر و شرک سے اڑی ہوئی گردنوں کو خدائے واحد کے حضور میں جھکانے کی سعی میں مصروف تھے اور آپ ﷺ کی تبلیغ کی ابتداء ہو چکی تھی تو حضرت عمرو بن عبسہؓ اپنے وطن میں تھے یکایک ان کے دل میں نور توحید ضو فشاں ہوا اور شرک و بت پرستی کی کراہیت و نفرت نے بے چین کر دیا، جب ہی سنا کہ ایک شخص مکہ میں پیدا ہوا ہے جو لوگوں کو توحید کی طرف بلاتا ہے اور بتوں کی عبادت سے منع کرتا ہے، یہ سنتے ہی قلب مضطرب نے فوراً ہی مکہ پہنچنے پر مجبور کر دیا، انہوں نے مکہ پہنچ کر آنحضرت ﷺ کے بارہ میں دریافت کیا، آنحضرت (فداہ روحی) اس زمانہ میں کفار کی شدید مخالفت اور دشمنان دین کی بے پناہ سختیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے دشمنوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر خدا کے دین کی تبلیغ اور اس کی عبادت میں مصروف تھے، حضرت عمرو بن عبسہ نے لوگوں سے پوچھا کہ ”تم میں کون شخص پیدا ہوا ہے جو تمہاری روش اور تمہارے راستہ سے ہٹ کر دوسرے دین کی طرف دنیا کو بلاتا ہے؟“ لوگوں نے کہا کہ ”ہاں ایک دیوانہ ہے (آپ ﷺ کی عقل و دانش پر دونوں جہان قربان) جس نے اپنے باپ دادا کا طریقہ اور راستہ چھوڑ دیا ہے اور ایک نئی رسم نکالی ہے

دیوانہ کنی ہر دو جہاں بخشی
دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند
انہوں نے پوچھا کہ ”اچھا وہ کہاں ملیں گے؟“ لوگوں نے کہا کہ ”وہ شخص آدھی رات کو باہر نکلتا ہے اور اس خانہ کعبہ کے ارد گرد گھومتا ہے۔“

حضرت عمرو بن عبسہؓ آدھی رات کے وقت حرم شریف میں آئے اور کعبۃ اللہ کے پردہ مبارک میں چھپ کر کھڑے ہو گئے اچانک دیکھا کہ ایک شخص ظلمتوں کے پردوں کو چیرتا ہوا نور کی ایک دنیا اپنے جلو میں لئے نمودار ہوا، اس شخص کی سراپا کشی، شخصیت اور نورانی چہرہ و جسم کا یہ عالم کہ ہر وہ اس کے سامنے شرمندہ اور دنیا کے تمام لوگ اس کے پاک آستانے کی خاک (ﷺ) عمروؓ پر وہ سے نکل کر باہر آئے اور نمودار ہونے والے شخص کو سلام کیا اور پوچھا کہ ”آپ کون ہیں اور آپ کا دین کیا ہے؟“ انہوں نے فرمایا کہ ”میں خدا کا رسول ہوں (ﷺ) اور میرا دین لا الہ الا اللہ ہے“ یہ خوشی سے جھوم اٹھے اور فوراً بولے کہ ”میں بھی اس دین کو پسند کرتا ہوں“ چنانچہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے جیسا ایمان لائے، اس طرح حضرت عمرو بن عبسہؓ تیسرے یا چوتھے مسلمان ہیں یعنی ان سے پہلے صرف دو یا تین آدمی ہی اسلام کی دولت سے مشرف ہو سکے تھے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں رخصت کیا اور فرمایا کہ ”میرے پروردگار نے مجھ سے ایک وعدہ کیا ہے۔ جب وہ وعدہ پورا ہو گا تو میرے پاس آنا“ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے عمرو بن عبسہؓ آپ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچ گئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل کی اور نگاہِ نبوت کی کرشمہ سازی نے آپ ﷺ کو درجہ کمال پر پہنچا دیا۔

عبادت میں ایک دوسرے کی مدد کی جائے

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجِمَ اللَّهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى وَابْتَغَطَ اِمْرَاَتُهُ فَصَلَّتْ فَإِنْ ابْتِغَطَتْ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ رَجِمَ اللَّهُ اِمْرَاَتَهُ قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَابْتَغَطَتْ رَجُلًا فَصَلَّى فَإِنْ ابْتِغَطَتْ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ رَجِمَ اللَّهُ اِمْرَاَتَهُ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو رات میں اٹھ کر (خود بھی تہجد کی) نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے تاکہ وہ بھی نماز پڑھے اور اگر بیوی (نیند کے غلبہ اور کثرتِ غفلت و سستی کا وجہ سے) نہ جاگے تو (اس کی نیند ختم کرنے کے لئے) اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو رات میں اٹھ کر (خود بھی تہجد کی) نماز پڑھے اور اپنے خاوند کو جگائے تاکہ وہ بھی نماز پڑھے اور اگر شوہر (غلبہِ نیند و سستی کا وجہ سے) نہ جاگے تو وہ اس کے منہ

پہانی کے چھیننے ڈالے۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ”رات میں اٹھ کر نماز پڑھنے“ سے مراد تہجد کی ہی نماز ہے لیکن اگر مرد و عورت کسی کی بھی کوئی نماز قضا ہو گئی ہو اور اس وقت اس کے ذمہ قضا ہو تو قضا نماز کا پڑھنا ہی اس وقت اولیٰ ہوگا۔

”منہ پہانی کے چھیننے دینے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کو نماز پڑھنے اور پروردگار کی عبادت کے لئے بیدار کرنے کے واسطے جس طرح بھی ممکن ہو، سعی و کوشش کرے۔

ہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خاوند بیوی جس طرح سماجی زندگی اور دنیاوی امور میں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہوتے ہیں اسی طرح انہیں دینی امور، طاعت الہی اور عبادت خداوندی کے بارہ میں بھی ایک دوسرے کا مددگار و معاون بننا چاہئے اور اگر کسی بیوی نماز نہ پڑھے تو شوہر کا حق ہے کہ وہ اسے جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھنے پر مجبور کرے۔ اسی طرح اگر خاوند نماز پڑھنے میں تساہل و سستی کرے یا کسی ایسی وجہ سے نماز پڑھنے سے رک جائے جو نماز کی اوائلیگی میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے تو بیوی کا حق ہے کہ وہ اسے پوری قوت سے نماز پڑھنے کے لئے کہے اور جو چیز اس کے نماز پڑھنے میں رکاوٹ بن رہی ہے اسے ختم کرے۔ مثلاً اگر میاں بیوی دونوں میں سے کوئی ایک اس طرح غفلت میں پڑا ہوا ہے کہ اس کی نماز خواہ فرض نماز ہو یا تہجد وغیرہ کی نماز ہی جاتی ہو تو دونوں میں سے جو بھی بیدار ہو وہ دوسرے کو بھی نیند سے اٹھائے اگر وہ نہ اٹھے تو ایسی ترکیب کرے جس سے اس کی نیند ختم ہو جائے اور وہ اٹھ کر نماز پڑھ سکے۔

اسی طرح کسی ایک جگہ اجتماعی طور پر رہنے والے لوگوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں اور رفیقوں میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن کر رہیں اور ایک دوسرے کو نماز پڑھنے اور عبادت خداوندی میں مشغول و مصروف رکھنے کی کوشش کریں۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ کسی شخص پر بھلائی کے معاملہ میں جبر کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

قبولیت دعا کا وقت

(۱۳) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْآخِرُ وَذُبُرُ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَاتِ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ سے پوچھا گیا کہ ”یا رسول اللہ! کس وقت کی دعا بہت زیادہ مقبول ہوتی ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”آخری تہائی رات میں اور فرض نمازوں کے بعد۔“ (ترمذی)

اعمال صالحہ کرنے والوں کے لئے بشارت

(۱۴) وَعَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا يُرَى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا أَعْدَهَا اللَّهُ لِمَنْ أَلَانَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَتَابَعَ الصِّيَامَ وَصَلَّى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ يَنَامُونَ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهُ وَفِي رِوَايَةٍ لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ۔

”اور حضرت ابومالک اشعریؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کے باہر کی چیزیں اندر اور اندر کی چیزیں باہر دکھائی دیتی ہیں اور یہ بالا خانے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کئے جو دوسرے لوگوں سے نرمی سے بات کرتے ہیں (غریب و ناداروں کو) کھانا کھلاتے ہیں، بچے درپے (یعنی اکثر) نفل روزے رکھتے ہیں اور رات میں ایسے وقت (تہجد کی) نماز پڑھتے ہیں جب کہ (اکثر) لوگ نیند کی آغوش میں ہوتے ہیں۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔ نیز ترمذیؒ نے بھی اس طرح کی روایت حضرت علیؓ سے نقل کی ہے مگر ان کی روایت میں لمن اطاب الکلام کے الفاظ ہیں (اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں)۔“

تشریح: بعض علماء فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے درپے نفل روزے رکھنے کے بارہ میں جو فرمایا گیا ہے تو اس کا آخری درجہ یہ ہے کہ ہر مہینے میں کم سے کم تین روزے بہ نیت نفل رکھے جائیں۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

نماز تہجد کو ترک کرنے کی ممانعت

(۱۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللَّهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فَلَانٍ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ - (متن علیہ)

”حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے (ایک روز) مجھ سے فرمایا کہ ”عبد اللہ (دیکھو) فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا کہ وہ رات میں قیام کرتا تھا (یعنی تہجد کی نماز پڑھتا تھا) پھر بعد میں رات کے قیام کو اس نے چھوڑ دیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: کوئی صحابی ہوں گے جو پہلے تو تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے مگر پھر بعد میں بغیر کسی عذر کے محض نفس کی خواہش میں مبتلا ہو کر اس عظیم سعادت سے کنارہ کشی کر بیٹھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو کو متنبہ فرمایا کہ دیکھو کہیں تم بھی انہیں کی طرح نماز تہجد کو چھوڑ کر فریب نفس میں مبتلا نہ ہو جانا کیونکہ ایسے لوگ جو نیک عمل کی عادت اور اپنے معمولات دینی کو بغیر کسی عذر و مجبوری کے چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں وہ ان لوگوں کے سلسلہ میں داخل ہو جاتے ہیں جن کے بارہ میں صحیح فیصلہ یہی ہے کہ تَارِكُ الْوُزْدِ مَلْعُونٌ (یعنی معمولات دینی کو چھوڑنے والا ملعون ہے)

گویا اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ عبادت خداوندی کو ترک کر دینا اور عادت یعنی نفسانیت کے غلط راستہ کی طرف لوٹنا درحقیقت سعادت مندی اور صلاح و فلاح میں زیادتی کے بعد نقصان کا واقع ہو جانا ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے بایں طور پناہ مانگی ہے کہ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخَوَرِ بَعْدَ الْكُورِ (یعنی ہم زیادتی کے بعد نقصان کے واقع ہو جانے سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔)

لہذا راہ طریقت و شریعت کے سالک کو چاہئے کہ نہ صرف کہ وہ اپنی عبادت خداوندی اور ذکر اللہ کی عادت کو ترک نہ کرے اور اس میں کمی نہ اختیار کرے بلکہ ان میں زیادتی ہی کا طالب رہے کیونکہ یہ کہا گیا ہے ”جو شخص زیادتی کا طالب نہیں ہے وہ نقصان کے راستہ پر ہے۔“

رات میں حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت اور ساعت قبولیت

(۱۶) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ كَانَ لِدَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ اللَّيْلِ سَاعَةٌ يُوقَفُ فِيهَا أَهْلُهُ يَقُولُ يَا دَاوُدُ أَفْصَلُوا فَإِنَّ هَذِهِ سَاعَةٌ يَسْتَجِيبُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ فِيهَا الدُّعَاءَ إِلَّا لِسَاحِرٍ أَوْ عَشَّارٍ -

(رواہ احمد)

”اور حضرت عثمان بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے رات (کے آخری نصف حصہ) میں ایک وقت (مقرر) تھا جس میں وہ اپنے اہل خانہ کو جگاتے اور فرماتے کہ ”اے آل داؤد! اٹھو اور نماز پڑھو کیونکہ یہ ایسا وقت ہے جس میں اللہ بزرگ و برتر دعا کو قبول فرماتا ہے سوائے جادوگر اور عشار (کی دعا) کے (یعنی ان دونوں کی دعا اس وقت بھی قبول نہیں ہوتی)۔“ (احمد)

تشریح: عشار سے چوکیدار قسم کے وہ راہزن مراد ہیں جو راستوں میں میٹھے رہتے ہیں اور لوگوں کے مال ازراہ ظلم لے لیتے ہیں، اس سے وہ

عمال بھی مراد لئے جاسکتے ہی جو محصول وغیرہ کی وصولیابی کے لئے مقرر ہوتے ہیں اور ناجائز و غلط طریقہ پر لوگوں سے ان کے مال و اسباب غصب کرتے ہیں۔

بہر حال حاصل یہ ہے کہ اس مقدس ساعت اور رحمت خداوندی کے عام فیضان کے اس بابرکت موقع پر بھی ساحر یعنی جادوگر اور عشار کی دعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ ان لوگوں سے مخلوق خدا کو بہت تکلیف پہنچتی ہے اور پروردگار عالم ان لوگوں کے ساتھ کبھی بھی بہتر معاملہ نہیں فرماتا جو اس کی مخلوق کے لئے ایذا رسانی اور تکلیف و مصیبت کا سبب بنتے ہیں، اسی وجہ سے بعض عارفین کا یہ عارفانہ ارشاد ہے کہ ”کمال عبودیت یعنی پوری طرح اللہ کا بندہ ہو جانا چاہئے کہ حکم خداوندی کی تعظیم کی جائے اور مخلوق خدا کے ساتھ شفقت و مہربانی کا برتاؤ کیا جائے۔“

نماز تہجد کی فضیلت

(۱۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْمَفْرُوضَةِ صَلَاةٌ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز رات میں پڑھی جانے والی (یعنی تہجد کی) نماز ہے۔“ (احمد)

تشریح: حضرت میرکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابی اسحق مروزی شافعیؒ کے اس قول کی دلیل ہے کہ تہجد کی نماز سنن رواتب سے افضل ہے جبکہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ سنن رواتب افضل ہیں، چنانچہ ابوالفتح مروزیؒ ہی کا قول قوی تر ہے کیونکہ یہ حدیث صراحت کے ساتھ ان کے قول کی تائید کر رہی ہے۔

بہر حال اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ نماز تہجد بایں طور افضل ہے کہ اس نماز میں نفس بہت زیادہ مشقت میں مبتلا ہوتا ہے اور اس نماز کو پڑھنے والا ریاضت و نمائش سے بے حد ہوتا ہے اور سنن رواتب بایں جہت افضل ہیں کہ فرض نمازوں کے ساتھ ان کے پڑھنے کی بہت تاکید کی گئی ہے نیز یہ کہ سنن رواتب فرض نمازوں کے لئے متمم ہیں یعنی ان کے ذریعہ فرض نمازیں درجہ کمال و اتمام کو پہنچتی ہیں، لہذا اس طرح دونوں کی افضلیت اپنی اپنی جگہ مسلم ہے اور دونوں اقوال میں کوئی منافات نہیں ہے، یا پھر رات کی نماز کی فضیلت کے بارہ میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رات کی نماز اس لئے افضل ہے کہ یہ وتر پر بھی مشتمل ہے اور ورت واجب ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کے بارہ میں منقول ہے کہ انتقال کے بعد انہیں کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ پروردگار نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ:

تاهت العبادات وفیت الاشارات وما نفعنا الا ركعات صليناها في جوف الليل -

”وہ باتیں جو میں حقائق و معارف کے بیان میں کہتا تھا جاتی رہیں اور وہ نکات جو میں بیان کیا کرتا تھا ختم ہو گئے مجھے تو صرف نماز کی ان چند رکعتوں نے فائدہ دیا جو نصف شب میں پڑھا کرتا تھا۔“

گویا طابین راہ حقیقت و شریعت اور سالکین راہ طریقت کو ترغیب دلائی گئی کہ تصوف و طریقت کے حکمت و نکات کے پیچھے نہ پڑو اور گرفتار کے نہیں کروار کے غازی بنو، عملی زندگی کو سنوارنے اور خدا کی بندگی کی راہ پر لگانے کی پوری پوری کوشش کرو اور عبادت و ریاضت کا پورا پورا اہتمام کرو کیونکہ اسی میں دنیا کی بھی بھلائی ہے اور آخرت کی بھی۔

کارکن کار، بگزر از گفتار کاندیس راہ کار دارو کار

تہجد کی نماز برائی سے روکتی ہے

(۱۸) وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ فَلَانًا يُصَلِّي بِاللَّيْلِ فَإِذَا أَصْبَحَ سَرَقَ فَقَالَ إِنَّهُ مَسْنِيْهَاةٌ مَا تَقُولُ - (رواہ احمد و الترمذی فی شعب الایمان)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص سرور کوئین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو تہجد نماز پڑھتا ہے مگر صبح اٹھ کر چوری کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ”عقرب اس کی نماز اسے اس چیز سے روک دے گی جو تم کہہ رہے ہو۔“ (احمد، ترمذی)

تشریح: نماز کی غاصیت ہے کہ وہ انسان کو برائی کے راستہ سے روکتی ہے اور نیکی کے راستہ پر گامزن کرتی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ -

”نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔“

چنانچہ آنحضرت ﷺ کے سامنے جب ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو رات میں تو عبادت خداوندی یعنی نماز تہجد میں مشغول رہتا ہے اور صبح اٹھ کر چوری جیسے برے فعل کا مرتکب ہوتا تھا تو آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ اگر وہ خلوص نیت اور جذبہ خالص کے تحت رات کی نماز پڑھاومت کرتا ہے تو انشاء اللہ جلد ہی اللہ تعالیٰ اس نماز کی برکت سے اسے اس فعل قبیح سے توبہ کی توفیق عطا فرمادے گا اور اپنے قلب و دماغ میں نماز کی برکت و نورانیت کے اثر کی وجہ سے وہ چوری سے باز رہے گا۔

اہل خانہ کے ہمراہ نماز تہجد پڑھنے کی فضیلت

(۱۹) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْقَضَ الرَّجُلُ أَهْلُهُ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى أَوْ صَلَّى زَكَّعَتَيْنِ جَمِيعًا كَتَبَ فِي الذَّاكِرِينَ وَالذَّاكِرَاتِ - (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو سعید خدری و حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ سرور کوئین ﷺ نے فرمایا ”اگر کوئی شخص رات میں بیوی کو جگائے اور وہ دونوں نماز پڑھیں، یا یہ فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک دو رکعتیں اکٹھی پڑھیں تو وہ (دونوں) ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں (کے زمرہ) میں لکھے جاتے ہیں۔“ (ابو داؤد و ابن ماجہ)

تشریح: حدیث میں لفظ ”اہل“ سے مراد صرف بیوی بھی لی جاسکتی ہے اور بیوی اولاد، غلام اور لونڈیاں بھی مراد لی جاسکتی ہیں۔ درمیان روایت راوی کو شک واقع ہو گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لفظ فَصَلَّى (یعنی اور وہ دونوں نماز پڑھیں) فرمایا ہے، یا لفظ صلی (یعنی ہر ایک دو رکعتیں اکٹھی پڑھیں) فرمایا ہے۔ بہر کیف یہ صرف لفظی اختلاف ہے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں سے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا -

”اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے مرد اور عورتیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت اور بہت زیادہ ثواب (کا اجر و انعام) تیار کر رکھا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ جو شخص رات میں خود بھی اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھے گا اور ذکر اللہ میں مشغول رہے گا اور اپنی بیوی و دیگر اہل خانہ کو بھی جگا کر خدا کی عبادت میں مشغول رکھے گا تو ان سب کا شمار ان نیک و باسعادت مرد و عورتوں میں ہو گا جن کی فضیلت اس آیت میں بیان کی جا رہی ہے۔

اُمت میں بلند مرتبہ کون لوگ ہیں

(۲۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْرَافُ أُمَّتِي حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَأَصْحَابُ اللَّيْلِ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”میری اُمت کے اشراف یعنی بلند مرتبہ لوگ قرآن اٹھانے والے (اور رات میں اٹھنے والے ہیں۔“ (بیہقی)

تشریح: ”قرآن اٹھانے والے“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم یاد کرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں بایں طور کہ قرآن نے جن امور کو کرنے کا حکم دیا ہے ان کو کرتے ہیں اور جن امور سے منع کیا ہے ان سے بچتے ہیں، آنحضور کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ایسے ہی لوگ میری اُمت کے بلند مرتبہ اور باسعادت افراد ہیں، چنانچہ قرآن حفظ کرنے والے اور اس کے احکام کے پابند لوگوں کی فضیلت ایک دوسری روایت میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ”جس شخص نے قرآن حفظ کیا تو بیشک اس پر فیضان نبوت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں مگر اس کے پاس وحی (یعنی وحی جلی) نہیں آتی، البتہ وحی خفی اس کے پاس آتی ہے (یعنی وحی جلی کے مطالب و معارف کا فیضان اس کے قلب و دماغ پر ہوتا ہے) مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم حفظ کرنے والا شخص اس وجہ سے بہت زیادہ فضیلت و سعادت کا پیکر مانا جاتا ہے کہ اس کے قلب کے اندر قرآن کے الفاظ کی شکل میں نور نبوت و دلیعت فرمادیا جاتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وحی خفی یعنی قرآن کے ظاہری الفاظ کے مطالب و معارف کا فیضان اس کے قلب و دماغ کو منور کر دیتا ہے اور قرآن کے الفاظ کے نور کی برکت سے وحی جلی پر جو کہ انبیاء کا مخصوص حصہ ہے اس کا ایمان و یقان قوی تر ہو جاتا ہے۔

علامہ یحییٰؒ کہتے ہیں کہ ”قرآن حفظ کرنے“ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن یاد کرے اور اپنی عملی زندگی کو اس کے سانچے میں ڈھالے، بایں طور کہ قرآن نے جو احکام دیے ہیں ان پر پورے قلبی خلوص اور مداومت کے ساتھ عمل کرے ورنہ تو محض قرآن یاد کرنے والا اور اس پر عمل کرنے والا ان لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جن کے بارہ میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ:

كَمَثَلِ الْجَمَارِ يَتَحْمِلُ اَسْفَارًا۔

”یعنی (جو) لوگ حافظ قرآن ہوں مگر عامل قرآن نہ ہوں (تو) وہ ایسے ہیں جیسے کہ گدھے پر کتابیں لاد دی جائیں۔“

یعنی اس طرح کہ گدھے پر کتابیں لاد دینے سے گدھے کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں پہنچتا بالکل اسی طرح قرآن پر عمل نہ کرنے والے حافظ کو بھی قرآن حفظ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور وہ سعادت و مرتبہ کے اعتبار سے کسی بھی حیثیت میں نہیں ہوتا۔

اصحاب اللیل (رات والے) سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز و قرآن پڑھنے کے لئے شب بیداری پر مداومت کرتے ہیں یعنی پابندی کے ساتھ روزانہ رات میں اٹھتے ہیں اور عبادت خداوندی و ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں ایسے لوگ خدا اور خدا کے رسول کی نظروں میں بڑی فضیلت کے حامل ہوتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق اُمت مرحومہ کے بلند مرتبہ افراد میں شمار کئے جاتے ہیں۔

رات کی عبادت کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا معمول

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ أَبَاهُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللَّهُ حَتَّىٰ إِذَا كَانَ مِنَ الْخَيْرِ اللَّيْلِ يَقْظُ أَهْلَهُ

لِلصَّلَاةِ يَقُولُ لَهُمُ الصَّلَاةُ ثُمَّ يَتْلُو هَذِهِ الْآيَةَ وَأَمْرُ أَهْلِكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَ

الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کے پدر بزرگوار حضرت عمر بن خطابؓ رات میں جس قدر اللہ چاہتا نماز پڑھتے رہتے اور رات

جب آخر ہوئی تو اپنی زوجہ محترمہ کو نماز پڑھنے کے لئے اٹھاتے اور فرماتے کہ ”نماز پڑھو، پھر یہ آیت پڑھتے وَأَمُرَ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى (اور اسے محمد ﷺ) اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے ہیں اور خود بھی اس (کی مشقتوں) پر صبر کیجئے ہم آپ ﷺ سے رزق نہیں مانگتے، رزق تو ہم ہی آپ ﷺ کو دیتے ہیں اور آخرت (کی بھلائی) تو پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔“ (مالک)

تشریح: آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے متعلقین اور اہل خانہ کو نماز پڑھنے کی ہدایت کرتے رہیں اور خود بھی نماز پڑھنے کی مشقتوں محنتوں پر صبر کیجئے اور اس سلسلہ میں آپ ﷺ کے متعلقین کو بھی جو محنت و مشقت اٹھانی پڑے اسے بھی برداشت کیجئے اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں مشغول رہئے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کیجئے، اسی سے ظاہری و باطنی غناء کے لئے مدد کے طلبگار رہئے اپنے رزق اور معاش کی فکر نہ کیجئے اور دیکھئے ہم آپ ﷺ سے رزق نہیں مانگتے کہ اپنے رزق اور اسباب معیشت کے حصول اور دوسروں کے لئے رزق کی ذمہ داری آپ کو جدوجہد اور محنت و سعی کے ایسے بندھنوں میں باندھ دے جو آپ ﷺ کے لئے ادائیگی نماز میں رکاوٹ بن جائے جس طرح ہم دوسروں کو رزق دیتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کو بھی رزق بخشتے ہیں، آپ ﷺ کا کام تو صرف یہ ہے کہ دنیا اور دنیا کے امور سے منہ موڑ کر اپنے قلب و دماغ کو صرف آخرت کی بھلائی اور اپنے متعلقین کی اصلاح میں مصروف رکھئے اور یہ جان لیجئے کہ عاقبت محمودہ یعنی دنیا اور آخرت دونوں جگہ انجام کار بخیر ہونا صرف متقیوں اور خدا کے نیک بندوں ہی کے لئے ہے۔

بَابُ الْقَصْدِ فِي الْعَمَلِ

اعمال میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جس طرح دنیاوی امور میں افراط و تفریط یعنی حد سے زیادہ زیادتی اور حد سے زیادہ کمی غیر نفع بخش ہے اسی طرح دینی امور یعنی اعمال نقل میں بھی افراط و تفریط مطلوب نہیں ہے بلکہ اس راستہ پر بھی میانہ روی اور ان میں اعتدال اختیار کرنا ہی ضروری ہے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لَا يَصُومَ مِنْهُ وَيَصُومُ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لَا يَفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا وَكَانَ لَا تَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ وَلَا نَأْتِيهَا إِلَّا رَأَيْتَهُ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ مہینہ (کے اکثر ایام) میں (نفل) روزہ نہ رکھتے، یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ آپ ﷺ اس مہینہ میں روزہ نہیں رکھیں گے اور آپ ﷺ (اسی مہینہ یا دوسرے مہینہ کے اکثر ایام) میں روزہ رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ اب (اس مہینہ کا) کوئی دن بھی آپ ﷺ بغیر روزہ نہیں چھوڑیں گے اور اگر آپ ﷺ کورات میں نماز پڑھتے ہوئے تم دیکھنا چاہتے تو نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھ لیتے اور اگر آپ ﷺ کورات میں سوتے ہوئے تم دیکھنا چاہتے تو سوتے ہی ہوئے دیکھ لیتے۔“ (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اعمال نفل میں اعتدال کی راہ اختیار فرماتے تھے چنانچہ نہ تو آپ ﷺ ہمیشہ روزہ ہی رکھتے تھے کہ افراط یعنی زیادتی لازم آتی اور نہ ہمیشہ بغیر روزہ کے رہتے تھے کہ تفریط یعنی کمی لازم آتی، بلکہ آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ ہر مہینہ میں کچھ دن تو آپ ﷺ روزہ سے رہا کرتے تھے اور کچھ دن بغیر روزہ کے۔

اسی طرح نفل نماز کے سلسلہ میں بھی آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ رات میں آپ ﷺ سوتے بھی تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے، نہ تو

تمام رات سوتے ہی تھے اور نہ تمام رات نماز ہی میں گزارتے تھے۔ غرض کہ تمام امور میں آپ ﷺ کا عمل اوسط درجہ کا تھا، نہ زیادہ تھا اور نہ کم تھا۔

مداومت عمل کی فضیلت

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ - (تفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”(بندوں کے نیک اعمال میں) خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ عمل ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں کہ ”اہل تصوف و طریقت اسی حدیث کے پیش نظر اور ادو وظائف کو ترک کرنا ایسا ہی برا جانتے ہیں جیسا کہ فرائض کے ترک کو، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ ترک اولیٰ ہے یعنی فرائض کے ترک اور ادو وظائف کے ترک میں فرق ہے، فرائض کا ترک گناہ کبیرہ ہے جبکہ اور ادو وظائف کا ترک اولیٰ کا ترک کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اولیٰ کا ترک کرنا فرائض کے ترک کرنے کے درجہ میں نہیں آسکتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب بندہ نے طاعت بغیر ضرورت کے ترک کی تو گویا اس نے مولیٰ کی عبادت سے اعراض کیا لہذا وہ عتاب کا مستحق ہوا، بخلاف مداومت کرنے والے کے کہ وہ اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ پروردگار کا محبوب ہو۔
وَإِنْ قَلَّ (اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو) کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑا عمل اگر اس پر مداومت و مواظبت اختیار کی جائے تو وہ زیادہ عمل سے جب کہ اس کے آداب و شرائط کی رعایت نہ ہوتی ہو اور ہمیشہ نہ کیا جاتا ہو، بہتر ہے۔

بساط سے باہر عبادت نہ کرنی چاہئے

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَمْلَأُ حَتَّى تَمْلُؤُوا - (تفق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”تم اسی قدر عمل کیا کرو جتنی کہ (ہمیشہ) کرنے کی طاقت رکھتے ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ (ثواب دینے میں) تنگی نہیں کرتا یہاں تک کہ تم خود تنگی نہ کرو (یعنی تنگ آکر عبادت ہی نہ چھوڑ دو)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنے لئے اتنی زیادہ عبادت ضروری قرار نہ دے دو جسے تم ہمیشہ نبھانے کی طاقت نہ رکھتے ہو بلکہ اسی قدر عبادت کرو کہ جتنی تم ہمیشہ پابندی کے ساتھ کر سکو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے میں تنگی نہیں کرتا یعنی ثواب دینا ترک نہیں کرتا یہاں تک کہ تم خود عبادت کی زیادتی سے پریشان ہو کر سرے سے عبادت ہی نہ چھوڑ دو۔
حاصل یہ کہ اللہ جل شانہ عبادت کرنے والے کو ثواب دیئے جاتا ہے ہاں اگر کوئی شخص زیادتی کے سبب تھک کر عبادت چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ثواب دینا بھی چھوڑ دیتا ہے لہذا عبادت کے معاملہ میں اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے تاکہ ہمیشہ عبادت جاری رہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے ثواب کا سلسلہ بھی قائم رہے۔

اس وقت تک عبادت کرنی چاہے جب تک دل لگے

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَصِلْ أَحَدُكُمْ بِشَاطِئِهِ وَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ - (تفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”تمہیں چاہئے کہ اسی وقت تک نماز پڑھو جب تک کہ خوش دلی رہے، اور جب طبیعت سست ہو جائے تو بیٹھ جاؤ۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آخرت کی راہ سعادت اور بھلائی اختیار کرنے والے کو چاہئے کہ عبادت میں اپنی بساط اور طاقت کے مطابق کوشش کرے طاعت کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرے اور تنگ دلی و انقباض کے ساتھ عبادت کرنے سے احتراز کرے۔ عبادت اسی وقت تک کرنے جب تک کہ بشارت قلبی اور سکون و اطمینان حاصل رہے۔ جب طبیعت مست ہو جائے تو عبادت ترک کر دے، اگر کوئی شخص عبادت کرتے کرتے تھک جائے اور مست ہو جائے، نیز عبادت چھوڑ کر اس خیال سے کسی امر مباح میں مشغول ہو جائے مثلاً سو جائے یا گفتگو وغیرہ میں لگ جائے تاکہ آئندہ عبادت کے لئے مزید بشارت و خوشی اور اطمینان و سکون حاصل ہو سکے تو اس کی یہ مشغولیت عبادت و طاعت ہی میں شمار کی جاتی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ ”عالم کی نیند (بھی) عبادت ہے“

کسالت و ملالت اور طبیعت کی تنگی کے وقت نفل اعمال کو ترک کر دینے کے سلسلہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ایسے موقع پر جبکہ طبیعت میں اضمحلال اور سستی پیدا ہو جائے نفل اعمال کو ترک کر دینے کی اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ عمل کا نفس پر گراں ہونا آخر کار عمل کے بالکل چھوٹ جانے یا اس میں نقصان واقع ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے۔

لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ نفس کو بہت زیادہ عبادت کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے تاکہ طبیعت عبادت کی مشقت و ریاضت کی خوگر ہو جائے، کامل طبیعت، آرام طلب اور مست مزاج لوگوں کی طرح نہ ہو جانا چاہئے جو کہ مختصر سی عبادت اور تھوڑے سے عمل میں بھی تھک جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عبادت اور ریاضت و مجاہدہ کو ادھورا چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں لیکن بہت زیادہ عبادت کرنے کی اگر عادت پڑ جاتی ہے تو زیادہ سے زیادہ عبادت طبیعت پر گراں نہیں ہوتی، چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو پہلے دو رکعت نماز پڑھنی اور قرآن کے ایک پارے کی تلاوت بھی گراں گذرتی تھی اور اس کی وجہ سے ان کی طبیعت میں سستی و اضمحلال پیدا ہو جاتا تھا انہوں نے ہی جب زیادہ عبادات اور ریاضت و مجاہدہ کی عادت پیدا کر لی اور اپنے نفس اور اپنی طبیعت کو راہ خداوندی کی سعادتوں کے حصول کی خاطر مشقت و محنت کا عادی بنالیا تو انہیں سو رکعت نماز پڑھنی اور قرآن کے دس پاروں کی تلاوت بھی آسان معلوم ہونے لگی۔

اونگھنے کی حالت میں نماز نہ پڑھنی چاہئے

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَرْقُ حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنْ أَحَدُكُمْ إِذَا صَلَّى وَهُوَ نَاعَسَ لَا يَذْهَبُ لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسْبُتُ نَفْسُهُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کی حالت میں اونگھنے لگے تو اسے چاہئے کہ سو رہے یہاں تک کہ نیند جاتی رہے کیونکہ جب تم میں سے کوئی اونگھتا ہو نماز پڑھتا ہے تو نیند کے غلبہ کی وجہ سے اسے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ وہ تو مغفرت کا طالب ہو مگر (اونگھنے کی وجہ سے) اپنے نفس کے لئے (اس کی زبان سے) بددعا نکل جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ نیند کے غلبہ اور اونگھنے کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ ایسے وقت نہ تو دل و دماغ حاضر رہتے ہیں اور نہ زبان ہی قابو میں ہوتی ہے یہی وجہ سے کہ ایسی حالت میں انسان کہنا کچھ چاہتا ہے مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھئے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اس پر نیند کا غلبہ ہے اور وہ اونگھ رہا ہے جس کی وجہ سے اس کے دل و دماغ اور زبان پر غفلت و سستی کا قبضہ ہے اب وہ اس حالت میں کہنا چاہتا ہے

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي۔ — ”اے اللہ میری مغفرت فرما۔“

مگر نیند کی غفلت اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا کر رہی ہے۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي۔ — ”اے اللہ مجھے خاک آلود کر دے۔“

دیکھا آپ نے؟ نیند کی غفلت سے صرف ایک نقطہ کے فرق نے کیا گل کھلا دیا ”کہاں تو اپنی مغفرت اور آخرت میں اپنی عزت و کامیابی کی دعا مانگنا چاہتا تھا اور کہاں اپنے نفس کے لئے بد دعا کے الفاظ نکال کر زلت و خواری کا سامان کر بیٹھا، اسی لئے منع کیا جا رہا ہے کہ جب نیند کا غلبہ ہو اور اوگھ کا تسلط ہو تو ایسے وقت میں نماز نہ پڑھنی چاہئے۔

دین آسان چیز ہے اسے اپنے عمل سے سخت اور ہیبت ناک نہ بناؤ

① وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَنْبِشُوا وَأَسْتَعِينُوا بِالْعَدْوَةِ وَالزَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدَّلْجَةِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”یشک دین آسان ہے لیکن جو شخص دین میں سختی کرتا ہے دین اس پر غالب آجاتا ہے لہذا (دینی امور میں) میانہ روی اور اپنی طاقت کے مطابق عمل اختیار کرو اور (جنت و سلامتی نیز اللہ رب العزت کے انعامات و اکرامات کے ساتھ) خوش رہو (کیونکہ اللہ رب العزت تو تھوڑے ہی سے عمل پر) اگر وہ مداومت اور خلوص نیت کے ساتھ ہو تو بہت زیادہ ثواب دیتا ہے) اور صبح کے وقت شام کے وقت نیز کچھ رات کے آخری حصہ میں بھی اللہ رب العزت سے مدد مانگو۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں صفائی کے ساتھ اعلان کیا جا رہا ہے کہ دین بہت آسان ہے انسانی مزاج و فطرت کے عین مطابق ہے اور انسان کی ذہنی، فکری، عملی قوتیں بڑے سکون کے ساتھ اس کی ہمنوا بن سکتی ہیں۔ ہاں اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں کہ کوئی شخص اپنی طرف سے بے جا پابندیاں عائد کر کے اعمال کی زیادتی کرے اور دین و شریعت میں اپنی طرف سے باتیں بڑھا کر خود ہی اپنے اوپر مشکلات و تنگیوں کو مسلط کرے۔

چنانچہ یہاں صراحت کے ساتھ حکم دیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ دین کے احکام بہت آسان مقرر کئے ہیں اس لئے رہبانیت کے طور پر ان احکام کو اپنے لئے سخت و ہیبت ناک نہ بناؤ۔

”دین اس پر غالب آجاتا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر غیر واجب باتیں واجب کر لیتا ہے اور مشکل طریقوں سے عبادت کی مشغولیت اختیار کر لیتا ہے تو دین اس پر غالب آجاتا ہے یعنی وہ بعد میں دین کے حق کی ادائیگی سے عاجز ہو جاتا ہے اس طرح وہ مغلوب اور دین غالب ہو جاتا ہے۔

قَارِبُوا کا مطلب یہ ہے کہ سہولت اور آسانیوں کے ساتھ دینی امور کے قریب ہو جاؤ اور اپنے اوپر بے جا پابندیوں کو عائد کر کے اور سختی و مشکلات میں اپنے آپ کو مبتلا کر کے دین سے بعد اختیار نہ کرو۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ قَارِبُوا دراصل سَدِّدُوا (یعنی میانہ روی اختیار کرو) کی تاکید ہے لہذا جو معنی ”سَدِّدُوا“ کے ہیں وہی معنی ”قَارِبُوا“ کے ہیں بعض حضرات نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ ”اللہ جل شانہ، کا قرب ڈھونڈو۔“

بہر حال حدیث کا اصل یہ ہے کہ بہت زیادہ عبادت نہ کرو کہ ہر وقت اپنے آپ کو عبادت کی محنت و مشقت ہی میں مبتلا رکھو بلکہ ان تین اوقات میں عبادت کر لینے ہی کو غنیمت جانو یعنی دن کے ابتدائی حصہ میں، دن کے آخری حصہ میں اور رات کے آخری حصہ میں، یہ تہجد کی نماز کی طرف اشارہ ہے۔

رات کے بقیہ اور احوطائف کو دن میں پڑھ لینا چاہئے

② وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ حَزْبِهِ أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَقَرَأَهُ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهُ كَأَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”(جو شخص رات میں) پورا وظیفہ پڑھے بغیر سورا یا وظیفہ کا کچھ حصہ پڑھنے سے رہ گیا اور پھر اس نے اس کو نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لیا تو اس کے لئے یہی لکھا جائے گا کہ گویا اس نے رات ہی کو پڑھا۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے کلام اللہ، نماز اور اذکار کی قسم سے کچھ وظیفہ مقرر کر رکھا ہے جسے وہ رات میں پڑھتا ہے مگر کسی دن وہ سو گیا اور اس کا پورا وظیفہ یا اس وظیفہ کا کچھ حصہ رات میں پڑھنے سے رہ گیا اور اس نے نماز فجر، اور نماز ظہر کے درمیان یعنی زوال سے پہلے پڑھ لیا تو اس کے لئے رات ہی میں پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

اسی طرح دن کے وظیفہ کا حکم ہے کہ اگر دن میں وظیفہ پڑھنے سے رہ گیا اور پھر اس رات میں پڑھ لیا تو اس کے لئے دن ہی میں پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے رات دن آپس میں ایک دوسرے کے خلیفہ ہیں۔

حدیث میں صرف رات کے وظیفہ ہی کے بارہ میں اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اکثر و بیشتر رات ہی کا وظیفہ رہ جاتا ہے یعنی نیند کے غلبہ کی وجہ سے نماز تہجد اور اذکار فوت ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

معذوری کی حالت میں بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم

⑧ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عمران بن حصینؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اور اگر کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی قادر نہ ہو سکو تو (پھر) کروٹ پر پڑھو۔“ (بخاری)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی عذر شدید مثلاً سخت بیماری وغیرہ کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر اپنی نماز ادا کرے اور اگر عذر اتنا شدید ہو کہ بیٹھ کر بھی قدرت سے باہر ہو تو پھر آخری مرحلہ یہ ہے کہ (لیٹے لیٹے) کروٹ سے قبلہ ہو کر پڑھ لے پھر اس میں بھی اتنی آسانی کہ اگر کوئی شخص قبلہ کی طرف منہ نہ کر سکے یا یہ کہ کوئی شخص ایسا پاس موجود نہ ہو جو معذور کا منہ قبلہ کی طرف کر سکے تو جس طرف بھی منہ ہو ادھر ہی کی طرف نماز پڑھ لے، ایسے موقع پر کسی بھی سمت منہ کر کے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

حقیقہ کہتے ہیں کہ لیٹ کر نماز پڑھنے کے سلسلہ میں افضل یہ ہے کہ رو قبلہ ہو کر چت لیٹے مونڈھے کے نیچے تکیہ رکھ کر سر کو اونچا کرے اور اشاروں سے نماز پڑھے۔ چنانچہ دارقطنیؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس سے چت لیٹ کر ہی نماز پڑھنے کا اثبات ہوتا ہے یہاں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس کے بارہ میں حقیقہ کی طرف سے کہا جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے یہ حکم بطور خاص حضرت عمرانؓ کے لئے فرمایا تھا کیونکہ وہ بوا سیر کے مرض میں مبتلا تھے اور چت نہیں لیٹ سکتے تھے لہذا یہ حدیث دوسروں کے لئے حجت نہیں ہو سکتی۔

آخر میں اتنی بات اور جان لیجئے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم فرض نماز کے لئے ارشاد فرمایا ہے اس لئے نفل نمازوں میں یہ بطریق اولی جائز ہوگا۔

بغیر عذر بیٹھ کر نفل نماز پڑھنے والے کو آدھا ثواب ملتا ہے

⑨ وَعَنْهُ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا قَالَ إِنْ صَلَّى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلَّى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عمران بن حصینؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس شخص کے بارہ میں پوچھا جو (کھڑے ہونے کی طاقت رکھنے کے باوجود نفل نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تو بہتر تو وہی ہے جو کھڑے ہو کر نماز پڑھے لیکن جو شخص (نفل)

نماز (بغیر عذر) کے بیٹھ کر پڑھے گا تو اسے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت نصف ثواب ملے گا۔ ”(بخاری)

تشریح: یہ حدیث نفل نماز پر محمول ہے کیونکہ فرض نماز تو بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا درست ہی نہیں ہے ہاں اگر کوئی عذر ہو تو قیام ساقط ہو جاتا ہے اور معذور بیٹھ کر فرض نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔

بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نفل نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنے والے کو نماز کا پورا ثواب نہیں ملتا بلکہ جتنا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کو ملتا ہے اس کا نصف ثواب اسے ملتا ہے ہاں اگر کوئی عذر ہو کہ کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو تو پھر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت آدھا ثواب نہیں ملے گا بلکہ اسے بھی پورا ثواب ملے گا۔

بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں: حضرت علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ”جو شخص کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نفل نماز پڑھ سکتا ہے اور اسے قیام و قعود کی قدرت نہیں ہے تو آیا اس شخص کے لئے نفل نماز لیٹ کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں چنانچہ بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے مگر علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔

نیز اس جماعت کا یہ قول بھی ہے کہ بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنے والے کو بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت آدھا ثواب ملتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ حسن بصریؒ کا قول بھی یہی ہے اور حدیث سے ثابت ہونے کی وجہ سے یہی قول صحیح تر اور اولیٰ ہے۔

مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے اور اس حدیث کے بارہ میں ان کی طرف سے کہا گیا ہے کہ یہ حدیث فرض نماز کے بارہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص اس درجہ بیمار ہو کہ مرض کی زیادتی اور شدت کے باوجود کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنا اس کے لئے ممکن ہو تو اسے لیٹ کر نماز پڑھنے کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت آدھا ثواب ملے گا۔

الفصل الثانی

نیند آتے تک با وضو ذکر اللہ میں مشغولیت

① وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أُوْحِيَ إِلَىٰ فِرَاشِهِ طَاهِرًا وَذَكَرَ اللَّهَ حَتَّىٰ يُدْرِكَهُ النَّعَاسُ لَمْ يَتَقَلَّبْ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ يُسْأَلُ اللَّهُ فِيهَا خَيْرًا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ ذَكَرَ التَّوْبَىٰ فِي كِتَابِ الْأَذْكَارِ بِرِوَايَةِ بَنِي السَّنَنِ۔

”حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کوئین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص (وضو یا تیمم کے ذریعہ نجاستوں سے پاک ہو کر) پاک ہو کر اپنے بستر پر لیٹے اور نیند آنے تک (زمان سے یاد لے) ذکر اللہ میں مشغول رہے تو وہ رات میں جب بھی اس حال میں کروٹ بدلے کہ اللہ جل شانہ سے دنیا اور آخرت کی کسی بھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ بھلائی ضرور دیتا ہے“ (یہ حدیث نووی نے کتاب الاذکار میں ابن اسنی کی روایت سے نقل کی ہے۔“

وہ دو خوش نصیب جن سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے

② وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ رَجُلَيْنِ رَجُلٌ تَارَعَ عَنْ وَطَائِهِ وَلِحَافِهِ مِنْ بَيْنِ حَبْتِهِ وَأَهْلِهِ إِلَىٰ صَلَاتِهِ فَيَقُولُ اللَّهُ لِمَلَأْنِيكَ بِهِ عَبْدِي تَارَعَ عَنْ فِرَاشِهِ وَوِطَائِهِ مِنْ بَيْنِ حَبْتِهِ وَأَهْلِهِ إِلَىٰ صَلَاتِهِ رَغْبَةً فَيَمَّا عِنْدِي وَشَقَاقًا مِمَّا عِنْدِي وَرَجُلٌ غَزَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأَنْهَزَهُمْ مَعَ أَصْحَابِهِ فَعَلِمَ مَا عَلَيْهِ

فِي الْإِنْهَامِ وَمَا لَهُ فِي الرُّجُوعِ فَرَجَعْتُ حَتَّى هَرَيْقُ ذِمَّةً فَيَقُولُ اللَّهُ لِمَلَايِكَتِهِ أَنْظِرُوا إِلَى عَبْدِي رَجَعَ رَغْبَةً فِيمَا عِنْدِي وَشَفَقًا فِيمَا عِنْدِي حَتَّى هَرَيْقُ ذِمَّةً۔ (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ ”سرور کونین ﷺ نے فرمایا: ہمارا رب دو آدمیوں سے بہت خوش ہوتا ہے ایک تو وہ آدمی جو رات میں اپنے نرم بستر و لحاف سے اور اپنی محبوبہ اور بیوی کے پاس سے (تہجد کی) نماز کے لئے اٹھتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے ”میرے بندہ کی طرف دیکھو جو میرے پاس کی چیزوں (یعنی جنت اور ثواب) کے شوق سے اور میرے پاس کی چیزوں (یعنی دوزخ اور عذاب) کے ڈر کی وجہ سے اپنے فرش و نرم بستر اور اپنی محبوبہ اور بیوی کو چھوڑ کر اپنی نماز پڑھنے کے لئے اٹھا۔ اور دوسرا وہ آدمی جس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور (بغیر کسی شدید عذر کے) اپنے ساتھیوں سمیت (میدان چھوڑ کر) بھاگ نکلا، مگر جب اسے (بلا عذر میدان جہاد سے) بھاگ نکلنے کی سزا، اور پھر (جنگ میں) واپس آجانے کا ثواب یاد آیا تو (میدان کارزار میں) واپس آگیا اور (خدا کے دشمنوں سے) اس قدر لڑا کہ جام شہادت نوش کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ ”میرے بندہ کی طرف (بنظر تعجب) دیکھو جو میرے پاس کی چیزوں (یعنی جنت و ثواب) کے شوق میں اور میرے پاس کی چیزوں (یعنی دوزخ و عذاب) کے خوف سے (میدان جنگ میں) لوٹ آیا (اور راہ خدا میں) یہاں تک (لڑا) کہ اپنی جان بھی دیدی۔“ (شرح السنہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رات کے پرسکون ماحول اور آرام میں کسی شخص کے لئے نرم بستر، آرام دہ لحاف اور محبوب بیوی کا قرب ہی سب سے زیادہ پسندیدہ اور پیاری چیزیں ہوتی ہیں مگر اس کے باوجود وہ شخص اپنے رب کی عبادت اور اس کی جزاء و انعام کے شوق میں ان سب چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے اور پروردگار کے حضور میں اپنی بندگی و عبودیت کا نذرانہ پیش کرنے لگتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ دنیا کی تمام پسندیدہ چیزیں دنیا میں تو قلب و دماغ کے سکون اور انسانی عیش و مسرت کا سامان بن سکتی ہیں مگر نہ تو یہ قبر میں نفع پہنچائیں گی اور نہ حشر میں کامیابی و سرخروئی کی ضامن ہوں گی۔ قبر اور حشر میں تو صرف پروردگار کی اطاعت اور اس کی عبادت ہی کام آئے گی اور وہی سعادت و کامیابی کی منزل سے ہم کنار کریں گی۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے واسطے عبادت کرنا اور اس پر ثواب کی امید رکھنا اخلاص اور کمال کے منافی نہیں ہے اگرچہ یہ اکمل درجہ کے منافی ہے کیونکہ عبادت کے سلسلہ میں اکمل درجہ یہی ہے کہ عبادت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لئے کی جائے اور اس سے کوئی غرض مثلاً ثواب کا حصول یا عذاب کا خوف وابستہ نہ ہو لیکن ہاں کوئی شخص اگر عبادت محض ثواب کے واسطے یا عذاب کے خوف سے کرتا ہے تو اسے یہ نہ جان لینا چاہئے کہ اس کی یہ عبادت، عبادت نہیں صرف تنصیح اوقات ہے۔

الفصل الثالث

⑫ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ حَدَّثْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلَاةِ قَالَ فَأَتَيْتُهُ فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي جَالِسًا فَوَضَعْتُ يَدِي عَلَى رَأْسِهِ فَقَالَ مَا لَكَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو قُلْتُ حَدَّثْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ قُلْتَ صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلَى نِصْفِ الصَّلَاةِ وَأَنْتَ تُصَلِّي قَاعِدًا قَالَ أَجَلٌ وَلَكِنِّي لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنْكُمْ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”(بغیر عذر) بیٹھ کر (نفل) نماز پڑھنے والی نماز (کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے مقابلہ میں آدھی ہوتی ہے)“ حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ”میں (ایک دن) آنحضرت ﷺ خدمت اقدس میں حاضر ہوا (تو اتفاق سے) آنحضرت ﷺ اس وقت بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے (جب نماز سے فارغ ہوئے تو) میں نے

آپ ﷺ کے سر مبارک پر اپنا ہاتھ رکھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”عبداللہ بن عمرو! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! مجھے تو یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز آدمی ہوتی ہے اور اب آپ ﷺ ہی بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں ایسا ہی ہے (یعنی تم نے جو کچھ سنا ہے) صبح ہے لیکن میں تم جیسا تو نہیں ہوں۔“ (مسلم)

تشریح: اہل عرب کی عادت ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے کوئی تعجب کی بات دیکھتا ہے تو اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتا ہے اور ان کے نزدیک ایسا کرنا کوئی خلاف ادب نہیں ہے بلکہ یہ کمال محبت اور انتہائی بے تکلفی کے سبب سے ہوتا ہے چونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو کو آنحضرت ﷺ سے انتہا درجہ کی محبت اور بے تکلفی تھی اس لئے جب آپ ﷺ نے نماز پڑھی تو انہوں نے بھی ازراہ تعجب اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے سر مبارک پر رکھا اور انہیں تعجب اس بات پر ہوا کہ آنحضرت ﷺ تو افضل بات پر عمل کیا کرتے تھے پھر آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز کیوں پڑھی۔

آنحضرت ﷺ کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ نہ تو دو سروں پر مجھے اور نہ مجھ پر دو سروں کو قیاس کرو کیونکہ یہ تو صرف میری خصوصیت ہے کہ بیٹھ کر بھی نماز پڑھتا ہوں تو میری نماز ناقص نہیں ہوتی، میں چاہے جس طرح بھی نماز پڑھوں میری نماز پوری ادا ہوتی ہے۔

نماز میں راحت و سکون ہے

(۱۳) وَعَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مِّنْ خِزَاعَةَ لَيْتَنِي صَلَّيْتُ فَاسْتَوَحْتُ فَكَأَنَّهُمْ عَابُوا ذَلِكَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَقِمِ الصَّلَاةَ يَا بَلَالُ أَوْ حَتَّى يَهَيَّا - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت سالم بن ابی الجعد فرماتے ہیں کہ (ایک دن) قبیلہ خزاعہ کا ایک آدمی کہنے لگا کہ ”کاش میں نماز پڑھتا اور راحت پاتا“ جب لوگوں نے اس کے اس کہنے کو برا سمجھا تو اس نے کہا کہ ”میں نے سرور کونین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے (حضرت بلالؓ سے) فرمایا کہ ”بلال! نماز کے لئے تکبیر کہو تاکہ ہم اس کے ذریعہ راحت حاصل کریں۔“ (ابو داؤد)

تشریح: نماز کی تاثیر انسانی راحت و اطمینان اور قلبی سکون ہے جو شخص خلوص قلب کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اسے ایک عجیب قسم کی راحت ملتی ہے اور اس کے دل و دماغ میں سکون و اطمینان کے خزانے بھر جاتے ہیں چنانچہ قبیلہ خزاعہ کے مذکورہ شخص کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز پڑھوں اور پھر اپنے پروردگار کی عبادت، اس کی مناجات اور حمد اور اس کے کلام پاک کے پڑھنے کی لذت سے راحت و سکون حاصل کروں۔

لوگوں نے اس کے کہنے کو جو برا سمجھا تو ایک وجہ تھی وہ یہ کہ اس کے قول کے دو معنی محتمل تھے اول تو یہ کہ ”نماز کے ذریعہ راحت پاؤں“ دوسرے یہ کہ ”نماز سے راحت پاؤں“ یعنی نماز پڑھ کر آرام سے بیٹھ جاؤں۔ اس کی مراد تو اول معنی تھے لیکن لوگوں نے دوسرے معنی مراد لئے جو انہیں پسند نہیں تھے اس لئے اس نے لوگوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اور مراد کو واضح کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد جو آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا تھا نقل کیا کہ ”اے بلال! تکبیر اقامت کہو تاکہ ہم اس کے ذریعہ راحت حاصل کریں“ کیونکہ آپ ﷺ کے لئے تو بس خدا کی عبادت ہی میں راحت تھی اور نماز میں مشغول رہنا ہی آپ ﷺ کے لئے آرام و سکون کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ نماز ہی کے اندر اپنے پروردگار کی بڑائی اور اپنے خالق کی مناجات و حمد بیان کی جاتی ہے کہ ایک کامل و اکمل بندے کا اپنے پروردگار کی مناجات میں مشغول رہنا ہی اس کے لئے سب سے بڑی راحت ہے اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ

”مجھے تو نماز (ہی) میں راحت ملتی ہے۔“

بَابُ الْوُتْرِ نماز وتر کا بیان

وتر ہر اس نماز کو کہہ سکتے ہیں جس میں طاق رکعتیں ہوں مگر فقہاء کے یہاں وتر اسی خاص نماز کو کہتے ہیں جس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے جو عام طور پر عشاء کے فوراً بعد ہی پڑھی جاتی ہے اور اس باب میں اسی نماز وتر کا بیان ہوگا۔

نماز وتر واجب ہے یا سنت

نماز وتر کے سلسلہ میں ائمہ کے یہاں دو چیزوں میں اختلاف پایا جاتا ہے پہلی چیز تو یہ کہ آیا نماز وتر واجب ہے یا سنت؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز واجب ہے حضرت امام شافعیؒ اور حضرت قاضی ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ سنت ہے۔

نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین رکعتیں

علماء کے نزدیک دوسرا اختلاف یہ ہے کہ نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین؟ حنفیہ کے یہاں وتر کی تین رکعتیں ہیں جب کہ اکثر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز وتر صرف ایک ہی رکعت ہے تاہم ان حضرات کے نزدیک بھی وتر کے لئے صرف ایک رکعت پڑھنا مکروہ ہے بلکہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرا جائے اس کے بعد ایک وتر پڑھی جائے۔

نماز وتر کا طریقہ

وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح (حنفیہ کے مسلک کے مطابق) تین رکعت پڑھی جاتی ہے، اس کے پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو فرض نمازوں کا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ فرض کی محض دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت ملائی جاتی ہے جب کہ وتر کی نماز میں تینوں رکعتوں میں دوسری سورت پڑھنے کا حکم ہے اور تیسری رکعت میں دوسری سورت کے بعد دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ کانوں تک اٹھا کر (جس طرح کہ تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھاتے ہیں) پھر باندھے جائیں اور با آواز آہستہ دعائوت پڑھی جائے، دعائوت یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوبُ اِلَيْكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنُشِىْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَ لَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَفْجُرُكَ ط اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَعْبُدُكَ وَلَكِنْ نَصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَ اِلَيْكَ نَسْغِي وَنَخْفِدُ وَ نَرْجُو اَرْحَمَتَكَ وَنَخْشَى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكَفَّارِ مُلْحِقٌ۔

”اے اللہ! تجھی سے مدد مانگتے ہیں، تجھی سے ہدایت کے طالب ہیں، تجھی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں ہم تیرے ہی سامنے توبہ کرتے ہیں، تیرے ہی اوپر ایمان لاتے ہیں، تیری ہی (اچھی تعریفیں بیان کرتے ہیں، ہم تیرا ہی شکر ادا کرتے ہیں ناشکری نہیں کرتے اور جو شخص تیری ناشکری کو نافرمانی کرے ہم اس کو چھوڑتے ہیں۔ اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تیری ہی نماز پڑھتے ہیں تجھی کو سجدہ کرتے ہیں، تیری ہی طرف دوڑتے آتے ہیں، تیری ہی عبادت میں جلد مستغرق ہو جاتے ہیں، تیری رحمت کے امیدوار ہیں ہم تیرے ہی عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تیرا عذاب کافروں پر نازل ہونے والا ہے۔“

اگر اس کے بعد یہ دعا بھی پڑھ لی جائے تو بہتر ہے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيمَنْ هَدَيْتَ وَ عَافِنِيْ فِى مَنْ عَافَيْتَ وَ تَوَلَّيْنِيْ فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَ بَارِكْ لِيْ فِىْمَا اَعْطَيْتَ وَ قَبْلِ شَرِّمَا

لفظ وتر میں واؤ کو زبر اور زبر دونوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں مگر زیر کے ساتھ پڑھنا زیادہ مشہور ہے۔

قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يَقْضِي عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يُدِلُّ مَنْ وَالَيْتَ وَلَا يَعْزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔

”اے اللہ! ان لوگوں کے ساتھ مجھے ہدایت دے جنہیں تو نے ہدایت بخشی، مجھے ان لوگوں کے ساتھ مصیبتوں اور آفتوں سے بچا جنہیں تو نے بچایا ہے، ان لوگوں کے ساتھ مجھ سے محبت کر جن سے تو نے محبت کی اور جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور مجھے ان برائیوں سے بچا جو مقدر ہوں بے شک تو حاکم ہے محکوم نہیں اور جس سے تو محبت کرے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس سے تجھ کو عداوت ہو وہ عزت نہیں پاسکتا، اے اللہ تیری ذات بزرگ و برتر ہے۔“

اگر کسی کو دعاء قنوت یاد نہ ہو تو وہ بجائے دعا قنوت کے یہ پڑھ لے۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آرام دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔“ اور اگر کوئی اس کے پڑھنے پر بھی قادر نہ ہو تو پھر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ يَا تَارِبُ تین مرتبہ کہہ لے۔

الفصل الأول

نماز وتر کی رکعتوں کا مسئلہ

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةُ اللَّيْلِ مَثْنِي مَثْنِي فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمْ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً تُوْتِرُهُ مَا قَدْ صَلَّى۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کوئین ﷺ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہونے لگے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ (ایک رکعت) پہلی پڑھی ہوئی نماز کو طاق کر دے گی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ رات میں پڑھی جانے والی نفل نمازیں دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں چنانچہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے اس حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ افضل یہی ہے کہ رات میں نفل نمازیں اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں۔ حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ رات میں نماز میں مشغول رہنے والا شخص جب یہ دیکھے کہ رات ختم ہو رہی ہے اور صبح نمودار ہونے والی ہے تو وہ ان نمازوں کے بعد ایک رکعت پڑھ لے تاکہ یہ ایک رکعت پہلی پڑھی ہوئی نمازوں کو طاق کر دے، اس طرح یہ حدیث امام شافعیؒ کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

امام طحاوی حنفیؒ نے صلی رکوۃ واحده الخ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ”ایک رکعت اس طرح پڑھے کہ اس سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے تاکہ یہ رکعت شفع یعنی اس ایک رکعت سے پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں کو طاق کر دے۔ گویا ایک رکعت علیحدہ نہ پڑھی جائے بلکہ دو رکعتوں کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے۔“

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ”اس حدیث سے تو یہ کہیں ثابت ہی نہیں ہوتا کہ وتر کی ایک رکعت علیحدہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ پڑھی جائے“ لہذا اس کے ذریعہ وتر کی ایک رکعت ہونے پر استدلال کرنا درست ہی نہیں ہے۔

پھر وتر کی تین ہی رکعتیں ہونے کے سلسلہ میں حنفیہ کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صلوۃ بتیرا یعنی تنہا ایک رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

جہاں تک صحابہ اور سلف کئے عمل کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اکثر فقہا صحابہ اور سلف کا معمول وتر کی تین رکعتیں ہی پڑھنا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے ان کو تو اس سلسلہ میں بہت زیادہ اہتمام تھا

انہوں نے ایک مرتبہ حضرت سعید بن مسیبؓ کو وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ ”کیسی ناقص نماز پڑھتے ہو؟ دو رکعت اور پڑھو ورنہ تمہیں سزا دوں گا“ (نہایہ)

ترمذیؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وتر کی تین رکعتیں نقل کی ہیں اور اسی کو عمران بن حصینؓ، حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، اور ابو ایوبؓ کی طرف منسوب کیا ہے اور آخر میں انہوں نے صراحت کر دی ہے کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت اسی طرف ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں موطا امام محمدؒ میں مذکور ہے کہ ان کے نزدیک بھی وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں۔ حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ سلف کا اسی پر معمول تھا۔ (ہدایہ)

تین رکعت کی وتر صحابہ میں مشہور تھی، ایک رکعت کی وتر تو عام طور پر لوگ جانتے بھی نہ تھے چنانچہ حضرت معاویہؓ کو ابن عباسؓ کے مولیٰ نے ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کو بہت تعجب ہوا انہوں نے حضرت عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کی وحشت و حیرت یہ کہہ کر ختم کر دی کہ معاویہ فقیہ ہیں۔ رسول اللہ کی صحبت سے مشرف ہو چکے ہیں ان پر اعتراض نہ کرو۔ (بخاریؒ)

بہر حال ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں جن احادیث سے وتر کی ایک رکعت ثابت ہوتی ہے وہ سب قابل تاویل ہیں جو انشاء اللہ حسب موقع بیان کی جائیں گی۔

یاد رہے کہ ان میں آنحضرت ﷺ کی پہلی حالتوں کا ذکر ہے آخر فعل آپ ﷺ کا بھی تین ہی رکعت پر تھا جو صحابہ میں مشہور ہوا اور ظاہر ہے کہ امت کے لئے آپ کا وہی فعل حجت اور دلیل بن سکتا ہے جس پر آپ ﷺ نے آخر میں عمل اختیار فرمایا ہو۔

② وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ كَعَةِ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ۔ (راہ مسلم)

”اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار کونین ﷺ نے فرمایا ”آخری رات میں وتر پڑھنا افضل ہے اور اس کی ایک رکعت ہے۔“ (مسلم)

تشریح: الوتر رکعت کا مطلب یہ ہے کہ ”پہلے پڑھی گئی دو رکعتوں کے ساتھ ملی ہوئی وتر کی ایک رکعت ہے“ گویا کہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ وتر سے ہٹ کر تاویل کا راستہ اختیار کرتے ہوئے یہ معنی اس لئے بیان کئے گئے ہیں تاکہ ان حدیث میں جن سے وتر کے لئے تین رکعتیں پڑھنا ثابت ہے اور ان احادیث میں جن سے وتر کی ایک رکعت کا اثبات ہوتا ہے تطبیق پیدا ہو جائے اور حدیث کے حقیقی معنی و مفہوم میں کوئی تعارض پیدا نہ ہو۔

وتر کے پڑھنے کا مختار اور افضل وقت آخری رات ہے جب کہ تہجد وغیرہ کی نماز پڑھ لی جائے لیکن عام طور سے چونکہ لوگ رات میں تہجد کی نماز کے لئے نہیں اٹھتے اس لئے عشاء کی نماز کے فوراً بعد ہی وتر بھی پڑھ لئے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔ جن احادیث سے وتر کی تین رکعتیں پڑھنا ثابت ہے وہ آگے ذکر کی جائیں گی۔

ایک تشہد کے ساتھ پانچ رکعت پڑھنے کا مسئلہ

③ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُؤْتِرُ مِنْ ذَلِكَ بِخَمْسٍ لَا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ إِلَّا فِي آخِرِهَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ رات میں (تہجد کے وقت) تیرہ رکعت پڑھتے تھے جن میں سے پانچ رکعتوں میں وتر پڑھتے اور ان میں سوائے آخری رکعت کے کسی میں بھی (تشہد کے لئے) نہیں بیٹھتے تھے۔“ (بخاریؒ، مسلم)

تشریح: رات میں آنحضرت ﷺ کی نماز کئی طریقوں سے ذکر کی گئی ہے ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ پہلے آپ ﷺ آٹھ رکعتیں

چار سلام کے ساتھ یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھتے تھے اور پھر آخر میں پانچ رکعتیں ایک تشہید اور ایک سلام کے ساتھ اس طرح پڑھتے تھے کہ اسی میں وتر کی نیت بھی کر لیتے تھے یعنی وتر کی نماز بھی انہیں پانچ رکعتوں میں شامل ہوتی تھی اور ان پانچ رکعتوں میں سے کسی ایک رکعت میں بھی نہ تو تشہید کے لئے بیٹھتے تھے اور نہ سلام پھیرتے تھے بلکہ آخری رکعت میں تشہید کے لئے بیٹھتے اور سلام پھیرتے۔

لہذا یہ حدیث صریح طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ پانچ رکعتیں اس طرح ملا کر پڑھنا کہ ان میں سے کسی ایک رکعت میں بھی تشہید کے لئے نہ بیٹھا جائے بلکہ صرف آخری یعنی پانچویں رکعت کے بعد قعدہ کیا جائے جائز ہے لیکن فقہاء کے یہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے چنانچہ جن حضرات کے یہاں یہ جائز نہیں ہے وہ عدم جلوس کی تاویل عدم سلام سے کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک لا یجلس فی شئی الا فی اخرھا کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ ان پانچ رکعتوں میں صرف آخری رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے درمیان میں کسی بھی رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے چنانچہ بعض روایتوں میں مذکور بھی ہے کہ لم یسلم الا فی اخرین بعض حضرات نے یہ تاویل بھی کی ہے کہ ان پانچ رکعتوں میں سوائے آخری رکعت کے کسی میں بھی جلوس وراز نہیں کرتے تھے یعنی طویل قعدہ نہیں کرتے تھے صرف آخری رکعت میں آپ ﷺ کا قعدہ طویل ہوتا تھا۔

بہر حال چار سے زیادہ رکعتوں کو ملا کر ایک سلام کے ساتھ پڑھنا متفقہ طور پر تمام علماء کے یہاں جائز ہے لیکن حنفیہ کے یہاں اتنا فرق ہے کہ ان کے نزدیک آٹھ رکعت تک ملا کر ایک سلام کے ساتھ پڑھنا تو بلا کراہت جائز ہے مگر آٹھ رکعتوں کے بعد کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

آنحضرت ﷺ کی نماز تہجد و نماز وتر

④ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ انْطَلَقْتُ إِلَى عَائِشَةَ فَقُلْتُ يَا أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ أَنْبِئِي عَنِ خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ أَلَسْتُ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ قُلْتُ بَلَى قَالَتْ فَإِنْ خُلِقَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنُ قُلْتُ يَا أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ أَنْبِئِي عَنِ وَتْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كُنَّا نَعُدُّ لَهُ سِوَاكَهُ وَطَهْوَرُهُ فَيَبْعَثُهُ اللَّهُ مَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَيَتَسَوَّكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّيُ تِسْعَ رَكَعَاتٍ لَا يَجْلِسُ فِيهَا إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ فَيَذْكُرُ اللَّهَ وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُوهُ ثُمَّ يَنْهَضُ وَلَا يُسَلِّمُ فَيُصَلِّيُ التَّاسِعَةَ ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللَّهَ وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُوهُ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيمًا يُسَمِعُنَا ثُمَّ يُصَلِّيُ رَكَعَتَيْنِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَلَيْكَ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكَعَةً يَأْتِي فَلَمَّا أَسَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخَذَ اللَّحْمَ أَوْ تَرَبَّسَعَ وَصَنَعَ فِي الرُّكَعَتَيْنِ مِثْلَ صَنِيعِهِ فِي الْأُولَى فَلَيْكَ تِسْعَ يَأْتِي وَكَانَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَحَبَّ أَنْ يُدَاوِمَ عَلَيْهَا وَكَانَ إِذَا غَلِبَهُ نَوْمٌ أَوْ وَجَعَ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيِ عَشْرَةَ رَكَعَةً وَلَا أَعْلَمُ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ الْقُرْآنَ كُلَّهُ فِي لَيْلَةٍ وَلَا صَلَّى لَيْلَةً إِلَى الصُّبْحِ وَلَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا غَيْرَ رَمَضَانَ - (رواه مسلم)

”اور حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ”ام المومنین اچھے سرور کو نبی ﷺ کے خلق کے بارے میں بتائیے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا ”کیا تم نے قرآن کریم نہیں پڑھا ہے؟“ میں نے عرض کیا ”جی ہاں! پڑھا ہے“ فرمایا ”آنحضرت ﷺ کا خلق قرآن ہی تھا (یعنی قرآن کریم میں جتنے بھی اخلاق کریمہ اور صفات حمیدہ مذکور ہیں آنحضرت ﷺ نے ان سب کو اپنی ذات میں سولیا تھا۔ گویا آنحضرت کی اخلاقی زندگی قرآن حکیم کا علی نمونہ تھی) پھر میں نے عرض کی ”ام المومنین! اچھا آنحضرت ﷺ کے وتر کے بارے میں مجھے بتائیے (کہ آپ ﷺ وتر کس وقت اور کس طرح نیز کتنی رکعت پڑھا کرتے تھے)“ حضرت عائشہ ﷺ نے فرمایا ”میں (پہلے ہی سے) آنحضرت کی مسواک اور وضو کے لئے پانی کا انتظام کئے رہتی تھی، اور جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو رات میں اٹھانا چاہتا تھا، اٹھاتا، چنانچہ (آپ بیدار ہو کر پہلے) مسواک کرتے، پھر وضو کرتے اور نور رکعت نماز پڑھتے اور

سوائے آٹھویں رکعت میں نہ بیٹھتے، جب آٹھویں رکعت پڑھ لیتے تو (تشہد میں) بیٹھتے اور خدا کا ذکر کرتے، اس کی تعریف بیان کرتے اور دعا مانگتے (یعنی التحیات پڑھتے کہ اس میں خدا کا ذکر، حمد اور دعا سب ہی کچھ ہے) پھر سلام پھیرے بغیر نویں رکعت پڑھنے کھڑے ہو جاتے، پھر نویں رکعت پوری کر کے تشہد میں بیٹھتے اور اللہ کا ذکر کرتے، اس کی تعریف بیان کرتے اور اس سے دعا مانگتے (یعنی التحیات پڑھ کر جو دعا پڑھی جاتی ہے وہ دعا پڑھتے) پھر ہمیں سناتے ہوئے با آواز بلند سلام پھیرتے، پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے اور اے میرے بچے، یہ کل گیارہ رکعتیں ہو گئیں اور جب آپ کی عمر زیادہ ہو گئی اور (بڑھاپے کی وجہ سے بدن پر گوشت چڑھ گیا تو سات رکعت مع وتر کے پڑھنے لگے اور دو رکعت پہلے ہی جیسے (یعنی بیٹھ کر) پڑھتے رہے۔ اے میرے بچے یہ کل نو رکعتیں ہوئیں اور آنحضرت ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو اس بات کو پسند کرتے کہ اسے بیٹھ پڑھے جائیں اور جب (کسی دن) آپ ﷺ کو نیند زیادہ آجاتی یا کوئی اور تکلیف پیش آجاتی جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے لئے رات میں کھڑے ہونا ممکن نہ ہوتا تو آپ ﷺ دن کے پہلے حصہ میں (یعنی زوال سے پہلے) بارہ رکعت پڑھ لیتے اور میں نہیں جانتی کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی ایک رات میں پورا قرآن مجید پڑھ لیا صبح تک (یعنی شروع رات سے آخر رات تک، نماز پڑھی ہو اور نہ آپ ﷺ کبھی سوائے رمضان کے پورے مہینے روزے رکھے۔) (مسلم)

تشریح: جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ مداومت عمل کو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی نفل نماز پڑھتے یا اسی طرح کوئی بھی نفل عبادت کرتے تو اس پر دوام اختیار فرماتے۔ ہاں اگر کوئی عذر پیش آجاتا یا بیان جواز کا اظہار مقصود ہوتا تو کبھی ترک بھی فرما دیتے تھے۔

یہاں تو حضرت عائشہ فرما رہی ہیں کہ آنحضرت رمضان کے علاوہ کسی بھی مہینہ میں پورے مہینے روزے نہیں رکھتے تھے جب کہ ان کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ شعبان میں پورے مہینہ روزے رکھتے تھے۔ لہذا حضرت عائشہ کی ان دونوں روایتوں کے ظاہری تعارض کو خود انہیں کی ایک تیسری روایت نے ختم کر دیا ہے جس میں انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ ”آنحضرت ﷺ شعبان (میں پورے مہینہ نہیں بلکہ اس) کے اکثر دنوں میں روزے رکھتے تھے۔“

وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا مسئلہ

وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا اثبات نہ صرف یہ کہ اسی روایت سے ہوتا ہے بلکہ اور بھی بہت سی روایتیں وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے وتر پڑھنے کے بعد دو رکعت نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے لیکن ابھی اس کے بعد ہی ایک روایت آرہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ اجعلوا اخر صلاتکم باللیل وترا (اپنی رات کی نماز میں آخری نماز وتر کو رکھو) لہذا اظہار ان تمام روایتوں میں بڑا سخت تعارض نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس تعارض کو رفع کرنے کے لئے علماء کو بڑی محنت کرنی پڑی ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے دوسرے سے اس حدیث کا انکار کر دیا ہے جس سے وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا ثابت ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

حضرت امام احمدؒ نے درمیانی راہ نکالنے کی کوشش کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ وتر کے بعد دو رکعت نماز نہ تو میں خود پڑھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کو پڑھنے سے منع کرتا ہوں۔

جہوہ علماء کا کہنا ہے کہ چونکہ وتر کے بعد دو رکعت نفل کا پڑھنا بہر حال حدیث صحیح سے ثابت ہے اس لئے اس سے بالکل صرف نظر بھی نہیں کیا جاسکتا لہذا یہ حضرات دونوں رکعتوں کے پڑھنے قائل ہیں جہاں تک احادیث کے باہم تعارض کو رفع کرنے کا سوال ہے تو ان حضرات کی جانب سے ان احادیث میں دو طرح کی تطبیق پیدا کی گئی ہے۔

ایک تو یہ کہ اجعلوا اخر صلاتکم باللیل وترا میں صلوة سے مراد ان دو رکعتوں کے علاوہ دوسری نوافل ہیں اس طرح اس

حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ زات میں وتر پڑھ لینے کے بعد ان دونوں رکعتوں کے علاوہ دوسرے نوافل نہ پڑھو۔ دوسری تطبیق جمہور علماء کی طرف سے یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ کبھی تو وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھ لی جائیں اور کبھی نہ پڑھی جائیں تاکہ دونوں احادیث پر عمل ہوتا رہے۔ گویا یوں کہنا چاہئے کہ حدیث اجعلوا اخر صلوٰۃ تک الخ استحباب پر محمول ہے نہ کہ وجوب پر یعنی اس میں جو حکم دیا گیا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے وجوب کے طور پر نہیں ہے۔

اس کے بعد یہ بات بھی اختلافی ہے کہ آیا نبی کریم ﷺ وتر کے بعد دو رکعت اس صورت میں پڑھتے تھے جب کہ آپ ﷺ وتر رات کے ابتدائی حصہ میں ہی یعنی عشاء کے بعد ادا کرتے تھے یا اس شکل میں پڑھتے تھے جب کہ آپ ﷺ وتر آخری رات میں تہجد کے بعد ادا کرتے تھے؟ چنانچہ اس سلسلہ میں ابوامامہؓ کہ جو حدیث منقول ہے وہ تو مطلق ہے اس میں صرف اتنا ہی مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ یہ کچھ ذکر نہیں ہے کہ اول شب میں پڑھتے تھے یا آخری شب میں مگر ثوبانؓ سے جو حدیث منقول ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ کا وتر کے بعد دو رکعت کا پڑھنا اس صورت میں تھا جب کہ آپ ﷺ اول شب میں وتر ادا کرتے تھے یہ دونوں حدیثیں اسی باب کے آخر میں آرہی ہیں۔

بخاریؒ و مسلمؒ اور موطا کی روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ قیام لیل کی صورت میں تھا یعنی آپ ﷺ رات میں تہجد کی نماز پڑھتے تو وتر کے بعد دو رکعت بھی پڑھا کرتے تھے اور یہی صحیح بھی ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ دونوں رکعتیں وتر کے ملحق ہیں اور وتر کی سنتوں کے قائم مقام ہیں۔ یعنی جس طرح فرض نماز کی سنتیں ہوتی ہیں کہ وہ فرض نماز سے پہلے یا بعد میں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح یہ دونوں رکعتیں وتر کی سنتوں کے قائم مقام ہیں جو وتر کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔

وتر رات کی آخری نماز ہونی چاہئے

⑤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوا الْخَيْرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وَتَرَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”اپنی رات کی نماز میں آخری نماز وتر کو قرار دو۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کے بارے میں اوپر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے مگر اس موقع پر بھی ایک مرتبہ پھر جان لیجئے کہ اس حدیث میں جو حکم دیا جا رہا ہے وہ وجوب کے طور پر نہیں ہے بلکہ استحباب کے طور پر ہے۔

⑥ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِزُوا الصُّبْحَ بِالْوُتْرِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”صبح (کے آثار نمایاں ہونے پر) وتر میں جلدی کرو۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لیا کرو خفیہ کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لئے ہے اگر رات میں وتر کی نماز نہ جائے تو دن میں اس کی قضا پڑھنا واجب ہے۔

وتر کے اوقات

⑦ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ مِنَ الْخَيْرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ وَمَنْ طَمَعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَهُ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُودَةٌ وَذَلِكَ أَفْضَلُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کو اس بات کا خوف ہو کہ آخر رات میں وتر پڑھنے کے لئے نہ اٹھ سکوں گا تو اسے چاہئے کہ وہ شروع رات ہی میں (یعنی عشاء کے فورا بعد) وتر پڑھ لے، اور جس شخص کو آخر رات میں اٹھنے کی امید ہو تو وہ آخر رات ہی میں وتر پڑھے کیونکہ آخر رات کی نماز مشہور ہے (یعنی) اس وقت رحمت کے فرشتوں اور انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے اور یہ

(یعنی آخر رات میں وتر پڑھنا) افضل ہے۔ ”(مسلم)

تشریح: آخر رات کی فضیلت و برکات کے بارے میں آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں رات کے اس حصہ میں جو بھی عبادت کی جائے گی وہ ثواب و سعادت کے اعتبار سے بہت زیادہ افضل ہوگی۔ اسی لئے آخر رات میں وتر کی نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ اس افضل وقت میں وتر کی ادائیگی ہوتی ہے بلکہ اس وقت رحمت کے فرشتوں اور حق تعالیٰ کے انوار و برکات کے نزول کی وجہ سے ثواب بھی بہت زیادہ ملتا ہے۔

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ أَوْ تَرَسُّوْهُ اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَأَوْسَطِهِ وَآخِرِهِ وَانْتَهَى وَتَرَفَهُ إِلَى السَّحْرِ۔ (متفق علیہ)

”اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے رات کے ہر حصہ میں وتر کی نماز پڑھی ہے یعنی ابتدائی رات میں بھی (یعنی عشاء کی نماز کے فوراً بعد) رات کے درمیانی حصہ میں بھی اور آخر رات میں بھی مگر آخر عمر میں آپ ﷺ نے وتر کے لئے سحر کا وقت یعنی رات کا چھٹا حصہ مقرر کر لیا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

آنحضرت ﷺ کی طرف سے حضرت ابو ہریرہؓ کو تین باتوں کی وصیت

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَوْصَلَنِي خَلِيلِي بِثَلَاثِ صَيَامٍ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكَعَتَيْ الصُّحَى وَأَنْ أَوْتَرَ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میرے دوست یعنی سرور کونین ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی ایک تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کی دوسرے دو رکعت صبح کی نماز پڑھنے کی اور تیسرے یہ کہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”ہر مہینہ کے تین روزے“ کے تعین میں مختلف اقوال ہیں چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ مہینہ کے تین روزے سے ایام بیض یعنی ہر مہینہ کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ کے روزے مراد ہیں۔ بعض حضرات کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ ایک روزہ ابتدائی مہینہ میں ایک روزہ درمیان میں اور ایک روزہ آخر مہینہ میں رکھا جائے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ مطلق ہے، یعنی اختیار ہے کہ پورے مہینہ میں جب چاہے تین روزے رکھ لے۔

”صبح کی دو رکعتوں سے“ نماز اشراق یا نماز چاشت مراد ہے جو آفتاب بلند ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے ان نمازوں کا ادنیٰ درجہ دو رکعت ہے، مگر اشراق کی نماز کا اکثر درجہ چھ رکعت اور چاشت کی نماز کا بارہ رکعت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کو اول شب میں وتر پڑھ لینے کے لئے اس وجہ سے فرمایا کہ وہ رات کے ابتدائی حصہ میں آنحضرت ﷺ کی احادیث کو یاد کرنے اور ان کی تکرار میں مشغول رہتے تھے جس کا سلسلہ رات گئے تک جاری رہتا تھا اس وجہ سے ان کے لئے آخر رات میں اٹھنا بہت مشکل تھا چنانچہ اسی مشغولیت علم کی وجہ سے انہیں اشراق یا چاشت کی بھی دو ہی رکعتیں پڑھنے کے لئے فرمایا۔ لہذا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علم دین کے حصول اور اس کی ترویج و اشاعت میں مشغول رہنا نفل عبادت کی مشغولیت سے بہتر ہے۔

الفصل الثانی

آنحضرت ﷺ شروع رات میں بھی وتر پڑھتے تھے

⑩ عَنْ غُصَيْفِ بْنِ الْخُثَارِ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ أَرَأَيْتَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ

فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ أَمْ فِي آخِرِهِ قَالَتْ رَبُّمَا اغْتَسَلَ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ وَرَبُّمَا اغْتَسَلَ فِي آخِرِهِ قُلْتُ اللَّهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يُؤْتِرُ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ أَمْ فِي آخِرِهِ قَالَتْ رَبُّمَا أَوْتِرُ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ وَرَبُّمَا أَوْتِرُ فِي آخِرِهِ قُلْتُ اللَّهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ أَمْ يَخْفِئُ قَالَتْ رَبُّمَا جَهَرَ بِهِ وَرَبُّمَا خَفِيَ قُلْتُ اللَّهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ الْفُصْلُ الْآخِرُ۔

”حضرت غصیف ابن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ سرور کونین ﷺ غسل جنابت شروع رات میں کرتے تھے یا آخر رات میں؟ یعنی آپ ﷺ جماع سے فارغ ہوتے ہی نہا لیتے تھے یا اس وقت تو سورتے اور جب تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے تو نہاتے) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ”کبھی تو آپ ﷺ (جماع سے فارغ ہوتے ہی) شروع رات ہی میں نہا لیتے تھے اور کبھی آخر میں غسل فرماتے“ میں نے کہا ”اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جس نے دینی امور میں آسانی عطا فرمائی“ اور پھر پوچھا کہ ”آپ ﷺ وتر کی نماز شروع رات میں (عشاء کے فوراً بعد ہی) پڑھ لیتے تھے یا آخر شب میں پڑھتے تھے؟“ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ”کبھی تو شروع رات ہی میں پڑھ لیتے تھے اور کبھی آخر رات میں پڑھتے تھے“ میں نے کہا ”اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جس نے دینی امور میں آسانی عطا فرمائی“ اور پھر پوچھا کہ ”آپ ﷺ تہجد کی نماز میں یا مطلقاً کسی بھی نماز میں) قرأت باواز بلند فرماتے تھے یا آہستہ آواز سے؟ انہوں نے فرمایا ”کبھی تو باواز بلند قرأت فرماتے تھے اور کبھی آہستہ آواز سے“ میں نے کہا ”اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جس نے دینی امور میں آسانی عطا فرمائی“ ابو داؤد ابن ماجہ نے اس روایت کا صرف آخری فقرہ (جس میں قرأت کا ذکر ہے) نقل کیا ہے۔“

نماز تہجد و وتر کی رکعتوں کی تعداد

⑪ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِكُمْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِرُ قَالَتْ كَانَ يُؤْتِرُ بِأَرْبَعٍ وَثَلَاثٍ وَبِسِتٍّ وَثَلَاثٍ وَثَمَانٍ وَثَلَاثٍ وَعَشِيرٍ وَثَلَاثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُؤْتِرُ بِالنَّقْصِ مِنْ سَبْعٍ وَلَا بِأَكْثَرٍ مِنْ ثَلَاثٍ عَشْرَةً۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عبد اللہ بن ابی قیس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا سرور کونین ﷺ کتنی رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے۔“ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ”آنحضرت ﷺ کبھی چار اور تین (یعنی سات) کبھی چھ اور تین (یعنی نو) رکعتوں کے ساتھ، کبھی آٹھ اور تین (یعنی گیارہ) رکعتوں کے ساتھ اور کبھی دس اور تین (یعنی تیرہ) رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے اور آپ ﷺ سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ رکعتوں کے ساتھ کبھی وتر نہیں پڑھتے تھے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: چار اور تین رکعتوں کے ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ چار رکعت تو تہجد کی ہوتی تھی اور تین رکعت وتر کی، اس طرح مجموعی طور پر سات رکعتیں ہو گئیں۔ گویا پہلی چار رکعتوں کو بھی مجازاً وتر ہی میں شمار کیا اسی طرح چھ رکعت تہجد کی اور تین وتر کی ان کی مجموعی تعداد نو رکعت ہوئی، آٹھ رکعت تہجد کی اور تین رکعت وتر کی ان کی مجموعی تعداد گیارہ رکعت ہوئی اور دس تہجد کی اور تین رکعت وتر کی، ان کی مجموعی تعداد تیرہ رکعت ہوئی۔

بہر حال یہ حدیث صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ وتر کی ایک رکعت نہیں بلکہ تین رکعت ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی وتر کی نماز سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ رکعت کے ساتھ نہیں پڑھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اکثر آپ ﷺ سات رکعت سے کم کے ساتھ وتر نہیں پڑھتے، چنانچہ آپ ﷺ سے پانچ رکعتیں بھی ثابت ہیں۔ اسی طرح اکثر آپ ﷺ تیرہ رکعت سے زیادہ کے ساتھ وتر نہیں پڑھتے تھے چنانچہ پندرہ رکعتیں بھی آپ ﷺ سے پڑھنی ثابت ہیں

نماز وتر واجب ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلُوْثُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُؤْتِيَ بِخُمْسٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُؤْتِيَ بِثَلَاثٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُؤْتِيَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ - (رواہ البوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابویوبؓ یہی کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا وتر کی نماز ہر مسلمان پر حق (یعنی لازم) ہے لہذا جو شخص وتر پانچ رکعت پڑھنا چاہے وہ پانچ رکعت پڑھ لے، جو شخص تین رکعت پڑھنا چاہے وہ تین رکعت پڑھ لے اور جو شخص ایک ہی رکعت پڑھنا چاہے وہ ایک ہی رکعت پڑھ لے۔“ (البوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: ”حق“ کے معنی ہیں واجب اور ثابت، لہذا حضرت امام ابو حنیفہؒ توحق کے معنی واجب مراد لیتے ہیں، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز واجب ہے، حضرت امام شافعیؒ حق کے معنی ثابت مراد لیتے ہیں یعنی وتر کی نماز سنت سے ثابت ہے لہذا وہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز سنت ہے چونکہ اس حدیث میں وتر کی رکعتوں کی تعداد پانچ بھی ثابت ہے اور تین اور ایک بھی، اس لئے حضرت سفیان ثوریؒ اور دیگر ائمہ نے تو پانچ کے عدد کو اختیار کیا ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے تین کے عدد کو قبول کیا ہے اور حضرت امام شافعیؒ نے ایک کے عدد کو اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

وتر کی فضیلت

﴿۱۳﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ وَتُرُجِبُ الْوُتْرَ فَأَوْتِرُوا يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ -

(رواہ الترمذی و البوداؤد والنسائی)

”اور حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ وتر ہے، وتر کو دوست رکھتا ہے، لہذا اے اہل قرآن وتر پڑھو۔“

(ترمذی، البوداؤد، نسائی)

تشریح: ”اللہ تعالیٰ وتر ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے، تنہا ہے اس کا کوئی مثل نہیں ہے اسی طرح اپنے افعال میں بھی وہ یکتا ہے کہ کوئی اس کا مددگار اور شریک نہیں ہے۔

”وتر کو دوست رکھتا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ وتر کی نماز پڑھنے والے کو بہت زیادہ ثواب سے نوازتا ہے اور اس کی اس نماز کو قبول فرماتا ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ جل شانہ، چونکہ اپنی ذات و صفات اور اپنے افعال میں یکتا و تنہا ہے کہ کوئی اس کا مثل، شریک اور مددگار نہیں اس لئے وہ طاق عدد کو پسند فرماتا ہے اور چونکہ وتر بھی طاق ہے اس لئے اس کو بھی پسند کرتا ہے اور اس کے پڑھنے والے کو بہت زیادہ ثواب کی سعادت سے نوازتا ہے۔

﴿۱۴﴾ وَعَنْ خَارِجَةَ بِنْتِ حُذَافَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ إِنَّ اللَّهَ أَمَدَكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ الْوُتْرُ جَعَلَهُ اللَّهُ لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى أَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ - (رواہ الترمذی و البوداؤد)

”اور حضرت خارجه بنت حذافہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ ”اللہ جل شانہ، نے ایک (ایسی) نماز سے تمہاری امداد کی ہے (یعنی نماز پنج گانہ ہے ایک اور زیادہ نماز تمہیں دی ہے) جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ وتر (کی نماز) ہے اور تمہارے لئے یہ نماز عشاء کی نماز کے بعد سے فجر نکلنے تک کے درمیان مقرر کی گئی ہے (یعنی اس کا وقت ان اوقات کے درمیان درمیان ہے جب چاہو پڑھو۔“ (ترمذی، البوداؤد)

تشریح: چونکہ عرب میں سرخ اونٹ بہت قیمتی ہوتے ہیں اور عرب والوں کے لئے اموال میں یہ سب سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے رغبت دلانے کے لئے فرمایا کہ وتر کی نماز سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے گو ماہر ادب سے کہ وتر کی نماز دنیا کی تمام متاع

سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے اور اس کو عشاء کی نماز سے پہلے پڑھنا جائز نہیں ہے۔

وتر کی قضا کا حکم

(۱۵) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وَتْرِهِ فَلْيَصِلْ إِذَا أَصْبَحَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا۔

”اور حضرت زید بن اسلمؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص وتر سے غافل ہو کر (یعنی وتر پڑھے بغیر) سو جائے تو اسے چاہئے کہ صبح ہو تو پڑھے“ اس روایت کو ترمذیؒ نے بطریقِ ارسال نقل کیا ہے۔“

تشریح: اگر کسی ایسے شخص کی وتر کی نماز رات میں پڑھنے سے رہ جائے جو صاحبِ ترتیب ہے تو صبح اٹھ کر اگر اس کے لئے ممکن ہوتا ہے اتنا وقت ہو کہ وتر پڑھ سکے تو فجر کی فرض نماز سے پہلے وتر کی قضا پڑھے۔ اور اگر فجر کے فرض سے پہلے اس کا پڑھنا ممکن نہ ہو یعنی اتنا وقت نہ ہو تو پھر فجر کی فرض نماز پڑھنے کے بعد پڑھے۔

ہاں اگر ایسے شخص کے وتر نہ گئے ہوں جو صاحبِ ترتیب نہیں ہے تو اسے اختیار ہے چاہے تو نماز فجر سے پہلے پڑھے اور چاہے نماز فرض کے بعد پڑھے۔

آنحضرت وتر میں کون کونسی سورتیں پڑھتے تھے

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بَايَ شَيْءٍ كَانَ يُؤْتِرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُولَى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ التَّيْسَانِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِيزٍ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ أَبِي بِنِي كَعْبٍ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَمْ يَذْكُرَاوَالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔

”اور حضرت عبدالعزیز بن جریجؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ سرورِ کونین ﷺ وتر میں کون کون سے سورتیں پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ”آپ ﷺ پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى دوسری رکعت میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھا کرتے تھے (ترمذیؒ و ابو داؤدؒ) اور اس روایت کو امام نسائیؒ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی زبیرؒ سے، امام احمدؒ نے حضرت ابی بن کعبؒ سے اور امام دارمیؒ نے حضرت عباسؓ سے نقل کیا مگر امام دارمیؒ نے اپنی روایت میں لفظ معوذتین ذکر نہیں کیا ہے یعنی انہوں نے محض یہ نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ وتر کی تیسری رکعت میں صرف قُلْ هُوَ اللَّهُ پڑھتے تھے۔“

تشریح: محقق علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ”خفیہ نے آخری روایت یعنی دارمیؒ کی نقل کردہ روایت پر عمل کیا ہے جس نے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی تیسری رکعت میں قل هو الله پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ خفی حضرات وتر کی تیسری رکعت میں صرف قل هو الله ہی پڑھتے ہیں۔ خفی حضرات کے پیش نظر صرف یہی روایت نہیں بلکہ حضرت عائشہؓ ہی کی ایک دوسری روایت بھی ان کے مسلک کی دلیل ہے جس میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ تیسری رکعت میں قل هو الله ہی پڑھتے تھے۔

جہاں تک حضرت عائشہؓ کی اس روایت کا تعلق ہے جو پہلے نقل کی گئی ہے اور جس سے وتر کی تیسری رکعت میں قل هو الله کے علاوہ معوذتین (یعنی قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس) کا پڑھنا بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس پر خفیہ اس لئے عمل نہیں کرتے کہ اول تو اس روایت کی سند میں ضعف ہے، دوسرے یہ کہ اس میں جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے وہ آنحضرت ﷺ کی عادت کے خلاف معلوم ہوتا ہے

کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں تو یہ صراحت سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ بعد کی رکعت کو پہلی رکعتوں کی نسبت مختصر کرتے تھے جب کہ اس روایت کے پیش نظر تیسری رکعت میں پہلی دونوں رکعتوں کی نسبت کہیں زیادہ طویل ہو جاتی ہے ملا علی قاری نے اس سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے اور حنفیہ کی طرف سے اور بھی دلائل پیش کئے ہیں جسے اہل علم ان کی کتاب ”مرقاۃ“ میں دیکھ سکتے ہیں۔

یہ حدیث بصراحت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی تینوں رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھتے تھے۔

وتر میں پڑھی جانے والی دعا

①۷ وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ أَقُولُهَا فِي قُنُوتِ الْوُتْرِ اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يَقْضِي عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ تَبَارَكَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔ (رواہ الترمذی والبوداذ و النسائی وابن ماجہ والدارمی)

”اور حضرت حسن علیؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے ہیں تاکہ میں انہیں وتر کی دعا قنوت میں پڑھا کروں (اور وہ کلمات دعا یہ ہیں) اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ تَبَارَكَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ اے اللہ! مجھے ہدایت کر ان لوگوں کے ساتھ (یعنی انبیاء و اولیاء کے ساتھ) جن کو تو نے ہدایت کی مجھے دنیا اور آخرت کی مصیبتوں اور آفتوں سے بچا اور ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے بچایا اور مجھ سے محبت کر ان لوگوں کے ساتھ جن سے تو نے محبت کی اور جو کچھ تو نے مجھے عطا کیا ہے (یعنی عمر، مال، علم اور نیک اعمال) ان میں برکت عطا فرما اور مجھے ان برائیوں سے بچا جو مقدر ہوں، بے شک توجو چاہتا ہے وہ حکم کرتا ہے اور تجھے کوئی حکم نہیں کرتا (یعنی تو حاکم مطلق ہے محکوم نہیں ہے اور جسے تو دوست رکھتا ہے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اے ہمارے رب تو بابرکت ہے (یعنی دارین پر تیرا خیر ہی خیر محیط ہے) اور تیری ذات بلند و برتر ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: حضرت حسنؓ کے الفاظ اقولہن فی قنوت الوتر (تاکہ میں وتر کی دعا قنوت میں پڑھا کروں) سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قنوت الوتر کو مطلقاً ذکر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دعا تمام سال یعنی تمام دنوں میں پڑھنی مراد ہے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے مگر حضرات شوافع دعائے قنوت کو رمضان کے آخری نصف ایام میں وتر کے ساتھ مقید کرتے ہیں گویا کہ شافعی حضرات کے یہاں تو صرف رمضان کے نصف آخری ایام میں وتر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے جب کہ حنفی حضرات تمام دنوں میں نماز وتر میں دعاء قنوت پڑھتے ہیں۔

اللہم اھدنی اے اللہ! مجھے ہدایت کر یعنی ہدایت کے راستہ پر مجھے ثابت قدم رکھ۔ یا ہدایت کے اسباب و ذرائع زیادہ سے زیادہ مجھے عطا فرما تاکہ ان کو اختیار کر کے میں اعلیٰ مرتبہ اور اعلیٰ درجہ پر پہنچ سکوں۔

إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ (جسے تو دوست رکھتا ہے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا) کا مطلب یہ ہے کہ جسے تو نے اپنا دوست بنا لیا یا اس طور کہ اسے نیک راستہ پر چلنے اور صالح اعمال اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما کر سعادت و خوشی حتیٰ کے مرتبہ پر فائز کیا وہ آخرت میں ذلیل و شرمسار نہیں ہو سکتا۔ پھر یہاں مطلقاً ذلت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بندہ جسے وہ محبوب رکھتا ہے، نہ آخرت میں ناام و شرمسار ہو سکتا ہے اور نہ ہی دنیا میں ذلت و رسوائی اس کے پاس پہنچ سکتی ہے۔ اگرچہ بظاہر دنیا کی نظروں میں وہ کسی بلا و مصیبت میں گرفتار ہو یا کوئی شخص اسے ذلیل و خوار کرے مگر حقیقت میں وہ اللہ کے نزدیک با عظمت و با عزت ہی ہوتا ہے جیسا کہ دنیا کے لوگوں نے اللہ کے پیغمبر اور نبی حضرت زکریا علیہ السلام کو آرمے سے چیرا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو زنج کیا۔ لہذا ان غلیل القدر پیغمبروں کو ظلم و ستم کے اس سٹیج سے اس لئے

گزرنا نہیں پڑا کہ معاذ اللہ وہ خدا کے محبوب اور دوست نہیں تھے بلکہ درحقیقت ان کو امتحان و آزمائش میں ڈالا گیا۔ غرضیکہ دنیا والوں کے ذلیل کرنے سے خدا کے نیک و محبوب بندے ذلیل نہیں ہوتے اللہ کے نزدیک وہ عزت والے ہی ہوتے ہیں۔

بعض ائمہوں میں اِنَّهُ لَا يُؤْخَلُّ مَنْ وَالَيْتَ کے بعد وَلَا يُعْزُ مِنْ عَادَيْتَ (اور جس سے تجھ کو عداوت ہو وہ عزت نہیں پاسکتا) کے الفاظ بھی منقول ہیں۔ اسی طرح بعض روایتوں میں وَتَعَالَيْتَ کے بعد نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوبُ إِلَيْكَ (اے اللہ ہم اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور تیرے ہی سامنے توبہ کرتے ہیں) اور بعض روایتوں میں اس کے بعد کے الفاظ مزید نقل کئے گئے ہیں۔

بہر حال حضرات شوافع کی دعا قنوت یہ ہے وہ حضرات اسی دعا کو وتر اور فجر نماز میں پڑھتے ہیں حنفی حضرات کے یہاں وتر کی نماز میں جو دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے وہ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغِيْثُكَ الْخ ہے جو ہم شروع باب میں نقل کر چکے ہیں۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ وتر کی نماز میں اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغِيْثُكَ الْخ اور اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي الْخ دونوں دعائیں پڑھنا افضل ہے جیسا کہ شروع باب میں ہم نے دونوں دعائیں نقل کی ہیں۔

دعائے قنوت کے سلسلہ میں ائمہ کے یہاں مختلف فیہ چیزیں

محقق علامہ ابن ہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ دعا قنوت کے سلسلہ میں ائمہ کے یہاں تین باتیں مختلف فیہ ہیں ایک تو یہ کہ دعا قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں؟ دوسری بات یہ کہ دعائے قنوت وتر کی نماز میں تمام دنوں میں پڑھی جائے یا صرف رمضان کے آخری نصف حصہ میں؟ تیسری چیز یہ کہ دعا قنوت وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں پڑھی جائے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں کہ دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھی جائے مگر حضرات امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دلیل بہت زیادہ قوی ہے اس سلسلہ میں اہل علم اور محققین حضرات مرقاۃ میں پوری تفصیل دیکھ سکتے ہیں جہاں تک دوسری اور تیسری مختلف باتوں کا تعلق ہے تو ہم انشاء اللہ ان دونوں مسئلوں کو آگے آنے والے باب ”باب القنوت“ میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

نماز وتر کے سلام کے بعد کی تسبیح

(۱۸) وَعَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ فِي الْوُتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَزَادَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يُطِيلُ وَفِي رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ابْنِ أَبِي عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ ثَلَاثًا وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالثَّلَاثَةِ۔

”اور حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب وتر کی نماز میں سلام پھیرتے تو یہ کہتے سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ (یعنی پاک ہے بادشاہ نہایت پاک) (ابوداؤد و ترمذی) نسائی نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”آپ ﷺ یہ (تسبیح) تین مرتبہ کہتے تھے اور تیسری مرتبہ میں آواز بلند فرماتے تھے، نیز نسائی نے ایک روایت عبد الرحمن بن ابی زبیر سے نقل کی ہے جس میں وہ (عبد الرحمن) اپنے والد اکرم سے نقل کرتے (ہوئے کہتے) ہیں کہ (آنحضرت ﷺ) جب سلام پھیر لیتے تو تین مرتبہ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ کہتے اور تیسری مرتبہ میں آواز بلند فرماتے۔“

تشریح: دارقطنیؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ کے الفاظ بھی مذکور ہیں، گویا پوری تسبیح یوں ہے سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ۔

نماز وتر میں آنحضرت ﷺ کی دعا

(۱۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي آخِرِ صَلَاتِهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ بِمُعَاذِكَ

مِنْ عَقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أَحْصِي ثَنَاءَ عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ۔

(رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرور کوئین ﷺ اپنی نماز وتر کے آخر میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ مَسْخَطِكَ بِمَعَا فَاتِكَ مِنْ عَقُوبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اَحْصِیْ ثَنَاءَ عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ اے اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری رضا و خوشنودی کے ذریعہ تیرے غضب سے اور تیری عافیت کے ذریعہ تیرے عذاب سے اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے ذریعہ تیرے آثار صفات (یعنی تیرے غضب و غصہ سے) مجھ میں طاقت نہیں کہ تیری تعریف کر سکوں کیونکہ تیری تعریف کا شمار نہیں تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف کی۔“ (ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: آنحضرت ﷺ یہ دعا وتر کی تیسری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھا کرتے تھے چنانچہ حضرت امام مالکؒ نے اس کو اختیار کیا ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ دعا سلام کے بعد پڑھتے تھے اور بعض کا قول ہے کہ سلام سے پہلے التحیات میں پڑھتے تھے اسی طرح بعض محققین کا کہنا ہے کہ آپ یہ دعا سجود میں پڑھا کرتے تھے۔

نسائی نے ایک روایت اور نقل کی ہے جس میں صراحت کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب اپنی نماز سے فارغ ہو جاتے اور بستر پر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے۔ واللہ اعلم

مستقل طور پر کسی خاص دعا قنوت کو مقرر کر لینے کا مسئلہ

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ”علماء کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ دعائے قنوت کے سلسلہ میں توقیف نہ کی جائے یعنی ایک ہی دعا کو پڑھنے کے لئے بطور خاص مقرر نہ کر لیا جائے کیونکہ کسی دعا کو مقرر کر لینے اور پھر اسی کو مستقل طور پر پڑھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ دعا زبان پر بایں طور جاری ہو جاتی ہے کہ قلب زبان کی ہمنوائی سے محروم ہوتا ہے۔ یعنی اس دعا کے پڑھنے کے وقت عادت کے مطابق صرف زبان ہی کام کرتی ہے دل میں نہ تو دعا کے مقصود کی لگن ہوتی ہے اور نہ اس کی طرف رغبت کا احساس ہوتا ہے لہذا دعا کا جو مقصود اور مطلوب ہوتا ہے وہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ دعا تو وہی کام کرتی ہے جو قلب کی گہرائیوں سے نکلتی ہے اور جو احساس و شعور اور دلی رغبت زبان کی ہمنوا ہوتی ہے۔

لیکن بعض دوسرے علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حکم اللہم اِنَّا نَسْتَعِیْثُكَ الْخ کے علاوہ دوسری دعاؤں کے بارے میں ہے یعنی اس دعا کو بطور خاص مستقل طور پر پڑھنے کے لئے مقرر کر لینا منع نہیں ہے البتہ اس کے علاوہ دوسری دعاؤں کو مستقل طور پر اختیار نہ کیا جائے بلکہ کبھی کوئی دعا پڑھ لی جائے اور کبھی کوئی کیونکہ صحابہؓ نے اللہم اِنَّا نَسْتَعِیْثُكَ الْخ کے پڑھنے پر اتفاق کیا ہے اور یہی دعا مستقل طور پر پڑھتے تھے اگرچہ اس کے علاوہ دوسری دعائے قنوت بھی جائز ہے۔ اسی طرح ”محیط“ میں اللہم اھدنی الخ کو بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے یعنی اس دعا کی توقیف بھی ممنوع نہیں ہے۔

الفصل الثالث

حضرت معاویہؓ کا ایک رکعت وتر پڑھنا

(۲۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيلَ لَهُ هَلْ لَكَ فِي أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مُعَاوِيَةَ مَا أَوْتَرَ الْأَبَاحِدَةَ قَالَ أَصَابَ إِنَّهُ فَقِيهٌ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرُكْعَةٍ وَعِنْدَهُ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ فَأَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ دَعُهُ فَإِنَّهُ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ ”امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو وتر کی ایک رکعت میں پڑھتے ہیں؟ حضرت عباسؓ نے فرمایا ”وہ فقیہ ہیں (جو کچھ کرتے ہیں) اچھا کرتے ہیں“ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن ابی ملیکہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے عشاء کی نماز کے بعد وتر کی ایک رکعت پڑھی، ان کے پاس ہی حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام بھی موجود تھے (جب انہوں نے یہ دیکھا تو وہ حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں بتایا کہ حضرت معاویہؓ نے وتر کی ایک رکعت پڑھی ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ”ان کے بارے میں کچھ نہ کہو، انہیں آنحضرت ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے (ہو سکتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کا کوئی ایسا عمل دیکھا ہو جو دوسرے نہ دیکھ سکے ہوں)۔“ (بخاری)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے وتر کی ایک ہی رکعت پڑھی ہوگی جس پر دیکھنے والوں کو تعجب ہوا ہو کہ جب دوسرے صحابہؓ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے ہیں تو یہ ایک ہی رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟ اور پھر انہوں نے اس کا تذکرہ حضرت ابن عباسؓ سے کیا لیکن یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے پہلے پڑھی گئی دو رکعت سے ملی ہوئی وتر کی رکعت پڑھی ہو، اس صورت میں دیکھنے والوں نے اس لئے اعتراض کیا کہ حضرت معاویہؓ نے صرف وتر ہی پڑھا تھا اور عشاء کی نماز یا تہجد کی نماز چھوڑ دی ہوگی۔

وتر پڑھنے کی تاکید

(۲۱) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوُتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُؤْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوُتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُؤْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا (رواه البوداؤد)

”اور حضرت بريدہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”وتر حق یعنی واجب ہے لہذا جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے (یعنی ہمارے تابعداروں میں سے) نہیں ہے، وتر حق ہے لہذا جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ (البوداؤد)

تشریح: وتر کی اہمیت اور اس کی حقیقت کو اس انداز سے بار بار بیان کرنا اور پھر اس کے نہ پڑھنے والے کے بارے میں یہ کہنا کہ جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہمارے تابعداروں میں سے نہیں ہے اس بات پر صریح دلیل ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

وتر کی قضاء پڑھنی چاہئے

(۲۲) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنِ الْوُتْرِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرُوا إِذَا اسْتَيْقَظَ۔ (رواه الترمذی والبوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت ابو سعیدؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا اسے پڑھنا بھول جائے تو اسے چاہئے کہ جب بھی اسے یاد آئے یا نیند سے بیدار ہو تو (اس کی قضا) پڑھ لے۔“ (ترمذی، البوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے کیونکہ اگر واجب نہ ہوتی تو اس کی قضا پڑھنے کا حکم نہ دیا جاتا۔

نماز وتر واجب ہے یا سنت

(۲۳) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْوُتْرِ أَوْ اجِبَ هُوَ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ قَدْ أَوْتَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَوْتَرَ الْمُسْلِمُونَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَرُدُّ عَلَيْهِ وَعَبْدُ اللَّهِ يَقُولُ أَوْتَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَوْتَرَ الْمُسْلِمُونَ۔ (رواه فی الموطأ)

”اور حضرت امام مالکؒ کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ ”ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ

”وترکی نماز واجب ہے (یا سنت ہے) حضرت عبداللہؓ نے (کوئی صریح جواب دینے کی بجائے) فرمایا کہ ”وترکی نماز آنحضرت ﷺ نے بھی پڑھی ہے! وہ شخص بار بار یہی سوال کرتا تھا اور حضرت ابن عمرؓ یہی کہے جاتے تھے کہ ”وترکی نماز آنحضرت ﷺ نے بھی پڑھی ہے اور دوسرے مسلمانوں نے بھی پڑھی ہے۔“ (موطا)

تشریح: کسی سوال کے جواب دینے کا ایک بلوغ طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی خاص مصلحت کی بنا پر مدلول (اصل جواب) کا ذکر نہ کیا جائے اور صرف دلیل بیان کر دی جائے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب ایک شخص نے وترکی نماز کے وجوب یا سنت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مدلول کے بجائے صرف دلیل پر اکتفا کیا گو ان کا مطلب یہ تھا کہ وترکی نماز واجب ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا مستقل طور پر بطریق مواظبت وترکی نماز پڑھنا اور اہل اسلام کا اس پر اجماع ہونا اس بات کی دلیل ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ جب سائل حضرت ابن عمرؓ سے صریح جواب چاہنے کے لئے ان سے بار بار سوال کرتا تھا تو انہوں نے صاف طریقہ سے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ وترکی نماز واجب ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے انداز بیان اور جواب کا یہ طریقہ احتیاط کے پیش نظر اختیار کیا کیونکہ انہوں نے اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ سے کوئی صریح بات نہیں سنی تھی اس لئے انہوں نے بھی صریح جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔

نماز وترکی قرأت

(۲۳) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِيهِنَّ بِتِسْعِ سُورٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلَاثِ سُورٍ اخْرُجَ قُلُوبُ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔ (رواہ الترمذی)

”اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ وترکی تین رکعتیں پڑھا کرتے تھے جن میں آپ ﷺ مفصل کی نو سورتیں (اس طرح) پڑھا کرتے تھے (کہ) ہر رکعت میں تین تین سورتیں پڑھتے اور آخر سورت قل ہو اللہ ہوا کرتی تھی۔“ (ترمذی)

تشریح: بعض روایتوں میں اس اجمال کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلی رکعت میں اَلْهٰكُمُ التَّكْوِيْنُ، اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ اور اِذَا زُلْزِلَتْ الْاَرْضُ زُلْزَلًا، دوسری رکعت میں وَالْعَصْرِ۔ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَآيَاتُ الْغَلْبِ پڑھتے اور تیسری رکعت میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ، تَبَّتْ يَدَايْ اَوْ قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ

(۲۴) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِمَكَّةَ وَالسَّمَاءُ مُغِيْمَةً فَخَشِيَ الصُّبْحُ فَأَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ اِنْكَشَفَ فَرَأَى اَنْ عَلَيْهِ لَيْلًا فَشَفَعَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا خَشِيَ الصُّبْحَ اَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت نافعؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ہمراہ مکہ معظمہ میں تھا اور (اس دن رات میں) آسمان ابر آلود تھا، جب حضرت ابن عمرؓ کو صبح ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے ایک رکعت وتر کی پڑھ لی، پھر ابر صاف ہو گیا اور انہوں نے دیکھا کہ ابھی رات (کافی باقی) ہے، چنانچہ انہوں نے ایک رکعت اور پڑھ کر (پہلی رکعت کے ساتھ ملا کر اسے) دو گانہ کر دیا اور اس کے بعد دو دو رکعت (نفل کی) پڑھتے رہے، جب پھر صبح ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے وتر کی ایک رکعت پڑھ لی“ (مالک)

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ایک اور طریقہ

(۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ قَدْرٌ مَا يَكُونُ ثَلَاثِينَ اَوْ اَرْبَعِينَ اَيَّةً قَامَ وَقَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ يَفْعَلُ فِي الرُّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ (آخر عمر میں دن یارات میں اس طرح بھی بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے (طویل قرات کی وجہ سے) بیٹھے بیٹھے قرات فرماتے اور جب قرات تیس یا چالیس آیتیں باقی رہ جاتیں تو کھڑے ہو جاتے اور انہیں کھڑے کھڑے پڑھتے پھر رکوع کرتے اور سجدہ میں جاتے اسی طرح دوسری رکعت میں بھی پڑھتے۔“ (مسلم)

تشریح: اس طرح نماز پڑھنی بالاتفاق جائز ہے لیکن اس کا عکس جائز نہیں چنانچہ اس کی تفصیل ”باب السنن“ میں بیان کی جا چکی ہے۔

بظاہر اس باب سے اس حدیث کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس حدیث میں چونکہ شفع (دو گانہ) کا ذکر ہے جو وتر کا مقدمہ ہے اس لئے اسے اس باب میں نقل کیا گیا ہے۔

وتر کے بعد کی دو رکعتیں

(۲۷) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْوُتْرِ رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَزَادَ ابْنُ مَاجَةَ خَفِيفَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔

”اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ وتر کے بعد کی دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔“ (ترمذی) ابن ماجہ نے اس روایت میں خَفِيفَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں یعنی آنحضرت وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

(۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ يَقْرَأُ فِيهِمَا وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ وتر کی ایک رکعت پڑھتے پھر دو رکعتیں (نفل کی) پڑھتے جن میں آپ ﷺ بیٹھے بیٹھے قرات فرماتے اور جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہوتے اور رکوع کرتے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث پہلی حدیث کے منافی ہے کیونکہ کبھی تو آپ ﷺ وتر کے بعد کی دونوں رکعتیں کھڑے ہوئے بغیر مطلقاً بیٹھے بیٹھے پڑھتے اور کبھی اس طرح بیٹھ کر قرات کے بعد جب رکوع میں جانے کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو جاتے اور رکوع کرتے۔

وتروں کے بعد دو رکعتوں کی فضیلت

(۲۹) وَعَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ هَذَا الشَّهْرَ جُهْدٌ وَثَقْلٌ فَإِذَا أَوْتَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ فَإِنَّ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ وَالْأَكَاثِلَةِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ سرکار کونین ﷺ نے فرمایا (تہجد کے لئے) رات میں بیدار ہونا مشکل اور گراں ہوتا ہے اس لئے جب تم میں سے کوئی شخص (رات کے آخری حصہ میں جاگے) کاٹھین نہ رکھتا ہو اور سونے سے پہلے یعنی عشاء کی نماز کے بعد وتر پڑھتے تو اسے چاہئے کہ دو رکعتیں پڑھ لے، اگر وہ نماز تہجد کے لئے رات میں اٹھ گیا تو بہتر ہے اور اگر نہ اٹھ سکا تو پھر دو رکعتیں کافی ہوں گی (یعنی ان دونوں رکعتوں کے پڑھنے کی وجہ سے اسے نماز تہجد کا ثواب مل جائے گا۔“ (ترمذی، دارمی)

وتروں کے بعد کی دونوں رکعتوں کی قرات

(۳۰) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِيهِمَا بَعْدَ الْوُتْرِ وَهُوَ جَالِسٌ يَقْرَأُ فِيهِمَا إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ وَقِيلَ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کوئین ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے اور ان میں اذان لزلت الارض اور قل یا ایہا الکافرون پڑھتے تھے۔“ (ترمذی، داری)

بَابُ الْقُنُوتِ

قنوت کا بیان

لغوی طور پر قنوت کے کی معنی ہیں۔ ① طاعت کرنا ② نماز میں کھڑے ہونا ③ اللہ تعالیٰ کے سامنے خاکساری کرنا، اسی طرح ”دعا“ کو بھی قنوت کہتے ہیں، اصطلاحاً ”دعا مخصوص“ کو کہتے ہیں جو یہاں مراد ہے، چنانچہ شوافع کے یہاں دعاء قنوت اللھم اھدنی الخ ہے۔ حضرات خفیہ کے نزدیک دعاء قنوت اللھم انا نستعینک الخ ہے (دونوں دعائیں مکمل طور پر پچھلے باب میں نقل کی جا چکی ہیں) جسے حنفی علماء صحیح سند و طریق کے ساتھ طبرانی وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔

نیز محقق علامہ حضرت ابن ہمامؒ نے ابوداؤدؒ سے نقل کیا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ (ایک روز) قبیلہ مضر کے لوگوں کے (ظلم و ستم اور ان کی دہشت و بربریت کے پیش نظر ان) کے لئے بددعا فرما رہے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ ﷺ کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کر کے فرمایا کہ:

یا محمد (ﷺ) ان الله لم یبعثک سبأ و لا لعانا انما بعثک رحمة۔

”اے محمد (ﷺ) آپ (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ نے برا کہنے والا اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا ہے بلکہ آپ (ﷺ) کو تو (دونوں جہان کے لئے) رحمت کا باعث بنا کر بھیجا گیا ہے۔“

پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی لَئْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (یعنی اس چیز میں آپ ﷺ کا کوئی دخل نہیں ہے) بعد ازاں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو یہ دعا اللھم انا نستعینک الخ سکھائی ”شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اپنی کتاب ”در منثور“ میں اس دعا کو کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

الفصل الأول

رحمت عالم ﷺ کو بددعا کی ممانعت

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْعُو عَلَى أَحَدٍ أَوْ يَذْعُوَ لَا حَدِ قَسَتْ بَعْدَ الرُّكُوعِ فَرُبَّمَا قَالَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اللَّهُمَّ انْجِ الْوَلِيدَ ابْنَ الْوَلِيدِ وَسَلِّمْ بَيْنَ هِشَامٍ وَ عِيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطَأَتَكَ عَلَى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِينَ كَسَنِي يُوسُفَ يَجْهَرُ بِذَلِكَ وَكَانَ يَقُولُ فِي بَعْضِ صَلَاتِهِ اللَّهُمَّ الْعَنِ فُلَانًا وَفُلَانًا لِأَحْيَاءٍ مِنَ الْعَرَبِ حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى لَئْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ الْآيَةَ۔ (متفق علیہ)

”حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کوئین ﷺ جب کسی کو بددعا دیتے یا کسی کے لئے دعا کرنے کا ارادہ فرماتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے، چنانچہ بعض وقت جب کہ آپ ﷺ مع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہہ لیتے تو یہ دعا کرتے اللَّهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيدَ ابْنَ الْوَلِيدِ وَسَلِّمْ بَيْنَ هِشَامٍ وَ عِيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطَأَتَكَ عَلَى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِينَ كَسَنِي يُوسُفَ (اے اللہ! ولید بن ولید کو

سلمہ بن ہشام کو اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے اور اے اللہ! قوم مضرب تو اپنا سخت عذاب نازل کر اور اس عذاب کو ان پر قحط کی صورت میں مسلط کر، ایسا قحط جو یوسف علیہ السلام کے قحط کی مانند ہو (یعنی قوم مضرب تو اپنا عذاب اس قحط کی شکل میں مسلط کر جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قوم پر مسلط کیا گیا تھا) یہ دعا آپ ﷺ کا آواز بلند کرتے تھے اور کسی نماز میں آپ ﷺ عرب کے (ان) قبائل کے لئے جو کافر تھے، اس طرح بد دعا فرماتے اَللّٰهُمَّ الْعَن فُلَانًا وَفُلَانًا (اے اللہ افلاں فلاں پر لعنت فرما) پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ۚ اَلَا يَٰۤاِسْمٰعٰلُ" (اس معاملہ میں آپ ﷺ کا کچھ دخل نہیں ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: بعض صحابہ کرامؓ جو کفار کی قید میں تھے اور ان کے ظلم و ستم کا تحتہ مشق بنے ہوئے تھے ان کی رہائی و نجات کے لئے آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایا کرتے تھے اور عرب کے وہ قبائل جو مسلمانوں کا قافیہ تنگ کئے رہتے تھے ان کے لئے بد دعا فرماتے تھے، چنانچہ ولید بن قریش خزومی جو اسلام کے مایہ ناز فرزند اور اسلامی فوج کے کمانڈر انچیف حضرت خالد بن ولیدؓ کے بھائی تھے، جنگ بدر کے موقع پر کفار مکہ کی جانب سے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، ان کے بھائی خالد اور ہشام دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور اسیر بھائی کی طرف سے چار ہزار درہم بطور فدیہ دے کر ان کو رہا کرایا اور مکہ لے گئے۔ ولید جب رہا ہو کر مکہ پہنچے تو وہاں اسلام کی مقدس روشنی نے ان کے قلب و دماغ کو منور کیا اور وہ مسلمان ہو گئے، لوگوں نے ان سے کہا کہ جب تم مسلمانوں کے پاس مدینہ میں قید تھے تو اسی وقت فدیہ دینے سے پہلے ہی مسلمان کیوں نہیں ہو گئے کیونکہ وہاں مسلمان ہو جانے کی شکل میں چار ہزار درہم جو فدیہ میں دیئے وہ بھی بچ جاتے اور مسلمان بھی ہو جاتے؟

انہوں نے کہا کہ "مجھے یہ کچھ اچھا نہیں لگا کہ لوگ یہ کہیں کہ قید سے گھبرا کر اسلام لے آیا۔"

مکہ کے کفار اور قبیلہ کے لوگوں کو یہ کیسے گوارا ہوتا کہ ولید اسلام لے آئیں اور اس کی سزا انہیں نہ ملے چنانچہ بھائیوں نے انہیں قید میں ڈال دیا اور جتنا بھی ظلم ان پر ہو سکتا تھا کیا گیا، آنحضرت ﷺ کو جب ان کی حالت مظلومیت کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے پروردگار کی بارگاہ میں ان کی رہائی اور نجات کے لئے دعا مانگی، اس طرح وہ کفار مکہ کے چنگل سے بچ کر مدینہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ گئے۔ سلمہ بن ہشامؓ، ابو جہل کے بھائی تھے اور بالکل ابتدائی دور میں اسلام لے آئے تھے، کفار مکہ نے انہیں بھی قید کر رکھا تھا اور ان پر انتہائی ظلم و جور کرتے تھے، یہ بھی ان کے ہاتھوں سے نکل کر مدینہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ گئے۔

عیاشؓ بن ابی ربیعہ بھی ابو جہل کے ماں کی طرف سے اخیانی بھائی تھے، قدیم الاسلام ہیں، ابتدائی دور میں اسلام کی دولت سے مشرف ہو کر حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ جب مدینہ آئے اور ان سے کہا کہ تمہاری ماں تمہارے لئے سخت بے چین ہے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمہیں دیکھ نہیں لے گی، سایہ میں نہیں بیٹھے گی۔

عیاشؓ کو ماں کی محبت ابو جہل جیسے ظالم شخص کے پاس کھینچ لائی۔ مکہ پہنچ کر ابو جہل نے انہیں باندھ کر قید میں ڈال دیا اور ان پر ظلم کر کے اپنے جذبہ وحشت و بربریت کی تسکین حاصل کرتا رہتا تا آنکہ یہ اسی جی قید سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ آ گئے۔ آخر میں معرکہ تبوک کے موقع پر کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

یہ وہ خوش نصیب اصحاب تھے جن کی رہائی و نجات کے لئے آنحضرت ﷺ کی لسان مقدس دعا میں مشغول ہوتی تھی، گویا حدیث کی پہلی دعا اللھم انج الخ اس بات کی مثال ہے کہ آنحضرت ﷺ قنوت میں مومنین کے لئے دعا فرماتے تھے۔ حدیث کی دوسری دعا اللھم اشد الخ اس بات کی مثال ہے کہ آپ ﷺ قنوت میں ظلم و ستم کے پیکر کفار کے لئے بد دعا فرماتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ کی بد دعا کا اثر یہ ہوا کہ اہل مکہ سات سال تک مسلسل قحط میں گرفتار رہے یہاں تک کہ انہوں نے مردار کی ہڈیاں کھا کر زندگی کے وہ سخت دن پورے کئے۔

آیت لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شان رحمت کے مناسب چونکہ یہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ کسی

کے لئے بددعا فرمائیں اس لئے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے منع فرمادیا گیا کہ کسی شخص کے لئے اس کا نام لے کر آپ ﷺ بددعا نہ فرمائیں چنانچہ شروع باب میں اس کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔

کسی آفت و بلا کے وقت دعائے قنوت فرضی نمازوں میں پڑھنی چاہئے: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے مثلاً دشمن حملہ آور ہو، قحط اپنی لپیٹ میں لے لے، کوئی وبا پھیل جائے، خشک سالی ہو جائے، یا اس قسم کی کوئی بھی صورت پیش آجائے جس سے مسلمان مصیبت و تکلیف میں مبتلا ہو جائیں تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ تمام فرض نمازوں میں دعاء قنوت پڑھنے کا اہتمام کریں۔ چنانچہ حضرات خفیہ کے یہاں بھی کسی حادثہ اور وبا کے وقت فرض نمازوں میں دعاء قنوت پڑھنا جائز ہے۔

دعاء قنوت پڑھنے کا وقت

② وَعَنْ عَاصِمِ الْأَخْوَلِ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوتِ فِي الصَّلَاةِ كَانَ قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ قَالَ قَبْلَهُ إِنَّمَا قَفَّتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا إِنَّهُ كَانَ يَبْعَثُ أَنَا سَائِلًا لَهُمُ الْقُرْآنَ سَبْعُونَ رَجُلًا فَأَصْبَحُوا فَقَفَّتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا أَيَّدَعُوا عَلَيْهِمْ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عامر احول کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے دعائے قنوت کے بارے میں پوچھا کہ (صبح کی نماز میں یا وتر کی یا کسی حادثہ کی یا وبا پھیلنے کے وقت ہر فرض) نماز میں وہ رکوع سے پہلے پڑھی جاتی تھی یا رکوع کے بعد؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رکوع سے پہلے (اور فرمایا کہ) آنحضرت ﷺ نے (صبح کی نماز میں یا سب نمازوں میں) رکوع کے بعد دعائے قنوت صرف ایک مرتبہ پڑھی تھی (اور وہ بھی) اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے چند صحابہؓ کو جنہیں قراء کہتے تھے اور تعداد میں ستر تھے (تبلیغ کے لئے کہیں) بھیجا تھا (وہاں کے لوگوں نے) انہیں شہید کر دیا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ایک مہینہ تک رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھ کر قراء کو شہید کرنے والوں کے لئے بددعا کی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رکوع کے بعد دعاء قنوت کا پڑھنا منسوخ ہو گیا ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔

قراء سبعون کی شہادت کا واقعہ: قراء سبعون یعنی ستر قاری اصحاب صفہ میں سے تھے انہیں قراء اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ قرآن کریم بہت زیادہ پڑھتے اور بہت یاد کرتے تھے۔ حالانکہ یہ حضرات بہت زیادہ غریب اور زائد تھے اور ان کا کام صرف یہ تھا کہ صفہ میں ہر وقت قرآن اور علم کے سیکھنے میں مشغول رہتے تھے لیکن اس کے باوجود جب بھی مسلمان کسی حادثہ میں مبتلا ہوتے تو یہ حضرات پوری شجاعت اور بہادری کے ساتھ حادثہ کا مقابلہ کرتے اور مسلمانوں کی مدد کرتے۔

ان میں سے بعض حضرات تو ایسے تھے جو دن بھر جنگل سے لکڑیاں جمع کر کے لاتے اور انہیں بیچ کر اہل صفہ کے لئے کھانا خریدتے تھے اور رات میں قرآن کریم کی تلاوت و درود میں مشغول رہتے تھے۔

ان خوش نصیب صحابہؓ کو آنحضرت ﷺ نے اہل نجد کی طرف بھیجا تھا تاکہ یہ وہاں پہنچ کر ان قبائل کو اسلام کی طرف بلائیں اور ان کے سامنے قرآن کریم پڑھیں جو کفر و شرک اور ظلم و جہل میں پھنس کر تباہی و بربادی کے راستہ پر لگے ہوئے ہیں جب یہ لوگ بیر معونہ پر جو مکہ اور عسکان کے درمیان ایک موضع ہے، اترے تو عامر بن طفیل، رعل، ذکوان اور قارہ نے ان قراء صحابہؓ پر بڑی بے دردی سے حملہ کیا اور پوری جماعت کو شہید کر ڈالا، ان میں سے صرف ایک صحابی حضرت کعب بن زید انصاریؓ بچ گئے وہ بھی اس طرح کے جب یہ زخمی ہو کر گر گئے اور جسم بالکل نڈھال ہو گیا، تو ان بد بختوں نے یہ سمجھ کر کہ ان کی روح نے بھی جسم کا ساتھ چھوڑ دیا ان سے الگ ہوئے مگر خوش قسمتی سے ابھی ان میں زندگی کے آثار موجود تھے چنانچہ وہ کسی نہ کسی طرح بچ کر نکلے میں کامیاب ہوئے اور خدا نے ان کو صحت و

تدرستی عطا فرمائی یہاں تک کہ غزوہ خندق میں شہید ہوئے۔
بہر حال جب سرور دو عالم ﷺ کو اس عظیم حادثہ اور ظالم کفار ظلم و بربریت کا علم ہوا تو آپ ﷺ کو بے حد غم ہوا، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کو کسی کے لئے اتنا ملگین نہیں دیکھا جتنا کہ آپ ﷺ ان مظلوم صحابہؓ کے لئے ملگین ہوئے چنانچہ آپ ﷺ مسلسل ایک مہینہ تک قنوت میں ان بد بخت کفار کے لئے بد دعا کرتے رہے، یہ واقعہ ۴ھ میں پیش آیا۔

الفصل الثانی

دعاء قنوت کس وقت پڑھنی چاہئے؟

(۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا مُتَتَابِعًا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَاةِ الصُّبْحِ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ عَلَى رَعْلٍ وَذُكُونٍ وَعَصِيَّةٍ وَيُؤْمِنُ مَنْ خَلْفَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مسلسل ایک مہینہ تک (یعنی ہر روز) ظہر، عصر، مغرب، عشاء، اور فجر کی نمازوں کی آخری رکعت میں سب اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد قنوت پڑھی ہے جس میں آپ ﷺ بنی سلیم کے چند قبیلوں رعل، ذکون اور عصیہ کے لئے بد دعا کرتے تھے اور پیچھے کے لوگ (یعنی مقتدی) آمین کہتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہمیشہ فرض نمازوں میں دعا قنوت نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ جب مسلمانوں کے لئے کوئی حادثہ پیش آجائے مثلاً کوئی دشمن حملہ کرے، قحط پڑ جائے یا کوئی وبا پھیل جائے تو ایسے وقت میں فرض نمازوں میں دعا قنوت پڑھی جائے۔

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا ثَمَّ تَرَكَهُ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ایک مہینہ تک (رکوع کے بعد) دعا قنوت پڑھی ہے پھر آپ ﷺ نے (مطلقاً فرض نمازوں میں) یہ کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کو ترک کر دیا۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اکثر اہل علم یہی فرماتے ہیں کہ دعا قنوت نہ تو فجر کی نماز میں مشروع ہے اور نہ وتر کے علاوہ کسی دوسری نماز میں، چنانچہ یہ حضرات اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث بھی ہیں جو فرض نمازوں میں ترک قنوت پر دلالت کرتی ہیں، اہل علم اور محققین اس کی تفصیل مرقاة میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز میں تو دعا قنوت ہمیشہ پڑھنی چاہئے اور نمازوں میں کسی حادثہ اور وبا کے وقت پڑھی جائے۔

(۵) وَعَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ قُلْتُ لَأَبِي يَا أَبَتِ إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَى بِكَرٍّ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ هَلْ هُنَا بِالْكُوفَةِ نَحْوًا مِنْ خَمْسِ سِنِينَ أَكَاثُرًا يَفْتَنُونَ قَالَ أَيْ بَنِي مُحَدَّثٍ۔

(رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابو مالک اشجعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد مکرم سے دریافت کیا کہ ابا جان! آپ نے سرور کونین ﷺ کے پیچھے، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے پیچھے پچیس کوفہ میں تقریباً پانچ سال تک نماز پڑھی ہے کیا یہ

حضرات دعا قنوت پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ”میرے بیٹے! قنوت بدعت ہے۔“ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: حضرت ابو مالکؓ اپنے والد محترم سے یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اور خلفاءِ رابعہؓ بھی فجر کی نماز میں اور دیگر نمازوں میں قنوت پڑھتے تھے جیسا کہ اب بعض لوگ ان نمازوں میں قنوت پڑھتے ہیں؟

اس کا جواب ان کے والد نے یہ دیا کہ جو لوگ فجر کی اور دوسری نمازوں میں مستقل طریقہ سے یعنی ہمیشہ دعا قنوت پڑھتے ہیں وہ بدعت میں مبتلا ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے تو وتر کے علاوہ فجر کی نماز میں صرف ایک مہینہ تک قنوت پڑھی ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے ترک کر دیا تھا جیسا کہ ابھی پچھلی حدیث میں ذکر کیا گیا، گویا یہ حدیث حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے۔

حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں نماز فجر کے اندر قنوت نہ پڑھنا ذکر کیا گیا ہے وہ سب ضعیف ہیں لیکن ملا علی قاریؒ نے اس قول کا جواب بہت معقول اور مدلل طریقے سے دیا: نیز انہوں نے خلفاءِ رابعہ سے بھی اسی طرح کی روایتیں نقل کی ہیں اس بحث کی تفصیل ان کی شرح میں دیکھی جاسکتی ہے۔

الفصل الثالث

آخری نصف رمضان میں اور رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کا مسئلہ

① عَنْ الْحَسَنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أَبِي إِبْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّي لَهُمْ عِشْرِينَ لَيْلَةً وَلَا يَقْنُتُ بِهِمْ إِلَّا فِي النَّصْفِ الْبَاقِي فَإِذَا كَانَتِ الْعِشْرَةُ الْوَاحِدَةُ تَخَلَّفَ فَصَلَّى فِي بَيْتِهِ فَكَانُوا يَقُولُونَ أَبَقَ أَيْ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَسَيَلِ أَنْسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوتِ فَقَالَ قُنْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوعِ وَفِي رِوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ۔

(رواہ ابن ماجہ)

”حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ نے لوگوں کو رمضان میں نماز تراویح کے لئے جمع کیا اور حضرت ابی بن کعبؓ کہ امام بنایا، حضرت ابی بن کعبؓ نے ان کو بیس رات تک نماز پڑھائی اور انہوں نے لوگوں کے ساتھ دعا قنوت سواء آخری نصف رمضان کے اور دنوں میں نہیں پڑھی اور جب آخر کے دس روزے رہ گئے حضرت ابی بن کعبؓ مسجد میں نہ آئے بلکہ (وتر کی) نماز اپنے گھر میں پڑھنے لگے، لوگ کہتے کہ ”ابی بھاگ گئے“ (ابوداؤد) اور حضرت انس بن مالکؓ سے کسی نے دعا قنوت کے بارے میں پوچھا کہ (رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں؟) تو انہوں نے فرمایا کہ ”آنحضرت ﷺ نے دعا قنوت رکوع کے بعد پڑھی ہے“ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ ”آپ ﷺ نے دعا قنوت کبھی رکوع سے پہلے اور کبھی رکوع کے بعد پڑھی ہے۔“

تشریح: حضرت ابی بن کعبؓ ایک جلیل القدر اور بڑی عظمت و شان کے مالک صحابی تھے، جہاں ان کی اور بہت سی امتیازی خصوصیات تھیں وہیں آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی میں پورا قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔

نیز یہ کہ صحابہ میں بڑے اونچے درجہ کے قاری مانے جاتے تھے، اسی وجہ سے آپ کو ”سید القراء“ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کی انہیں خصوصیات کی بنا پر انہیں رمضان میں تراویح کی نماز کے لئے امام مقرر فرمایا تاکہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھیں۔

یہ دونوں حدیثیں جو حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہیں حضرات شوافع کی مستدل ہیں۔

پہلی حدیث تو اس بات کی دلیل ہے کہ ”دعا قنوت صرف رمضان کے آخری نصف حصہ میں پڑھی جائے“ علماء احناف فرماتے ہیں کہ اول تو مطلقاً وتر میں دعا قنوت کا پڑھنا مشروع ہوا ہے اور چونکہ وتر کی نماز ہمیشہ پڑھی جاتی ہے اس لئے دعا قنوت بھی ہمیشہ پڑھی جائے گی۔

دوسرے یہ کہ زیادہ ایسی ہی احادیث وارد ہیں جن میں بلا تخصیص رمضان، وتر کی نماز میں دعائِ قنوت پڑھنا ثابت ہوتا ہے لہذا اس اعتبار سے بھی ہمیشہ وتر کی نماز میں دعائِ قنوت کا پڑھنا اولیٰ اور ارجح ہوگا۔

دوسری حدیث شوافع کے لئے اس بات کی دلیل ہے کہ ”دعائِ قنوت رکوع کے بعد پڑھی جائے“ اس کا جواب حنفی علماء کی جانب سے یہ دیا جاتا ہے کہ رکوع سے پہلے دعائِ قنوت پڑھنے کے سلسلہ میں احادیث زیادہ تعداد میں منقول ہیں، پھر یہ کہ صحابہ کا عمل بھی انہیں احادیث کے مطابق نقل کیا گیا ہے اس لئے انہیں احادیث پر عمل کرنا چاہئے۔

جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن سے رکوع کے بعد دعائِ قنوت پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو اس کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ ان احادیث کا تعلق صرف ایک مہینہ سے ہے جب کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی ہے۔ مستقل طریقہ سے رکوع کے بعد دعائِ قنوت پڑھنے سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ رمضان کے آخری نصف حصہ میں خدا کے رسول ﷺ کے باغیوں کے لئے بددعا کرنے کی وجہ سے دعائِ قنوت پڑھتے ہوں گے کیونکہ صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ سے منقول ہے کہ:

”جب آدھا رمضان گزر جائے تو (رمضان کے آخری نصف حصہ میں) وتر میں کفار پر لعنت بھیجنا سنت ہے“

ابن ابی ائیی کے الفاظ کہہ کر لوگوں نے حضرت ابی کو بھاگنے والے غلام کے ساتھ تشبیہ دی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کی نظر میں حضرت ابی کا یہ عمل کہ ”آخری دس دنوں میں مسجد نہیں آئے“ مکروہ معلوم ہوا۔ حالانکہ حضرت ابی کسی عذر کی بنا پر ہی رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد نہیں آئے ہوں گے۔

اور عذر دینی ہو سکتا ہے کہ وہ ان ایام میں غلط اختیار کرتے تھے تاکہ عبادت کا وہ کمال خلوت میں حاصل ہو جائے جو جلوت میں حاصل نہیں ہوتا۔

حدیث کے الفاظ ”آنحضرت ﷺ نے دعائِ قنوت رکوع کے بعد پڑھی ہے“ سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صرف ایک مہینہ تک (فجر کی نماز میں) رکوع کے بعد دعائِ قنوت پڑھی ہے اور اس پر دلیل بخاریؒ و مسلمؒ کی وہ روایت ہے جو عام احوال سے منقول ہے (ملاحظہ فرمائے اسی باب کی حدیث نمبر ۲)

آخری روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ”کبھی (یعنی وتر میں) تو آپ ﷺ دعائِ قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے اور کبھی (یعنی کسی حادثہ و وباء کے وقت) رکوع کے بعد پڑھتے تھے“

اس مفہوم سے ان تمام احادیث میں تطبیق ہو جائے گی جن میں سے بعض روایات تو رکوع کے بعد دعائِ قنوت پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور بعض روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ”آپ ﷺ رکوع سے پہلے دعائِ قنوت پڑھتے تھے۔“

بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

ماہ رمضان میں قیام کا بیان

ماہ رمضان میں قیام سے مراد ہے اس بابرکت مہینہ کی مقدس راتوں میں عبادت خداوندی کے لئے یعنی نماز تراویح اور تلاوت قرآن وغیرہ کے لئے جاگتے رہنا۔

نماز تراویح: یہاں اس باب کے تحت زیادہ تراویح سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی اور اس نماز کی فضیلت اور اس کے احکام و مسائل بیان کئے جائیں گے اس موقع پر نماز تراویح کا چند احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

- ۱ رمضان میں نماز تراویح مرد و عورت دونوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔
- ۲ جس رات کو رمضان کا چاند دیکھا جائے اسی رات سے تراویح شروع کی جائے اور جب عید کا چاند دیکھا جائے چھوڑ دی جائے۔
- ۳ نماز تراویح روزہ کی تابع نہیں ہے جو لوگ کسی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکیں ان کو بھی تراویح کا پڑھنا سنت ہے اگر نہ پڑھیں گے تو ترک سنت کا گناہ ان پر ہوگا۔
- ۴ نماز تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے اور عشاء کی نماز کے بعد تراویح پڑھ چکا ہو اور اس کے بعد معلوم ہو کہ عشاء کی نماز میں کچھ سہو ہو گیا جس کی وجہ سے عشاء کی نماز نہیں ہوئی تو اس عشاء کی نماز کے بعد تراویح کا اعادہ بھی کرنا چاہئے۔
- ۵ اگر عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھی گئی ہو تو تراویح بھی جماعت سے نہ پڑھی جائے اس لئے کہ تراویح عشاء کی تابع ہے ہاں جو لوگ جماعت سے عشاء کی نماز پڑھ کر تراویح جماعت سے پڑھ رہے ہوں ان کے ساتھ شریک ہو کر اس شخص کو بھی تراویح کا جماعت سے پڑھ لینا درست ہو جائے گا۔ جس نے عشاء کی نماز بغیر جماعت کے پڑھی ہے اس لئے کہ وہ ان لوگوں کا تابع سمجھا جائے گا جن کی جماعت درست ہے۔
- ۶ اگر کوئی مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ عشاء کی نماز ہو چکی ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے پھر تراویح میں شریک ہو اور اس درمیان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہو جائیں تو ان کو وتر پڑھنے کے بعد پڑھ لے۔
- ۷ مہینہ میں ایک مرتبہ قرآن مجید کا ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے لوگوں کا باہلی یا سستی کی وجہ سے اس کو ترک نہ کرنا چاہئے ہاں اگر یہ اندیشہ ہو کہ پورا قرآن مجید پڑھا جائے گا تو لوگ نماز میں نہ آئیں لے اور جماعت ٹوٹ جائے یا ان کو بہت ناگوار ہوگا تو بہتر ہے کہ جس قدر لوگوں کو گراں گذرے اسی قدر پڑھا جائے۔ باقی الم تر کیف سے آخر تک کی دس سورتیں پڑھ دی جائیں۔ ہر رکعت میں ایک سورت پھر جب دس رکعتیں ہو جائیں تو انہیں سورتوں کو دوبارہ پڑھ دے یا اور جو سورتیں چاہے پڑھے۔
- ۸ ایک قرآن مجید سے زیادہ نہ پڑھا جائے تا وقتیکہ کہ لوگوں کا شوق نہ معلوم ہو جائے۔
- ۹ ایک رات میں پورے قرآن مجید کا پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ کہ لوگ شوقین ہوں کہ انہیں گراں نہ گذرے اگر گراں گذرے اور ناگوار ہو تو مکروہ ہے۔
- ۱۰ تراویح میں کسی سورت کے شروع پر ایک مرتبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھ دینا چاہئے اس لئے کہ بسم اللہ بھی قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔ اگرچہ کسی سورت کا جز نہیں، پس اگر بسم اللہ بالکل نہ پڑھی جائے تو مقتدیوں کا قرآن مجید پورا نہ ہوگا۔
- ۱۱ تراویح کا رمضان کے پورے مہینے میں پڑھنا سنت ہے اگرچہ قرآن مجید مہینہ پورا ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے مثلاً پندرہ روز میں یا بیس روز میں پورا قرآن مجید پڑھ دیا جائے تو بقیہ پندرہ یا دس روز میں تراویح کا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔
- ۱۲ صحیح یہ ہے کہ تراویح میں قل ہو اللہ کا تین مرتبہ پڑھنا جیسا کہ آجکل دستور ہے مکروہ ہے۔
- ۱۳ نماز تراویح کی نیت اس طرح کی جائے تَوَيْتُ اَنْ اُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ صَلَوةَ التَّرَاوِيحِ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهِ میں دو رکعت نماز تراویح پڑھنے کی نیت کرتا ہوں جو نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کی سنت ہے۔
- ۱۴ نماز تراویح پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو دیگر نمازوں کا ہے۔

الفصل الاول

باجماعت نماز تراویح سنت ہے

① عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ حُجْرَةً فِي الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِيرٍ فَصَلَّى فِيهَا لَيْلِي حَتَّى

اجْتَمَعَ عَلَيْهِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوا صَوْتَهُ لَيْلَةً وَظَنُّوا أَنَّهُ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَنْتَحِجُ لِيَخْرُجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ مَا زَالَ بِكُمْ الَّذِي رَأَيْتُمْ مِنْ صَنِيعِكُمْ حَتَّى خَشِيتُمْ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهِ فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُمْ فَإِنَّ أَفْضَلَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ۔ (متفق علیہ)

”حضرت زید ابن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے (رمضان میں) مسجد میں بورے کا ایک حجرہ بنایا اور کئی راتیں اس میں (تراویح کے علاوہ نفل) نماز پڑھی (جب لوگ جمع ہو جاتے تو آنحضرت ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لاتے اور فرائض و تراویح جماعت کے ساتھ پڑھتے) یہاں تک کہ (ایک روز بہت زیادہ) لوگ جمع ہو گئے (آنحضرت ﷺ چونکہ فرض نماز پڑھ کر حجرہ میں تشریف لے جا چکے تھے اور جیسا کہ آپ ﷺ کا معمول تھا کچھ دیر کے بعد باہر تشریف نہ لائے اس لئے لوگوں نے آپ کی کوئی آہٹ محسوس نہیں کی چنانچہ وہ یہ سمجھے کہ آپ ﷺ سو گئے اور لوگوں نے کھنکارنا شروع کیا تاکہ آپ ﷺ (بیدار ہو جائیں اور نماز تراویح کے لئے) باہر تشریف لے آئیں (جیسا کہ آپ ﷺ گذشتہ راتوں تشریف لاتے تھے) آنحضرت ﷺ نے (حجرہ سے باہر نکل کر یا اندر ہی سے) فرمایا کہ ”تمہارا کام جو میں دیکھ رہا ہوں برابر جاری رہے (یعنی جماعت سے تراویح پڑھنے کا شوق اور عبادت کے معاملہ میں تمہارا یہ جذبہ ہمیشہ رہے اور پھر فرمایا) لیکن مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے (یعنی اگر میں ہمیشہ نماز تراویح جماعت سے پڑھتا تو یہ نماز تم پر فرض ہو جاتی) اور اگر یہ نماز فرض ہو جاتی تو تم اس کی ادائیگی سے قاصر رہتے، لہذا اے لوگو! تم اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو کیونکہ انسان کی بہترین نماز وہی ہے جسے اس نے اپنے گھر میں پڑھا ہو سوائے فرض نماز کے (کہ اسے مسجد میں ہی پڑھنا افضل ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے مسجد نبوی میں اعتکاف کے لئے بورے کا ایک حجرہ سامنا لیا تھا۔ اسی میں آپ ﷺ رمضان کی بابرکت اور مقدس ساعتوں میں عبادت خداوندی اور ذکر اللہ میں مشغول رہا کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں بورے کا یا اسی قسم کی کسی دوسری چیز کا معتکف بنالینا جائز ہے لیکن یہ شرط ہے کہ اپنی حاجت و ضرورت سے زیادہ جگہ نہ روکی جائے ورنہ تو بصورت دیگر حرام ہوگا کیونکہ زیادہ جگہ گھیرنے سے دوسرے نمازیوں کو تنگی ہوگی بشرطیکہ جگہ ایسی ہو جس کی لوگوں کو احتیاج اور ضرورت ہو اگرچہ کبھی کبھی ہی ضرورت ہو ہاں اگر کوئی شخص قرینہ سے جانتا ہو کہ اگر لوگ بہت تعداد میں بھی مسجد میں آجائیں گے تب بھی معتکف کے لئے گھیری ہوئی جگہ کی انہیں احتیاج نہیں ہوگی تو ایسی صورت میں ضرورت سے زیادہ بھی جگہ گھیر لینا حرام نہیں ہوگا یہ تفصیل اس بات پر بصراحت دلالت کرتی ہے کہ ایام حج میں مسجد حرام کے اندر لوگوں کو تنگی میں مبتلا کرنا حرام ہے۔

یہ حدیث جہاں آنحضرت ﷺ کی اُمت کے حق میں انتہائی شانِ رحمت کی غمازی کر رہی ہے کہ آپ نے نماز تراویح کی جماعت پر اس لئے مداومت نہیں فرمائی کہ کہیں یہ نماز اُمت کے لئے فرض ہی قرار نہ دیدی جائے جس سے اُمت کے لوگ تنگی و پریشانی میں مبتلا ہو جائیں۔ وہیں یہ حدیث اس بات کی بھی صریح دلیل ہے کہ تراویح کی نماز باجماعت پڑھنا سنت ہے۔

فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ الْخ (لہذا، اے لوگو! تم اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو) میں امر استحبابی ہے یعنی آپ ﷺ نے یہ حکم وجوب اور لزوم کے طور پر نہیں دیا بلکہ مقصد یہ ہے کہ فرض نماز کے علاوہ دیگر سنن و نوافل گھروں میں پڑھنے بہتر اور مناسب ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عام نگاہوں سے بچ کر گھروں میں سنت و نفل نماز پڑھنے میں ریاء و نمائش کا کوئی ادنیٰ ساجذ بہ بھی ظاہر نہیں ہو جو ظاہر ہے کہ عبادت کے سلسلہ میں انتہائی مستحسن اور مطلوب ہے۔

فَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَاةِ الْخ (انسان کی بہترین نماز وہی ہے جسے اس نے اپنے گھر میں پڑھا ہو) یہ حکم تمام سنن و نوافل نمازوں کے بارے میں ہے کہ کوئی بھی سنت یا نفل نماز ہو سب سے بہتر وہی نماز ہے جسے نمازی نے عام نگاہوں سے بچ کر اپنے گھر میں پڑھا ہو مگر وہ نوافل اس حکم میں شامل نہیں ہیں جو شعار اسلام میں سے ہیں مثلاً نماز کسوف، نماز استسقاء اور نماز عیدین کیونکہ ان نمازوں کو مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے۔

نیز مسافروں کے لئے کعبہ اور مسجد نبوی بھی ان احکام میں شامل نہیں ہیں یعنی اگر کسی خوش نصیب کو کعبہ اللہ اور مسجد نبوی کی زیارت کا شرف حاصل ہو اور وہ مسافر ہو تو اس کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ فرض نمازوں کے ساتھ سنن و نوافل بھی مسجد حرام یا مسجد نبوی میں ہی پڑھے کیونکہ مسافروں کو یہ موقعہ کبھی کبھی نصیب ہوتا ہے کہ وہ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کر سکیں اس لئے مسافر اس موقعہ کو غنیمت جانے اور زیادہ سے زیادہ نمازیں مسجد حرام اور مسجد نبوی میں پڑھے۔

اور یہ (یعنی مسجد حرام اور مسجد نبوی کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دینا) اس بات پر قیاس کیا جاتا ہے کہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ مسافروں کے لئے کعبہ اللہ کا طواف نفل نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ واللہ اعلم

رمضان کی راتوں میں عبادت کرنے کی فضیلت

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَ هُمْ فِيهِ بِعَزِيمَةٍ فَيَقُولُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ فَتَوَقَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَهْلُ عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلَى ذَلِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ قیام رمضان (یعنی نماز تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے لیکن تاکید کے ساتھ صحابہؓ کو کوئی حکم نہیں دیا کرتے تھے چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”جو شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ حصول ثواب کے لئے (یعنی ریاء و نمائش کے جذبہ کے ساتھ) ہمیں بلکہ محض اللہ جل شانہ کی رضا و خوشنودی کے لئے رمضان میں قیام کرتا ہے اس کے پہلے گناہ صغیرہ بخش دیئے جاتے ہیں“ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور قیام رمضان کا معاملہ اسی طرح رہا (یعنی نماز تراویح کے لئے جماعت مقرر نہیں تھی بلکہ جو جانتا تھا حصول ثواب کے لئے پڑھ لیتا تھا) پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت میں بھی یہی صورت رہی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کے ابتدائی ایام میں بھی یہی معمول رہا (اور حضرت عمرؓ نے نماز تراویح کے لئے جماعت کا حکم دیا اور اس کا التزام کیا۔) ”مسلم“

تشریح: ”صحیح اعتقاد اور حصول ثواب کے لئے رمضان میں قیام کرنے“ کا مطلب یہ ہے کہ ”رمضان کی مقدس و بارک راتوں میں عبادت خداوندی کے لئے شب بیداری کرنا“ یا اس سے یہ بھی مراد ہے کہ ”جو شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ نماز تراویح پڑھے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان رکھتا ہو اور اس بات کو سچ جانتا ہو کہ رمضان کی راتوں میں عبادت خداوندی میں مشغول ہونا مثلاً نماز تراویح وغیرہ کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کے قریب اور اس کی رضا و خوشنودی کا باعث ہے تو اس کے وہ گناہ صغیرہ جو اس سے سرزد ہو چکے ہیں معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

سُنّت و نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت اور اس کے اثرات

③ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قُضِيَ أَحَدُكُمُ الصَّلَاةُ فِي مَسْجِدِهِ فَلْيَجْعَلْ لِنَيْتِهِ نَصِيئًا مِنْ صَلَاتِهِ فَإِنَّ اللَّهَ جَاعِلٌ فِي نَيْتِهِ مِنْ صَلَاتِهِ خَيْرًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرتاج (دو عالم ﷺ) نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص اپنی (فرض) نماز مسجد میں پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی نماز کا کچھ حصہ اپنے گھر کے لئے بھی رکھے (یعنی سُنّت و نوافل بلکہ قضاء بھی گھر میں پڑھے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی نماز کے سبب اس کے گھر میں بھلائی پیدا کرتا ہے۔“ ”مسلم“

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ گھروں میں سنن و نوافل پڑھنے کی فضیلت اور گھر میں ان نمازوں کے پڑھنے کے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کو بتایا جا رہا ہے چنانچہ فرمایا کہ جو شخص فرض نماز مسجد میں پڑھتا ہے اور سُنّت و نفل گھر میں پڑھتا ہے اس کے گھر میں اللہ تعالیٰ اس نماز

کے سبب سے بھلائی پیدا فرماتا ہے یعنی گھروالوں کو نیک توفیق دیتا ہے اور مکینوں کے رزق و عمر میں برکت عطا فرماتا ہے۔
نماز تراویح اس حکم میں شامل نہیں ہے کیونکہ بالاتفاق یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز تراویح کے مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔ اور صحابہؓ کا بھی اس پر اجماع تھا۔

اس حدیث کو جو بظاہر اس باب سے متعلق نہیں ہے اس باب میں نقل کر کے گویا (اس طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ رمضان میں بھی کچھ نمازیں گھر میں بھی پڑھنی چاہیں۔

الفصل الثانی

رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں آنحضرت ﷺ کی عبادت

④ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَاشِئَانَا مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى يَبْقَى سَبْعُ فَقَامَ بِنَا حَتَّى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتَّى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ نَقَلْتَنَا قِيَامَ هَذِهِ اللَّيْلَةِ فَقَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا حَتَّى يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ أَهْلُهُ وَنِسَاءَهُ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتَّى خَشِينَا أَنْ يَفُوتَنَا الْفَلَاحُ قُلْتُ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السَّحُورُ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَزَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ إِلَّا أَنَّ التِّرْمِذِيَّ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ۔

”حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے (رمضان میں) سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ روزے رکھے، آپ ﷺ نے مہینے کے اکثر ایام میں ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا (یعنی آپ ﷺ نے رمضان کی راتوں میں ہمارے ساتھ فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز نہیں پڑھی) یہاں تک کہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں (یعنی تیسویں شب آئی) تو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ تہائی رات تک قیام (یعنی ہمیں نماز تراویح پڑھائی) جب چھ راتیں باقی رہ گئیں (یعنی پچیسویں شب آئی) تو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ آدھی رات تک قیام کیا میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کاش آج کی رات قیام اور زیادہ کرتے (یعنی اگر آپ ﷺ آدھی رات سے بھی زیادہ تک ہمیں نماز پڑھاتے رہتے تو بہتر ہوتا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جب کوئی شخص (فرض) نماز امام کے ساتھ پڑھتا ہے تو اس سے فارغ ہو کر واپس جاتا ہے تو اس کے لئے پوری رات کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے (یعنی عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کی وجہ سے اسے پوری رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے نیز یہ کہ نوافل کا اسی وقت پڑھتے رہنا مناسب اور بہتر جب تک دل لگے) جب چار راتیں باقی رہ گئیں (یعنی چھبیسویں شب آئی) تو ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا یہاں تک کہ تہائی رات باقی رہ گئی (اور ہم اسی انتظار میں لگے رہے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں) جب تین راتیں باقی رہ گئیں (یعنی ستائیسویں شب آئی) تو آنحضرت ﷺ نے اپنے گھروالوں، اپنی عورتوں اور سب لوگوں کو جمع کیا اور ہمارے ساتھ قیام کیا (یعنی تمام رات میں نماز پڑھتے رہے) یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں فلاح فوت نہ ہو جائے“ راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا ”فلاح کیا ہے؟“ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ (فلاح سے مراد) سحر کا کھانا (ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے ہمارے ساتھ مہینہ کا باقی دنوں میں (یعنی اٹھائیسویں اور انتیسویں شب میں) قیام نہیں کیا“ ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے نیز ترمذی نے اپنی روایت میں ثم لم یقم بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ (یعنی آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ مہینہ کے باقی دنوں میں قیام نہیں کیا، کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان کے پہلے دو عشروں میں تراویح کی نماز صحابہؓ کو نہیں پڑھائی اس کا

سبب وہی ہے جو پہلی حدیث میں گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”مجھے اندیشہ ہے کہ یہ نماز فرض نہ ہو جائے“ حدیث کے الفاظ حتیٰ بقی سبب الخ (یعنی یہاں تک کہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں) کے بارہ میں علامہ طبریؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ حساب باعتبار یقین کے ہے یعنی انیس دن کا مہینہ یقینی ہے اس پر حساب لگایا ہے جیسا کہ ترجمہ کے دوران قوسین میں اس کی وضاحت کر کے اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

”سحر کھانے“ کو ”فلاح“ اس لئے کہا ہے کہ اس کے ذریعہ روزہ رکھنے کی قوت و طاقت حاصل ہوتی ہے جو درحقیقت فلاح کا سبب ہے۔ آخری راتوں میں قیام کا تفاوت فضیلت کے تفاوت کے اعتبار سے تھا یعنی جن راتوں کی فضیلت کم تھی ان راتوں میں قیام کم کیا اور جن راتوں کی فضیلت زیادہ تھی ان میں فضیلت کی اسی زیادتی کے مطابق قیام بھی زیادہ کیا یہاں تک کہ ستائیسویں شب میں آپ ﷺ نے تمام رات قیام کیا۔ کیونکہ اکثر علماء کے قول کے مطابق ”لیلۃ القدر“ ستائیسویں ہی شب ہے یہی وجہ کہ آپ ﷺ نے اس رات میں اپنے گھروالوں، عورتوں کو جمع کیا اور سب کے ساتھ پوری رات عبادت خداوندی میں مشغول رہے۔

ماہ شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ فَاذًا هُوَ بِالْبَيْتِ فَقَالَ أَكُنْتُ تَخَافِينَ أَنْ يَخِيفَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَرَسُولُهُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لَأَكْثَرِ مَنْ عَدَدَ شَعْرَ غَنَمٍ كُلِّبَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَآدِرِزْنِي مَنْ اسْتَحَقَّ النَّارَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ يَحْيَى الْبُخَارِيَّ يُضَعِّفُ هَذَا الْحَدِيثَ۔

”اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک (مرتبہ اپنی باری میں) رات کو میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کو بستر پر نہیں پایا (جب میں نے تلاش کیا تو) یکایک کیا دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ بقیع میں موجود ہیں (مجھے دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا تمہیں اس بات کا خوف تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے؟“ میں نے عرض کیا کہ: ”یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے خیال ہوا تھا کہ آپ ﷺ اپنی کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نصف ماہ شعبان کی رات (یعنی شعبان کی پندرہویں شب) میں آسمان دنیا (یعنی پہلے آسمان) پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ بنو کلب (کی بڑیوں) کے ریوڑ کے بالوں سے بھی زیادہ تعداد میں گناہ بخشا ہے اور رزقین نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”مؤمنین میں سے) جو لوگ دوزخ کے سحق ہو چکے ہیں انہیں بخشا ہے“ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ”میں نے محمد یعنی امام بخاریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ“ یہ حدیث ضعیف ہے۔“ (ترمذیؒ ۱۱۰۱۱ باب ۱)

تشریح: ”بقیع“ مدینہ منورہ میں ایک قبرستان کا نام ہے اسی کو جنت البقیع بھی کہتے ہیں۔

یہاں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا ہے ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ اسی واقعہ کو ذرا تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان فرماتی ہیں کہ ”جب میں نے آنحضرت ﷺ کو (رات کو اپنی باری کے موقع پر) بستر پر نہیں پایا تو میں نے اپنے بدن پر اپنے کپڑے لپیٹے اور آپ ﷺ کے نقش قدم ڈھونڈتی ہوئی باہر نکل گئی اچانک میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ بقیع میں سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں اور سجدہ بھی آپ ﷺ نے اتار دیا کہ مجھے تو یہ شبہ ہوا کہ (خدا نخواستہ) آپ ﷺ کا وصال ہو گیا ہے جب آپ ﷺ (بہت دیر کے بعد) سجدہ سے اٹھ کر سلام پھیر چکے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم ڈرتی تھیں کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے ساتھ ظلم کا معاملہ کریں گے، یعنی تمہیں یہ خیال ہو گیا تھا کہ میں تمہاری باری چھوڑ کر کسی اور بیوی کے یہاں چلا گیا ہوں؟“ (اس جملہ میں ”اللہ“ کا ذکر زینت اور حسن کلام کے لئے ہے)

اس کے بعد حضرت عائشہؓ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ”یا رسول اللہ! میں نے یہ گمان نہیں کیا کہ (نعوذ باللہ) خدا اور خدا کے

رسول ﷺ نے میرے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا ہے بلکہ مجھے تو خیال ہو گیا تھا کہ یا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یا اپنے ہی اجتہاد سے میرے پاس سے اٹھ کر کسی دوسری بیوی کے یہاں چلے گئے ہیں۔

حضرت علامہ ابن حجرؒ حضرت عائشہؓ کے اس جواب کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ ”خدا نخواستہ اگر حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے جواب میں نعم (جی ہاں) فرمادیتیں تو معاملہ اتنا نازک تھا کہ حضرت عائشہؓ کا یہ جواب کفر شمار ہوتا مگر حضرت عائشہؓ اپنی فراست اور ذہانت سے صورت حال سمجھ گئیں اس لئے جواب انہوں نے اس پیرایہ سے دیا کہ اپنی پریشانی و حیرانی کا عذر بیان کیا پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے پاس سے اٹھ آنے کا عذر بیان کیا کہ ”شعبان کی پندرہویں شب میں اللہ جل شانہ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے یعنی اپنی رحمت کاملہ کا فیضان اس بیکراں طور پر ہوتا ہے۔ کہ قبیلہ بنو کلب کے ریوڑ کے جتنے ہال ہیں ان سے بھی زیادہ لوگوں کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ لہذا یہ وقت چونکہ برکات ربانی اور تجلیات رحمانی کے اترنے کا تھا اس لئے میں نے چاہا کہ ایسے بابرکت اور مقدس وقت میں اپنی اُمت کے لوگوں کے بخشش کی دعا کروں چنانچہ میں جنت البقیع میں پہنچ کر اپنے پروردگار کی مناجات اور اس سے دعا مانگنے میں مشغول ہو گیا۔

یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ آخر روایت میں حضرت امام ترمذیؒ کے قول سے معلوم ہوا۔ لیکن جیسا کہ پہلے بھی کئی جگہ بتایا جا چکا ہے کہ فضائل اعمال کے سلسلہ میں ضعیف احادیث پر عمل کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ یہ حدیث اگرچہ اس باب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی لیکن معنوی طور پر اس حدیث کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب بھی اپنی فضیلت و برکت کی زیادتی کی بناء پر قیام رمضان کے مقدمہ کی مانند ہے۔ واللہ اعلم۔

نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت

⑥ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِي مَسْجِدِي هَذَا إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت زید ابن ثابتؓ راوی ہیں کہ سر تاج دوعالم ﷺ نے فرمایا ”آؤی کی اپنے گھر میں پڑھی ہوئی نماز اس نماز سے بہتر ہے جو میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں پڑھی جائے علاوہ فرض کے (کہ فرض نماز مسجد ہی میں پڑھنی بہتر ہے)۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: باوجود یہ کہ مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب ہزار نماز کے ثواب کے برابر ہوتا ہے لیکن نفل نمازوں کو گھروں میں ہی پڑھنا مسجد نبوی میں نفل نماز پڑھنے سے افضل قرار دیا گیا ہے کیونکہ گھروں میں پڑھی گئی نماز یا دنائش کے جذبہ سے بالکل پاک و صاف ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد اس وقت کا ہے جب کہ آپ ﷺ نے رمضان میں چند شب کا قیام ترک کر دیا تھا اور اس کا عذر بیان کرتے ہوئے گھروں میں نماز پڑھنے کی فضیلت بیان کی اور پھر فرمایا کہ جاؤ اپنے گھروں میں نماز پڑھو!

نماز تراویح گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں: اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے حضرت امام ملکؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ اور بعض شوافع نے یہ کہا ہے کہ نماز تراویح کے سلسلہ میں افضل یہ ہے کہ یہ نماز گھر میں تنہا پڑھی جائے جہاں تک آنحضرت ﷺ کے عمل کا سوال ہے کہ آپ نے نماز تراویح مسجد میں پڑھی ہے تو اس بارہ میں ان حضرات کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد میں نماز تراویح بیان جواز کے خاطر پڑھی تھی۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ معتلف تھے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، شوافع علماء کی اکثریت اور بعض مالکیہ حضرات کا متفقہ طور پر یہ مسلک ہے کہ نماز تراویح کا مسجد میں پڑھنا ہی افضل ہے جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ اور اس کے بعد کے دوسرے صحابہؓ نے اس نماز کو مسجد ہی میں پڑھنا مقرر کیا اور پھر اسی پر تمام مسلمانوں کا ہمیشہ عمل رہا، کیونکہ نماز تراویح شعار دین ہے۔ اور نماز عیدین کے مشابہ ہے۔ فقہ کی

کتابوں میں اس مسئلہ میں مختار اور بہتر طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی ایسا آدمی ہو جو مسلمانوں کی پیشوائی و رہبری کے مرتبہ پر فائز ہو اور اس کی وجہ سے جماعت میں کثرت ہوتی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ نماز تراویح مسجد میں پڑھے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر جائز ہے کہ گھر ہی میں پڑھ لی جائے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضرت عمرؓ کا نماز تراویح کے لئے جماعت مقرر کرنا

④ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ إِنِّي لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى وَاحِدٍ لَكَانَ أَفْضَلَ لَمْ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةَ أُخْرَى وَ النَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَارِيهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَتِ الْبِدْعَةِ هَذِهِ وَالَّتِي تَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي تَقُومُونَ يُرِيدُ أَخْرَجَ اللَّيْلَ وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ۔

(رواہ البخاری)

”حضرت عبدالرحمن ابن عبدالقاریؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ رمضان کی) رات میں حضرت عمر فاروقؓ کے ہمراہ مسجد میں گیا وہاں ہم نے کیا دیکھا کہ لوگ متفرق اور بکھرے ہوئے تھے (یعنی) کوئی تو (عشاء کی نماز کے بعد نفل) نماز تہا پڑھ رہا تھا اور کوئی اس طرح پڑھ رہا تھا کہ چند آدمی اور بھی اس کے ساتھ تھے (گویا کچھ لوگ تو الگ الگ تراویح کی نماز پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگ جماعت کے ساتھ پڑھ رہے تھے یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ”اگر میں ان لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو بہتر ہوگا“ چنانچہ انہوں نے اس کا ارادہ کر لیا اور سب لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے جمع کر دیا (یعنی انہیں نماز تراویح کے لئے لوگوں کا امام مقرر کر دیا) حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ ”(پھر اس کے بعد) میں ایک رات حضرت عمرؓ کے ہمراہ مسجد میں گیا، وہاں سب لوگ اپنے امام یعنی حضرت ابی ابن کعبؓ کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے (یہ دیکھ کر) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”اچھی بدعت ہے“ اور (تراویح کی) اس وقت کی نماز جب کہ تم سوتے رہتے ہو اس وقت کی نماز سے بہتر ہے“ اس سے حضرت عمرؓ کی مراد آخری رات تھی (یعنی حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ تراویح کی نماز رات کے آخری حصہ میں پڑھنی رات کے اول وقت پڑھنے سے بہتر ہے کیونکہ) اس وقت لوگ تراویح کی نماز اول وقت پڑھ لیا کرتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: نعمت البدعة (یہ اچھی بدعت ہے) کا مطلب یہ ہے کہ یہ جماعت کا مقرر ہونا اچھی بدعت ہے ہے کہ اصل جماعت گویا حضرت عمرؓ نے تقرر جماعت کو اچھی بدعت کہا نہ کہ اچھی بدعت سے ان کی مراد اصل جماعت تھی کیونکہ جماعت تو آنحضرت ﷺ کے عمل سے ثابت ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ نے کسی مرتبہ تراویح کی نماز جماعت سے پڑھی جیسا کہ پچھلی حدیثوں میں گزر چکا ہے ویسے اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تقریر جماعت بھی ”اچھی بدعت“ سے آگے بڑھ کر سنت کے درجہ میں آجاتا ہے کیونکہ خلفاء راشدین کے قائم کئے ہوئے طریقے بھی سنت ہی ہیں۔

بہر حال حاصل یہ ہے کہ یہاں ”بدعت“ کے لغوی معنی کا اعتبار ہے نہ کہ ان معنی کا جو فقہاء کی اصطلاح میں مفہوم ہوتا ہے۔

تراویح کی رکعتوں کی تعداد

⑤ وَعَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدٍ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ أَبِي بِنِ كَعْبٍ وَنَمِيمًا الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ فِي رَمَضَانَ بِأَحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً فَكَانَ الْقَارِيُّ يَقْرَأُ بِالْمِثْنِ حَتَّى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعَصَاءِ مِنْ طَوْلِ الْقِيَامِ فَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ إِلَّا فِي فُرُوعِ الْفَجْرِ۔

(رواہ مالک)

”اور حضرت سائب ابن زیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ رمضان (کی راتوں) میں لوگوں کو (تراویح کی) گیارہ رکعت نماز پڑھائیں اور (اس وقت) امام (تراویح میں) وہ سورتیں پڑھا کرتا تھا جن میں سے ہر ایک میں ایک سو سے زیادہ آیتیں ہیں، چنانچہ قیام کے طویل ہونے کی وجہ سے ہم اپنے عصاء کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے اور فجر کے قریب نماز سے فارغ ہوتے تھے۔“ (مالک)

تشریح: حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ دونوں کو امامت کے حکم کا مطلب یہ تھا کہ کبھی وہ امام بنیں اور کبھی وہ، لہذا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے دونوں کو باری باری نماز پڑھانے کا اس طرح حکم دیا ہو کہ کچھ رکعتیں حضرت ابی بن کعبؓ پڑھائیں اور کچھ رکعتیں تمیم داریؓ پڑھائیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ دونوں الگ الگ راتوں میں امامت کا حکم دیا ہو باس طور کہ کچھ راتوں میں ایک امامت کرے اور کچھ راتوں میں دوسرا۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی گیارہ ہی رکعتیں ہیں جیسا کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا، حالانکہ علماء لکھتے ہیں کہ یہ بات پایہ ثبوت کو صحت کے ساتھ پہنچ چکی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں تراویح کی بیس رکعتیں پڑھ جاتی تھیں لہذا اس حدیث کے بارہ میں یہی کہا جائے گا کہ حضرت عمرؓ کبھی تو بیس رکعتیں پڑھتے ہوئے اور کبھی گیارہ رکعتوں پر ہی اکتفا کرتے ہوں گے۔ یا یہ کہ آنحضرت ﷺ سے چونکہ تراویح کی گیارہ رکعتیں پڑھنی ثابت ہوئی ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ کے عمل مبارک سے مشابہت کے قصد سے حضرت عمرؓ نے بعض راتوں میں گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا پھر اس کے بعد تراویح کی بیس رکعتیں ہی مستقل طور پر مقرر کی گئیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے بھی ایک روایت تیس رکعتیں پڑھنی منقول ہوئی ہیں جن میں تین رکعتیں وتر کی شامل ہیں۔

نفل نماز میں سہارا لینا جائز ہے: حدیث کے الفاظ کنا نعتمد علی العصاء کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تراویح میں اتنی طویل قرات کی جاتی تھی کہ ہم لوگ قیام میں کھڑے کھڑے تھک جاتے تھے جس کی وجہ سے اپنے عصاء سے ٹیک لگا کر کھڑے ہونے پر ہم لوگ مجبور ہوتے تھے چنانچہ اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ نفل نمازوں میں یوں تو عام طور پر بھی لیکن خاص طور پر ضعف کی حالت میں ٹیک لگانا یا کسی چیز کا سہارا لے لینا جائز ہے۔

⑨ وَعَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ مَا أَدْرَكْنَا النَّاسَ إِلَّا وَهُمْ يُلْعَنُونَ الْكَفُورَةَ فِي رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ الْقَارِي يَقْرَأُ سُورَةَ بَقَرَةَ فِي ثَمَانِي رَكَعَاتٍ فَإِذَا قَامَ بِهَا فِي ثِنْتِي عَشْرَةٍ رَكَعَةٍ رَأَى النَّاسَ أَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت اعرجؓ (تابعی) فرماتے ہیں کہ ”ہم نے ہمیشہ لوگوں کو دیکھا کہ وہ رمضان (کے روزوں) میں کفار پر لعنت بھیجا کرتے تھے اور (اس زمانہ میں) قاری (یعنی نماز تراویح کا امام) سورہ بقرہ کو آٹھ رکعتوں میں پڑھا کرتا تھا اور جو (کبھی) سورہ بقرہ کو بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ نماز ہلکی پڑھ گئی ہے۔“ (مالک)

تشریح: گو حدیث سے بصراحت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کفار پر لعنت پورے رمضان کے وتروں کے ساتھ مخصوص تھا۔ اس طرح تمام حدیثوں میں تطبیق پیدا ہو جائے گی چنانچہ اس مفہوم کو اختیار کرنے کے بعد یہ حدیث حضرت عمرؓ کی اس حدیث کے منافی نہیں ہوگی جس سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب رمضان کا نصف حصہ گزر جائے تو وتروں میں کفار پر لعنت بھیجنا سنت ہے۔

کفار پر لعنت بھیجنے کا سبب یہ تھا کہ جب کفار نے اس بابرکت اور مقدس و با عظمت مہینہ کی تعظیم نہ کی جس کی عظمت و بزرگی خود باری تعالیٰ عزاسمہ نے بیان فرمائی ہے اور سرچشمہ ہدایت و فیضان کلام اللہ سے ذرہ برابر بھی ہدایت حاصل نہیں کی جو اسی با عظمت مہینہ میں نازل ہوا ہے تو وہ اس بات کے مستحق ہوئے کہ ان پر لعنت بھیجی جائے۔

نماز تراویح کی رکعتوں کی تعداد کے بارہ میں ابھی پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے ایک مرتبہ پھر سمجھ لیجئے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز تراویح کی

رکعتوں کی کوئی تعداد متعین نہیں فرمائی تھی بلکہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا عمل مختلف رہا ہے۔ آپ ﷺ سے اٹھ رکعتیں بھی مستون ہیں اور یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے گیارہ رکعتیں پڑھی ہیں۔ اسی طرح تیرہ اور بیس رکعتیں بھی آپ ﷺ سے پڑھنی منقول ہیں مگر حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں تراویح کی بیس رکعتیں متعین فرمادیں اس کے بعد تمام صحابہؓ کا اسی پر عمل رہا حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بھی اپنے اپنے زمانہ خلافت میں اس کا انتظام رکھا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت اپنے اوپر لازم قرار دو، اسے اپنے دانتوں سے پکڑو“

لہذا اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے اس حکم کی موجودگی میں تراویح بیس رکعتوں کے اس لئے قائل نہیں ہوتا کہ ان کا ثبوت قطعی آنحضرت ﷺ سے نہیں ہے تو اس کے بارہ میں سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ منشاء نبوت اور حقیقت سنت کی صریح خلاف ورزی کر رہا ہے۔

نماز تراویح کا انتہائی وقت

⑩ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ أَبِي بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا يَنْبُلٍ يَقُولُ كُنَّا نَصْرِفُ فِي رَمَضَانَ مِنَ الْقِيَامِ فَتَسْتَعِجِلُ الْخِدْمُ بِالطَّلَامِ مَخَافَةَ فُوتِ الشُّحُورِ وَفِي أُخْرَى مَخَافَةَ الْفَجْرِ - (رواہ مالک)

”اور حضرت عبد اللہ ابن ابی بکرؓ فرماتے ہیں کہ ”میں نے حضرت ابی بکرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم رمضان مبارک میں جب قیام (یعنی نماز تراویح) سے فارغ ہوتے تھے تو خادموں سے اس خوف سے کہ کہیں سحری کا وقت ختم نہ ہو جائے جلد کھانے کے لئے کہتے تھے“ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”فجر ہو جانے کے خوف سے (ہم خادموں کو جلد کھانے کے لئے کہتے تھے)۔“ (مالک)

پندرہویں شعبان کی شب میں بنی آدم کی پیدائش و موت لکھی جاتی ہے

⑪ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَذَرِينَ مَا فِي هَذِهِ اللَّيْلَةِ يَغْنَى لَيْلَةَ التَّصْفِ مِنْ شُعْبَانَ قَالَتْ مَا فِيهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ فِيهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ مَا لَكَ مِنْ بَنِي آدَمَ فِي هَذِهِ السَّنَةِ وَفِيهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ مَا لَكَ مِنْ بَنِي آدَمَ فِي هَذِهِ السَّنَةِ وَفِيهَا تُنَزَّلُ آرَاقُهُمْ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا بِرَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى فَقَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا بِرَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى ثَلَاثًا قُلْتُ وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى حَامَتِهِ فَقَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَّعَمِدَنِي اللَّهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهِ يَقُولُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّاعُوَاتِ الْكُبْرَى -

”اور ام المومنین حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا کہ ”کیا تم جانتی ہو کہ اس شب میں یعنی پندرہویں شعبان کی شب میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہؐ مجھے تو معلوم نہیں آپ ﷺ ہی بتائیے کہ کیا ہوتا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”بنی آدم میں کاہرہ شخص جو اس سال میں پیدا ہونے والا ہوتا ہے اس رات میں لکھا جاتا ہے، بنی آدم میں کاہرہ شخص جو اس سال مرنے والا ہوتا ہے اس رات میں لکھا جاتا ہے اس رات میں بندوں کے اعمال (اوپر) اٹھائے جاتے ہیں اور اسی رات میں بندوں کے رزق اترتے ہیں“ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ! کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا“ آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے میں نے عرض کیا ”اور نہ آپ یا رسول اللہ ﷺ (یعنی آپ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو سکتے؟) آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک اپنے سر مبارک پر رکھا اور فرمایا ”اور نہ میں! (یعنی میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوں گا) مگر یہ کہ اللہ جل شانہ، (اپنے فضل و کرم کے صدقہ میں) مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے“ یہ الفاظ بھی آپ ﷺ نے تین بار فرمائے (بیہقی نے یہ روایت دعوات کبیر میں نقل کی ہے)۔“

تشریح: دنیا میں جتنے بھی انسان پیدا ہونگے یا وفات پائیں گے ان سب کی پیدائش و موت کے بارہ میں بہت پہلے ہی عمومی طور پر لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے مگر شعبان کی پندرہویں شب میں پھر دوبارہ ان لوگوں کی پیدائش اور موت کا وقت لکھ دیا جاتا ہے جو اس سال پیدا ہونے والے یا مرنے والے ہوتے ہیں۔

”اعمال اٹھائے جاتے ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ ”اس سال میں بندہ سے جو بھی نیک و صالح اعمال سرزد ہونے والے ہونگے وہ اس رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں جو ہر روز سرزد ہونے کے بعد بارگاہ رب العزت میں اٹھائے جائیں گے۔

”رزق اترنے“ سے مراد رزق کا لکھا جانا ہے یعنی اس سال جس بندہ کے حصہ میں جتنا رزق آئے گا اس کی تفصیل اس شب میں لکھی جاتی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں منقول ہے کہ ”اس شب میں موت اور رزق لکھے جاتے ہیں اور اس سال میں حج کرنے والے کا نام (بھی) اس شب میں لکھا جاتا ہے۔“

حب حضرت عائشہؓ نے سنا کہ وہ اعمال صالحہ جو سال بھر میں بندہ سے سرزد ہونے والے ہوتے ہیں کرنے سے پہلے ہی لکھ دیئے جاتے ہیں تو سمجھیں کہ جنت میں داخل ہونے کا دار و مدار محض تقدیر اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر ہے، دخول جنت عمل پر موقوف نہیں ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا يٰ اَرْسُولَ اللّٰهِ مَا مِنْ يَدٍ تَدْخُلُ الْخِ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بے شک جنت میں داخل ہونا تو محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم ہی پر موقوف ہے وہ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کرے اور جسے چاہے نہ داخل کرے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی قرآن کریم کی اس آیت:

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔

”یہ جنت وہ جو تمہیں اس چیز کے بدلہ میں دی گئی ہے جو تم کرتے تھے۔ (یعنی دنیا میں نیک اعمال کرتے تھے)۔“

کے معارض نہیں ہے کیونکہ نیک اعمال تو جنت میں داخل ہونے کا ظاہری سبب ہیں مگر دخول جنت کا حقیقی سبب تو اللہ جل شانہ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت ہی ہے نہ کہ اعمال نیک پھر یہ کہ نیک اعمال بھی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں۔ اگر کسی بندے کے ساتھ خدا کی توفیق شامل حال نہ ہو اور اس کے فضل و کرم اور اس کی رحمت کا سایہ اس پر نہ ہو تو وہ نیک اعمال کیسے کر سکتا ہے نیک و صالح اعمال تو بندہ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی رحمت بندہ کی رہنمائی کرتی ہے۔ لہذا اس طرح بھی یہی کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہونا تو محض پروردگار کی رحمت پر موقوف ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ ”جنت میں داخل ہونا تو محض پروردگار کی رحمت کے سبب ہے اور جنت میں درجات کا تفاوت اعمال کے تفاوت پر موقوف ہے یعنی بندہ جنت میں داخل تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہو گا ہاں اعمال کی کار فرمائی اس درجہ کی ہوگی جس بندہ کے نیک اعمال جس درجہ کے ہونگے جنت میں اسے اس کے مطابق درجہ ملے گا۔

شب برات میں کینہ توز اور مشرک، پروردگار کی عام بخشش سے محروم ہوتا ہے

(۱۲) وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَيَطْلُعُ فِي لَيْلَةِ التَّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِكُلِّ مَخْلُوقٍ إِلَّا الْمُشْرِكِ أَوْ مُشَاحِنٍ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ وَفِي رَوَايَتِهِ إِلَّا اثْنَيْنِ مُشَاحِنٌ وَقَاتِلُ نَفْسٍ۔

”اور حضرت موسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دُعا عالم نے فرمایا ”اللہ جل شانہ، نصف شعبان کی رات کو (یعنی شب برات میں دنیا والوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور مشرک اور کینہ رکھنے والے کے علاوہ اپنی تمام مخلوق کی بخشش فرماتا ہے“ (ابن ماجہ)، امام احمدؒ نے اس روایت کی عبد اللہ ابن عمرؓ ابن العاصؓ سے نقل کیا اور ان کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ کینہ رکھنے والے اور (ناحق کی کسی کی) زندگی ختم کر دینے والے (کے علاوہ اللہ تعالیٰ اس شب میں تمام مخلوق کی بخشش فرماتا ہے)۔“

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اس بابرکت اور مقدس رات میں اپنی رحمت کاملہ کے ساتھ دنیا والوں پر متوجہ ہوتا ہے تو اس کا دریائے رحمت اتنے جوش میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کو بھی معاف کر دیتا ہے اور اپنی بندگی و عبادت اور اطاعت و فرمانبرداری میں سرزد ہوئی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرما دیتا ہے۔ مگر کفر اور حقوق العباد (بندوں کے حق) کو معاف نہیں فرماتا اور ان کے معاملہ میں اتنی مہلت دیتا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول کی جائے اور اگر توبہ نہ کریں اور اپنی بد اعتقادی اور بد عملی سے باز نہ آئیں تو انہیں عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

کینہ توڑ (کپٹ رکھنے والے) سے مراد وہ شخص ہے جو شرعی جہت سے نہیں بلکہ نفس امارہ کی فریب کاریوں میں مبتلا ہو کر خواہ مخواہ دوسروں کے لئے اپنے سینہ میں بغض و حسد کی آگ جلائے رکھتا ہے ایسا بد باطن شخص بھی اس بابرکت رات میں پروردگار کی عام بخشش سے کوئی حصہ نہیں پاتا شبِ برات میں جو بد بخت رحمت الہی کے سایہ میں نہیں ہوتا بایں طور کہ ان کی بخشش نہیں ہوتی ان کی تفصیل مختلف روایتوں میں مذکور ہے چنانچہ یہاں تو کفر کرنے والے، کینہ توڑ اور ناحق کسی کی جان لینے والے کا ذکر کیا گیا ہے۔

بعض روایتوں میں اتنا اور مقول ہے کہ ناسا کاٹنے والے (یعنی رشتہ داری اور بھائی بندی کو منقطع کرنے اور کرانے والے، کو بھی اللہ تعالیٰ نہیں بخشا۔ اسی طرح بعض روایتوں میں ازار لٹکانے والوں یعنی نخوں سے نیچا پانجامہ، لنگی لٹکانے والوں، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والوں، ہمیشہ شراب پینے والوں، بعض روایتوں میں زنا کرنے والوں، بعض روایتوں میں عشار یعنی ظلم کے ساتھ محصول لینے والوں، جادو کرنے والوں، کاہن، عریف یا غیب کی باتیں بتانے والوں اور صاحبِ عرطبہ یعنی باجا بجانے والوں کا ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ وہ بد بخت لوگ ہیں جو اس مقدس شب میں پروردگار کی رحمت سے محروم رہتے ہیں۔

پندرہویں شعبان کے روزے اور شبِ برات کی عبادت کا حکم

(۱۳) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ التَّصَفُّفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُومُوا لَيْلَهَا وَصُومُوا يَوْمَهَا فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَنْزِلُ فِيهَا لَغُزُوبُ الشَّمْسِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ أَلَا مُبْتَلًى فَأَعَابِيهِ أَلَا كَذَّابٌ أَكْذَابًا حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ”جب نصف شعبان کی رات ہو (یعنی شبِ برات) تو اس رات میں نماز پڑھو اور اس کے دن میں (یعنی پندرہویں کو) روزہ رکھو، کیونکہ اللہ جل شانہ، اس رات میں آفتاب چھپنے کے وقت آسمان دنیا (یعنی نیچے کے آسمان) پر نزول فرماتا ہے (یعنی اپنی رحمت عام کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے) اور (دنیا والوں سے) فرماتا ہے کہ ”آگاہ! ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ میں اسے بخشوں؟ آگاہ! ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے رزق دوں؟ آگاہ! ہے کوئی گرفتار مصیبت کے میں اسے عافیت بخشوں؟ آگاہ! ہے کوئی ایسا اور ایسا (یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر ضرورت اور ہر تکلیف کا نام لے کر اپنے بندوں کو پیکار تاربتا ہے مثلاً فرماتا ہے مثلاً کوئی مانگنے والا کہ میں عطا کروں؟ ہے کوئی غمگین کہ میں اسے خوشی و مسرت کے خزانے بخشوں؟ وغیرہ وغیرہ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: شبِ برات کی عظمتوں اور فضیلتوں کا کیا ٹھکانہ؟ یہی وہ مقدس شب ہے کہ پروردگار عالم اپنی رحمت کاملہ اور رحمت عامہ کے ساتھ اہل دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے دنیا والوں کو اپنی رحمت کی طرف لاتا ہے، ان کے دامن میں رحمت و بخشش اور عطاء کے خزانے بھرتا ہے۔

بشارت ہو ان نفوسِ قدسیہ کو اور ان خوش بختوں کو جو اس مقدس شب میں اپنے پروردگار کی رحمت کا سایہ ڈھونڈتے ہیں عبادت و بندگی کرتے ہیں، اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کی درخواست پیش کرتے ہیں اور مولیٰ ان کی درخواستوں کو اپنی

رحمت کاملہ کے صدقہ قبول فرماتا ہے۔

واحسرتا! ان حراما نصیبوں پر، جو اس بابرکت و با عظمت شب کی تقدیس کا استقبال ہو و لعب سے کرتے ہیں، آتش بازی جیسے قبیح فعل میں مبتلا ہو کر اپنی نیک بختی و سعادت کو مجسم کرتے ہیں، کھیل کود اور حلوے ماندے کے چکر میں پڑ کر رحمت خداوندی سے بعد اختیار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم شب برات کی عظمت و فضیلت کا احساس کریں۔ اس رات کی تقدیس کا احترام کریں اور عبادت و بندگی کا مخلصانہ نذرانہ پروردگار کی بارگاہ میں پیش کر کے اس کی رحمت عامہ سے اپنے دین و دنیا کی سعادتوں اور کامرانیوں کو حاصل کریں اکثر صحابہؓ مثلاً حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہا سے منقول ہے کہ وہ اس رات میں یہ دعا بطور خاص پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ كَتَبْتَ اَشْقِيَاءَ فَاَمَحْهُ وَاَكْتَبْتَ سَعْدَاءَ وَاِنْ كُنْتَ كَتَبْتَ سَعْدَاءَ فَاَنْتَبِهَا فَاَنْتَ تَمَحُّوْ مِنْ تَشَاءُ وَتَنْتَبِهُ عِنْدَكَ اَمْ الْكِتَابُ۔

”اے پروردگار! اگر تو نے (لوح محفوظ) ہمیں شقی لکھ رکھا ہے تو اسے مٹا دے اور ہمیں سعید و نیک بخت لکھ دے اور اگر تو نے (لوح محفوظ میں) ہمیں سعید و نیک بخت لکھ رکھا ہے تو اسے قائم رکھ، بیشک جسے تو چاہے مٹائے اور جسے چاہے قائم رکھے اور تیرے ہی پاس اُم الکتاب (لوح محفوظ) ہے۔

پندرہویں شعبان کی شب میں اس دعا کا پڑھنا حدیث میں منقول ہے لیکن وہ حدیث قوی نہیں ہے اس دعا کے الفاظ ابن کثیر کتبنا اشقیاء میں کتابت سے مراد ”کتابت معلقہ“ ہے کہ اس میں تغیر و تبدل ممکن ہے یہاں ”کتابت محکمہ“ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ لوح محفوظ میں آخری طور پر جو بات محکم لکھ دی گئی ہے اس میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔“

پندرہویں شعبان کی شب میں نماز الفیہ پڑھنے کی حقیقت: کتاب الاالیٰ میں لکھا ہے کہ ”اس رات میں نماز الفیہ یعنی سور کعتیں نقل نماز اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر رکعت میں دس دس قل کی قرأت ہو جیسا کہ دیلمی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔“ لیکن یہ روایت موضوع ہے چنانچہ اس سلسلہ میں بعض رسائل میں لکھا ہے کہ علی بن ابراہیمؒ نے فرمایا کہ یہ ”جو طریقہ رائج کیا گیا ہے کہ پندرہویں شعبان کی شب میں نماز الفیہ پڑھی جاتی ہے۔ (یعنی سور کعتیں اس طرح پڑھتے ہیں کہ ہر رکعت میں دس دس قل کی قرأت ہوتی ہے اور اس کو جماعت سے ادا کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ اس میں نماز جمعہ و عیدین سے بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں اس کے بارہ میں نہ کوئی صحیح حدیث ہی ثابت ہے نہ کسی صحابی و تابعی کا کوئی مضبوط ارشاد ہی منقول ہے الایہ کہ اس سلسلہ میں ضعیف اور موضوع روایتیں ضرور نقل کی جاتی ہیں لہذا کوئی شخص صاحب قوت القلوب اور صاحب اخبار وغیرہا کے مقولات سے اس سلسلہ میں غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے (یعنی یہ نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ) عوام اس نماز کی وجہ سے زیادہ فتنوں میں مبتلا ہو چکے ہیں، یہاں تک کہ اس نماز کی ادائیگی کے وقت روشنی و چراغاں کو ضروری قرار دیدیا گیا تھا جس کی وجہ سے اکثر فسق و فجور کے کام صادر ہونے لگے۔

چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ ان امور کی وجہ سے ڈرے کہ کہیں خدا کا کوئی ادا و عذاب نازل نہ ہو جائے چنانچہ وہ اتنے زیادہ خوف زدہ اور پریشان ہوئے کہ وہ آبادیوں کو چھوڑ کر اور عبادت خداوندی کی آڑ میں ہونے والے فسق و فجور سے منہ موڑ کر جنگلوں میں چلے گئے اس نماز کی ابتدا کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ اول اول یہ نماز بیت المقدس میں ۴۳۸ھ میں شروع ہوئی اور اس طریقہ کے رائج ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ کے جاہل اور اقتدار طلب ائمہ مساجد نے اپنے جذبہ اقتدار و جاہ طلبی کی تسکین کے لئے اور عوام کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اپنے ارد گرد جمع کرنے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا چنانچہ اس طرح انہوں نے بہت سے فائدے بھی حاصل کئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نیک و صالح ائمہ کو پیدا کیا، انہوں نے اس بدعت کی کج کنی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ چنانچہ اللہ کے ان نیک بندوں کی سعی و

کوشش سے یہ طریقہ ختم ہوا یہاں تک کہ ۸۰۰ھ کے اوائل میں مصر و شام کے شہروں میں یہ بدعت بالکل ہی ختم ہو گئی۔
 ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا مضمون نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ۔ ”اس سلسلہ میں میں یہ کہتا ہوں (اتنی بات تو طے ہے کہ نماز الفیہ کے سلسلہ میں حدیث ضعیف منقول ہے اور نقل اعمال کے سلسلہ میں، ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا جائز ہے علماء نے اس نماز کے پڑھنے سے جو منع کیا ہے وہ اس لئے کے اس کے ساتھ بہت زیادہ منکرات (مثلاً چراغاں وغیرہ) کا اجتماع ہو گیا تھا لہذا اگر کوئی شخص تنہا اور مذکورہ بالا منکرات کے بغیر اس نماز کو پڑھنا چاہے تو جائز ہے پڑھ سکتا ہے

اس نماز کے وقت چراغاں کی ابتدا اور اس کی وجہ کے بارہ میں منقول ہے کہ ”اول اول چراغاں کا رواج قوم ہرامکہ میں ہوا۔ کیونکہ یہ قوم پہلے آتش پرست تھی جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو چونکہ ان کے قلب کی گہرائیوں نے ایمان اور اسلام کو پوری طرح قبول نہیں کیا تھا اور ان کے دل میں اپنے قدیم مذہب کی کسی نہ کسی حیثیت محبت باقی تھی اس لئے انہوں نے ایک ایسی چیز کو اسلام میں داخل کیا جو اس وہم میں مبتلا کر دے کہ یہ سنت اور شعار دین میں سے ہے۔ یعنی اس نماز کے وقت چراغاں کرنے لگے جس سے دراصل ان کا مقصد آگ کی عبادت کرنا تھا کیونکہ وہ عام مسلمانوں کے ساتھ اس (چراغ کی شکل میں) آگ کی طرف رکوع و سجدہ کرتے تھے۔

کسی بھی عمل کے وقت چراغاں کرنا مستحب نہیں ہے: کسی دوسری ضرورت و حاجت کے وقت کسی بھی جگہ چراغاں کرنا شریعت میں مستحب نہیں ہے چنانچہ بعض حاجی جو پڑھے لکھے نہیں ہوتے جبل عرفات مشعر حرام اور منی میں چراغ وغیرہ جلاتے ہیں اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ یہ اختراع محض ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

تراویح کی ختم رات میں نمائشی اجتماع بدعت ہے: علامہ طرطوسی کی تحقیق یہ ہے کہ ”جس رات میں تراویح ختم ہوتی ہے اس موقع پر (محض ختم میں شرکت کے لئے) عوام کا اجتماع یا منبر وغیرہ نصب کرنا (یا چراغاں کرنا) بدعت ہے۔

ملا علی قاری ”علامہ طرطوسی کی اس تحقیق کے بارہ میں کہتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ طرطوسی پر اپنی رحمت نازل فرمائے انہوں نے کیا (عمدہ) تحقیق کی ہے اور (بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ) اس غلط طریقہ کو اہل حرمین شریفین نے اختیار کیا ہوا ہے چنانچہ وہاں جس رات میں تراویح ختم ہوتی ہے اس موقع پر مردوں، عورتوں، لڑکوں اور غلاموں کا اس قدر (اور اتنے اہتمام کے ساتھ) اجتماع ہوتا ہے کہ نماز عیدین، نماز جمعہ اور نماز کسوف میں بھی اتنے زیادہ لوگ جمع نہیں ہوتے۔ اس اجتماع کے موقع پر بہت زیادہ نئے نئے منکرات اور غلط اور فاسد اعمال اور افعال کا صدور ہوتا ہے لوگ چراغوں کی طرف منہ کرتے ہیں اور بیت اللہ شریف کی طرف پیٹھ کرتے ہیں اور مظاف کے بیچ میں بالکل آتش پرستوں کی طرح اس ازدحام کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں کہ وہاں کی جگہ طواف کرنے والوں کے لئے تنگ اور پریشان کن ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس طواف کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنے والے نمازی اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے بہت زیادہ تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں فَتَسْأَلُ اللّٰهُ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْغُفْرَانَ وَالرِّضْوَانَ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانَ۔

باب صلوٰۃ الصّحی

نماز صّحی کا بیان

”صحی“ مشتق ہے الصّحْوُ وَالصّحْوَةُ سے جس کے معنی ہیں ”آفتاب کا بلند ہونا، دن کا چڑھنا، چاشت کا وقت، چنانچہ آفتاب بلند ہونے کے بعد پڑھی جانے والی نماز کو ”نماز صّحی“ کہتے ہیں۔

صحی کی دو نمازیں ہیں نماز اشراق اور نماز چاشت: صحی کی دو نمازیں ہیں ایک نماز کو ”اشراق“ کہتے ہیں اور دوسری نماز ”نماز چاشت“ کہلاتی ہے یعنی بقدر ایک یا دو نیزہ آفتاب بلند ہونے کے بعد، جب کہ وقت مکروہ ختم ہو جاتا ہے اور نماز پڑھنے کا وقت شروع

ہو جاتا ہے تو پہلے پھر تکبیر کی جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے اصطلاح میں ”نماز اشراق“ کہتے ہیں اور جب آفتاب خوب بلند ہو جائے، فضاء میں اچھی طرح گرمی پیدا ہو جائے اور دھوپ اتنی زیادہ پھیل جائے کہ دوسرا پہر شروع ہو جائے تو زوال سے پہلے پہلے صبح کی نماز پڑھی جاتی ہے وہ اصطلاح میں ”نماز چاشت“ کہلاتی ہے عربی میں ان دونوں نمازوں کو ضحوة صغریٰ اور ضحوة کبریٰ کہتے ہیں۔

نسائی نے ایک روایت نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ”جب آفتاب مشرق کی جانب ایسا ہوتا ہے جیسا کہ عصر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے تو آنحضرت ﷺ دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اور جب آفتاب مشرق کی جانب ایسا ہوتا جیسا کہ ظہر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے تو آپ ﷺ چار رکعت نماز پڑھتے۔“

اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ صبح کی دو نمازیں ہیں۔

نماز اشراق کی کم از کم دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ چھ رکعتیں۔ اسی طرح نماز چاشت کی کم سے کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں لیکن علماء کے نزدیک مختار چار رکعتیں ہی پڑھنا ہے کیونکہ جن احادیث سے آنحضرت ﷺ کا چار رکعتیں پڑھنا ثابت ہے وہ احادیث زیادہ صحیح ہیں پھر یہ کہ زیادہ احادیث و آثار چار رکعتوں ہی کے بارے میں منقول ہیں۔

نماز صبح کی بہت زیادہ فضیلت منقول ہے یہ نماز اکثر علماء کے قول کے مطابق مستحب ہے یہ نماز اس نیت سے پڑھی جاتی ہے۔

نَوَيْتُ أَنْ أُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ صَلَوةَ الصُّبْحِ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

”میں نے یہ ارادہ کیا کہ چار رکعت نماز صبح جو نبی کریم ﷺ کی سنت ہے پڑھوں۔“

شیخ ولی الدین ابن عراقیؒ فرماتے ہیں کہ ”صلوۃ صبحی کے بارہ میں صحیح اور مشہور حدیثیں بہت زیادہ منقول ہیں یہاں تک کہ محمد ابن جریر طبرانی نے کہا ہے کہ اس بارہ میں جو احادیث منقول ہیں وہ درجہ تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں۔

قاضی ابوبکرؒ فرماتے ہیں کہ ”یہ نماز پچھلے انبیاء اور رسولوں کی نماز ہے۔“

علامہ سیوطیؒ نے دیلمی سے حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ ”نماز صبحی حضرت داؤد علیہ السلام کی اکثر نماز ہے۔“

ابن بخاریؒ نے حضرت ثوبانؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ ”نماز صبحی وہ نماز ہے جسے حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔“

الفصل الاول

نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں

① عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْنَهُمَا يَوْمَ فَتَحَ مَكَّةَ فَأَغْتَسَلَ وَصَلَّى ثَمَانِي رَكَعَاتٍ فَلَمْ أَرَ صَلَاةً قَطُّ أَحْفَ مِنْهَا غَيْرَ أَنَّهُ يَتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ وَقَالَتْ فِي رِوَايَةٍ أُخْرَى وَذَلِكَ صُحْحِي۔ (تتق علیہ)

”حضرت ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جب فتح مکہ کے دن میرے مکان میں تشریف لائے تو (پہلے) آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور (اس کے بعد) آٹھ رکعت نماز پڑھی میں نے اس سے پہلے آپ ﷺ کی اس سے ہلکی کوئی نماز نہیں دیکھی لیکن آپ رکوع و سجود پورا کرتے تھے۔ ایک دوسری روایت میں انہوں نے فرمایا کہ ”یہ نماز چاشت تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت ام ہانیؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بہن ہیں۔ ان کا نام فاخہ تھا یہ بڑی عظمت و فضیلت کی مالک صحابیہ ہیں مکہ میں آنحضرت ﷺ کی زیادہ تر تبلیغی جدوجہد کامر کر انہیں کامکان تھا۔

چاشت کی نماز آپ ﷺ نے آٹھ رکعتیں یا دو دو سلام کے ساتھ یعنی چار چار رکعت کر کے پڑھی ہوں گی یا یہ بھی احتمال ہے کہ چار سلام

کے ساتھ یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھی ہوں بہر حال ”ہلکی نماز“ کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت آپ ﷺ نے زیادہ طویل سورتوں کی قرأت نہیں فرمائی اسی طرح تسبیحات وغیرہ بھی زیادہ نہیں پڑھیں۔

نماز صحنی میں آنحضرت ﷺ کی نماز کی رکعتوں کی تعداد

② وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلَاةَ الصُّحَى قَالَتْ أَرْنَعُ رَكَعَاتٍ وَيَزِيدُ مَا شَاءَ اللَّهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت معاذہ فرماتی ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ سرتاج دوعالم ﷺ نماز صحنی کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ ”آپ چار رکعتیں پڑھتے تھے اور اس سے زیادہ بھی جس قدر اللہ چاہتا تھا پڑھتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ ویزید ما شاء اللہ کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ نماز صحنی کی آپ ﷺ زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت پڑھتے تھے بارہ سے زیادہ کی تعداد کسی حدیث میں منقول نہیں ہے۔

یہ حدیث دونوں وقت کی نماز کو مختل ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں مذکورہ سوال وجواب کا تعلق نماز اشراق سے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نماز چاشت سے ہو۔

کتاب اجبار میں لکھا ہے کہ ”بہتر یہ ہے کہ ان نمازوں میں سورہ والشمس، سورہ واللیل، سورہ والضحیٰ اور الم نشرح کی قرأت کی جائے۔“

نماز صحنی کی فضیلت

③ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ عَلَى كُلِّ سَلَامِي مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزَى مِنْ ذَلِكَ رَكَعَتَانِ يَزِيدُ كُفَّهُمَا مِنَ الصُّحَى۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ذرؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا ”صبح ہوتے ہی تمہاری ہر ہڈی پر صدقہ لازم ہو جاتا ہے لہذا ہر تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے ہر تحمید یعنی الحمد للہ کہنا صدقہ ہے ہر تحلیل یعنی لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے ہر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے برائی سے روکنا صدقہ ہے۔ اور ان سب کے بدلہ میں نماز صحنی کی دو رکعتیں پڑھ لینا کافی ہوتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب انسان صبح کرتا ہے اور اس کے جسم کی ایک ایک ہڈی اور ایک ایک جوڑ آفت و بلا سے صحیح و سالم ہوتا ہے۔ تو اس کی وجہ سے وہ کاروبار اور دنیا کی دیگر مصروفیات میں مشغول رہنے کے قابل رہتا ہے لہذا اس عظیم نعمت پر ادائیگی شکر کے لئے ایک ایک ہڈی کے عوض اسے صدقہ دنیا لازم ہوتا ہے اور یہ صدقہ صرف چند کلمات ہیں جن کو پڑھنے سے ایک ایک ہڈی اور ایک ایک جوڑ کی طرف سے صدقہ ادا ہو جاتا ہے اور وہ کلمات بھی بھاری بھر کم نہیں ہیں، زیادہ طویل اور سخت نہیں ہیں بلکہ نہایت آسان اور بلا تکلف ادا ہونے والے ہیں یعنی سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر۔

وَيُجْزَى مِنْ ذَلِكَ كَمَا مَطْلَبُ يَہے کہ ان کلمات کے کہنے کی بجائے اگر صحنی کی دو رکعتیں پڑھ لی جائیں تو شکرانہ ادا ہو جاتا ہے ان کلمات کے کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ نماز تو پورے بدن اور تمام اعضا جسمانی کا عمل ہے جس کے ذریعہ بدن کا ایک ایک عضو مصروف عبادت ہو کر اپنا اپنا شکرانہ ادا کرتا ہے لہذا مناسب اور بہتر یہ ہے کہ اس نماز کو ہمیشہ پڑھنا چاہئے۔

نماز چاشت کا بہتر وقت

④ وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ أَرْقَمٍ أَنَّهُ رَأَى قَوْمًا يُصَلُّونَ مِنَ الصُّحَى فَقَالَ لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّ الصَّلَاةَ فِي غَيْرِ هَذِهِ السَّاعَةِ أَفْضَلُ إِنَّ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الْوَائِبِينَ حِينَ تَرْمِضُ الْفَصَالُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت زید ابن ارقمؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو غمی کے وقت (چاشت کی) نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ لوگ (احادیث کے ذریعہ) جانتے ہیں کہ اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں نماز پڑھنا بہتر ہے (یعنی اس وقت زیادہ)۔ ثواب ملتا ہے چنانچہ) سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”اللہ جل شانہ کی جانب کامل توجہ رکھنے والوں کی نماز کا وقت وہ ہے۔ جب کہ اونٹوں کے بچے (یعنی ان کے پیر) گرم ہونے لگیں۔“ (مسلم)

تشریح: جب حضرت زیدؓ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے نماز چاشت کے مختار اور بہتر وقت کا انتظار نہیں کیا بلکہ اول وقت ہی نماز پڑھنے لگے تو انہیں بہت تعجب ہوا اور ان کے بارہ میں فرمایا کہ اگرچہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی حدیث سن چکے ہیں اور انہیں علم ہے کہ یہ وقت نماز چاشت کا افضل وقت نہیں ہے بلکہ افضل اور بہتر وقت تو اس کے بعد شروع ہوگا اس کے باوجود یہ لوگ اس وقت نماز نہ معلوم کیوں پڑھ رہے ہیں؟ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں بتایا کہ نماز چاشت کا بہتر اور افضل وقت وہ ہے جب کہ اونٹوں کے بچے گرم ہونے لگیں یعنی آفتاب بلند ہو جائے اور دھوپ اتنی پھیل جائے کہ گرمی کی شدت سے زمین گرم ہو جائے جس کی وجہ سے اونٹوں کے پیر جلنے لگیں اور دھوپ و گرمی میں اتنی شدت تقریباً ڈیڑھ پہر گزرنے پر آتی ہے۔

بہر حال اس حدیث سے صریح طور پر معلوم ہو گیا کہ نماز چاشت کا وقت یہ ہے کہ آفتاب خوب بلند ہو جائے، دھوپ اچھی طرح پھیل جائے اور ایک پہر ختم ہونے کے بعد دوسرا پہر شروع ہو جائے اس طرح اس نماز کا آخری وقت دو پہر یعنی زوال سے پہلے پہلے تک ہوگا۔ نماز چاشت کا مذکورہ وقت افضل اس لئے ہے کہ اس وقت عام طور پر طبیعت میں کسل و سستی پیدا ہو جاتی ہے اور جی پکی چاہتا ہے کہ آرام کیا جائے لہذا ایسے وقت میں آرام اور طبیعت کے تقاضہ کو پس پشت ڈال کر وہی بندگان خدا نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جو بارگاہ رب العزت کی طرف کامل رجوع اور توجہ رکھتے ہیں۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

نماز چاشت کی برکت

⑤ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَابْنِ أَبِي ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّهُ قَالَ يَا ابْنَ آدَمَ إِذَا كُنْتَ لِي أَرْبَعًا رَكَعَاتٍ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفَلَكَ أَجْرَهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ نَعِيمِ بْنِ هَمَّازٍ الْغَطَفَانِيِّ وَاحْمَدُ عَنْهُمْ۔

”حضرت ابو الدرداءؓ اور حضرت ابوذرؓ (دونوں) روایت کرتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو دن کے شروع حصہ میں چار رکعت نماز خالص طور پر میرے لئے (یعنی جذبہ نمائش و ریاء سے پاک ہو کر) پڑھ! میں تجھ کو اس دن کی شام تک کفایت کروں گا۔“ (ترمذی) ابو داؤد، و دارمی نے نعیم ابن ہمار غطفانی سے اور امام احمدؒ نے ان سب سے یہ روایت نقل کی ہے۔“

تشریح: خداوند قدوس کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ”اے بندے! تو دن کے ابتدائی حصہ میں محض میری رضا اور خوشنودی کی خاطر چار رکعت نماز پڑھ لیا کر جس کے بدلہ میں میں دن کے آخری حصہ یعنی شام تک تیری حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرتا رہوں گا۔ اور تیرے دل میں جو کچھ برائی یعنی پریشانی اور تنگی ہے میں اسے ختم کروں گا گویا دن کے ابتدائی حصہ میں میری عبادت کے لئے اپنا دل فارغ رکھ میں دن کے آخری حصہ تک تیری حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کر کے تیرے دل کو اطمینان و فراغت بخشوں گا۔ مَنْ كَانَ لِلَّهِ كَانَ اللَّهُ لَهُ“

(یعنی جو کچھ شخص خدا کا ہو جاتا ہے خدا اس کا ہو جاتا ہے)

”دن کے شروع حصہ میں چار رکعت نماز“ سے نماز اشراق بھی مراد لی جاسکتی ہے اور نماز چاشت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

نماز اشراق کی فضیلت

① وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي الْإِنْسَانِ ثَلَاثٌ مِائَةٌ وَسِتُّونَ مَفْصِلًا فَعَلَيْهِ أَنْ يَتَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ مَفْصِلٍ مِنْهُ بِصَدَقَةٍ قَالُوا وَمَنْ يُطِيقُ ذَلِكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ قَالَ الشُّخَاعَةُ فِي الْمَسْجِدِ تَدْفِنُهَا وَالشَّيْءُ تُسْحِيهِ عَنِ الظَّرْبِ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فَرُكْعَتَا الصُّحَى تُجْزِئُكَ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”انسان (کے جسم) میں تین سو ساٹھ بند (جوڑ) ہیں لہذا ہر انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے (جسم کے) ہر جوڑ کے بدلہ میں صدقہ دے“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ!! کون اس کی طاقت رکھتا ہے؟“ (کہ اپنے جسم کے ہر ہر جوڑ کے بدلہ میں صدقہ دے) آپ ﷺ نے فرمایا ”مسجد میں پڑے ہوئے تھوک کو دفن کر دینا (صدقہ ہی دینا ہے) راستہ سے کسی (تکلیف دہ) چیز (مثلاً نجاست کاغذ، پتھر) کو ہٹا دینا (بھی ایک صدقہ ہے) اور اگر تو (تین سو ساٹھ جوڑوں کی طرف سے صدقہ دینے والی کوئی چیز نہ پاؤ تو سحیٰ) یعنی اشراق کی دو رکعتیں پڑھ لینا تمہارے لئے کافی ہے۔“ (اس کے بعد کسی دوسرے صدقہ کی ضرورت نہیں ہے)۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ”لازم“ سے مراد وجوب شرعی نہیں ہے کہ جس کو چھوڑنے والا گنہ گار ہوتا ہے بلکہ تاکید مراد ہے کیونکہ نہ توضیح کی دو رکعتوں کو خواہ وہ نماز اشراق ہو یا نماز چاشت کسی بھی امام اور عالم نے واجب کہا ہے اور نہ کسی کے نزدیک مذکورہ بالا دونوں صدقے ہی واجب ہیں۔ اگرچہ نہ صرف یہ کہ شریعت کی رو سے بلکہ عقلاً بھی دیکھا جائے تو فیصلہ یہی کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت پر اجمالی اور تفصیلی دونوں طریقوں سے شکر ادا کرنا ہر انسان پر واجب ہے۔

② وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الصُّحَى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رُكْعَةً بَنَى اللَّهُ لَهُ قَصْرًا مِنْ ذَهَبٍ فِي الْجَنَّةِ زَوَاهِ التَّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ۔

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص سحیٰ کی بارہ رکعتیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بناتا ہے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ) اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ہم ہجری اسناد کے (یعنی جو ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے) اور کسی سند سے اسے نہیں جانتے۔“

③ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ فِي مُصَلَاةٍ حِينَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى يَسْبَحَ رُكْعَتَي الصُّحَى لَا يَقُولُ إِلَّا خَيْرًا غُفِرَ لَهُ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

(رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت معاذ بن انسؓ جنہیؒ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص فجر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ (برابر) بیٹھا رہے یہاں تک کہ (آفتاب) طلوع اور بلند ہونے کے بعد سحیٰ کی دو رکعتیں پڑھے اور ان دونوں یعنی نماز فجر و نماز سحیٰ کے درمیان نیک کلام کے علاوہ دوسری بات نہ کرے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ دریا کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔“ (ابو داؤد)

تشریح: حدیث کے پہلے جز ”من قعد الخ“ کی تشریح میں ملا علی قاریؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ ”اگر کوئی شخص فجر کی نماز پڑھ کر زکرو فکر میں مشغول اور نیک کاموں مثلاً علم کے سیکھنے سکھانے، وعظ و نصیحت اور بیت اللہ کے طواف میں مصروف رہے اور جب سورج طلوع ہو کر بلند ہو جاتا ہے تو خواہ گھر میں خواہ مسجد میں نماز سحیٰ کی دو رکعتیں پڑھ لے اور یہ کہ نماز فجر اور نماز

ضحیٰ کے درمیان سوائے نیک اور صالح کلام کے کوئی اور گفتگو و کلام نہ کرے تو اس کے صغیرہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ جل شانہ، اپنے فضل و کرم کے صدقہ میں گناہ کبیرہ بھی بخش دے۔
لہذا ملا علی قاریؒ کی اس تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ ارشاد گرامی ”من قعد“ (جو شخص بیٹھا رہے) بطور تمثیل کے فرمایا گیا ہے ورنہ تو یہاں ذکر اللہ اور نیک کاموں میں مشغول رہنا مراد ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ کہ ”یہاں ضحیٰ کی نماز سے اشراق کی نماز مراد ہے جب کہ دوسری احادیث میں ضحیٰ سے اشراق اور چاشت دونوں نمازیں متعلیٰ ہوتی ہیں اور بظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”یہ ثواب اسی شخص کو ملتا ہے جو نماز فجر سے فارغ ہو کر اسی جگہ بیٹھا رہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے اور کوئی شخص اس جگہ سے اٹھ کر خلوت میں جا کر بیٹھ گیا اور وہاں ذکر اللہ و عبادت میں مشغول رہا تو اسے مذکورہ ثواب نہیں ملے گا۔ اگرچہ بعض علما نے لکھا ہے کہ اگر پریشانی کا ذکر ہو یا یہ کہ ریا و نمائش کا و سوسہ پیدا ہو جانے کا شوق ہم تو ایسی صورت میں خلوت میں جا کر عبادت و ذکر اللہ میں مشغولیت اختیار کی جائے علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایسے موقع پر قبلہ رخ بیٹھنے کو ضروری سمجھا جائے اور اگر نیند کا غلبہ ہونے لگے تو اسے دفع کیا جائے۔
شیخ الاسلام شہاب الدین سہروردیؒ نے کہا ہے کہ ”ایسا عمل جس کی جزا دنیا ہی میں فی الوقت باطن کی نورانیت کی شکل میں حاصل ہوتی ہے، یہی عمل ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلَى شَفْعَةِ الضُّحَى غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ - (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا جو شخص ضحیٰ کی دو رکعتوں پر محافظت کرتا ہے (یعنی ہمیشہ پڑھتا ہے) تو اس کے تمام (صغیرہ) گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ وہ دریا کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔“ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت عائشہؓ اور نماز ضحیٰ

⑩ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تُصَلِّي الضُّحَى ثَمَانِي رَكَعَاتٍ ثُمَّ تَقُولُ لَوْ نَشِئُ لِي أَبُوَاي مَا تَرَكَتُهَا - (رواہ مالک)

”اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ نماز ضحیٰ کی آٹھ رکعتیں پڑھا کرتی تھیں فرماتیں کہ میرے لئے میرے ماں باپ بھی زندہ کر دیئے جائیں تو بھی میں اس نماز کو نہ چھوڑوں۔“ (امام مالک)

تشریح: حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد مبالغہ کے لئے تعلیق بالحال ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اس نماز کو پڑھ کر اتنی زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے اور اتنا مسرور ہوتا ہے کہ اگر میرے ماں باپ بھی زندہ ہو جائیں باوجودیکہ ان کا زندہ ہونا محال ہے تو ان سے ملاقات کی خوشی اور مسرت بھی مجھے اس نماز سے نہیں روک سکتی۔ گویا حضرت عائشہؓ نے اس کے ذریعہ لوگوں کو ترغیب دلائی ہے کہ اس نماز کو ہمیشہ باقاعدگی کے ساتھ پڑھا جائے۔

نماز ضحیٰ کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کا معمول

⑪ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى حَتَّى يَقُولَ لَا يَذُغُهَا وَيَذُغُهَا حَتَّى يَقُولَ لَا يَصْلِيَهَا - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ سرتاجِ دوعالم ﷺ (جب) ضحیٰ کی نماز پڑھتے تو ہم کہتے کہ اب آپ اس نماز کو چھوڑیں گے نہیں اور جب (کبھی) چھوڑتے تو ہم کہتے کہ اب آپ اس نماز کو پڑھیں گے۔“ (ترمذی)

تشریح: جیسا کہ نفل اعمال کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کوئی بھی نفل عمل ہمیشہ نہیں کرتے تھے تاکہ اس التزام کی وجہ سے وہ عمل فرض نہ ہو جائے۔ اسی طرح نماز ضحیٰ کے بارہ میں بھی آپ ﷺ کا یہی معمول تھا کہ آپ ﷺ اُمت کے حق میں انتہائی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، اس نماز کو کبھی کبھی ترک فرمادیتے تھے تاکہ التزام کے طور پر ہمیشہ اس نماز کو پڑھنے سے اس کی فرضیت کا حکم نازل نہ ہو جائے جس سے اُمت کے لوگ تنگی میں مبتلا ہو جائیں۔

اس موقع پر اتنی بات سمجھ لیجئے کہ یہ آنحضرت ﷺ ہی کی خصوصیت تھی کوئی بھی نفل آخرت ﷺ کے التزام کی وجہ سے فرض ہو جاتا تھا اگر اُمت کے لوگ کوئی نفل التزام کے ساتھ کریں تو فرض نہیں ہوگا۔ لہذا اب تمام مسلمان التزام کے ساتھ نماز ضحیٰ ہمیشہ پڑھیں گے تو یہ نماز فرض نہیں ہوگی بلکہ مستحب ہی رہے گی۔

(۱۲) وَعَنْ مُوَرِّقِ الْعَجَلِي قَالَ قُلْتُ لَابْنِ عُمَرَ تَصَلِّي الضُّحَى قَالَ لَا قُلْتُ فَعُمَرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَأَبُو بَكْرٍ قَالَ لَا قُلْتُ فَالْتَّجِبِي صَلَّي اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا إِخَالَفَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت مورقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ ”کیا آپ ضحیٰ کی نماز پڑھتے ہیں؟“ انہوں نے فرمایا کہ ”نہیں“ میں نے کہا کہ ”حضرت عمرؓ؟“ انہوں نے فرمایا کہ ”وہ بھی نہیں پڑھتے تھے“ پھر میں نے پوچھا کہ ”حضرت ابو بکرؓ؟“ انہوں نے فرمایا کہ ”وہ بھی نہیں پڑھتے تھے۔“ پھر میں نے پوچھا کہ ”اچھا آنحضرت ﷺ؟“ انہوں نے فرمایا کہ ”میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ بھی نہیں پڑھتے۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت ابن عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے بارہ میں نماز ضحیٰ پڑھنے کی جو نفی فرمائی اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ انکار اس بات پر مبنی ہے کہ آپ مسجد میں ضحیٰ کی نماز نہیں پڑھتے تھے یا حضرت ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کے عمل مبارک اور اس نماز کے پڑھنے کے بارہ میں آپ ﷺ کے ارشاد پر مطلع نہیں ہو سکے یا پھر یہ کہ حضرت ابن عمرؓ نے مطلقاً نفی نہیں فرمائی۔ بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ اس نماز کو مستقل طریقہ سے ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے تاکہ یہ نماز فرض قرار نہ دیدی جائے۔

بہر حال اس نماز کا آنحضرت ﷺ سے پڑھنا اور دوسروں کے لئے اس کے پڑھنے پر تاکید کرنا بہت روایتوں سے ثابت ہے۔ اس لئے اس نماز کے ثبوت میں اس روایت سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

لاحضیٰ فرماتے ہیں کہ چونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد اس نماز کے فرض ہو جانے کا کوئی اندیشہ نہیں رہا اس لئے یہ کہنا زیادہ مناسب اور بہتر ہے کہ تمام مسلمانوں کو اس نماز پر مداومت یعنی ہمیشہ پابندی کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے۔ چنانچہ اکثر علما اور مشائخ کا یہ مسلک ہے۔

بَابُ التَّطَوُّعِ

نفل نماز کا بیان

”تطوع“ طوع و طاعت سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ”انقیاد اور فرمانبرداری کرنا“ نافلہ عبادت کو تطوع اور نافلہ کرنے والے کو ”مُتَطَوِّع“ کہتے ہیں لہذا اس باب کے تحت اس نمازوں سے متعلق احادیثِ نفل نقل کی جائیں گی جو نفل ہیں۔

یوں تو فرض و واجب کے سوا ہر نماز کو نفل کہتے ہیں خواہ سنت ہو یا مستحب لیکن ”تطوع“ کا اطلاق اکثر ان نمازوں پر ہوتا ہے جو غیر رواتب یعنی غیر سنت مؤکدہ ہوتی ہے۔

الفصل الأول

تحیۃ الوضو کی فضیلت

① وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَلَالٍ عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ يَا بَلَالُ حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ فَإِنِّي سَمِعْتُ ذَكَرَ نَعْلِكَ يَدْنِي فِي الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجَى عِنْدِي أَتَى لَمْ أَتَظْهَرُ ظُهُورًا فِي سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ إِلَّا صَلَّيْتُ بِذَلِكَ الظُّهُورِ مَا كُتِبَ لِي أَنْ أَصَلِّيَ - (متفق عليه)

”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن سرتاجِ دو عالم ﷺ نے نماز فجر کے وقت حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ بلال ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے حالت اسلام میں کون سا عمل کیا ہے جس سے تمہیں ثواب کی بہت زیادہ امید ہے کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سنی ہے۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا ”میں نے ایسی زیادہ امید کا کوئی عمل نہیں کیا سوائے اس کے کہ رات دن میں جب بھی میں پاکی حاصل کرتا ہوں تو اس پاکی سے جس قدر میرے مقدرمیں ہے میں نماز ضرور پڑھتا ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا جنت میں اپنے آگے حضرت بلالؓ کے قدموں کی آواز سننا بذریعہ مکاشفہ تھا کہ عالم غیب سے آپ ﷺ پر نیند کی حالت میں یا حالت بیداری میں یہ ظاہر کیا گیا یا پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں جنت میں اپنے آگے حضرت بلالؓ کے جوتوں کی آواز سنی ہوگی۔

حضرت بلالؓ کا آنحضرت کے آگے چلنا (جیسا کہ آپ ﷺ نے ان کے جوتوں کی آواز سنی) اسی درجہ میں تھا جس درجہ میں کہ خدام کا مخدوم کے آگے چلنا ہوتا ہے۔

”پاکی“ سے مراد وضو بھی ہو سکتا ہے اور غسل و تیمم بھی۔ اسی طرح یہ تینوں بھی اس سے مراد لئے جاسکتے ہیں۔

اس حدیث میں جس نماز کی فضیلت کا بیان کیا گیا ہے وہ نماز وہ ہے جو وضو کرنے کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس نماز کو اصطلاح میں تحیۃ الوضو یا شکر وضو کہتے ہیں۔

استخارہ کی نماز و دعا

② وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُنَا الْإِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كَمَا يَعْلَمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ إِذَا هُمْ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اللَّهُمَّ إِن كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أُمْرِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاقْدِرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أُمْرِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ ارْضِنِي بِهِ قَالَ وَيُسَمَّى حَاجَتَهُ - (رواه البخاری)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ ہمارے تمام کاموں کے لئے دعائے استخارہ اس طرح سکھاتے تھے۔ جیسے قرآن کریم کی کوئی سورۃ سکھاتے تھے (یعنی آپ ﷺ اس دعا کی تعلیم کا بہت اہتمام رکھتے تھے) چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ”جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ فرض نماز کے علاوہ دو رکعت (نفل) پڑھے پھر یہ دعا پڑھے۔“

اے اللہ! میں تیرے علم کے وسیلے سے تجھ سے بھلائی مانگتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطے سے (نیک عمل کرنے کی) تجھ سے قدرت مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں کیونکہ تو ہی (ہر چیز پر) قادر ہے میں (تیری مرضی کے بغیر کسی چیز پر) قادر نہیں ہوں، تو

(سب چیزوں کو جانتا ہے میں کچھ نہیں جانتا اور تو پوشیدہ باتوں کو بھی جاننے والا ہے، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (یعنی مقصد) میرے لئے میرے دین میں، میری دنیا میں، میری زندگی اور میری آخرت میں، یا فرمایا، اس جہان (یعنی دنیا) میں اور اس جہان (آخرت) میں بہتر ہے تو اسے میرے لئے بہتیا فرما دے اور اسے میرے لئے آسان فرما دے، پھر اس میں میرے واسطے برکت دے اور اگر تو اس امر (یعنی میرے مقصد اور میری مراد) کو میرے دین، میری زندگی اور میری آخرت میں، یا فرمایا، اس جہان اور اس جہان میں برا جانتا ہے تو مجھے اس سے اور اسے مجھ سے پھیر دے اور میرے لئے جہاں بھلائی ہو وہ بہتیا فرما پھر اس کے ساتھ مجھے راضی کر۔“ (بخاری) راوی کہتے ہیں کہ (لفظ مذالامر کی جگہ) اپنی حاجت کا نام لینا چاہئے۔“ (بخاری)

تشریح: اگر ایسے کام کا ارادہ کیا جائے جو مباح ہو اور اس کی کامیابی و بھلائی میں شک و تردد ہو مثلاً سفر کا ارادہ ہو، تجارت شروع کرنے کا خیال ہو، نکاح کرنا چاہتا ہو یا اسی قسم کے دوسرے مباح کام تو ایسے موقع پر مناسب اور بہتر یہ ہے کہ استخارہ کو اپنا راہرو مشیر بنایا جائے۔ کھانے پینے یا اسی قسم کے دوسرے مقرر و متعین کاموں کے لئے استخارہ نہیں کرنا چاہئے اگر کوئی کام خیر محض ہو تو اس میں استخارہ نہ کیا جائے استخارہ کی برکت یہ ہے کہ کام شروع کرنے والے کے حق میں جو بات بھی بہتر ہوتی ہے وہ اس کے دل میں جگہ لے لیتی ہے اور دل اپنے حق میں بہتر بات ہی کا فیصلہ کرتا ہے۔

استخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ با وضو ہو کر کسی بھی وقت علاوہ اوقات مکروہ کے استخارہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے اور اس کے بعد مذکورہ دعا پڑھی جائے۔ اگر سنت کی، تحیۃ المسجد کی یا تحیۃ الوضو کی پڑھی جانے والی نمازوں میں سے ہی دو رکعت پڑھنے کے بعد دعاء استخارہ پڑھی جائے تو بھی جائز ہے لیکن اولیٰ یہی ہے کہ علیحدہ سے دو رکعت نماز بطور خاص استخارہ کی نیت ہی سے پڑھنی چاہئے۔ اس نماز میں جو بھی سورت پڑھنی چاہے پڑھ سکتا ہے کسی خاص سورۃ کا تعین نہیں ہے تاہم بعض روایتوں میں کہ قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ پڑھنا بہتر ہے۔

دعا کے الفاظ ”او عاجل امری“ میں صرف اور صرف راوی کے شک کو ظاہر کر رہا ہے، یعنی راوی کو شک واقع ہو گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فی دینی و معاشی و عاقبہ امری فرمایا ہے یا ان تینوں الفاظ کی جگہ عاجل امری و اجلہ فرمایا۔ بہر حال افضل یہ ہے کہ اس دعا میں یہ دونوں جملے پڑھے جائیں۔

حدیث کے آخری الفاظ ویسمی حاجتہ کا مطلب یہ ہے کہ دعا میں لفظ هذا الامر بطریق عموم واقع ہے استخارہ کرنے والا اپنی دعا میں اس جگہ اپنا مقصد اور اپنی مراد ظاہر کرے مثلاً ”هذا الامر“ کی بجائے یوں کہے ”هذا السفر یا هذا الاقامة“ یا اسی طرح جو بھی مقصد ہو ذکر کرے نیز یہ بھی جائز ہے کہ پہلے هذا الامر کہہ لے اس کے بعد اپنا مقصد اور اپنی مراد کا ذکر کرے۔

ایک اور روایت میں یہ مختصر استخارہ بھی منقول ہے کہ ”اگر کسی شخص کو جلدی ہو اور کوئی وقتی و ہنگامی کام ہو تو اسے چاہئے کہ وہ صرف یہ پڑھ لے۔

اللّٰهُمَّ اخِزْلِيْ وَاخْتِزِلِيْ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلَى اِخْتِيَارِيْ۔

”اے اللہ! (میرے حق میں تیرے نزدیک جو بہتر اور مناسب ہو اسے) میرے لئے پسند اور میرے لئے اختیار فرما اور مجھے میرے اختیار کا پابند نہ بنا۔

حضرت انسؓ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ”انس! جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے سات مرتبہ استخارہ کرو، پھر اس کے بعد (اس کا نتیجہ) دیکھو، تمہارے دل میں جو کچھ ڈالا جائے (یعنی استخارہ کے نتیجہ میں بارگاہ حق کی جانب سے، جو چیز القاء کی جائے اسی کو اختیار کرو کہ تمہارے لئے وہی بہتر ہے۔

الفصل الثانی

نماز توبہ کا بیان

(۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ وَصَدَقَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُذْذِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقْرَأُ فَيَنْتَظِرُ ثُمَّ يُصَلِّيَ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللَّهَ إِلَّا غَفَرَ اللَّهُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاجِسَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّ ابْنَ مَاجَةَ لَمْ يَذْكُرِ الْآيَةَ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاجِسَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ۔

”امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجھ سے فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ نے بالکل سچ فرمایا کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ سے یہ ارشاد گرامی سنا ہے کہ ”جو شخص گناہ کرتا ہے اور گناہ پر ندامت ہونے کی وجہ سے اٹھ کر وضو کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور پروردگار سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ معاف فرمادیتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔“ اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو یا اپنی ذات پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو (یعنی اس کے عذاب کو) یاد کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں۔ اس روایت کو ترمذیؒ اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے مگر ابن ماجہؒ نے آیت ذکر نہیں کی ہے۔“

تشریح: صدق ابوبکر (حضرت ابوبکرؓ نے بالکل سچ فرمایا) یہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے جس کے ذریعہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بزرگی ان کی عظمت اور ان کے انتہائی سچے ہونے کو ظاہر فرمایا ہے جن کی سچائی اور صداقت اس پایہ کی تھی کہ خود آنحضرت ﷺ نے انہیں ”صدیق“ کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

حضرت علیؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ ان کی عادت تھی کہ وہ کسی بھی روای کی نقل کردہ حدیث کو اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک کہ راوی سے وہ قسم نہ کھلو الیتے تھے چنانچہ جب راوی ان سے کہتا کہ ”میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے یہ حدیث اسی طرح سنی ہے تو آپ اسے قبول فرماتے لیکن جب کوئی حدیث حضرت ابوبکرؓ سے سنتے تو بغیر قسم کے قبول کر لیتے تھے۔ فَيَنْتَظِرُ کا مطلب تو یہی ہے کہ گناہ کرنے والا وضو کر کے نماز پڑھے لیکن افضل غسل کرنا ہے نہ صرف یہ بلکہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا سب سے زیادہ افضل ہے۔

يُصَلِّيَ کا مطلب یہ ہے کہ دو رکعت نماز پڑھے جس میں سے ایک رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قل یا ایہا الکافرون پڑھی جائے۔ اور دوسری رکعت میں قل ہو اللہ کی قرأت کی جائے اس نماز کو نماز توبہ کہا جاتا ہے۔

حدیث کے الفاظ ثم يستغفر اللہ (پھر پروردگار کی بارگاہ میں توبہ مانگتا ہے اور نہ صرف یہ کہ اس گناہ کو چھوڑ دیتا ہے بلکہ آئندہ کبھی گناہ میں مبتلا نہ ہونے کا پختہ عزم کرتا ہے اور اس عزم پر ثابت قدم رہتا ہے پھر یہ کہ اگر اس کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہوتا ہے تو اس کا تدارک کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشاد کے بعد بطور دلیل کے آیت کی تلاوت فرمائی کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہی خداوند کریم بھی فرماتا ہے لِذُنُوبِهِمْ کے بعد آیت کا بقیہ حصہ یہ ہے۔

وَمَنْ يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ، أُولَٰئِكَ جَزَاءُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ، وَجَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ۔ (ال عمران ۳: ۱۳۵-۱۳۶)

”اور ہے کون؟ جو گناہوں کو بخشا ہو، اور یہ لوگ اپنے فعل (گناہ) پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں، ان لوگوں کی جزاء بخشش ہے۔ ان

کے رب کی طرف سے اور ایسے باغ ہیں کہ ان کے نیچے سے نہریں چلتی ہوگی (اور وہ ان میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔“

اس آیت کا شان نزول بعض مفسرین کی روایت کے مطابق ایک مخصوص واقعہ ہے۔ ایک صحابیؓ سے بتقاضائے بشریت ایک لغزش ہو گئی مگر وہ فوراً متنبہ ہو گئے جس سے وہ انتہائی نادم اور شرمندہ ہوئے ان کی ندامت و شرمندگی اور رب العزت کی بارگاہ میں اس لغزش سے ان کی صدق دل سے توبہ و استغفار کے پیش نظر یہ آیت نازل فرمائی گئی۔

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں لفظ ”والذین“ مبتداء ہے، دوسری آیت میں ”اولئک“ خبر ہے یعنی پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان خدا سے ڈرنے والے اور اس کے ثواب و عذاب پر یقین رکھنے والے جب بتقاضائے بشریت کسی خطا و لغزش اور گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو ایمان و یقین سے بھرپور ان کا ضمیر انہیں فوراً متنبہ کرتا ہے وہ ایسے موقع پر اپنے خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں اس کی عبادت و بندگی کر کے اس سے اپنی لغزش کی معافی چاہتے ہیں اپنی خطا و گناہ پر شرمندگی و ندامت کا اظہار کر کے توبہ مانگتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ وہ کسی گناہ پر ڈھٹائی کے ساتھ عمل پیرا نہیں رہتے۔ بلکہ آئندہ کے لئے کسی گناہ میں مبتلا نہ ہونے کا عزم کرتے ہیں اور اپنے پختہ عزم پر قائم رہتے ہیں۔

دوسری آیت میں ایسے لوگوں کی جزاء بیان کی جا رہی ہے کہ خداوند کریم اپنی رحمت کے صدقہ میں ان لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے ان کی غلطی سے درگزر کرتا ہے اور چونکہ یہ گناہوں سے صدق دل کے ساتھ معافی کے خواستگار ہوتے ہیں اس لئے ان کی بخشش فرماتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں جنت اور جنت کی نعمتوں کے حقدار ہوتے ہیں۔

مصیبت کے وقت نماز نفل

④ وَعَنْ خُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَنَهُ أَهْرُ صَلَّى - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت خذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ”سرتاج دو عالم ﷺ جب کسی مصیبت سے دوچار ہوتے تو (نفل) نماز پڑھتے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ کہ آنحضرت ﷺ کو جب کوئی رنج و غم ہوتا یا کوئی مصیبت رونما ہوتی تو آپ ﷺ رنج و غم اور مصیبت سے چھٹکارا پاتے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے طور پر نماز پڑھتے کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

”اے اہل ایمان! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد مانگو۔“

علماء لکھتے ہیں کسی رنج اور مصیبت کے وقت نماز نفل پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ جب انسان نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے سامنے عالم ربوبیت کھل جاتا ہے اور جب اس پر عالم ربوبیت منکشف ہو جاتا ہے تو دنیا از خود اس کی نظروں میں بالکل حقیر و بے وقعت ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کے دل میں دنیا کے ہونے (یعنی دنیا کی راحت و آسائش) اور دنیا کے نہ ہونے (یعنی دنیا کی تکلیف و مصیبت) کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں رہتا۔ لہذا اگر دنیا اسے نہیں ملتی بائیں طور کہ وہ دنیا کے رنج و غم اور تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو متوش اور پریشان نہیں ہوتا اور اگر دنیا اسے ملتی ہے بائیں طور کہ دنیا کی راحت و چین اور آرام و آسائش اسے حاصل ہوتی ہے تو وہ خوش نہیں ہوتا جیسا کہ یہ عارفانہ مقولہ کہا گیا۔ ”اگر ہے تو خوشی نہیں اور اگر نہیں تو غم نہیں۔“

تحیۃ الوضو کی فضیلت

⑤ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ أَصْبَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَابِلًا لَا فَقَالَ بِمَا سَبَقْتَنِي إِلَى الْجَنَّةِ مَا دَخَلْتُ

الْحِجَّةَ قَطُّ إِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ أَمَامِي قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَذْنْتُ قَطُّ إِلَّا صَلَّيْتُ وَكَعَّعْتِنِي وَمَا أَصَابَنِي حَدَثٌ قَطُّ إِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهُ وَرَأَيْتُ أَنَّ لِلَّهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمَا۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرتاج دو عالم ﷺ نے صبح کے وقت فجر کی نماز کے بعد حضرت بلالؓ کو طلب کیا اور (جب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”کس عمل کو رعبہ تم نے جنت میں مجھ سے پیش روی اختیار کی ہے (کیونکہ) میں جب بھی جنت میں داخل ہوا تو اپنے آگے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سنی؟ انہوں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے جب بھی اذان دی ہے تو اس کے بعد دو رکعت نماز (ضرور) پڑھی ہے اور جب بھی میرا وضو ٹوٹا ہے میں نے اسی وقت وضو کر لیا ہے اور میں نے خدا کے واسطے دو رکعت نماز پڑھنی ضروری سمجھا ہے۔ (یعنی ہر وضو کے بعد پابندی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنی میں نے اپنے اوپر لازم قرار دے رکھی ہے) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”اسی وجہ سے تم اس (عظیم) درجہ کو پہنچے ہو۔“ (ترمذی)

تشریح: حدیث میں مذکورہ مضمون کی وضاحت اس باب کے شروع میں پہلی حدیث کی تشریح کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ چنانچہ وہاں یہ بتایا جا چکا ہے کہ جنت میں حضرت بلالؓ کا آنحضرت ﷺ کے آگے آگے ہونا خادم کی حیثیت سے تھا۔ جو خود ایک بہت بڑا درجہ اور بڑی فضیلت کی بات ہے چنانچہ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم آخر وہ کون سا عمل کرتے ہو جس کی وجہ سے تمہیں خدمت خاص کا یہ عظیم مرتبہ حاصل ہوا؟ حدیث کے حقیقی معنی یہی ہیں۔ اس کے ظاہری معنی و مفہوم مراد لے کر کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہئے۔ کہ اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت بلالؓ کو آنحضرت پر بھی اس موقع پر فضیلت حاصل تھی کہ وہ آپ ﷺ سے پہلے جنت میں داخل ہوئے کیونکہ یہ مرتبہ تو کسی نبی اور پیغمبر کو بھی حاصل نہیں ہو گا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے پہلے جنت میں داخل ہو جائے چہ جائیکہ آپ کی اُمت کے ایک فرد کو یہ امتیاز حاصل ہو جائے کہ ان دو چیزوں یعنی ہمیشہ با وضو رہنے اور نماز تحیۃ الوضو پڑھنے کی وجہ سے آپ ﷺ سے پہلے وہ جنت میں داخل ہو۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

نماز حاجت

⑥ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ إِلَى اللَّهِ أَوْ إِلَى أَحَدٍ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوءَ ثُمَّ لْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لْيُشْفِ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى وَيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لْيَقُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَغَائِمَاتِ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بَرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ آثِمٍ لَا تَدْعُ لِي ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَجْتَهُ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رَضِي إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ یا کسی آدمی کی طرف کوئی حاجت ہو (یعنی خواہ دینی حاجت) تو اسے چاہئے کہ (پہلے) وضو کرے اور اچھا وضو (یعنی پورے آداب کی عایت کے ساتھ) کرے اور دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کر کے اور نبی ﷺ پر درود بھیج کر یہ دعا پڑھے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ چشم پوشی اور بخشش کرنے والے کے پاک ہے اللہ جو مالک ہے عرش عظیم کا، اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سارے جہان کا پروردگار ہے، اے اللہ میں تجھ سے ان چیزوں کو مانگتا ہوں جن پر رحمت ہوتی ہے اور جو تیری بخشش کا سبب ہوتی ہیں اور مانگتا ہوں اپنا حصہ ہر نیکی سے اور بچنا چاہتا ہوں ہر گناہ سے، اے اللہ! میرے کسی گناہ کو بے بخشہ ہوئے اور کسی غم کو بے دور کئے ہوئے اور کسی جماعت کو جو تیرے نزدیک پسند ہو، بے پورا کئے ہوئے نہ چھوڑاے بہت رحم کرنے والے رحم کرنے والوں سے۔“ (امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: جب کسی کو کوئی حاجت یا ضرورت پیش آئے تو خواہ وہ حاجت بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے ہو یا بالواسطہ کسی بندے سے متعلق ہو مثلاً کسی کو نوکری کی خواہش ہو، یا کسی سے نکاح کرنا چاہتا ہو، یا ایسی کوئی اور ضرورت ہو، جسے کسی شخص سے پورا کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی تعریف و بڑائی بیان کر کے درود شریف پڑھے جو نماز میں التحیات کے بعد پڑھا جاتا ہے اس کے بعد حدیث میں مذکور دعا پڑھے۔ دعا کے بعد اس کی جو حاجت و ضرورت ہو، اسے پروردگار کی بارگاہ میں پیش کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے مقصد برآری کے لئے دعا کرے۔

حاجت روائی اور مقصد برآری کے لئے یہ نماز کہ جسے اصطلاح میں ”صلوۃ الحاجت“ یعنی نماز حاجت کہتے ہیں بہت مجرب ہے بعض بزرگوں کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اپنی ضرورتوں میں اس طریقہ سے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت بیان کی، اللہ تعالیٰ نے ان کے مقصد اور ان کی حاجت کو پورا فرمایا۔ (علم الفقہ)

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حاجب مند کو اپنی حاجت روائی اور اس نماز دعا کو پڑھنے کے لئے شبہ کے دن صبح کے وقت اختیار کرنا چاہئے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جو شخص شبہ کے دن صبح کے وقت (نماز حاجت اور اس کی دعا پڑھ کر اپنی حلال و جائز حاجت کو طلب کرے تو میں اس کی حاجت روائی کا ضامن ہوں۔“ (ملائی قاری)

یوں تو یہ نماز اور یہ دعا تمام حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے ہے لیکن قوت حافظہ کی اگر حاجت ہو تو اس کے لئے بطور خاص الگ نماز ہے جس کو صلوۃ الحافظ (حافظ کی نماز) کہتے ہیں جو حصن حصین میں مذکور ہے اس کی اردو شرح میں اس نماز کی روایت بالتفصیل لکھی گئی ہے وہاں ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے۔

بَابُ صَلَوةِ التَّسْبِيحِ نماز تسبیح کا بیان

نماز تسبیح مستحب ہے جس کے بے شمار اجر و ثواب ہیں اس کی چار رکعتیں پڑھنی آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں بہترین ہے کہ چاروں رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھی جائیں۔ اگر دو سلام سے پڑھی جائیں تب بھی درست ہیں۔ ہر رکعت میں پچتر مرتبہ تسبیح کہنا چاہئے اور پوری نماز میں تین سو مرتبہ۔
نماز تسبیح پڑھنے کا طریقہ: نماز تسبیح کی نیت اس طرح کی جائے:

نَوَيْتُ أَنْ أَصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ صَلَوةَ التَّسْبِيحِ۔

”میں نے چار رکعت نماز تسبیح پڑھنے کا ارادہ کیا۔“

اس نیت کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھے جائیں اور سبحانک اللہم پڑھ کر پندرہ مرتبہ یہ تسبیح کہی جائے سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر الحمد اور سورۃ پڑھی جائے اس کے بعد دس مرتبہ یہی تسبیح پڑھی جائے پھر رکوع میں اور رکوع اٹھ کر سبحان اللہ لمن حمدہ ورنالک الحمد کہہ کر دس مرتبہ یہی تسبیح پڑھی جائے پھر سجدہ میں جا کر اور دونوں سجدوں میں سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد اور دونوں سجدوں کے درمیان دس دس مرتبہ یہی تسبیح پڑھی جائے پھر دوسری رکعت میں الحمد سے پہلے پندرہ مرتبہ الحمد اور دوسری سورت کے بعد دس مرتبہ رکوع اور قومہ، دونوں سجدوں اور درمیان میں دس دس مرتبہ اسی تسبیح کو پڑھا جائے اسی طرح تیسری اور چوتھی رکعت پڑھی جائے اور ان میں یہی تسبیح اس تعداد میں پڑھی جائے۔

نماز تسبیح کی فضیلت

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ لَا أُعْطِيكَ إِلَّا أَمْنُحَكَ إِلَّا أَحْبَبْتُكَ إِلَّا أَفْعَلَ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ إِذَا أَنْتَ فَعَلْتَ ذَلِكَ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ ذَنْبَكَ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ قَدِيمَهُ وَحَدِيثَهُ خَطَأَهُ وَعَمْدَهُ صَغِيرَهُ وَكَبِيرَهُ سِرَّهُ وَعَلَانِيَتَهُ أَنْ تُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكَعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً فَإِذَا فَرَعْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي أَوَّلِ رَكَعَةٍ وَأَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرَكَعْتَ فَتَقُولُهَا وَأَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَهْوِي سَاجِدًا فَتَقُولُهَا وَأَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ فَتَقُولُهَا عَشْرًا فَلِذَلِكَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكَعَةٍ تَفْعَلُ ذَلِكَ فِي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فِي كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فِي كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فِي عُمْرِكَ مَرَّةً زَوَاهُ الْبُؤْدُودُ وَابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي الدُّعَوَاتِ الْكَبِيرِ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ أَبِي زَافِعٍ نَحْوَهُ۔

”حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے حضرت عباس ابن عبد المطلبؓ سے فرمایا کہ اے عباس! اے میرے چچا کیانہ دوں میں آپ کو؟ کیانہ دوں میں آپ کو؟ کیانہ بتاؤں میں آپ کو؟ کیا آپ کو دس خصلتوں کا مالک نہ بنا دوں؟ کہ اگر آپ ان کو اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے اور پیچھے، پرانے اور نئے، قصداً اور سہواً، چھوٹے اور بڑے، پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہوں کو بخش دے (تو سنئے کہ) آپ چار رکعت نماز (اس طرح) پڑھئے کہ ہر رکعت سورۃ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھے۔ جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائیں تو کھڑے ہی کھڑے پندرہ مرتبہ (یہ تسبیح) کہئے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ پھر رکوع میں جائیے اور (رکوع کی تسبیح سبحان ربی العظیم کہنے کے بعد) رکوع میں یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے پھر رکوع سے سر اٹھائیے اور (سبح اللہ) حمہ کہنے کے بعد) یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے پھر سجدہ میں جائیے اور (سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کے بعد) یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے پھر سجدہ میں سر اٹھائیے اور یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے پھر (دوسرے) سجدہ میں جائیے اور (سجدہ کی تسبیح کہنے کے بعد) یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے۔ پھر اپنا سر سجدہ سے اٹھائیے اور یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے یہ سب پچھتر تسبیحات ہوئیں ہر رکعت میں اسی طرح چاروں رکعت میں کیجئے (یعنی مذکورہ طریقہ سے یہ تسبیح پچھتر مرتبہ ہر رکعت میں پڑھئے) اگر آپ اس نماز کو روزانہ پڑھنے پر قدرت رکھتے ہوں تو روزانہ پڑھئے۔ اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہفتہ میں ایک مرتبہ پڑھئے۔ اگر ہر ہفتہ نہ پڑھ سکیں تو مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھئے اگر ہر مہینہ نہ پڑھ سکیں تو سال میں ایک مرتبہ پڑھئے اور اگر ہر سال نہ پڑھ سکیں تو کم سے کم پوری عمر میں ایک مرتبہ (تو ضرور ہی) پڑھ لیجئے۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی، فی دعوات الکبیر) امام ترمذیؒ نے اسی طرح کی روایت حضرت ابورافعؓ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: ”کیا آپ کو دس خصلتوں کا مالک نہ بناؤں؟“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ایسی چیز بتائے دیتا ہوں جس کو آپ اگر اختیار کریں گے تو آپ دس قسم کے گناہ (جو حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں) بخش دیئے جائیں گے۔ بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ ”دس خصلتوں“ سے مراد اس نماز میں قیام کی پندرہ مرتبہ تسبیح کہنے کے علاوہ بقیہ حالتوں میں دس دس مرتبہ تسبیح کہنا ہے۔

حدیث میں لفظ عَلَانِيَتَهُ کے بعد عَشْرَ خِصَالٍ کے الفاظ یہاں مشکوٰۃ میں ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔ لیکن ”اصول“ میں موجود ہیں۔ چنانچہ ”حصن حصین“ میں بھی یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں اسی لئے طبریؒ نے لکھا ہے کہ سیاق حدیث کے پیش نظر یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ دس خصلتوں سے مراد یہ چیزیں ہیں۔

① چار رکعت نماز پڑھنا۔ ② ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا۔ ③ سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور صورت پڑھنا۔ ④ حالت قیام میں پندرہ مرتبہ مذکورہ تسبیحات کا کہنا۔ ⑤ ان تسبیحات کا رکوع میں دس مرتبہ کہنا۔ ⑥ ان تسبیحات کا دس مرتبہ قومہ میں کہنا۔ ⑦ ان تسبیحات کا دس مرتبہ سجدہ میں کہنا۔ ⑧ ان تسبیحات کا دس مرتبہ جلسہ میں کہنا۔ ⑨ ان تسبیحات کا دس مرتبہ سجدوں میں کہنا۔ ⑩ ان تسبیحات کا دس مرتبہ جلسہ استراحت میں کہنا۔

اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیام میں قرأت کے بعد پندرہ مرتبہ یہ تسبیح پڑھی جائے اسی طرح اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے سجدہ سے اٹھ کر بھی یہ تسبیح پڑھی جائے جب کہ ہم نے ابتداء باب میں یہ طریقہ نقل کیا ہے کہ حالت قیام میں سبحانک الہم کے بعد پندرہ مرتبہ تسبیح پڑھی جائے پھر قرأت کے بعد دس مرتبہ تسبیح پڑھی جائے اور دوسرے سجدے سے اٹھنے کے بعد تسبیح پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ تو یہ دونوں طریقے الگ الگ روایتوں میں مذکور ہیں پھر یہ کہ ان دونوں طریقوں میں تسبیح کی تعداد میں کوئی فرق نہیں ہے صرف پڑھنے کے مواقع میں فرق ہے اس لئے اختیار ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے جس طریقہ کو چاہے اختیار کیا جائے اور بہتر یہ ہے کہ کبھی اس طریقہ کے مطابق عمل کیا جائے اور کبھی اس طریقہ کے مطابق تسبیحات پڑھی جائیں تاکہ قعدوں میں یہ تسبیحات بخلاف اور ارکان کے اتحیات کے پہلے پڑھی جائیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ اس نماز میں یہ سورتیں پڑھی جائیں اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ۔ وَالْعَصْرِ۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ بعض روایتوں میں اِذَا زُلْزِلَتْ، وَالْعَادِيَات، اِذَا جَاءَ اُخْرُوعِ اَخْلَاصِ کا پڑھنا بھی منقول ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ نے امام احمدؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ نماز تسبیح میں سلام پھیرنے سے پہلے یہ دعا بھی پڑھنی چاہئے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَلْکَ تَوْفِیْقَ اَهْلِ الْهٰدِیْ وَاَعْمَالَ اَهْلِ الْیَقِیْنِ وَمَنَا صِحَّةَ اَهْلِ التَّوْبَةِ وَعَزْمَ اَهْلِ الصَّبْرِ وَجَدَّ اَهْلِ الْحَشِیْبَةِ وَطَلَبَ اَهْلِ الرَّغْبَةِ وَتَعَبَّدَ اَهْلَ الْوَرَعِ وَعِزَّ اَهْلَ الْعِلْمِ حَتّٰی اَخَافَکَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَلْکَ مَخَافَةً تَحْجِزُنِیْ عَنْ مَعَاصِیْکَ وَحَتّٰی اَعْمَلَ بِطَاعَتِکَ عَمَلًا اَسْتَحِقُّ بِرِضَاکَ وَحَتّٰی اَنَا صَحْبُکَ بِالتَّوْبَةِ خَوْفًا مِنْکَ وَحَتّٰی اَخْلَصَ لَکَ النَّصِیْحَةَ حَیْآءً مِنْکَ وَحَتّٰی اَتَوَكَّلَ عَلَیْکَ فِی الْاُمُوْر کُلِّهَا وَحُسْنَ ظَنِّ بِکَ سُبْحَانَ خَالِقِ التَّوْرِ۔

”اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اہل ہدایت کی سی توفیق اہل یقین (یعنی راسخ العقیدہ اور راسخ العمل لوگوں) کے سے اعمال، اہل توبہ کی خالص توبہ، اہل صبر کی سخت جنگی، اہل خشیت کی سخت کوشش، طالبین حق کی سی طلب، پرہیزگاروں کی سی عبادت اور اہل علم کی سی معرفت، یہاں تک کہ میں تیری ہی ذات سے ڈرنے لگوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے (تیرے) خوف کا طلبگار ہوں جو مجھے تیری نافرمانیوں سے روک دے تاکہ میں تیری نافرمانی و داری و خوشنودی کا وہ عمل کرنے لگوں جو مجھے تیری رضا کا مستحق گردانے تیرے خوف سے کچی توبہ کرنے لگوں یہاں تک کہ تیری ذات پر اچھا گمان رکھنے ہوئے تمام امور میں تیری ذات پر بھروسہ کرنے لگوں اور اے نور کے پیدا کرنے والے آپ ہر عیب اور برائی سے پاک ہیں۔“

اس نماز کی فضیلت کے بارے میں عبدالعزیزؒ ابن داؤدؒ لکھتے ہیں کہ جو شخص جنت میں داخل ہونا چاہے تو وہ نماز تسبیح کو اپنے اوپر لازم قرار دے لے۔

ابو عثمان زاہدؒ نے فرمایا ہے کہ مصیبت و پریشانی کے دفعہ اور غم و حزن کو دور کرنے کے لئے اس نماز کے علاوہ میں نے کوئی اور چیز نہیں پائی۔ یعنی نماز تسبیح پڑھنے سے یہ چیزیں جاتی رہتی ہیں۔

اس نماز کی انہیں عظیم فضیلتوں کے پیش نظر اکثر آئمہ و مشائخ اور بزرگ اس نماز کو پڑھتے رہے ہیں۔ جمعہ کے روز دو پہر ڈھلنے کے بعد اس نماز کا پڑھنا مستحب ہے اگر اس نماز میں سجدہ سہو کی ضرورت پڑ جائے تو سجدہ سہو کے اندر یہ تسبیحات نہ پڑھی جائیں کیونکہ اس طرح تسبیحات کی مقدار تین سو سے آگے بڑھ جائے گی۔

جن مسلمانوں کو خدا نے اپنی عبادت و اطاعت کی توفیق دی ہے اور انہیں زیادہ سے زیادہ عمل خیر کرنے کی سعادت سے نوازا ہے ان کیلئے اس نماز کے پڑھنے کے سلسلہ میں درجہ اعتدال یہ ہے کہ یہ نماز ہر جمعہ کو پڑھی جائے چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا اسی پر عمل تھا کہ وہ ہر جمعہ کے روز زوال کے بعد اس نماز کو پڑھتے تھے اور انہیں سورتوں کی قرات کرتے تھے جو ابھی اور ان سے نقل کی گئی ہیں۔

قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کی پرش ہوگی

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسِبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ فَإِنْ صَلَحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَإِنْ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيضَتِهِ شَيْءٌ قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنْظِرُوا هَذَا لِعَبْدِي مَنْ تَطْلُعُ فِيكُمْ لِبَهْمَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ يَكُونُ سَائِرُ عَمَلِهِ عَلَى ذَلِكَ وَفِي رِوَايَةٍ ثُمَّ الزَّكَاةُ مِثْلُ ذَلِكَ ثُمَّ تَوْخُّدُ الْأَعْمَالِ عَلَى حَسَبِ ذَلِكَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ زُجَلٍ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے روز بندہ کے اعمال میں سب سے پہلے جس عمل کے بارے میں محاسبہ کیا جائے گا وہ اس کی نماز ہوگی، لہذا اگر اس کی نماز درست ہوگی (یعنی اس نے نماز کو صحیح ادا کیا ہوگا۔ یا یہ کہ اس کی نماز مقبول ہوگی) تو وہ فلاح اور کامیابی پائے گا اور اگر نماز فاسد ہوگی (یعنی نماز ادا نہ کی گئی یا ادا تو کی مگر غیر صحیح اور غیر مقبول) تو وہ ثواب سے ناامید ہوگا اور (عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے) خسارے میں رہے گا۔ ہاں اگر کسی کی (فرض نماز میں کچھ کمی رہ گئی) (یعنی نماز کے فرض، واجب اور سنت مؤکدہ ارکان میں سے کوئی رکن رہ گیا اور نماز مکمل ہو گئی) تو اللہ بزرگ و برتر (فرشتوں سے) فرمائے گا کہ دیکھو میرے بندے کے پاس (یعنی اس کے نامہ اعمال میں) کچھ سنت یا نفل نماز بھی ہے؟ لہذا اگر اس کے نامہ اعمال میں سنت و نفل نماز ہوگی تو اس کے ذریعے سے اس کی فرض نماز کی کمی پوری کی جائے گی، پھر اسی طرح بندہ کے دوسرے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ ایک دوسری روایت میں (آخری الفاظ) یوں ہیں پھر ایسے ہی زکوٰۃ کا محاسبہ ہوگا اور پھر بقیہ اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔ یہ روایت ابو داؤد نے نقل کی ہے اور امام احمدؒ نے یہ روایت ایک (دوسرے) شخص سے نقل کی ہے۔“

تشریح: ایک دوسری روایت میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز بندہ سے سب سے پہلے جس چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا وہ خون ہوگا اور یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ سب سے پہلے ”نماز“ کا محاسبہ ہوگا۔ لہذا ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے تو سب سے پہلے نماز کا مواخذہ ہوگا اور بندوں کے حقوق میں سب سے پہلے ”خون“ کا محاسبہ لیا جائے گا۔ حدیث کے آخری الفاظ ”پھر اسی طرح بندہ کے دوسرے اعمال کا محاسبہ ہوگا“ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح فرض نماز کی کوئی کمی سنت و نفل نماز سے پوری کی جائے گی اسی طرح دوسرے فرض اعمال بھی کوئی کوتاہی ہوگی تو اسے نفل اعمال کے ذریعے پورا کیا جائے گا۔ مثلاً اگر فرض روزوں میں کوئی نقصان واقع ہوگا تو وہ نقصان نفل روزے سے پورا کیا جائے گا اگر زکوٰۃ میں کچھ نقصان ہوگا تو صدقہ نفل سے اسے پورا کیا جائے گا۔ اگر فرض حج میں کوئی کمی رہ گئی ہوگی تو نفل حج یا عمرہ سے پوری کی جائے گی اور اگر کسی پر کسی کا کوئی حق (مطالبہ) ہوگا تو اس کے نامہ اعمال صالحہ سے اس مطالبہ کی بقدر حصہ لے کر صاحب مطالبہ کو دیدیا جائے گا اسی طرح تمام اعمال کے بارے میں پورا پورا محاسبہ کیا جائے گا۔

نماز اور نمازی کی عظمت و فضیلت

③ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَذِنَ اللَّهُ لِعَبْدٍ فِي شَيْءٍ أَفْضَلَ مِنَ الزَّكَاةِ نِيْلِيهِمَا وَإِنَّ الْبِرَّ لَيَذُرُّ عَلَى رَأْسِ الْعَبْدِ مَا دَامَ فِي صَلَاتِهِ وَمَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ إِلَى اللَّهِ بِمِثْلِ مَا خَرَجَ مِنْهُ يُغْنِي الْقُرْآنَ۔ (رواہ احمد و الترمذی)

”اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ اللہ جل شانہ، بندہ کے کسی عمل پر اپنی رحمت کے ساتھ اتنا زیادہ متوجہ نہیں ہوتا جتنا کہ اس کی پڑھی ہوئی دو رکعت نماز پر (چونکہ تمام اعمال میں نماز سب سے زیادہ افضل ہے اس لئے بندے پر اس کے اور اعمال کی نسبت نماز پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عنایت بہت زیادہ ہوتی ہے) اور بندہ جب تک نماز میں مشغول رہتا ہے اور اس کے سر پر نیکی و بھلائی چھڑکی جاتی ہے (یعنی اس کے اوپر رحمت و ثواب کا جو نیکی کا نتیجہ ہے جو نزول ہوتا ہے) اور بندہ خدا کا تقرب حاصل کرنے میں جس قدر اس سے نکلے ہوئے سرچشمہ ہدایت یعنی قرآن کریم سے فائدہ اٹھاتا ہے اتنا کسی چیز سے نہیں (یعنی خدا کا قرب جتنا زیادہ قرآن کریم پڑھنے سے ہوگا اتنا اور کسی چیز سے حاصل نہیں ہوگا۔“ (احمد، ترمذی)

بَابُ صَلَوةِ السَّفَرِ

نماز سفر کا بیان

مسافر جب اپنے گاؤں یا شہر کی آبادی سے باہر نکل جائے تو اس پر قصر واجب ہے، پوری چار رکعت والی فرض نماز کی دو رکعتیں ہی پڑھنا واجب ہے اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں جب کہ اس پر قصر واجب ہے، پوری چار رکعت پڑھے گا تو گنہگار ہوگا اور دو واجب کو چھوڑنے والا ہوگا یعنی ایک واجب تو قصر کا ترک ہوگا اور دوسرے قعدہ اخیرہ کے بعد فوراً سلام پھیرنا، کیونکہ مسافر کے حق میں پہلا قعدہ ہی قعدہ اخیرہ ہوتا ہے اس کے بعد اسے فوراً سلام پھیر دینا چاہئے تھا اور اس نے نہیں پھیرا بلکہ کھڑا ہو گیا اس طرح اس نے دوسرے واجب کو ترک کیا۔

اس موقع پر اتنی بات بھی جانتے چلئے کہ مسافر کے لئے قصر کے جواز میں کسی بھی عالم اور کسی بھی امام کا اختلاف نہیں ہے صرف اتنی بات ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو قصر واجب ہے لیکن امام شافعیؒ کے یہاں قصر اولیٰ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسافر قصر نہیں کرے گا تو وہ امام صاحب کے مسلک کی رو سے گنہگار ہوگا، مگر حضرت شافعیؒ کا مسلک اسے گنہگار نہیں قرار دے گا۔ بلکہ اولیٰ و افضل چیز کو ترک کرنے والا کہلائے گا۔

مسافت قصر: قصر اتنی مسافت کے لئے واجب ہوتا ہے جو متوسط چال سے تین دن سے کم میں طے نہیں ہو سکتی۔ متوسط چال سے مراد آدمی یا اونٹ کی متوسط رفتار ہے تین دن کی مسافت سے یہ مراد ہے کہ صبح سے دوپہر تک چلنے نہ یہ کہ صبح سے شام تک، اسی لئے فقہاء نے موجودہ زمانہ میں اس مسافت کا اندازہ اڑتالیس میل کیا ہے گویا اگر کوئی شخص اڑتالیس میل (تقریباً ۷۸ کلومیٹر) کی مسافت کے لئے اپنے گھر سے سفر پر نکلے تو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اپنے گاؤں یا شہر کی آبادی سے باہر نکلتے ہی اس پر قصر واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص مسافت قصر (یعنی ۲۸ میل یا ۷۸ کلومیٹر) کو کسی تیز سواری مثلاً گھوڑے یا ریل وغیرہ کے ذریعے تین دن سے کم میں طے کرے تب بھی وہ مسافر سمجھا جائے گا اسے بھی قصر نماز پڑھنی چاہئے۔

مدت قصر: مسافر کو اس وقت تک قصر کرنا چاہئے۔ جب تک کہ اپنے وطن اصلی نہ پہنچ جائے یا کسی مقام پر کم سے کم پندرہ دن ٹھہرنے کا قصد نہ کرے بشرطیکہ وہ مقام ٹھہرنے کے لائق ہو اگر کوئی شخص دریا میں ٹھہرنے کی نیت کرے یا دار الحرب میں یا اسی طرح جنگل میں تو اس نیت کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ ہاں خانہ بدوش لوگ اگر جنگل میں بھی پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کریں تو یہ نیت صحیح ہو جائے گی اس لئے کہ وہ جنگلوں میں ہی رہنے کے عادی ہوتے ہیں۔

اگر کوئی شخص اس مقدار مسافت کو قطع کرنے سے قبل کہ جس کا سفر میں اعتبار کیا گیا ہے کسی مقام پر ٹھہرنے کی یا اپنے وطن لوٹ جانے کی نیت کرے تو وہ مقیم ہو جائے گا۔ اگرچہ پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہو اب یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے سفر کے ارادہ کو ختم کر دیا

ہے۔

قصر کے کچھ مسائل:

① مندرجہ ذیل صورتوں میں اگر کوئی مسافر مسافت سفر پوری کرنے کے بعد پندرہ دن سے بھی زیادہ ٹھہر جائے تو وہ مقیم نہ ہوگا اور اس پر قصر کرنا واجب رہے گا۔

(الف) — پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو مگر کسی وجہ سے بلا قصد و ارادہ زیادہ ٹھہرنے کا اتفاق ہو جائے۔

(ب) — کچھ نیت ہی نہ کی ہو، بلکہ امروز، فردا میں اس کا ارادہ وہاں سے چلے جانے کا ہو مگر وہ اسی پس و پیش میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہر جائے۔

(ج) — پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے مگر وہ مقام قابل سکونت نہ ہو۔ (د) پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے مگر وہ مقام پر بشرطیکہ ان دونوں مقامات میں اس قدر فاصلہ ہو کہ ایک مقام کی اذان کی آواز دوسرے مقام میں نہ جاسکتی ہو، مثلاً دس روز تک معقلہ میں رہنے کا ارادہ کرے اور پانچ روز مٹی میں مکہ سے مٹی تین میل کے فاصلے پر ہے اور اگر رات کو تو ایک مقام میں رہنے کی نیت کرے اور دن کو دوسرے مقام میں تو جس موضع میں رات کو ٹھہرنے کی نیت کر لی ہے وہ اس کا وطن اقامت ہو جائے گا وہاں اس کو قصر کی اجازت نہ ہوگی اب دوسرا مقام جہاں وہ دن میں رہتا ہے اگر اس پہلے مقام سے سفر کی مسافت پر ہے تو وہاں جانے سے مسافر ہو جائے گا ورنہ مقیم رہے گا اور اگر ایک مقام دوسرے مقام سے اس قدر قریب ہو کہ ایک جگہ کی اذان کی آواز دوسری جگہ جاسکتی ہے تو وہ دونوں مقام ایک ہی سمجھے جائیں گے اور دونوں جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کے ارادہ سے مقیم ہو جائے گا۔

② مقیم کی اقتداء مسافر کے پیچھے ہر حال میں درست ہے کہ خواہ اداء نماز ہو یا قضا، مسافر امام جب دور کھتیں پڑھ کے سلام پھیر دے تو مقیم مقتدی کو چاہئے کہ اٹھ کر اپنی نماز پوری کر لے اور اس میں قرأت نہ کرے بلکہ چپ کھڑا رہے اس لئے کہ وہ لاحق ہے اور قعدہ اولیٰ اس مقتدی پر بھی فرض ہوگا مسافر امام کو مستحب ہے کہ سلام پھیرنے کے فوراً بعد مقتدیوں کو اپنے مسافر ہونے کی اطلاع یہ کہہ کر دے دے کہ ”میں مسافر ہوں، مقتدی اپنی نماز پوری کر لیں۔“

مسافر بھی مقیم کی اقتداء کر سکتا ہے مگر وقت کے اندر، وقت کے بعد نہیں۔ اس لئے کہ مسافر جب مقیم کی اقتداء کرے گا تو امام کی اتباع میں چار رکعت یہ بھی پڑھے گا اور امام کا قعدہ اولیٰ نفل ہوگا اور اس کا فرض، امام کی تحریمہ قعدہ اولیٰ کے نفل ہونے کے ساتھ ہوگی اور مسافر مقتدی کی اس کی فرضیت کے ساتھ پس فرض نماز پڑھنے والے کی اقتداء نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے ہوئی اور یہ درست نہیں۔ مسافر فجر کی سنتوں کو ترک نہ کرے اور مغرب کی سنت کو بھی ترک کرنا بہتر نہیں ہے اور باقی سنتوں کے ترک کا اختیار ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اگر چل رہا ہو اور اطمینان نہ ہو تو نہ پڑھے ورنہ پڑھ لے۔ (علم الفقہ)

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کی قصر نماز

① عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا وَصَلَّى الْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكَعَتَيْنِ۔ (متفق علیہ)

”حضرت انسؓ فرماتے ہیں سر تاج دو عالم ﷺ نے مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی اور ذی الحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھی۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے سفر کا حال بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب حج کے لئے مکہ کے سفر کا ارادہ فرمایا تو مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی پھر جب مدینہ سے نکلے اور ذوالحلیفہ پہنچے۔ تو وہاں قصر فرمایا اور عصر کی نماز دو رکعت پڑھی ذوالحلیفہ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جب مسافر شرعی اپنے شہر یا گاؤں کے مکانات سے باہر نکل جائے تو قصر کی نماز پڑھنے لگے۔

② عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهَبٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ أَكْثَرُ مَا كُنَّا قُظُ وَآمَنَهُ بِمِنَى رَكْعَتَيْنِ - (مشق علیہ)

”اور حضرت حارثہ ابن وہب خزاعیؒ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے ہمیں منیٰ میں دو رکعتیں پڑھائیں اور اس موقع پر ہم اتنی تعداد میں تھے کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھے اور اس کی حالت میں تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ جتہ الوداع کا ذکر ہے اس موقع پر چونکہ اسلام کی حقانیت و صداقت اکثر دلوں میں اپنا گھر کر چکی تھی اور مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ جتہ الوداع کے موقع پر صحابہؓ جتنی زیادہ تعداد میں تھے اس سے پہلے کسی موقع پر نہ تھے۔ ”اس کی حالت میں تھے“ کا مطلب یہ ہے کہ کفار کے کسی حملہ اور ان سے کسی جنگ وغیرہ کا کوئی خوف نہیں تھا۔ بلکہ بہت اطمینان اور سکون کی حالت میں تھے اس کا ذکر بطور خاص اس لئے کیا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ قصر کی مشروعیت کفار کے فتنوں کے خوف پر موقوف نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیت سے ظاہری طور پر مفہوم ہوتا ہے بلکہ سفر میں بہر صورت قصر کرنا چاہئے چنانچہ اگلی حدیث میں اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

آیت قصر میں خوف کی قید اور اس کی وضاحت

③ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمِيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِنَّمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا فَقَدْ آمَنَ النَّاسُ قَالَ عُمَرُ عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتُ مِنْهُ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَ تَصَدَّقَ اللَّهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَأَقْبِلُوا صِدْقَتَهُ - (رواه مسلم)

”اور حضرت یعلیٰ ابن امیہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد یہ ہے کہ ”کم نماز پڑھو“ (یعنی قصر کرو) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔“ تو اب جب کہ لوگ اس میں ہیں (اور کافروں کے ستانے کا خوف جاتا رہا ہے تو قصر کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ جس پر تمہیں تعجب ہے اسی پر مجھے بھی تعجب ہوا تھا چنانچہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (نماز میں قصر) اللہ تعالیٰ کا ایک احسان ہے جو تم پر کیا گیا ہے لہذا تم اس کا صدقہ (یعنی احسان) قبول کرو۔“ (مسلم)

تشریح: مسافر کے لئے نماز میں قصر کی اجازت کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی تھی اور جس کا ایک جز یہاں حدیث میں نقل کیا گیا ہے وہ پوری یوں ہے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا -

”اور (مسلمانو!) جب تم کہیں سفر کرو، تو تمہارے لئے یہ گناہ نہیں ہے کہ کم (یعنی قصر) نماز پڑھو اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔“

اس آیت سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حالت سفر میں قصر کی اجازت اسی وقت دی ہوگی جب کہ کافروں کے ستانے اور ان کے پریشان کرنے کا خطرہ ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آیت میں خوف کی قید عادت اور اغلب کے اعتبار سے لگائی گئی ہے کہ اکثر مسافروں کو خوف ہوتا ہے خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ کافر ہر وقت اور ہر موقع پر درپے آزار ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فاقبلوا صدقہ فرما کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ حالت سفر میں قصر نماز پڑھنے کا حکم صرف کافروں کے خوف کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ بلکہ یہ آسانی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان تمام بندوں پر جو حالت سفر میں ہوتے ہیں۔ ایک احسان ہے جس سے ہر مسافر فیضیاب ہو سکتا ہے خواہ کسی بھی قسم کا کوئی خوف ہو یا نہ ہو۔

”فاقبلوا“ میں حکم وجوب کے لئے ہے یعنی ہر شرعی مسافر کے لئے قصر کرنا واجب اور ضروری ہے چنانچہ اس سے حنیفہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ حالت سفر میں قصر واجب ہے اور قصر نہ کرنا یعنی پوری نماز پڑھنا غیر پسندیدہ ہے۔

مدت اقامت

④ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتَّى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ فَبَلَ لَهُ أَقْمَنْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا قَالَ أَقْمَنْتُهَا عَشْرًا۔ (ترمذی علیہ)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ حجتہ الوداع کے موقع پر مدینہ سے مکہ گئے اور آپ ﷺ نے (چار رکعت والی نماز کی) دو دو رکعتیں پڑھیں یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس آئے۔ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ لوگ مکہ میں کچھ دن ٹھہرے تھے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ (ہاں) ہم لوگ مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حجتہ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے رفقاء صحابہؓ کا قیام مکہ میں دس دن اس طرح رہا کہ آپ ﷺ مکہ میں ذی الحجہ کی چار تاریخ کو پہنچے تھے اور ارکان حج وغیرہ سے فراغت کے بعد چودھویں ذی الحجہ کی صبح کو وہاں سے مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت سفر میں کسی جگہ دس دن ٹھہرنے سے کوئی شخص مقیم نہیں ہوتا اس کے لئے قصر نماز پڑھنی جائز ہے جب کہ یہ حدیث بظاہر حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص کہیں چاروں دن سے زیادہ ٹھہر جائے گا تو پھر اس کے لئے قصر جائز نہیں ہوگا بلکہ اسے پوری نماز پڑھنی ضروری ہوگی اس کی پوری تفصیل اگلی حدیث میں آ رہی ہے۔

⑤ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَفَرًا فَأَقَامَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَحْنُ نُصَلِّي فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَإِذَا أَقْمْنَا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ صَلَّيْنَا أَرْبَعًا۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرتاج دو عالم ﷺ (کہیں) سفر میں تشریف لے گئے اور وہاں انیس دن قیام فرمایا (دوران قیام) آپ ﷺ دو دو رکعتیں نماز پڑھتے رہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ بھی جب مکہ اور اپنے (یعنی مدینہ) کے درمیان کہیں انیس دن قیام کرتے ہیں تو دو دو رکعتیں نماز پڑھتے ہیں اور جب اس سے زیادہ ٹھہرتے ہیں تو چار رکعت نماز پڑھتے ہیں۔“

(بخاری)

تشریح: فاقام تسعة عشر يوما کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ انیس دن بغیر نیت اقامت کے اس طرح ٹھہرے کہ امروز فردا میں وہاں سے روانہ ہو جانے کا ارادہ فرماتے رہے مگر بلا قصد و ارادہ آپ ﷺ کا قیام وہاں انیس دن ہو گیا۔ مگر اس سے حضرت ابن عباسؓ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر کوئی شخص حالت سفر میں کہیں انیس دن ٹھہر جائے تو وہ قصر نماز پڑھ سکتا ہے۔ ہاں انیس دن بعد اس کے لئے

قصر جائز نہیں ہوگا اس مسئلہ میں حضرت ابن عباسؓ منفرد ہیں اور کسی کا بھی یہ مسلک نہیں ہے۔

مدت اقامت کے سلسلہ میں ابتداء باب میں تفصیل کے ساتھ مسئلہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اس موقع پر پھر جان لیجئے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حالت سفر میں کسی جگہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو اس کے لئے قصر جائز نہیں ہے بلکہ وہ پوری نماز پڑھے اور اگر کوئی شخص پندرہ دن یا پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو قصر نماز پڑھے بلکہ اگر وہ اقامت کی نیت نہ کرے اور آج کل میں وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کرتا رہے اور اس طرح بلا قصد ارادہ اس کے قیام کا سلسلہ برسوں تک بھی ورازا ہو جائے تب بھی وہ قصر نماز پڑھتا رہے امام طحاویؒ نے یہی مسئلہ جلیل القدر صحابہؓ مثلاً حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ آذربائیجان میں چھ مہینے اس طرح ٹھہرے رہے کہ آج کل میں وہاں سے چلنے کا ارادہ کرتے رہے مگر بلا قصد و ارادہ ان کا قیام اس قدر طویل ہو گیا چنانچہ وہ اس مدت میں برابر قصر نماز پڑھتے رہے اس موقع پر دیگر صحابہؓ بھی ان کے ہمراہ تھے اسی طرح حضرت انسؓ بھی مروان کے بیٹے عبدالملک کے ہمراہ شام میں دو مہینے تک بلا قصد ارادہ ٹھہرے رہے اور وہاں دو دور رکعت نماز پڑھتے رہے۔

اس مسئلے میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جگہ علاوہ دو دن آنے اور جانے کے چار روز سے زیادہ قیام کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ مقیم ہو جاتا ہے اس کے لئے قصر جائز نہیں ہے وہ پوری نماز پڑھے اسی طرح اقامت کی نیت کے بغیر امر و زور فردا میں چلنے کا ارادہ کرتے کرتے بلا قصد و ارادہ اٹھارہ دن سے زیادہ ٹھہر جائے تو تب بھی اس کے لئے قصر جائز نہیں ہوگا وہ پوری نماز پڑھے امام شافعیؒ کے فقہ میں یہی مستند اور صحیح قول ہے۔

مسافر حالت سفر میں اگر نفل نہ پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں

⑥ وَعَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي طَرِيقٍ مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا الظُّهْرَ وَكَعْتَيْنِ ثُمَّ جَاءَ زَخْلَةٌ وَجَلَسَ فَرَأَى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هَؤُلَاءِ قُلْتُ يُسَبِّحُونَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُسَبِّحًا أَتَمَمْتُ صَلَاتِي صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَزِيدُ فِي السَّفَرِ عَلَى زَكْعَتَيْنِ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ كَذَلِكَ (متن علیہ)

”اور حضرت حفص ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) مکہ اور مدینہ کے درمیان راستہ میں مجھے حضرت ابن عمرؓ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا (جب وقت ہو گیا تو) انہوں نے ہمیں ظہر کی نماز دو رکعت پڑھائیں اور اس کے بعد جب وہ اپنے خیمے میں واپس آئے تو دیکھا کہ لوگ کھڑے ہوئے ہیں انہوں نے پوچھا کہ لوگ یہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نکلیں پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر مجھے نفل نماز پڑھنی ہوتی تو میں اپنی فرض نماز پوری نہ پڑھتا (یعنی اگر یہ موقع نفل نماز پڑھنے کا ہوتا تو فرض نمازیں پوری پڑھنی زیادہ اہم ہوتیں مگر جب آسانی کے پیش نظر فرض نماز کو قصر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تو نفل نماز کو ترک کرنا ہی اولیٰ ہوگا کیونکہ فرض کو اداء کرنا نفل پڑھنے سے اولیٰ ہے) مجھے سر تاجِ دو عالم ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہے آپ ﷺ سفر کی حالت میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، نیز مجھے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی رفاقت کا شرف بھی حاصل ہے ان حضرات کا بھی یہی معمول تھا (کہ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔“

تشریح: حضرت ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ حالت سفر میں نفل نہ پڑھے جائیں۔ سنتِ راتبہ نمازوں کا حکم دوسری فصل میں انشاء اللہ مذکور ہوگا۔

جمع بین الصلوٰتین

⑦ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ

سَبْرًا وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جب سفر میں ہوتے تو ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھتے تھے اور (اسی طرح) مغرب و عشاء کی نماز (بھی) ایک ساتھ پڑھتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: حضرات شوافع نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم کو اپنا مستدل بناتے ہوئے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ سفر کی حالت میں جمع بین الصلوٰتین یعنی ظہر و عصر کی نماز ایک ہی وقت میں ایک ساتھ پڑھ لینا جائز ہے خواہ عصر کی نماز ظہر کے وقت پڑھ لی جائے خواہ ظہر کی عصر کے وقت اسی طرح مغرب و عشاء کی نمازوں کو بھی ایک ساتھ پڑھ لینا جائز ہے چاہے مغرب کے وقت عشاء کی نماز پڑھ لی جائے اور چاہے عشاء کی نماز مغرب کے وقت۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک چونکہ جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں ہے اس لئے ان کی طرف سے اس حدیث کی جو شوافع کی سب سے بڑی مستدل ہے یہ تاویل کی جاتی ہے کہ یہ حدیث جمع صوری پر محمول ہے یعنی آنحضرت ﷺ ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ اس طرح پڑھتے تھے کہ ظہر کو تو اس کے بالکل آخری وقت پڑھتے اور عصر کی نماز اس کے بالکل ابتدائی وقت میں ادا فرماتے۔ لہذا ظاہری صورت کے اعتبار سے تو یہ جمع بین الصلوٰتین ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھیں لیکن حقیقت میں دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھی جاتی تھیں اسی طرح مغرب کی نماز تاخیر سے بالکل آخری وقت میں پڑھتے اور عشاء کی نماز ابتدائی وقت میں ادا فرماتے۔

سواری پر نماز پڑھنے کا مسئلہ

① وَعَنْ ابْنِ عُثْمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ يُؤْمِي إِنْ مَاءَ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَايِضَ وَيُؤْتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ۔ (بخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جب سفر میں ہوتے تو رات کی نماز علاوہ فرض نماز کے اپنی سواری پر اشارہ سے پڑھتے اور سواری کا منہ جس سمت ہوتا اسی سمت آپ ﷺ کا بھی منہ ہوتا نیز نماز وتر بھی آپ ﷺ سواری ہی پر پڑھ لیتے تھے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِہ کا مطلب یہ ہے کہ جدھر سواری کا منہ ہوتا (ادھر ہی کو آپ ﷺ بھی منہ کئے ہوئے نماز پڑھتے رہتے تھے لیکن تکبیر تحریم کے وقت اپنا روئے مبارک ہر صورت قبلہ ہی کی طرف رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت سے معلوم ہوگا اشارہ سے نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرتے تھے نیز یہ کہ آپ ﷺ سجدہ کا جو اشارہ کرتے وہ رکوع کے اشارے سے پست ہوتا تھا۔

اس حدیث سے دو مسئلے مستنبط ہوتے ہیں اول تو یہ کہ سواری پر نفل نماز پڑھنی جائز ہے لیکن فرض نہیں اس حدیث میں اگرچہ رات کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے لیکن دوسری روایتوں میں عام نفل نمازوں کا ذکر موجود ہے لہذا یہ حکم ثبوت مؤکدہ اور اس کے علاوہ دیگر سنن و نوافل نمازوں کو بھی شامل ہے مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت میں ثابت ہے کہ فجر کی سنتوں کے لئے سواری سے اتر جانا سبب ہے بلکہ ایک دوسری روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتوں کو سواری سے اتر کر پڑھنا واجب ہے۔ اسی لئے اس نماز کو بغیر کسی عذر کے بیٹھے بیٹھے پڑھنا جائز نہیں ہے فرض نماز سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن مندرجہ ذیل اعذار کی صورت میں فرض نماز بھی سواری پر پڑھ لینا جائز ہے۔

① کوئی شخص جنگل میں ہو اور اپنے مال یا اپنی جان کی ہلاکت کا خوف غالب ہو مثلاً یہ ڈر ہو کہ اگر سواری سے اتر کر نماز پڑھنے لگوں گا تو کوئی چور یا رازن مال و اسباب لے کر چلتا بنے گا یا کوئی درندہ نقصان پہنچائے گا یا قافلہ سے چھڑ جاؤں گا یا راستہ بھول جاؤں گا۔ (۲)

سواری میں کوئی ایسا سرکش جانور ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس پر اترنے کے بعد پھر چڑھنا ممکن نہ ہو۔ (۳) نماز پڑھنے والا اتنا ضعیف اور بڑھا ہو کہ خود سے نہ تو سواری سے اتر سکتا ہو اور نہ سواری پر چڑھنے پر قادر ہو اور نہ کوئی ایسا شخص پاس موجود ہو جو سواری سے اتار سکے اور اس پر چڑھا سکے۔ (۴) زمین پر اتنی کچڑ ہو کہ اس پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو۔ (۵) یا بارش کا عذر ہو۔

بہر حال ان صورتوں میں فرض نماز بھی سواری پر پڑھی جاسکتی ہے کیونکہ اعذار اور ضرورتیں شرعی وقواعد و قوانین سے مستثنیٰ ہوتی ہیں۔ جہاں تک آنحضرت ﷺ کے اس عمل کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ وتر کی نماز بھی سواری پر پڑھ لیتے تھے تو اس کے بارے میں امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلے نماز وتر کے حکم کی تاکید کے پیش نظر اور اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے سواری پر وتر کی نماز پڑھ لیتے تھے مگر جب لوگوں کے ذہن میں اس نماز کی تاکید و اہمیت بیٹھ گئی اور اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کی اتنی تاکید فرمادی کہ اس کے چھوڑنے کو روانہ نہیں رکھا تو بعد میں آپ ﷺ وتر کی نماز بھی سواری سے اتر کر زمین پر پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اسی طرح کرتے تھے حضرت امام محمدؒ نے اپنی کتاب ”موطا“ میں صحابہؓ و تابعینؓ کے ایسے بہت آثار نقل کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات وتر کی نماز پڑھنے کے لئے اپنی سواریوں سے اتر جاتے تھے۔ علامہ شمسؒ فرماتے ہیں کہ ”نماز فرض کی طرح جنازہ کی نماز، منت مانی ہوئی نماز نذر اور وہ سجدہ تلاوت کہ جس کی آیت سجدہ کی تلاوت زمین پر کی گئی ہو سواری پر جائز نہیں ہے۔“

حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ مستنبط ہوتا ہے کہ سواری پر نماز پڑھنا سفر کے ساتھ مشروط ہے چنانچہ آئمہ جہور کا یہی مسلک ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ و حضرت امام ابو یوسفؒ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کا محقق اور صحیح مسلک یہ ہے کہ ”سواری پر نماز کا جواز نمازی کے شہر سے باہر ہونے کے ساتھ مشروط ہے خواہ مسافر ہو یا مسافر نہ ہو، چنانچہ اگر کوئی مسافر بھی شہر کے اندر ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے لئے سواری پر نفل نماز پڑھنی جائز نہیں ہے لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے اگرچہ مکروہ ان کے نزدیک بھی ہے حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مسافر شہر کے اندر بھی سواری پر نفل پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اب اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ شہر سے کتنے فاصلے پر ہونے کی صورت میں سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک کم سے کم دو فرسخ (چھ میل) شہر سے باہر ہونا ضروری ہے بعض حضرات نے تین فرسخ اور بعض حضرات نے ایک کوس متعین کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ شہر و آبادی کے مکانات سے باہر ہوتے ہی سواری پر نماز نفل پڑھنا جائز ہے جیسا کہ قصر نماز کے جواز کے سلسلے میں قاعدہ ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّانِي

آنحضرت ﷺ کا نماز قصر نہ پڑھنا

(۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُلُّ ذَٰلِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلَاةِ وَأَتَمَّ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

”ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے سب کچھ کیا ہے آپ ﷺ نے (سفر کی حالت میں) کم رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور پوری بھی پڑھی ہیں۔“ (شرح السنۃ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ حالت سفر میں دونوں طریقوں پر عمل فرماتے تھے یعنی چار رکعت والی نماز کی دو رکعت بھی پڑھتے تھے اور پوری چار رکعت بھی پڑھتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا عمل اسی حدیث پر ہے وہ فرماتے ہیں کہ سفر میں قصر کرنا بھی جائز ہے اور پوری نماز پڑھنا بھی جائز ہے جب کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سفر میں پوری نماز پڑھنی جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص قصر نہیں کرے

گا بلکہ پوری نماز پڑھے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔

یہ حدیث اگرچہ امام شافعیؒ کی دلیل ہے لیکن اہل نظر کا کہنا ہے کہ اس حدیث کے سلسلہ روایت میں ابراہیم بن یحییٰ کا نام بھی آتا ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف قرار دی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب سفر السعادهؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرتبہ صحت کو پہنچی ہوئی نہیں ہے اور سفر کی حالت میں آنحضرت ﷺ سے پوری نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے اور دارقطنیؒ اور بیہقیؒ وغیرہ نے جو روایت نقل کی ہے جس سے حالت سفر میں اتمام اور قصر دونوں کا جواز ثابت ہوتا ہے بلکہ دارقطنیؒ نے اس کی صراحت بھی کی ہے کہ اس کی سند صحیح ہے تو اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا تعلق حکم اول سے ہوگا یعنی ابتداء میں تو اتمام اور قصر دونوں جائز تھے۔ مگر بعد کو قصر ہی کو ضروری قرار دیا گیا۔

یہاں حضرت عائشہؓ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حدیث کے پہلے جز کا تعلق تو ان نمازوں سے ہے جن میں قصر کیا جاتا ہے مثلاً چار رکعت والی نماز اور دوسرے جز کا تعلق ان نمازوں سے ہے جن میں قصر ہوتا ہی نہیں جیسے تین یا دو رکعت والی نماز یعنی آپ ﷺ چار رکعت والی نماز میں تو قصر کرتے تھے اور تین رکعت و دو رکعت والی نماز کو پوری پڑھتے تھے اسی مفہوم کو مراد لینے سے ظاہری معنی و مفہوم سے زیادہ دور جانا نہیں پڑتا کیونکہ قصر و اتمام دونوں ہی اپنی اپنی جگہ مفہوم ہو جاتے ہیں اور یہ توجہ بہت مناسب اور قریب از حقیقت ہے۔

بلا قصد و ارادہ پندرہ دن سے زیادہ قیام کی صورت میں قصر جائز ہے

⑩ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَهِدْتُ مَعَهُ الْفَتْحَ فَأَقَامَ بِمَكَّةَ ثَمَانِيَةَ عَشْرَةَ لَيْلَةً لَا يُصَلِّي إِلَّا رَكْعَتَيْنِ يَقُولُ يَا أَهْلَ الْبَلَدِ صَلُّوا أَرْبَعًا فَإِنَّا سَفَرٌ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عمران ابن حصینؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ غزوات میں شامل ہوا ہوں چنانچہ فتح مکہ میں (بھی) میں آپ ﷺ کے ہمراہ موجود تھا۔ آپ ﷺ (اس موقع پر) مکہ میں اٹھارہ راتیں مقیم رہے اور (چار رکعت والی نماز) دو رکعت پڑھتے رہے اور یہ فرما دیا کرتے تھے کہ اے اہل شہر تم لوگ چار رکعت نماز پڑھو میں مسافر ہوں۔“ (بخاری)

تشریح: پہلے بتایا جا چکا ہے کہ کسی جگہ بلا قصد و ارادہ پندرہ روز سے زیادہ بھی قیام کی صورت میں مسافر نماز قصر پڑھ سکتا ہے چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں آپ ﷺ کا قیام اٹھارہ راتیں رہا۔ آپ ﷺ آج کل میں وہاں سے روانگی کا پروگرام بناتے رہے مگر قیام بغیر قصد و ارادہ اتنا طویل ہو گیا چنانچہ آپ ﷺ قصر نماز پڑھتے رہے چونکہ مکہ کے قیام کے دوران آپ ﷺ ہی امامت فرماتے تھے۔ اس لئے آپ اپنی دو رکعتیں پوری کر کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کو فرما دیا کرتے تھے کہ اہل شہر چار رکعت نماز پوری کریں میں مسافر ہوں چنانچہ مسافر امام کے لئے مقیم مقتدیوں کو اس طرح مطلع کر دینا مستحب ہے۔

اسی حدیث سے معلوم ہو گیا کہ اگر مقیم مسافر کی اقتداء کرے تو اس کے لئے چار رکعت نماز پوری پڑھنی ضروری ہے امام کی متابعت میں دو رکعتیں ہی پڑھنی جائز نہیں ہے ہاں اگر مسافر مقیم کی اقتداء کرے تو اس کو متابعت کے پیش نظر چار رکعتیں ہی پڑھنی چاہئے۔

قصر صرف چار رکعت والی نماز ہی میں جائز ہے

⑪ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَفِي رَوَايَةٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ وَلَا يُنْقِصُ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ وَثَرُ النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سفر کی حالت میں سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ ظہر کی دو رکعتیں اور اس کے بعد (یعنی شنت کی) دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ سفر میں بھی نماز پڑھی ہے اور شہر (یعنی حضر) میں بھی، چنانچہ میں نے شہر میں تو آپ ﷺ کے ہمراہ ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد (شنت کی) دو رکعتیں پڑھی ہیں آپ ﷺ اس نماز میں سفر و شہر میں کوئی (زیادتی) نہیں کرتے تھے اور مغرب ہی کی نماز دن کے وتر (کہلاتے) ہیں اور اس کے بعد (شنت کی) دو رکعتیں پڑھتے تھے۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوئی کہ سفر کی حالت میں قصر ان ہی نمازوں میں جائز ہے جو چار رکعت والی ہیں جیسے ظہر، عصر اور عشاء جو نماز چار رکعت والی نہیں ہیں جیسے مغرب اور فجر اور ان میں قصر جائز نہیں ہے۔ یہ نمازیں جس طرح حضر میں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح انہیں سفر میں پڑھنی چاہئے۔

وہی وتر النہار کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نماز و ترات کے وتر ہیں اسی طرح مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں گویا اس قول سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ وتر کی نماز ایک سلام کے ساتھ تین رکعتیں ہیں۔ ابن ملک نے فرمایا ہے کہ ”یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شنت مؤکدہ حضر کی طرح سفر میں بھی پڑھنی چاہئے۔ مگر حنفیہ کے یہاں معتمد اور صحیح قول یہ ہے کہ جب مسافر کسی جگہ منزل کرے تو وہاں سنتیں پڑھے مگر راستہ میں چھوڑ دے نہ پڑھے۔“

جمع بین الصلوٰتین

⑫ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَزَالَجَ جَمْعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِنْ ازْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَرْنِغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتَّى يَنْزِلَ الْعَصْرُ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلَ ذَلِكَ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَزَالَجَ جَمْعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فَإِنْ ازْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَغِيْبَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتَّى يَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ غزوہ تبوک میں (اسی طرح عمل فرماتے تھے کہ) جب کوچ کرنے سے پہلے دوپہر چل جاتی تو آپ ﷺ ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھ لیتے تھے اور جب آپ ﷺ دوپہر ڈھلنے سے پہلے ہی کوچ فرماتے تو ظہر کی نماز میں تاخیر فرماتے اور عصر کے لئے اترتے (یعنی ظہر و عصر دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے) مغرب کی نماز میں بھی آپ ﷺ اسی طرح کرتے تھے کہ اگر آفتاب آپ ﷺ کے کوچ کرنے سے پہلے غروب ہو جاتا تو مغرب و عشاء دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے اور اگر آفتاب غروب ہونے سے پہلے ہی کوچ فرماتے تو نماز مغرب میں تاخیر فرماتے یہاں تک کہ عشاء کی نماز کے لئے اترتے اور (اس وقت) دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھتے۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے شوافع نے جمع بین الصلوٰتین کے سلسلے میں جمع تقدیم و جمع تاخیر ثابت کی ہے اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ ان کے نزدیک سفر میں دو نمازوں کو ایک ایک ساتھ پڑھ لینا جائز ہے اور ان دونوں نمازوں کو ان میں سے کسی ایک وقت بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ حنفیہ کے یہاں چونکہ جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں ہے اس لئے وہ اس سلسلے میں ابوداؤد کا قول نقل کرتے ہیں کہ ”وقت سے پہلے ہی نماز پڑھ لینے کے سلسلے میں کوئی بھی حدیث قوی ثابت نہیں ہے۔“

گویا ابوداؤدؒ کا یہ قول اس حدیث کے ضعیف ہونے پر دلیل ہے پھر یہ کہ حنفیہ کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ روایت ہے جو حضرات عبداللہ ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ ”میں نے آنحضرت ﷺ کو کوئی بھی نماز غیر مقررہ وقت میں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔“ لہذا ان دونوں حدیثوں کے تعارض کی شکل میں حضرت ابن مسعودؓ کی یہ حدیث ہی راجح ہوگی۔ کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں اس

سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے تقہ اور علم کی زیادتی اور روایت حدیث کے سلسلے میں احتیاط پسندی میں سب سے ممتاز ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کی روایت کردہ حدیث سب سے زیادہ صحیح اور معتمد ہوگی۔

سواری پر نماز پڑھنا

(۱۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ وَارَادَ أَنْ يَتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهِ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلَّى حَيْثُ وَجَّهَهُ رِكَائِلُهُ۔ (رواہ البوداؤد)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں سرتاجِ دو عالم ﷺ جب سفر کرتے (یعنی شہر سے باہر نکلے خواہ مسافر ہوتے یا قیام) اور نماز نفل پڑھتے کا ارادہ فرماتے تو اپنی اونٹنی کا منہ قبلہ کی طرف کرتے اور تکبیر تحریمہ کہتے، پھر جس طرف سواری نہ کرتی آپ ﷺ اسی طرف نماز پڑھتے رہتے۔“ (البوداؤد)

تشریح: امام شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ شکل میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض نماز میں تو شرط ہے مگر نفل نماز میں شرط نہیں ہے یعنی جو عذر (حدیث نمبر ۸ میں) ذکر کئے جا چکے ہیں ان کی وجہ سے اگر سواری پر فرض نماز پڑھی جائے تو قبلہ رو ہو کر تکبیر تحریمہ کہنی ضروری ہے۔

(۱۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ فَجِئْتُ وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَيَجْعَلُ السُّجُودَ أَخْفَضَ مِنَ الزَّكُوفِ۔ (رواہ البوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے مجھے کسی کام سے (کہیں) بھیجا۔ جب میں واپس آیا تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر مشرق کی طرف منہ کئے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور سجدہ رکوع سے پست تر کرتے تھے۔“ (البوداؤد)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آپ رکوع و سجدہ دونوں اشارہ سے کرتے تھے، چنانچہ سجدہ کے لئے تو زیادہ اور رکوع کے لئے کم جھکتے تھے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضرت عثمانؓ کا منیٰ میں قصر نہ کرنا

(۱۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنَى رَكَعَتَيْنِ وَأَبْنَى بَكْرٍ بَعْدَهُ وَعُمَرُ بَعْدَ ابْنِ بَكْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهِ ثُمَّ أَنَّ عُثْمَانَ صَلَّى بَعْدَ أَنْ بَعَا فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ صَلَّى أَرْبَعًا وَإِذَا صَلَّاهَا وَحْدَهُ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ۔ (متفق علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے منیٰ میں (چار رکعت والی نماز کی) دو رکعت پڑھی ہے آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی دو رکعت نماز پڑھی ہے ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے بھی دو رکعت نماز پڑھی ہے حضرت عثمان غنیؓ نے بھی ابتدائے خلافت میں تو دو ہی رکعت پڑھی ہے لیکن بعد میں چار رکعت پڑھنے لگے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جب امام (یعنی حضرت عثمانؓ کے ساتھ) نماز پڑھتے تھے تو چار رکعت پڑھتے تھے اور جب اکیلے (یعنی سفر میں) نماز پڑھتے تو دو رکعت ہی پڑھتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ آنحضرت ﷺ اور اپنے زمانہ خلافت میں حضرت ابوبکر و عمر فاروقؓ جب حج کے لئے سفر کرتے اور منیٰ میں پہنچتے

تو وہاں بھی مسافرانہ نماز (یعنی قصر نماز) پڑھتے تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں تو دو ہی رکعت نماز پڑھی ہے مگر بعد میں وہ چار رکعت نماز پڑھنے لگے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے اس عمل کے بارے میں کئی سبب نقل کئے جاتے ہیں چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ وہ مکہ میں متاہل تھے اس کی تائید امام احمدؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ”حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں تو لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا، انہوں نے فرمایا کہ لوگو! میں مکہ میں متاہل یعنی قبیلہ دار ہوں اور میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو شخص کسی شہر میں متاہل ہو تو وہ مقیم کی طرح نماز پڑھے“۔ حضرت عثمانؓ کے اس عمل پر لوگوں کی حیرت اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر میں پوری نماز نہیں پڑھتے تھے اور یہ کہ حالت سفر میں قصر لازم ہے ورنہ تو لوگ حیرت کا اظہار کیوں کرتے۔

حضرت عثمانؓ کے اس عمل کی ایک دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موسم حج میں بہت زیادہ مسلمان منیٰ میں جمع ہوتے تھے اور ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو نو مسلم تھے اور دین کے احکام پوری طرح نہیں جانتے تھے اس لئے حضرت عثمانؓ ان کو دکھانے کے لئے چار رکعتیں پڑھتے تھے تاکہ ناواقف مسلمان جان لیں کہ نماز کی چار رکعتیں ہیں اگر قصر کرتے اور دو رکعت پڑھتے تو وہ لوگ یہ جانتے کہ دو ہی رکعتیں فرض ہیں۔

یا پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آخر میں حضرت عثمانؓ کا عمل حضرت عائشہؓ کی رائے کے مطابق ہو گیا تھا کیونکہ حضرت عائشہؓ کے نزدیک سفر میں قصر اور اتمام دونوں ہی جائز تھے۔

قصر رخصت سے زیادہ عزیمت ہے

(۱۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَضَتْ أَرْبَعًا وَتَرَكْتُ صَلَاةَ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيضَةِ الْأُولَى قَالَ الزُّهْرِيُّ قُلْتُ لِعُرْوَةَ مَا بَالُ عَائِشَةَ تُمِمْ قَالَ تَأَوَّلَتْ كَمَا تَأَوَّلَ عُثْمَانُ - (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا (ابتداء سفر و حضر میں) نماز کی دو ہی رکعتیں فرض ہوئی تھیں پھر سرتاج دو عالم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو (مقیم کے لئے) چار رکعتیں فرض قرار دیدی گئیں اور حالت سفر میں پہلی ہی دو رکعتیں فرض رہیں۔ زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عروہؒ سے عرض کیا کہ حضرت عائشہؓ کو کیا ہوا کہ وہ سفر میں پوری (چار رکعت) نماز پڑھتی ہیں۔ انہوں نے فرمایا وہ بھی ایسی تاویل کرتی ہیں جیسا کہ حضرت عثمانؓ نے تاویل کی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں نماز کی دو دو رکعتیں فرض کی گئی تھیں لیکن بعد میں ظہر، عصر و عشاء کی چار چار رکعت فرض قرار دیدی گئیں۔ البتہ مغرب کی نماز کو پہلے ہی حکم پر قائم رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر کی حالت میں چار رکعت والی نماز کی دو رکعت پڑھنا چار رکعت مشروع ہونے کے بعد رخصت نہیں ہے بلکہ اصل میں مشروع ہی ہے چونکہ دو رکعتیں ہیں اس لئے قصر عزیمت یعنی لازم ہے نہ کہ رخصت جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس کا جی چاہے قصر کرے اور جس کا جی چاہے پوری نماز پڑھے۔ چنانچہ اس سے حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے لہذا اگر کوئی حالت سفر میں جب کہ اس پر قصر لازم ہو۔ پوری چار رکعت پڑھے گا اور پہلے قعدہ میں بیٹھے گا تو وہ برا کرے گا اور اس کی زائد دو رکعت نفل ہو جائیں گی اور اگر کوئی شخص چار رکعت اس طرح پڑھے گا کہ پہلے قعدہ میں نہ بیٹھے گا کہ حکم و ہی قعدہ اخیر ہے تو اس کی فرض نماز باطل ہو جائے گی۔

حدیث کے آخری الفاظ تاوالت کما تاوالت عثمان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت عثمانؓ سفر کی حالت میں چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور اپنے اس عمل کی تاویل کرتے تھے اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی سفر میں چار رکعت نماز پڑھتی تھیں اور اپنے اس عمل کی تاویل کرتی

تھیں اب سوال یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اور انہیں کی طرح حضرت عائشہؓ کی تاویل کیا تھی؟
تو علماء لکھتے ہیں کہ اس تاویل کے بارے میں صحیح قول یہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ و حضرت عائشہؓ دونوں ہی سفر کی حالت میں
قصر و اتمام دونوں جائز رکھتے تھے۔

قصر خدا کا حکم ہے

(۱۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ اللَّهُ الصَّلَاةَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ
رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ، نے تمہارے نبی سر تاج دو عالم ﷺ کی زبانی حضر میں چار رکعت فرض کی ہیں۔ اور
سفر میں دو رکعت اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: وفي السفر رکعتین حقیقہ کے مسلک کی صریح دلیل ہے کہ سفر کی حالت میں دو ہی رکعتیں پڑھی جائیں پوری نماز نہ پڑھنی
چاہئے۔

وفي الخوف رکعة (خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض ہے) اس کے ظاہری مفہوم پر علماء سلف میں سے ایک جماعت نے عمل
کیا ہے جس میں حسن بصریؒ اور اسحقؒ بھی شامل ہیں لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ نماز کی رکعتوں کے اعتبار سے امن اور خوف کی نماز میں
کوئی فرق نہیں ہے جتنی رکعتیں حالت امن میں پڑھی جاتی ہیں اتنی ہی رکعتیں خوف کی حالت میں بھی پڑھنی چاہئیں ان کی طرف سے اس
حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دو گانہ حقیقی یا حکمی امام کے ساتھ پڑھنے کے سلسلے میں یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ
ایک رکعت تو امام کے ساتھ پڑھی جائے اور ایک رکعت تنہا پڑھی جائے جیسا کہ خوف کی حالت میں آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ سے نماز
پڑھنے کا طریقہ احادیث صحیحہ میں ثابت ہے۔ اور شہر میں مطلقاً خوف کی حالت میں چار رکعتیں اور تین رکعتیں اس طرح پڑھی جائیں کہ امام
کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی جائیں اور بقیہ تنہا پڑھی جائیں۔ اس کی تفصیل صلوٰۃ الخوف کے باب میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

قصر قرآن و سنت سے ثابت ہے

(۱۸) وَعَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَا سَنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرِ
وَالْوُتْرِ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ و حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے سفر کی نماز کے لئے دو رکعتیں مقرر کی ہیں اور وہ ناقص
نہیں ہیں پوری ہیں اور سفر میں وتر سنت ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: سفر کی حالت میں قصر نماز پڑھنا تو قرآن کریم سے ثابت ہے لہذا حدیث کے الفاظ آنحضرت ﷺ نے اسے اپنے قول و فعل سے
واضح کیا ہے۔

وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرِ (اور وہ ناقص نہیں ہیں پوری ہیں) کا مطلب یہ ہے کہ سفر کی نماز کے لئے مشروع ہی دو رکعتیں ہیں نہ یہ کہ
پہلے چار رکعتیں مشروع تھیں پھر بعد میں دو رکعتیں کم کر دی گئی ہیں۔

اور وتر سفر میں سنت ہے۔ یعنی سفر میں نماز وتر پڑھنا سنت سے ثابت ہے یا یہ کہ سفر کی حالت میں نماز وتر پڑھنا اسلام کی سنتوں میں
سے ایک سنت ہے یہ مفہوم وجوب وتر کے منافی نہیں ہوگا۔ کیونکہ نماز وتر جس طرح حضر میں واجب ہے اسی طرح سفر میں بھی واجب
ہے۔

مسافت قصر کی حد

(۱۹) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ بَنِي عَبَّاسٍ كَانَ يَقْضُونَ الصَّلَاةَ فِي مِثْلِ مَا يَكُونُ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَغُسْفَانَ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَجَدَّةَ قَالَ مَالِكٌ وَذَلِكَ أَرْبَعَةُ بُرُودٍ - (رواہ فی الموطا)

”اور حضرت امام مالکؒ راوی ہیں کہ ان کو حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں پہنچی ہے کہ وہ (یعنی حضرت ابن عباسؓ) اس مسافت کے دوران جو مکہ اور طائف مکہ اور عسفان، مکہ اور جدہ کے درمیان ہے قصر نماز پڑھتے تھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسافت چار برید ہے۔“ (موطا)

تشریح: چار برید سولہ فرسخ کے برابر ہے، ایک فرسخ تین میل کو کہتے ہیں اور ایک میل (محدثین کے یہاں) چار ہزار ہاتھ کی مسافت کو کہتے ہیں۔ اس طرح چار برید اڑتالیس میل کی مسافت ہوئی۔ اگر ایک منزل کو بارہ میل کی مسافت مانی جائے تو چار برید کی چار منزلیں ہوں گی۔ بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں جن تین مسافت کا ذکر کیا گیا ہے وہ یکساں ہوں یعنی جتنی مسافت مکہ اور طائف کے درمیان ہو اتنی ہی مسافت مکہ اور عسفان کے درمیان ہو اسی طرح جتنی مسافت ان دونوں کی الگ الگ ہو اتنی ہی مسافت مکہ اور جدہ کے درمیان ہو۔ حالانکہ حقیقت میں یہ تینوں مسافت برابر نہیں ہیں۔ لہذا اگر یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے کہ حضرت امام مالکؒ کے قول ذلک اربعۃ برید (یہ مسافت چار برید ہے) کا تعلق آخری مسافت یعنی مکہ اور جدہ کے درمیان کی مسافت سے ہے کہ مکہ اور جدہ کا درمیانی فاصلہ چار برید ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے مذکورہ بالا فعل کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں مسافت قصر کی کوئی حد بیان نہیں کی گئی ہے بلکہ مطلقاً سفر ذکر کیا گیا ہے قصر نماز کے باب کی احادیث پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں جہاں بھی قصر نماز کا ذکر کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کے قصر نماز پڑھنے کو بیان کیا گیا ہے ان تمام مواقع کی مسافت میں فرق ہے بعض مسافت کم ہے اور بعض مسافت زیادہ ہے آپ ﷺ کے بعد صحابہؓ، تابعین اور ائمہ و علماء اُمت کی آسانی کے لئے اپنے اپنے اجتہاد کے ذریعہ اور غورو فکر کے ساتھ مسافت قصر کی حد مقرر کی ہے کہ اس حد سے کم مسافت میں نماز قصر نہیں ہوگی بلکہ پوری ہی پڑھی جائے گی اور اس مسافت یا اس سے زائد مسافت کی صورت میں قصر واجب ہوگا۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے ایک روایت کے مطابق ایک روز کی مسافت اور دوسری روایت کے مطابق دو روز کی مسافت کو مقرر کیا ہے لیکن ان کے مسلک کی کتاب ”حاوی“ میں سولہ فرسخ کا تعین کیا گیا ہے اور یہی مسلک حضرت امام مالکؒ و حضرت امام احمدؒ کا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے مسافت قصر کے سلسلے میں تین منزل کی حد مقرر کی ہے اور ایک منزل اتنی مسافت پر ہو کہ چھوٹے دنوں میں قافلہ صبح کو چل کر روپیہ کے بعد منزل پر پہنچ جائے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ نے دو روز اور تیسرے روز کے اکثر حصہ کی مسافت کو مسافت قصر قرار دیا ہے۔ اصحابِ ظواہر (وہ جماعت جو صرف حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل پیرا ہوتی ہے) نے مطلقاً سفر کا اعتبار کیا ہے یعنی ان کے نزدیک مسافت قصر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے خواہ سفر لمبا ہو یا چھوٹا ہو ہر صورت میں نماز قصر ادا کی جائے گی۔

اس سلسلہ میں اگر چاروں ائمہ کے مسلک کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت اور نتیجہ کے اعتبار سے سب کا یکساں ہی مسلک ہے کیونکہ حقیقہ کے نزدیک مشہور مسلک کے مطابق مسافت قصر (۴۸) میل مقرر ہے، حاوی کے قول کے مطابق شوافع کے یہاں سولہ فرسخ مقرر ہے اور سولہ فرسخ حساب کے اعتبار سے (۴۸) میل کے برابر ہے اسی طرح حضرت امام مالکؒ و حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔ لہذا چاروں مسلک میں مسافت قصر (۴۸) میل ہوئی۔ واللہ اعلم

سفر میں نماز پڑھنے کا بیان

(۲۰) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ أَهْمَارًا أَتَيْتُهُ تَوَلَّى رُكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ مجھے سر تاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ اٹھارہ دن میں سفر کا شرف حاصل رہا ہے میں نے اس دوران میں یہ کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے زوال آفتاب کے بعد نماز ظہر سے پہلے دو رکعتیں چھوڑی ہوں۔“ (ابوداؤد، ترمذی، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ زوال آفتاب کے بعد اور نماز ظہر سے پہلے دو رکعتیں فرض سے پہلے کی سنتیں پڑھتے ہوں گے اور سفر کی وجہ سے چار رکعت پر اکتفا کرتے ہوں گے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضو کی ہوں۔

(۲۱) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَرَى ابْنَةَ عَبْدِ اللَّهِ يَتَنَفَّلُ فِي السَّفَرِ فَلَا يَنْكِرُ عَلَيْهِ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت نافعؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ اپنے صاحبزادے حضرت عبید اللہؓ کو سفر کی حالت میں نفل نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے اور منع نہیں کرتے تھے۔“ (مالک)

تشریح: ہو سکتا ہے کہ حضرت عبید اللہؓ سنت مؤکدہ پڑھتے ہوں گے۔ یا یہ کہ وہ اس اعتقاد کے باوجود کہ سفر کی حالت میں نفل نماز کو چھوڑ دینا جائز ہے۔ اگر وقت میں وسعت دیکھتے ہوں گے، تو دوسرے نوافل پڑھنے لگتے ہوں گے۔ لہذا اس مفہوم کی صورت میں حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں اس روایت کو جس میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے قافلہ کے لوگوں کو سفر میں نفل نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۶۰) اس بات پر محمول کیا جائے کہ انہوں نے وہاں یا تو ان لوگوں کو اس لئے منع کر دیا تھا کہ وہ دوسرے نوافل تک وقت میں پڑھ رہے تھے۔ یا یہ کہ وقت میں تو وسعت تھی۔ مگر انہوں نے یہ گمان کیا ہوگا، کہ وظائف مثلاً نوافل وغیرہ اس قدر لازم ہیں کہ انہیں سفر کی حالت میں بھی نہ چھوڑنا چاہئے۔ حالانکہ ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔ اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے ان کو نوافل پڑھنے سے روک کر ان کے اس گمان و خیال کی تردید فرمائی۔ کیونکہ اللہ جل شانہ تو اپنے فضل و کرم سے مسافر بندہ کے نامہ اعمال میں اس عمل کا ثواب بھی لکھتا ہے جو وہ از قسم عبادت حضر ہو یعنی اپنے گھر میں کرتا تھا۔ ورنہ تو جہاں تک نفس نماز کا تعلق ہے اس سے بہتر کون سی مشغولیت ہو سکتی ہے اور بغیر کسی وجہ کے اس کے پڑھنے سے کون روک سکتا ہے۔ جب کہ حضرت ابن عمرؓ خود جانتے تھے کہ نماز سے روکنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى عَبْدًا إِذَا صَلَّى۔

”بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے (یعنی) ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھنے لگتا ہے؟“

بَابُ الْجُمُعَةِ

جمعہ کا بیان

لفظ ”جمعہ“ جو ہفتہ کے ایک دن کا نام ہے فصیح زبان و لغت کے اعتبار سے جم اور میم دونوں کے پیش کے ساتھ ہے لیکن جم کے پیش اور میم کے سکون کے ساتھ بھی مستعمل ہوا ہے۔

اس دن کو جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جمع اور پوری کی گئی تھی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس

دن کو جمعہ کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب بہشت سے دنیا میں اتارے گئے تو اسی دن زمین پر وہ حضرت حواؑ کے ساتھ جمع ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ علماء نے اور بھی وجہ تسمیہ بیان کئے ہیں چنانچہ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس دن چونکہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں اس لئے اسے یوم الجمعہ کہا جاتا ہے۔

جمعہ اسلامی نام ہے زمانہ جاہلیت میں اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا۔ لیکن بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ عروبہ بہت قدیم نام تھا مگر زمانہ جاہلیت ہی میں یہ نام بدل دیا گیا تھا اور اس دن کو جمعہ کہا جانے لگا تھا۔

جمعہ کا روز نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی ایک امتیازی اور شرف و فضیلت کا دن مانا جاتا تھا مگر اسلام نے اس دن کو اس کی حقیقی عظمت و فضیلت کے پیش نظر بہت ہی زیادہ باعظمت و بافضیلت دن قرار دیا۔

گذشتہ صفحات میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نماز سے زیادہ اور کوئی عبادت پسند نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ بندوں پر اللہ جل شانہ کی طرف سے جو بے انتہا نعمتوں کی بارش ہوتی ہے اور جن کا سلسلہ انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک ہے۔ بلکہ پیدائش سے قبل اور موت کے بعد بھی انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہمکنار رہتا ہے اس کے ادائے شکر کے لئے ہر دن میں پانچ وقت نماز مقرر کی اور جمعہ کے دن چونکہ تمام دنوں سے زیادہ نعمتیں بندوں پر نازل ہوتی ہیں اس لئے اس دن ایک خاص نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ جماعت کے باب میں جماعت کی حکمتیں اور اس کے فائدے بیان کئے جا چکے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ جماعت میں جتنی زیادہ کثرت ہوگی اور مسلمان جتنی بڑی تعداد میں نماز کے لئے جمع ہوں گے اسی قدر ان فوائد کا زیادہ ظہور ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے۔ جب کہ محلوں کے مسلمان اور اس مقام کے اکثر لوگ ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھیں چونکہ ہر روز پانچوں وقت اس قدر اجتماع لوگوں کی پریشانی و تکلیف کے پیش نظر ممکن نہ ہوتا اس لئے شریعت نے ہفتہ میں ایک دن ایسا مقرر فرمادیا جس میں مختلف محلوں اور گاؤں کے مسلمان آپس میں ایک جگہ جمع ہو کر اس عبادت کو اداء کریں اور چونکہ جمعہ کا دن تمام دنوں میں افضل و اشرف تھا لہذا یہ تخصیص اسی دن کے لئے کی گئی۔

اگلی امتوں کو بھی خدائے تعالیٰ نے اس دن عبادت کا حکم فرمایا تھا مگر انہوں نے اپنے تہود و سرکشی اور اپنی بد نصیبی کی بناء پر اس میں اختلاف کیا اور ان کی اس سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس عظیم سعادت سے محروم رہے اور یہ فضیلت و سعادت بھی اسی اُمت مرحومہ کے حصہ میں پڑی۔ یہود نے سینچر کا دن مقرر کر لیا اس خیال سے کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تھا۔ عیسائیوں نے اتوار کا دن مقرر کیا اس خیال سے کہ یہ دن ابتداء کے آفرینش کا ہے۔

چنانچہ لب تک یہ دونوں فرقے ان دنوں میں عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں، اپنے تمام کام کاج چھوڑ کر اس دن چرچ و عبادت گاہوں میں ضرور جاتے ہیں۔ عیسائی حکومتوں میں اتوار کے دن اسی سبب سے تمام دفاتر و تعلیم گاہوں میں تعطیل ہوتی ہے۔ بعض مسلم حکومتوں کی یہ عرو بیت اور بد نصیبی ہے کہ وہ بھی عیسائی حکومتوں کے اس خالص مذہبی طرز عمل کو بدل نہ سکیں اور اپنے ملکوں میں بجائے جمعہ کے اتوار کے دن عام تعطیل کرنے پر مجبور ہیں۔

نماز جمعہ کی فرضیت: نماز جمعہ فرض عین ہے، قرآن مجید، احادیث متواترہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے اور اسلام کے شعائر اعظم میں سے ہے نماز جمعہ کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر اور اس کو بلا عذر چھوڑنے والا فاسق ہے، نماز جمعہ کے بارے میں ارشاد باری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۵﴾

”اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لئے اذان کہی جائے تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ”ذکر“ سے مراد نماز جمعہ اور اس کا خطبہ ہے۔ ”دوڑنے“ سے مراد اس نماز کے لئے نہایت اہتمام کے ساتھ جانا۔ نماز جمعہ کی فرضیت آنحضرت ﷺ کو مکہ ہی میں معلوم ہو گئی تھی، مگر غلبہ کفر کے سبب اس کے ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لاتے ہی آپ نے نماز جمعہ شروع کر دی۔

مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے حضرت اسعد ابن زرارہؓ نے اپنے اجتہاد صائب اور کشف صادق سے جمعہ کی نماز شروع کر دی تھی۔ (علم الفقہ)

نماز جمعہ کے بارے میں یہاں چند باتیں عرض کر دی گئی ہیں آئندہ ابواب میں حسب موقع نماز جمعہ کے احکام و مسائل اور اس کے فضائل کو بیان کیا جاتا رہے گا۔

الفصل الاول

جمعہ کی فضیلت سے یہود و نصاریٰ کا اعراض

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الْأَخْزَرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَبْدَأُ اللَّهُ الْكِتَابَ مِنْ قِبَلِنَا وَأَوْتِنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ هَذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْهِمْ يَعْنِي يَوْمَ الْجَنَّةِ فَاخْتَلَفُوا فِيهِ فَهَذَا أَنَا اللَّهُ لَهُ وَالنَّاسُ لِنَافِيهِ تَبَعَ الْيَهُودُ غَدَاً وَالنَّصَارَى بَعْدَ غَدٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِنَسْلِمٍ قَالَ نَحْنُ الْأَخْزَرُونَ الْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَنَحْنُ أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يَبْدَأُ اللَّهُ بِهِمْ وَذَكَرَ نَحْوَهُ لِي آخِرُهُ وَفِي آخِرِهِ لَهُ عَنْهُ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ الْحَدِيثِ نَحْنُ الْأَخْزَرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُقْصِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ۔

”حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ہم دنیا میں بعد میں آنے والے ہیں اور قیامت کے دن شرف و مرتبہ میں سب سے آگے ہوں گے علاوہ ازیں اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) کو اللہ کی طرف سے ہم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور ہمیں بعد میں کتاب ملی ہے پھر یہ دن یعنی جمعہ کا دن ان (اہل کتاب) پر فرض کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دن (یعنی جمعہ) کے بارے میں ہماری ہدایت فرمائی یاں طور کہ ہم نے خدا کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس دن کو خدا کی عبادت کے لئے اختیار کیا۔ اور لوگ یعنی یہود و نصاریٰ نہ صرف شرف و فضیلت بلکہ دن کے اعتبار سے بھی ہمارے تابع ہیں۔ یہود نے کل (یعنی جمعہ) کے بعد کے دن (سنچر) کو اختیار کیا اور نصاریٰ نے پرسوں (یعنی سنچر کے بعد کا دن اتوار) اختیار کیا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلمؒ ہی کی ایک روایت میں حضرت ابوہریرہؓ و حضرت حذیفہؓ سے یوں منقول ہے کہ دونوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے حدیث کے آخر میں فرمایا۔ (دنیا میں آنے کے اعتبار سے) ہم سب سے پیچھے ہیں اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے کہ ساری مخلوقات سے پہلے ہمارے لئے (حساب کا اور جنت میں داخل ہونے کا) حکم کیا جائے گا۔“

تشریح: حدیث کے الفاظ ”ہمیں بعد میں کتاب ملی ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ گذشتہ امتوں کے پاس خدا نے تعالیٰ کی کتاب پہلے نازل ہوئی ہے اور پھر سب سے بعد میں ہماری امت کو قرآن کریم سے نوازا گیا ہے مگر درحقیقت یہی چیز ہماری امت کے لئے تمام امتوں کے مقابلہ میں شرف و فضیلت کی دلیل ہے کیونکہ اصولی بات ہے کہ جو کتاب بعد میں آتی ہے وہ پہلی کتاب کو منسوخ قرار دے دیتی ہے اور ظاہر ہے کہ جو کتاب پہلی کتاب کو منسوخ قرار دے گی وہ اپنی عظمت و فضیلت کے اعتبار سے تمام کتابوں پر حاوی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا قول نحن الاخرون بھی امت محمدی کی فضیلت و عظمت کے بیان کے لئے ہے۔

ارشاد گرامی فاختلفوا فيه کی وضاحت و تشریح میں شارحین حدیث کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہود و نصاریٰ پر جمعہ کے روز کو فرض کرنے سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کہ اہل کتاب نے اس میں کیا اختلاف کیا؟

چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں پر جمعہ کی نماز فرض کی ہے بعینہ اسی طرح اہل کتاب پر بھی جمعہ کے روز عبادت کرنا فرض قرار دیا تھا اور انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ اسی روز عبادت خداوندی کے لئے آپس میں جمع ہوا کریں جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے مگر انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اسی معاملہ میں بھی خدا کے حکم سے اعراض کیا اور اپنی سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا جمعہ کو فرض کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں تمہارے لئے ایک ایسا دن فرض قرار دیا ہے جس میں تم اپنے دنیوی امور سے فارغ ہو کر اور تمام کام کاج چھوڑ کر خدا کی عبادت اور ذکر میں مشغول رہو لہذا تم اپنی اجتہاد اور فکری قوت سے کام لیتے ہوئے اس دن کو مستحق کر لو کہ وہ کونسا دن ہے؟ گویا اس طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ اہل کتاب کے اجتہاد و فکر کا امتحان تھا کہ آیا یہ حق اور صحیح بات دریافت کر لینے اور اس پر مطلع ہو جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ یہود نے تو سنیچر کے دن کو مستحق کیا اور کہا کہ یہی دن عبادت خداوندی میں اجتماعیت کے ساتھ مشغول ہونے کا دن ہے اور اسی دن کی سب سے زیادہ فضیلت ہے کیونکہ اسی دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تھا۔ لہذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اس دن دنیا کے کاروبار سے فراغت حاصل کر کے عبادت میں مشغول رہیں۔

نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کیا انہوں نے اس دن کو باس طور تمام دنوں سے زیادہ افضل و بارکرت جانا کہ یہی دن ابتداء کے آفرینش کا ہے۔ انہوں نے سوچا کہ مبداء کمالات و انعامات ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ مخلوق پر اپنے فیض اور اپنی نعمتوں کے ساتھ متوجہ ہوا۔ لہذا اس مقصد کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و پرستش بہت زیادہ کی جائے اور بندے دنیا کی مصروفیتوں سے منہ موڑ کر اپنے پیدا کرنے والے اور اپنے پالنہار کی بندگی میں مصروف رہیں یہی دن سب سے زیادہ مناسب اور بہتر ہو سکتا ہے۔

لیکن یہود و نصاریٰ دونوں اپنے اجتہاد اور اپنی رائے میں ناکام رہے ان کی طبیعت اور ان کے مزاج میں چونکہ تہرد و سرکشی کا مادہ زیادہ تھا۔ سعادت و بھلائی کے نور سے ان کے قلوب پوری طرح مستفید نہ تھے اس لئے وہ اصل مقصد اور اصل دن جو خدا کے علم میں تھا اس کو تو پہچان نہ سکے بلکہ اپنی اپنی دلیلوں کا سہارا لے کر دوسرے دنوں کو اختیار کر بیٹھے۔

برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کو ہدایت سے نوازا اور اپنے فضل و کرم سے اصل دن یعنی جمعہ کی معرفت عطا فرمائی چنانچہ جب اللہ جل شانہ نے اس آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ** کے ذریعے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جمعہ کو خدا کی عبادت کی جائے تو اس کے ساتھ انہیں اس حکم کی بجا آوری کی توفیق بھی عطا فرمائی اور اس امت کو اس مرحلے پر بھی تہرد و سرکشی اور خود ساختہ دلیلوں کے ذریعے گمراہ نہیں کیا چنانچہ مسلمانوں نے خدا کے اس حکم کے آگے گردن اطاعت جھکا دی اور ایک جی فرمانبردار امت ہونے کے ناطے جمعہ ہی کے دن کو خدا کی عبادت و بندگی کے لئے اختیار کر لیا۔

”لوگ ہمارے تابع میں“ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کا روز چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا دن ہونے کی وجہ سے نسل انسانی کے لئے مبداء اور انسانی زندگی کا سب سے پہلا دن ہے اس لئے اس دن عبادت کرنے والے عبادت کے اعتبار سے مقبوع اور اس کے بعد کے دودن یعنی سنیچر و اتوار کو عبادت کرنے والے تابع ہوئے۔

اسی بنا پر یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ شرعاً اور اصولاً جمعہ کا دن ہی ہفتہ کا پہلا دن ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ عرف عام اس کے برخلاف ہے۔

جمعہ کے دن کی فضیلت

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خَلِقُ

آذَمُ وَفِيهِ أَذْخَلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقْرَأُ السَّاعَةَ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاجِ دوعالم ﷺ نے فرمایا۔ ان دنوں کا جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ (یعنی ان کی تخلیق مکمل ہوئی) اسی دن وہ بہشت میں داخل ہوئے اور اسی دن انہیں بہشت سے نکالا گیا (اور زمین پر اتارا گیا) اور قیامت بھی جمعہ ہی کے روز قائم ہوگی۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے پہلے جملہ کے ذریعہ بطور مبالغہ جمعہ کے دن کی فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام دنوں میں سب سے زیادہ افضل دن جمعہ ہے کیونکہ ایسا کوئی بھی دن نہیں ہے جس میں آفتاب طلوع نہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہونے کی وجہ سے جمعہ کے دن کی فضیلت تو ظاہر ہے لیکن بہشت سے نکلنے کا دن ہونے کی وجہ سے جمعہ کی فضیلت اس لئے ہے کہ دراصل حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے نکل کر زمین پر آنا انبیاء اور اولیاء کی پیدائش کا سبب اور ان کی مقدس زندگیوں سے بے شمار احسان کے ظہور کا باعث ہوا۔ ایسے ہی حضرت آدم علیہ السلام کی موت بارگاہ رب العزت میں ان کی حاضری کا سبب ہوئی اسی طرح قیامت کا قائم ہونا جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے جس میں پرہیزگاروں اور نیکو کاروں سے اللہ تعالیٰ کے کئے گئے وعدے ظاہر ہوں گے۔

”قیامت قائم ہونے“ سے مراد یا تو پہلا صور ہے کہ جس کی آواز سے زمین و آسمان فنا ہو جائیں گے اور پوری دنیا موت کی آغوش میں پہنچ جائے گی یا دوسرا صور بھی مراد لیا جاسکتا ہے جو تمام مخلوق کو دوبارہ زندہ کرنے اور انہیں احکم الحاکمین کی بارگاہ میں حساب کے لئے پیش کرنے کے واسطے پھونکا جائے گا۔

علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ تمام دنوں میں عرفہ کا دن افضل ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ جمعہ کا روز افضل ہے۔ جیسا کہ اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے لیکن یہ اختلاف و تضاد اس صورت میں ہے جب کہ مطلقاً یہ کہا جائے کہ دنوں میں سب سے افضل دن عرفہ ہے یا اسی طرح کہا جائے کہ جمعہ کا دن سب سے افضل دن ہے اور اگر دونوں اقوال کا مفہوم اس طرح لیا جائے کہ جو حضرات عرفہ کی فضیلت کے قائل ہیں ان کی مراد یہ ہے کہ سال میں سب سے افضل دن عرفہ ہے اور جو حضرات کہتے ہیں کہ جمعہ سب سے افضل دن ہے ان کی مراد یہ ہے کہ ہفتہ کے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ ہے۔

اس طرح نہ صرف یہ کہ دونوں اقوال میں کسی تطبیق اور تاویل کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ دونوں اقوال اپنی اپنی جگہ صحیح اور قابل قبول ہوں گے ہاں اگر حسن اتفاق سے عرفہ (یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ) جمعہ کے روز ہو جائے تو نور علی نور کہ یہ دن مطلقاً تمام دنوں میں سب سے زیادہ افضل ہوگا اور اس دن کیا جانے والا عمل تمام اعمال میں افضل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ خوش قسمتی سے اگر جمعہ کے روز ہوتا ہے تو اس کو حج اکبر کہتے ہیں۔ کیونکہ جو حج جمعہ کے دن ہوتا ہے وہ فضیلت و مرتبہ کے اعتبار سے جمعہ کے علاوہ دوسرے ایام میں ادا ہونے والے ستر حجوں پر بھاری ہوتا ہے۔

جمعہ کی فضیلت و عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابن مسیبؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ نفل حج سے زیادہ محبوب ہے۔

جامع صغیر میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت مرفوعاً منقول ہے کہ ”جمعہ حج المساکین ہے۔“

جمعہ کے دن ساعت قبولیت

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللَّهَ فِيهَا خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ قَالَ وَهِيَ سَاعَةٌ خَفِيفَةٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهَا قَالُ إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ قَائِمٌ يَصِلُ يَسْأَلُ اللَّهَ خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج و دعاء ﷺ نے فرمایا۔ جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے اگر کوئی بندہ مؤمن پائے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے تو خدا اس کو وہ بھلائی عطا کر دیتا ہے۔ (یعنی اس ساعت میں مانگی جانے والی دعا ضرور مقبول ہوتی ہے) بخاری و مسلم ایک روایت میں مسلم نے یہ الفاظ مزید نقل کئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ ساعت بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ اور بخاری و مسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا بلا شک و شبہ جمعہ کے روز ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے اگر کوئی بندہ مؤمن جو نماز کے لئے کھڑا ہو پالے اور خدا سے بھلائی کے لئے دعا کرے تو اس کو خدا وہ بھلائی ضرور عطا فرمادیتا ہے۔“

تشریح: جمعہ کے روز ایک خاص ساعت ہے جس میں بندہ کی جانب سے پروردگار میں پیش کی جانے والی ہر درخواست منظور ہوتی ہے مگر وہ ساعت متعین اور ظاہر نہیں ہے بلکہ اسے پوشیدہ رکھا گیا ہے یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ ساعت کب آتی ہے اور اسے پوشیدہ رکھنے سے حکمت یہ ہے کہ لوگ اس ساعت کی امید میں پورے دن عبادت میں مشغول رہیں اور جب وہ ساعت آئے تو ان کی عبادت و دعا اس خاص ساعت میں واقع ہو۔

علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ ”قبولیت کی جو ساعت منقول ہیں ان سب میں جمعہ کے روز کی ساعت قبولیت میں مطلب برآری اور دعا کے قبول ہونے کی امید بہت زیادہ ہوتی ہے۔“

اعطاء ایاہ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ بندہ اس مقبول ساعت میں دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے یاں طور پر کہ اس کا مقصد دنیا ہی میں پورا کر دیتا ہے یا قبولیت دعا کی یہ صورت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مصلحت اور بندہ کی بہتری ہی کے لئے دنیا میں اس کی دعا کا کوئی اجر ظاہر نہیں فرماتا بلکہ وہ اس کے لئے ذخیرہ آخرت ہو جاتی ہے کہ وہاں اس کا ثواب اسے دیا جائے گا۔

لفظ قائم یصلیٰ کے معنی یہ ہیں کہ ”نماز پابندی اور مداومت کے ساتھ پڑھتا ہو“ یا یہ معنی ہیں کہ دعا پر مواظبت و مزاوت کرتا ہو، یا یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ ”نماز کا انتظار کرتا ہو“۔ یہ تاویلات اس لئے کی گئی ہیں تاکہ تمام روایات میں مطابقت ہو جائے۔

جمعہ کے دن ساعت قبولیت کب آتی ہے

(۴) وَعَنْ أَبِي بُرْزَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي شَأْنِ سَاعَةِ الْجُمُعَةِ مَا يَنْبَغِي أَنْ يَخْلِسَ إِلَيْهِ إِلَّا مَا مَأْمُورٌ بِهِ أَنْ تُقْضَى الصَّلَاةُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابی ہریرہؓ ابن ابی موسیٰ راوی ہیں کہ میں نے اپنے والد مکرم (حضرت ابو موسیٰؓ) سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کو جمعہ (کے دن) کی ساعت قبولیت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ ساعت (خطبہ کے لئے) امام کے منبر پر بیٹھے اور نماز پڑھی جانے تک کادر میانی عرصہ ہے۔“ (مسلم)

تشریح: جمعہ کے روز قبولیت دعا کی ساعت منقول ہے۔ اور اس کی حقیقت میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہے لیکن علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ وہ ساعت کونسی ہے؟ یعنی وہ کونسا وقت ہے جس میں ساعت قبولیت آتی ہے؟ چنانچہ بعض علماء کی تحقیق تو یہ ہے کہ شب قدر کی ساعت قبولیت اور ام عظم کی طرح جمعہ کے روز کی ساعت قبولیت بھی مبہم یعنی غیر معلوم ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ ساعت ہر جمعہ کو بدلتی رہتی ہے کسی جمعہ کو تودن کے ابتدائی حصے میں آتی ہے اور کسی جمعہ کو درمیانی حصے میں اور اسی طرح کسی جمعہ کو دن کے آخری حصے میں آتی ہے لیکن اکثر علماء کا کہنا یہ ہے کہ وہ ساعت متعین اور معلوم ہے لیکن اس میں بھی اختلاف ہے کہ اگر وہ ساعت متعین اور معلوم ہے تو کونسی ساعت ہے۔ اور وہ کونسا وقت ہے جس میں یہ عظیم و مقدس ساعت پوشیدہ ہے۔ اس بارے میں بیستیس اقوال منقول ہیں۔

- ① جمعہ کے روز فجر کی نماز کے لئے مؤذن کے اذان دینے کا وقت۔
- ② فجر کے طلوع ہونے سے آفتاب کے طلوع ہونے تک کا وقت۔
- ③ عصر سے آفتاب غروب ہونے تک کا وقت۔
- ④ خطبہ کے بعد امام کے منبر سے اترنے سے تکبیر تحریمہ کہے جانے تک کا وقت۔
- ⑤ آفتاب نکلنے کے فوراً بعد کی ساعت۔
- ⑥ طلوع آفتاب کا وقت۔
- ⑦ ایک پہر باقی دن کی آخری ساعت۔
- ⑧ زوال شروع ہونے سے آدھا سایہ ہو جانے تک کا وقت۔
- ⑨ زوال شروع ہونے سے ایک ہاتھ سایہ آجانے تک کا وقت۔
- ⑩ ایک بالشت آفتاب ڈھلنے کے بعد سے ایک ہاتھ آفتاب ڈھل جانے تک کا وقت۔
- ⑪ عین زوال کا وقت۔
- ⑫ جمعہ کی نماز کے لئے مؤذن جب اذان کہے وہ وقت۔
- ⑬ زوال شروع ہونے سے نماز جمعہ میں شامل ہونے تک کا وقت۔
- ⑭ زوال شروع ہونے سے امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک کا وقت۔
- ⑮ زوال آفتاب تک کا وقت۔
- ⑯ خطبہ کے لئے امام کے منبر پر چڑھنے سے نماز جمعہ شروع ہونے تک کا وقت۔
- ⑰ امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک کا وقت۔
- ⑱ خطبہ کے لئے امام کے منبر پر چڑھنے اور ادائیگی نماز کے درمیان کا وقت۔
- ⑲ اذان سے ادائیگی نماز کے درمیان کا وقت۔
- ⑳ امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز پوری ہو جانے تک کا وقت۔
- ㉑ خرید و فروخت کے حرام ہونے اور ان کے حلال ہونے کے درمیان کا وقت یعنی اذان کے وقت سے نماز جمعہ ختم ہو جانے تک۔
- ㉒ اذان کے قریب کا وقت۔
- ㉓ امام کے خطبہ شروع کرنے اور خطبہ ختم کرنے تک کا وقت۔
- ㉔ خطبہ کے لئے امام کے منبر پر چڑھنے اور خطبہ شروع کرنے کا درمیانی وقت۔
- ㉕ دونوں خطبوں کے درمیان امام کے بیٹھنے کا وقت۔
- ㉖ خطبہ سے فراغت کے بعد امام کے منبر سے اترنے کا وقت۔
- ㉗ نماز کے لئے تکبیر شروع ہونے سے امام کے مصلیٰ پر کھڑے ہونے تک کا وقت۔
- ㉘ تکبیر شروع ہونے سے اختتام نماز تک کا وقت۔
- ㉙ جمعہ کی نماز سے فراغت کے فوراً بعد کا وقت۔
- ㉚ عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کا وقت۔
- ㉛ نماز عصر کے درمیان کا وقت۔

۳۲) عصر کی نماز سے (غروب آفتاب سے پہلے) نماز کا آخری وقت مستحب رہنے تک کا وقت۔

۳۳) مطلقاً نماز عصر کے بعد کا وقت۔

۳۴) نماز عصر کے بعد کی آخری ساعت۔

۳۵) اور وہ وقت جب کہ آفتاب ڈوبنے لگے۔

منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت فاطمہ زہراؑ اور تمام اہل بیت نبوت رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے خادموں کو متعین کرتے تھے کہ وہ ہر جمعہ کے روز آخری گھڑی کا خیال رکھیں اور اس وقت سب کو یاد دلائیں تاکہ وہ سب اس گھڑی میں پروردگار کی عبادت، اس کے فکر اور اس سے دعا مانگنے میں مشغول ہو جائیں۔

یہاں جو حدیث نقل کی گئی ہے اس کے متعلق بقیہ سے پوچھا گیا کہ خطبہ کے وقت دعا کیونکر مانگی جائے کیونکہ یہ حکم ہے کہ جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت خاموشی اختیار کی جائے۔

اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ ”دعا کے لئے تلفظ شرط نہیں ہے بلکہ اپنے مقصود و مطلوب کا دل میں دھیان رکھنا کافی ہے یعنی دعا کے لئے یہی ضروری نہیں ہے کہ دعا کے الفاظ زبان سے ادا کئے جائیں بلکہ یہ بھی کافی ہے کہ دل ہی دل میں دعا مانگ لی جائے اس طرح مقصود بھی حاصل ہو جائے گا اور خطبہ کے وقت خاموش رہنے کے شرعی حکم کے خلاف بھی نہیں ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ”یہ بات مجھے معلوم ہوئی ہے کہ جمعہ کی شب میں بھی مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّانِي

جمعہ کی فضیلت اور ساعت قبولیت

⑤ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ إِلَى الطُّورِ فَلَقَيْتُ كَعْبَ الْأَخْبَارِ فَجَلَسْتُ مَعَهُ فَحَدَّثَنِي عَنِ النَّوْزَةِ وَحَدَّثَنِي عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِيهَا حَدَّثُهُ أَنْ قُلْتُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُحْبِطَ وَفِيهِ تَبَّ عَلَيْهِ وَفِيهِ مَاتَ وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا وَهِيَ مُصَيِّحَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِينَ تَصْبِحُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِنَ السَّاعَةِ إِلَّا الْجِنَّ وَالْإِنْسَ وَفِيهِ سَاعَةٌ لَا يُصَادُ فِيهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللَّهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ قَالَ كَعْبُ ذَلِكَ فِي كُلِّ سَنَةٍ يَوْمَ فَقُلْتُ بَلْ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَرَأَ كَعْبُ النَّوْزَةَ فَقَالَ صَدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ لَقِيتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَلَامٍ فَحَدَّثَنِي بِمَجْلِسِي مَعَ كَعْبِ الْأَخْبَارِ وَمَا حَدَّثَنِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ لَهُ قَالَ كَعْبُ ذَلِكَ فِي كُلِّ سَنَةٍ يَوْمَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ كَذَبَ كَعْبٌ فَقُلْتُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ كَعْبُ النَّوْزَةَ فَقَالَ بَلْ هِيَ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ صَدَقَ كَعْبٌ ثُمَّ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ قَدْ عَلِمْتُ آيَةَ سَاعَةٍ هِيَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي بِهَا وَلَا تَضِنَّ عَلَيَّ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ هِيَ آخِرُ سَاعَةٍ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ وَكَيْفَ تَكُونُ آخِرُ سَاعَةٍ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَادُ فِيهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي فِيهَا فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ فَهُوَ فِي صَلَاةٍ حَتَّى يُصَلِّيَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ بَلَى قَالَ فَهُوَ ذَلِكَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَرَوَى أَحْمَدُ إِلَى قَوْلِهِ صَدَقَ كَعْبٌ)

”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں کوہ طور کی طرف گیا، اور وہاں کعب اخبار سے ملاقات کی میں ان کے پاس بیٹھ گیا انہوں نے

میرے سامنے تورات کی کچھ باتیں کہیں اور میں نے ان کے سامنے سرتاج دو عالم ﷺ کی حدیثیں بیان کیں میں نے ان کے سامنے جو احادیث بیان کیں ان میں سے ایک حدیث یہ بھی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان دنوں میں جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ کا ہے، جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اسی روز وہ جنت سے (زمین پر) اتارے گئے، اسی دن (یعنی جس جمعہ کو جنت سے اتارے گئے) اسی جمعہ کو آخری گھڑی میں پایہ کہ دوسرے جمعہ کے دن ان کی توبہ قبول کی گئی، اسی دن ان کی وفات ہوئی اور جمعہ ہی کے دن قیامت قائم ہوگی اور ایسا کوئی چوپایہ نہیں ہے جو جمعہ کے دن طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک قیامت قائم ہونے کا منتظر نہ رہتا ہو (یعنی چوپاؤں کو بھی یہ معلوم ہے کہ قیامت جمعہ کے روز آئے گی) اس لئے وہ ہر جمعہ کو دن بھر اس خوف میں مبتلا رہتے ہیں کہ کہیں آج ہی قیامت قائم نہ ہو جائے، علاوہ جنت اور انسانوں کے (یعنی جن دنوں کو اس انتظار سے غافل رکھا گیا ہے تاکہ اس ہولناکی سے انسانی زندگی کا شیرازہ منتشر نہ ہو جائے) اور جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے کوئی بندہ مسلمان کہ وہ (حکماً یا حقیقتاً) نماز پڑھتا ہوا ہو۔ (یعنی نماز کا انتظار کرتا ہوا ہو یا دعا مانگتا ہوا ہو) اسے پالے اور اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اسے وہ چیز ضرور دی جاتی ہے (یعنی وہ اس وقت جو دعا مانگتا ہے قبول ہوتی ہے) کعب احبار نے (یہ سن کر) کہا کہ یہ دن (جو ساعت قبولیت کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے) سال میں ایک مرتبہ آتا ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں ایہ دن تو ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ آتا ہے۔ کعب نے (اسی بات کی تصدیق کے لئے) تورات پڑھی اور (اس کے بعد) کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ کہا ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (اس کے بعد پھر) میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے ملا اور ان سے کعب سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا اور جمعہ کے بارے میں کعب سے میں نے جو حدیث بیان کی تھی وہ بھی بتائی پھر میں نے عبداللہ ابن سلام سے یہ بھی کہا کہ کعب کہتے تھے کہ یہ دن سال میں ایک مرتبہ آتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا کہ کعب نے غلط کہا۔ پھر میں نے کہا کہ لیکن کعب نے بعد میں تورات پڑھی اور کہا کہ (رسول اللہ ﷺ کا کہنا ٹھیک ہی ہے کہ) یہ ساعت ہر جمعہ کے روز آتی ہے۔ عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا کہ کعب نے یہ سچ کہا۔ اور پھر کہنے لگے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ کوئی ساعت ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ پھر مجھ کو بتائیے اور مجل سے کام نہ لیجئے۔ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا کہ وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے۔ میں نے کہا کہ وہ ساعت جمعہ کے دن کی آخری گھڑی کیوں ہو سکتی ہے جب کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو بندہ مؤمن اس ساعت کو پائے اور وہ اس میں نماز پڑھتا ہو؟ اور آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ ساعت جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے اس وقت تو نماز نہیں پڑھی جاتی کیونکہ مکروہ ہے؟ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا (یہ تو صحیح ہے لیکن) کیا یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے؟ کہ جو شخص نماز کا انتظار میں اپنی جگہ بیٹھا رہے تو وہ (حکماً) نماز ہی کے حکم میں ہے یہاں تک کہ وہ حقیقتاً نماز پڑھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے (یہ سن کر) کہا کہ ہاں آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا۔ بس نماز سے مراد نماز کا انتظار کرنا ہے۔ (اور دن کے آخری حصہ میں نماز کے انتظار میں بیٹھا ممنوع نہیں ہے اس وقت اگر کوئی دعا مانگے تو وہ قبول ہوگی) مالکؒ، ابو داؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ اور امام احمدؒ نے بھی یہ روایت صدق کعب تک نقل کی ہے۔

تشریح: حدیث کے الفاظ حین تطلع الشمس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت چونکہ جمعہ کے روز طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کے درمیانی عرصہ میں ہی قائم ہوگی اس لئے چوپائے ہر جمعہ کے روز اس عرصہ میں قیامت کے قائم ہونے کے منتظر رہتے ہیں۔ لہذا اس پورے وقت میں جب حیوان قیامت کا خیال رکھتے ہیں اور اس سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ تو انسانوں کو بطریق اولیٰ یہ چاہئے کہ وہ جمعہ کے روز دن بھر خدا کی عبادت اور اس کے ذکر میں مشغول رہیں اور اس چیز سے جو پیش آنے والی ہے (یعنی قیامت سے) ڈرتے رہیں۔

یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی ایک اعجازی شان کی غمازی کر رہی ہے کہ آپ ﷺ نے اہی ہونے کے باوجود اس عظیم الشان چیز کی خبر دی جو یہود میں توراة کے ایک بڑے عالم سے بھی پوشیدہ تھی حالانکہ توراة میں اس کا ذکر موجود تھا۔ گویا توراة کا عالم توراة میں ذکر کی گئی چیز

سے بے خبر اور آپ ﷺ جو اسی تھے اس سے پوری طرح باخبر درحقیقت یہ بڑا زبردست معجزہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بظاہر تو اسی تھے مگر خدا نے آپ ﷺ کے سینہ میں علوم و معرفت کا بحر بیکراں موجزن کر رکھا تھا۔

کعب احبار یہودیوں میں ایک بڑے پایہ کے عالم اور بہت دانشمند مانے جاتے تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ تو پایا ہے لیکن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے تھے بعد میں حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانہ میں اسلام کی نعمت سے مشرف ہوئے۔ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ بھی یہودیوں کے ایک بڑے عالم تھے یہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ ہی میں اسلام لا کر صحابیت کے شرق عظیم سے مشرف ہو گئے تھے رضی اللہ عنہ۔

⑥ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّمَسُّوا السَّاعَةَ الَّتِي تَزُجِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْغَضْرِ إِلَى غَيْبُوتِ الشَّمْسِ - (رواه الترمذی)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا، جمعہ کے دن کی اس ساعت کو کہ جس میں قبولیت دعا کی امید ہے کہ عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک تلاش کرو۔“ (ترمذی)

فضائل جمعہ

④ وَعَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ قَبْضُ وَفِيهِ النَّفْخَةُ وَفِيهِ الصُّعْقَةُ فَاتَّقُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرَمْتَ قَالُوا يَقُولُونَ بَلَيْتَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيَّ الْأَرْضَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ - (رواه ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی الدعوات اکبیرا)

”حضرت اوس بن اوسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ جمعہ کا دن تمہارے لئے بہترین دنوں میں سے ہے۔ (کیونکہ) اس دن آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی اسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن (دوسرا) صور پھونکا جائے گا۔ (جس کی آواز سے مردے زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہوں گے)۔ اسی دن (پہلا) صور پھونکا جائے گا (جس کی آواز سے قیامت قائم ہوگی اور تمام مخلوق فنا کے گھاٹ اتر جائے گی) لہذا اس دن تم لوگ مجھ پر زیادہ درود بھیجو کیونکہ تمہارے درود میرے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے درود آپ ﷺ کے سامنے کس طرح پیش کئے جائیں گے۔ جب کہ (ہمارے درود بھیجنے کے وقت) آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ راوی کہتے ہیں کہ لفظ ارم سے صحابہؓ کی مراد لفظ بلیت تھی یعنی آپ ﷺ کا جسد مبارک بوسیدہ ہو چکا ہو گا۔ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کے جسم خرام کر دیئے ہیں۔ یعنی انبیاء کے جسم زمین فنا نہیں کرتی۔“

(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی)

تشریح: ارشاد گرامی ان من افضل ايامكم يوم الجمعة اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یا تو عرفہ کا دن سب دنوں میں افضل ہے یا پھر عرفہ اور جمعہ دونوں دن فضیلت کے اعتبار سے مساوی ہیں۔

جمعہ کے دن بہت زیادہ درود بھیجنے کے لئے آپ ﷺ نے اس لئے حکم دیا ہے کہ درود افضل عبادات سے ہے اور چونکہ جمعہ کے دن ہر نیکی کا ثواب ستر درجہ زیادہ ملتا ہے اس لئے جمعہ کے دن درود پڑھنا اولیٰ ہو گا۔ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کے وقت بہت زیادہ فضائل دوسری احادیث سے بھی ثابت ہیں اس لئے مسلمانوں کے لئے یہ حق تعالیٰ کی جانب سے ایک عظیم الشان نعمت ہے لہذا جمعہ کے دن اور جمعہ کی شب میں آنحضرت ﷺ پر بہت زیادہ درود بھیجا جائے اور اس سے غافل نہ رہا جائے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح زمین دوسرے مردوں کے ساتھ معاملہ کرتی ہے کہ چند ہی دنوں کے بعد ان کے اجسام زمین کی نذر ہو جاتے ہیں اور گل سڑ جاتے ہیں ایسا معاملہ انبیاء کے مبارک اجسام کے ساتھ نہیں ہوتا۔ تو ان کے اجسام فنا ہوتے ہیں نہ گلتے سڑتے ہیں۔ بلکہ وہ جوں کے توں قبروں میں دنیا کی طرح زندہ رہتے ہیں اور حق تعالیٰ کی جانب سے انہیں وہاں حیات جسمانی حقیقی عنایت فرمائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ بالکل صاف اور واضح ہے اور اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور انہیں بالکل دنیا کی طرح حقیقی جسمانی حیات حاصل ہے نہ کہ انہیں حیات معنوی روحانی حاصل ہے جیسا کہ شہداء کو حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ شہداء کے علاوہ دوسرے مردے بھی اپنی قبروں میں سلام کلام سنتے ہیں اور بعض ایام میں ان کے اقرباء کے اعمال بھی ان کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَوْمُ الْمَوْعُودُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالْيَوْمُ الْمَشْهُودُ يَوْمَ عَرَفَةَ وَالشَّاهِدُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمَا ظَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلَى يَوْمٍ أَفْضَلَ مِنْهُ فِيهِ سَاعَةٌ لَا يَوَاقِفُهَا عَبْدٌ مُؤْمِنٌ يَدْعُو اللَّهَ بِخَيْرٍ إِلَّا اسْتَجَابَ اللَّهُ لَهُ وَلَا يَسْتَعِينُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَعَادَهُ مِنْهُ زَوْاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا يَعْرِفُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُوسَى ابْنِ عُبَيْدَةَ وَهُوَ يُضَعَّفُ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا دن موعود قیامت کا دن ہے مشہود عرفہ کا دن ہے اور شاہد جمعہ کا دن ہے۔ آفتاب کسی ایسے دن طلوع و غروب نہیں ہوتا جو جمعہ کے دن سے افضل ہو (یعنی جمعہ کا دن سب سے افضل ہے) اس دن ایک ایسی ساعت آتی ہے جسے اگر کوئی بندہ مؤمن پالے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور بھلائی دیتا ہے یا جس چیز سے پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پناہ دیتا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ایک شخص موسیٰ بن عبیدہ کے اور کسی سے (اس کا نقل ہونا) معلوم نہیں ہوتا اور یہ (موسیٰ محدثین کے یہاں روایت حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔“ (احمد و ترمذی)

تشریح: سورہ بروج کی آیت ہے:

وَالْيَوْمُ الْمَوْعُودُ وَشَاهِدٌ مُشْهُودٌ۔

”اور قسم ہے اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور حاضر ہونے والے کی اور جو اس کے پاس حاضر کیا جائے اس کی۔“

اس آیت کی تفسیر یہ حدیث یہاں کر رہی ہے کہ ”یوم موعود“ سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے آنے کی خبر دی ہے اور مؤمنوں سے اس دن کے آنے کے بعد بہشت کی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے۔

”شاہد“ سے مراد جمعہ کا دن ہے کہ جو مخلوق کے پاس حاضر ہوتا ہے اور ہر ہفتہ آتا رہتا ہے۔

”مشہود“ سے مراد عرفہ کا دن ہے کہ تمام عالم سے مسلمان اور ملائکہ اللہ اس دن حاضر ہوتے ہیں اور ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اگرچہ امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی موسیٰ کو روایت حدیث کے سلسلے میں ضعیف کہا جاتا ہے لیکن یہ حدیث اپنی جگہ پر اس لئے قابل اسناد و قابل قبول ہے کہ اس متون کی دوسری حدیثیں جو دوسرے راویوں سے مروی ہیں اس حدیث کو تقویت دیتی ہیں۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

جمعہ کی فضیلت

⑨ عَنْ أَبِي لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْأَيَّامِ وَأَعْظَمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَهُوَ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ يَوْمِ الْأَضْحَى وَيَوْمِ الْفِطْرِ فِيهِ خُمْسُ خَلْقِ اللَّهِ فِيهِ آدَمُ وَأَهْبَطَ اللَّهُ فِيهِ آدَمَ۔

إِلَى الْأَرْضِ وَفِيهِ تَوَفَّى اللَّهُ آدَمَ وَفِيهِ سَاعَةٌ لَا يَسْأَلُ الْعَبْدُ فِيهَا شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ مَا لَمْ يَسْأَلْ حَزَامًا وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ مَا مِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَلَا سَمَاءٍ وَلَا أَرْضٍ وَلَا رِيحٍ وَلَا جَبَلٍ وَلَا بَحْرٍ إِلَّا هُوَ مُشْفِقٌ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى أَحْمَدُ عَنْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَخْبِرْنَا عَنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مَاذَا فِيهِ مِنَ الْخَيْرِ قَالَ فِيهِ خَمْسٌ خِلَالٍ وَسَاقٍ إِلَى آخِرِ الْحَدِيثِ۔

”حضرت ابولبابہ ابن عبد المنذرؓ راوی ہیں سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنوں کا سردار ہے اور تمام دنوں کا سردار ہے اور تمام دنوں میں سب سے زیادہ با عظمت ہے اور خدا کے نزدیک جمعہ کے دن کی عظمت عید اور بقرعید کے دن سے بھی زیادہ ہے اور اس دن کی پانچ باتیں ہیں۔ (جو اس کی عظمت و فضیلت کی دلیل ہیں) ① اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی ② اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا ③ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وفات دی ④ اسی دن ایک ساعت آتی ہے کہ اس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے حرام چیز کے سوا جو کچھ بھی مانگا ہے اللہ تعالیٰ ضرور عنایت فرماتا ہے یعنی حرام چیز مانگنا مقبول نہیں ہے ⑤ اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ تمام مقرب فرشتے آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ اور دریا سب جمعہ کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ قیامت جمعہ کے دن آتی ہے نہ معلوم کس وقت آجائے (ابن ماجہ) اور امام احمدؒ نے حضرت سعدؓ ابن معاذ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک انصاری صحابیؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے جمعہ کے بارے میں بتائیے کہ اس دن کی کیا خوبیاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن کی پانچ باتیں ہیں باقی حدیث آخر تک اسی طرح نقل کی ہے (جو اوپر ذکر کی گئی ہے)۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: حدیث کے الفاظ ”وہو اعظم عند اللہ من یوم الاضحی و یوم الفطر سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو عرفہ کا دن جمعہ سے افضل ہے یا فضیلت کے اعتبار سے یہ دونوں دن مساوی ہیں لیکن حضرت رزینؒ کی نقل کردہ روایت میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ تمام دنوں میں سب سے افضل دن عرفہ کا دن ہے۔

وفیہ خمس (اور اس دن کی پانچ باتیں ہیں) جمعہ کے فضائل کے بیان میں تحدید اور حصر کے لئے نہیں فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ جمعہ کے دن کی صرف یہی پانچ باتیں فضیلت کی ہیں بلکہ اس دن کی اور بھی ایسی باتیں ہیں جو فضیلت و عظمت کے اعتبار سے جمعہ کو تمام دنوں میں امتیاز بخشی ہیں مثلاً منقول ہے کہ جنت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کا شرف بھی جمعہ کے دن حاصل ہوا کرے گا یا اسی طرح اور دوسری باتیں منقول ہیں۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَشِيءُ شَيْءٌ سَمِيَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَالَ لِأَنِّي فِيهَا طُبِعَتْ طِينَةُ أَيْتِكَ آدَمَ وَفِيهَا الصُّعْقَةُ وَالْبُعْثَةُ وَفِيهَا الْبُطْلُسَةُ وَفِي آخِرِ ثَلَاثِ سَاعَاتٍ مِنْهَا سَاعَةٌ مِنْ دَعَا اللَّهُ فِيهَا اسْتُجِيبَ لَهُ۔

(رواہ احمد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کا نام جمعہ کس سبب سے رکھا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس وجہ سے کہ اس دن تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی مٹی جمع کی گئی اور اس کا خمیر بنایا گیا۔ اس دن (پہلا) صور پھونکا جائے گا (کہ اس کی آواز سے تمام دنیا والے مرجائیں گے) اور (دوسرا) صور پھونکا جائے گا (کہ اس کی آواز سے تمام مردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے) اور اس دن (قیامت کی) سخت دارو گیر ہوگی نیز اس دن کے آخر کی تین ساعتوں میں ایک ایسی ساعت ہے (یعنی جمعہ کی آخری ساعت) کہ اس وقت جو کوئی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوگی۔“ (احمد)

تشریح: علامہ یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس دن کا نام جمعہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ مذکورہ بالا ایسی عظیم الشان چیزیں اس دن میں جمع کر دی گئی ہیں۔

لیکن یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ قطع نظر اس بات کے کہ یہ تمام باتیں بہ بیت مجموعی ”جمعہ“ کی وجہ تسمیہ کو ظاہر کرتی ہیں ان میں سے ہر ایک خود بھی اپنی اپنی جگہ جمعیت اور اجتماعیت کے مفہوم پر حاوی ہیں۔

جمعہ کے دن آنحضرت ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنا چاہئے

(۱۹) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ مَشْهُودٌ بِشَهَادَةِ الْمَلَائِكَةِ وَإِنْ أَحَدًا لَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ إِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلَاتُهُ حَتَّى يَفْرَغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَزَمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ فَتَبَيُّ اللَّهُ حَيُّ يَرْزُقُ - (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ جمعہ کا دن مشہود (یعنی حاضر کیا گیا) ہے اس دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود میرے سامنے (بذریعہ مکاشفہ یا بذریعہ ملائکہ) پیش کیا جاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہوتا ہے۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ مرنے کے بعد بھی درود آپ ﷺ کے سامنے پیش کئے جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام کیا ہے چنانچہ خدا کے نبی (اپنی اپنی قبر میں بالکل دنیا کی حقیقی زندگی کی طرح) زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی تائید کرتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ (آیت کریمہ وَالْيَوْمَ الْمُؤْغُودُ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ میں) مَشْهُود سے مراد جمعہ کا دن ہے جب کہ پہلے گورنے والی حدیث نمبر ۸ حضرت علیؓ کی تفسیر کی موبد ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ اگرچہ یہاں بھی ”مشہود“ سے یوم جمعہ مراد لینا بایں اعتبار کہ اسی دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی تفسیر کے منافی نہیں ہے تاہم یہ احتمال بھی قوی تر ہے کہ حدیث کے الفاظ میں ”فَانَّهُ“ کی ضمیر جمعہ کی طرف نہیں بلکہ کثرت درود کی طرف راجع ہے جو کہ لفظ ”اکثروا“ سے مفہوم ہوتا ہے اس طرح حدیث کے معنی یہ ہوں گے جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ کثرت درود مشہودہ (یعنی فرشتوں کے حاضر ہونے کا سبب) ہے۔

عُرِضَتْ صَلَاتُهُ کا مطلب یہ ہے کہ یوں تو ہمیشہ ہی جب مجھ کو شخص درود بھیجتا ہے۔ تو اس کا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے مگر جمعہ کا دن چونکہ سب سے افضل دن ہے اس لئے جمعہ کے دن بھیجا جانے والا درود بطریق اولیٰ میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اگرچہ درود بھیجنے کی مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو چنانچہ حَتَّى يَفْرَغَ فرما کر اس طرف فرمادیا گیا ہے کہ جب تک درود پڑھنے والا خود ہی فارغ نہ ہو جائے یا درود پڑھنا ترک نہ کر دے اس وقت تک پوری مدت کے درود برابر میرے سامنے پیش کئے جاتے رہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر حضرت ابوذرؓ یہ سمجھے کہ شاید یہ حکم ظاہری حالت یعنی آپ ﷺ کی دنیاوی زندگی ہی سے متعلق ہے چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں جب سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمین پر انبیاء کے اجسام کھانا حرام ہے یعنی جس طرح دوسرے مردوں کے جسم قبر میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح انبیاء کے جسم قبر میں فنا نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنی اصلی حالت میں موجود رہتے ہیں اس لئے انبیاء کے لئے فنا حالت یعنی دنیا کی ظاہری زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح وہ یہاں ہیں اسی طرح وہاں ہیں اسی لئے کہا گیا ہے۔

أُولَآئِكَ اللَّهُ لَا يَمُوتُونَ وَلَكِنْ يَنْتَقِلُونَ مِنْ دَارٍ إِلَى دَارٍ -

”اللہ کے دوست اور حقیقی بندے مرتے نہیں وہ تو صرف ایک مکان سے دوسرے مکان کو منتقل ہو جاتے ہیں۔“

لہذا جس طرح یہاں دنیا کی زندگی میں میرے سامنے درود پیش کئے جاتے ہیں اسی طرح میری قبر بھی میرے سامنے درود پیش کئے جاتے رہیں گے۔

حدیث کے آخری الفاظ حتیٰ یوزق کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کو اپنی قبروں میں حق تعالیٰ کی طرف سے معنوی رزق دیا جاتا ہے اور ”رزق“ سے رزق حسی مراد لیا جائے تو یہ حقیقت کے منافی نہیں ہوگا بلکہ صحیح ہی ہوگا۔ کیونکہ جب شہداء کی ارواح کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جنت کے میوے کھاتی ہیں تو انبیاء شہداء سے بھی اشرف و اعلیٰ ہیں اس لئے ان کے لئے بھی یہ بات بطریق اولیٰ ثابت ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی قبروں میں رزق حسی دیئے جاتے ہوں۔

جمعہ کو مرنے والے مومن کے لئے بشارت

(۱۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللَّهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ زَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ۔

”اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ روایت ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ایسا کوئی مسلمان نہیں ہے جو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں انتقال کرے اور اللہ تعالیٰ اسے فتنہ (یعنی قبر کے سوال اور قبر کے عذاب) سے نہ بچائے۔ (احمد، ترمذی) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کی اسناد متصل نہیں ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی خوش قسمت مسلمان کا جمعہ کے روز یا جمعہ کی شب میں انتقال کرنا اور حقیقت اس کی سعادت اور آخرت کی بھلائی کی دلیل ہے کیونکہ جمعہ کی مقدس ساعتوں میں انتقال کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمتوں اور اس کی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے چنانچہ جمعہ کو انتقال کرنے والے مسلمانوں کے حق میں بہت زیادہ بشارتیں منقول ہیں۔

مثلاً ایک روایت میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جو مسلمان جمعہ کے دن مرتا ہے وہ عذاب قبر سے نجات دیا جاتا ہے اور وہ قیامت کے دن اس حال میں (میدان حشر میں) آئے گا کہ اس کے اوپر شہیدوں کی مہر ہوگی۔

یا ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص جمعہ کے دن مرتا ہے اس کے لئے شہید کا اجر و ثواب لکھا جاتا ہے اور وہ قبر کے فتنہ سے بچایا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جس مسلمان مرد یا عورت کا انتقال جمعہ کے روز یا جمعہ کی شب میں ہوتا ہے اور اسے فتنہ قبر اور عذاب قبر سے بچایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی ملاقات اس حال میں ہوگی کہ قیامت کے دن میں اس سے کوئی محاسبہ نہیں ہوگا کیونکہ اس کے ساتھ گواہ ہوں گے جو اس کی (سعادت و بھلائی) کی گواہی دیں گے یا اس پر شہداء کی مہر ہوگی۔“

جمعہ مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے

(۱۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَرَأَ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ الْآيَةَ وَعِنْدَهُ يَهُودِيٌّ قَالَ لَوْ نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ عَلَيْنَا لَا تَخَذُنَا هَا عَيْنًا أَفْقَالَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَإِنَّهَا نَزَلَتْ فِي يَوْمٍ عَيْنَيْنِ فِي يَوْمٍ جُمُعَةٍ وَيَوْمَ عَرَفَةَ زَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے (ایک دن) یہ آیت پڑھی الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ الْآيَةَ جس کا مضمون یہ ہے کہ آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا تمہارے اوپر اپنی تمام نعمتیں پوری کر دیں اور ہم نے تمہارے لئے

از روئے دین اسلام کو پسند کیا ہے) ان کے پاس (اس وقت) ایک یہودی (بیٹھا ہوا) تھا اس نے (ابن عباسؓ سے یہ آیت سن کر کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کو (یعنی اس دن کو جس میں یہ آیت نازل ہوئی تھی) عید قرار دیتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر، جمعہ اور عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: یہودی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو اتنی عظیم الشان نعمت کی خوشی اور اس کے شکر ادا کرنے کے طور پر ہم اس کو بڑی عید کا دن مناتے۔ مگر تعجب ہے کہ مسلمانوں نے اس دن کو یادگار اور عید کا دن قرار نہیں دیا؟ اس کے جواب میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس آیت کو ایک ایسے دن نازل فرمایا جو ایک نہیں دو عیدوں پر حاوی تھا تو پھر ہمیں اس دن کو یادگار دن قرار دینے کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے جو آخری حج ادا فرمایا تھا وہ جمعہ کے دن تھا۔ گویا ایک توجہ ہونے کی وجہ سے خود وہ دن افضل و اشرف تھا دوسرے دن عرفہ (یعنی حج) ہونے کے سبب سے اس کی فضیلت و عظمت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا اور اسی دن یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر ہے کہ اپنی عظمت و فضیلت کے اعتبار سے مسلمانوں کے لئے اس سے بڑا عید کا دن اور کون سا ہو سکتا ہے۔

جمعہ کی رات روشن رات اور جمعہ کا دن چمکتا دن ہے

(۱۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَجَبٌ قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَيَلْغَزَا مَضَانَ قَالَ وَكَانَ يَقُولُ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ لَيْلَةٌ أَعَزُّ وَيَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ أَزْهَرُ وَآهَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكُبْرَى -

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب رجب کا مہینہ آتا تو سر تاج و دعا عالم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ ارجب اور شعبان کے مہینے (کی ہماری اطاعت و عبادات) میں ہمیں برکت دے اور ہمیں رمضان تک پہنچانیز حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن چمکتا دن ہے۔“ (بیہقی)

تشریح: ”اور ہمیں رمضان تک پہنچا“ کا مطلب یہ ہے کہ ”اے خدا یا! ہمیں یہ سعادت بخش کہ پورا رمضان پائیں اور رمضان کے تمام دنوں میں ہمیں روزے رکھنے اور نماز تراویح پڑھنے کی توفیق ہو۔“

جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کی نورانیت معنوی یا تو بالذات ہوتی ہے یا پھر یہ کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں جو عبادت کی جاتی ہے اس کی برکت اور اس کے سبب سے معنوی نورانیت پیدا ہوتی ہے۔

باب وجوبہا

جمعہ کے واجب ہونے کا بیان

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جمعہ کی نماز فرض عین ہے چنانچہ یہاں ”وجوب“ سے مراد فرض ہے۔ علامہ یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ فریضہ محکمہ ہے جو قرآن کریم، احادیث رسول اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ نماز جمعہ کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے قرآن کریم کی جس آیت سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہے اس کے الفاظ فَاَسْعَوْا اِلَى ذِكْرِ اللَّهِ میں ذکر سے مراد جمعہ کی نماز اور اس کا خطبہ ہے۔

الفصل الأول

نماز جمعہ ترک کرنے کی وعید

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ هُرَيْرَةَ أَنَّهُمَا قَالَا سَمِعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَلَى أَعْوَادٍ مَنَبَرَهُ لَيْسَتْ هَيَّجَةٌ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُونَنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ - (رواه مسلم)

”حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں راوی ہیں کہ ہم نے سرتاج دو عالم ﷺ کو اپنے منبر کی لکڑی (یعنی اس کی سیڑھیوں پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگ نماز جمعہ کو چھوڑنے سے باز رہیں ورنہ تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور وہ غافلوں میں شمار ہونے لگیں گے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں میں سے ایک چیز مقرر ہے یا تو نماز جمعہ کو نہ چھوڑنا، یا دلوں پر مہر لگ جانا، اگر لوگ نماز جمعہ نہیں چھوڑیں گے تو ان کے دلوں پر مہر نہ لگے گی اور اگر چھوڑ دیں گے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی جائے گی۔
”دلوں پر مہر لگانا“ اس بات سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے بد بخت لوگوں کے دلوں کو انتہائی غفلت میں مبتلا کر دے گا اور انہیں نصیحت و بھلائی قبول کرنے سے باز رکھے گا۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ان کے حق میں یہی نکلے گا کہ ایسے لوگ خدا کے سخت عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

الفصل الثاني

② عَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمِرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمُعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَعِيَ اللَّهُ عَلَى قَلْبِهِ وَآهَ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ وَأَحْمَدُ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ -

”حضرت ابی الجعد ضمیریؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص محض سستی و کالی کی بنا پر تین جمعے چھوڑ دے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔“ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور امام مالک نے اس روایت کو صفوان ابن سلیم سے اور امام احمد نے ابی قتادہ سے نقل کیا ہے)

بغیر عذر نماز جمعہ چھوڑنے کی صورت میں صدقہ دینا چاہئے

③ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ عَذْرِ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِينَارٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَبِنِصْفِ دِينَارٍ - (رواه احمد والبوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص بغیر کسی عذر کے جمعہ چھوڑ دے تو چاہئے کہ ایک دینار صدقہ دے اور اگر ایک دینار میسر نہ ہو تو آدھا دینار دے۔“ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

جمعہ کی اذان سننے والے پر نماز جمعہ واجب ہے

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَ الْإِذَاءَ - (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص (جمعہ کی) اذان سے اس پر جمعہ کی نماز واجب ہو جاتی

ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص جمعہ کی اذان سے تو اس کے لئے جمعہ کی تیاری کرنا اور جمعہ کی نماز کے لئے جانا واجب ہے۔

علامہ علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو علی الاطلاق اس کے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے گا تو اس سے بڑے اشکالات پیدا ہونگے اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس حدیث کا مفہوم یہ لیا جائے کہ جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو کسی ایسی جگہ ہو جہاں اس کے اور شہر کے درمیان بقدر آواز پہنچنے کا فاصلہ ہو یعنی اگر کوئی شہر میں پکارے تو جہاں وہ ہے وہاں آواز پہنچ جائے۔

شرح فیہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ ”جمعہ اس شخص پر لازم ہے جو شہر کے اطراف میں کسی ایسی جگہ ہو کہ اس کے اور شہر کے درمیان فاصلہ نہ ہو بلکہ ملے ہوئے مکانات ہوں (اگرچہ وہ اذان کی آواز نہ سنے) اور اگر اس کے اور شہر کے درمیان کھیت اور چراگاہ وغیرہ حائل ہونے کی وجہ سے فاصلہ ہو تو اس پر جمعہ واجب نہیں اگرچہ وہ اذان نہ سنے۔ مگر امام محمدؒ سے منقول ہے کہ اگر وہ اذان کی آواز نہ سنے تو اس پر جمعہ واجب ہوگا۔ فتویٰ حضرت امام محمدؒ کے قول ہی پر ہے۔

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ أَوَاهُ اللَّيْلُ إِلَى أَهْلِهِ زَوَاهُ التَّيْمِزِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جمعہ کی نماز اس شخص پر فرض ہے جو رات اپنے گھر بسر کر سکے۔“ (امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے)۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جمعہ ایسے شخص پر واجب ہے جس کی جائے سکونت اور اس مقام کے درمیان کہ جہاں نماز جمعہ پڑھی جاتی ہے اتنا فاصلہ ہو کہ نماز جمعہ کے بعد آسانی رات ہونے سے پہلے پہلے اپنے گھر لوٹ کر آسکے اور رات اپنے اہل و عیال کے ساتھ گزار سکے۔

وہ لوگ جن پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے

⑥ وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا عَلَى أَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوكٍ أَوْ امْرَأَةٍ أَوْ مَرِيضٍ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ فِي شَرْحِ الشُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيحِ عَنْ زُجَلٍ مِنْ بَنِي وَائِلٍ

”اور حضرت طارقؒ ابن شہاب راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جمعہ حق ہے اور جماعت کے ساتھ ہر مسلمان پر واجب ہے علاوہ چار آدمیوں کے، غلام جو کسی کی ملک میں ہو عورت، بیمار اور مریض (کہ ان پر جمعہ واجب نہیں ہے)۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”جمعہ حق ہے“ یعنی جمعہ کی فرضیت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ثابت ہے اسی طرح ”واجب ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان پر علاوہ مذکورہ اشخاص کے جمعہ کی نماز باجماعت فرض ہے۔

مذکورہ لوگوں پر جمعہ کیوں واجب نہیں: غلام چونکہ دوسرے کی ملکیت اور تصرف میں ہوتا ہے اس لئے اس پر جمعہ فرض نہیں کیا گیا۔ عورت پر جمعہ اس لئے فرض نہیں ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس کے ذمہ خاوند کے حقوق اتنے زیادہ متعلق ہیں کہ نماز جمعہ میں شمولیت ان کی ادائیگی سے مانع ہوگی، بلکہ جمعہ کی نماز میں چونکہ مردوں کا جہوم زیادہ ہوتا ہے اس لئے نماز جمعہ میں عورتوں کی شمولیت بہت سے فتنہ فساد کا موجب بن سکتی ہے بچہ چونکہ غیر مکلف ہے اس لئے اس پر جمعہ فرض نہیں۔ اسی طرح مریض پر اس کے ضعف و ناتوانی اور دفع ضرر کے سبب جمعہ فرض نہیں ہے لیکن مریض سے مراد وہ مریض ہے جو کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ جس کی وجہ سے جمعہ میں حاضر ہونا دشوار

مشکل ہو۔

ان کے علاوہ دوسری احادیث سے جن لوگوں پر جمعہ کا فرض نہ ہونا ثابت ہے ان میں دیوانہ بھی ہے جو بچہ کے حکم میں ہے ایسے ہی مسافر، اندھے اور لنگڑے پر بھی جمعہ فرض نہیں ہے ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے کہ ایسا بوزھا جس کو ضعف و ناتوانی لاحق ہو بیمار کے حکم میں ہے اس لئے اس پر اور اس معذور پر بھی جو اپنے پیروں پر چل سکنے پر قادر نہ ہو جمعہ فرض نہیں نیز ایسے بیمار دار پر بھی جمعہ فرض نہیں جس کے جمعہ میں چلے جانے کی وجہ سے بیمار کی تکلیف و وحشت بڑھ جائے یا اس کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

④ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أُمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ ثُمَّ أَخَذَنِي عَلَى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ يُؤَيِّدُهُمْ - (رواه مسلم)

”حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے ان لوگوں کے بارہ میں جو نماز جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں (یعنی نماز جمعہ نہیں پڑھتے) فرمایا کہ میں سوچتا ہوں کہ میں کسی شخص سے کہوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور پھر میں (جا کر) ان لوگوں کے گھریار جلا دوں جو (بغیر عذر کے) جمعہ چھوڑ دیتے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید ہے، جو بلا کسی عذر اور مجبوری کے نماز جمعہ نہیں پڑھتے ایسے لوگوں کو چاہیے کہ اس حدیث سے عبرت حاصل کریں اور نماز جمعہ کبھی بھی نہ چھوڑیں۔

⑤ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ كُتِبَ مُتَافِفًا فِي كِتَابٍ لَا يُمْحَى وَلَا يَبْدَلُ وَفِي بَعْضِ التِّرَاوِيَّاتِ فَلَانًا - (رواه الشافعی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص بغیر کسی عذر کے نماز جمعہ چھوڑ دیتا ہے وہ ایسی کتاب میں منافی لکھا جاتا ہے جو نہ کبھی مٹائی جاتی ہے اور نہ تبدیل کی جاتی ہے“ اور بعض روایات میں یہ ہے کہ ”جو شخص تین جمعہ چھوڑ دے“ (یہ وعید اس کے لئے ہے)۔“ (شافعی)

تشریح: من غیر ضرورۃ کا مطلب یہ ہے کہ ترک جماعت کے جو عذر ہیں مثلاً کسی ظالم اور دشمن کا خوف، پانی برسن، برف پڑنا یا راستہ میں کچھ وغیرہ کا ہونا وغیرہ اگر ان میں سے کسی عذر کی بنا پر جمعہ کی نماز میں نہ جائے تو وہ منافی نہیں لکھا جائے گا ہاں بغیر کسی عذر اور مجبوری کے جمعہ چھوڑنے والا منافی لکھا جائے گا۔

فی کتاب لا یمحی ولا یبدل میں کتاب سے مراد ”نامہ اعمال“ ہے حاصل یہ ہے کہ نماز جمعہ چھوڑنے والا اپنے نامہ اعمال میں کہ جس میں نہ تیغ ممکن ہے اور نہ تغیر و تبدل، منافی لکھ دیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ نفاق جیسی ملعون صفت ہمیشہ کے لئے چپک کر رہ جاتی ہے تاکہ آخرت میں یا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسے عذاب میں مبتلا کر دے یا اپنے فضل و کرم سے درگزر فرماتے ہوئے اسے بخش دے غور و فکر کا مقام ہے کہ نماز جمعہ چھوڑنے کی کتنی شدید وعید ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھے۔

نماز جمعہ چھوڑنے والا کچھ اپنا ہی کھوتا ہے

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ الْأَمْرُ يُضْ أَوْ مُسَافِرٌ أَوْ أَمْرٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَمْلُوكٌ فَمَنْ اسْتَغْنَى بِلَهْوٍ أَوْ بِجَارَةٍ اسْتَغْنَى اللَّهُ عَنْهُ وَاللَّهُ غَنِيٌّ

حَمِيدٌ۔ (رواہ الدارقطنی)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ کے دن نماز جمعہ فرض ہے علاوہ مریض مسافر عورت بچہ اور غلام کے (کہ ان پر نماز جمعہ فرض نہیں ہے) لہذا جو شخص کھیل کود اور تجارت وغیرہ میں مشغول ہو کر نماز جمعہ سے بے پروائی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بے پرواہ ہے اور اللہ بے پرواہ اور تعریف کیا گیا ہے۔“ (دارقطنی)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کھیل کود، تجارت اور دنیا کی دوسری مشغولیتوں میں مہمک ہو کر نماز جمعہ کی پرواہ نہیں کرتا اور نماز جمعہ چھوڑنے کا اسے کوئی احساس نہیں ہوتا تو وہ اپنا ہی کچھ کھوتا ہے اور اپنا ہی کچھ نقصان کرتا ہے کیونکہ ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی بے پروائی اختیار کر لیتا ہے اور اس پر اپنی عنایت و مہربانی اور کرم نہیں کرتا اور جس بد نصیب پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی مہربانی نہ ہو وہ دنیا و دنیا دونوں جگہ اس کی تباہی و بربادی کے بارہ میں کس کم بخت کو شبہ ہو سکتا ہے؟

بَابُ التَّنْظِيفِ وَالتَّبَكُّيرِ

پاکی حاصل کرنے اور جمعہ کے لئے سویرے جانے کا بیان

”پاکی حاصل کرنے“ سے مراد ہے غسل کے ذریعہ بدن پاک کرنا اور لبوں (مونچھوں) کا کتر وانا، ناخن کٹوانا، زیر ناف کے بال صاف کرنا بلل کے بال دور کرنا، کپڑوں کا پاک کرنا اور خوشبو استعمال کرنا، جمعہ کے دن یہ تمام چیزیں سنت ہیں اس کی تفصیل کتاب الطہارت میں مسواک کے بیان میں گزر چکی ہے۔

”جمعہ کے لئے سویرے جانے“ سے مراد ہے مسجد یا جہاں نماز ادا کی جاتی ہو وہاں نماز جمعہ کے لئے نماز کے اول وقت پہنچ جانا۔ اگر کوئی شخص نماز جمعہ کے لئے مسجد میں دن کے اول وقت میں ہی پہنچ جائے تو یہ افضل ہے چنانچہ امام غزالیؒ نے بعض علماء سلف سے یہ معمول نقل کیا ہے کہ وہ عبادت کی طرف پیش روی اختیار کرنے کے جذبہ سے نماز جمعہ کے لئے جمعہ کے دن صبح ہی سے مسجد پہنچ جایا کرتے تھے۔ مگر اتنی بات ذہن نشین رہنی چاہئے۔ کہ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے والوں نے جو یہ معمول بنایا ہے کہ وہ جمعہ کے روز صبح سویرے ہی مسجد مقدس میں جگہ روکنے کے لئے اپنے اپنے مصلیٰ بچھا دیتے ہیں مگر وہاں بیٹھتے نہیں بلکہ چلے جاتے ہیں اور پھر نماز کے وقت آجاتے ہیں۔ تو اس کے بارہ میں علماء نے لکھا ہے کہ اگر ایسے لوگ وہاں بیٹھ کر ذکر فکر میں مشغول رہیں تو بہتر ہے ورنہ محض جگہ روکنے کی خاطر مصلیٰ بچھا کر چلے جانا مناسب نہیں کیونکہ اس سے لوگوں کو تنگی پیدا ہوتی ہے۔

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ جامع مسجد میں جگہ روکنے کے لئے اول وقت پہنچ کر اپنے اپنے کپڑے بچھا دینا اور پھر وہاں سے کھانا وغیرہ کھانے کے لئے گھر چلے جانا مناسب نہیں ہے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

نماز جمعہ کے آداب

① عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَنْظَهُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ ظَهْرِ يَدَيْهِ مِنْ دُحْنِهِ أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبٍ بَيْنَهُ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يَفْرُقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يَصَلِّي مَا كَتَبَ لَهُ ثُمَّ يَنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ

الامامُ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى۔ (رواہ بخاری)

”حضرت سلمانؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ”جو شخص جمعہ کے دن نہائے اور جس قدر ہو سکے پاکی حاصل کرے اور اپنے پاس سے (یعنی گھر میں جو بلا تکلف میسر ہو سکے) تیل ڈالے اور اپنے گھر سے عطر لگائے اور پھر مسجد کے لئے نکلے اور (مسجد پہنچ کر) دو آدمیوں کے درمیان فرق نہ کرے اور پھر جتنی بھی اس کے مقدور میں ہو (یعنی جمعہ کی سنت نوافل یا قضاء نماز پڑھے اور امام کے خطبہ پڑھتے وقت خاموش رہے تو اس جمعہ اور گذشتہ جمعہ کے درمیان کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“ (بخاری)

تشریح: ”اور جس قدر ہو سکے پاکی اختیار کرے“ کا مطلب یہ ہے کہ لمبیں کتروائے، ناخن کٹوائے، زیر ناف کے بال صاف کرے بظلوں کے بال دور کرے اور پاک و صاف کپڑے پہنے۔

”دو آدمیوں کے درمیان فرق نہ کرے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد میں باپ بیٹا یا ایسے دو آدمی جو آپس میں محبت و تعلق رکھتے ہوں ایک جگہ پاس بیٹھے ہوں تو ان کے درمیان نہ بیٹھے یا دو آدمیوں کے درمیان اگر جگہ نہ ہو تو وہاں نہ بیٹھے کہ انہیں تکلیف ہوگی ہاں اگر جگہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

”یا فرق نہ کرنے“ سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو پھلانگتا ہوا، صفوں کو چیرتا پھاڑتا آگے کی صفوں میں نہ جائے بلکہ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے اور اگر بغیر پھلانگے اور بغیر صفوں کے چیرے پھاڑے پہلی صف میں پہنچ سکتا ہے تو پھر آگے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں یہ حکم اس صورت کا ہے جب کہ آگے کی صفوں میں جگہ نہ ہو۔ ہاں اگر یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں آگے کی صفوں میں جاؤں گا تو لوگ مجھے وہاں بیٹھنے کی جگہ دیدیں گے یا یہ کہ اگلی صفوں میں جگہ خالی پڑی ہو تو پھر صفوں کو چیر پھاڑ کر بھی آگے جانا درست ہوگا کیونکہ یہ پچھلی صفوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا قصور ہے کہ وہ آگے بڑھ کر پہلی صفوں میں کیوں نہیں بیٹھتے اور خالی جگہ کو پر کیوں نہیں کرتے۔

در حقیقت یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ نماز جمعہ کے لئے اول وقت مسجد پہنچ جانا چاہیے۔ تاکہ وہاں ”فرق نہ کرنے“ اور صفوں کو چیرنے پھاڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

(۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اغْتَسَلَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَصَلَّى مَا قُدِرَ لَهُ ثُمَّ انْصَبَتْ حَتَّى يَفْغُرَ مِنْ خُطْبَتِهِ ثُمَّ يَصَلِّي مَعَهُ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے غسل کیا پھر جمعہ میں آیا اور جس قدر کہ اس کے نصیب میں تھی نماز پڑھی پھر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش رہا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی تو اس جمعہ سے گذشتہ جمعہ تک بلکہ اس سے تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“ (بخاری)

تشریح: ”تین دن کی زیادتی“ اس لئے ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا زیادہ ہوتا ہے لہذا جمعہ سے جمعہ تک تو سات دن ہوئے اور تین دن کا اسی میں اور اضافہ کر دیا گیا تاکہ وہاں پوری ہو جائے۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَبَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَمَنْ حَسَّ الْحَضَى فَقَدْ لَغَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا (یعنی آداب وضو کی رعایت کے ساتھ) پھر جمعہ میں آیا اور اگر نزدیک تھا تو خطبہ سنا اور (اگر دور تھا اور خطبہ نہ سن سکتا تھا تو) خاموش رہا تو اس (جمعہ) کے اور گذشتہ جمعہ کے درمیان بلکہ اس سے بھی تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے کنکریوں کو چھوا اس نے لغو کیا۔“ (مسلم)

تشریح: ”کنکریوں کو چھوا“ یعنی نماز میں کنکریوں سے شغل کیا یا بس طور کے سجدے کی جگہ برابر کرنے کے لئے انہیں ایک مرتبہ سے زیادہ

برابر کیا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”اس سے مراد یہ ہے کہ خطبہ کے وقت کنکریوں سے کھیلنا رہا۔“
 ”لغو“ کے معنی باطل اور بے فائدہ بات۔ لہذا نمازی کے کنکریوں سے کھیلنے یا کنکریوں کو چھوئے کو لغو“ کے ساتھ مشابہت اس لئے دی گئی ہے کہ یہ فعل خطبہ سننے سے مانع ہوتا ہے۔

جمعہ میں اول وقت آنے والے کی فضیلت

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُونَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ وَمِثْلَ الْمَهْجَرِ كَمِثْلِ الذِّئْبِ يُهْدِي بَدَنَهُ ثُمَّ كَالَّذِي يُهْدِي بَقَرَةً ثُمَّ كَبِشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طَوَّرُوا وَاصُحْفُهُمْ وَيَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جب جمعہ کا دن آتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر اکھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص مسجد میں اول وقت (جمعہ میں) آتا ہے پہلے وہ اس کا نام لکھتے ہیں پھر اس کے بعد پہلے آنے والوں کا نام لکھتے ہیں اور جو شخص مسجد میں اول (وقت) جمعہ میں آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص مکہ میں قربانی کے لئے اونٹ بھیجتا ہے۔ (کہ جس کا بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے) پھر اس کے بعد جو شخص جمعہ میں آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص مکہ میں قربانی کے لئے گائے بھیجتا ہے۔ پھر اس کے بعد جو شخص آتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص دنبہ بھیجتا ہے پھر اس کے بعد جو شخص آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی صدقہ میں مرغی دیتا ہے پھر اس کے بعد جو شخص آتا ہے وہ صدقہ میں انڈا دینے والے کی مانند ہوتا ہے اور جب امام (خطبہ کے لئے منبر پر) آتا ہے تو وہ اپنے صحیفے پلٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے ابتدائی حصہ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن یا تو صبح ہی سے یا طلوع آفتاب پھر (جیسا کہ بہتر اور راجح قول ہے)۔ زوال کے وقت سے مسجد کے دروازے پر فرشتے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور جس ترتیب سے نمازی آتے ہیں اسی ترتیب سے ان کا نام لکھتے رہتے ہیں اس طرح جو لوگ اول وقت مسجد میں آتے ہیں ان کا نام سب سے پہلے ہوتا ہے گویا وہ سب سے افضل ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ بعد میں آتے ہیں ان کا نام بعد میں لکھا جاتا ہے اس طرح وہ لوگ اول وقت آنے والوں کی بہ نسبت کم فضیلت والے شمار کئے جاتے ہیں۔ اور یہ فرشتے ان فرشتوں کے علاوہ ہوتے ہیں۔ جو بندوں کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں۔

خطبہ کے وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ممنوع ہے

⑤ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جمعہ کے دن جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو اگر تم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے یہ بھی کہا ”چپ رہو“ تو تم نے بھی لغو کام کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: خطبہ کے وقت چونکہ کسی بھی قسم کے کلام اور گفتگو کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے اس وقت ایسے شخص کو جو گفتگو کر رہا ہو خاموش ہو جانے کے لئے کہنا بھی اس حدیث کے مطابق ”لغو“ ہے اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت مطلقاً کلام اور گفتگو ممنوع ہے اگرچہ وہ کلام و گفتگو امر بالمعروف (اچھی بات کے کرنے) اور نہی عن المنکر (بری بات سے روکنے) سے متعلق کیوں نہ ہو۔ ہاں اس وقت یہ فریضہ اشارہ کے ذریعہ ادا کیا جاسکتا ہے لیکن زبان سے کہنے کی اجازت نہیں ہے۔

خطیبہ کے وقت خاموشی اختیار کرنے کا مسئلہ: جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت خاموش رہنا اکثر علماء کے نزدیک واجب ہے اطمینان

الوحیفہ" بھی انہیں میں شامل ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے چنانچہ امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے لیکن مذاہب اہلحدیث نے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک قول وجوب کا ہے اور دوسرا استحباب کا، امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس وقت امام خطبہ کے لئے چلے اس وقت بھی نماز شروع کرنا یا کلام کرنا دونوں ممنوع ہیں اگر کوئی شخص نماز (مثلاً سنت وغیرہ) پڑھ رہا ہو اور امام خطبہ شروع کر دے تو اس شخص کو دو رکعت پوری کر کے نماز توڑ دینی چاہئے۔ مگر حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک امام کے خطبہ کے لئے چلنے اور خطبہ شروع کرنے کے درمیان اسی طرح اس کے خطبہ ختم کرنے کے بعد سے تکبیر تحریمہ شروع ہو جانے تک کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ کراہیت کلام اس وجہ سے ہے کہ کلام میں مشغول رہنے والا شخص خطبہ نہیں سن سکتا اور ظاہر ہے کہ یہ مواقع خطبہ سننے کے نہیں ہیں اس لئے ایسے اوقات میں کلام کرنا جائز ہے۔

مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ ان دونوں کی ممانعت کی یہ دلیل پیش کرے ہیں کہ حدیث ہے اذا خرج الامام فلا صلوة ولا كلام (جب امام خطبہ کے لئے چلے تو اس وقت نہ نماز جائز ہے اور نہ کلام) نیز صحابہؓ کے اقوال بھی اسی طرح ہیں۔ اور صحابیؓ کے قول کو حجت اور دلیل قرار دینے میں نہ صرف یہ کہ کوئی شک و شبہ نہیں ہے بلکہ قول صحابیؓ کی تہلیل و پیروی واجب ہے علماء نے لکھا ہے کہ خطبہ کے وقت صاحب ترتیب کے لئے قضا نماز پڑھنی مکروہ نہیں ہے۔

اس شخص کے بارہ میں جو امام سے دور ہو اور خطبہ کی آواز اس تک نہ پہنچ رہی ہو علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن صحیح اور مختار قول یہ ہے کہ وہ شخص بھی گفتگو و کلام نہ کرے بلکہ اس کے لئے بھی خاموش رہنا واجب ہے۔

خطبہ کے وقت کے آداب: علماء نے صراحت کی ہے کہ جس وقت امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت کھانا پینا یا کتابت وغیرہ دنیوی امور میں مشغول ہونا حرام ہے سلام اور چھینک کا جواب دینا بھی مکروہ ہے اس سلسلہ میں در مختار میں ایک کلمہ لکھا گیا ہے۔ کُلُّ شَيْءٍ حُرْمٌ فِي الصَّلَاةِ حُرْمٌ فِي الْخُطْبَةِ یعنی جو چیزیں نماز میں حرام ہیں وہ خطبہ کے وقت بھی حرام ہیں۔ خطبہ کے وقت درود بھی زبان سے نہیں بلکہ دل میں کہہ لیا جائے۔ خطبہ کے وقت کسی شخص کو اس کی خلاف شرع حرکت سے روکنا زبان سے تو مکروہ ہے لیکن ہاتھ یا آنکھ کے اشارے سے اسے منع کر دینا مکروہ نہیں ہے۔

بہر حال اس حدیث کی باب سے وجہ مناسبت یہ ہے کہ اس باب کا مقتضی یہ ہے کہ جمعہ میں سویرے سے جانا ثواب کی زیادتی کا باعث ہے اور کوئی شخص سویرے سے مسجد پہنچ گیا مگر اس نے وہاں امام کے خطبہ پڑھتے وقت کسی کو زبان سے نصیحت کی تو گویا اس سے ایک لغو کام صادر ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سویرے سے مسجد میں پہنچ جانے کا ثواب جاتا رہا۔ لہذا اسے چاہئے کہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں سویرے سے پہنچ جائے اور وہاں ایسی کوئی حرکت نہ کی جائے جس سے ثواب جاتا رہے۔

مسجد میں کسی کو اس کی جگہ سے نہ ہٹانا چاہئے

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقِيمَنَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ يُخَالِفُ إِلَى مَقْعَدِهِ فَيَقْعُدُ فِيهِ وَلَكِنْ يَقُولُ افْسَحُوا - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن (جامع مسجد میں پہنچ کر) اپنے مسلمان بھائی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے اور وہاں خود بیٹھنے کا ارادہ نہ کرے۔ ہاں (لوگوں سے) یہ کہہ دے کہ (بھائیو) جگہ کشادہ کر دو۔“ (مسلم)

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کو ہٹا کر اس کی جگہ پر اس کی رضائے بغیر بیٹھنا حرام ہے اور اگر رضا حاصل ہو تو وہ بھی حقیقتہً ہونی چاہئے۔ نہ کہ کسی خوف و جبر کی وجہ سے ہو اس طرح اگر کوئی شخص کسی کو پہلے سے مسجد میں بھیج دے تاکہ وہ وہاں اس کے لئے جگہ روک لے تو اس شخص کو بھی اس جگہ سے اٹھانا حرام ہے۔ کیونکہ کوئی شخص بھی محض کسی کو بھیج کر جگہ رکوا لینے سے مسجد وغیرہ جیسی مقدس

جگہوں کا حقدار نہیں ہوتا۔ بلکہ جو شخص جس جگہ بیٹھا ہوا ہے وہ اس جگہ پہلے پہنچ جانے کی وجہ سے اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے اگرچہ وہاں پہنچنے پر اس کی یہی نیت کیوں نہ ہو کہ جس شخص نے مجھے بھیجا ہے اس کے لئے میں جگہ روک رہا ہوں اور یہاں وہی شخص آکر بیٹھے گا چنانچہ خود اس شخص کے لئے اپنی جگہ سے اپنے بھیجنے والے کے لئے اٹھنا اور اس کے ساتھ اس سلسلہ میں ایثار کا معاملہ کرنا مکروہ ہے۔ بشرطیکہ وہ شخص اس سے فضیلت میں کم درجہ کا ہو یعنی اگر کوئی اس سے زیادہ افضل ہو تو اس کے ساتھ ایثار کا معاملہ کرنا مکروہ نہیں ہے اور اس کے لئے وہاں سے اٹھنا مکروہ اس لئے ہے کہ عبادات میں بلاعذر مکروہ ہے۔

جہاں تک اس آیت وَالَّذِينَ يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ كَاتِلِينَ (یعنی طبعی ضروریات و خواہشات) سے ہے تو اس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہاں وہ ایثار مراد ہے جس کا تعلق حفظ نفس (یعنی طبعی ضروریات و خواہشات) سے ہے۔ اب تو غالباً کہیں یہ دستور نہیں ہے مگر پہلے زمانہ میں بعض اصحاب ثروت و دولت جن کی زندگی کا بنیادی مقصد دوسروں پر ظلم کرنا تھا اپنے خادموں اور ملازموں کو جامع مسجد میں بھیجتے تھے اور وہاں پہنچ کر پہلے سے بیٹھے ہوئے کمزور و غریب لوگوں کو مار مار کر اور دھکے دے دے کر اٹھا دیتے تھے اور اپنے آقاؤں کے لئے جگہ بنا لیتے تھے اسی زمانہ کے کسی عارف سے اس غلط طریقہ کے بارے میں جب کہا گیا تو انہوں نے نہایت تاسف کے ساتھ یہ عارفانہ مقولہ ارشاد فرمایا کہ ”جب ان کی عبادت کا یہ حال ہے تو ان کے ظلم و گناہ کا کیا عالم ہوگا؟ افسوس! (جگہ کشادہ کرو) اس طرح اس وقت کہنا چاہے جب کہ جگہ میں کشادگی کی گنجائش ہو دور نہ بصورت دیگر یہ بھی نہ کہنا چاہے اور نہ لوگوں کو تنگ کرنا چاہے بلکہ جہاں بھی جگہ مل جائے وہیں نماز پڑھ لے اگرچہ مسجد کے دروازوں ہی میں جگہ کیوں نہ ملے۔ باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ رغبت دلائل جاری ہے کہ نماز پڑھنے والا جامع مسجد میں سویرے سے پہنچ جائے تاکہ کسی کو اٹھانے بٹانے کی ضرورت نہ پڑے۔

جمعہ کے روز عمدہ لباس زیب تن کرنا چاہئے

⑥ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبَسَ مِنْ أَحْسَنِ ثِيَابِهِ وَمَسَّ مِنْ طَيْبٍ إِنْ كَانَ عِنْدَهُ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَلَمْ يَتَخَطَّ أَغْنَأَ النَّاسَ ثُمَّ صَلَّى مَا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ ثُمَّ انْصَبَتْ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهُ حَتَّى يَفُتَّحَ مِنْ صَلَاتِهِ كَأَنَّهُ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهَا وَ بَيْنَ جُمُعَتِهِ النَّبِيِّ قَبْلَهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے عمدہ لباس پہنے اور اگر میسر ہو تو خوشبو لگائے پھر جمعہ میں آئے اور وہاں لوگوں کی گردنوں پر نہ پھلانگے پھر جتنی اللہ نے اس کے مقدر میں لکھ رکھی ہو نماز پڑھے اور جب امام (خطبہ کے لئے) چلے تو خاموشی اختیار کرے یہاں تک کہ نماز سے فراغت حاصل کرے تو یہ اس کے اس جمعہ اور اس پہلے جمعہ کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”عمدہ لباس“ سے مراد سفید کپڑے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو سفید ہی کپڑے پسند تھے۔

جامع مسجد پیدل جانا افضل ہے

⑧ وَعَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَغَسَلَ وَبَكَرَ وَاتَّكَرَ وَمَشَى وَلَمْ يَرْكَبْ وَذَمَّ مِنَ الْإِمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلٌ سَنَةٍ أَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا۔

(رواہ الترمذی، و ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت اوس بن اوسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص جمعہ کے دن نہلائے اور خود نہائے، سویرے سے (جامع)

مسجد جائے (تاکہ) شروع سے خطبہ پالے اور پیدل جائے، سوار نہ ہو اور امام کے قریب بیٹھے اور خطبہ سے نیزہ کے کوئی یہودہ بات زبان سے نہ نکالے تو اس کے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں اور رات میں عبادت کرنے کا ثواب لکھا جائے گا۔“

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: غَسَل (نہلانے) کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی کو نہلائے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی بیوی سے صحبت کرے تاکہ اس کے نہانے کا باعث ہو یا یہ مراد ہے کہ اپنے کپڑے صاف کرائے اور دھو لوائے یا اپنا سر خطمی وغیرہ سے دھوئے جمعہ کے روز اپنی بیوی سے ہم بستری بہتر اس لئے ہے کہ اس سے زنا کا خطرہ دل میں پیدا نہیں ہوتا اور نماز میں حضور قلب حاصل ہوتا ہے۔

اس حدیث میں لفظ ”مشی“ کے بعد ”لم یو کب“ کی قید کا مقصد اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ تمام راستہ پایادہ چلے بالکل سوار نہ ہو۔ چونکہ لفظ ”مشی“ اپنے عمومی مفہوم میں تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ خواہ تمام راستہ پیدل چلے یا تھوڑی تھوڑی دور پیدل چل کر پھر سوار ہو جائے۔ اس لئے ”لم یو کب“ ذکر کر کے اس بات کی تاکید فرمادی گئی کہ جامع مسجد جانے کے لئے سواری بالکل استعمال نہ کی جائے بلکہ تمام راستہ پیدل چل کر جامع مسجد پہنچے۔

جمعہ کے لئے بطور خاص اچھے کپڑے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے

⑨ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلَى أَحَدِكُمْ أَنْ وَجَدَ أَنْ يَتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوَى ثَوْبَيْنِ مَهْنَتِهِ زَوْاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَوْاهُ مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ۔

”اور حضرت عبداللہ ابن سلامؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے جسے مقدور ہو اگر وہ نماز جمعہ کے لئے علاوہ کاروبار کے کپڑوں کے دو کپڑے اور بنالے تو کوئی مضائقہ نہیں (ابن ماجہ) اور امام مالکؒ نے یہ روایت یحییٰ ابن سعد سے نقل کی ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو سہولت و آسانی کے ساتھ یہ میسر ہو کہ وہ ان کپڑوں کے علاوہ جنہیں وہ ہمیشہ پہنتا ہے اور ان کپڑوں میں گھریا ہر کاروبار کرتا ہے نماز جمعہ کے لئے دو مزید کپڑے بنالے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بطور خاص جمعہ اور عیدین کے لئے اچھے کپڑے بنائے تو یہ زہد و تقویٰ کے منافی نہیں ہوگا چنانچہ خود سرکار دو عالم ﷺ کے بارہ میں ثابت ہے کہ آپ کے پاس دو ایسے کپڑے تھے جنہیں آپ ﷺ بطور خاص جمعہ ہی کے روز زیب تن فرماتے تھے۔

امام کے قریب بیٹھ کر خطبہ سنو

⑩ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْضَرُوا الذِّكْرَ وَأَذْنُوا مِنَ الْإِمَامِ فَإِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ يَتَبَاَعَدُ حَتَّى يُلَاقِيَ خَيْرَ فِي الْجَنَّةِ وَإِنْ دَخَلَهَا۔ (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت سمرۃ بن جندبؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ”خطبہ کے وقت جلد حاضر ہوا کرو اور امام کے قریب بیٹھا کرو، کیونکہ آدمی (بھلائیوں کی جگہ سے بلا عذر) جتنا دور ہوتا جاتا ہے جنت کے داخل ہونے میں پیچھے رہے گا۔ اگرچہ جنت میں داخل ہو بھی جائے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ اس بات کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ ہمیشہ اعلیٰ امور اختیار کئے جائیں اور ادنیٰ چیزوں پر قناعت نہ کی جائے۔

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق

باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

گردنوں کو پھلانگنے کی وعید

(۱۱) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اتَّخَذَ جَسْرًا إِلَى جَهَنَّمَ زَوَاهُ الْبُتْرُ مَذِيٌّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت معاذؓ ابن انسؓ جہنیؓ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص جمعہ کے دن (جامع مسجد میں جگہ حاصل کرنے کے لئے) لوگوں کی گردنیں پھلانگے گا وہ جہنم کی طرف پل بنایا جائے گا“ ترمذیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: سیدؒ نے کہا ہے حدیث کی اسناد عن معاذ ابن انس عن ابیہ سہوا نقل ہو گئی ہے کیونکہ معاذ کے والد انس کو نہ شرف روایت حاصل ہے اور نہ فیض صحبت ہی میسر ہوا ہے لہذا صحیح اسناد اس طرح ہے عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ (سہل ابن معاذ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں) جیسا کہ ترمذیؒ میں منقول ہے۔

حدیث کے الفاظ ”جہنم کی طرف پل بنایا جائے گا“ کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص کو اپنے فعل کی مثل بدلہ ملے گا یعنی جس طرح اس نے گردنوں کو پھلانگ کر لوگوں کو اپنی گذر گاہ بنایا اس طرح اس کو جہنم کی طرف پل بنا کر لوگوں کے لئے گذر گاہ بنایا جائے گا۔

خطبہ کے وقت بیٹھنے کا ایک ممنوع طریقہ

(۱۲) وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْحَيَوَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت معاذ ابن انسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے جمعہ کے دن جب کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو ”گوٹ مارنے سے منع فرمایا ہے۔“ (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: ”گوٹ مارنا“ ایک خاص نشست اور بیٹھنے کے ایک مخصوص طریقہ کو کہتے ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اکڑوں بیٹھ کر سرین کو زمین پر ٹیک کر پیڑے یا پاتھوں کے ذریعے دونوں گھٹنے اور رانیں پیٹ کے ساتھ ملا لی جاتی ہیں۔ خطبہ کے وقت اس طرح بیٹھنے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ ایسی حالت میں نیند آ جاتی ہے جس کی وجہ سے خطبہ کی سماعت نہیں ہو سکتی بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس طرح بیٹھنے والا غنودگی کے عالم میں ایک پہلو پر گر جاتا ہے یا بیٹھے ہی بیٹھے اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اسے احساس بھی نہیں ہوتا۔

اونگھ آنے کی صورت میں جگہ بدل دینی چاہئے

(۱۳) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهِ ذَٰلِكَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن (مسجد میں بیٹھے اونگھنے لگے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی جگہ بدل دے) یعنی جس جگہ بیٹھا ہے وہاں سے اٹھ جائے اور دوسری جگہ جا کر بیٹھ جائے اس طرح نیند کا غلبہ کم ہو جائے گا۔“ (ترمذیؒ)

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھاؤ

(۱۴) عَنْ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِهِ وَيَجْلِسَ فِيهِ فَيُلْ لِنَافِعٍ فِي الْجُمُعَةِ قَالَ فِي الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا۔ (متفق علیہ)

”حضرت نافعؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”سرتاج دو عالم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں بیٹھ جائے“ نافع سے پوچھا گیا کہ ”کیا یہ ممانعت جمعہ کے لئے ہے؟“ انہوں نے فرمایا کہ ”جمعہ کے لئے بھی اور جمعہ کے علاوہ بھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: چونکہ اس طرز عمل سے منع فرمایا گیا ہے کہ اس سے ایک مسلمان بھائی کو تکلیف پہنچتی ہے لہذا یہ ممانعت کیا جمعہ اور کیا غیر جمعہ ہر موقع سے متعلق ہے۔

آداب جمعہ کی رعایت کرنے والے کے لئے بشارت

(۱۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْضُرُ الْجُمُعَةُ ثَلَاثَةَ نَفَرٍ رَجُلٌ حَضَرَهَا يَلْعُو فَذَلِكَ حَظُّهُ مِنْهَا وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِدَعَاءٍ فَهُوَ رَجُلٌ دَعَا اللَّهُ أَنْ شَاءَ أَعْطَاهُ وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُ وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِانْصَابٍ وَسُكُوتٍ وَلَمْ يَتَخَطَّ رَقَبَةً مُسْلِمٍ وَلَمْ يُؤْذِ أَحَدًا فَهِيَ كَفَّارَةٌ إِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِي تَلِيهَا وَزِيَادَةٌ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يَقُولُ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرمایا کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جمعہ (کی نماز) میں تین طرح کے لوگ آتے ہیں ایک وہ شخص جو لغو کلام اور بیکار کام کے ساتھ آتا ہے (یعنی وہ خطبہ کے وقت لغوی بیہودہ کلام اور بیکار کام میں مشغول ہوتا ہے) چنانچہ جمعہ کی حاضری میں اس کا یہی حصہ ہے (یعنی وہ جمعہ کے ثواب سے محروم رہتا ہے اور لغو کلام و فعل کا وبال اس کے حصہ میں آتا ہے) دوسرا وہ شخص ہے جو جمعہ میں دعا کے لئے آتا ہے (چنانچہ وہ خطبہ کے وقت دعائیں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی دعا اسے خطبہ سننے یا خطبہ کے کمال ثواب سے باز رکھتی ہے) پس وہ دعا مانگتا ہے خواہ اللہ تعالیٰ (اپنے فضل و کرم کے صدقہ میں) اس کی دعا کو قبول فرمائے یا نہ قبول فرمائے تیسرا وہ شخص جمعہ میں آتا ہے جو (اگر خطبہ کے وقت امام کے قریب ہوتا ہے تو خطبہ سننے کے لئے) خاموش رہتا ہے اور (اگر امام سے دور ہوتا ہے اور خطبہ کی آواز اس تک نہیں پہنچتی تب بھی خطبہ کے احترام میں وہ) سکوت اختیار کرتا ہے نیز نہ تو وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے اور نہ کسی کو ایذا پہنچاتا ہے لہذا اس کے واسطے یہ جمعہ اس (یعنی پہلے) جمعہ تک جو اس سے ملا ہوا ہے بلکہ اور تین دن زیادہ تک کا کفارہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا یعنی جو ایک نیکی کرے گا۔ اس کو اس نیکی کا دس گنا ثواب دیا جائے گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ان شاء اعطاه وان شاء منعه کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص چونکہ خلاف ادب اور خلاف حکم اس وقت دعا میں مشغول رہتا ہے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو محض اپنے فضل و کرم کے صدقہ میں اس کی دعا کو قبول فرمائے گا ورنہ تو ازارہ عدل اس کے اس فعل بد کی وجہ سے کہ وہ دعا میں مشغول رہ کر خطبہ سننے سے غافل رہا اس کی دعا قبول نہیں فرمائے گا خطبہ کے وقت دعا میں مشغول ہونا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے جب کہ دوسرے علماء کے یہاں حرام ہے۔ مشکوٰۃ کے ایک دوسرے نسخہ میں لفظ يَلْعُو صیغہ مضارع کے ساتھ نقل کیا گیا ہے لیکن صحیح بلغو ہی جیسا کہ یہاں نقل کیا گیا ہے کیونکہ یہ اگلے جملوں کے مطابق ہے۔

ولم يؤذ احد کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں آکر اس نے کسی شخص کو ایذا اور تکلیف نہیں پہنچائی باس طور کہ مثلاً نہ تو کسی کو اس کی

جگہ سے اٹھایا نہ کسی دوسرے کے جسم کے کسی عضو پر چڑھ کر بیٹھایا اسی طرح نہ تو کسی کے مصلیٰ پر اس کی مرضی کے بغیر بیٹھا اور نہ ہن و پیاز جیسی اشیاء کی بدبو سے کسی کو تکلیف پہنچائی۔

خطبہ کے وقت بات چیت کرنے والوں کے لئے وعید

(۱۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا وَالدَّيْنِ يَقُولُ لَهُ أَنْصِتْ لَيْسَ لَهُ جُمُعَةٌ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص جمعہ کے دن اس حالت میں جب کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو بات چیت میں مشغول ہو تو وہ گدھے کی مانند ہے کہ جس پر کتابیں لاد دی گئیں ہوں اور جو شخص اس (بات چیت میں مشغول رہنے والے) سے کہے ”چپ رہو“ تو اس کے لئے جمعہ کا ثواب نہیں ہے۔“ (احمد)

تشریح: کمثل الحمار کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اس گدھے کی طرح ہے جس کی پشت پر کتابیں لاد دی جائیں یہ دراصل عالم کے علم پر عمل نہ کرنے سے کنایہ ہے نیز اس بات سے کنایہ ہے کہ اس شخص نے انتہائی محنت و مشقت برداشت کر کے علم حاصل کیا مگر اس علم سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

جو شخص مشغول گفتگو کو خاموش ہونے کے لئے کہے اس کو بھی جمعہ کا ثواب اس لئے نہیں ملتا کہ اس سے ایسا انوار بے فائدہ کلام صادر ہوا جس کی ممانعت ثابت ہو چکی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نمبر ۱۱ میں بیان کی جا چکی ہے۔

خطبہ کے وقت آنحضرت ﷺ کا کلام اور اس کی وضاحت: ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز جب کہ آنحضرت ﷺ خطبہ دے رہے تھے ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! میرا مال تباہ و برباد ہو گیا، میرے اہل و عیال بھوکے ہیں ہمارے لئے دعا کیجئے! آنحضرت ﷺ نے اسی حالت میں اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی ”یا اسی طرح بعض روایتوں میں آنحضرت ﷺ سے خطبہ کی حالت میں بات چیت کرنا ثابت ہے تو ان روایتوں کے بارہ میں کئی احتمال ہیں اول تو یہ کہ آپ ﷺ کا دعا میں مشغول ہونا یا بات چیت کرنا خطبہ کی حالت میں نہیں تھا بلکہ یا تو خطبہ شروع ہونے سے پہلے یا خطبہ شروع ہونے کے بعد آپ ﷺ دعا یا بات چیت میں مشغول ہوئے ایک احتمال یہ ہے کہ ان روایتوں کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب کہ خطبہ کی حالت میں اس قسم کی مشغولیت ممنوع نہیں تھی یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

مسلمانوں کے لئے جمعہ عید ہے

(۱۷) وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمُعِ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ إِنَّ هَذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللَّهُ عِيدًا فَاغْتَسِلُوا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَيْبٌ فَلَا يَضُرُّهُ أَنْ يَمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَاكِ زَوَاهِ مَالِكٍ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْهُ وَهُوَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ مُتَّصِلًا۔

”اور حضرت عبید اللہؓ ابن سباقؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”اے مسلمانوں کی جماعت! یہ (جمعہ) کا وہ دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے (مسلمانوں کی) عید قرار دیا ہے۔ لہذا (اس دن غسل کرو اور جس شخص کو خوشبو میسر ہو اگر وہ اسے استعمال کرے تو کوئی حرج نہیں نیز تم سواک ضرور کیا کرو“ (مالک) ابن ماجہؓ نے بھی یہ حدیث عبید اللہ ابن سباقؓ سے انہوں نے ابن عباسؓ سے متصل نقل کی ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جمعہ کا دن عید یعنی فقراء و مساکین اور اولیاء اللہ و صالحین کے لئے خوشی و مسرت اور زیب و زینت کرنے کا دن

ہے اس دن نہاؤ یعنی خوب اچھی طرح طہارت اور ستھرائی حاصل کرو۔ اور خوشبو استعمال کرو خوشبو ایسی ہونی چاہئے کہ جس میں خوشبو تو ہو مگر رنگ نہ ہو جیسے عطر وغیرہ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ خوشبویوں میں سب سے افضل خوشبو ایسا مشک ہے جس میں گلاب کی آمیزش ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ اکثر و بیشتر مشک ہی کا استعمال فرماتے تھے۔

حدیث کے الفاظ ومن كان عنده طيب فلا يضره ان يمسس کے بارہ میں اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ یہ پیرایہ بیان وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں کسی گناہ کا گمان ہوتا ہے لیکن خوشبو استعمال کرنا اور خاص طور پر جمعہ کے دن سنت مودکہ ہے لہذا اس موقع پر یہ پیرایہ بیان کیوں اختیار کیا گیا؟ تو جواب یہ ہو گا کہ بعض مسلمان یہ گمان کرتے تھے کہ خوشبو چونکہ عورتوں کے استعمال میں زیادہ آتی ہے اور عورتیں زیادہ تر اس کے استعمال کی عادی ہوتی ہیں اس لئے مردوں کے لئے اس کا استعمال مناسب نہ ہو گا چنانچہ اس گمان اور گناہ کی نفی اس پیرایہ بیان سے کی گئی ہے جیسا کہ طواف یعنی صفا و مروہ کی سعی ارکان حج میں سے ہے اور واجب ہے لیکن اس کے باوجود اس بارہ میں حق تعالیٰ نے یہ پیرایہ بیان اختیار فرمایا لا جُناحَ عَلَیْهِ اَنْ يَتَلَوَّفَ بِهِمَا (یعنی اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ صفا و مروہ کی سعی کی جائے) حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن اور خاص طور پر غسل و وضو کے وقت مسواک ضرور استعمال کرنی چاہئے۔

جمعہ کے دن غسل کرنے اور خوشبو لگانے کی اہمیت

①۸ وَعَنِ النَّبَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقًّا عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَغْتَسِلُوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِيَمَسَّ أَحَدُهُمْ مِنْ طَيْبٍ أَهْلُهُ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلِأَمَاءٍ لَهُ طَيْبٌ زَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

”اور حضرت برائہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا مسلمانوں پر جمعہ کے دن نہانا واجب ہے نیز مسلمانوں کو چاہیے کہ ان میں کا ہر شخص اپنے گھر میں سے خوشبو لیکر استعمال کرے اور اگر کسی کو خوشبو میسر نہ ہو تو اس کے لئے پانی ہی خوشبو ہے“ یہ روایت احمد، ترمذی نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔“

تشریح: ”من طیب اہلہ“ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ عورتیں اکثر خوشبو رکھتی ہیں اس سے گویا اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی کے پاس خوشبوند نہ ہو تو وہ اپنی بیوی سے مانگ لے لیکن خوشبوزانی یعنی ایسی نہ ہو کہ اس میں رنگ کی آمیزش ہو۔ فالْمَاءُ لَهُ طَيْبٌ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس خوشبوند نہ ہو اور اس کے گھر میں بھی بیوی وغیرہ کے پاس نہ ملے تو وہ پانی سے نہالے کہ پانی بمنزلہ خوشبو کے ہے کیونکہ پانی پاکیزگی اور ستھرائی کا سبب ہے اور بدن کی بدبو اس سے جاتی رہتی ہے۔

یہ حدیث اور اوپر کی حدیث حضرت امام مالکؒ کے مسلک کی مؤید ہے کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک چونکہ جمعہ کے دن غسل واجب نہیں لہذا ان حضرات نے احادیث کو سنت پر محمول کیا ہے کیونکہ ان کے علاوہ دوسری اور بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے دن غسل واجب نہیں ہے تاہم علماء لکھتے ہیں کہ جمعہ کے دن غسل نہ کرنا مکروہ ہے۔

بَابُ الْخُطْبَةِ وَالصَّلَاةِ

خطبہ اور جمعہ کی نماز کا بیان

لغت میں خطبہ مطلقاً تقریر، گفتگو اور اس کلام کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہو، لیکن شریعت کی اصطلاح میں ”خطبہ“ اس کلام اور مجموعہ الفاظ کو کہتے ہیں جو پند و نصائح، ذکر و ارشاد، درود و سلام اور شہادتین پر مشتمل ہو۔

نماز جمعہ میں خطبہ فرض اور شرط ہے، امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک خطبہ کی کم سے کم مقدار سبحان اللہ یا الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ کہہ دینا ہے۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ سے طویل خطبہ منقول ہے لیکن طویل خطبہ واجب یا سنت ہے شرط اور فرض نہیں ہے کہ بغیر طویل خطبہ کے جمعہ کی نماز درست نہ ہوتی ہو۔ مگر حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ طویل ذکر اور پند و نصیحت کہ جسے عرف عام میں خطبہ کہا جاتا ہے ضروری ہے محض سبحان اللہ یا الحمد للہ کہہ لینے کو خطبہ نہیں کہا جاسکتا۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک دو خطبے نہ پڑھے جائیں خطبہ جائز ہی نہیں ہوتا۔ ان تمام ائمہ کے دلائل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

نماز جمعہ کا وقت

① عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَمِيزُ الشَّمْسُ - (رواہ البخاری)

”حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب کہ آفتاب ڈھل جاتا۔“ (بخاری)

تشریح: نماز جمعہ پڑھنے کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب سردی کا موسم ہوتا تھا تو آپ ﷺ آفتاب ڈھلتے ہی جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تھے مگر شدید گرمی کے دنوں میں ٹھنڈے وقت پڑھتے تھے جیسا کہ آگے حضرت انسؓ کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوگا۔

② وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَعَدَّى الْأَبْعَدَ الْجُمُعَةَ - (متن علیہ)

”اور حضرت سہل ابن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر قیلولہ کرتے تھے اور کھانا کھاتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: دوپہر میں استراحت کرنے کو قیلولہ کہتے ہیں خواہ سویا جائے یا نہ سویا جائے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہم جمعہ کے روز دوپہر کے کھانے اور قیلولہ میں مشغول نہ رہتے تھے بلکہ سویرے سے نماز جمعہ کے لئے چلے جاتے تھے نماز کے بعد کھانا کھاتے اور قیلولہ کرتے تھے۔

③ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْبُرْدُ بَكَرَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ

يَعْنِي الْجُمُعَةَ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ سخت سردی کے موسم میں جمعہ کی نماز سویرے سے پڑھ لیتے تھے اور جب شدید گرمی کے دن ہوتے تو دیر سے پڑھتے تھے۔“ (بخاری)

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان نہیں ہوتی تھی

④ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ التَّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوَّلَهُ إِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ عَلَى الْمَنْبَرِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبْنَى بَكَرٍ وَعُمَرُ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ التَّدَاءُ الثَّلَاثَ عَلَى الزُّوْرَاءِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت سائبؓ ابن یزید فرماتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمرؓ کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان وہ ہوتی تھی جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی تھی مگر جب عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی کثرت ہو گئی تو تیسری اذان کا اضافہ کیا گیا جو زور میں دی جاتی تھی۔“ (بخاری)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں جمعہ کی اذان کے سلسلے میں معمول یہ تھا کہ جب آپ نماز جمعہ کے لئے تشریف لاتے اور منبر پر بیٹھتے تو اذان کہی جاتی تھی۔ جمعہ کی پہلی اذان جو نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد کہی جاتی ہے اس وقت مقرر نہیں تھی۔ زمانہ

رسالت کے بعد حضرت ابو بکر و عمرؓ کے زمانہ خلافت میں بھی یہی معمول رہا۔ مگر جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں مسلمان تعداد میں کم تھے اور یہ بھی کہ مسجد کے قریب ہی سکونت پذیر تھے بلکہ اکثر مسلمان تو ہمہ وقت بارگاہ رسالت ہی میں حاضر رہتے تھے اور اب نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی ہے بلکہ اکثر مسلمان مسجد سے دور دراز علاقوں میں سکونت پذیر ہیں اور اپنے اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں تو انہوں نے یہ مناسب جانا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان کہی جائے تاکہ جو لوگ دور دراز علاقوں میں رہتے ہیں وہ بھی خطبہ میں حاضر ہو جائیں۔ اسی طرح اسی وقت سے اذان اول کہی جانے لگی۔ لہذا ”تیسری اذان“ سے مراد یہی پہلی اذان ہے کہ حدیث میں اس کو ”تیسری اذان“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگرچہ یہ اذان وقوع کے اعتبار سے اول ہے کہ سب سے پہلے کہی جاتی ہے مگر آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چونکہ مقرر شدہ دو اذانوں (یعنی ایک تو وہ اذان جو خطبہ کے وقت کہی جاتی ہے اور دوسری تکبیر) کے بعد یہ اذان مقرر ہوئی ہے اس لئے اسے ”تیسری اذان“ کہا جاتا ہے۔

بہر حال وہ اذان جو نماز جمعہ کے لئے سب سے پہلی کہی جاتی ہے حضرت عثمانؓ نے مقرر کی ہے اور وہ بھی سنت ہے اسے بدعت نہیں کہا جائے گا کیونکہ حضرات خلفاء راشدینؓ کا فعل اور ان کا مقرر کردہ طریقہ بھی سنت ہی میں شمار ہوتا ہے۔

اب تو غالباً کسی بھی جگہ طریقہ رائج نہیں ہے مگر پہلے بعض مقامات پر یہ معمول تھا کہ سنتیں پڑھنے کے وقت مزید ایک اذان کہی جاتی تھی جو نہ تو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مقرر تھی اور نہ صحابہؓ اور تابعینؓ کے دور میں مقرر ہوئی اور نہ اکثر مسلم ممالک و بلاد میں اس وقت اذان کہی جاتی تھی نہ معلوم کس شخص نے یہ بدعت جاری کی تھی۔

علماء نے لکھا ہے کہ جو نماز جمعہ کے لئے پہلی اذان ہو جانے کے بعد خرید و فروخت (یا کوئی بھی دنیاوی مشغولیت) حرام ہو جاتی ہے اور نماز جمعہ میں جلدی پہنچنے کے لئے اس کی تیاریوں اور اہتمام میں مشغول ہو جانا واجب ہو جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ دو خطبے پڑھتے تھے اور دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے

⑤ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَذْكُرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلَاتُهُ قِصْدًا وَخُطْبَتُهُ قِصْدًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ دو خطبے پڑھا کرتے تھے اور دونوں (خطبوں) کے درمیان بیٹھتے تھے، ان خطبوں میں آپ قرآن کریم پڑھتے تھے اور لوگوں کو ہند و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ نیز آپ ﷺ کی نماز بھی اوسط درجہ کی ہوتی تھی اور آپ کا خطبہ بھی اوسط درجہ کا ہوتا تھا نہ بہت زیادہ طویل ہوتا تھا اور نہ بالکل ہی مختصر۔“ (مسلم)

تشریح: آپ دونوں خطبوں کے درمیان اس قدر بیٹھا کرتے تھے کہ جسم مبارک کا ہر عضو اپنی اپنی جگہ پر آجاتا تھا۔ چنانچہ فقہاء نے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا صرف اتنا عرصہ مقرر کیا ہے کہ جس میں تین مرتبہ ”سبحان اللہ“ کہا جاسکے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ صحیح طور پر یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھ کر کوئی دعا پڑھتے تھے۔

مختصر مگر پر تاثیر خطبہ خطیب کی دانائی کی علامت ہے

⑥ وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ طَوْلَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَقِصْرَ خُطْبَتِهِ مِثْلُهُ مِنْ فِقْهِهِ فَأَطِيلُوا الصَّلَاةَ وَأَقْصِرُوا الْخُطْبَةَ وَإِنَّ الْبَيَانَ سَخْرًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عمارؓ کہتے ہیں کہ میں نے سر تاج دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ طویل نماز پڑھنی اور مختصر خطبہ پڑھنا آدمی کی دانائی کی

علامت ہے۔ لہذا تم نماز کو طویل اور خطبہ کو مختصر کر دو کیونکہ بعض بیان سحر (کی تاثیر لئے ہوئے ہوتا ہے۔) ”(مسلم)

تشریح: خطبہ کی حالت میں لوگوں کی توجہ مخلوق (یعنی خطبہ پڑھنے والے) کی طرف ہوتی ہے جب کہ نماز کی حالت میں توجہ کامرکز خالق (یعنی اللہ تعالیٰ) کی ذات ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث بالا پڑھے ہی طبع انداز میں یہ بتانا چاہتی ہے کہ انسان کی سمجھ داری اور اس کی دانائی کا تقاضہ یہ ہونا چاہیے کہ اس حالت کو زیادہ دراز اور طویل کیا جائے جس میں بندہ کی توجہ اپنے خالق کی طرف ہو اور اس حالت کو مختصر کیا جائے جس میں توجہ مخلوق کی طرف منعطف ہو رہی ہو۔ لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ یہاں نماز طویل کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز سنت کے موافق ہو۔ یعنی نماز پڑھنے کے سلسلہ میں جو درجہ آنحضرت ﷺ سے منقول اور ثابت ہے نہ تو اس سے طویل ہو اور نہ اس سے مختصر ہی ہو۔ اس طرح اس حدیث میں اور اوپر والی حدیث میں مطابقت پیدا ہو جائے گی۔

وَأَنَّ مِنَ الْبَيَانِ مَسْحَرًا (کیونکہ بعض بیان سحر ہے) گویا یہ خطبہ کو مختصر کرنے کے سلسلہ میں دلیل بیان کی جارہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ ایسا پڑھنا چاہیے جو ”قُلْ وَذَلَّ“ کا پورا پورا مصداق ہو۔ یعنی اس کے الفاظ مختصر ہوں مگر حقائق و معنی کے دریا اپنے اندر سموائے ہوئے ہو۔ کیونکہ جس طرح سحر کے مختصر ترین الفاظ میں بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے اسی طرح اس بیان اور اس تقریر میں بھی جو الفاظ کے معنی کے اعتبار سے جامع و مانع ہو، ایک عظیم تاثیر ہوتی ہے جس کی وجہ سے سامعین کے قلوب ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف مائل و منتقل ہو جاتے ہیں۔ لہذا حدیث کے ان الفاظ میں بیان و تقریر کی تعریف بھی ہے اور مذمت بھی بایں طور کہ اگر کوئی بیان سامعین کے قلوب و دماغ کو برائی کی طرف سے نیکی کی طرف مائل کر دے تو وہ اچھا ہے اور جو بیان سامعین کے ذہن و فکر کو نیکی کے راستہ سے ہٹا کر برائی کے راستہ پر موڑ دینے والا ہو وہ برا ہے۔

خطبہ ارشاد فرماتے وقت آنحضرت ﷺ کی کیفیت

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتَّى كَأَنَّهُ مُنْذِرٌ جَنِيحٌ يَقُولُ صَبِّحَكُمْ وَمَسَاءَكُمْ وَيَقُولُ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقُونُ بَيْنَ أَصْبَعَيْهِ السَّبَابَةَ وَالْوُسْطَى - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ جب (جمعہ کا یا کوئی اور) خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی اور غصہ تیز ہو جاتا تھا یہاں تک کہ (ایسا محسوس ہوتا) گویا آپ لوگوں کو (دشمن کے لشکر سے) ڈرا رہے ہوں اور فرما رہے ہوں کہ صبح و شام میں تم پر (دشمن کا لشکر ڈاکہ ڈالنے والا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ خطبہ میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ”مجھے اور قیامت کو اس طرح ساتھ ساتھ بھیجا گیا ہے“ یہ کہہ کر آپ اپنی دو انگلیوں (یعنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملاتے۔) ”(مسلم)

تشریح: انوار جلال کبریائی کی تجلی اور اُمت مرحومہ کی تقصیرات کے مشاہدہ کی وجہ سے خطبہ کے وقت آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں اسی طرح اپنی اُمت کے عم و فکر کی وجہ سے یہاں کہ سامعین کے کانوں تک اپنے الفاظ پہنچانے کے لئے آپ کی آواز بلند ہوتی تھیں تاکہ لوگوں کے قلوب متاثر ہوں۔ نیز اس وقت آپ کا غصہ اُمت کی اعتقادی و عملی بے راہ روی کے پیش نظر تیز ہو جاتا تھا۔

بہر حال حاصل یہ ہے کہ جس طرح اپنی قوم اور اپنے لشکر کی غفلت شعار یوں اور کوتاہیوں کو دیکھ کر اس کو دشمن کے خطرناک ارادوں اور منصوبوں سے ڈرانے والا اپنی آواز کو بلند کرتا ہے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور غصہ تیز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اپنی اُمت کی غفلت شعار یوں کے پیش نظر خطبہ کے وقت آنحضرت ﷺ کی یہ کیفیت و حالت ہوتی تھی۔

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ ”جس طرح بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے تھوڑی سی بڑھی ہوئی ہے اسی طرح میں بھی قیامت سے بس تھوڑا ہی پہلے دنیا میں آیا ہوں۔ قیامت کے آنے کا وقت میری بعثت کے وقت سے متصل ہی ہے میرے بعد جلد ہی

قیامت آنے والی ہے۔

خطبہ میں آنحضرت قرآن کی آیتیں پڑھا کرتے تھے

⑧ وَعَنْ يَغْلَى بْنِ أُمِيَّةٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَنَادُوا يَا مَالِكُ لِنَقْضِ عَلَيْنَا زُبْلَكَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت یعلیٰ ابن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے سرتاج و دعوالم ﷺ کو منبر پر یہ (آیت) پڑھتے ہوا سنا ہے يَا مَالِكُ لِنَقْضِ عَلَيْنَا زُبْلَكَ اے سردار! تو اپنے پروردگار سے کہہ کہ وہ ہمارا کام تمام کرے۔“ (بخاری)

تشریح: اس آیت میں دو زخیوں اور دو زخ کے سردار کے سوال و جواب کا بیان ہے کہ دو زخی دوزخ کے عذاب کی شدت سے گھبرا کر سردار یعنی داروغہ دوزخ سے کہیں گے کہ اے سردار تم اپنے پروردگار سے عرض کرو کہ وہ ہمارا کام تمام کرے یعنی ہمیں موت دیدے تاکہ اس عذاب سے ہمیں چھٹکارا ہے۔ اس کے آگے داروغہ دوزخ کا جواب بھی مذکور ہے وہ کہے گا کہ اِنكُمْ مَا كَثُرُونَ یعنی موت اور اس عذاب سے چھٹکارا کی تمہاری تمام تمنا میں باطل اور بیکار ہیں تو ہمیشہ ہمیشہ اس آگ ہی میں جلتے اور اسی طرح عذاب میں مبتلا رہو گے۔ لہذا آنحضرت ﷺ لوگوں کو دوزخ کے عذاب سے ڈرانے کے لئے یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔

⑨ وَعَنْ أُمِّ هِشَامِ بِنْتِ حَارِثَةَ بْنِ الثَّعْمَانِ قَالَتْ مَا أَخَذْتُ قِ وَالْقُرْآنِ الْمَعْجِدِ إِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُهَا كُلُّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا خَطَبَ النَّاسَ۔ (رواہ مسلم)

”حارثہ ابن نعمان کی بیٹی حضرت ام ہشامؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سورہ ”قی والقرآن المعجید“ سرتاج و دعوالم ﷺ کی زبان مبارک سے صرف اس طرح سیکھی ہے کہ آپ ہر جمعہ منبر پر جب لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرماتے تو یہ سورہ پڑھا کرتے تھے (اور میں سن سن کر یاد کر لیتی تھی)۔“ (مسلم)

تشریح: چونکہ خطبہ میں یکبارگی آنحضرت ﷺ سے پوری سورہ کا پڑھنا ثابت نہیں ہے اس لئے اس حدیث کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر جمعہ کے روز خطبہ میں اس سورہ کے تھوڑے تھوڑے حصے تلاوت فرماتے ہوں گے۔ اسی طرح ام ہشام نے آپ سے ہر جمعہ میں تھوڑا تھوڑا سن کر پوری سورت یاد کر لی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

عمامہ باندھ کر خطبہ پڑھنا

⑩ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ قَدْ أَرْخَى طَرَفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عمرو بن حریثؓ کہتے ہیں کہ سرتاج و دعوالم ﷺ نے جمعہ کے روز اس حال میں خطبہ ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا جس کے دونوں کنارے آپ نے اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑ رکھے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: ایک ضعیف حدیث میں منقول ہے کہ عمامہ باندھ کر پڑھی گئی نماز ان ستر نمازوں سے بہتر ہے جو بغیر عمامہ پڑھی گئی ہوں۔ بہر حال علامہ زبلیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث بالا سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے روز زیبائش اختیار کرنا، اچھے اور عمدہ لباس زیب تن کرنا، سیاہ عمامہ باندھنا اور عمامہ کے دونوں کناروں کو دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکانا سنت ہے۔ ”میرک“ کا قول اس حدیث کے بارے میں یہ ہے کہ جس خطبہ کے بارے میں یہاں بتایا جا رہا ہے یہ خطبہ آپ ﷺ نے مرض موت میں ارشاد فرمایا تھا۔ زبلیؒ کا کہنا ہے کہ سیاہ کپڑے کا استعمال کرنا سنت ہے۔ صاحب مدخلؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا عمامہ سات ہاتھ کا تھا۔ سیوطیؒ نے ایسے صحابہ اور تابعین کا ذکر کیا

ہے جو سیاہ عمامہ باندھتے تھے ان میں انس ابن مالکؓ، عمار ابن یاسرؓ، معاویہؓ، ابودرداءؓ، براءؓ، عبدالرحمن ابن عوفؓ، واشلہؓ، سعید ابن مسیبؓ، حسن بصریؓ، اور سعید ابن جبیرؓ وغیرہ شامل ہیں۔
نودیؒ نے لکھا ہے کہ علامہ دونوں طریقوں سے باندھنا جائز ہے خواہ شملہ چھوڑا جائے یا نہ چھوڑا جائے۔ ان میں سے کوئی طریقہ مکروہ نہیں ہے۔

خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے کا مسئلہ

⑪ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ إِذَا جَاءَ أَخَذَ كُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ وَكَعْتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سر تاج دوعالم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ ”جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے روز (مسجد میں آئے) اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو دو رکعتیں پڑھ لے مگر دونوں رکعتیں ہلکی (یعنی مختصر) پڑھے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ نے اس روایت کو ”تھیۃ المسجد“ پر محمول کیا ہے۔ ان کے نزدیک تحیۃ المسجد کی نماز واجب ہے اگرچہ امام خطبہ ہی کیوں نہ پڑھ رہا ہو۔ یہی مسلک امام احمدؒ کا بھی ہے۔ یہ دونوں حضرات اس حدیث کو اپنی دلیل بناتے ہیں کہ تحیۃ المسجد واجب ہے جب ہی تو آپ ﷺ نے خطبہ کے دور ان بھی اس کے پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔

حقیقہ کے نزدیک تحیۃ المسجد جب کہ خطبہ کے علاوہ دوسرے اوقات میں ہی واجب نہیں ہے تو خطبہ کے دوران بطریق اولی واجب نہیں ہوگی چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ نیز جمہور صحابہؓ اور تابعینؒ ان کے ہم نوا ہیں۔

ان حضرات کی طرف سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہاں خطبہ سے مراد خطبہ کا ارادہ ہے۔ یعنی آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ دو رکعتیں اس وقت بھی پڑھی جاسکتی ہیں جب کہ امام خطبہ کے لئے اٹھ جائے اور خطبہ پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہو نہ یہ کہ بالفعل خطبہ پڑھ ہی رہا ہو۔ اس تاویل کی بنیاد وہ ترائن اور صحیح احادیث ہیں جن سے خطبہ کے وقت حرمت نماز ثابت ہو چکی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ”جب امام (خطبہ کے لئے) نکلے (یعنی خطبہ پڑھنے کے لئے منبر کی طرف چلے) تو اس وقت نہ بات چیت درست ہے اور نہ نماز ہی درست ہے“ نہ صرف یہ ارشاد نبوی ہے۔ بلکہ علیؓ اور حضرت عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ بھی امام کے نکلنے کے بعد کلام اور نماز دونوں کو مکروہ جانتے تھے۔ لہذا قول صحابہؓ بھی حجت ہے اور ہمارے نزدیک اس کی تقلید واجب ہے اگر سنت سے منقول کوئی چیز اس کے معارض نہ ہو۔

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے جو یہ روایت متعدد طرق سے منقول ہے کہ ”ایک شخص مسجد میں اس وقت داخل ہوا جب کہ آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو اس شخص نے پوچھا کہ اے فلاں شخص! تم نے (تھیۃ المسجد کی) نماز پڑھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ”نہیں“ آپ نے اس سے فرمایا کہ ”دو رکعت، نماز پڑھ لو اور مختصر پڑھو“ تو اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا تھا جب کہ خطبہ کے وقت نماز کی ممانعت نہیں ہوئی تھی، یا یہ کہ یہ اجازت صرف اسی شخص کے لئے مخصوص تھی، بعض حضرات کی تحقیق تو یہ ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے پیش آیا تھا۔

حضرت بخاری ابن ہمامؒ نے اس سلسلہ میں جو بات فرمائی ہے وہ زیادہ مناسب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اور ان احادیث میں جن سے خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت ہوئی ہے کوئی معارضہ اور اختلاف ہی لازم نہیں آتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جب یہ شخص مسجد میں داخل ہوا اور آپ ﷺ نے اس سے نماز پڑھنے کے لئے فرمایا تو آپ نے خطبہ روک دیا ہو گا۔ جب وہ شخص نماز سے فارغ ہو گیا ہو گا تب آپ ﷺ نے خطبہ مکمل فرمایا۔“

حضرت ابن ہمامؒ کی یہ بات محض قیامی اور تاویل کے درجہ تک محدود نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صورت حال یہی ہوئی تھی چنانچہ دارقطنیؒ کی روایت نے بالکل واضح الفاظ میں یہ صراحت کی ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھو، پھر جب تک وہ شخص نماز سے فارغ نہیں ہوا آپ خاموش رہے (نماز سے فراغت کے بعد آپ نے پھر خطبہ مکمل فرمایا)۔

جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی اس نے پوری نماز پائی

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ مَعَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس شخص نے نماز کی ایک رکعت امام کے ساتھ پائی اس نے نماز پائی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حکم عام طور پر تمام نمازوں کے لئے ہے جمعہ ہی کے لئے مخصوص نہیں چنانچہ قط نمبر ۱۳ میں کتاب الصلوٰۃ کے باب ما علی المأموم میں تقریباً اسی مضمون کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ من ادرك ركعة فقد ادرك الصلوة اس کی وضاحت وہاں بھی کی جا چکی ہے۔ لیکن اس حدیث کو جو یہاں نقل کی جا رہی ہے امام شافعیؒ نے جمعہ کی نماز کے ساتھ مخصوص و مقید کیا ہے اور اس کی بنیاد انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت پر رکھی ہے جو اسی باب کے آخر میں آ رہی ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں لکھا ہے کہ ”جس شخص کو جمعہ کی نماز میں امام کے ساتھ نماز کا جو حصہ بھی ملے اسے امام کے ساتھ ادا کرے اور اس حصہ پر جمعہ کی بناء کر کے بقیہ نماز پوری کر لے“ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ مَا أَدْرَكَكُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَقْضُوا - یعنی نماز کا جو حصہ امام کے ساتھ پاؤ اسے ادا کرو اور جو کچھ رہ جائے اسے پورا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز میں بالکل آخر میں اس حال میں شریک ہوا کہ امام التہیات میں تھا یا سجدہ سہو میں تھا تو اسے چاہیے کہ وہ اسی حالت میں جماعت میں شریک ہو جائے اور امام کے ساتھ اسے نماز جمعہ کا جو بھی حصہ ہاتھ لگا ہے اسی پر جمعہ کی بناء کر کے بقیہ نماز پوری کر لے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ جمعہ کی دوسری رکعت کا اکثر حصہ پائے تو اسے اس حصہ پر جمعہ کی بناء کرنی چاہئے۔ لیکن جس شخص کو دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہ ملے تو وہ اس پر جمعہ کی بناء نہ کرے بلکہ ظہر کی بناء کرے۔

دوسری رکعت کا اکثر حصہ پانے سے مراد دوسری رکعت کا رکوع پانا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص دوسری رکعت کے رکوع میں بھی شریک ہو گیا تو اسے اکثر حصہ مل گیا اور اگر امام کے رکوع سے سرائٹھانے کے بعد وہ جماعت میں شریک ہوا تو اسے اکثر حصہ پانا نہیں کہیں گے۔ شیخ ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے اپنے مذکورہ بالا مسلک کی بنیاد جس حدیث پر رکھی ہے وہ حدیث بھی مطلق ہے جمعہ کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہے۔

الفصل الثانی

آنحضرت ﷺ کے خطبہ پڑھنے کا طریقہ

(۱۳) عَنْ ابْنِ عُثْمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ كَانَ يَجْلِسُ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتَّى يَقْرَأَ آرَاهُ الْمُؤَدِّنُ ثُمَّ يَقُومُ فَيَخْطُبُ ثُمَّ يَجْلِسُ وَلَا يَتَكَلَّمُ ثُمَّ يَقُومُ يَخْطُبُ - (رواہ ابو داؤد)

”حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ دو خطبے اس طرح پڑھا کرتے تھے (کہ) جب آپ منبر پر چڑھتے تو پہلے بیٹھتے یہاں تک کہ فارغ ہوتا، راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ کہا تھا کہ ”یہاں تک کہ موزن فارغ ہوتا“ پھر آپ اٹھتے اور (پہلا) خطبہ ارشاد فرماتے، پھر تھوڑی سی دیر بیٹھتے (لیکن اس بیٹھنے کے درمیان) کوئی کلام نہ کرتے، پھر کھڑے ہوتے اور (دوسرا) خطبہ ارشاد فرماتے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کے الفاظ اذا صعد المنبر کے پیش نظر علماء نے کہا ہے کہ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا مستحب ہے۔ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار کے بارہ میں علامہ ابن حجرؒ کا ارشاد ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ سورہ اخلاص پڑھنے کے بعد بیٹھنا چاہئے ”کوئی کلام نہ کرتے“ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے عرصہ میں نہ تو آپ ﷺ دعا کرتے تھے اور نہ کچھ پڑھتے تھے۔ مسئلہ یہ ہے کہ دوسرے خطبہ میں نبی کریم ﷺ کے آل و اصحاب و ازواج مطہرات خصوصاً خلفاء راشدین اور حضرت حمزہؓ و عباسؓ کے لئے دعا کرنا مستحب ہے، بادشاہ وقت کے لئے بھی دعا کرنا جائز ہے۔ لیکن ”شرح غیبہ“ میں لکھا ہے کہ بادشاہوں کی ایسی تعریف کرنا جو غلط ہو اور ان کے ایسے اوصاف بیان کرنا جن سے وہ متصف نہ ہوں اشد مکروہ (یعنی مکروہ تحریمی) ہے کیونکہ اس طرح عبادت کے ساتھ گناہ یعنی جھوٹ کو ملانا لازم آتا ہے۔ اس مسئلہ کی شدت اس سے بخوبی واضح ہوتی ہے کہ ہمارے بعض ائمہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ہمارے زمانہ کے بادشاہوں کو عادل کہنا حدود کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔

حدیث میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ دونوں خطبوں کے درمیان کلام نہ کرتے تھے“ تو اس کے بارہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تو وہی تشریح کی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ لیکن ملا علی قاریؒ نے شرح طبری سے نقل کیا ہے کہ دونوں خطبوں کے درمیان قرآن کی آیتیں پڑھنا اولیٰ ہے کیونکہ حضرت ابن حبان کی ایک روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھتے تو کتاب اللہ کی آیتیں پڑھا کرتے تھے چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس عرصہ میں سورہ اخلاص پڑھنا مستحب ہے۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے اس جملہ کی تشریح کے وقت حضرت شیخ عبدالحق کے سامنے یہ روایت نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

خطبہ کے وقت نمازی خطیب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں

(۱۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَوَى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلَنَا بِوُجُوهِنَا زَوَاهِ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَضْلِ وَهُوَ ضَعِيفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ۔

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے کہ سرتاج دو عالم ﷺ جب (خطبہ کے وقت) منبر پر تشریف فرما ہوتے تو ہم اپنے منہ آپ ﷺ کی طرف متوجہ کر لیتے“ امام ترمذیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کو ہم بجز محمد ابن فضل کی سند کے اور کسی سند سے نہیں جانتے اور وہ ضعیف ہیں انہیں حدیث یاد نہیں رہتی تھی۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ خطبہ کے وقت خطبہ سننے کے لئے اپنے منہ خطیب کی طرف کر کے بیٹھیں۔ اسی طرح خطیب بھی لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ پڑھے۔ حنفیہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ جب خطیب خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھے تو لوگوں کو سلام نہ کرے مگر حضرت امام شافعیؒ و امام احمدؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

الفصل الثالث

آنحضرت ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے

(۱۵) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُومُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَيَمْنُ نَبَاكَ أَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ اللَّهُ صَلَّيْتُ مَعَهُ أَكْثَرَ مِنَ الْفَى صَلَاةٍ - (رواہ مسلم)

”حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ کھڑے ہو کر (پہلا) خطبہ ارشاد فرماتے پھر بیٹھتے، پھر (دوسرا) خطبہ (بھی) کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے لہذا تم سے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو بلاشبہ وہ شخص جھوٹا ہے خدا کی قسم! میں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ دو ہزار سے زیادہ نمازیں پڑھی ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: ”دو ہزار سے زائد نمازوں“ سے صرف جمعہ کی نمازیں مراد نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جمعہ اور جمعہ کے علاوہ دوسری دو ہزار سے زائد نمازیں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پڑھی ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ نے سب سے پہلا جمعہ مدینہ میں آکر پڑھا ہے اور مدینہ میں آپ کی کل مدت اقامت دس سال تھی لہذا اس طرح آپ ﷺ کی حیات میں تمام جمعوں کی تعداد پانچ سو سے زائد نہیں ہوتی بہر حال حضرت جابر کا مقصد آنحضرت ﷺ کے ساتھ معیت و رفاقت کی کثرت بیان کرنا ہے۔

شرح فیہ میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ جو شہر جنگ و جدل سے اور بذریعہ تلوار فتح ہوا ہو جیسا کہ مکہ فتح ہوا تھا تو وہاں خطیب تلوار کے ساتھ خطبہ پڑھے اور جس شہر کے باشندے بخوشی حلقہ گوش اسلام ہو جائیں جیسے مدینہ تو وہاں بغیر تلوار کے خطبہ پڑھنا چاہیے۔ یتابع میں لکھا ہے کہ دوسرا خطبہ پہلے خطبہ کی بہ نسبت کم آواز سے پڑھنا چاہئے۔

(۱۶) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أُمِّ الْحَكِيمِ يَخْطُبُ قَائِمًا فَقَالَ انْظُرُوا إِلَيَّ هَذَا الْخَبِيثُ يَخْطُبُ قَائِمًا وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عجرہ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ (ایک مرتبہ جمعہ کے روز) مسجد میں (اس وقت) داخل ہوئے جب کہ عبدالرحمن ابن ام الحکم (جو بنی امیہ میں سے تھا) بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا تھا، کعب ابن عجرہ نے کہا کہ (ذرا) اس خبیث کی طرف دیکھو بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا یعنی جب لوگوں سودا گری یا کھیل دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور آپ ﷺ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: سرکار دو عالم ﷺ کے مقدس زمانہ میں ایک مرتبہ مدینہ میں سخت قحط پڑا، اہل مدینہ سخت پریشانی اور تکلیف میں مبتلا ہوئے، انہیں دنوں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آنحضرت ﷺ جمعہ کے روز منبر پر کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ناگہاں ایک قافلہ تجارت شام سے مدینہ میں داخل ہوا۔ صحابہ کرام جو قافہ کشی اور بھوک سے بے حد بے حال و لاغر ہو رہے تھے خطبہ نبی کے دوران ہی اس قافلہ کو دیکھنے کے لئے اضطراباً مسجد سے باہر چلے گئے کچھ صحابہ جن کی تعداد بارہ تھی بدستور مسجد میں بیٹھے خطبہ سنتے رہے جب ہی آیت بالانازل ہوئی حضرت کعبؓ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اللہ جل شانہ، کے اس قول سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے اور صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ اس کے باوجود جو یہ شخص بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے تو اس کے خبث باطن میں کیا شک ہے۔

بہر حال آیت بالا کے الفاظ ”آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں“ سے یہ بات واضح ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا خطبہ کی شرط ہے جب کہ حنفیہ کے نزدیک سکت ہے۔

جمعہ اور خطبہ کے اوقات: جمعہ کی صحیح ادائیگی کے شرائط میں سے ایک شرط وقت ہے چنانچہ جمعہ کی نماز وقت کے بعد بخلاف دوسری

نمازوں کے صحیح نہیں ہوتی۔ جمعہ کا وقت وقت ظہر ہے چنانچہ جمعہ کی نماز وقت سے پہلے جائز نہیں ہے مگر حضرت امام احمد ابن حنبل کے نزدیک درست ہے۔ اسی طرح عصر کا وقت شروع ہو جانے کے بعد بھی نماز جمعہ جائز نہیں ہے مگر حضرت امام مالک کے نزدیک جائز ہے۔ حدیث بالا اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ حرام یا مکروہ چیزوں کے ارتکاب کرنے والے برحق کرنا یا اس کے ساتھ غصہ کا معاملہ کرنا جائز ہے اس لئے کہ اس چیز کے خلاف عمل کرنا جس کی مداومت آنحضرت ﷺ سے ثابت ہو چکی ہے خست باطن کی نشانی ہے۔

خطبہ کے وقت ہاتھوں کو بلند نہ کرنا چاہئے

(۱۷) وَعَنْ عُمَارَةَ بْنِ زُوَيْبَةَ أَنَّهُ رَأَى بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ رَافِعًا يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللَّهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيدُ عَلَى أَنْ يَقُولَ بِيَدِهِ هَكَذَا وَأَشَارَ بِأَصْبَعِهِ الْمُسْتَبَحَّةِ - (رواه مسلم)

”اور حضرت عمارہ ابن رویہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) بشر ابن مروان کو منبر پر (خطبہ کے وقت) اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے دیکھا (جیسا کہ آجکل مقررین و واعظین دوران تقریر جوش خطابت میں اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہیں) تو فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کا ستیاناس کرے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے اس سے زیادہ اشارہ نہیں کرتے تھے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضرت عمارہ نے جب بشر کو دیکھا کہ وہ طریقہ سنت کے خلاف اپنے ہاتھوں کو زیادہ بلند کر رہا ہے تو انہیں بہت زیادہ ناگواری ہوئی جس کا انہوں نے ان الفاظ میں اظہار فرمایا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے بتایا کہ آنحضرت ﷺ صرف اس قدر اشارہ کرتے تھے اور وہ بھی اس لئے کرتے تھے تاکہ لوگ پوری دل جمعی کے ساتھ مخاطب ہوں اور خطبہ سننے کی طرف راغب ہوں۔ نیز خطبہ کے فرمودات پر عمل پیرا ہونے کا دلولہ اور جذبہ پیدا ہو۔

آنحضرت ﷺ کا خطبہ کے وقت منبر پر کھڑے ہو کر ابن مسعودؓ کو مسجد میں بلانا

(۱۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اسْتَوَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ اجْلِسُوا فَسَمِعَ ذَلِكَ ابْنُ مَسْعُودٍ فَجَلَسَ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَأَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالَى يَا عَبْدَ اللَّهِ إِنَّ مَسْعُودًا

(رواه ابو داؤد)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ (ایک مرتبہ) جمعہ کے روز (خطبہ کے لئے) منبر پر کھڑے ہوئے اور صحابہؓ سے فرمایا کہ (خطبہ سننے کے لئے بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے جب یہ ارشاد سنا تو وہ مسجد کے دروازہ کی پر بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ عبداللہ ابن مسعود یہاں آ جاؤ۔“ (ابوداؤد)

تشریح: علامہ طہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ منبر پر خطبہ کے لئے کھڑے ہونے کی صورت میں کلام کرنا جائز ہے مگر حنفیہ کے نزدیک خطیب کے لئے خطبہ کی حالت میں کلام کرنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ کلام امر بالمعروف کے طور پر نہ ہو (مگر خطیب کو چاہئے کہ امر بالمعروف کے سلسلہ میں اگر کسی سے کچھ کہے تو عربی زبان میں کہے اگر کسی اور زبان میں کہے گا تو مکروہ ہوگا) حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب خطبہ کے لئے منبر پر کھڑے ہوتے تو آپ ﷺ نے حاضرین میں سے کسی کو اس وقت نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہونے دیکھ لیا چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو بیٹھنے کا حکم فرمایا کیونکہ خطبہ کے لئے منبر پر خطیب کے بیٹھنے کے وقت، نماز پڑھنی حرام ہے جیسا کہ تمام علما کا متفقہ مسلک ہے۔

جمعہ کی نماز نہ ملنے کی صورت میں ظہر کی نماز پڑھ لینے کا مسئلہ

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْيَصِلْ إِلَيْهَا أُخْرَى وَمَنْ فَاتَتْهُ الرَّكْعَتَانِ فَلْيَصِلْ أَوْفَعًا أَوْ قَالَ الظُّهْرَ - (رواه الدارقطني)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کو جمعہ کی ایک رکعت (امام کے ساتھ مل جائے تو وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت ملائے (یعنی دوسری رکعت تنہا کھڑا ہو کر پوری کرے) اور جس شخص کو دونوں رکعتیں نہ ملیں تو اسے چاہئے کہ وہ چار رکعت پڑھے یا فرمایا کہ ظہر پڑھے۔“ (دارقطنی)

تشریح: اگرچہ نوویؒ نے وضاحت کی ہے کہ یہ حدیث ضعف سے خالی نہیں ہے تاہم اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم بھی کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص کو جمعہ کی دونوں رکعتوں سے مطلقاً کچھ بھی ہاتھ نہ لگے تو وہ ظہر کی چار رکعت پڑھے۔ اس مسئلہ کی وضاحت حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کی تشریح کے ضمن میں جو اس باب کے پہلی فصل کے آخر میں گذری ہے بیان کی جا چکی ہے۔

بَابُ صَلَوةِ الْخَوْفِ

نماز خوف کا بیان

کفار کے خوف اور دشمن کے مقابل ہونے کے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے نماز خوف کہتے۔ خوف کی نماز کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ نیز اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد یہ نماز باقی اور ثابت ہے اگرچہ بعض حضرات کا قول ہے کہ نماز خوف صرف آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک ہی کے ساتھ مخصوص تھی۔ نیز بعض حضرات مثلاً حضرت امام مالکؒ کے نزدیک یہ نماز حالت سفر کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ نماز سفرو و حضرو دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

بحسب اختلاف زمانہ و مقام یہ نماز متعدد طریقوں پر روایت کی گئی ہے چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ سولہ طریقوں سے منقول ہے۔ بعض حضرات نے اس سے زائد اور بعض نے اس سے کم کہا ہے لیکن علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احادیث میں جتنے بھی طریقے منقول ہیں تمام کے تمام معتبر ہیں علماء کے یہاں اختلاف صرف ترجیح اور فوقیت کے بارہ میں ہے کہ کسی نے کسی طریقے کو ترجیح دی ہے اور اس پر عمل کیا ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے۔

علامہ شافعیؒ نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز خوف چار جگہ پڑھی ہے۔ ذات الرقاق، بطن نخل، عسفان اور ذی قرد۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ نماز خوف بھی تو حالت سفر میں مگر فقہانے اس پر قیاس کرتے ہوئے اس نماز کو حضر میں بھی جائز رکھا ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

دشمن کے مد مقابل ہونے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کی نماز اور جماعت

(۱) عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ نَجْدٍ فَوَازِنَا الْعَدُوَّ فَصَافَقْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ وَرَكَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَعَهُ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ طَائِفَةِ النَّبِيِّ لَمْ تَصِلْ فَجَاءُوا فَرَكَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً

وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَرَوَى نَافِعٌ نَحْوَهُ وَزَادَ فَإِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ أَشَدُّ مِنْ ذَلِكَ صَلُّوا رَجُلًا قِيَامًا عَلَى أَقْدَامِهِمْ أَوْ رُكْبَانًا مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ أَوْ غَيْرِ مُسْتَقْبِلِيهَا قَالَ نَافِعٌ لَا أَرَى ابْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذَلِكَ إِلَّا عَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(رواہ البخاری)

”حضرت سالم ابن عبد اللہ ابن عمرؓ اپنے والد (حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم (ایک مرتبہ) سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ نجد کی طرف جہاد کے لئے گئے (جب) ہم دشمنوں کے سامنے ہوئے تو ہم نے ان (سے مقابل) ہونے کے لئے صفیں باندھ لیں، آنحضرت ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک جماعت آپ کے ساتھ (نماز کے لئے) کھڑی ہوئی اور دوسری جماعت دشمن کے مد مقابل کھڑی رہی، آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ جو آپ ﷺ کے ہمراہ (نماز کی جماعت میں) شریک تھے ایک رکوع کیا اور دو سجدے کے پھر وہ لوگ (جو آپ ﷺ کے ہمراہ نماز میں تھے) ان لوگوں کی جگہ چلے گئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی (اور دشمن کے مد مقابل کھڑے تھے) جن لوگوں نے نماز نہیں پڑھی تھی وہ آئے (اور آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز میں شریک ہو گئے) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے ہمراہ ایک رکوع اور دو سجدے کے پھر سلام پھیرا۔ اور یہ لوگ کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنا اپنا ایک ایک رکوع اور دو سجدے کر لئے۔“ نافعؓ نے بھی اسی طرح روایت بیان کی ہے۔ مگر انہوں نے اتنا اور زیادہ بیان کیا ہے کہ ”اگر (میں جنگ کی حالت ہو اور) خوف اس سے بھی زیادہ ہو (کہ مذکورہ بالا طریقہ سے نماز پڑھنا ممکن نہ ہو) تو لوگ پیادہ کھڑے کھڑے یا (پیادہ نہ ہو سکیں تو) سواری پر (اگر ممکن ہو تو) قبلہ کی طرف (اور اگر ممکن نہ ہو تو) کسی بھی طرح کر کے نماز پڑھ لیں“ حضرت نافعؓ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ الفاظ آنحضرت ﷺ سے ہی نقل کئے ہوں گے۔“ (بخاری)

تشریح: ”نجد“ بلند زمین کو کہتے ہیں یہاں نجد سے مراد نجد حجاز ہے۔ نجد یمن مراد نہیں ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تعدد جماعت یعنی کئی کئی مرتبہ جماعت کرنا مکروہ ہے خصوصاً جب کہ تمام نمازی حاضر ہوں۔ ایسے ہی یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ فرض نماز نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں ہوتی ورنہ تو آنحضرت ﷺ دونوں جماعتوں کو الگ الگ دو دو مرتبہ نماز پڑھاتے نیز جماعت کے واجب ہونے کی بھی یہ حدیث دلیل ہے کہ ایسی حالت میں بھی جب کہ دشمن کا لشکر مد مقابل ہو جماعت نہ چھوڑی جائے۔

حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا طریقہ سے نماز خوف کی ادائیگی اس وقت ضروری ہوتی ہے جب کہ سب لوگ ایک ہی شخص کو امام بنانے پر مصر ہوں۔ اگر ایسی صورت حال نہ ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ ایک امام ایک جماعت کو پوری نماز پڑھائے اور دوسرا امام دوسری جماعت کو پوری نماز پڑھائے۔

حدیث کے الفاظ فقام کل واحد منهم (اور یہ لوگ کھڑے ہو گئے) (بخاری) کی تفصیل و تشریح علماء حنفیہ میں سے بعض شارحین نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ جماعت جو بعد میں آکر نماز میں شریک ہوئی تھی آنحضرت ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد دشمن کی مقابلہ پر چلی گئی اور پہلی جماعت جو پہلی رکعت میں شریک ہوئی تھی وہاں سے اپنی جگہ یعنی نماز پڑھنے لگی اور تنہا تنہا اپنی بقیہ نماز پوری کی اور سلام پھیر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی گئی اس کے بعد پھر دوسری جماعت یہاں لگی اور اس نے بھی تنہا اپنی بقیہ نماز پوری کی اور سلام پھیر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی گئی۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء سے یہی تفصیل اور طریقہ منقول ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اگر یہ تفصیل حدیث میں وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کی گئی ہے اور نہ صراحت کے ساتھ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کا ایک جز ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ پہلی جماعت ایک رکعت پڑھ کر چلی جائے اور دوسری جماعت دو سہ رکعت میں آکر امام کے ساتھ شریک ہو اور اس دوسری جماعت کی موجودگی میں امام اپنی نماز پوری کر

کے سلام پھیروے۔ البتہ حضرت امام اعظمؒ کا پورا مسلک اور ان کا نقل کردہ پورا طریقہ ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے جو حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہے حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ کا یہ مسلک اور ان کی روایت حضرت امام محمدؒ نے اپنی کتاب الآثار میں نقل کی ہے۔ اس سلسلہ میں اتنی بات سمجھ لینا چاہئے کہ نماز خوف کے بارہ میں حضرت امام اعظمؒ کا جو مسلک ہے اور انہوں نے جو تفصیل بیان کی ہے وہ حدیث موقوف سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں عقل کو کوئی دخل نہیں لہذا حدیث موقوف بھی حدیث مرفوع کے درجہ میں ہوگی۔

اور پھر یہ کہ حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ بھی ہے کہ صورت مذکورہ میں پہلی جماعت اپنی نماز بغیر قرات کے لاحق کی طرح پوری کرے اور دوسری جماعت قرات کے ساتھ پوری کرے جیسا کہ مسبق اپنی نماز قرات کے ساتھ پوری کرتے ہیں لیکن یہ صورت اس وقت کی ہے جب کہ نماز حالت سفر میں پڑھی جارہی ہو اور امام مسافر ہو یا نماز دور رکعت والی نماز ہو اور اگر امام مقیم ہو اور نماز چار رکعت والی ہو تو دونوں جماعتوں سے ہر ایک جماعت امام کے ساتھ دور دور رکعت پڑھے گی۔ لیکن نماز اگر تین رکعت والی ہو جیسے مغرب کی تو خواہ سفر ہو یا حضر دونوں صورتوں میں پہلی جماعت امام کے ساتھ دور دور رکعت پڑھے گی اور دوسری جماعت ایک رکعت اور ہر جماعت اپنی اپنی نماز مذکورہ بالا طریقہ سے پوری کرے گی۔

حدیث کے آخری الفاظ قیاماً علی اقدامہم سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نمازی رکوع اور سجدہ ترک کرویں۔ یعنی مذکورہ بالا صورت میں جب کہ لوگ پیادہ کھڑے یا کھڑے یا سواری پر نماز پڑھیں تو رکوع اور سجدہ سر کے اشارہ سے کر لیں نماز خوف کے سلسلہ میں مذکورہ بالا طریقہ اگرچہ خلاف قیاس ہے کیونکہ خود حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چلنا، سوار ہونا اور لڑنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ پھر یہ کہ اس صورت میں نہ صرف کہ عمل کثیر بہت ہوتا ہے بلکہ قبلہ سے بھی انحراف ہوتا ہے لیکن چونکہ قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی احادیث صحیحہ میں نماز خوف اور اس کا طریقہ وارو ہو گیا ہے۔ اس لئے اسے مشروع رکھا گیا ہے۔

نماز خوف کا ایک اور طریقہ

② وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ زُوْمَانَ عَنْ صَالِحِ بْنِ خُوَاتٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ صَلَاحٍ عَنْ رَسُوْلِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَاةَ الْخَوْفِ أَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهُ وَطَائِفَةٌ وَجَّاهُ الْعُدُوَّ فَصَلَّى بِالنَّبِيِّ مَعَهُ رُكْعَةً ثُمَّ ثَبَّتَ فَأَيْمَنُوا وَاتَّبَعُوا لَا أَنْفُسِهِمْ ثُمَّ انْصَرَفُوا فَصَفُّوا وَجَّاهُ الْعُدُوَّ وَجَّاهُ الطَّائِفَةِ الْأُخْرَى فَصَلَّى بِهِمُ الرُّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ مِنْ صَلَاتِهِ ثُمَّ ثَبَّتَ جَالِسًا وَاتَّبَعُوا لَا أَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَأَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ بِطَرِيقٍ آخَرَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ صَالِحِ ابْنِ خُوَاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَنْظَلَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

”اور حضرت یزید ابن زومان حضرت صالح ابن خوات سے اور وہ اس شخص سے جس نے سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ ذات الرقاع کے دن نماز خوف پڑھی تھی (نماز خوف کا یہ طریقہ) نقل کرتے ہیں کہ (اس دن) ایک جماعت نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ (نماز کے لئے) صف بندی کی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل صف آرا ہو گئی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس جماعت کے ہمراہ جو آپ ﷺ کے ساتھ تھی ایک رکعت نماز پڑھ کر آنحضرت ﷺ کھڑے رہے اور اس جماعت نے خود اپنی نماز پوری کی (یعنی دوسری رکعت جماعت نے خود تنہا پڑھی) پھر اس کے بعد یہ جماعت (نماز سے فارغ ہو کر) واپس ہوئی اور دشمن کے مقابل صف آرا ہو گئی اور وہ جماعت جو دشمن کے مقابل صف آرا تھی (نماز کے لئے) آئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وہ دوسری رکعت جو باقی رہ گئی تھی اس جماعت کے ساتھ پڑھی اور (التحیات میں) بیٹھے رہے اور پھر اس جماعت نے اپنی وہ پہلی رکعت جو باقی تھی تنہا ادا کی اور التحیات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ شریک ہو گئی پھر آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔“ (بخاری و مسلم) بخاری نے اس روایت کو ایک اور سند کے ساتھ نقل کیا ہے یعنی:

طرح کہ ”قام صالح ابن خوات“ سے اور وہ حضرت سہلؓ ابن ابی حاتم سے اور وہ آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔
تشریح: ”ذات الرقاع“ کے دن جس شخص نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی تھی ان کا نام سہل ابن ابی حاتمؓ ہے کیونکہ محمد ابن قاسمؓ نے صلوۃ الخوف کی حدیث صالح ابن خوات سے اور انہوں نے حضرت سہل ابن ابی حاتمؓ سے نقل کی ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں بیان کیا گیا ہے۔

”ذات الرقاع“ ایک غزوہ کا نام ہے جو ۵ھ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کفار کے مقابلہ کے لئے گئے مگر بغیر جنگ کے ہوئے واپسی ہوئی۔ اسی موقع پر یہ نماز پڑھی گئی تھی۔

اس غزوہ کو ”ذات الرقاع“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس وقت جو مسلمان غزوہ میں شریک ہونے کے لئے میدان جہاد کی طرف گئے تھے وہ ننگے پاؤں تھے جس کی وجہ سے ان کے پاؤں میں سوراخ ہو گئے تھے اور ناخن لوٹ گئے تھے چنانچہ ان مجاہدین نے اپنے پیروں پر رقاہ یعنی چیتھرنے لپیٹ لئے تھے اسی مناسبت سے یہ غزوہ ”ذات الرقاع“ (یعنی چیتھروں والا) کے نام سے مشہور ہوا۔

اس حدیث میں نماز خوف کا جو طریقہ نقل کیا گیا ہے یہ ایک اور طریقہ ہے اس میں بھی ہر جماعت نے ایک ایک رکعت آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پڑھی اور ایک ایک رکعت تنہا پوری کی۔ لیکن یہاں فرق یہ ہے کہ ہر ایک جماعت نے جو ایک ایک رکعت تنہا پڑھی وہ آنحضرت ﷺ کے نماز میں رہنے کے دوران ہی پڑھی جب کہ پہلے طریقہ میں ہر ایک جماعت نے اپنی اپنی ایک رکعت نماز آنحضرت ﷺ کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد پڑھی تھی۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ نے اسی طریقہ پر عمل کیا ہے جو اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا حلم

(۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِذَاتِ الرِّقَاعِ قَالَ إِذَا أَتَيْنَا عَلَى شَجَرَةٍ ظِلِّينَا تَرَكْنَا هَٰذَا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَسَيْفُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَلَّقٌ بِشَجَرَةٍ فَآخَذَ سَيْفَ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَآخُذَتْهُ فَقَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَخَافُنِي قَالَ لَا قَالَ فَمَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي قَالَ اللَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْكَ قَالَ فَتَهَدَّدَهُ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَمَدَ السَّيْفَ وَعَلَّقَهُ قَالَ فَنُودِيَ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى بِطَائِفَةٍ وَكَعْتَيْنِ ثُمَّ تَأَخَّرُوا وَصَلَّى بِالطَّائِفَةِ الْأُخْرَى وَكَعْتَيْنِ قَالَ فَكَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ وَكَعَابٌ وَلِلْقَوْمِ وَكَعْتَانِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم سر تاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ (جہاد کے لئے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ہم ذات الرقاع پہنچے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہمارا قاعدہ یہ تھا کہ) جب ہمیں کوئی سایہ وارد رخت ملتا تو ہم اسے آنحضرت ﷺ کے واسطے چھوڑ دیتے تھے۔ تاکہ آپ ﷺ اس سایہ میں استراحت فرمائیں چنانچہ ذات الرقاع میں ایسا ہی ہوا کہ آنحضرت ﷺ ایک سایہ وارد رخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے کہ ایک مشرک آیا اور اس نے آنحضرت ﷺ کی تلوار جو درخت سے لگی ہوئی تھی اتار کر نیام سے کھینچ لی (آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر نہیں ہوئی کیونکہ یا تو آپ سورہے تھے یا اس کی طرف سے غافل تھے) اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ”کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو؟“ آنحضرت نے فرمایا کہ ”نہیں“ (میں تجھ سے کیوں ڈرے گا کیونکہ میرے رب کے سوا دوسرا کوئی نہ مجھے نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان) اس نے کہا کہ ”پھر تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مجھے تجھ سے اللہ بچائے گا“ جابرؓ کہتے ہیں کہ صحابہ نے (جب یہ دیکھا تو) اس کو دوہم کیا، اس نے تلوار نیام میں رکھ کر اسے درخت سے لٹکادیا“ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ پھر (ظہر یا عصر کی نماز کے لئے اذان) اور تکبیر) کہی گئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے (پہلے) ایک جماعت کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور وہ جماعت (دو رکعت نماز پڑھ

کردشمن کے مقابلہ کے ارادہ سے) پیچھے ہٹ گئی، پھر آپ نے دوسری جماعت کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں "جابرؓ کہتے ہیں کہ (اس طرح) آنحضرت ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور لوگوں کی دو رکعتیں ہوئیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نہ صرف یہ کہ نہایت شجاع تھے بلکہ کفار کی جانب سے پہنچائی جانے والی ایذا پر صبر کرتے تھے اور جاہل کفار اگر آپ کے ساتھ بے تمیزی کا کوئی مغالہ کرتے تھے تو آپ اسے انتہائی حلم کے ساتھ برداشت فرماتے تھے۔ واقدیؓ نے ذکر کیا ہے کہ جب اس مشرک نے غلط ارادہ کے ساتھ تلوار لٹائی تو اس کی پیٹھ میں شدید درد شروع ہو گیا جس سے وہ بوکھلا گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی۔ وہ یہ حالت دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور اس کی وجہ سے بہت زیادہ مخلوق نے ہدایت پائی۔ لیکن ابو عوانہؓ نے نقل کیا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوا مگر اس نے یہ عہد کیا کہ کبھی بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہیں لڑوں گا۔

بہر حال آنحضرت ﷺ نے اس کی اس بد تمیزی پر اسے کوئی سزا نہیں دی۔ اس کی وجہ یا تو اس کی تالیف قلب تھی یا کوئی اور وجہ رہی ہوگی کہ آپ ﷺ نے اسے معاف فرمادیا۔

اس روایت کے بارہ میں مولانا مظہرؒ کا قول یہ ہے کہ اس سے پہلے نقل کی گئی روایت اور اس روایت میں اختلاف ہے باوجودیکہ دونوں روایتوں کا تعلق ایک ہی جگہ یعنی غزوہ ذات الرقاع سے ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ دونوں روایتیں ایک ہی جگہ سے متعلق ہیں مگر اوقات میں فرق و اختلاف ہے "اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں روایتوں کا محمول یہ ہوگا کہ غزوات الرقاع میں اس جگہ آنحضرت ﷺ نے دو مرتبہ نماز پڑھی ہے۔ ایک مرتبہ تو اس طریقہ کے مطابق جو سہلؓ ابن ابی حمزہؓ نے بیان کیا ہے اور ایک مرتبہ اس طریقہ کے مطابق جو حضرت جابرؓ بیان کر رہے ہیں۔ لہذا حضرت سہلؓ کی روایت صبح کی نماز پر محمول کی جائے گی اور حضرت جابرؓ کی اس روایت کا محمول ظہر یا عصر کی نماز ہوگی۔ یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دونوں روایتیں تعدد غزوات پر محمول کی جائیں گی۔

جیسا کہ حضرت جابرؓ کے ارشاد سے ثابت ہو رہا ہے اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے چار رکعتیں پڑھیں اور دوسرے لوگوں کی دو ہی رکعتیں ہوئیں۔ تو علماء نے اس کی کمی و جہیں بیان کی ہیں ان میں سب سے صحیح اور بہتر توجیہ یہ ہے کہ یا تو یہ واقعہ آیت قصر کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے یا پھر یہ کہ جس جگہ یہ نماز پڑھی گئی تھی وہاں قصر واجب نہیں ہوتا تھا چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور علماء نے حدیث کے الفاظ لقوم رکعتان کی مراد یہ بیان کی ہے کہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور باقی دو رکعتیں تنہا تنہا پوری کیں۔ واللہ اعلم

نماز خوف کا ایک طریقہ

④ وَعَنْهُ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْخَوْفِ فَصَفَّفْنَا خَلْفَهُ صَفَيْنِ وَالْعُدُوَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَبَّرْنَا جَمِيعًا ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيعًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَرَفَعْنَا جَمِيعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالشُّجُودِ وَالَّذِي يَلِيهِ وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِي نَحْرِ الْعُدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّجُودَ وَقَامَ الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالشُّجُودِ ثُمَّ قَامُوا ثُمَّ تَقَدَّمَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ وَتَأَخَّرَ الْمَقْدَمُ ثُمَّ رَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكَعْنَا جَمِيعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالشُّجُودِ وَالَّذِي يَلِيهِ الَّذِي كَانَ مُؤَخَّرًا فِي الرُّكُوعِ الْأَوَّلِيِّ وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِي نَحْرِ الْعُدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّجُودَ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالشُّجُودِ فَسَجَدُوا ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمْنَا جَمِيعًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے ہمیں (ایک مرتبہ) نماز خوف پڑھائی، چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے دو صفیں باندھ لیں اور دشمن ہمارے اور ہمارے قبلہ کے درمیان تھا آپ نے تکبیر کہی ہم سب نے بھی (یعنی دونوں صفوں نے) تکبیر کہی، جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے (دونوں صفوں نے) بھی (اپنے سر رکوع سے) اٹھائے، پھر سجدہ کے لئے اس صف کے ساتھ جھکے جو آپ ﷺ کے قریب تھی (یعنی پہلی صف) اور دوسری صف دشمن کے مقابلہ (قومہ ہی میں) کھڑی رہی پھر جب آپ ﷺ سجدہ کر چکے اور آپ ﷺ کے ساتھ وہ صف کھڑی ہو گئی (جو آپ ﷺ کے قریب تھی یعنی پہلی صف) تو پچھلی صف والے سجدہ میں چلے گئے۔ پھر یہ کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد اگلی صف پیچھے ہٹ آئی اور (پچھلی صف آگے بڑھ گئی پھر آنحضرت ﷺ نے قیام میں قرات کی اور رکوع کیا تو ہم سب نے بھی رکوع کیا۔ پھر آپ ﷺ بنے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے بھی رکوع سے سر اٹھایا۔ پھر آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے اور صف جو آپ ﷺ کے قریب تھی اور پہلی رکعت میں پیچھے تھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ میں چلی گئی اور پچھلی صف (جو پہلی رکعت میں آگے تھی) دشمن کے مقابلہ میں کھڑی رہی پھر ب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے قریب کی صف کے سب لوگ سجدہ سے فارغ ہو گئے تو پچھلی صف نے سجدہ کیا۔ پھر اس کے بعد آپ نے اور ہم سب نے (یعنی دونوں صفوں نے) التحیات پڑھ کر سلام پھیرا۔“ (مسلم)

تشریح: نماز خوف کا یہ ایک اور طریقہ ہے آنحضرت ﷺ جیسا وقت اور جیسا موقع دیکھتے اسی کے مطابق نماز خوف پڑھتے تھے۔ چنانچہ یہاں چونکہ دشمن سامنے ہی قبلہ کی طرف تھا اس لئے اسلامی لشکر ایک ہی جگہ اس طرح نماز پڑھتا رہا کہ دشمن کا لشکر مد مقابل رہا چنانچہ کسی جماعت کو کسی اور طرف بھیجنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، پورا لشکر رکوع تک تو متفق رہا اس کے بعد صرف اتنا فرق ہوا کہ جب ایک صف سجدہ میں گئی تو دوسری صف کھڑی رہی اور جب دوسری صف سجدہ میں گئی تو پہلی صف کھڑی رہی۔ جیسا کہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ یہ نماز آنحضرت ﷺ نے عسکان میں ادا فرمائی تھی۔

الفصل الثانی

نماز خوف کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ایک ہی طریقہ

⑤ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ صَلَاةَ الظُّهْرِ فِي الْخَوْفِ بِبَطْنِ نَخْلٍ فَصَلَّى بِطَائِفَةٍ زَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ جَاءَ طَائِفَةٌ أُخْرَى فَصَلَّى بِهِمْ زَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (رواہ شریح السنۃ)

”حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے مقام ”بطن نخل“ میں خوف کے وقت ظہر کی نماز پڑھی چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو اس طرح نماز پڑھائی کہ ایک جماعت کو دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ پھر جب دوسری جماعت آئی تو اسے بھی دو رکعت نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا۔“ (شرح السنۃ)

تشریح: ”بطن نخل“ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قصر کی نماز پڑھی۔ یعنی آپ ﷺ نے چار رکعت کے بجائے دو رکعت نماز ادا فرمائی اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھی۔ حضرت امام شافعیؒ کے ہاں نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنے والا اقتدا کر سکتا ہے۔ حنفی مسلک کے مطابق اس حدیث کی تشریح بظاہر ایک سخت مسئلہ ہے کیونکہ اگر اسے سفر پر حمل کیا جائے تو نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنے والے کی اقتدا لازم آتی ہے اور حنفیہ کے یہاں یہ درست نہیں ہے لہذا یہ سفر کی نماز تو قرار نہیں دی جاسکتی۔ اب اگر اس حدیث کا محمول حضر کی نماز قرار دی جائے تو پھر ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا لازم آتا ہے جو نماز کے منافی ہے لہذا اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں کہ یہ کہا جائے کہ نماز تو حالت حضر ہی میں پڑھی گئی تھی البتہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا یہ صرف آپ ﷺ کی خصوصیات میں

سے تھا جو دوسروں کے لئے جائز نہیں ہے چنانچہ لوگوں نے اپنی بقیہ دو رکعتیں آپ کے سلام پھیرنے کے بعد بطور خود پوری کیں اس طرح ان کی بھی چار رکعتیں ہو گئیں۔

اس سلسلہ میں حضرت امام طحاویؒ نے جو تحقیق پیش کی ہے وہ بہت مناسب معلوم ہوتی ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ ایک فرض نماز دو مرتبہ پڑھی جاسکتی تھی۔

الفصل الثالث

نماز خوف کا ایک اور طریقہ

② عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ بَيْنَ ضُجْجَانٍ وَعُسْفَانَ فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ لِهَؤُلَاءِ صَلَاةٌ هِيَ أَحَبُّ إِلَيْهِمْ مِنْ آبَاءِهِمْ وَهِيَ الْعَصْرُ فَاجْمَعُوا أَمْرَكُمْ فَتَمِيلُوا عَلَيْهِمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً وَإِنْ جَبْرِئِلُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ أَنْ يَقْسِمَ أَصْحَابَهُ شَظْرَيْنِ فَيُصَلِّيَ بِهِمْ وَتَقُومَ طَائِفَةٌ أُخْرَى وَرَاءَهُمْ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ فَتَكُونَ لَهُمْ رَكْعَةٌ وَلِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَانِ۔ (رواه الترمذی والنسائی)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ (جہاد کے لئے) ضججان اور عسفان کے درمیان اترے تو مشرک (آپس میں) کہنے لگے کہ مسلمانوں کی ایک نماز ہے جو ان کے نزدیک ان کے باپ اور بیٹے سے بھی زیادہ محبوب ہے اور وہ نماز عصر ہے چنانچہ تم اپنے مقصد (یعنی جنگ) کے لئے تیار ہو جاؤ اور جب مسلمان اس نماز میں مصروف ہوں تو ان پر یکبارگی حملہ کر دو۔ جب ہی آپ ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ ”آپ ﷺ اپنے صحابہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں۔ ایک حصہ کو تو نماز پڑھائیں اور دوسرا حصہ ان کے پیچھے دشمن کے خطرناک ارادوں کا جواب دینے کے لئے کھڑا رہے (اسی طرح دوسرے حصہ کو نماز پڑھائیں تو پہلا حصہ دشمن کے بمقابلہ رہے نیز تمام نمازیوں کو) چاہئے کہ اپنے دفاع کا سامان یعنی سپر، ہتھیار وغیرہ اپنے پاس رکھیں۔ اس طرح لوگوں کی تو (امام کے ساتھ) ایک ایک رکعت ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی دو رکعتیں۔“ (ترمذی و نسائی)

تشریح: ضججان ایک پہاڑ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے اور عسفان ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

بَابُ صَلَوةِ الْعِيدَيْنِ

عیدین کی نماز کا بیان

شوال کے مہینہ کی پہلی تاریخ کو عید الفطر (عید) اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عید الاضحیٰ (بقر عید) اور دونوں کے مجموعہ کو ”عیدین“ کہتے ہیں۔ یہ دونوں تاریخیں اسلام میں عید اور خوشی کے دن ہیں جس میں دو رکعت نماز بطور شکر کے پڑھی جاتی ہے۔ عیدین کی نماز حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ہاں واجب ہیں جب کہ حضرت امام شافعیؒ اور دوسرے علماء عیدین کی نماز کو سنتِ موکدہ کہتے ہیں۔

”عید“ لفظ ”عود“ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ”بار بار آنا“ چنانچہ اس دن کو عید اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ دن بار بار یعنی ہر برس آتا ہے۔ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس دن کا نام ”عید“ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ عود کرتا ہے یعنی بندوں پر اپنی رحمت اور

بخشش کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے عید کے بارہ میں یہ عارفانہ جملے بیان کئے جاتے ہیں کہ:

لَيْسَ الْعِيدُ لِمَنْ لَبَسَ الْجَدِيدَ إِنَّمَا الْعِيدُ لِمَنْ آمَنَ مِنَ الْوَعِيدِ، لَيْسَ الْعِيدُ لِمَنْ تَنَجَّرَ بِالْعُودِ إِنَّمَا الْعِيدُ لِلتَّائِبِ الَّذِي لَا يُعْوِذُ لَيْسَ الْعِيدُ لِمَنْ تَزَيَّنَ بِزِينَةِ الدُّنْيَا إِنَّمَا الْعِيدُ لِمَنْ تَزَوَّدَ بِزَادِ التَّقْوَى - لَيْسَ الْعِيدُ لِمَنْ رَكِبَ الْمَطَايَا إِنَّمَا الْعِيدُ لِمَنْ تَرَكَ الْخَطَايَا لَيْسَ الْعِيدُ لِمَنْ بَسَطَ الْبِسَاطَ إِنَّمَا الْعِيدُ لِمَنْ جَاوَزَ الصِّرَاطَ -

”عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو نئے کپڑے پہنے بلکہ اس کے لئے ہے جو عید سے امن میں (یعنی برے کاموں سے بچتا رہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا حق ہو اور اس کے عتاب سے امن میں رہے) عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو عود کی خوشبو سے معطر ہو بلکہ اس کے لئے ہے جو توبہ کرنے والا ہو کہ پھر گناہ نہ کرے عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو آرائش دنیا کی زینت اختیار کرے بلکہ اس کے لئے ہے جو تقویٰ (پرہیزگاری) کو آخرت کے لئے زاد راہ بنائے۔ عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو سوار یوں پر سوار ہو بلکہ اس کے لئے ہے جو گناہوں کو ترک کرے۔ اور عید اس شخص کے لئے نہیں جو (آرائش و زیبائش کے) فرش بچھائے بلکہ اس کے لئے ہے جو بل صراط سے گذر جائے گا۔“

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

عیدین کی نماز

① عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى إِلَى الْمُصَلِّي فَاَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةَ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُومُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوسٌ عَلَى صُفُوفِهِمْ فَيُعْطُهُمْ وَيُؤْصِيهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ وَإِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطْعَةً أَوْ يَأْمُرَهُمْ بِشَيْءٍ أَمَرَهُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ - (متن علیہ)

”حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ (جب) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے تشریف لاتے تو وہاں سب سے پہلایہ کام فرماتے کہ (خطبہ سے پہلے) نماز ادا فرماتے، پھر نماز سے فارغ ہوتے اور لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں پر بیٹھے رہتے چنانچہ آپ ﷺ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے، وصیت کرتے اور احکام صادر فرماتے، اگر (جہاد کے لئے) کہیں کوئی لشکر بھیجنا ہوتا تو اس کی روانگی کا حکم فرماتے اس طرح اگر (لوگوں کے معاملات و مقدمات کے بارہ میں کوئی حکم دینا ہوتا تو حکم صادر فرماتے پھر (گھر) واپس تشریف لے آتے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: مدینہ منورہ کی عید گاہ شہر سے باہر ہے، جس کا فاصلہ کہتے ہیں کہ حجرہ شریف سے ایک ہزار قدم ہے۔ وہ جگہ انتہائی متبرک اور مقدس ہے۔ اب اس کے ارد گرد چار دیواری بنادی گئی ہے۔

بہر حال شرح السنہ میں لکھا ہے کہ امام وقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ عیدین کی نماز کے لئے عید گاہ جائے۔ ہاں اگر کوئی عذر مانع ہو تو پھر شہر کی مسجد ہی میں نماز پڑھائے ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ امام وقت کے لئے مسنون ہے کہ وہ خود تو عید کی نماز کے لئے عید گاہ جائے اور کسی ایسے شخص کو اپنا قائم مقام بنادے جو شہر میں ضعیفوں کو نماز پڑھائے لیکن حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ عید گاہ جانے کا مسئلہ مسجد حرام اور بیت المقدس کے علاوہ دوسری جگہوں کے لئے ہے کیونکہ نہ صرف ان دونوں مقدس جگہوں کی عظمت و تقدس کے پیش نظر بلکہ صحابہؓ اور تابعینؓ کی اتباع میں بھی مسجدوں میں تمام ہی نمازیں پڑھنی افضل ہیں۔

فیقوم کا مطلب یہ ہے کہ آپ نماز سے فراغت کے بعد خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے لوگوں کے سامنے زمین پر کھڑے ہوتے تھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں عید گاہ میں منبر نہیں تھا۔ اس کے بعد جب مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تو عید گاہ میں

منبر کا انتظام کیا گیا اس لئے کہ منبر کھڑے ہو کر پڑھے گئے خطبہ کی آواز دور دور تک پہنچتی ہے۔

”صحیح کرتے“ یعنی مسلمانوں کو آپ اس موقع پر دنیا سے زہد اختیار کرنے اور آخرت کے طرف دھیان رکھنے کی نصیحت فرماتے، نیز آپ ﷺ لوگوں کے سامنے ثواب کی عظمت و فضائل بیان کرتے اور گناہوں سے ڈراتے تاکہ لوگ اس دن کی خوشیوں اور مسرتوں میں مشغول ہو کر اطاعت سے غافل اور گناہوں میں مبتلا نہ ہو جائیں جیسا کہ آجکل لوگوں کا حال ہے۔ اور ”وصیت کرتے“ یعنی لوگوں کو تقویٰ یعنی پرہیزگاری اختیار کرنے کی وصیت فرماتے۔ تقویٰ کے تین درجے ہیں۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ شرک سے بچا جائے۔ وسط درجہ یہ ہے کہ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے اور ممنوع چیزوں سے بچا جائے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ وقت حضور قلوب کے ساتھ متوجہ اور ماسوا اللہ سے بے غرض رہا جائے۔ ”احکام صادر فرماتے“ یعنی لوگوں کے معاملات کے بارہ میں جو احکام ایسے ہوتے تھے وہ صادر فرماتے نیز عید الفطر میں فطرہ کے احکام اور عید الاضحیٰ میں قربانی کے احکام بیان فرماتے۔

(۲) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبُعْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بغيرِ إِذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ عید و بقر عید کی نماز بغیر اذان و تکبیر کے ایک دو مرتبہ نہیں (بلکہ بہت مرتبہ) پڑھی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: شرح السنہ میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے اکثر اہل علم کا یہی مسلک تھا کہ عید و بقر عید کی نماز میں نہ تو اذان مشروع ہے اور نہ تکبیر، اسی طرح دوسرے نوافل میں بھی اذان و تکبیر نہیں ہے بلکہ کتاب اہل ہمارے تو یہ لکھا ہے کہ مکروہ ہے۔

عیدین کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے

(۳) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّونَ الْبُعْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ حضرت ابو بکر ابن منذرؓ کا قول ہے کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عید کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے۔“

تشریح: ابن منذرؓ کا قول ہے کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عید و بقر عید کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے۔ نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن اگر کسی شخص نے نماز سے پہلے ہی خطبہ پڑھ لیا تو تمام علماء کے نزدیک نماز جائز ہو جائے گی منقول ہے کہ مروان ابن حکم جب مدینہ کا حاکم ہوا اور اس نے خطبہ نماز سے پہلے پڑھا تو اس کے اس فعل کو صحابہؓ نے بہت برا جانا۔

عیدین کی نماز کے لئے اذان و تکبیر مشروع نہیں ہے

(۴) وَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَشْهَدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبُعْدَ؟ قَالَ نَعَمْ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ أَذَانًا وَلَا إِقَامَةً ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَوَعظَهُنَّ وَذَكَرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَزَايَنَهُنَّ يُهَوِّنُ إِلَى أَذَانِهِنَّ وَخُلُوقِهِنَّ يَذْفَعُنَّ إِلَى بِلَالٍ ثُمَّ ارْتَفَعَ هُوَ وَبِلَالٌ إِلَى بَيْتِهِ۔ (مشق علیہ)

”مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ عید میں شریک ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ”ہاں“ (پھر آپ نے یہ تفصیل بیان کی کہ) آنحضرت ﷺ (عید گاہ) تشریف لے گئے چنانچہ آپ ﷺ نے وہاں عید کی نماز پڑھی پھر خطبہ ارشاد فرمایا ”حضرت ابن عباسؓ نے (آنحضرت ﷺ کی نماز تفصیل سے بیان کرنے کے دوران) تکبیر و اذان کا ذکر نہیں کیا“ (پھر انہوں نے فرمایا کہ) اس کے بعد آپ ﷺ عورتوں کی جماعت کی طرف آئے، ساتھ میں حضرت بلالؓ بھی تھے، ان عورتوں کو

نصیحت فرمائی، دین کے احکام یاد کرائے۔ ثواب و عذاب کے بارہ میں بتایا اور ان کو صدقہ (یعنی فطرہ و زکوٰۃ یا محض اللہ کے نام پر) دینے کا حکم فرمایا، چنانچہ میں نے عورتوں کو کد کھیا کہ وہ اپنے ہاتھ اپنے کانوں اور گلوں کی طرف (زیور اتارنے کے لئے) بڑھاتی تھیں اور کانوں اور گلوں کے زیور (اتار کر) حضرت بلالؓ کے حوالہ کر رہی تھیں (تاکہ وہ ان کی طرف سے فقراء و مساکین کو تقسیم کر دیں) پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور حضرت بلالؓ اپنے گھر تشریف لے آئے۔“ (بخاری)

شریک ہوں۔ وعظ و ذکر کی مجالس میں حاضر ہوں اور علماء و صلحا کا قرب حاصل کریں تاکہ انہیں خدا کے ان نیک و مقدس بندوں کی برکت حاصل ہو۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ کے مقدس زمانہ میں عورتوں کے لئے عید گاہ جانا ممنوع نہیں تھا مگر آجکل کے زمانہ میں فتنہ و فساد کے خوف سے عورتوں کے لئے عید گاہ جانا متحب نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کے عید گاہ جانے کی توجیہ امام طحاویؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ چونکہ اس وقت اسلام کا ابتدائی دور تھا مسلمان بہت کم تھے اس لئے آنحضرت ﷺ کا یہ مقصد تھا کہ اگر تمام عورتیں بھی عید گاہ جائیں گی تو مسلمانوں کی تعداد زیادہ معلوم ہوگی جس سے کفار پر رعب پڑے گا۔ لہذا آجکل صرف اس کی ضرورت ہے بلکہ عورتوں کی موجودگی چونکہ بہت زیادہ محرمات و مکروہات کا ذریعہ بن سکتی ہے اس لئے علماء نے عورتوں کو عید گاہ جانے سے روک دیا ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے پاس ایسی کوئی چادر اور کوئی کپڑا نہ ہو جسے وہ بعد میں واپس کر دے اس کی ساتھ والی کو چاہئے کہ یا تو اس کے پاس کئی چادریں ہوں تو ایک چادر عاریتاً اس عورت کو دے دے جسے وہ بعد میں واپس کر دے گی یا پھر یہ کہ اگر اس کے پاس کئی نہیں بلکہ ایک ہی چادر ہے تو اپنی چادر کا ایک حصہ اس کو اڑھا دے اور دونوں ایک جگہ بیٹھ جائیں۔

نغمہ و سرور کا مسئلہ

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِي أَيَّامٍ مِّنِي تَدْفَعَانِ وَتَضْرِبَانِ وَفِي زَوَايَةِ تَغْتَابَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثٍ وَالتَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَغَشٍّ بِثَوْبٍ بِهِ فَانْتَهَرَهُمَا أَبُو بَكْرٍ فَكَشَفَ التَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهَا أَيَّامٌ عِنْدِي وَفِي زَوَايَةِ يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهَذَا عِيدُنَا۔ (تتق علیہ)

”ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”ایام منی میں (یعنی جس دنوں میں حجاج منی میں قیام کرتے ہیں اور جو ایام تشریق کہلاتے ہیں انہیں میں سے بقرہ عید کے دن یا اس کے بعد کے دنوں میں) حضرت ابو بکر صدیقؓ میرے پاس تشریف لائے جب کہ اس وقت میرے پاس (انصار کی لڑکیوں میں سے) دو چھوکریاں بیٹھی ہوئی دف بجارہی تھیں ”ایک دوسری روایت میں ان الفاظ کی بجائے یہ کہ مزید یہ الفاظ ہیں کہ ”چھوکریاں (وہ اشعار) گارہی تھیں جو انصار نے بعثت (کی جنگ کے متعلق) کہے تھے اور آنحضرت ﷺ (اس وقت) منہ پر کپڑا ڈالے ہوئے (لیئے) ہوئے تھے حضرت ابو بکرؓ ان چھوکرؤں کو دھمکانے لگے (یعنی انہیں گانے بجانے سے منع فرمایا) آنحضرت ﷺ نے اپنا منہ کھولا اور فرمایا کہ ”ابو بکرؓ انہیں چھوڑ دو (کچھ نہ کہو) کیونکہ یہ عید (یعنی خوشی) کے دن ہیں ”ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ابو بکرؓ! ہر قوم کی عید ہوتی ہے یہ ہماری عید ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: لفظ تضربان گویا تدفغان کی تاکید کے لئے استعمال کیا گیا ہے لیکن بعض حضرات نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ”وہ لڑکیاں اچھلتی کودتی تھیں اور دف بجاتی تھیں“

دف بجانے کا مسئلہ: دف باجے کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ دف بچانا مطلقاً مباح ہے یعنی کسی بھی وقت اور کسی بھی موقع پر بجایا جاسکتا ہے اس کے برخلاف دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً حرام ہے۔ اس سلسلہ میں صحیح مسئلہ یہ ہے کہ بعض مواقع پر مثلاً نکاح، ولیمہ یا اس قسم کی دوسری تقریبات میں کہ جو انہیں دونوں کے حکم میں ہوں، نیز عیدین میں دف بچانا مباح ہے۔ پھر علماء نے دف میں فرق کیا ہے یعنی اگر دف جھانجدار ہے تو اس کا بجانا مکروہ ہے اور اگر جھانجدار نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اگرچہ جھانجدار دف کے بارہ میں بھی علماء نے اختلاف کیا ہے۔

حدیث کے الفاظ تَغْتَابَانِ (گارہی تھیں) کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیاں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جن میں شجاعت و بہادری کے مضمون مذکور

تھے اور جو انصار نے ”بعث“ پر چڑھائی اور وہاں کی جنگ کے متعلق کہے تھے جیسا کہ بہادروں کی عادت ہے کہ جنگ کے وقت اپنی شجاعت و بہادری پر مشتمل اشعار بڑے فخر کے ساتھ کہتے ہیں ”بعث“ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بعض حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں انصار کے دو قبیلوں ”اوس اور خزرج“ کے درمیان سخت جنگ ہوئی تھی جس میں قبیلہ اوس کامیاب رہا تھا اسی جنگ کو ”جنگ بعث“ کہا جاتا ہے۔

بہر حال لڑکیاں جو اشعار گانگی تھیں وہ فواحش اور حسن و عشق کے ان مضامین کے حامل نہیں تھے جن کا پڑھنا معیوب اور ممنوع ہے بلکہ وہ اشعار جنگ و جدل کے کارناموں، معرکہ آرائیوں کی پرشجاعت داستانوں اور میدان جنگ کی گرم کہانیوں پر مشتمل تھے جن کے پڑھنے سے اشاعت دین میں مدد ملتی تھی بایں طور کہ وہ کفار سے جہاد کرنے کے لئے مؤمنین کو ترغیب دلاتے تھے ورنہ ان لڑکیوں کی کیا مجال کہ عائشہ صدیقہؓ کی موجودگی میں اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے وہ برے اور معیوب اشعار کی جرات بھی کرتیں۔

چنانچہ بخاریؒ کی ایک روایت میں لفظ ”تغنیان“ کے بعد یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ ولیستایم غنیین یعنی لڑکیاں اشعار گارہی تھیں اور گانا ان لڑکیوں کا کسب و پیشہ نہیں تھا کہ کوئی زیادہ اچھا گاتی ہوں اور گانے بجانے کے فن میں مشہور ہوں یا یہ کہ وہ اپنے اشعار کے ذریعہ خیالات فاحشہ و خواہشات نفسانی کے بیجاں و اشتیاق کا سبب بنتی ہوں جو فتنہ و فساد کا باعث ہوتا بلکہ وہ بالکل اسی انداز میں اشعار پڑھ رہی ہیں جیسا کہ اکثر شریف زادیاں اپنے گھروں میں پاکیزہ خیالات کا حامل اشعار گنگنا کر رہتی ہیں۔

فانتھرہا ابوبکر (حضرت ابوبکرؓ ان چھوڑیوں کو دھمکانے لگے) یعنی جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ ”حضرت ابوبکرؓ نے ان لڑکیوں سے کہا کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ کے قریب مزارِ شیطان (یعنی شیطانی باجا) بجاتی ہو؟ گویا حضرت ابوبکرؓ نے انہیں تنبیہ کی اور اس فعل سے منع فرمایا“ اصطلاحاً مزار ہر اس باجے کو کہتے ہیں جو گویے بجاتے ہیں مثلاً بانسری، دف رباب (سارنگی) حضرت ابوبکرؓ نے لڑکیوں کے باجے کو شیطانی باجا اس لئے کہا کہ جس طرح شیطان اپنی ذات سے انسانوں کی عملی زندگی کو نیک کاموں سے ہٹا کر برے کاموں میں مشغول کر دیتا ہے اسی طرح باجا بھی انسانی قلوب کو یادِ الہی کے مقدس راستے سے ہٹا کر لہو و لعب و ناجائز خواہشات کے راستے پر ڈال دیتا“۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح گذشتہ امتوں اور غیر مسلموں کے یہاں خوشی و مسرت اور عید کا ایک خاص دن ہوتا ہے جیسے قومِ مجوس کے یہاں ”نوروز“ ایک خاص دن ہے جس میں وہ اپنی عید مناتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کے لئے بھی خوشی و مسرت اور شادمانی کے دو دن ہیں اور وہ عید و بقرعید کے دن ہیں۔

یہ مشابہت صرف تمثیل کی حد تک ہے ان کے معتقدات و افعال کے ساتھ مشابہت مقصود نہیں ہے یعنی اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ جس طرح غیر مسلم اپنے خوشی و تہواروں کے دن غلط کام کرتے ہیں اسی طرح غلط کام مسلمان بھی ان دنوں میں کر سکتے ہیں۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ عید و بقرعید کے دن غیر مسلموں کے تہوار کی مشابہت اختیار کرنا کفر ہے مثلاً غیر شرعی اور غیر مناسب زیبائش و آرائش کرنا، انڈے لڑانا، مردوں کا مہندی لگانا، ناچ گانوں میں مشغول ہونا وغیرہ وغیرہ۔

حدیث سے اہلِ سماع کا غلط استدلال: اس حدیث سے اہلِ سماع کو بڑی زبردست غلط فہمی ہو گئی ہے۔ ان لوگوں نے اس حدیث کی بنیاد پر ڈھولک و ہار مونیم جیسے ساز کے ساتھ قوالی کے مباح ہونے اور اس کے سننے کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ اس حدیث کا قطعی طور پر وہ مفہوم و مطلب نہیں ہے جو اہلِ سماع نے مراد لیا ہے بلکہ بنظرِ انصاف اور بغیر کسی تعصب و ہٹ دھرمی کے اگر معقولیت پسند قلب و دماغ کے ساتھ اس حدیث کے حقیقی مفہوم کو دیکھا جائے تو وہ پوری وضاحت کے ساتھ یہ ہے کہ ”حضرت ابوبکرؓ نے ان لڑکیوں کو گانے اور دف بجانے سے اس لئے منع کیا اور انہیں دھمکایا کہ ان کے نزدیک گانا بجانا مطلقاً معیوب و ممنوع تھا۔ نیز انہوں نے یہ گمان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان لڑکیوں کو ان کے گانے بجانے سے اس لئے منع نہیں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ ﷺ نے اس دن

بہت معمولی طریقہ پر اشعار پڑھنے کی اجازت دے دی تھی جس کا شمار حقیقی گانے بجانے اور لہو و لعب میں نہیں تھا۔

حاصل یہ کہ حضرت ابوبکرؓ کو اس فرق اور تفصیل کا علم نہیں تھا اس لئے انہوں نے لڑکیوں کو اشعار پڑھنے سے روکا جس پر آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ وہ لڑکیوں کو کچھ نہ کہیں۔ لہذا اس حدیث سے صرف اس قدر ثابت ہوا کہ عید کے روز یا ایسے کسی موقع پر جہاں خوشی منانی مباح ہے شریعت کی حدود کی اندر رہتے ہوئے کچھ اشعار پڑھ لینا مباح ہے پھر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اس واقعہ کا تعلق ایک مخصوص جگہ اور مخصوص وقت سے ہے جس سے گانے بجانے کا مطلقاً مباح ہونا لازم نہیں آتا۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ”اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی خاص موقع پر ایک آدھ مرتبہ دف بجانا اور سماع ممنوع نہیں ہے لیکن اس پر دامت کرنا مکروہ ہے کیونکہ مستقل طور پر گانا بجانا وصف تقویٰ اور اخلاق فاضلہ کو ختم کر دیتا ہے جس کی وجہ سے ایسا شخص شریعت کی نظر میں اپنا اعتماد کھودیتا ہے۔

ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ دف جائز ہے جب کہ اس میں چھانچ نہ ہو اور کبھی کبھی ایک آدھ دفعہ بجایا جائے۔ نیز ایسے اشعار پڑھنے جائز ہیں جس میں کسی کی برائی و مذمت نہ بیان کی گئی ہو اور جو بخش مضامین پر مشتمل نہ ہوں۔ فتاویٰ قاضیخان میں لکھا ہے کہ ”باجوں کا سننا گناہ ہے کیونکہ آنحضرتؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”باجوں کا سننا گناہ، اس کی مجلس میں شرکت فسق اور اس سے لطف اندوز ہونا شعار کفر ہے۔

نیز مسئلہ یہ ہے کہ اگر غیر اختیاری طور پر باجے کی آواز کان میں پڑ جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ باجوں کی آواز سے حتی الامکان بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے کیونکہ نبی کریمؐ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ ایسے موقع پر آپؐ کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے تھے۔ علماء لکھتے ہیں کہ ”زمانہ جاہلیت کے ایسے عربی اشعار پڑھنا کہ جن میں بخش مضامین مثلاً شراب و کباب اور حسن و عشق کے تذکرے ہوں مکروہ ہے۔

ایک جلیل القدر محدث نے اس حدیث کی تشریح میں سماع و غنا کا مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اس موقع پر اس کا خلاصہ نقل کر دینا مناسب ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ:

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دف بجانا اور گانا ممنوع ہے ہاں کچھ مواقع پر مثلاً عید میں یا اسی قسم کی دوسری خوشی کی تقریب میں یعنی نکاح وغیرہ میں اس کی ایک حد تک اجازت ہے، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ صحابہ میں سب سے زیادہ فضیلت مآب ہیں۔ انہیں احکام دین خوب اچھی طرح معلوم تھے انہوں نے گانے کو ”مزار شیطان“ کہا آنحضرتؐ نے اس موقع پر جواباً انہیں منع فرمایا تو اس بات سے منع نہیں فرمایا تھا کہ گانے کو ”مزار شیطان“ کہا۔ آنحضرتؐ نے انہیں عید کے دن کے لئے منع فرمایا کہ آج کے دن انہیں اتنی شدت اختیار نہ کرو۔ گویا آنحضرتؐ کے ارشاد کا مقصد گانے بجانے کی ممانعت کے سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ کے قول کی تردید نہیں تھا بلکہ مراد یہ تھی کہ گانے بجانے کا صرف اتنا معمولی درجہ کہ جس میں یہ لڑکیاں مشغول ہیں آج کے دن ممانعت کے حکم سے مستثنیٰ ہے اگر لڑکیاں شرعی و اخلاقی حدود میں رہ کر شجاعت و بہادری کی تعریف و توصیف پر مشتمل اشعار ترمیم کے ساتھ پڑھ رہی ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے صرف یہ کہ خود لڑکیوں کے اس فعل سے کوئی دلچسپی نہیں لی (جیسا کہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپؐ اس وقت سو رہے تھے) بلکہ حضرت ابوبکرؓ کو بھی اس کی ترغیب نہیں دلائی بلکہ آپؐ نے ایک طرح اس سے لاپرواہی بھی برتی، گویا آپؐ نے اپنے اس فعل کے ذریعہ بھی اس دن اس کے ناجائز ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔

لہذا یہ حدیث مطلق طور پر سماع و غنا اور گانے بجانے کی اباحت کی دلیل قرار نہیں دی جاسکتی۔ جیسا کہ بعض حضرات اس حدیث کے دراز حقیقت مفہوم کا سہارا لے کر سماع و غنا کے مطلقاً جواز کو ثابت کرتے ہیں۔

سماع کی حرمت و کراہت: یہ تو حدیث کی وضاحت اور اس کی تشریح تھی۔ اب اصل مسئلہ کی طرف آئیے اور دیکھئے کہ اس بارہ میں

سلف کی رائے کیا ہے۔ سماع و غنا کا مسئلہ ہمیشہ سے علماء و فقہاء کے درمیان مختلف رہا ہے۔ صحابہؓ و تابعینؓ کی بھی اس سلسلہ میں مختلف رائے تھیں۔ لیکن جلیل القدر صحابہؓ اس کی حرمت و کراہت کے قائل تھے۔ چنانچہ انہوں نے آیت کریمہ **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ** کی مراد غنا (نغمہ و سرور) بیان کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ و حضرت ابن مسعودؓ تو اس مراد کے یقین کے سلسلہ میں قسم تک کھاتے اور کہا کرتے تھے کہ یہاں ”غنا“ مراد ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؓ کے نزدیک آیت کریمہ **وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَقْطَعَتْ مِنْهُمْ بِصُوتِكَ** میں شیطان کی آواز سے مراد ”غنا“ ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ گانے سے اور گانا سننے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد منقول ہے کہ ”اگر کوئی ایسا شخص مرجائے جس کے پاس گائے (گانے والی عورت) ہو تو اس کی نماز جنازہ مت پڑھو۔“

حضرت ابو امامہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”گائے (گانے والی عورت) کی نہ تو خرید و فروخت کرو اور نہ انہیں تعلیم دو (یعنی ان سے مکمل مقاطعہ رکھو) اس ارشاد گرامی کے مثل یہ آیت کریمہ **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ** نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے بعض علماء کہتے ہیں کہ جو احادیث نغمہ سرور کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں ان کا تعلق اس ممانعت سے قبل کے زمانہ سے ہے۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی اور غنا کی ممانعت واضح ہوئی تو احادیث منسوخ قرار دے دی گئیں۔

حضرت ابن مسعودؓ سے یہ ارشاد منقول ہے کہ ”غنا نفاق کو اسی طرح اگاتا ہے جیسے پانی سبزہ کو اگاتا ہے۔“

حضرت جابرؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ ”جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے یوں ہی غنا نفاق کو اگاتا ہے۔“

حضرت انسؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ ”غنا اور لہو لعب دل میں نفاق کو اس طرح اگاتے ہیں جیسے پانی گھاس کو اگاتا ہے۔“

حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ ”غنا کی محبت دل میں نفاق کو اس طرح اگاتی ہے جیسے پانی گھاس کو اگاتا ہے۔“ ان ارشادات میں نفاق سے مراد وہ عملی نفاق ہے جو ظاہری احوال کے برخلاف گناہ کی خواہش کو پوشیدہ رکھتا ہو۔ حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ ”غنا زنا کا منتر ہے۔“

بہر حال۔ اس سلسلہ میں صحابہؓ و تابعینؓ کے اس قسم کے اور بہت سے ارشادات منقول ہیں۔ جہاں تک فقہاء کا تعلق ہے انہوں نے بھی اس کی حرمت اور کراہت کو بہت زیادہ شدت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ چاروں اماموں کا متفقہ طور پر جو مشہور اور صحیح قول ہے وہ یہ ہے کہ ”غنا مکروہ ہے“ اگرچہ اس کی حرمت کا اطلاق بھی منقول ہے۔

چنانچہ قاضی ابوالطفؒ نے شعبیؒ، سفیان ثوریؒ، حمادؒ، نخیؒ اور فاکیؒ سے اس کا حرام ہونا نقل کیا ہے۔ علامہ بغویؒ نے بھی تفسیر معالم التنزیل میں یہی لکھا کہ ”چاروں ائمہ کے یہاں غنا حرام ہے۔“

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ غنا کی حرمت کے بارہ میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ وہ لہو لعب کے قبیل ہے ہے جو متفقہ طور پر سب کے یہاں مذموم ہے۔ ہاں جو غنا محرمات سے محفوظ ہو وہ تھوڑا بہت شادی بیاہ، عید اور اسی قسم کی دوسری تقریبات میں جائز ہے۔ علماء کی ایک جماعت کا رجحان غنا کی اباحت کی طرف ہے۔

اس سلسلہ میں اتنی بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہاں جس غنا اور نغمہ اور سرور کے بارہ میں بحث کی جا رہی ہے اور جو حرمت و اباحت کا محل اختلاف ہے وہ اس قسم کا غنا ہے جسے گویے اور گلوکار بطور فن اور پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں چنانچہ وہ صرف لوگوں کی طبیعتوں میں انتشار و بیجان اور کیف و نشاط پیدا کرنے کے لئے ایسے اشعار گاتے ہیں جو محض محرمات کے ذکر پر مشتمل ہوتے ہیں اہاں وہ غنا مباح ہیں جو ایسے پاکیزہ اشعار پر مشتمل ہوں جن سے قلوب روحانی استنباط محسوس کریں اور جو محرمات و مکروہات کے ذکر پر مشتمل نہ ہوں مثلاً خدا تعالیٰ کی حمد، رسول اکرم ﷺ کی نعت، حرمین شریفین یا دوسری مقدس چیزوں کی منقبت، جہاد اور میدان جہاد کے اوصاف جیسے حد

نصب، رکبانی بچوں کو خوش کرنے یا انہیں سنانے کے لئے ماؤں بہنوں کی لوریاں، بزرگان دین کی جائز توصیف و تعریف، قطع مسافت کے لئے مسافروں کی وابستگی، خوشی و مسرت کے اظہار اور اسی قسم کے دوسرے مضامین کے حامل اشعار ترنم کے ساتھ پڑھنا یہ ناجائز نہیں ہے بلکہ ایک حد تک یہ مستحب ہے کیونکہ یہ نیک و با مقصد اعمال کے لئے موجب نشاط ہے۔

جو لوگ غنا کی اباحت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ غنا اور سماع اکثر صحابہ، تابعین، محدثین اور علماء دین سے جو اصحاب زہد و تقویٰ ہیں، سے منقول ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ غنا کی حرمت و کراہت کے سلسلہ میں ائمہ یا بعض اکابر سے جو سخت الفاظ منقول ہیں وہ دراصل اس غنا پر محمول ہیں جس میں فحش مضامین یا ان سے غیر شرعی چیزوں مثلاً مزامیر وغیرہ کا ارتباط ہوتا ہو۔ یہ بات ان حضرات کی جانب سے اسی لئے کہی جاتی ہے تاکہ ائمہ اور علماء کے قول و فعل میں تطبیق ہو جائے کیونکہ ان سے بھی غنا کا سننا منقول ہے۔

پہلے زمانہ کے بزرگوں اور مشائخ اور بعد کے بزرگوں اور مشائخ کے اقوال و افعال کے درمیان بھی اختلاف ہے چنانچہ پہلے زمانہ کے مشائخ جو راہ طریقت کے پیش رو اور راہنما ہیں اس سے اجتناب کرتے تھے مگر بعد کے بعض مشائخ سے سماع کی ابتدا ہوئی ہے اس سلسلہ میں پہلے زمانہ کے مشائخ کے قول و فعل کے بارہ میں اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ حمادؒ ویاس جو اپنے وقت کے امام طریقت اور سلسلہ قادریہ کے ایک جلیل القدر شیخ تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لئے جا رہے تھے کہ راستہ میں اچانک ان کے کان میں گانے کی آواز پہنچی، فوراً رک گئے اور فرمایا کہ آج مجھ سے کون سا ایسا گناہ سرزد ہوا ہے جس کی سزا میں مجھے اس میں مبتلا کیا گیا ہے؟ بہت دیر تک غور کرتے رہے مگر ایسی کوئی بات محسوس نہیں ہوئی جس سے یہ سمجھتے کہ فلاں گناہ ہوا ہے۔ جب گھر واپس آئے تو پھر تحقیق شروع کی۔ بہت دیر کے بعد معلوم ہوا کہ ایک تصویر دار پیالہ خرید لیا تھا۔ فرمایا یہی سبب ہے جس کی وجہ سے میں اس سزا میں گرفتار ہوا (کہ گانے کی آواز میرے کان میں پہنچی)۔

حضرت غوث الاعظمؒ کے قول و ارشادات دیکھنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوفؒ بھی اس کو مکروہ جانتے تھے حضرت شبلیؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ ان سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ ”غنا جائز ہے؟“ انہوں نے پوچھا کہ ”کیا غنا حق ہے؟“ (یعنی اس میں غیر شرعی و غیر اخلاقی مضامین مذکور نہیں ہیں) لوگوں نے کہا کہ ”نہیں!“ فرمایا کہ ”اگر وہ حق نہیں ہے تو پھر گمراہی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ اس کے مکروہ ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ اس کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ طبیعت میں انتشار، خواہشات نفسانی میں ہیجان اور عورتوں کی طرف میلان ہوتا ہے بلکہ اس میں نفس امارہ کی رعوت و خوشی، عقل کی سبکی اور دنائت کا اظہار بھی ہے۔ البتہ خدا کے ذکر اور اس کی یاد میں مشغول ہو جانا ہر اس شخص کے لئے جو خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا ہے سب سے بہتر ہے۔“

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ جو سلسلہ شاذلیہ کے امام اور پیشوا ہیں فرماتے ہیں کہ ”جو لوگ سماع میں مشغول ہوتے ہیں اور ظالموں کے یہاں کھانا کھاتے ہیں ان میں یہودیت کا ایک حصہ شامل ہے جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سَمَاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْثَرُونَ لِلسُّخْتِ

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ سماع کے کئی درجہ ہیں۔ ① نوجوانوں کے لئے حرام محض ہے کیونکہ نوجوانوں کے مزاج و طبیعت پر خواہشات نفسانی کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے سماع ان کے لئے بجائے کوئی اچھا اثر مرتب کرنے کے ان کی خواہشات نفسانی میں اور زیادہ انتشار و ہیجان پیدا کرتا ہے۔ ② اس شخص کے لئے مکروہ ہے جو اکثر اوقات بطریق لہو و لعب کے سماع میں مشغول رہے۔ ③ اس شخص کے لئے مباح ہے جو محض ترنم اور خوش گلوئی سے دلچسپی رکھتا ہے۔ ④ اس شخص کے لئے مندوب ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہو اور سماع اس کے لئے صرف اچھے اثرات مرتب کرے

مشائخ چشتیہ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ سماع سے دلچسپی رکھتے تھے مگر ان کی دلچسپی آداب و شرائط کے حدود کے اندر ہوتی تھی چنانچہ وہ حضرات اکثر و بیشتر خلوت میں سماع سنتے تھے جہاں نہ تو غیر ہوتے تھے اور نہ نامحرم۔ حضرت شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے

بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی سماع سنتے تھے لیکن ان کی مجلس سماع مزامیر و قوالی جیسی لغویات سے پاک ہوتی تھی۔ ”بہر حال مطلب یہ ہے کہ جو صوفیہ سماع کے قائل ہیں ان کے یہاں یہ کلیہ مقرر ہے کہ سماع صرف ”اہل دل“ کے لئے مباح ہے۔ چنانچہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ سماع کے آداب و شرائط مقرر کئے ہیں بلکہ یہ بھی بتا دیا ہے کہ سماع سننے کا اہل کے کہا جاسکتا ہے۔ اور ایسے ہی سماع کی ممانعت کے سلسلہ میں فقہاء اور اکابر اولیاء اللہ کے جو الفاظ منقول ہیں ان کا تعلق اس نغمہ سرور سے ہے جس کے ساتھ غیر مشروع چیزیں مثلاً مزامیر وغیرہ کی آمیزش ہو اور جس کی بنیاد محض خواہشات نفسانی اور لہو و لعب ہو اور نہ تو فی نفسہ خوش گلوئی ممنوع نہیں ہے کیونکہ وہ مباح الاصل ہے۔

پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس طرح خوش گلوئی کے اندر مفاسد ہیں اسی طرح مصالح خیر بھی ہیں مثلاً نغمہ و ترنم سخت دل کو نرم کرتا ہے اور عبادت میں ذوق و شوق اور حلاوت و خشوع پیدا کرتا ہے تاہم اس کے باوجود نغمہ و ترنم پر مداومت اکابر سلف کے طریقہ اتباع سے بعید ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص اس پر مداومت کرے گا وہ اس کی دلچسپی کو عبادت و ریاضت پر ترجیح دینے لگے گا اور شیطان کا مکر و فریب اسے اس راستہ سے اپنے جال میں پھنسا کر اطاعت و شریعت کی اہمیت کو اس کی نظر میں کم کر دے گا جس کی وجہ سے وہ غلط راستہ پر بھٹکنے لگے گا۔ لہذا سماع بذاتہ تو مباح ہے لیکن غلط عوارض جیسے عورت و شراب کے ذکر، نامحرم غورتوں اور امرد کے گانے، مزامیر یعنی ڈھول و ہار مونیئم وغیرہ کی آمیزش، نفسانی خواہشات، سماع کی نااہلیت اور اس پر مداومت کی وجہ سے ممنوع ہے۔

چنانچہ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جو لوگ معرفت و حقیقت اور محبت و حال کے مدئی ہو کر اپنے ایک خاص جذبہ کی تسکین کی خاطر سماع میں مشغول ہو کر حقیقی ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریم وغیرہ سے محروم رہتے ہیں وہ اپنے نفس کے دھوکہ اور شیطان کے فریب میں مبتلا ہیں کہ وہ درحقیقت راہ راست سے ہٹ کر غلط راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے وہ روز بروز راہ دین و شریعت سے دور تر ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ دیگر عبادات میں کیا مشغول رہتے کہ ان کی نمازیں بھی بے روح ہو کر محض، نشست و برخاست کا ایک مجموعہ بن کر رہ گئی ہیں۔ اور نمازیں بھی جبراً اور ریاء کی وجہ سے یا مخلوق خدا کی نظروں میں بظاہر اپنی دینی و مذہبی زندگی کو نمایاں کرنے کے لئے پڑھتے ہیں۔ کاش انہیں سماع سے اس قدر دلچسپی نہ ہوتی صرف وہ نماز روزہ اور دیگر فرائض خلوص نیت کے ساتھ ادا کرتے تو ان کا دین تو کم سے کم بہار ہوتا۔ اس سلسلہ میں یہ صورت بھی ہے کہ آجکل جو لوگ سماع کے قائل ہیں ان کا سطح نظریہ ہے کہ فلاں بزرگ سماع سنتے تھے یا ہمارے فلاں پیشوا اس کے قائل تھے لہذا جب انہوں نے اسے اختیار کیا تو ہم بھی ان کی پیروی کرتے ہیں اور ان کی اتباع میں سماع کو جائز قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ بھی محض فریب نفس ہے کیونکہ اگر بزرگوں نے سماع کو اختیار کیا اور اس سے دلچسپی رکھی تو وہ ان کی حالت بے خودی اور غلبہ حال تھا، انہوں نے اگر سماع سنا ہے تو اس پر مداومت کی ہے بلکہ کبھی کبھی مصلحت کے پیش نظر سنا ہے۔ پھر یہ کہ ان کے یہاں مجالس سماع کی یہ جلوہ نگاری نہیں تھی بلکہ انہوں نے خلوت میں اور خلوص نیت کے ساتھ سنا ہے نیز انہوں نے ضروری قرار دے کر کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا ہے کہ بہر صورت اس پر عمل کیا جائے۔ پھر یہ کہ کہاں ان بزرگوں کا جذبہ حال و بے خودی اور اخلاص نیت اور کہاں ہمارے دور کی دنیاوی و نفسانی خواہشات اور فریب نفس؟ اب تو ان بزرگوں کی صرف اس بات کی تقلید ہے نہ ان کے صالح افکار کی اطاعت ہے اور ان کے نیک اعمال و مقدس زندگیوں کی پیروی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ ”بدنام کنندہ کونامے چند“۔

حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں سے نہ تو ان لوگوں کو کوئی حقیقی نسبت ہے اور نہ ان بزرگوں کا کوئی ان سے تعلق ہے۔ اور جو لوگ ان امور کو باپ دادا کی روایت سمجھ کر بغیر اہلیت کے اختیار کئے ہوئے ہیں ان کے حال پر یہ آیت کریمہ صادق آتی ہے کہ **إِنَّهُمْ الْفَوَّهَاءُ بَاءَهُمْ صَلَاتِنَ فَهُمْ عَلَىٰ أَثَارِهِمْ يُهَرَّغُونَ**۔ حاصل یہ ہے کہ آجکل جو یہ طریقہ رائج ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر عرس کے نام پر محض نمود و نمائش اور حب جاہ و شہرت کے

جذبہ سے جشن منایا جاتا ہے مجالس رقص و سرور منعقد ہوتی ہیں، قوالوں اور گولیوں کی جماعت اپنی قوالی اور ساز و سامان کے ساتھ بلائے اور بغیر بلائے صرف شہرت اور مال حاصل کرنے کے لئے آتی ہے۔ حاشا للہ! کہ پہلے زمانہ کے کسی بزرگ کا یہ طریقہ رہا ہوا اور کسی بزرگ نے آنکھ کی طرح یہ ڈھونگ رچائے ہوں؟؟

اور پھر غضب یہ کہ ان چیزوں کو مشائخ کے عرسوں میں قرب خدا کا ذریعہ سمجھا جانے لگا ہے ایسے لوگ غور کریں کہ انہوں نے گمراہی و ضلالت کا کیسا راستہ اختیار کر رکھا ہے یہ کون سی مذہبی اور دینی زندگی ہے؟ کاش یہ لوگ اپنے آپ کو متقی و پرہیزگار اور بزرگان دین کے شیدائی نہ کہتے اور اپنے جسم آزاد پر نام نہاد زہد و تقویٰ کا یہ جامہ تنگ مزین نہ کرتے۔

خوب اچھی طرح جان لیجئے کہ ایسے لوگوں کی شرعاً و دیناً نہ تو اطاعت واجب ہے اور نہ ان کی تعظیم ضروری ہے اس لئے کہ اگر ان لوگوں کی عزت و توقیر کی جائے گی تو اس طرح ان کے ان اعمال و افعال کی تائید و مدد ہوگی۔ خدا ہم سب کو بھی اسی راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جو اس نے اپنے پیغمبر رسول اکرم ﷺ کے ذریعہ ہمیں دکھایا ہے۔ آمین۔

آنحضرت ﷺ عید گاہ جانے سے پہلے کھجور تناول فرماتے تھے

⑧ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُو يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَأْكُلَ تَمْرَاتٍ وَيَاكُلُهُنَّ وَتَرًّا۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ کھجوریں تناول فرمائے بغیر عید گاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے اور کھجوریں طاق کھاتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آپ ﷺ عید کے روز عید گاہ جانے سے پیشتر کھجوریں نوش فرما کر گویا کھانے میں جلدی کرتے تھے تاکہ پہلے دنوں یعنی ایام رمضان میں امتیاز پیدا ہو جائے کیونکہ جس طرح رمضان میں نہ کھانا واجب ہے اسی طرح عید کے روز کھانا واجب ہے۔

آپ ﷺ کھجوریں طاق یعنی تین، پانچ، سات یا اس سے کم اور زیادہ تناول فرماتے تھے چونکہ ہر کام میں ”طاق“ کی رعایت رکھنا بہتر ہے اس لئے آپ ﷺ اس معاملہ میں بھی طاق کا لحاظ فرماتے تھے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ إِنَّ اللَّهَ وَتُرِّيْحُ الْوُثْرِ لِعَنِ اللَّهِ تَعَالَى طاق ہے اور طاق کو پسند فرماتا ہے۔

عید کے روز آپ ﷺ کھجوریں اس لئے نوش فرماتے تھے کہ وہی اس وقت موجود ہوتی تھیں۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ کھجوریں کھانے میں حکمت یہ تھی کہ وہ شرس ہوتی ہے اور شرنی تقویت بصر کا ذریعہ بنتی ہے خاص طور پر غلومعدہ کے وقت تو نگاہوں کی تقویت کے لئے یہ بڑی زود اثر ہوتی ہے لہذا روزوں کی وجہ سے جو ضعف ہو جاتا تھا کھجوریں اپنے اثرات سے اسے ختم کرتی تھیں۔ پھر یہ کہ شیرینی مقصداً ایمان کے موافق ہے۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ جو شخص خواب میں شیرینی کھاتے دیکھے اسے حلاوت ایمان نصیب ہوگی۔ نیز شیرینی دل کو نرم کرتی ہے اس سبب سے شیرینی کے ساتھ افطار کرنا افضل ہے۔

آنحضرت ﷺ عید گاہ ایک راستہ سے جاتے اور دوسرے راستہ سے واپس آتے

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمَ عِيدٍ خَالَفَ الظَّرْفَيْنِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب عید کا روز ہوتا تو سر تاج دو عالم ﷺ راستوں میں فرق کرتے۔“ (بخاری)

تشریح: یعنی عید گاہ ایک راستہ سے تشریف لے جاتے اور دوسرے راستہ سے واپس آتے اور اس کی حکمت یہ تھی تاکہ دونوں راستے اور دونوں راستوں پر رہنے والے جن و انس عبادت کی گواہی دیں۔ اس کے علاوہ اور کئی وجوہ بھی علماء نے لکھی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ

یہ سب احتمال کے درجہ میں ہیں۔ علماء نے اپنے اپنے فہم کے مطابق اس کی وجہیں بیان کی ہیں۔ اصل حقیقت اور وجہ کیا تھی؟ یہ اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔

قربانی کا وقت

(۱۰) وَعَنِ النَّبَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ التَّحْرِ فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدُ أَبَهُ فِي يَوْمِنَا هَذَا نُصَلِّي ثُمَّ تَرْجِعُ فَتَسْحَرُ فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ فَإِنَّمَا هُوَ شَاةٌ لَحْمٍ عَجَلَةٌ لَا هِلَةَ لَيْسَ مِنَ التَّسْلُكِ فِي شَيْءٍ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت براءؓ راوی ہیں سر تاج دو عالم ﷺ نے یوم النحر (یعنی بقر عید کے دن) ہمارے سامنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ ”اس دن سب سے پہلا کام جو ہمیں کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم (عید الاضحیٰ کی) نماز پڑھیں پھر گھر واپس جائیں اور قربانی کریں، لہذا جس شخص نے اس طرح عمل کیا (کہ قربانی سے پہلے نماز و خطبہ سے فراغت حاصل کر لی) اس نے ہماری سنت کو اختیار کیا اور جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کر لی وہ قربانی نہیں ہے بلکہ وہ گوشت والی بکری ہے جسے اس نے اپنے گھروالوں کے لئے جلدی ذبح کر لیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نماز سے پہلے قربانی کر لینے سے قربانی کا ثواب نہیں ملتا بلکہ اس کا شمار اس گوشت میں ہو جاتا ہے جو روزانہ گھر والے کھاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مشروع یہ ہے کہ پہلے عید قربانی کی نماز پڑھی جائے اس کے بعد خطبہ پڑھا جائے اور سنا جائے پھر قربانی کی جائے چونکہ حدیث بالا میں قربانی کا وقت پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس لئے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ عید قربان کے دن طلوع فجر سے پہلے قربانی جائز نہیں۔ البتہ طلوع فجر کے بعد قربانی کا وقت شروع ہونے کے سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ جب آفتاب بقدر نیزہ بلند ہو جائے اور اس کے بعد کم از کم دو رکعت نماز اور دو مختصر خطبے کی بقدر وقت گزر جائے تو قربانی کا وقت شروع ہوتا ہے اس کے بعد قربانی کرنا جائز ہے خواہ بقر عید کی نماز ہو چکی ہو یا نہ ہو۔ اس وقت سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے خواہ قربانی کرنے والا شہر میں رہتا ہو یا دیہات کا رہنا والا ہو، نیز امام شافعیؒ کے نزدیک قربانی کا وقت تیرہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قربانی کا وقت شہر والوں کے لئے عید قربان کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے اور دیہات والوں کے لئے طلوع فجر کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے۔ ان کے یہاں قربانی کا آخری وقت بارہویں تاریخ کے آخر تک رہتا ہے۔

قربانی واجب ہے یا سنت: حضرت امام شافعیؒ کے یہاں قربانی واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے اگرچہ نصاب نای نہ ہو۔

(۱۱) وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ النَّجَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ حَتَّى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللَّهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت جندب ابن عبد اللہ نجلیؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ”جو شخص (قربانی کا جانور) عید قربان کی نماز سے پہلے ذبح کر دے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے بدلے (قربانی کیلئے) دوسرا جانور ذبح کرے اور جو شخص نماز پڑھنے تک ذبح نہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ (نماز کے بعد) اللہ تعالیٰ کے نام پر (قربانی کا جانور) ذبح کر دے“ (یہ قربانی درست ہوگی جس کا ثواب اسے ملے گا۔“ (بخاری و مسلم)

(۱۲) وَعَنِ النَّبَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت براءؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے (قربانی کا جانور) نماز سے پہلے ذبح کیا تو گویا اس نے اپنے (محض کھانے کے) واسطے ذبح کیا (اس لئے اسے قربانی کا ثواب حاصل نہیں ہوا) جس شخص نے نماز کے بعد ذبح کیا تو بلاشبہ اس کی قربانی ادا ہو گئی اور (اس طرح) اس نے مسلمانوں کے طریقے کو اپنایا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جمہور علماء کا مسلک یہی ہے مگر تعجب ہے کہ اتنی واضح اور صحیح احادیث کے باوجود حضرت امام شافعیؒ نے نہ معلوم کیوں جمہور علماء کے مسلک کے خلاف یہ کہا کہ قربانی کا وقت شروع ہو جانے کی بعد قربانی کر لینی جائز ہے۔ خواہ نماز ہو چکی ہو یا نہ ہو جیسا کہ ابھی پیچھے ان کا مسلک نقل کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ عید گاہ میں قربانی کرتے تھے

(۱۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُضَلَّى - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ عید گاہ میں ذبح اور نحر کرتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: بکری، دنبہ، بھیڑ، گائے بھینس اور اونٹ یہ جانور خواہ نہ ہوں یا مادہ، ان کے علاوہ دوسرے جانوروں کی قربانی جائز نہیں، اونٹ کے علاوہ بقیہ جانوروں کے حلال کرنے کو ”ذبح“ کہتے ہیں، اور اونٹ کے حلال کرنے کو ”نحر“ کہتے ہیں نحر کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے اس کے سینہ میں نیزہ مارا جاتا ہے جس سے وہ گر پڑتا ہے۔ اگرچہ اونٹ کو ذبح کرنا بھی جائز ہے لیکن نحر افضل ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

مسلمانوں کے لئے خوشی کے دودن

(۱۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا فَقَالَ مَا هَذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوا كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَبَدَ لَكُمْ اللَّهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ - (رواہ ابو داؤد)

”حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ نے دودن مقرر کر رکھے تھے جن میں وہ لہو و لعب کرتے (اور خوشیاں مناتے) تھے، آپ ﷺ نے (یہ دیکھ کر) پوچھا کہ ”یہ دودن کیسے ہیں؟“ صحابہ نے عرض کیا کہ ”ان دونوں دنوں میں ہم زمانہ جاہلیت میں کھلا کودا کرتے تھے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان دونوں دنوں کے بدلے ان سے بہتر دودن مقرر کر دیے ہیں اور وہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن ہیں۔“ (ابو داؤد)

تشریح: زمانہ جاہلیت میں اہل مدینہ کے لئے دودن مقرر تھے جن میں وہ لہو و لعب میں مشغول ہوتے تھے اور خوشیاں منایا کرتے تھے ان میں سے ایک دن ”نوروز“ تھا اور دوسرا دن ”مہرجان“۔ نوروز کے دن آفتاب برج حمل میں جاتا ہے اور مہرجان کے دن برج میزان میں داخل ہوتا ہے۔ چونکہ ان دونوں دنوں میں آب و ہوا معتدل ہوتی ہے۔ اور رات برابر ہوتے ہیں اس لئے ان دنوں کو حکمانے خوشی منانے کی لئے مقرر کر لیا تھا چنانچہ وہی رسم لوگوں میں چلی آتی تھی۔ یہاں تک کہ جب اہل مدینہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو شروع میں پرانی عادت کے مطابق ان دنوں میں پہلے زمانہ کی طرح خوشی منایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے جب ان دنوں کی حقیقت دریافت فرمائی تو وہ اس کی کوئی حقیقت بیان نہ کر سکے صرف اتنا بتا سکے کہ پرانے زمانے سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے اور ان دنوں میں ہم اسی طرح خوشی مناتے چلے آتے ہیں، تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دنوں سے ہمیں اب کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دنوں

سے بہتر ہمیں عیدین کے دو دن عنایت فرمادیے ہیں تم ان بابرکت دنوں میں خوشی منا سکتے ہو۔ گویا اس طرح آپ ﷺ نے ایک طرف تو یہ اشارہ فرمایا کہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ حقیقی عید اور خوشی عبادت کے دن منائے۔ لہذا اس حدیث میں عیدین کے دن لہو و لعب میں مشغول ہونے کی ممانعت ہے۔ دوسری طرف یہ اشارہ خفی ہے کہ عیدین میں بہت معمولی طریقہ پر کھیل کوو اور اس انداز اور اس طریقہ سے خوشی منانا کہ جس میں حدود شریعت سے تجاوز اور فحاشی نہ ہو جائز ہے۔

یہ حدیث نہایت طبع انداز میں یہ بتا رہی ہے کہ غیر مسلموں کے تہوار کی تعظیم کرنا اور ان میں خوشی منانا، نیز ان کی رسموں کو اپنانا ممنوع ہے نیز یہ حدیث غیر مسلموں کی عید و تہوار میں شرکت و حاضری کی ممانعت کو بھی ظاہر کر رہی ہے۔ بعض علماء نے تو اسے اتنا سخت جانا ہے کہ اس عمل پر کفر کا حکم لگایا ہے چنانچہ ابو حفص کبیر خفی فرماتے ہیں کہ جو شخص نوروز کی عظمت و توقیر کے پیش نظر اس دن مشرکوں کو تحفہ میں انڈا بھیجے (جیسا کہ اس روز مشرکین کا طریقہ ہے) تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کے تمام اعمال نابود ہو جاتے ہیں۔

حضرت قاضی ابوالحسن ابن منصور خفی کا قول ہے کہ ”اگر کوئی اس دن وہ چیزیں خریدے جو دوسرے دنوں میں نہیں خریدتا ہے (جیسا کہ ہمارے یہاں دیوالی کے روز پھیلیں اور مٹھائی کے بنے ہوئے کھلونے وغیرہ خریدے جاتے ہیں) یا اس دن کسی کو تحفہ بھیجتا ہے اور اس سے اس کا مقصد اس دن کی تعظیم ہو جیسا کہ مشرک اس دن کی تعظیم کرتے ہیں تو وہ شخص کافر ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی شخص محض اپنے استعمال اور فائدہ اٹھانے یا حسب عادت کسی کو ہدیہ بھیجنے کی نیت سے خریدتا ہے۔ تو کافر نہیں ہوتا لیکن یہ بھی مکروہ ہے لیکن اس طرح کافروں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اس لئے اس سے بھی احتراز کرنا چاہیے۔

اس طرح اگر کوئی شخص عاشورہ کے دن خوشی مناتا ہے تو خوارج کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور اگر اس دن غم و الم ظاہر کرنے والی چیزیں اختیار کرتا ہے تو روافض کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے لہذا ان دونوں باتوں سے بچنا چاہئے۔ یہ بات بھی جان لیجئے کہ نوروز کی عظمت و توقیر کے سلسلہ میں روافض مجوسیوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ اسی دن حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے تھے اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی خلافت منعقد ہوئی تھی۔

فتاویٰ ذخیرہ میں لکھا ہے کہ جو شخص ہولی اور دیوالی دیکھنے کے لئے بطور خاص نکلتا ہے وہ حدود کفر سے قریب ہو جاتا ہے کیونکہ اسی میں اعلان کفر ہوتا ہے لہذا ایسا شخص گویا اپنے عمل سے کفر کی مدد کرتا ہے اسی پر ”نوروز“ دیکھنے کے لئے نکلنے کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ بعض مسلمان ایسا کرتے ہیں۔ یہ بھی موجب کفر ہے۔

”تجنیس“ میں مذکور ہے کہ ہمارے مشائخ اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جس شخص نے اہل کفار کے معتقدات و معاملات میں سے کسی چیز کے اچھا ہونے کا اعتقاد رکھا تو وہ حدود کفر میں داخل ہو جائے گا۔ اسی پر اس مسئلہ کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے اہل ہوا و ہوس انسان مثلاً شریعت کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرنے والے نام نہاد صوفیاء کے کسی کلام یا کسی قول کے بارہ میں اچھا خیال رکھے اور یہ کہے کہ یہ کلام معنوی ہے یا یہ کہے کہ فلاں قول ایسا ہے جس کے معنی صحیح ہیں تو اگر حقیقت میں وہ کلام و قول کفر آمیز ہو تو اس کے بارہ میں اچھا عقیدہ رکھنے والا اور اسے صحیح کہنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ”نواور الفتاویٰ“ میں منقول ہے کہ جو شخص غیر مسلموں کی رسومات کو اچھا جانے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ ”عمدة الاسلام“ میں لکھا ہے کہ جو شخص کافروں کی رسومات ادا کرے مثلاً نئے مکان میں بیل اور گائے اور گھوڑے کو زرد و سرخ رنگ کرے یا بندھن دار باندھے تو کافر ہو جاتا ہے۔“

حاصل یہ کہ ان معتقدات و رسومات سے قطعاً احتراز کرنا چاہئے جن سے اسلام اور شریعت کا دور کا بھی واسطہ ہو بلکہ ان کی بنیاد خالص غیر اسلامی و غیر شرعی چیزوں پر ہے۔

عید میں نماز سے پہلے اور بقر عید میں نماز کے بعد کھانا پینا چاہئے

(۱۵) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَظْعَمَ وَلَا يَنْظَعُ يَوْمَ الْأَضْحَى حَتَّى

یُصَلِّي - (رواہ الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ عید کے دن بغیر کچھ کھائے پئے عید گاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ اور بقر عید کے دن بغیر نماز پڑھے کچھ نہیں کھاتے پیتے تھے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: عید کے روز نماز سے پہلے کھانے پینے کا سبب گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ بقر عید کے روز آپ غریاء و مساکین کا ساتھ دینے اور ان کی دلجوئی کی خاطر بقر عید کی نماز کے بعد ہی کچھ تناول فرماتے تھے۔ کیونکہ غریاء و مساکین کو تو کچھ کھانا پینا اسی وقت نصیب ہوتا تھا جب قربانی ہو جاتی اور اس کا گوشت ان لوگوں میں تقسیم ہو جاتا اس لئے آپ ان کی وجہ سے خود بھی کھانے پینے میں تاخیر فرماتے تھے۔

تکبیرات عیدین

(۱۶) وَعَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثَّرَ فِي الْعِيدَيْنِ فِي الْأُولَى سَبْعًا قَبْلَ الْفَوَاةِ - (رواہ الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت کثیر ابن عبد اللہ اپنے والد سے اور وہ کثیر کے دادا سے (یعنی اپنے والد کرم) سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قرات سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پہلی رکعت میں قرات سے پہلے تحریمہ اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ سات تکبیریں کہیں۔ اسی طرح دوسری رکعت میں قیام اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ پانچ تکبیریں کہیں۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا اسی پر عمل ہے اس سلسلہ میں مفصل بحث آگے آرہی ہے۔

(۱۷) وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ مَرْسَلًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ كَثَرُوا فِي الْعِيدَيْنِ وَالْإِسْتِغْفَاءِ سَبْعًا وَخَمْسًا وَصَلُّوا قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَجَهَرُوا بِالْقِرَاءَةِ - (رواہ الشافعی)

”اور حضرت جعفر ابن محمد مرسل روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ عیدین اور استغفاء کی نماز میں سات اور پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے اور (عیدین و استغفاء کی) نماز خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے، نیز قرات بآواز بلند پڑھتے تھے۔“ (شافعی)

تشریح: ”جعفر“ سے مراد امام جعفر صادق ابن محمد باقر ابن علی یعنی امام زین العابدین ابن حضرت امام حسینؓ ابن حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ سات اور پانچ کی وضاحت حدیث بالا تاکید کی ہے کہ پہلی رکعت میں قرات سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرات سے پہلے پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے، یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

(۱۸) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا مُوسَى وَحَدِيثَهُ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ فَقَالَ أَبُو مُوسَى كَانَ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا تَكْبِيرَةً عَلَى الْجَنَائِزِ فَقَالَ حَدِيثُهُ صَدَقَ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت سعید ابن عاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو موسیٰ و حضرت حذیفہؓ سے سوال کیا کہ رسول کریم ﷺ عید و بقر عید کی نماز میں کتنی تکبیریں کہتے تھے؟ تو حضرت ابو موسیٰ نے جواب دیا کہ ”جس طرح آپ ﷺ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے اسی طرح عیدین کی نماز میں بھی چار تکبیریں کہا کرتے تھے“ حضرت حذیفہؓ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”ابو موسیٰؓ نے سچ کہا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حضرت ابو موسیٰؓ کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آپ ﷺ نماز جنازہ میں پڑھتے وقت چار تکبیریں کہا کرتے تھے اسی طرح آپ ﷺ عیدین کی نماز میں بھی ہر رکعت میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اس طرح کہ پہلی رکعت میں تو قرات سے پہلے تکبیر تحریمہ سمیت چار تکبیریں کہتے تھے اور دوسری رکعت میں قرات کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں کہتے تھے۔

اس سلسلہ میں یہ بات جان لینی چاہئے کہ تکبیرات عید کے سلسلہ میں متضاد احادیث منقول ہیں اسکی وجہ سے ائمہ کے مسلک میں بھی اختلاف ظاہر ہوا ہے چنانچہ تینوں اماموں کے نزدیک عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے ہاں تو پہلی رکعت میں سات تکبیریں مع تکبیر تحریمہ کے ہیں اور اسی طرح دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام سمیت ہیں جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیریں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قیام کے علاوہ ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ تین تکبیریں پہلی رکعت میں اور تکبیر رکوع کے علاوہ تین تکبیریں دوسری رکعت میں ہیں جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز اسی کو حضرت ابن مسعودؓ نے بھی اختیار کیا ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق حضرت ابن عباسؓ کا مسلک ہے یہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن سے حضرت امام شافعیؒ استدلال کرتے ہیں تو ان کی صحت و ضعف اور ان کی اسناد و طرق کے بارہ میں بہت زیادہ اعتراضات ہیں جس کو یہاں نقل کرنے کا موقع نہیں ہے۔ علماء حنفیہ اپنے مسلک کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ تکبیرات عیدین کے سلسلہ میں جب متضاد و مختلف احادیث سامنے آئیں تو ہم نے ان میں سے ان احادیث کو اپنا معمول بہ قرار دیا جن میں تکبیرات کی تعداد کم منقول تھی کیونکہ عیدین کی زائد تکبیریں اور رفع یدین بہر حال خلاف معمول ہیں اس لئے کم تعداد کا اختیار کرنا ہی اولیٰ ہوگا۔

امام خطبہ دیتے وقت عصا وغیرہ کا سہارا لے لے

(۱۹) وَعَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُؤُولُ يَوْمَ الْعِيدِ قَوْسًا فَخَطَبَ عَلَيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت براءؓ راوی ہیں کہ عید کے دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کمان پیش کی گئی چنانچہ آپ ﷺ نے اس کا سہارا لے کر خطبہ ارشاد فرمایا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح عصا وغیرہ ٹیک کر خطبہ پڑھا جاتا ہے اسی طرح آپ ﷺ نے عصا کی بجائے کمان ٹیک کر اس کے سہارے خطبہ ارشاد فرمایا۔

(۲۰) وَعَنْ عَطَاءٍ مُزَسَّلًا أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَطَبَ يَعْتَمِدُ عَلَى عِزَّتِهِ اعْتِمَادًا۔ (رواہ الثانی)

”اور حضرت عطاءؓ بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو اپنے نیزے پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے۔“ (شافعی)

(۲۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلَاةَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمٍ عِيدٍ فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَامَ مُتَكِنًا عَلَى بِلَالٍ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَوَعِظَ النَّاسَ وَذَكَرَهُمْ وَحَثَّهُمْ عَلَى طَاعَتِهِ وَمَضَى إِلَى التَّسَاءُ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَأَمَرَهُنَّ بِتَقْوَى اللَّهِ وَوَعِظَهُنَّ وَذَكَرَهُنَّ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ عید کے دن نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز میں شریک ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے اذان و تکبیر کے بغیر خطبہ سے پہلے نماز شروع فرمائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو خطبہ کے لئے حضرت بلالؓ کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تعریف بیان فرمائی۔ لوگوں کو نصیحت کی اور انہیں عذاب و ثواب (کے احکام یاد دلانے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کی ترغیب دلائی۔ پھر آپ ﷺ عورتوں کی جماعت کی طرف متوجہ ہوئے حضرت بلالؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے (وہاں بھی) آپ ﷺ نے عورتوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا، ان کو نصیحت کی اور انہیں عذاب و ثواب (کے احکام یاد دلانے۔“ (نسائی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطیب کے لئے مناسب ہے کہ وہ خطبہ دیتے وقت کسی چیز مثلاً تلوار، کمان برجمی، عصا یا کسی آدمی کا

سہارا لے کر کھڑا ہو۔

عید گاہ جانے کا طریقہ

(۲۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيدِ فِي طَرِيقٍ رَجَعَ فِي غَيْرِهِ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب عید کے دن (عید گاہ) ایک راستہ سے تشریف لے جاتے تو واپس دوسرے راستہ سے ہوتے تھے۔“ (ترمذی، دارمی)

تشریح: عید گاہ جانے کے لئے ایک راستہ اختیار کرنا اور واپسی کے لئے دوسرا راستہ اختیار کرنا مسنون ہے، اس کی حکمت اسی باب کی فصل میں ایک حدیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کی جا چکی ہے۔

عید گاہ جاتے ہوئے۔ راستہ میں یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد پڑھتے رہنا چاہئے۔ صاحبین کے نزدیک تو عید و بقر عید دونوں موقع پر راستہ میں یہ تکبیر بلند آواز سے پڑھنی چاہئے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عید میں تو یہ تکبیر آہستہ آواز سے۔ اور بقر عید میں بلند آواز سے پڑھنا چاہئے۔

عذر کی وجہ سے عیدین کی نماز شہر کی مسجد میں پڑھی جاسکتی ہے

(۲۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ أَصَابَتْهُمْ مَطَرٌ فِي يَوْمٍ عِيدٍ فَصَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ - (رواہ ابو داؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) عید کے دن بارش ہونے لگی تو نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کو مسجد میں نماز پڑھائی۔“

(ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ عیدین کی نماز شہر سے باہر جنگل میں ادا فرماتے تھے مگر جب بارش ہوتی تو آپ ﷺ مسجد نبوی ہی میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ عیدین کی نماز جنگل میں (یعنی عید گاہ میں) ادا کرنا افضل ہے۔ ہاں کوئی عذر پیش آجائے تو پھر شہر کی مسجد میں ادا کی جاسکتی ہے۔

اس سلسلہ میں اہل مکہ کے لئے مسئلہ یہ ہے کہ وہ عیدین کی نماز مسجد حرام ہی میں ادا کریں جیسا کہ آجکل عمل ہے اسی طرح اہل مدینہ بھی عیدین کی نماز مسجد نبوی ہی میں پڑھتے ہیں۔

عیدین کی نماز تاخیر سے اور بقر عید کی نماز جلدی پڑھ لینی چاہئے

(۲۴) وَعَنْ أَبِي الْخُوَيْرِثٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى عُمَرَو بْنِ حَرْمٍ وَهُوَ بَنُجْرَانٌ عَجَلِ الْأَضْحَى وَآخِرَ الْفِطْرِ وَذَكَرَ النَّاسَ - (رواہ الشافعی)

”اور حضرت ابی الخویرثؓ راوی ہیں کہ رسول کریم نے حضرت عمر بن حزم کو جو نجران میں تھے یہ حکم لکھ کر بھیجا کہ بقر عید کی نماز جلدی اور عید کی نماز تاخیر سے ادا کرو (خطبہ میں) لوگوں کو بندہ نصیحت کرو۔“ (شافعی)

تشریح: نجران ایک شہر کا نام ہے آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو ابن حزمؓ کو وہاں کا عامل بنا کر بھیجا تھا جب کہ ان کی عمر صرف سترہ سال تھی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ احکام لکھ کر بھیجے تھے تاکہ وہ اس پر عمل کریں۔ بقر عید کی نماز جلدی ادا کر لینے کے لئے اس واسطے فرمایا تاکہ لوگ نماز سے جلدی فارغ ہو کر قربانی وغیرہ میں مشغول ہو جائیں۔ اس طرح عید کی نماز تاخیر سے ادا کرنے کے لئے اس واسطے فرمایا تاکہ لوگ نماز سے پہلے صدفہ فطر ادا کر لیں۔

چاند کی شہادت زوال کے بعد آئے تو عید کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے

(۲۵) وَعَنْ أَبِي عُمَيْرٍ بْنِ أَنَسٍ عَنْ عُمُومَةٍ لَهُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَكْبًا جَاءُوا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْهَدُونَ أَنَّهُمْ رَأَوْا الْهَلَالَ بِالْأَمْسِ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يُفْطِرُوا وَإِذَا أَصْبَحُوا أَنْ يَغْدُوَ إِلَى مُصَلَّاهُمْ۔ (رواہ ابو داؤد و النسائی)

”اور حضرت عمیر بن انس اپنے چچاؤں سے جو نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے تھے، نقل کرتے ہیں کہ ”ایک قافلہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ شہادت دی کہ انہوں نے کل عید کا چاند دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو افطار کا حکم دیا اور فرمایا کہ صبح عید گاہ جائیں۔“ (ابو داؤد و نسائی)

تشریح: رمضان کی تیسویں شب یعنی انیس تاریخ کو اہل مدینہ نے عید کا چاند نہیں دیکھا چنانچہ انہوں نے تیس تاریخ کو روزہ رکھا۔ اتفاق سے اسی روز ایک قافلہ باہر سے مدینہ آیا اور اس نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اس بات کی شہادت دی کہ ہم نے کل چاند دیکھا۔ آپ ﷺ نے اس قافلہ کی شہادت کو ماننے ہوئے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کر دیں۔ اور چونکہ چاند ہونے کی یہ شہادت زوال آفتاب کے بعد آئی تھی اور نماز عید کا وقت نہ رہا تھا۔ جیسا کہ ایک روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ انہم قدموا اخر النهار (یعنی قافلہ دن کے آخری حصہ میں مدینہ پہنچا تھا) آپ ﷺ نے نماز عید کے بارہ میں یہ حکم دیا کہ کل صبح ادا کی جائے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا اسی پر عمل ہے کہ آفتاب بلند ہونے کے بعد نماز عید کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور زوال آفتاب تک رہتا ہے۔

شرح نیہ میں لکھا کہ ”اگر کوئی ایسا عذر پیش آجائے جو عید الفطر کے روز زوال آفتاب سے پہلے نماز عید کی ادائیگی کے لئے مانع ہو تو عید کی نماز اس روز پڑھنے کی بجائے دوسرے روز زوال آفتاب سے پہلے ادا کر لی جائے۔ اگر دوسرے دن بھی کوئی عذر نماز کی ادائیگی کے لئے مانع ہو تو پھر نماز نہ پڑھی جائے۔“

بخلاف بقر عید کی نماز کے کہ اگر اس کی ادائیگی کے لئے کوئی عذر پہلے اور دوسرے روز مانع ہو تو تیسرے روز بھی اس کی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ ویسے بقر عید کی نماز میں بلا عذر بھی دوسرے یا تیسرے دن تک تاخیر جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

الفصل الثالث

عیدین کی نماز میں اذان و تکبیر نہیں ہے

(۲۶) عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْأَضْحَى ثُمَّ سَأَلْتُهُ يُعْنَى عَطَاءٌ بَعْدَ حِينَ عَنْ ذَلِكَ فَأَخْبَرَنِي قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ لَا أَذَانَ لِلصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ حِينَ يَخْرُجُ الْإِمَامُ وَلَا بَعْدَ مَا يَخْرُجُ وَلَا إِقَامَةً وَلَا نِدَاءً وَلَا شَيْءَ لَا نِدَاءَ يَوْمَ مِثْلِهِ وَلَا إِقَامَةً۔ (رواہ مسلم)

”ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ عطاءؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابر ابن عبد اللہؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ”نہ تو عید کے دن (نماز عید کے لئے) اذان دی جاتی تھی اور نہ بقر عید کے دن“ ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ ”کچھ مدت کے بعد پھر میں نے دوبارہ عطاء سے یہی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ”مجھے حضرت جابر ابن عبد اللہؓ نے بتایا ہے کہ عید کے دن نماز عید کے لئے اذان نہیں ہے نہ تو امام کے باہر آنے کے وقت اور نہ امام کے باہر آجانے پر، اور نہ تکبیر ہے اور نہ نداء ہے اور نہ کچھ اور، اس دن نہ نداء ہے نہ تکبیر۔“ (مسلم)

تشریح: ابن جریجؒ نے یا تو عطاء سے دوبارہ اس مسئلہ کی تفصیل معلوم کی ہوگی یا بعینہ وہی مسئلہ پوچھا ہوگا۔ بہر حال عطاء نے دوسری مرتبہ

کے جواب میں صرف عید الفطر کا ذکر کیا عید الاضحیٰ کا نہیں، وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ یہ سمجھے کہ صرف عید الفطر کا ذکر کر دینا ہی کافی ہے سائل عید الفطر پر عید الاضحیٰ کو بھی قیاس کر لے گا۔

”نداء“ سے ”الصلوة الصلوة“ یا اس طرح کہ دوسرے الفاظ جو نماز کی اطلاع دینے کے لئے استعمال کئے جائیں کہنا مراد ہے ”لانداء“ کے بعد لفظ ”لا شئی“ لانداء کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے، پھر اس کے بعد حدیث کے آخری الفاظ لانداء ایومندولا اقامة بھی تاکید کے لئے دوبارہ استعمال کئے گئے ہیں۔ (شیخ عبدالحق)

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ لفظ ”لانداء“ اول سے آخر تک پہلے جملہ کی تاکید ہے اور مناسب یہ ہے کہ لفظ نداء سے اذان مراد لی جائے کیونکہ عیدین کے موقع پر اذان و تکبیر کی بجائے الصلوة جامعہ پکار کر کہنا تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ گویا حضرت شیخ عبدالحقؒ کے قول کے مطابق حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ عیدین کی نماز کے لئے جس طرح اذان و تکبیر مشروع نہیں ہے اسی طرح نماز کی اطلاع کے لئے کوئی اور لفظ مثلاً ”الصلوة جامعہ“ پکارنا بھی مشروع نہیں ہے جب کہ حضرت ملا علی قاریؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عیدین کی نماز میں اذان و تکبیر تو مشروع نہیں ہاں نماز کی اطلاع دینے کے لئے نداء یعنی ”الصلوة جامعہ“ پکار کر کہنا مستحب ہے۔

لہذا ان دونوں اقوال کے باہم اختلاف و تضاد کو اس تطبیق کے ذریعہ ختم کیا جائے حضرت شیخ نے نداء کی جو نفی کی ہے وہ عید گاہ کے اندر بطریق التزام کے ہے یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ اول تو عید گاہ کے اندر اور دوسرے بطریق التزام نداء نہ دی جائے اور حضرت ملا علی قاریؒ نے نداء کو جو مستحب لکھا ہے تو اس کا تعلق عید گاہ سے باہر اور کبھی کبھی کہنے سے ہے یعنی ”الصلوة جامعہ“ عید گاہ سے باہر اور کبھی کبھی پکار کر کہنا مستحب ہے۔ واللہ اعلم۔

عیدین میں خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے

②۵ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخْرِجُ يَوْمَ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ فَيَبْدَأُ بِالصَّلَاةِ فَإِذَا صَلَّى صَلَاتَهُ قَامَ فَأَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَهُمْ جُلُوسٌ فِي مَضَلَّاهُمْ فَإِنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ يَبْعَثُ ذِكْرَهُ لِلنَّاسِ أَوْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ يَغَيِّرُ ذَلِكَ أَمْرُهُمْ بِهَا وَكَانَ يَقُولُ تَصَدَّقُوا تَصَدَّقُوا تَصَدَّقُوا وَكَانَ أَكْثَرُ مَنْ يَتَصَدَّقُ النِّسَاءُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَلَمْ يَزَلْ كَذَلِكَ حَتَّى كَانَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَخَرَجَتْ مَخَاصِرُ امْرَوَانَ حَتَّى أَتَيْنَا الْمُصَلِّيَ فَإِذَا كَثِيرُ بَنِي الصَّلْتِ قَدْ بَنَى مَنِيرًا مِنْ طِينٍ وَلَبِنٍ فَإِذَا مَرْوَانُ يُنَازِعُنِي يَدُهُ كَأَنَّهُ يُخْرِجُنِي نَحْوًا الْمَنِيرِ وَأَنَا أَجْزُهُ نَحْوًا الصَّلَاةِ فَلَمَّا رَأَيْتُ ذَلِكَ مِنْهُ قُلْتُ أَيْنَ الْإِنْبِذَا بِالصَّلَاةِ فَقَالَ لَا يَا أَبَا سَعِيدٍ قَدْ تَرَكَ مَا تَعْلَمُ قُلْتُ كَلًا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَأْتُونَ بِخَيْرٍ مِمَّا أَعْلَمُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ انْصَرَفَ۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور بقر عید کے دن (عید گاہ) جاتے تو (پہلے) نماز شروع کرتے جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو (خطبہ کے لئے) کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے، لوگ اپنی نماز کی جگہ بیٹھے رہتے چنانچہ اگر آپ ﷺ کو کہیں لشکر بھیجا ہوتا تو (اس وقت) لوگوں کے سامنے اس کا ذکر فرماتے (اور لشکر بھیجتے) یا لوگوں کی کوئی اور حاجت ہوتی (یعنی مسلمانوں کے فائدہ کی کوئی بات ہوتی) تو اس کے بارے میں حکم فرماتے اور آنحضرت ﷺ (اپنے خطبہ کے دوران) یہ فرمایا کرتے تھے صدقہ دو، صدقہ دو، صدقہ دو، چنانچہ عورتیں زیادہ صدقہ و خیرات دیا کرتیں تھیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ اپنے مکان واپس تشریف لاتے (آپ ﷺ کے مبارک زمانہ اور آپ ﷺ کے بعد چاروں خلفاء کے دور خلافت میں نیز اس کے بعد تک بھی) یہی معمول جاری رہا (کہ خطبہ نماز کے بعد ہوتا اور خطبہ منبر پر نہیں بلکہ زمین ہی پر کھڑے ہو کر پڑھا جاتا رہا) یہاں تک کہ (امیر معاویہؓ کی جانب سے مدینہ کا حکم) مروان ابن حکم مقرر ہوا (ایک مرتبہ عید کے دن) میں مروان ابن حکم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے عید گاہ آیا (جب ہم عید گاہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں کثیر ابن سلمت نے

مٹی اور چکی اینٹ کا منبر بنا رکھا تھا۔ اچانک مروان مجھے اپنے ہاتھ کے سامنے کھینچے لگا گویا وہ مجھے منبر کی طرف کھینچ رہا تھا (تاکہ نماز سے پہلے خطبہ پڑھے) اور میں اس کو نماز کی طرف کھینچ رہا تھا (تاکہ وہ پہلے نماز پھر خطبہ پڑھے) جب میں نے یہ دیکھا (کہ وہ پہلے خطبہ پڑھنے پر مصر ہے) تو میں نے کہا کہ عید کی نماز پہلے پڑھنے کا وہ فعل کہاں ہے؟ (جس پر آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ سے عمل ہوتا چلا آیا ہے) مروان نے کہا کہ ”ابوسعیدؓ! بھڑانہ کرو، جس بات کو تم جانتے ہو اب وہ متروک ہے (یعنی میں نے مصلحت کے پیش نظر خطبہ سے پہلے نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور مصلحت یہ ہے کہ اگر خطبہ نماز کے بعد پڑھا جائے گا تو لوگ اٹھ اٹھ کر جانے لگیں گے) میں نے کہا کہ ہرگز نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جو چیز میں جانتا ہوں تم اس سے بہتر چیز لایا ہی نہیں سکتے“ میں نے یہ بات تین مرتبہ اس سے کہی۔ پھر مروان کے اس فعل کی وجہ سے (ابوسعیدؓ! عید گاہ سے) چلے گئے (اور جماعت میں شریک نہیں ہوئے۔) ”اسلم“

تشریح: صدقہ و خیرات یعنی اللہ کے نام پر اپنا مال خرچ کرنے کی جو اہمیت و فضیلت ہے اس کے پیش نظر آپ ﷺ اپنے خطبہ میں لفظ تصدقوا تین مرتبہ تاکید فرمایا کرتے تھے، یا یہ کہ تین مرتبہ فرماناتین حالتوں کی طرف اشارہ ہے ① صدقہ دو اپنی زندگی کے واسطے - ② صدقہ دو اپنی موت کے لئے - ③ اور صدقہ دو اپنی آخرت کے لئے۔

”مخاصر“ دو شخصوں کے اس طرح باہم ہاتھ پکڑے ہوئے چلنے کو کہتے ہیں کہ ہر ایک کا ہاتھ دوسرے کے کولھے کے قریب ہو۔

مروان ابن حکم ۲ھ میں پیدا ہوا تھا مگر اسے آنحضرت ﷺ سے شرف زیارت حاصل نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح کثیر ابن صلت کے بارہ میں بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی پیدائش بھی آنحضرت ﷺ ہی کے زمانہ مبارک ہی میں ہوئی تھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے صاحب جامع الاصول نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے جب کہ بعض متفقین نے انہیں تابعی کہا ہے۔ ان کا نام کان عید گاہ کے قریب تھا انہوں نے ہی عید گاہ میں منبر بنایا تھا تاکہ عیدین کا خطبہ اس پر کھڑے ہو کر پڑھا جائے بیسا کہ تبعہ کا خطبہ منبر پر کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے۔ لہذا ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے مروان ابن حکم نے عید گاہ میں منبر بنوایا ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ ثم انصرف کے یہ معنی بھی تحمل ہو سکتے ہیں کہ مروان منبر کی طرف آیا تاکہ خطبہ پڑھے اور اس نے حضرت ابوسعیدؓ کی یہ بات نہ مانی کی پہلے نماز پڑھی جائے پھر خطبہ پڑھا جائے۔

عیدین کی نماز کا طریقہ: عیدین کی نماز دو رکعت ہے جس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا نیت کر کے اور تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لے پھر سبحانک اللہم پڑھ کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہے اور ہر مرتبہ مثل تکبیر تحریمہ کے دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور تکبیر کے بعد لٹکادے اور ہر تکبیر کے بعد اتنی دیر توقف کرے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں۔ تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے بلکہ ہاتھ باندھ لے اور اعوذ باللہ، بسم اللہ، پڑھ کر سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورہ پڑھ کر رکوع و سجدہ کر کے کھڑا ہو۔ پھر دوسری رکعت میں پہلے سورہ فاتحہ اور دوسری سورہ پڑھ لے اس کے بعد تین تکبیریں اس طرح کہے جس طرح پہلی رکعت میں سبحانک اللہم پڑھ کر کہی تھی۔ لیکن یہاں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے بلکہ لٹکائے رکھے اور پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے اور نماز پوری کرے۔ نماز کے بعد امام کو چاہئے کہ وہ منبر پر کھڑے ہو کر دو خطبے پڑھے۔ عید الفطر کے خطبہ میں صدقہ فطر کے احکام و مسائل بیان کرے اور عید الاضحیٰ کے خطبہ میں قربانی اور تکبیر تشریح کے احکام بیان کرے۔

تکبیر تشریح یعنی ہر فرض نماز کے بعد فرض نماز پڑھنے والے کے لئے ایک مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد کہنا واجب ہے۔ یہ تکبیر عرفہ یعنی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کی فجر سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک کہنا چاہئے۔ یہ تکبیر عورت اور مسافر پر واجب نہیں۔ ہاں اگر یہ لوگ کسی ایسے شخص کی مقتدی ہوں جن پر تکبیر کہنا واجب ہے تو ان پر بھی تکبیر واجب ہو جائے گی۔ (علم الفقہ)

بَابُ فِي الْأُضْحِيَّةِ قربانی کا بیان

حنفی مسلک میں قربانی ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو یتیم اور غنی ہو یعنی نصاب کا مالک ہو اگرچہ نصاب نامی نہ ہو حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قربانی سنت مودہ ہے حضرت امام احمدؒ کا بھی مشہور اور مختار قول یہی ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہئے

① عَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ وَسَخَى وَكَبَّرَ قَالَ رَأَيْتَهُمَا قَدْ مَدَّ عَلَى صَفَاحِهِمَا وَيَقُولُ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ۔ (مشق علیہ)

”حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے دو دونوں کی جو سیٹگوں والے (یعنی بن کے سیٹگ لیے تھے یا یہ کہ سیٹگ ٹوٹے ہوئے نہ تھے) اور ابلق (یعنی سیاہ رنگ کے) تھے قربانی کی۔ آپ ﷺ نے بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر (خود) اپنے ہاتھ سے انہیں ذبح کیا۔“ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ان کے پہلو (یا گلے) پر پاؤں رکھے ہوئے تھے اور بسم اللہ واللہ اکبر کہتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ اگر وہ ذبح کے آداب جانتا ہو تو قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے ورنہ بصورت دیگر اپنی طرف سے کسی دوسرے شخص سے ذبح کرائے اور خود وہاں موجود رہے۔ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا (یعنی بسم اللہ کہنا) حنفیہ کے نزدیک شرط ہے اور تکبیر کہنی (یعنی واللہ اکبر کہنا) تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ ویقول بسم اللہ واللہ اکبر میں اس طرف اشارہ ہے کہ لفظ واللہ اکبر والے کے ساتھ کہنا افضل ہے۔ ذبح کے وقت درود پڑھنا جب علماء کے نزدیک مکروہ ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے۔

قربانی کے ذبح کی صفات

② وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِكَبْشَيْنِ أَسْرَنَ يَنْظُرُ فِي سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِي سَوَادٍ فَأَتَتْ بِهِ لِيُضْحِيَ بِهِ قَالَ يَا عَائِشَةُ هَلَسَ اللَّهُ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ أَخَذَهَا وَأَخَذَ الْكَبْشَ فَأَضْجَعَهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَخَى بِهِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (قربانی کے لئے) ایک ایسے سیٹگ وار ذبح کے لانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا ہو (یعنی اس کے پاؤں سیاہ ہوں) سیاہی میں بیٹھتا ہو (یعنی اس کا بیٹ اور سینہ سیاہ ہو) اور سیاہی میں دیکھتا ہو (یعنی اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی ہو) چنانچہ (جب آپ کے لئے قربانی کے واسطے ایسا ذبح لایا گیا) (تو فرمایا کہ) ”عائشہ! چھری لاؤ (جب چھری لائی تو) پھر فرمایا کہ اسے پھیر (رگڑ کر) تیز کرو، میں نے چھری تیز کی، آپ ﷺ نے چھری لی اور ذبح کو پکڑ کر اسے لٹایا پھر جب اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو یہ فرمایا کہ اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ (یعنی اے اللہ! اے محمد ﷺ، آل محمد ﷺ، اور امت محمدیہ ﷺ) کی طرف سے قبول فرما پھر اسے ذبح کرو یا۔“ (مسلم)

تشریح: جب جانور کو ذبح کیا جا رہا ہو اس کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمر فاروقؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے

نے ایک ایسے شخص کو درے سے مارا تھا جس نے ایسا کیا تھا۔ اسی طرح ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ذبح کرتے وقت جو الفاظ ارشاد فرمائے اس سے مراد صرف ثواب میں اُمت کو شریک کرنا تھا نہ یہ کہ آپ ﷺ نے سب کی طرف سے قربانی کی تھی کیونکہ ایک دنبہ یا ایک بکری کی قربانی کئی آدمیوں کی طرف سے درست نہیں ہے۔

کس عمر کے جانور کی قربانی کرنی چاہیے؟

(۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحُوا الْأُمْسِيَّةَ إِلَّا أَنْ يَغْتَسِرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوا جَذْعَةً مِنَ الضَّأْنِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”تم (قربانی میں صرف) مسنہ جانور ذبح کرو، ہاں اگر مسنہ نہ پاؤ تو پھر دنبہ بھیڑ کا جزعہ ذبح کر لو۔“ (مسلم)

تشریح: مسنہ یا جزعہ کسی خاص جانور کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک اصطلاح ہے جو قربانی کے جانور کی عمر کے سلسلہ میں مستعمل ہوتی ہے۔ چنانچہ حنفی مسلک کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے کہ اونٹوں میں وہ اونٹ مسنہ کہلاتا ہے جو پورے پانچ سال کی عمر کا ہو اور چھ برس میں داخل ہو چکا ہو۔ گائے، بھیڑ اور بیل میں مسنہ اسے کہتے ہیں جو پورا دو سال کی عمر کا ہو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ بھیڑ اور دنبہ میں مسنہ وہ ہے جو اپنی عمر کا پورا ایک سال گزار کر دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ لہذا ان جانوروں میں قربانی کے لئے جانور کا مسنہ ہونا ضروری ہے۔ ہاں دنبہ اور جیرگ اگر جزعہ بھی ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ جزعہ بھیڑ یا دنبہ کا وہ بچہ کہلاتا ہے جس کی عمر ایک برس سے تو کم ہو مگر چھ مہینہ سے زیادہ ہو۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ جزعہ کی قربانی اس صورت میں جائز ہوگی جب کہ وہ اتنا فربہ ہو کہ اگر اسے مسنہ کے ساتھ کھڑا کر دیا جائے تو دور سے دیکھنے والوں سے بھی مسنہ گمان کرے اگر وہ فربہ نہ ہو بلکہ چھوٹا ہو اور دہلا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

بظاہر حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مسنہ بچہ نہ پہنچے یا اس کی قیمت میسر نہ ہو تو جزعہ کی قربانی درست ہے ورنہ بصورت دیگر اس کی قربانی درست نہیں ہوگی۔ بلکہ نسبتاً گنت ہیں کہ یہ استحباب پر محمول ہے یعنی مستحب تو یہی ہے کہ اگر مسنہ مل جائے اور اس کے خریدنے کی استطاعت ہو تو جزعہ کی قربانی نہ کرے۔ ویسے اگر مسنہ ہوتے ہوئے بھی کوئی جزعہ کی قربانی کرے گا تو درست ہوگی۔“

بکری کے بچے کی قربانی

(۴) عَنْ عُقْمَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ عَمًّا يَقْسِمُهَا عَلَى صَحَابَتِهِ صَحَابًا فَبَقِيَ عَتُودٌ فَلَذَكَرَهُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُتِلَ صَبَحَ بِهِ أَنْتَ وَفِي رِوَايَةٍ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمَّا لِي جَذْعٌ قَالَ صَحَّ بِهِ - (مشق علیہ)

”اور حضرت عقبہؓ ابن عامر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں بکریوں کا ایک ریوڑ دیا تاکہ وہ اسے صحابہ میں بطریق قربانی کے تقسیم کر دیں چنانچہ (انہوں نے تقسیم کر دیا) تقسیم کے بعد بکری کا ایک بچہ باقی رہ گیا، انہوں نے اس کے بارہ میں آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کی قربانی تم کر لو“ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے دنبہ کا ایک بچہ ملا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کی قربانی کر لو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”عتود“ بکری کے اس بچے کو کہتے ہیں جو مونا تازہ ہو اور ایک سال کی عمر کا ہو۔ لہذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کے ایک سال کے بچے کی قربانی جائز ہے چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”عتود“ بکری کے اس بچے کو کہتے ہیں جو چھ مہینے سے زیادہ کا ہو اس صورت میں یہ حکم صرف عقبہ ابن عاصر کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ دوسروں کے لئے عتود کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔ ”جزعہ“ کے بارہ میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے۔ یعنی دنبہ کا وہ بچہ جو چھ مہینے سے زیادہ کا ہو۔“

عید گاہ میں قربانی افضل ہے۔

⑤ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلَّى - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عید گاہ میں قربانی کے جانور کو ذبح اور نحر کیا کرتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: باب صلوٰۃ العیدین کی پہلی فصل کے آخر میں ذبح اور نحر کے معنی اور ان کے باہم فرق کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ عید گاہ میں قربانی کرنا افضل ہے۔

قربانی کے حصے

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَقْرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُورُ عَنْ سَبْعَةٍ - (رواہ مسلم و ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”قربانی کے لئے“ ایک گائے اور ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔“ (مسلم ابوداؤد)

قربانی کرنے والے کے لئے کچھ ہدایتیں

⑦ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَأَرَادَ بَعْضُكُمْ أَنْ يُضْحِيَ وَلَا يَمْسُ مِنْ شَعْرِهِ وَيَشْرِبَ شَيْئًا وَفِي رِوَايَةٍ فَلَا يَأْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يَقْلِمَنَّ ظُفْرًا وَفِي رِوَايَةٍ مِنْ رَأْيِ هِلَالٍ ذِي الْحِجَّةِ وَأَرَادَ أَنْ يُضْحِيَ فَلَا يَأْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِهِ وَلَا مِنْ أَظْفَارِهِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ام سلمہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب ذی الحجہ کا پندرہ عشرہ شروع ہو جائے تو تم میں سے جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے وہ (اس وقت تک کہ قربانی نہ کرے) اپنے بال اور ناخن بالکل نہ کتروائے۔“ ایک روایت میں یوں ہے کہ ”نہ بال کٹوائے اور نہ ناخن کتروائے۔“ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جو شخص بقر عید کا چاند دیکھے اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ کرے وہ (قربانی کر لینے تک) اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے۔“ (مسلم)

تشریح: بقر عید کا چاند دیکھ لینے کے بعد قربانی کر لینے تک بال وغیرہ کٹوانے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے تاکہ احرام والوں کی مشابہت حاصل ہو جائے۔ لیکن یہ ممانعت تنزیہی ہے لہذا بال وغیرہ کا نہ کٹوانا مستحب ہے اور اس کے خلاف عمل کرنا ترک اولیٰ ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔“

عشرہ ذی الحجہ کے نیک اعمال کی فضیلت

⑧ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”دنوں میں کوئی دن نہیں ہے جس میں نیک عمل کرنا خدا کے نزدیک ان

دس دنوں (ذی الحجہ کے پہلے عشرہ) سے زیادہ محبوب ہو۔ ”صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اکبر! (ان ایام کے علاوہ دوسرے دنوں میں) خدا کی راہ میں جہاد کرنا بھی (ان دنوں کے نیک اعمال کے برابر) نہیں ہے؟ فرمایا ہاں! اس شخص کا جہاد جو اپنی جان و مال کے ساتھ (خدا کی راہ میں لڑنے) نکلا اور پھر واپس نہ ہوا (ان دنوں کے نیک اعمال سے بھی زیادہ افضل ہے)۔“ بخاری،

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر جہاد ایسا ہو جس میں مال و جان سب خدا کی راہ میں قربان ہو جائے اور جہاد کرنے والا مرتبہ شہادت پا جائے تو وہ جہاد البتہ خدا کے نزدیک ان دس دنوں کے نیک اعمال سے بھی زیادہ محبوب ہے کیونکہ ثواب نفس کشی و مشقت کے بقدر ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کی راہ میں اپنی جان اور اپنا مال قربان کر دینے سے زیادہ نفس کشی اور مشقت کیا ہوتی ہے؟ چونکہ رمضان کے نیک اعمال کی بھی بہت زیادہ فضیلت و عظمت بیان کی گئی ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کی مراد یہ ہو کہ ان دنوں کے نیک اعمال ایام رمضان کے نیک اعمال سے علاوہ دوسرے دنوں کے نیک اعمال سے زیادہ محبوب ہیں یا رمضان کے نیک اعمال اس حیثیت سے سب سے زیادہ محبوب ہیں کہ ان دنوں میں فرض روزے رکھے جاتے ہیں۔ اور بہت زیادہ برگزیدہ و مقدس ترین شب یعنی لیلۃ القدر بھی رمضان ہی میں آتی ہے اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ۔ اعمال اس اعتبار سے سب سے زیادہ محبوب ہیں کہ بہت زیادہ برگزیدہ اور با عظمت و فضیلت دن یعنی ”عرفہ“ انہیں دنوں میں آتا ہے۔ (ان اعمال حج بھی انہیں ایام میں ہوتے ہیں)۔“

الفصل الثانی

قربانی کے وقت کی دعا

⑨ وعن جابر قال ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح کسنتین اقرنین املحین مزجونین فلما وجہہما قال انی وجہتی للذی فطر السموات والارض علی ملة ابراهيم حنیفاً وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحبای ومما تبت للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا من المسلمین اللہم منك ولک عن محمد وأمتہ بسم اللہ واللہ اکبر ثم ذبح رواذا أحمد و ابو داؤد وابن ماجہ والدارمی وفي رواية لا حمد وأبی داؤد والترمذی ذبح بنده وقال بسم اللہ واللہ اکبر اللهم هذا عني وعن لم یصح من أمیة۔

”حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ذبح کے دن (یعنی عید قربان کے دن) دو اونٹ جو سینگ دار، ابلق اور خصی تھے ذبح کرنے چاہے تو ان کو قبلہ رخ کیا اور یہ پڑھا۔ یعنی میں اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس حال میں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں جو توحید کو ماننے والے تھے اور میں بھی مشرکین میں سے نہیں ہوں بلاشبہ میری نماز، میری تمام عبادتیں، میری زندگی اور میری موت (سب بچھ) اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں اے اللہ! یہ قربانی تیری عطا سے ہے اور خالص تیری ہی رضا کے لئے ہے تو اس کو محمد ﷺ اور اس کی امت کی جانب سے قبول فرما ساتھ نام اللہ کے اور اللہ بہت بڑا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ذبح کیا۔“ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) نیز احمد، ابوداؤد اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ نے (دونوں اونٹوں کے) اپنے ہاتھ سے ذبح کئے ہیں کہا بسم اللہ واللہ اکبر، اے اللہ! یہ قربانی میری جانب سے ہے اور میری امت کے ہر اس فرد کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی۔“

تشریح: خصی سے مراد وہ ہے جس کے بیضے کوٹ کر اس کی شہوت ختم کر دی جاتی ہے اس کی قربانی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ایسا خصی فریہ ہوتا ہے اور اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے۔

وما انا من المشرکین (اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں، اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آنحضرت ﷺ نبوت لئے

سے پہلے کس شریعت کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے؟ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ نبوت ملنے سے پہلے آپ ﷺ کی عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق ہوتی تھی، بعض علماء کا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق اور بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق آپ عبادت کیا کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں صحیح قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کسی بھی شریعت کے مطابق عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی فہم اور اپنے وجدان کے موافق آپ ﷺ اپنی عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ البتہ یہ بات بالکل اجماعی طور پر محقق اور ثابت ہے کہ آپ ﷺ زندگی کے کسی بھی دور میں بت پرستی کی نجاست میں ملوث نہیں ہوئے۔ اب سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عبادت کس نوع اور کس طریقہ کی تھی؟ تو اس کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ وہ غیر معلوم ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ ﷺ اس وقت کسی طرح عبادت کرتے تھے؟

عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمِّهِ فِي مَشَارَكَةِ يَتُوهُ ثَوَابٍ بِمَحْمُولٍ بِعَيْنِي أَنَّهُ خَضَعَ لِنَازِغٍ فِي ذَلِكَ وَقَدْ كَانَ قَرِيبًا إِلَى قَرْبَانِي كَثُوبًا فِي ابْنِي أُمَّتٍ كَوَيْلِي شَرِيكَ فَرَمَا لِيَا۔ يَأْسَ حَقِيقَتِ بِمَحْمُولٍ كَيْ جَا سَكَا تَهْ مَكْرَاسِ صَوْرَتِ فِي كَمَا جَا لَيْ كَا يَهْ أَنَخَضَرَ ﷺ كَيْ خَصَائِصِ فِي سَهْ۔ "اس سلسلہ میں واضح ترین بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دنبہ تو اپنی طرف سے قربان کیا اور دوسرے دنبہ کی قربانی اُمت کی طرف سے کی۔"

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر قربانی کرنے والا ذبح کرنے پر قادر ہو تو اس کے لئے اپنے ہاتھ سے قربانی کا جانور ذبح کرنا مستحب ہے اگرچہ عورت ہی کیوں نہ ہو۔"

میت کی طرف سے قربانی جائز ہے

⑩ وَعَنْ حَنْشٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ مَا هَذَا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصَانِي أَنْ أَضَحِّي عَنْهُ فَأَنَا أَضَحِّي عَنْهُ۔ (رواہ ابوداؤد وکذا الترمذی)

"اور حضرت حنش فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دو دنبے قربانی کرتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ یہ کیا؟ یعنی جب ایک دنبہ کی قربانی کافی ہے تو دو دنبوں کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ (ان کے وصال کے بعد) میں ان کی طرف سے قربانی کروں لہذا میں ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔" (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: اس سلسلہ میں دونوں ہی احتمال ہیں یا تو حضرت علیؑ اپنی قربانی کے علاوہ دوسرے آنحضرت ﷺ کی طرف سے قربان کرتے ہوں گے جیسا کہ آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں دو دنبوں کی قربانی کرتے تھے، یا پھر یہ کہ حضرت علیؑ ایک دنبہ کی قربانی تو اپنی طرف سے کرتے ہوں گے اور ایک دنبہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کا یہ ہمیشہ کا معمول تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہر سال قربانی کرتے تھے۔

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اگرچہ بعض علماء نے اسے جائز نہیں کہا ہے۔ ابن مبارکؒ کا قول یہ ہے کہ "میں اسے پسند کرتا ہوں کہ میت کی طرف سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اس کی طرف سے قربانی نہ کی جائے، ہاں اگر میت کی طرف سے قربانی کی ہی جائے تو اس کا گوشت بالکل نہ کھایا جائے بلکہ سب کا سب اللہ کے نام پر تقسیم کر دیا جائے

عیب دار جانور کی قربانی نہ کرنی چاہئے

⑪ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَمَرَ نَارَسُورُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْأَذْنَ وَأَنْ لَا تُضَحِّيَ بِمُقَابِلَةٍ وَلَا مَذَابِرَةٍ وَلَا شَرْفَاءَ وَلَا خَرْفَاءَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ دَاوُدَ وَالتَّيْسَانِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهُ إِلَى قَوْلِهِ

وَالْأَذْنَ-

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم (قربانی کے جانور کے) آنکھ اور کان کو خوب آچھی طرح دیکھ لیں (کہ کوئی ایسا عیب اور نقصان نہ ہو جس کی وجہ سے قربانی درست نہ ہو اور یہ حکم بھی دیا ہے کہ) ہم اس جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان اگلی طرف سے یا پچھلی طرف سے کٹا ہوا ہو اور نہ اس جانور کی جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے اور گولائی میں پھٹے ہوئے ہوں۔ یہ روایت ترمذی ابوداؤد، نسائی، دارمی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے لیکن ابن ماجہ کی روایت لفظ ”وَالْأَذْنَ“ پر ختم ہو گئی ہے۔“

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس بکری کی قربانی جائز نہیں ہے جس کا کان تھوڑا سا بھی کٹا ہوا ہو جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اگر کان آدھے سے کم کٹا ہوا ہو۔“

حضرت امام طحاوی حنفیؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت امام شافعیؒ کا عمل اس حدیث پر ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے جو بہت جامع ہے کیونکہ اس مسلک سے اس حدیث میں اور قتادہؒ کی حدیث میں تطبیق ہو جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”حضرت قتادہ حضرت ابن کلب سے یہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عضبائے قرن و اذن (کی قربانی) سے منع فرمایا ہے۔“ قتادہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید ابن مسیبؒ سے پوچھا کہ ”یہ عضبائے اذن کیا ہے؟“ تو انہوں نے فرمایا کہ جس کا کان آدھا یا آدھے سے زیادہ کٹا ہوا ہو۔

حنفیہ کے نزدیک کیسے جانور کی قربانی جائز نہیں؟ اس مسئلہ میں حنفیہ مسلک ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ”ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے جس کا کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو۔ ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں ہے جس کے کان پیدائشی نہ ہوں، اسی طرح ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں جس کی دم اور ناک تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹی ہوئی ہو، جو جانور اندھایا کانا ہو یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو تو اس کی قربانی بھی جائز نہیں ہے، جس جانور کے تھن خشک ہو گئے ہوں اس کی قربانی بھی درست نہیں اور ایسے جانور کی بھی درست نہیں جس میں مغز نہ رہا ہو اور نہ ایسے لنگڑے کی جو قربانی کی جگہ تک نہ جاسکے اور نہ ایسے بیکلا جو گھاس نہ کھا سکے نہ ایسے جانور کی جس کے خارش ہو، نہ بغیر دانت کے جانور کی نجاست خور جانور کی، ہاں ایسے جانور کی قربانی درست ہے جس کا کان لمبائی میں یا اس کے منہ کی طرف سے پھٹ جائے اور لٹکا ہوا ہو یا پیچھے کی طرف پھٹا ہوا، اس صورت میں کہا جائے گا یہ حدیث کہ جس سے ایسے جانور کی قربانی کی ممانعت معلوم ہو رہی ہے یہی تشریح پر محمول ہے۔“

(۱۲) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُضَحَّى بِأَغْضَبِ الْقَرْنِ وَالْأَذْنِ - (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ہم ایسے جانور کی قربانی کریں جس کے سینگ ٹوٹے ہوئے اور کان کٹے ہوئے ہوں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: حنفی مسلک میں ایسے جانور کی قربانی جائز و درست ہے جس کے پیدائش ہی سے سینگ نہ ہوں یا ٹوٹے ہوئے ہوں یا ان کا خول اتر گیا ہے لہذا یہ حدیث بھی تشریح پر محمول کی جائے گی۔ البتہ ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہوگی جس کے سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں۔

(۱۳) وَعَنْ النَّبَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَاذَا يَنْتَقِي مِنَ الصَّحَابِيَا فَأَشَارَ بِيَدِهِ فَقَالَ أَرْبَعًا الْعُزْبَاءُ الْبَيْتِ ظِلْعُهَا وَالْعُزْرَاءُ الْبَيْتِ عَوزُهَا وَالْمَرِيضَةُ الْبَيْتِ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَاءُ الْبَيْتِ لَا تَنْتَقِي -

(رواہ مالک و احمد و الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت براء ابن عابؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیسے جانور کی قربانی لائق نہیں؟ تو آپ نے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ چار طرح کے جانور قربانی کے قابل نہیں۔ ① انگڑا۔ جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو یعنی جو چل نہ سکے۔ ② کاناجس کا کانین ظاہر ہو یعنی ایک آنکھ سے بالکل دکھائی نہ دیتا ہو یا تہائی یا تہائی سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو۔ ③ بیمار۔ جس کی بیماری ظاہر ہو یعنی جو بیماری کی وجہ سے گھاس نہ کھا سکے۔ ④ ایسا دہلا کہ جس کی ہڈیوں میں گودانہ ہو۔“ (مالک، احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

فریہ جانور کی قربانی بہتر ہے

⑫ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُضَجِّي بِكَبْشٍ أَقْرَنَ فَجَحِلٍ يَنْظُرُ فِي سَوَادٍ وَيَأْكُلُ فِي سَوَادٍ وَيَمْسِسُ فِي سَوَادٍ۔ (رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ایسے سینگ دار فریہ دنبہ کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں دیکھتا تھا یعنی اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی تھی، سیاہی میں کھاتا تھا یعنی اس کا منہ بھی سیاہ تھا اور سیاہی میں چلتا تھا یعنی اس کے پاؤں بھی سیاہ تھے۔“ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ ایسے جانور کی قربانی کرنا جو بہت فریہ اور موٹا ہو مستحب ہے۔ چنانچہ ایک فریہ بکری کی قربانی دود بلی بکریوں کی قربانی سے افضل ہے۔ ایسے ہی زیادہ گوشت والی بکری کی قربانی کم گوشت والی بکری کی قربانی سے افضل ہے بشرطیکہ گوشت خراب نہ ہو یعنی زیادہ گوشت والی بکری کا گوشت خراب ہو تو پھر اس کی قربانی افضل نہیں ہے۔

جذع کی قربانی

⑬ وَعَنْ مُجَاهِدٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ إِنَّ الْجَذْعَ يُؤَفِّي مِمَّا يُؤَفِّي مِنْهُ النَّسَى۔ (رواہ ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ)

”قبیلہ بنی سلیم کے (ایک فرد) حضرت مشیحؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جذع (یعنی وہ دنبہ یا بھیڑ جس کی عمر چھ مہینے سے زیادہ ہو) وہی ہے اس سے کہ کفایت لے اس کو ”شعی“۔ (ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ اس بکری کی قربانی جائز ہے جو ایک سال سے زیادہ کی ہو اسی طرح جزع کی قربانی بھی جائز ہے۔ ”شعی“ بھی ایک اصطلاحی لفظ ہے جو قربانی کے جانور کی عمر کے سلسلہ میں استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ بکری میں ”شعی“ وہ بکری کہلاتی ہے جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ بیل اور گائے میں ”شعی“ وہ ہے جو دو سال کر کے تیسرے سال میں ہو، اونٹ میں ”شعی“ وہ ہے جو پانچ سال پورے کرنا کے بعد چھٹے سال میں داخل ہو چکا ہو۔

⑭ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ نِعْمَةُ الْأَضْحِيَّةِ الْجَذْعُ مِنَ الضَّأْنِ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دنبہ کے جزع (یعنی چھ ماہ کے بچے) کی قربانی بہتر ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: دنبہ کی جزع کی قربانی کی تعریف سے دراصل لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ دنبہ کے چھ مہینے کے بچے کی قربانی جائز ہے بخلاف بکری کے جزع کے کہ اس کی قربانی درست نہیں۔“

قربانی میں شرکت

(۱۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَ الْأَضْحَى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَفِي الْبَعِيزِ عَشْرَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالتَّيْسَانِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم (ایک) سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ عید قربان آگئی، چنانچہ گائے (کی قربانی) میں ہم سات آدمی اور اونٹ (کی قربانی) میں دس آدمی شریک ہوئے (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: اٹلی ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر عمل کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے لئے ایک اونٹ میں دس آدمیوں کو شریک ہو جانا چاہئے بلکہ تمام علماء کے نزدیک یہ اس حدیث کے ذریعہ منسوخ قرار دے دی گئی ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ جس طرح گائے کی قربانی سات آدمیوں سے درست ہے اسی طرح اونٹ کی قربانی بھی سات ہی آدمیوں کی طرف سے کی جاسکتی ہے۔“

قربانی کی فضیلت

(۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ مِنْ أَهْرِاقِ الدَّمِّ وَاللَّيْلَاتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقْرَأُ بِهَا وَاسْتَعَارَهَا وَاطْلَافُهَا وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقْعُ مِنَ اللَّهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقْعَ بِالْأَرْضِ فَطَبِّبُوا بِهَا أَنْفُسًا۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”ابن آدم کا نحر (یعنی قربانی کے دن) ایسا کوئی عمل نہیں جو خدا کے نزدیک خون بہانے (یعنی قربانی کرنے) سے زیادہ محبوب ہو، اور (قربانی کا) وہ ذبح کیا ہوا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون قبل اس کے کہ زمین پر گرے (یعنی ذبح کرنے کے ارادہ کے وقت ہی) بارگاہ خداوندی میں قبول ہو جاتا ہے۔ لہذا تم اس کی وجہ سے (یعنی قربانی کر کے) اپنے نفس کو خوش کرو۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: زمین العرب فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بقر عید کے دن سب سے افضل عبادت قربانی کے جانور کا خون بہانا ہے اور قربانی کا جانور قیامت کے روز اسی طرح آئے گا جس طرح کے دنیا میں قربانی سے پہلے بغیر کسی عیب کے تھا تا کہ وہ قربانی کرنے والے کے ہر عضو کی طرف سے نعم البدل اور بیل صراط پر اس کی سواری ہو۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی قبول کرتا ہے اور اس کے بدلہ میں تمہیں بہت زیادہ ثواب سے نوازتا ہے تو قربانی کرنے کی وجہ سے تمہارے اندر کسی قسم کی کوئی سنگی یا کراہت پیدا نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ اس عظیم بشارت کی وجہ سے تمہارے نفس کو مطمئن اور تمہارے دل کو خوش ہونا چاہئے۔“

عشرہ ذی الحجہ کی عبادتوں کی فضیلت

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ أَنْ يَتَعَبَّدَ لَهُ فِيهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ يَغْدُلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ اسْتِثْنَاهُ صَعِيفٌ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ”ایسا کوئی دن نہیں ہے کہ جس میں عبادت کرنا عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ افضل ہو اس میں سے ہر دن کے روزے ایک سال کے روزوں کے برابر قرار دیئے جاتے ہیں اور اس میں ہر رات کی عبادت شب قدر کی

عبادت کے برابر قرار دی جاتی ہے (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں۔“

تشریح: طلب یہ ہے کہ خدا کے نزدیک ان دنوں میں عبادت کرنا دوسرے دنوں میں عبادت کرنے سے زیادہ محبوب ہے خصوصاً قربانی کرنا دوسرے اعمال سے زیادہ افضل اور محبوب ہے۔ اور عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت کے سلسلہ میں پوری وضاحت پہلی فصل میں گذر چکی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

بقرہ عید کی نماز سے پہلے قربانی درست نہیں

(۲۰) عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ شَهِدْتُ الْأَضْحَى يَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَغْدُ أَنْ صَلَّى وَفَرَّغَ مِنْ صَلَاتِهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ يَزِي لَحْمَ أَصَاحِيٍّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ أَنْ يَفْرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ أَوْ يُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ وَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ أُخْرَى مَكَانَهَا وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللَّهِ - (مشق علیہ)

”حضرت جندبؓ ابن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) عید قربان میں جو نحر یعنی قربانی کا دن ہے رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (عید گاہ) حاضر ہوا، ابھی آپ نے نماز اور خطبہ شروع نہیں فرمایا تھا کہ کیا دیکھتے ہیں کہ قربانی کا گوشت رکھا ہے اور نماز پڑھنے سے پہلے ہی قربانی ہو گئی ہے، آپ نے فرمایا کہ جس نے قبل اس کے کہ نماز پڑھے، یا یہ فرمایا کہ قبل اس کے کہ ہم نماز پڑھیں (قربانی کا جانور) ذبح کر دیا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس کے بدلہ میں دوسرا جانور (ذبح کرے)“ ایک اور روایت میں ہے کہ ”حضرت جندبؓ نے فرمایا ”آنحضرت ﷺ نے بقرہ عید کے روز نماز اور خطبہ ارشاد فرمایا پھر (قربانی کا جانور) ذبح کیا اور فرمایا کہ جو شخص قبل اس کے کہ نماز پڑھے، یا فرمایا کہ قبل اس کے کہ ہم نماز پڑھیں ذبح کیا تو اسے چاہئے کہ (نماز کے بعد قربانی کا جانور) اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کر دے۔“ (بخاری، مسلم)

ایام قربانی

(۲۱) وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ الْأَضْحَى يَوْمَانِ يَغْدُ يَوْمَ الْأَضْحَى رِوَاهُ مَالِكٌ وَقَالَ بَلْغَيْنِي عَنْ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ مِثْلَهُ۔

”اور حضرت نافعؓ راوی ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ”بقرہ عید کے دن کے بعد قربانی کے دو دن ہیں۔“ امام مالکؒ نے یہ روایت نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ”مجھے حضرت علی ابن ابی طالبؓ کرم اللہ وجہہ، سے بھی اس قسم کی روایت پہنچی ہے۔“

تشریح: حضرت امام ابو حنیفہؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ تینوں ائمہ کا عمل اسی حدیث پر ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ قربانی کا آخری وقت ذی الحجہ کی بارہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آخری وقت تیرہویں تاریخ تک رہتا ہے۔ یہ حدیث تینوں ائمہ کی مستدل اور حضرت امام شافعیؒ پر حجت ہے۔

آنحضرت ﷺ ہمیشہ قربانی کرتے تھے

(۲۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ يُضَحِّي - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرما رہے اور (ہر سال قربانی) کرتے تھے۔“ (ترمذی)

تشریح: قربانی واجب ہونے کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس پر مداومت فرمائی اور ہمیشہ قربانی کرتے رہے۔

قربانی حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے

(۲۳) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا هَذِهِ الْأَصَاحِبُ قَالَ سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوا فَمَا لَنَا فِيهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوا فَالضُّوْفُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الضُّوْفِ حَسَنَةٌ (رواه احمد وابن ماجه)

”اور حضرت زید ابن ارقم راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے اصحاب نے دریافت کیا کہ ”یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ (یعنی ان کی سنت) ہے۔“ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! پھر اس میں ہمارے لئے کیا ثواب ہے؟“ فرمایا ”گائے اور بکری کی قربانی کرنے میں کہ جن کے بال ہوتے ہیں (ہریال کے بدلہ ایک نیکی ہے) انہوں نے عرض کیا کہ ”صوف“ (یعنی دنبہ، بھیڑ اور اونٹ کی اون اور اس کے بدلہ میں کیا ثواب ملتا ہے؟)“ فرمایا ”اون کے ہریال کے بدلے میں ایک نیکی۔“ (احمد ابن ماجہ)

بَابُ الْعَتِيرَةِ

عتمرہ کا بیان

الفصل الاول

فرع اور عتمرہ کا ممانعت

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيرَةَ قَالَ وَالْفَرَعُ أَوَّلُ نَتَاجٍ كَانَ يَنْتَجِعُ لَهُمْ كَانُوا يَذْبَحُونَهُ لَطَوَاعِيَّتِهِمْ وَالْعَتِيرَةُ فِي رَجَبٍ - (تقرن علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”فرع اور عتمرہ (کی) اسلام میں (کوئی حقیقت) نہیں۔“ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ”فرع جانور کا وہ پہلا بچہ ہے جو کافروں کے یہاں پیدا ہوتا ہے تو وہ اسے اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ایام جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ کسی کے ہاں جب جانور کے پہلا بچہ پیدا ہوتا تھا تو وہ اسے بتوں کے نام پر ذبح کرتا تھا۔ ابتداء اسلام میں بھی یہ طریقہ جاری رہا کہ مسلمان اس بچہ کو اللہ کے نام پر ذبح کر دیتے تھے مگر بعد میں اس طریقہ کو منسوخ قرار دے دیا گیا اور کفار کی مشابہت کے پیش نظر مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔

عتمرہ کسے کہتے ہیں؟ نیز ایام جاہلیت میں ایک رسم یہ بھی تھی کہ لوگ ماہ رجب کے پہلے عشرہ میں اپنے معبود کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ایک بکری ذبح کرتے تھے اسی کو عتمرہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ابتداء اسلام میں مسلمان بھی ایسا کرتے تھے مگر کافروں نے اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور مسلمان اسے تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھ کر اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے پھر بعد میں اسے بھی منسوخ قرار دے کر مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ممانعت اسی لئے تھی کہ وہ اسے اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اگر اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن صحیح مسئلہ یہی ہے کہ بت پرستوں کی مشابہت سے بچنے کے لئے یہ ممانعت عام ہے۔

الفصل الثانی

① عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَلِيمٍ قَالَ كُنَّا وَقُوفًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ فَسَمِعْنَاهُ يَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أَضْحِيَّةً وَعَتِيرَةٌ هَلْ تَذَرُونَ مَا لِعَتِيرَةٍ هِيَ الَّتِي تَسْمُونَهَا الرَّحِيَّةُ زَوَاهُ التَّزْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ النَّسَائِيِّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التَّزْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ ضَعِيفُ الْإِسْنَادِ وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ وَالْعَتِيرَةُ مَنْسُوخَةٌ

”حضرت مخنف ابن سلیم فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ (ایک حج کے موقع پر) عرفات میں کھڑے ہوئے تھے کہ میں نے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے۔ ”لوگو! ہر گھروالے پر ہر سال قربانی کرنا اور عتیرہ کرنا واجب ہے اور تم جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ عتیرہ وہ ہے جسے تم رجبہ کہتے ہو (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب اور ضعیف الاسناد ہے نیز حضرت ابوداؤد فرماتے ہیں کہ عتیرہ منسوخ قرار دیا جا چکا ہے۔ (یہ اب جائز نہیں ہے۔)

الفصل الثالث

تنگ دست پر قربانی واجب نہیں

③ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ بِيَوْمِ الْأَضْحَى عِنْدَ أَجْعَلَهُ اللَّهُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ قَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَحِذْ إِلَّا مَنِحَةً أَنْشَى أَفَأَضْحِي بِهَا قَالَ لَا وَلَكِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِكَ وَأُظْفَارِكَ وَتَقْصُ شَارِبَكَ وَتَحْلِقْ عَانَتَكَ فَذَلِكَ تَمَامُ أَضْحِيَّتِكَ عِنْدَ اللَّهِ۔ (رواه ابوداؤد والنسائی)

”حضرت عبد اللہ! ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں بقر عید کے دن کو عید قرار دوں اور اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اس اُمت کے لئے عید مقرر فرمایا ہے۔“ ایک شخص نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھے یہ بتائیے کہ اگر مجھے مادہ منیحہ کے علاوہ اور (جانور) میسر نہ ہو تو کیا میں اسی کو قربانی کر لوں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں! ہاں تم اپنے بال بنوا لو اپنے ناخن ترشوا لو، لبوں کے بال کترا لو اور زیر ناف کے بال صاف کر لو، خدا کے نزدیک تمہاری یہی قربانی ہو جائے گی یعنی تمہیں قربانی کی مانند ثواب مل جائے گا۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ”منیحہ“ منح سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ”عطاء و بخشش“ اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ ازراہ ہمدردی و احسان اپنی کوئی دودھ والی اونٹنی محتاجوں کو دے دیا کرتے تھے تاکہ وہ اس کے دودھ، اون اور اس کے بچوں سے اپنی ضرورت و احتیاج کے وقت تک فائدہ اٹھائے اور جب ان کی ضرورت و حاجت پوری ہو جائے تو اسے واپس کر دیں۔ چنانچہ ان صحابی کے پاس اسی قسم کا کوئی جانور تھا جو انہیں کسی نے ضرورت و حاجت کے پیش نظر دیا تھا انہوں نے بقر عید میں اسی جانور کی قربانی کی اجازت چاہی تو آنحضرت ﷺ نے منع فرما دیا۔ کیونکہ اول تو قاعدہ کے مطابق اپنی ضرورت کے بعد وہ جانور انہیں اصل مالک کو واپس کرنا تھا۔ دوسرے اس جانور کے علاوہ ان کے پاس ایسا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کرتے۔ لہذا حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قربانی تنگ دست و غریب پر واجب ہے۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ تنگ دست کے لئے قربانی کرنا مستحب ہے، مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قربانی صرف اس شخص پر واجب ہے جو نصاب کا مالک ہو۔“

بَابُ صَلَوةِ الْخُسُوفِ

نماز خسوف کا بیان

مشہور اہل لغت اہل علم کا قول یہ ہے کہ ”خسوف“ چاند گرہن کو کہتے ہیں اور ”کسوف“ سورج گرہن کو۔ اس باب میں جتنی احادیث نقل کی جائیں گی سب کی سب سورج گرہن سے متعلق ہیں۔ ہاں صرف ایک حدیث جو پہلی فصل کی دوسری حدیث ہے اس کے بارہ میں احتمال ہے کہ وہ ”چاند گرہن“ سے متعلق ہے لہذا مؤلف مشکوٰۃ کے لئے بہتر یہ تھا کہ وہ اس باب کا نام ”باب صلوة الخسوف“ کی بجائے ”باب صلوة الکسوف“ رکھتے۔

بعض علماء نے لفظ کسوف دونوں جگہ استعمال کیا ہے سورج گرہن میں بھی چاند گرہن میں بھی، اسی طرح بعض حضرات نے لفظ خسوف کو بھی دونوں جگہ استعمال کیا ہے۔

سورج گرہن کی نماز بالاتفاق جمہور علماء کے نزدیک مسنون ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سورج گرہن کی نماز دو رکعت باجماعت بغیر خطبہ کے ہے۔ چاند گرہن کی نماز بھی دو رکعت ہے مگر اس میں جماعت نہیں ہے بلکہ ہر شخص الگ الگ یہ نماز پڑھے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں میں جماعت اور خطبہ ہے۔

الفصل الأول

سورج گرہن کے وقت آنحضرتؐ کی نماز

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ مُنَادٍ الصَّلَاةَ جَامِعَةً فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكَعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا رَكْعَتٌ زَكُوْعًا قَطُّ وَلَا سَجْدَةٌ سُجُودًا قَطُّ كَانَ أَطْوَلَ مِنْهُ۔ (مشن علیہ)

”حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں (ہجرت کے بعد ایک مرتبہ) سورج گرہن ہوا چنانچہ آپ ﷺ نے ایک منادی والے کو (لوگوں کے درمیان) بھیجا کہ وہ یہ منادی کر دے کہ ”الصلوة جامعہ“ یعنی نماز جمع کرنے والی ہے چنانچہ (جب لوگ جمع ہو گئے تو) آپ ﷺ آگے بڑھے اور دو رکعت نماز پڑھائی جن میں چار رکوع کئے اور چار سجدے کئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”(جتنے طویل رکوع اور سجدے میں نے اس دن نماز خسوف میں کئے) اس سے زیادہ طویل میں نے نہ کبھی رکوع کیا اور نہ کبھی سجدہ کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: نماز خسوف میں لوگوں کو جمع کرنے کے لئے ”الصلوة جامعہ“ کا کہنا سنت ہے خاص طور پر جب کہ لوگ اس نماز کے لئے جمع نہ ہوئے ہوں۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ نماز جماعت کے ساتھ جامع مسجد میں یا عید گاہ میں پڑھی جائے نیز یہ نماز اوقات مکروہ میں نہ پڑھی جائے۔

فصلی اربع رکعات الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے چار رکوع اور چار سجدے کئے یعنی ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے کئے لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک میں دوسری نمازوں کی طرح اس نماز میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے۔ ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن سے ایک ہی رکوع کرنا ثابت ہے بلکہ اس باب میں ایک حدیث قوی بھی منقول ہے اور یہ کلمہ ہے کہ چہل قول اور فعل ثابت ہوتے ہیں تو فعل پر قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔

نماز خسوف کی قراءت

(۲) وَعَنْهَا قَالَتْ جَهْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْخُسُوفِ بِقِرَاءَتِهِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز خسوف یعنی چاند گرہن کی نماز میں قراءت آباد بلند پڑھی تھی۔“

(بخاری و مسلم)

سورج گرہن کا حقیقی سبب

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهُ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوَ أَمْنٍ قِرَاءَةِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ ذُوْنُ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ ذُوْنُ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ ذُوْنُ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ ذُوْنُ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ ذُوْنُ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ ذُوْنُ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتٍ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُ ذَلِكَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاولْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ هَذَا ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكْفُكُفْتَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاولْتُ مِنْهَا عَنُقُودًا وَلَوْ أَخَذْتُهَا لَأَكَلْتُ مِنْهَا مَا بَقِيَ الدُّنْيَا وَرَأَيْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرِ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ أَفْطَعُ وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا التِّسَاءَ فَقَالُوا بِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ بِكُفْرٍ هُنَّ قَبِيلٌ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ قَالَ يَكْفُرُونَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرُونَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتُ إِلَى إِحْدَاهُنَّ لَظَهَرْتُ ثُمَّ رَأَيْتُ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا، آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ (اس طرح) نماز پڑھی کہ سورہ بقرہ کی قراءت کی بقدر طویل قیام فرمایا (یعنی اتنی دیر تک قیام میں کھڑے رہے جتنی دیر تک سورہ بقرہ پڑھی جاسکتی ہے) پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا، رکوع بھی اتنا طویل تھا، رکوع سے سراٹھایا اور بڑی دیر تک کھڑے رہے لیکن یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا، پھر (دوبارہ) رکوع کیا، یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کھڑے ہوئے اور مجددہ کیا، پھر (دوسری رکعت کے لئے) کھڑے ہوئے اور بہت طویل قیام کیا مگر یہ قیام پہلی رکعت کے قیام سے کم تھا، پھر رکوع میں گئے یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کھڑے ہوئے اور دیر تک کھڑے رہے مگر یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا۔ پھر (دوبارہ) رکوع کیا یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم پھر کھڑے ہوئے اور مجددہ کیا اس کے بعد (یعنی التحیات اور سلام کے بعد) نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا سورج اور چاند خدا کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ایہ نہ کسی مرنے کی وجہ سے گرہن ہوتے ہیں اور نہ کسی کے پیدا ہونے کی وجہ سے جب تم یہ دیکھو کہ (یہ گرہن میں آگئے ہیں) تو خدا کی یاد میں مشغول ہو جاؤ۔“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! (نماز کے دوران) ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنی جگہ سے کسی چیز کے لینے کا ارادہ کیا پھر ہم نے آپ ﷺ کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا؟ آپ نے فرمایا ”(جب تم نے مجھے کسی چیز کے لینے کے لئے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تھا اس وقت) میں نے جنت کو دیکھا تھا اور اس میں سے خوشہ انگور لینے کا ارادہ کیا تھا، اگر میں خوشہ انگور لے لیتا تو بلاشبہ تم اسے رہتی دنیا تک کھاتے اور جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا تھا (اس وقت) میں نے دوزخ دیکھی تھی (اس کی گرمی کے پہنچنے کے ڈر سے پیچھے ہٹ گیا تھا) چنانچہ آج کے دن کی طرح کسی دن میں نے ایسی ہولناک جگہ کبھی نہیں دیکھی اور دوزخ میں میں نے زیادہ عورتیں ہی دیکھی ہیں۔“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! کس وجہ سے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ان کے کفر کی وجہ سے“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”کیا عورتیں اللہ کے کفر میں مبتلا ہیں۔“؟ فرمایا ”نہیں“ بلکہ وہ شوہروں کی نعمتوں اور احسان کا کفران

کرتی ہیں (یعنی شہروں کی ناشکری و نافرمانی کرتی ہیں اور کسی کا احسان نہیں مانتیں) چنانچہ تم ان میں سے کسی کے ساتھ مدتوں تک بھلائی کرتے رہو مگر جب کبھی وہ کسی چیز کو اپنی مرضی کے خلاف پائے گی تو یہی کہے گی کہ میں نے کبھی بھی تمہارے یہاں بھلائی نہیں دیکھی۔“
(بخاری و مسلم)

تشریح: ایٹان من ایت اللہ کا مطلب یہ ہے کہ ”سورج و چاند“ خدا کی الوہیت اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے اس بات کی دو نشانیاں ہیں کہ یہ دونوں خداوند قدوس کے تابعدار اور فرمانبردار پیدا کئے گئے ہیں انہیں اپنی طرف سے کسی کو نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت تو کیا ہوتی ان میں اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اپنے اندر کسی قسم کے پیدا ہونے نقصان اور عیب کو ختم کر سکیں۔ لہذا کیسے بد عقل و کند فہم اور کور بخشت ہیں وہ لوگ جو اس چیز کا مشاہدہ کرتے ہوئے بھی چاند و سورج کو معبود قرار دیتے ہیں ان کے سامنے اپنی پیشانی جھکاتے ہیں؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے اہل جاہلیت کے اس عقیدہ کو ختم فرمایا کہ کسی عظیم حادثہ مثلاً کسی بڑی شخصیت کے مرنے اور وباء عام یعنی قحط وغیرہ کی وجہ سے سورج و چاند گرہن میں آتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے آگاہ فرمایا کہ یہ خیالات باطل اور اعتقادات فاسد ہیں حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ خدا ان دونوں کو گرہن میں مبتلا کر کے صرف اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے غضب سے ڈراتا ہے۔

فاذکروا اللہ کا مطلب یہ ہے کہ چاند و سورج گرہن کے وقت اگر نماز کے وقت مکروہ نہ ہوں تو کسوف و خسوف کی نماز پڑھو اور اگر اوقات مکروہ ہوں تو پھر نماز نہ پڑھو بلکہ پروردگار کی تسبیح و تہلیل اور تکبیر نیز استغفار میں مشغول ہو جاؤ۔ لیکن یہ بات جان لو کہ یہ حکم ”امراستجابی“ کے طور پر ہے وجوب کے طور پر نہیں ہے کیونکہ نماز کسوف و خسوف واجب نہیں ہے۔ بلکہ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک سنت ہے۔

”رہتی دنیا تک کھاتے“ یعنی جیسا کہ بہشت کے میووں کی خاصیت ہے، انگور کے اس خوشہ میں سے جو دانہ کھاتے اس کی جگہ دوسرا دانہ پیدا ہو جاتا اسی طرح وہ خوشہ رہتی دنیا تک چلتا رہتا۔

جنت کے اس خوشہ انگور کو آنحضرت ﷺ کے نہ لینے کا سبب یہ تھا کہ اگر آپ اسے لے لیتے اور لوگ اسے دیکھ لیتے تو ایمان بالغیب کی کوئی حقیقت و اہمیت باقی نہ رہ جاتی۔

④ وَعَنْ عَائِشَةَ نَحْوُ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَتْ لَمَّا سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ انْجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَاتُ اللَّهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا زَأْتُمْ ذَلِكَ فَادْعُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا ثُمَّ قَالَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللَّهِ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللَّهِ أَنْ يَزْنِي عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِي أَمَتُهُ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللَّهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمَ لَصَحَحْتُكُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا۔ (بخاری و مسلم)

”اور حضرت عائشہ سے (بھی) حضرت ابن عباس کی مذکورہ بالا روایت کی طرح روایت منقول ہے چنانچہ انہوں نے یہ (بھی) فرمایا ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے تو بڑا طویل سجدہ کیا پھر نماز سے فارغ ہوئے تو (آفتاب) روشن ہو چکا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے (لوگوں کے سامنے) خطبہ ارشاد فرمایا، چنانچہ (پہلے) آپ نے خدا کی حمد و ثنائیاں فرمائی اور پھر فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیاں ہیں نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے انہیں گرہن لگتا ہے۔ اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے چنانچہ جب تم گرہن دیکھو تو خدا سے دعا مانگو، تکبیر کہو اور نماز پڑھو نیز اللہ کی راہ میں خیرات کرو۔ پھر فرمایا کہ اے امت محمدیہ (ﷺ) آسم ہے پروردگار کی اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے۔ جب کہ اس کا کوئی بندہ زنا کرتا ہے یا اس کی کوئی بندی زنا میں مبتلا ہوتی ہے اور اے امت محمدیہ (ﷺ) آسم ہے خدا کی، اگر تم لوگ وہ چیز جان لو جو میں جانتا ہوں (یعنی یوم آخرت کی ہولناکی اور پروردگار کا غضب) تو اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا ہنسنا کم اور تمہارا رونانا زیادہ ہو جائے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس روایت میں سجدہ کی طوالت، خطبہ، دعا، تکبیر، نماز اور خیرات کرنے کا ذکر حکم اور حدیث کے آخری الفاظ مزید منقول ہیں جب کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

”غیرت“ کے اصل معنی ہیں ”اپنے حق میں کسی غیر کی شرکت کو برا جاننا۔“ اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کا مطلب ہے ”اپنے احکام میں بندوں کی نافرمانی اور امر و نہی کے خلاف کرنے کو برا جاننا۔“ ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ خدا کا کوئی بندہ یا اس کی کوئی بندی جب زمان میں مبتلا ہوتی ہے تو اس معاملہ میں تمہیں جتنی غیرت محسوس ہوتی ہے اور ان دونوں سے تمہیں جتنی نفرت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی غیرت اس سے کہیں زیادہ شدید اور اس کی نفرت تمہاری نفرت سے کہیں زیادہ سخت ہوتی ہے۔

گرہن کے وقت آنحضرت ﷺ کی کیفیت

⑤ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَعَا يَخْشَى أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ فَاتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى بِأَطْوَلِ قِيَامٍ وَرُكُوعٍ وَسُجُودٍ مَا رَأَيْتُهُ قَطُّ يَفْعَلُهُ وَقَالَ هَذِهِ آيَاتُ النَّبِيِّ يُرْسِلُ اللَّهُ لَا تَكُونَ لِمَوْتٍ أَحَدٌ وَلَا لِحَيَاتِهِ وَلَكِنْ يَخْوَفُ اللَّهُ بِهَا عِبَادَهُ فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا ذَلِكَ فَاغْرُغُوا إِلَى ذِكْرِهِ وَذُعَائِهِ وَاسْتَغْفَارِهِ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ (جب) سورج گرہن ہوا تو نبی کریم ﷺ گھبرائے ہوئے کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ پر ایسا خوف طاری ہوا جیسے قیامت ہو گئی ہو۔ چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لائے اور طویل قیام و رکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھی، میں نے اس طرح کبھی آپ ﷺ کو (اتنا طویل قیام و رکوع اور سجود) کرتے ہوئے نہیں دیکھا پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ نشانیاں جو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔ نہ تو کسی کے مرنے کے سبب سے (ظاہر ہوتی) ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے، ہاں اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، لہذا جب تم ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھو تو خدا سے ڈرتے ہوئے اس کا ذکر کرنے، اس سے دعا مانگنے اور استغفار کرنے میں مصروف ہو جاؤ۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: الفاظ یخشی ان تکون الساعة در اصل راوی نے بطریق تمثیل استعمال کئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اس موقع پر اس طرح گھبرائے ہوئے اور خوف زدہ تھے جیسا کہ کوئی شخص قیامت شروع ہوجانے پر گھبرا جائے اور خوف زدہ ہو جائے۔ آپ ﷺ کا یہ خوف اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ ﷺ یہ سمجھتے ہوں کہ قیامت شروع ہو گئی ہے کیونکہ آپ ﷺ پوری طرح جانتے تھے کہ جب تک میں لوگوں میں موجود ہوں قیامت نہیں آسکتی۔

بہر حال، آنحضرت ﷺ خدا کی نشانیوں کے ظہور مثلاً سورج و چاند گرہن، زلزلے، آندھی و طوفان اور چمک و لڑک کے وقت جو گھبراتے اور ڈرتے تھے تو اس میں صرف زمین کے اوپر بسنے والے انسانوں کی شفقت کا جذبہ کار فرما ہوتا تھا چنانچہ آپ ﷺ اپنی ذات کی طرف سے نہیں بلکہ دنیا والوں کی طرف سے خوف زدہ ہو جایا کرتے تھے کہ کہیں یہ اپنے دامن میں دنیا والوں کی تباہی و بربادی کا پیغام نہ لے ہو اور اس صورت میں لوگوں پر خدا کا عذاب نازل نہ ہو جائے۔

وقال هذه الايات كما مطلب یہ ہے کہ چاند و سورج کا گرہن ہونا، زلزلوں اور آندھی و طوفان کا آنا اور بجلی کی لڑک وغیرہ یہ سب خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اور انسانوں کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ دیکھو میں تغیر حالت، قسمت کے چھین لینے اور عذاب نازل کرنے پر کیسا قادر ہوں؟

نماز کسوف میں رکوع و سجود کی تعداد

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ ابْنُ زُهَيْرٍ بْنُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِالثَّاسِ بَسْرَ كَعَابٍ بِأَرْبَعِ سَجْدَاتٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں جس دن آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تھا سورج گرہن ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو چھ رکوع اور چار سجدے کے ساتھ نماز پڑھائی۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت ابراہیمؑ آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے تھے جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۰ھ میں حالت شیر خوارگی میں وفات پا گئے تھے، ان کی عمر صرف اٹھارہ مہینے یا اس سے کچھ زیادہ ہوئی تھی۔ جس دن ان کا انتقال ہوا اس دن سورج کو گرہن لگا۔ چنانچہ لوگوں نے کہا کہ سورج گرہن ان کی وفات ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ جس کی آنحضرت ﷺ نے تردید فرمائی جیسا کہ گذشتہ روایتوں سے معلوم ہو چکا ہے۔

”چھ رکوع اور چار سجدے کے ساتھ“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں تین تین رکوع اور دو دو سجدے کئے۔ جیسا کہ اس باب کی احادیث میں اس نماز کے رکوع کی تعداد مختلف بیان ہوئی ہے۔ لہذا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ان احادیث کو ترجیح دی ہے جن میں ہر رکعت میں صرف ایک رکوع کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ اصل یہی ہے کہ ہر رکعت میں ایک رکوع ہو بلکہ اس بارہ میں قوی اور فعلی دونوں طرح کی احادیث منقول ہیں۔ پھر یہ کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مستدل روایت کے علاوہ دوسری روایتیں مضطرب ہیں جن میں کسی ایک تعداد کا تعین بڑا مشکل ہے حضرت امام شافعیؒ نے دو رکوع والی حدیث کو ترجیح دی ہے، حضرت امام شافعیؒ اور دوسرے اکثر اہل علم حضرات کے یہاں یہ بھی مسئلہ ہے کہ اگر گرہن دیر تک رہے تو یہ جائز ہے کہ ہر رکعت میں تین یا چار یا پانچ رکوع بھی کئے جاسکتے ہیں۔

(۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَعَنْ عَلِيٍّ مِثْلُ ذَلِكَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سورج گرہن کے وقت دو رکعت نماز اٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ (اس طرح) پڑھائی (کہ ہر رکعت میں چار چار رکوع اور دو دو سجدے کئے) اور اسی طرح حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے۔“ (مسلم)

تشریح: وعن علی مِثْلُ ذَلِكَ کا مطلب یہ ہے کہ یا تو حضرت علیؓ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس طرح نماز ادا فرمائی یا پھر یہ کہ حضرت علیؓ کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ انہوں نے بھی اس طرح نماز ادا فرمائی۔

سورج گرہن کے وقت آنحضرت ﷺ کا طریقہ

(۸) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ أَرْتَمِي بِأَسْهُمِي لِي بِالْمَدِينَةِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهَا فَقُلْتُ وَاللَّهِ لَا تُنْزِلُنِي إِلَى مَا حَدَّثَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كَسْفِ الشَّمْسِ قَالَ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلَاةِ رَافِعٌ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يُسَبِّحُ وَيُهَيِّلُ وَيُكَبِّرُ وَيُحَمِّدُ وَيَدْعُو حَتَّى خُسِرَ عَنْهَا فَلَمَّا خُسِرَ عَنْهَا قَرَأَ سُورَتَيْنِ وَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِي صَحِيحِهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ وَكَذَلِكَ فِي شَرْحِ السَّنَةِ عَنْهُ وَفِي نُسْخِ الْمَصَابِيحِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ۔

”اور حضرت عبدالرحمن بن اسمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے زمانہ حیات میں مدینہ میں اپنے تیروں سے تیر اندازی کیا کرتا تھا (چنانچہ ایک دن میں تیر اندازی میں مشغول تھا) کہ سورج گرہن ہوا، میں نے تیروں کو پھینک دیا اور (دل میں) کہا کہ خدا کی قسم میں یہ ضرور دیکھوں گا کہ سورج گرہن ہونے سے آنحضرت ﷺ کی کیا حالت ہوتی ہے (یعنی یہ دیکھوں گا کہ آپ ﷺ اس وقت کیا کرتے ہیں؟) حضرت عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں کہ ”(یہ سوچ کر) میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (میں نے سنا کہ) آپ ﷺ سبحان اللہ اللہ الا للہ اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھنے اور دعا مانگنے لگے، یہاں تک کہ سورج گرہن سے نکل آیا۔ جب سورج سے ظلمت دور ہوئی تو آپ ﷺ

نے دو سورتیں پڑھیں اور دو رکعت نماز ادا فرمائی (یعنی آپ ﷺ نے نماز کی دو رکعتیں پڑھیں جن میں دو سورتوں کی قرأت کی)۔ یہ حدیث مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں عبد الرحمن ابن سمرہ سے نقل کی ہے، نیز شرح السنہ میں بھی (یہ روایت) اسی طرح (عبد الرحمن ابن سمرہ سے) منقول ہے اور مصابیح کے نسخوں میں یہ روایت جابر ابن سمرہ سے نقل کی گئی ہے۔

تشریح: وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلَاةِ کا مطلب یہ ہے کہ ”آپ ﷺ دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے نماز کے سے انداز میں قبلہ کی طرف رخ کئے ہوئے کھڑے تھے اور لوگ صف باندھے کھڑے تھے۔ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ یہاں ”صلوٰۃ“ یعنی نماز سے مراد ”دعا“ ہے۔ یہ تاویل اس لئے کی جاتی ہے کہ یہ کسی بھی مسلک سے معلوم نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ سورج گرہن کے وقت حالت نماز میں اذکار کے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔“

جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے، نماز کسوف کے رکوع کی تعداد کے بارہ میں مختلف احادیث مروی ہیں چنانچہ جن روایتوں سے ہر رکعت میں کئی کئی رکوع کا اثبات ہوتا ہے۔ وہ سب مضطرب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارہ میں خود راوی بھی مضطرب ہیں کہ بعض نے تین تین رکوع بیان کئے ہیں، بعض نے چار چار رکوع اور بعض نے پانچ رکوع تک کی تعداد روایت کی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اضطراب موجب ضعف ہوتا ہے لہذا ان روایتوں کا ترک کرنا واجب ہوا جو تعداد رکوع کو ثابت کرتی ہیں اسی لئے حضرت امام ابو حنیفہ نے انہیں روایات کو اپنا مستدل قرار دیا ہے۔ جن سے ہر رکعت میں ایک ایک رکوع کرنا ثابت ہے۔

سورج گرہن میں غلام آزاد کرنا چاہئے

⑨ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ لَقَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعِتَاقَةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ - (رواہ البخاری)
”اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سورج گرہن میں غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔“
(بخاری)

الفصل الثانی

نماز کسوف کی قرأت باواز بلند ہو یا آہستہ آواز سے؟

⑩ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلَّيْتُ بِنَارِ سُرُورٍ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كُسُوفٍ لَا نَسْمَعُ لَهُ صَوْتًا -

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ)

”حضرت سمرہؓ ابن جندب فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں سورج گرہن کے وقت (اس طرح) نماز پڑھائی (کہ) ہم آپ ﷺ کی آواز نہیں سنتے تھے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث اور اسی قسم کی اور احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کسوف میں امام باواز بلند قرأت نہ کرے چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے۔ بخاری و مسلم نیز دوسری کتابوں میں ایسی روایات بھی منقول ہیں کہ جن سے نماز کسوف کی قرأت کا باواز بلند ہونا ثابت ہوتا ہے۔ روایات کے اس تعارض کے پیش نظر حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ جب روایتوں میں تعارض پیدا ہوا تو ان روایتوں کو ترجیح دینا ضروری ہوا جن سے قرأت کا باواز آہستہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ دن کی نماز میں قرأت کا باواز آہستہ ہونا اصل ہے۔

کر۔ نہ خداوندی کے ظہور کے وقت سجدہ

⑪ وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ قِيلَ لَابْنِ عَبَّاسٍ مَا تَنْتَ فَلَانَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَّ سَاجِدًا فَقِيلَ لَهُ

تَسْجُدُ فِي هَذِهِ السَّاعَةِ فَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمْ آيَةً فَاسْجُدُوا وَآيَةُ آيَةُ أَعْظَمُ مِنْ ذِهَابِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت عکرمہؓ راوی ہیں کہ (جب) حضرت ابن عباسؓ سے یہ کہا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سے فلاں زوجہ مطہرہ (یعنی حضرت صفیہ) انتقال فرمائیں (تو وہ) اس عظیم حادثہ کی خبر سننے ہی (سجدہ میں گر پڑے) (یہاں کہ انہوں نے نماز پڑھی) ان سے پوچھا گیا آپ اس وقت سجدہ (کیوں) کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ”جب تم کوئی نشانی (یعنی کرشمہ خداوندی) دیکھو تو سجدہ کرو، اور آنحضرت ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی دائمی جدائی سے زیادہ بڑی نشانی اور کیا ہو سکتی ہے؟“ (ترمذی، البوداؤد)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ سے لوگوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ اس وقت بلا سبب سجدہ کیوں کرتے ہیں جب کہ بلا وجہ سجدہ کرنا ممنوع ہے؟ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”جب تم بلاؤں اور مصیبتوں کے آنے کی صورت میں خدا کے کرشموں میں سے جن کے ذریعہ خدا اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کوئی کرشمہ دیکھو تو بارگاہِ خداوندی میں فوراً سجدہ ریز ہو جاؤ، اور ظاہر ہے کہ خدا کا کون سا کرشمہ اس سے زیادہ ڈرانے والا عظیم اور سخت تر ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کی ازواجِ مطہرات اس دنیا سے رخصت ہو جائیں، کیونکہ ان مقدس ماؤں کو آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں ہونے اور آپ ﷺ سے انتہائی ارتباط و اختلاط کی وجہ سے جو عظمت و فضیلت حاصل تھی دوسروں کو حاصل نہیں تھی۔ لہذا جس طرح ان کی حیات دنیا اور دنیا والوں کے لئے امن و برکت کا سبب اور نیکی و بھلائی کا باعث تھی اس طرح ان کی وفات دنیا اور اہل دنیا کے لئے امن و برکت اور بھلائی کے اٹھ جانے کا سبب اور انسانوں کے عذابِ خداوندی میں مبتلا ہو جانے کے خوف کا باعث ہے اس لئے ان کی برکت کے منقطع ہو جانے کے وقت اللہ کی یاد میں مشغول اور بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہو جانا ہی بہتر ہے کہ خدا کے ذکر اور سجدہ کی برکت سے عذابِ خداوندی دفع ہو جائے۔“

علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی ”فاسجدوا“ (سجدہ کرو) کا مطلب یہ ہے کہ ”نماز پڑھو“ جب کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے صرف سجدہ کرنا ہی مراد ہے۔

علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ ”ارشادِ نبویؐ میں لفظ ”آیہ“ مطلق ہے اس لئے اس کو اگر چاند و سورج گرہن پر محمول کیا جائے تو سجدہ سے نماز مراد ہوگی اگر اس کے علاوہ دوسری نشانیوں مثلاً طوفانِ آندھی یا زلزلہ وغیرہ پر اطلاق کیا جائے تو پھر سجدہ سے سجدہ ہی مراد ہوگا اگرچہ اس صورت میں بھی نماز مراد لی جاسکتی ہے کیونکہ یہ منقول ہے کہ جب ایسی کوئی صحت پیش آتی تو آنحضرت ﷺ نماز پڑھنے لگتے تھے۔ حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ یہ منقول ہے کہ سخت طوفان، آندھی اور ظلمت چھا جانے کے وقت نماز پڑھنا ہی اچھا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں بھی مروی ہے کہ انہوں نے بصرہ میں زلزلہ کے وقت نماز پڑھی تھی۔“

الفصل الثالث

نماز کسوف کے رکوع و سجدہ اور تلاوت

⑫ عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِهِمْ فَقَرَأَ بِسُورَةِ مِنَ الطَّلُوتِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ إِلَى الثَّانِيَةِ فَقَرَأَ بِسُورَةِ مِنَ الطَّلُوتِ ثُمَّ رَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ كَمَا هُوَ مُسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةِ يَدُ غَوْ حَتَّى انْجَلَى كُسُوفُهَا۔ (رواہ البوداؤد)

”حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی جس میں آپ ﷺ نے (پہلی رکعت میں) طویل سورتوں میں سے ایک سورۃ کی قرات فرمائی اور پانچ رکوع و دو سجدے کئے۔ پھر دوسری

۱ رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تو اس میں بھی) طویل سورتوں میں سے ایک سورۃ کی قرأت فرمائی اور پانچ رکوع و دو سجدے کے پھر اسی طرح (یعنی بہت نماز) قبلہ رخ بیٹھے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا۔“ (ابوداؤد)

حنفیہ کی مستدل حدیث

(۱۳) وَعَنِ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يُصَلِّي زَكَتَيْنِ وَيَسْأَلُ عَنْهَا حَتَّى انْجَلَتِ الشَّمْسُ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَفِي رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى حِينَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ مَثَلَ صَلَاةٍ يَزْكَعُ وَيَسْجُدُ وَلَهُ فِي أُخْرَى أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَعِجِلًا إِلَى الْمَسْجِدِ وَقَدْ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى حَتَّى انْجَلَتِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ أَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوا يَقُولُونَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ إِلَّا لِمَوْتِ عَظِيمٍ مِنْ عَظَمَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ وَإِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ وَلَكِنَّهُمَا خَلِيقَتَانِ مِنَ خَلْقِهِ يُخْبِثُ اللَّهُ فِي خَلْقِهِ مَا شَاءَ فَأَيُّهُمَا انْخَسَفَتْ فَصَلُّوا حَتَّى يَنْجَلِيَ أَوْ يُخْبِثُ اللَّهُ أَثَرًا۔

”اور حضرت نعمان ابن بشیر فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے دو دو رکعت نماز پڑھنی شروع کی (یعنی دو رکعت نماز پڑھ کر دیکھتے اگر گرہن ختم نہ ہوتا تو پھر دو دو رکعت نماز پڑھتے اسی طرح گرہن تک نماز پڑھتے رہے) اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگتے (کہ خدایا آفتاب روشن کر دے یا یہ کہ ہر دو دو رکعت کے بعد لوگوں سے گرہن کے بارہ میں پوچھتے کہ گرہن ختم ہوا یا نہیں؟ اگر لوگ کہتے کہ ابھی گرہن باقی ہے تو پھر نماز میں مشغول ہو جاتے) یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا۔“ (ابوداؤد) اور نسائی کی روایت ہے کہ ”جب سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی جس میں رکوع و سجدہ کرتے تھے“ نسائی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”ایک روز جب کہ سورج کو گرہن ہوا تھا آنحضرت ﷺ غلبت کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ زمین پر رہنے والے بڑے آدمیوں میں سے کسی بڑے آدمی کے مرجانے کی وجہ سے سورج اور چاند کو گرہن لگتا ہے، حالانکہ (حقیقت یہ ہے کہ) سورج و چاند نہ تو کسی کے مرجانے کی وجہ سے گرہن میں آتے ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے۔ یہ دونوں محض اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے دو مخلوق ہیں، خدا جو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تعمیر (مثلاً گرہن، روشنی اور اندھیرا) پیدا کرتا ہے۔ لہذا جب ان میں سے کوئی گرہن میں آئے تو تم نماز پڑھنی شروع کرو یہاں تک کہ وہ روشن ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ظاہر ہو جائے (یعنی عذاب آجائے یا قیامت شروع ہو جائے)۔“ (نسائی)

تشریح: حدیث کے الفاظ ”ہماری نماز کی طرح“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز کسوف کی ہر رکعت میں کئی کئی رکوع نہیں کئے بلکہ جس طرح کہ ہم روزمرہ نماز پڑھتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ نے بھی اس وقت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں ایک ایک رکوع اور دو دو سجدے کئے۔“ یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہیں اس کے علاوہ اور احادیث بھی منقول ہیں جو اس مسئلہ میں حنفیہ کے مسلک کی تائید کرتی ہیں۔

بَابُ فِي سُجُودِ الشُّكْرِ سجدة شکر کا بیان

علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ خارج از نماز صرف سجدہ کرنا جائز مسنون اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں صرف سجدہ کرنا بدعت محض اور حرام ہے اور شریعت میں اس کی کوئی

شکر مشروع ہے جب کہ دوسرے علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے اور حدیث کے مفہوم کے بارہ میں کہا ہے کہ یہاں دراصل ”سجدہ“ سے مراد نماز ہے ان کی اس تاویل کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چاشت کے وقت دو رکعت نماز پڑھی جب کہ آپ ﷺ کو جنگ میں فتح کی خوشخبری دی گئی یا یہ کہ ابو جہل کا سر کاٹ کر لایا گیا۔“

حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر نندہ ہر نئی حاصل ہونے والی نعمت پر سجدہ کو لازم قرار دے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک پل بھی سجدہ سے خالی نہ ہو کیونکہ انسانی زندگی کا کوئی بھی پل ایسا نہیں آتا جو اپنے دامن میں اللہ تعالیٰ کی نعمت نہ لئے ہوئے ہو۔ پھر یہ کہ انسان کی زندگی خود اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ ہر سانس کا باہر آنا اور اندر جانا اور آنے والا ہر لمحہ اور ہر پل ایک نعمت ہے، چونکہ اس طرح نہ صرف یہ کہ لوگ بہت زیادہ مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہو جائیں گے بلکہ انسانی زندگی کا پورا انتظام معطل ہو کر رہ جائے گا اس لئے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک سجدہ شکر سنت نہیں ہے۔

کسی مبتلائے بلا کو دیکھ کر اپنی عافیت پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے

② وَعَنْ أَبِي جَعْفَرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا مِنَ النَّغَاشِينَ فَخَرَّ سَاجِدًا رَوَاهُ الدَّارِ قُطَنِي مَرْسَلًا وَفِي شَرْحِ السُّنَنِ لَفْظُ الْمَصَابِيحِ۔

”اور حضرت ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بونے (پست قد آدمی) کو دیکھا تو سجدہ میں گر پڑے۔“ دارقطنی نے یہ روایت بطریق ارسال نقل کی ہے اور شرح السنہ میں مصابیح کے الفاظ میں (مقول ہے)۔“

تشریح: نغاش اور نغاشی اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت ہی پست قد، ناقص الخلق اور ضعیف الحرت ہو ایسے ہی ایک شخص کو جب آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہو گئے۔

منظہر فرماتے ہیں کہ یہ مسنون ہے کہ جب کسی ایسے شخص کو دیکھا جائے جو مبتلائے بلا ہو تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سجدہ شکر کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بلا سے محفوظ رکھا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ خاص ادب ہے کہ یہ سجدہ شکر پوشیدہ طور پر کیا جائے تاکہ وہ مبتلائے بلا رنجیدہ نہ ہو۔ لیکن کسی فاسق کو دیکھ کر اس بات کا سجدہ شکر کرنا کہ خدا نے مجھے اس فتنے سے محفوظ رکھا ہے علانیہ طور پر فاسق کے سامنے ہی ہونا چاہئے تاکہ اسے ندامت اور شرمندگی ہو اور وہ اپنے فتنے سے باز آجائے۔ چنانچہ حضرت شبلیؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے جب ایک ایسے شخص کو دیکھا جو دنیا کی لذتوں میں اپنے آپ کو گم کر چکا تھا تو اس کے سامنے ہی فرمایا کہ الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ یعنی اس خدا کے لئے تعریف ہے جس نے مجھے اس بلا سے محفوظ رکھا جس میں تم مبتلا ہو۔

امت کے حق میں آنحضرت ﷺ کی شفقت

③ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ خَرَّ جَنَامِعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ ثُرَيْدَ الْمَدِينَةِ فَلَمَّا كُنَّا قَرِيبًا مِنْ عُرْوَاءَ نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَدَعَا اللَّهَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَتْ طَوِيلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَتْ طَوِيلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا قَالَ إِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي وَشَفَعْتُ لَأَمْتِي فَأَعْطَانِي ثَلَاثَ أَمْتِي فَخَرَزْتُ سَاجِدَ الزَّوْتِي شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَأْسِي فَسَأَلْتُ رَبِّي لَأَمْتِي فَأَعْطَانِي الثَّلَاثَ الْآخَرَ فَخَرَزْتُ سَاجِدَ الزَّوْتِي شُكْرًا (رواه احمد والبوداد)

”اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؒ فرماتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ مدینہ کے ارادہ سے مکہ سے روانہ ہوئے، جب ہم عروڑا کے قریب (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) پہنچے تو آنحضرت ﷺ (اونٹنی سے) اترے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر تھوڑی دیر تک اپنے

حقیقت نہیں ہے۔ اسی بنا پر نماز وتر کے بعد کے دونوں سجدوں کی حرمت بیان کی جاتی ہے۔ دوسرے حضرات کے نزدیک جائز اور کرہ امت کے ساتھ مشروع ہے۔

اس مسئلہ کی حقیقت اور تفصیل یہ ہے کہ خارج از نماز سجدہ کئی طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو سجدہ سہو ہے یہ نماز ہی کے حکم میں ہے اس کے بارہ میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ دوسرا سجدہ تلاوت ہے ظاہر ہے کہ اس کے بارہ میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تیسرا سجدہ مناجات ہے جو خارج از نماز ہے اس کے بارہ میں اکثر علماء کے ظاہری اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سجدہ مکروہ ہے چوتھا سجدہ شکر ہے جو حصول نعمت اور خاتمہ مصیبت و بلا پر کیا جاتا ہے۔

اس سجدہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے یہاں یہ سجدہ مُتَّع ہے۔ حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کا بھی یہی قول ہے اس مسلک کی تائید میں آثار و احادیث بھی بکثرت منقول ہیں حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے یہاں یہ سجدہ مکروہ ہے۔ یہ حضرات اپنی دلیل کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ان گنت ہیں جن کا شمار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ بندہ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر ہر نعمت کا شکر بھی ادا کر سکے اس لئے اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کے حصول پر سجدہ شکر کا حکم دینا اسے ایسی تکلیف و مشقت میں مبتلا کر دیتا ہے جسے برداشت کرنا اس کی طاقت سے باہر ہے۔

لیکن جو حضرات سجدہ شکر کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ”نعمتوں“ سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو نئی ہوں کہ کبھی کبھی حاصل ہوتی ہوں وہ نعمتیں مراد نہیں ہیں جو مستقل اور دائمی ہوں جیسے خود انسان کا وجود اس کے توابع اور اس کے لوازمات کہ یہ بھی درحقیقت خدا کی عظیم نعمتیں ہیں جو بندہ کو مستقل طور پر حاصل ہیں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں مروی ہے کہ جب آپ ﷺ کو ابو جہل لعین کے قتل ہو جانے کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے سجدہ شکر کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے میلہ کذاب کے مرنے کی خبر سن کر سجدہ کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں بتایا جاتا ہے کہ جب ذی الشہداء خارجی قتل کر دیا گیا تو انہوں نے سجدہ شکر کیا۔ اسی طرح مشہور صحابی حضرت کعب بن مالک کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے قبول توبہ کی بشارت کے وقت سجدہ شکر کیا۔

وَهَذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الْأَوَّلِ وَالثَّالِثِ اور اس باب میں پہلی فصل اور تیسری فصل نہیں ہے

الْفَصْلُ الثَّانِي

خوشی کے وقت آنحضرت ﷺ کا سجدہ شکر

① وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَهُ أَمْرٌ سُرُورًا أَوْ يُسْرُهُ خَرَّ سَاجِدًا شَاكِرًا لِلَّهِ تَعَالَى رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو جب خوشی کا امر پیش آتا۔ یا راوی نے لفظ ”سُرُورًا“ کی بجائے یُسْرُهُ کہا ہے یعنی آنحضرت ﷺ کو جب کوئی ایسا امر پیش آتا جس سے آپ خوش ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑتے۔“ اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نے حدیث کے ظاہری مفہوم کو دیکھتے ہوئے کہا ہے کہ حصول نعمت پر سجدہ

دونوں ہاتھ اٹھائے (دعا مانگتے) رہے، پھر سجدہ میں گر پڑے۔ اور دیر تک سجدہ میں رہے پھر کھڑے ہوئے اور تھوڑی دیر تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے (دعا مانگتے) رہے۔ پھر سجدہ میں گر پڑے۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا ”میں نے اپنے پروردگار سے دعا کی اور اپنی اُمت (کے گناہوں کی بخشش، عیوب کی پردہ پوشی اور بلندی درجات) کے لئے شفاعت کی، چنانچہ مجھے تہائی اُمت (کی مغفرت) عطا فرمادی گئی، میں اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑا، پھر میں نے اپنا سراٹھایا اور اپنے پروردگار سے اپنی اُمت کے لئے (اس کی رضا اور مغفرت کی) درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تہائی اُمت (کی مغفرت) عطا فرمادی میں اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑا، پھر میں نے اپنا سراٹھایا اور اپنے پروردگار سے اپنی اُمت کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے باقی تہائی اُمت (کی بھی مغفرت) عطا فرمادی، چنانچہ میں اپنے پروردگار کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑا۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: پہلی مرتبہ میں سابقین یعنی ان لوگوں کی مغفرت عطا فرمائی گئی جو بھلائی کرنے میں سبقت اور پیش روی کرتے ہیں اور اعمال میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کرتے، دوسری مرتبہ میں متقدمین یعنی اوسط درجہ والوں کی مغفرت عطا فرمائی گئی۔ اور تیسری مرتبہ میں ان لوگوں کی بھی مغفرت عطا فرمادی گئی جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں یعنی معصیت و گناہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس موقع پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کتنی آیات اور احادیث سے تو یہ ثابت ہو چکا ہے جو لوگ گناہ کبیرہ میں مبتلا رہتے ہیں انہیں آخرت میں عذاب دیا جائے گا لیکن یہاں اس حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ان لوگوں کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ تمام ہی اُمت کی مغفرت عطا فرمادی گئی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دعا، شفاعت اور حق تعالیٰ کی جانب سے مغفرت سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعا و سفارش سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اُمت کو خف و سَخ اور ان جیسے دوسرے عذابوں سے پروانہ امن دے دیا ہے کہ جس طرح پہلی امتوں کے لوگ اپنی بدکرداری اور بد اعمالی کی وجہ سے ان جیسے ہولناک عذاب میں اس دنیا میں مبتلا کر لئے جاتے تھے امت محمدی کو اس دنیا میں ان عذاب سے دوچار نہیں کیا جائے گا لہذا۔ یہاں مغفرت کا تعلق آخرت کے اس عذاب سے نہیں ہے جو ہر گناہگار کو اس کی بد عملی و بدکرداری کی مناسبت سے دیا جائے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”یہاں مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعا اور سفارش سے اُمت مرحومہ کو دائمی عذاب سے پروانہ امن دے دیا گیا ہے کہ امت کے گناہگار و بد کردار لوگ دائمی طور پر دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ بلکہ اپنے اپنے جرم کی مناسبت سے سزا پا کر آنحضرت ﷺ کی سفارش سے دوزخ سے نکال لئے جائیں گے اور پھر دائمی طور پر جنت میں داخل کر دئے جائیں گے۔“

بَابُ صَلَوةِ الْاِسْتِسْقَاءِ

نماز استسقاء کا بیان

”استسقاء“ کے لغوی معنی ہیں ”پانی طلب کرنا“ اور اصطلاح شریعت میں اس کا مطلب ہے ”قطر اور خشک سالی میں طلب بارش کے لئے بتائے گئے طریقوں کے مطابق نماز پڑھنا اور دعا کرنا۔“

الفصل الاول

آنحضرت ﷺ کی نماز استسقاء

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ إِلَى الْمُصَلَّى يَسْتَسْقِي فَصَلَّى بِهِمْ

رَكَعَتَيْنِ جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُو وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِءَاةَهُ حِينَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ۔ (مشن علیہ)

”حضرت عبداللہ ابن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ لوگوں کے ہمراہ طلب بارش کے لئے عید گاہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وہاں دو رکعت نماز پڑھائی جس میں بلند آواز سے قرأت فرمائی اور قبلہ رخ ہو کر دعا مانگی نیز آپ ﷺ نے (دعا کے لئے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے اور قبلہ رخ ہوتے وقت اپنی چادر پھیر دی تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ اور صاحبین (حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمدؒ) کے نزدیک استسقاء کی نماز عید کی نماز کی طرح ہے اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ استسقاء کی دو رکعت نماز اسی طرح پڑھی جائے جیسا کہ دوسری نماز پڑھی جاتی ہے۔

نماز استسقاء کے بارہ میں حنفیہ کا مسلک

نماز استسقاء کے سلسلہ میں خود حنفیہ کے یہاں دو قول ہیں، حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ استسقاء نماز نہیں ہے بلکہ دعا و استغفار ہے وہ فرماتے ہیں کہ جن اکثر احادیث میں استسقاء کا ذکر آیا ہے ان میں میں نماز مذکور نہیں ہے بلکہ صرف دعا کرنا مذکور ہے۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ کے بارہ میں صحیح روایت منقول ہے کہ انھوں نے استسقاء کے لئے صرف دعا و استغفار پر اکتفا فرمایا نماز نہیں پڑھی، اگر اس سلسلہ میں نماز مسنون ہوئی تو وہ ترک نہ کرتے۔ اور ایسے ضروری مشہور واقعات کا انہیں معلوم نہ ہونا جب کہ زمانہ نبوت کو بھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے بعید ہے اور معلوم ہونے کی صورت میں اسے ترک کرنا حضرت عمرؓ کی شان سے بعید تر ہے۔

صاحبین کا مسلک اس کے خلاف ہے۔ ان حضرات کے نزدیک نہ صرف یہ کہ استسقاء کے لئے نماز منقول اور مسنون ہے بلکہ اس نماز میں جماعت اور خطبہ بھی مشروع ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے قول لا صلوة فی الاستسقاء (یعنی استسقاء کے لئے نماز نہیں ہے) کی مراد یہ ہے کہ اس نماز کے لئے جماعت خطبہ اور خصوصیت مفت و شرط نہیں، اگر ہر شخص الگ الگ نفل نماز پڑھے اور دعا و استغفار کرے تو بہتر ہے۔ اس وقت حنفیہ کے یہاں فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے کیونکہ نماز استسقاء آنحضرت ﷺ سے ثابت اور منقول ہے جس کا ایک واضح ثبوت مذکور بالا حدیث ہے۔

نماز استسقاء کے سلسلہ میں یہ افضل ہے کہ اس کی دونوں رکعتوں میں سے پہلی رکعت ”سورہ ق“ یا ”سبح اسم ربک الاعلیٰ“ اور دوسری رکعت میں ”اقرب الساعۃ“ یا ”سورہ غاشیہ“ کی قرأت کی جائے۔

”چادر پھیرنا“ دراصل تغیر حالت کے لئے اچھا شگون لینے کے درجہ میں ہے جس طرح چادر الٹ پلٹ دی گئی ہے اسی طرح موجودہ حالت میں بھی تبدیلی اور تغیر ہو جائے یا اس طور کہ قطع کے بدلہ ارزائی ہو جائے اور خشک سالی کی بجائے باران رحمت سے دنیا سیراب ہو جائے۔

چادر پھیرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ بیٹھ کے پیچھے لے جا کر دائیں ہاتھ سے چادر کی بائیں جانب کے نیچے کا کونا پکڑا جائے اور بائیں ہاتھ سے چادر کی دائیں جانب کے نیچے کا کونا پکڑ لیا جائے پھر دونوں ہاتھوں کو بیٹھ کے پیچھے اس طرح پھیرا اور پٹا جائے کہ دائیں ہاتھ میں چادر کا پکڑا ہوا کونا دائیں مونڈھے پر آجائے اور بائیں ہاتھ میں چادر کا پکڑا ہوا کونا بائیں مونڈھے پر آجائے اس طریقہ سے چادر کا دایاں کونا تو بائیں ہو جائے گا اور بائیں کونا دائیں ہو جائے گا۔ نیز اوپر کا حصہ نیچے پہنچ جائے گا اور نیچے کا حصہ اوپر آجائے گا۔

آنحضرت ﷺ کی چادر کے بارہ میں کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ آپ ﷺ کی چادر چار ہاتھ لمبی اور دو ہاتھ ایک بالشت چوڑی تھی۔

آنحضرت ﷺ نماز استسقاء میں دعا کے وقت ہاتھ زیادہ بلند کرتے تھے

(۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ دُعَائِهِ إِلَّا فِي الْإِسْتِسْقَاءِ فَإِنَّهُ يَرْفَعُ حَتَّى

نُزِی یَکَاضِ اِبْطِیْہ۔ متفق علیہ۔

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کے علاوہ اور کسی موقع پر دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے چنانچہ (استسقاء کے لئے دعا کے وقت) آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ اتنے (زیادہ) بلند کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے بظلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔“
(بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت انسؓ کے ارشاد کی مراد استسقاء کے علاوہ کسی دوسرے موقع پر دعا کے وقت بالکل اٹھانے کی نفی نہیں ہے کیونکہ استسقاء کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی دعا کے وقت آنحضرت ﷺ سے دونوں ہاتھوں کا بلند کرنا ثابت ہو چکا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ دوسرے مواقع پر بھی دعا کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا زیادہ اور سرے اونچا بلند نہیں کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی مبارک بظلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی۔ ہاں استسقاء کے موقع پر دعا کے لئے آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ اتنے زیادہ اٹھاتے تھے کہ اگر کوئی کپڑا نہ اوڑھے ہوتے تھے تو بظلوں کی سفیدی تک نظر آنے لگتی تھی۔ علماء لکھتے ہیں کہ جس مقصد اور مراد کے لئے دعا مانگی جا رہی ہو وہ مقصد جتنا زیادہ اہم اور عظیم ہو دعا کے وقت دونوں ہاتھ بھی اتنے زیادہ اوپر اٹھانے چاہئیں۔

دعا کے وقت ہاتھوں کی ہیئت

(۳) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْقَى فَأَشَارَ بظُفْرِ كَفِّهِ إِلَى السَّمَاءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے طلب بارش کے لئے دعا مانگی تو اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کر لی۔“
(مسلم)

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ بارش کے لئے دعا مانگتے وقت ہتھیلیوں کی پشت کو آسمان کی طرف کر دینا بھی اچھا شگون لینے کے درجہ میں ہے جیسا کہ چادر پلٹ کر اچھا شگون لیا جاتا ہے۔ ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف کرنا دراصل اس طرف اشارہ ہے کہ خدا کرے اسی طرح بادلوں کے پیٹ بھی زمین کی طرف ہو جائیں اور وہ اپنے اندر کے ذخیرہ آب کو زمین پر انڈیل دیں۔
دعا کے وقت اٹھتے ہوئے ہاتھوں کی ہیئت کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ جو شخص بلاء مثلاً قحط وغیرہ کے دور ہونے کی دعا مانگے تو وہ اپنے ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے کسی نعمت کی طلب کے لئے دعا کرے تو وہ ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرے۔“

بارش کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ اللَّهُمَّ صَيِّبْنَا فِعْمًا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب بارش دیکھتے تو یہ دعا مانگتے اللَّهُمَّ صَيِّبْنَا فِعْمًا یعنی اے اللہ انفع دینے والی بارش خوب برسا۔“ (بخاری)

بارش کے وقت آنحضرت ﷺ کا عمل

(۵) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ أَصَابَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَطَرٌ قَالَ فَحَسَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَهُ حَتَّى أَصَابَهُ مِنَ الْمَطَرِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ صَنَعْتَ هَذَا قَالَ لِأَنَّهُ حَدِيثٌ عَنِّي بِرَبِّهِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ

”آپ ﷺ نے (اپنے سر سے یا پیٹھ سے) کپڑا اتار لیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے (سرمبارک یا پیٹھ کے) اوپر بارش کا پانی گرنے لگا۔“ ہم نے (یہ دیکھ کر) عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) نے ایسا کیوں کیا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس لئے کہ یہ پانی اپنے پروردگار کے پاس سے ابھی ابھی آیا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ یہ پانی اپنے رب کے حکم سے ابھی ابھی اوپر سے اتر رہا ہے اور اس عالم کثیف کے اجزاء سے ابھی تک آلودہ نہیں ہوا ہے نہ ہی اس تک ابھی گناہگاروں کے ہاتھ پہنچ پائے ہیں اس لئے یہ پانی متبرک ہے جس کا کچھ حصہ میں اپنے بدن پر لے رہا ہوں۔ ”علماء لکھتے ہیں کہ بارش کے وقت (اپنے کسی بھی مطلب اور مقصد کے لئے) دعا مانگنا ثنّت ہے کیونکہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے کیونکہ اس وقت کی دعا قبول ہوتی ہے۔

الفصل الثانی

استسقاء میں چادر پھیرنے کا بیان

⑥ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُصَلَّى فَاسْتَسْقَى وَحَوْلَ رِذَاءَهُ حِينَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَجَعَلَ عِطَافَهُ الْأَيْمَنَ عَلَى عَاتِقِهِ الْأَيْسَرَ عَلَى عَاتِقِهِ الْأَيْمَنَ ثُمَّ دَعَا اللَّهَ۔

(رواہ ابو داؤد)

”حضرت عبد اللہ ابن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ عید گاہ تشریف لے گئے اور وہاں بارش مانگی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ قبلہ رخ ہوئے تو اپنی چادر کا دایاں کونہ گھا کر اپنے بائیں مونڈے پر لائے اور چادر کا بایاں کونہ گھا کر اپنے دائیں مونڈے پر لائے پھر اللہ تعالیٰ سے (بارش کے لئے) دعا مانگی۔“ (ابو داؤد)

تشریح: اس حدیث میں استسقاء کے لئے نماز پڑھنے کا ذکر نہیں کیا گیا ہے صرف دعا کا ذکر کیا گیا ہے۔

⑦ وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ اسْتَسْقَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِمِصَةً لَهُ سَوْدَاءَ فَأَرَادَ أَنْ يَأْخُذَ اسْفَلَهَا فَيَجْعَلَهَا أَغْلَاهَا فَلَمَّا ثَقُلَتْ قَلْبَهَا عَلَى عَاتِقَيْهِ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد)

”اور حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے بارش طلب (کرنے کے لئے دعا کی تو اس وقت آپ ﷺ کے جسم مبارک پر سیاہ رنگ کی چادر تھی، آپ ﷺ نے یہ ارادہ کیا کہ چادر کے نیچے کا کونا پلٹ کر اسے اوپر کی جانب لائیں (جیسا کہ چادر پھیرنے کا طریقہ ہے) مگر اس میں جب آپ ﷺ کو وقت پیش آئی تو آپ ﷺ نے اپنے ہی مونڈے پر چادر پلٹ لی۔“ (احمد و ابو داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق جب چادر پھیرنے میں دقت محسوس ہوئی تو آپ ﷺ نے صرف یہ کیا کہ چادر کا دایاں کونہ بائیں مونڈے پر کر لیا اور بایاں کونہ دائیں مونڈے پر۔ آپ ﷺ نے چادر مبارک دوسرے خطبہ میں پھیری تھی کیونکہ چادر پھیرنے کا وقت اور موقع وہی ہے۔

⑧ وَعَنْ عُمَيْرِ مَوْلَى أَبِي اللَّحْمِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِي عِنْدَ أَحْجَارِ الزَّيْتِ قَرِيبًا مِنَ الزُّوْرَاءِ فَأَيْمَنَ يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ وَرَأَى التَّزْمِلِيَّ وَالتَّسَالِيَّ تَخُوهُ۔

(رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عمیرؓ سے جو ابی اللحم کے آزاد کردہ غلام تھے، روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ”الحاج الزیت“ کے پاس جو ”زوراء“

کے قریب ہے، بارش مانگتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ کھڑے ہوئے طلب بارش کے لئے دعا مانگ رہے تھے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے منہ کی طرف اٹھائے ہوئے تھے جو سر سے اونچے نہیں تھے۔ ”ترمذی“ اور نسائی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”الحجۃ الزیت“ مدینہ میں ایک جگہ کا نام تھا اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہاں سیاہ پتھر تھے جو اتنے چمک دار تھے جن کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا تھا کہ گویا ان پتھر پر روشن زیتون ملا ہوا ہے۔ ”زوراء“ بھی مدینہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام تھا۔ اس حدیث میں دعا کے وقت اٹھے ہوئے ہاتھوں کی یہ ہیئت بیان کی جا رہی ہے کہ آپ ﷺ کی دونوں ہتھیلیاں منہ کی طرف یعنی اوپر کی جانب تھیں۔ بنابر یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت آپ ﷺ اپنے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین کی طرف رکھتے تھے کیونکہ کبھی تو آپ ﷺ اس طرح سے دعا مانگتے کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوتی تھیں جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوا۔ اور کبھی اس طرح خدا کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرتے تھے کہ ہتھیلیاں زمین کی طرف ہوتی تھیں جیسا کہ گذشتہ روایت سے معلوم ہوا۔ اسی طرح یہاں اس روایت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ کے اٹھے ہوئے ہاتھ سر مبارک سے اونچے نہیں ہوتے تھے۔ لہذا یہ بھی حضرت انسؓ کی اس روایت کے منافی نہیں ہے جس سے معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ طلب بارش کے لئے دعا مانگتے وقت اپنے ہاتھ بہت زیادہ بلند کرتے تھے، یہاں بھی یہی بات ہے کہ کبھی تو آپ ﷺ اپنے ہاتھ بہت زیادہ بلند کرتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ نے بیان کیا ہے اور کبھی بہت زیادہ بلند نہیں کرتے تھے جیسا کہ یہاں عمیر بیان کر رہے ہیں۔

استسقاء کے وقت آنحضرت ﷺ خشوع و خضوع اور تضرع اختیار کرتے تھے

⑨ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْنِي فِي الْإِسْتِسْقَاءِ مُتَبَدِّلًا مَتَوَضِّعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا۔ (رواہ الترمذی والبوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ استسقاء کے لئے باہر نکلے اور اس وقت آپ ﷺ کی کیفیت یہ تھی کہ (ظاہر میں تو آپ ﷺ زینت ترک کئے ہوئے اور متواضع تھے (باطن میں) عاجزی و بیچارگی اور (ذکر اللہ میں زبان کی مشغولیت کے ساتھ) تضرع اختیار کئے ہوئے تھے۔“ (نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: بارش کے لئے دعا کرنے اور پروردگار سے رحمت مانگنے کے لئے جب آپ ﷺ باہر نکلتے تھے تو آپ ﷺ کا ظاہر و باطن اور زبان و دل گویا پورا وجود مبارک انتہائی بے چارگی اور عجز اختیار کئے ہوئے ہوتا تھا، چنانچہ نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ اس موقع پر بندہ کی انتہائی محتاجی و بیچارگی اور عاجزی کے اظہار کے لئے آپ ﷺ ظاہری طور پر زیب و زینت (یعنی لباس وغیرہ میں خوش سیلیگی، ترک کر کے سراپا عجز و انکسار ہوتے تھے بلکہ باطنی طور پر بھی آپ ﷺ کا قلب مبارک خوف خدا سے لرزاں اور زبان مبارک تضرع و زاری میں مشغول ہوتی تھی۔

بارش کی دعا

⑩ وَعَنْ عُمَرَ وَبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَسْقَى قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ حَمَّتَكَ وَآخِي بَلَدَكَ الْمَيْتَ۔ (رواہ مالک والبوداؤد)

”اور حضرت عمر و ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہؓ صحابی سے) روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ”نبی کریم ﷺ جب بارش مانگتے تو یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ حَمَّتَكَ وَآخِي بَلَدَكَ الْمَيْتَ یعنی اے اللہ اپنے بندوں اور اپنے جانوروں کو پانی سے سیراب فرما دے اپنی رحمت پھیلا دے، اور اپنی مردہ (یعنی خشک) زمینوں کو زندگی (یعنی شادابی و سر

سبزی عطا فرما۔ (ابوداؤد)

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَاكِلُهُ فَقَالَ اللَّهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيثًا مَرِيئًا مَرِيئًا نَعْمًا فِعَا غَيْرَ ضَارٍ عَابٍ لَا غَيْرَ أَجَلٍ قَالَ فَاطْلَبْتُ عَلَيْهِمُ السَّمَاءَ - (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول کریم ﷺ (استقاء کے لئے) ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے اور یہ دعا فرما رہے تھے اللَّهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيثًا مَرِيئًا مَرِيئًا نَعْمًا فِعَا غَيْرَ ضَارٍ عَابٍ لَا غَيْرَ أَجَلٍ یعنی اے اللہ؟ تو ہمیں بارش سے سیراب فرما جو فریاد رس کرے اور جس کا انجام بہتر ہو اور جو ارزانی کرنے والی اور نفع پہنچانے والی ہو اور جلد آنے والی ہو اور میں آنے والی نہ ہو۔“ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (اس دعا کے بعد) آسمان ابر آلود ہو گیا۔“ (ابوداؤد)

الفصل الثالث

(۱۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَى النَّاسُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُحُوظَ الْمَطَرِ فَأَمَرَ بِمَنْبَرٍ فَوَضَعَ لَهُ فِي الْمُصَلَّى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يُخْرِجُونَ فِيهِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ بَدَأَ أَحَابِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمَنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللَّهَ ثُمَّ قَالَ إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ حَذْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِنْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ إِبَانِ زَمَانِهِ عَنْكُمْ وَقَدْ أَمَرَكُمْ اللَّهُ أَنْ تَذْغُوهُ وَوَعَدَكُمْ أَنْ يُسْتَجِيبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ مَا لِكُمْ يَوْمَ الدِّينِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ اللَّهُمَّ أَنْتَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ فَقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلَى حِينٍ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَتْرِكِ الرَّفْعَ حَتَّى بَدَأَ بَيَاضُ إِبْطِيهِ ثُمَّ حَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَقَلْبَ أَوْ حَوَّلَ رِذَاءَهُ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ فَأَنشَأَ اللَّهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ بِإِذْنِ اللَّهِ فَلَمْ يَأْتِ مَسْجِدَهُ حَتَّى سَأَلَتِ السَّيُولُ فَلَمَّازَ أَى سُرْعَتِهِمْ إِلَى الْكِئِ ضَجِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ فَقَالَ اشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ وَرَسُولُهُ - (رواه ابوداؤد)

”حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ لوگوں نے رسول کریم ﷺ سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ عید گاہ میں منبر رکھا جائے چنانچہ جب عید گاہ میں منبر رکھ دیا گیا تو آپ ﷺ نے لوگوں سے ایک دن کے بارہ میں طے کیا کہ اس دن سب لوگ عید گاہ چلیں گے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (متفق دن کو) آنحضرت ﷺ سورج کا کنارہ ظاہر ہوتے ہی (عید گاہ) تشریف لے گئے، اور منبر پر بیٹھ کر تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنایاں کی اور فرمایا کہ ”تم نے (اللہ اور اس کے رسول سے) اپنے شہروں کی قحط سالی اور بارش کے اپنے وقت پر نہ برہنہ کی شکایت کی تھی، اب اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم اس سے (بارش کے لئے دعا) مانگو اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ تمہاری دعا قبول ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ”تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے مہربان اور بخشش کرنے والا ہے اور یوم جزاء کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے اللہ! تو معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو غنی (بے پرواہ) ہے اور ہم فقیر و محتاج ہیں۔ ہم پر بارش برسا اور جو چیز کہ تو نازل کرے (یعنی بارش) اس کو ایک مدت دراز تک ہماری مدت اور (اس کے ذریعہ اپنے مقاصد و منافع تک) پہنچنے کا سبب بنا۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اتنے بلند اٹھائے کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی، پھر اپنی پشت مبارک لوگوں کی طرف پھیر کر اپنی چادر الٹی بایہ کہ پھیری اور اپنے ہاتھ یوں ہی اٹھائے رہے پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے (منبر سے) نیچے تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ ”جب ہی اللہ تعالیٰ نے بادل ظاہر فرمائے جو گر بنے لگے اور بجلی چمکنے لگی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش شروع ہو گئی یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنی مسجد تک نہ آئے پائے تھے کہ نالے بنے لگے، جب آپ ﷺ نے لوگوں کو سایہ (یعنی بارش سے بچنے کے لئے محفوظ مقام) ڈھونڈنے میں جلدی کرتے دیکھا

تو ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی کچلیاں ظاہر ہو گئیں پھر فرمایا ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ نماز استسقاء کے بعد دو خطبے پڑھنا سنت ہے اور خطبہ کی ابتداء استغفار کے ساتھ کرنی چاہئے جیسے کہ عیدین کے خطبہ کی ابتداء تکبیر کے ساتھ ہوتی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ کے نزدیک خطبہ مشروع نہیں ہے صرف دعا و استغفار پر اکتفا کرنا چاہئے۔

حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اصحاب سنن اربعہ نے حضرت اسحقؒ ابن عبد اللہ ابن کنانہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (استسقاء کے لئے) عید گاہ جا کر تمہاری طرح خطبہ نہیں پڑھا بلکہ آپ ﷺ برابر دعا کرتے گریہ و زاری کرتے اور اللہ کی عظمت و بڑائی بیان کرتے رہے نیز آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی جیسا کہ عید میں پڑھتے تھے۔“

وسیلہ سے بارش کے لئے دعا

(۱۳) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قَحْطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعِمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيَسْقُونَ۔ (رواہ البخاری)

اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب (بارش نہ ہونے کے وجہ سے) قحط سالی ہوتی تو امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطابؓ حضرت عباس ابن عبد المطلب کے وسیلہ سے بارش کے لئے دعا فرماتے تھے چنانچہ وہ فرماتے ”اے اللہ! ہم تیرے نبی ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے دعا کرتے تھے پس تو ہمیں سیراب کرتا تھا اب ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں پس تو ہمیں سیراب کر۔“ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (اس دعا سے) بارش ہو جاتی تھی۔“ (بخاری)

تشریح: منقول ہے کہ جب حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ جو ان کے ہمراہ ہوتے تھے حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے دعا مانگتے تو حضرت عباسؓ فرماتے کہ ”اے پروردگار! تیرے پیغمبر کی امت نے میرا وسیلہ اختیار کیا ہے۔ خداوند! تو میرے اس بڑھاپے کو رسوا مت کر اور مجھے ان کے سامنے شرمندہ نہ کر۔“ چنانچہ حضرت عمرؓ و دیگر صحابہ کی دعا اور حضرت عباسؓ کے ان الفاظ میں اتنی تاثیر ہوتی کہ جب ہی بارش شروع ہو جاتی تھی۔

استسقاء کے سلسلہ میں ایک نبی کا واقعہ

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ خَرَجَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِي فَإِذَا هُوَ بِثَمَلَةَ رَافِعَةً بَعْضُ قَوَائِمِهَا إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ ارْجِعُوا فَقَدْ اسْتَجِيبَ لَكُمْ مِنْ أَجْلِ هَذِهِ الثَّمَلَةِ۔ (رواہ الدارقطنی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میرا نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”انبیاء میں سے ایک نبی لوگوں کے ہمراہ استسقاء کے لئے نکلے پس اس نبی نے اچانک ایک چوٹی کو دیکھا جو اپنے کچھ پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے (کھڑی) تھی (یہ دیکھ کر) نبی نے فرمایا کہ ”واپس چلو! اس چوٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول کر لی گئی۔“ (دارقطنی)

تشریح: منقول ہے کہ یہ نبی حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ واقعہ سے مقصود درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کا اظہار ہے اور یہ بتانا ہے کہ نہ صرف یہ کہ پروردگار کی رحمت تمام مخلوقات پر یکساں ہیں بلکہ اس کا علم تمام موجودات کے احوال و کوائف کو گھیرنے ہوئے ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مسبب الاسباب اور قاضی الحاجات ہے۔

اس واقعہ کے سلسلہ میں یہ بھی منقول ہے کہ وہ چیونٹی یہ دعاء کرتی تھی اَللّٰهُمَّ اِنَّا خَلَقْنَا مِنْ خَلْقِكَ لَا عُنِيَ بِنَا عَنْ رِزْقِكَ فَلَا تُهْلِكْنَا بِذُنُوبِ بَنِي اٰدَمَ یعنی اے پروردگار اتیری مخلوقات میں سے ہم ایک مخلوق ہیں تیرے رزق سے ہم مستغنی نہیں ہیں سو تو ہمیں انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہ کر۔“

باب فی الریاح والمطر

ہواؤں کا بیان

مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں یہاں صرف لفظ ”باب“ لکھا ہوا ہے جیسا کہ مؤلف مشکوٰۃ کی عادت ہے کہ وہ بعض مواقع پر صرف لفظ باب لکھ کر ایک باب قائم کرتے ہیں جو درحقیقت کوئی الگ سے اور مستقل باب نہیں ہوتا بلکہ بیان کردہ پہلے باب کے لواحق اور متممات پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن ایک صحیح نسخہ میں اس موقع پر ”باب فی الریاح“ اور اسی طرح ایک دوسرے نسخہ میں ”باب الریاح“ لکھا ہوا ہے جس کا مطلب ہے ”ہواؤں کا بیان“ گویا اس باب میں ہواؤں سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی۔

الفصل الاول

ہوا رحمت بھی ہے اور عذاب بھی

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصْرَتْ بِالصَّبَا وَاهْلَكَتْ عَادًا بِالْبُؤْرِ - (متفق علیہ)

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”پروا ہوا کے ذریعے میری مدد کی گئی اور قوم عاد بچھو اہوا کے ذریعہ ہلاک کی گئی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: غزوہ خندق کے موقع پر جب کفار نے اپنی پوری قہرمانی طاقتوں کے ساتھ مدینہ کا بڑا شدید محاصرہ کیا تو منجانب اللہ مسلمانوں کی اس طرح مدد کی گئی کہ پروا ہوا انہایت تیز و تند چلنی شروع ہو گئی جس کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اس نے لشکر کفار کے خیمے اکھاڑ ڈالے۔ ان کی ہانڈیاں اوندھادیں اور ان کے منہ پر کنکروں کی بارش کر دی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رعب و دہشت کی ایسی ہیبت ناک لہر دوڑادی کہ وہ حواس باختہ ہو گئے اور شکست کا منہ دیکھ کر میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ گویا یہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا فضل اور آنحضرت ﷺ کا ایک عظیم معجزہ تھا۔

”قوم عاد“ گذشتہ امتوں میں ایک بڑی سرکش امت گذری ہے اس امت کے لوگوں کے قد بارہ بارہ گز کے تھے۔ جب اس قوم کی سرکشی و بد کرداری نے حد سے تجاوز کر کے خدا کے عذاب کو دعوت دی تو بڑی زبردست پچھم کی ہوا چلی جس نے ان کو اس طرح زمین پر دے مارا کہ ان کے سر چکنا چور ہو گئے، پیٹ پھٹ گئے اور آنتیں باہر نکل پڑیں۔

لہذا اس ارشاد گرامی سے آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ بتانا تھا کہ ہوا اللہ تعالیٰ کی تابعدار ہے کبھی تو وہ خدا کے حکم سے رحمت خداوندی کی شکل میں مدد و نصرت بن کر آتی ہے اور کبھی وہی ہوا اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے عذاب الہی کی صورت میں کسی قوم کے لئے ہلاکت و بربادی کا پیغام لے کر آتی ہے۔

ابروہوا دیکھ کر آنحضرت ﷺ کی کیفیت

② وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَا حِجًا حَتَّى أَرَى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ فَكَانَ

إِذَا زَاىَ غَيْمًا أَوْ رُبْحًا عَرِفَ فِى وَجْهِهِ - (تثنی علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو کبھی بھی اس طرح ہنسنے ہوئے نہیں دیکھا کہ مجھے آپ ﷺ کا کوئی نظر آیا ہو۔ آپ صرف تبسم فرماتے تھے اور جب ابریا ہوا دیکھتے تو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا تغیر (صاف) پہچانا جاتا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جب ابریا ہوا دیکھتے تو متفکر ہو جاتے تھے اور چہرہ مبارک پر اس ڈر اور خوف کے آثار صاف پہچانے جاتے کہ ہمیں یہ ابریا ہوا اپنے دامن میں لوگوں کے لئے نقصان و ضرر کا سامان نہ لئے ہو۔

اس روایت میں حضرت عائشہؓ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یوں تو آنحضرت ﷺ ”شہود“ یعنی جلال کبریائی کے مشاہدہ کی وجہ سے ہمیشہ ہی خائف و لرزاں رہا کرتے تھے اور کسی بھی وقت آپ ﷺ کا قلب مبارک خوف و خشیت سے خالی نہیں رہتا تھا۔ مگر خاص طور پر جب ابریا ہوا دیکھتے تو اور زیادہ متفکر اور متردد ہو جاتے تھے۔

تیز ہوا کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَصَفَتِ الرِّيحُ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا أَوْ خَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَإِذَا تَخَلَّتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَأَقْبَلَ وَأَذْبَرَ فَإِذَا مَطَرَتْ سُرِّي عَنْهُ فَعَرَفْتُ ذَلِكَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمٌ عَادٍ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا وَفِي رِوَايَةٍ وَيَقُولُ إِذَا زَاىَ الْمَطَرُ رَحْمَةً - (تثنی علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب شدت کی ہوا چلتی تو آنحضرت ﷺ یہ دعا فرماتے ”اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی جو اس (ہوا) کی ذات میں ہے اور بھلائی اس چیز کی جو اس میں ہے (یعنی اس کے منافع) اور بھلائی اس چیز کی جس کے لئے یہ ہوا بھیجی گئی ہے (یعنی اس کی مدد) اور پناہ مانگتا ہوں تیرے ذریعہ اس کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو اس میں ہے (یعنی یہ عذاب کا باعث نہ ہو)۔ اور جب آسمان ابر آلود ہوتا تو آنحضرت ﷺ (کے چہرہ مبارک) کا رنگ بدل جاتا چنانچہ (اضطراب و گھبراہٹ کی وجہ سے ایک جگہ نہ رہتے بلکہ) کبھی گھر سے باہر نکلتے اور کبھی باہر سے اندر آتے اس طرح پھر آتے اور پھر جاتے۔ جب بارش شروع ہو جاتی تو آپ ﷺ کا خوف و اضطراب ختم ہو جاتا (ایک مرتبہ) حضرت عائشہؓ نے جب یہ (تغیر و اضطراب) محسوس کیا تو آنحضرت ﷺ سے اس کا سبب پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”عائشہؓ! کیا خبر یہ ابر و بیاہی ہو جس کی نسبت قوم عاد نے کہا تھا کہ ”یہ ابر ہے جو ہم پر برے گا۔“ چنانچہ اس آیت میں قوم عاد کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ”جب انہوں نے ابر کو اپنے نالوں اور وادیوں پر آتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ یہ ابر ہے جو ہم پر برے گا۔“ اور ایک روایت میں بجلئے (فَإِذَا مَطَرَتْ سُرِّي عَنْهُ) یہ الفاظ ہیں کہ ”جب آپ ﷺ بارش کو دیکھتے تو یہ فرماتے کہ یہ بارش باعث رحمت ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مذکورہ بالا آیت میں قوم عاد کی ہلاکت کی ابتداء کا ذکر کیا گیا ہے کہ عذاب خداوندی جب ابر کی شکل میں ان پر نمودار ہوا تو اسی خوش فہمی میں رہے کہ یہ ابر ہمارے اوپر بارش برسائے گا، مگر حق تعالیٰ نے ان کی اس خوش فہمی کو جلد ہی ہلاکت و تباہی میں بدل دیا جس کا اظہار اسی آیت کے دوسرے الفاظ بُلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ لَا يَهْدِيهِمْ جُودِيهِمْ کے ذریعہ بائیں طور کیا گیا ہے کہ (انہیں) بلکہ (یہ) وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے تھے یعنی آندھی جس میں دکھ دینے والا عذاب بھرا ہوا ہے (جو) ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے تباہ کئے دیتی ہے پھر وہ کل کو ایسے رہ گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا، گنہگار لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

پس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب ابر دیکھتے تو پڑھتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح قوم عاد نے ابر دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ ہم پر بارش ہوگی اور پھر وہ ابر ان پر بارش تو کیا برساتا بلکہ ایسی تند و تیز آندھی آئی جس نے آن واحد میں پوری قوم کو ہلاکت کی وادی میں

پھینک دیا اسی لئے ہمارے لئے بھی یہ ابرہلاکت و بربادی کا باعث نہ ہو؟۔

غیب کے پانچ خزانے

④ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ثُمَّ قَرَأَ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الْإِلَهِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا غیب کے خزانے پانچ ہیں“ پھر آپ ﷺ نے آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی بارش برساتا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: غیب کے پانچ خزانے ہیں جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ کوئی دوسرا ان پر مطلع نہیں ہے۔ انہیں پانچ خزانوں کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ یعنی بلاشبہ اللہ ہی کو قیامت قائم ہونے اور بارش برسانے کا علم ہے اور وہی جانتا ہے کہ (ماں کے) پیٹ میں کیا ہے (یعنی لڑکا ہے یا لڑکی، گورا ہے یا کالا اور پورا ہے یا ادھورا وغیرہ وغیرہ) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا (یعنی دنیا میں بھلائی کرے گا یا برائی اور آخرت میں ثواب پائے گا یا عذاب) اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کون سی زمین پر مرے گا، بیشک اللہ ہی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔ یہ غیب کی وہ پانچ چیزیں ہیں جن کی کلیات کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہاں خدا کے بعض برگزیدہ و نیک بندے ان میں سے کسی بعض جزئیات کو جان جاتے ہیں (مگر وہ بھی اسی وقت جب کہ اللہ اپنے کسی ذریعہ سے بتا دیتا ہے)۔

سخت قحط کیا ہے؟

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَتْ السَّنَةُ بِأَنْ لَا تُمَطَّرُوا وَلَكِنَّ السَّنَةَ أَنْ تُمَطَّرُوا وَلَا تُنْبِتُ الْأَرْضُ شَيْئًا - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سخت قحط اس کا نام نہیں ہے کہ تم پر بارش نہ ہو بلکہ سخت قحط یہ ہے کہ تم پر بارش ہو مگر زمین کچھ نہ اگائے۔“ (مسلم)

تشریح: بقاضی نے کہا کہ جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا شدید اور سخت قحط سالی یہ نہیں ہے کہ بارش نہ ہو اور سوکھا پڑ جائے بلکہ شدید اور سخت قحط سالی اس کا نام ہے کہ بارش تو ہو مگر زمین کی پیداوار بالکل بند ہو جائے کیونکہ فائدہ اور بھلائی کی امید اور توقع اور پھر اس کے اسباب و وسائل کے ظاہر ہو جانے کے بعد غیر متوقع طریقہ پر نقصان و ضرر پہلے سے متوقع نقصان و مایوسی سے کہیں زیادہ سخت اور شدید ہوتا ہے۔

الفصل الثانی

ہوا کو برا کہنے کی ممانعت

⑥ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الرِّيحُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ تَأْتِي بِالرَّحْمَةِ وَالْعَذَابِ فَلَا تُسَبِّحُهَا وَاسْلُوا اللَّهَ مِنْ خَيْرِهَا وَغُذِّوا بِهِ مِنْ شَرِّهَا - رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالتَّبَهِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكُبْرَى -

”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”ہو! خدا کی رحمت ہے، وہ رحمت بھی لاتی ہے اور عذاب بھی۔ پس تم (اگر تمہیں اس سے کوئی نقصان پہنچے تو) اسے برا نہ کہو ہاں تم خدا سے اس کی بھلائی طلب کرو اور اللہ سے اس کے نقصان سے پناہ مانگو۔“ (شافعی، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح: سخت ہوا اور آندھی جو خدا کے سرکش اور نافرمان بردار بندوں کے لئے عذاب کا ذریعہ بن کر آتی ہے وہ بھی حقیقت میں رحمت ہی ہے کیونکہ خدا کے نیک و فرمانبردار بندے اس کی تباہی سے محفوظ رہتے ہیں۔

④ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّيحَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَلْعَنُوا الرِّيحَ فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ وَأَنَّ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص نے کسی ایسی چیز پر لعنت کی جو لعنت کی تھی نہ تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ہو! پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ تو (رحمت یا عذاب کے لئے) خدا کی جانب سے مامور ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرتا ہے جو لعنت کی تھی نہیں ہوتی تو وہ لعنت اسی لعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔“ یہ روایت امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ لعنت کا باعث تین ہی چیزیں ہوا کرتی ہیں۔ ① کفر ② بدعت ③ فسق، اور ظاہر ہے کہ ہوا میں ان تین چیزوں میں سے کوئی بھی چیز نہیں پائی جاتی اس لئے آنحضرت ﷺ نے ہوا کو لعنت دینے سے منع فرمایا۔

⑤ وَعَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَا تَكْرَهُونَ فَقُولُوا اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذِهِ الرِّيحِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا وَخَيْرِ مَا أَمَرَ بِهِ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَذِهِ الرِّيحِ وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أَمَرَ بِهِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابی ابن کعبؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ہو! کو برا نہ کہو، ہاں جب تم یہ دیکھو کہ (اس کے جھلسا دینے والے جھونکوں یا اس کی ٹھنڈی لہروں کی وجہ سے) تمہیں وہ ناگوار محسوس ہو رہی ہے (یا اس کی تیز و تندگی کی وجہ سے تمہیں تکلیف یا نقصان ہو رہا ہے) دعا کرو کہ ”اللہ! ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی بھلائی اور جس چیز کے لئے یہ مامور کی گئی ہے اس کی بھلائی مانگتے ہیں اور ہم تجھ سے اس ہوا کی برائی سے اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی برائی سے اور جس چیز کے لئے یہ مامور کی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ چاہتے ہیں۔“ (ترمذی)

تیز ہوا کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

⑥ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا هَبَّتْ رِيحٌ فَقَطَّ إِلَّا جِئْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى زَكَاةٍ وَنَحْنُ نَقُولُ اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا رِيحًا قَالِ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ وَأَنْ يُرْسِلَ الرِّيحَ مَبْشَرَاتٍ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَابْنُ أَبِي حَتْمٍ فِي الدُّعَاةِ الْكَبِيرِ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے کہ جب بھی (تیز) ہوا چلتی تو نبی کریم ﷺ (اللہ کے سامنے) عجز و انکساری کے اظہار کی اُمت کی طرف سے خوف اور تعلیم کے پیش نظر کہ دوسرے لوگ (بھی ایسا ہی کریں) دوزخوں ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور یہ دعا فرماتے۔ ”اے اللہ! اس ہوا کو ریاہ (یعنی رحمت) بنا، ریح (یعنی عذاب) نہ بنا۔“ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیات کریمہ ہیں (جن کا ترجمہ یہ ہے) کہ ”اور بھیجی ہم نے ان پر تیز و تند ہوا۔“ اور بھیجی ہم نے ان پر بانجھ ہوا (یعنی ایسی ہوا جو درختوں کو ٹھمر آور نہیں ہونے دیتی تھی) اور

سمجھیں ہم نے میوہ اُسے والی ہوئیں۔“ اور یہ کہ بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ (بارش کی) خوشخبری لانے والی ہوئیں۔“ (شافعی، بیہقی)

تشریح: مشہور اور صحیح یہ ہے کہ لفظ ”رَحْمَہ“ جو مفرد ہے عذاب کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ اس روایت میں ذکر کردہ پہلی دونوں آیتوں سے معلوم ہوا، اور لفظ ”ریاح“ جو جمع ہے رحمت کے موقع پر مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ آخر کی دونوں آیتوں سے ثابت ہوا۔ پس حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں مذکورہ دعائیں ”ریاح“ سے مراد رحمت اور ”رَحْمَہ“ سے مراد ”عذاب“ ہے لیکن ابو جعفر طحاویؒ نے اس میں اشکال ظاہر کیا ہے کیونکہ قرآن کریم ہی میں یہ بھی ارشاد ہے کہ وَجَزَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ جَسَہِ مَعْلُومٍ ہوتا ہے کہ ”رَحْمَہ“ رحمت و بھلائی کے لئے مستعمل ہے۔

اسی طرح بعض احادیث میں بھی لفظ ”رَحْمَہ“ جو مفرد ہے خیر و شردوں موقعوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت ابو ہریرہؓ گذشتہ روایت (نمبر ۶) کے الفاظ الریح من روح اللہ الخ کو دیکھ لیجئے۔ لہذا اس اشکال کے پیش نظر خطابیؒ نے اس حدیث کی توجیہ یہ کی ہے کہ جب بہت ساری ہوائیں آتی ہیں تو وہ ابر و بارش لاتی ہیں اور کھیتوں میں نمو پیدا کرتی ہیں۔ جب کہ ایک ہوا میں یہ تاثیر کم ہوتی ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ ”اے اللہ! اس ہوا کو ریاہ بنا، رَحْمَہ نہ بنا۔“

ابر کے وقت کی دعا

⑩ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ابْصُرْنَا شَيْئًا مِنَ السَّمَاءِ تَغْنِي السَّحَابَ تَرَكَ عَمَلَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ وَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيهِ فَإِنْ كَشَفَهُ اللَّهُ حَمْدُ اللَّهِ وَإِنْ مَطَرَتْ قَالَ اللَّهُمَّ سَفِّئَانَا فَعَارَوَاهُ ابْؤُودُودُ وَالتَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالشَّافِعِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ۔

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب آسمان سے گھٹا اٹھتی دیکھتے تو (مباح) کام کاج چھوڑ کر ادھر متوجہ ہو جاتے اور یہ دعا فرماتے ”اے اللہ! جو کچھ اس میں برائی ہو میں اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ (بغیر رسائے) آسمان کو صاف کر دیتا تو آپ ﷺ اللہ کی حمد بیان فرماتے اور اگر بارش شروع ہو جاتی تو یہ دعا فرماتے کہ ”اللہ انفع دینے والا پانی برسا۔“ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، الفاظ شافعی کے ہیں۔“

گرج کے وقت کی دعا

⑪ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ وَالصَّوَاعِقِ قَالَ اللَّهُمَّ لَا تَقْشُرْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تَهْلِكْنَا بَعْدَ ابْنِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَلِكَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب گرج کی آواز سنتے یا آپ ﷺ کو بجلی کا گرنا معلوم ہوتا تو یہ دعا فرماتے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے نہ مار اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر اور ہمیں عافیت میں رکھ (یعنی ہمیں عافیت کی موت دے) پہلے اس کے (کہ تیرا عذاب نازل ہو) احمد، ترمذی، اور امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

الفصل الثالث

⑫ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَمِعَ الرَّعْدَ تَرَكَ الْحَدِيثَ وَقَالَ سُبْحَانَكَ الَّذِي يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ۔ (رواہ مالک)

”حضرت عبد اللہ ابن الزبیرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ جب گرج کی آواز سنتے تو بات چیت چھوڑ دیتے تھے اور یہ پڑھنے لگتے۔“ پاک

وہ ذات جس کی ”رعد“ تسبیح کرتا ہے اس کی تعریف کے ساتھ اور فرشتے اس کے خوف سے۔ ”مالک“

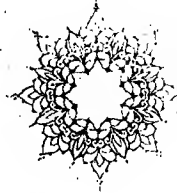
تشریح: ”رعد“ فرشتے کا نام ہے جو بادل ہکانے پر مقرر ہے۔ چنانچہ گرج در حقیقت اس کی تسبیح کی آواز ہے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت عمرؓ کے ہمراہ سفر میں تھے کہ گرج، بجلی کی چمک اور سرودی نے ہمیں آیا، حضرت کعبؓ نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ جو شخص گرج کی آواز سن کر تین مرتبہ یہ پڑھے سُبْحَانَ مَنْ يَسْبُحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَأْنَهُ مِنْ حَيْفَتِهِ تَوَدَّ أَنْ يَكُونَ مَحْفُوظًا وَمَا مَوْجِدٌ رَهْتًا۔ چنانچہ ہم نے یہ پڑھنا شروع کیا اور خدا تعالیٰ نے ہمیں محفوظ رکھا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے موقع پر جب کہ بادل کی چمک و گرج اور بجلی کی تڑپ و کڑک، خوف و اضطراب کی بہر پیدا کر دے ان مقدس الفاظ کا ورد سکون قلب اور حفاظت کے لئے بہت موثر ہے۔

لِلّٰهِ الْحَمْدُ أَوَّلًا وَآخِرًا وَظَاهِرًا وَبَاطِنًا وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ
يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

اللہ تعالیٰ کا صد ہزار شکر و احسان کہ آج مورخہ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ بروز بدھ بوقت ۱۲ بجے شب ”مظاہر حق جلد اول“ کی ترتیب و تسوید سے فراغت ہوئی۔ خداوند قدوس اپنے ایک ناجیز کوتاہ عمل بندہ کی اس خدمت کو قبول و مقبول فرمائے۔ آمین

عبدالرشید جاوید



تفاسیر و علوم قرآنی اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر دارالاشاعت کی مطبوعہ مستند کتب

تفاسیر و علوم قرآن

تفسیر عثمانی بطریق سید عطاء اللہ ہدایت ۱ جلد	مولانا شبیر احمد عثمانی، افاضیہ عربیہ اسلامیہ دارالافتاء دارالافتاء دارالافتاء
تفسیر مظہری اردو	۱۲ جلدیں
قصص القرآن	۳ حصے در ۹ جلدیں
آرٹھ ارض القرآن	علاصہ سید سلمان ندوی
قرآن اور ماحریش	انجینئر شعیب حیدر بخش
قرآن سائنس اور تہذیب تمدن	ڈاکٹر حفصہ فیضیہ قادری
لغات القرآن	مولانا عبدالرشید نعمانی
فائز کوش القرآن	فاضلہ زین العابدین
فائز کوش الفاظ القرآن الحکیم (عربی انگریزی)	ڈاکٹر عبدالرشید عباس ندوی
ملک الدینان فی مناقب القرآن (عربی انگریزی)	حبیب الرحمن
احسن قرآنی	مولانا شریف علی شامی
قرآن کی آیتیں	مولانا احمد سعید صاحب

حدیث

تفسیر انجلی مع ترجمہ و شرح اردو	۳ جلد	مولانا نور الدین احمدی، فاضل دیوبند
تفسیر المسلم	۳ جلد	مولانا ذکریا اقبال، فاضل دارالعلوم کراچی
ہام ترجمہ	۲ جلد	مولانا فضل احمد صاحب
سنن ابوداؤد شریف	۳ جلد	مولانا سید احمد صاحب، مولانا محمد رشید عطاء اللہ صاحب، فاضل دیوبند
سنن نسائی	۳ جلد	مولانا فضل احمد صاحب
معارف الحدیث ترجمہ و شرح	۲ جلد، ۷ حصے	مولانا محمد رشید عطاء اللہ صاحب
مشکوٰۃ شریف مترجم مع عنوانات	۳ جلد	مولانا عبدالرشید عطاء اللہ صاحب، مولانا عبدالرشید عطاء اللہ صاحب
ریاض الصالحین ترجمہ	۲ جلد	مولانا خلیل الرحمن نعمانی، فاضل دیوبند
الادب المفرد	۱ جلد	از امام بخاری
مظاہر حق	۵ جلدیں	مولانا عبدالرشید عطاء اللہ صاحب، فاضل دیوبند
تقریر سنن شریف	۳ حصے	مولانا عبدالرشید عطاء اللہ صاحب
ترجمہ بخاری شریف	۱ جلد	علاصہ سید سلمان ندوی
تفہیم الاستقامت	۳ حصے	مولانا عبدالرشید عطاء اللہ صاحب
شرح الیعین نووی	ترجمہ و شرح	مولانا مفتی عاشق الدین
قصص الحدیث		مولانا محمد ذکریا اقبال، فاضل دارالعلوم کراچی

ناشر: دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ (۲۱۱۱۱۱) کراچی پاکستان، فون: (۲۱۱۱۱۱) (۲۱۱۱۱۱) (۲۱۱۱۱۱)
دیگر اداروں کی کتب دستیاب ہیں مگر قیمتیں انتہائی زیادہ ہیں۔

حدیث ایک مقدس فن ہے جس کی نسبت ایک زندہ جاوید شخصیت کی طرف ہے۔ کرۂ ارض پر جب تک انسان نامی مخلوق موجود ہے اس وقت تک یہ فن اسی تابندگی اور شادابی کے ساتھ باقی رہے گا۔ کتبِ حدیث اور ترتیب و تدوین حدیث کا وہ سلسلہ جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک سے شروع ہوا تھا بتدریج تنج و تابین کے دور میں اپنی تکمیل کو پہنچا۔ کتب حدیث کی تصنیف و تالیف باقاعدہ شروع ہوئی محدثین نے جانفشانی اور محنت سے عظیم الشان کتب تصنیف کیں جو آج ہمارے درمیان علم و عرفان کا بینارہ نور بنی ہوئی ہیں جن سے طالبان حدیث اکتساب فیض کرتے ہیں۔ ”مشکوٰۃ المصابیح“ جو دراصل ”مصابیح السنۃ“ کی مکمل و مدون شکل ہے انہی عظیم الشان کتب میں سے ایک ہے جس میں کتبِ سنۃ اور دیگر موثق بہا کتب احادیث سے ۵۹۴۵ احادیث کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ حدیث کی یہ بنیادی کتاب اپنے ابتداء عہد سے آج تک عربی مدارس میں داخل نصاب رہی ہے۔

”مظاہر حق جدید“ اردو زبان میں مشکوٰۃ شریف کی مستند، قابلِ اعتماد اور مقبول شرح ہے جو ابتداء تالیف سے علماء، طلباء اور عوام و خواص سب ہی کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ قدیم نسخے کی زبان و بیان کی قدامت اور انداز کے نامانوس اور ناقابلِ فہم ہونے کے باعث کتاب سے استفادہ سخت مشکل تھا اسی احساس کے پیش نظر فاضل دارالعلوم دیوبند جناب مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری مدظلہ نے اس عظیم کتاب کی ادق زبان اور قدیم اسلوب کو دورِ حاضر کی مہذب، شگفتہ اور سلیس زبان میں تبدیل کیا۔ با محاورہ و سلیس ترجمہ، تسہیل، توسیع میں تشریح، اضافہ عنوانات، احادیث کے نمبر شمار اور پیرا گراف قائم کر کے اساتذہ و طلباء کے لئے اسے نہایت سہل و مفید بنا دیا۔ درس حدیث اور اپنے دامنِ علم کو احادیثِ نبوی ﷺ کے گراں قدر موتیوں سے مالا مال کرنے کے لئے بے مثال کتاب۔

دارالاشاعت کراچی سے جدید تقاضوں کے مطابق کمپیوٹر کتابت، طباعت، کاغذ اور جلد بندی کے اعلیٰ معیار اور اس کے نمایاں شان طریقے پر شائع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لئے ذریعہ نجات اور ذخیرہ آخرت بنائے۔